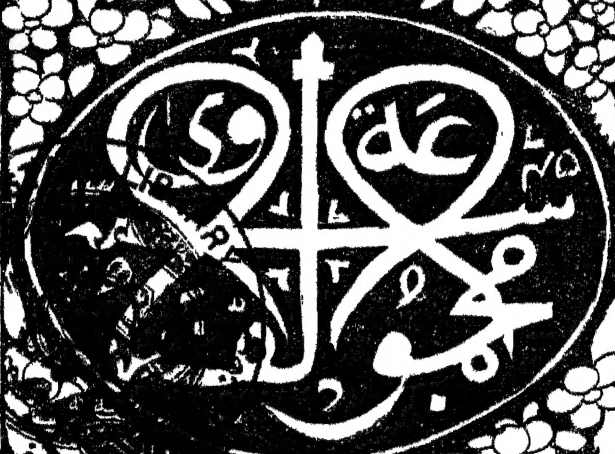


نَعْتُهُ وَعَلَى الْعَقْبِ
وَيَحْمَدُ عَبْدُكَ وَعَلَى الْعَقْبِ

حسب فرمایش برادر مکرم جناب حاجی محمد عبدالقیوم صاحب تاجرتب کلکتہ و سیلی اسکواٹرز

ترجمہ اردو



مولانا محمد عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ

بابہام کسرتین محمد قمر الدین بن جناب حاجی شیخ محمد یعقوب صاحب جوم مالک مطبع احمدی

مطبع فی ونگ انیو
دلی بیو ونگ انیو

بسم اللہ الرحمن الرحیم
کتاب الکفر والایمان

سوال - فتاویٰ عالمگیری میں جو من انکرام امتہ ابی بکر الصدیقؓ فهو کافر والرافضی اذا کان یسب الشیخین فهو کافر والمعتزلی اذا قال باستثالة الرویة فهو کافر ولو قال رجل لولم یاکل آدم الخنطة لما صرنا شیقاء کفر ولو قال رجل لاخرکان من رسول الله صلی الله علیه وعلی آله وسلم یحب القرع مثلاً وقال ذلك الغیر انما لاجبه فهذا کفر ولو رجل قال لغيره ان آدم نسبه الکریاس پس ماہم جو لاہر بیگانہ باشیم فہذا کفر واگر کہے گوید کہ بخدا وہ سر تو سو گنداست فہذا کفر ولو قال ان الانبیاء لم یصووا حال النبوة ولا قبلہا کفروا اگر گوید کہ اگر از آسمان بانگ آید کہ من ہم ینیم یلزمہ الکفر اگر گوید کہ حضرت یوسف علیہ السلام عزم زنا کردہ بود کا فر شد انتہی جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کرے کا فر ہو اور رضی جبکہ شیخین د حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو کالی دین کا فر ہیں اور معتزلی جب دیت باری تعالیٰ کو محال جانے کا فر ہو اگر کوئی کہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے گیمون نہ کھایا ہوتا تو ہم بد بخت نہوتے تو وہ کا فر ہو اگر ایک شخص کہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کو پسند فرماتے تھے اور دوسرا کہے میں اسکو پسند نہیں کرتا تو یہ کفر ہو اگر کوئی آدمی دوسرے سے کہے کہ آدم علیہ السلام نے کبریا بنایا جو میں ہم سب جو لاہم کی اولاد ہیں تو یہ کفر ہو اگر کوئی کہے کہ خدا کی اور تیرے سر کی قسم ہو تو یہ کفر ہو اور اگر کسی نے کہا کہ انبیاء نے نافرمانی نہیں کی نبوت کے وقت میں بھی اور نبوت سے

پہلے بھی تو وہ کافر ہو گیا۔ اور اگر کوئی کہے کہ گو آسمان سے بھی آواز آئے کہ نہ مار مگر میں بار ہو گا تو کافر ہو گا اور جو شخص کہے کہ (معاذ اللہ) حضرت یوسف علیہ السلام نے رنا کرنے کا قصد کیا تھا وہ کافر ہو گیا۔ اور ایسے ہی بہت سے الفاظ ہیں جنکے بیان کرنے میں طول ہو گا پس عام ہونا چاہیے کہ فساد دین مذکور میں کفر سے کون کفر مراد ہو کیا ایسے شخص کو بغیر تو یہ کہ ہم دائرہ اسلام سے خارج سمجھیں اور درانت میں حصہ نہ دیں اور اُسکے ساتھ مناکحت کرکے بن یا نہیں۔

جواب اس کفر سے کفر تہدیدی مراد ہے نہ کفر حقیقی بحر الیقین وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے واللہ اعلم بالصواب القبلہ العبد الحاج رحمۃ اللہ علیہ ابو الحسنات محمد علی بنی تجار رحمۃ اللہ علیہ بنی وکشی

کتاب العقائد

سوال۔ ایک شخص دعویٰ کرتا ہو اس بات کا کہ مجھ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود اور محقق ہیں اور مثلاً یہ غرض لکھتا ہو کہ شریک حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے آپکے جمیع صفات اور ماہیت میں اور پیش کرتا ہو قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کتاب و نشان و رستہ ان اللہ خلق سبع ارضیں فی کل ارض آدم کا دمکہ و نوح کنو حکمہ و ابراہیمہ کا براہیمکہ و موسیٰ کو سلمہ و عیسیٰ کی سلم و نبی کبیکم اللہ تعالیٰ نے سات زمینوں کو پیدا کیا ہو اور ہر زمین میں آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح اور بنی ہیں تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسیٰ ہیں تمہارے موسیٰ کی طرح اور عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح اور بنی ہیں تمہارے بنی کی طرح۔ آیا یہ قول سکا یعنی موجود و متحقق ہونا امثال آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا علم میں بمعنی مذکور ہو یا باطل در یہ عقیدہ صحیح ہو یا خلاف اہل سنت و الجماعت کے اور دنیل میں جو حدیث پیش کرتا ہو اُسکا کیا حال ہو اُس سے یہ عقیدہ ثابت ہو یا نہیں۔

جواب۔ اولاً جانا چاہیے کہ حدیث مذکور صحیح پسند اور معتبر اور ارباب تحقیق نے اسکی توثیق کی ہے حافظ جلال الدین خیرج احادیث شرح موقوفہ میں لکھتے ہیں روای الحاکم فی مستدرک عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ اللہ الذی خلق سبع سموات و من الارض مثلہن قال سبع ارضیں فی کل ارض نبی کبیکم و آدم کا دمکہ و نوح کنو حکمہ و ابراہیمہ و عیسیٰ کی سلمہ و قال صحیحاً انتھہ حاکم نے روایت کی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستدرک میں اللہ تعالیٰ کے کلام اللہ الذی خلق

(یعنی اسدودہ جو جسے سات آسمان پیدا کیے اور سات زمینیں مثل اُس کے پیدا کیں) کی شرح میں فرمایا
 آپ نے کہ سات زمینیں ہر زمین میں نبی ہیں مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل تمہارے آدم کے
 اور نوح ہیں مثل تمہارے نوح کے اور ابراہیم ہیں مثل تمہارے ابراہیم کے اور عیسیٰ ہیں مثل
 تمہارے عیسیٰ کے۔ اور کہا ہے کہ صحیح ہے انتہ اور علامہ بدر الدین شہبلی خفی اکام المرجان نے
 احکام المرجان میں لکھتے ہیں قال الحاكم حدثنا احمد بن محمد بن يعقوب التقي حدثنا
 عيسى حدثنا علي بن حكيم حدثنا شريك بن عطاء عن ابی الضحی عن ابن عباس قال
 من الارض مثلهن قال سبع ارضين في كل ارض نبی كنبيكم وادم كاد مكر ونوح كنوح
 و ابراهيم كابراهيم وعيسى كعيسى قال شيخنا الذهبي اسناد حسن قلت وله شاهد
 قال الحاكم حدثنا عبد الله بن الحسن حدثنا ابراهيم بن الحسين حدثنا احمد حدثنا
 شعبه عن عمرو بن مرة عن ابی الضحی عن ابن عباس كما في قوله تعالى خلق سبع سموات
 ومن الارض مثلهن قال في كل ارض نحو ابراهيم قال شيخنا الذهبي هذا حديثه شرط
 البخاري والمسلم انهما فيهما بيان کیا احمد بن يعقوب تقفي نے اور اُن سے عید نے اور
 اُن سے علی بن حکیم نے اور اُن سے شریک نے اور اُن سے عطائے نے اور اُن سے ابو الضحی نے اور اُن سے حضرت
 ابن عباس نے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ومن الارض مثلهن کہا حضرت ابن عباس نے کہ زمینیں
 سات ہیں ہر زمین میں نبی ہیں مثل تمہاری نبی کا اور آدم ہیں مثل تمہارے آدم کے اور نوح ہیں مثل تمہارے
 نوح کے اور ابراہیم ہیں مثل تمہارے ابراہیم کے اور عیسیٰ ہیں مثل تمہارے عیسیٰ کے
 پہلے شیخ ذہبی نے فرمایا ہو کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہو میں کہتا ہوں کہ اس پر یہ حدیث شاہد ہو
 کہ کہا ہو حاکم نے بیان کیا مجھے عبد اللہ بن حسن نے اُن سے ابراہیم بن حسین نے اُن سے اُم نے اُن سے
 شعبہ نے اُن سے عمرو بن مرہ نے اُن سے ابو الضحی نے اُن سے حضرت ابن عباس نے جیسا کہ قول باری
 تعالیٰ میں ہو خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن فرمایا آپ نے کہ ہر زمین میں مثل ابراہیم کے
 ہیں کہا ہمارے شیخ ذہبی نے کہ یہ حدیث مسلم اور بخاری کی شرط پر ہو۔ وثانیا سمجھنا چاہیے کہ زمین
 کے سات طبقات جدا گانہ ہونا اور اُس میں مخلوقات اُنہی کا موجود ہونا چند احادیث سے ثابت
 ہو اور مذہب محققین کا یہی ہو حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں

قال الباؤدی فی قوله تعالیٰ من الارض مثلهن دلالة علی ان الارضین بعضهما فوق بعض ونقل عن بعض المتکلمین ان المثلیة فی العدد خاصة وان السبع متجاوزة وحکی ابن التین عن بعضهم ان الارض احدۃ قال وهو مرود بالقراءۃ السنۃ فلتلعه للقول بالتجاوز ولا فیصیر صریحاً فی المخالفة ویدل القول الظاهر ما رواه ابن جریر من طریق شعبۃ عن عمرو بن مرة عن ابی الضحی عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ ومن الارض مثلهن قال فی کل ارض مثل ابراهیم ونحو ما علی الارض من الخلق هكذا اخرجہ مختصراً واسناداً صحیحاً واخرجہ الحاکم والبیہقی عن طریق عطاء عن ابی الضحی مطولاً واول سبع ارضین فی کل ارض ادم کادمک ونوح کنوح و ابراهیم کابراہیم وعیسیٰ کعیسیٰ ونبی کنبیکم قال البیہقی اسنادہ صحیح الا انه شاذ وظاهر قوله تعالیٰ من الارض مثلهن یرد علی اهل الہیاء فی قولهم ان لا مسافة بین کل ارض ارض وقد روی فی الترمذی من حدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً ان بین کل سماء خمس مائة عالم وان بین کل ارض ارض خمس مائة عام واخرجہ اسحاق بن راہویہ والبیہقی حدیث ابی ذر غنۃ انتھى ملخصاً وادودی نے کہا ہے کہ باری تعالیٰ کا قول ومن الارض مثلهن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بعض زمینیں بعض کے اوپر ہیں اور بعض متکلمین سے نقل کیا گیا ہے کہ مثلیت صرف عدد میں ہے اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے سے ملتی ہوئی ہیں اور ابن تین نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زمین ایک ہے اور کہا ہے کہ یہ قرآن و سنت سے مردود ہیں کہتا ہوں کہ شاید یہ بعض متکلمین یعنی جن کا قول ہے ان الارض واحدۃ نے حکم ہے انفصال پر درجہ صریحاً مخالفت کلام خدا و رسول لازم آئیگی۔ اور قول ظاہر بھی اسی پر زمینوں کے سات ہونے پر دلالت کرتا ہے جسکو ابن جریر نے شعبۃ سے انھوں نے عمر بن مرہ سے انھوں نے ابوالضحیٰ سے انھوں نے ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے قول من الارض مثلهن میں اپنے فرمایا ہر زمین میں مثل ابراهیم کے ہیں اور مخلوقات میں مثل اسکے ہیں جو اس زمین پر ہیں اسی طرح ہر قطرہ انھوں نے روایت کی ہے اور اسناد صحیح ہے اور عالم اور بعضی نے دوسرے طریقے (عطاء عن ابی الضحیٰ) سے روایت کی ہے جو طویل ہے اور اسکا اول حصہ یہ ہوتا زمینیں ہیں ہر زمین میں ادم ہیں

مثل تمہارے آدم کے اور نوح ہیں مثل تمہارے نوح کے۔ اور ابراہیم ہیں مثل تمہارے ابراہیم
 کے اور عیسیٰ ہیں مثل تمہارے عیسیٰ کے اور نبی ہیں مثل تمہارے نبی کے اور بہیقی نے
 کہا ہو کہ اسناد اسکی صحیح ہو مگر یہ کہ شاذ ہو اور ظاہر اللہ تعالیٰ کے قول میں اس مرض
 مشن کا وارد ہوتا ہو اہل مہیت کے اس قول پر کہ زمینوں کے درمیان کچھ مسافت ہیں
 ہو اور روایت کی ہو احمد اور قزندی نے مرفوعاً ابی ہریرہ سے کہ ہر آسمان سے دوسرے آسمان
 تک پانچ سو سال کی مسافت ہو اور ہر زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو سال کی مسافت
 ہو اور اسحاق بن راہویہ اور بزاری نے حدیث ابی ذر سے مثل کے نکالا ہے۔ اور علامہ
 شہاب الدین خفاجی حنفی حاشیہ تفسیر رضی وی میں لکھتے ہیں الذی نعنتہ ان الارض
 سبع کالسموات ولہا سکان من خلقہ یعلمہم اللہ انتقم ہمارا اعتقاد یہ ہو کہ زمین آسمان
 کی طرح سات ہیں اور انہیں مخلوق خدا رہتی ہو چکا علم اللہ کو ہو اور سلیمان حمل حاشیہ جبرائیل
 میں لکھتے ہیں۔ ذکر اللہ تعالیٰ ان السموات سبع طبقات ولایات الارض فی التذلیل
 عدد صریح لا یحتمل التاویل الا قوله تعالیٰ ومن الارض مثمن وقد اختلف فیہ فقہل
 ای فی العدد لان الکلیفۃ والصفۃ مختلفۃ بالمشافہۃ والاخبار فتعین العدد
 وقیل مثلہن ای فی الغلط وناہینہن وقیل ہ سبع لانہ لم یفیق بعضها عن بعض
 قال الماوردی والصیحہ ہوا الاول وانہا سبع کالسموات انتقم اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہو کہ
 آسمانوں کے سات طبقے ہیں اور زمین کے لیے قرآن میں کہیں صریح نہیں بتایا گیا جو مالک
 کا احتمال نہ رکھتا ہو بخبر ومن الارض مثمن کے اور اسمین مختلف ہو بعض کے نزدیک تشابہ
 عدد میں ہو کیونکہ کیفیت و صفت مختلف ہو اس پر مشابہہ اور خبر دلالت کرتی ہو اور بعض کے
 نزدیک زمین موٹائی اور درمیان فی مسافت میں آسمان کے مثل ہو اور بعض کے نزدیک
 آسمان سات ہیں لیکن بعض بعض سے علیحدہ نہیں ہیں اور ماوردی نے کہا ہو کہ اول ہی
 صحیح ہو یعنی آسمانوں کی طرح زمین بھی سات ہیں۔ اور تعلیٰ عرائس میں تحریر کرتے ہیں
 راوی عن عبد اللہ بن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال بین کل
 ارض الی التی لیسہا سیرۃ خمس مائۃ عام وھے سبع طبقات الارض الثانیۃ سبعۃ المربح

ومنها يخرج الريح المختلفة وفي الارض الثالثة خلق وجوههم كوجوه بني آدم واقواهم
 كاقوا الكلاب ايديهم كايدي الانس ارجلهم كارجل البقر واذا نهم كاذان البقر
 اشعاعهم كصوف الضان لا يعصون الله طرفه عين نهارهم ليلنا ونهارنا ليلهم
 والارض الرابعة فيها حجارة الكبريت التي عدها الله لاهل النار ليستخرجها جهنم
 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الذي نفسى بيده ان فيهما اودية من كبريت
 لو ارسل الله فيها الجبال لدورسى لضاعت والارض الخامسة فيها عقارب اهل النار
 والسادسة فيها ادواوين اهل النار واعمالهم واسمها سجين والسابعة مسكن
 ابليس جنوده انتهى ملخصا روایت کی گئی ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر زمین سے اس کے متصل دوسری زمین تک پانچ سو سال کی راہ ہے
 اور یہی زمین کے سات طبقے ہیں دوسرے طبقے میں ہوا کا خزانہ ہے جس سے مختلف ہوائیں
 نکلتی ہیں اور تیسرے میں ایک مخلوق ہے جس کے چہرے انسان کے چہرے کے ایسے اور نہ کہ توں
 کے منہ کے ایسے اور ہاتھ انسان کے ہاتھ کے ایسے اور پاؤں گائے کے پاؤں کے ایسے اور کان
 گائے کے کان کے ایسے اور ان کے بال بھیڑ کے بال کے ایسے ہیں اور کبھی وہ مخلوق ذرہ برابر بھی
 اللہ کی نافرمانی نہیں کرتی اس کا دن ہماری رات اور ان کی رات ہمارا دن ہے اور چوتھی زمین میں
 گندھک کے پتھر ہیں جن کا خدا نے اہل نار کے لیے وعدہ کیا ہے اور اسے جہنم کی آگ تیر کھاگی
 فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اس ذات کی جس کے قدرت میں میرا نفس ہے کہ
 اس طبقے میں گندھک کے ایسے جنگل ہیں کہ اگر اس میں خدا سے ہوئے پہاڑوں کو بھیجے
 تو وہ ضائع ہو جائیں اور بانجویں میں دوزخیوں کے بھیو ہیں اور چھٹی میں دوزخیوں
 کے دفتر اور ان کے اعمال ہیں اور اس چھٹے طبقے کا نام سحین ہے اور ساتویں طبقے میں ابلیس
 اور اس کا لشکر رہتا ہے اور فاضل محمد بن احمد بن ایاس حنفی بدایع الصوفی و قانع
 الدہوری نے لکھے ہیں قال وهب ابن منبه لما خلق الله الارض كانت طبقة واحدة
 ففتقها فصيرها سبعاً كما فعل في السموات فجعل بين الطبقة مسيرة خمس مائة عام
 وهو قوله تعالى ففتقناها وجعلها سبعاً فكان اسم الطبقة العليا اديماً والثانية بسيطاً

والثالثة ثقيلاً والرابعة بطيحا والخامسة جنبا والسادسة ماسكة والسابعة الثرى
وسكان الارض الثانية امر يقال لهم الطمس طعمهم من لحومهم وشرابهم
من دهم والطبقة الثالثة سكانها امر وجوهرهم كوجه بنى آدم وافواهم كافواه
الكلاب ايدىهم كايدي بنى آدم وارجلهم كارجل البقر على ابد انهم شع كضيق الغنم
وهو لهم ثياب والطبقة الرابعة سكانها امر يقال لهم الحلم لهم اعيين
ولا اقدام بل لهم اجنحة كاجنحة القطا والخامسة بها امر يقال لهم الخشن وهم
كامثال البغال ولهم اذنان كل ذنب فثلاث مائة ذراع والسادسة بها امر يقال
لهم المحشوم وهم سودا ابد ان لهم مخالب كخالب السباع ويقال ان الله تعالى
يسلطهم على يا جوج وما جوج حين يخرجون فيهلكهم الطبقة السابعة فيها مسكن
ابليس وجنوده من المردة والشياطين انهم ملخصا كما وهب بن منبه كعجب
الله في زمين كويديا كوايك هي طبقة تها بجر اسكوسات طبقه كويديا كاسمانون
مين كيا اور هر طبقه سے دوسرے طبقه تک پانچ سو سال کی راہ ہوا اور یہ قول اللہ تعالیٰ
کا ہے ففتقناهما وجعلناهما سبعاً پس طبقه كعليا کا نام ادم اور دوسرے کا بسیط اور تیسرے
کا ثقيل اور چوتھے کا بطيح اور پانچویں کا جنب اور چھٹے کا ماسك اور ساتویں کا ثرى اور طبقه
ثمانية کا رہنے والا ایک گروہ ہر طمس نامی جو اپنا گوشت کھاتا اور خون پیتا ہے اور طبقه ثمانية میں
ایک گروہ رہتا ہے جس کا چہرہ بنی آدم کا ایسا ہے اور منہ کتوں کا ایسا اور ہاتھ بنی آدم کے ایسے
اور بانٹوں کے ایسے ہیں اس کے بدن پر بال ہیں بھڑکے بال کے ایسے اور وہ کپڑوں کا
کام دیتے ہیں اور چوتھے میں ایک گروہ رہتا ہے طعم نامی جس کے نہ آنکھیں ہیں نہ پاؤں بلکہ اس کے
قطا کے ایسے بازو ہیں اور پانچویں میں ایک گروہ ہے جو خشن کہلاتا ہے اور وہ بچروں کے
ایسے ہوتے ہیں اور اس کے بہت سی دین ہوتی ہیں مہر دم تین سو گز کی اور چھٹے میں
ایک گروہ ہے جس کو محشوم کہتے ہیں اس کے جسم سیاہ ہوتے ہیں اور درندوں کے ایسے بچے
ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ جب ماجوج ماجوج نکلنے لگے اور لوگوں کو ہلاک کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ
اس گروہ کو ماجوج ماجوج پر نازل کر دیا اور یہ گروہ اس کو ہلاک کر ڈالے گا اور ساتویں طبقہ میں

ابلیس مع اپنی شیاطین کے لشکر کو رہتا ہو۔ تا ثانی معلوم کرنا چاہیو کہ جملہ طبقات باقیہ میں انبیاء کا ہونا ثابت ہو چکا ہے۔
 حدیث مذکور کہ صحیح ہو دلالت کرتی ہو اور قرآن پاک میں ہو و کل قوم ہاد یعنی ہر قوم کو واسطے ہادی مبعوث ہوا ہے
 اس سے معلوم ہوتا ہو کہ ہر قوم کے واسطے ایک راہنما مقرر ہوا ہو پس ہر گاہ طبقات باقیہ میں وجود مخلوقات الہی کا
 ثابت ہے اور کوئی مخلوق حق تعالیٰ کی محل نہیں چھوڑی گئی لہذا ہر گاہ ان بھی راہنما ہونگے اور علامہ جلال الدین
 محلی کی تفسیر سے بھی یہ بات ثابت ہو کہ حضرت جبریل طبقات باقیہ میں وحی لے جاتے تھے چنانچہ تفسیر علامہ
 میں لکھتے ہیں اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلہن یعنی سبع ارضین یتنزل الامر
 الوحی بینہن بین السموات والارض یتنزل بہ جبرئیل من السماء السابعة الی الارض
 السابعة انتھ اللہ وہ جس نے پیدا کیا سات آسمانوں کو اور زمین سے اُنکے مثل یعنی سات زمینیں
 اترتا ہو حکم یعنی وحی اُنکے درمیان یعنی آسمان و زمین کے درمیان جبریل علیہ السلام وحی نیکر ساتوین
 آسمان سے ساتوین زمین تک اترتے ہیں۔ ہر گاہ یہ تین امر ذہن نشین ہو گئے اب سمجھنا چاہیے کہ لفظ
 بنی کنبیہ کہ سے اگرچہ ایک ایک نبی خاتم النبیین ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہو لیکن اسکا مثل
 ہونا ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ کام عرب میں
 کاف تشبیہ کے واسطے مستعمل ہے اور تشبیہ میں لازم نہیں ہو کہ مشبہ بمثل یا اقویٰ ہو مشبہ سے بلکہ
 کبھی تشبیہ ناقص کے ساتھ مجرّد تفہیم کے واسطے ہوتی ہو قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتا ہو اللہ نوس
 السموات والارض مثل نورہ مشکوٰۃ فیہا مصباح اللہ آسمان اور زمین کا نور ہو اُسکے نور کی
 حالت مثل مشکوٰۃ کے ہو کہ اُس میں چراغ ہو۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے نور کو تشبیہ دی ہو ساتھ
 نور مشکوٰۃ کے اور پھر ظاہر ہو کہ نور الہی بدرجہا اس نور سے اعلیٰ و حسن ہو چہ نسبت خاک را با عالم پاک
 پس لفظ بنی کنبیہ کہ سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہو کہ خاتم الانبیاء طبقات باقیہ کا مثل خاتم الانبیاء اس طبقہ
 کے ہو بلکہ فقط تعلیم و تفہیم کے واسطے ہو اس غرض سے کہ جس طرح ایک خاتم الرسل اس طبقہ میں ہو سی طرح
 سے ایک ایک خاتم ہر طبقہ میں ہو نہ یہ کہ وہ خاتم مثل اس خاتم کے ہو بلکہ اگر غور کیا جائے تو اسی حدیث
 سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاتم مثل ہمارے خاتم الانبیاء کے نہیں ہے کیونکہ اسی حدیث میں لفظ آدم کا دم
 بھی وارد ہوا اس سے معلوم ہوتا ہو کہ مخلوقات طبقات باقیہ کی اولاد ہمارے آدم کی نہیں ہو بلکہ دوسرے
 آدم کی ہے اور تمام کتب عقائد میں یہ امر صحیح ہوتا ہو کہ اولاد آدم این عالم تمام مخلوقات سے جتنے کہ

ملائکہ سے بھی افضل ہو اور آیہ کریمہ ولقد کو منابنی آدم سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے کیونکہ تمام مفسرین
 اور علما کا اتفاق ہے اس امر پر کہ مراد آدم سے اس آیت میں ہمارے آدم ہیں نہ آدم طبقات باقیہ بلکہ تمام
 انبیاء کہ قرآن پاک میں اُنکا ذکر ہوا اُن سے مراد انبیاء اسی طبقہ کے ہیں نہ انبیاء طبقات باقیہ کے اور حدیث
 صحیح میں وارد ہوا ناسید ولد آدم و کلاخیز میں اولاد آدم کا سردار ہون اور کوئی فخر نہیں ہے۔
 اور دوسری حدیث میں وارد ہوا انا اکرم الاولین والآخرین میں اگلوں اور پچھلوں میں سب سے
 بزرگ ہوں۔ اب یہاں سے دو مقدمے مہم ہو کر اول یہ کہ ہمارے خاتم الانبیاء تمام اولاد آدم سے
 افضل ہیں دوسرے یہ کہ اولاد آدم اس عالم کی تمام مخلوقات سے افضل ہے بعد ترکیب ان دونوں
 مقدموں کے نتیجہ نکلا کہ ہمارے خاتم الانبیاء افضل ہیں تمام مخلوقات سے پس مماثلت خاتم الانبیاء طبقات
 باقیہ کے ساتھ ہمارے خاتم الانبیاء کے کیسے ثابت ہوگی اسکو علاوہ یہ ہو کہ مماثلت میں اتحاد مابیت و اتحاد دم
 ضرور ہو اسی واسطے انسان انسان کے مماثل کہلاتا ہو اور انسان جن یا فرشتہ کے مماثل نہیں کہلاتا ہو
 اور عبارت برالعیالہ ہور وغیرہ سے جو سابق منقول ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات طبقات باقیہ اس
 مخلوقات کے صنف سے نہیں ہیں اور یہ امر مخصوص قطعہ سے ثابت ہے کہ نبی ہر قوم کا اسی قوم کی صنف
 سے ہوتا ہے تاکہ امت اس کے ساتھ ارتباط پیدا کرے اور اسکی متابعت کرے اسی واسطے نبی آدم پر کوئی
 بتی قسم بتایا کہ قسم مائیکہ مبعوث نہیں پس ضرور ہو کہ انبیاء مخلوقات طبقات باقیہ کے انھیں کی صنف سے
 اور انھیں کی جنس سے ہونگے اور ہمارے خاتم الانبیاء ہماری جنس سے ہیں پس دونوں خاتم میں مماثلت
 کہ عبارت ہو اتحاد صنف و صفات سے کیونکہ ہوگی ہاں اس قدر میں دونوں شریک ہیں کہ ہمارے
 خاتم الانبیاء اس طبقہ کے ہوئے اور طبقات باقیہ کے خاتم اپنے اپنے طبقات کے خاتم ہوئے لیکن مجرور
 شرکت سے مماثلت کا اطلاق درست نہیں اتحاد حاصل حدیث مذکور صحیح ہو اور موجود ہونا امثال
 خاتم الانبیاء افضل مخلوق اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا باطل ہے اور اس حدیث سے ہرگز ثابت
 نہیں ہوتا ہے بلکہ عدم مماثلت اس سے ثابت ہے مقام افسوس و تعجب ہے کہ از زمان وجود نبوی تا این
 جزو زمان مدت قریب تیرہ سو برس گزری اور اس مدت میں صد ہا فقہاء اور محدثین اور ہزار ہا علما
 اور صحابہ اور تابعین کی نظر سے حدیث مذکور گزری مگر کسی کے خیال مبارک میں موجود ہونا امثال نبی
 صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ آیا آیا تو اس صاحب عقیدہ کی خاطر عاظمین آیا انا للہ وانا الیہ راجعون

لقد صدق رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم بداء الدین غریبا وسیعود غریبا بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کی ابتدا غربت کی حالت میں ہوتی ہو اور غربت ہی کی طرف لوٹ جائے گا۔ نازم برین عقل و دانش اگر شیوع چل کی ہی کیفیت رہی تو دیکھا چاہیے کہ کیسے کیسے عقائد فاسدہ احادیث صحیحہ سے افہام ناقصہ مستنبط کرینگے اور کیا کیا فساد اس عالم میں برپا کریں گے واللہ اعلم۔ سوال۔ جو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے ایک ناجی اور سب ناری ہونگے ایمان ناری سے مراد کفار ہیں یا مسلمان فاسق کہ بسبب عصیان کے دوزخی ہو جائیں گے بعض حضرات کہتے ہیں کہ رافضی جو شیخین کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں کافر ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ سب اہل ہو اکافر ہیں ایک فرقہ مسلمان ہی جسکو اہل سنت و جماعت کہتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ رافضی کی توبہ قبول نہیں بلکہ اسے قتل کرنا واجب ہو۔ جواب عقائد اور نقہ کی کتابوں میں اس طرح لکھا ہو کہ بہتر فرقے جو اہل ہوا ہیں ایک بھی کافر نہیں ہو چنانچہ عبارت اُن کتابوں کی جو یہاں موجود ہیں بعینہ لکھی جاتی ہو اور عبارت فتاویٰ کی جو سب اشیخین کھنڈے ہو اسکا بھی جواب لکھا جاتا ہو بغور ملاحظہ فرمائیں بلکہ اعتقاد کفر کا اہل ہوا کے جو بہت سی ہیں رکھنا بھی کفر ہوا تو یہ ہو کہ تمہید ابوالشکور سلی میں لکھا ہو کہ جو حدیث شریف تفرقہ امت میں وارد ہوئی ہو اُس میں اختلاف ہو چنانچہ ایک روایت میں لکھا ہو ستفروق امتی من بعدی ثلثہ وسبعون خرقۃ کلہم فی النار الا واحداً قریب ہو کہ میری امت کے لوگ جدا جدا تہتر فرقوں میں ہو جائیں گے جن میں ایک کے علاوہ سب فرقے جہنم میں جائیں گے اور دوسری روایت میں ہو کلہم فی الجحیم الا واحداً قیل ماتلک الواحدة فقال صلی اللہ علیہ وسلم القدریۃ ایک کے علاوہ سب جنت میں جائیں گے پوچھا گیا وہ ایک کون ہو اپنے فرمایا وہ قدریہ ہو۔ بغور ملاحظہ فرمائیں کہ کفر و نون حدیثوں سے ثابت نہیں ہوا بلکہ دوسری حدیث سے جنتی ہونا ثابت کیا ہو کفار کے واسطے کہیں بھی لفظ آیا ہو اور یا کسی عالم نے اُن پر حکم جزیہ یا استرقاق کا بسبب کفر کے لکھا ہو اور دوسرے ایک مقام پر لکھا ہے اعلم ان الدین مع الجماعة والجماعة هما اهل السواد الاعظم والسواد الاعظم من الجبر والقدر و بین التشبه والتعطيل و بین النصب والرفض و سئل ابو حنیفۃ عن السنۃ والجماعة فقال لا نصب ولا رفض ولا جبر ولا قدر ولا تشبه ولا تعطيل وروی عن ابی حنیفۃ انه

قال شهادة اهل الاهواء مقبولة فاذا قبل شهادته دل انه مسلم وروى عن محمد بن الحسن
انه قال الصلوة خلف المبتدع جائز الا انه يكره لانه اعتقد البدعة على رغم انه حق وهو
حلال والثاني انه اول في ذلك واستحل بالتاويل فلا يكره كذا في التمهيد جانتاچي سیر کر دیں جماعت
کو ساتھ ہو اور جماعت اہل سواد اعظم میں اور سواد اعظم جبر و قدر تشبہ و تعطیل نصب ورفض کے درمیان ہر
امام ابو حنیفہؒ سے اہل سنت و جماعت کا حال پوچھا گیا انھوں نے فرمایا کہ وہ لوگ بین جہ نصب ورفض
جبر و قدر تشبہ و تعطیل کسی کے قائل نہوں امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہو کہ اہل ابواء کی گواہی مقبیر
ہو اور جب انکی گواہی مقبیر ہو تو وہ مسلمان ہیں امام محمد بن حسنؒ سے روایت ہو کہ مبتدع کے پیچھے ناجائز
ہو لیکن مکروہ ہو دو وجہوں سے ایک تو یہ کہ وہ بدعت کا حق و حلال جانکر اعتقاد کرتا ہے دوسرے
یہ کہ وہ تاویلات کو کام میں لاتا ہے اور بدعت کو تاویل سے حلال بناتا ہے پس وہ کافر نہیں ہیں۔
اور جانتا چاہیے کہ بہتر فرقہ جو کتابوں میں ہیں جنکا احوال مرقوم ہو ائمہ میں بھی کئی فرقے مثل شاخون کے
ظاہر ہوئے ہیں چنانچہ فرقہ تناسخچہ چار قسم ہو کر بچر چار اسی قسم ہو گئے چنانچہ تفصیل اسکی بھی تمہید میں موجود ہے
اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اور بھی ہر فرقے میں اقسام ہو گئے جو شخص جس فرقے کا کام کرے گا اسی میں شمار کیا
جائے گا چنانچہ فرقہ وہابیہ میں کو معتزلہ کہتے ہیں اب تفصیل فرقوں کی اور بیان ہر ایک کی بدعت کا
طول ہو فرض سائل جو ہر سب الشیخین کفر ہو یا نہیں اور تو بہ اسکی قبول ہو یا قتل انکی تو یہ ہو اسکا جواب
لکھنا مقصود ہو شرح فقہ اکبر میں لکھا ہو سب الشیخین لیس بکفر کا صحیح ابوالشکور السلی فی
تمہیدہ و ذلك لعدم ثبوت مبناہ وعدم تحقق معناه فان سب المسلم فسق كما في حدیث
ثابت یستوی الشیخان وغيرهما في هذا الحكم ولانه لو فرض ان احد اقل الشیخین مل
والثقتین بوصف الجمع لا يخرج عن كونہ مسلما عند اهل السنة والجماعة ومن المعلوم
ان السب دون القتل لغم لو استحل السب والقتل فهو كافرا لا محالة وعلى تقدير
ثبوت احد بشا فوجب ان یؤمل كما اول حدیث من ترك صلوة منعہ فقد كفر ای استحلال
الترك شیخین کو گالی دینا کفر نہیں ہو جیسا کہ ابوالشکور سلمی نے تمہید میں اسکی تصحیح کی ہو کیونکہ اس کا
کوئی سبب ثابت نہیں ہوتا ہو اور اسکا مطلب ٹھیک نہیں بنتا کیونکہ مسلمان کو گالی دینا فسق
جیسا کہ ثابت کی حدیث ہے شیخین اور انکے علاوہ سب اس حکم میں مساوی ہیں اور اگر فرض کیا جائے

کہ کسی نے شیخین بلکہ ختین کو بھی قتل کیا تو وہ اسلام سے خارج نہوگا اہل سنت و جماعت کے نزدیک اور یہ بات معلوم ہو کر یہاں گالی سے بحث ہو نہ کہ قتل سے ہاں اگر گالی دینے اور قتل کرنے کو حلال جانے تو وہ کافر ہو اور اگر کوئی حدیث رکفر سب شیخین میں اثبات ہو تو اسکی تاویل ضروری ہو جیسا کہ حدیث میں من ترک صلوٰۃ متعدّد فقد کفر میں تاویل کی گئی ہو اور مطلب یہ لیا گیا ہو کہ جو نماز کو ترک کرے حلال سمجھ کر وہ کافر ہو اور دوسری جگہ فقہ اکبر میں لکھا ہو کہ جمع کرنا دونوں کا مشکل ہو ایک تو یہ کہ اہل قبلہ کافر نہیں ہیں چنانچہ سب فقہاء اور متکلمین کا بھی یہی قول ہو اور دوسری عبارت فتاویٰ کی سب اشخیں کفر ہو وجہ اشکال کی بیان کر کے پھر جواب لکھا ہو یہ دفع الاشکال بان نقل کتب فتاویٰ مع جملة قائمہ وعدم اظہار دلالتہ لیس بحجۃ من ناقلہ اذ مدار الاعتقاد فی المسائل الدینیۃ علی الأدلۃ القطعیۃ علی ان فی تکفیر المسلم قد یترتب مفسد جلیۃ وخصیۃ وقال الامام ابن الہمام فی شرح الہدایۃ للجواب عن ہذا الحکایۃ حیث قال اعلم ان المحکم بکفر من ذکرنا من اہل الهواء مع ما ثبت عن ابی حنیفۃ و الشافعی رحمہما اللہ من عدم تکفیر اہل القبلة من المبتدعۃ کلہم معہد یتہ ان ذلک المعتقد فی نفسہ کفر اشکال اس طرح پر دفع کیا جاتا ہو کہ کتب فتاویٰ سے نقل کرنا باوجود قائل کے نہ معلوم ہونے کے اور اس کے دلائل کے نہ ظاہر ہونے کے ناقل کے لیے حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ مسائل دینیہ میں اعتقاد کا مدار اولہ قطعیہ پر ہو اور کسی مسلمان کو کافر کہنے سے بہت سی خرابیاں حللی و خفی واقع ہوتی ہیں ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں اسی کا جواب دیتے ہوئے کہا ہو کہ باوجود امام ابو حنیفہ اور امام شافعی سے عدم تکفیر اہل قبلہ ثابت ہونے کے اہل ابواء کے کفر کا حکم دینا خود فی نفسہ کفر ہو اور صاحب درمختار نے باب امامت میں لکھا ہو کہ نماز صاحب بدعت کے پیچھے مکروہ تنزیہی ہو مبتدع ای صاحب بدعتہ وہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبہۃ وکل من کان من قبلتنا لا یکفر بجماعتی الخ وارجو الذین یتحلون و مائنا و اموالنا و سب اصحاب الرسول صلے اللہ علیہ وسلم و ینکرون صفاتہ تعالیٰ و حوازی و بیتہ لکونہ عن تاویل و شبہۃ بدلیل قبول شہادۃ ہم مبتدع یعنی صاحب بدعت را اور بدعت رسول سے جو بات مشہور ہو اس کے خلاف کا بلا کسی عناد کے اعتقاد رکھتا ہو اور وہ شخص جو اہل قبلہ ہو بدعت سے کافر نہیں ہوتا یہاں تک کہ خوارج

جو ہمارے خون اور مال اور محاب رسول کو گالیان دینا اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں اور صفات و روایات
باری تعالیٰ کے تاویل و شبہ کی وجہ سے منکر ہیں مسلمان ہیں کیونکہ انکی گواہی مقبول ہو اور بات شہادت
میں لکھا ہے ثقل من اهل الاهواء ای اصحاب بدع لا تکفر کجبر وقد ورفض وخرج و تشبیه
و تعطیل و کل منهم اثنا عشر فرقۃ فصارت اثنتین و سبعین الا الخطابیۃ صنف من الرفض
یرون الشهادۃ للضعیفہم و کل من حلف انہ حق فودعہم لا یلبد عثم بل لثمۃ الذنب
شہادت اہل ہوا یعنی اصحاب بدعت کی جو کافر نہیں ہیں مقبول ہو مثلاً جبر و قد و رفض و خرج و تشبیه
و تعطیل کی اور ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں پس کل بہتر فرقے ہوئے مگر خطابیہ یعنی ان کی
شہادت مقبول نہیں جو شہادت صرف اپنے گروہ اور انکے حق پر ہونے کی حلف اٹھانے والے کے
ساتھ خاص مانتے ہیں نہ انکی بدعت کی وجہ سے بلکہ کذب کی تہمت کی وجہ سے۔ دیکھیے اس
عبارت میں کہیں کذب ثابت نہیں کیا بعضے صاحب فرماتے ہیں کہ مرتد کے باب میں صاحب
درمختار نے انبیاء و شیخین کی جناب میں بے ادبی کرنے والے کے لیے حکم قتل فرمایا
ہو اور عبارت اس مقام کی یہ ہو والکافر بسبب الشیخین اوبسبب احدهما فی الجوعن الجوهرة
مغربا للشہید من سبب الشیخین او طعن فیہما کفر ولا تقبل توبۃ و بہ اخذ الدبوسی وابو
اللیث و هو المختار للفتویٰ انتھی و جزم بہ فی الاشباہ۔ شیخین یا ان میں سے ایک کو گالی دینے کی
وجہ سے جو کافر ہو جائے وہ قتل کیا جائیگا بحر میں جو بہرہ سے شہید کی جانب منسوب کرتے ہوئے قتل کیا ہو
کہ جس نے شیخین کو گالی دی یا انکے بارے میں زبان درازی کی تو وہ کافر ہو اور اسکی توبہ مقبول نہیں
ہو اور اسی سے دبوسی اور ابواللیث نے اخذ کیا ہو اور یہی مفتی بہ اور مذہب مختار ہو اور اشباہ میں اسکی
جمع ٹھہرایا ہو۔ درمختار کو مصنف نے آپ ہی اس مسئلہ کو رد کیا ہو اس قول سے لکن فی النہر و ہذا لا وجہ
لہ فی اصل الجوهرة و انما وجد علی ہامش بعض النسخ فاحتج بالاصل مع انہ لا ارتباط لہ بما
قبلہ انتھی لیکن نہ میں ہو کہ اصل جوہرہ میں یہ عبارت نہیں ہو ان بعض نسخوں کے حاشیہ پر ہو پس
اصل ہی صحیح ہو باوجودیکہ اسکو اپنی ماقبل سے کچھ ربط بھی نہیں حاصل ہوتا ہو اصل حال مسئلہ کا یہ ہو
کہ جس زمانہ میں بحر اور اشباہ تصنیف ہوئی تھی تو مصنف بحر و اشباہ نے لکھا تھا۔ سبب الشیخین کفر
ولا تقبل توبۃ شیخین کو گالی دینا کفر ہو اور گالی دینے والے کی توبہ مقبول نہیں ہو۔ اس زمانہ میں بانی

مصنف کا جس نے نہر الفائق شرح کنز الدقائق تصنیف کی ہو جس کا نام عمرو بن نجیم ہو اور چند علمائے شہر
 مثل شیخ امین الدین عبدالعال وغیرہ جمع ہو کر آئے اور دریافت کیا کہ یہ مسئلہ سب الشیخین کفر کا تم نے کہا ہے
 لکھا ہو کہا جو ہرہ سے لکھا ہو جو قدوری کی شرح ہو علمائے جو ہرہ طلب کیا تو جواب دیا کہ میرا جو ہرہ آگ
 میں جل گیا اور جو ہرہ شہر میں سے منگو کر ہر چند دیکھا یہ مسئلہ نہ پایا پوچھا کس جگہ سے نقل کیا تھا مقام تلک
 نو عبارت جو بحر میں تھی اُس سے ملا کر دیکھا اور ہر چند اول آخر سے ربط دیا ربط نہ کھایا مسئلہ کی وہیں خطاطا
 ہو گئی۔ وقال السيد المحمدي في شرح الاشباه حكي عن عمرو بن نجيم ان اخاه افقي بذ لك
 فطلب منه النقل فلم يوجد الا على طريق الجوهره اور کہا ہو سید محموی نے شرح اشباہ میں عمرو بن
 نجیم سے نقل کیا گیا ہو کہ اُنکے بھائی نے اسکا فتویٰ دیا تو اُن سے نقل طلب کی گئی پس نقل نہ ملی مگر جو ہرہ
 کے طریقہ پر۔ اور پھر محموی نے اُسی عبارت کے آگے لکھا ہو و اقول على فرض ثبوت ذلك في عامة
 نسخ الجوهره لا وجه له يظهر لما قد منا ه من قبول توبه من سب الانبياء عندنا خلاف المالكية
 والحنابلة واذا كان كذلك فلا وجه للقول بعدم قبول توبه من سب الشيعين بل لم يثبت ذلك
 عن احد من الائمة فيما اعلم بالفرض اور میں کہتا ہوں کہ اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ جو ہرہ کے نسخوں
 میں یہ عبارت موجود ہو تو بھی اُسکی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہو کیونکہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک
 انبیاء کو گالی دینے کے بعد بھی توبہ مقبول ہو (جذلیہ اور مالکیہ اس مسئلہ میں ہمارے خلاف ہیں) تو کوئی وجہ
 نہیں کہ ہم سب شیخین کے بعد قبول توبہ کے نہ قائل ہوں بلکہ میرے علم میں تو یہ ائمہ ہیں سے کسی سے بھی
 ثابت نہیں ہو۔ اگر کفر مان لین جب بھی یہ لازم نہیں آتا ہو کہ اُسکی توبہ مقبول نہیں اور حکم کرنا کفر کے ساتھ
 بہت مشکل ہو اختیار میں لکھا ہو۔ اتفاق الائمة على تصليح اهل البدع اجمع وتخطئهم وسب
 احد من الصحابة وبغضه لا يكون كفرا لكن يضل و ذكر في فتح القدير ان الخوارج الذين
 يتحلون دماء المسلمين واموالهم ويكفرون الصحابة حكمهم عند جمهور الفقهاء واهل
 الحديث حكم البغاة تمام ائمہ اہل بدعت کے گمراہ و خطا کار ہونے پر متفق ہیں اور صحابہ میں سے
 کسی کو گالی دینا اور اُن سے بغض رکھنا کفر نہیں ہو لیکن ایسا شخص گمراہ کہلائے گا اور فتح القدير میں
 ہو کہ خوارج (جو مسلمانوں کے خون اور مال کو اپنے لیے حلال جانتے ہیں اور صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں) کا حکم
 جمہور فقہاء اہل حدیث کے نزدیک باغیوں کا حکم ہو خیال کیجیے کہ خوارج جو سب سے زیادہ بدعتی ہیں

چنانچہ درمختار سے مذکور ہوا اُنکے واسطے بھی حکم کفر کا نہ فرمایا قال ابن المنذر وهو اعرف کلام المجتہدین
نعم یقع فی کلام اهل المذهب تکفیر کثیر و لکن لیس من کلام الفقہاء الذین هم المجتہدون
بل من غیرہم ولا عبورۃ لغیر الفقہاء ابن مندر نے رجو مجتہدین کے کلام کو سب سے زیادہ جاننے
والے تھے کہا ہے کہ اہل مذہب کے کلام میں تکفیر کا اکثر تذکرہ آتا رہتا ہے لیکن یہ اُن فقہاء کے کلام سے
نہیں ہے جو مجتہد ہیں بلکہ اسکے قائل دوسرے لوگ ہیں اور غیر فقہاء کا کلام مقبہ نہیں۔ بہت تفصیل سے
رد المحتار میں جو حاشیہ درمختار کا ہے مسلمان ہونا ثابت کیا ہے جسکو دیکھنا ہو دیکھ لے اور رد المحتار میں لکھا
ہو ولم یلیل احد لعدم قبول شہادۃ ہم بالکفر کما تری نعم استثنوا الخطابیۃ لانہم یرون شہادۃ
الزور ولا شیاعہما والمخالف و کذا انض المحدثون علی قبول روایۃ اهل البہواء فہذا فی من
لیسب عامۃ الصحابۃ و یکفرہم بناء علی تاویل لہ فاسد فہم ان ما ذکرہ فی الخلاصۃ من انہ کافرو قول
ضعیف مخالف للمتون والشی و حبل ہو مخالف لاجماع الفقہاء کما سمعہ وقد الف العلامة
ملا علی قاری رسالۃ فی الرد علی الخلاصۃ ولہذا اقلعہ قطعاً ان ما عزی الی الجوہرۃ من الکفر
مع عدم قبول التوبۃ علی فرض وجودہ فی الجوہرۃ باطل لا اصل لہ ولا یجوز العمل بہ وقد مر انہ
اذا کان فی المسئلۃ خلاف ولوروا یتہ ضعیفۃ فعلم المفتی ان یمیل الی عدم التکفیر کیف یمیل
ہنا الی التکفیر المخالف للاجماع فضلاً عن میلہ الی قتلہ وان تاب وقد مر ایضاً ان المذہب
قبول توبۃ سبب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فکیف سبب الشیخین والعجب من
صاحب الجرحیث تساہل غایۃ التساہل فی الافتاء بقتلہ۔ اور کسی نے اُنکی شہادت کے
نہ قبول ہونے کا سبب کفر کو نہیں بتایا ہے ان قبول شہادت سے خطابیہ کو اس وجہ سے
استثنیٰ کرتے ہیں کہ وہ گواہی اپنے اور اپنی صداقت کی قسم کھانے والے کے ساتھ
مخصوص سمجھتے ہیں ایسا ہی محدثین دلیل لائے ہیں اہل البہوار کی روایت کے
قبول ہونے پر پس یہ اس شخص کے بارے میں جو صحابہ کی تکفیر کرتا ہو اور انکو گالی دیتا ہو ایک تاویل فاسد
کی بنا پر پس معلوم ہو گیا کہ جو کچھ خلاصہ میں ہے کہ وہ شخص کافر ہو ایک ضعیف قول ہے جو متون اور
شرح اور اجماع فقہاء کے مخالف ہے جیسا کہ میں نے سنا ہے اور ملا علی قاری نے خلاصہ کی رد میں ایک
رسالہ تحریر کیا ہے اس سے تنکو یہ معلوم ہو گیا کہ جوہرہ کی جانب کفر اور عدم قبول توبہ کی جو نسبت کی گئی ہے

وہ اگرچہ جو ہرہ میں ہو باطل ہو اسکی کچھ اصل نہیں اور اسپر حمل کرنا جائز نہیں اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مسئلہ میں اگر اختلاف ہو اور کوئی ضعیف روایت بھی عدم تکفیر کی موجود نہ ہو تو اسی کے جانب مائل ہونا چاہیے پس یہاں تکفیر کے جانب کیونکر مائل ہو سکتے ہیں جو اجماع کے مخالف ہو چہ جائیکہ قتل اگرچہ وہ توبہ کرے اور یہ بھی اوپر گذرا ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ مقبول ہو پس شیخین کو گالی دینے والے کی توبہ کیون قبول نہوگی اور صاحب بحر سے تعجب ہو کہ انھوں نے قتل کا فتویٰ دینے میں انتہائی تساہل کیا ہو۔ مولف رد المحتار و مصنف در مختار نے کہیں اہل اہوا کو کافر نہیں لکھا بلکہ باب حیض میں لکھا ہو کایفتی بتکفیر و مسلمہ کان فی کفرہ خلاف ولور وایۃ ضعیفہ کسی مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے گا اگر اس کے کفر میں اختلاف ہو روایت اگرچہ ضعیف ہی کیون نہو۔ اور دوسری جگہ لکھا ہو اذا کان فی المسألة وجوب الکفر و واحد یمنع فعلی المفتی المیل لما یمنعہ کسی مسئلہ میں اگر بہت سے وجوہ ہوں جو کفر کو واجب کرتے ہوں اور ایک وجہ کفر سے مانع ہو تو مفتی کو مانع کی جانب مائل ہونا چاہیے۔ تعجب ہو صاحب علم سے کہ باوجود ان دلائل قویہ مائل باسلام کے دلیل ضعیف کو ترجیح دیکر کفر ثابت کرے اور یہاں تک حکم دیوے کہ توبہ بھی اسکی قبول نہیں بلکہ قتل اسکی توبہ ہو ظاہر ہے کہ گویا سب علما کے قول کا انکار ہو در مختار میں لکھا ہو منکر الاجماع کا فواجع کا انکار کر نیا لاکا فر ہو۔ اور یہ ابو الشکور سلمیٰ میں لکھا ہو من قال للمؤمن یا کافرا و شہدا یا کفرا علی مومن فانہ یصیر کافرا و روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال من شہد علی امتی بالکفر فہو ولی بہ جس نے کسی مومن کو کالے کافرا کسی مومن کے کفر کی گواہی دی وہ کافر ہو گیا حضرت سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء مروی ہو کہ جس نے میری امت پر کفر کی گواہی دی وہ اس کفر کا زیادہ متقی ہو۔ اہل اہوا جو تہتر فرقوں میں داخل ہیں اس واسطے جو حدیث تفریق امت میں وارد ہوئی ہو اس میں لفظ امتی ہو امت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا شمار اس میں داخل کر کے نہیں فرمایا تھا ان کے واسطے اور حدیث ہو۔ انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم ان نبی اسرائیل تفرقت بعد موسیٰ علی احدی و سبعین فرقة و بعد عیسیٰ علی اثنتین و سبعین فرقة و ستفرق امتی من بعدی ثلثۃ و سبعون فرقة نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہو کہ نبی اسرائیل موسیٰ کے بعد اکثر اور عیسیٰ کے بعد بہتر فرقوں پر متفرق ہو گئے اور قریب ہو کہ میری امت میرے بعد تہتر فرقوں پر متفرق ہو جائے۔ اگر سب فرقے امت محمد صلی اللہ علیہ

و سلم کے مع اصناف کفار شمار کریں گے تو تہتر فرقہ کیونکر ہوں گے اگرچہ کفار بھی امت دعوت میں ہیں معلوم
ہوا کہ مراد امت سے امت اجابت ہے جو جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا المراد بالامۃ من یجمعہم دائرة الدنیا
من اهل القبلة لانه اصنافہم الی نفسہم اکثر ما ورد فی الحدیث علی ہذا الاسلوب فالمراد بہ
اہل القبلة ولو ارید بہ امة الدعوة فتناول بہ اصناف الکفر فکیف یكون تفریق الامۃ الی
ثلث و سبعین۔ امت سے وہ اہل قبلہ مراد ہیں جنکو دائرۃ دعوت جامع ہو کیونکہ اہل امتانفت حضرت
سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے اپنے نفس کے جانب فرمائی ہو اور اکثر حدیث میں جہان اس طرف
پر عبارت آئی ہو مراد اہل قبلہ ہیں اور اگر اس سے امت دعوت مراد ہو تو وہ کفر کے بھی تمام اقسام کو
شامل ہو پس امت کی تفریق تہتر فرقوں کی جانب کیونکر صحیح ہوگی۔ خداوند تعالیٰ اخفوار تو اب رحیم ہو
اسکی رحمت کا منکر ہونا چاہیے تو یہ سب کی قبول ہو اگر پیغمبروں کی جناب میں بے ادبی ہو اسکی تو بہ
بھی قبول ہو چنانچہ روا المتحار حاشیہ در المختار سے مذکور ہوا صفة الوحۃ لا یتغیر وان تغیر احوال
الامۃ رحمت کی صفت نہیں بدلتی اگرچہ امت کے احوال بدل جائیں۔ اور نیک کام بھی برائی کو
دور کرتے ہیں کقولہ تعالیٰ ان المحسنات یدہبن السیئات اللہ تعالیٰ فرماتا ہوں نیکیاں بدیوں کو
لیجاتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب المحیب عبدالحی ابن افضل العلما والفضلار مولانا محمد عبدہ الرب
اقاض اللہ علینا من برکاتہ۔ ہوا المصوب واقعی حدیث ستفرق امتی ثلث و سبعون فرقة
قرب ہو کہ میری امت تہتر فرقوں پر منقسم ہو جائے گی میں مراد امت اجابت ہو کہ عبارت اہل اسلام
سے ہو نہ امت دعوت علامہ دوائی شرح عقائد عضدیہ میں لکھتے ہیں۔ اسی امۃ الاجابة وہم الذین امنوا
بالنبی صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم و ہوا الظاہرفان اکثر ما ورد فی الحدیث علی ہذا الاسلوب
ارید بہ اهل القبلة یعنی امت اجابت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور یہی ظاہر معنی میں کیونکہ اکثر
جہان حدیث میں اس طرح پر عبارت آئی ہو وہاں مراد اہل قبلہ ہیں۔ اور سب شیخین موجب کفر نہیں
ابو الشکور سیہد میں لکھتے ہیں کلام الروافض مختلف فبعضہ یكون کفرا و بعضہ لا فلو قال ان علیا
کان الکھا تول من السماء کفرو لو قال النبوة کانت لعلی وجبرئیل اخطا کفرو ومنہم من
قال ان علیا افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہذا کلمۃ کفرو اما الذین یكون
بدلعة ولا یكون کفرا فہو قولہم ان علیا کان افضل من الضیفین ومنہم من قال یحب اللہ

علی من خالف علیاً عائشۃ ومعاویۃ وهذا کلمہ وما شبہہ بدعتی پس بدعتی کہل کا نہ صادر عن تاویل روافض کے کلام
 مختلف ہیں بعض کفر ہیں اور بعض نہیں پس اگر کہا کہ علیؑ خدا تھے آسمان سے اترے تھے کافر ہو گیا اور اگر کہا نبوت علیؑ کی ہو
 تھی حضرت جبریلؑ سے خطا ہو گئی کہ کافر ہو گیا اور اگر کہا کہ علیؑ افضل ہیں رسول اللہؐ سے تو یہ کفر کا کلمہ ہے اور وہ جو بدعت
 ہیں لیکن کفر نہیں ہے ان کا قول علیؑ افضل ہیں شیخین سے اور ان میں کے بعض کہتے ہیں کہ مخالف حضرت علیؑ پر
 مثل حضرت امیر معاویہؓ و حضرت عائشہؓ کے لعنت بھیجنا واجب ہے یہ بدعت ہے کفر نہیں ہے کیونکہ تاویل
 سے صادر ہوا ہے۔ اور مولانا عبد العلیٰ شریح مسلم القوت میں لکھتے ہیں الصحیح عند الخفیۃ بان
 الروافض لیسوا بکفار والوجه فیہ ان مذہبہم وقیمہم فی ما وقعوا زعماء منہم انہم
 علی الدین المحمدی وان کان زعمہم هذا باطلا وما کذبوا محمد اصلا لہ علیہ وسلم
 فی زعمہم فہم غیر ملتزمین بالکفر والتزام الکفر کفر دون لزومہ انتہی ملخصا
 خفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ روافض کفار نہیں ہیں کیونکہ مذہب نے ان کو ان غلطیوں میں ڈال دیا ہے
 اور وہ گمان کرنے لگے ہیں کہ وہ دین محمدی پر ہیں اگرچہ ان کا یہ گمان باطل ہے اور جو حضورؐ کی تکذیب کرتے
 ہیں اس سے وہ کفر کو لازم نہیں لیتے اور کفر کو لازم کر لینا کفر ہے نہ کہ لازم آجاتا ہے گاہ کہ روافض کا کفر ہونا
 ثابت ہوا انکی توبہ قبول ہونے میں شک نہیں رہا اور اگر بالفرض والتقدیر روافض کافر ہوں اس
 صورت میں بھی انکی توبہ قبول نہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے یہ مقام غور ہے کہ جو شخص مشرک ہوا اور اللہ شانہ
 کا شریک بتاتا ہوا اگر وہ توبہ کرے قبول ہو جاتی تو کیا روافض مشرک سے بدتر ہو گئے کہ توبہ انکی قبول نہو گی
 اور صاحب بحر نے جوہرہ سے جو مسئلہ عدم قبول توبہ روافض کا نقل کیا ہے وہ غلط ہے قابل التفات کے
 نہیں کیونکہ نصوص قرآنیہ کے مخالف ہے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ہو
 الغفور الرحیم اللہ تعالیٰ دلاتا ہے بیشک اللہ گناہوں کو بخشتا ہے اور وہی بخشنے والا رحم کرنے والا
 ہے واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الكتاب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد المحی
 الکتوبی شہادۃ من ذنبہ بجللی واخفی وحفظہ عن موجبات النبی ابن المرحوم مولانا محمد عبد الحلیم اذ خلا سد دار النعم
 فی الواقع حدیث انقراض امت میں ناری سے مراد مسلمین فاسقین ہیں کہ شامت عصیان سے
 دو بخ میں جا دیں گے اور روافض کہ حضرت شیخینؓ کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں اور اسی طرح سب
 اہل ہوا کافر نہیں ہیں اور توبہ انکی مقبول ہے فی المسائتات قول ابی حنیفہ انہ لا یفر احد منہم

محمد عبد المحی
ابو الحسنات

وفی شرحہا لکمال ان عدم تکفیرہم ہوا منقول عن جمهور المتکلمین والفقہاء وان الشیخ
الاشعری قال ان الاسلام یجہم مسائرہ بین ہر کہ قول امام ابو حنیفہ کا یہ ہو کہ ان میں کا کوئی کافر
نہیں ہو اور کمال نے شرح مسائرہ میں لکھا ہے کہ عدم تکفیر ہی جمهور متکلمین و فقہاء سے منقول ہے اور شیخ اشعری
نے کہا ہے کہ اسلام اُنکو بھی شامل ہے حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب العکیم۔

سوال۔ واجب تعالیٰ اپنے شریک کے پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ جواب۔ نہیں ہے کیونکہ
تمام متکلمین اسکی تصریح کرتے ہیں کہ مقدوریت کی علت امکان ہے پس شریک باری متنع ہے مقدور
نہوگا۔ اور اس بات پر اجماع ہے کہ شریک باری متنع ہے اور قدرت الہی متنع پر نہیں ہوا امام فخر الدین
رازی اور علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں لاشئ من الواجب والممتنع بمقدور لہ تعالیٰ
لذوال امکان الترتیب فی الاول والفعل فی الثانی انتہی واجب اور متنع بین کوئی بھی مقدور
باری تعالیٰ میں سے نہیں ہو ورنہ اول میں امکان ترک و ثانی میں امکان فعل متحقق نہوگا۔ اور
ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں قد قیل کل عام یخص کما خص قولہ تعالیٰ واللہ علی کل شیء قدیر
بما شاء لیخرج ذاقہ وصفاتہ وما لہ یشأ من مخلوقاتہ وما یکون من المحال وقوعہ فی
کامثاتہ والحاصل ان کل شیء تعلقت بہ مشیئۃ تعلقت بہ قدرتہ والا فلا یقال ہو قادر
علی المحال لعدم وقوعہ ولزوم کذبہ انتہی کہا گیا ہے کہ ہر عام میں تخصیص کر دی جائے گی
جیسا کہ آیہ پاک واللہ علی کل شیء قدیر میں ما شاء کی قید لگائی گئی ہے تاکہ ذات وصفات باری
تعالیٰ اور وہ اشیا جسکے خلق کو وہ نہ چاہے اور جسکا کائنات میں ہونا محال ہو خارج ہو جائیں محال
یہ ہے کہ جس سے مشیت باری تعالیٰ کا تعلق نہوگا اُس سے قدرت کا بھی تعلق نہوگا پس یہ نہ کہا جائیگا
کہ باری تعالیٰ محال پر قادر ہے کیونکہ وہ واقع نہیں ہو سکتا ہو اور اسکا کذب لازمی ہے۔ اور علامہ
کمال الدین بن ابی شریف جو صاحب فتح القدیر کے شاگرد ہیں اپنی شرح رسالہ مسائرہ میں لکھتے ہیں
متعلق العلم اعم من متعلق القدرة فان العلم یتعلق بالواجب والممكن والممتنع والقدرة
انما تتعلق بالممكن دون الواجب والممتنع انتہی قدرت کے متعلق سے علم کا متعلق عام ہے
کیونکہ علم کا تعلق واجب ممکن متنع سب کے ساتھ ہوتا ہے اور قدرت کا تعلق صرف ممکن کے ساتھ
ہوتا ہے واجب اور متنع کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اگر خیال پیدا ہو کہ واجب تعالیٰ کا شریک باری کے

پیدا کرنے پر قادر نہونا اسکا عجز ہی اور عجز مستلزم ہی نقص کو تو اسکا جواب یہ ہے کہ جو امر اس لائق نہ ہو کہ
 قدرت کا تعلق اس کے ساتھ ہو تو اس کے ساتھ قدرت کا تعلق نہونا نقص نہیں ہی بلکہ عین کمال ہی علم
 کلام اور فقہ کی کتابوں میں اسکی تصریح موجود ہے علامہ عبدالحفی ناہلسی مطالب وقیہ میں لکھتے ہیں
 قال المحققون المراد بالمكن ما لا یجب وجوده ولا عدمه لانه قد دخل ما لا یتصور من
 المكنات لا لانه بل لغیره كممكن لتعلق علم الله تعالى بعدم وقوعه كایان ابی جہل ووقع
 لا بن حزم ما هو بین البطلان حیث قال انه تعالى قادر علی ان یخذ ولدا اذ لو لم یقدر
 علیه لكان عجزا وقد نقله بعض الاغنیاء من المبتدعة فانظر الی اختلال هذا المبتدع
 کیف فانما العجز انما یکون لو كان القصور جاء من ناحیة القدرة اما اذا كان لعدم
 قبول المستحیل لتعلق القدرة فلا یتوهم متوهم ان هذا عجز وقد سئل الامام عبد الله بن
 اسعد الیمنی عن كون الله قادرا علی جمیع المكنات هل یلحق بذلك شیء من المستحیلات
 فاجاب بان جمیع المستحیلات العقلیة لا تعلق للقدرة بها سواء كانت استحالته شرعا لقوله
 تعالى ولا للیل سابق النهارا وعقلا کو لوجہ الجہل فی سم الخیاط وقوله تعالى حتی یلج الجہل فی
 سم الخیاط یدل علی انقطاع طمع الکفار لدخول الجنة فان قیل لم لم یوصف الحق بالاعتذار
 علی ذلك وعدم القول به یودی الی قصر القدرة قلت ذلك لا یودی الیه فان الله قادر
 علی ان یصغر الجہل الی ان یصید بحیث یلج فی سم الخیاط وعلی توسیع سم الخیاط الی ان یسمع
 الجہل واما ولوجه فیہ کل منهما علی صورته فذلك من المستحیل العقلی الذی فصل العلماء
 علی ان لا تعلق لقدرة الله وكذا لك لا یعقل النهار الا بعد ذهاب اللیل واللیل الا بعد
 ذهاب النهار کل منهما شرط للآخر واجتماع النهار مع اللیل مستحیل عقلی فلا یتعلق القدرة
 به وقوله تعالى خالق کل شیء معناه خالق کل شیء وجد او سیوجد والمستحیل العقلی غیر موجود
 ولا یکنه ان یوجد فلا یدخل تحت ذلك ولا یجبد العقل الی خلق ذلك سببلا انتحی کلام
 الناہلسی ملخصا محققین نے کہا ہے کہ ممکن سے وہ مراد ہے جسکا لذت نہ وجود ضروری ہو نہ عدم پس میں
 وہ ممکنات داخل ہیں جسکا تصور لذت نہ ہو سکتا ہو مثلاً وہ ممکن جسکے نہ واقع ہونے کے خبر باری تعالیٰ نے
 دی ہے جیسے ایان ابی جہل۔ اور ابن حزم کو وہ شبہ ہوا ہے جو ظاہر البطلان ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ باری

اس امر پر قادر ہو کہ اپنا کوئی لڑکا پیدا کرے کیونکہ اگر اسپر قادر نہ ہوگا تو عجز لازم آئے گا اور سکو بقیوں کے بعض غبیوں نے نقل کیا ہے پس تم اس مبتدع کی غلطی پر غور کرو کیونکہ عجز اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ قدرت میں کچھ نقص آتا ہو لیکن اگر مستحیل تعلق قدرت کی قابلیت ہی نہ رکھتا ہو تو کوئی وہم کرنے والا یہ وہم نہیں کر سکتا کہ یہ عجز ہی امام عبد اللہ بن اسماعیل سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے کیا ان ممکنات ہی کی طرح بعض مستحیلات بھی ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ تمام مستحیلات عقلیہ کے ساتھ قدرت کو کچھ تعلق نہیں ہو خواہ انکا استحالة شرعاً ہو مثلاً آیہ پاک ولا للیل سابق النهار یا عقلاً مثلاً اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اور باری تعالیٰ کا قول حتی یلج الجبل فی سم الغیاط کفار کے جنت میں داخل ہونے کی طرح کے پورے نہونے پر دلالت کرتا ہے اگر کوئی کہے کہ باری تعالیٰ کو اسپر قادر کیوں نہیں مانتے ہیں باوجودیکہ اس صورت میں باری تعالیٰ کی قدرت قاصر ہوئی جاتی ہے تو ہم کہیں گے اس سے قدرت کی کمی نہیں ہوتی کیونکہ باری تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اونٹ کو اس قدر چھوٹا کر دے کہ وہ سوئی کے ناکے میں سے ہو کر گذر سکے یا سوئی کے ناکے کو اس قدر بڑا کر دے کہ اونٹ اس میں سے گذر سکے لیکن اونٹ کا اُس میں سے گذر جانا اور دونوں اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا مستحیل عقلی ہو اور علما اس امر پر دلیل لائے ہیں کہ قدرت باری تعالیٰ کو اس سے تعلق نہیں ہو اور اسی طرح دن وغیرہ رات گئے ہوئے اور رات بے رون کے گذرے ہوئے نہیں آسکتی تو ہر ایک کے آنے کی شرط دوسرے کا گذر جانا ہو اور رات اور دن کا جمع ہونا عقلاً محال ہو اور اس سے قدرت کا تعلق نہیں ہو سکتا ہے اور قول باری تعالیٰ خالق کل شیئی کے معنی یہ ہیں کہ پیدا کرنے والا ہر ایسی شے کا جو بائی گئی ہے یا مقرب بائی جائے گی اور محال عقلی نہ تو ابھی پایا جاتا ہے اور نہ اُسکا پایا جانا ممکن ہے پس وہ اس آیت کے تحت میں حل نہیں اور نہ عقل اُسکے وجود کا کوئی طریقہ پاتی ہے احوال عبارات منقولہ اس بات پر مراد دلالت کرتی ہیں کہ واجب تعالیٰ کو خلق امور مستحیلہ پر (جیسے نقیضین کا جمع کرنا اور اونٹ کا سوئی کے ناکے میں حل ہونا اور شریک باری تعالیٰ کا وجود اور اتحاد ولد وغیرہ) قدرت نہیں ہے اور ان امور پر قدرت نہونا نقص کا سبب نہیں ہے بلکہ عین کمال ہے واللہ اعلم **سوال** زیر نے بتایا کہ ایک عالم کے جسکی تصدیق ایک مفتی مسلمین نے بھی کی تھی دربارہ قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو درمنثور وغیرہ میں ہوا ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض ادم کا دمک و لوح کنو حکم و ابراہیم کا براہیم حکم

و موسیٰ کو وسلم و عیسیٰ کھیسلم و نبی کنبیکم (اللہ تعالیٰ نے سات زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ہر زمین میں آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسیٰ ہیں تمہارے موسیٰ کی طرح اور عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح اور نبی ہیں تمہاری نبی کی طرح) یہ عبارت تحریر کی میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث مذکور کو صحیح اور مقبول اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقہ میں مخلوق الٰہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے اگر اسکا ہمارے خاتم انبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل ہونا ثابت نہیں اور نہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ وہ خاتم مائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں اس لیے کہ اولاد آدم جسکا ذکر ولہذا کو منابنی آدم میں ہے اور سب مخلوقات سے افضل ہے وہ اسی طبقہ کے آدم کی اولاد ہے بالاجماع اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب اولاد آدم سے افضل ہیں تو بلاشبہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں آپ کے مائل کسی طرح نہیں ہو سکتے انتہی اور باوجود اس تحریر کے زید یہ کہتا ہے کہ اگر شرع سے اسکے خلاف ثابت ہوگا تو میں اسی کو مان لوں گا میرا احراز اس تحریر پر نہیں پس علمائے شرع سے استفسار یہ ہے کہ الفاظ حدیث ان معنوں کو محتمل ہیں یا نہیں اور زید بوجہ اس تحریر کے کافریا ناسق یا خارج اہلسنت و جماعت سے ہوگا یا نہیں جواب مخفی نہ ہے کہ حدیث مذکور محققین محدثین کے نزدیک معتمد ہو حاکم نے اسکے حق میں صحیح الاسناد کہا ہے اور ذہبی نے حسن الاسناد کا حکم دیا اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علت قادمہ حتمہ نہیں ہے اور زمین کے طبقات کا جدا گانہ ہونا بہت احادیث سے ثابت ہے اور اس حدیث مذکور سے ہونا انبیاء کا طبقات باقیہ میں ثابت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سلسلہ نبوت اس طبقہ میں واسطے ہدایت سرکان کے تیار ہوا اسی طرح سے ہر طبقہ میں سلسلہ نبوت کا واسطے ہدایت وہاں کے سرکان کے تیار ہوا اور چونکہ بدلائل عقلیہ و نقلیہ لاتنا ہی سلسلے کے باطل ہو لاجرم ہر طبقہ میں ایک مبداء سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے آدم کے ساتھ مشابہ کیا گیا اور ایک آخر سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے خاتم کو ساتھ تشبیہ دیا گیا پس بنا علیہ و اخرا نبی و طبقات تخانیہ پر اطلاق خواتم کا درست ہے اب بیان تین احتمال ہیں ایک یہ کہ خواتم طبقات تخانیہ بعد حضرت صلعم کو ہوئی ہوں دوسرے کہ مقدم ہوئی ہوں تیسرے یہ کہ ہوں احتمال اول حدیث لابی بعدی وغیرہ (میرے بعد کوئی نبی نہیں) سے باطل ہے اور بر تقدیر احتمال ثانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیاء ہر طبقات ہونگے اور بر تقدیر ثالث دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نبوت آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص ساقداس طبقے کے ہوا اور آپ کی خاتمت اسی طبقے کے انبیاء کے لحاظ سے ہو
اور ہر طبقہ تختانیہ میں وہاں کے خاتم کی رسالت ہوا اور ہر ایک ان میں کا صاحب شرع جدیدہ اپنے
طبقے کے انبیاء کا خاتم ہو دوسرے یہ کہ خاتم طبقات تختانیہ شریعت محمدیہ تک متبع ہوں اور ان میں کا کوئی
صاحب شرع جدیدہ نہ ہو اور ہمارے حضرت کی دعوت عام اور ختم آپ کا یہ نسبت انبیاء کے ہر طبقہ کے حقیقی
ہوا اور ہر ایک خاتم باقیہ کا ختم یہ نسبت اپنے اپنے سلسلے کے اغنائی ہوا احتمال اول یہ نسبت عموم نصوص
بشیت نبویہ کے کہ جس سے حضور کا تمام عالم پر مبعوث ہونا صراحۃ معلوم ہوتا ہے باطل ہوا و علمائے اہلسنت
بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدیدہ نہیں ہو
اور آپ کی نبوت عام ہوا و جو نبی آپ کا ہم عصر ہوگا شریعت محمدیہ ہی کا متبع ہوگا چنانچہ تفسیر تفسیر الدین سجکی سے
جلال الدین سیوطی رسالۃ الاعلام حکم عیسیٰ علیہ السلام میں نقل کرتے ہیں قال السبکی فی تفسیرہ ما من
نبی الا اخذ اللہ علیہ الميثاق انہ ان بعث محمد فی زمانہ لیؤمنن بہ ولینصرنہ ویوصی امتہ
بذلک وفیہ من النبوة وتعلیم قدرہ مالا یحیف وفیہ مع ذلک انہ علی تقدیر مجیشہ فی نواخم
یکون مرسل الیہم ویكون نبوتہ ورسالۃ عامۃ لجمیع الخلق من زمن آدم الی یوم القیامۃ
ویكون الانبیاء واهمہم کلہم من امتہ فالنبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ولوا اتفاق
لبعثتہ فی زمن آدم ونوح و ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ وجب علیہم وعلی اہمہم الايمان بہ
وفصرتہ ولہذا ہا تآتی عیسیٰ فی آخر الزمان علی شریعتہ ولولیت النبۃ علیہ الصلوۃ والسلام
فی زمان موسیٰ و ابراہیم ونوح و آدم کالوا مستمرین علی نبوتہم ورسالتہم الی اہمہم والنبی
صلی اللہ علیہ وسلم نبی علیہم ورسول الی جمیعہم انتہی سبکی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہو کہ ہر نبی سے
اللہ نے عہد لیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے زمانے میں بھیجے جائیں تو ان پر ایمان لایا گیا اور ان کی
مدد کرے گا اور اپنی امت کو اسی کی وصیت کرے گا اور اس میں نبوت کے مرتبے کی بلندی کے جانب اشارہ
ہوا اور اس میں اس بات کے جانب بھی اشارہ ہوگا اگر حضور انبیاء سابق کے زمانہ میں تشریف لاتے تو
ان کے جانب رسول ہوتے اور آپ کی نبوت و رسالت حضرت آدم کے زمانے سے قیامت تک مخلوقات کو
شامل ہوتی اور تمام انبیاء اپنی امتوں کے آپ کی امت میں داخل ہوتے پس حضور نبی الانبیاء ہیں
اور اگر حضور کی بعثت حضرت آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے زانوں میں ہوتی

تو انہی پر اور ان کی امتوں پر آپ کی مدد کرنا اور آپ پر ایمان لانا فرض ہوتا اور اسی واسطے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں آپ ہی کی شریعت پر تشریف لائیں گے اور اگر آپ حضرت موسیٰ اور ابراہیم اور نوح اور آدم علیہم السلام کے زمانے میں بھیجے جاتے تو سب کی نبوت اور رسالت اپنی اپنی امتوں کی جانب باقی رہتی اور آپ سب انبیاء کے نبی اور رسول ہوتے اور سب العلوم مولانا علی اپنے رسالہ فتح الرحمن میں لکھتے ہیں یقینی ختم رسالت دو چیز است یکے آنکہ بعدوی رسول نباشد و دیگر آنکہ شرع وے عام باشد و ہر یکہ موجود باشد وقت نزول شرع وے ابتلع شرع وے برو و جب و فرض است و سرش اینکہ ہمہ رسل در اخذ شرع مستمداً خاتم الرسالہ اند و چونکہ شرع و عام باشد پس دیکے صاحب شرع نباشد انتہی کلامہ ختم رسالت دو چیز دن کو چاہتی ہی ایک یہ کہ اُسکے بعد کوئی رسول نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اسکی شرع عام ہو اور نزول شرع کے وقت جو لوگ موجود ہوں انہی اس شرع کی پیروی واجب اور فرض ہو اور اس میں بھید یہ ہو کہ تمام رسول اخذ شرع میں حضرت خاتم الرسالہ سے استمداد چاہنے والے ہیں اور جب اسکی شرع عام ہو تو دوسرا صاحب شرع نہ ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہی کہ حدیث ابن عباس کی صحیح اور معتبر ہے اور اس سے طبقات تھنائیہ میں انبیاء کا موجود ہونا ثابت ہو اور یہ بہ نسبت بطلان تناہی سلسلے کے ہر ایک طبقے میں ایک خاتم الانبیاء بہ نسبت اُس طبقے کے ہونا ضروری ہی لیکن عقائد اہل سنت کے مطابق یہ امر ہو کہ ہمارے حضرت کی دعوت عام ہی تمام مخلوقات کو شامل ہی پس اس امر کا اعتقاد کرنا چاہیے کہ خاتم طبقات باقیہ بعد عصر نبویہ نہیں ہوے یا قبل ہوے یا ہم عصر اور بر تقدیر اتحاد عصر تسبیح شریعت محمدیہ ہو گئے اور ختم انکا بہ نسبت اپنے طبقے کے اضافی ہوگا اور ہمارے حضرت کا ختم عام ہوگا اور ان سب امور کی تفصیل میں نے اپنے دو سالوں ایک مسمی بالآیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات اور دوسرے دافع الوساوس فی اثر ابن عباس میں کی ہے جب یہ امر مہم ہو چکا تو سمجھنا چاہیے کہ زکیہ جس نے سوال میں جو عبارت مرقوم ہو لکھی ہے جبکہ مماثلت سے انکار ہو اور صحت حدیث و نبوت تعدد خاتم طبقات تھنائیہ کا قائل ہی مخالف اہل سنت کے نہیں ہونے کا فرق فاسق بلکہ قبیح سنت ہی مگر بان اگر نبوت محمدیہ کو اسی طبقے کے ساتھ خاص کرتا ہو اور ہر ایک خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو تو البتہ مواخذہ کے قابل ہو کہونکہ یہ اور نصوص و علماء کے کلمات کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور اگر مجدد و خاتم کا قائل ہو ہمارے رسول کے

مستم کو بنسبت جلا انبیاء جملہ طبقات کے تحقیقی بحث ہو اور ہر ایک خاتم طبقات باقیہ کے ختم کو ضانی کہتا ہو تو اسپر کچھ مواخذہ نہیں ہو، اہل علم کتبہ ابو الحسنات محمد عبدالحی۔ واقعی زید بود جو اس تحریر کے کافر یا فاسق نہوگا۔ کتبہ ابو الاحیاء محمد نسیم غفرلہ العلی الرب الحکیم سوال مسئلہ ہیئت فیتا غوری کے لحاظ سے قواعد حرکت ارضی کو ترجیح دینا جو نفی سموات کو مستلزم ہی یعنی یون ماننے میں رکھ سموات جسم لطیف ہیں جو اپنی زمین دوسری اجسام کثیفہ کے متداخل کی قابلیت نہیں رکھتی، شریعہ کوئی قباحت ہو یا نہیں۔ یا جبکہ نظام فیتا غوری مطلقاً آسمانوں کے وجود کا منکر نہو بلکہ انکے وجود کا جسمائیت لطیفہ مثل یا اس سے زائد لطیف کے ساتھ قائل ہو تو مخالفت شرع کی لازم آتی ہو یا نہیں اور بھی اس قول کا قائل اگر حکماء فرنگ کی طرح کہے کہ آمد کی غمت کا ملہ کے لحاظ سے یہ اچھا معلوم ہوتا ہو کہ تمام اجرام سماویہ مثل کرہ ارضیہ خود ذی روح مخلوقات کے مسکن ہوں تو عقائد اسلامیہ میں فتور آئے گا یا نہیں جواب۔ اس مقام میں نہ ہیأت فیتا غوری مقبرہ نہ ہیئت بطلمیوسی بلکہ قرآن اور حدیث اور اقوال صحابہ معقبہ ہیں اہل تعالے نے فرمایا ہو یا اچھا الناس اعبدا واربکما الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جل لکم الارض فراشا والسماء بناء اور فرمایا ہو ہوا الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء فوسوٰھن سبع سموات اور فرمایا ہو اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن اور فرمایا ہو کل فی ثلاث لیجھرن اور فرمایا ہو تنزیلا من خلق الارض والسموات العلی الرحمن علی العرش استوی اور فرمایا ہو الشمس والقمر یجھبان والنجم والشجر لیجھدان والسماء دفعھا ووضع المیزان اور فرمایا ہو والسماء ذات الرجوع والارض ذات الصدع انه لقول فصل اور فرمایا ہو اللہ امثل الی فی السموات والارض اور فرمایا ہو الحمد لله فاطر السموات والارض اور فرمایا ہو الحمد لله الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور اور فرمایا ہو قال الما قل لکم انی اعلم غیب السموات والارض اور فرمایا ہو ففضاھن سبع سموات فی یومین وایحی فی کل سماء امرھا اور فرمایا ہو ان من بکم الذی خلق السموات والارض فی ستہ ایام اور فرمایا ہو الم تودا کیف خلق اللہ سبع سموات طبقاتاً سیطیح اور بھی بہت سی آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آسمان کا وجود ہو اور وہ سات ہیں پس آسمان کے وجود کا انکار کرنا اور اصل قرآن کا انکار کرنا ہو و اخرج البیہقی عن عبد اللہ

ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اذہ نظر الی السماء فقال تبارک ما اشد بياضها والثانية
اشد بياضا منها ثم كذلك حتى بلغ سبع السموات وخلق فوق السابعة الماء وجعل فوق
الماء العرش بیہقی نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کی ہے کہ حضور نے آسمان کی طرف کھنکھ
فرمایا کہ برتر ہو خدا کیا ہی تیز ہے اسکی سفیدی اور دوسرے آسمان کی سفیدی اس سے بھی زیادہ
ہو اور پھر اسی طرح سے فرمایا ساتون آسمان تک اور ساتویں آسمان کے اوپر پانی پیدا کیا اور
اس پر عرش۔ واخرج اسحق بن راہویہ فی مسنده وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی
فی الاوسط عن الربیع بن انس قال سماء الدنيا موهج مكفوف والثانية مرموقة بيضاء
والثالثة صديد والرابعة نحاس والخامسة فضة والسادسة ذهب والسابعة
يا قوتة هجرع وما فوق ذلك معاري من نور ولا يعلم ما فوق ذلك الا الله او اتحق
بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اوسط میں ربیع بن
انس سے روایت کیا ہے کہ آسمان دنیا کی ہوئی موهج ہے اور دوسرا سفید سنگ مرمر کا ہو اور تیسرا
لوہے کا اور چوتھا تانبے کا اور پانچواں چاندی کا اور چھٹا سونے کا اور ساتواں یا قوت سرخ کا اور
اُسکے اوپر نور کے جنگل ہیں اور اُسکے اوپر کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ہو واخرج ابن ابی
حاتم وابو الشیخ وابن مردودہ عن ابن عباس قال قال رجل يا رسول الله ما هذا
السماء قال هذا موهج مكفوف عنكم وراين ابني حاتم وراين ابو الشیخ اور ابن مردودہ نے حضرت
ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہے یہ آسمان آپ نے فرمایا کہ
یہ رکھی ہوئی موهج ہے۔ ان حدیثوں وغیرہ سے ظاہر ہے کہ اجرام سموات لطیف نہیں ہیں بلکہ ایک طرح کی
گنڈا فت رکھتے ہیں پس انکے لطیف ہونے کا قول حدیث کے انکار کا سبب ہے لیکن زمین کی طرح
آسمانوں میں مخلوقات کا مسکن ہونا ایسا قول ہے جسکا کوئی اثر شرع میں نہیں ہے اور فقط عقل سے
انکا ثابت ہونا ممکن نہیں ہے شرع سے فقط اتنا ثابت ہے کہ آسمان ملائکہ کے لیے مسکن ہیں واخرج
ابن جریر وابن المنذر و البیہقی عن ابن عباس قال خلق فی کل خلقا من الملائكة والخلق
الذی فیہا من البحار و جبال المبرود و ملا یعلم ابن جریر اور ابن منذر اور بیہقی نے حضرت
ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں فرشتوں کو پیدا کیا ہو اور اس میں بادلوں

پہاڑوں پر دریا میں اور منجھو قات ہیں جلکھو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ الحاصل ایسی جھوٹوں میں اعتقاد
 انہیں باتوں پر رکھنا چاہیئے جو قرآن اور حدیثوں سے ثابت ہوں اور حکماء فیثا غور میں یا حکماء
 بطلیم میں جو کچھ اپنی عقلوں سے کہتے ہیں اور شرع انکے خلاف ہو ان پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ یقین
 کرنا چاہیئے کہ انکے ایسے ہی گڑھی ہوئی جھوٹوں کے جواب کے لیے قرآن اور اخبار نازل ہوئے ہیں
 پس وہ قول جو قرآن اور حدیث کو رد کرنے والا ہو مسلمانوں کو قبول نہ کرنا چاہیئے و اللہ اعلم **سوال**
 فالق الحب والنوی دانہ اور گٹھلی کے پیدا کرنے والے نے سب سے پہلے عالم امکان میں اشجار اور نباتات
 کو بواسطہ جوب و بند و پر پیدا کیا ہی یا اشجار اور نباتات کو بے واسطہ بذریعہ موانع خلقت آدم کے پہلے کیا
 جیسا کہ خود فرماتا ہے وہو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا من نبات کل شئی فاخرجنا منه خضر انخرج
 منه جوامعاً ترابکھا خدا وہ ہو جسے آسمان سے پانی اُتار الپس اُس سے پہلے ہر شے کی روئیدگی کو آگایا
 اور اُس سے نکالا پہلے سبزی کو جس سے پہلے تہہ تہہ دانے نکالے۔ **جواب**۔ ظاہر احادیث سے معلوم ہوتا
 ہے کہ اللہ نے پہلے اشجار اور نباتات کو پیدا کیا ہی اور اخرج احمد والبخاری فی التاریخ و مسلم والنسائی
 والبیہقی وغیرہم عن ابی ہریرۃ قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم بیدی
 فقال خلق اللہ التراب یوم السبت وخلق فیہا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنين
 وخلق المکروۃ یوم الثلث وخلق النور یوم الاربعاء وبت فیہا الدواب یوم الخمیس وخلق
 آدم یوم الجمعہ بعد العصر و اخرج البزار والطبرانی وابن مردودہ والبیہقی عن ابی اسید
 الخداری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ان اللہ طحا طحاً فجاءت الملائکۃ
 من ذہب وبلندۃ من فضۃ ثم شقی فیہا الاعداء ثم غرس فیہا الاشجار فلما نظرت الیہا الملائکۃ
 قالت طوبی لمنزل الملوک۔ احمد و البخاری نے تاریخ میں اور مسلم اور نسائی اور بیہقی نے حضرت
 ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ خدا نے
 مٹی کو ہفتہ کے دن اور آسمین بہاروں کو اتوار کے دن اور درختوں کو دوشنبہ کے دن اور پرائیوں کو
 منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور چارپایوں وغیرہ کو جمعرات کے دن اور حضرت آدم کو جمعہ کے
 دن عصر کے بعد پیدا کیا اور بزار اور طبرانی اور ابن مردودہ اور بیہقی نے ابوسعید خدریؓ سے روایت
 کی ہے کہ حضرت سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناءؐ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی دیوار سونے اور چاندی کی

ایٹون سے بنائی پھر اُس میں سے نہرین بھائیں اور اُس میں درخت اُگائے پس جب اُسکو ملائکہ دیکھا تو بولے مبارکبادی ہو بادشاہوں کی منزل کے لیے واللہ اعلم۔ حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی

محمد عبدالحی **ابوالحسنات** صحیح الجواب والہدایہ حررہ ابوالاحسان محمد نعیم غفرلہ العلی الرب اکبر سوال

ایک شخص من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ کو دیل میں پیش کر کے مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کو اس دعوے کے میں ڈالتا ہوں۔ کہ یہ نہ درسی نہیں ہو کہ قیامت کے دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی شفاعت کریں ایسے شخص کو کیا کوئی ناجائز ہے۔ اور دنیا یا عقبی میں حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ماذن بشفاعت ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہو یا نہیں جواب

ایسا شخص یا معاند اور ملحد ہو یا زندیق اور آیات کثیرہ کا رنٹل واستغفر لذنوبک وللمؤمنین والمؤمنات اور آیه عسی ان یجتک ربک مقاماً محموداً اور آیه ولسوف یعطیک ربک فترضی وغیرہ کے) اور احادیث مشہورہ کا جو صحیح سنہ وغیرہ میں ہیں مگر جو اور حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والسلام کے ماذن بشفاعت ہونے میں کثرت سے صحیح روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ ابن حجر کی زواجہر عن اقران الکبار میں لکھتے ہیں۔ اخرج البیهقی وصحیحہ رأیت ما تلقی امتی بعدای واسفک بعضهم ہم بعض فسالته ان یولینی فیہم شفاعۃ ففضل ملخصاً واحداً بسند صحیح انہ سئل اللہ علیہ وسلم قال لقد اعطیت اللیلۃ خمساً ما اعطین احد قبل الی ان قال والخامسة هم ما قبل لی سلفات کل نبی قد سأل فاخرت لسألتی الی یوم القیامۃ فہی لکم ولمن شہد ان لا الہ الا اللہ والطہرانی باسائید احدہا جید الا اخبرکم بما خبرنی ربی انفا قلنا بلی یا رسول اللہ قال خیر لی بین ان یدخل ثلثی امتی فی الجنۃ بعتیر حساب ولا عذاب و بین الشفاعۃ قلنا یا رسول اللہ ما اخترت قال الشفاعۃ انتھتہ تلخیصاً بیہقی نے روایت کی ہے اور اسکو صحیح کہا ہو کہ فرمایا حضرت سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتسلیم نے دیکھا میں نے وہ جو میرے بعد میری امت پائے گی اور بھائیں گے بعض ان میں کے بعض کا خون پس میں نے درخواست کی کہ مجھے شفاعت کا اختیار دیا جائے پس اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا اور احمد نے بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا کہ آج کی رات مجھکو پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھے قبل کسی کو نہیں دی گئیں یہاں تک کہ فرمایا آپ نے پانچویں چیز یہ ہو کہ مجھ سے کہا گیا سوال کرو

پس میں نے اپنے سوال میں قیامت تک دیر کی اور وہ تم لوگوں کے اور ہر شخص کے حق میں ہو گا جو
لا الہ الا اللہ کے اور طرانی نے بہت ہی سندوں پر روایت کی ہے جن میں ایک ابھی سند ہی کیا نہ
خبر دون میں تم کو اس کی جس کی خدا نے مجھے ابھی خبر دی ہو عرض کیا ہم لوگوں نے یا رسول اللہ
اب ضرر ہو گا اس کی خبر دین آپ نے فرمایا اختیار ہو یا تم کو خدا نے دو امر دن میں ایک یہ کہ میری امت
کے دولت جنت میں بلا حساب و عذاب داخل ہو جائیں دوسری شفاعت ہلوگوں نے پوچھا پھر کہنے
کس کو اختیار کیا آپ نے جواب دیا میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ ان روایتوں سے ثابت ہو کہ اللہ
نے آپ کو شفاعت کی اجازت دی اور مقام محمود کا وعدہ فرمایا ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ کا اذن اور وعدہ
جھوٹا نہیں تھا۔ من الذی یشفع عندہ الا باذنیہ ایسی ہی اور دوسری آیتیں ان حدیثوں کے
موافق ہیں کیونکہ ان آیتوں سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بذی اللہ کی اجازت کے شفاعت
نہ کر سکے گا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اذن اسی روز دیا جائیگا پہلے سے ہو گا واللہ اعلم سوال در باب آیات
صفات مثل استوی علی العرش وید اللہ وغیرہ مسلک نادیل جن ہی یا اور کوئی مسلک جواب
اس باب میں علماء کے چند مسلک ہیں ایک مسلک تاویل کہ استواء یعنی استیلا وید یعنی قدرت و وجہ
بعضی ذات ہے و علی ہذا القیاس اور یہی مختار اکثر متاخرین محکمین کا ہے دوسرا مذہب تشابہ فی المعنی
و فی الکیفیتہ۔ تیسرا مسلک معلوم المعنی متشابہۃ الکیفیتہ اور جن ان میں مسلک ثالث ہے اور یہی مذہب
صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و محدثین و فقہاء و اصولیین متفقین ہے شیخ الاسلام دہی سہررہ بنی ترجمہ قتیبہ
بن سعیدین لکھتے ہیں روی غیر واحد عن ابی العباس السراج فقال سمعت قتیبہ یقول هذا قول ائمہ الاسلام
واہل السنۃ والجماعۃ ان ربنا عزوجل علی عرش انتہی بہت سے لوگوں نے ابو العباس سراج سے
قول کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قتیبہ نے کہا ہے کہ ائمہ اسلام اور اہل سنت و جماعت کا یہ قول ہے کہ ہمارا خدا
عرش پر ہے اور ترجمہ علی بن مدینی میں لکھتے ہیں قال اکثر العلماء ان اللہ علی العرش انتہی اکثر علماء
نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ اور ترجمہ اسحق بن راہزہ میں لکھتے ہیں قال حرب الکوفی قلت لاسحاق
ما تقول فی قولہ تعالیٰ ما یکون من عبودی ثلثہ الا هو راہم کیف تقول قال حیث ما کنت فہو
اقرب البدر و ہوائن من خلقہ انتہی حرب کرمانی کہتے ہیں میں نے اسحاق سے پوچھا کہ تم اس آیت
ما یکون من عبودی ثلثہ الا هو راہم نہیں ہوتا ہے مشورہ تین آدمیوں کا مگر اللہ تعالیٰ ان میں جو چاہتا

ہوتا ہی امین کیا کہتے ہوا انھوں نے جواب دیا جس جگہ کہ تم ہو وہ تمہارے پاس ہو اور وہ تمام خلق سے جدا ہو اور ترجمہ فرنی میں لکھتے ہیں قال محمد بن اسمعیل سمعت المتمری یقول لا یصح لاحد التوجیہ حتی یطمان اللہ علی عرشہ انجی محمد بن اسمعیل نے کہا ہر کہ میں نے فرنی کو کہتے ہوئے سنا کہ کسی کے لیے جنت ثابت کرنا صحیح نہیں ہو یہاں تک کہ نہ جانے کہ امد اپنے عرش پر ہو اور ترجمہ ابو حاتم رازی میں لکھتے ہیں قال ابو حاتم مذہبنا و اختیارنا اتباع رسول اللہ واصحابہ و یعتقد ان اللہ علی عرشہ لیس کمثلہ شیء و هو السميع البصیر انجی ابو حاتم نے کہا ہر کہ ہمارا مذہب اور اختیار رسول کی اتباع ہو اور اس بات کا اعتقاد کہ امد اپنے عرش پر ہو اور اُس کے مثل کوئی شے نہیں ہو اور وہی خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہو اور بھی ذہبی نے کتاب العرش میں اسی قسم کے اقوال جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اللہ عرش پر ہو بلا کیف صدامہ ابیہ اور تابعین اور فقہاء اور محدثین سے نقل کیے ہیں اور احادیث بنویر بھی جو فوقیت رب پر وال میں ذکر کی ہیں اور ابو شکوہ سلمی حنفی تہمدین لکھتے ہیں سئل رجل عن الامام مالک عن قوله تعالی الرحمن علی العرش استوی کیف استوی فقال له الاستواء غیر مجهول والکیف غیر معقول والايمان به واجب السؤال عنه بدعة وما اراك الا منكلا قاصرا فاذا هو جهم بن صفوان وقال ابو المطیع البلخی سئلت اباحنیفة فیمن قال لا ادري این الله فقال ابو حنیفة انه یكفر لانه خالف النص والله یقول الرحمن علی العرش استوی اقرؤاها وامنوا به فقال ابو مطیع کیف استوی فقال امنوا به كما جاء انجی ایک شخص نے امام مالک سے سوال کیا کہ الرحمن علی العرش استوی کے متعلق دریافت کیا کہ استواء کیونکر ہو اپنے فرمایا کہ استواء انہوں میں ہو اور کیفیت معلوم نہیں ہو اور اس پر ایمان لانا واجب ہو اور اس کا سوال کرنا بدعت ہو اور نہیں دیکھتا ہوں میں تجھ کو مگر گمراہ پس اُس پر اپنے حکم فرمایا یعنی نکال دینے کا اور تھا وہ جهم بن صفوان اور ابو مطیع بلخی نے کہا ہر کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا اُس شخص کے بارے میں جو کہ لا ادري این الله تو امام ابو حنیفہ نے کہا وہ کافر ہو کیونکہ اُس نے نص کی مخالفت کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہو الرحمن علی العرش استوی اسکو پڑھو اور اس پر ایمان لاؤ پس ابو مطیع نے پوچھا اللہ کا استواء کیونکر ہو اپنے فرمایا جیسا داروہو ہوا ہو اُس پر ایمان لاؤ اور سراج الدین علی حنفی قصیدہ بدرالامالی میں لکھتے ہیں ۵

و رب العرش فوق العرش لكن ۝ بلا وصف التمكن والاتصال

اور عرش کا مالک عرش پر ہو لیکن بغیر وصف مکان و اتصال کے ملا علی قاری حنفی اسکی شرح میں
لکھتے ہیں۔ سئل انشا ففی عن الاستواء فقال امنت به بلا تشبیہ و اتهمت نفسی فی الادراک
و امسکت عن الخوض واجمع السلف علی ان استواءه علی العرش صفة له بلا کیف نو من به
و نکل العلم الی اللہ و مذهب الخلف تاویل الاستواء بالاستیلاء و مختار السلف عدم التاویل
بل اعتقاد التنزیل مع وصف التنزیہ له عما یوجب التشبیہ كما قال مالک الاستواء معلوم
و الکيفية مجهولة و اختاره امامنا الاعظم و کذا اکل ما ورد من الايات و الاحادیث المتشابهة
من ذکر الید و الوجه و نحوه و منه لفظ فوق فلا یؤلفونه بالعظمة و الرفعة كما قاله الخلف انتھ
امام شافعی سے استواء کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس پر بغیر تشبیہ کے ایمان لایا ہوں
اور میں نے اس بارہ میں اپنے نفس کو ادراک میں تمت لگائی اور غور کرنے سے روکا ہوا و متقدمین نے
اس بات پر اجماع کر لیا ہو کہ اس کا استواء اسکی صفت بغیر کیف کے ہو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور لیکن
علم اللہ کو ہوا اور متاخرین استواء کی تاویل استیلاء سے کرتے ہیں اور قدما نے عدم تاویل کو اختیار کیا
ہو اور قرآن کا اعتقاد رکھتے ہیں مع باری تعالیٰ کے موجبات تشبیہ سے پاک ہونے کے جیسا کہ امام مالک
نے فرمایا ہو کہ استواء معلوم ہو اور کیفیت مجهول ہو اور اس کو ہمارے امام اعظم نے اختیار کیا ہو اور ایسے ہی
تمام احادیث و آیات متشابہات ہیں جن میں باری تعالیٰ کے لیے یہ اور وجہ ثابت کیا گیا ہو اور
انھیں میں سے لفظ فوق ہو پس قدما اسکی تاویل عظمت و رفعت سے نکریں گے جیسا کہ متاخرین کرتے
ہیں۔ اور اس میں ہم حنفی مولف فتح القدیر مسائرۃ فی العقائد المہیئة فی الآخرة میں لکھتے ہیں تو من انہ
تعالیٰ مستوی علی العرش مع الحكم بان استواءه لیس کا استواء الاجساد من التمكن و المماسرة
و المحاذاة بل بمعنی یلیق بہ و هو اعلم بہ و حاصلہ وجوب الایمان بانہ استوی علی العرش
مع نفی التشبیہ فاما کون المراد به استیلاء العرش فامر جائز الارادة لکن لا دلیل علیہ
عینا فلو اوجب علینا ما ذکرناہ و کذا اکل ما ورد بہ مآظہرہ الجسمیة کلا مبع و القدم و الید
فیجب الایمان بہ فان الید و الاصبع صفة لا یمنع المجامحة بل یمنع یلیق بہ و قد اول الید
و الاصبع بالقدا و القہ لصرحت العامة من فہم الجسمیة و هو ممکن ان یراد و لا یجزم بآراء
ہم باری تعالیٰ کے استواء علی العرش پر ایمان لاتے ہیں اور اس بات کا حکم کرتے ہیں کہ اللہ کا

استواء اجسام کے استوار کا ایسا نہیں ہے کہ مکان بنانے یا چھوٹے یا مقابل ہونے کے معنی رکھتا ہو بلکہ ایک ایسے معنی کے اعتبار سے ہے جو اُس کی شان کے لائق ہوں جسکو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا حاصل اسکا یہ ہے کہ استواء علی العرش پر ایمان لانا نفی تشبیہ کے ساتھ واجب ہے لیکن اس سے استیلاء علی العرش مراد ہونا جائز ہے مگر اُس پر کوئی دلیل نہیں ہے پس ہم پر وہی واجب ہے جو ہم نے لکھا ہے اور اسی طرح اُن تمام کلمات واروہ پر جنکے ظاہر معنی جسمیت (مثلاً انگلیان ہاتھ باؤن) پر دلالت کرتے ہیں ایمان لانا واجب ہو کر نہ پیدا و اصبع باری تعالیٰ کے صفات میں سے ہیں عضو کے معنی میں نہیں ہیں بلکہ کسی ایسے معنی میں ہیں جو شان باری تعالیٰ کے لائق ہیں اور یہ واضح کی تاویل قدرت و قدرت سے عام لوگوں کے خیالات کو جسمیت کے جانب سے پھرنے کے لیے کی گئی ہے اور ممکن ہے کہ یہی معنی مراد ہوں لیکن انکے مراد ہونے کا یقین نہیں ہے۔ اور عبد الغزیزہ بخاری حنفی کشف الاسرار شرح اصول ہرودی میں لکھتے ہیں اثبات الرویۃ و اثبات الوجه والید للہ حق عندنا خلافاً لقول من قال لا یوصف اللہ بالوجه والید بل المراد بالوجه الرضا والذات ومن الید القدرۃ والقوۃ والنعمة فقال المصطلح اللہ یوصف بصفة الوجه والید مع تنزیہہ عن الصورة والجارحة لان الوجه والید من صفات الکمال فی المشاہدۃ لان من الوجه لہ ولاید لہ بعد ناقصا وهو موصوف بصفات الکمال فیوصف بہما ایضاً لان اثبات الکیفیتۃ مستقیل فیتشابه وصفہ فیجب تسلیمہ علی اعتقاد حقیقتہ من غیر اشتغال بالتاویل اتھرویت باری تعالیٰ اور ہاتھ اور منہ کا اُس کے لیے ثابت ہونا ہمارے نزدیک حق ہے نہ اُسکے نزدیک جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وجہ و ید سے متصف نہیں ہے بلکہ وجہ سے رضا و ذات اور ید سے قدرت یا قوت یا نعمت مراد ہے پس مصنف نے کہا بلکہ اللہ صفت ید و وجہ کے ساتھ متصف ہے باوجودیکہ وہ صورت اور اعضا سے منزہ ہے کیونکہ وجہ اور ید دکھائی دینے والی چیزوں میں صفات کمال سے ہیں کیونکہ جسکے ید و وجہ نہ ہو وہ ناقص گنا جاتا ہے اور خدا صفات کمال سے متصف ہے تو ید اور وجہ سے بھی متصف ہوگا مگر کیفیت ثابت کرنا مستقیل ہے پس اسکا وصف مشتبہ ہو جائیگا تو اسکی حقیقت کا اعتقاد کر کے ان لینا اور تاویل میں نہ مشغول ہونا واجب ہے۔ اور ابو شکوہ تمہید میں لکھتے ہیں قال بعضهم ان اللہ موجود فی کل مکان و ہم صنف من الجہمیۃ و احقوا بقولہ تعالیٰ هو الذی فی السماء الہ و فی الارض الہ و قولہ دھولہ

خدا بلکہ ایسے عقائد میں یا نہیں جو اب بغیر بیان کیفیت استواء کے اسکی ذات کو عرش پر سمجھنا اور اسکی علم کو محیط تمام عالم سمجھنا اور آیات معیت و قرب وغیرہ کو قرب و معیت علمی پر حمل کرنا اہل سنت کا مذہب ہی اور جو شخص ایسا اعتقاد رکھتا ہو اسکی بھیجے ناز ہلکا کر اہت جائز ہو یہ حکمت نبویہ میں ہے انتقدانہ علی العرش مستوعبہ استواء منزلہا عن التکون والاعتقاد رافانہ فوق العرش ومع ذلک ہو قرب من کل موجود وهو قرب من جبل العرش یدکلا یمائل قریہ قرب الاجسام انتھے ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا عرش پر مستوی ہو اس طرح کہ ممکن اور اسقرار سے منزہ ہو اور وہ عرش کے اوپر ہو اور باوجود اسکے ہر موجود سے قریب ہو اور اسکا قرب اجسام کے قرب کے مشابہ نہیں ہو اور سیر النہار میں ہو قال اسحق بن راہویہ اجمع اهل العلم علی انہ تعالیٰ علی العرش استوی وهو یعلم کل شیء فی اسفل الارض السابعة انتھے اسحق ابن راہویہ نے کہا ہو کہ اہل علم کا ہر اجماع ہو کہ اللہ عرش پر ہو اور ساتویں زمین کی اشیاء کا بھی اسکو ظم ہو اور جامع ترمذی میں بعد ذکر حدیث لولا نکم ولینکم عجل الی الارض السفلی لہبط علی اللہ ثم قرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بکل شیء علیم مرقوم ہو قرأۃ الایۃ تدل علی انہ اراد بہبط علی اللہ علی علم اللہ وقد تدرسلطانہ وعلومہ اللہ فی کل مکان وهو علی العرش کما وصف فی کتابہ انتھے اگر تم کوئی رسی ارض سفلی تک ڈالو تو ضرور گرے گی خدا کے تعالیٰ پر پھر آپ نے آیت ہو الاول والآخر پڑھی آیت کا پڑھنا اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ بہبط علی اللہ سے مراد علی علمہ بالہ و قدرۃ و سلطانہ ہو اور خدا کا علم ہر جگہ ہو اور وہ عرش پر ہی جبکہ اُس نے اپنا وصف خود اپنی کتاب میں بیان کیا ہو۔ اور یہ جو مشہور ہو کہ یہ مذہب صرف خدا بلکہ ہو غلط ہو بلکہ یہ مذہب جمہور متحققین خفیہ و شافیہ و حنا بلہ والکیہ و محدثین وغیرہم کا ہو البتہ بعض ضالہ استواء مع بیان الکیفیتہ کے قائل ہو گئے ہیں اور اسقرار پر درکار کو مثل استقرار مخلوقات کے سمجھتے ہیں یہ مذہب مردود و دالہ اظہر سوال زیہ کتابہ رب العالمین کی ذات کو میں کسی جگہ معین نہیں کر سکتا کہ عرش پر ہو یا زمین پر یا آسمان میں اور اسکو خلاف عقیدہ کرتا خلاف عقیدہ اہلسنت ہو کی ذات اسکی مخلوقات کو از عرش تا فرش محیط ہو اور یہی عقیدہ اہل سنت ہو اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ رب العالمین یہاں یا وہاں کہان ہو اور ہر مخلوق اور ہر شے کو اسکی ذات اور علم کے ساتھ نسبت داحدیہ البتہ اتنا فرق ہو کوئی ایک صفت سے سرفراز اور کوئی دوسری صفت سے ممتاز ہو اور میں انہیں کہہ سکتا ہوں کہ خدا علیہ السلام

قرب اور محبت الٰہی کیسی ہو اور اُسکے معنی اور مراد کیا ہیں خدا کے ارادہ پر ایمان لانا عقیدہ اہل سنت ہو
اور عمر و کتا ہو کہ اللہ کی ذات بلا کیفیت خاص کر عرش پر ہی نہ مثل جسم کے اور جسم کے کیونکہ وہ جنہیں
ہو اور باوجود عرش پر ہونے کے بذاتہ و علمہ و قدرتہ سب کو محیط ہو اور سب سے قریب اور سب کے
ساتھ ہو جیسا اُسکو لایق ہو بلا تشبیہ جیسا کہ آفتاب زمین میں نہیں ہو اور ساتھ ہو البتہ بعلمہ و قدرتہ
سب کو ایک طرح دیکھتا اور جانتا اور سنتا ہو اور حق بنی صفتیں اس کی کتاب و سنت میں جیسے فوق
العرش ہونا دیکھنا سنا جانا اور ترنا خوش ہونا غصہ ہونا ہاتھ منہ نفس وغیرہ سب کے معنی معلوم اور
کیفیت متشابہ ہو یعنی مثل فوقیت کھینچنے سے جاننے اترنے خوش ہونے غصہ ہونے ہاتھ منہ نفس وغیرہ اُسکے
مخلوقات کے نہیں ہو بلکہ کیفیت اس کی اس ہی جانتا ہو جیسے بیشک اس کی ایک ذات ہو مگر نہ مثل ذات
مخلوقات کے اسی کے مناسب اس کی سب صفتیں ہیں نہ مثل صفات مخلوقات کے اور جنہ صفات ہی
کتاب و سنت میں اس تعالیٰ کی تنزیہ ہو اُس سے منزه ہو غرض اثباتا و نفیاً پیروی کتاب و سنت کی ضروری
ہو اور زیادتی و کمی موجب منالالت ان دونوں عقیدوں میں موافق اہل سنت کے کسا عقیدہ ہے۔
جواب۔ اہل سنت کی رائے اس باب میں مختلف ہو اگرچہ بعض مثل قول زید کے بھی لکھ گئے ہیں مگر
صحیح و مذہب جمہور محققین دائمہ تبوعین و محدثین وغیرہم مثل قول عمر کے ہو ابو شکو خفی تہدین لکھتے ہیں
سئل مالک عن قوله تعالى الرحمن على العرش استوى كيف استوى فقال الاستواء غير محمول و
الكيف غير معقول والايمان به واجب والسؤال عنه بدعة وما اراك الا ضالاً فالا ما ربه
فاخرجه فاذا هو جهم بن صفوان وقال ابو مطيع البلخي سئلت ابا حنيفة في من قال لا ادى
اين الله فقال ابو حنيفة انه يلفظ لانه خالف النص والله يقول الرحمن على العرش استوى
اقول لها وامنوا به فقال ابو مطيع كيف استوى قال امنوا به كما جاء الجواب انتهى يكفينا في الامام مالک سے
الرحمن على العرش استوى کے متعلق دریافت کیا کہ استواء کیونکر ہو آپ نے فرمایا کہ استواء محمول
نہیں ہو اور کیفیت معلوم نہیں ہو اور سپر ایمان لانا واجب ہو اور اس کا سوال کرنا بدعت ہو اور میں
تجھ کو محض گمراہ خیال کرتا ہوں پس حکم فرمایا آپ نے اور لوگوں نے اس کو نکال دیا پس ناگاہ وہ جہم بن
صفوان تھے اور ابو مطیع بلخی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا جو کہ
کہ میں نہیں جانتا ہوں خدا کہاں ہو انھوں نے فرمایا وہ کافر ہی کیونکہ اس نے نص صریح کی مخالفت کی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الرحمن علی العرش استوی اسکو چڑھوا اور اس پر ایمان لاؤ پھر ابو طیغ نے پوچھا اتوار
 کیونکر ہو آپ نے فرمایا کہ جیسا نازل ہوا ہے اس پر ایمان لاؤ اور حکمت نبویہ میں نہ کہ یہاں وجہ و
 نفس کما ذکر اللہ فی القرآن ولا یقال ان قدساً تہو یدہ لان فیہ ابطال الصفة وھو
 قول اہل القدر والاعتزال وکن یدہ صفتہ بلا کیف انتھ خدا کے لیے یہ اور وجہ
 اور نفس ہیں جیسا کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے اور یہ نہ کہا جائے کہ اللہ کی قدرت اسکا یہ ہے کیونکہ
 اس میں صفت کو باطل کرنا ہو جو اہل قدر اور اعتزال کا قول ہے لیکن اسکا یہ اسکی صفت ہے بلا
 کیف کے اور سیر البیضاء میں ہے قال حرب الکرمانی قلت لاسحق بن راھویہ ما تقول فی قولہ تعالیٰ
 ما یكون من نجوى تلثہ الاھور ابھم کیف تقول فیہ قال حیث ما کنت فھو اقرب الیہ من
 جبل الودید وھو بائن من خلقہ وایں فی ذلک قولہ الرحمن علی العرش استوی انتھ
 حرب کرمانی نے کہا ہے کہ میں نے اسحق ابن راھویہ سے پوچھا کہ تم خدا کے قول ما یكون من نجوى تلثہ
 الاھور ابھم کے متعلق کیا کہتے ہو انھوں نے کہا جیسا کہ تم جہان کہیں ہو وہ تمھارے رگ گلو سے
 زیادہ تم سے قریب ہے اور وہ اپنی مخلوقات سے دور ہے اور اس میں سے زیادہ الرحمن الخ وفتح ہے
 اور یہی اسی میں ہے قال السراج سمعت اسحق بن راھویہ یقول دخلت علی طاھر بن عبد اللہ
 وعندہ منصور بن طلحہ فقال لی تقول ان اللہ یتزل کل لیلۃ قلت لؤمن بہ اذ انت لا
 تؤمن ان لك بها فی السماء لا تحتاج ان تسألنی عن هذا قلت هذه الصفات من الاستواء
 والنزول والایمان قد صحت بہ النصوص ونقلھا المخلف عن السلف ولم یعترضوا لها
 برد ولا تاویل بل انکروا علی من اول مع الاتفاق علی انھا لا تشبھونہ المخلوقین وان اللہ لیس بمثلہ
 شیء انتھہ سراج نے کہا کہ میں نے اسحق بن راھویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں طاھر بن عبد اللہ کے یہاں گیا
 اور ان کے پاس منصور بن طلحہ تھے پس انھوں نے مجھ سے کہا کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ اللہ شہر
 کو نازل ہوتا ہے میں نے کہا کہ میں اس پر ایمان لایا ہوں اور تم جبکہ اس بات کے قائل نہیں ہو کہ آسمان
 میں تمھارا خدا ہے تو تم کو اس بارے میں مجھ سے سوال کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ ان
 صفات کو یعنی استواء اور نزول اور ایمان انصوص قرآنیہ نے صحیح ثابت کیا ہے اور قسّمین سے متاخرین نے انکے
 بلا رد و تاویل نقل کیا ہے بلکہ تاویل کر کے دوائے کی تردید کی ہے اور اس پر اتفاق کیا ہے کہ نہ اس کے یہ صواب

مخلوقات لی قوت کے مشابہت میں اس لیے کہ خدا کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔ اس علم سوال
 اس شہر کے عام لوگوں کی عادت ہو کہ مصیبت کے وقت دور سے انبیا اور اولیاء کو مدد کے لیے پکار کر
 ہیں اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ہر حال میں حاضر و ناظر ہیں اور جب ہم انکو پکارتے ہیں
 یہ سنتے ہیں اور ہماری مقصد پر آری کے لیے دعا کرتے ہیں یہ جائز ہو یا نہیں جواب یہ صورت
 حرام بلکہ صریح شرک ہے کیونکہ اس میں غیر خدا کا غیب دان ہونا پایا جاتا ہے اور ایسا اعتقاد صریح شرک
 ہے کیونکہ شرع میں شرک اسکا نام ہے کہ غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات مختصہ میں شریک سمجھے اور علم
 غیب صفت مختصہ ہو اسد تعالیٰ کی جیسا کہ کتب عقائد میں اسکی تصریح موجود ہے ہم اختصار کے لیے فقط
 ایک عبارت شرح فقہ اکبر طاعنی قاری کی لکھ دیتے ہیں بالجملة العلم بالغیب امر تفرّد به سبحانه وتعالى ولا سبيل اليه لعلما
 الا باعلام منه والهام بطريق المعجزة والكرامة وارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذلك ولهذا
 ذكر في الفتاوى ان قول المتأمل عند روية حالة القرائي اثرة مطر يكون علمه بالغیب لا بعلمه كقوله لا يعلم من في السموات والارض
 الا الله كذا في المسألة بالجملة علم غیب ایک ایسا امر ہے جو اکیلے خدا کے لیے ہی اور بندوں کو
 اطلاع انکی اور الہام بطریق معجزہ و کرامت اور علامات سے دلیل لانے کی ہدایت راہ میں
 جن میں یہ ہو سکتا ہے کہ بغیر اس تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں ہے اور اسی وجہ سے فتاویٰ
 میں ہے کہ ماہتاب کے ہالہ یعنی دائرہ کو دیکھ کر کسی کا دعویٰ علم غیب کرتے ہوئے کہنا کج پانی
 بر سے گا کفر ہو اور خفیہ نے نبی صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کے عالم غیب ہونے کے اعتقاد سے کافر ہو جانا
 کی تصریح کی ہے کیونکہ اس کا قول کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں انکو خدا کے سوا
 کوئی نہیں جانتا۔ اس کے معارض ہو ایسا ہی مسائرہ میں ہے۔ واسد اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد بشیر عفا اللہ عنہ
 صحیح ابواب عبد الصمد پشاور صیح ابواب ذوالفقار صحیح ابواب سید محمد سیوانی ہو المصوب
 واقفی انبیا اور اولیا کو ہر وقت حاضر ناظر جانا اور اعتقاد رکھنا کہ ہر حال میں وہ ہماری نداشتیں ہیں
 اگرچہ خدا دور سے بھی ہو شرک ہے کیونکہ یہ صفت اس کے لیے خاص ہے کوئی اس میں اسکا شریک نہیں
 ہے۔ فتاویٰ بزاز میں ہے ترویج بلا شہود وقال عداى ورسول خداى وفرشتگان را گواہ کو
 یکنفر لانه اعتقاد ان الرسول والملائكة يعلمان الغیب کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ

میں نے خدا کو اور اُس کے رسول کو اور اُس کے فرشتوں کو گواہ کیا تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے اس بات کا اعتقاد کیا کہ رسول اور فرشتے غیب جانتے ہیں۔ اور بھی بزاز یہ ہیں ہی وعین هذا قال علیہ السلام من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر انتھہ اسی سے ہمارے علمائے کہا ہو کہ جو کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہو واسد اعلم حرہ اراجی ابو الحسنات محمد عبد اکتے۔

سوال۔ اُس شخص کے متعلق کیا حکم ہو جو خیال کرتا ہو کہ اولیا جانتے ہیں اور دوزر ہو ایک سے بچا رہنے والے کی آواز کو سنتے ہیں اور ان سے ایسے الفاظ سے مدد مانگتا ہو جن سے حاضر کو خطاب کرتا ہو اور اُن کے لیے نذرین مانا ہو اور کہتا ہو کہ میں نے ان کے لیے یہ نذر مانی۔ **جواب** ایسے شخص کا عقیدہ فاسد ہو بلکہ اُس کے کفر کا خوف ہو کیونکہ اولیا کا دل سے بعید کہ سننا ثابت نہیں ہو اور تمام زانوں میں تمام خبریات کا علم کلی اسد ہی کے ساتھ خاص ہو قتا وی بزاز یہ میں من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر انتھہ جو کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہو اور اسی کتاب میں ہو من تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ یکفر لا مذ ظن ان الرسول بعلم الغیب انتھہ جس نے نکاح کیا خدا اور رسول کو گواہ کر کے کافر ہو گیا کیونکہ اس نے رسول کے عالم الغیب ہونے کا گمان کیا۔ اور غیر خدا کے لیے نذر حرام ہو اور جو نذر مانی گئی ہو وہ بھی حرام ہو جیسا کہ اسکی تحقیق در مختار اور بحر الرافق میں ہو واسد اعلم **سوال** اللہ عرش پر ہو اسکا اعتقاد رکھنا اسکی تنزیہ کے ساتھ یعنی ہر کا عرش کے اوپر رہنا ایک جسم ایک جسم کے اوپر رہنے کے مانند نہیں اور عرش اسکا مکان و حال نہیں اور وہ اسد اسپر ممکن اور متصل ہمیں بلکہ جو کچھ کیفیت ہمارے ذہن و تصور میں آئے اُس سے بھی منفرہ ہو پس اس طرح اعتقاد رکھنا صحیح و حق ہو یا نہیں اور یہ بات عقائد کی کتابوں میں اہل سنت و جماعت کے ہو یا نہیں اور دلائل اس اعتقاد کے محکات سے ہیں یا مشابہات سے اور اس اعتقاد سے جہت جس سے متکلمین نے تنزیہ ذات خدا کی کی ہو ثابت ہوئی ہو یا نہیں اور قرب اور معیت اسکی ہمارے ساتھ ذاتی ہو یا علمی۔ **جواب**۔ اعتقاد رکھنا اس طرح کہ خدائے تعالیٰ اپنی ذات سے عرش کے اوپر ہی تنزیہ مذکور کے ساتھ صحیح و حق ہو کیونکہ یہ بات قرآن و حدیث و اجماع سلف سے ثابت ہو اور عقائد کی کتابوں میں اہل سنت و جماعت کی موجود ہو اور سلف صالحین یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ وی ابو داؤد فی سننہ

عن جبر بن مطعم قال قال رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم انما قال يا رسول الله جدد
 الانفس وضاعت القیال ونهكت الاموال وملكت الانعام فاستسقى الله لنا فانما تستشفع
 لك على الله ونستشفع بك الله عليك قال رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم ويحك انا قد رى
 ما تقول وسبح رسول الله صلى الله عليه وسلم فما زال يسبح حتى عرف ذلك في وجوه اصحابه
 ثم قال ويحك انا لا يستشفع يا الله على احد من خلقه شان الله اعظم من ذلك ويحك
 انا قد رى ما الله ان عرشه على سمواته هكذا او مال يا صاحبه مثل القبة عليه وانه لطيب
 اطيب الوجل بالمرآب قال ابن بشار في حديثه ان الله فوق عرشه وعرشه فوق سمواته ساق
 الحدب انتهي وحديث ابن بشار يث حسن كما قال الامام الذهبي في كتاب العرش
 والعلو رواه ابوداؤد في الرود على الجرمية باسناد حسن عنده من حديث محمد بن بشير رفته
 صاحب الانباء وقال وقد اخرجها البخاري في رسالة خلق افعال العباد ولفظ ان الله على
 عرشه وعرشه فوق سمواته وسمواته فوق ارضه مثل القبة انتهي وعن عباس بن عبد المطلب
 قال كنت في البطحاء في عصا به فيهم رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم فمرت بهم سحابة
 فنظروا اليها فقال ما اسمون هذه قالوا السحاب قال والمزن قالوا والمزن قال والعنان
 قالوا والعنان الحديث في اخا الحديث بعد ذكر العرش ثم الله تعالى فوق ذلك رواه
 الترمذي وقال هذا حديث حسن غريب انتهى وقال الذهبي في كتاب العرش والعلو
 رواه ابوداؤد باسناد حسن وفوق الحسن انتهى وروى الامام البيهقي هذا الحديث في
 تفسير سورة الحاقة باسناد عن عباس بن عبد المطلب وزاد بعد قوله والله تعالى فوق
 ذلك وليس يخفى عليه من اعمال بنى آدم شئ انتهى ويؤيده ما جاء عن ابن مسعود رضي الله
 عنه انه قال ما بين السماء القصى والكبرى خمس مائة عام وما بين الكرسي والماء كذلك
 والعرش فوق الماء والله فوق العرش لا يخفى عليه شئ من اعمالكم انتهى رواه البيهقي باسناد
 صحيح وكذا رواه ابن المنذر وعبد الله بن احمد بن حنبل وابو القاسم الطبراني وغيرهم
 كما قال الذهبي في كتاب العرش وهذه الزيادة تؤكد كون وجوده تعالى فوق العرش كما لا يخفى
 وعن جابر بن سليم قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم يقول ان رجلا

ممن كان قبلكم ليس له دين فتختار فظنوا الله اليه من فوق عرشه فمقتته فاعرا لارض فاخذته
فهو يتجبل فيها قال الامام الذهبي في كتاب العرش رواه مهمل بن بكار شيخ البخاري عن
عبد السلام بن مجمل عن عبيدة اليتيم قال قال ابو اسحق قال جابر بن سليم فذكوه انتقم
ابوداؤد عنه ابني سفيان بن عيينه بن جبير بن مطعم سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور انبیاء علیہ التھیہ والتنا کی خدمت
میں ایک اعرابی حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ نفس مشقتون میں پڑ گئے اور گھر کے لوگ ضایع ہو گئے
اور اونٹ و بٹا گئے اور چوپائے ہلاک ہو گئے پس خدا سے پانی کے لیے دعا فرمائیے ہم شفاعت چاہتے
ہیں آپ سے اللہ پر اور اللہ سے آپ پر آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہو تو جانتا ہو کہ تو نے کیا کیا اور اپنے
تسبیح کی پس بیان تک آپ تسبیح کرتے رہے کہ صحابہ پر آپ کی ناراضگی ظاہر ہوئی پھر آپ نے فرمایا جیسے
افسوس ہو خدا سے کسی پر شفاعت نہیں طلب کی جاتی ہو اللہ کی شان اس سے برتر ہو تجھ پر افسوس ہو کیا
تو نہیں جانتا کہ اللہ کی ہر اس کا عرش اُس کے آسمانوں پر ہر اس طرح داؤر چکایا آپ نے اپنی انگلیوں کو مثل
قبہ کے، اور وہ چرچراتا ہو مثل کجاوہ کے سوار یوں پر چرچراتے گے ابن بشار نے اپنی حدیث میں
کہا ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہو اور اس کا عرش اُس کے آسمانوں پر ہو اور چلائے رپور کیا، حدیث کو انتہی
اور ابن بشار کی حدیث حدیث حسن ہے جیسا کہ امام ذہبی نے کتاب العرش والعلوم میں اس کو اسناد حسن
سے کہا ہے ابوداؤد نے جمیع کی روایت کی ہے محمد بن بشار کی حدیث سے۔ اس کو صاحب التہذیب
نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو بخاری نے رسالہ خلق افعال عباد میں روایت کیا ہے اور اُس کے الفاظ یہ ہیں
اللہ اپنے عرش پر ہو اور اس کا عرش اُس کے آسمانوں پر ہو اور اُس کے آسمان اس کی زمین پر مثل قبہ
کے ہیں انتہہ اور عباس بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا میں عطار میں تھا ایک ایسی
جماعت میں جس میں نبی کریم علیہ التھیہ والتسلیم تشریف فرما تھے انہر سے ایک ابرگندہ اور حضور نے
اُس کی طرف دیکھا پھر فرمایا تلوگ اسے کیا کہتے ہو صحابہ نے عرض کیا صحابہ آپ نے فرمایا اور مرزا صحابہ
نے عرض کیا اور مرزا آپ نے فرمایا اور عنان صحابہ نے عرض کیا اور عنان الحدیث اور آخر حدیث میں
عرش کے ذکر کے بعد ہو پھر اللہ تعالیٰ اُس کے اوپر ہو روایت کیا ہے اس کو ترمذی نے اور کہا ہے کہ یہ حدیث
حسن غریب ہے انتہی اور ذہبی نے کتاب العرش والعلوم میں کہا ہے اس کو ابوداؤد نے حسن اور حسن سے بھی برتر
اسناد سے روایت کیا ہے انتہی اور امام بخاری نے اس حدیث کو تفسیر سورہ الحاقہ میں عباس بن عبد المطلب

کی اسناد سے روایت کیا ہو اور اس کے اوپر ہو کے بعد یہ زیادہ کیا ہو کہ اُس پر نبی آدم کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہوا انتہی اور اس کی تائید ابن مسعود کی روایت سے ہوتی ہو انھوں نے فرمایا ہو کہ سارے قصویٰ اور کرسی کے درمیان میں پانچ سو سال کی مسافت ہو اور ایسا ہی کرسی اور پانی کے درمیان اور عرش پانی پر ہو اور خدا عرش پر ہو اُس پر تھا کہ کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہو اسکو بیعتی نے اسناد صحیح سے روایت کیا ہو اور ایسا ہی روایت کیا ہو ابن منذر اور عبد اللہ بن احمد ابن حنبل اور ابو القاسم طبرانی وغیرہ نے جیسا کہ ذہبی نے کتاب العرش میں کہا ہو کہ یہ زیادتی باری تعالیٰ کے عرش پر ہونے کی تاکید کرتی ہو جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہو اور جابر بن سلیم سے روایت ہو کہ میں نے حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوة سے سنا ہو کہ فرماتے تھے کہ تم سے پہلے ایک آدمی نے جسکا کوئی دین نہ تھا بتخت کیا پس اس نے اسکو عرش پر سے دیکھا اور اُس پر غصہ کیا اور زمین کو حکم دیا زمین نے اُسے لے لیا اور وہ زمین میں دوھسنے لگا امام ذہبی نے کتاب العرش میں کہا ہو کہ اسکو شیخ بخاری سہل بن بکار نے عبد السلام بن عبدان سے بسند عبیدہ تمیمی روایت کیا ہو کہ ابو احری نے کہا کہ جابر بن سلیم نے کہا ہو آگے اس کے اس حدیث کو ذکر کیا (اب تھوڑے اقوال کتب عقائد سے لکھے جاتے ہیں امام ابو محمد بن ابی زید مالکی نے اپنے رسالہ میں جو مشتمل عقائد اور فقہ کے مسائل پر ہو لکھا ہو۔ انہ تعالیٰ فوق عرشہ المجید بذاتہ و اتہ فی مکان یبصرنا انھیں قال الامام الذہبی فی کتاب العرش وابن ابی نزیہ من کبار الایمۃ بالمغرب و شہرۃ یفنی عن ذکر فضلہ اجتمع فیہ العقل والدین والورع والعلم وکان نھایتہ فی علمہ الاصول تو فی سنۃ ست و ثمانین وثلث مائۃ بالتقریر وان انھیں وایضا قال الذہبی قال الامام عبد اللہ ابو اسمعیل الانصاری شیخ الاسلام فی رسالۃ مثل قول ابن ابی نزیہ وقال وقد جاء فی اخبار رشتی ان اللہ فوق السماء السابعة علی العرش بنفسہ وھو ینظر کیف تعلمون و علمہ و قدرتہ واستماعہ ونظورہ ورحمتہ فی کل مکان انھیں ثم قال الذہبی ابو اسمعیل ھذا معروف عند مشائخ الطریقۃ وکان عالما بالمحدث صحیحہ وسقیمہ ویا تار السلف وبلغات العرب واختلافہا وتفسیر الکتاب ومعانیہا واقوال المفسرین ویا حال القلوب وکان لہ کرامات معروفۃ تو فی سنۃ احدی و ثمانین واربعمائۃ ولہ خمس و ثمانون سنۃ انھیں وایضا قال قال الامام الاوحد ابو ذکریا عیسیٰ بن عمار البجستانی فی رسالۃ لا نا نقول کما قال الجرمیہ انہ مدخل

الامکنۃ ومما زجر بکل شیء اولاً لعلمایں ہوبل ہو بذاتہ علی عرشہ وعلمہ محیط بکل شیء
وسمعه وبصرہ وقدرۃ مد رکتہ لکل شیء وهو معنی قوله وهو معکم ایہا کنتم واللہ بما تعملون
بصیر وهو بذاتہ علی عرش کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلى الذہبی
یعنی بن عمار من کبار ائمۃ الہدی جمع بین العلم والروایۃ والنزہد توفی سنۃ ثلاثین
واربعۃ تہو واحد شیوخ ابی اسمعیل الانصاری شیخ الاسلام صاحب منازل السائرین ولا ما
ابی نصر السنجری اتھے وقال صاحب الفوائد الامالیۃ رب العرش فوق العرش لکن
بلا وصف الثمن والاتصال : اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش مجید پر ہوا در وہ ایسے مکان میں ہو جس کا علم
اُسی کو ہو امام ذہبی نے کتاب العرش میں کہا ہو کہ ابن ابی زید کبار ائمہ مغرب سے ہیں اور انکی شہرت
کی وجہ سے اُنکے فضل کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہو عقل و ردین اور ورع اور علم سب انہیں
جمع تھے اور علم اصول کے بڑے مفتی تھے ۳۶۸ھ میں قیروان میں انتقال فرمایا انتہی اور یہی ذہبی نے
کہا ہو کہ شیخ الاسلام امام عبد اللہ ابو اسمعیل انصاری نے اپنے رسالہ میں ابن ابی زید کو قول کے مثل کہا ہو اور
انھوں نے کہا ہو کہ بہت سی متفرق خبروں میں یہ آیا ہو کہ خدا بنفسہ ساتوین آسمان کے اوپر عرش پر ہو
اور وہ دیکھتا ہو کہ تم کس طرح کام کرتے ہو اور اسکا علم اور قدرت اور استماع اور نظر اور رحمت ہر جگہ ہو
اور پھر ذہبی نے کہا ہو کہ یہ ابو اسمعیل مشائخ طریقت میں مشہور ہیں اور حدیث صحیح و سقیم اور آثار سلطنت
ولغات عرب اور اُسکے اختلاف اور کتاب کے معنی و تفسیر اور اقوال و مفسرین اور احوال قلوب
کے جاننے والے تھے اور انکی کرامتیں مشہور ہیں پچاسی برس کی عمر میں ۳۸۰ھ میں انتقال فرمایا انتہی
اور بھی انھوں نے کہا ہو کہ امام ابو حنیفہ ابو ذریابیحی بن عمار جستانی نے اپنے رسالہ میں کہا ہو کہ ہم جیسے
کی طرح یہ نہیں کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ مکافون میں داخل ہوتا اور ہر شے سے ملتا ہو یا ہم نہیں جانتے
کہ وہ کہاں ہو بلکہ وہ بذاتہ عرش پر ہو اور اسکا علم تمام اشیا کو محیط ہو اور اُسکی سمع و بصر و قدرت ہر شے
کو اور اک کرتی ہو اور یہی اُسکے قول معکم ایہا کنتم واللہ بما تعملون بصیر کے معنی ہیں اور وہ
بذاتہ عرش پر ہو جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو انتہی ذہبی نے کہا ہو کہ یحییٰ بن
عمار کبار ائمہ ہدی سے جامع علم و ولایت و زہد تھے ۳۳۸ھ میں انتقال فرمایا شیخ الاسلام ابی اسمعیل
انصاری اور صاحب منازل السائرین اور امام ابی نصر سنجری کے شیوخ سے تھے انتہی صاحب قصائد

اُمالیہ نے کہا ہوا اور عرش کا خدا عرش پر ہو لیکن نیکوئی و اتصال کے وصف کے انتہی امام غزالی نے
 اہل سنت کے اعتقاد کے بیان میں کیمیا سے سعادت میں کہا ہوا جسکا ترجمہ یہ ہوا عالم میں جتنی چیزیں
 ہیں سب عرش کے نیچے ہیں اور عرش قدرت اسی کا سحر ہوا و وہ عرش پر ہونے اسطرح جیسے جسم جسم
 پر ہوتا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہوا اور عرش اسکا حامل اور اٹھانے والا نہیں ہوا بلکہ عرش اور عالمان
 عرش سب کو اسکا لطف اور اسکی قدرت اٹھائے ہوئے ہوا اور آج بھی اسی صفت سے ہی جیسے
 ازل میں اور عرش پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ انتہی۔ اب چند اقوال کہ جن سے اجماع سلف صالحین کا اس
 اعتقاد پر ثابت ہوتا ہے مذکور ہوتے ہیں۔ قال الامام ابن حجر العسقلانی فی شرح البخاری واخرج
 البیهقی بسند جيد عن الامام الاوزاعي قال كنا والتابعون متوافرون نقول ان الله على
 عرشه ونؤمن بما ورد به السنة من صفاته تعالى انتهى الا انما قيد كلامه بالجملة الحالية اي
 والتابعون متوافرون ثلاثية وهم ان هذه العقيدة حدثت فيهم فاذا ثبت بهذا القول
 ان هذه العقيدة عقيدة التابعيين ولم يثبت اختلافهم فيها ثبت انحصار
 عقيدة الصحابة ايضا لانهم كانوا اخدين من الصحابة دينهم من العقائد والاعمال فحصل
 الاجماع واصرح من ذلك ما قاله عثمان بن سعيد الدارمي في كتاب التقصص على بشر المريسي
 قد القيت الكلمة من المسلمين ان الله تعالى فوق عرشه وعرشه فوق سمواته انتهى نقله
 الامام الذهبي في كتاب العرش وقال عثمان بن سعيد الدارمي احد الائمة والحفاظ من
 اهل المشرق وقال فيه البخاري ما رأيت مثل عثمان بن سعيد الدارمي انتهى وقال الامام
 ابو عبد الله بن بطة البكري في كتاب الابانة له اجمع المسلمون من الصحابة والتابعين
 ان الله على عرشه فوق سمواته بائن من خلفه انتهى وقال الذهبي بعد نقلها بن بطة هذا
 من كبار الائمة والزهاد والحفاظ الف كتاب الابانة المذكور اسر بعجالات اتي فيه
 بهذا اهل السنة التي يخالف فيها المبتدعة من الجهمية والحرورية والقدرية والرافضة
 والموهبة والعتزلة دل ذلك على علم واسع وكثرة من الحديث توفي بعد ثمانين وثلاث
 مائة جمع منه البغوي وذكره انتهى وقال الامام ابو عثمان اسمعيل بن عبد الرحمن
 الصلابي في كتاب السنة له اصحاب الحديث يشهدون ان الله فوق سبع سموات كما نطق

کتابہ و علماء الاثمة و ائمة من السلف لم یخلفوا فی ان غروبہا علی عرش فوق
سمواتہ انتہی قال الامام الذہبی ابو عثمان الصابونی ہذا من کبار الاثمة کان فقیہا
محمد تاجا فظا صوفیا و اعظم الشیوخ شیخ نیشاپوری وقتہ مات سنۃ تسع و اربعین و اربع
ماتہ ساری عنہ کثیر و منہم الحافظ ابو بکر البیہقی انتہی وقال الامام الذہبی فی کتاب
العرش والعلو والدلیل علی ان اللہ فوق العرش فوق المخلوقات مہائن لہا لیس بدخل
فی شیء منہا و علی ان علمہ فی کل مکان الکتاب والسنة واجماع الصحابة والتابعین
والائمة المہدیین انتہی و قل الحافظ ابن تیمیۃ الحرانی فی العقیدۃ النواسطیۃ وقد
دخل فیما ذکرناہ من الایمان باللہ وبما خبر بہ اللہ فی کتابہ وتواتر عن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ و علی آلہ وسلم واجمع علیہ سلف الاثمة ان اللہ سبحانہ فوق سمواتہ علی عرشہ
علا علی خلقہ انتہی فاذا ثبت الاجماع وجب علینا اتباعہ ولا یجوز مخالفتہ قال اللہ تعالیٰ
ومن یشاق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدیٰ یتبع غیو سبیل لمومنین نولہ ما
تولی ونصلہ جفم وساءت مصیرا قال صاحب تفسیر المدا رک تحت ہذہ الایۃ
ای السبیل الذی ہر علیہ من الدین الخفی و ہو دلیل علی ان الاجماع حجتہ لا یجوز مخالفتہا
کما لا یجوز مخالفتہ الکتاب والسنة انتہی اما جبر عسقلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے اور ذہبی نے امام
اوزاعی سے بسند جید روایت کی ہے کہ ہم اور تابعین ہمیشہ سے کہتے تھے کہ اللہ اپنے عرش پر ہی اور انہیں
ایمان رکھتے تھے جو صفات باری تعالیٰ کے بارے میں حدیث میں آئی ہیں انتہی میں کہتا ہوں کہ انہوں
کلام کو حملہ مالہ سے اس لیے مقید کیا یعنی التابعون متوافدون کہا کہ اس بات کا وہم نہ ہو کہ یہ عقیدہ تابعین
میں پیدا ہو گیا تھا پس جبکہ اس قول سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ عقیدہ تابعین اور تبع تابعین کا عقیدہ ہے
اور انکا اختلاف اس بارہ میں ثابت نہیں ہو تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ صحابہ کا بھی عقیدہ تھا کیونکہ وہ
عقائد و اعمال میں صحابہ ہی سے اخذ کیا کرتے تھے پس اجماع پالیا گیا اور اس سے زائد مصرح کتاب لقیض
علی بشر المرسی بن عثمان بن سعید الدارمی نے کہا ہے کہ مسلمانوں کا کلام اس بارے میں متفق ہے کہ اللہ اپنے
عرش پر ہی اور اسکا عرش اس کے آسمانوں پر ہی ہے انتہی اسکا امام ذہبی نے کتاب العرش میں نقل کیا ہے اور
کہا ہے کہ عثمان بن سعید دارمی ائمہ حفاظ مشرق میں سے ہیں بخاری نے انھیں کے متعلق کہا ہے کہ میں

عثمان ابن سعید دارمی کے مثل کوئی نہیں دیکھا انتہی اور کتاب الابانہ میں امام ابو عبدہ مدظلہ عکبری نے کہا ہو کہ صحابہ و تابعین نے اس بات پر اجماع کر لیا ہو کہ ائمہ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مخلوقات سے دور ہو انتہی ذہبی نے اسکو نقل کر کے کہا ہو کہ ابن بطہار ائمہ و زہاد و حفاظ میں سے ہیں انھوں نے کتاب الابانہ چار جلدوں میں تالیف کی اس میں اہل سنت کے وہ مذاہب بیان کیے جن میں مبتدعہ جمعیہ حروریہ قدریہ رافضیہ مرجیہ و معتزلہ ان کے خلاف تھے یہ ان کی وسعت علم و کثرت حفظ حدیث پر دلالت کرتا ہر شخص کے بعد انتقال کیا ان سے بغوی اور ان کے صحابہ نے سنا ہو انتہی اور امام ابو عثمان اسمعیل بن عبد الرحمن صابونی نے کتاب السنۃ میں کہا ہو کہ اصحاب حدیث اسکی شہادت دیتے ہیں کہ ائمہ اپنے ساتوں آسمانوں کے اوپر ہو جیسا کہ اسکی کتاب سے ظاہر ہو اور متقدمین علمائے ائمہ و اعیان امت اس میں مختلف نہیں ہیں کہ عرش آسمانوں کے اوپر ہو انتہی امام ذہبی نے کہا ہو کہ یہ ابو عثمان صابونی کہا ائمہ سے ہیں فقیہ محدث حافظ اور صوفی تھے اور اعظم الشیخ شیخ نیشاپور انھیں کے وقت میں تھے ۳۴۹ھ میں انتقال فرمایا ان سے بہتوں نے روایت کی ہے جن میں سے حافظ ابو بکر بیهقی ہیں انتہی اور امام ذہبی نے کتاب العرش والعلوم میں کہا ہو کہ کتاب وسنت اور اجماع صحابہ و تابعین و ائمہ اسکی دلیل ہو کہ ائمہ عرش پر مخلوقات کے اوپر ان سے جدا ہو کسی شے میں داخل نہیں ہو اسکا علم ہر جگہ ہو انتہی عقیدہ واسطیہ میں حافظ بن یحیہ حرانی نے کہا ہو ائمہ پر اور اس نے کتاب میں جن باتوں کی خبر دی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو امور متواتر ہیں اوصلف امت نے جن باتوں پر اجماع کیا ہو ان پر ایمان لانے میں یہ بھی داخل ہو کہ ائمہ اپنے عرش پر اپنی مخلوقات کے اوپر ہو انتہی پس جبکہ اجماع ثابت ہو گیا ہمیں اسکی اتباع فرض ہو اور مخالفت جائز نہیں ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو ومن یستأق الحق الرسول من بعد ما تبین لہما ہدای کلا یتہ صاحب تفسیر مدارک نے اس آیت کے تحت میں لکھا ہو یعنی وہ راستہ جسپر وہ ہیں دین خفی سے اور یہ آیت دلیل ہو اس امر کی کہ اجماع ثابت ہو اسکی مخالفت جائز نہیں جیسا کہ کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں ہو۔ آپ چند اقوال ائمہ مجتہدین کے ذکر کرتا ہوں تاکہ یہ عقیدہ حقہ درجہ یقین کو پہنچے اور دلون کو تسکین بخشنے ملا سلام ائمہ نے کہا لین بین کہلہما امام بیهقی نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہو کہ انھوں نے فرمایا ان اللہ فی السماء دون الارض انھما اللہ آسمان میں ہو نہ کہ زمین پڑ قال الامام الذہبی فی کتاب العرش واخرجه عبد اللہ بن احمد

ابن حنبل فی کتاب الرد علی الجہمیۃ عن ایمیہ عن شریح بن النعمان عن عبد اللہ بن نافع
تلمیذ مالک وخصیصۃ قال سمعت مالک بن انس یقول اللہ فی السماء وعلمہ فی کل مکان
انتہی قال الذہبی ہذا حدیث ثابت عن مالک انتہی اقول لہ یرد مالک بنی السماء
السماء الدنیالانہا مکان بل اراد العلوالاعلیٰ یدل علیہ قولہ وعلمہ فی کل مکان ای لادانہ
بل ہی فی العلوالذی لیس بمکان وهو ما وراء العرش وکذا ینبغی ان یفہم من قول امامنا
ابی حنیفۃ والدلیل علی ہذا قول ابی معاذ البلیغی انہ قال ان اللہ فی السماء علی العرش کما
وصفت نفسہ انتہی ای فی العلو علی العرش لانہ لیس فی ہذہ السماء ولا فی غیرہا فہلم انہ
اراد بنی السماء العلو قال الذہبی فی کتاب العرش والعلو وہذا الحدیث ثابت عن ابی
معاذ وهو احد الاثمتہ انتہی وقال الیصافیہ وقصۃ ابی یوسف صاحب ابی حنیفۃ مشہورۃ فی
استتابہ بشر المریسی لما انکر ان یكون اللہ فوق العرش رواہا عبد الرحمن بن ابی حاتمہ
وغیرہ فی کتبہم انتہی وفی الحمویۃ للحافظ ابن تیمیہ روى عبد اللہ بن احمد بن حنبل
وغیرہ باسانید صحیحہ عن ابن المبارک انہ قیل لہ بماذا تعرف ربنا قال بانہ تعالیٰ فوق
سماواتہ علی عرشہ بائن من خلقہ ولا نقول کما تقول الجہمیۃ انہ تعالیٰ بہما فی الارض انتہی
وفیہا ایضاً وروی ابن ابی حاتم ان ہشام بن عبید اللہ الرازی صاحب محمد بن الحسن القاضی
حبس رجلاً فی التمیم فتاب فنجی بہ لیطلقہ فقال الحمد للہ علی التوبۃ وامتنہ ہشام فقال التہنید
بان اللہ تعالیٰ علی عرشہ بائن من خلقہ فقال اشہد ان اللہ علی عرشہ ولكن لا ادري ما بائن
من خلقہ فقال ردوہ الی الحبس فانہ لم یتب انتہی وقال الامام الذہبی فی کتاب العرش
قال الامام الشافعی فی وصیۃ القیرواھا البکاری والحافظ عبد الغنی فی العقیدۃ ان اللہ
یری فی الآخرۃ عیاناً ینظر الیہ المومنون ولیمعون کلامہ وانہ تعالیٰ فوق العرش انتہی
وقال الذہبی ایضاً وخرج الخلال عن یوسف ابن موسی القطان قیل لابی عبد اللہ احمد
بن حنبل بانہ فوق السماء السابعة علی عرشہ بائن من خلقہ وعلمہ وقد رتبہ بكل مکان
قال نعم انتہی اور امام ذہبی نے کتاب العرش میں کہا کہ عبد اللہ بن حنبل نے کتاب الرد علی الجہمیۃ
میں اپنے باپ سے انھوں نے شریح بن النعمان سے انھوں نے عبد اللہ بن نافع سے رجوع امام مالک سے

کے شاگرد ہیں اور روایت کی ہے کہ امام مالک بن انس فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہوا اور اسکا علم ہر جگہ ہوا انتہی اور ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مالک سے ثابت ہے انتہی میں کہتا ہوں امام مالک نے فی السماء سے سارے دنیا کو مراد نہیں لیا ہے کیونکہ وہ مکان ہے بلکہ علو اعلیٰ کو مراد لیا ہے اس پر انکا قول وعلمہ فی کل مکان دلالت کرتا ہے کیونکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ ذات خداوندی مکان میں نہیں ہے بلکہ اس علو میں جو مکان نہیں ہے اور وہ ماوراء العرش ہے اور ایسا ہی سمجھنا چاہیے ہمارے امام ابی حنیفہ کے قول سے اور اس پر بطحی کا یہ قول دلالت کرتا ہے اللہ آسمان میں عرش پر ہے جیسا کہ اُس نے خود بیان کیا ہے انتہی یعنی بلندی میں عرش پر ہے کیونکہ وہ اس آسمان میں ہے نہ دوسرے آسمانوں پر پس معلوم ہوا کہ فی السماء سے علوم مراد ہے ذہبی نے کتاب العرش والعلوم میں کہا ہے کہ یہ حدیث ابی حنیفہ سے ثابت ہے جو امام فن ہیں انتہی اور بھی کہا ہے کہ امام ابو یوسف صاحب ابی حنیفہ کا قصہ مشہور ہے کہ انھوں نے ہشام بن علی کو تو بہ کا حکم دیا تھا جب انھوں نے خدا کے عرش پر ہو بیگا انکار کیا تھا اسکو عبد الرحمن بن ابی حاتم وغیرہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے انتہی حافظ ابن تیمیہ کی کتاب جموہ میں ہے کہ عبد اللہ بن احمد حنبل نے اسناد صحیحہ میں روایت کی ہے کہ اُن سے کہا گیا تم خدا کو کس بات سے پہچانتے ہو انھوں نے کہا اس بات سے کہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش پر اپنی مخلوقات سے جدا ہے اور ہم جہمیہ کی طرح یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ یہاں زمین میں ہوا انتہی اور اسی میں ہے کہ ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ ہشام بن عبد اللہ رازی صاحب قاضی ابن الحسن نے ایک شخص کو تعظیم میں قید کیا پس اس نے تو بہ کی اور دہا کرنے کے لیے لایا گیا تو ہشام نے اسکا امتحان لینے کو پوچھا کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ خدا اپنے عرش پر مخلوقات سے جدا ہے اُس نے کہا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدا عرش پر ہے لیکن یہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ اپنی مخلوقات سے جدا ہے پس ہشام نے حکم دیا کہ اسے قید خانہ میں لوٹا دو کیونکہ اس نے تو بہ نہیں کی ہے انتہی اور امام ذہبی نے کتاب العرش میں کہا ہے کہ امام شافعی نے اس وصیت میں جسے بکاری اور حافظ عبد الغنی نے روایت کیا ہے عقیدہ میں کہا ہے کہ اللہ آخرت میں دیکھا جائیگا اور مومنین اُسے دیکھیں گے اور اسکا کلام سنیں گے اور وہ عرش پر ہے انتہی اور ذہبی نے کہا ہے کہ یوسف بن ہوشی القطان سے غلال نے روایت کی ہے کہ ابی عبد اللہ احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ اللہ ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر اپنی مخلوقات سے جدا ہے اور اسکا علم و قدرت ہر جگہ ہے انھوں نے فرمایا ہاں اور دلائل

اس عقائد کے محکمت سے بہن نص اور ظاہر و مفسر و محکم اصطلاحی اہل اصول بھی داخل ہیں جو
 بھی دلائل عقائد و احکام کے بہن صاحب کمالین ملا سلام اللہ نے سورہ آل عمران کی تفسیر جلالین
 کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ فاحکمت عباراتھا بان حفظت عن الاحتمال والاشتباہ فیدخل فیہا
 النص والظاہر والمفسر والمحكم علی مصطلح اہل الاصول من علمائنا انتھے اسکی عبارتین
 مستحکم احتمال و اشتباہ سے محفوظ ہیں پس نص ظاہر و مفسر و محکم ہمارے علما اور اہل اصول کی اصطلاح
 پر ہیں داخل ہیں۔ پس جب اس اعتقاد کو اہل سنت کے بزرگوں نے عقائد کے کتب میں داخل
 کیا اور اس پر اجماع سلف بھی ثابت کر چکا اب ان دلائل کے محکمت سے ہونے میں کیا تردد باقی رہا
 اور اس اعتقاد سے یعنی خدا عرش کے اوپر ہے جدا اپنی مخلوقات سے کہنے میں جہت کہ جس سے
 علمائے متکلمین نے تنزیہ ذات خدا کی ہے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ جہات مکانات کے حدود اور
 اطراف کو کہتے ہیں اور وہ جہات عرش تک ثابت ہیں نہ اس کے اوپر علامہ سعد الدین قفٹازانی
 نے شرح عقائد میں لکھا ہے واذالمیکن فی مکان لمیکن فی جہۃ لا علو ولا فی سفلی ولا فی غیرہما
 لانہما اماحد ودو اطراف للامکنۃ ولفس الامکنۃ باعتبار عروض الاضافۃ الی شئی
 اخر انتھے اور جب کسی مکان میں نہوگا تو کسی جہت میں نہوگا نہ بلندی میں نہ پستی میں اور نہ انکو
 علاوہ کسی اور جگہ کیونکہ یہ تو مکانون کے حدود اور اطراف ہیں یا خود مکان ہیں باعتبار کسی دوسرے
 شے کو عارض ہونے کے اور شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ کے تیرھویں عقیدے میں
 فرمایا ہے۔ جو دلیلین نفی مکان میں مذکور ہوئیں وہی نفی جہت میں بھی ہیں کیونکہ جہات اطراف
 ہیں امکنۃ کے اور اسکے حدود ہیں انتھی اور شاہ عنایت اللہ نے سکندرنامے کے اس شعر
 جہت را ولایت بہ پایان رسید ۔ قطیعت بہ پر کار دوران رسید
 کی شرح میں لکھا ہے یعنی جہات اربعہ یا ستہ جو کہ جائیں ختم ہو گئے کیونکہ جہات کا ثبوت عالم
 اجسام میں ہے اور عالم اجسام عرش پر نہیں ہے اور جہت بھی نہیں ہے اور صاحب
 انتہا نے امام رازی کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا اذا ثبت ان اجسام العالم قناہیۃ
 فخارج العالم الجسمانی لا خلاؤ ولا ملاؤ ولا مکان ولا جہۃ فیمتنع ان یحصل الا لہ فی مکان خارج
 العالم انتھے اقول اذا ثبت بهذا ان خارج العالم الجسمانی لیس بمکان ولا جہۃ ففوق العرش

الذی ہو خارج العالم الجسمانی لا یكون مکانا ولا جهة فحصل لآکله فیہ من غیر تمکن بہ مکان
 لیس بممتنع بل حصولہ فی الامکان وجہ ضروری کہ لا یخفى جب یہ ثابت ہو گیا کہ اجسام عالم تنہا ہی
 ہیں تو خارج عالم جسمانی نہ ظاہر نہ مطلق اور نہ مکان ہی نہ جہت پس عالم سے خارج اللہ کا کسی مکان میں
 پایا جانا متنع ہی انتہی میں کہتا ہوں کہ جب اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ عالم جسمانی سے خارج نہ مکان نہ جہت
 جہت تو عرش پر جو عالم جسمانی سے خارج ہی نہ مکان ہو گا نہ جہت پس اس کا اس میں بغیر کسی مکان میں
 ہونے کے پایا جانا متنع نہیں بلکہ اس کا حصول لامکان اور جہت میں ضروری ہی جیسا کہ پوشیدہ نہیں
 اور قرب معیت اللہ کی ہمارے ساتھ ذاتی نہیں یعنی ذات سے ہمارے قریب و ساتھ نہیں بلکہ علم قدرت
 وغیرہما سے ہمارے قریب اور ساتھ ہی یہ بات یعنی قرب و معیت اسکی ذاتی نہ ہونا تحریر یا سبق سے بھی
 ثابت ہوتی ہی باوجود اسکے پھر خوب تصریح کرتا ہوں تاکہ دلون کو اطمینان کامل حاصل ہو جائے۔
 قال الحافظ ابن تیمیۃ فی المحویۃ قال ابن عبد البر علماء الصحابة والتابعین الذین جعل عنهم التأویل
 قالوا فی تأویل قوله تعالیٰ ما یكون من نجوى ثلاثة الا هو را بعهم هو علی العرش وعلمہ فی کل مکان
 وما خالفهم فی ذلك من یحجج بقوله انتمھ ای کونہ تعالیٰ را بعهم بالعلم لا بالذات وقال الامام
 الذھبی فی کتاب العرش قال الامام الحافظ ابو نصر السجری فی کتاب الابانۃ لہ اثمتنا کسفیان
 الثوری ومالك وحماد بن سلمة وعماد بن زید وعبد الله بن المبارك والفضیل بن عیاض
 واحمد بن حنبل واسحق بن راھویہ متفقون علی ان الله سبحانه وتعالى بذاته فوق عرشہ
 وان علمہ بكل مکان انتمھ کذا فی الانقضاء وقال الامام الغزالی فی کتاب العقائد من احياء
 العلوم واضطراھل الظاہر الی تأویل قوله تعالیٰ وهو معکم ایما کنتم اذ حمل ذلك بالاتفاق
 علی الاحاطة والعلم انتمھ والاحاطة فی قوله بمعنی العلم والادراک کما فی تعریفات الجرجانی
 الاحاطة ادراک الشئ بکمالہ ظاہرا وباطنا انتمھ وقال الامام فخر الدین الرازی فی تفسیر
 الکبیر فی قوله تعالیٰ وهو معکم ایما کنتم قال المتکلمون ہذا المعیۃ اما بالعلم واما بالحفظ
 والحراستہ وعلی التقديرین فقد انقضد الاجماع علی انہ سبحانه لیس معنا بالمکان والجرۃ
 والتخیر فاذن قوله تعالیٰ وهو معکم لا بد فیہ من التاویل انتمھ وقال العلامة سعد الدین
 المتقازانی فی رسالۃ فاجحہ المحدثون فی رد قول الوجودیۃ ان المعیۃ ذاتیۃ واما استدلالہم

بالسمع بقوله تعالى وهو معكم أينما كنتم وقوله تعالى ولا أدنى من ذلك ولا أكثر إلا هو معكم
 وجوابه ان المواد بالمعية هي على ما اجمع عليه المفسرون بالعلم ونحوه لان نفس الذات
 اتحدت بمعية من حافظ ابن تيمية في كتابه في حجاب او تابعين رجن سے تاویل اٹھائی
 گئی ہے، اللہ کے قول ما يكون من جوى ثلثة الا هو را اجماع کی تاویل میں فرماتے ہیں کہ اللہ
 عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے اور جو لوگ خدا کے قول سے دلیل لاتے ہیں انھوں نے اس بار میں
 صحابہ کی مخالفت نہیں کی انتہی یعنی خدا کا جو تھا ہونا علم کے اعتبار سے نہ ذات کے اعتبار سے امام ہی
 نے کتاب العرش میں کہا ہے کہ حافظ ابو نصر سنجری نے کتاب الابانہ میں کہا ہے کہ ہمارے علماء مثلاً سفیان
 ثوری مالک حماد بن سلمہ حماد بن زید عبد اللہ بن مبارک فضیل بن عیاض احمد بن حنبل یحییٰ بن ابیہ
 رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ خدا بذاتہ عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے انتہی ایسا ہی انتہا میں
 ہے امام غزالی نے احیاء العلوم کی کتاب العقائد میں کہا ہے اور اہل ظاہر خدا کے قول وهو معکم اینما
 كنتم کی تاویل پر مجبور ہوئے ہیں کیونکہ یہ بالاتفاق علم اور احاطہ پر محمول ہوا ہے اس میں احاطہ علم
 اور ادراک کے معنی میں ہے جیسا کہ جر جانی کی تعریفات میں احاطہ شے کا ظاہر و باطن پوری طور
 سے ادراک کرنا انتہی امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں وهو معکم اینما كنتم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ
 متكلمین نے کہا ہے کہ یہ معیت یا تو علم کے اعتبار سے ہے یا حفظ و حراست کے اعتبار سے اور دونوں تھے وغیرہ
 اجماع اس پر منعقد ہے کہ خدا ہمارے ساتھ مکان اور جہت اور تخریز میں نہیں ہے پس خدا کے قول وهو
 معکم میں تاویل ضروری ہے اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ محدثین وجودیہ
 کے قول کی رد میں اس طرح دلیل لائے ہیں کہ معیت ذاتیہ ہے لیکن استدلال سماعی پس وہ خدا کے
 قول وهو معکم اینما كنتم اور اللہ کے قول ولا ادنى من ذلك ولا اكثر الا هو معكم ہی ہو اور اس کا
 جواب یہ ہے کہ معیت سے مراد جیسا کہ اجماع مفسرین ہی علم وغیرہ ہے نہ کہ نفس ذات انتہی اور امام
 مجدد الف ثانی جلد اول کے اکتیسویں مکتوب میں لکھے ہیں علوم سابق جو اتحاد اور وحدت وجود پر
 مبنی تھے زوال کی طرف پڑے احاطہ اور سر بیان قرب و محبت ذاتیہ سے کہ اس مقام میں ظاہر ہوئے
 تھے منتشر ہو گئے اور یقیناً معلوم ہو گیا کہ صالح جل شانہ کے لیے اس عالم کی نسبتوں میں سے کوئی
 نسبت ثابت نہیں ہے اس کا احاطہ اور قرب ایک علم ہی جیسا کہ اہل حق کہتے ہیں یہاں تک کہ اگر کہا جا

اور چوتھی کے یہ معنی ہیں کہ خدا اُنکے ہمراہ مدد کے ساتھ ہو واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبدالحی
سوال بکر کہتا ہے کہ خوارج کے کفر کا حکم قرآن میں موجود نہیں اسکا منکر کراہ اور مردود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لغنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لہم عذابا بامہیتا
(بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اُسکے رسول کو اللہ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت
کی ہے اور اُنکے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے) تفسیر کشاف میں ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے
حق میں نازل ہوئی ہے جو علی مرتضیٰ کو ایذا دیتے ہیں اور یہی بکر دعویٰ کرتا ہے کہ مذہب اہل حق کا
یہی ہے کہ نیک و کافر ہو اور اس پر بالخصوص لعنت کرنا جائز ہے جو اس میں مخالفت ہو وہ اہل حق سے خارج
ہے اور بعض علماء خفیہ کا جو اختلاف منقول ہے وہ بغض عدم جواز لعن نہیں ہے بلکہ باین غرض ہے کہ انکی
تزدیک نیک کا نام زبان پر لانے کے قابل نہیں ہے نہ یہ کہ فی نفسہ اس پر لعن کرنے میں کچھ قباحت ہے
شرح عقائد اور حاشیہ جند میں اسکی تصریح ہے یہی مذہب صحیح ہے یہ خلاصہ ہے بکر کے رسالہ اردو کا اور
حامد اسکی رد میں کہتا ہے کہ غیر مکررین خوارج کو منکر قرآن اور اہل حق سے خارج ٹھہرانا محض جہالت اور ضلالت
اور نیز آیت مذکورہ کو شان دشمنان حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں نازل ٹھہر کر جو انہ کشف کرنا محض
کذب و بطالت ہے بالجمہ خوارج کے کفر کے مذکور ہو نیکا اس آیت میں دعویٰ کرنا جہل مزح و کذب قبیح ہے بیان

البتہ اگر آیت الذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتلوا بھما ناوا شئنا
مبینا در جو لوگ مسلمان مرد و عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ کچھ برا کیا ہوا انھوں نے
پس بیشک اٹھایا انھوں نے بہتان اور کھلا ہوا گناہ کا مصداق خوارج کو ٹھہرایا جائے تو احتمال
صحیح ہے اور کسطح خوارج کو مسلمان جاننا والا اہل حق سے خارج ہو سکتا ہے کہ خود حضرت علیؑ نے خوارج کو باوجود
بیان انکی گمراہی کے اور حکم قتل کے انکو مسلمان بتایا ہے اسی سبب سے محققین فقہاء محدثین و متکلمین
نے خوارج کو بد مذہب جانا مگر کافر نہیں ٹھہرایا ہے چنانچہ مراقاة اور مجمع البحار اور رد المحتار اور شرح فقہ اکبر
اور فتح القدیر وغیرہ سے بخوبی ثابت ہے اور یہی حامد کہتا ہے کہ اہل حق نیک و بد کے حکم کفر میں اور پھر جواز
لعن میں مختلف ہیں اگرچہ بعض اکابر نے اس پر حکم کفر و جواز لعن کا اطلاق فرمایا ہے لیکن امام غزالی اور
صاحب قصیدہ امالی اور بہت سے ائمہ عدم کفر و عدم لعن کو حق جانتے ہیں اور جمہور محققین اُسکے
اطلاق حکم کفر و اسلام و جواز عدم جواز لعن میں توقف کو اپنا مذہب گردانتے ہیں عبارت شرح عقائد

کی شروع بحث سے جسے بکرنے چھوڑ دیا ہو یہ ہر وبالجلۃ لہرینقل عن السلف الصالحین جو ان
 اللعن علی معاویۃ و احزابہ و انما اختلفوا فی یزید بن معاویۃ حتی ذکر فی الخلاصۃ
 وغیرہا انہ لا ینبغی اللعن علیہ ولا علی الحجاج لان النبی صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم غمی عن ابن
 المصلین و سن کان من اهل القبلة و ما نقل عن لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبعض اهل
 القبلة فلما انہ یعلم من احوال الناس مکلا یعلم غیرہ و بعضہم اطلق اللعن علیہ لما انہ
 کفر حین امر لقتل الحسینؑ الحمر اور بالجملة سلف صالحین سے معاویہ اور اُس کے گردہ پر لعنت کا جائز
 ہونا منقول نہیں ہو البتہ یزید ابن معاویہ کے متعلق اختلافات ہو خلاصہ وغیرہ میں یہ ہو کہ اُس پر لعنت
 نہ کرنا چاہیے اور نہ حجاج پر کیونکہ حضرت سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے اہل قبلہ اور ناز پر ہٹنے والوں
 پر لعنت بھیجنے سے منع کیا ہو لیکن آپ سے جو بعض اہل قبلہ پر لعنت بھیجنا ثابت ہو تو وہ اس وجہ سے
 کہ آپ لوگوں کے وہ حالات جانتے تھے جو دوسرے نہیں جان سکتا اور بعضوں نے اُس پر لعنت کو جائز
 رکھا ہو کیونکہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیتے ہی کا فر ہو گیا الخ۔ باقی رہی بحث
 ترجیح کی پس اگرچہ صاحب شرح عقائد نے باوجود اقرار اختلاف اہل حق و بیان مذہب خفیہ کے
 اپنی زعم میں ترجیح کفر کی ثابت فرمائی ہو لیکن دوسرے اکابر محققین نے وہ ترجیح مسلم نہیں ٹھہرائی
 ہو سائرہ اور سائرہ اور رد المحتار اور فتاویٰ وغیرہ کتب معتبرہ فقہ و عقائد علمائے خفیہ میں دوسری جانب کے معتبرین
 ترجیح پر بلکہ بہت کتب مشہورہ محققین میں شرح عقائد پر اعتراض کی بھی تصریح ہو چنانچہ شرح فقہ اکبر اور ضوہ المعالی
 اور عاشیہ عصام اور حاشیہ ابوالیسر شرح عقائد اور دوسرے حواشی سے ثابت ہو پس ہر کا ہوا صحیح لکھ دینا اور جو
 حوالہ کر دینا جرات فقہ قبیح ہو علاوہ ان سب امور کے بر تقدیر ترجیح مذہب بزم کفر نیز یہ کی حالت حیات میں بھی
 دعویٰ انحصار مذہب اہل حق کا جواز لعن میں باطل وافر ہو کہ ان کا فردین پر حکام نا کفر پر خدا و
 رسول کی خبر تواتر سے ثابت نہو باتفاق و اجماع جمہور ائمہ محققین کے لعن شخصی کرنا ناجائز و ناروا
 ہو جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم میں اور امام عینی نے شرح بخاری میں اور امام نابلسی نے شرح طریقہ
 محمدیہ میں اور دوسرے اکابر دین نے اور کتابوں میں تصریح فرمائی ہو پس قول ترجیح جواز لعن ہر فرد
 بر تقدیر ثبوت کفر بھی بے ثبوت علم یقینی موت علی الکفر کے کس طرح اہل حق کے نزدیک جزا صحیح
 ہو سکتا ہوتا کہ جو اس کا قائل نہو خواجہ میں داخل ہو جائے اور اہل سنت میں شامل نہو اب سائل

سوال کرتا ہو کہ آیا دعویٰ بکر کا درست دیا اور واجب الاعتقاد ہے یا حاد نے جو اسکی روگی ہے قابل قبول ہے اور نیز قول اہل حق منحصر کفر یزید و جوار عن میں ہے یا اس میں اختلاف ہے اور در صورت اختلاف قول کفر دھن معتد و قوی ہے یا قول توقف و عدم جزم کفر دھن قوی و اقرب الی المناصب ہے اور حوالہ کشف وغیرہ کا جو بکر نے کیا صحیح ہے یا باطل اور حوالہ مجمع البحار و الاحتار و مرقاۃ و شرح فقہ اکبر و ضواء المعالی و شرح امام نووی و امام عینی وغیرہ کا جو حاد نے کیا ہے رد کے لائق ہے یا اعتماد کے قابل جواب۔ اس بحث میں بکر کا قول صحیح نہیں ہے بلکہ کتب مشہورہ کے مخالف ہے مسامرہ لابن الہمام اور اسکی شرح مسامرہ لابن ابی شریف میں موجود ہے و ظاہر قول الشافعی و ابی حنیفہ انہ لا یکفر

احد منهم ای لا یحکم بکفر احد من المخالفین فیما لیس من الاصول المعلومة من الدین ضروریہ و هذا هو المنقول عن جمهور المنکملین والفقہاء انتہی اور ظاہر قول امام شافعی اور امام ابی حنیفہ رحمہما اللہ کا یہ کہ انہیں سو کسی کی تکفیر نہ کی جائے گی یعنی ان امور میں جو دین کے اصول معلومہ سے نہیں ہیں مخالفین کو کافر نہ کہا جائیگا ضروریہ اور یہی جمهور مسلمین و فقہائے منقول ہے اور یہی اس میں ہے کہ اختلاف فی الکفار یرید قلیل نعم لہما وقع منہ اجتراء علی الذاریۃ الطاہرۃ کلامہ لقتل اخصین ماجری منہ ما ینبوعن شناعة الطبع و یصم لذلک السمع و قیل لا اذ لم یتب

لما عنہ تلك الاسباب الموجبة للکفر و حقیقۃ الامرای لطریقہ الثابتۃ القومیۃ فی شانہ التوقف فی شانہ و رجع امرہ الی اللہ تعالیٰ انتہی یزید کو کافر کہنے میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک کہنا چاہیے کہ کیونکہ اُس سے ذریت طاہرہ پر جرات صادر ہوئی ہے مثلاً قتل امام حسین علیہ السلام حکم اور وہ باتیں جنکا صادر ہونا اسکی سخت طبعی پردال میں اور کان انکا ذکر سننے سے ہرے ہو جاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک نہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ ان اسباب موجب کفر کا باعث دہی تھا اور حقیقۃ الامر یہی ہے درست و راست طریقہ اُسکے شان میں توقف کرنا اور اُسکے امر کو خدا کی طرف لوٹانا بھی

والمد اعلم۔ سوال اولیاء اللہ بیداری میں اس چشم ظاہری سے بلاتا ویل اس دنیا میں خدا کو دیکھتے ہیں یا نہیں۔ جواب۔ صورت مرقومہ میں باتفاق اہل سنت و جماعت نہیں دیکھتے ہیں اور دیکھنے کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے منج از ہر مین ہو۔ ہل یجذر و یتہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا بعین البصر للاولیا عہدہ جاء فی سوال واقعة الحال فی من ادعی ذلک فی بعض الاشخاص فکتبت المجاب

بحسب ما ظهر في وجه انصواب فهو اجماع الائمة من اهل السنة والجماعة على ان سرية الله تعالى بعين البصر جائزة في الدنيا والاخرى عقلا وثباته في العقبي سمعا ولقلا واختافوا في جوازها في الدنيا شرعا فانبتهم الاكثرون ونفاها اخرون ثم الذين اثبتوها خصوا وقوعها له صلعم ليلة الاسراء على خلاف في ذلك بين السلف والخلف من العلماء والاولياء والصالحين انه صلعم انما رآى ربه تعالى بفواده لا بعينه كذا في شرح العقائد وغيره فان قائل بانى ادى الله تعالى في الدنيا ان اراد به روية في المنام ففي جوازها خلاف مشهور بين الانام مع ان روية المنامية لا تكون بالحواصة البصرية بل بالتصورات المثالية والتمثيلات الخيالية وان اراد بها حال اليقظة فان قصد بها حذف المضاف واراد انه يرى انوار صفاته وشاهد اثار مصنوعات فذا جائز بلا مرية واما من ادعى بهذا المصنف نفسه من غير تاويل في المبني فهو في اعتقاد فاسد وزعم كاسد وفي حضيض ضلال وتضليل وفي مطعن وبيل وبميد عن سواعر السبيل فقد قال صاحب له تعرف وهو كتاب لم يصنف مثله في التصوف اطبق المشايخ كلهم على تضليل من قال ذلك وتكذيب من ادعى هنالك ومنفوا في ذلك كتبنا ورسائل منهم ابو سعيد الحزاز والجنيدي وصرحوا بان من قال ذلك المقال لم يعرف الله الملك المتعال واقره الشيخ علاء الدين القنوي في شرحه وقال ان صح عن احد دعوى نحوه فيمكن تاويله بان غلبة الاحوال يجعل لغائب كالشاهد اذ اكثر اشتغال الشئ بشئ واستحضاره له يصير كانه حاضرين يد يراهم ويؤيده حديثه ان تعبد الله كانك تراه وكذا حديث عبد الله بن عمرو حال لطوف كنا نرى الله وقال صاحب العوارف المعارف في كتابه اعلام الهدى وعقيدة ارباب التقى ان روية العيان متعذرة في هذه الدار لانها دار الفناء والاخرة هي دار القرار فلقوم من العلماء نصيب من علما اليقين في الدنيا والاخرين من اعلى منهم رتبة نصيب من عين اليقين كما قال قائل رأى قلبى ربى انتهى والحاصل ان الامة قد اتفقت على انه تعالى لا يراه احد في الدنيا بعينه ولم يتنازعوا في ذلك الا نبيا صلى الله عليه وسلم حال عروجه على ما صرح به في شرح عقيدة الطحاوى ثم هذا ان قبل لتاويل السابق فيها والا فان كان مصمما

علی مقولہ و لم يرجع بالمنقول عن معقولاتہ بحجج تغیرہ و تشہیرہ بما یراہ المحاکم الشرعی
 وقال بعض ارباب العقائد المنظومة من قال فی الدنیا یراہ بعینہ فذلک زندق طغی و تمرد
 وخالف اللہ والرسول وزاع عن شرع الشریف قد قال ابن الصلاح وابوشامة انہ کلا یصلح
 مدعی الرویۃ فی الدنیا حال یقظۃ ومنع من کلیم اللہ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام واختلف
 بهذا المرام لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک المقام کیف تسبح لمن لم یصل الی مقامہ
 انتہ کلامہما وقال الکواشی فی سورۃ النجم ومعتقد رویۃ اللہ تعالیٰ ہہنا بالعين لغیر صحیح
 صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم وقال الار دبیلی فی کتابہ الانوار ولو قال انی رايت اللہ عیاناً
 فی الدنیا کفر انتہ لکن الاقدام علی التکفیر بحجج ودعوی الرویۃ من صعب الخطرفان الخطاء فی
 اقتناع الف کافرا ہون من الخطاء فی اقتناع مسلم فالصواب ما قد مناه انہ ان انضم الی الدعوی
 ما ینخرج عن عقیدۃ اہل الحق فحکم علیہ بانہ من اہل الضلالۃ والروی والسلام علی من تبع
 الہدی انتہ کیا خدا کا اس دنیا میں اولیاء اللہ کو آنکھوں سے دکھائی دینا جائز ہو میرے پاس حال
 کے ایک واقعے کی نسبت سوال آیا کہ ایک شخص بعض اولیاء کے لیے اسکا دعویٰ کرتا ہو تو میرے
 ذہن میں جو صحیح جواب تھا میں نے اسطرح دیا کہ ایہ اہل سنت و جماعت کا اس بات پر اجماع ہو کہ عقلاً
 خدا کا دنیا و آخرت میں آنکھوں سے دیکھنا جائز ہو اور نقل و سمعاً عقبہ میں ثابت ہو اور دنیا میں شرعاً
 جائز ہو نیکی متعلق اختلاف ہو تو اکثر و ن نے اسکو ثابت کیا ہو اور دوسروں نے اسکو رد کیا ہو اور
 جنھوں نے ثابت کیا ہو اسکے وقوع کو حضور کے ساتھ لیلیۃ الاسراء میں خاص کیا ہو اور علما و اولیاء
 متقدمین و متاخرین میں اس بارہ میں اختلاف ہو گیا ہو اور صحیح یہ ہو کہ حضور نے پروردگار عالم کو دل
 سے دیکھا نہ کہ آنکھ سے ایسا ہی ہر شرح عقائد وغیرہ میں پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ میں نے خدا کو دیکھا
 ہو اگر اُس سے خواب میں دیکھنا مراد لے تو اُسکے جواز میں اختلاف مشہور ہو اور خواب میں دیکھنا
 حاسہ بصریہ سے نہیں ہوتا ہو بلکہ محض تصورات مثالیہ اور خیالی صورتیں ہوتی ہیں اور اگر اس سے
 مراد جگنے کی حالت میں ہو تو اگر اس سے مراد بحد مضاف ہو اور مقصود یہ ہو کہ انوار صفات الہی
 اور آثار مصنوعات خداوندی کا معائنہ کیا تو یہ بلا شک جائز ہو لیکن جسے بلا تاویل اسکو اپنے لیے
 ثابت کیا تو اسکا اعتقاد فاسد اور زعم باطل ہو اور وہ ضلالت اور تضلیل کے گڑھے میں سید ہے

راستے سے بہت دور رہی صاحب تعرف نے کہا ہر تصوف کی ایک کتاب ہے جسکے مثل اس فن میں کوئی کتاب نہیں ہوئی، تمام مشائخ نے اسکی گمراہی پر اجماع کر لیا ہے جو یہ کہے اور اس کے مدعی کے جھوٹے ہونے پر اور اس میں انھوں نے بہت سے رسالے اور کتابیں تصنیف کی ہیں اور انہیں سے (یعنی مصنفین اور مشائخین سے) ابو سعید خزاز اور جنید بن ابراہیم انھوں نے کہا ہے کہ جس نے یہ کہا اس نے خدا کو نہیں پہچانا اور شیخ علامہ الدین قزوینی نے اپنی شرح میں اسکا اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کسی سے اس کے مثل کا دعویٰ صحیح ہو تو اسکی تاویل اس طرح ممکن ہے کہ غلبہ حوال غائب کو حاضر کے مثل کر دیتا ہے جبکہ کسی شے میں شغل بڑھ جائے اور سجد استحضار سے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ شے حاضر ہی تھی اور اسکی تائید حدیث (خدا کی عبادت کرو گویا کہ تم اسکو دیکھتے ہو) سے بھی ہوتی ہے اور ایسے ہی عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے بھی کہ ہم حالت طواف میں خدا کو دیکھتے تھے اور صاحب عوارف معارف نے اپنی کتاب اعلام الہدیٰ و عقیدہ ارباب التقی میں بیان کیا ہے کہ اس دنیا میں آنکھ سے دیکھا و شواہد ہے کیونکہ یہ دار فنا ہے اور آخرت دار قرار ہے پس بعض علماء کو آخرت میں علم الیقین کا اور دوسروں کو جو ان سے مرتبے میں اعلیٰ ہیں عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ کسی کئے والے نے کہا ہے میرے قلب نے میرے پروردگار کو دیکھا اور حاصل یہ ہے کہ امت اس بات پر متفق ہے کہ باری تعالیٰ کو آنکھ سے دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور اس میں معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے متعلق متنازع نہیں ہوا ہے جیسا کہ اسکی تصریح شرح عقیدہ طحاوی میں ہے پھر یہ اگر اس میں تاویل سابق کو قبول کرے تو خیر ورنہ اگر اپنے قول پر قائم رہے اور جیسا مناسب سمجھے تفسیر و تشبیہ کرے اور بعض ارباب عقائد نے کہا ہے کہ جو کہے کہ خدا کو اس نے دنیا میں اپنی آنکھ سے دیکھا ہے وہ زندیق گمراہ متمرّد اور مخالف خدا و رسول کا اور شرع شریف سے پھرا ہوا ہے ابن صلاح اور ابوشامہ نے کہا ہے کہ دنیا میں جانے کی حالت میں دیدار خدا کے مدعی کی تصدیق نہ کی جائے گی اور موسیٰ کلیم اللہ اس سے روکے گئے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے تو پھر کسی ایسے کے متعلق یہ امر کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے جو انکے مراتب تک نہ پہنچا ہو۔ کواشی نے سورہ نجم میں کہا ہے اور دنیا میں انکھوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ خدا کی رویت غیر مسلم ہی انوار میں اور دینی نے کہا ہے اگر کوئی کہے کہ میں نے دنیا میں خدا کو آنکھ سے دیکھا ہے تو وہ کافر ہے مگر محض دعویٰ رویت سے تکفیر کا حکم سخت خطر آ

میں سے ہو کیونکہ ایک ہزار کافروں کے متعلق فتوے میں غلطی کرنا ایک مسلمان کے بارہ میں غلطی کرنے سے
 بدرجہا گھٹ کر ہو پس صحیح وہ ہو جو پہلے بیان کیا لیکن اگر دعوے کے ساتھ وہ امور ملے جو اہل
 تقویٰ کے عقیدے سے خارج ہیں تو اس پر حکم کیا جائیگا کہ وہ اہل ضلالت میں سے ہو اور سلامتی ہو اس پر جو تہمت
 کی اتباع کرے منع از ہر شرح فقہ اکبر میں ہو اور اظہر من الشمس ہو کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو لن توانی
 کا خطاب ہوا تو اور کوئی کیونکہ اس مرتبہ کو پہنچ سکتا ہو کسی کہنے والے نے کیا اچھا کہا ہو جلوه الہی کا
 بوجہ اٹھانے میں مکر وہ اور کرمور کی طاقت ایک ہو اور وجوہ یومئذ ناظرۃ الی ربھا ناظرہ (یعنی
 مومنین کے بہت سے چہرے قیامت کے دن خوش اور تر تازہ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے)
 سے قیامت میں دیدار کا ہونا ثابت ہوتا ہو نہ دنیا میں اور حدیث سترون ربکم یوم القیمۃ قریب
 ہو کہ تم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھو گے صحابہ کے خطاب میں وار د ہو اور سترون ربکم
 یوم القیمۃ کما تر و نہ فی الدنیا (قریب ہو کہ تم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھو گے جیسا کہ دنیا
 میں دیکھتے ہو) نہیں فرمایا اس سے معلوم ہو کہ دنیا دیدار کسی کا مقام نہیں ہو یہیں سے علمائے اہل سنت
 نے اس بات پر اتفاق کیا ہو کہ دنیا میں چشم ظاہری سے کوئی امتی جا گئے کی حالت میں اللہ کو نہیں دیکھتا
 اور نہ دیکھے گا اور دیکھنے کا دعوے کرنے والا جھوٹا ہو قید ہا بالقیمۃ اشارۃ الی ان الرویتہ فی
 الآخرۃ دون الدنیا کذا فی فتح الباری والکرمانی والعینی شرح البخاری رویت کو قیامت
 کے ساتھ مقید کرنا اس امر کی جانب اشارہ ہو کہ رویت آخرت ہی میں ہوگی نہ دنیا میں ایسا ہی
 فتح الباری اور کرمانی اور عینی شرح بخاری میں ہو۔ اور بخاری کی حدیث صحیح کا ایک ٹکڑا جو
 ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے یہ ہو کہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا ہو وما بین
 القوم و بین ان ینظروا الی ربہم الارداء الکبریاء علی وجہہ فی جنتہ عدن ای حضاۃ اقامۃ
 وهو ظروف للقوم لا للہ تعالیٰ وقولہ فی الجنة متعلق بمعنی الاستقرار فی الظروف فیقید المفہوم
 انتقاء هذا المحصر فی غیر الجنة والیہ اشارۃ الشیخ التوریشتی بقولہ یرید ان المؤمن اذا
 بتوا بمقعدہ فی الجنة بتوا والحجب مرتفعۃ والموانع التي تجبہ عن النظر الی ربہ مضمحلۃ
 الا ما یصدہم من ہیبۃ الجلال وسنجات الجمال و ابہۃ الکبریاء فلا یرتفع ذلک منہم الا
 براقتہ ورحمتہ تفضلا منہ علی عبادہ قال الحافظ ابن حجر و حاصلہ ان رداء الکبریاء علی الرویتہ

فكان في الكلام حذفاً تقدیراً بعد قوله الارداء الكبيراء فانه بمن عليهم يرفعه فيحصل لهم القبول
 بالنظر اليه فكان المراد ان المؤمنين اذا اتبعوا مقام عدلهم من الجنة لولا ما عندهم من هيبته
 الجلال لما حال بينهم وبين الروبة حائل فاذا ارادوا انهم خصهم برافة وتفضل عليهم بتقوياتهم
 على النظر اليه سبحانه وتعالى انتقم ما في ارشاد الساري مختصراً وقال النووي اعلم ان هذا ذهب
 اهل السنة قاطبة ان رواية الله تعالى امكنة غير مستحيلة واجمعوا ايضا على وقوعها في الاخرة
 نقلاً وروية الله تعالى في الدنيا امكنة لكن الجمهور من السلف والخلف من المتكلمين
 وغيرهم اختلفوا لاقع في الدنيا انتقم ما في المراتق مختصراً. اور نہیں ہر درمیان قوم کے اور درمیان
 خدا کے دیکھنے کے گمراہی کی چادر جو اس کے چہرے پر ہر جنت عدن یعنی جنت اقامت میں اور یہ قوم کا طرف
 ہونہ کہ اللہ تعالیٰ کا اور فی الجنة معنی استقرار کے متعلق ہر جوزف میں پائے جاتے ہیں پس اس کلام کا مفہوم
 جنت کے علاوہ میں حصر ہونے کا فائدہ دیتا ہو اور اسی کے جانب شیخ توربشی نے اپنی اس کلام میں اشارہ
 کیا ہو اس کلام سے مراد یہ ہو کہ مومن جب جنت میں اپنی جگہ پائے گا تو حجاب اٹھ جائیں گے اور موانع جو
 خدا کے جانب دیکھنے سے روکتے ہیں مٹ جائیں گے سو اسی ہیبت جلال و مشاہد جمال و روار کیا
 کے پس یہ اُن سے محض خدا کی رحمت اور نرمی سے بندوں پر فضل کر کے اٹھائے جائیں گے۔ حافظ ابن
 حجر نے کہا ہو کہ اس کا حاصل یہ ہو کہ روار کبریا رمانع رویت ہو تو اس کلام میں حذف ہو جو الارداء الکبریٰ
 کے بعد بقدر ہر پس خدا اپنی بندوں پر رفع حجاب کا احسان کر گیا اور بندوں کو خدا کے جانب دیکھنا
 حاصل ہو گا پس مراد یہ ہو کہ مومنین جب جنت میں اپنی جگہوں کو پائیں گے اگر انہیں ہیبت جلال
 نہ طاری ہو جائے تو اُن میں اور رویت میں کچھ حائل نہیں ہو پس جب خدا اُنکی بزرگی چاہتا ہے تو
 اُنکو اپنی رحمت سے خاص کرتا ہو اور انہیں اپنے جانب دیکھنے کی قوت دیکر فضل کرتا ہے نووی
 نے کہا ہو کہ تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہو کہ رویت باری تعالیٰ ممکن ہے محال نہیں ہو اور آخرت میں
 انقلا اسکے وقوع پر بھی اجماع ہو اور دنیا میں خدا کی رویت ممکن ہو لیکن جمہور متکلمین متاخرین متقدمین
 اس پر متفق ہیں کہ رویت دنیا میں نہ ہوگی۔ واللہ اعلم **ہست نصیر علی ازاجہ حق دہلوی** **سید لوی ندیر حسین**
نکشف سید کوئین شد شریف حسین اللہ کی رویت اُنکھ سے دنیا میں جاگتے ہوئے جائز نہیں ہو جیسا کہ
 جمہور کا مذہب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو لا تدک الا بصار وھو یدرک الا بصار اور

فرمایا ہر قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی واللہ اعلم **سید احسن** **محمد شاہ خفی مولف**
مدار الحق محمد عبد المجید **محمد حبیب اللہ** خادم شریعت رسول الثقلین **محمد لطیف حسین** ہو المصوب
روایت باری اس دنیا میں چشم ظاہری سے حالت بیداری میں بلاتادیل کے سوا حضرت سرور انبیا
علیہ التہتہ والثناء کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا و جو اس کا دعویٰ کرے جھوٹا ہو عبد الوہاب
شعرانی کتاب الیواقیت والنجواہ میں لکھتے ہیں فان قبل فہل وقت روتہ اللہ یقظۃ فی الدنیا
لاحد غیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فالجواب کما قالہ الشیخ عبد القادر الجیلی لم یبلغنا
وقوع ذلک فی الدنیا لاحد غیر رسول اللہ فقیل لہ ان فلا نایز عما یرى اللہ بعینیہ
فارسل الشیخ خلفہ وقال لہ احق ما یقول ھو کلاء عندک فقال نعم فانھرا الشیخ وزجرہ واخذ
علیہ العہد ان لا یعود الیہ انتھہ اگر کہا جائے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو دنیا
میں جاگتے ہوئے رویت باری تعالیٰ ہوئی تو اسکا جواب یہ ہے جیسا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلیؒ نے
کہا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کے لئے دنیا میں اس کے وقوع کی خبر نہیں ہے پس
اُن سے کہا گیا کہ فلاں شخص گمان کرتا ہو کہ اُس نے خدا کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہو تو شیخ نے
اُس شخص کو اُسکے پاس بھیجا اور اُس سے کہا کہ تمھارے متعلق جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں صحیح ہو انھوں نے
کہا ہاں آپ نے انکو بہت ڈانٹا اور خفا ہوئے اور اُن سے عہد لے لیا کہ اب اسکی جانب ڈانٹیں گے
اور ہی لکھتے ہیں - اما روتہ الحق فی الیقظۃ لغير نبینا فنعما جہور العلماء واستدلوا بالذکر
بقولہ تعالیٰ لا تدرس کہ لا بصار وبقولہ لموسیٰ لن ترانی وبقولہ صلی اللہ علیہ وسلم بنوی
احد کہ ربہ حتی یموت رواہ مسلم فی کتاب الفتن اما نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فقد اختلف
المصنابة فی وقوع الرویۃ لہ لیلۃ المعراج قال الجلال المحلی الصمیم نعم انتھہ خدا کو جاگتے ہیں
دیکھنے کو غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمہو علمائے منع فرمایا ہو اور اس پر خدا کے قول لا تدرا کہ لا بصار
کوئی آنکھ اللہ کو نہیں دیکھ سکتی اور حضرت موسیٰ سے خطاب لن ترانی (مجھ کو تم نہیں دیکھ سکتے) اور
رسول صلعم کے قول لن یرى احد کہ ربہ حتی یموت (نہیں دیکھ سکتا تم میں سے کوئی اپنے پروردگار کو یہاں تک
کہ جاوے) سو استدلال لا یرى میں اس حدیث کو مسلم فی کتاب الفتن میں روایت کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
نشب معراج میں رویت ہونے کے متعلق صحابہ نے اختلاف کیا ہو جلال محلی نے کہا ہو صحیح یہ ہے کہ آپ کو

رویت ہوئی تھی۔ واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبدالحی سوال شہر بیکانیر میں ایک گروہ کتاب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین نہ تھے آپ آسمان پر سے بھیجے گئے تھے اور یہ گروہ مغل میلاد سے احتراز کرتا ہی اور کہتا ہی کہ اس سے ہنسک ہوتی ہو اگر حدیث پیش کی جاتی ہو تو نہیں مانتا اور کہتا ہی سورہ اخلاص خدا اور رسول دونوں کی ہر جہ سطح خدا ایک ہی اور خور و نوش سے پاک ہی اور اس سے کوئی جنا نہیں گیا نہ وہ کسی سے جنا گیا اسی طرح یہ تمام صفتیں رسول خدا کے لیے بھی ہیں پس اس قول کی وجہ سے یہ جدید گروہ امامین اور خاتون جنت اور اہل بیت وغیرہم کا منکر ہو لیسے گروہ کے لیے تکفیر ثابت ہی یا نہیں۔ جواب اناسید ولد آدم (میں اولاد آدم کا سردار ہوں) سے آپ کا بشر ہونا ثابت ہی اور قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی الخ رکہ تو میں مثل تمہارے بشر ہوں وحی آتی ہی میرے پاس) اسکا مویہ ہو اور کھانا پینا چلنا آپ کا قرآن سے ثابت ہی احادیث اسکے مویہ میں مشکوٰۃ شریف میں ہی وعن العباس انہ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانہ سمع شیئا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرہم ثم جعلہم فریقین فجعلنی فی خیرہم فرقة ثم جعلہم قبائل فجعلنی فی خیرہم قبيلة ثم جعلہم بیوتا فجعلنی فی خیرہم بیتا فاذا خیرہم نفسا وخیرہم بیتا حضرت ابن عباس سے روایت ہی کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے پس گویا انھوں نے کچھ سنایا پس آپ مہر پر کھڑے ہوئے اور پوچھا آپ نے میں کون ہوں لوگوں نے کہا آپ خدا کے رسول ہیں آپ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ نے خلق کو پیدا کیا اور مجھ کو ان میں کے اچھوں میں کیا اور ان میں دو گروہ کیے اور مجھے انہیں کے اچھے میں کیا پھر ان کے قبائل کیے اور مجھ کو اچھے قبیلے میں کیا پھر ان کے مختلف گھرانے کیے اور مجھ کو اچھے گھرانے میں کیا پس میں ذات اور گھرانے کے اعتبار سے سب سے اچھا ہوں میں اسی میں پیدا کیا گیا اور اسی میں مبعوث ہوا۔ دوسری درکنی حدیث میں اس باب میں مثبت بشریت و ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بجا کتب ماویث و تفسیر میں موجود ہیں اور خود حضور کا اقرار فرمانا کہ میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا اور میں پیر کے دن پیدا ہوا اور پیر کے دن مبعوث ہوا کافی دلیل ہی اور اکل و شرب آپ کا آیات و اخبار سے ظاہر ہی اور

سورہ اخلاص محض وحدانیت باری تعالیٰ کے اثبات کے لیے نازل ہوئی ہو اور حضور کے تولد کے باب میں اور بھی حدیثیں بکثرت موجود ہیں چنانچہ عباسؓ عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال سے ثابت ہے یعنی حضرت عباسؓ نے پوچھا یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا اور آپ ان دنوں میں چہل روزہ تھے آپ نے فرمایا ما در مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط بائذہ دیا تھا اسی تکلیف سے مجھے رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا حضرت عباسؓ نے عرض کیا آپ اُن دنوں میں چہل روزہ تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا فرمایا کہ لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا زیر عرش فرشتوں کی تسبیح سنتا تھا حالانکہ میں شکم مادر میں تھا پس آپ کا شکم مادر میں رہنا اور پیدا ہونا مسلم الثبوت ہو آپ بے شبہہ عبد اللہ کے بیٹے اور بنی بی آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں اور بنی بی آمنہ کا حاملہ ہونا اور حضرت عبد اللہ سے انکا نکاح ہونا اور انبیا کا بنی بی آمنہ کو بشارت حمل دینا صراحتہ ثابت ہو اور آپ کا فرمانا کہ میرے اجداد میں کوئی بے نکاح نہیں ہوا میں اصلا ب طاہرہ سے ارحام طیبہ میں نقل کرتا ہوا عبد اللہ اور آمنہ تک آیا ہوں اور بعد منتقل ہونے عبد اللہ کے یتیم ابو طالب شہین میں کہلانا اور الہ یجدک یتیمافاویٰ دیکھنا میں پایا میں تجھ کو یتیم پس جگہ سی قرآن میں نازل ہونا اور حدیث رضاعت وغیرہ سے ثبوت پہ ثبوت ہو بیشک منکران دلائل دربرہین بینہ اور نصوص متواترہ قطعیہ کا اور محرف مضمون آیات قرآنی کا کافر مطلق ہو اس میں کچھ شک نہیں چنانچہ شکوۃ میں ہو من فسر القرآن برأیہ فقد کفر جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا فقط۔

جواب صحیح ہو محمد عین عفی عنہ۔ جواب صحیح ہو عبد اللہ عفی عنہ۔ واقعی ان کے حق میں تکفیر ثابت ہوتی ہو حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ اس فرقہ کے کفر میں رجولات نبویہ کا منکر ہو کہ متواترات و قطعیات سے ہے اور سورہ اخلاص کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سمجھ کوئی شبہ نہیں ہو واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبدالحی بسوال کیا کا دکشی ایسا امر ہو جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہو یا اگر کوئی شخص فرج کی اباحت کا معتقد ہو مگر کوئی گائے اسے فرج نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھا یا ہو ہر چند کہ اُسکے کھانے کو جائز جانتا ہو تو اُسکے اسلام میں کچھ فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا دکشی کوئی واجب فعل ہو کہ جس کا تارک گنہگار ہو یا اگر کوئی شخص کا دکشی نہ کرے صرف اباحت فرج کا دل سے معتقد ہو تو وہ گنہگار نہ ہو گا جہاں بلا وجہ اس

فعل کے ارتکاب سے فوراً فتنہ و فساد ہوا اور مورث ضرر اہل اسلام ہوا اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہوا اور اہل اسلام کی عملداری بھی نہ ہو تو وہاں بلا وجہ اگر اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز نہ ہو یا کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصد آثار فتنہ و فساد ارتکاب اس فعل کا واجب ہی جواب کاؤ کشی واجب نہیں تارک اسکا گنہگار نہ ہوگا اور جو شخص مقتداً بابت ہو اور اسکا گوشت نہ کھاتا ہو اور ذبح نہ کرتا ہو اس کے اسلام میں فرق نہ آئے گا ہاں جو گائے کو مغضوب سمجھ کر ذبح نہ کرتا ہو یا اس کے ذبح کو برا سمجھتا ہو اس کے اسلام میں فتور نہ ہوگا اور بقصد آثار فتنہ کاؤ کشی نہ چاہیے بلکہ ایسے مقام پر جہاں فتنہ کا ظن غالب ہو باوجود سلامت اعتقاد کے احتراز اولیٰ ہو و اللہ اعلم **سوال** شہرین کی کجکورتی و استان پس ہند گر نشیدی کہ از دوز سہ تن او بہمیر چہ رسید پدر او در دندان ہمیشہ شکست مادر او جگر عجم ہمیشہ میکشد او بنا حق حق داماد ہمیشہ بگرفت پس او سر فرزند ہمیشہ برید بر چنین قوم تو لعلت نہ کنی شربت باد لعن اللہ زید او علی قوم زید او متقیج طلب پس سر بند کس صحابی سے مراد ہو گا نام کیا ہو صحابی موصوف سے کیا سوراوی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں واقع ہوئی تھی صحابی موصوف کے سہ تن سے ان کے کون کون اعزام دہین اور ان کے کیا نام ہیں صحابی موصوف کے والد نے دندان مبارک کو شہید کیا تھا یا نہیں اور انکا کیا نام ہو صحابی موصوف کی والدہ نے عمر رسول کے ساتھ کیا کیا تھا اور انکا نام کیا تھا صحابی موصوف نے کیونکر داماد ہمیشہ کا حق غضب کیا تھا صحابی موصوف کا بیٹا جس نے فرزند رسول کو شہید کیا تھا کون ہو نیز یہ سے مراد ہو یا اور کسی سے لفظ چنین قوم سے کون مراد ہو سنی یا خارجی قوم نیز یہ سے کون مراد ہو سنی یا خارجی طاعت و جماعت کو ان اشعار کا بڑھنا درست ہی یا نہیں اگر درست نہیں اور اتفاقاً جہاں یہ اشعار لکھے ہیں نظر پڑ جائے تو کیا کراڑا چاہیے جواب اہل سنت کو ان اشعار کا کہ ہمہ تن مشتمل ہیں جو سچا بہ پڑھنا نہیں درست ہی اور اگر اتفاقاً بوجہ نہ معلوم ہونے کے پڑھ لیا یا دیکھ لیا تو کچھ گناہ یا کفارہ لازم نہ آئے گا مگر معلوم ہونے کے بعد پڑھنا حرام ہے پس ہند سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں انکی والدہ ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھیں فتح مکہ کے زمانے تک وہ اور ان کے شوہر اوسفیان حضرت معاویہ کے والد کا فرقی فتح مکہ کے سال میں کہ سنہ آٹھ ہجری تھا دونوں مشرت باسلام ہوئے اور معاویہ بھی اسی وقت اسلام لائے ہنگام غزوہ احد کہ سنہ تین ہجری میں ہوا تھا اوسفیان اور

اُنکی بی بی و دونوں کھار کے لشکر میں آئے تھے اُسی غزوہ میں دندان مبارک شہید ہوئے تھے بعض
 کہتے ہیں کہ ابوسفیان نے شہید کیا تھا اور بعض لکھتے ہیں کہ عقبہ بن ابی وقاص نے شہید کیا تھا جو کافر
 مر گیا اور یہی صحیح ہے اور جس نے ابوسفیان کو لکھا اُسے شہہ پڑا کہ عقبہ کی والدہ کا نام ہندہ بنت
 وہب بن الحارث بن زہرہ تھا پس چونکہ ابوسفیان کی بی بی اور عقبہ کی ماں کا نام ایک ہی تھا اس لیے
 اُس نے اس حرکت کو ابوسفیان کی طرف منسوب کر دیا یہی مراد ہے اُس شاعر حبشیہ کی مصرع
 پُر اور دندان ہمیر لشکست ہے سے اور جس وقت غزوہ اُحد میں حضرت حمزہؓ عمر رسول اللہؐ شہید
 ہوئے ابوسفیان کی بی بی ہندہ نے شدت عداوت کی وجہ سے اُنکے جسد مقدس کو چاک کر کے
 اُنکا جگر نکال کے چوسا یہی مراد ہے اور اگر عمر ہمیر بکید ہے سے اور معاویہ نے باب خلافت میں
 جو حضرت علیؓ کے مقابلے کیے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ شہادت حضرت مرتضیٰ کے بعد امام حسنؑ نے
 مصالحہ کر لیا اور خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی اسکی طرف سے اور باحق حق دانا و ہمیر بکشت
 سے اشارہ کیا ہے اور نیز یہ بن معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں جو کچھ قبائح کیے
 اُسکی طرف سے پس اسر و سر فرزند ہمیر پر پیدہ بین اشارہ ہے اور مراد جنین قوم سے پیدہ اور اُسکے
 ماور و پد و پد رہن اہل سنت کے نزدیک قبائح پیدہ تو البتہ قابل ملالت ہیں باقی قبائح
 ابوسفیان اور ہندہ کے اُن کے اسلام سے محو ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاتل
 بھی خطائی الاجتہاد پر محمول ہیں ان تینوں حضرات صحابہ کو برا کہنا درست نہیں واللہ اعلم بحال
 نبی یا صدیق یا شہید یا ولی یا صالح کا بعد موت یا قبل موت کسی کے سر پر آنا اور اُسکی زبان پر بولنا اور
 اُسکی بددکرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں جو اب ثابت نہیں ایسے امور کا قائل و ابی اُسکا قول قابل
 سماعت نہیں البتہ شیاطین جن ایسے کام کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہو الذین یا کلون الریوا
 لایقومون الا کما یقوم الذی یغبطہ الشیطان من المس کلا یتہ سو و کھانے والو قبروں سے
 نہ کھڑے ہونگے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہو وہ شخص جسکو شیطان آسیب کی وجہ سے باولا کرتا ہے واللہ اعلم
 حررہ سید شریف حسین عفی عنہ ہوا المصوب جن کا سر پر آنا شرعاً بھی طرح ثابت ہے اور یہ شیاطین جن
 کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ صلحائے جن سے بھی کسی وجہ خاص سے ایسے امور ہوا کرتے ہیں جیسا کہ
 معاویہؓ اکام المرجان فی احکام الحان و لفظ المرجان فی اخبار الحان سے واضح ہوتا ہے باقی سر پر آنا کسی

نبی یا صدیق یا شہید یا ولی کا اگر جہ فی نفسہ ممکن ہو مگر تصدیق اسکے وقوع کی مورد اشتباہ ہو اس باب میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کی فاری تحریر بہت کافی ہو سکتا ترجمہ یہ ہو: ایسا تصرف بعض مخلوقات میں کہ ملائکہ اور جن ہوں عادی ہو اور بعض دوسرے مخلوقات میں کہ ارواح نبی آدم میں خرق عادت ہو اور اولیاء کے قسموں میں ایسی باتیں بہت ہیں اور خود حضرت شیخ اکبر نے بھی اس باب میں بہت کچھ بیان کیا ہو اور ارواح نبی آدم کی ارواح جن کے ساتھ مشارکت (جیسے شیخ سعدی) اس امر میں نقصان کا سبب نہیں ہوتا اسلئے کہ مشارکت تشکل اور تمثال میں مختلف شکلوں کیساتھ ملائکہ اور شیاطین میں ثابت ہو اور اولیاء سے بھی منقول ہو چنانچہ قصہ پهل غزل سید علی ہمدانی وغیرہ بھی اسی باب سے ہو اور ذرا بھی نقصان اور قبح ملائکہ و اولیاء کا سبب نہیں ہوتا اور اگر شیاطین کو اپنے نشاط کی وجہ سے اتنی شاہد ملائکہ اور اولیاء کے ساتھ حاصل ہو تو کچھ حرج نہیں ہو اس لیے کہ جبر جنس کے نیک اور بد آپس میں بہت سی باتوں میں شریک ہوتے ہیں فرق اتنا ہو کہ شیاطین مثل شیخ سعدی وغیرہ کے نبی آدم کو بہ کا کے اپنی نذر منواتے ہیں اور پاک روحیں کسی علم کے الفاظ کرنے کے لیے یا کسی اچھی کیفیت کے پیدا کرنے کے لیے روح میں قابلیت پیدا کرتی ہیں اور کسی ایک کے عمل کا دوسرے کے عمل کے ساتھ مشابہ ہو جانا صوفیہ کے نزدیک مستبعد نہیں ہو لیکن علمائے ظاہر اس قسم کو تبلیہی شیاطین و جن پر معمول کرتے ہیں کیونکہ ان کے لیے ایسا تصرف یا جملع ثابت ہو پس کیسی روح میں تصرف کرتے ہیں اور کبھی بزرگوں کے ناموں میں سے کوئی ایک نام لے لیتے ہیں تاکہ لوگ انکار نہ کریں اور تعظیم کے ساتھ پیش آویں اور انکی بات بغور سنیں اور تصلوٹ وغیرہ کے مسائل کا جاننا شیاطین اور جن کے لیے آسان ہو بعض شیاطین ایسے تصرف سے صریح اغوا کا قصد کرتے ہیں اور اچھے لوگوں کے سامنے انکا مکر نہیں چلتا اور بعض تعلیم و ارشاد کی پردہ میں دھوکا دیکر اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور یہ ایسا دھوکا ہو کہ عام لوگوں کی طرح خواص بھی اس فریب میں آجاتے ہیں اور زمانہ جاہلیت میں شیاطین اکثر اسی طرح آتے تھے اور علمائے ظاہر اس دعوے پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر ارواح طیبہ سے بھی ایسا ہی تصرف واقع ہوتا جیسا شیاطین سے واقع ہوتا ہو تو بڑا زبردست دھوکا ہوتا اور بڑا قوی مکر پھیلتا اور اولیاء سے جو قصے منقول ہوئے ہیں وہ سب زندہ ولیوں کے قصے ہیں کہ کسی زندہ کی روح میں تصرف کر کے اسکو بیکار محض کر کے اسکی زبان سے خود باتیں کہی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہو

کہ زندگی میں اگر کوئی شخص زندوں کی روحوں سے بروز روحی کا ادعا کرے اور کوئی مہمل یا کام
 اس سے صادر ہو اور اس زندہ کے طرف رجوع کر کے شبہ کو حل کر سکتا ہی بخلاف اُن روحوں
 کے جو عالم برزخ میں ہوں اور صوفیہ ارواح اولیا کا کسی میں آنا چاہتے وہ ولی زندہ ہو یا
 مردہ ممکن جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اس شخص کے اقوال و افعال شرع کے موافق ہوں تو
 روح پاک ہو ورنہ خبیث بالجملہ اچھا طریقہ یہ ہے کہ تصوف کے قاعدے پر اسکان کا اٹھانا کرنا چاہیے
 اور قہر کو جو شہادہ کے محل میں ہو تسلیم نہ کر لینا چاہیے واسطہ علم سوال ایک شخص چپقل سوال
 صلے اللہ علیہ وسلم کے متحقق ہو جو عالم میں کہتا ہے یہ شخص کیسا ہے جواب اگر مراد اثبات
 ماثلت نبوی ہو مائلت جمیع صفات نبویہ میں حتیٰ کہ صفت رسالت میں بھی ہو تو یہ قول کفر ہے کیونکہ
 قرآن میں خاتم النبیین آپ کی صفت موجود ہے پس دوسرے نبی کا دعویٰ کرنا نص قطعی کے مخالف
 ہے علامہ بشکور سلمیٰ تمہید میں لکھتے ہیں اعلیٰ ان الواجب علی کل عاقل ان یعتقد ان محمدا کان
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ہو رسول اللہ وکان خاتم الانبیاء وکیلا یجوز بعدہ
 ان یکون احد نبیا ومن ادعی النبوة فی زماننا لیکون کافرا اتھے جانا چاہیے کہ ہر عاقل ضرور
 ہو کہ اس بات کا اعتقاد رکھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول تھے اور اب بھی ہیں اور خاتم الانبیاء
 ہیں اُنکے بعد کوئی نبی ہونا جائز نہیں ہے اور جو ہمارے زمانے میں دعویٰ نبوت کا کرے وہ کافر
 اور اگر مراد مائلت جمیع صفات کمالیہ محمدیہ میں سوائے نبوت کے ہے تو یہ قول فسق اور مخالف جملہ
 اہل سنت کے ہے جو ہر علماء و شرفاء وغیرہ اس امر کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس طرح ذات محمدی مجمع کمال
 ظاہری و باطنی ہو کوئی مخلوق نہیں ہو تمہید میں ہو یہی وجہ الاستعداد بان محمدا اعلیٰ الخلائق و
 افضلہم خلافا للروافض اتھے اس بات کا اعتقاد واجب ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم جمیع مخلوقات میں سب سے زائد جاننے والے اور سب سے افضل تھے در و افضل کا
 اس میں اختلاف ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہو انا سید ولد آدم و کافح بین اولاد آدم کا سردار
 ہوں اور مجھے کچھ فخر نہیں۔ اور دوسری حدیث میں وارد ہو انا اکرم الاولین والاخرین میں لکھے
 پچھلون سب سے بزرگ ہوں۔ اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں روایت کی ہوں امنتا تاھا
 ات بعد سنتہم من جملہا وقال یا امنتہ قد حملت بخیر العالمین فاذا وضعتہ فسمیہ محمد

جب حل کے چھ مہینہ گزر گئے تو حضرت آمنہ کے پاس ایک آنے والا آیا اور کہا کہ اے آمنہ تم حاملہ ہوئی ہو خیر العالمین کی پس جب اُنکو جنم تو انکا نام بخار رکھا۔ اور علامہ ابن حجر کی نعمت کبرے میں لکھتے ہیں راوی الحافظ ابو بکر بن عابد فی کتاب المولود عن ابن عباس قال لما ولد صلی اللہ علیہ وسلم قال فی اذنه رضوان خازن الجنان ابشر یا محمد فما بقی لنبی سلم الا قد اعطیتہ فانت اکثرہم علما و استجمعہم قلبا حافظ ابو بکر بن عابد نے کتاب المولود میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ کہا انھوں نے جب حضور پیدا ہوئے تو آپ کے کان میں رضوان خازن جنت نے کہا میں تمکو بشارت دیتا ہوں کہ تمام انبیاء کا علم تمکو دے لیا گیا ہے پس تم اخبار علم کے سب سے زائد عالم اور باعتبار قلب کے سب سے زائد شجاع ہو۔ اور مثل اس کے بہت احادیث اور اخبار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ذات محمدی فیصل المخلوقات ہے ایک ہی مخلوق مثل ذات محمدی کے صفات کمالیہ میں نہیں ہے چہ جائیکہ چھ مثل اور اگر مراد مائت صورت ظاہری میں ہے پس یہ امر ضرر مستبعد نہیں ہے ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام صورت میں شبہ تھے صورت محمدیہ کے ساتھ مگر یہ امر اثبات طلب ہے بغیر تحقیق کے دعویٰ مائت کا صورت محمدیہ کے ساتھ جائز نہیں ہے والد اعلم سوال اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث اعظم کو یہ قوت حاصل ہے کہ جس مقام سے کوئی اُنکو پکارے اُسکی ندا کو وہ سنتے ہیں اور اُسکے حال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو موافق قواعد شرعیہ کے یہ عقیدہ کیسا ہے۔ جواب یہ عقیدہ خلاف عقائد اہل اسلام بلکہ منجرا لالشک ہے ہر شخص کی ندا کو ہر جگہ سے ہر وقت سننا پروردگار عالم کے ساتھ خاص ہے کسی مخلوق میں یہ صفت نہیں ہے والد اعلم سوال جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے وصی مقرر کیا یا نہیں علمائے اہلسنت کہتے ہیں کہ نہیں کیا میں پوچھتا ہوں ہر اکبایا اچھا اور خلفائے جو سقیفہ نبی ساعدہ میں کیا بُرا کیا یا اچھا تم پیغمبر کی جانب خطا کی نسبت کرتے ہو یا اصحاب کی جانب۔ جواب جو علمائے اہلسنت کہتے ہیں درست ہے اور اُنکے خلاف چلنا گمراہی ہے کیونکہ یہ امر قطعی ثابت ہے کہ خلافت کے باب میں کسی صحابی کے حق میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی علیٰ نص ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی نے اسکا دعویٰ کیا ہے کیونکہ اگر کسی کے حق میں آپ سے کوئی علیٰ نص ہو تو تو چھپی نہ مہتی بلکہ

تو اتر کے درجے کو پہنچ جاتی جیسا کہ شرح مواقف میں جو ثبوت عدم نص جلی معلوم قطعاً لایا
لو وجد للتواتر ولم یکن ستره عادة اذ هو ما يتوقر الدواعی الى نقله وايضا لوجه
نص جلی علی امامت علی منعه غیرہ کما منعہ ابو بکرؓ لانصار لقوله عليه السلام الاممة
من قوليش مع كونه خبرا واحدا فاطاعة وتركوا الامامة فكيف يتصور ان يوجد نص
جلی متواتر فی علیؑ وهو من قوم لا یعصون خبر الواحد فی ترك الامامة وشاخصی فی اصلاته
فی الدین ما یشہد بہ بذلہم الاموال والالاف مهاجر تهم الاہل والوطن وتلتهم الاولاد
والاباء والا قارب فی نصرۃ الدین ثم لا یحجج علی علیہم بذلک النص الجلی المتواتر ولا یقول
احد عند طول التراع فی امور الامامة ما بالکم تنازعون فیہا قد عین فلانا لہا انتھ
پھر کسی نص جلی کا نہونا قطعاً معلوم ہو کیونکہ اگر کوئی نص صریح ہوتی تو قطعاً متواتر ہوتی اور یہ عادی
چھپی نہ رہتی اس لیے کہ اُنکی نقل کے جانب بلانے والے بہت ہیں اور بھی اگر نص جلی امامت علیؑ
پر پائی جاتی تو اُس سے غیر حضرت علیؑ نہ رک دیے جاتے جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے انصار کو روک دیا
اس وجہ سے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا امام قریش سے ہون گے باوجودیکہ
یہ خبر واحد تھی پس انصار نے اُنکی اطاعت کی اور امامت کو چھوڑ دیا پس یہ کس طرح خیال کیا
جاسکتا ہے کہ نص جلی متواتر علیؑ کے متعلق پائی جائے حالانکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو ترک امامت
میں خبر واحد کی بھی نافرمانی نہیں کرتی اور دین میں اُنکی سختی کی حالت مال و محبت کے خرچ کرنے
مہاجر ترک وطن قتل اولاد و اقارب و آبار سے معلوم ہوتی ہے پھر حضرت علیؑ اس نص جلی
متواتر سے دلیل نہ لائے اور امامت میں باوجود اتنے جھگڑے کے کسی نے یہ نہ کہا کہ تم لوگ
اس قدر کیون لڑ رہے ہو حضور نے تو فلان شخص کو امامت کے لیے معین فرما دیا ہے۔ اور یہ
تقدیر تحقیق شق ثانی جو کچھ سائل نے کہا کہ میں پوچھتا ہوں برا کیا یا اچھا اسکا جواب باختیار شق
ثانی ہے یعنی حضور نے اچھا کیا اور اس کی وجہ سے کوئی خطا آپ کے ذمے عائد نہیں ہو سکتی کیونکہ
آپ پر امام کا مقرر کر دینا واجب نہ تھا کیونکہ آیہ کریمہ بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل
فما بلغت رسالتہ پہنچا دو جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے آتا رہا گیا پس اگر تم یہ نہ کرو
تو تم نے اسکی رسالت کو نہیں پہنچایا۔ میں وجوب ابلغ جمیع ما انزل آپ پر ثابت ہے پس اگر

نصب امام بھی آپ پر واجب ہوتا تو انزل میں داخل ہونے کی وجہ سے وہ بھی آپ پر ضروری ہوتا اور جب ایسا نہیں ہوتا تو حکم الہی کا ترک آپ سے لازم نہیں آیا وہو معصوم بالافتقار اور آپ بالافتقار معصوم ہیں۔ اگرچہ نصب امام آپ سے ثابت نہیں ہوا اور جو کچھ صحابہ نے ستیفہ بنی ساعدہ میں کیا تھا علین صواب اور دائے واجب تھا کیونکہ نفاذ احکام دین کے لیے اور خاص دعاء کے امور کی مصلحت کے لیے امام مقرر کرنا اور اس کی بیعت کرنا صحابہ پر واجب تھا کیونکہ حضور نے فرمایا ہے جیسا کہ ابن عمر سے روایت کی ہے من مات ولیس فی حقہ بیعة مات میتة جاهلیة جو شخص مر گیا اور اس نے کسی کی بیعت نہ کی وہ جاہلیت کی موت مرا پس واجب کے ادا کر نیلی وجہ سے کون خطا لازم آتی ہے جسکی نسبت صحابہ کے جانب کیجائے پس ہم نہ پیغمبر کے جانب خطا کی نسبت کرتے ہیں نہ اصحاب کے جانب داسدا علم سرہ محمد کو ہر علی۔ ابواب صحیح محمد ارشاد حسین الحنفی۔ ابواب صحیح محمد عبد القادر ابواب صحیح محی الدین محمد عبد القادر احمدی۔ اصحاب من اجاب محمد عبد السمہ۔ ابواب ابو الجواب محمد عجمی القح ابواب داسدا علم بالصواب محمد عبد الغفار۔ ابواب صواب محمد ریاست علی۔ ابواب صحیح محمد امداد حسین۔ قح ابواب جید حسین۔ المجیب مصیب تفضل سین خان۔ واقعی نص علی سے خلافت کا ثبوت حد تو اتر کو نہیں پہونچا مگر اشارۃ اور دلالت اسکا ثبوت احادیث صحیحین سے ہوا ہوا اس اجمال کی تفصیل ملا علی قاری کی تحریر کے موافق یہ ہے کہ حضور نے نازین حضرت ابو بکر کو امام کیا یہی خلافت کے جانب اشارہ تھا جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ میرے اشارے کو صحابہ سمجھ گئے اپنے وصیت نامہ تحریر کرنے کو مزدوری نہ جانا اور حالت مرض میں صحابہ نے بھی آپکو تحریر کی تکلیف دینا نہ چاہی واقعی نازین خلیفہ کر دینے کے بعد کہ قولا وفعل ہر طرح حضور کے سامنے ہوا تحریر کی ضرورت باقی نہیں رہی مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاں کہیں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ اور سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال میں شبہہ معلوم ہو نیک تاویل کریں کیونکہ ایک مسلمان کو اسلام پر باقی رکھنا اس سے بہتر ہے کہ ہزار نئے مسلمان کرے۔ بڑے ٹھوس کی بات ہے کہ لوگ ممکن تاویل بلکہ ظاہر تاویل سے گریز کرتے ہیں اور مخالفانہ اعتراض پیش کرتے ہیں رافضیوں کا اعتقاد صحابہ کے ساتھ ایسا بڑھ گیا ہے کہ سووادب جناب رسالت تک ترقی پا گیا۔

اور سوال کرنے والا خطا کی نسبت حضور خاتم الانبیاء علیہ السلام والتمنا کے جانب گزرا ہوا اور خدا سے
 نہیں ڈرتا اس سے بڑھ کے اور کیا اگر ایسی ہوگی۔ عبارت شرح فقہ اکبر کی یہ ہو فی المصححین
 عن عائشہ ما تھا قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الیوم الذی بدع فیہ
 المرض اذ علی ابابک و اخات فقد اکتب لابی بکر کتابا ثم قال یا بی اللہ والمسلمون الا ابابکر
 و اما قول عمر ان استخلف فقد استخلف من هو خیر منی یعنی ابابکر وان لا استخلف فلم
 یستخلف من هو خیر منی یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل مرادہ لم یتخلف بعہد مکتوب
 ولو کتب عہد الکتبہ لابی بکر بل قد اراد کتابہ ثم ترکہ وقال یا بی اللہ والمسلمون الا ابابکر
 فكان هذا ابلغ من مجرد العہد فانہ علیہ السلام دل المسلمین علی استخلاف ابی بکر بالفعل
 والقول واختارہ لخلافہ اختیار راض بذات وعزم علی ان یتب بذلک عہد اھنا لک ثم
 علی ان المسلمین یجمعون علیہ فترک الکتابۃ الکفاء بارادۃ اللہ تعالیٰ واختیار الامامۃ
 ثم عزم علی ذلک فی مرضہ یوم الخمیس فلما حصل ببعضہم شک هل ذلک القول من جہۃ المرض
 او هو قول یجب اتباعہ ترک الکتابۃ الکفاء بما سبق فلو کان التبعین ما یشتبہ علی الامۃ لینیۃ
 بیانا قاطعا للعدوۃ و لکن لما دلہم دلائل متعددۃ علی ان بایع ابابکر الاسعد بن
 عبادۃ نکوفہ ہوا الذی کان بطلب الولاۃ ولذا لما بایع عمرو و ابو عبیدۃ و من حضر من
 الانصار قال قائل قتلتہم سعد ا فقال عمر قتله اللہ ولم یقل احد من الصحابۃ ان النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم نفس علی غیر ابی بکر من علی و عباس و غیرہما ولو کان لا ظہرۃ انتھ
 اور صحیحین میں حضرت عائشہ سے روایت ہو کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے
 پاس اپنے مرض کے پہلے دن تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ کہ میں ابو بکر کے
 متعلق ایک تحریر لکھ دوں پھر فرمایا کہ اللہ اور مسلمان انکار کرتے ہیں مگر ابو بکر کے لیے لیکن حضرت
 عمر کا قول کہ اگر خلیفہ بنایا تو خلیفہ بنایا اس شخص کو جو مجھ سے اچھا ہو یعنی ابو بکر اور اگر نہیں خلیفہ
 بنایا تو نہیں خلیفہ بنایا اس شخص کو جو مجھ سے اچھا ہو یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پس شاید مقصود یہ ہو
 کہ نہیں خلیفہ بنایا کسی لکھے ہوئے عہد سے اور اگر لکھتے تو حضرت ابو بکر ہی کے لیے لکھتے بلکہ آپ نے
 لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا پھر یہ فرما کر چھوڑ دیا کہ نہ قبول کرے گا خدا اور مسلمان مگر ابو بکر کو پس یہ عہد ہے

زیادہ بلجے ہو اس لیے کہ آنحضرت نے مسلمانوں کو حضرت ابوبکر کی خلافت قبول اور فعل سے بتلادی اور انکی خلافت کو ہر ضا و رغبت قبول فرمایا اور ارادہ کیا کہ عہد یہی لکھدین پھر یہ جان لیا کہ مسلمان اسی پر اجماع کریں گے تو کتابت کے خیال کو خدک ارادے اور اختیار امامت پر اکتفا کر کرک کر دیا پھر اسکا ارادہ پنجشنبہ کو مرض موت میں فرمایا لیکن پھر یہ خیال فرما کر ترک کر دیا کہ بعضوں کو شبہہ ہوگا کہ یہ قول مرض کے وجہ سے تھا یا واقعی اسکی اتباع واجب ہو اگر تعین مشتبہ ہو تو آپ اُسکو ضرور بیان فرمادیتے لیکن آپ نے بہت سے طریقوں پر بتلادیا اسعد بن عبادہ سے جو طالب ولایت تھے آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرائی اور اسی لیے جب عمرو بن عبیدہ اور موجودین انصار نے بیعت کی تو کسی نے کہا تھا کہ تم لوگوں نے سعد کو مار ڈالا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا اسکو مارے اور صحابہ میں سے کسی نے یہ نہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر ابی بکر کو دشلا حضرت علیؓ یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو مقرر فرما گئے اور اگر ایسا ہوتا تو صحابہ میں سے کوئی ضرور ظاہر کر دیتا۔ اور صحابہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ مشورہ تقرر خلافت کے متعلق کیا تھا اچھا تھا پہلے منا امیر و منکم منا امیر ہم میں سے ایک امیر ہو اور تم میں سے ایک امیر ہو۔ کہتے تھے جب حضرت عمرؓ سے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امرا با بکر ان یوم الناس وایکم قطیب نفسہ وان یقدم ابا بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو امامت کا حکم دیا اور تم میں سے کون اپنے کو اچھا اور حضرت ابوبکر پر مقدم جانتا ہو رسنا متفق ہو کر کہا نعوذ باللہ ان تقدم ابا بکر رضی اللہ عنہ اخوجه الناس فی ابی بکر وای علی والحاکم ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہم بڑھیں ابوبکر سے اسکو نسائی اور ابولعلی اور طاکم نے روایت کیا ہے و اللہ اعلم بحقیقۃ محمد طیف اللہ عفی عنہ صحیح الجواب قال التفتازانی فی شرح المقاصد لو کان نص جلی ظاہر المراد فی مثل هذا الامر الخطیر لتواتروا شتم فیما بین الصحابة وظهر علی اجلتهم الذین لہم زیادۃ قرب بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم واللازم منتہی والامیہ توفوا علی الکفایہ ولم یترددوا حلین اجتمعوا فی سقیفہ بنی ساعدہ لتعین الامام ولم یقل الانصار منا امیر و منکم امیر ولم تل طائفۃ الی ابی بکر واخری الی علی واخری الی العباس فان قیل علموا ذلک وکتموا لاغرا بن لہم فی ذلک کعب الریاستہ والعقد علی علی وظنہم ان النص قد لحقہ النسخ الی غیر ذلک وترك علی الحاجۃ بہ

تقیۃ و خوفاً من الاعداء و قلة و ثوق بقبول الجماعة قلنا من كان له حظ من الدیانة و کمالها
علم قطعاً برأۃ اصحاب رسول الله صلی الله علیه و اله و سلم عن مخالفة امره فی مثل
هذا الخطب الجلیل انتقمه ملخصاً تفکراتی نے شرح مقاصد میں کہا ہے اگر نص علی ظاہر المراد اس
سخت امر میں موجود ہوئی تو ضرورتاً اتراد صحابہ میں مشہور ہوئی اور اجلہ صحابہ پر خشک و حضور سے
زائد قرب تھا پوشیدہ نہ رہتی اور لازم متقی ہو ورنہ اطاعت میں توقف نہ فرمائے اور حیب سقیفہ
نبی ساعدہ میں تعمین امام کے لیے جمع ہوئے تھے ترود نہ کرتے اور انصار و منا امیر و منکم امیر
نہ کہتے اور ایک فرقہ حضرت ابوبکر کے جانب اور دوسرا حضرت علی کے جانب اور تیسرا حضرت
عباس کے جانب مائل نہوتا اگر کہا جائے کہ وہ اسکو جانتے تھے مگر اپنے اغراض مثلاً حب ریاست
کینہ حضرت علی کی وجہ سے یا اس گمان کی وجہ سے کہ نص نسخ ہو گئی ہو یا اور دوسرے وجہ
کی وجہ سے چھپاتے تھے اور حضرت علی نے تقیہ کر کے خوف اعداء و جماعت کے قبول کر لینے کے
و ثوق کی کمی کی وجہ سے بحث نہ کی تو ہم کہیں گے کہ جس میں ذرا بھی دیانت و انصاف ہو وہ
قطعاً جانتا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بڑے امور میں حضور کی مخالفت سے
بری ہیں۔ واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبدالحی سوال اول در مختار میں ہے وفیہا اذا سئلنا
عن مذہبنا و مذہب مخالفنا قلنا وجوباً مذہبنا صواب یحتمل الخطاء و مذہب مخالفنا
خطاً یحتمل الصواب و اذا سئلنا عن معتقدا و معتقداً خصوماً قلنا وجوباً الحق ما نحن علیہ
و الباطل ما علیہ خصوصاً اگر ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف کے مذہب کو متعلق پوچھا جائے تو ہم کو
یہ کہنا واجب ہو کہ ہمارا مذہب صحیح ہو غلطی کا احتمال رکھتا ہو اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہو
صحت کا احتمال رکھتا ہو اور جب ہمارے اور ہمارے مخالف کے اعتقاد کے بابت دریافت
کیا جائے تو ہم کو یہ کہنا واجب ہو کہ ہمارا اعتقاد صحیح اور ہمارے مخالف کا اعتقاد باطل ہو اتنی
یہ عبارت شریح کی محتاج ہو اسکی صاف صاف تشریح فرمائیے اس مسئلہ کا اعتقاد رکھنا کیسا ہے اور
کیا خفیہ کے سوا مذہب ثلثہ کو باطل جانتا ضروری ہو سوال دوم در مختار میں ابیات ابن مبارک
میں ہے و قال ابن ادویس مقالاً صحیحاً النقل فی حکم لطیفہ : بان الناس فی فقہ عیال :
علی فقہ الامام ابی حنیفہ : فی قلعة رہنا اعداء رمل : علی من رد قول ابی حنیفہ : ابن ادویس نے

ایک بات کہی ہو جس کی نقل صحیح ہو ایک عمدہ حکم میں روہ یہ ہو کہ لوگ فقہ میں ایک ہی عیال
 ہیں امام ابو حنیفہ کی فقہ پر پس ہمارے پروردگار کی لعنت ہو اتنی جتنے کہ اعداد در محل ہیں اس
 شخص پر جو امام ابو حنیفہ کے قول کی تردید کرے انتہی۔ اس میں کئی سوال ہیں پہلے کیا یہ قول
 فی الواقع امام شافعی کا ہو اور سند صحیح سے ثابت ہو یا نہیں دوسرے منتخب اللغات میں ہو دفع
 اور تشدید وال کے ساتھ پلٹا اور پلٹا اور واپس لانا اور کوئی چسبہ فساد کے معنی
 میں۔ یہاں رد کے کیا معنی ہیں تیسرے منتخب میں ہو لعن بالفتح کے معنی ہانکنا اور رحمت اور
 نیکی سے دور کرنا اور نفی کرنے کے ہیں۔ چوتھے کسی کو اس بات پر لعنت کرنا جائز ہو یا نہیں
 پانچویں امام ابو حنیفہ کے رد کرنے والے پر لعنت بھیجنے کی کوئی اچھی دلیل ہو یا نہیں۔ اور اگر
 نہیں ہو تو کیا کسی پر لعنت کرنا واقعی کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو جائز ہو۔ چھٹے اگر قول مذکور
 واقعی بہت سے جگہ امام شافعی ہی سے منقول ہو جیسا کہ کتابوں میں ہو تو بیان فرمائیے جواب
 سوال اول۔ اس قول کو نسفی نے مصفی کے آخرین ذکر کیا ہو اور سب نے اونہیں سے اختیار کیا
 ہو لیکن بظاہر یہ صحیح نہیں ہو بلکہ یہ ایک ضعیف نادرست قول پر مبنی ہو اور واجب الاعتقاد
 یہ امر ہو کہ مختلف فیہ مسائل میں حق واقعی مجتہدین کے اقوال میں دائر ہو لیکن ان میں سے کوئی
 حق ہو لیکن بظاہر انہیں سے کسی پر عمل کرنے والا بھی مافوق مذکور محمد امین مشہور بہ ابن عابدین
 شامی نے روا مختار حاشیہ در مختار میں لکھا ہو۔ اعلم انہ ذکر فی القویہ و مشر حدایضاً انہ
 يجوز تقليد المفضل مع وجود الافضل وبه قال الحنفية والمالكية واكثر الحنابلة
 والمشافعية وفي رواية عن احمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز ثم ذكر انه لو التزم
 مذهبا معينا كان حنفية والشافعية فقليل يلزمه وقيل لا وهو الاصح انتقد وقد شاع
 ان العامي لا مذهب له اذا علمت ذلك فظهر لك ان ما ذكر عن النسفي من وجوب
 اعتقاد ان مذهبه صواب يعتدل خطأ مبني على انه لا يجوز تقليد المفضل وانه يلزمه
 التزام مذهبه وان ذلك لا يتناقض في العامي وقد رأيت في اخر قراوى ابن حجر الفقيه
 التصريح ببعض ذلك فانه كتب عن عبارة النسفي المذكورة ثم حرران قول ائمة الشافعية
 كذا لا شافعية قال ان ذلك مبني على الصعوبة من انه يجب تقليد الا علم دون غيره

والاصح انہ بتخییر تقلید اسی شاء ولو مفضولاً وان اعتقدہ کذلک وحینئذ فلا یکن
ان یقطع اولیٰظن انہ علیٰ الصواب بل علیٰ المقلدان یعتقد ان ما ذهب الیه امامہ یحتل
انہ الحق قال ابن حجر ثم رأیت المحقق ابن الہمام صرح بما یؤیدہ حیث قال فی شرح الہدای
ان اخذ العامی بما یقع فی قلبہ انہ اصوب ولیٰ علیٰ ہذا اذا استفتی مجتہدین فاختلعا علیہ
الاولیٰ ان یاخذ بما یمیل الیہ قلبہ منہما وعندی انہ لو اخذ بقول الذی لا یمیل الیہ
جاز لان میلہ وعدمہ سواء والواجب علیہ تقلید مجتہد وقد فعل انتہی وقال لیسید
احمد الطحاوی فی حواشی الدر المختار قولہ خطأ یحتل الصواب ہذا بناء علی ان الحق
واحد وهو المشہور وانما لم یجزم بخطأ المخالف فی الفروع کما تقدم من ان المجتہد یخطئ
ولیسبب والمراد ان ما ذهب الیہ امامنا صواب عندہ مع احتمال الخطأ اذ کل مجتہد یمسبب
ویخطئ فی نفس الامر واما بالنظر الیما فکل واحد من الاربعۃ مصیب فی اجتہادہ فکل مقلد
یقول ہذا العبارة لو سئل عن مذہبہ علی لسان امامہ الذی قلدہ و لیس المراد انہ
یکلف کل مقلد اعتقاد خطاء المجتہد الآخر الذی لم یقلدہ لان تقلیداً احداً منہما انما یسوغ
بقدر ضرورة التقليد وہی کون المقلد لیس من اهل النظر فی الأدلۃ لاستنباط الاحکام
الظنیۃ فقلدہ فی العمل فقط انتہی تحریرہ و شرح تحریر میں ہو کہ انفضل کے باوجود مفضول
کی تقلید جائز ہو خفیہ و مالکیہ و اکثر حنابلہ و شافعیہ اسی کے جانب گئے ہیں اور امام احمد اور بہت
سے فقہائے روایت ہو کہ یہ جائز نہیں ہو پھر ذکر کیا ہو کہ اگر کوئی مذہب معین لازم کر لیا ہو مثلاً
امام ابو حنیفہ یا شافعی کا مذہب تو اسکو لازم ہو اور بعضوں نے کہا ہو کہ نہیں اور یہی صحیح ہو اتنی
اور یہ بات شائع ہو گئی ہو کہ عوام کا کوئی مذہب نہیں ہو اور جبکہ تم نے یہ جان لیا تو یہ بات ظاہر ہو
کہ جو نسفی نے کہا کہ اس بات کا اعتقاد واجب ہو کہ اسکا مذہب صحیح خطا کا محتمل ہو اس بات پر تیری
ہو کہ تقلید مفضول جائز نہیں ہو اور اپنے مذہب کو لازم کر لینا ضروری ہو اور یہ عوام میں نہیں پایا
جاسکتا اور میں نے آخر فتاویٰ ابن حجر فقیہ میں ان میں سے بعض مسائل کی تصریح دیکھی ہو لیس
انہوں نے نسفی کی عبارت مذکور کو لکھ کر تحریر کیا ہو کہ ائمہ شافعیہ کا یہی مذہب ہو پھر کہا ہو کہ یہ اس
ضعیف خیال پر مبنی ہو کہ نہ یادہ جاننے والے کی تقلید واجب ہو نہ دوسرے کی اور صحیح یہ ہو کہ شخص

جسکی چاہے تقلید کرے چاہے وہ مفضول ہو اور معتقد بھی مفضول ہی خیال کرے اور اسوقت یہ امر نا ممکن ہو کہ یقین یا گمان کیا جائے اس بات کا کہ وہی صحیح ہو بلکہ مقلد پر اپنے امام کے مذہب کے محمل حق ہو نیک اعتقاد ضروری ہو ابن حجر نے کہا ہو کہ میں نے محقق ابن ہمام کے کلام میں دیکھا ہو کہ انھوں نے اسکی صراحتہ تائید کی ہو شرح ہدایہ میں ہو کہ اگر عامی نے اس بات کو اختیار کیا جو اسکے قلب میں صحیح و درست معلوم ہوئی تو یہ اچھا ہو اسی بنا پر اگر کسی عامی خود مجتہدوں کو کسی مسئلہ میں فتویٰ لیا اور اُن دونوں میں اختلاف ہو گیا تو اچھا یہ ہو کہ جسکے جانب اسکا قلب مائل ہو اُسے اختیار کرے اور اگر اُسکے قول کو اختیار کیا جس کے جانب اُس کا قلب مائل نہیں ہے تو بھی جائز ہے کیونکہ اُس کا میل اور عدم میل دونوں برابر ہیں اور اُسپر مجتہدین سے کسیکی تقلید واجب ہو اور وہ اُس نے کی ہو انتہی سید احمد طحاوی نے حواشی در مختار میں لکھا ہو قولہ خطاء یحتمل الصواب یہ اس بات پر مبنی ہو حق مذہب ایک ہی ہو اور یہی مشہور ہو اور مخالف کی خطا کا اس لیے یقین نہیں کہ (جیسا اور پر بیان ہوا) مجتہد غلطی بھی کرتا ہو اور درست بات بھی کہتا ہو اور مراد یہ ہو کہ جس جانب ہمارے امام گئے ہیں وہ درست ہو غلطی کا احتمال رکھتا ہو اس لیے کہ ہر مجتہد غلطی بھی کرتا ہو اور درست بات بھی کہتا ہو باعتبار نفس الامر کے لیکن ہمارے اعتبار سے چاروں اپنے اپنے اجتہاد میں درست ہیں پس ہر مقلد ہی کیسے گا اگر اُس سے اسکی امام کے مذہب کے شیعہ جسکا وہ مقلد ہو پوچھا جائے ۔ یہ طلب نہیں ہو کہ ہر مقلد دوسرے مجتہد کے خطا کے اعتقاد کا مکلف ہو کیونکہ تقلید دین تک ہو جو جان تک اسکی ضرورت ہو یعنی مقلد کو احکام ظنیہ کے استنباط کی دلیلوں میں غور و فکر کی ضرورت نہیں ہو تو عمل ہی میں تقلید کرے انتہی جواب سوال دوم ابن مبارک کے ان اشعار میں جن میں امام شافعی کا قول بیان کیا گیا ہو ذکر لعنت و حکم لعنت (بعضوں کے نزدیک) ابن مبارک کا قول ہو کہ امام شافعی کا کیونکہ بعضے محدثین مثلاً خطیب و نووی و ابن حجر وغیرہ نے کہا ہو کہ امام شافعی نے فرمایا ہو جو فقہ میں متبحر ہو وہ امام ابو حنیفہ کا عیال ہو اور انکا یہ قول بہت مشہور ہو اور اسکیکو ابن مبارک نے نظر کر کے کہا ہو وقد قال الخ لیکن فلنعتہ بنا البیت میں اشکال ہو کیونکہ کسی مسلمان پر بلکہ مرنے کے بعد خاص معین کا فر پر بھی لعنت جائز نہیں ہو اور بعض ایسے بعض کی تردید کیا ہی کرتے ہیں اور یہ کوئی بری بات نہیں سمجھی جاتی خصوصاً جب احقاق حق منظور ہو تو کیا وجہ ہو

کہ تردید امام خلیفہ خاصہ موجب لعنت ہو اور ان اشکال کا جواب دے دیا کہ میں نے مقدمہ
 عمدة الرعاۃ فی حل شرح الوقایہ اور دوسرے رسائل میں وضاحت سے بیان کیا ہے یہ ہر کہ لعنت
 کبھی رحمت خدا سے محروم ہو جانے کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے اور یہ لعنت مسلمانوں پر بھیجتا جائے
 نہیں اور کبھی خدا کی اُس رحمت سے دوری کے معنوں میں جو نیکوں کے ساتھ خاص ہے اور
 یہ گنہگاروں اور فاسقوں کے لئے جائز ہے اخبار صحیحہ میں شراب پینے پلانے نانے اور بیچنے
 اور اٹھانے والے پر اور رشوت لینے اور دینے والے پر اور سود لینے اور دینے اور اسپیڑ مادت
 دینے اور اسکے کھنے والے پر اور غیر خدا کے نام پر پڑھ کر کے والے اور خلق خدا کو اذیت
 پہنچانے والے پر اور چٹلی کھانے اور کھلانے والے پر اور عورتوں کے مشابہ بننے والے
 مرد اور مردوں کے مشابہ بننے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے جیسا کہ صحاح ستہ وغیرہ کے
 دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہو اب رد امام ابو خلیفہ کا موجب فسق ہونا جو موجب ابعاد ہی
 مستبعد نہیں ہے پھر رد سے مراد مطلق رد نہیں ہے کہ مباحثہ ائمہ کا اعراض وارد ہو بلکہ اُنکو
 حقیقہ جاکر اُنکی قدر و منزلت کو کم کر کے اُنکے رتبے میں طعن کر کے اور اُنکے مقلدین کو ایذا پہنچانے
 تردید کرنا جیسا کہ اکثر علوم بلکہ بعض خواص کی بھی جو عوام کے مثل ہیں عادت ہے اور اس طرح
 کے رد کرنے والے کے فاسق جائز اللعنة دے بغیر ثانی ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے اور شری
 معین شخص پر لعنت کا فائدہ نہیں دیتا ہے۔ اور اس سے حواشی در فقہ میں حلبی کے اس قول
 کی تصحیح ہوتی ہے المراد من قوله رد المحتقر الہ منکر ان یكون فيه قوة الاجتهاد والافلہ نزل
 الایمة ترد اقوال بعضهم مع انهم مثالبون علی ذلك نظرا لنصرة الحق بحسب ظنهم وكان
 الاسلام ان يقول علی من حط قدری حنیفة انتہ واما قول الطحاوی فی حواشیدہ رد
 علی الجلبی وفیہ ان غایۃ من رده بهذه الصفة المتقدمة ان یكون قد ارتكب محوما وهو
 لا یلعن بل لا یجوز لعن کافر بخصوصہ اہ فباطل لما اسلفنا وقال بن عابدین الشامی فی
 رد المختار ای علی من رد ما قالہ من الاحکام الشرعیۃ محققر الہا فان ذلك موجب للطرد
 والا بقاء لا یجوز الطعن فی الاستدلال لان الایمة لم تنزل یرد بعضهم قول بعض ولا یجوز
 الطعن فی الامام لفسه لان غایۃ الحرمة فلا یوجب اللعن لکن لیس فیہ لعن شخص معین

فہر کل من الکاذبین وغوہم من العصاة انتھ مصنف کے قول رد المحتقر الہ سے یہ مراد ہو کر ان میں قوت اجتہاد کے پائے جانے کا انکار کرے ورنہ ائمہ ایک دوسرے کی تردید کیا ہی کرتے ہیں اور اسپر ثواب بھی پاتے ہیں اس لیے کہ انکا مقصد حق کی مدد ہوتا ہے نہیں اچھا یہ تھا کہ کہتے علی من حط قد رابی حنیفۃ لیکن طحاوی کا قول رد حلبی میں (وفیہا من غایۃ الخیر اور اس میں یہ خرابی ہو کہ جس نے اسطرح رد کی وہ زیادہ سے زیادہ حرام کا مرتکب ہوا اور وہ لعنت کا مستحق نہیں ہو بلکہ کسی خاص معین کا فر یہ بھی لعنت جائز نہیں) باطل ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں لکھا ہو یعنی اسپر جس نے احکام شرعیہ محررہ امام ابی حنیفہ کی تردید انکو حقیر جان کر کی اس لیے کہ یہ موجب ابعاد ہونہ محض استدلال میں طعن کرنے سے کیونکہ ائمہ ہمیشہ ایک دوسرے کی تردید کرتے رہے اور نہ محض نفس الامم میں طعن سے کیونکہ یہ زائد سے زائد حرام ہی تو بھی موجب لعن نہیں ہو لیکن اس میں کسی شخص معین پر لعنت نہیں بلکہ ویسی ہی ہو جیسا کہ جھوٹوں یا اور دوسرے گنہگاروں پر لعنت بھیجی جاتی ہو والدعظم سوال۔ کھانا یا کپڑا یا اور کوئی چیز خدا کی راہ پر کسی کو دی یا فضل نماز پڑھی اور فضل حج ادا کر کے کسی کو اسکا ثواب بخشا تو پہونچتا ہو یا نہیں جواب عبادت مالی ہو یا بدنی خواہ دونوں سے مرکب ہو اگر اسکا ثواب کسی کو بخشا جائے تو پہونچتا ہو سوال حضرت شاہ بوعلی قلند کے فاتحہ کے لیے سہ منی کا مقرر کرنا یا اسی طرح کسی اور کے فاتحہ کے لیے کسی خاص چیز کو مقرر کرنا جائز ہو یا نہیں جواب۔ ایصال ثواب میں طعام معین کی تخصیص نہیں ہو بلکہ جو چیز سد دی جائے اسکا ثواب ملتا ہو اور جس کو اسکا ثواب بخشے پہونچتا ہو سوال پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والتنا کی شفاعت گنہگار ان امت کے لیے ہوگی یا نہیں۔ جواب ہوگی اسکا انکار کرنا بدعت اور ضلالت ہو جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ اسکے قائل ہیں۔ شفاعت کرتے وقت حضور حمد کرتے ہوئے مسجد میں جائیں گے اور جب تک اللہ کی طرف سے دفع اسکا سل تسطہ اشفع تشفع یعنی سر اٹھائیے اور مانگیے دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے قبول کیجائیے ارشاد نہوگا آپ سر نہ اٹھائیں گے اور حدیث میں ہو کہ جب آیت ولسوف یعطیک ربک فتوقی عن قرب تمکو تمہارا رب عطا کرے گا پس تم راضی ہو جاؤ گے) نازل ہوئی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا جب تک میں اپنی امت کی ایک ایک

شخص کو نہ بخشوا لون گا ہرگز راضی نہ ہوگا۔ اور حدیث شریف میں ہوشفاعتی لاهل الکبائر من امتی
 رواہ احمد وغیرہ میری شفاعت نبی امت کے اہل کبائر کے لیے ہو اور کتاب الوصیۃ میں امام ابوحنیفہ سے
 مروی ہے کہ شفاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اہل جنت کے لیے اگرچہ صاحب گناہ کبیرہ ہوں
 حق ہے۔ سوال۔ اہل خیر جیسے علامہ شاہد وغیرہ بھی شفاعت کریں گے یا نہیں۔ جواب۔ اہل خیر
 کی شفاعت بھی حق ہے قصیدہ االیہ میں ہے۔ ومما جوشفاعۃ اہل خیر لا صاحب الکبائر کالجبال اہل
 کبائر سے بہتوں کے لیے اہل خیر کے شفاعت کی امید ہے سوال۔ خدا کو رحیم سمجھ کر بے خوف ہو جانا
 یا اسکو قہار سمجھ کر ناہید ہونیکا کیا حکم ہے جواب۔ کفر ہوا مان خوف اور رہا کے بیچ میں ہے حدیث
 میں ہے لو وزن خوف المومن ورجاؤہ لا اعتدلا اگر مومن کا خوف اور رجاء تو لا جائے تو
 اعتدال کی حالت میں ہوگا۔ اور کتب عقائد میں ہے الیاس من اللہ کفر والا من اللہ کفر
 اللہ سے مایوس ہو جانا اور بے خوف ہو جانا کفر ہے سوال۔ جس تمام عمر نماز پڑھتی ہو اور ایمان قلبی رکھتا ہو اور
 ایمان کے منافی کوئی فعل اس سے صادر نہ ہو اور ایمان پکڑ ہو تو اسکا کیا حال ہوگا جواب
 وہ مومن ہے اللہ کو اختیار ہے اگرچاہے بخش دے کیونکہ اُس نے فرمایا ہوان اللہ لا یغفران یشرک
 بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء شرک کے سوا جس گناہ کو اللہ چاہے گا بخش دے گا۔ اور اگرچاہے
 سزائے اعمال دینے کے بعد جنت میں بھیجے۔ سوال۔ غرغہ کے وقت اگر کوئی کافر ایمان لائے یا
 مسلمان توبہ کرے تو کیا حکم ہے جواب۔ ایمان باس مقبول نہیں ہو اور ظاہر حدیث سے جسکو ترمذی
 اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اور ان حدیثوں
 سے جسکو ابن جریر اور بخاری نے تاریخ میں اور حاکم اور ابن منذر وغیرہ نے روایت کیا ہے ثابت
 ہے کہ جب تک روح باقی رہتی ہے توبہ قبول ہوتی ہے اسی لیے امام زادہ کہتے ہیں کہ ایمان باس باجماع مقبول
 نہیں اور توبہ باس اسکی مشیت میں ہے چاہے اپنے فضل سے قبول کرے چاہے تاخیر توبہ کی وجہ
 سے بلحاظ عدل نہ قبول کرے۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں۔ فی الخلاصۃ ایمان الباس
 غیر مقبول وتوبۃ الباس المختار انہا مقبولۃ انتھ ولا یخفى ان هذه الروایۃ مضالفة
 لظاهر الدراریۃ حیث ورد قوله علیہ السلام اللہ یقبل توبۃ العبد ما لم یسرغر بمل
 النص الصریح فی قوله سبحانه وتعالى ویستقبل التوبۃ للذین الا ان فی خلاصہ میں ہے

حجاب نہ واقع ہو چکا گیا کہ حجاب کا واقع ہونا کیا ہے آپ نے فرمایا کہ نفس کھٹے اور وہ مشرک و کفری
اور تفسیر احمدی میں ہے قد اختلف فی قبول ایمان الباس عن الکافر و توبۃ الباس عن العاصی
ولہ یفصل احکامہما احد مثل ما فصلہ الامام ابراہیم حجت اور دھمنا کلاما طویلا حاصلہ
ان ایمان الباس یکون غیر مقبول بالاجماع و توبۃ الباس فی مشیت اللہ تعالیٰ ان شاء
قبل لشرف ایمانہ و کان فضلا منه وان شاء لم یقبل لتقصیرہ و تاخیرہ و کان عدلا و ان
مومن الا و یتوب عند الباس من المعاصی کما انہ ما من کافر الا و یتوب عن الکفر
وقت الباس لقولہ تعالیٰ وان من اهل الکتاب الا لیومنین بہ قبل موتہ و ایمان
الباس هو الذی لا یکون مسموعا لاحد حتی لو سمع منه فی تلك الحاله لا یکون ایمان باس
بل یکون ایمان اختیار و لکن مع هذا الا یتب کونہ من اهل الجنة لانه تعالیٰ یعلم باطنہ و
ظاہرہ فان وافق بالباطن ظاہرہ یقبل والا لا وان رای الملک عیاناً و ارتفع عنہ حجاب
اللہ تعالیٰ لا یقبل ایمانہ لانه سحر ایمان الباس فلا یقبل لقولہ تعالیٰ فلم ینفعهم ایمانہم لما
رأوا باسنا و ما اشتهر من ان العبرۃ فی الایمان و الکفر بالخاصۃ فلیس ذلک باعتبار الباس
بل باعتبار حالۃ الاختیار و توبۃ الباس ان قلنا لم یقبل لما ذهب الیہ اهل خراسان
ابطلنا حرمتہ الایمان وان قلنا تقبل سوینا بین حالۃ الاختیار و الاضطراب و اثبتنا الامان
لکل فاسق من العذاب فیؤل فی مذہب المرجیۃ فالاولیٰ هو التعلیق بمشیۃ اللہ تعالیٰ
کما قلنا ہذا حاصل کلامہ انتھے خوف کی حالت میں کافر کے ایمان اور گنہگار کی توبہ قبول
ہونے میں اختلاف ہے اور ان کی احکام کی امام زادہ کی طرح کسی نے تفصیل نہیں کی ہے انھوں نے
اس جگہ ایک بہت بڑی بحث لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان خوف بالاتفاق غیر مقبول ہے
اور توبہ خوف مشیت الہی پر موقوف ہے اگر چاہے تو شرف ایمان کے بدولت قبول کر لے
اور یہ اس کا فضل ہوگا اور اگر چاہے تو اس کی تاخیر و تقصیر کے بدولت نہ قبول کرے اور یہ
اس کا عدل ہے اور ہر مومن خوف کے وقت گناہوں سے توبہ کرتا ہے جیسا کہ ہر کافر خوف کے
وقت کفر سے توبہ کرتا ہے کیونکہ خدا نے فرمایا ہے نہیں ہو کوئی اہل کتاب سے مگر یہ کہ مرثیہ قبل
خدا پر ایمان لا یگا اور ایمان خوف وہ ہے جسے کسی نے سنا نہ ہو بیان تک کہ اس حالت میں اگر

کوئی اُس سے ایمان مانے کو سن لے تو وہ ایمان خوف نہوگا بلکہ ایمان اختیار ہوگا لیکن باوجود اسکے اسکا اہل جنت سے ہونا ثابت نہیں کیونکہ خدا اُسکے باطن اور ظاہر کو جانتا ہو پس اگر اُس کا ظاہر باطن کے موافق ہوگا تو ایمان قبول کر لیا جائے گا ورنہ نہیں اور اگر فرشتوں کو دیکھ لیا اور اس خدا کا سچا ہوا اٹھ گیا تو اُسکا ایمان مقبول نہیں کیونکہ اسوقت یہ ایمان باس ہو پس مقبول نہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو پس اُنکو اُنکا ایمان نفع نہیگا جبکہ اُنھوں نے ہمارے خوف کو دیکھ لیا اور جو مشہور ہو کہ ایمان و کفر میں خاتمہ کا اعتبار ہو تو یہ خوف کے اعتبار سے نہیں ہو بلکہ حالت اختیار کے اعتبار سے ہو اور تو بہ خوف اگر ہم کہیں کہ مقبول نہیں ہو جیسا کہ ابن عباس کا مذہب ہو تو ہم حرمت ایمان کو باطل کر دیں گے اور اگر ہم کہیں کہ مقبول ہو تو اختیار و مضطر کی حالت کو مساوی کر دینگے اور ہر فاسق کے لیے عذاب سے امان ثابت کر دیں گے تو یہ مذہب مرجہ کی جانب لوٹ آئیگا پس اولیٰ خدا کی مشیت پر معلق کرنا ہو جیسا کہ ہم نے کہا یہ اُن کے کلام کا حاصل ہو۔ واللہ اعلم سوال۔ جو اعتقاد رکھے کہ ارواح مشائخ کے حاضر ہیں و سب کچھ جانتے ہیں اُسکے لیے کیا حکم ہو جواب۔ وہ کافر ہو نیز انہیں ہومن قال ارواح المشائخ حاضر ہون یعلمون یکنفیانہ جو شخص کہے کہ ارواح مشائخ کے حاضر ہیں جانتے ہیں وہ کافر ہو واللہ اعلم سوال۔ جو شخص مرتکب کبیرہ کو کافر جانے اور اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھے اسکو سنی المذہب سمجھنا چاہیے یا نہیں جواب۔ سنی نہیں ہو کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہو کہ کبیرہ گناہ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو صلوا خلف کل ہو فاجر ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھو واللہ اعلم سوال۔ رحلت نبوی کے بعد جن ازواج مطہرات نے انتقال فرمایا وہ کسے تھیں اور اُن کے نام کیا کیا ہیں جواب۔ نو تھیں سودہ بنت زمعہ آپ نے شوال کے چھینے میں ۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا آپ کا نکاح مکہ معظمہ میں ہجرت سے دو سال یا تین سال پہلے شوال کے چھینے میں ہوا اور نکاح کے وقت آپ چھ برس کی تھیں اور نو برس کے سن میں مدینہ میں آپ ہمبستر نبوی ہوئیں اور ۶۵ھ یا ۶۶ھ میں سترھویں رمضان کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور لقیع میں دفن ہوئیں حصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا ہجرت کے تیسرے سال نکاح ہو ا اور ۲۵ھ میں انتقال فرمایا

ایسا ہی بن حجر نے کہا ہوام جینیہ بنت ابی سفیان آپ نکاح کے وقت جیشہ میں تھیں اور نجاشی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انکا مہر چار سو دینار ادا کیا آپ نے ۴۲ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا ام سلمہ آپ نے ۶۲ھ میں ازواج میں سب سے بعد انتقال فرمایا اور بعض کے نزدیک آپ نے ۶۵ھ میں انتقال فرمایا ایسا ہی ابن حجر نے کہا کہ زینب بنت جحش آپ نے ازواج میں آنحضرت کے بعد سب سے پہلے ۶۸ھ میں انتقال فرمایا جویریہ بنت حارث آپ کی وفات ۶۷ھ میں ہوئی صفیہ خیر کی لڑائی میں آپ اسیر ہو کے آئی تھیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو آزاد کیا اور آزاد کرنے کو آپکا مہر قرار دیا ۶۷ھ میں انتقال فرمایا مہموئہ آپ نے ۶۸ھ میں وفات فرمائی اور ریشہ میں دفن ہوئیں۔ والدہ اعلم سوال۔ حضور کے سلمے معاشرت کے بعد آپ کی کتنی بیبیوں نے انتقال فرمایا تھا جواب تین نے خدیجہ بنت خویلد نے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء کا سن ان سے نکاح کرتے وقت پچیس برس دو مہینے دس دن کا تھا حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے پہلے وفات فرمائی زینب بنت خزیمہ نے کہ انکا نکاح ہجرت کے تیسرے سال ہوا اور آنحضرت کے پاس دو یا تین مہینے زندہ رہیں۔ مآہ بنت اہلٹ آپ نے خلوت صحیحہ سے پہلے انتقال فرمایا والدہ اعلم سوال جن بیبیوں کو حضرت سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے اپنی زندگی میں جدا کر دیا تھا کہ تھیں جواب آٹھ تھیں (۱) فاطمہ بنت خفاک انھیں آپ نے اس بات کا اختیار دیا تھا کہ چاہے حضور کی خدمت میں رہیں چاہے دنیا کو اختیار کر لیں انھوں نے دنیا کو اختیار کیا پس حضور نے انھیں جدا کر دیا۔ (۲) شراف خواہر دحیہ کلبی (۳) خولہ بنت ہنزلہ (۴) اسار جو نیہ (۵) عمرہ بنت یزید (۶) قبیلہ عفار کی ایک عورت (۷) عالیہ بنت طلحہ ان سب کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبل دخول طلاق ہی (۸) اور ایک عورت سے جب اپنے قربت کا ارادہ فرمایا تو اُس سے کہا اپنا نفس مجھے دے اُس نے کہا کوئی رئیسہ اپنے نفس کو بازار سی شخص کے حوالے نہیں کرتی پس آپ نے اُسکو جدا کر دیا۔ سوال تقلید اور اجتہاد کو چھوڑ جانا چاہیے یا بر جواب مسائل شرعیہ کے نکالنے میں کوشش کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں اور اجتہاد جناب سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے پسند فرمایا ہونچاری نے روایت کی ہو قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم من اجتہد و اصاب فله اجران ومن اجتہد و اخطأ فله اجر واحد
یعنی حضور سرور انبیاء علیہ التَّحِیُّہُ و التَّنَاسُّلُ نے فرمایا ہو جس نے اجتہاد کیا اور صحیح کیا اُسکے لیے دو اجر
ہیں اور جس نے اجتہاد کیا اور غلط کیا اُسکے لیے ایک اجر ہو۔ اور اجلہ صحابہ نے جیسے حضرت
ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عبداللہ بن مسعود و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اجتہاد
کیا ہو اور تقلید کتے ہیں اقوال اور افعال میں اپنے غیر کی پیروی کرنے کو اور یہ ایسا امر ہے جو حکم
حکم خدا اور رسول نے بھی دیا ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی
الامر منکم اطاعت کرو اللہ کی اور اُسکے رسول کی اور اپنے میں سے یعنی مسلمانوں میں ہو صاحبِ علم کی اور تفسیر
احمدی میں ہو والحق ان المراد کل اولی الحکم اما ما کان او امیرا سلطانا کان او حاکما عالما
کان او مجتہدا قاضیا کان او مفتیاً علی حسب مراتب التابع والمتبوع لان النص مطلق
فلا یقتید من غیر دلیل لخصوص النسخ وروی الترمذی و احمد انہ علیہ السلام قال
واطیعوا اذا امرکم وقال اللہ تعالیٰ فاستلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور حق یہ
ہو کہ ہر صاحبِ حکم ہے امام ہو یا امیر سلطان ہو یا حاکم عالم ہو یا مجتہد قاضی ہو یا مفتی تابع
اور متبوع کے مراتب کے موافق کیونکہ نص مطلق ہو تو بلا دلیل خصوص مقید نہ کیجائے گی انتہے
اور ترمذی اور احمد نے روایت کی ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو اطاعت
کرو اپنے حکم والوں کی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو پس دریاقت کرو اہل ذکر سے اگر تم نہ جانتو
ہو۔ سوال۔ شب قدر افضل ہو یا بقول بعض محدثین شب میلاد نبوی افضل ہو جو اب
تمام راتوں پر شب قدر کی ہر رگی منصوص اور کئی طرح سے ثابت ہو (۱) اس رات میں ارواح
اور ملائکہ کا نزول زمین پر ہوتا ہو (۲) شام سے صبح تک تجلی باری تعالیٰ آسمان اول پر ہوتی
ہو (۳) لوح محفوظ سے آسمان اول پر نزول قرآن اسی رات میں ہوا ہو اور انھیں بزرگیوں
کی درجہ سے سکین اور تسلی امت محمدیہ کے لیے اس ایک رات کی عبادت ثواب میں ہزار مہینوں
کی عبادت سے زیادہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو لیلة القدر خیر من الف شهر شب قدر ہزار مہینوں
سے افضل ہو اور حدیث میں بھی اس رات کے جانے کی تاکید آئی ہو اور بعض محدثین نے جو شب
میلاد کو شب قدر پر فضیلت دی ہو تو انکا یہ نشانہیں ہو کہ شب میلاد کی عبادت ثواب میں

شب قدر کی عبادت کے برابر ہو کیونکہ ثواب اور عقاب کی حالت یہ ہے کہ جب تک نص قطعی نہ پائی جائے کسی کام کو باعث ثواب نہیں قرار دے سکتے مگر شب میلاد کو شب قدر پر اپنے افتخار و اتقائی سے خدا کے سامنے فضیلت حاصل ہو قصیدہ ہمزہ فی احوال خیر البریین ہر مصرع تنباھی بلک العصفور۔ آپ پر چڑھان فرمائی ہیں وقال الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی رحمہ اللہ فی ما ثبت من المینۃ ثم اذا قلنا انه ولد لیلۃ فلتک اللیلۃ افضل من لیلۃ القدر بلاشبہ لان لیلۃ المولد لیلۃ ظہورہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیلۃ القدر معطاة لہ وما تشرف بظہور ذات المشرف من اجلہ اشرف بما شرف بسبب ما اعطیہ ولان لیلۃ القدر تشرف بنزول الملائکۃ فیہا ولیلۃ المولد شرفت بظہورہ صلی اللہ علیہ وسلم ولان لیلۃ القدر وقع التفضیل فیہا علی امتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولیلۃ المولد الشریف وقع التفضیل فیہا علی سائر الموجودات انتہی وقال الشیخ المحدث الحافظ ابن حجر الاذینۃ والامکنۃ تشرف بشرف من یکون فیہا وما یکون فیہا من المنزایا والمکالات ولذا قال بعضهم ان لیلۃ مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من لیلۃ القدر انتہی اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ثابت من السنین لکھتے ہیں پھر جب ہم کہتے ہیں کہ حضور شب میں پیدا ہوئے تو یہ رات شب قدر سے بلاشبہ افضل ہے کیونکہ شب میلاد آپ کے ظہور کی رات ہو اور شب قدر آپ کو دی گئی ہو اور جسے ذات مشرف کے ظاہر ہونے کی سبب سے شرف ہو وہ اس وجہ سے اشرف ہو اس سے جسے عطیہ ہونے کی وجہ سے شرف حاصل ہو اور اس وجہ سے کہ شب قدر کو نزول ملا نہ کی وجہ سے شرف حاصل ہو اور شب میلاد کو حضور سرور کائنات علیہ افضل السلام والتیمات کی وجہ سے اور شب قدر میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت حاصل ہوئی اور شب میلاد میں تمام موجودات کو انتہی اور حافظ ابن حجر محدث رحمہ اللہ نے کہا ہے زمانوں اور مکانون کو انکی وجہ سے شرف حاصل ہوتا ہے جو ان میں ہونے ہیں اور جو ان میں خوب بیان اور کمالات ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے بعضوں نے کہا ہے کہ شب میلاد شب قدر سے افضل ہے۔ سوال۔ امامت کیا چیز ہے اور امام کون ہے اور اس حدیث کو کیا معنی ہیں من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة لجاهلیة جسے امام زمانہ کو نہ پہچانا وہ

جاہلون کی موت مراد یہ جو وارد ہوا ہے کہ ہر ایک کے دستور میں کوئی مجدد دین ہوگا تو اس زمانہ میں کون اسکا مصداق ہے جو اب امامت عبارت ہے خلافت رسول سے دین کے قائم رکھنے میں اور دنیا کے انتظام کی حفاظت کرنے میں اور امام اُسے کہتے ہیں جسکی فرمانبرداری تمام لوگوں پر واجب ہو ایسا ہی شرح مواتفقین اور سبکی شرح میں ہے پس کسی گاؤں کا امیر یا شہر کا امیر امام نہیں ہوسکتا ہے اور امام کو ظاہر ہونا چاہیئے تاکہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہونچے پوشیدہ نہونا چاہیئے اور امام کے لیے مسلمان مرد آزاد عاقل بالغ قریشی ہونا شرط ہے اور معصوم ہونا شرط نہیں ہے یہ کہ امام زمانے کے لوگوں میں سب سے افضل ہو اور عامۃ المسلمین کو واجب ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا امام بنا کر سوائے امور نامشروع کے تمام امور میں اُسکی فرمانبرداری کریں لقولہ علیہ السلام لا طاعة للخلق فی معصیة الخالق خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے فی شرح المسائرة لابن الہمام و اذا قضیہ بنفوذ قضایا اهل البغی فی بلادہم التي غلبوا علیہا لم یسلس الحاجة فیکف لا تقضی بھمة الامام مع فقد الشر وط عند لزوم الضرر العام ابن ہمام شرح مسائره میں لکھتے ہیں اور جبکہ ہم نے اہل بنی کے احکام کے نافذ ہونے کا حکم اُن بلاد میں جن پر وہ غالب ہیں حاجت کی وجہ سے دیا تو پھر ہم ضرر عام کی صورت میں بدون شرائط صحت امامت کا کیوں حکم نہ دیں گے انتہی فی المراقبة لا تقضی خلافة العبد لقولہ علیہ السلام الایمة من قریش قلت لکن یعھو امارۃ مطلقا و کذا اخلافتہ تسلطا کما هو فی زماننا فی جمیع البلدان انتھے اور مرقاة میں ہے کہ غلام کی خلافت صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام قریش سے ہیں میں کہتا ہوں لیکن اُسکی امارت مطلقا اور اسی طرح اُسکی خلافت تسلطا صحیح ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں اب جکل تمام جگہوں میں ہے اور حدیث من لم یعرف الخلیفین امام سے بنی مراد ہے جیسا کہ ظالمی نے ذکر کیا ہے یا قرآن مراد ہے کیونکہ یہود کے زمانے میں تو ریت و نصاری کے زمانے میں انجیل امام تھی اور امت محمدیہ کے زمانے میں قرآن امام ہے اور بعض متکلمین حدیث کے معنی یون لکھتے ہیں فمن لم یعرف امام زمانہ مع اند فی ظل امامۃ فقد عاش عیشا لجاہلیۃ فی موتہ میتۃ جاہلیۃ انتھے یعنی جس شخص نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ جانا باوجودیکہ وہ امامت کے سایہ میں رہا پس اُس نے جاہلیت کی زندگی بسر کی اور وہ جاہلیت کی موت مر گیا اور بعض نے

معنی یوں لکھی ہیں من لم یعرف امام زمانہ اسی الامام الذی بائعہ المسلمون و اهل المحل و العقد و ابعالوہ اما ما شن
 لم یعرف انه امام و افکروا ممتد و تخلف عن بیعتہ فقد مات ممتدہ جاہلیۃ انتھہ و جس شخص نے اپنے زمانے کے امام
 کو نہ جانا یعنی اسے جسکے ہاتھ یہ مسلمانوں اور اہل حل و عقد نے بیعت کی ہے اور اسے امام کیا ہو نہ پہچانا کہ یہی امام ہو اور
 اسکی امامت کا انکار کیا اور اسکی بیعت کو توڑ ڈالا پس وہ جاہلیت کی موت مرا اور ہر سیکڑی کو شروع میں مجددین
 محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہوا ہو اور اسے خدا ہی جانتا ہی ہو وہ شخص کہ صاحب برکات ہو اور اس سے دین قائم ہو
 اور عالم میں اسکا فیض ہو اور مجددین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق ہو سکتا ہو سوال - اللہ کا کلام کہ اسکی صفت
 ہو اور قدیم ہو اور اسے کلام نفسی کہتے ہیں اسکا نزول اور تنزیل کیونکر ہوا۔ جواب - کلام نفسی حرف
 اور صوت کی قسم سے نہیں ہو اور اس صفت قدیم کا نازل ہونا محال ہو مولانا یعقوب بنیانی
 رحمہ اللہ تہذیب الکلام کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں ذہب اہل الحق الی ان کلامہ تعالیٰ لیس
 من جنس الاصوات والحروف بل ہی صفة ازلیة قائمة بذات الله تعالیٰ منافیۃ لل سکوت
 والافۃ انتھہ اہل حق اس جانب گئے ہیں کہ خدا کا کلام جنس اصوات و حروف سے نہیں ہو بلکہ
 یہ صفت ازلی ہو جو خدا کی ذات سے قائم ہو اور سکوت اور آفت کے منافی ہو انتہی۔ مگر کلام لفظی
 جسکی قرائت کرتے اور حفاظ پڑھتے اور کاتب لکھتے ہیں اور علمائے اصول کی اصطلاح اور عرف
 شریعت میں اسی کو قرآن کہتے ہیں غیر کلام نفسی ہو اور دال ہو کلام نفسی پر جو صفت آئی ہو اور
 روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام اسی کو لائے اور اسی کو حضرت سرور انبیاء علیہ التھیۃ والثناء
 کے سامنے پڑھا اور حضور کے گوش مبارک میں پہونچا یا اور اسی کو حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ
 والتھیات نے یاد رکھا اور پڑھا اور لوگوں کو سنایا فی التفسیر الکبیر اذا قلنا لہذا الحروف
 المتوالیۃ والاصوات المتعاقبۃ انتھہ کلام اللہ کان المراد انتھہ الفاظ دالۃ علی الصفة
 القدیمۃ القائمة بذات الله تعالیٰ و اذا قلنا کلام الله تعالیٰ قدیم لہ رد یہ الا تلك لہ صفة
 القدیمۃ انتھہ تفسیر کبیر میں ہو اور جبکہ ہم ان حروف متوالیہ اور اصوات متعاقبہ کو یہ کہتے ہیں
 کہ وہ خدا کا کلام ہو تو اس سے مراد یہ ہوتی ہو کہ یہ الفاظ صفت قدیمہ پر جو خدا کے ساتھ قائم ہے
 دلالت کرتے ہیں اور جب ہم کہتے ہیں کہ خدا کا کلام قدیم ہو تو ہم اس سے یہی صفت قدیمہ مراد
 لیتے ہیں۔ اور طرق نزول میں کئی احتمال لکھے گئے ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو

اپنا کلام سنوایا اور انھیں اس عبارت پر قادر کر دیا جو اس کلام قدیم کی تعبیر کرے (۲) اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس نظم کی کتابت کو خلق کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اُسے پڑھا اور یاد کر کے خدمت نبوی میں لائے (۳) اللہ تعالیٰ نے اصوات اور الفاظ مقطوعہ کو پیدا کیا جبرئیل علیہ السلام نے اُسے لیا اور انھیں علم ضروری حاصل ہوا اس سے کہ یہ عبارت کلام قدیم پر دال ہے

قال الامام الرازی ان جبرئیل علیہ السلام سمع فی السماء کلام اللہ تعالیٰ فنزل علی الرسول فان قیل کیف یسمع جبرئیل علیہ السلام کلام اللہ وکلامہ لیس من الحروف والاصوات عند کم قلنا یحتل ان یخلق اللہ تعالیٰ سماعاً لکلامہ ثم اقدره علی عبارة یعبر بها عن ذلك الکلام القدیم ویجوز ان یکون اللہ تعالیٰ خلق فی اللوح المحفوظ کتابتہ بهذا النظم فقراہ جبرئیل حفظ

ویجوز ان یخلق اصواتاً مقطوعۃ لهذا النظم الخاص فتلقفہ جبرئیل ویخلق علماً ضروریاً بانہ ہوا العبارة المودیۃ لمعنی ذلك الکلام القدیم انتهى وقال القاضی بیضاوی والانزال لقل الشئ من اعلی الی اسفل وهو انما یلحق المعانی بتوسط لحق الذوات الحاکمۃ لها ولعل نزول الکتب الالہیۃ علی الرسل بان یتلقفہ الملائک من اللہ تلقفاروحانیا ویحفظہ من اللوح المحفوظ وینزل بہ فیلقیہ علی الرسول انتہی امام رازی نے کہا ہو کہ جبرئیل علیہ السلام آسمان پر خدا کا کلام سنتے تھے پھر اس کو رسول پر نازل کرتے تھے پس اگر کہا جائے کہ جبرئیل علیہ السلام خدا کا کلام کیونکر سنتے تھے حالانکہ خدا کا کلام تمہارے نزدیک حروف و اصوات سے نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ احتمال ہو کہ خدا اپنے کلام کے سننے کا کوئی طریقہ پیدا کر دے پھر ان کو اس کی قدرت دے کہ وہ اس کلام قدیم کو الفاظ سے تعبیر کریں اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اُس کو لکھ دیا ہو اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پڑھ کر یاد کر لیا اور جائز ہو کہ اس نظم کے لیے اصوات مقطوعہ کو پیدا کر دیا ہو پس اُسے حضرت جبرئیل علیہ السلام یاد کر لیتے ہوں اور علم ضروری پیدا کر دیتا ہو اس بات کا کہ یہی وہ عبارت ہے جو کلام قدیم کو ادا کرتی ہو انتہی اور قاضی بیضاوی نے کہا ہو کہ انزال شے کو اوپر سے نیچے لانے کو کہتے ہیں اور یہ معنی فانی کو بواسطہ اُنکے اٹھانے والے ذات کے لاحق ہوتے ہیں اور شائد کہ رسولوں پر کتب الہیہ اس طرح نازل ہوتے ہوں کہ فرشتے اس کو وحی کی طرح پڑھا کر لیتے ہوں یا لوح محفوظ سے یاد کرتے ہوں اور ان کو لیکر نازل ہوتے ہوں اور رسول

اُس کا القا کرتے ہوں انتہی سوال۔ بدن سے نکلنے کے بعد مومنین اور کفار کی روحیں کہاں رہتی ہیں جواب فتح الغریبین ہے کہ عیالین ایک مقام ساتون آسمان کے اوپر ہے اس عیالین کے نیچے کا حصہ سدرۃ المنتہی سے ملا ہوا اور اوپر کا حصہ عرش کے داہنے پائے سے ملا ہوا ہے نیکوں کی روحیں قبض ہونے کے بعد وہاں رہتی ہیں اور مقربین بارگاہ حضرت رب العزت یعنی انبیا اور اولیا وہاں رہتے ہیں اور عوام صالح کی روحیں آسمان دنیا میں یا آسمان زمین کے بیچ میں یا چاہے زمین میں رہتی ہیں اور جسد کے ساتھ بھی روح کا تعلق باقی رہتا ہے۔ اور ساتویں زمین کے نیچے ایک کالا بدبودار پتھر ہے ابلیس درودوسرے شیاطین جب اذکار و انوار سے بہا گئے ہیں وہیں جاتے ہیں کفار فجار کی روحوں کو قبض ہونے کے بعد پہلے آسمان تک لیجاتے ہیں آسمان کے نگہبان فرشتے ان روحوں کے لیے دروازہ نہیں کھولتے اور روحوں کو اُتر نہیں دیتے ہیں پھر ان روحوں کو زمین پر لاتے ہیں جب یہاں بھی کوئی جگہ اُنھیں قبول نہیں کرتی تو ساتویں زمین کے اسی پتھر کے نیچے اس روح کو پہونچاتے ہیں وہاں یہ روحیں طح طح کے غذا ہوں ہیں پھنسی رہتی ہیں وفی خزائن الروایات ناقلا عن العقیدۃ المہینۃ النسفیۃ اما ارواح الانبیاء علیہم السلام فتخرج من جسدہم وتصیر مثل صوۃ کما من المسک والکافور وتكون فی الجنة وتاکل وتنعم وتادی وباللیل الی قنادیل معلقة بالعرش واما ارواح الشهداء فتخرج من جسدہم وتدخل فی اجواف طیر خضر فی الجنة تاكل وتنعم وتادی باللیل الی قنادیل معلقة بالعرش واما ارواح المطیعین من المومنین فی ربض الجنة لا تاكل ولا تمتنع ولكن تنظر فی الجنة واما ارواح العصاة من المومنین فہما ما بین السماء والارض فی الهواء واما ارواح الکفار فہی فی اجواف طیر سود فی السبعین تحت الارض السابعة انتھ وفی العقائد السنیۃ فی منہاج العمال ان ارواح المومنین فی السماء السابعة ینظرون الی منازلہم فی الجنة انتھ اور صاحب خزائن الروایات نے عقیدہ عینیہ نسفیہ سے نقل کر کے لکھا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی روحیں اُن کے جسموں سے نکلتی ہیں اور انکی صورت کے مثل مشک اور کافور سے بن جاتی ہیں اور جنت میں رہتی ہیں اور کھاتی ہیں اور نعمتوں سے حظ اُٹھاتے ہیں اور رات کو قندیلوں میں جو عرش میں لٹکتی ہیں رہتی ہیں

شہد کی روحین جب اُن کے جسم سے نکلتی ہیں تو سب طائر و دُن کے پیٹوں میں داخل ہو جاتی ہیں جو جنت میں رہتی ہیں اور دُبان کھاتی ہیں اور نعمتوں سے حظ اٹھاتی ہیں اور رات کو قندیلوں پر جو عرش میں لٹکتی ہیں رہتی ہیں اور مومن اطاعت کرنے والوں کی روحین جنت میں رہتی ہیں نہ کھاتی ہیں نہ فائدہ اٹھاتی ہیں لیکن جنت کو دیکھتی رہتی ہیں اور نافرمان ہر دار و مومنوں کی روحین آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں رہتی ہیں اور کفار کی روحین سیاہ طائر و دُن جو ف میں داخل ہو کر سجین میں جو ساتویں زمین کے نیچے ہو رہتی ہیں اور صاحب عقائد سنیہ منہاج العمال سے نقل کر کے لکھے ہیں مومنین کی روحین ساتویں آسمان سے اپنے اُن مکانوں کو دیکھتی ہیں جو جنت میں اُن کے لیے ہیں سوال۔ مرنے کے بعد کسی کو جنتی یا دوزخی اعتقاد کرنا چاہئے یا نہیں جواب کسی کے باطن کا حال یا اس کا خاتمہ کیونکر ہوا سوا خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہر لہذا اعتقاد نہ کرنا چاہیے کہ فلاں آدمی جنتی ہو یا دوزخی یہ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص نے جنت میں جانے کے کام کیے اور فلاں شخص نے دوزخ میں داخل ہونے کے اعمال کیے سوال اہل سنت کا عقیدہ ہے الصحابة کلہم عدل یعنی سب صحابی عادل تھے پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ عدالت سے کیا مراد ہے جواب یہ عقیدہ نہ عقائد کی پرانی کتابوں میں ہی نہ علم کلام میں بلکہ اس فقرہ کو محدثین اصول حدیث راویوں کے عادل ہونے کے بیان میں لاتے ہیں جس شخص نے اس فقرہ کو عقائد میں داخل کیا ہو وہ وہیں سے اسکو لایا ہو اور عدالت روایت میں جھوٹ کے قصد سے بچنے کو کہتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام صحابہ متصف بعدت تھے اور حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والسلام پر جھوٹ الزام لگانے کو سخت گناہ جانتے تھے سوال اصحاب کف کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا کیا عقیدہ ہے جواب مشہور اور معتبر ہے یہ ہے کہ اصحاب کف زندہ ہیں اور امام ہمدی علیہ السلام کے ساتھ اُٹھیں گے اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ شب معراج میں جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت اصحاب کف پر گزر کیا اور وہ لوگ آپ پر ایمان لائے پھر سورج سے سوال پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا واجب القبول ہو یا نہیں جواب جو دعا الہام یا امر الہی یا لوازم و متعلقات نبوت سے ہو واجب القبول ہو ورنہ نہیں سوال۔ رافضیوں کو کافر جاننا چاہیے یا مسلمان جواب

یہ مسئلہ اختلافی ہے تحقیق یہ ہے کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر
 فضیلت دین وہ بدعتی ہیں کافر نہیں ہیں اور جو لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی
 خلافت کے منکر ہوں یا انکو خلافت کا مستحق نہ جانتے ہوں یا شیخین کو گالی دینا حلال جانتے
 ہوں انھیں اکثر فقہانے کافر لکھا ہے فی الخلاصۃ والرافضی ان فضل علیا غیرہ فهو مبتدع
 ولوا انکر خلافتہ الصدیق فهو کافر انتھے رافضی اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دوسرے
 خلفاء رضوان اللہ علیہم اجمعین پر فضیلت دے تو وہ بدعتی ہیں اور اگر حضرت صدیق اکبر
 رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔ اور بعضوں نے روافض کو مرتد لکھا ہوا اور
 لکھا ہے کہ انکی توبہ قبول نہوگی اس لیے کہ تقیہ کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور بعض
 فقہاء روافض کے اسلام کے قائل ہیں اور کہتے ہیں جو شخص نص قطعی کا بلاتا دلیل انکار کرے
 اور کہے کہ کو نص قطعی وارد ہوئی ہے مگر میں اسے قبول نہیں کرتا وہ کافر ہے اور جو تہا دلیل نص
 کا انکار کرے اگرچہ وہ تاویل تاویل ہونے کے لائق نہ ہو تو کافر نہوگا جیسے روافض شیخین کو محبوب
 رسول اور خلیفہ رسول سمجھ کر گالی نہیں دیتے بلکہ اُنکے نزدیک حضرات شیخین نہ محبوب رسول
 ہیں نہ خلیفہ رسول سوال۔ ایمان اور کفر کسے کہتے ہیں اور کفر کی کتنی قسمیں ہیں۔ جواب
 اُن چیزوں کی تصدیق کرنا جو رسول لائے ہیں ایمان ہے اور عدم ایمان کفر ہے کفر کی چار قسمیں
 ہیں (۱) کفر جہل یعنی بنی کو جھوٹا جاننا دعویٰ نبوت میں جیسے ابو جہل کا کفر (۲) کفر جود و عناد
 یعنی بنی کو بنی سمجھ کر جھٹلانا جیسے اہل کتاب کا کفر قال اللہ تعالیٰ وجمدوا بها واستیقنتھا
 انفسہم فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اُن سے اُن کے دل منکر ہو گئے
 تا انصافی اور تکبر کی وجہ سے (۳) کفر شک جیسے اکثر منافقین کو تھا (۴) کفر تاویل یعنی
 بنی کے کلام کو غیر محل پر یا تقیہ پر یا مراعات مصالح پر محمول کر کے کافر ہونا سوال فقہاء اس امر
 کے قائل ہیں کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے یا شیخین کو گالی دے وہ کافر ہے اور بعض فقہانے
 معتزلہ کو کافر کہا ہے اور اہل سنت کے قواعد میں سے لایکفر احد من اہل القبۃ ہے یعنی
 اہل قبلہ میں سے کوئی کافر نہیں ہوتا ہے۔ پس اس کے واقعی معنی کیا ہیں۔ جواب
 مولانا شمس الدین خیالی رحمہ اللہ نے اس قاعدہ کی تاویل میں لکھا ہے معنی هذا القاعدة

ان لا یكفر فی المسائل الاجتماعیة اذ لا تنوع فی تكفیر من انكوض وریات الدین اس قاعدے کے معنی یہ ہیں کہ مسائل اجتماعیہ میں کافر نہیں ہوتا کیونکہ منکر ضروریات دین کے کافر ہونے میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس قاعدے میں اہل قبلہ سے وہی لوگ مراد ہیں جو ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور جو ضروریات دین کے منکر ہوں وہ اہل قبلہ ہی نہیں ہیں پس اسکی تکفیر ہو جائے گی۔ سوال ضالہ اور مبتدع فرقے کو نجات حاصل ہوگی یا نہیں جواب اگر ضلال اور بدعت کفر اور انکار ضروریات دین کی حد تک نہ پہنچے ہوں تو نجات کی امید رکھنا چاہیے سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اہل سنت کے علما کا کیا عقیدہ ہے۔ جواب بعضوں نے انھیں کافرا و زاری کہا ہے اور بعض کے نزدیک بیعتی ہیں اور اس میں تین مسلک ہیں (۱) یہ کہ انکی وفات کفر اور شرک ہوئی لیکن سزا نہ پائی گئی اس لیے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء کی بعثت سے پہلے وفات کر گئے قال اللہ تعالیٰ وما کننا معذبین حتی نبعث رسولاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تک ہم رسول نہیں بھیج لیتے کسی گروہ پر عذاب نہیں کرتے (۲) یہ کہ انکی وفات کفر اور شرک پر ہوئی لیکن پھر زندہ کیے گئے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لائے (۳) یہ کہ ان دونوں نے اپنی عقل سے یا دین ابراہیمی کے استماع سے شرک کی برائی کو جاننا اور توحید کا اعتقاد کر کے بتوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور حضور کی تشریف آوری کی خبر سنے آپ کے ولادت کے انتظار میں رہے اور قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ اگر آپ کی بعثت کے زمانے کو پائیں گے تو ایمان لائیں گے پس گواہان تفصیلی ان حضرات کا ثابت نہیں مگر ایمان اجمالی ثابت ہے اور امام اعظم کو فی رحمۃ اللہ کافرین و والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر دینے جناب کے کائنات علیہ فضل الصلوات والتیمات کے مان باپ نے کفر کی حالت میں وفات فرمائی (۴) کہ دنیا اس مسلک کے منافی نہیں ہو کیونکہ ممکن ہو کہ ایمان تفصیلی نہ پائے جانے کی وجہ سے کفر کا لفظ استعمال کیا ہو سوال شیطاں کا آدمی کے بدن میں تصرف کرنا جسے آسیب کہتے ہیں سچ ہے یا نہیں جواب اکثر فرق اسلام کے نزدیک مسلم ہو اور معتزلہ نے اس میں اختلاف کیا ہے یجب طہر الشیطان من انس کے تحت میں صاحب تفسیر نیشاپوری نے لکھا ہے و اکثر المسلمین

علی ان الشیطان قادر علی الفزع والقتل ولا یذاع بقدر یرا الله تعالیٰ اور اکثر مسلمانوں کا خیال ہے کہ شیطان ڈرانے اور قتل کرنے اور دکھ دینے پر خدا کے قادر کر دینے سے قادر ہے۔ مول انسان مرنے کے بعد انسان کے جسم میں تصرف قتل یا ایذا کے ساتھ کرتا ہی یا نہیں۔ جواب علمائے اہل سنت کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض نے اس تصرف کا انکار کیا ہے اس دلیل سے کہ اگر انسان صالح ہو تو یہ ایذا اسکی صلاح کے منافی ہو اور اگر فاسق یا کافر ہو تو موکلانِ خدا کے ہاتھ سے کیونکر چھوٹ سکیگا جو کسی کو ایذا پہنچائے اور بعض نے اس تصرف کا اقرار کیا ہے مگر اقرار کرنے والوں میں بھی دو گروہ ہو گئے ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان کافر ہو یا مومن ظالم یا ایدینے والا یا باعلان زنا کرنے والا ہو یا مرتد بخیر تائب ہونے کے بعد عالم برنخ میں ارادۃ الہی سے مسخ ہو کے جن ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ جنابت کی حالت میں مرے تو جن ہو کے انسان کے جسم میں تصرف کرتا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اگر چہ انکی امت کا عالم شہادت میں مسخ ہونا مفقود ہے مگر عالم برنخ میں بطریق تغذیب ہو گا اور ایسا نہیں ہے کہ ہر کافر یا ہر بدکار مومن مسخ ہو جائے بلکہ جسے اللہ چاہے گا وہ مسخ ہو جائیگا اور صالح اور اتقیا کو جنابت کی حالت میں مرنے میں مسخ نہیں ہوتے ملامعین نے شرح برنخ میں اس مقام کو بہت تفصیل سے لکھا ہے اور دوسرے فرقے کا قول ہے کہ نہ انقلاب ہوتا ہے نہ مسخ بلکہ موافق قول من تشبہ بقوم فهو منهم (جسے مشابہت کی کسی قوم سے وہ انھیں میں سے ہے) کے جو آدمی جنوں کا کام کرتا ہے اسے عرف میں بھوت کہتے ہیں سوال میزان قیامت کے دن پل صراط پر گزرنے کے بعد کھنچ جائیگا یا پہلے جواب پل صراط پر گزرنے سے پہلے کیونکہ میزان اس پہچان کے لیے ہے کہ کون خبیثی اور کون دوزخی ہے اور مرد و امراط جنت اور دوزخ میں جانے کا وسیلہ ہے اور یہی حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے ان لم تجدینی عند الصراط علی بنی عند المیزان یعنی حضور رومی فداہ نے فرمایا ہے اگر تم مجھے صراط کے قریب نہ پاؤ تو میزان کے قریب ڈھونڈو اسکی مخالفت نہیں ہے کیونکہ حضور کی غرض یہ ہے کہ میں ان تین جگہوں میں سے کسی ایک جگہ میں ضرور ہو گا پس اسکی صورت یہ ہو گی کہ آپ پہلے صراط کے قریب ہونگے جب امت کا گروہ وزن اعمال سے نجات پا کر جنت کی طرف جانے لگے گا راہ میں پل صراط پر پاؤں لڑکھڑائے گا انھیں پہچانے

کے لیے آپ وہاں تشریف لیجائیں گے جب وہاں سے فارغ ہونگے پھر میران کے پاس آکھڑے ہوں گے اور بقیہ امت کو اس دشواری سے چھڑائیں گے جب یہ گروہ پہل صراط طے کرنے لگے گا آپ پھر تشریف لیجائیں گے علیٰ ہذا القیاس چند مرتبہ یہی صورت پیش آئے گی جیسے ہم دنیا میں طرائی یا تقریبوں میں دیکھتے ہیں کہ کام کرنے والے اور امر اکبھی اس کام کے لیے ادھر آتے ہیں کبھی دوسرے کام کے لیے دوسری طرف جاتے ہیں اور یہ آمد و رفت انکی مقتضائے ریاست ہر سوال صحاب مذاہب اربعہ تابعی تھے یا تبع تابعی اور مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب پر عمل کرنا ہر یانہیں۔ جواب۔ امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تبع تابعی ہیں اور امام ابو حنیفہ بعض کے نزدیک تابعی ہیں قال فی التجنیس والمزید صحاح ابی حنیفہ کان من التابعین روى عن عدة من الصحابة انهم صاحب تجنیس فرماتے ہیں اور صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں انھوں نے بہت سے صحابہ سے روایت کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانے میں کئی صحابی زندہ تھے مگر امام صاحب ان سے مل نہ سکے حاصل کلام کا یہ ہے کہ امیر اربعہ نے بڑی کوشش سے مسائل کو قرآن اور حدیث اور اجماع سے نکالا اور جہاں صریح نص نہیں ملی وہاں رعایت شرائط کے ساتھ اجتہاد کیا اور ان میں سے کسی ایک نے یہ نہیں کیا کہ حدیث صحیح کو ترک کر کے اپنی رائے پر عمل کیا ہو اور آپ ہمیں جو تقلید کے کوئی چارہ ہی نہیں جو اور اسی پر اجماع ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب پر عمل نہ کرے فی الاشباہ وما خالف الاہمۃ الاربعۃ مخالف للاجماع وان کان فیہ خلاف لغيرہم فقد صرح فی التقریر ان الاجماع النقص علی عدم العمل بمذہب مخالف للاربعۃ لان صباط مذاہبہم وانتشارہا وکثرة اتباعہم انھیں اشباہ میں ہو اور جو ائمہ اربعہ کے خلاف ہو وہ اجماع کے خلاف ہو اور اگر ان کے علاوہ سب کا اختلاف ہو تو تحریر میں اس کی تصریح ہے کہ اجماع اس بات پر منعقد ہے کہ مذاہب اربعہ کے خلاف مذہب پر عمل نہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کے مذاہب منضبط اور متبعین ہیں جن سوال کا فضل ہو یا مدینہ رزوا اللہ شرفہا الی یوم القیامۃ جواب کہ مدینہ کے افضل ہونے یا مدینہ سے مکہ کے افضل ہونے میں اختلاف ہے جو لوگ مدینہ کو مکہ پر فضیلت دیتے ہیں حدیث کو سند میں پیش کرتے ہیں منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جسکو بخاری اور مسلم نے حضرت انس

سے روایت کیا ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہم اجعل بالمدینۃ
صَعْفٰی مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ اَنْتَھِ لَے المدینہ کو مکہ سے دو چند برکت دے۔ اور وہ حدیث
ہی جسکو شیخین نے حضرت عایشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ فرمایا حضور سرور کائنات
علیہ الصلوٰات والتحیات نے اللہم جب الینا المدینۃ کجنا مکۃ او اشد اَنْتَھِ لَے اللہ
محبوب کر دے ہمارے لیے مدینہ کو جیسا کہ محبوب کر دیا تو نے ہمارے لیے مکہ کو یا اس سے بھی اُنکے
اور جو لوگ مکہ کو مدینہ سے افضل جانتے ہیں وہ بھی حدیثوں کو سند میں لاتے ہیں منجملہ اُن کے
وہ حدیث ہے جسکو ترمذی اور ابن ماجہ نے عبد اللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے
کہ جناب خاتم النبیین صلوٰۃ اللہ وسلامہ الی یوم الدین نے مکہ کے جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ
وَاللّٰہُ اَنْتَ الْخَیْرُ اَرْضِ اللّٰہِ اِلٰی اللّٰہِ وَاحِبِ اَرْضِ اللّٰہِ اِلٰی اللّٰہِ وَلَوْ لَا اِنِّیْ اَخْرَجْتُ مِنْکَ
مَا خَرَجْتُ اَنْتَھِ خُدا کی قسم تو خدا کی زمین میں سب سے اچھی زمین ہے اور خدا کو اُس کی زمین
میں سب سے زائد محبوب ہے اور اگر میں تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔ اور فتح الغزیر میں ہے
ہر شہر میں تمام اقسام کے لوگ ہوتے ہیں اور تجارتیں اور عمارتیں اور عمارتیں اور مساجد وغیرہ
بھی ہوا کرتے ہیں لیکن کعبہ کے سوا کسی شہر میں خدا کا ایسا گھر نہیں ہے جو جان تجلی وائی ہوتی ہو
اور خلق اللہ کی عبادت کا قبلہ سوا کعبہ کے کوئی دوسرا شہر نہیں ہے ان تمام مراتب کے ساتھ
ایک شرف مکہ کو یہ بھی حاصل ہے کہ یہیں حضور روحی فدا ہ پیدا ہوئے اور یہیں مبعوث ہدایت
ہوئے پس یہی شہر اسرار وحی محمدی کا جامع ہے سوالِ نیرید کے حق میں کیسا اعتقاد رکھنا چاہیے
جو اب بعض کہتے ہیں کہ جب نیرید مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہو گیا تو حضرت امام حسین
علیہ السلام پر اسکی اطاعت واجب ہو گئی اور یہ نہیں جانتے کہ باوجود حضرت امام حسین علیہ السلام
کی مخالفت کے امیر ہو گیا تو مسلمانوں کا اتفاق ہی کب ہو ایک جماعت صحابہ اور اولاد صحابہ کی اسکی اطاعت
میں داخل نہیں ہوتی تھی اور جن لوگوں نے اسکی اطاعت قبول کی تھی اُن میں سے بہتوں نے
جب اُسے شمرانی اور تارک صلوٰۃ اور زانی دیکھا تو مدینہ منورہ میں پلٹ آئے اور ہجرت سے
پھر گئے۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا نہ حکم دیا تھا نہ اسپر
رضی تھا اور قتل کے بعد بھی وہ یا اُسکے اہل بیت اس خبر سے خوش نہیں ہوئے غلط ہے قال العلماۃ

الفتا زانی فی شرح العقائد الذہبیۃ والحق ان رضی یزید بقتل الحسین واستبشاشہ
بآلہ و اہانۃ اہلبیت النبی علیہ السلام ما قوا ترمعناہ وان کان تفاصیلہ احاداً تھ
علامہ فتا زانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں اور حق یہ ہو کہ یزید کا امام حسین علیہ السلام کے قتل اور
اسکی بشارت اور اہانت اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہونا ان چیزوں میں سے
ہی جنکے معنی متواتر ہیں اگرچہ تفاصیل آحاد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا
قتل گناہ کبیرہ ہو کفر نہیں ہو اور لعنت کا فردن کے لیے مخصوص ہو اور یہ نہیں جانتے کہ کفر تو
ایک طرف ہو خود ایدہ رسول کیا بڑا نتیجہ کھتی ہے قال اللہ تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ
لنعم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لہم عذاباً مہیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہو جو لوگ اللہ اور اسکے
رسول کو اذیت پہونچاتے ہیں انوبہ خدا دینا اور آخرت میں لعنت کرتا ہو اور ان کے لیے سخت
عذاب مقرر کیا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ یزید کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں ممکن ہو کہ اُس نے اس کفر اور
معصیت سے توبہ کر لی ہو اور توبہ کر کے مرا ہو اسی جانب امام غزالی نے اعیاء العلوم میں میل کیا
ہو۔ جاننا چاہیے کہ احتمال تو بہ احتمال ہی احتمال ہو ورنہ اُس بے سعادت نے ایسا برا کام کیا ہو جو اس
امت میں کسی نے نہ کیا ہو گا حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل اور اہانت اہل بیت کے بعد
مدینہ منورہ کے خراب کرنے کو اور اہل مدینہ کے مار ڈالنے کے لیے لشکر بجا تھا جسکی بدولت
تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہو سکی نہ نماز پھر حرم اور مکہ پر اس نے لشکر کشی کی اور اسی
جنگ کے بدولت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حرم کے اندر شہید ہوئے اور یزید ایسے ہی
مشاغل میں مشغول تھا کہ مر گیا اُسکے بیٹے معاویہ نے ممبر پر کھڑے ہو کر اپنے باپ کی برائیاں کیں
واللہ اعلم بانفی الضائر۔ اور بعض لوگ بیباکانہ اسپر لعنت کرنے کو جاتے جانتے ہیں امام احمد بن حنبل
وغیرہ نے یزید پر لعنت کی ہو اور ابن جوزی نے اپنی کتاب میں سلف سے اُسپر لعنت کرنے کو
نقل کیا ہو اور علامہ فتا زانی نے اُسپر اور اُسکی ساتھیوں پر لعنت کی ہو اور بعض بالکل خاموش
رہے ہیں نہ اُسے اچھا کہتے ہیں نہ بُرا۔ سب سے اچھا مسلک یہ ہو کہ اُس شقی کو ترحم اور مغفرت
سے یاد نہ کرے اور لعنت جو کا فردن کے لیے مخصوص ہو اُس سے بھی اپنے زبان کو آلودہ
نہ کرے کیونکہ باوجود کفر کے شیطان پر بھی لعنت نہ کرنا برا نہیں ہو صاحب قصیدہ المالیہ فرماتے ہیں

ولم یلین یزید ابعد موته بسوی المکثارفی الاعزاء غال: یزید پر مرنے کے بعد تعزیت
میں زیادتی اور عفو کرنے والے کے سوا کوئی لغت نہیں کرتا ہی واولہ اعلم حرره الراجی عفو ربہ
القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجدار اندر عن ذنبہ الجلی والنفی محمد حسن الدلی

کتاب قرآن

سوال قرآن شریف کے رسم خط کے قاعدے سے صیغہ مفرد کے بعد الف لکھتے ہیں جیسے سورہ
رعد میں ہو الیہ یدعوا والیہ مآب اور اسی طرح سورہ جمعہ میں رسولاً یتلو علیہم اور کہیں واو
زائد جیسے اولئک میں اور کہیں یے زائد لکھتے ہیں یہ قاعدہ نحو یوں کے قواعد کے خلاف ہو
پس اسی بدل دینا چاہیے یا جیسا مصحف عثمانی میں ہر باقی رکھنا چاہیے۔ جواب جیسا ہے
ولیس اسی رہنے دینا چاہیے اور بدنام درست نہیں ہو علامہ جلال الدین سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں
القاعدة العربیة ان اللفظ یتکب بحروف هجاء مع مراعاة الابتداء به والوقت علیه وقد
مهد الخاۃ لاصول وقواعد وقد خالفها فی بعض الحروف خط مصحف الامام وقال شہب
سئل مالک هل کتب المصحف علی ما حدثه الناس من الهجاء فقال لا الا علی الکتابۃ الا ولی
رواه الدانی فی المقنع ثم قال ولا تخالف له من علماء الامۃ وقال فی موضع اخر سئل
مالک عن الحروف فی القرآن مثل الواو والالف الا تری ان ینفر اذا وجد فیہ کذلک
قال لا قال ابو عمرو یعنی الواو والالف المزید تین فی الرسم المحدثین فی اللفظ
نحو ولوقال الامام احمد لا یحرم مخالفة خط مصحف عثمان فی واو وباء والف او غیر ذلک
وقال البیهقی فی شعب الایمان من کتب مصحفاً فی بیغ ان یمحافظ علی الهجاء الذی کتبوا فیہ
تلک المصاحف ولا یخالفهم فیہ ولا ینفر ما کتبوا شیئاً فانهم کانوا اکثر علماً وصدق
قلبا ولساناً واعظماً مائة من لا ینبغ ان یظن بانفسنا استداراکا علیہم اتخے عربی کا
قاعدہ یہ ہر کہ لفظ اپنے حروف ہجاء سے لکھا جائے اور ابتدا ووقف کا لحاظ رکھا جائے اور نحو یوں
نے اسکے لیے بہت سے اصول و قواعد بنائے ہیں اور بعض حروف میں خط مصحف امام
ان قواعد کے خلاف واقع ہو اہی اور شہب نے کہا ہر کہ مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا قرآن

لوگوں کے نکالے ہوئے حروف ہجاء کے موافق لکھا گیا ہے پس انھوں نے کہا نہیں بلکہ کتابت کے پہلے طریقہ پر لکھا گیا ہے روایت کیا ہے اسکو دانی فرقیع میں اور علمائے امت میں کوئی انکا مخالفت نہیں ہے اور دوسری جگہ کہا ہے امام مالک سے قرآن میں حروف (مثل واو والفاء) کے متعلق پوچھا کہ اگر وہ اس طرح دینیے خلاف قاعدہ پایئے جائیں تو کیا ان میں تغیر کیا جائیگا انھوں نے فرمایا نہیں ابو عمرو عثمان الدانی نے کہا ہے یعنی واو اور الف زائد خط میں جو لفظ میں نہوں مثلاً اولو امام احمد نے کہا بھی مصحف عثمان کے واو یا الف۔ یا اور کسی حرف میں مخالفت حرام ہے بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے کہ جو مصحف کو لکھے اسے ان ہجاء کا یاد رکھنا جن میں مصحف لکھے گئے ہیں ضروری ہے اور انکی مخالفت نہ کرے اور جو کچھ لکھا ہے اسکو نہ بدے کیونکہ وہ علم میں زائد قلب و زبان کے سچے امانت میں ہمسے کے تھے تو ہر کو اپنے دل سے اُسپر زیادتی کا گمان نہ کرنا چاہیے۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے وقال الکرمانی فی العجائب کانت صورة الفتحۃ فی المخطوط قبل الخط العربی الفاء وصورۃ الضمۃ وواو وصورۃ الکسرۃ یاء الفکتب لا اضعوا بالالف مکان الفتحۃ وایتاء ذی القربی بالیاء مکان الکسرۃ واولئک وضوہ بالواو مکان الضمۃ لقرب عہدہم بالخط الاول اتفقہ کہ مانی نے عجائب میں کہا ہے فتحہ کی صورت خط عربی کے قبل کے خطوں میں الف کی تھی اور ضمہ کی صورت واو کی اور کسرہ کی صورت یا کی پس لا اضعوا میں الف کو فتحہ کی جگہ اور ایتاء ذی القربی میں ی کو کسرہ کی جگہ اور اولئک وغیرہ میں واو کو ضمہ کی جگہ لکھا ہے کیونکہ انکا زمانہ خط اول کے زمانہ سے قریب تھا رسول جو شخص قرآن شریف کے کسی حرف کو دوسرے حرف سے بدل دے یا کم کر دے یا زائد کر دے وہ کافر یا تمہین جو اب کافر ہی فی الشفاء للقاضی عیاض قد اجمع المسلمون علی من نقص من القرآن حرفا قاصدا الذلک او بدلا لم یعرف اخر مکانا زاد فیہ حرفا اخر صالہ یشمل علیہ المصحف الذی وقع الاجماع علیہ واجمع علی انه لیس من القرآن عاملا کل هذا انہ کافراتی قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں مسلمانوں نے اس پر اجماع کر لیا ہے کہ جو شخص قرآن میں قاصدا کوئی حرف کم کرے یا اسکو دوسرے حرف سے بدل کر اسی جگہ لکھ دے یا کوئی اور حرف بڑھا دے جو مجمع علیہ مصحف میں نہیں پایا جاتا ہے اور اُس کے قرآن میں نہونے پر

اجماع ہووہ کافر ہی سوال قرأت صحیحہ کیا ہو اور ضعیف اور شاذ اور باطل کون ہو جواب
ابن جریر نے نشر میں لکھا ہے کہ جو قرأت کسی طریقہ سے بھی عربیت کے موافق ہو یا کسی ایک مصحف
عثمانی سے مطابقت رکھتی ہو اگرچہ احتمالاً ہی ہو اور اسکی سند صحت کو پہنچی ہو تو وہی قرأت صحیح
ہو اسکا انکار درست نہیں ہو خواہ قرأت سبعہ سے منقول ہو یا قرأت عشرہ سے اور جو قرأت اس
شرط ثلثہ کے مخالف ہو وہ ضعیف یا شاذ یا باطل ہو ایسا ہی صاحب اتفاق نے دانی اور
ابوشامہ اور کواشی وغیرہ سے نقل کیا ہے سوال ایک قرأت کو دوسری قرأت سے کسی آیہ یا سورہ
میں ملا دینا مثلاً قرأت حفص کو قرأت ابن عامر سے ملانا درست ہو یا نہیں جواب ابن صلاح
اور نووی نے کہا ہے کہ قرأت سبعہ یا عشرہ میں سے جس قرأت میں پڑھنا شروع کیا ہو تو اولی
یہ ہو کہ اُسی قرأت میں تمام کرے اور اگر ایک پورا جملہ اس قرأت میں پڑھکے دوسرے جملہ کو
دوسری قرأت میں شروع کیا تو بھی جائز ہو اور بعض امیہ نے مطلقاً ایک قرأت کو دوسری قرأت سے
ملا دینے کو منع کیا ہے اور ابن جریر کہتے ہیں کہ اگر دو قراتوں کے ملا دینے سے ایسا کلام پیدا ہو جائے
جو عربیت اور لغت کے اعتبار سے مہمل ہو تو قراتوں کا ملا دینا جائز نہیں ہو جیسے قلیقہ آدم من دبہ
کلمات میں (آدم نے اپنے رب کے کلمات پائے) ابن کثیر کی قرأت کے لحاظ سے رفع کلمات اور
غیر ابن کثیر کی قرأت سے رفع آدم لینے سے کلام مہمل ہو جائیگا اندازہ صورت درست نہیں اور
اگر بہ لحاظ روایت ہو پس جن راوی یا قاری کی قرأت کا التزام کیا ہو وہی پڑھے اگر ملا دے گا
تو روایت میں کذب لازم آئیگا اور یہ ممنوع ہو اور اگر تلاوہ پڑھتا ہو تو ملا دینا جائز ہو اس لیے
کہ سب قرآن ہو ایسا ہی اتفاق میں ہے سوال قرأت سبعہ متواترہ ہو یا مشورہ جواب
بعض قرائتیں حد تو اترا کہ پہنچ گئی ہیں کیونکہ اُلی نقل کرنے والی ایسی جماعت ہو جس کا کذب پر
متفق ہو جانا محال ہو اور ابتدا سے انتہا تک یہی حالت ہو اور بعض قرائتیں مشورہ ہیں کہ رسم عثمان اور عربیت
کے موافق ہیں اور سند بھی صحیح رکھتی ہیں اور قرار میں مشہور ہیں لیکن تو اس کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں
اور قاریوں میں سے کسی نے اُسکو غلط یا شاذ نہیں کہا ہے جیسے وہ قرائتیں جو قرأت سبعہ سے باخلاف
طرق نقل منقول ہیں اور بعض احاد ہیں کہ صحیح سند رکھتی ہیں مگر رسم خط یا عربیت کے مخالف ہیں یا
مشہور نہیں ہو میں ایسا ہی صاحب اتفاق نے ابن جریر سے نقل کر کے لکھا ہے اور یہ ہیں سے

معلوم ہو گیا کہ خبری جزئی قراتین جو ائمہ سبعہ سے منقول ہیں چاہے اُسکے نقل کرنے والا متفق
ہوں یا مختلف متواتر نہیں ہو سکتیں بلکہ جن قراتوں کے نقل کرنے والوں نے بالاتفاق
قرآن سبعہ سے نقل کیا ہے متواتر ہیں اور مختلف الفاظ جو قرآن سبعہ سے نقل ہوئے ہیں متواتر نہیں
ہیں جیسا کہ ابوشامہ نے کہا ہے اور زکشی نے برہان میں لکھا ہے کہ قرات سبعہ کا تواتر فرد سبعہ سے
صحیح ہے مگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر غیر مسلم ہو اور بعض تواتر کے قائل ہیں سوال
شاہی اور تفسیر میں قرات سبعہ متواتر ہوتی ہیں یا نہیں جواب شاہی اور تفسیر میں متواتر
کا التزام نہیں ہے بلکہ قرات مشہورہ بھی ان کتابوں میں بہت درج ہیں اور قرات مشہورہ کا انحصار
اس کتاب میں نہیں ہے اور ائمہ قرات نے جو خمس اس کتاب میں انحصار قرات مشہورہ کا بخوئی کرتا ہے اسکا
سخنی کے ساتھ انکار کیا ہے جیسا کہ اتقان میں ہے سوال جو عالم یا حافظ قرآن عشرہ میں سے کسی
ایک کی قرات پڑھے اُسکو خاطی کہنا درست ہے یا نہیں۔ جواب نہیں کیونکہ جب قرات
عشرہ مشہورہ بسند ثابت ہیں اور صحیح الروایت ہیں تو اُسپر عمل کرنے والے کو خاطی کہنے سے
صحابہ اور تابعین کا خاطی ہونا لازم آتا ہے سوال سورہ یوسف میں جو کہ لاتامنا ہے وہ ہندستان
میں باوہام طرح مشہور ہے اور بعض قاری ساتھ فصل ایک نون کے فون آخر سے صحیح کہتے ہیں امین صحیح
لیا ہے جواب لاتامنا جو سورہ یوسف میں ہے اور صیغہ نفی کا مستکمل مع النیر کے ساتھ ہے باعتبار
ادغام و اظہار کئی احتمال رکھتا ہے (۱) اظہار صحیح یعنی بفک ادغام اور قرآن سبعہ بلکہ عشرہ میں
سے کوئی قاری اس قرات کا قائل نہیں ہے کیونکہ رسم خط کے خلاف ہے اور زیادہ ثقیل ہو جاتا
ہے مگر قراء اربعہ عشرہ میں سے اعمش اور طلحہ نے بفک ادغام باظہار صحیح پڑھا ہے جیسا کہ صاحب مفتاح
رحمانی نے مجمع السور سے نقل کیا ہے اور ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں الادغام فی
کلمتین اتفق علیہ القراء فی لاتامنا انھ لاتامنا میں دو کلموں میں ادغام پر قراء متفق ہیں
اور اتقان میں ہے اجماع الائمة العشرة علی ادغام مالک لاتامنا علی یوسف انھ و سون
اماموں نے مالک لاتامنا علی یوسف میں ادغام پر اجماع کیا ہے (۲) دونوں نون فصل
پر ادغام کے اس طرح پڑھتے ہیں کہ کرکت پہلے نون کی اس طرح اخفا سے ساتھ پڑھی جائے کہ کان
خبرہ ہو اور اسی اخفا کو یطی نے اتقان میں روم سے تعبیر کیا ہے اور صاحب تفسیر نے اسکو

اشمام کہا ہو اور اسی خفا کو اشمام کی حقیقت مان لیا ہو کلہم قرءا تا منا با دغام النون الاول
 فی الثانیۃ و اشمامہما الضم و حقیقۃ الاشمام فی ذلک ان یشار بالحرکۃ الی النون لا بالقصو
 الیہما فیکون ذلک اخفاء لا ادغاماً صحیحاً لان الحرکۃ لا تسکن راساً بل یضعف الصوت
 فیفصل بین المدغم والمدغم فیہ لذلک ہذا قول عامۃ ائمۃنا و ہوا الصواب لنا کذا
 دلالتہ وصحتہ فی القیاس کذا نقل الحقیق الشروانی فی حاشیۃ تفسیر البیضاوی سب نے
 لاتا منا با دغام نون اول و ثانی و اشمام ضمہ پڑھا ہو اور اس میں اشمام کی حقیقت یہ ہو کہ حرکت سے
 نون کے جانب اشارہ کریں نہ کہ عضو سے پس یہ اخفا ہو گا نہ ادغام صحیح کیونکہ حرکت ساکن نہیں
 ہوتی ہر بلکہ آواز ضعیف ہو جاتی ہو اور غم و غم فیہ میں آواز فرق ظاہر ہو جاتا ہو ہمارے عام ائمہ کا قول ہو اور یہی
 صحیح ہو کیونکہ اس کو دلیل قوی ہو اور قیاس کو صحیح بھی سمجھتا ہو ایسا ہی نقل کیا ہو محقق شروانی فی حاشیۃ تفسیر بیضاوی
 میں اور شاطبی نے اپنے قصیدے میں کہا ہو و تا مننا للکل نجھے مفصلاً یعنی تمام قراء سبعۃ تا مننا کو باخفا و
 حرکت نون اول بفک دغام پڑھتے ہیں اور شیخ ابوالبقاع علی بن عبد اللہ بن عثمان بن محمد
 بن احمد بن الحسین القاصح نے قصیدہ سراج القاری المبتدی کی شرح اور تذکرۃ المقرئ
 المفتی میں لکھا ہو خبر ان کل القراء یعنی السبعۃ قرءوا مالک لاتا منا با خفاء حرکۃ النون
 ای با ظہار النون الاولی واختلاس حرکتہا ثم قال مفصلاً یعنی ان الاخفاء یفصل
 احدی النونین عن الآخری بخلاف الادغام انتھے خبر دی گئی ہو کہ تمام قراء یعنی قراء
 سبعۃ نے مالک لاتا منا کو اخفا و حرکت نون سے پڑھا ہو یعنی پہلے نون کو ظاہر کر کے اُسکی
 حرکت کو اڑا کر پڑھا پھر کہا ہو مفصلاً یعنی اخفا ایک نون کو دوسرے نون سے جدا کر دینا
 ہو برخلاف دغام کے اور محقق شروانی نے حاشیۃ تفسیر بیضاوی میں جعبری شارح قصیدہ
 سے نقل کیا ہو کہ حاصل کلام قصیدہ کا یہ ہو کہ تمام ناقلین نے اخفا کو مع فصل کے قراء سبعۃ سے
 نقل کیا ہو اور واقع میں ایسا نہیں ہو کیونکہ اہل عراق اسے خلاف پر متفق ہیں اور مفتاح میں
 اس معرع کے نقل کرنے کے بعد تقریضاً لکھا ہو اور اس وجہ کو اولی کیا ہو جیسا کہ اکثر کما مذہب ہو
 قال الشروانی قال الجعبری شارح القصیدۃ یرید بقولہ اخفاء الحرکۃ واختلاسا
 ومعنی مفصلاً فصل احدی النونین عن الآخری و حقیقۃ الاخفاء و اختلاسا

ابی علی الفارسی ویحوزان بین ولاید غم و غیظ الحركه وهو ان یختلسها ومفهوم هذا البيت ان كلام من النقلة روجه عن السبعة وليس لذلك لاطباق العرب اقيمين على خلافه انهم شروانی نے کہا ہو کہ جبری شایع قصیدہ کہتے ہیں کہ انخار حرکت سے مراد حرکت کا اثر دینا ہو اور مفصلہ کے معنی دونوں نون میں سے ایک کو دوسرے سے علوہ کرنے کے ہیں اور یہی حقیقت اظہار ہو اور یہی ابوعلی فارسی کے قول کے معنی ہیں اور جائز ہو کہ نون ظاہر کیے جائیں اور ادغام نہ کیے جائیں اور حرکت پوشیدہ رکھی جائے یعنی اثر دینا اور اس بیت کا مفہوم یہ ہو کہ ناقصین میں سے ہر ایک نے اس روایت کو قرار سبعمہ سے روایت کیا ہو حالانکہ ایسا نہیں ہو کیونکہ اہل عراق اسکے خلاف پرتفتق ہیں (۳) یہ کہ پہلے نون کو دوسرے نون میں ادغام کر کے باشام ضمہ و عین ادغام کی حالت سے پڑھیں اور اس کو قرار سبعمہ میں سے ابن مجاہد نے روایت کیا ہو اور اسی کو آسانی کی وجہ سے اکثر اہل ادا نے اختیار کیا ہو جیسا کہ مفتاح رحمانی میں ہو اور یہ وجہ تیسیر میں نہیں لکھی ہو اور اس اشہام کی حقیقت یہ ہو کہ دونوں ہونٹھ آپس میں مل جائیں اور فقط عضو کے اشارے سے بغیر آواز نہ کھلے ہوئے نون کے ضمہ کو لب کے اشارہ سے ظاہر کریں اور حرکت پیدا ہونے پائے جیسا کہ شروانی نے جبری شایع قصیدہ سے نقل کیا ہو اور کثر المعانی میں ہو و هذا الاشہام ان تصم شفیتك من غیر صوت انتھ اور اشہام یہ ہو کہ دونوں ہونٹوں کو بغیر آواز نہ کھلے ہوئے ملا لو اور شاطبی نے قصیدہ میں کہا ہو ع و ادغم مع اشہام البعض غنم اور ادغام کی روایت کی ہو مع اشہام کے بعضوں نے قرار سبعمہ سے اور ابن قاضی نے اس قصیدہ کی شرح میں لکھا ہو ثما خبر ان بعض الاداء کا بن مجاہد ادغم النون الاولى فی الثانیۃ مع اشہام الضم غنم ای عن السبعة وهذا الوجه ليس فی التیسیر وهذا الاشہام کلاشہام المسبق فی الوقت وهو ضم الشفتین من غیر احداث شئی فی النون انتھ یہ خبر دی گئی ہو کہ بعض اہل ادا (مثلاً ابن مجاہد) نے نون اولی کی نون ثانیہ میں ادغام کی روایت مع اشہام ضمہ کے قرار سبعمہ سے کی ہو اور یہ وجہ تیسیر میں نہیں ہو اور یہ اشہام مثل پہلے اشہام کے ہو و تھ میں اور وہ ہونٹوں کا ملا لینا ہو بغیر کسی نون کی آواز کے (۴) یہ کہ پہلے نون کو دوسرے نون میں ادغام کر کے فقط صریح ادغام کے ساتھ بغیر اشہام اور اشارہ ضمہ کے پڑھیں قرار سبعمہ میں سے

ابو جعفر نے اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ اتفاق میں ہے اور یہ صورت بھی تیسیر میں نہیں ہے اور صاحب مفتاح رحمانی نے لکھا ہے قراۃ سبعہ نے لاتا منا میں ادغام محض اس لیے نہیں کیا ہے کہ لائے نہیں سے جو حرف جازم سے التباس نہ ہو جائے مگر صاحب سراج القاری لکھتے ہیں کہ بغیر اشہام کے صریح ادغام بھی قراۃ سبعہ کی قراءت ہو عبارتہ ہکذا و فی کلام الناظم اشارۃ الی وجہ ثالث وهو الادغام الصریح بدون اشہام لاند لما قال وادغم مع اشہام البعض عنہم دل علی ان البعض ادغم من غیر اشہام فہذا ثلثۃ اوجہ قراءۃ کل واحد من السبعۃ و ہذا الوجہ الثالث لیس فی التیسیر ایضا ونص ابن حبارۃ علی الاوجہ الثلثۃ انکی عبارت یہ ہے اور ناظم کے کلام میں اشارہ ہے تیسیر کے طریقہ کے جانب اور وہ ادغام صریح ہے بغیر اشہام کے کیونکہ جب اس نے کہا وادغم مع اشہام البعض عنہم تو اس نے دلالت کی اسپر کہ بعض نے ادغام کیا ہے بغیر اشہام کے پس یہ تین وجہیں ہیں اور ہر ایک کی قراءت قراۃ سبعہ سے ہے اور تیسری وجہ تیسیر میں بھی نہیں ہے اور ابن حبارہ تینوں وجہوں پر دلیلین لائے ہیں۔ احاصل جو لوگ لاتا منا با وادغام صریح بغیر اشہام اور روم کے پڑھیں انھیں ملامت نہ کرنا چاہئے سوال قرآن شریف کے ختم کے وقت سورہ اخلاص کا تین مرتبہ پڑھنا مستحسن ہے یا نہیں۔ جواب مستحسن ہے شرح فیہ میں ہے قراءۃ قل هو اللہ احد ثلاث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنہا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو الیثامہذا شیء استحسنہ اہل القرآن وایمۃ الامصار فلا بأس بہ الا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزیدہ علی مرۃ الختم قرآن کے ختم کرتے وقت قل هو اللہ احد کا تین مرتبہ پڑھنا بعض مشائخ نے مستحسن نہیں جانا ہے اور فقیہ ابو الیثامہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسے اہل قرآن اور ائمہ نے مستحسن جانا ہے پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر یہ کہ ختم اگر فرض نماز میں ہو تو ایک مرتبہ سے زائد نہ پڑھے سوال تفسیر جلالین میں ہے کان مزاجہما متزج بہ کافور اس شراب کا مزاج یعنی جس میں وہ ملائی جاتی ہے کافور ہے اور صاحب کمالین لکھتے ہیں یرید انداسم کا لام لما یولق بہ انتھ اس سے یہ مراد ہے کہ یہ اسم ہے جیسے امام مایو تم بہ کے معنی میں ان عبارتوں کی توجیہ کیا ہے کیونکہ یہ تفاسیر متداولہ کے خلاف ہیں جو اب مزاج معنی میں مایمزج بہ الشئ کے لغت اور تفسیر کی کتابوں میں ہے تفسیر الکواشی

مذاجھا ما تمزج بہ انتھ شرب کا مزاج وہ ہے جس سے وہ ملائی جائے۔ اور محمد بن ابی بکر رازی نے تفسیر
 غرائب القرآن میں لکھا ہے مزاج الشواب ما تمزج بہ انتھ شرب کا مزاج وہ ہے جس سے وہ ملائی جائے اور صاحب
 فیوضات الہیہ لکھتے ہیں المدراج ما یمزج بہ انتھ مزاج وہ ہے جس سے وہ ملائی جاتی اور تفسیر کشاف میں ہے
 مذاجھا ما تمزج بہ انتھ شرب کا مزاج وہ ہے جس سے ملائی جاتی اسی طرح قوام ما یتقام کا لٹنے کے معنی میں
 مستعمل ہے جیسا کہ فیوضات الہیہ میں ہے اور ختام ما یتختم بہ کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ تفسیر کواشی میں ہے اور اس بات کی حیرت
 کہ مزاج اسم الکھرب کا تبت حاضر میں میری نظر سے نہیں گذری مگر اس وزن پر آنے والے دوسرے الفاظ
 کا شمار اسم کہ میں کیا گیا ہے مرضی شرح شافیہ میں ہے وجاء الفعل ایضا اللآلۃ کا لختیا طو
 النظام اور فعال بھی آگے کے لیے آیا ہے جیسے خیاط اور نظام اسم کہ ہیں۔ اور اسم کہ کی توفیر
 بھی اس لفظ پر صادق آتی ہے اور عینی شرح شافیہ میں لکھتے ہیں ہوا اسم مشتق من فعل یستعان
 بہ فی ذلک الفعل انتھ وہ اسم ہے جو فعل سے مشتق ہوتا کہ اُس سے اس کام میں مدد لی جائے
 اور جار بردی نے شافیہ کی شرح میں لکھا ہے ال لہ کل اسم اشتق من فعل اسماء ما یستعان
 بہ فی ذلک الفعل کا مفتاح فاند اسم ما یفتح بہ وقد یطلق علی ما یفعل بہ اذا کان
 مما یستعان بہ فی المعنی کا محلب انتھ آگے ہر وہ اسم ہے جو فعل سے مشتق ہو نام ہو اس
 چیز کا جس سے اُس فعل میں مدد لی جائے جیسے مفتاح اس لیے کہ وہ نام ہے اُس چیز کا جس سے شئی
 کھولی جائے اور کبھی اُس پر بھی اطلاق ہوتا ہے جس میں کام کیا جائے جبکہ ان چیزوں میں سے ہر جن سے
 مدد لی جائے مثلاً محلب۔ ان وجہ سے مزاج کو اسم کہ کہہ سکتے ہیں۔ سوال اگر قرآن شریف
 کا تلاوت کرنے والا ایک ایک آیت یا ایک ایک رکوع پڑھتا جائے اور فارسی یا اردو میں
 ترجمہ کرتا جائے تو اس سے کلام باری میں کلام کی شکریت ہوتی ہے یا نہیں اور اگر شکریت ہوتی
 ہے تو کیا حکم ہے جواب جبکہ اُس کا مقصد فقط قرآن پڑھنا ہی نہیں ہے بلکہ اُس کے معانی کا سمجھنا ہی
 تو کوئی حرج نہیں۔ سوال اگر کوئی شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھے اور پڑھنے والے
 کے ادھر ادھر جو لوگ بیٹھے ہیں وہ کسی وجہ سے کان لگا کر نہ سنیں یا دنیاوی کاموں میں بھنسے
 ہونے کی وجہ سے نہ سن سکیں تو کیا ایسی صورت میں پڑھنے والے کو چپکے سے پڑھنا لازم ہوگا
 یا نہیں بشرطیکہ اُسے چپکے سے پڑھنا لازم ہو مگر وہ چپکے سے نہ پڑھے تو کیا حکم ہے جواب سہلین ہے

قرآن شریف کا سننا فرض ہے اگر لوگ کاموں میں پھنسے ہوں اور قرآن شریف کے سننے کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں تو پڑھنے والے کو چاہیے کچھ سے پڑھے اور بلند آواز سے پڑھکے حاضرین کو کنکار بنانے کا باعث نہ ہو علامہ فقاری زاوہ نے الاتباع فی مسئلۃ الاستماع میں لکھا ہے فی المخطط بکرة رفع الصوت بقراءة القرآن عند المشتغلین لان فیہ منہ غیرہ عن شغلہ محیط میں ہے قرآن شریف کے پڑھنے میں آواز بلند کرنا مشتغلین کے پاس کر وہ ہو کیونکہ اس میں غیر کو اُسکے شغل سے روکنا ہے وفی شرح التحفة لقلا عن ظہیر الدین الترمذی لا یقرأ القرآن جمل عند المشتغلین بالاعمال لما فیہ من قطعہم عن الأعمال او ترک الاستماع وفی المنہیۃ امرأۃ لعزل فی البیت لیس لاحد ان یقرأ القرآن عندہا جمل انتھے لخصا اور شرح تحفین ظہیر الدین ترمذی سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ کاموں میں مشغول ہوں اُنکے سامنے قرآن شریف زور سے نہ پڑھا جائے کیونکہ اس میں یا تو انھیں کاموں سے روکنا ہے یا قرآن نہ سننا اور منہیہ میں ہے جو عورت گھر میں سوت کاتتی ہو اُسکے پاس زور سے قرآن شریف پڑھنا کسی کو جائز نہیں ہے انتھی لخصا و اسد اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبدالحی تجا وز اسد عن ذنبہ الجلی واخفی۔ اصواب من اجاب واسد اعلم بالصواب حررہ محمد رحمت اسد عفی عنہ۔

باب البختہ

سوال۔ بی نکاحی عورت جو مرجاتی ہے جنت میں کسکو دیجائے گی جواب جسے وہ پسند کرے گی اُسکے ساتھ نکاح ہو جائے گا اور اگر انسانوں میں سے کسی کو وہ پسند نہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ جو عین میں سے ایک مرد کو پیدا کرے اُسکے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دے گا غائب میں ہے ولومات قبل ان یتزوج تخیرا یضآن رضیت بآدمی زوجت منہ وان لم ترض فאלله یخلق ذکر امن الحور العین فیزوجھا منہ انتھے اور اگر شادی ہونے سے پہلے کوئی عورت مرجائے تو اُسے بھی اختیار دیا جائے گا چاہے تو کسی آدمی سے راضی ہو جائے اور اُسکے ساتھ شادی کرے اور اگر نہ راضی ہو تو خدا اُسکے لیے جو عین سے ایک مرد پیدا کرے اُسکے ساتھ اسکی شادی کرے گا سوال جس عورت نے دنیا میں ایک شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے

سے شادی کی ہو وہ جنت میں کسکو دیجائے گی جواب بعض کے نزدیک اس عورت کو اختیار دیا جائے گا ورنہ میں سے جسکو پسند کرے گی اُسکے پاس رہے گی اور بعض کہتے ہیں کہ شوہر خیر کو دیجائے گی غرائب میں ہو اختلاف الناس فی المروءۃ التي یكون لها زوجان فی الدنیا لا یحکمون فی الآخرة قیل تکلون لآخرهما وقیل تغیر فتختار ایہما شاء انتھے اور لوگوں کا اختلاف ہوا ہے اُس عورت کے متعلق جسکے دنیا میں دو شوہر ہوں کہ وہ آخرت میں کسکو ملے گی بعضوں کے نزدیک دوسرے شوہر کو ملیگی اور بعضوں کے نزدیک اُسے اختیار دیا جائیگا جسکو چاہے اختیار کرے۔ سوال حضرت آدم علیہ السلام جس جنت سے نکالے گئے ہیں حساب و کتاب کے بعد مومنین اُسی جنت میں داخل کیے جائیں گے یا کسی اور جنت میں اور قبر میں جنت اور دوزخ کی جو کھڑکیاں ہوتی ہیں اسی جنت کی کھڑکیاں ہیں یا کسی اور کی ان امور کا اعتقاد رکھنے والا کیسا ہو اور اُسکے اعتقاد کو قرآن اور حدیث سے مطابقت ہے یا نہیں

(۱) جنت دو قسم کی ہو (۱) صغریٰ (۲) کبریٰ صغریٰ جبل یا قوت پر ہو اسکو جنت برزخ بھی کہتے ہیں (۲) کبریٰ میں قیامت کے بعد مستحقین داخل ہونگے اور وہ بالفعل اللہ کے علم میں ہو۔ (۲) حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام جس جنت سے نکالے گئے ہیں وہی جنت البرزخ ہی قیامت کے بعد لوگ اُسکے علاوہ ایک اور جنت میں جسکا نام کبر ہے وہ داخل کیے جائیں گے (۳) قبر میں جنت اور دوزخ کی جو کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں یہ بھی جنت و نار صغریٰ کی کھڑکیاں ہیں کبریٰ قیامت سے پہلے کسی کو نہیں مل سکتی ہو المصوب سیکڑوں حدیثوں سے یہ امر بلاشبہ ثابت ہے کہ جس جنت میں حساب و کتاب کے بعد اہل اسلام داخل ہونگے وہی جنت ہے جس میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام رہے تھے اور بسبب گناہ صادر ہونے کے جہان سے زمین پر بھیجے گئے تھے اور اسی جنت کا دیرپہ قبر میں کھولا جاتا ہے اور اُسکا مقام ساتویں آسمان پر ہو ولقد راہ نزلة اخرى عند سدرۃ المنتهى عند حاجۃ الماویٰ اور بیشک اس فرشتے کو دیکھا تھا ایک بار اور یہی سدرۃ المنتہی کے پاس اسکے نزدیک جنت آرا نگاہ ہے۔ اور جہنم بھی ایک ہے جسکا مقر فی الحال ساتویں زمین کے نیچے ہے اس میں کفار بطور غلو دے اور اہل اسلام فساق داخل ہونگے اور اسکا دیرپہ قبر میں کفار کے واسطے کھلتا ہے اور سوا اُسکے

دوسری جنت کا قرآن و احادیث و آثار صحابہ و کتب علمائے شریعت سے نشان نہیں معلوم ہوتا ہے اور یہ اعتقاد کہ جنت و نار دو قسم کے ہیں اور مسکن حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا جنت البرزخ میں تھا اور دیکھ قبرین اُس جنت و نار سے جو مرقن و انس بعد حساب کے ہونگے نہیں کھولا جاتا ہے بلکہ صفی سے جمالت ہی بلکہ بعد وضوح و لائل ضلالت ہی ان یہ قول بعض اہل کشف سے منقول ہے مگر چونکہ قرآن و حدیث کے بالکل مخالف ہے بالضرورة خطا کشفی پر محمول ہوگا اور بمقابلہ آیات و احادیث و آثار کہ جن میں جبل یا قوت کا پتہ نہیں اور نہ نار و جنت صفی کا صراحتہ یا اشارہ مذکور ہے ہرگز مسموع نہ ہوگا اور شاید اگر ایسے عقیدہ رکھنے والے کو اشتباہ عبد الوہاب شعرائی کے خاتمہ میزان کبرے سے واقع ہو کہ اُس میں یہ قوم ہے ثم اعلم یا اخی ان الجنة التي كان فيها آدم ليست بالمجنة الكبرى المدخوة في علم الله كما قد يتبادر الى الاذهان وانما هي جنة البرزخ التي فوق جبل ايا قوت كما قاله اهل الكشف الخ پھر جان تو لے میرے بھائی کہ وہ جنت جس میں حضرت آدم علیہ السلام تشریف رکھتے تھے جنت کبریٰ جس کا علم خدا ہی کو ہے نہیں ہے جیسا کہ ذہنون میں آتا ہے بلکہ وہ جنت برزخ ہے جو جبل یا قوت پر ہے جیسا کہ اہل کشف نے کہا ہے۔ تو اس کا رفع یوں سمجھنا چاہیے کہ خود شعرائی کے نزدیک یہ قول معتبر نہیں ہے اور نہ یہ قول جملہ اہل کشف کا ہے بلکہ بعض کا ہے خود شعرائی اپنی تالیف کتاب الیواقیت و الجواہر فی بیان عقائد الاکابرین لکھتے ہیں المجتہ الاولی والسبعون فی بیان ان الجنة والنار حق وانما مخلوقتان قبل خلق آدم علیہ السلام كما تقدم بسطه فی المجتہ الثاني من الكتاب فی حدود العالم و ذکرنا هناك ان خلق الجنة والنار متاخر عن خلق الدنيا بتسعة الاف سنة ولذلك سميت الجنة بالأخرة لتاخر خلقها عن خلق الدنيا وهما مخلوقتان مهيان لاصحابهم قبل خلقهم وزعم اكثر المعتزلة انها يخلقان يوم الجزاء و دلینا علیہم النصوص الصریحہ الصحیحہ الدالہ علی انهما مخلوقتان قبل يوم الجزاء فتقوله تعالى عدت للفقین واعدت للكافرين وقصة آدم و حواء واسکاتهما الجنة و اخرجهما منها ونحو ذلك کحدیث یفتح للمومن فی قبره کوة ینظر منها الی الجنة و یدخل علیہ من روحها و ینعمها و یفتح للكافر کوة الی نار فیدخل علیہ من حرها و یموت

وحدیث لما خلق الله الجنة عدن بیده وولی فیہا ثمارها وشفق فیہا انهارها قال لہما
 فکلما فکالت قد افلح المؤمنون رواہما البخاری وغیرہ وقولہ صلے اللہ علیہ وسلم
 رأیت الجنة والنار فی عدة احادیث وكان الشیخ حمی الدین ابن عربی یقول الجنة والنار
 مخلوقان لکنہما لا یکمل بناؤہما الا بانتہاء الدنیا والقضاء زمن التكلیف فہما بمنابة
 سور الدار الذی بناہ الملک ثم بعد ذلك یشق الجدران ویبنی حتی ینتہی البناء
 لاخمسائینیاں من اعمال الملکفین من خیرا وشر فمن نظر الی السور من خارج قال ماغ
 من بنائہما ومن دخل السور وجدہما ناقصتین بقدر ما بقی من اعمال الملکفین فی ہذہ
 الدار ویدل علی ذلك حدیث ان الجنة عذبة الماء طيبة التربة وانھا قیعان وغیرہا
 سبحان اللہ والحمد للہ ولا آلہ الا اللہ واللہ اکبر الحدیث فان القیعان ہی التی لا بناء
 فیہا ولا شجر وفي الحدیث ایضا من صلے کل یوم ثنتی عشر رکعة نبی اللہ لہ بیتا فی الجنة
 ومن قال سبحان اللہ غرس لہ شجرة فی الجنة انتھی ای کلام ابن عربی وقال الخریطی
 لیست الجنة التی اخرج منها آدم ہی الجنة الکبری المدخر فی علما اللہ تعالی فان تلك لا یصح
 فیہا معصية لادم لکونھا حضرة اللہ الخاصة التی لا حجاب فیہا وانما هی الجنة البرزخ التی هی فوق
 جبل الیاقوت فالجنة الکبری لا یدخلها الناس الا بعد انتہاء الحساب والمرور علی
 الصراط قل وجنة البرزخ ہی التی تری فی الدنیا وکذلک نار البرزخ فانہ صلے اللہ
 علیہ وسلم قال رأیت الجنة والنار فی مقامی هذا و ذکر انہ رأى عمرو بن یحیی الذی
 حبیب السوائب فی النار ورأی المرأة التی حبست الهرة حتی ماتت جوعا ومعلوم
 ان هؤلاء لم یدخلوا النار الکبری الی الآن وانما هو محبوسون فی البرزخ کذا اقتلا
 فلیتأمل ویجرب انھہ یبحث اکثر وین اس بیان میں کہ جنت و نار حق ہین اور وہ حضرت
 آدم علیہ السلام سے قبل پیدا کی گئی تھیں جیسا کہ اسکی وضاحت کتاب حدیث عالم کی بحث
 ثانی میں گذری ہے اور وہاں ہنے بیان کیا ہو کہ جنت و دوزخ دنیا کی پیدائش کے نو ہزار برس
 بعد پیدا کی گئی ہین اور اسی وجہ سے جنت کو آخرت کہتے ہین کیونکہ اسکی پیدائش دنیا کے
 بعد ہے اور وہ دون اپنے اصحاب کے لیے اُنکے قبل سے مہیا اور پیدا کی گئی ہین اور اکثر متقدم

نے گمان کیا ہو کہ وہ دونوں قیامت کے دن پیدا کی جائیں گی اور ہماری دلیل انصوص صحیحہ صحیحہ
ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت و دوزخ قیامت سے پہلے پیدا کی گئی ہیں مثلاً خدا کا فرمان
اعدت للمتقين اور اعدت الکافرين اور قصہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا
اور انکا جنت میں رہنا اور اس سے نکالا جانا اور انکے مثل مثلاً یہ حدیث کہ مومن کے لیے سبکی
قبر میں ایک کھڑکی کھودی جاتی ہے جس سے وہ جنت کی طرف دیکھتا ہے اور اس پر جنت کی
نعمتیں اور خوشبوئیں نازل ہوتی ہیں اور مثلاً یہ حدیث کہ جب اللہ نے جنت عدن کو
اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اُس میں پھل اُگائے اور نہرین جاری کیں پس اُس سے کہا کہ بول
سو وہ بولی کہ فلاح پاگئے ہیں ایمان لانے والے ان دونوں کو بخاری وغیرہ نے روایت
کیا ہے اور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں فرمایا ہے کہ میں نے جنت
اور دوزخ کو دیکھا ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی کہتے تھے کہ جنت اور دوزخ پیدا کی گئی ہیں لیکن
انکی بنا کامل نہ ہوگی تا وقتیکہ دنیا کی انتہا نہ ہو جائے اور تکلیف کا زمانہ نہ گزر جائے پس وہ
دونوں بہتر نہ اُس گھر کی چار دیواری کے ہیں جسے بادشاہ نے بنایا ہو پھر اُس کے بعد دیواریں
شق کر دی جائیں اور بنائی جائیں یہاں تک کہ بنا ختم ہو جائے کیونکہ جنت اور دوزخ مکلفین کے
اچھے برے اعمال سے بنائی گئی ہیں پس باہر سے جو چار دیواری کو دیکھے وہ خیال کرے گی
کہ اسکی بنا سے فراغت حاصل ہو گئی ہے اور جو چار دیواری میں داخل ہو گا جس قدر کہ
اس دنیا میں اعمال مکلفین باقی ہیں اُس قدر اُسے ناقص پائے گا اور اسی پر یہ حدیث دلالت
کرتی ہے کہ جنت کا پانی شیرین ہو و مان کی مٹی پاک ہو اور وہ میدان بزرگ ہے و جنت
لگانا اسمین سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ ہے الحدیث اس لیے
کہ میدان وہ ہے جس میں عمارت اور درخت نہ ہوں اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو شخص ہر دن بارہ
کرعتیں پڑھتا ہے خدا اُس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتا ہے اور جسے سبحان اللہ کہا ہو اسکی لیے
جنت میں ایک درخت اُگاتا ہے انتہی کلام ابن العزہی اور خلیلی نے کہا ہے کہ وہ جنت جس میں
سے حضرت آدم علیہ السلام نکالے گئے تھے جنت کبریٰ جس کا علم خدا ہی کو ہے ہمیں ہے کیونکہ اُس
میں حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ کا عا دہ ہونا صحیح نہیں ہے وہ خاص خدا کا حضور ہوتا ہے اور

حجاب نہیں ہوتا ہی بلکہ وہ جنت برزخ ہو جو جبل یا قوت پر ہو پس جنت کہری میں لوگ حساب کے ختم ہونے اور صراط پر سے گزرنے کے بعد داخل ہونگے اور کہا ہو کہ جنت برزخ وہ ہو جو دنیا میں دکھائی دیتی ہو اور ایسا ہی نار برزخ اسلئے کہ جناب رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا ہو کہ میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا ہو اپنی اس جگہ میں اور ذکر کیا گیا ہو کہ اپنے عمر میں سچی کو اور اس عورت کو جس نے بلی کو بند کر رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی دوزخ میں ملاحظہ فرمایا اور یہ معلوم ہو کہ یہ لوگ سوقت تک نار کہرے میں داخل نہ ہوئے تھے بلکہ برزخ میں مجبوس تھے ایسا ہی کہا ہو فلینتامل فی حیراۃ منی۔ اس عبارت سے صاف واضح ہو کہ معتقد شیعہ کا وہی ہو جو معتقد اہل حق ہو اور حضرت محی الدین بن عربی اور مخزومی کا کلام اسکے نزدیک مخدوش ہو کیونکہ یواقیت کے دیباچہ میں شعرائی نے لکھا ہو اعلم یا اخی اننی طالع من کلام اہل الکشف ملا یخفی من الرسائل ومارأیت فی عبادتہم اوسع من عبارة الشیخ محی الدین بن العربی فلذلك شیدت هذا الکتاب بکلامہ من الفتوحات وغیرہا لکنی رأیت الفتوحات مواضع لم افہمہا فذکرہا لینظر فیہا علماء الاسلام وعیققوا الحق ویبطل الباطل ان وجد وہ فلا تظن یا اخی انی ذکرتمہا لکنی اعتقد صحتہا وارضاہا فی عقیدتی کما یقع فیہ المشہورون فی امراض الناس فبقولہم لو کلا انہ ارتضی ذلک الکلام ما ذکرہ فی مؤلفہ معاذ اللہ ان اخالف الجمهور المتکلمین واعتقد صحة کلام من خالفہم من بعض اہل الکشف الغیر المعصوم فان فی الحدیث ید اللہ مع الجماعة ولذلک اقول غالباً عقب کلام اہل الکشف انتم فلیتامل ویمحرو وخذلک ظہار التوقف فی فہمہ علی مصطلح اہل الکلام وکان شیخنا شیخ الاسلام زکریا الانصاری یقول لا یخلو کلام ائمة الصوفیۃ عن ثلاثۃ احوال لانه اما ان یوافق صریح الکتاب والسنة فهذا یجب اعتقاده جزا واما ان ینخالف صریح الکتاب والسنة فهذا یحرم اعتقاده جزا واما ان لا یتظہر لنا موافقہ ولا مخالفتہ واحسن احوالہ الوقف انتم جانو تم لے میرے بھائی کہ میں نے اہل کشف کے بہت سے رسالے دیکھے ہیں لیکن شیخ محی الدین بن عربی کی عبارت سے زیادہ وسیع کسی کو نہ پایا اس لیے میں نے اپنی کتاب کو انکو کلمات سے جو فتوحات یکیدہ وغیرہ میں ہیں مزین کیا لیکن میں نے فتوحات یکیدہ میں بہت سی

عبارتیں ایسی دیکھی ہیں جنکو میں نہیں سمجھا تو میں نے اُنکو ذکر کر دیا ہو کہ علمائے اسلام میں غور فرمائیں اور صحیح کو صحیح رکھیں اور اگر اُس میں باطل کو پائیں تو باطل کو دین پس اس پر بھائی تم یہ نہ گمان کرو کہ میں نے اُنکے کلام کو صحت کے اعتقاد رکھنے یا اپنے خیال میں اُسپر راضی ہونے کی وجہ سے لکھا ہے جیسا کہ انسان کی برائیوں میں غور کرنے والوں کی عادت ہو کہ وہ کہتے ہیں اگر وہ اس کلام پر راضی نہ ہوتا تو اپنی کتاب میں کیوں ذکر کرتا پناہ بخدا اس امر سے کہ میں جہو متکلمین کی مخالفت کروں اور اہل کشف و جو معصوم نہیں ہیں) کے قول کی اتباع کروں جو اُنکے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں ہے اسد کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہو اور اسی وجہ سے میں اکثر اہل کشف کے کلام کے بعد انتہی فلیتائل و یجر اور اُسکے بعد فلیتائل سکے سمجھنے میں توقف ظاہر کرنے کے لیے جیسا کہ اہل کلام کی اصطلاح ہو لکھ دیتا ہوں ہمارے شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کلام ائمہ متین حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو موافق صریح کتاب و سنت کے ہوگا تو اُسکا اعتقاد واجب ہے یقیناً یا صریح کتاب و سنت کے مخالف ہوگا تو اسکا اعتقاد یقیناً حرام ہے یا یہ کہ ہمہ اُس کی موافقت و مخالفت ظاہر نہ ہوگی تو اس صورت میں توقف کرنا اچھا ہے پس جبکہ کلام مخفی اور ابن عربی کا اُنھوں نے نقل کر کے فلیتائل و یجر لکھ دیا تو معلوم ہوا کہ یہ قول اُن کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہوا حاصل تعدد و جنت و نار کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اولہ شرعیہ صحیحہ تو حد پر دلالت کرتے ہیں پس اعتقاد تعدد و کالغو و باطل ہے و اسد اعلم حررہ الراعی عفوریہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجا و زائد عن فیہ الجلی والنفی

محمد عبدالحی
ابو الحسنات

کتاب العلم والعلما

سوال۔ انگریزی علم سیکھنا کیسا ہے جواب لغت انگریزی کا پڑھنا یا انگریزی لکھنا سیکھنا اگر لحاظ تشبیہ و محبت ہو تو ممنوع ہے اور اگر اس لیے ہو کہ ہم انگریزی میں لکھے ہوئے خطوط پڑھ سکیں اور اُنکے کتابوں کے مضامین سے آگاہ ہو سکیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کا خط سیکھنے کے لیے حکم فرمایا اور اُنھوں نے تھوڑے دنوں میں اُسے سیکھ لیا سوال۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا یغنی اللہ

من عبادہ العلماء اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے علما ہی ہوتے ہیں اور آج کل
 بہت سے عالم کچھ خوف نہیں رکھتے اور دنیا کا نہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں پس آیت کے معنی
 کیا ہیں۔ جواب علمائے بے عمل شارع کے نزدیک قبولیت کا درجہ نہیں پاتے اور دراصل
 انکا شمار علما میں نہیں ہو اگرچہ بظاہر عالم ہوں فی تنبیہ الفقیہ ابو الیث عن ابی الدرداء
 قال ویل للذی لا یعلم مروتہ ویل للذی یعلم ولا یعمل سبع مروتات فقیہ ابو الیث بروایت
 ابو درودار اپنی تنبیہ میں لکھتے ہیں اُسپر ایک مرتبہ ہلاکت ہو جو نہیں جانتا ہو اور اُسپر سات مروت
 جو جانتا ہو اور عمل نہ کرتا ہو فی الظہیریۃ وقیل للذی یعلم الناس ولا یفعل بمنزلۃ لاعی
 یضی السراج ولا یستضی بہا ورنظیم یہ میں ہو جو شخص لوگوں کو بتائے اور خود عمل نہ کرے
 اُس اندھ کے مثل ہو جو چراغ جلائے اور خود اُس سے روشنی نہ حاصل کر سکے۔ مگر وہ عامل
 جو شارع کے نزدیک عالموں کے زمرہ میں شمار کیے جاتے ہیں اللہ سے ڈرتے ہیں اور آیت مذکورہ
 میں علما سے علمائے باعمل مراد ہیں۔ مروی ہو کہ کسی نے شعبی رحمہ اللہ سے پوچھا عالم کون ہو
 آپ نے جواب دیا جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ سوال جو عالم غیر مجتہد کہتا ہو کہ میں جو بات قرآن
 میں پاؤنگا اسپر عمل کرونگا اور اگر قرآن میں نہ پاؤنگا تو جو بات حدیث میں پاؤنگا اُسپر عمل
 کرونگا اور اگر حدیث میں بھی نہ پاؤنگا تو جو بات ایئم مجتہدین کے اقوال میں پاؤنگا اور اسپر عمل
 کرونگا اور اگر ایئم مجتہدین کے اقوال میں بھی نہ پاؤنگا تو جو بات حنفی یا شافعی رحمہما اللہ کی فقہ
 میں پاؤنگا اسپر عمل کرونگا اور اسی وجہ سے اپنے کو حنفی یا شافعی کہتا ہو اور اپنی رائے سے
 کسی مسئلہ کا جواب نہیں دیتا اور قرآن اور حدیث کے معانی سمجھنے میں بھی اپنی رائے پر عمل
 نہیں کرتا وہ صواب پر ہے یا خطا پر جو اب ایسا عالم صواب پر ہو بشرطیکہ کامل ہمارت رکھتا ہو
 اور نسخ و منسوخ اور صحیح و موضوع وغیرہ میں تمیز کر سکتا ہو اور علمائے متقدمین کا یہی مذہب
 تھا عارف ربانی عبد الوہاب شمرانی میزان میں لکھتے ہیں سمعت سیدی علیا الخصاص یقول
 اعتقادنا فی جمیع الاکابر من العلماء انہم ماسلوا بعضهم بعضا لا یعلمہم بصحۃ اقوالہم و
 مستنداتہم لا یحسن الظن فیہم من غیر ان یطلعوا علی صحۃ ما وقد تقدم ان بعض اتباع
 المجتہدین وصل الی شہود عین الشریعۃ وقال کل مجتہد مصیب کا بن عبد البر المالکی

والشجرانی تہ المجری وقد صنف ابو محمد کتابا المسمی بالمحیط ولم یفقد فیہ من ذہب وکذلک التیج
عبدالغفر بنی الف کتابا سماه الدرر والمملقۃ فی المسائل المختلفۃ انہی فیہا علی المذاهب الاربعۃ اتفق
میں نے ایمر سید علی خواص سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا اعتقاد تمام کا پر شکا کے بارے میں یہ ہے
کہ ان میں سے بعض نے بعض کو صرف ان کے اقوال ورسند وکتب صحیح وچھوٹکی وجہ سے مانا ہو نہ بغیر
پر مطلع ہوئے محض حسن ظن سے اور یہ اور پر بیان ہو چکا ہو کہ بعض اتباع محمدین شہود و عین تک
ہو صحیح گئے ہیں اور کہا ہو کہ حضرت مدد رستی پر ہو مثلاً ابن عبدالبر مالکی اور ابو محمد جوی اور انھوں نے
کتاب بھی تصنیف کی ہو جسکا نام محیط رکھا ہو اس میں کسی مذہب کی قید نہیں کی ہو اور اسی طرح شیخ
عبدالغفر نے ایک کتاب تصنیف کی ہو جسکا نام الدرر مملقۃ فی مسائل مختلفہ رکھا ہو اس میں پانچ
مذہبوں پر فتویٰ دیا ہے غرض شریعت عز اور اسکے اصول مانتے چشمے کے ہیں اور مذاہب اربعہ
مثل نہروں کے پس جو عالم اصول میرہ اربعہ سے واقف ہو اسے اسکی ضرورت نہیں رہتی کہ کسی ایک
امام کا متبع ہو اور ایسہ کی فقہ کی کتابیں دیکھے ان جو اس مرتبہ پر نہ پہنچا ہو اسے فی زمانہ کسی ایک کا متبع ہونا
ضروری ہو کیا تم فی اہل حدیث تفسیر کا طریقہ نہیں دیکھا ہو کچھ نہ وہ لوگ ایسے اربعہ کے مسائل کو اصول سے آگاہ ہوتے ہیں اور
صحیح کو مستقیم ہو یا نہ ہیں انداز نہیں اسکی حاجت نہیں ہو کہ کتب خلافیات کو کوئیں اور اگر خفی یا شافعی کی فقہ حدیث صحیح کے
خلاف کوئی مسئلہ دیکھتے ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے خلاف علماء مابعد کہ انھیں یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو ہی ہو جو شخص شریعت
سے پورا واقف ہو اسے کتب خلافیات کی حاجت نہیں رہتی اور عناد اس خیال سے تقلید کو ترک
کرنے والا کہ ائمہ نے مسائل خلاف شرع استخراج کیے ہیں گنہ گار ہو گا۔ فانما لکل امری ما ولی واللہ یعلم
ما ظہر و ما ہوی شخص کے لئے وہی ہو جس کی اس نے نیت کی اور اللہ ظاہر اور باطن کو جانتا ہو
سوال جو شخص کثر اذ قاتق کو منالیت کے یا سفر السعادت کو گمراہی کا سبب جانے کیسا ہو جواب
جو شخص ان دونوں کتابوں کو اس وجہ سے گمراہی کا سبب جانے کہ ان میں کتاب دست و اجاع و قیاس
کے موافق مسائل ہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو لانا ہا ان الدین ومن ہا ان الدین فقہا کفر
کیونکہ اس نے دین کی امانت کی اور جس نے دین کی امانت کی وہ کافر ہو۔ تمام فقہا اسکی تصریح کرتے
ہیں علامہ حافظ الدین ہزار ہی اپنے قتادی میں لکھتے ہیں واذنا القی الفتوی علی الارض اوقال عند
سراویۃ الفتوی ردی اوقال ابن چہ شرع است یکفر ولا نہ رد حکم الشرع اتفق جبکہ فتوے

زمین پر پھینک دیا یا فتویٰ کو دیکھ کر کہا یہ رومی ہی یا کہا یہ کون شروع ہو تو کا فر ہو گیا کیونکہ اس نے شرع کا حکم رد کیا۔ اور بھی اگر موجب ضلالت اس لیے جانتا ہو کہ یہ دونوں کتابیں دو بڑے عالموں کی تصنیف کی ہوئی ہیں تو بھی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا کیونکہ توہین علماء کفر ہو۔ علامہ ابن حجر مکی ہندی شافعی نے اسکی تحقیق اپنے رسالہ اعلام بقواطع الاسلام میں اچھی طرح کی ہے اور اگر ضلالت کا سبب ان کتابوں کے مصنفوں کی کم استعدادی سمجھتا ہو تو ان دونوں کا حال سنا جائیے کہ صاحب کنز رئیس الفقہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد الملقب بحافظ الدین نسفی منار اور روانی وغیرہ کے مصنف ہیں اور شامہ میں انکی وفات ہو ان کے بعد والے علمائے ملاح رہے اور کنز الدقائق کو معتبر کتاب اسم باسمی سمجھا کیے علامہ فخر الدین رازی اپنی شرح میں لکھتے ہیں اما بعد فانی لما رأیت المختصر المسمی بکنز الدقائق حسن مختصر فی الفقہ حاد یا لما یتاجر الیہ من الواقعات من لطافہ حججہ و اختصار نظما حببت ان یکون لہ شہرت وسط الخ اور سفر السعادت کے مصنف شیخ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب شیرازی ہیں جنکی وفات شامہ میں ہوئی یہ شافعی المذہب اور زبردست فقیہ تھے حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے انکو آٹھویں صدی کا مجدد مانا ہے انکے تصانیف بڑے نفع دینے والے اور ہدایت کرنے والے ہیں لیکن بعض مسائل میں تعصب بھی کیا ہو اور سفر السعادت میں اکثر اقوال مجتہدین کے مذہب کے خلاف بھی لکھے ہیں اور اسکے خاتمہ میں ابن جوزی کی اقتدا کی ہو اور احادیث صحاح کو لکھا ہو کہ ثابت نہیں ہو میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں جا بجا گرفتیں کیں ہیں پس متدین عالم کو چاہیے کہ اچھے کو برے سے تمیز کر کے حاصل ہو اور محض جاہل کو اس کتاب کی دیکھنے سے روکے مگر مسامحات کی وجہ سے کتب پر ضلالت کا حکم کرنا نہ چاہیے کیونکہ غلطی انسان سے ہوتی ہو دیکھنا چاہیے کہ ابن جوزی نے حدیث میں تعصب صحاح کی حدیثوں کو موضوع کہہ دیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر وغیرہ نے اسکی صراحت کی ہو اور موضوع کو غیر موضوع سے تمیز دلائی ہے۔ سیطرح اکثر حنفیہ نے شافعیہ کے مقابلے میں اور شافعیہ نے حنفیہ کے مقابلے میں تعصب کیا ہے مگر کچھ بھی کسی ایک اور دو سر کو گراہ نہیں کہا ان ماذہبن علماء کو چاہیے کہ عوام کو جو چوہا پیوں کے مثل ہیں بلکہ ان خواص کو بھی جو عوام کے مثل ہیں ایسی بے ادبی کے کلموں سے روکیں اور اگر کوئی شخص کثیر الدقائق کو اس لیے موجب ضلالت جانتا ہو کہ یہ کتاب حقیقی فقہ میں ہو اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں تو وہ شخص گنہگار ہو

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر محض ان قراہی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے تھے۔ عارف ربانی
عبدالوہاب شعرائی میزان کبرے میں لکھتے ہیں۔ اعلیٰ ان هذا الكلام صدر من الجاهل
المتعصب وقد روى الامام ابو جعفر بسنده المتصل الى ابي حنيفة انه كان يقول كذب على الله
وافترى علينا من يقول اننا تقدم القياس على النص واعتقادنا واعتقاد كل منصف في الامام
ابي حنيفة انه لو عاش حتى دوت الاحاديث وبعد رحيل الحفاظ في جمعة من البلاد وظهر بها التورک
كل قیاس لکن لما كانت ادلة الشریع متفرقة فی عصره کثر القیاس فی مذہبه بالنسبة الى الامم
الاخرى وقد صح عند وعن الائمة کلهم اذا صح الحدیث فهو مذہبنا تھے جانتا چاہیے کہ یہ
کلام جاہل متعصب سے صادر ہوا ہو امام ابو جعفر نے بسند متصل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت
کی ہو کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ پر جھوٹ باندھا اور ہم پر ان قرا کیا جس نے کہا کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم
کرتے ہیں ہمارا اور ہر منصف کا امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے یہاں تک کہ
حدیثیں جمع ہو جاتیں اور وہ انکو پاتے تو قیاس کو بالکل ترک کر دیتے لیکن جبکہ شرع کی دلیلین اُنکے
زمانے میں متفرق تھیں تو اُن کے مذہب میں بہ نسبت دوسرے اماموں کے قیاس زیادہ ہوا امام
صاحب اور دوسرے ائمہ سے یہ روایت صحیح ہو کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی ہمارا مذہب ہے اتہی
سوال بحرمین امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی شہادت کا بیان کرنا اور فضائل صبر و محاسن
شہد کا ذکر کرنا اور فوج اور بہن اور دیگر منوعات شرعیہ کی مانع کرنا اور سر الشہادتین کی روایت
کے موافق فضائل استرجاع بیان کرنا اور فضائل عاشورا اور روایات صحیحہ سے بیان کرنا جائز ہی یا نہیں
اور بعض لوگ ذکر شہادت کو حرام کہتے ہیں اور امام غزالی کا قول ورمولوی اسمعیل شہید کے اُس قول کو
جو صراط مستقیم میں ہی دلیل لاتے ہیں کیسا ہی امام غزالی کی عبارت یہ ہی مجرم علی الواعظ وغیر ذلک
الحسن والحسين وهكلياته وما جرى بين الصحابة من التشاجر والخاصة فانه يجهل الى بغض الصحابة
الطغي فيهم تھے واعظ چرچین کی شہادت اور صحابہ کے ورمیانی مناقشوں اور لڑائیوں کا بیان کرنا حرام
ہو کیونکہ یہ صحابہ سے بغض رکھنے اور ان پر طعنہ زنی کرنا باعث ہوتا ہے اور صراط مستقیم کی عبارت
یہ ہی ذکر قصہ شہادت بشرح و بسبب و عقد مجلس کردن باین قصد کہ مردم بشنوند و
تاسفہا نمایند و حسرتہا فراہم آرند و گریہ و زاری کنند ہر چند در نظر

ظاہری جملے دران نظر نہ رہی بلکہ انسانی الحقیقت این ہم مذہب و مکروہ است تا آخر این قول ^{تفسیر} کے ساتھ شہادت کا واقعہ بیان کرتا اور مجلس مقرر کرنا اس لئے کہ لوگ نہیں اور اسوس کے روئے کو بظاہر انہیں ہو گئی الحقیقت یہ بھی بڑا اور مکروہ ہر جواب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے ذکر کی کئی صورتیں ہیں ^۱ یہ کہ واعظ اور حاضرین مجلس باہم کرپن اور اپنے جسم بھاریں با آن افعال شنیعہ کے مرتکب ہوں جو خاص روافض ہیں یہ وعظ اور عقد مجلس حرام ہے علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں وایا کہ تم ایسا کہ ان مشتعل فی یوم عاشوراء عیب عرافضۃ من اللذ والنباحۃ والحنون اذ لیس ذلک من اخلاق المومنین ولا کان یوم وفاته صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذلک و آخری انتھہ ڈرو اور بھڑورو اس بات سے کہ عاشورہ کے دن چھینے جلانے اور سبج کرنے میں جو رافضیوں کی بدعتیں ہیں مشغول ہو کیونکہ یہ باتیں مومنین کے اخلاق میں سے نہیں ہیں ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن اکہبت لائق تھا اور ابو الرجا مختار بن عمرو زاہدی برہان الدین بخاری سے نقل کرتے ہیں غرق القاص ثیابہ فی مقتل الحسین یوم عاشوراء ناسفا علی المصیبة وامرہم بالقیام والتشیع فہل یجب علی الولاۃ ان یذروہ نکتہ بوجہان اللہ منع ذلک انتھہ اور قصہ بیان کرنے والے کا کیر و ن کو بچاڑنا عاشورے کے دن قتل امام حسین کے بیان میں مصیبت پر سبج کر کے اور لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم دینا کیا دایوں پر واجب ہو کہ لوگوں کو اس سے زجر کرپن پس لکھا برہان الدین نے کہ یہ روک دیا جائے ۲، یہ کہ واعظ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا ذکر اخبار موضوعہ اور کا ذیب متداولہ سے بیان کرے اور اپنے وعظ کو اہل سلام کی اہانت سے اور سلف صلح پر اتہام لگانے سے بھرے یہ بھی حرام ہے اور امام غزالی نے جو ذکر شہادت کو حرام لکھا ہے وہ بھی اسی صورت پر محمول ہو جیسا کہ صواعق محرقہ میں ابن حجر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے قال غزالی وغیرہ یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین وحکایاتہ وما جرى مجری بین الصحابة من التشاجر والتخاصم فانہ یہجر علی بغض الصحابة وان لظعن فیہم والطاعن فیہم مطعون طاعن فی نفسہ ودینہ انتھہ کلام الغزالی لخصا وما ذکرہ من حرمة روایۃ قتل الحسن والحسین وما بعد ہما لاینافی ما ذکرہ فی هذا الکتاب لان هذا البیان الحق الذی یجب اعتقادہ من جلالة الصحابة وبراءتہم من کل نقص بخلاف ما یعظہ الواعظ الجہلۃ

فانهم يأتون بالكاذب والكاذبة الموضوعة وهو ما ولا يبينون المحامل والحق الذي يجب اعتقاده
 فيوتعون العاصية في بغض الصحابة وتنقيصهم انهم غزالي وغيره نے کہا ہو کہ واعظ پر روایت قتل
 حضرت حسنین اور صحابہ کے درمیان میں قتل اور لڑائیوں کا بیان کرنا حرام ہو کیونکہ صحابہ سے
 بغض نہ کئے اور ان پر طعن نہ کیا باعث ہوتا ہے اور صحابہ پر طعن کرنے والا مطعون ہوا بنی ذات
 پر اور اپنے دین پر طعن کرنے والا ہر اتنی اور جو کچھ کہ حرمت روایت قتل حسنین کے بابت بیان
 کیا گیا ہو اس کے خلاف نہیں ہے جو میں نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے کیونکہ صحابہ کی بزرگوں کا بیان اور
 ہر نقص سے بری ہونے کا بیان حق ہو اس کا اعتقاد واجب ہے بخلاف اس وعظ کے جو جاہل
 واعظ بیان کرتے ہیں کہ وہ اخبار کا ذہب موضوعہ کو بیان کرتے ہیں اور ان کے محل صحیح اور حق
 واجب الاعتقاد کو بیان نہیں کرتے جس کے بدولت عوام کے دلوں میں بغض صحابہ اور ان کو مراب
 کی کٹی کو پیدا کرتے ہیں اور طحاوی اور رومی مجالس انبار میں لکھتے ہیں القاص الذی یدک الوالتان
 قصة القتل يوم عاشوراء بخرق شيا به وكشف راسه وبامره بالقيام والتشيع فاسف على المصيبة
 يجب على ولاية الدين ان يمتنعوا والمستمعون لا يعدون في الاستماع قال الامام الغزالي وغيرهم
 يحرم على الواعظ وغيره رواية مقتل حسين وحكايات ما جرى بين الصحابة من التشاجر والقتال
 فانه يهيج على بغض الصحابة والظعن فيهم هم وعلا مة تلقى ائمة الدين عنهم وتلقنا عنهم
 فالطاعن فيهم طاعن في نفسه ودينه وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم الله الله في الصحابة
 لا يتخذ وهم غرضا من بعد ان من اجهم فيهم ومن ابغضهم فيهم فبغضه البغض من اذاهم فقد اذى
 الله تعالى فعلى هذا يجب على المؤمن تعظيمهم وفكرهم بالخير وكف اللسان عن الطعن فيهم
 ان بسبب قتل عثمان وقيل حسين بعثت فتن كثيرة وكاذب كثيرة وظهرت اهو او وبن
 وصارت الاكاذب والاهواء لا تزال تزداد انتحى لخصا قصبة بيان کرنے والا جو لوگوں سے قصہ
 قتل يوم عاشوراء کو اپنے کپڑے پہنا کر اور سر کھڑکھڑایا کرے اور انکو قیام کا حکم دے مصیبت پر رنج
 ظاہر کرے تو والیوں پر واجب ہو کہ انکو روک دیں اور سننے والے سننے میں مہذور نہیں ہیں امام
 غزالی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہو کہ واعظ پر روایت قتل حسنین اور حکایت باہمی جنگ و مناقشہ صحابہ
 کا بیان کرنا حرام ہو کیونکہ اس کا نتیجہ صحابہ سے بغض اور ان پر طعن نہی ہے اور ان پر طعن کرنے والا اپنے نفس

اور دین چندانہ کثرت والا ہے اور حضور و مرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت جو میرے اصحاب کے بارے میں خدا سے ڈر و انکو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ جو انکو دوست رکھتا جو وہ میری محبت کی وجہ سے دوست رکھتا ہو اور جو ان سے بغض رکھتا جو وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہو اور جس نے انکو اذیت پہونچائی اُس نے خدا کو اذیت پہونچائی پس بنا برین مومن پر ان کی تعظیم کرنا اور اونکا اچھاائی سے ذکر کرنا اور ان کے بارے میں زبان کو طعنہ زنی سے روکنا واجب ہے کیونکہ حضرت امام حسین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کی وجہ سے بہت سے فتنے اور جھوٹ پھیل گئے ہیں اور بدعتیں اور بہوا و ہوس بڑھ گئی ہیں اور جھوٹ وغیرہ کو برابر ترقی ہوتی جاتی ہے انتہی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام غزالی نے مطلق ذکر شہادت کو حرام نہیں کہا ہے بلکہ اُس ذکر کو حرام کہا ہے جس میں روایت و اہمیت اور مناقشات صحابہ کا بڑے طور سے تذکرہ ہو (۳) یہ کہ روافض کی طرح ذکر شہادت کے لیے مجلس کرنا یہ سبب تشبہ کے مکروہ ہے اسی لیے صاحب جامع الرموز نے لکھا ہوا داد ذکر مقتل الحسين ينبغي ان يدكوا ولا مقتل سائر الصحابة ثم لا يشابهه الروافض كما في العون انتهى اگر امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا ذکر بیان کرنے کا قصد کرے تو پہلے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادتوں کے واقعات بیان کرے تاکہ روافض سے مشابہت نہ ہونے پائے جیسا کہ عون میں ہے اور مولوی اسمعیل رحمہ اللہ کی جو عبارت سوال میں منقول ہے اسی پر محمول ہے کیونکہ عقد مجلس کا لفظ اسی بات پر دلالت کرتا ہے (۴) یہ کہ وعظ اخبار صحیحہ سے بغیر افراط و تفریط کے واقعہ شہادت کو اس طرح بیان کرے کہ جس سے نہ صحابہ کی اہانت ہو نہ اُن کے جانب سے سامعین کو سوؤ ظن پیدا ہو اور روافض کی طرح نہ بدعات کرے نہ دن مقرر کرے و اعظم کی غرض فقط مصائب کا ذکر کرنا ہو اور استرجاع اسپر مشروع ہے صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں قد روی احمد وابن ماجہ عن فاطمة بنت الحسين عن ابيہ الحسين ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مسلم يصاب بمصيبة فيذكوها وان قدم عهدا فيحدث لها الاسترجاع يكتب الله له اجره مثلها يوم اصيب وهذا الحديث رواه الحسين وعنه بنته فاطمة التي شهدت مصره وقد ثبت في علم الله تعالى ان المصيبة بالحسين يذكو مع تقادم العهد فكان من محاسن الاسلام ان تجرى هذه السنة كلما ذكر تلك المصيبة بان يسترجع لها فيكون

للانسان من الاجوال الذی کان لمن استروح يوم اصيب المسلمون بها انتھ اور احمد بن ماجہ نے حضرت
فاطمہ بنت حسین سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ہو کہ حضرت
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ کوئی مسلمان جسے مصیبت پہنچے اور اُسے یاد کرے گو اُسے
بہت عرصہ ہو گیا ہو اور اُس پر استرجاع یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کہے نہیں نہ مگر یہ کہ اللہ لکھتا ہے
اُسکے لیے اجر مثل اُس مصیبت کے اجر کے جو اُس دن اُسکے لیے لکھا تھا اور اس حدیث کو روایت
کیا ہے امام حسین علیہ السلام نے اور اُن سے اُنکی صاحبزادی حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جو معرکہ کربلا
میں حضرت امام علیہ السلام کے ہمراہ تھیں اور یہ ثابت ہو کہ اللہ کو یہ معلوم تھا کہ امام حسین علیہ السلام
کی مصیبت ذکر کی جائے گی باوجود عرصہ دراز گزر جانے کے پس اسلام کے محاسن سے ہو کہ یہ طریقہ
جاری رہی ہو کہ جب یہ مصیبت ذکر کی جائے تو اُس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جائے پس انسان کو
وہ اجر ملے جو اُس شخص کے لیے تھا جس نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اُس دن جس دن کہ مصیبت
پہنچائی گئی مسلمانوں کو اس واقعہ سے انتہی سوال سنن ابی داؤد اور مسند حسن بن سفیان اور مسند
بزار اور معجم اوسط طبرانی اور کامل ابن عدی اور مستدرک حاکم اور علیہ ابو نعیم اور مدخل بیہقی وغیرہ
میں یہ حدیث مروی ہے ان الله یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنة من یجد دلہا امر
بہیما اشد اس امت کے لیے ہر صدی کے شروع میں ایک شخص بھیجتا ہو جو ان امور کو درست کر دیتا ہو
جنہیں اس امت نے مست کر دیا ہو اس حدیث میں راس سے آخر صدی مراد ہی یا شروع
صدی اور ہر صدی کے شروع میں جو مجدد آتا ہو اُسکی کیا پہچان ہے اور پہلی صدی سے اس وقت
تک کون کون مجدد ہوئے ہیں اور مولوی اسماعیل شہید اور سید احمد بریلوی اُنکے پیر مجدد ہو سکتے
ہیں یا نہیں جو اب راس مائۃ سے باتفاق محدثین آخر صدی مراد ہے اور مجددین کے علما
اور شروط یہ ہیں علوم ظاہری و باطنی کا عالم ہو اُسکی تدریس تالیف تدبیر سے عام فائدہ ہو سنن کے
قائم رکھنے میں اور بدعت کے مٹانے میں کو شان ہو اور ایک صدی کے آخر میں اور دوسری صدی
کے شروع میں اُسکے علم کی عالم میں شہرت ہوئی ہو پس اگر آخر صدی کو نپایا ہو یا پامو گرا شائستہ
شہرت میں کو شش نہ کر سکا ہو تو وہ مجدد نہ ہو گا شیخ الاسلام بدر الدین ابدال رسالہ رضی فی نقرۃ
نذہب الاشرع یہ میں لکھتے ہیں - اعلیٰ المجدد اما ہو بقلیۃ الظن ممن عاصرۃ بقرائن احوالہ

ولا انتفاع بعلمه ولا يكون المجد ولا عالم ما بعلمه الا في الدنيا والآخرة وبالطبعة مائة نسخة فاسما فيلک
 فقد يكون واحدا في العالم كله كعبد الله بن عبد العزيز في المائة نسخة في لا اختراجه بالاطلاقه ولا امام
 الشافعي على راس المائتين لاجل المحققين على انه احقر اهل زمانه وقد يكون اثنين وجماعة ان
 لم يحصل الاجماع على واحد بعينه ثم قد يكون في اثناء المائة من جرافة من المجد واما ما كان
 للمجد على راس المائة لا تمام علماء الامم غائبوا اندراس السنين وانظر ان المبعيع فينا ما هو جليل
 الى تجد يد الدين فيما في الله بالخلف عو عن السلف اتجه جانبا جايته كمجد ووه هو جايته معارفين
 بين غالب الفطن هو احوال كقرايين اور علوم كسابقه كالحفاظه اور مجده ووهي اموتها هو علوم ثم
 ما هري وباطني كوجانما هو سنت كادركار اور باعنت كاشانه والابو بغيره هي تمام عالم بين يك
 هي مجد ووه تاي مثلا حضرت عمر بن عبد العزيز عليه السلام هلي صدي بين كيونكه خلافت لسانی اشين
 بين بائي جاني تهي اور جيسه امام شافعي رحمه الله ووهي صدي كس شروع مين كيونكه محققين كاهير
 اجماع هو كوه اپنے زمانه مين سب سے زايه جاننے والے تھے اور كهي ووا وراس سے هي زانته و
 اگر كسي يك پراجماع نهوا اور كهي صدي كس درميان بين ايسا شخص كهي بابا جاتا هو جو مجده و
 فضل هو تاي اور مجد ووهي كس شروع مين اس لي هو تاي هو كعموما اسوقت علماء است تمام هو جاي
 بين اور سستين مٹ جاتي بين اور بدعتين ظاهر و جاتي بين تو اسوقت دين كي تقدير كي ضرورت
 هوتي هي تو اسوقت علماء السلف كس عوض مين خلافت كوتا كرتا هو تاي اور جلال الدين سمولي رقااة الصوف
 شرح سنين ابو وادوين لكته بين قال بن الاثير اخلف العلماء في تاديل هذا الحديث كل واحد
 في زمانه و اشارو الى قائم الذين يجدو للناس دينهم على راس كل مائة سنة وكان كل قائم قدام
 الى مذهب وذهب بعض العلماء الى ان الاولون يحمل الحديث على وجه العموم فان قوله صلى الله
 عليه وسلم من يجد دلها دينها لا يلزم منه ان يكون المبعوث على راس المائة واحدا بل قد يكون
 واحد او قد يكون اكثر فان انتفاع الامم بانفعها وان كان انتفاعا عامي امور الدين فان انتفاعهم
 لغيرهم ايضا اكثر مثل اولي الامر واهل الحديث والقراء والوعاظ واصحاب الطبقات في الزهد
 ينفعون بغيره لا ينفع به الاخر واصل في حفظ الدين حفظ قانون السياسة وشاعة العدل الذي
 به ضبط الرعايات والتهاد ينفعون بالوعاظ والحش على لزوم التقوى والزهد في الدنيا فالاصح

[illegible]

رازی میں دس توین صدی کو محمد تقی الدین بن قتیب العید میں اور آٹھویں صدی کو مجد زین الدین عراقی اور شمس الدین
 جزری اور سراج الدین بلقینی چھم صد میں درون صدی کو مجد جلال الدین عبد الرحمن سیوطی اور شمس الدین سخاوی
 رحمہم مسنونہ و خلاصہ لائبریری اعیان قرن الحادی عشر وغیرہ کے دیگر مسعودیہ ہوتا ہے کہ دسویں صدی کو مجد و شہاب الدین علی
 اور طاعی قاری لکھا اللہ غفرہ میں اور بن احمد اعظم سوال مصافحہ جملات کے وقت مسنونہ پر نہایت کتابت ہو کر ایک ہاتھ سے
 مسنونہ ہوا و جامع ترمذی والی حدیث کو سند میں لانا ہر قیادہ بیدار و مصافحہ قال نعم پس کیا اسکا ہاتھ دوسرے
 اس مصافحہ کو رو اپنے فرمایا ہاں پس کیا اسکا قول صحیح ہو اور مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں جو
 محمد بن قتیبہ کو نزدیک دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہیے جس الابرار میں ہوا المستعان نکون بکتابہ یہ اور نہایت یہ کہ
 مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو یا سہا ہی درختا و جامع الزبور وغیرہ میں ہوا و محمد طبرانی میں ہوا وایت ابو امامہ جو یہ حدیث مذکور
 ہو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصافح المسلمان لا تفرق الکفھما حتی یخضر لھما حضورہ و عالم علیہ السلام
 علیہ السلام فرمایا کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو انکی ہاتھ جدا نہیں ہونے لگے اس وقت کہ انکی گناہ بخش دی جاتے ہیں اس بات
 پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا چاہیے کیونکہ اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہو تو الکفما کی جگہ پر جو کف کی جمع ہو
 کف ہا ستیہ کا لفظ لایا جائے صحیح بخاری میں ہوا و مصافحہ حدیث زید بن المبارک بعد یہ ہاتھ حدیث زید بن مبارک نے اپنے
 دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اس معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے زمانے میں بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا جاری تھا و صحیح بخاری
 میں جو یہ حدیث عبد بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنی بن کفیرہ تشہد کہا
 یطعن السورۃ من القرآن النبیات للہ والصلوات والطیبات الحدیث بخاری رسول خدا علیہ السلام والثناء فی تشہد کیا یا حالانکہ
 میرا ہاتھ انکو دونوں ہاتھوں کے بیچ تھا جیسا کہ کھانہ مجھے سو کہ قرآن النبیات للہ والصلوات والطیبات الحدیث اس بات
 پر دلالت کرتی ہے کہ اس سورتہ مصافحہ جملات کے وقت کیا جاتا ہے اور انہیں یہ بلکہ یہ ہاتھ میں ہاتھ لینا ویسا چھو گیا کہ
 بزرگ چھوٹو کو کوئی چیز تعلیم کرنے کے وقت ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اگر ان بھی لیا جائے کہ اس سے وہی مصافحہ مسنونہ مراد ہوگی
 اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور حضرت ابن مسعود
 کو ایک ہاتھ کا ذکر اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ دوسرا ہاتھ شامل نہ تھا کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کف بمعنی جس مستعمل
 ہوا ہو دیکھتے ہو دونوں ہاتھ مراد لیں گے کہین استعمال عربیہ و آیات قرآن احادیث نبوی میں یہ بات بکثرت پائی گئی ہے و احیاء
 بنابرین جیشون میں خدا باریہ دارد ہوا ہوا بنو ثابت نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا طبعی ثابت ہے بلکہ وہ
 حشر میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے پر عمل میں ہے جسک کوئی اس حدیث نہ پائی جائے جس سے ہر ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا

ثابت ہونے کا اقرار کرتا ہے کہ اگرچہ اس سوال کے تین کہ نفس اور روح ایک شے ہو جسکو تصوف میں کئی تین گزرتی ہے روح
اور نفس ایک ہی شے کو اکثر کتب میں نفس کی مذمت اور روح کی توصیف ہو کیا مراد ہے جس نفس کی مذمت میں ہوا تا روزم فرماتے ہیں
دو چیز ہیں اس میں نفس و روح فرد ہست ہر کو بربا ہا گو دو کم و کاست ہے اور روح کیلئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ روح کردہ نام ہا کردہ
پیشانی و حیرت جام ہا اور کئی تین کہ فلان آدمی کا نفس زندہ اور دل مردہ ہے یا کئی تین کہ نفس کشتی میں بہت کوشش
کرتا ہے مگر کئی تین کہ نفس روح مردہ تو نفس کو مرنے کے بعد ہوا کا بعد خالی کیے کیا باقی رہ سکتا ہے اور اگر نفس روح اور روح بھی ہر تو
دونوں ایک کیونکہ کئی تین کہ در اجتماع ضدین ایک ذات میں کیونکہ ہو سکتا ہے جو اب نفس اور روح ایک چیز ہو اور اوصاف
کائنات ہر احوال کو اختلاف کیوجہ سے ہو اور صوفیہ جو نفس کی بڑی گزرتی ہیں تو نفس انکی مراد ہر شے کی جو کئی تحقیق احیاء
اور کیمیای سرادشت غیر تلب نصوف میں موجود ہے ضرورت کو ملحق احیاء و العلوم کی تھوڑی عبارت لکھی جاتی ہے جس نفس اور
روح اور قلب اعتقل کے معانی معلوم ہو جائیں گے لفظ الاول لفظ القلب ہو بطریق المعنیین حد ہما اللحم الضویری الشکل الموح
فی الجاہل لیس من اللہ والمعنی لیس لہو لطیفہ ربانیتہ روحانیتہ اجمعا القلب الجسمانی تعلق و تعلق اللطیفہ حقیقہ
الانسان وهو ملکہ العالم العارف من الانسان وهو المتخاطب المعائب والمطالب للفظ الثانی الروح وهو یضایط
لمعنیین احدهما جسم لطیف منبعہ تجویف القلب الجسمانی فی نفسہ بواسطۃ الفرقان نورانی سائر اجزاء البدن والاطباء
اذا اطلقوا لفظ الروح ارادہ ہذا المعنی الثانی هو اللطیفۃ العالمۃ المد رکتہ من الانسان هو الذی شرحنا کہ فی حد معانی
القلب ہو الذی ارادہ اللہ بقولہ قل المرء من اورد فی اللفظ الثانی انفس ہو نفسا مشترک بین معانی و تعلق بہنہا منہ مغنیہا
احد ہما انہ ارادہ المعنی الجامع لقوت الغضب ناشعۃ فی الانسان ہذا الاستعمال هو الغالب علی اهل التصوف لانہ یزید
بالنفس الاصل الجامع للمصفات المذمومۃ من الانسان فیقولون لا یمن بحاجۃ النفس کسر الیہ الاشارة بقولہ
علیہ الصلوۃ والسلام احدى عدوک نفسک التی بین جبیک المعنی الثانی ہی اللطیفۃ التی ذکرنا ہا التی ہی بالحقیقۃ
نفس الانسان ذاتہ وکنہا توصف باوصاف مختلفۃ بحسب اختلاف احوالہا فاذا اسکت تحت الامر وراہا الاضطراب بسبب
معارضۃ الشہوات سمیت النفس المطمئنتہ والنفس المطمئنتہ الاول لا یصوّر وجہا الی اللہ فانہا معذرتہ عن اللہ وہی من خیر
الشیطان واذا الیم سکونہا کتہا صارت ملائمۃ للنفس الشہوانیۃ ومعذرتہ علیہا سمیت النفس الملوامۃ وان ترک لاعترا
واذ عنت واطاعت لم یفرض الشہوات صعد الی الشیطان سمیت النفس الامارۃ بالسوء اتجہ لخصا بہا لفظ قلب ہو اور کما اطلاق
وہو منہ سترہا ہر ایک صورتی کل کا گوشت جو ہو کر بائیں جانب کھا گیا ہو اور دوسری بانی روحانی بائیں کی جو اس جسمانی قلب میں ہو
اور یہی لطیفہ انسانی حقیقت ہے اور یہی کمال عالم و عرف ہے اور یہی مخاطب ہوا و سی پر خطاب عتاب کیا جا سکتا اور اسی سے مطالب کیا جا

اور دو سلفظ روح ہوا اور اسکا بھی وہ معنی ملاقات ہوتا ہے ایک جسم لطیف جسکا منبع جوت قلب جسمانی ہوا اور اسی کو بواسطہ رنگوں
تمام اجزاء بدن میں پھیلتا ہوا اور لطیف جسم کا لفظ روح کا اطلاق کر دینا تو اس سے بھی معنی ثانی ملتا ہے یہاں وردہ انسان کا جانور اور
اور ایک کینیڈا لطیف جسم کی شرح ہو تو قلب کو ایک معنی میں کی ہوا اور اسی کو اللہ تعالیٰ بالحق المودعہ امربین سورہ ولایت ہے تفسیر لفظ نفس ہوا
وہ بھی مشترک ہو کہی معنوں میں اور ہماری غرض یہ کہ وہی متعلق ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ معنی ہوں جو انسان میں غرض غلبہ
وہ ہوتے کہ جامع ہیں درہی استعمال ارتقاء و ترقی پر غالب ہو کیونکہ وہ نفس سے وہ اصل مراد ہے یہاں جو انسان کے بڑے صفات کو جامع
ہو پس یہ کہ کئی میں کہ چارہ نفس و کینفس کی ضرورت ہوا اور اسی جانب اس حدیث میں شاید درجہ کے معنی ہیں انحصار
وہ معنوں میں کہ ایک نفس سے چارہ نفس ہوں وہ دونوں پہلو و نگر نہیچ میں ہر دو سے معنی وہ لطیف جسم ہے جسے ذکر کیا جو فی الحقیقہ نفس
ذوات انسان ہوں لیکن احوال کے اختلاف کو مطابق اوصاف مختلفہ سے متصف ہوتا ہے پس جملہ امر کو ماتحت وہ سکون پذیر ہو جائے
اور شہوت کے مقابلہ کی بدولت اسکا اضطراب زائل ہو جائے تو اسی نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور نفس معنی اول کلام جو جمع اسد
کی جانب نہیں ہوتا کیونکہ وہ اسد دور اور شیطان کو گروہی ہوا اور جب اسکا سکون تو نہ تمام ہو لیکن نفس شہوانیہ کی طرف
اور اسے معترض ہو تو اسی نفس لوامہ کہتے ہیں اور اگر اعتراض کو چھوڑ کر شہوات اور دواعی شیطان کا مطیع و نقاد ہو جائے تو اسے
نفس امارہ کہتے ہیں سوال یہ کہ قول اثبات توحید جو دی میں صحیح ہے یا نہیں اور اسکی عقلی یا نقلی دلیل صحیح ہے یا غلط
اسکا قول یہ ہوا اور توحید جو دی کی حقیقت بلاتل عقلیہ و نقلیہ ثابت ہے تفصیل کیلئے تو دفتر چاہئے مختصر ایک دلیل عقلی اور
ایک نقلی لکھ دیتا ہوں عقلی یہ ہے کہ کوئی شیخ غیر اللہ وجود نہیں ہو سکتی کیونکہ حکمت میں ثابت ہو چکا ہے کہ جو وہیں ذات واجب
ہوا و غیرہ جو نہیں مگر عدم تو غیر واجب نہیں مگر عدم و عدم جو وہیں ہو سکتا پس غیر واجب یعنی غیر اللہ وجود نہیں ہو سکتا اور دلیل
نقلی کہ توحید ہے کہ ہر کس کا حاصل یہ ہے کہ ہر اکھین اللہ یعنی ہر موجود عین اللہ ہے اسلئے کہ ہر موجود صمدی کہ ہر اسو طر کہ کہتے ہیں
موجود کو اور معبود اس کہتے ہیں جسکی کوئی عبادت کرے اور عبادت کو تبادلی کہتے ہیں اسی لیے تبادلی کہ عبادت کو عبادت کہتے ہیں جسے
عباد اللہ یا عبادہ ہم ہیٹ کا بندہ رو پیکار بندہ او جب اسکا کوئی تبادلی نہ ہو اور اسے معبود اور اکھین ہوں اسد تعالیٰ کہ قول اللہ و اعلمین ہوا کہ
اکہ کہا بجا اطلاق الہا ہر شیخ پر ہوتا ہے جسکا کوئی تبادلی نہ ہو اور کوئی موجود جو ذات میں ایسا نہیں جسکا کوئی تابع نہیں پس غور کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ ہر موجود صمدی کا کہ ہوا کہ لا الہ الا اللہ ہے ال کہ ہر موجود صمدی کہ ہوا کہ وہ عین اللہ ہے پس ثابت ہوا کہ ہر موجود عین اللہ
جواب نہ دیکھا کہ لازم اولیٰ آخرہ خاطر و تقسط ہوا اسکی ہر تقریر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اسو علم مقول و منقول و توحید
کافی استعدان میں ہر ذرہ ایسی تقریر اس سے نہ صادر ہوئی چند وجہ سے کل تقریر غلط ہے بطویل لکھی تو ایک خرچا ہے مختصر بیان
بجملہ لیا چاہیہ و جملہ یہ کہ زید و دلیل عقلی قائم کی صحبت اسکی مقدمات کو درج اس امر کو کہ کوئی شیخ غیر اللہ کے موجود نہیں

ہو سکتی ہو اور کسی چیز کو سوائے ذات وحدہ لا شریک کے وجود کا حصہ نہیں مل سکتا ہی بلکہ عدم محض ہر چیز کو سوائے
 اللہ کے حاصل ہوا اور دلیل نقلی بعد تسلیم اس کے مقدمات کے نتیجے اس امر کو ہو کہ ہر چیز عین اللہ کی ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ
 موجود ہوا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر چیز عین موجود کی ہوگی وہ بالضرورت موجود ہوگی کیونکہ عینیت میں تشکیک مستلزم
 تشارک وجودی ہو پس اس سے ثابت ہوا کہ ہر چیز موجود ہو پس ایک دلیل تو ثابت عدم محض تمام اشیاء سوا اللہ
 کے ہوا اور دوسری دلیل ثابت وجود جمیع اشیاء ہو دھل ہذا الکاتھاۃ ولتساقط وجہ دوم یہ کہ دلیل عقلی کا
 یہ مقدمہ کہ وجود عین ذات واجب ہو اس سے کیا ملا ہو اگر یہ مراد ہو کہ وجود مصدری جسے بودن اورستی کہتے ہیں
 عین ذات پروردگار ہے تو محض غلط ہے شرح مسلم قاضی مبارک اور حاشیہ قدیمہ وغیرہ کتب منطق و حکمت کے معانی سے
 یہ امر واضح ہوتا ہے کہ عین ذات واجب فلاسفہ کو نزدیک وجود یعنی مابہ الوجودیتہ یہ نہ معنی مصدری اور حسی نے
 معنی مصدری کی حقیقت کا حکم کیا ہو اس کی مراد یہ ہو کہ نشاء انتزاع وجود مصدری واجب عین نفس ذات واجب ہو
 کسی وصف اور حیثیت کو اس میں دخلت نہیں ہو بخلاف ممکنات کے کہ مصداق وجود مصدری ان عین ذات
 ممکنات ہیں بحیثیت استناد الی الجاعل وغیرہ اور یہ مذہب کسی عاقل کا نہیں ہو کہ وجود مصدری میں ذات
 واجب ہو یعنی نہ سجدت اور کیونکہ یہ مذہب کسی عاقل کا ہو سکتا ہو ہر عاقل جس کو ادنیٰ بھی تمیز ہو سمجھ سکتا ہو کہ وجود
 مصدری قبیل انتراعیات سے ہو اور ذات واجب موجودات خارجیہ سے ہو پس اگر یہ دونوں بالکل متحد ہوں
 تو لازم آتا ہو کہ معنی مصدری موجود خارجی ہو جائی یا موجود خارجی عین مصدری ہو جائے و بطرانہ ظاہر علی
 کل عاقل فضلا عن ماہر اور اگر یہ مراد ہو کہ وجود یعنی مابہ الوجودیت عین واجب ہو یا یہ کہ نشاء انتزاع وجود مصدری
 کا نفس ذات واجب ہو تو صحیح ہو مگر مفید مطلب نہیں کیونکہ اس سے اگر ثابت ہو گا تو یہ ہو گا کہ غیر واجب الوجود
 نہیں ہو اور نفس ذات اس کی نشاء انتزاع وجود مصدری نہیں اور اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ غیر واجب معدوم
 محض ہو جائے وجہ سوم یہ کہ دلیل عقلی کا یہ مقدمہ کہ غیر وجود نہیں مگر عدم محض غلط ہے کیونکہ غیر وجود مصدری تمام
 موجودات خارجیہ اور ذہنیہ میں صرف غیریت وجود عدم کے ساتھ خاص نہیں ہو ہر طفل کہیت سمجھ سکتا ہو کہ زید
 و عمرو و بکر و حسن و حار و حجر و شجر و سوا ارض و شمس و قمر وغیرہ جتنی چیزیں خلق خلعت وجود مشاہدہ ہیں سب
 غیر وجود مصدری ہو اور اگر غیر ہوں تو لازم آتا ہو کہ یہ سب عین وجود مصدری ہوں یا عین مابہ الوجودیت ہوں
 اور بطرانہ اس کا ظاہر ہو کہ وجود مصدری انتزاعی غیر موجود خارجی وغیرہ مشاہدہ ہو اور یہ اشیاء محسوسہ موجودہ و چھپاؤ
 یہ کہ نتیجہ مقدمتین مذکور تین کہ غیر واجب نہیں مگر عدم محض باطل ہے ہر گاہ کہ دونوں مقدمہ سابق باطل ہو یا نتیجہ

کے ابطال میں کیا شبہ رہا وچینجیم کہ یہ مقدمہ دلیل عقلی کا کہ عدم موجود نہیں ہو سکتا بھی باطل کی اسوجہ سے کہ عدم موجودات زمینہ سے ہی اور حصہ وجود کا اسکا وعارض ہی جیسا کہ حواشی میرزا بہدین جو شرح موقف وغیرہ پر میں تفصیل تمام مذکور ہو اور اگر عدم موجود نہ تو لامحالہ عدم ہو گا اور عدم عدم مستلزم وجود ہر احوال میں دلیل عقلی کا ہر مقدمہ محض باطل و لغو ہی اگر کتب طوئے حکیمہ سے قطع نظر کر لیں اور کتب مختصرہ متداولہ ہی کو دیکھیں تو بطلان ان سب کا محقق نہ رہی گا وچشم شہید کہ دلیل نقلی کا یہ مقدمہ کہ ہر موجود مصداق اللہ کا جو اسوے کا اندک تو میں معبود کو اور معبود کہتے ہیں اسکو جسکی کوئی عبادت کرے محض لغو ہی اس وجہ سے کہ آلہ نام مستحق عبادت کا ہی نہ ہر ایسی چیز کا جسکی کوئی عبادت حاکمیت سے کرنے لگے جیسا کہ معائنہ کتب لغت سے یہ اوضاع ہر پس مصداق آلہ کا موجودات میں وہی ہو گا جو مستحق عبادت ہوں ہر عبادت کردہ شدہ وچشم شہید کہ یہ نقلی کہ عبادت کہتے ہیں اللہ ہی کو وال ہر علوم شرعیہ و علوم لغویہ کی ناواقفیت پر مطلق تا بعداری معنی عبادت کے نہیں ہیں بلکہ معنی عبادت کے پرستش اور غایت خضوع کے ہیں ہر کس ناکس اس مرتے واقف ہے کہ تا بعداری اور چیز ہی اور پرستش و پرچیز ہی ہاں غیر پرستش پر اطلاق عبودیت کا مبالغہ کیا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ اس دلیل نقلی کا ہر مقدمہ خلاف لغت و عرف و شرع ہی ہر گاہ و دونوں دلیلین مخربین ثبوت دعویٰ نادر ہو گیا۔ سوال۔ ہندوستان جہانگ علی داری اگر نیرنگی ہی دار الحرب ہی یا نہیں اور اگر ہی تو صرف صاحبین کے مذہب کے مطابق یا ابوحنیفہ کے مذہب کے موافق بھی جواب ہندوستان ارا حرب نہیں ہو بلکہ دارالاسلام ہی چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے خواجہ مفتین میں ہر دارالاسلام لا تصیر دار الحرب الا باجراء احکام الشریک فیہا وان یكون متصلا بدار الحرب لا یكون بینہا و بین دار الحرب مصر اخر المسلمین وان لا یبقی فیہ مسلم و ذمی منا بالامان الاول فالاول فاما توجہ ہذا الشرائط لا تصیر دار الحرب ومعنی قولنا ان لا یبقی مسلم و ذمی منا بالامان الاول ان لا یبقی فیہا بمسلم و ذمی منا علی نفسہ الا ہا مان المشرکین و قال اذا اجر و ان فیہا احکام الشریک فانہا تصیر دار الحرب سواء کانت متصلة بدار الحرب اولہ تکن بقی فیہا مسلم و ذمی انا بالامان الاول اولہ یبقی و دار الحرب تصیر دارالاسلام باجراء احکام الاسلام فیہا وان زال غلبۃ اهل الاسلام کذا فی شرح سیر الاصل و فی سیر الاصل لا بی الیسران دارالاسلام لا تصیر دار الحرب مالہ یطل جمع ماصارت بہ دارالاسلام لان الحكم اذا ثبت لعلہ فالبقى من العلة شئ یبقی ببقائہ و فی المنثور دارالاسلام باجراء احکام الاسلام فمالقی علقہ من علائق الاسلام یتدرج جانب الاسلام انتہ دارالاسلام دار الحرب نہیں

ہوتا ہے مگر احکام شرک کے جاری ہونے اور دارالحرب کے اس قدر متصل ہونے سے کہ اسکے اور دارالحرب کے درمیان
کوئی دوسرا شہر مسلمانوں کا باقی نہ رہے اور مسلمان اور کسی امان یافتہ ذمی کے باقی نہ رہتے ہیں جس تک
کہ غیر لفظ نہ پڑ جائیں وہ دارالحرب نہ ہوگا اور ہمارے قول مسلمان اور کسی امان یافتہ ذمی کے نہ باقی رہنے کا
مطلب یہ کہ اُس ملک میں کوئی مسلمان یا ذمی بلا امان مشرکین کے نہ ہو اور صاحبین کتب میں کہ کافر جب احکام
شرک جاری کر دین تو وہ دارالحرب ہو جائیگا خواہ دارالحرب کو متصل ہو یا نہ ہو اُس میں کوئی مسلمان یا امان
یافتہ ذمی باقی ہو یا نہ ہو اور دارالحرب جاری احکام اسلام سے دارالاسلام ہو جائے گا اور اہل اسلام کا غلبہ جاتا رہے ایسا ہی
شرح سیر الاصل میں ہے اور ابو السیر کی سیر الاصل میں ہے کہ دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوتا ہے جب تک وہ تمام باتیں
نہ جاتی رہیں جن سے وہ دارالاسلام ہوا تھا کیونکہ حکم جب کسی علت سے ثابت ہوتا ہے تو جب تک کچھ بھی علت باقی
رہتی ہے شے اُسکے باقی رہنے سے باقی رہتی ہے اور نثر میں ہے کہ ملک دارالاسلام احکام اسلام کے جاری ہونے
پر دولت ہو پس جب تک کہ اسلام سے کچھ بھی تعلق باقی رہے گا جانب اسلام ہی کو ترجیح دی جائیگی۔ اور بزاز میں ہے
قال السيد الامام والبلاد التي في ابدى الكفرة اليوم لا شك انها بلاد اسلام بعد ايضا لها بلاد الحرب
ولم يظهر وا فيها احكام الكفر بل لقضاة مسلمون واما البلاد التي عليها اوال مسلم من جهة هم فيجوز
فيها اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الايامي والا رامل لاستيلاء المسلم عليه
واما البلاد التي عليها ولا تفيجوز فيها ايضا اقامة الجمع والاعياد والقاضي قاض بتراضى المسلمين
وقد تقرر ان بقاء شيء من العلّة يبق الحكم وقد حكمنا بالاخلاف فان هذه الديار قبل استيلاء الكفار
كان من ديار الاسلام وبعد استيلاءهم اعلان الاذان والجمع والجماعات والحكم بمقتضى الشرع والقنوق
والمدريس شائع بلانكثير من ملوكهم فالحكم بانها من دارالحرب لاجهة لانه نظر الى الدراسة والدراية
واعلان بيع الخمر واخذ الضرائب والملوك والحكم من النقص برسم التنازل كاعلان بني قريظة باليهود
وطلب الحكم من لطاعوت في مقابلة محمد صلى الله عليه وسلم في عهده بالمدينة ومع ذلك كانت بلدة اسلام
بلا ريب وذكروا الحلواني انه انما تقصير دارالحرب باجراء احكام الكفر وان لا يحكم فيها بحكم من احكام الاسلام
وان يتصل بدارالحرب وان لا يفتي فيها مسلم ولا ذمی امان الاول فاذا وجدت الشرائط كلها
صادت دارالحرب وعند تعارض الدلائل والشرط يبق ما كان او يتوجه جانب الاسلام احتياطا انتبه
سيد امام نے کہا ہے کہ وہ شہر جو اچکل کافروں کے قبضے میں ہے ہمیشہ دارالاسلام ہی اسکے دارالحرب ہی جائیگی

بعد بھی اگر وہ اس میں احکام کفر جاری نہیں کرتے ہیں بلکہ قاضی مسلمان ہیں اور وہ شہر جن میں ان کے جائزے
 مسلمان والی ہیں ان میں نماز جمعہ و عیدین پڑھنا اور خراج لینا اور قاضیوں کی تقلید کرنا اور نکاح بیگانگان
 درست ہو استیلائے سلم کی وجہ سے اور وہ شہر جن کے والی کافر ہیں ان میں بھی جمعہ و عیدین کی نماز درست
 ہو اور مسلمانوں کے راضی ہوئیے قاضی بھی قاضی ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ علت کے باقی رہنے
 سے حکم باقی رہتا ہو اور نہ ہی بلا خلاف اس بات کا حکم کیا ہو کہ یہ شہر استیلائے کفر سے پہلے دارالاسلام تھے
 اور بعد استیلائے کفر بھی اصلاً ان اذان اور جمعہ و رجاعتوں کا اور شرع کے موافق حکم اور فتوے دتدریس
 بلا انکار بادشاہ شائع ہو پس اس حکم کرنے کی کو وہ دارالحرب ہو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اور شرک بالاعمال
 بیجانا اور خراج لینا اور نکس وصول کرنا اور رسم تار کے توڑنے کا حکم ویسا ہی جو حیدری قریظہ کا اعلان
 بیروت اور طلب حکم کا طاغوت سے بمقابلہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کے زمانہ میں مدینہ منورہ
 میں اور باوجود اسکے بلا شک وہ شہر اسلام تھا اور حلوانی نے کہا ہو کہ دارالاسلام اجراء احکام کفر سے اور
 اسلام کے کسی حکم کے نہ جاری ہونے سے اور دارالحرب سے متصل ہو جانے سے اور کسی مسلمان اور امان
 ذمی کے نہ باقی رہنے سے دارالحرب ہو جاتا ہے پس جب تمام شرائط پائے جائیں گے تو دارالحرب ہو جائے گا
 اور جب شرائط و وائل معارض ہوں تو اپنی اصل پر باقی رہے گا یا جانب اسلام کو امتیاط ترجیح دیجائے گی
 اور عثمانی نے شرح زیادات میں لکھا ہو دارالاسلام انما تصیرو دارالحرب بتلات شرائط احدھا اجرا
 احکام الکفر علی سبیل الاشتہار والثانی ان تكون متاخمة بدارالحرب ی متصلۃ لا یختل بینہما بلکہ
 من بلاد المسلمین والثالث ان لا یبقی فیہا مسلم او فی امان بالامان الاول فشرط ہذا شرائط
 لیكون علما علی تمام القہر والاسبیلۃ اذ دارالاسلام یحفظ لا یتناہ لھا وعندھا تصیرو دارالاسلام
 دارالحرب باجواء احکام الکفر فیہا انتھ دارالاسلام تین شرطین سے دارالحرب ہو جاتا ہو اول جزائے احکام
 کفر باشتہار دوم اتصال دارالحرب سطح پر کہ بیچ میں مسلمانوں کا کوئی شہر نہ واقع ہو سوم کسی مسلمان یا
 امان یافتہ ذمی کا باقی نہ رہنا پس ان شرائط کی شرط لگائی گئی تاکہ پورے ظلم اور استیلائے کی علامتیں پائی جائیں
 کیونکہ دارالاسلام کے لیے دارالحرب کا حکم ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہو اور صاحبین کے نزدیک دارالاسلام
 اجراء احکام کفر سے دارالحرب ہو جاتا ہے اور شرط دوی حاشیہ درمختار میں ہو قولہ باجواء احکام الکفر لھا علی
 الاشتہار ان لا یحکم فیہا بحکم اہل الاسلام ہندیۃ و ظاہر انہ لو اجریہ احکام المسلمین و احکام

احل الشرب کا نکلنا دار الحرب سے قول مصنف کا باجرا احکام الشرب یعنی ہاشمہ احکام شرب کے اجرا اور اہل اسلام کے کسی حکم کے نہ جاری ہونے سے (دار الاسلام دار الحرب ہو جاتا ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ اگر احکام مسلمین و احکام اہل شرب دونوں جاری ہوں تو وہ دار الحرب نہ ہوگا اتنی عبارت سے اور اُن کے اِشال سے واضح ہو کہ دار الاسلام کے دار الحرب ہونے میں یہ شرط ہے کہ احکام کفر علانیہ جاری ہوں اور احکام اسلام بالکل موقوف کر دیے جائیں اور شعائر اسلام و ضروریات دین میں کفار مداخلت کر لیں اور یہ شرط اتفاقی ہو اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اُسکو سوا اور بھی دو شرطیں زائد کی ہیں ایک یہ کہ اس بلدہ میں اور دار الحرب میں کوئی بلدہ ملک اہل اسلام کا باقی نہ رہے دوسری یہ کہ امان اولیٰ ٹھ جائے اور با مان کفار اقامت کی نوبت آئی ہو اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ فقود ہو اسلئے کہ شعائر اسلام میں ہنوز احکام کی طرف سے مداخلت اور مداخلت نہیں ہے اگرچہ اکثر قضایا کفار میں اور طوائف اسلام احکام جاری کرتے ہیں مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں پس ہندوستان امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دار الحرب نہیں ہو سوال ایک شخص جو اچھی طرح صرف و نحو بھی نہیں جانتا اور فقط ترجموں کی وجہ سے اکثر مسائل جانتا ہو مگر کم علمی کی وجہ سے حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا اور نہ صحیح مطالب سے واقف ہو سکتا ہو فقط اس غرض سے کہ حال اُسے عالم سمجھیں اور دام میں پھنسا کر اطاعت کریں مسجد میں وعظ کہتا ہو جس میں ہزاروں غلطیاں ہوتی ہیں اور قرآن و حدیث کے خلاف باتیں بیان کرتا ہو اور اسی صو کے میں ڈال کر بغیر کسی کامل پیری کی اجازت کے لوگوں کو مروی بھی کرتا ہو اور اپنے ذاتی فائدے کے لیے ایک عالم کو وعظ کھنا اور امامت کرنے سے روکتا ہو اور خود امام بنتا ہو اسکے علاوہ موافقت سے میل چل رکھنے کی وجہ سے ذکر میلاد نبوی میں بارادہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر نہیں کرتا اور سنی مذہب کے لوگوں کو روافض کے اتحاد کی وجہ سے بالکل ترک کیے ہوئے ہو عزیمت مردگان و دیگر مہتمم مثل نکاح و شادی میں روافض کو کہنے سے شریک نہیں ہوتا آیا ایسا شخص عند ائمہ گنگا بہی یا نہیں اور اسے شخص کو ایک عالم کی موجودگی میں وعظ کھنا اور امامت کرنا درست ہے یا نہیں اور بغیر پیری کی اجازت کے اُسکا مرید کرنا جائز ہے یا نہیں واضح رہے کہ شخص مذکور طہارت وغیرہ کا بھی پورا پابند نہیں ہے جو اب ایسا شخص گنگا بہوگا اور اُسکو در صورت موجودگی عالم کے امامت اور وعظ کا استحقاق نہیں ہو اور جبکہ اُس شخص میں نامشروع افعال موجود ہیں تو لوگوں کو اُسکے مرید ہونے سے پرہیز کرنا چاہیے سوال یہ ہیں کی مسافت کو بعض علماء اگنیوٹ چمک کر تہمین اور بعض سیراج

حمل کر تو میں اور اربعین فقہین کی مختلف مین پہلے گروہ کی دلیل یہ ہو کہ ریل کو گنہوٹ کے ساتھ بہت زائد نسبت ہو
 اس لیے کہ دونوں مین آگ جلائی جاتی ہو اور دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہو کہ ریل کی مسافت کو اہل سے زیادہ
 مناسب ہو اس لیے کہ دونوں خشکی کی سواریاں مین اگرچہ ریل تیز زائد ہوئی ہو۔ جواب بجز اراق مین ہے
 فی السراج الوہاجہ اذا كانت المسافة ثلاثة ايام ولما لهما باقية المتقاضي البريد سيرا صرا على اقل
 جريا حثيثا فصل في يوهين قصرانته وانما السيران البر والمجلد ان يكون بالابل ووشي الاقدام والمسا
 بالابل انما فلتدون البريد واما السيران في البحر فيقتصر في البحر باليقين وهو ان يكون مسافة ثلثة ايام
 فيه اذا كانت الرياح معتدلة وان كانت تلك المسافة بحيث تقطع في البر يوم كما في الجبل يعتبر كونهما
 من الجبل بالسيران الوسيط ثلثة ايام وان كانت تقطع من طريق السهل يوم واحد والحاصل انہ بقدر انفاذ مین ہی
 طریق اخذ فیہ اتھے مسلح وراج مین ہو کہ جب مسافت تین دن رات کی ہو متوسط سیر سے تو قاصد اگر تیز رفتاری سے
 گیا یا گھوڑے پر تو وسط چال سے چلا پس دونوں مین ہو چکیا تو وہ قصر کرے اتنے اور خشکی اور پہاڑ پر پہلے سے مرادوٹ
 پر یا پاد چلنا ہو اور وٹ سے مراد قافلہ کا وٹ ہو نہ ڈاک کا وٹ اور وہاں کی سیر مین اسکی مطابق اعتبار کیا جائیگا
 یعنی تین دن کی رفتار جبکہ مراد معتدل ہو اور اگر یہ مسافت ایسی ہو کہ خشکی مین یہ مسافت ایک دن مین قطع ہو جائے
 جیسا کہ جبل مین اعتبار کیا جائے گا اسکا ہونا جبل سے باعتبار سیر وسط کے تین دن اگرچہ وہ نرم زمین مین ایک
 ہی دن مین قطع ہو جائے اور حاصل یہ ہو کہ مدت کا اعتبار اس راستہ سے کیا جائے گا جس راستے سے اس نے
 سفر شروع کیا ہی اس عبارت سے اور ایسی ہی اور عبارات فقہیہ سے واضح ہو کہ سیر بری اور بحری ہر ایک مین سیر
 اسی سیر کی بجائے اور دوسری سیر کا اعتبار کیا جائیگا اور اس باب مین سرعت سیر و بطور کا اعتبار نہیں کر
 بلکہ متوسط کا ہو پس ریل اگرچہ گنہوٹ سے مشابہ ہو مگر چونکہ یہ بری اور وہ بحری سواری ہو اس لیے ریل کی سیر
 سیر گنہوٹ کا لحاظ نہ کیا جائیگا سوال۔ نور الانوار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہو کہ تورت اور انجیل منسوخ نہیں
 ہوئے اور شیخ سعدی کے قول سے معلوم ہوتا ہو کہ منسوخ ہو گئیں و نون مین تعارض کیوں ہو جواب تورت
 اور انجیل کے تمام احکام منسوخ نہیں ہوئی ہیں کیونکہ شریعت محمدی مین بعض احکام ملت نبی اسرئیل کے موافق بھی
 ہیں البتہ بہت سے احکام اس شریعت مین منسوخ ہو گئے ہیں قال اللہ تعالیٰ فی صفة نبینا صلی اللہ علیہ
 وسلم یا مرہم بالمعروف ونہیہا عن المنکر و یحیل لہما لطیبات و یحرم علیہما الخبائث و یمنع عنہم اصحاح
 و الاغلال التي كانت علیہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین اللہ تعالیٰ فرماتا ہو وہ اچھے باتوں کا

حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور انکی لیے عمدہ چیزیں حلال اور بری چیزیں حرام کرتے ہیں اور ان کے
 بوجھوں اور قیدوں کو اٹھاتے ہیں سوال بخیاں مصلحت وقت مثلاً روز جمعرات یا شب جمعہ کو ایک جلسہ
 مقرر کیا جائے کہ ہر مفتی کو لوگ جمع ہو کرین اور وعظ بذریعہ قرآن ترجمہ قرآن یا احادیث و مسائل نماز روزہ وغیرہ
 مسائل دینیات کا بیان ہو کرے اور کسی دینی اور دنیاوی معاملہ کا جھگڑا اس میں نہ ہو صرف قرآن اور حدیث
 کا ذکر ہو کرے اس لیے ایک دن صرف اس غرض سے مقرر کیا جائے کہ سب لوگ بغیر اسکے کہ اطلاع دی جائے روز
 معلومہ کو بوقت و مقام معلومہ خود بخود مجلس عظمیٰ میں شریک ہو کرین جیسا کہ دہلی میں وعظ مولوی حفیظ الدخان
 صاحب کا بروز و شنبہ بوقت معین صبح یا وعظ مولوی عبدالباق صاحب کا بروز معینہ جمعہ بمقامات معینہ ہوتا ہے
 اور شوقین بلا اطلاع دینے کے وقت معلومہ پر شریک ہو جایا کرتے ہیں ایسا کرنا گناہ ہی یا نہیں پھر ایسے وعظ میں
 اگر یا مگر می شریعت یا عرف کا پانی یا بیہوشی سے مراد چائے وغیرہ حاضرین کو پلائی جائے اور رسوم جہال کی پابندی کا
 کچھ خیال نہ رکھا جائے تو جائز ہی یا نہیں اس طرح رمضان المبارک کی کسی شب میں بروز ختم کلام مجید حاضرین کو نہایت
 کسی رسوم و رواج کے کھانا کھلانا یا شیرینی تقسیم کرنا یا اسوقت خواہ بوقت افطار شربت پلانا جائز ہی یا نہیں جواب
 یہ سب جائز ہیں اور انکی اصل یہ حدیث ہے جو صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام میں ابو سعید خدری سے مروی ہے قال جاء
 امرأۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ذهب الرجال بحديثک فاجعل لنا من
 نفسک یوما نأتیک فیہ تعلّمنا ما علمک اللہ فقال اجتمعن فی یوم کذا و فی مکان کذا و کذا فاجتمعن
 فاتاھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعملھن مما علمہن اللہ الحدیث حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
 وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اسنے کہا یا رسول اللہ مرد آپ سے حدیثیں حاصل کرتے ہیں پس آپ چار
 لیے ایک دن مقرر فرمائیں جس میں مخصوص ہو کہ اسکی تعلیم دین جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلایا ہے پس حضور سرور دنیا
 علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا کہ جمع ہو اس دن اور اس دن اس جگہ اور اس جگہ پس عورتیں جمع ہوئیں اور
 آپ نے تشریف لاکر انکو وہ سکھایا جو اللہ نے آپ کو سکھایا تھا اور یہی صحیح بخاری کی کتاب الدعوات میں علامہ سے
 مروی ہے عن ابی وائل قال کان عبد اللہ بن مسعود یدکر لنا من فی کل خمیس فقال لہ رجل یا ابا
 عبد اللہ لہن انک ذکرنا کل یوم قال اما انہ یحیی من ذلک انی اکرہ ان املکم وانی اتھولکم بالموعة
 کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتھولنا بھا صحافة السامۃ علینا انتھو وائل سے روایت ہے کہ حضرت
 عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر شنبہ کو وعظ کتے تھے پس اُسے ایک شخص نے کہا کہ تم مجھے روز وعظ

کہا کرو انھوں نے کہا کیا مجھ کو اس سے بیات نہیں کہ کئی کہ میں تم کو مجبور کروں اس پر کہ تم بغیر ہوں یعنی میں روزا سیلے
 وعظ نہیں کہتا کہ کہیں سننے والوں کو دشوار نہ ہو جائے اور میں ناغہ کر کے وعظ اس لیے کہتا ہوں کہ حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے اسی طرح ناغہ کر کے وعظ کیا کرتے تھے مالک کے خوف سے انتہی ان اخبار سے انعقاد
 مجلس وعظ کے لیے تعین مکان و زمان ثابت ہو اور حضار مجلس کو جب وہ ایک مکان پر جمع ہوں رمضان
 میں مجلس ختم میں یا غیر رمضان میں مجلس وعظ میں بلا کا وظر سم و رواج والترمذی و سی و ابہتمام غیر شرعی کوئی
 چیز کہنا نا پائیا یا تقسیم کر دینا بھی درست ہے اہل سنی یہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں کتاب الجہاد میں باب الطعام
 عند القعود میں مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قدم المدینۃ فخر جزوا و بقرۃ اتھے
 جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو اونٹ اور گائے کی قربانی کی اور یہی کتاب
 الاطعمہ میں قصہ عثمان بن مالک میں مروی ہے قال عثمان فذا اعلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 و ابو بکر حین ارتفع النمار فلما جلس حتی دخل البیت فقال ابن عبان املی من بیتک فاشتات فی ناحیۃ
 فقام فاکبر فصغفنا و صلی رکتین ثم سلم فجلسنا علی خزیۃ صنعنا حال الحدیث عثمان نے کہا ہے کہ رسول
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ میرے یہاں آئے جبکہ آفتاب بلند ہو چکا تھا پس نہ بیٹھے یہاں تک کہ گھر
 میں تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں میں نے ایک گوشہ کی طرف
 اشارہ کیا آپ نے وہاں کھڑے ہو کر کبیر کہی پس ہم نے صفت باندھی و رد و رکتیں پڑھیں پھر آپ نے سلام پھیرا اور ہم نے
 آپ کو ایک دسترخوان پر بٹھلایا جو آپ کے لیے بنایا تھا واللہ اعلم سوال اگر شارب نے کسی علت سے کوئی
 حکم بیان کیا بعد مدت کے وہ علت جاتی رہی تو بیٹھا ہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکم باقی نہ رہے چنانچہ ابن عباسؓ نے
 طواف میں رمل کے سنت ہونیکا انکار کیا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے باوجودیکہ زوال علت کا یقین تھا پھر فرمایا کہ جو ہم
 حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کرتے تھے اُسے نہ چھوڑیں گے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ زوال علت
 سے زوال حکم ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو یہ قاعدہ کلیہ ہے یا اسکا کوئی خاص موقع ہے جواب احکام شرعیہ کے
 مناشی و بواعث شرعیہ کے ارتقاع سے احکام کا ارتقاع نہیں ہوتا اور اکثر مناشی علل کے ساتھ مشتبہ ہوتا
 ہیں اسوجہ سے بعض حکام شرعیہ کے بقا و عدم بقا میں اشتباہ ہوتا ہے نظائر اسکے بہت ہیں مجملہ اسکے حکم رمل ہے کہ
 منشا اسکی شرعیہ کا مشرکین کا دفع خیال تھا مگر بعد اس منشا کے ارتقاع کے بھی یہ حکم باقی رہا اسی وجہ سے تحت انواع
 میں بھی رمل کیا گیا باوجودیکہ وہ منشا باقی نہ رہا اور مجملہ اسکے حکم غسل و زجہ ہے کہ بعد ارتقاع اسکے منشا شرعیہ کے جو کہ

سنن ابو داؤد وغیرہ میں مروی ہے باقی رہا اور علل حکام کا ارتقا و ارتقا حکم بالضروریہ ہوگا مگر بد شرط ایک یہ کہ شرعاً
یہ امر ثابت ہو کہ اس حکم کی یہ علت ہو دوسرے یہ کہ یہ بھی معلوم ہو کہ اس حکم کی اسکے سوا کوئی اور علت نہیں ہے
ورنہ ممکن ہے کہ ایک شے معلول لعل شتی ہو پس ایک علت کے عدم سے عدم اُسکا نہ لازم آوے گا اور اگر علت کی علت
قطعی نہ ہو بلکہ اجتہادی ظنی ہو تو اُسکی ارتقاء سے ارتقاء حکم بھی ظنی ہوگا ہذا ہوا الاصل سوال زبان انگریزی
کی تعلیم آیا شرعاً جائز ہے یا ناجائز اور آیا اسکے عدم جواز پر من تشبہ بقوم فهو منہم یعنی جس نے جس قوم کی
مشابہت کی وہ انھیں میں سے ہے استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں اور بعض احادیث میں جو وارد ہے کہ حضرت
سور کائنات علیہ افضل الصلوات والتیمات نے بعض صحابہ کرام کو توریت یا انجیل پڑھتے دیکھ کر اُنکے پڑھنے
سے منع فرمایا آیا اس روایت سے تعلیم زبان انگریزی کا شرعاً ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ جواب نفس
تعلیم زبان انگریزی کا شرعاً جائز ہے کیونکہ موافق علم اصول کے اصل علت ہو پس تا وقتیکہ منع شرعی ثابت نہ ہو
ہر شے شرعاً جائز سمجھی جاوے گی من تشبہ بقوم الخ اور دوسرے روایت سے انگریزی سیکھنا ممنوع نہیں ثابت
ہوتا ہے کیونکہ اس میں تشبہ بالنصارى نہیں ہے اور نہ انگریزی زبان میں توریت و انجیل ہے حررہ اشرف علی
عفا اللہ عنہ ہوا المصوب فی الواقع نفس تعلیم زبان انگریزی شرعاً ممنوع نہیں حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کا حکم کیا جیسا کہ جامع ترمذی وغیرہ
میں مروی ہے اور ملا علی قاری مکی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے کایعرف فی الشرع تفریم علم لغتہ من اللغات
سریانیۃ کانت او عبرانیۃ ہندیۃ کانت او ترکیۃ فارسیۃ کانت او غیر ہا شرع نے نہ مانوں میں سے
کسی زبان کے سیکھنے کو حرام نہیں کیا ہے مگر ہابی ہو یا عبرانی ہندی ہو یا ترکی فارسی ہو یا کوئی اور زبان اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرأت توریت سے منع کرنا اس لیے تھا کہ وہ کفار کی زبان میں ہے بلکہ اس
غرض سے تھا کہ کہیں اس امت کے لوگ قرآن کو چھوڑ کر کتب سابقہ کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں اور اپنی دین
عارف نہ کر دیں اسکی تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے اور حدیث میں تشبہ کو تعلیم زبان سے کچھ علاقہ نہیں ہے
اور ضائع خاصہ و اطوار خاصہ کفار کو طعام و شراب و لباس موشی وغیرہ میں اختیار کرنا داخل تشبہ ہے نہ کسی زبان
کو سیکھنا واللہ اعلم حررہ ابو احسان محمد عبدالحی۔ ابو احسان سوال بجا و تعلیم زبان انگریزی بشمول دیگر
السنین میں علما کا کیا حکم ہے جن کی تعلیم کی غرض سے نواب صاحب بہادر والی صورت نے ایک مدرسہ خاص مسلمانوں
کی تعلیم کے لیے جاری فرمایا ہے ہر چند کہ خاص شہر جاناگڑھ میں کتب گجراتی اردو وغیرہ کے ہیں اور ملائی اسکول بھی

جس میں انگریزی تعلیم عموماً ہندو مسلمان کو موقی ہو جو ہر مگر خاص بغض تحفظ دین و عقائد اہل اسلام نو ابصار
 نے یہ مدرسہ قائم کیا ہے اور ایک متقی پرہیزگار عالم کو اس کا پرنسپل مقرر کیا ہے کہ تعلیم علوم دینی و دنیاوی با حسن و جمہ
 ہو اور خیال دین مقدم ہو جو اب اس طور سے تعلیم زبان انگریزی کی جس میں خیال دین مقدم ہو درست ہے
 شمر کسی زبان کے سیکھنے کی اگرچہ وہ زبان کفار کی ہو مانعت نہیں دارد ہر بلکہ جب ہر کسی مفسدہ کی طرف ہو اور
 اس سے انسان کا طوثر عہد عقائد دینی میں تغلل واقع ہو منع ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بعض
 صحابہ کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کی اجازت دی ہے جامع ترمذی میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی
 ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العلماء السریانیہ وفي رواية امرني ان اتعلم كتاب
 يهود وقال اني ما من يهود على كتاب قال فما مني نصف شهر حتى تعلمته فكان اذا كتب الي يهود كتب
 واذا كتبوا اليه قرأت له کتابہم انتھی مجھے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سریانی سیکھوں اور ایک
 روایت میں ہے مجھے حکم دیا کہ میں یہودی کی کتاب سیکھوں اور فرمایا کہ میں یہودی کسی تحریر سے بخوف نہیں ہوں
 یعنی اُن پر اعتماد نہیں کرتا، انھوں نے کہا کہ نصف ماہ سے کم میں میں نے اسے سیکھ لیا جب یہودی کو خط لکھا
 جاتا تو میں لکھتا اور جب آتا تو میں پڑھتا تھا ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں قبل فیہ دلیل
 علی تعلیم ماہو حرام فی شرعنا المتوقی عن الوقوع فی الشرک کذا ذکرہ الطیبی بل فی ذیل کلام المظہر و هو غیر
 ظاہر ذلک لہم فی الشرع تعویج علم لغۃ من اللغات سریانیہ کانت ادعبرانیہ ہندیہ کانت اتوکیہ
 فارسیہ کانت اوغیرھا لغہ لید من اللغو لا یعنی وہو مذموم عند ارباب الکمال الا اذا ترتبت علیہ
 فائدۃ فیسحب کما استفاد من الحدیث انتھی کہا گیا ہے کہ اس میں دلیل ہے اس چیز کے سیکھنے پر جو ہو کو
 شمر میں پڑنے سے بچانوالی شرع کو نزدیک حرام ہے ایسا ہی ذکر کیا ہے طیبی نے کلام مظہر کے ضمن میں اور یہ ظاہر نہیں
 ہو کہ نہ شرع سے کسی زبان کا سیکھنا حرام ثابت نہیں ہوتا ہے سریانی ہوا عبرانی ہندی ہوا ترکی فارسی ہوا کئی
 اور دوسری زبان۔ ہاں جو بیکار شے ہے وہ تو بھی جائیگی اور یہ ارباب کمال کے نزدیک مذموم ہے مگر جبکہ اس سے
 کچھ فائدہ حاصل ہو تو مستحب ہے جیسا کہ حدیث سے سمجھا جاتا ہے سوال عورتوں کو لکھنا سکھانا جائز یا نہیں جو اجازت
 اہل حدیث اور عبارات فقہاء اور تعامل کا برعلا اس پر شاہدین حیوۃ النبیوان میں ہے اور جو ابوداؤد والحاکم وصحیح
 ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للشفا بنت عبد اللہ علی حفصۃ رقیۃ التملۃ لما علمتها الکتابۃ والنملۃ قرص
 یخرج من الجنب من البدن ورقبہا شئی کانت تستعمل النساء انتھی ابوداؤد والحاکم نے اس کو کالایا ہے اور کسی

تصحیح اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفا بنت عبد اللہ سے کہا کہ حصہ کو نلہ کا نثر سکھاؤ
 جیسا کہ نثر اُنھیں کتابت سکھائی اور نلہ دینے میں جو پہلو میں نکلا کرتے ہیں اور رقیۃ النملہ ایک شے ہے جسکو عورتیں
 استعمال کرتی ہیں اس صحیح روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شفا جو صحابیہ تھیں کتابت میں ماہر تھیں اور حضور روحی
 نے اُنھیں حضرت حصہ کو کتابت سکھانے کے لیے مقرر کیا تھا اور خزانۃ المفتیین میں ہے الحائض والمجنب اذا كانا
 یکتبان الکتاب الذی فی بعض سطورہ آیتہ القرآن یکرہ لہما ذلک وان کان الا لقرآن لانہما منہما عن مس
 القرآن و فی الکتابۃ مس لانہ یرکتب بقلہ و هو فی یدہ و هو صورة المس انتھے حائض و جنب جب اس کتاب
 کو لکھیں جسکی بعض سطرون میں قرآن کی آیت ہو تو اُنکے لیے یہ مکروہ ہے اگرچہ وہ اُسے نہ پڑھیں کیونکہ اُنھیں قرآن چھو
 سے بھی منع کیا گیا ہے اور کتابت میں چھونا ہے کیونکہ وہ اپنی قلم سے لکھتا ہے اور قلم اس کے ہاتھ میں ہے اور یہی چھو کی صورت
 ہے۔ اور ایسا ہی غنی شریح ہدایہ میں ہے اور کفوی طبقات خفییہ میں علامہ الدین محمد بن قندی مولف تحفۃ الفقہاء کو حالات
 میں لکھتے ہیں کانت لہ ابنت فاطمة الفقیمة زوجة ابی بکر صاحب البدائع و کانت تفقحت علی ابیہا وحفظت تحفۃ
 و کان زوجها یخطی فترده الی المصواب و کانت الفتوی تاتی فتحوہ و علیہا خطا و خطا ابیہا فلما تزوجت بصاحب
 البدائع کانت تخرج علیہا خطا و خطا ابیہا و زوجها انتھے انکی ایک لڑکی تھی فاطمہ جو فقیہہ تھی اور ابو بکر صاحب
 بدائع کی بی بی تھی اس لڑکی نے فقہ اپنے باپ سے حاصل کی تھی اور انکی تصنیف تحفۃ الفقہاء کو زبانی یاد کیا تھا جسکی شو غلطی کرتے تو
 اُنھیں صحیح مذہب پر لوٹا لیتی تھیں اور فتوی آتا تھا جب تکلتا تھا تو اُسپر انکی اور انکی باپ کی تحریر ہوتی تھی جس صاحب بدائع سے
 انکی شادی ہو گئی توجہ استفتا لکھتا تھا تو اُسپر انکی اور انکی باپ در شوہر کی تحریر ہوتی تھی۔ اور یہ جو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کا
 لکھنا سیکھنا چونکہ فاسد طریق ہے اس لیے ضرور مکروہ ہو گا اسکا جواب ہے کہ جب تک غالب گمان نبی الی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم نبیین ہوتی ہاں
 جب غالب گمان ہو تو اُس سے احتراز اولی ہوتا ہے حرمت استوت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور مطلقاً حرام ہونے
 پر جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو دلیل میں لاتے ہیں وہ بھی کئی وجہوں سے قابل قبول نہیں ہے
 قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنزلوہن العرف ولا تعلموہن الکتابۃ و علموہن الغزل
 و سورة النود اخر جہا بن مردود و یہاں البیہقی فی شعب الایمان کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ فرمایا حضرت
 سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورتوں کو نہ اتارو کہ طکیوں میں اور انکو کتابت نہ سکھاؤ اور اُنھیں سوت کا نثر سکھاؤ
 اور سورۃ لور کی تعلیم دوا سکو اہن مردود یہ او بہیقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ روایت ضعیف
 ہے چنانچہ سیوطی وغیرہ نے اسکی تصحیح کی جو اس حدیث جواز کو مستحق قابل معارضہ نہیں ہے دوسری بالاتفاق اس حدیث

ہو کہ امت نہ بہیمہ ثابت ہو پس حرمت یا اگر امت تحریمی کا اس سے ثبوت نہیں ہو سکتا تیسری اگر کہ امت تحریمی ثبوت اس سے مان بھی لیا جاوے تو لازم آوے گا کہ سورہ نور عورتوں کو سکھانی جاوے اور سورہ یوسف یا تمام قرآن سکھایا جائے کیونکہ بعض کتب سے یون بھی روایت پائی گئی ہو علم وہن سورہ النور ولا تعلموهن سورہ یوسف و هذا خلاف اجماع عورتوں کو سورہ نور کی تعلیم دوا اور سورہ یوسف کی تعلیم نہ دوا اور یہ خلاف اجماع ہے بعض عورتوں کو لکھنا سکھانا نہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی بلکہ ضرورتوں کے لحاظ سے استحباب ہی خالی نہیں مگر جبکہ فساد کا خوف ہو

سوال عورتوں کو لکھنا سکھانا جائز ہے یا نہیں جواب عورتوں کو لکھنا سکھانے کے جواز میں حدیث شفا کافی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا علی حصۃ رقیۃ النملۃ کما علمتھا الکتابۃ حصۃ کو غلہ کا منتر سکھاؤ جیسا کہ تم نے انہیں لکھنا سکھایا۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت کا احتمال جیسا کہ محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دوسری حدیثوں میں عورتوں کو لکھنا سکھانے کی ممانعت آئی ہو اور ولا تعلم الکتابۃ عورتوں کو لکھنا سکھانا اور اس حدیث سے لکھنا سکھانے کا جواز ثابت ہوا ہو شائد یہ حدیث ممانعت سے پہلے کی ہو اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ ازواج مطہرات نبوی سے خوف فتنہ نہیں ہو اس لیے ان کے لیے جائز ہے اور عام عورتوں کے لیے ناجائز کیونکہ ان سے فتنے کا خوف ہوتا ہے ترجمہ کلامہ الفارسی اور طاعلی قادی مشکوٰۃ کی شرح میں لکھتے ہیں قال الخطابی فیہ دلیل علی ان لتعلیم النساء الکتابۃ غیر مکروہ قلت یحتمل ان یکون جائزا للسلف دون الخلف لفساد النساء فی هذا الزمان ثم رأیت قال بعضهم خصت بہ حفصۃ لان نساء علی اللہ علیہ وسلم خصمن بانثیاع قال لتعلی یا نساء النبی لستن کاحد من النساء وخبر لا تعلمن الکتابۃ یعمل علی علمۃ النساء خوف الا فتنان علیہن اتفقہ خطابی نے کہا ہے کہ اس میں اس پر دلیل ہے کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا مکروہ نہیں ہے میں کہتا ہوں احتمال ہے کہ ان لوگوں کے لیے جائز اور پچھلوں کے لیے ناجائز ہو کیونکہ اجل عورتیں خراب ہو گئی ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس کے ساتھ خاص ہیں کیونکہ ازواج مطہرات بہت سے ہوتی ہیں کیسا فقہ خاص میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر ای نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو اور کتب نہ سکھاؤ و الی خبر عام عورتوں پر معمول ہو فتنہ میں پڑ جائیے وقت آنی مخدوش ہو اسس وجہ یہ کہ فتح الباری اور دوسرے شرح صحیح بخاری اور کتب حدیث میں متعدد جگہوں پر لکھا ہے الخضاٹن لا ینبت بالاحتمال خصوصیتیں احتمال سے ثابت نہیں ہوتیں پس محض احتمال سے جبکہ کوئی نص قطعی نہیں پائی جاتی یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ صرف ازواج مطہرات ہی کو لکھنا ثابت کی تعلیم جائز ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ازواج مطہرات کے علاوہ مطلقاً عورتوں کی تعلیم مکروہ ہوتی تو حضور

اس دور عالم اسلامی علیہ السلام بہت جلد سد کو بھی سن کر ڈور پر آئے۔ ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ غیر از واج مطہرات کے لیے بھی تعلیم کتابت جائز ہو حاصل کلام کا یہ ہو کہ جو ازکی حدیث ہو اسکی تصحیح حاکم وغیرہ نے کی ہو اور جو عدم جواز کی حدیث ہو وہ ضعیف ہو پس اس حدیث سے عام طور پر جرأت یا اہمیت ثابت نہیں ہو سکتی اور بفرض محال اگر اس ضعیف حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو اگر اہمیت نہ ہوگی کا ثبوت ہو سکتا ہو جس کا حکم یہ ہو کہ ترک اولیٰ ہو اور کتب اربعہ کو کھینے سے معلوم ہوتا ہو کہ زمانہ سابق میں اکثر عورتیں لکھنا جانتی اور لکھتی تھیں اور علم عصر میں کسی نے اُنھیں نہیں روکا سید قطی اپنے رسالہ نہرۃ المجالس فی اشعار النساء میں شہدہ بنت احمد دینوری کا حال لکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذات دین و ورع و عبودۃ سمعت الكثير و عمرت و کتبت الخط المشوب علی طریقۃ المکاتبة و ما کان فی زمانہا من ینکتب مثلہا و کان لہا الاسناد العالی ماتت سنتا ربح و سبعین و خمساً و ثمانی و وہ دین اور تقویٰ اور عبادت والی تھیں بہنوں سے اُنھوں نے (حدیث کو) سنا ہو اور بہت طویل عمر ہوئی اور وہ لکھنے کے طریقہ پر لکھتی تھیں اور اُن کے زمانہ میں کوئی اُنکا ایسا لکھنے والا نہ تھا اور اُن کے لیے بڑی سندیں تھیں۔^{۵۵} میں اُنھوں نے انتقال کیا۔ اور عائشہ بنت احمد قرطبی کے حال میں لکھتے ہیں۔ قال بن جبان فی المقتبس لم یکن فی زمانہا فی جزائر اندلس من یعد لہا علما و ذہابا و ادبا و شعل و فضاہ تدرج ملوٹ الاندلس و تحاطبہم بہا بعض لہا من صاجتہ و کانت حسنۃ الخط و کتبت المصاحف ماتت عذرا و علما تنکح ستار لبعثت اتبع بہا کے زمانہ میں جزائر اندلس میں کوئی وہ تھا جو علم و فہم اور ادب و شعر اور فصاحت میں اُنکا مقابلہ کر سکے وہ بادشاہان اندلس کی تعریف کرتی تھیں اور اُن سے بیان کرتی تھیں وہ جو اُسے اپنے ساتھی کی جانب سے پہنچتا تھا اور وہ خود تھیں اور قرآن کی کتابت کرتی تھیں اُنھوں نے کنواریں میں خستہ چھین انتقال کیا۔ اسی طرح اُنھوں نے ولادۃ بنت مسکنی باللہ محمد مروانی اور یحییٰ بنت ابی یعقوب الانصاری لقیصوی وغیرہما کے حالات میں لکھا ہو کہ لکھنا جانتی تھیں اور علامہ عبد القادر عیدروس نے نور سافر فی اخبار القرن العاشر نے ۳۷۰ھ کے حوادث میں لکھا ہو کہ وفی عشیۃ یوم الاربعاء فی ربیع الاول توفیت السیدۃ الصالحۃ اسماء بنت الفقیہ علامۃ کمال الدین سیدہ ہمدانیۃ زبیدہ و کانت عابدۃ صالحۃ قاریۃ للقرآن تقرأ کتب التفسیر والحديث و تسمع النساء و تعظمہم و کان لقولہا وقع فی القلوب و بہا کتبت الشفاعات الی السلطان و لقاہنی الامیر فتقبل شفاعتہا استخیر اور ربیع الاول میں شب چہار شنبہ کو نیک بی بی اسماء نے انتقال کیا جو حقہ علامہ کمال الدین موسیٰ کی صاحبزادی تھیں شہزبیدہ میں اور وہ عابدہ صالحہ تھیں قرآن پڑھتی تھیں اور تفسیر حدیث کی کتابیں پڑھتی تھیں اور

عورتوں سے حدیث سنتی تھیں اور ان کی تعلیم کرتی تھیں اور ان کی بات دیکھتی تھی اور بسا اوقات انھوں نے
 بادشاہ اور قاضی میر کے پاس سفارشیں لکھ دین اور وہ قبول کر لیں انتہی۔ اور اس کے بعد کے حوادث میں
 لکھا ہے فیہا توفیت فاطمہ بنت القاضی محمود بالقاهرة ولدت تقریباً منہ خمس وخمسين وثمانائة
 وثمان مائت فتعلت الکتابۃ وما تيسر انتھ اس سال فاطمہ بنت قاضی محمود نے قاہرہ میں انتقال کیا تقریباً بیس
 میں پیدا ہوئیں اور کتابت اور دوسری آسان چیزوں کو حاصل کیا۔ اور ابن قیم نے زاد المعاد میں حدیث
 خفا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے وفي الحديث دليل على جواز تعليم النساء الکتابۃ انتھ اور حدیث میں دلالت
 ہے تعلیم کتابت کے جائز ہونے پر انتہی اب حدیث نبی کا حال لکھا جاتا ہے کہ کوئی اس کو ضعیف کہتا ہے کوئی متروک
 کوئی موضوع علامہ ابن جوزی کتاب الموضوعات میں بسند خود ابن جبان روایت کرتے ہیں قال ابن
 جبان محمد بن عمرو وابنا محمد بن عبد الله بن ابراهيم حدثنا يحيى بن زكريا بن يزيد الدقاق حدثنا محمد بن
 ابراهيم ابو عبد الله الشامي حدثنا شعيب بن اسحق الدمشقي عن هشام بن عروة عن ابيه عن
 عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تسكنوهن الغرف ولا تعلموهن الکتابۃ وعلمن
 الغزل وسورة النور انتھ ابن جبان محمد بن عمرو نے بسلسلہ محمد بن عبد الله بن ابراهيم بروایت یحییٰ بن زکریا
 بن زید دقاق بروایت محمد بن ابراہیم ابو عبد الله شامی بروایت شعیب بن اسحق دمشقی بروایت ہشام
 بن عروہ بروایت والد خود۔ روایت کی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور
 سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے کہا کہ عورتوں کو کھڑکیوں میں نہ ٹھہرائو اور ان کو کتابت نہ سکھاؤ اور ان کو
 کتابت سکھاؤ اور سورۃ نور کی تعلیم دو انتہی اس کو نقل کر نیکی بعد پھر خود ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ابھی محمد بن
 ابراہیم الشامی کان يضع الحديث وقد ذكر الحاكم هذا الحديث في صحيحه والعجب كيف خفي عليه امره انتھ
 یہ حدیث صحیح نہیں ہے محمد بن ابراہیم شامی حدیثوں کو وضع کرتے تھے اور حاکم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا
 ہے اور تعجب ہے کہ یہ بات انہی کو نہ پوشیدہ رہی و پھر بسند خود ابن جبان روایت کرتے ہیں قال ابن جبان
 حدثنا جعفر بن سهل حدثنا جعفر بن نصر حدثنا حفص بن غياث عن فيث عن مجاهد عن ابن عباس
 مرفوعاً لا تعلموا نساءكم الکتابۃ ولا تسكنوهن الغرف وقال خير طهو المومن السباحة وخير لهو المرأة
 الغزل انتھ کہا ابن جبان ذہبیٹ بیان کی مجھے جعفر بن زکریا نے وہ کہتے ہیں حدیث بیان کی مجھے جعفر بن نصر نے
 وہ کہتے ہیں حدیث بیان کی مجھے جعفر بن غیاث نے انھوں نے روایت کی یہاں سے انھوں نے مجاہد اور انھوں نے

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ اپنی عورتوں کو کتابت نہ سکھاؤ اور ان کو کھڑکیوں میں نہ سہراؤ اور کہا کہ مومن کا
اچھا نکیل تیز ناز و روم نہ کا اچھا نکیل کا تباہی انتہی پھر خود کہتے ہیں کہ ابھی جعفر بن نصر حدیث عن اشقات
بالجوابیل انتہی یہ حدیث صحیح نہیں ہے جعفر بن نصر نے ثقات سے غلط باتیں روایت کی ہیں اور سیوطی نے لآلی المصنوع
فی الاحادیث الموضوعة کتاب النکاح میں ابن جوزی کا کلام نقل کر کے زیر حدیث عائشہ لکھا ہے قلت للحاکم ما خرجہ
من طریق ہذا (الوضیعی) حتی یتعجب منه بل قال بنا نا ابو علی الحافظ حدثنا محمد بن سلیمان حدثنا عبد الوہاب یہ
الضحاک حدثنا شعیب بن اسحق فذکرہ وقال صحیح الاسناد وخرجہ البیہقی فی شعب الایمان عن الحاکم
من ہذا الطريق ثم قال بنا نا ابو نصر بن قتادۃ بنا نا ابو الحسن محمد بن حسن السراج حدثنا سفیان
حدثنا محمد بن ابراہیم الشامی حدثنا شعیب بن اسحق فذکرہ باسنادہ بخیر وھذا اجتہد الاستاد
منکر ہذا کلام البیہقی فاناد ان طریق محمد بن ابراہیم ہی المنکرۃ وانہ بغير ہذا الاسناد لیس بمنکر
نعم قال الحافظ بن حجر فی الاطراف بعد ذکر قول الحاکم ہذا حدیث صحیح الاسناد بل عبد الوہاب متروک
وقد تابع محمد بن ابراہیم الشامی عن شعیب بن اسحق وابراہیم یوہاب ابراہیم بالوضع اتفقہ میں کہتا ہوں
کہ حاکم نے ان وضع کرنے والوں کی ان احادیث کا اخرج نہیں کیا ہو بیان تک کہ اس سے تعجب ہو بلکہ انھوں
نے کہا ہے ابنا نا ابو علی الحافظ ورنہ محمد بن سلیمان حدثنا عبد الوہاب بن ضحاک حدثنا شعیب بن اسحق لیس
اسکو انھوں نے ذکر کیا ہو اور کہا ہو کہ یہ صحیح الاسناد ہے اور یہی نے شعب الایمان میں حاکم سے اسی طرح روایت
کی ہے پھر کیا ہو ابنا نا ابو نصر بن قتادۃ بنا نا ابو الحسن محمد بن حسن السراج حدثنا سفیان حدثنا محمد بن ابراہیم الشامی
حدثنا شعیب بن اسحق لیس اسکو ذکر کیا ہو اسکے اسناد کے ساتھ اور یہ اس اسناد کے ساتھ منکر ہو یہی قی کا کلام ہے
لیس اس سے حاصل یہ ہوا کہ محمد بن ابراہیم کا طریقہ منکر ہے اور بدو ان اس اسناد کو منکر نہیں ہے وہ ان حافظ ابو حجر
نے اطراف میں قاسم کے قول کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہو کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے بلکہ عبد الوہاب متروک ہیں اور
محمد بن ابراہیم شامی عن شعیب بن اسحاق وابراہیم اسی کے تابع ہے اور ابراہیم نے اسی وضع کر کے روایت کیا ہے
انتہی بیان یہ بات معلوم ہو گئی کہ شیخ محدث دہلوی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ تعلیم کتابت کا جو
اس بات کو تحمل ہے کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص ہوا وجود اسکے کہ کوئی نص اس خصوصیت پر
دلالت کرنے والی نہیں ہے جو محض نوہی و سوال من ترک العلوة متعد افتقد کفر جسے ناز کو قصد ترک کیا وہ
کافر نہ صحیح حدیث ہے یا نہیں جواب صحیح ہو لیکن تشدید پر معمول ہے سوال القاء اشد من الزنا غامض ہے

زنا سے جہان دار ہو وہاں لاشہ حلال و لغیرہ حرام ال کے یہ حلال در غیر اہل کے لیے غنا حرام ہی بھی
صحیح ہو یا نہیں جواب دونوں حدیثیں موضوع ہیں کسی حدیث کی کتاب میں اسکا نشان نہیں ہے سوال
ان ملکونین واجب ہو کہ اے کے ابتدائے درس میں کئی بار سے قرآن شریف کے استاد کو پڑھنے کے دوسرے علوم حاصل
کرنے گئے ہیں جب حصول علم کر لیتے ہیں تو بغیر استاد سے سنے ہوئے اور بغیر اجازت سے اور رسد کے پورے کلام اللہ کی
تلاوت کرنے گئے ہیں اسی تلاوت مشرق ہو یا نہیں جواب مشروع ہے جمال الدین سیوطی نقان فی علوم القرآن
میں لکھتے ہیں ادعی ابن خیر الاجماع علی انه لیس لاحد ان ینقل حدیثا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم
یکن لہ بدوایہ ولو بالاجازۃ فہل یكون حکم القرآن کک فلیس لاحد ان ینقل آیۃ او یقرأھا مالم یرفعھا
علی الشیخ لما رنی ذلک نقلا ولذا ک وجہ من حیث ان الاحتیاط فی اداء الفاظ القرآن اشد منه فی الفاظ
الحدیث ولعدم اشتراطہ وجہ من حیث ان اشتراط ذلک فی الحدیث انما ہو لخوف ان یدخل فی الحدیث
مالیس منه اذ یقول علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم یقلہ والقرآن محفوظ منہ وهذا هو الظاہر انتہی
ابن خیر نے اس پر جماع کا دعویٰ کیا ہے کہ کسی کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل نہ کرنا چاہیے تا وقتیکہ
اس کے ساتھ روایت نہ ہو کہ صرف اجازت ہو پس کیا قرآن کا علم بھی ایسا ہی ہے پس کسی کو یہ نہ چاہیے کہ کوئی آیت
نقل کرے یا اسے پڑھے جب تک کہ شیخ سے نہ پڑھے میں نے اس کے متعلق کوئی نقل نہیں دیکھی اور ایسا ہونا ممکن ہے
کیونکہ اور الفاظ قرآن میں زائد احتیاط کرنا چاہیے اور الفاظ حدیث سے اور ایسا نہ ہونا بھی ممکن ہے
کیونکہ حدیث میں تو شرط لگانے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں خوف ہو کہ کوئی شخص حدیث میں وہ باتیں پڑھا دے
جو اس میں نہ ہوں یا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانب ایسی بات منسوب کر دے جو اپنے نفرائی ہو
اور قرآن شریف اس سے محفوظ ہو اور یہ ظاہر ہو انتہی اور اسی کتاب میں ہر الاجازۃ من الشیخ فیو شرط فی
جواز التصدی للقرء والافادۃ فمن علم من نفسہ الاہلیۃ تجازلہ ذلک وان لم یجزہ احد وعلی ذلک
السلف الاولون والصدرا الصالحون وکک فی کل علم وفی الاقراء والافادۃ انتھ قراء کی اتبع کرنے اور اس سے
فائدہ حاصل کرنے کے لیے شیخ کی اجازت شرط نہیں ہے پس جو اپنے کو اہل جانے اس کے لیے جائز ہو کہ کسی زائے
اجازت ندی ہو اور اسی کے سلف صالح اور قدرا قائل میں اور یہی تمام علوم اور افتاء اور پڑھائی کی حالت ہے
سوال علمائے مجربین نے لکھا ہے کہ جس حدیث میں ثواب و عقاب کثیرہ کا وعدہ ہو وہ موضوع ہو حالانکہ امام غزالی
نے احیاء العلوم میں اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ کل حسنة بعشر امثالھا الی سبعائتہ تضعف الا الصوم ہر نی کا بدلہ

اُسکے دن لشون سی پکرات سٹولون تک ملتا ہی سوا روزہ کے مادیات محشین نے یہ دوسری حدیث نقل کی ہے من صام یوم سبعة وعشرين من رجب کتب الله له صیام ستین شهر ایس نے تالیسویں رجب کو روزہ رکھا اور نے اُسکے لیے ساٹھ مہینہ کے روزوں کا ثواب لکھ دیا۔ پس معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دونوں حدیثیں کیسی ہیں اور موضوع حدیث کے پہچانے کا کیا قاعدہ ہے جواب پہلی حدیث کو بخاری اور سنن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے علامہ زین الدین ابو الفضل عبد الرحیم عراقی کتاب المغنی میں حلال الاسفار فی الاسفار تجزیج مافی الاحیاء من الاخبار سے اس حدیث کی شان میں لکھتے ہیں اخر جاء من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انتھے صحیحین میں اس حدیث کا اخراج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کیا ہے اور دوسری حدیث کو صحیح مسلم میں نہیں ہے مگر بعض محدثین نے اسکو روایت کیا ہے ثابت من السنن میں ہے وفی جزء ابی معاذ الشاکہ المروزی فی فضائل رجب عبد الغنی من طریق ضحیۃ عن مطر الازعن شہر بن حوشب عن ابی ہریرۃ موقوف من صام یوم سبع وعشرين من رجب کتب الله له صیام ستین شهر وهو الیوم الذی یهبط فیہ جبریل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالة وهذا مثل ما ورد فی هذا المغنی انتھے عبد الغنی نے خبر ابی معاذ شاکہ المروزی میں رجب کے فضائل میں بطریق ضحیۃ مطر وراق سے انھوں نے شہر بن حوشب سے انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کی ہے کہ جسے روزہ رکھا تالیسویں رجب کو اللہ تعالیٰ اُسکے نام پانچ برس کے روزوں کا ثواب لکھتا ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رسالت کا پیغام حضرت جبریل علیہ السلام آئے تھے اور یہ شہل برائے جو اس میں جن وارد ہوئی ہیں اور قاعدہ مذکورہ کی تصحیح اگرچہ شرح بخاری وغیرہم نے کی ہے مگر یہ کسی حدیث سے مطابقت نہیں ہوتی سوال کل دھان حرام ومن اکل من البعج لعنة فکان فی بائسہ بردخان حرام ہے اور بھنگ کا استعمال کرنا ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنا حدیث ہے یا نہیں جواب مقبرہ کتاب میں یہ حدیث نظر سے نہیں گذری اور فقط کسی شخص کے حدیث لکھ دینا کا اعتبار نہ کرنا چاہیے بلکہ محدث کے قول کا یقین کرنا چاہیے کیونکہ وہ حدیث کو سند سے بیان کرتے ہیں۔ سوال اذا تحیرتم فی الامر فاستفتوا باصحاب القبور جب تم کسی کام میں پریشان ہو تو اہل قبور سے دریافت کرو حدیث ہے یا نہیں جواب حدیث نہیں ہے بلکہ کسی کا قول ہے اور اس کے تفصیلی معنی یہ ہیں کہ جب تمہیں کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے میں شبہ ہو تو اپنے اجتہاد پر عمل نہ کرو بلکہ اُن قدر مالکی جو اس وقت قبروں میں سو رہے ہیں تعلیم کرو اور ہو سکتا ہے کہ یہ سنتی ہوں جب تم دنیاوی امور میں پریشان ہو تو صحاب قبور پر نظر کرو جنھوں نے دنیا کو چھوڑ کے آخرت کا سفر اختیار کیا ہے اور تمہیں بھی

یہ سفر نماز اور دنیا کو چھوڑنا ہی طریقہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حنی ہوں جب تم اپنے مقصد پر آری میں عاجز ہو جاؤ تو صاحب قبور کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تاکہ ان کی برکت سے تمہاری دعا قبول ہو جائے نہ یہ کہ انکو حلال شکلات یا تدا بیر عارفین مد کا شہر یک جانو کیونکہ یہ کھلا ہوا شہر ہے۔ واللہ اعلم حمزہ الراحمی عفو ربہ القوی ابو اعنات محمد عبدالحی مجاہد زائد عن ذنبہ علی دغنی۔ محمد عبدالحی ابو اعنات

کتاب الطہارات

سوال کیا فرماتے ہیں کہ قوم شہر یا ڈوم یا چار یا دو سادہ ہے جو مندرہ فرم دار قرار ہوتے ہیں اور چوباباؤ کو کیا کہنا اور اسے مثل دوسری علوم چیزیں بھی کہاتے ہیں پس انکو ساتھ کا کیا یا ہوا کھانا یا پانی پینا جائز ہے یا نہیں۔ جواب جب تک کوئی نجاست ظاہری یقیناً اعضائے ظاہرہ کا فرس نہ ہو اسکے ہاتھ سے کھانا پکانا یا پانی نکھانا سب درست ہو اس لیے کہ کافر کی نجاست اعتقادی نہ ظاہری ہے بسا کہ کج الرائق میں ہے لما انزلہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض المشرکین فی المسجد، ممکن فی البیت فید علی مانی الصحیحین علمان المراد بقولہ تعالیٰ انا المشرکون نجس النجاستہ فی اعتقادہم جبکہ حضرت رسول خدا علیہ النعمہ وآلہ السلام بعض مشرکین کو مسجد میں لے آیا اور انھیں اُس میں رہنے کی جگہ دی جیسا کہ صحیحین میں ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے قول انا المشرکون نجس سے انکی اعتقاد کی نجاست مراد ہو اور بھی سی ہو سکتی تھی طہار کا حق بین الجنب والظاہر والخاص والنفساء والصغیر والکبیر والمسلمہ والکافر الذکر والانثی یعنی ان اکل طاهر وطہور من غیر کو اھتہ انتھ۔ آدمی کا جھوٹا پاک ہو اس میں جنس ظاہر خاص نفسا وشر سے چھوٹے مسلمان کافر مرد عورت سب یکساں یعنی پاک اور بلا کر است پاک کرنے والے ہیں سوال مندرہ اول کہا وغیرہ ایسے بچہ نون پر جن میں غبار محسوس نہ ہو بلکہ فقط تیمم کے لیے ہاتھ مارتے وقت ہو این کوئی چیز معلوم ہو تیمم کرنا جائز ہو یا نہیں اور ان اشیاء میں اس قدر غبار ہو نا جس سے تیمم جائز ہو کیونکہ بچا نا جائیگا۔ جواب جب ہاتھ مارتے وقت ہو این غبار محسوس ہو تو تیمم جائز ہے چاہے غبار ہاتھ پر محسوس ہو یا نہ ہو۔ اور مندرہ وغیرہ پر بغیر ہاتھ مارے ہوئے غبار معلوم ہو یا نہ ہو علی شریح کنز میں ہے یجوز التیمم ایضا بالنقع بان نفص ثوبا وحصیوا طاهر ثم تیمم بغبارہ جائز ہوا اس طرح ہر کسی پاک پکڑے کو جھالو اچھڑا سکے غبار سے تیمم کیا جائز ہے۔ اور خزائنہ الفقہین میں ہے لو نفص لبدۃ او ثوبہ او الاشیاء الطاهرۃ تیمم بغبارہا جائز وصورۃ ان فی نفص

توبہ او ابدانہ نہ ترفع غبارہ فرغ ید فی العواد قریباً منہ فوقع الغبار علی یدہ و تیمم و وضو ید علی
المید و التوب و ارفع غبارہ فرغ یدہ و تیمم جازا اگر اپنے لباسے یا کپڑے یا اور پاک اشیا کو جھاڑا اور اس کے
غبار سے تیمم کیا تو جائز ہو اور اسکی صورت یہ ہو کہ اپنے کپڑے یا لباسے کو جھاڑا جب اسکا عبا بلند ہوا تو اپنے
ہاتھ ہوا سینا اسکے پاس اونچے کیے اس طرح کہ غبار ہاتھ پر پڑا اور اسے تیمم کیا اور اگر اپنے ہاتھ لباسے یا کپڑے
پر اسکا در غبار او پچا ہوا پھر اس نے اپنے ہاتھ اٹھا کر تیمم کیا تو یہ جائز ہو اور رد المحتار میں ہر قال لوطی
الظاهر التفصیل ان استبان اثر الغبار جاز و لا فلا لوجود الشرح خصوصاً فی ثياب ذوی الاشغال منی نے
کہا ہو کہ ظاہر تفصیل یہ ہے اگر غبار کا اثر ظاہر ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں شرط کے پائے جانے کے لیے خصوصاً ان کہ دن
میں جو کام میں آتے رہتے ہیں سوال پنجم ملو جو بیخ ذائقہ میں جمع ہو جاتی ہو اسے مروجہ درہنہ غسل
جائز ہو یا نہیں ہوا ملوثی اگر اسکا دور کرنا ممکن ہے تو دور کرے کیونکہ کتب فقہ میں ہو کہ جب دانتوں کے
بیچ میں کچھ اجزاء اطعام کے باقی رہیں تو انکا دور کرنا ضروری ہو لیکن بعض فقہانے لکھا ہو کہ ضرورت اور حج کی وجہ
سے غسل جائز ہو و اما علم الفقہ خادم اولیاء اسد الصمد علی محمد غفرلہ اما لاحد۔ ہوا ملصوب اگر بیخ کے
بیچے غسل کا پانی ہو حج جائے تو غسل جائز ہو ورنہ نہیں راقی الفلاح میں ہو لا بد من زوال ما يمنع وصول
الماء للجسد کشف و محبین ایسی چیز کا دور کرنا ضروری ہو جو پانی کو جسم تک پہنچنے سے روکے جیسے موم اور آٹا
و اما علم حرہ محمد عبدالعلی عفا اللعنه سوال مرد اور عورت ایک بچھونے پر سوتے تھے جب جاگے تو بچھونے
پر مٹی کا نشان پایا اور ہر ایک کہتا ہو کہ مجھے احتلام نہیں ہوا پس غسل کسپر واجب ہو گا جواب اگر مٹی
کا نشان زر واد پتلا ہو تو عورت پر غسل واجب ہو گا اگر سفید اور گاڑھا ہو تو مرد پر اور اگر کچھ تمیز نہ ہو تو دونوں پر
فتح القدیر میں ہے لو وجد الزوجان بینہما ماء دون تذکرہ و لا تمیز یا نہ لہم یظہر غلطہ و رقتہ و لا یأخذ
وصرفہ عجیب علیہا الغسل صحیح فی الظہیر یتہ و لم یدکروا القید فقالوا یجب علیہا وقیل اذا کان غلیظا
ابیض فعلیہا و رقیقاً اصفر فعلیہا فیقید و نہ بصورتہ نقل الخلاف والذی یظہر تشدید الوجوب علیہما
بما ذکرنا فلا خلاف اذن اتفقہ اگر میان بی بی کوچ میں کچھ مٹی پائی جائے اور کسی کو کچھ یا نہ ہو اور پتلے او گائے
ہونے یا زر و سفید ہونے کی کچھ تمیز نہ ہو سکے تو دونوں پر غسل واجب ہو اور بعض کے نزدیک اگر گاڑھی اور سفید ہو
تعمیر اور اگر زر واد پتلی ہو تو عورت پر غسل واجب ہو پس یہ لوگ قید لگاتے ہیں نقل خلاف کی صورت کی اور جو
تمیز سے ظاہر ہوتا ہو وہ دونوں پر وجوب غسل کا فائدہ دیتا ہو اس صورت میں جسے ہم نے ذکر کیا ہو پس اب کچھ

خلاف نہیں ہے سوال مسلمان دھوبی کے گھر کی پکی ہوئی چیز کھانا درست ہو یا نہیں اور جس پانی یا پانی کو
 برتن کو مسلمان دھوبی چھوئے تو اس پانی یا برتن سے وضو کرنا یا پینا جائز ہی یا نہیں جواب مسلمان دھوبی
 کے گھر کا پکا ہوا کھانا کھانے میں ہر طرح کی باتھون سے پکا یا گیا ہو بشرطہ عا کوئی وجہ ناجوازی و رعایت
 کی معلوم نہیں ہوتی مگر چونکہ دھوبیوں کو یہاں ہر قسم کے کپڑے دھونے کو آتی ہیں اور دھوبیوں کی عورتیں انکو
 اکثر اوقات چھوتی اور دھوتی رہتی ہیں اور انھیں ہاتھوں سے کھانا بھی پکاتے ہیں گو نجاست کا خیال فی الجملہ
 انکو بھی رہتا ہو۔ اسلئے غالباً ہاتھ دھو کے کھانا پکاتی اور برتن چھوتی ہونگی لیکن چونکہ ہر وقت بشرطہ تطہیر و نکا
 ہاتھ دھونا محال عادی ہو اس لیے اس دیار کو مسلمان دھوبیوں کے گھر کے برتنوں کے ظاہر ہونے کا کامل توق
 نہیں ہو سکتا بلکہ غالب اور ظاہر عدم طہارت ہو مگر چونکہ اصل اشیاء میں طہارت جزا و شک شبہ حکم نہیں ہو سکتا
 اور یقین شک کو زائل نہیں کرتا اسلئے دھوبیوں کے گھر کے پکے ہوئے کھانے کو قطعاً ممنوع اور ناجائز بھی نہیں کہہ سکتے
 تاہم یہ کہ وقوع شک سے کراہت کا حکم دیا جائیگا اور عدم دھوبیوں کے گھر کا پکا ہوا کھانا مکروہ نہ ہو جیسا کہ
 غلبہ کا خیال ہو مگر غیور کے چھوئے کو نقصان نہ لگے اور چونکہ جس سوئے کے شک کی وجہ سے یہ حال کلام کا تاثر لگتا ہے
 معلوم ہو کہ پکھانا مسلمان دھوبی کے گھر سے با احتیاط یک کر یا ہو تو بلا کراہت جائز ہوگا اور اگر برتنوں اور پکھانے والوں کے
 طہارت کا یقین نہ ہو تو وہ کھانا قطعاً منع اور حرام ہو اور اگر فقط شک عدم احتیاط کا بقرائن حالیہ ہو تو مکروہ ہوگا
 اس سے احتراز اولیٰ ہو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو من اتقى الشبهات استغنى الله عنه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچائے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچایا اور جو نہیں
 بچا حرام میں پڑ گیا نصاب الاحساب میں ہے بیکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشربین قبل الغسل لان الغالب
 والظاهر من اوانیہم النجاسة و انهم یستیمون الخمر و یاکلون و یطعمون فی قدورهم و فی قصاعہم و اغانیہم فلو کہ
 الاکل فیہما قبل الغسل اعتباراً للظاہر كما کہ النوفی سور الد جاجت لانہا لا متوقی من النجاسة غالباً الا
 ان الاصل فی الاشیاء الطہارة و تشککنا فی النجاسة فلم یثبت النجاسة للشک هذا اذا لم یعلم بنجاسة
 الاوانی فاذا علم فافہ لا یجوز ان یشرب فیہما قبل الغسل ولو اکل وشرب کان اکلاً و شارباً حراماً هذا حال
 ما ذکر فی الذخیرۃ مشربین کے برتنوں میں بے دھوئے ہوئے کھانا پینا حرام ہو کیونکہ غالب اور ظاہر یہ ہے کہ ان کے
 برتن جس ہوتے ہیں اور وہ شرب کو مباح جانتے ہیں اور اپنی ہاتھوں اور پیالوں اور برتنوں میں کھاتے ہیں تو
 بے دھوئے ہوئے انہیں کھانا حرام ہوا باعتبار ظاہر کے جیسا کہ غری کے چھوئے سے وضو مکروہ ہو کیونکہ وہ عموماً نجاست سے

نہیں بچتی مگر یہ کہ اصل اشیا میں طہارت ہو اور زمین نجاست میں شک ہو تو نجاست شک سے نہ ثابت ہوگی یہ
اُس صورت میں ہر جگہ برتنوں کی نجاست کا علم نہ ہو اور جب معلوم ہو تو انہیں کھانا پینا بے دھوئے ناجائز ہو اور جست
کھایا یا پیا تو وہ حرام کھانے پینے والا ہو گا یہ اُس کا حاصل ہے جو ذخیرہ میں ذکر کیا گیا ہے اور مسلمان دھوبی
اگر پانی یا پانی کا برتن چھوئے اور چھوئے وقت اُس کا ہاتھ نجاست حقیقی سے ملوث تھا گو دوسرے اعضا ملوث
بہ نجاست ہوں تو وہ پانی یا پانی کا برتن نجس نہ ہوگا۔ اور دلیل اس مسئلہ کی وہ ہے جو احادیث صحیحہ قولیہ و فعلیہ میں
جواز اختلاط جنب حائض و نفاس و طہارات اشیا بالموسسہ فنون کے صحاح میں موجود ہیں کہ ہر چیز زن حائض کا
موضع خروج و دخول میں رہتا ہے اور جنب بھی ہر نجاست حکمی نجس ہوتا ہے مگر با این ہمہ حائض و جنب و نفاس کے چھوئی
ہوئی چیز نجس نہیں ہوتی اور ان کا جھوٹا حرام اور کرہ نہیں ہو جاتا قال الامام النووی فی شرح صحیح المسلمہ فی باب
الاضطجاع مع الحائض قال العلماء لا یکرہ مضاجعہ الحائض ولا قبلتها ولا الاستمتاع بما فیہا فوق المسق
ولا تحت الركبة ولا یکرہ وضع یدھا فی ثمنی من المذات ولا یدھ غسلھا راس نہ وجھا وغیرہ من محارمھا
وترجیلہ ولا یکرہ طبخھا وجمیعہا وغیر ذلک من الصنائع وسواھا وعرقھا طہران وکل هذا متفق علیہ
وقد نقل الامام ابو جعفر محمد بن جریر فی کتابہ فی مذاہب العلماء اجماع المسلمین علی هذا اکلہ وکلامک
من السنن ظاہر مشہور اتفقہ وقالوا ایضاً فی باب الدیس علی ان المسلم لا یجس فاذا ثبت طہارۃ اکوہی
مسلمان کان او کافر افرقہ ولعابہ ودمعہ طہرات سواء کان محدثاً او جنباً او حائضاً ونفساء وھذا اجماع
المسلمین کما قد صدق فی باب الحيض اتفقہ مختصراً شرح صحیح مسلم بن امام نووی نے باب الاضطجاع مع الحائض میں لکھا
ہے کہ علمائے کرام نے کہا ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ سونا اور اُس کا بوسہ لینا اور اُس کے ناف کے اوپر اور گفنون کے نیچے کے حصے
سے نفع اٹھانا مکروہ نہیں ہے اور اُس کا ہاتھ بننے والی چیزوں میں رکھنا مکروہ نہیں ہے اور اُس کا پے شوہر یا دوسرے مرد پر
سرو ہونا اور لکھی کرنا مکروہ نہیں ہے اور اُس کا بکایا ہوا کھانا اور گوندھا ہوا آٹا اور اسکے علاوہ اُس کے بنائی ہوئی دوسری
چیزیں مکروہ نہیں ہیں اور اُس کا جھوٹا اور اُس کا پسینہ پاک ہے اور یہ سب باتیں متفق علیہ ہیں اور امام ابو جعفر محمد
بن جریر نے اپنی کتاب میں مذاہب علمائے کرام لکھا ہے کہ ان تمام باتوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور اسکی دلائل سنت سے
ظاہر اور مشہور ہیں اتنی اور صاحبین نے باب الدلیل علی ان المسلم لا یجس میں کہا ہے کہ جب آدمی کی طہارت مسلم ہو
یا کافر ثابت ہو گئی تو اُس کا پسینہ اور تھوک اور نسو پاک ہیں خواہ وہ محدث ہو یا جنب یا حائض اور نفاس اور ان
سب پر مسلمانوں کا اجماع ہے جیسا کہ منو اب الحیض میں بیان کیا ہے اتنی مختصر اور اللہ اعلم حررہ العبد الفقیر الی رحمۃ اللہ

قادر بخش صائم اللہ تعالیٰ الطود والبطش [قادر بخش] الجواب صحیح والرائی نصح واللہ اعلم حرره الراجی عفوہ القوی
 ابو الحسنات محمد عبدالحی تاج وزاد عن دنبہ الجلی والحقی۔ **سوال** اکثر کتب فقہ میں لکھا جاتا ہے
 کہ آدمی جھوٹا مسلم ہو یا کافر پاک ہو یا اس قیاس پر اگر کوئی ہندو مسلمان کا حقہ یا برتن سہوا یا قصد اچھوٹا کرے
 او پھر مسلمان بے دھڑے استعمال میں لے لے تو کیا حکم ہے جواب فی الواقع کافر کا جھوٹا اور تھوک پاک ہو پس اسکا
 جھوٹا حقہ پینا یا اسکے جھوٹے برتن میں کھانا کھانا بے دھڑے درست ہے جب تک کسی نجاست کا اختلاط معلوم نہ ہو
 ہاں اگر کافر نے شراب پی اور فی الفور کسی چیز کے ساتھ اسکا تھوک لٹکایا فوراً اسکے نمونہ میں حقہ دیا گیا تو نجاست کا
 حکم دیا جائیگا کفر الدقائق اور اسکی شرح بحر الرائق میں ہے سورہ آدمی دالفرس وما یوکل لحمہ طاهر اما الاشی قلن
 لعابہ متولد من لحم طاهر فلا یوق بین الجنب والطاهر بالمائض والنفساء والصغیر والکبیر والمسلم والکافر
 والذکر والاُنثی کذا ۛ کرہ الذینحی یعنی ان الکی طاهر طہور من غیر کراہۃ و فی الخلاصۃ والتنجیس رجل شراب
 الخمر ان تود بد فیہ من البزاق عیث لو کان الخمر علی ثوب طہر ہا ذلک البزاق لا ینجس والکراہۃ اما حقہ
 اشرب من ساعتہ فان سورہ نجس لا یجاسۃ لحمہ بل یجاسۃ فلو مکث قد ما یفضل فہر بلعابہ ثم شر بہ نجس
 اتفقہ مختصراً آدمی اور گھوڑے اور ان چیزوں کا جھوٹا پاک ہو چکا گوشت کھایا جاتا ہو لیکن آدمی پس اس لیے کہ اسکا
 تھوک پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور جنب اور طہر حائض و نفسا پھوٹے اور بڑے مسلمان اور کافر مرد اور
 عورت میں کچھ فرق نہیں ہے اور ایسا ہی زلیعی نے ذکر کیا ہے یعنی یہ تمام اشیاء پاک ہیں اور پاک کرنے والا بہن
 بلا کراہت اور خلاصہ و تنجیس میں ہے کہ جس آدمی نے شراب پی اگر اپنے منہ میں تھوک کو پھرتا رہا اس قدر کہ اگر
 یہ شراب کپڑے پر ہوتی تو تھوک سے پاک کر دیتا تو اسکا جھوٹا نجس نہیں ہوا دیکر کہتے شراب پیتے ہی فوراً اس
 چیز کو جھٹائے اس میں ہر شے اسکا جھوٹا نجس ہو لیکن اسے گوشت کی نجس ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے
 منہ کے نجس ہونے کی وجہ سے اور اگر اتنی دیر نہ کہ اسکا منہ اسے تھوک سے دہل گیا پھر اس نے دریائی پانی اور اسکا
 جھوٹا نجس نہیں ہے۔ **سوال** کتب فقہ میں لکھا ہے اذا مات الخمار فی الملمحۃ فصارت طحا او وقع الوط فی البید فصار
 حصاصۃ زالت النجاسۃ وطہرت عند ابی حنیفۃ ومحمد خلا قال ابی یوسف والفقوی علی قول محمد جب کہ صانک
 کی کان میں مر گیا اور نمک ہو گیا یا گو بر کنوین میں گرا او کچھ ہو گیا تو نجاست زائل ہو گئی اور طہارت الگنی امام ابو حنیفہ
 اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے خلاف ہیں اور فقوے امام محمد کے قول پر جو اس
 باب میں کوئی نقل دلیل غلط سے پائی جاتی ہے یا نہیں اور اس صورت میں اور شراب یا بول کے قطری کے گرنے پر

جس کے وجہ سے کنوین کے جنس ہو جائیگا حکم دیا جاتا ہے کیا فرق ہے جواب نجس شے کی حقیقت بدل جانے کی وجہ سے
 اس کی ہمارے کتاب میں کوئی صریح نص نظر نہیں آئی اس حکم کا استخراج ان نظائر سے ہو جیسا کہ ابن ہاشم نے فتح القیام
 میں لکھا ہے قول **ما** ہو بخلاف ان الشرح رتب وصف الفحاشۃ علی تلك الحقیقة وتنصف الحقیقة بانفساء بعض
 اجزاء صغر ہو وہا فلیف بالکل وان الملم غیر الملم واللحم فاذا صار لحم رتب علیہ حکم الملم ونظیرہ فی الشرح
 المظنۃ بجسۃ وتصیر علقۃ وحی نجسۃ وتصیر مضغۃ فظہر والاصیر طاهر فیضی رحمہ فی نجس و
 یصیر خلا فظہر فیما ان استحالۃ العین تستتبع زوال اوصاف الموت علیہا التحدی اور محمد رحمہ اللہ کا قول
 اختیار کیا گیا ہے کیونکہ شرع نے وصف نجاست کو اس حقیقت پر مرتب کیا ہے اور حقیقت اپنے مضموم کے بعض اجزاء
 کے معدوم ہوجانے سے منتفی ہو جاتی ہے جیسا کہ کل کیونکہ بڑی درگوشت جب تک ہو گئے تو اسپر تک ہی کا حکم
 مرتب ہوگا اور شرع میں اس کی مثال لطفہ کی ہے کہ نجس ہو پھر وہ جم جاتا ہے اور وہ بھی نجس ہے پھر وہ گوشت کا تو ٹھہرا ہوا
 ہے اور وہ پاک ہے اور نچوڑا انکسور خمرہ کا پاک ہے پھر وہ شراب ہو جاتا ہے اور وہ نجس ہے پھر وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور وہ
 پاک ہے پس ہمیں معلوم ہوا کہ عین کا بدلتا مانع ہے اس وصف کے زوال کے جو اسپر مرتب ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں
 او نجس چیز کے کنوین میں پڑنے میں یہ فرق ہے کہ اس صورت میں حقیقت تغیر ہو جاتا ہے جو وصف نجاست کو دور کر دیتا
 ہے اور اس صورت میں اختلاف کی وجہ سے کو تین باقی نہیں رہتی گرتے نجس پانی نہیں ہو جاتی فافہم سوال درختار
 نے جو اسپجابی کے قول کو نقل کیا ہے وقیدہ الاسیجابی بان یستبین اثر التراب بمدیدہ علیہ اور
 اسپجابی نے اس میں اس بات کی قید لگائی ہے کہ مٹی کا اثر اسپر ہاتھ کے کھینچنے سے ظاہر ہو۔ تو اس عبارت سے ثابت
 ہوتا ہے کہ جو چیز زمین کی جنس سے نہیں ہے مٹی کی طرح اور غلاہ اور تکیہ اور توشک وغیرہ کے اسپر تیمم جائز ہے جب
 ہاتھ مارنے سے مٹی کا نشان ظاہر ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے اور بات اور توشک وغیرہ پر تیمم جائز ہے نہیں جیسا کہ
 بحرین اسپجابی کی عبارت کو بعد لکھا ہے وجہذا یعملہ حکم التیمم علی جوختہ اوبساط علیہ غبارا فالظاهر عدم الجواز لعلتہ
 وجودہذا الشرط فی الجوخۃ فلیتنبہ لہ اور اسی تیمم کا حکم بات یا ایسے بچھوڑے پر ظاہر ہو گیا جس میں غبار ہوا پس ظاہر
 نہ جائز ہونا ہے کیونکہ یہ شرط بات کے مثل میں بہت کم پائی جاتی ہے پس اسپر آگاہ ہوا اور پھر ہم شامی میں لکھا ہے
 او ضرب یدہ علی اللبد وارفع غبارہ فرفع یدہ یہ تیمم جائز تھے یا نہ دونوں باتوں کو لیا۔ پھر مارا اور اس
 سے غبار بلند ہوا پس نے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور تیمم کیا تو جائز ہے۔ اور تار خانہ میں لکھا ہے وصورۃ التیمم
 بالقباز ان یضرب بید کا ثوبا وغیرہ من الاعیان الظاہرۃ التي علیہا غبار فاذا وقع الغبار علی یدہ تیمم

اور غبار سے تیمم کرنے کی صورت یہ ہے کہ پندرہ نوٹوں ہاتھوں کو کسی کپڑے پر یا اس کے مثل در کسی خبار والی چیز پر اسے جب غبار دونوں ہاتھوں پر پڑ جائے تو تیمم کرے۔ اور ایسا ہی محیط اور فداوی عالمگیری میں ہے ان کتابوں کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کپڑے یا نمدے یا کیمہ وغیرہ پر ہاتھ مارے اور غبار ہاتھوں پر پڑے تو تیمم جائز ہو نشان پڑنے کی شرط ان کتابوں سے ثابت نہیں ہوتی تو اسے سجائی کے قول کی تطبیق عبارت کتب مرقومہ باناسے ہو سکتی ہے یا نہیں اگر ہو سکتی ہے تو اس طرح اور اگر نہیں ہو سکتی تو فتویٰ اس عبارت پر دیا جائے جو جواب عبارت اسے سجائی اور محیط وغیرہ میں تعارض نہیں ہو کیونکہ اس مقام پر مد کا لفظ بجائے ضرب کے ہو گیا کہ بعض کتب میں لفظ وضع کا قائم مقام ضرب کے آیا ہے پس اسے سجائی کے قول کی تطبیق عبارت کتب مرقومہ سوال سے یوں ہو سکتی ہے کہ بان یستبین اثر التراب آہ کے معنی میں ہا میں طرہ کٹا ہر ہوا اثر تراب کا ساتھ مارنے ہاتھ کے اوپر اس کے موجب نمدہ یا بانات و تکیہ و روشک و ریحاف وغیرہ پر ہاتھ مارنے سے غبار اڑا تو اثر تراب کا ظاہر ہوا کیونکہ مقصود اس عبارت سے بھی غبار کا ظاہر ہونا ہے اس میں جس پر ہاتھ مارا اور نشان پڑنا منع ضرب پر مقصود نہیں اور حقیقت میں اس عبارت کا وہ مطلب ہے جو در صورت التیمم بالغبار ان یضرب بیدہ ینثوب الخ کا مطلب ہے اور اس واسطے طحاوی میں ہے کہ قول کے بعد اسی عبارت و صورت التیمم کے نقل کر دیا ہے تو معلوم ہوا کہ صاحب طحاوی کو نزدیک اگر اسے سجائی کی عبارت نشان اور خط پڑا کل اشیا وغیرہ فی الارض بشرط مراد لجاے تو محیط وغیرہ کی روایت سے تطبیق نہوگی اور عدم تطبیق کی صورت میں محیط اور تار خانہ وغیرہا کتب معبرہ کی عبارت کے موافق فتوے دیا جائیگا تین وجہوں سے اور اسے سجائی نے گیموں وغیرہ سب چیزوں پر نشان پڑنے کی شرط لگائی ہے اور محیط میں نشان پڑنے کی شرط نہیں لگائی اور محیط کی روایت مفتی بہ ہے اس میں افتا اور تصحیح کی علامت موجود ہے ہر قال صاحب محیط و قالوا ایضا فی الحنفیۃ و الشیعہ و سائر الحبوب ذاک ان علیہا غبار جاز التیمم عند ابی حنیفہ و محمد رحمہما اللہ و انہ صحیحہ کہا صاحب محیط نے کہ کہا فقہائے گیموں اور جو اور تمام دونوں پر جبکہ ان پر غبار ہو امام ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک تیمم جائز ہے اور یہی صحیح ہے اور اس کے بعد محیط میں لکھا ہے و لو تیمم بغبار ثوبہ و غیر ذلک جزائی قول ابی حنیفہ رحمہما صحیحہ قول ابی حنیفہ اور اگر اپنے کپڑے یا کسی دوسری چیز کے غبار سے تیمم کیا تو یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کافی ہے اور انھیں کا قول صحیح ہے۔ محیط کی ان دونوں عبارتوں سے سمجھا گیا کہ ان اشیا پر غبار کا ہونا شرط ہے جو تیمم کے لیے نشان ہاتھ کا پڑنا ان چیزوں نہیں مفہوم ہوتا اور قاعدہ یہ ہے کہ جب دو روایتیں مختلف ہوں تو جس روایت کے ذیل میں تصحیح ہو اس کے مخالف فتویٰ نہ دی جیسا کہ اب مفتی میں ہے اذ ذلک تصحیح و الماخوذ و بلیقی او علیہ الفتویٰ لدیفیت بعضا لغبہ

جسکے ذیل میں صحیح یا ماخوذ یا بفتی یا علیہ الفتویٰ لکھا ہو اسکے خلاف فتویٰ نہ دے اور خطا وی میں لکھا ہو ان
مقابل ہو لاء ضعیف وغیر ماخوذ بہ وغیر مفتی بہ کیونکہ ان کا مقابل ضعیف یا ماخوذ بہ وغیر مفتی بہ ہو اور صاحب
در المختار نے بیجا بی کی روایت کے آخر میں کوئی علامت ترجیح کی نہیں لکھی ہو اور وہ دیکھ لی عادت ہے کہ ہر فتویٰ
مفتی بہ کے آخر میں لفظ بفتی اور علیہ الفتویٰ کا لکھتے ہیں (۲) جب فقہائے اقوال میں اختلاف ہوتا ہو تو
جو قول احوال الناس کے موافق اور ارفق اور قوی الوجہ ہو اور جس پر علم راہد ہو اُس پر فتویٰ دیا جاتا ہے جیسا کہ
در مختار میں ہو فان قلت قد یحکون اقوالا بلا ترجیح وقد یختلفون فی التفسیر قلت یعمل بمثل ما عملوا من اعتبار
تغیر العرف و احوال الناس و ما هو الارفق و ما ظهر علیہ التعال و ما قوی و جہد ولا یجملوا الوجود من یمینا هذا
حقیقۃ کلا ظنا پس اگر تم کہو کہ کبھی علماء اختلاف کو بلا ترجیح بیان کرتے ہیں اور کبھی صحیح میں اختلاف کرتے ہیں تو ہم کہیں گے
کہ عمل کیا جائیگا عرف و احوال الناس کے بدلنے کے اعتبار سے اور اُس پر جو آسان ہو اور جس پر علم راہد ہو اور
جسکی وجہ قوی ہو جیسا کہ انھوں نے عمل کیا تھا اور کوئی نہ کوئی ایسا ضرور موجود ہوگا جو اُسکی درحقیقت تمیز
کرنے نہ صرف ظن ہی سے پس اس قاعدے کے اعتبار سے محیط وغیرہ کی عبارت ارفق ہو اور اُس پر لوگوں کا عمل
ہو اور بیجا بی نے جو نشان پڑنے کی شرط لگائی ہو تو اس شرط کا پایا جانا ہر وقت مشکل و ریجہ دشوار ہو اور
اس میں تنگی اور حرج تصور ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو و اجعل علیکم فی الدین من حرج تمہر دین میں
تنگی نہیں کی (۳) یہ کہ روایت محیط اور تاتارخانیہ وغیرہ کی متون کے موافق ہو شامی میں ہو و العمل
بما فی المتون لانه اذا تعارض ما فی المتون والفتاویٰ فالمتن ما فی المتون کما فی النفع الوسائل و لکن الیقدم
ما فی النشر مس علی الفتاویٰ جو متون میں ہو اُس پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ جب متون اور فتاویٰ متعارض ہوں
تو متون ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے جیسا کہ النفع الوسائل میں ہو اور ایسا ہی جو شرح میں ہے وہ فتاویٰ پر مقدم ہو
اور صاحب متون مقدمہ جیسے صاحب کنز و وقایہ و مختار وغیرہم نے نشان پڑنے کی شرط کو ذکر نہیں کیا ہو اور یہ لوگ
چھٹے طبقے کے فقہاء ہیں اقویٰ اور قوی کے درمیان میں تمیز کرتے ہیں اور ان کتب کی روایتیں بہت مقبول
قوی ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے جیسا کہ صاحب در المختار نے کہا کہ
و شاہم ان لا یقلوا الا اقوال المردودۃ والروایات الضعیفۃ و راہکی شان یہ ہے کہ اقوال مردودہ اور روایات
ضعیفہ کو نقل نہ کریں۔ اور یہ بھی ہے کہ متون کا متواتر میں شامی میں ہے و الحکمہ بما فی المتون کما لا یخفی لا خاصا
مستوفی حکم اُسی پر ہے جو متون میں ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں کیونکہ وہ متواتر ہیں۔ اور متون سے مطلقا غبار سحیم

بغیر کسی شرط و ترقید کہ جائز ثابت ہو جیسا کہ اکثر مبین لکھا ہو وہ بلا عجز یعنی خباثت و تمیم جائز ہو اگرچہ مٹی سے عاجز نہ بھی ہو اور وقایہ
 لکھا ہے وعلیہ مع فدائہ علی الصعید یعنی مٹی پر قدرت رکھنے کی حالت میں بھی غبار پر تمیم جائز ہے اور
 تنویر الابصار میں ہو وہ مطلقاً غبار پر تمیم مطلقاً جائز ہو مٹی سے عاجز ہو یا نہ ہو اگر کوئی سوال کرے کہ غبار پر تمیم جائز ہو تو
 کہیں گے جتنے پر غبار کا اطلاق ہو سکے کیونکہ شرح میں عرف کا اعتبار ہو جیسا کہ شناسی میں ہو و الا حکام مبتدی علی
 العرف فیختار فی کل اقلیم و فی کل عصر عرف اہلہ احکام کی بنا عرف پر ہو پس ہر اقلیم اور ہر زمانے میں اُنکی الی
 کے عرف معتبر ہونگے اور ہر ایہ میں ہو و کذا ایجوز یا اعتبار مع القدرة علی الصعید عند ابی حنیفہ و محمد رحمہما
 اور ایسا ہی غبار پر تمیم جائز ہو کہ مٹی پر قدرت ہو امام ابو حنیفہ و محمد رحمہما اللہ کے نزدیک صاحب ہدایہ کی
 عبارت سے بھی نشان پڑتا نہیں سمجھا جاتا اور صاحب ہدایہ یا پنجین طبقے کے فقہاء اور اصحاب ترجیح میں سے
 ہیں اور عالمگیری میں ہو و یجوز بالغبار مع القدرة علی الصعید کذا فی السراج الوہاج و هو الصحیح غبار سے
 تمیم جائز ہو اگرچہ مٹی پر قدرت حاصل ہو ایسا ہی مسلح و ناج میں ہو اور صحیح ہو اور قاضی خان میں ہے
 و لو نفض ثوبہ اولیدہ او سرجہ فقیم بغبارہ جاز اور اگر اپنے کپڑے یا لباس یا زین کو جھاڑا اور اُسکے عبارت
 تمیم کیا تو جائز ہے اور اس کے بعد لکھا ہو ان ضرب یدہ علیہ و لوق بہ تراب فقیم بہ جاز و کذا الوضرب یدہ
 علی خطۃ او شعیر فلزق الثراب او الغبار یدہ بذلک جاز اور اگر اپنے ہاتھ کو اُسپر مارا اور اُس میں مٹی
 لگ گئی پس تمیم کیا تو جائز ہو اور ایسا ہی اگر اپنے ہاتھ کو گھون یا جو پر مارا اور مٹی یا غبار اُسکے ہاتھ میں لگ
 گیا تو اُس سے تمیم جائز ہو۔ اس سے بھی نشان پڑتا ثابت نہیں ہوتا اور تمیم کرنے کی کیفیت جو امام سے منقول
 ہو یہی ہو فی الشامی دروی ان ابایوسف قال سألت ابا حنیفہ عن التیم فقال التیم ضربتان ضربۃ للوجه و
 ضربۃ للیدین الی المرفقین فقلت کیف هو ف ضرب یدہ علی الصعید فاقبل بھما و ادبر ثم نفض ما تمیم
 بذلک ظاہر الذراعین و باطنہما الی المرفقین شامی میں ہے روایت کی گئی ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے
 کہا میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا تمیم کیا ہے تو انھوں نے کہا دو ضربیں ہیں ایک منہ کے لیے اور ایک
 دونوں ہاتھوں کے لیے کہتوں تک میں نے پوچھا کیونکہ پس انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارا
 اور انھیں اگلے اگلے اور چھپے لائے پھر انھیں جھاڑ دیا پھر اُن سے ظاہر اور باطن ذراعین کا مسح کہتوں تک
 کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تمیم کرنے کی یہی کیفیت ہو اور مٹی اور غبار اُنکے نزدیک ایک
 ہی چیز ہو ہر ایہ میں ہو کہ نہ تراب سقیق کیونکہ وہ باریک مٹی ہو پس اشیاء غیر خس لا أرض پر ہاتھ رکھ کے

کھینچنے سے نشان پڑنا اور ہاتھوں پر غبار کا محسوس ہونا جو از محکم کے لیے شرط نہیں بلکہ قیاس کی وجہ سے غبار اکثر ہاتھوں پر محسوس بھی نہیں ہوتا فقط مرتفع اور ظاہر ہونا غبار کا بعد از ترب الید موضع ضرب سے کافی ہے واللہ اعلم حرمہ
الراجی الی رحمۃ ربہ الصمد فقیر احمد بن علی الجونیوری عفا اللہ عنہما ہوا المصوب عبارات کتب فقہیہ سے علی الخصوص عبارات متون میں اشتراط ظہور اثر ترب کا اس طرح ہے کہ ہاتھوں پر محسوس ہو یا اس چیز پر جس پر غبار بنو نشان پڑ جائے پتہ نہیں چلتا بلکہ عبارت عینی سے شرح ہدایہ میں (وینوزا لتیم بالغبار بان یفرض نوہ اولیٰ و ثانیہ) وارفع یتیم منہ یجوز عندہا او غبار سے تیم جائز ہے اس طرح ہے کہ اپنے کپڑے یا لباس کے کو جھاڑا اور اس سے غبار بلند ہوا پس اُس سے تیم کیا تو یہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور ایسی ہی اور فقہاء کی عبارات سے صرف ارتفاع غبار کا فی معلوم ہوتا ہے اور ظاہر اور اسمیجائی کو کلام بستیبین اثر التراب بالیدہ علیہ طے کا اثر اسپر ہاتھ کھینچنے سے ظاہر ہوا سے ہی مراد ہے کہ اسپر ہاتھ مارنے یا ہاتھ کھینچنے سے غبار مرتفع ہوا اور اثر غبار یقین ہو نہ یہ کہ خواہ خواہ ہاتھ پر محسوس ہو یا اُس چیز پر نشان پڑ جائے اگر بالفرض عبارت اسمیجائی اور فقہاء کے مخالف ہو تو باب افتاء میں جہود فقہاء کا اعتبار کیا جائیگا اور چونکہ غبار سے تیم کا جائز ہونا اسپر مبنی ہے کہ یہ ترب رقیق ہو جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول (فیمو اصیحا طیباً پس پاک مٹی سے تیم کرو) میں صعیہ کسی قید کے ساتھ مفید نہیں ہے پس جب غبار بھی داخل صعیہ طیب ہو تو ضروری ہے کہ اُس سے بغیر شرط زائد کے تیم جائز ہوگا ان دو غبار کا یقین ضروری ہے اور وہ صرف ارتفاع غبار میں موجود ہے واللہ اعلم حرمہ الراعی
سفورہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحئی تجاوزا اللہ عنہما اجمالی و انحفی [ابو الحسنات] **سوال** وضو میں کوئی چیز واجب ہے یا نہیں جواب نور الانوار وغیرہ میں مذکور ہے کہ لا واجب فی الوضوء وضو میں کچھ واجب نہیں اور جہود فقہاء بھی وضو میں تراکض سنتن مستحبات لکھتے ہیں اور واجب کا ذکر نہیں کرتے لیکن ابن ملک کی شرح منار اور صحیح صادق شرح منار وغیرہ میں مقدمہ لا واجب فی الوضوء وضو میں کوئی چیز واجب نہیں چند وجہ سے مخدوش کیا گیا ہے اور ابن ہمام نے وضو کے شروع میں بسم اللہ کہنے کو واجب لکھا اس مقدمہ کو رد کر دیا ہے انکی عبارت فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں بعد تفصیل حدیث تسمیہ عند الوضوء کے یہ ہوادای المظاہر فی وجوب التسمیۃ فی الوضوء وعنوان صحیح لا یتوقف علیہا لان الرکن انما ثبت بالقاطع وما قبل من انہ لا مدخل للوجوب فیہ لانہ شرط تابع فلو قلنا بالوجوب یساوی للتع الاصل غیر لازم اذا اشتراکھا بثبوت الوجوب فیہا لا یقتضیہ لثبوت عدم المساواة بوجه اخر وهو ان الوضوء لا یلزم بالثبوت بخلاف الصلوۃ مع انہ لا یلزم

من اہکملہ بان واجبہ احطرتہ من واجبہ الصلوۃ کفرض بالنسبۃ الی فرضہا انتھ پس پہونچی نظر وجوب میں
 بسم اللہ کے واجب ہونے تک اور اسکا صحیح ہونا اسپر موقوف نہیں ہر کیونکہ رکن دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہر اور
 یہ جو کہا گیا ہو کہ وجوب کو اس میں کچھ دخل نہیں اس لیے کہ یہ تابع شرط ہے تو اگر ہم اسکے وجوب کے قائل
 ہونگے تو تبع کا اصل کو مساوی ہونا لازم نہیں ہر کیونکہ غیبت واجب میں مشترک ہونا مساوات کو نہیں جانتا
 کیونکہ عدم مساوات دوسرے طریقہ پر پائی جاسکتی ہر یعنی یہ کہ وضو نذر سے لازم نہیں ہوتا برخلاف نماز کے باوجود
 اس حکم سے کوئی مانع نہیں ہے کہ واجب وضو کا مرتبہ واجب صلوۃ سے کم ہو جیسا کہ فرض وضو فرض صلوۃ سے اور
 اس بحث کی زیادہ تفصیل میرے رسالہ احکام القنطرہ فی احکام المسلمین میں موجود ہر بسکوشوق ہو اسکا مطالعہ
 کرے سوال جنب مخدر جو غسل کرے عا جزا و غسل سے مرض کی زیادتی کا احتمال ہو اور وضو کرنے میں
 کچھ ضرر نہیں پس وہ وضو کر کے نماز پڑھے یا تیمم کر کے جواب جبکہ وضو کرنے سے عارض نہیں ہر تو تیمم جابت
 کرے اور وضو کر کے نماز ادا کرے واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی محمد عبدالحی اصحاب البیاب کتابہ الضعف عبد اللہ
 محمد فصل العقی عنہ سوال استنجا پانی سے ہو یا پتھر سے سنت موکدہ ہر یا نہیں جیسا کہ شامی نے (وہو)
 سنتہ موکدہ مطلقا اور وہ مطلقا سنت موکدہ ہر کے تحت میں لکھا ہے سواء کان بالماء او بالحجر برابر ہر چاہے
 پانی سے ہو یا پتھر سے اور دونوں کو جمع کرنا سنت غیر موکدہ یعنی مستحب و افضل ہر یا نہیں جیسا کہ عالمگیری میں
 جمیعین سے نقل کیا ہر والا فضل ان جمیع بینہما اور دونوں کو جمع کرنا افضل ہر اور صرف پانی سے استنجا جائز
 ہے یا نہیں اور قسم واسطہ استنجا کے اداے سنت کا ثواب و اسکی فضیلت اتنے سے حاصل ہر یا نہیں جیسا کہ شامی نے
 ادا و غیرہ سے نقل کیا ہر ثلثہ لعلہ ان الجمع بین الحجر والماء افضل فیلیہ فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیہ الاقتصار
 علی الحجر وتحصل السنۃ بالکل وان تفاوت الفضل پھر تم جانو کہ پتھر اور پانی میں جمع فضل ہر اور اسی کے قریب فضیلت
 میں پانی پر اقتصار ہر اور اس کے قریب پتھر پر اقتصار ہر اور سنت سب سے حاصل ہوتی ہر گو کہ فضل مختلف ہر اور جو کہ
 عالمگیری کی اس عبارت سے (وقیل ہو) ای الجمع بین الحجر والماء + سنت فی ذاننا وقیل علی الاطلاق وهو الصحیح
 وعلیہ الفتویٰ کہا گیا ہر کہ وہ یعنی پتھر اور پانی میں جمع ہمارے زمانے میں سنت ہر اور کہا گیا ہر کہ علی الاطلاق
 ہر زمانے میں سنت ہر اور ہر صحیح ہر اور اسی پر فتویٰ ہر یہ سمجھے میں کہ جمع بین الحجر والماء کے علاوہ صرف پانی یا پتھر
 پتھر پر اقتصار کرنے سے سنت کا ثواب نہ ملے گا یہ سمجھے میں یا جھوٹا جواب جب نجاست محض سے تجاوز
 نہ ہوئی ہو تو اسکی تطہیر پانی یا پتھر سے جسے آنا کہتے ہیں سنت موکدہ ہر اور اگر نجاست محض سے تجاوز ہوئی ہو

تو اسکو مثل دوسری حقیقہ مسنون کو بانی ہی سے دھونا فرض ہو غلام زمین بن مجیم بحر الرافق شرح کنز الدقائق میں
لکھتے ہیں واما ان الاستنجاء لا يكون الاستنساة وصرف في النهاية بان سنة مؤكدة فلا يكون فرضا وعلى هذا
فما ذكر في السراج الوهاج من ان الاستنجاء خمسة انواع اربعة فريضة وواحدة سنة فالاول من الحيض
والنفاس الجنابة والفجاسة اذا تجاوزت مخرجها وواحد سنة وهو اذا كانت النجاسة مقدرا
المخرج فتساع فان الثلاثة الاول من باب ازالة الحدث وان لم يكن شئ على المخرج وان كان شئ
فهو من باب ازالة النجاسة الحقيقية من البدن فلا يكون من باب الاستنجاء وان كان على احد السيلين
فهو سنة لا فرض والرابع من باب ازالة النجاسة عن البدن وقد علمت انه ليس من باب الاستنجاء
فلدقيق الا القسم المسنون انصح مكر استنجاست ہی ہو اور نہ یں اسکی تسبیح کی ہو کہ یہ سنت ہو کہ یہ تو فرض
نہو گا اور اس بنا پر جو مسلح وراج میں ہو کہ استنجاء پنج قسم کا ہو چار فرض ہیں اور ایک سنت ہو پس اول حیض
اور نفاس و جنابت اور نجاست سے جب اپنے مخرج سے تجاوز ہو جائے استنجاء ہو اور ایک سنت ہو اور وہ جب
نجاست بمقدار مخرج ہو تسلیح ہو کیونکہ پہلے میں باب ازالة حدث سے ہیں اگر مخرج پر کچھ بھی نہ ہو اور اگر مخرج پر
کچھ ہو تو باب ازالة نجاست حقیقہ سے ہیں پس باب استنجاست نہوں گے اور اگر احد السيلين پر ہوں تو وہ
سنت ہو فرض نہیں ہو اور چوتھا باب ازالة نجاست عن البدن ہو اور تھین معلوم ہو کہ وہ باب استنجاست نہیں ہو پس
صرف قسم مسنون باقی رہی اور فقہائے ہنفیہ کی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہو کہ استنجاء قطبانی یا فقط پھر سے بھی
درست ہو اور یہ کہ استنجاء مطلقا بغیر بانی اور پھر کی خصوصیت کے سنت ہو کہ یہ ہو اور پانی پر اکتفا کرنا جو طہر حقیقی
ہو پھر پر اکتفا کرنے سے جو نجف اور شقی ہو افضل ہو اور دونوں کو جمع کرنا دونوں کو افضل ہو شامی کی عبارت
جو سوال میں مذکور ہو اسی پر دلالت کرتی ہو لیکن محققین محدثین حنفیہ کہتے ہیں کہ بانی اور پھر دونوں کو جمع کرنا بھی
سنت ہو کہ یہ ہو پس صرف بانی یا صرف پھر پر اکتفا کرنا سنت جمع کا تارک ہو گا ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں
عن انس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل الخلاء فاحل نا و غلام فحوى اداوة من ماء فيستقي به متفق عليه
ظاهر في الموطأ بالماء ومقتضاها كراهة تركه وكذا ما روى بن ماجه عن عائشة قالت ما ريت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يخرج من غائط الا لمس ماء اتبعه حضرت انس رضی اللہ عنہ وروایت ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی
ضروریات سے فراغت کرتے تشریف لیا تو تین او چیری طرح لیکھا و غلام بانی کے ایک برتن کو لیکھ کر اہتھا تھا پس آہ
اُس کو استنجاء تو پھر اور متفق علیہ ہو ظاہر ہو کہ بانی سے استنجاء کر لینی ہیشگی میں اور اسکا متفقہ کر اہت ترک استنجاء بالماء ہو اور

ایسی ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی پانی نہ
 سے بے پانی نہ دیکھا۔ اور اسی کتاب میں ایک صفحے کے بعد لکھا ہے الفرضی ما تقدم من حدیث
 المس وعائشہ یفیدان الاستیحاء بالماء سنة موكدة في كل زمان لا فادته المواقبة انتہی جزمیہ میں حضرت
 انس و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی گزری ہیں ان میں خود کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی سے استنجا ہر زمانے
 میں سنت ہو کہ یہ حدیثیں ہمیشگی پر دلالت کرتی ہیں اور مجمع الزوائد شرح ملتقى الأبحر میں لکھا ہے اختلف
 فی الخسل بالماء فقيل مستحب وقيل لجمع سنة في زماننا كان اهل الزمان الاول كانوا يعبرون بعزل
 لانهم كانوا لا ياكلون الا قتيلا واهل زماننا ياكلون كثيرا فيتسلطون وقيل سنة على الاطلاق
 وهو الصحيح وعليه الفتوى انتہی پانی سے دھونے میں اختلاف ہے پس بعضوں نے مستحب کہا ہے اور بعضوں
 نے جمع کو سنت کہا ہے ہمارے زمانے میں کیونکہ پہلے زمانے میں اس کو کھانا نہ دیا جاتا تھا نہ پانی نہ پھر پانی
 اور اب لوگ چونکہ زائد کھاتے ہیں اس لیے پاخانہ بھی زائد پھرتے ہیں اور کھانا بھی کہ سنت ہے علی الاطلاق
 اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ہر اتحاصل مطلق استنجا بالاتفاق سنت ہے اور استنجا بالماء میں اختلاف ہے
 بعض اسے مستحب کہتے ہیں اور بعض ازوئمتناخرہ میں سنت کہتے ہیں اور بعض ہر زمانے میں سنت کہتے ہیں
 اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع بین الماء والحجر پر ہمیشگی فرمائی ہے
 اور ہر تقدیر پر جو لوگ عالمگیری کی عبارت سے یہ سمجھیں کہ جمع بین الماء والحجر کو علاوہ نہ پانی یا تنہا پھر سے استنجا بطر
 مسنون اور انہو کا غلط سمجھیں کہ بالاتفاق ہر تین صورتوں میں استنجا بطر مسنون ادا ہو جائے گا البتہ
 بر مذہب سنیت جمع دوسری سنت کا ترک لازم آئے گا یہ بحث استنجا کے غلط کی تھی لیکن استنجا ببول میں جمع
 بین الماء والحجر کسی حدیث میں نظر سے نہیں گذرا اور اس علم سوال میت کو جو پہلے کلوی یا حجر سے پھر پانی سے
 استنجا کرنے میں یہ مشروع ہے یا نہیں جواب استنجا آب یا حجر سے از قبیل احتیاطات ہو میت کے لیے بھی جائز
 ہے اور المتحارین ہو عندہما یستحبی وعند ابی یوسف لا وصورقمان یلف الفاسل خرقۃ علی ید کا و
 یفعل السوءۃ لان مسہا حرام کا منظور جو ہر طرفین کے نزدیک استنجا کرے اور امام ابو یوسف کو نزدیک
 نہیں اسکی صورت یہ ہے کہ غسل کر لیا والا کھیا اپنے ہاتھ پر لپیٹ کے شرمگاہ کو دھوئے کیونکہ اس کا چھونا دیا ہی
 حرام ہے جیسا کہ اس کا دیکھنا سوال جس نے استنجا ببول میں پانی پر اکتفا کی اور ڈھیلے وغیرہ نہ لیے اس کے
 پیچھے ناز جائز ہے یا نہیں جواب بول کے بعد ڈھیلے لینا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت رسائل الارکان

میں ہو و پس ان سے بھی لا بول و الفاظ بالبحر شیب او بریا خانے کے لیے پتھر سے استنجہ مسنون ہے اور ٹھیلے
اور پانی کو جمع کرنا افضل اور عالی مرتبہ نہیں اگر کسی نے پانی ہی پر کتھا کی اور دفع نجاست کا تقرر اسکو ہو گیا
تو طہارت حاصل ہو جائے گی فان الماء قائم النجاستہ کذا فی البحر الوائق کیونکہ پانی نجاست کو دو کرتا ہے جو ابیلو ہی
بحر الرائق میں ہو لہذا اسکی اقتدا جائز ہو سوال اگر برائے کے بعد طہارت کے لیے نیسی نے فقط پانی پر الفاظی اور ٹھیلے
نہ لیے تو اسکی نماز صحیح ہے یا نہیں جواب صحیح ہو کفار میں ہو ثم الاستنجاء بالاحجار سنۃ موكدة عندنا حتی
لو ترکہ وصلی بغیر استنجاء اجزہ صلوۃ و قال الشافعی بانہا فريضة لو ترک بالاحجار و با یقوم مقامہ لم یغز صلوۃ
والمسألة نوع لمسألة اخرى و هو ان النجاست اذا كانت علی قدر الدراہم او اقل هل تفرق زالتھا محو الملوحة
او لا فعندنا لا تفرق و عندہ تفرق کما لو كانت هذه النجاسة علی موضع اخر الا ان فی هذا الموضع
یطهر بالبحر المدروفی سائر المواضع لا یطهر الا بالماء پھر پتھر سے استنجہ ہوا ہی نزدیک سنت موكدة ہے حتی کہ اگر اسے
چھوڑ دیا اور بلا استنجہ نماز پڑھی تو نماز جائز ہو جائیگی اور امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ فرض ہے اگر پتھر دن یا اس کے قائم قلم
چیزوں سے استنجہ نہیں کیا تو نماز نہ جائز ہوگی اور یہ مسئلہ دوسرے مسئلہ کی فرع ہے اور وہ یہ کہ نجاست جب بقدر
درہم کے یا اس سے کم ہو تو حجاز صلوۃ کے لیے اسکا دفع کو ضروری ہے یا نہیں تو ہمارے نزدیک ضروری نہیں ہے اور
ان کے نزدیک ضروری ہے حیہ تاکہ یہ نجاست اگر کسی دوسری جگہ نہ لگے کہ اس جگہ پتھر اور ٹھیلے بھی طہارت
حاصل ہو اور دوسری جگہوں میں صرف پانی سے اور در المختارین ہو ثم اعلم ان الجمع بین الماء والبحر افضل و یلیہ
فی الفضل الاقتصار علی الماء و یلیہ الاقتصار علی البحر و یحصل السنۃ بالکل وان تفاوت
الفضل کما اذا دہ فی الامداد وغیرہ پھر جانتا چاہیے کہ پانی اور پتھر دونوں سے استنجاء کا افضل ہے اور اس کو بعد
صرف پانی سے اس کے بعد صرف پتھر سے اور سنت سب سے حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ فضل میں تفاوت ہو لیسا ہی ملاد
وغیرہ میں ہو سوال بول دہرا میں ڈھیلے نہ لینا اور پانی پر کتھا کرنا و انقض کے خضائص میں سے ہے پس
اس میں کئی مشابہت ہوتی ہے جواب بہر فعل میں مخالف دین کی مشابہت کرنا یا بقصد تشبہ کرنا ممنوع ہے
ان دو صورتوں کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں ہے مطلقاً وہی میں ہے وقال فی البحر علم ان التشبہ باهل کتاب لا یکرہ
فی کل شیء فانما لا یکرہ و تشبہ کما یفعلون انما الحرام التشبہ فیما کان مذموما و فیما یقصد بہ التشبہ بحرین ہے بہر بات
میں اہل کتاب کی مشابہت کر دہ نہیں ہے کیونکہ ہم کھائے پیتے ہیں جیسا کہ وہ کرتے ہیں بلکہ تشبہ ان چیزوں میں حرام
جو بری ہوں یا جن میں انکی تشبیہ مقصود ہو سوال پہلے ڈھیلے سے پھر پانی سے برائے کے بعد استنجہ کرنا کیسا ہے

جواب سنت ہو کہ یہ یقیناً یہی الاستنجاء من کل حدث غیر النہم والریح بنحو صحیح حتی ینقیہ سنتہ
 ریح اور غلاب کے علاوہ ہر حدث سے استنجا پتھر وغیرہ سے سنت ہو اور ڈھیلے وغیرہ لینے کے بعد پانی سے دھونا
 بعض کے نزدیک سنت ہو اور مختار یہ کہ وہ بھوکہ یا کھانا یا مسجرت یا عادت تھی کہ براز کے بعد پتھر سے استنجا کر کے
 پانی سے طہارت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُنکی معین یہ آیت نازل فرمائی فیہ رجال یحبون ان یتطہروا اس میں
 سے لوگ ہیں جو پوری پانی کو دوست رکھتے ہیں اور یہ ثابت نہیں ہو کہ اہل مسجد قبایل کو بعد بھی پتھر سے استنجا کر کے
 پانی سے طہارت کرتے تھے جیسا کہ ذیل کی روایات سے واضح ہوگا تفسیر احمدی میں ہو لما انزل اللہ ہذہ الایۃ وبان فی وہم
 بالطہارۃ بصیغۃ المبالغۃ مشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ المهاجرون حتی وقفوا علی باب مسجد
 قباء فاذا انصار جلوس فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اثمون اثم فسکت القوم ثم اعدا دھاناً ثانیاً
 فقال عمر رضی اللہ عنہ انہم لمؤمنون وانا معہم فقال علیہ السلام اترضون بالقضاء فقالوا نعم فقال علیہ
 السلام تصبرون علی البلاء قالوا نعم قال علیہ السلام انتکون علی الرضاء قالوا نعم قال علیہ السلام
 اثم مؤمنون ورب الکعبۃ فجلس ثم قال یا معشر الانصار ان اللہ تعالیٰ قد انشی علیکم فہما الذی تصنعون
 عند الوضوء وعند الغائط فقالوا یا رسول اللہ نتبع الغائط الاحجار التثثم نتبع الاحجار الماء قتلی النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم فیہ رجال یحبون ان یتطہروا لہذا ذکرہ المفسرون اللہ تعالیٰ نے جب اس آیت کو نازل کیا اور
 اُن لوگوں کے موقف طہارت کو بصیغۃ کہا لفظ ذکر کیا تو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہی ہاجرین روانہ
 ہوئے جب مسجد قباء کے دروازے پر پہنچے تو اپنے بہت سے انصار کو بیٹھے پایا پس آپ نے پوچھا کیا تم لوگ مسلمان ہو
 وہ سب چپ ہو گئے پھر آپ نے ہی پوچھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں اور میں بھی ان کے
 ساتھ ہوں آپ نے پوچھا کیا تم قضاے اُن پر راضی ہو انھوں نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کیا تم مصیبت برص بردہ گے
 انھوں نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کیا تم رملے اُن پر شکر ہو گے انھوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ہر بکعبہ تم لوگ مسلمان
 ہو پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا لے کر وہ انصار اللہ نے تمہاری تعریف کی جو تم وضو اور پاخانے کی وقت کیا کرتے ہو انھوں نے
 کہا یا رسول اللہ ہم پاخانے سے فارغ ہو کر تین پتھر دن سے طہارت کرتے ہیں اُس کے بعد پانی لیتے ہیں پس آپ نے یہ آیت
 پڑھی فیہ رجال یحبون ان یتطہروا ایسا ہی مفسرین نے ذکر کیا ہو۔ اور تفسیر رضوی وغیرہ میں ہو دروی ابن ماجہ
 والد ارعی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا انکم مثل الوالد لولد علیکم
 اذا ایتکم الغائط فلا تستقبلوا الغائط ولا تستدبروہا و امر بثلثۃ اجار انھو دروی ابو داؤد والنسائی

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذهب احدکم الى الغائط فليذهب معه ثلثة احجار۔ ابن ماجہ و دارمی و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لیے ویسا ہی ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لیے مین تلو تلاتا ہوں کہ جب تم پاخانے جاؤ وہاں نہ قبلہ رخ ہو کہ بیٹھو اور نہ قبلہ کی طرف بیٹھ کر کے بھٹکے پلے تین ڈھیلے لینے کا حکم فرمایا اتھی اور ابوداؤد و نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لیے جائے تو اپنے ساتھ تین ڈھیلے لیتا جائے۔ اور ہر ایک میں ہے الاستنجاء سنتہ لان النبی علیہ الصلوۃ والسلام واطب علیہ ویحوز فیہ الحج و ما قام مقامہ وغسلہ بالماء افضل لقولہ تعالیٰ فیہ رجال یحبون ان یتطہروا نزلت فی اقوام یتبعون الحجارة الماء تم ہو ادب و قیل ہو سنتہ فی زماننا استنجاء سنت ہے کیونکہ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتیمات نے ہمیشہ اسکی پابندی کی ہو اور استنجاء پھر اور اس کے قائم مقام دوسری چیزوں سے کرنا جائز ہو اور پانی سے دھونا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو فیہ رجال یتطہروا انہم وہ لوگ ہیں جو پاکی کو دوست رکھتے ہیں۔ اور یہ آیت ان اقوام کے باری میں نازل ہوئی ہے جو پتھر سے طہارت کے بعد پانی لیتے تھے۔ علاوہ بریں یہ تہذیب ہو اور بعضوں کے نزدیک تو ہمارے زمانے میں سنت ہے اور کفایہ میں ہے کہ الاستنجاء بالماء ادب لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یستنجی بالماء مرة وینزکہ اخوی و هذا هو الادب پانی سے استنجا کرنا تہذیب ہے کیونکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پانی سے استنجا کرتے اور ایک مرتبہ ترک کرتے تھے اور یہی ادب ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ الاستنجاء بالماء بعد الاستنجاء بالحجارة ادب عندنا ہمارے نزدیک ڈھیلے لینے کے بعد پانی سے استنجا کرنا ادب ہے سوال بول کے بعد ڈھیلے لینا پھر پانی سے طہارت کرنا کیا حکم رکھتا ہے جواب صراحتاً ثابت نہیں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بول کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کیا بلکہ ابوداؤد و نسائی نے ایک حدیث حکم بن سفیان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بال تو وضاً و فیه فوجہ یعنی حضور نے بول کے بعد وضو کیا اور شرکاء پر پانی چھڑکا بعض کہتے ہیں کہ اس سے ازار کا وہ حصہ مراد ہے جو شرکاء کی لیے خاص ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے شرکاء کو پانی سے دھوا یعنی بول کے بعد پانی سے استنجا کیا پھر وضو کیا ایسا ہی کہا ہے شیخ دہلوی نے اگر تو کہے کہ احادیث میں استنجا کبھی جائز نہ رہے اور استنجا عام ہے بول کے بعد ہو یا براز کے بعد تو ہم کہیں گے کہ استنجا سے طلب طہارت بعد براز مراد ہے نہ طلب طہارت بعد بول بمقام حشفہ کہ اسکو استہرا کہتے ہیں اور بعض فقہاء اس بیان کے بعد

کہ وکیل سے استنجا کرنا سنت ہے استنجا بعد برائے تفصیل پہنچاؤ مگر ما و مریون کرتے ہیں المراقۃ تدبیر الحج الاول و
 یقبل بالثانی و تدبیر بالثانی فی کل حال و هكذا یفعل الرجل ان کان الزمان صیفا و یعکس ان کان شتاء عورت
 پہنچاؤ پھر پیچھے کی طرف لیجائے اور دوسرے کی طرف لائے اور تشریف چھ کی طرف لیجائے ہر حال میں اور اگر جائز لیجا
 زمانہ ہو تو ویسا ہی کرے اور اگر گرمی کی فصل ہو تو اسکا عکس کرے یہ عبارت بھی اس قول کی تائید کرتی ہے کہ استنجا سے
 طلب طہارت بعد برائے مرد و عورت دونوں نفسیہ و جسمی میں ہر صا ذکر اہل الاصول بدلت علی ذلک تعظیر الذی
 بعد لبول و التطہیر الذی بعد الماء و الحق ان مراد الفقہاء ایضا عمر کیاں لعلیہ تولى و لا استنجا
 من کل عدائی خارج من السبیلین مستغایۃ ما فی الباب ان الاستنجا بعد الماء لما اجابہ الی زیادۃ
 تفصیل عقبہ بقولہم یدبر بالہج الاول و یقبل بالثانی من غیر اظہار ان ہذا طریق الاستنجا مخصوص
 اور اہل اصول کو اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم پیشاب اور پاخانہ دونوں کے بعد والی طہارت کو شامل ہے اور درست
 یہ ہے کہ فقہاء کی مراد بھی عام ہی ہے جیسا کہ اس پر انکشاف یہ قول دلالت کرتا ہے اور استنجا ہر صحت یعنی خارج سن اسیدین
 سنت ہے زیادہ برہن نیست چونکہ استنجا برائے اندر استنجا تفصیل ہے اس لیے اس کے بعد استنجے کے طریقہ کو ذکر کر دیا
 بغیر یہ ظاہر ہے ہوسے کہ کس خاص استنجہ کا طریقہ ہے لیکن یہی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول کے بعد
 وکیل سے وغیرہ سے استنجا کرتے تھے مولانا عبدالحق سائل الزکاتین میں تحریر فرماتے ہیں ویسب ان الاستنجی لبول و الماء بالہج
 اذا لم یجف غا و النجاست عن قد لا یرحم لولہ لیسبہ و اذا خاف ذلک یفترض الاستنجا بعد الحج بالما و قد رو
 البیہقی عن مولی امیر المومنین رضی اللہ عنہ قال کان عمر اذا بال قال ناولنی شیدئا استنجی بہ فان اول العود
 او الحج و یاتی حائطا یسبح بہ او یسبح الارض قال البیہقی ہذا اصح ما فی الباب کذا نقل الشیخ عبدالحق و فیہم
 منہ حجرا لا استنجا و بالعود و لعلہ یکون بعض الاعواد یجیث یکون جدا ابا و سنت یہ ہے کہ پیشاب و پاخانہ دونوں
 کے لیے پھر سے استنجا کرنا جبکہ اسے ایک درہم و زائد غناست کے بڑھانے کا ذکر نہ ہو ورنہ پھر کے بعد پانی سے بھی استنجا فرض
 ہے و بیہقی نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلام سے روایت کی ہے کہ جب پیشاب کرنے جائے تو فرمائے مجھ کو کچھ
 جس سے میں استنجا کر دوں میں آپکو لکڑی یا پتھر دیتا یا آپسی دیوار کے پاس تشریف لیجاتے یا زمین پر گر گرتے
 بیہقی نے کہا جو کہ اس باب میں یہ سب زیادہ صحیح روایت ہے ویسا ہی محدث و دہلوی نے نقل کیا ہے اس سے ثابت ہوا
 لکڑی سے استنجا کرنا بھی جائز ہے و ممکن ہے کہ یہ علم ان بعض لکڑیوں کا ہر جن میں قوت جاذبہ ہوتی ہے اور طریقہ ان کے واسطے
 میں اور ابو نعیم نے علیہ میں بھی ایسی ہی روایت کی ہے جس کا محدث دہلوی نے فتح المنان فی تائید مذہب النعمان میں

لکھا ہے سوال پوچھ کر بعد کے بار و بار دہرنا چاہیے جواب کوئی سنوں عدو مقرر نہیں ہو سکتا تنہا کرنے والے
 کی رائے کو حوالے کر دینا چاہیے کہ اتنی جہد ہوئی کہ اسے پاکی کا یقین ہو جائے لیکن مرقی اور حنفی آدمی کے لیے تین بار
 کا دہرنا مقرر کیا گیا ہے علامہ حلی شریعہ میں لکھتے ہیں ولس فیدای فی الفصل عدد مسنون من التلث
 او السبع او غیر ذلک و منهم من شرط التلث و منهم من شرط السبع و منهم من شرط العشر و منهم من عین فی الا حلیل
 التلث و فی القصد الخمس و الاصح اتمه مضمون الی رایہ فی فیصلہ حتی ینقح فی قبالہ اند قد طهر الا ان یکون موسوسا
 فیندر فی بحثہ بالتلث کافی کل فیما ستر غلیظ و تیر و قیل سبع اور دھونے میں تین یا سات وغیرہ کوئی عدد مسنون
 نہیں ہے اور بعض لوگ تین کی شرط کی ہے اور بعضوں نے سات کی اور بعضوں نے دس کی اور بعضوں نے پیشاب
 کے تمام میں تین کی اور پاخانہ کے مقام میں پانچ کی تعین کی ہے اور اصح یہ ہے کہ تنہا کرنے والے کی رائے پر جو
 اسے اتنا دہرنا چاہیے کہ طہارت کا یقین ہو جائے اور بقدر شک کی مزاج ہو تو اسے بعض کے نزدیک تین مرتبہ دہرنا چاہیے
 اور نجاسات غیر مرئیہ میں کیا جانا ہے اور بعض کے نزدیک سات مرتبہ سوال ہوں یا بار کے بعد فقط و حیل پر اکتفا کرنا
 اور بانی نہ لینا کافی ہے یا نہیں جواب کافی ہے لیکن ایسا کرنے والا تارک ادب ہوگا ابو عیسیٰ ترمذی اپنی جامع میں لکھتے
 ہیں اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدهم رأوا ان الاستنجاء بالحجارة یجوز وان لم
 یتنہوا بالماء اذا التقی ترابا و الماء البول اکثر اهل علم اصحاب نبی کی رائے میں صرف چھروں سے تنہا کافی ہے جو کہ پیشاب
 اور پاخانہ کا اثر جاتا ہے اگرچہ پانی سے تنہا نہ کرے اور بحر الرائق میں ہے و هو القیاس فی عمل الاستنجاء الا انہ
 ترک فیہ لو رد النزع علی خلاف القیاس فلا یعتقد اہل اور عدم کفایت کلخ قیاس کو موافق ہے اگر اسکا ترک یعنی
 صرف کلخ کو کافی نہ ٹھہرانا اسوجہ و مختار ہو کہ آیت خلاف قیاس ہے پس اسکا حکم محل مخرج سے تجاوز نہ کرے گا۔ اور دوسرا
 جگہ لکھا ہے اذا اقتص علی الحجر کان مقبلا للسنن و اذا اقتص علی الماء کان مقبلا لھا ایضا و هو فضل من الاول و اصح
 بینہما کان افضل من کلھما جس نے صرف پتھر پر اکتفا کی وہ قطع سنت ہے اور جس نے صرف پانی پر اکتفا کی وہ بھی متبع
 سنت ہے مگر یہ اول سی افضل ہے اور سب سے افضل یہ ہے کہ پتھر اور پانی دونوں سے تنہا کرے سوال ہے تہا کا کیا
 حکم ہے جواب اولی اور مندوب ہے اور بعض فقہاء اسکو واجب کہتے ہیں شرح فیہ میں ہے و ینبغي ان یتنہوا بعد
 خطا خطوات و هو الذی یسعی استبراء و دہر قدم چلنے کے بعد تنہا کرنا چاہیے اور اسی کو استہار کہتے ہیں اور شرح
 غرر میں ہے و یجب الاستبراء بالمشی و التخنن و النوم و الاضطجاع علی شقہ لایسجری یتنہوا قلبہ علی القطع
 العود کذا فی الظاہریۃ و قبل ینقی بمسح الذکر و لجمنا بہ ثلاث مرات و الاصح ان طباع الناس عاداتہم متخلفۃ

افمن فی قلبہ اذہ صراطا ھذا جازلہ ان یستنجی لان کل احد علیہ جالہ کذا فی التا قار خانیۃ اور استبرأ و چکر یا ماکما کر یا
سوکریا یا مین کر و تیکر واجب ہو گا کہ اسکا قلب قطرات یا بقیہ کے آنے سے مٹھن ہو جائے ایسا ہی ظہیر میں ہر
اور بعضوں کے نزدیک مسح ذکر اور تین بار قطرات کا جذب کر لینا ہی کافی ہے اور صحیح ہے کہ لوگوں کی جمیع تین اور عورتین
مختلف ہیں پس جب اسکا یقین ہو جائے کہ یہ ظاہر ہو گیا استنجاء کر لینا جائز ہے کیونکہ ہر ایک اپنے اپنے حال کو نہ جانتا
ہو ایسا ہی تانا خانیہ میں ہے سوال ایک شخص نے استنجاء ہی نہیں کیا مگر مقعد یا راس اعلیل پر مانع نماز نجاست بھی
نہیں ہو اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو جائز ہوگی یا نہیں جواب نماز ہو جائے گی مگر ترک سنت کی وجہ سے گنہگار
ہو گا بجز الراتی میں ہو و لو ترکہ صحت صلوۃ قال فی الخلاصۃ بناء علی ان النجاسة القلیلة عفو عندنا و علماء
فضلا و بین النجاسة التي علی موضع الحدث و التي علی غیر موضع الحدث اذا ترکہا لیکرہ فی موضعہ اذا ترکہا
لا لیکرہ اگر کوئی شخص استنجاء ترک کر دے تو اسکی نماز درست ہوگی خلاصہ میں ہے کہ چونکہ نجاست خفیفہ معاف ہے اور ہر
علمائے نجاست کی تفصیل کی ہے اور کہا ہے ایک نجاست وہ ہے جو اپنے محل میں ہو اور دوسری وہ جو اپنے محل میں نہ ہو
پس اگر اس نجاست کو باقی رہی تو دوسری دیا جو اپنے محل میں نہیں ہو تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر اس نجاست کو بہنے دیا جو
اپنے محل میں ہو تو مکروہ نہ ہوگی سوال اگر نجاست راس اعلیل یا حلقہ دہ سے باہر کر کے اطراف میں پہنچ جائے
تو اسکا ازالہ لیکر کرنا چاہیے جواب یہ تجا و ز و د حال سے خالی نہیں ہو اگر درہم سے زائد ہو تو بغیر پانی سے
دھوے ہوے ڈھیلے وغیرہ سے طہارت نہیں ہو سکتی اور اتنی نجاست چو کہ بالغ صلوۃ ہو جب تک دھوئی نہ جائے نماز
جائز نہ ہوگی اور اگر درہم سے کم ہو تو پانی سے دھونا سنت ہے اور اگر ڈھیلے وغیرہ سے طہارت کر لے تو نماز بکراہت تحریمی
ہوگی اگر وقت باقی ہو تو پانی سے طہارت کرنے کے بعد نماز دہرائے رسائل لا زکان میں ہے و الحاصل انہ ان یجوز
المخرج فالماء بعد الحجۃ مستند و بقوان جاوز کان اقل من قدر الدرہم فالما بعد الحجۃ مستند واجبۃ لکن لولم یتبع
الماء یجوز لا صلوۃ معہ و یعاد ان بقی الوقت کما هو الحکم فی النجاسة القلیلة من مقدار الدرہم وان جاوزہ
البول و الغائط اکثر من قدر الدرہم فلا یجوز الا حجار بل کا بد من الفضل فلا یجوز الصلوۃ بد و نہ محال ہے کہ
اگر نجاست مخرج سے تجا و ز نہیں ہو تو پتھر کے بعد پانی مستحب ہے اور اگر تجا و ز ہو اور ایک درہم سے کم ہو تو پتھر کے بعد پانی
سنت واجب ہے اگر باقی نہ لگا تو بھی نماز درست ہو جائے گی اور اگر وقت باقی ہو تو اعادہ کرنا چاہیے جیسا کہ ایک درہم سے
کم نجاست کا حکم ہے اور اگر پیشاب یا پاخانہ کی مقدار ایک درہم سے زائد ہو تو پتھر کافی نہیں ہیں بلکہ پانی سے دھونے کی
بھی ضرورت ہے اور نماز اسکی بغیر جائز ہوگی اور دوسری جگہ لکھا ہے و اذا جاوز البول و البراز المخرج و لم یجد الماء

یسن استعمال بالماء علیہ الخیر ثم یتطافرون فی الماء بالیدین ثم یسبحون بالنسۃ الطریقه المسلوۃ الواجبۃ لما قد عرفت
ان الخیاست بان کانت علی حق منہ و بالبدن جرم کبر الہیۃ منہا واجب ان لا یحکم فی الوقت و هذا لیکون بان الکراہۃ
کو اجماع الفقہ و یفان الفقہاء علی التقلید یجوز ان الخیاست بول یا مخرج سوا ذوا ورا یک درہم سے زائد ہونے پر پھر کے
بعد پانی سے دھونا سنت ہو میری نزدیک بظاہر سنت ہو مراد واجب طریقہ ہو کیونکہ ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ نجاست اگر ایک ہم
سے کم ہو تو نماز اس کے ساتھ کر دہ ہوتی ہو اور اگر وقت باقی ہو تو ادا کر دہ واجب ہوتا ہو اور اس سے معلوم ہوا ہے کہ اگر اس
سے کراہت تحریمی مراد ہو کیونکہ نجاست قبلہ کا زائد واجب ہو اور بعد از اربعی بن میں ہو و یجب غسل محل بالہما عن قہقرا
الخیاست المخرجۃ للبدن عوارۃ جاذبۃ کاجزاء الخیاست فلا یزلیہا السبح بالمخرج و القیاس فی محل الاستیخانہ
الانۃ تزلۃ فیہ لورود النقص علی خلاف القیاس فلا یقتدایہ و اداد بالمجا و ان یکون اکثر من قدر الداء و ہر جرح
فالمراد بالوجوب الغرض اور نجاست کی جگہ کو پانی سے دھونا واجب ہو اگر مخرج سوا جواز ہو کیونکہ بدن کی حرارت خاڑے نجاست
کو جرب کر دیتی ہو پس پھر اسے زائل نہیں کر سکتا اور یہی قیاس ہو محل نجاست میں مگر اس میں یہ حکم نص کے دارد
ہونے کی وجہ سے بخلاف قیاس ترک کر دیا گیا پس حکم نص اہل سنت و جماعت اور تجا و ز سے مراد ایک درہم سے زیادتی
ہو پس وجوب سے مراد فرض ہو سوال استنجا کرنے کے بعد اگر انگلیوں میں بوباتی رہی تو اسکا بدن پاک ہو یا نہیں
جواب عین نجاست اور جرم نجاست کے زائل ہونے سے بدن پاک ہو جاتا ہو لیکن نجاست کا اثر یعنی رنگ اور بو
اگر باقی رہی تو پانی سے دھولیا جا ہیے حضور سرور عالم علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ استنجا کے بعد اپنے ہاتھوں کو دھو دھو
اور دیوار پر ملو تاکہ کچھ اثر باقی نہ رہے اور شایح ابوالکلام شمس تقابلی نے لکھے ہیں یدھو الشئ بدناکان او توبا و مکانا
او غیر ہما عن شمس بالغفر مرئی و ہوا لہ جرم و غیرہ بزوال عینہ و ان یبقی تریشق زوالہ یدل علی ان لا اثر ان
لہ شق زوالہ یزال بدن یا کپڑا یا مکان اور کچھ ہو نہیں مرئی اور غیر مرئی کی پاک ہو جانا ہو نجاست کو دفع ہو جائیے گو اسکا اثر
باقی رہے اور اس اثر کا دفع کرنا دشوار ہے اس کو معلوم ہوتا ہو کہ اگر اثر کا دفع نہ ہو تو وہ بھی دفع کیا جائے اور دوسری
جگہ لکھا ہو فصل الاثر باللون والریح والکشفۃ بالاختیاج الی شئ اخر کا لہما یون اثر کی تفسیر رنگ و بو کی گئی ہو اور
مشقت و کسی دوسری چیز کی طرف امتیاج مراد ہو جسے صابون متحرک کہتا ہو نہیں مرئی وہ نجاست ہو جس کے لیے
جرم ہو اور جس غیر مرئی وہ نجاست ہو جس کے لیے جرم ہو سوال پیشاب کی ننھی ننھی چھینٹیں اگر بدن پر پڑیں یا نہیں تو کیا
حکم ہو جواب سات بن میں صبح بخاری کی فتح میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری پیشاب کرتے وقت اس کا ہاتھ چھینٹیں
اگر کہ بدن پر نہ پڑیں شیشے کے اندر پیشاب کرتے تھے حضرت خلیفہ علیؑ نے ان کو کہا ایہ سائے کیا کر دیکھو کہ میں نے

رسول خدا علیہ التیمۃ والثناء کو ایستادہ پیشاب کرتے دیکھا ہوں جس میں چھٹین لڑکیاں بچہ سوال استنجا پھر اور علیہ
 ہی پر موقوف ہوا پانی سے بھی دوا ہو سکتا ہے اور عدد اور استبراء اور دیگر مستلقات کون ہیں جواب پتھر اور ڈھیلے
 وغیرہ سے جو محض اور متقی ہو استنجا کرنا سنت ہو کہ وہ جو کثر میں ہو ورنہ استنجا پھر جو متقی اور استنجا پاک کرنا پائے
 پتھر سے سنت ہو اور نقایہ میں ہرگز استنجا من کل حیات غیر النعم والبریح پتھر حتیٰ یغیثہ سنتہ نرم اور ریح کے
 سوا ہر حدیث سے استنجا پتھر کے مثل ہی ہوا ایک کہ طہارت مہل ہو سنت ہو اور سجہ الرائق میں جو ارادہ المستغف بالمسنة
 السنة المؤکدة کہا ہو مذکور فی الاصل اور سنت سے مصنف کی مراد سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ اصل میں مذکور ہے
 و رختارین ہو و سنتہ مؤکدة مطلقا ای سوا جان بالماء او بالبحر کذا فی رد المحتار اور استنجا سنت مؤکدہ ہو مطلقا
 پانی سے ہو یا پتھر سے ایسا ہی رد المحتار میں ہے لکن متون فقہیہ میں استنجا سے برازی کی کیفیت بلحاظ موم گرما و سرما مشور
 لکھی ہے اور استنجا سے بول سبب شرم پوشی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر یا ڈھیلے وغیرہ سے فقط استنجا برازی مسنون ہے
 لیکن روایات فقہ اور اصول فقہ اسکے خلاف ہیں بلکہ ان سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ پتھر اور ڈھیلے وغیرہ سے
 استنجا کرنا جو مسنون ہے یہ عام ہو بول و براز دونوں کے لیے تفسیر احمدی میں ہے ما ذکر اھل الاصول یدل علی انہ یعم
 التطہیر الذی بعد البول والنظہیر الذی بعد الغائط والحق ان مراد الفقہاء ایضا اعم کیا یدل علیہ قولہم
 ولا استنجا من کل حدث ای خارج من السبیلین سنتہ غایۃ ما فی البیان الاستنجا بعد الغائط لما
 ان زیادہ تفصیل عقبہ بقولہم یدل بالمرحہ الاول ولقبیل بالثانی من غیر اظہار ان ہذا طریق الاستنجا الخ
 اہل اصول نے دیکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجا پیشاب اور پاخانہ دونوں کے بعد کے طہارت کو شامل ہے اور حق یہ ہے
 کہ فقہاء کی مراد بھی عام ہے جیسا کہ اس پر انکی قول و دلالت کرتا ہے اور ہر حدیث یعنی خارج عن السبیلین سے استنجا سنت ہے
 زیادہ برین نیست کہ پاخانہ والا استنجا نہ تفصیل کا محتاج ہو اسکے بعد استنجا کے طریقہ کو ذکر کیا بغیر یہ ظاہر ہے کہ
 کہ یہ کسی خاص تشبیہ کا طریقہ ہے اور ملاحظہ علی قاری شرح نقایہ میں لکھے ہیں من کل حدث ای خارج من احد السبیلین
 کا بول والغائط ہر حدیث سے یعنی خارج من احد السبیلین سے مثل پیشاب اور پاخانہ کے اور مسائل الارکان میں ہے
 و لیسن ان یستنجی البول والغائط بالبحر پتھر سے استنجا کرنا پیشاب اور پاخانہ کے بعد سنت ہے پاخانہ کے بعد پتھر سے استنجا
 کرنا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوامی عادت تھی جیسا کہ صحاح میں مروی ہے اور پیشاب کے بعد حضور سرور انبیا
 علیہ التیمۃ والثناء کا پتھر وغیرہ سے استنجا کرنا آپ کے فعل سے اثبات کو نہیں پہونچا مگر بھتی نے روایت کی ہے کہ امیر المومنین
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ پتھر وغیرہ سے استنجا کرتے تھے جو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے

اور میری طرف سے اور اسی کی سنت پر عمل کرنا اس کا سنت بھی تھا تو یہ کیا فرمے نقایہ میں ملا علی قاری لکھتے ہیں روئے البیہقی وقال
 احمد صحیح ما فی الباب واعلاہ ای سنداً عن مولیٰ عمر قال کان عمر اذا بال قال ناولنی شیئاً استنجی بہ فاناولہ العود
 او الحجرا ویاتی حاططاً یسحوبہ او یمسسہ الارض بہقی نے روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ اسباب میں باعتبار سند کے
 سب سے زیادہ صحیح اور اعلیٰ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلام سے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب پیشاب کو جاتے تو مجھے
 فرماتے کوئی چیز لاؤ جس سے میں استنجا کروں پس میں آپ کو لکڑی یا پتھر دیتا یا آپ کسی دیوار کے پاس جاتے یا زمین
 سے کام لیتے۔ رسائل الارکان میں بزرگ فی البول احتمال الموضع فلا بد من الاستنجا بالحجر الیٰی ویطلب علی ظن المستنجی انقطاع
 ذلك الاحتمال ففی البول الاستنجاء بالحجر لزم وقد روی البیہقی عن مولیٰ امیر المؤمنین عمر قال کان عمر اذا
 بال قال ناولنی شیئاً استنجی بہ فاناولہ العود او الحجرا ویاتی حاططاً یسحوبہ او یمسسہ الارض قال البیہقی هذا
 اصح ما فی الباب پیشاب کے بعد قطرہ آنیکا احتمال ہے تو پتھر سے استنجا ضروری ہے یا زمین تک کہ مستنجی کا ظن قطرہ نہ آنے پر
 غالب ہو جائے پس پیشاب کے بعد پتھر سے استنجا ضروری ہے اور بیہقی نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کسی غلام
 سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب پیشاب کرتے تو مجھے فرماتے مجھے کچھ دو جس سے میں استنجا کروں
 پس میں آپ کو لکڑی یا پتھر دیتا یا آپ کسی دیوار کے پاس جاتے یا زمین کو کام لیتے بیہقی نے کہا ہے کہ اس باب میں سب سے
 زیادہ صحیح روایت یہی ہے اور دو شرح غرر میں جو د الغسل بعدہ انی الحجرا ولی اور پتھر سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے
 وعودا ان اچھا ہے۔ اور قاضی خان میں جو د الاستنجاء بالماء بعد الاستنجاء بالحجر ادب عندنا ہمارے نزدیک پتھر سے
 استنجا کرنے کے بعد ادب یہ ہے کہ پانی سے بھی وعودے اور علامہ جلی شرح نیہ میں لکھتے ہیں ولیس فیہ اسی فی
 الغسل عد و مسنون من الثلث او السبع او غیر ذلك ومنہم من شرط الثلث ومنہم من شرط السبع ومنہم
 من شرط العشر ومنہم من عین فی الاحلیل الثلث وفي المقعد الخمس والصحیح انہ مفوض الی رایہ فی غسلہ
 حتی یقع فی قلبہ انہ قد طہر الا ان یکون موسوساً یقصد فی حقہ بالثلث کما فی کل نجاسة غیر مرئیة وقیل
 بسبع وحوئے میں تین یا سات وغیرہ کوئی عدد و مسنون نہیں ہے بعض نے تین بعض نے سات بعض نے دس کی شرط
 کی ہے اور بعض کے نزدیک پیشاب کے بعد تین بار دھونا اور پاخانے کے بعد پانچ بار دھونا چاہیے اور صحیح یہ ہے کہ استنجا
 کر نیوالے کی رائے پر ہو اسے اتنا دھونا چاہیے کہ طہارت کا یقین ہو جائے البتہ اگر ٹکی مزاج ہو تو اسے تین مرتبہ دھونا
 چاہیے جیسا کہ اور نجاسات غیر مرئیہ میں حکم ہے اور بعض کے نزدیک سات مرتبہ دھونا چاہیے اور بحر الرائق میں جو والمراد
 بالاشتراط الاشتراط فی حصول النستہ والا فترک لکل لا یضر عندہم اشتراط سے حصول سنت میں اشتراط مردہ ورنہ

کل کا ترک اگر نزدیک ہر زمین ہو چکا۔ اور جو شخص ڈھیلے وغیرہ پر کھانا کھاتا ہو اور اسکو بعد پانی سے نہیں دھوتا ہو
اُسے ڈھیلوں پر کھانا کھانی ہو مگر یہ شخص تارک اوب ہو گا اور پانی ترندی اپنی جامع میں لکھے ہیں اکثر اہل العلم
من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہن بعد ہم راوا ان الاستنجاء بالجراۃ یجزی وان لم یستنج بالماء اذا
انقی الثوالثاء والبول او اکثر اہل علم اصحاب نبی کی رائے میں صرف پتھروں سے استنجا کرنا کافی ہو جبکہ پیشاب
اور یا خائے کا اثر مارتا ہو اگر چہ پانی سے استنجا نہ کرے اور بحر الرائق میں ہو وہو القیاس فی محل الاستنجاء لانه ترک
قیہ اور دو تصریح علی خلاف القیاس فلا یبعد اذ اور پتھر کا کافی نہو تا محل استنجاء میں بھی قیاس کے موافق ہو مگر جو
انصر خلاف قیاس ہو جو وہ اس وجہ سے قیاس مترک ہو اور اسی وجہ سے حکم نص اصل سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔
اور صرف پانی پر کھانا کھانے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہو شرح منہ میں علامہ علی لکھے ہیں وان یفضل فخر الجہا ستہ
بعد الاستنجاء اور دونہا مباغتہ فی التلطیف والفسل بالماء وان کان ادا بالکن قد اویت بدستہ الاستنجاء اور
یہ کہ دعوتے خارج نجاست کو پتھروں کو بعد یا پتھروں کو بغیر طہارت کی زیادتی کے لیے اور پانی سے دھونا کہ اوب ہو
مگر اس سے سنت استنجا ادا ہوتی ہو اور بعض صرف پانی ہی سے دعوتے کو افضل جاتے ہیں کہ زمین ہو وفضلہ
بالماء احب پانی سے دعوتہ پسندیدہ ہو اور بحر الرائق میں ہو ای فسل الطحل بالماء افضل لانه قالع للجہا ستہ والجمہ
بعفت لہا فان الماء اولیٰ کذا ذکرہ المشاعر الطبعی وظاہر مافی الکتاب یدل علی ان الماء مندوب سلو کان
قبلہ الجمہام لا لخالص لہ اذا اقتصر علی الجمہام مقیالستہ واذا اقتصر علی الماء کان مقیالہا ایضا وهو افضل
من الاول والجامع بینہما کان افضل من کل یعنی محل نجاست کو پانی سے دھونا افضل ہو کیونکہ پانی دفع نجاست
ہو اور پتھر سے سکھا ڈالتا ہو ایسا ہی شایع زمینی نے کہا ہو اور ظاہر کتاب سپر دلالت کرتا ہو کہ پانی شمس ہو خواہ اُس کے
پہلے پتھر ہو یا نہ ہو پس حاصل یہ ہو کہ جب صرف پتھر پر کھانا کھانے کو سنت ادا ہو جائے گی اور اگر صرف پانی پر کھانا کھانے
کو بھی سنت ادا ہوگی مگر یہ افضل ہو اور پانی اور پتھر دونوں سے استنجا کرنا سب سے افضل ہو اور المختار میں ہے
ثم اعلم ان الجمع بین الماء والجمہ افضل ویلیہ فی الفضل لاقتصار علی الماء ویلیہ لاقتصار علی الجمہ وقصا لستہ
بالکل وان تقادت الفضل لکما افادہ فی الامداد وغیرہ پھر جاو کہ پتھر اور پانی دونوں سے استنجا افضل ہو اور
اُس کے بعد صرف پانی سے اور اُس کے بعد صرف پتھر سے اور سنت سب سے حاصل یعنی ہو کہ افضل مختلف ہو ایسا ہی
امداد وغیرہ میں ہو سوال بدل کے بعد ڈھیلے سے استنجا ترک کرنا فرضہ فخرہ کا خاصہ ہے اسکے ترک کرنے میں ان سے
یوری مشابہت لازم آتی ہو اور حدیث میں ہو من تشہ بقوم فهو منهم جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ

انہیں میں سے جو اب مخالف دین کی مشابہت فعل مذہب میں اور جو کام بقصد مشابہت کرے اس میں
 بھی منع ہو اور ان دو صورتوں کے علاوہ میں کچھ چیزیں ہیں جو در شرح غرض میں یہ عجیب الاستبراء بالمشہ
 اوالتغیہ والنوم والاضطیاح علی شقہ الا یہ حتی یستقر قلبہ علی فقطاع العود کذا فی الظہیرۃ وقلبتی
 یسحر الذکر واجتذاب ثلاث مرات والعمیم ان طباع الناس وعاداتہم مختلفہ فمن فی قلبہ اند صار طاهر
 جائز ان یتنہ لان کل حد اعلم بحالہ کذا فی التاتارخانیۃ اور استبراء جل کے یا کھار کے یا سو کے یا بائیں کیوٹ
 بیٹ کر واجب ہو تاکہ قلب مطمئن ہو جائے اور بقیہ کے پھر ان کا خیال نہ رہے ایسا ہی ظہر میں ہو اور بعض کے نزدیک
 مسح ذکر اور تین مرتبہ طہارت کو جذب کر لینا ہی کافی ہو اور صحیح یہ ہے کہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں پس جب طہارت کا
 یقین ہو جائے استنجا کر لینا جائز ہو کیونکہ ہر ایک اپنے حال کو زائد جانتا ہو ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہو اور شرح منیہ میں
 ہو وینبغی ان یتنہ بعد ما خطا خطوات وهو الذی یسمی استبراء دو چار قدم چل لینے کے بعد استنجا کرنا چاہیے
 اور اسی کو استبراء کہتے ہیں اور قادی قاضی خان میں ہو وینبغی ان بحشی خطوات ثم یتنہ اور چند قدم چلنے کے بعد استنجا
 کرنا چاہیے۔ اور بعض فقہاء کے نزدیک نفس استبراء فرض ہو یا نہ کہ دل کو یقین ہو جائے کہ اب قطرہ نہ آئے گا اور
 کھارنا وغیرہ مختلف فیہ ہے در مختار میں ہو عجیب الاستبراء بمشی اتفقوا ونوم علی شقہ الا یہ و مختلف بطباع
 الناس استبراء جل کے اور کھار کے یا بائیں پہلو پر سو کے واجب ہو اختلاف طبائع کی وجہ سے۔ اور صاحب التہار
 نے تحت قولہ وینبغی لہ لکھا ہو هذا هو العمیم فمن وقع فی قلبہ اند صار طاهر جائز ان یتنہ لان کل حد
 اعلم بحالہ اور یہ صحیح ہی پس جسکو یقین ہو جائے کہ وہ ظاہر ہو اسے استنجا کر لینا اجازت ہو کیونکہ شخص جس کو ظاہر جانتا ہو
 پس جسکو نفس استبراء سنت موقوفہ اور استنجا کے بعد پانی سے دھونا ادب اور دونوں میں سے کسی ایک
 پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے تو اس شخص کی نازیبا امت جس نے ڈھیلے یا پانی پر اکتفا کیا جائز ہو بلکہ اگر کسی
 سری سے استنجا ہی نہیں کیا نہ ڈھیلے سے نہ پانی سے مگر موضع حدث یا اسکے ادھر او دھیر مانع نماز نجاست نہیں ہو تو
 اگر چہ وہ تارک سنت موقوفہ ہو نہ کی وجہ سے سختی ملامت ہو گا مگر اسکی نازیبا نہ ہوگی کیونکہ اسکی فقہائے تفصیل کی یہ
 چلی حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں فان ما علی الخوض ساقط وان کثر فلا یکرہ ترکہ کیونکہ جو مخرج پر ہو اسکا اعتبار
 نہیں اگرچہ بہت ہو پس اسکا ترک مکروہ نہیں اور اگر غیر موضع حدث پہ ہو تو اسکے ترک سے نازیبا نہ کہ بہت
 پیدا ہوگی جو الرائق میں ہو ولو ترک صححت صلوٰۃ قال فی الخلاصۃ بناء علی ان التماسا لقلیلہ عنہ عندنا
 وعلمنا وناقصوا بین الفاسد التی علی موضع الحدث والقی علی غیر موضع الحدث اذا ترکھا یکرہ فی موضع

اذا تركها لا يكرهه او اگر اسے چھوڑ دیا تو نماز درست ہو ایسا ہی خلاصہ میں ہے کیونکہ نجاست قلیلہ حاف ہے ہمارے نزدیک
اور ہمارے علمائے نجاست کی تفصیل کی ہے اور جو موضع حدث پر ہو اور جو موضع حدث پر نہ ہو اور اسکی ترک سے نماز
مکروہ ہوتی ہے اور جو موضع حدث پر نہ ہو اس کے ترک سے نماز مکروہ نہیں ہوتی یہ حکم نفس استنجا کا ہے جبکہ نجاست منج
سے آگے نہ بڑھے اور اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر کے اوہر اوہر لگ جائے تو وہ یا درہم سے زائد ہوگی
یا کم اگر زائد ہو تو فقط وھیلو لینا کافی نہیں بلکہ لازماً اس نجاست کو پانی سے دھونا چاہیے جب تک
پانی سے نہ دھوئے گا نماز جائز نہ ہوگی اور اگر نجاست متجاوز ایک درہم سے کم ہو تو ڈھیلے لینے کے بعد پانی
سے دھونا سنت ہے اور بغیر پانی سے دھوئے ہوئے بھی نماز بکراہت تحریمی ادا ہو سکتی لیکن اگر وقت باقی ہے تو درہم
چاہیے رسائل الارکان میں ہے والحاصل ان ذان لم یجوزا المخرج فالماء بعد المحجر سنتہ مندوبہ وان جاوز وکان
قہ من قدر الدرم فالماء بعد المحجر سنتہ واجبہ لکن لو لم یتبع الماء یجوز الصلوۃ مع ویعادان بقی الوقت کما ہو
الحکم فی النجاستہ القلیلۃ من مقدار الدرم وان جاوز البول والغائط اکثر من قدر الدرم فلا یجوز
الاستحباب بل لابد من الغسل فلا یجوز الصلوۃ بدو نہ اور حاصل یہ ہے کہ اگر نجاست مخرج سے تجاوز نہ ہو تو پھر
بعد پانی لینا سنت مندوبہ ہے اور اگر متجاوز ہو اور ایک درہم سے کم ہو تو سنت واجبہ ہے لیکن اگر پانی نہیں لیا تو
نماز جائز ہوگی اور اگر وقت باقی ہو تو اعادہ کرنا چاہیے جیسا کہ ایک درہم سے کم نجاست کا حکم ہے اور اگر پیشاب
پاخانہ موضع حدث سے تجاوز ہو اور ایک درہم سے زائد ہو تو پھر کافی نہیں بلکہ پانی سے دھونا ضروری ہے بغیر دھوئے
ہوئے نماز جائز نہ ہوئی اور دوسری جگہ لکھا ہے واذ جاوز البول والبراز المخرج ولم یجوز الدرم ینسب استعمال
الماء بعد المحجر ثم النظار عند هذا العبد ان مرادہم بالسنت الطریقۃ المسلوکۃ الواجبۃ لما قد عرفت ان النجاستہ
ان کانت اقل من الدرم ینکرہ الصلوۃ معها ویجب الاعادۃ فی الوقت وهذا یؤذن بان الکراہۃ کو اہستہ
التحریم فان النجاستہ القلیلۃ یجب ازالہا ووجب پیشاب اور پاخانہ مخرج سے متجاوز نہ ہون اور ایک درہم سے زائد نہ ہونا
تو پھر کے بعد پانی لینا سنت ہے اور میرے خیال میں سنت سے مراد واجب طریقہ ہے کیونکہ تم جانتے ہو کہ اگر نجاست ایک درہم
سے کم ہو تو نماز مکروہ ہے اور اگر وقت باقی ہو تو اعادہ واجب ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت تحریمی ہے کیونکہ نجاست قلیلہ
کا دفعہ واجب ہے اور بحر الرائق میں ہے ویجب غسل المحل بالماء ان تعدت النجاستہ المخرج لان للبدن حرارۃ جاتی
الاجزاء النجاستہ فلا ینزلہا المسح بالجر وهو القیاس فی محل الاستنجاء الا انہ ترک فیہ لوی ود النص علی خلاف القیاس
فلا یعتقدہ واراد بالحد وان یکون اکثر من قدر الدرم وحینئذ فالمرجوا لوجب الغسل من اور نجاست کی جگہ کو پانی سے

دھونا واجب ہو اگر نجاست مخرج سے متجاوز ہو کیونکہ بدن میں ایک ایسی حرارت ہو جو اجڑے نجاست کو جذب کر لیتی ہو پس پھر اسے زائل نہیں کر سکتا اور محل نجاست میں ہی ہو موافق قیاس ہو مگر وہاں نص کے بدولت یہ حکم ترک کر دیا گیا پس حکم نفس اصل کو سوا اور کہیں نہ مانا جائے گا تاہم ازہ سے مراد ایک درہم سے زیادتی نہیں و جب سے مراد فرض ہو اور خاصہ میں ہو ولو اصاب طرف الاحلیل من البول اکثر من قدر الدہم لا يجوز صلوٰۃ ہو الصیحہ اور اگر احلیل کو کنارہ میں پیشاب ایک درہم سے زائد ہو گیا تو نماز درست نہوگی اور یہی صحیح ہے اور درختار میں ہے و جب ای یغرض غسلہ ان جاوز المخرج نجس مانع و یشتر القدر المانع لصلوٰۃ فیما وراء موضع الاستنجاء لان اعلیٰ المخرج ساقط شرعا وان کثر و لہذا لا تکثر الصلوٰۃ بعدا و واجب ہو یعنی فرض ہو دھونا اگر نجاست مانع صلوٰۃ مخرج سے متجاوز ہو و مانع صلوٰۃ کا اعتبار موضع استنجاء کے علاوہ دوسری جگہوں میں ہوتا ہو کیونکہ جو مخرج پر ہو وہ شرعا ساقط ہو کہ اگر کثیر ہو و راسی ہو اس سے نماز مکروہ نہیں ہوتی اور ذخیرہ میں ہو نہ لا استنجاء بالاجار یا نجس جواز اذا اقتصر النجاستہ علی موضع الحدث و اما اذا تعدی عن موضعہا بان جاوزت المخرج اجمعو علی ان ما جاوز المخرج من النجاستہ اذا کان اکثر من قدر الدہم انہ یغرض غسلہا بالماء فلا یکفہ الا زلۃ بالاجار و کذا اذا اصاب طرف الاحلیل من البول اکثر من قدر الدہم عیب غسلہ وان کان ما جاوز موضع الشیرج اقل من قدر الدہم او قدر الدہم کا اندازہ انہ اذا منہ ما فی موضع الشیرج کان اکثر من قدرہا فاذا لہا بالمجر ولم یفسلہا فلی قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف مجوز ولا یکرہ و علی قول عہد لا یجوز الا ان یفسلہ بالماء و ہکذا اروی عن ابی یوسف ایضا و اذا کان النجاستہ علی موضع الاستنجاء اکثر من قدر الدہم و استنجی بثلثۃ اجار و انفاھا ولم یفسلہا بالماء کان الفقیر ابو بکر یقول لا یجوز و عن ابن شجاع انہ یجوز و ہکذا احکی عن الطحاوی قال الفقیر فی الفتاوی و بہ ناخذنا پھر استنجاء بالاجار جائز ہو جب نجاست موضع حدث ہی پر ہو لیکن جب موضع حدث ہی متجاوز ہو یعنی مخرج سے متجاوز ہو تو اس پر اجماع ہو کہ متجاوز عن المخرج جب ایک درہم سے زائد ہو تو اسی پانی سے دھونا فرض ہو اور پھر سے دفع کر دینا کافی نہیں ہو اور ایسا ہی جب احلیل کے اطراف میں ایک درہم سے زائد پیشاب رہ جائے تو اسکا دھونا واجب ہو اور اگر اصل سودا خ سے جو متجاوز ہے وہ ایک درہم سے کم یا ایک درہم کے برابر ہو مگر جب اس کے ساتھ وہ نجاست جو سودا خ پر ہو ٹالیم جائے تو اسکی مقدار ایک درہم سے بڑھ جائے پس اسکو پھر سے دفع کرنا اور پانی سے نہ دھونا امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک نماز کو مکروہ کرتا ہو اور امام محمد کے نزدیک نماز کو ناجائز کرتا ہے اور دھو ڈالنا ضروری ہو اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی ایسی ہی روایت کی گئی ہو و جب نجاست موضع استنجاء پر ایک درہم سے زائد ہو تو تین پھر و ان سے استنجاء کرنا اور پانی سے نہ دھونا

فقہ ابو بکر کے نزدیک جائز نیز اور ابو شجاع کے نزدیک جائز ہوا اور ایسا ہی محامدی سے منقول ہے فقہ نے فتاویٰ میں
 کہا ہے کہ ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں **سوال** پرانا جو تاپہنکر جس میں بارہ غلطت بھری اور چھوٹ گئی مسجد میں جانا
 اور پہننے ہوئے غار پڑنا درست ہے یا نہیں **جواب** نہیں جو تاپہنکر مسجد میں جانا حرام ہے اور اسے پہننے ہوئے غار بھی
 درست نہیں ہے اور اگر پاک ہو تو درست ہے مگر بحسب عادات زمان خلاف ادب ہے واللہ اعلم حررہ المرجعی غفر لہ
 ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاویز اسد عن ذنبہ بکلی واضحی **ابو الحسنات** مع ابواب ائدہ اعلام بالصواب سررہ مفت
 عبد اللہ محمد فضل اسد غنی **سوال** حضرت علی رضی کرم اللہ وجہہ کاس قول کے موافق دھت کل شعرة جناۃ
 ہر بال کے نیچے جنابت ہے نہاتے وقت مرد کو تمام بدن کے بالوں کو دھونا اور انکی جڑوں میں پانی پہونچانا واجب ہے
 اور اگر جسم کے بالوں میں قیل ملاحظہ ہو تھیں غیرو سے نکلا بھی طبع صاف کرنا ضروری ہے یا نہیں **جواب** یہ حضرت
 علی کا قول نہیں ہے ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے فرمایا رسول خدا
 علیہ السلام نے تحت کل شعرة جناۃ فاعلموا الشعر ما لقوا البشرة اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے اسی حدیث کے
 مضمون کو دریافت کر کے حلق راس کی عادت ڈالی اور فرمایا فسن ثم عادت راسی فمن ثم عادت راسی فمن ثم
 وادیت راسی اسی میں نے اپنی سرور دشمنی کی اسی میں نے اپنی سرور دشمنی کی اسی میں نے اپنی سرور دشمنی کی اور واقعی مرد کو بالوں کی
 جڑوں میں پانی پہونچانا اور بالوں کو بانی سو بھگوانا سر کے بال بھلنا یا تو اسی کو ضروری ہے یا کی بغیر غسل جنابت اور نہیں ہوتا رسائل
 الارکان میں ہے ویفترض علی الرجل یغسل راسه وان کان لہ صغیرۃ وایصال الماء الی البشرة تحت الشعر بل الشعر ایضا حیث
 لا یبق شعر لہ یجری علیہ الماء وھذا اعلم فی کل شعر شعر الراس کان او شعر الخیة او غیرھا و یجوز ان یغسلہ بدون ذلک
 انھے مرد پر فرض ہے کہ اگر اس کے جڑ ہو تو کھول دے اور بالوں کو نیچو تک پانی پہونچائے بلکہ بالوں کو بھی ہر کر کوئی بال خشک
 نہ رہے اور یہ حکم تمام بالوں کا جو سر کے ہوں یا ذرا سی کے یا اور کہیں کے مرد کا غسل بغیر اس کے پورا نہ ہو گا لیکن اگر بال
 تیل ملاحظہ ہو یا بالوں میں پڑا ہو تو دھا لہج و المشقتہ اسے میں وغیرہ سے چھڑانا لازمی نہیں ہے بلکہ اسی پر پانی پڑانا
 کافی ہے فی الدار المختار ولا یمنع الطہارۃ وھن و دسومۃ اتھے ملخصاً و مختصراً میں یہ تیل یا چربی مانع طہارت نہیں ہے
 اور شرح وقایہ میں ہے المختار فی هذا المحرج فاذا ادهن فامر الماء فلیصل یجوز ان یتھ اعتبار حرج کا ہر پس اگر تیل لگایا
 پھر پانی ہایا اور پانی جلنا تک نہ پہونچا تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور اشباہ میں ہے المشقة تعجل بالیتسیر ان یتھ مشقت
 کچھ سختی ہو آسانی کو۔ ابو الکلام نے کہا ہے وفصل المشقة لا اختیاج الی شیء اخر کا صابون ان یتھ اور مشقت کی تفسیر کسی
 دوسری چیز مثلاً صابون اسے کی گئی ہے **سوال** عورتوں کو کسی لگانا جائز ہے یا نہیں اور در صورت احتمال وضع

اور غسل کرتے وقت واغتون کی مٹی سے صاف کرنا واجب ہے یا نہیں **جواب** کوئی شک نہیں کہ زینت کے لیے عورتوں کو مٹی لگانا جائز ہے اور وضو میں تکمیل ضروری نہیں ہے کیونکہ مضمضہ میں فرض نہیں ہے باقی رہا غسل پس اسکا حال سننا چاہیے مجھے الان شرح المتقی الامجد میں ہے ولو لم یغسل العجین فی الظفر فاعتسل لایغنی و فی الدنیا الطین یغنی لان الماء ینفذ عند الصبح والحاء اور اگر ناخن میں آٹا پھرا وغسل کر لیا تو یہ غسل کافی ہے اور اگر مٹی و میل لگایا تو کافی ہے کیونکہ پانی اندر تک پہنچ سکا ہے اور ایسا ہی رنگ اور مٹی اس کے معلوم ہوا کہ چیز نافع و مصلوب ہر غسل میں اسکا ازالہ ضروری ہے اور جو چیز نافع و مصلوب نہ ہو اسکا ازالہ ضروری نہیں ہے اسبابی خزانہ الروایہ میں ہے فی الذخیرۃ قال نفقیہ ابواللیث فذل فی القری یكون فی ظفر کاشی اندہ یجوز رعة وغسلہ و فی المدنی لایجوز لان القری یكون فی الظفر صلب الطین ولا منع وصول الماء فالمدنی یكون فی الظفر صلب و دسومہ و فیہا مانع وصول الماء فغیرہ میں ہے کہ نفقیہ ابواللیث نے کہا ہوا کہ دیہاتی کو ناخن میں کوئی چیز چسبائی ہو اور وہ نہ مٹی تو اسکا نہ ہو اور غسل ہو جائیگا اور شہری کا نہ ہو گا کیونکہ دیہاتی کے ناخن میں مٹی ہوتی ہے جو بانی کے پہنچنے کو مانع نہیں اور شہری کے ناخن میں چکنا ہٹ ہوتی ہے اور وہ بانی کے پہنچنے کو مانع ہوا کہ تمویر الابصار مع و تخارور و الاحتار میں ہے و لا یمنع الطہارۃ و نیم یخرجہ ذاب و بوعوث لم یصل الماء تحتہ لان الاحتراز عند غیرہ ممکن حلیۃ و حناء و لو جرمہ ببقی صرح بہ فی الملیۃ عن الذخیرۃ فی مسألۃ الحناء و الطین و الدین معللاً بالضرورة قال فی شرحہا و لان الماء ینفذ اتخللہ و عدم لزوجة و صلابۃ و المعتبر فی جمیع ذلک نفوذ الماء و وصول الماء و درن و و یخرج عطفت تفسیر و کذا دعن و دسومہ و تراب و طین و لو فی ظفر مطلقاً ای قر یا و مدنیاً علی الاصح بخلاف نحو عجین ای کعلک و شمع و شربک و غیرہ مضموع متلبہ جو ہر ممکن فی النہر لو فی الظفر صلب و عین فالتقوی علی نہ دفعہ قر یا کان او مدنیاً اتھے نعم ذلک الخلاف فی شرح الملیۃ فی العجین و استظہر لان فیہ لزوجة و صلابۃ تمنع وصول الماء و لا یمنع ما علی ظفر صباغ و لا طعام مدین اسانہ او فی سنہ المجوف بہ بقی و قیل ان صلیاً منع و الاصح صرح بہ فی شرح الملیۃ و قال لا تمنع نفوذ الماء مع عدم الضرورة و الحرج مجہد و لم یحکما غلیظ جسکی بخرک پانی نہ پہنچ سکا مانع طہارت نہیں ہے کیونکہ اس سے چکنا نامکن ہے اور مٹی بھی مانع طہارت نہیں ہے جو کنگی نہ جگتی ہو اسی پتھری ہو اسکی تصحیح میں مساکنا طین و درن میں رزخ و نقل کر کے بکی ہے اور اسکی علت ضرورت بیان کی ہے اور شرح میں ہے کیونکہ ان میں مسامات موجود ہیں اور چسپا ہٹا و سختی نہیں ہے اس لیے بانی اندر تک سرایت کر سکتا ہے اور ان سب میں بانی کے اندر تک پہنچنے کا اعتبار ہے اور میل و چکنا ہے مٹی بھی مانع طہارت نہیں ہے اگرچہ ناخن میں ہو خواہ کسی دیہاتی کو کہ شہری کو نہ صبح پر نہ غلا

آئے گی ایسی چیزوں کے مثلاً موم یا چابی ہو لی روٹی جو کچھ بھی ہو اور نہ مین ہو اگر ناخن میں مٹی یا کانا ہو تو نہ تو ایسی چیز
ہو کہ وہ صاف ہو دیا جائے ہو یا ظہری انتہی البتہ شرح فیہ میں آئے کے متعلق خلاف تحریر کیا جو اور وجہ سے یہ بائبل کی
کہ اس میں بیچا بہت اونستی ہو جو پانی کے پینچو کو پانی ہو اور اگر نیک کے ناخن پر کچھ موبائع طہارت نہیں ہو اور نہ وہ کھانا
ہو و انتون کے کچھ میں ہو یا جو ف دار بات میں رہا یا ایسی پرفتنی ہو اور بعضوں کے نزدیک اگر آئے یا اس کھانے میں
سختی آجائے تو وہ موبائع طہارت ہو اور یہی صحیح ہے اسکی تصریح شرح فیہ میں کی جو اور کما ہو کما سبب پانی کا نافذ
نہونا اور ضرورت و حج کا مفقود ہونا یا اور مرآت الفلاح شرح نور الابصار میں جو کلام میں مذکور ایضاً و رسول اللہ
للجسد کشف و عجین بن جیرون کا رائے کہ دینا ضروری ہے جو جسم تک پانی کے پینچو میں مائع ہون جسے موم اور کانا۔
پس اگر جسم مٹی و انتون میں اس کثرت سے ہو کہ انتون کے جسم تک پانی پہنچنا اسکی وجہ سے بالکل ناممکن ہو
تو محسوس و انہو کا رسوال۔ اگر کسی کو احتلام ہو نہ کیا علم کی دن کے بعد ہو تو اتنی مدت کی نازقضا کرنا ہوگی یا نہیں
جواب اگر یہ علم ہو گیا کہ فلان دن مجھ کو احتلام ہوا تھا تو اس دن سے جنابت کا حکم جاری ہو گا اور اگر دن کی تعیین کا علم نہ
ہو فقط یہی علم ہو کہ مجھے احتلام ہوا تو احتلام کا حکم اس آخری نوم سے دیا جائیگا جسکے بعد سے نہ سویا ہو سوال
کیا عورت کو جوئی کھول کے نہانا چاہیے جواب اگر مالون کی ٹرین بھیگ جائے تو جوئی کھولنے کی ضرورت
نہیں ہے سوال نگہنا اتنا ہی میں درست ہو یا نہیں جواب درست ہے شرح فیہ میں ہے کہ کشف العورۃ
لا یجوز عند احدی فی الصبیح و فی الخدوة قلیل یا غم و قلیل یا باس ہد قبل مجوزان نتیجہ و النفس و ہر جزوہ و طہار
ستر کا کھولنا کسی کو نزدیک جائز نہیں ہے اور تہملی نہیں ایسا کرے تو بعض کی نزدیک نہا ہکا ہو گا اور بعض کی نزدیک نہا کچھ سرج
نہیں ہو بعض کے ہاں کہ غسل کے پینچا ہو نا یا بی بی کی کو حاجت ہو گا کرنا جائز ہے سوال اگر سناؤ کی ضرورت ہو اور شرعی
غذ کی وجہ سے اس کو نیم کیا تو نیم ایک مرتبہ کافی ہو گا یا ہر ناز کے لیے کرنا ہو گا جواب جو نیم غسل کے عوض
میں کیا ہو وہ اُنھیں باتوں سے ٹوٹتا ہے جن سے غسل واجب نہ ہو اور ہر ناز کے نیم کرنے کی ضرورت نہیں سوال
مسحوق کی دیوار یا چھت پر نیم کرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے لیکن خلاف ادب ہو کہ نہ مسجد معظم ہو اور عظم چیز
نخواست حکم کا دور کرنا لازم آدیکا اشیاء و لطائف میں ہے منہما مع اخذ شتی من اجزائہ قالوا فی توابہ ان کا جمعاً
جائز لا خلاف منہ و مسجد الوحل علیہ و لا لا مسجد کے اجزائے میں سو کچھ لیلینا جائز ہے مٹی کی متعلق کہا گیا ہے کہ اگر بہت
سی جمع ہو گئی ہو تو اس میں سے رو لیا اور اس سے نیم کرنا جائز ہے ورنہ نہیں سوال مسافر پر نیم کتنی دور پانی ہوئی کہ جو
سے نیم کرے جواب اگر ایک میل کے بقدر پانی ہو تو نہ نیکالان ہو تو نیم جائز ہے ورنہ نہیں بلکہ الرائق میں ہے کہ فی

المرفقین اور اذاعی سے کہا اذخم دو موضعین میں ایک منہ کر لیے اور ایک و لون باتھون کے لیے گٹھن تک اور
 امام مالک کو نزدیک فرض گٹھن تک مگر مختار کہیںوں تک ہر سوال جنب اگر کنوین کے کنارے پر کنوین کی پانی
 کھینچ کر وضو کر رہا ہو اور اس کے جسم سے پانی کے قطرے ٹپک کر کنوین میں گرے تو کنوان میں ہوتا ہی ہائیں جواب
 کنوان میں نہیں ہوتا شرح منیہ میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے جنب نزع من البیدر لو اقصب علی راسہ ثم استسقی
 ولو اخرف قاطر عن جسدہ فی البیدر لا یتنجس ای علی نقدیر غباسة الماء المستعمل ایضا للوضوء ولا کان المتخوض
 عن مثله متعذرا و متعذر ایک جنب نے کنوین سے ڈول کھینچا اور اس نے اپنے سر پر بہا لیا پھر دوسرا ڈال ڈالا اور اس کے
 جسم سے قطرے ٹپک کر کنوین میں گرے تو اگر اس سے متعلق نہیں مان لیا جائے تو بھی ضرورت کی وجہ سے کنوین کا پانی نجس نہ ہوگا کیونکہ ایسی
 باتوں کی بچنا ناممکن یا دشوار ہے سوال کنوین کا سب پانی کھینچنے کا کیا مطلب ہے جواب اتنا پانی کھینچا جاوے کہ
 ڈول آدھی سے زائد بھرا ہو نہ کھلے اس وقت اس کنوین کے پاک ہونیکا حکم دیا جائیگا اور کنوین کے سب پانی کھینچنے کا
 یہی مطلب ہے جو فقیر میں ہے و نزع البیدر ان ینزع حتی لا یمتلی من دلوھا الا نصفہ فظہر کنوین کا سارا پانی کھینچنے کا
 مطلب یہ ہو کر تاہو کہ اتنا پانی کھینچا جاوے کہ جب ڈول ڈالا جائے تو آدھے سے زائد نہ بھریں پھر وہ کنوان پاک ہو جائیگا و اد اعلم
 سرہ الراحمی عفورہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالغنی تجاوزا لمد عن ذنبہ اکیلی و انھی - [محمد عبدالغنی
 ابو الحسنات]

باب الخوض

سوال خوض میں کہ وہ درودہ کا اعتبار کیا جاتا ہے ذراع کر اس مقبرہ پر یا فنی عمر؟ جواب روایت مختار اور
 مفتی برکھان ظہری ذراع کر اس مقبرہ پر اگرچہ بعضوں نے ذراع مساحت کا بھی اعتبار کیا ہے فتاویٰ قاضی خان میں ہے
 وعامة المشائخ قالوا ان كان عشرا في عشرون كبر ليقبر فيه ذراع المساحة ذراع الكراس هو العصير لان ذراع
 المساحة بالمسوحات او عامة المشائخ و كما هو اكد و درودہ ہو تو کبیر ہو اس میں ذراع مساحت کا اعتبار ہے نہ ذراع
 اگر اس کا ادب بھی صحیح ہو کہ نیک مساحت کی چیزوں کو مناسب ذراع مساحت ہو اور عالمگیری میں ہے و المقبر ذراع الکراس
 کذا فی الظہیریۃ و علیہ الفتویٰ کذا فی الہدایۃ اور مقبر ذراع کر اس ہو ایسا ہی ظہیریہ میں اور اسی پر فتویٰ ہے
 ایسا ہی ہر میں ہے و فی الہدایۃ قدر و بالمساحة عشرا فی عشرون ذراع الکراس توسعة للامر علی الناس و علیہ
 الفتویٰ ناپ وہ درودہ ذراع کر اس سے مقرر کی گئی ہو لوگوں پر ساقی اور وسعت کی غرض سے اور اسی پر فتویٰ ہے اور
 و مختار میں ہے و ذراع الکراس اور مجمع البرکات میں خانہ سے نقل کیا ہے و المختار سوال ذراع مساحت اور

ذراع کراس میں کیا فرق ہو جواب ذراع مساحت سات تھی در ایک انگوٹھے کے بقدر ہو تا ہوا بعض کے نزدیک
 سات تھیں مع سات انگوٹھا اور تھیں ہاتھ کی چار بندگی ہوئی انگلیوں کو کہتے ہیں پس پہلو تول کے موافق ذراع
 مساحت اٹھائیس انگل در ایک کڑی انگوٹھے کے برابر اور دوسرے قول کے موافق اٹھائیس انگلی اور سات کڑی انگوٹھے
 کا ہوا اسکی تصریح ہر جندی در عالمگیری وغیرہ میں ہے سوال - حوض اگر گول ہو تو اسکا دور کتنا ہونا چاہیے کہ دور
 کہا جاوے جواب بعض کے نزدیک اڑتالیس گز اور بعض کے نزدیک چوالیس گز ہو اور بعض نے چھتیس کا اعتبار کیا اگر
 اور یہی صحیح اور مفتی برادر قواعد حساب کے موافق ہے مسائل لارکان میں ہوا مافی الحد و فیعتہ وغایتہ والیون منہ
 حد وہ وقیل ربع دار بعون وقیل ستہ وثلاثون قال الشیخ عبد الحق الاول حفظ والاخر اذنی بقواعد الحساب
 لیکن گول حوض میں مساحت کو گز سے اڑتالیس گز کا دور ہونا چاہیے اور بعضوں کے نزدیک چوالیس کا اور بعضوں کے
 نزدیک چھتیس کا شیخ عبد الحق نے کہا ہے کہ پہلے قول میں حفظ زیادہ ہو اور آخری قول تو اعداد حساب کی زائد موافق
 ہو اور ابوالکلام نے تقاییر میں لکھا ہے وہاں کان مدد ورافعی الملتقط اندہ یعنی ان کیوں حوله ستا وثلاثین ذراعانی
 الخرافۃ هو الصمیمۃ علیہ فتویٰ الدیناری فی الخلاصۃ ثانی واربعین و ذراعانی الکبری قدرہ بعض
 ہاربع واربعین فعلی الاول لیکون قطره احد عشر ذراعاً ونصفھا تقریباً وعلی الثانی خمس عشر ذراعاً
 ربعاً تقریباً و الاول سدا اذ حیث لا یصل مساحتہ عشر فی عشر مع زیادۃ وعلی الثانی تیفا حوض الزیادۃ
 وذلك لما عرف من ان حول المد وثلاثۃ امثال قطره مع سبعہ وادہ اذا ضرب نصف القطر فی نصف
 حوله فالبلغ الحاصل مقدار مساحتہ المد و ذیلہ برابر اگر حوض گول ہو تو ملقط میں یہ ہوگا اسکا چھتیس
 گز کا ہونا چاہیے خزانہ میں ہو کہ یہی صحیح ہو اور اسی پر دیناری کا فتویٰ ہے اور خلاصہ میں اڑتالیس گز اور کبری میں
 ہے کہ بعضوں نے اسکی مقدار چالیس گز بیان کی ہے پس اول ہر اسکا قطر تقریباً ساڑھے گیارہ گز ہوگا اور دوسرا
 سو اہندرہ گز اور اول زائد درست ہو کیونکہ اس میں وہ درہ کی مقدار مع تھوڑی سی زیادتی کے پانی جاتی ہے
 اور دوسری میں زیادتی بہت زائد ہوجاتی ہے اور یہ اسسے کہ گول چیز کا دور اس کے قطر کے سہ گویں اس کے ساتویں
 حصہ کو چڑنی کو حاصل ہوتا ہے اور جب نصف قطر کو نصف دور میں ضرب دو تو اس گول چیز کی پوری چار حاصل
 ہوتی ہے سوال اگر حوض وہ درہ تھا اور پانی کم ہوجانے پر اس میں نجاست چڑی پھر خوش میں پانی آگیا اور
 وہ بھر گیا اور کوئی چیز اس میں سے باہر نہیں نکلی تو وہ اس حوض کی پانی سے درست ہو یا نہیں جواب بعض
 نزدیک درست اور بعض کے نزدیک نہیں درست ہے صغیری شرح بیہتین ہے حوض کبیر فیہ صافات قائمہ

قیل ہو بخس لتجس الماء فثبنا فثبنا فقیل یس تجس لکونه کبیر او یہ ای بعد دم التجس اخذ مشائخ بخس را
 ذکرہ فی الذخیرۃ ایک بڑی حوض میں نجاستیں تھیں پس وہ پہرہ گیا تو بعضوں کے نزدیک وہ نجس ہے
 کیونکہ پانی تھوڑا تھوڑا نجس ہوتا رہا اور بعضوں کے نزدیک نجس نہیں کیونکہ حوض کبیر ہے اور یہی شائع
 غار کی رائے ہو مینا کہ ذخیرہ میں ہو اور مجمع البرکات میں ہر حوض عشر فی عشر قیل وہ فوقت فیہ نجاستہ ثم دخل
 الماء حتی امتلأ الحوض ولم یخرج منه شیء لایجوز التوضی منه لانه کلمہ داخل الماء یتنجس کذا فی کنز العباد
 ایک وہ درہ حوض کا پانی کم ہو گیا اور اس میں نجاست پڑ گئی پھر پانی اگیا اور حوض بھر گیا مگر حوض سے کوئی چیز
 باہر نہیں نکلی تو اس سے وضو ناجائز کیونکہ جب اس میں پانی گیا نجس ہو گیا۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے سوال
 وہ درہ حوض اگر بربودار ہو جائے مگر نجاست معلوم نہ ہو تو وضو اس سے درست ہے یا نہیں جواب درست ہے
 عالمگیری میں ہے یجوز التوضی فی الحوض الملبی بالمتن اذا لم یعلم نجاسته کذا فی فتاویٰ قاضی خان حوض کبیر
 بربودار کے پانی سے جب نجاست معلوم نہ ہو تو وضو ناجائز ہو جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے واللہ اعلم حررہ
 الراحمی غفور بالقوی البرکات محمد عبدالحی تجا دراد عن ذنبہ الجلی وغنی محمد عابدی

باب الانجاس

سوال۔ آجکل انگریز ہٹھائی کی تجارت کرتے ہیں بڑیاں حیوانات مردہ ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کی جلا کوئلہ
 قندوشکر کے صاف کر لیں استعمال کرتے ہیں اس طرح پرکھائے کوئلہ کو کوئلہ کثرت سورخا درین بھر کر اور پڑیا
 حواہ راب اور گڑ پانی میں گھول کر اس خیریت کو اس نرغ سے کہ جس میں کوئلہ پڑا ہو اچھڑان کر دیگ میں پھونچاتے
 ہیں پھر حوض دیگر اسکا قندوشکر بناتے ہیں اس طریقہ سے وہ قندیا شکر نہایت صاف ہو جاتا ہے اور رنگ اور بو میں
 کسی طرح کا تغیر واقع نہیں ہوتا مگر مردہ و بڑیاں جمع کرنے اور جلانے کے لیے مقرر ہیں وہ اتنی تمیز دار نہیں ہوتے ہیں
 کہ سور وغیرہ جانوروں کی بڑیاں دیگر حیوانات ماکول اللحم کی بڑیوں میں سے نکال لیں پس قلعی احتمال ہو کہ ان میں سے بعض
 جانور دن کی بڑیاں بھی مخلوط ہیں پس مطلع فرمائیے کہ اس قندوشکر کا استعمال کرنا کیسا ہے جواب صورت مسئلہ
 میں یہ تقدیر اول یعنی مخلوط ہونے بڑیوں خیریت کے قندوشکر نہ کہ در سوال پاک ہے اور اسکا کھانا جائز ہے اس سے
 کہ سور کے سوا دوسرے حیوانات ماکول اللحم وغیرہ ماکول اللحم کی بڑیاں محرق ہوں یا ہوں پاک ہیں جیسا کہ خرچ و قایمین ہے
 وشعر المستیتر وعظھا وحقھا وشرکھا الانسان وعظمھا طاهر مردی کے بال ہڈی ناخن اور سینک اور سٹا

بال در ہڈی پاک ہو اور دھنڑا میں ہو و شغل المیتہ خیر المغنر علی المذهب وعظماہا وعصباہا الی قولہ طاهر
مردے کے بال دسور کو علاوہ ایک مذہب پر اور اسکی ہڈی و ہڈیچے سب ظاہر ہیں اور یہ ہو کہ اگر ہڈیاں مردہ جانور
کی سوا کسی خسر کے پانی خواہ اور شکر ظاہر میں واقع ہوں نو وہ پانی اور شے پاک ہو اس سے دھوا و غسل کرنا اور کھانا
پینا سب درست ہو اور بر تقدیر ثانی یعنی مخلوط ہوئے ہڈیوں خسر کے بھی وہ قند اور شکر پاک ہو کیونکہ خسر کی ہڈی
اگرچہ بعض فقہاء نزدیک نجس ہو مگر جب وہ اور ہڈیوں کو ساتھ جلائی گئی اور کوئلہ ہونے کے بعد بصر مذکورہ سوال
استعمال میں آئی تو وہ استعمال کے قبل پاک ہو گئی جسا کہ کتب معتبرہ سے ظاہر ہوتا ہو و دھنڑا کے مسائل شتو میں ہو
والحرق کالفعل من المعفورات اور جلا نا دھو نو کی طرح پاک کر دیتا ہو اسی کتاب کے باب الانجاس میں ہو و
یکون نجسا ما قد روالا لزم نجاسة المغنر فی سائر الامصار والطلح کان حمارا او خنزیرا لا یذکر ووقع فی بئر فصار
طینا لا تغلب لعین بہ یعنی اور گوہر کی راکھ نجس نہیں ہو و رتہ تمام شہروں میں روٹیاں نجس ہو جائیں گی و شکر
نمک جو گدھایا سوکھا اور گرجو کنڈین میں گر کر کڑی ہو گیا ابیت کے بدل جانے کی وجہ سے اور اسی پختی ہو۔ اور بھی
اس قند اور شکر کی طہارت کی وجہ دیگر میں اسکا جوش ہو شربت کی ہڈیوں سے گزرنے کے بعد یعنی بالفرض اگر وہ شربت
ہڈی اور کوئلہ کے مل جانے کی وجہ سے نجس ہو گیا تو اسکی بعد دیگر میں جوش دینا ظاہر کر دیتا ہو کیونکہ جوش بھی طہارت سے
ہو جیسا کہ دھنڑا کے باب الانجاس میں ہو و یدھولین و غسل و دھن یعنی نلنا و وہ شہد اور تیل تین مرتبہ جوش
سے پاک ہو جاتا ہو فتاویٰ شامی حاشیہ دھنڑا میں ہو و قال فی فتاویٰ تحذیرۃ ظاہر کلام الخلامۃ عدم اشتراط
تتلیث و هو مبني علی ان الظن الغالب بغيره عن التثلیث اور فتاویٰ خیرہ میں ہو کہ خلاصہ کا ظاہر کلام تین بار کی
تثلیث لگانا ہو و یہ اس پر مبنی ہو کہ ظن غالب بعض تین بار کافی ہو اور بھی شہابی کی طہارت عموم ابوہ پر مبنی ہو شغل غلہ
گندم وغیرہ کے بیٹو غلہ گندم وغیرہ جو بدون حیوانات کی پالی کر کاہ سے جدا نہیں ہوتا اور اس میں پول و برا جہانات
کا پھونچنا لازمی ہو و جو اسکی طرح فی اسکو بسبب ضرورت اور ضیق خلق کی پالی کر کاہ اسکا جائز دیا ہو علی ہذا القیاس
شہابی کو اقسام میں بہی دل ہو و آخر تک طرح طرح کی کھانسیں لائق ہوتی ہیں باوجود اسکو وہ ایسی مرغوب و محبوب ظائق
ہو کہ کسی کو اس سے چارہ اور نفرت نہیں یہ اسکی اکل و شرب کا جواز قطع نظر دیگر اولہ جو اگر عدم بلوہ یہ بھی مبنی ہو سکتا ہو
پس صورت مسئلہ میں قند اور شکر پاک اور ظاہر اور اسکا اکل و شرب جائز ہو و ادعا علم بالصواب کتبہ عبد الرحمن
عفی عنہ عبد الرحمن فی الواقع خسر کے سوا ہر جانور کی ہڈی پاک ہو اور کوئلہ ہو جانے کے بعد خسر کی ہڈی
بھی باعقاب ذات کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہو پس شکر و قند مذکور جو اس کوئلہ و صاف کی جاتی ہو ظاہر اور اسکا کھانا

جائز ہو و اللہ اعلم حرره الراحمی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد المجتہد تاجوا زائد عن ذنبہ الجلی و الخفی محمد عبد المجتہد ابو الحسنات
سوال ایک تالاب شہر کو کناری واقع ہو جس کا عرض در طول قریب ڈیڑھ سو گز نمبری ہو اور چاروں طرف سے
 سیکڑوں میں غلیظ اُس تالاب میں پڑتا رہتا ہو اور سیکڑوں سو بہر وقت چاروں طرف اُس میں غوطہ لگایا کرتے ہیں اور
 اگر کسی کو زلزلے میں خشک بھی ہو جاتا ہے پس ایسے تالاب میں نہانا جائز ہی یا نہیں جواب جائز نہیں ہو کیونکہ اس تالاب
 کی اصل نجس ہو و اللہ اعلم حرره الراحمی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد المجتہد تاجوا زائد عن ذنبہ الجلی و الخفی محمد عبد المجتہد ابو الحسنات

کتاب المساجد

سوال پہلے ایک عام مسجد ماکل عن القبلة تھی پھر اُس میں اور زمین شامل کر کے اور اس کو منہدم کر کے اس طرح پختہ
 مسجد بنوائی گئی کہ اُس مسجد عام کا ایک جزو یعنی نہ اشیا کی مسجد کہ لے خارج کر دیا گیا تو آیا اب اس جزو پر جو حجرہ کی شکل قرار
 دیا گیا ہو احکام مسجد کو جاری ہوگی یا نہیں جواب مسجد کے جمیع اجزاء ناما مسجد کہ مکرمین میں کسی جزو کو مسجد سے خارج کرنا
 جائز نہیں اور اگر مسجد کے احکام ہی سے نافذ ہو گئے ہزار ارق میں ہو کر ایجوڑ للقیم ان جعل شیتا من المسجد مشغلا
 ولا یسکتا مقیم مسجد کو کسی حصہ کو جائے شغل یا جامع سکونت بنانا جائز نہیں ہو سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
 وسلم کے زمانے میں ہندوستان یا اثنی جانب یا وسط میں تھا اور محراب اور منبر کے درمیان میں کتنا فرق تھا جواب
 مسجد نبوی میں حضرت سرور دنیا علیہ التیمۃ والثناء و حضرت خلفا رضی اللہ عنہم کے زمانے میں محراب نہ تھی جیسا کہ سہودی
 نے وفار الوفا بالخبار و الارامی ص ۱۷۱ میں لکھا ہے المسجد الشریف لیکن لمحراب فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم و کافی زمین
 بالخطا رضی اللہ عنہم بعدہ و ان اول من احداثہ عمر بن عبد اللہ بنی فی عمارۃ الولید زائد عن نبوی اور زائد عن خلفا
 میں مسجد نبوی میں محراب تھی سب سے پہلے محراب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ زائد عن خلافت ولید میں بنائی ہو۔ اور منبر مقام قیام
 امام کے واسطے طرف تھا جیسا کہ وفار الوفا زمین ہو قال لنودی فی مناسکہ و فی احیاء علوم الدین انہ ای المصلی
 یجعل عمود المنبر حذاء منکبہ الایمن و یتقبل الساریۃ التي الی جانبہا العند و فذاک موقف رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم مناسک نووی و احیاء علوم الدین میں ہو کہ نماز پڑھنے والوں کو چاہیے کہ عمود منبر کو اپنی واپس
 شانہ کے مقابل کریں اور منہ اُس ستون کی طرف کریں جس کو کناری پر صدوق ہو کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے
 ہوئی ہی جگہ تھی۔ اور منبر و مقام مصلی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے میں چودہ گز ایک بالشت کا فرق تھا جیسا کہ
 وفار الوفا میں ہے قال ابن زمالۃ ان ما بین المنبر و مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی کان یصل فیہ حق توفی ربہ و غیر

ذرا عا و شہزاد ابن زبالب نے کہا ہو کہ منبر اور اس مقام کا درمیان فی فاصلہ جہان رسول خدا علیہ التھیۃ والثناء فیہی وفات تک نماز پڑھی چودہ گز ایک بالشت تھا۔ اور منبر وسط مسجد میں تھا اور فاصلہ درمیان اُس کو اور درمیان چھت قبلہ کے بعد ایک گز کے تھا جیسا کہ وفاء کو فامین ہو قدر روی یحیی فی ترجمۃ ما جاء فی زیادۃ الولیدان عمر بن عبد العزیز حضور جاکہ امن قریش فاروق مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی زاد فیہ عثمان فخلعہ عمرو بن عبد العزیز المسجد اکاد ل ذی کان فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان جدارا قبلہ من وراء المنبر ذرا عا واكثر من ذرا ع یحیی نے ولید کی زیادتوں کے بیان میں کہا ہو کہ عمر بن عبد العزیز قریش کے لوگوں کے پاس گئے پس اُنھوں نے آپ کو مسجد نبوی دکھائی اور اس میں جو زیادتی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی دکھائی پس عمر بن عبد العزیز کو اصل مسجد جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی معلوم ہو گئی اُس میں قبلہ رخ دیوار منبر سے ایک گز یا کچھ زیادتی تھی کوٹنی ہوئی تھی۔ اور بھی اسی کتاب میں ہو موضع المنبر لہ یغیر ویجد کل البعدان یجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم موضع منبرہ فی طرف مسجدہ ولا یتوسط اصحاب منبرہ کی جگہ بدلی نہیں گئی اور یہ بات بہت بعید ہو کہ حضور سرور کائنات علیہ التھیۃ والصلوات منبر کی جگہ نبی مسجد کے کنارے میں مقرر فرمائیں اور وسط اصحاب میں اُس نہ رکھوائیں سوال ایک دیران محلے میں دو مسجدیں تھیں اُس میں سے ایک مسجد بارش میں منہ نہ ہو گئی اور ایک مسجد اُس کے قریب باقی ہو اور وہاں کے اہل محلہ اکثر شیعہ ہیں اور وہ علم بھی بالکل گر گیا ہو اور محلہ کی آبادی کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی ہیں اس صورت میں اسباب مسجد منہ نہ کا لیکر اگر دوسری جگہ کسی مسجد کی مرمت میں صرف کیا جائے یا دوسری محلہ میں اسی اسباب سے کوئی مسجد بنائی جائے تو جائز ہو یا نہیں۔ جواب بعض فقہا جیسے قاضی خان ابو قتادے میں اور ملا خسر و دررین اور غزی تنویر الابصار میں لکھتے ہیں کہ جب مسجد خراب ہو جائے اور اُس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو تو دوسری مسجد کی مرمت کے لیے اُس منہ نہ مسجد کا اسباب منتقل کرنا جائز ہو لیکن مفتی برہنہ ہو کہ جائز نہیں کیونکہ مسجد منہ نہ کا اسباب وقف ہو اور وقف میں کسی کو تصرف کرنا جائز نہیں اہل اسلام کو لازم ہو کہ بقدر بہت وسعت اسی مسجد منہ نہ کی تعمیر کریں اور اُس کا اسباب اُسی میں لگا دیں کہ اُدھر سے گزرنے والے مسلمان اُس میں نماز ادا کریں بلکہ نبی مسجد کے بنانے سے پرانی مسجد کو درست کرنے میں زائد ثواب ہو بجز الرائق میں ہو قال محمد اذا خرب المسجد ولیس لہ ما یعمروہ وقد استغنی الناس عنہ فانہ یعود الی مالک الواقف وقال ابو یوسف ھو مسجد ابد الی قیام الساعہ لا یعود مبرانا ولا یعود نقلہ ونقل مال الی مسجد اخر سواء کا فوا یصلون فیہ ولا علیہ الفتویٰ کذا فی المحاریق القدیہ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ جب مسجد خراب ہو جائے اور کوئی اُسے تعمیر کرنے والا نہ ہو اور لوگ اُس سے مستغنی ہوں

تو وہ ملک آفت میں خود گر گئی ہوا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا جو کہ وہ تاقیام قیامت ہمیشہ مسجد ہوگی کبھی میراث نہ ہوگی اور اُس کے یا اُس کے مال کی نقل دوسری مسجد کے جانب خواہ لوگ نماز پڑھتے ہوں یا نہیں ناجائز جو راسی پڑھتی ہو ایسا ہی حادثہ قدسی میں ہوا اور شہر بنی لیل سعادۃ الساجد بعمارة المساجد میں لکھتے ہیں فی یتیمۃ الدہر مثل علی بن احمد عن مسجد خرب ومات اہلہ ومحلۃ اخری فیہا مسجد حل کاهلہا ان یصرفوا وجہ المسجد الخراب لی ہذا المسجد قال کانھما واذاعلت ہذا فاذکرت فی الدہر وفتاویٰ قاضیخان من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیہ الفتویٰ کما ہو المذکور فی الحاوی وخیلان الصحیح المذکور فی خزائن المفتیین وقد مشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحنفی علی القول المفتی بہ من عدم نقل بناء المسجد یتیمۃ الدہر میں ہے کہ علی بن احمد سے اُس مسجد کے متعلق پوچھا گیا جو خراب ہو گئی ہو اور اُس کے اہل مرگے ہوں اور دوسرے محلے میں مسجد جو ہو تو کیا اہل محلہ کو خراب مسجد کا مال میں مسجد کو جانب نقل کر لینا جائز ہے تو انھوں نے کہا کہ ہمیں اتنی بات و حرب تمہیں یہ معلوم ہوا تو کچھ در رو فتاویٰ قاضی خان میں ہو کہ نقل مسجد جبکہ وہ خراب ہو جائے جائز ہے مذہب مفتی بہ کے خلاف ہے جیسا کہ حاوی میں ہوا و خلاف مذہب صحیح ہے جو خزائن المفتیین میں مذکور ہے اور شیخ امام محمد بن سراج الدین حنفی قول مفتی بہ کے جانب گئے ہیں کہ بنائے مسجد کی نقل ناجائز ہے اور علامہ مختار بن زائد نے بھی میں تصریح کی ہے کہ اکثر مشائخ حنفیہ فتویٰ عدم جواز نقل کا دیتے ہیں سوال زید کسی علت کی وجہ سے اسلامیہ مدرسہ سے چھڑا دیا گیا چونکہ کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں تھا اس لیے مسجد میں قیام کر کے لوگوں کو پڑھاؤ لگاؤ اور اسی کو اپنا اور بعض معتبر طلبہ کے لیے وجہ معاش مقرر کر لیا کچھ دنوں کے بعد دوسری آباد مسجد میں اس کی آمد وقت بڑھی اُس نے خیال کیا کہ اگر اس مسجد میں جمعہ کی نماز اور اُس کے بعد وعظ ہوا کرے تو میری آمدنی خوب ہو جائے گی یہ خیال کر کے اُس مسجد کے بعض نواسیہ دوستی بڑھا کر پُرانے اماموں سے دتین جمعہ کے لیے اجازت لیلی جب زید کو اجازت مل گئی تو اُسکی سب شاگرد ایک ایک کر کے اس مسجد میں آکر رہنے لگے اور قدیم اماموں اور وذن کی موجودگی اور عدم موجودگی میں جو کچھ نقد جنس مسجد میں آتا اس پر قبضہ کرتے اور محلہ کے لوگوں نے بھی زید کی خدمت کرنا شروع کی پُرانے اماموں کو خیال ہوا کہ زید نے محلہ والوں سے حیدر اتحاد پیدا کر لیا ہے کیا عجب ہو کہ ہم کو یہاں سے نکلا دے اس خیال سے انھوں نے زید کو امامت سے جو دراصل انھیں کا حق تھا روکا زید نے اسکو اپنی توہین سمجھ کر پُرانا اماموں سے پغشاش پیدا کی اور زید کی اغوا سے اہل محلہ بھی جو اسکی خیال ہو گئے تھے پُرانے اماموں سے خلاف ہو گئے اور کہا اگر تم زید کو امامت نہ کرنے دو گے تو ہم تمہیں مسجد سے نکال دیں گے چونکہ کچھ لوگ پُرانے اماموں کے بھی موافق تھے انھوں نے زید کے موافقین سے کہا کہ اگر تم مثل سابق کبر پُرانے اماموں کے

پہچے نماز پڑھنا چاہتے ہو تو پڑھو ورنہ جان فدا کرتے تم بھی وہیں پڑھو ہم بیان کی طرح زید کو امامت نہ کرو دیگر
جب زید کو آسانی سے امامت نہ مل سکی تو اسے طہارون نے تھانے میں رہنے لکھو لی کہ ہم لوگ فلان محلہ میں
زید کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اب پڑانے امام زید کو امامت نہیں کرنے دیتے کل جمعہ جو ہم زید کو امام بنائیں گے
اور اگر پڑانے اماموں نے روکا تو کشت و خون ہوگا۔ ملازمین سرکاری نے کہا کہ پڑانے اماموں کو اس نئے امام سے زائد
حق ہو اگر تم انکی مخالفت کر دے تو خود ملزم ہو گے مگر ہوا خواہان زید نے نہ مانا اور کہا کچھ ہو ہم کل زید کو امام ضرور
بنائیں گے پولیس کے افسر نے بوسے کے خوف سے پولیس کو حکم دیا کہ مسجد کے سامنے حاضر رہ جس گروہ کی زیادتی دیکھ
اُسے گرفتار کرے جب تھانہ دار نے یہ حکم پایا دونوں فریق کو بلا کر سمجھایا زید کا حکم سے ڈر گیا اور اپنے ہوا خواہوں کو کہا
کہ پڑانے اماموں کے پیچھے نماز پڑھ لو اُسکے بعد اسی مسجد کے پاس ایک دوسری مسجد بناؤ زمین دگوں کو نئی مسجد میں نماز
پڑھنے کی رغبت دلاؤ لگائیہ پڑائی مسجد آپ ہی دیران ہو جائے گی غرض ایسا ہی کیا اگرچہ علمائے بھی منع کیا اور کہا یہ نئی مسجد
مسجد ضرار ہوگی مگر زید نے ایک بنائی اور اپنے دل ہی چند عدد نامعلوم گڑھ کے اپنے ہوا خواہوں سے کہا کہ یہ مسجد بنانا
جائز ہو اور اس پر ضرار کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا (۱) آیت ضرار کا حکم خاص ہو عام نہیں ہو (۲) ضرار کے بانی منافق
تھے اور تم لوگ مسلمان ہو (۳) چنانچہ پڑانے اماموں نے اقامت جمعہ سے اور زید کے پیچھے نماز ادا کرنے سے روکا ہو
اس لیے اس مسجد پر مسجد کا حکم باقی نہیں رہا پس اُسکے پہلو میں جو مسجد بنائی جائے گی وہ ضرار نہیں ہو سکتی (۴)
ہدم اور احواق مسجد ضرار کا حکم اس وجہ سے دیا گیا تھا کہ اس مسجد میں بت رکھے گئے تھے صراحت کی وجہ سے یہ حکم
نہیں دیا گیا تھا پس زید ضد کی وجہ سے اس آیت سے بڑھ کر روکا غیر منکر نشان قوم ان صد و کمین مسجد
الحرام ان لقتل و اتم کو کسی قوم کی عداوت اس امر میں کہ انھوں نے تھیں مسجد حرام سے باز رکھا ہو حدیث تجاوز
کرنے پر آمادہ نہ کرے، پرانی مسجد کے خراب کرنے میں کوشش کرتا ہو پس ایسی حالت میں کیا حکم ہو جو اب
اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی مسجد جو نفسانیت اور عداوت اور قدیم مسجد کو ضرر پہنچانے کی غرض سے تیار ہوئی ہے
مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہو ایسی مسجد بنانے میں سو گناہ کے کوئی ثواب نہیں ہو تو فسیر کشاف اور مدارک میں زید
آیت ضرار لکھا ہو قبل کل مسجد بنی مباحاۃ اودیاء و سمعة و لغرض سوی اتباع و جہ اللہ اوبال غیر
طیب فہو لاحق مسجد انصار کا کیا ہو کہ جو مسجد یا کاری یا بناوٹ یا رضا الہی کے علاوہ کسی اور غرض سے
بنائی گئی ہو یا حلال مال سے نہ بنائی گئی ہو اُسکا حکم مسجد ضرار کا ہو اور یہی کشاف میں جو عن عطاء فخر اللہ
الامصادی یبدع امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یخندوا فی المداہن مسجد بن یضار احوال

صاحبہ عطا فی بیان کیا ہو کہ جب خدا کے فضل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے ملک فتح کیے تو اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ مسجد بنائو مگر کسی شہر میں ایک سوزائے نہ بناؤ کیونکہ زائد مسجدوں میں ایک دوسرے کو ضرر پہونچاتی ہے اور تفسیر عری میں ہونا عجیب من المشائخین المتعصبین فی مذلتنا یسبون فی کل ناحیۃ مسجد طلباء اللامۃ والرممہ متعلما لشاہد واقتداء رائحہم لیتالموا فی هذا کالاتہ والقصۃ من شناعۃ عالمہ وسوء افعالہم پس تعجب ہو کہ ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ کچھ مرحلہ میں محض اپنے نمودار نام اور برتری اور باواحداد کی تقلید میں مسجدیں بناتی ہیں اور اس آیت کے معانی پر غور نہیں کرتے اور اس قصہ میں جو انکی بد بختی اور بد اعمالی بیان کی گئی ہے اسے نہیں دیکھتے۔ اور بانی مسجد جو عذر پیش کرتا ہے وہ ہرگز قابل التفات نہیں ہیں پہلا عذر اس وجہ سے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہو کہ حکم ضرر خاص ہو اور دوسرا عذر اس وجہ سے کہ گو بانیان مسجد ضرر منافق تھے مگر موافق العبدۃ لعموم المفظلا لخصوص السبب کے یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہو سبب کے خصوص کا اعتبار نہیں ہو جو تمام کتب میں موجود ہے یہ حکم عام ہو اور تیسرا عذر اس وجہ سے کہ اقامت جماعات سے منع کرنا ایسا فحل نہیں ہو جسکی وجہ سے وہ مسجدیں اقامت جماعات سے کسی کو رکاوٹ ہو مسجد کے حکم سے نکلتے اور چوتھا عذر اس وجہ سے کہ مسجد ضرر کے قصہ کو بہت سے محدثین نے روایت کیا ہو کسی میں بھی نہیں ہو کہ ہم اور احراق مسجد ضرر کا اسوجہ ہو تھا کہ ائسین جت رکھ گئے تھے بلکہ صاف طور پر بات ظاہر ہو کہ احراق دفع ضرر کے لیے کیا گیا تھا سو اسکی کسی بزرگ نے محلہ میں مسجد بنوائی تھی اور مدت دراز کے بعد وہ احاطہ مسجد منہدم ہو گیا اب بانی مسجد کی اولاد سے چند شخص ملکر یہ چاہتے ہیں کہ اس قدیم مسجد کو بنوا کر آباد کر دیں چنانچہ ادھی سے زائد تیار بھی ہو چکی ہے اب اہل محلہ میں سے ایک شخص جو بانی مسجد کی اولاد میں سے نہیں ہو طلع ہوتا ہے اور کہتا ہے ہمیں اس بات کا حق حاصل ہو کہ اس مسجد کو توڑ ڈالیں کیونکہ میرے دادا نے اسکو بنایا تھا اور اصلی کیفیت یہ ہو کہ مسجد قدیم کے منہدم ہو جانے کے بعد جہاں مسجد قدیم نے اُس روپہم سے (جو ایک بیوہ عورت نے کہ بانی مسجد کی مقتدین میں سے تھی) مسجد منہدم کی تعمیر شروع کی لیکن وہ ادھوری رہ کر ایک حجرہ میں مسابو ہو گئی پھر یہ رافع مسجد قدیم نے ایک مکان جدید بنام نہاد مسجد انھیں اشخاص کی زمین مشترکہ میں جو اب قدیم مسجد قدیم کی گڑھ میں بنایا اور اُس میں وہ صورت علم کی جس میں چند مخین نصب ہیں اور عشرہ محرم میں پھول اور سرہ انجمن میں چڑھتا ہے اور دسویں محرم کو تشریہ کی طرح وہ پھول اور سرہ دفن ہوتا ہے اور بانی مسجد جہاں اپنے پر رنے وقت مسجد قدیم کا عقیدہ یہ ہو کہ معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا ہے بلکہ اپنے بعض اصناف میں لکھا ہے کہ لعنت ہو اور لعنت لعنت برا نکس باد اس لیے بعض اشخاص محلہ اور مالک زمین

مشرکہ مسجد جدید جواب تعمیر مسجد قدیم کرتے ہیں اس جدید مسجد میں نماز نہیں پڑھتے اور مانع مسجد قدیم بھی صورت علم
کو نہ منہم نہیں کرتا اور کہتا ہو کہ یہ صورت علم میرے باپ نے بنائی ہو اور وہ قضا کر گئے ہم اس سے نہ تو زمین گے
اور جو توڑے گا اس سے مزاحمت کریں گے اور اب تھوڑے زلزلے سے مانع مسجد قدیم اس محلہ سے دوسرے محلہ
میں چلا گیا ہو جو اب وہ مسجد مشترک زمین پر بلا رضامندی شریک تیار ہوئی ہو حکم مسجد میں نہیں ہو کیونکہ نہ وقت
وقف کے شرائط میں سے محلوں کا ہونا بھی ہو جیسا کہ بحر الرائق میں ہے ومن شرائط ملك الواقف وقت الوقت
اور وقت کی شرطوں میں ہے واقف کا وقف کے وقت مالک ہونا بھی ہو اور قدیم مسجد کی تعمیر کا حق اہل محلہ اور
بانی مسجد کو حاصل ہو اور کسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہو رد المحتار میں ہو اما اهلها ای اهل المحلة فلمكان
يجعل موه ويجعل دو ابناؤه ويعبر شوا الحصر ويلحقوا القنايل لكن من مالهم لا من مال المسجد ويضو اجضا
الماء للشرب والوضوء ان لم يعرف للمسجد بان والا فالباقي اولى وليس لورثة منعه من نقصه والزيادة فيه
اهل محلہ کو حق ہو کہ مسجد کو کھو کر بھر سے بنائیں اور چٹائی بچھا لیں اور قدیم زمین لٹکائیں مگر اپنے مال سے مسجد کے
مال سے نہیں اور پینے اور وضو کرنے کے لیے حوض بنائیں اگر مسجد کو بانی کا علم نہ ہو اور اگر بانی معلوم ہو تو وہ زائد
مستحق ہو اور اس کو در نہ توڑنے اور زیادتی کرنے سے روکنے کا حق نہیں ہو جبکہ تعمیر کرنے والے اہل محلہ اور بانی
قدیم کی اولاد سے ہیں تو انھیں استحقاق تعمیر کا حاصل ہو اور مانع کو ممانعت حرام ہو اور تعمیر شدہ مسجد کو اگر دینا سخت گناہ ہو
اللہ تعالیٰ فرماتا ہو ومن اظلم من منع مسجدا لله ان يذکر فيها اسمہ وسعی فی خواصها اور کون زائد لکم کر نوا لا لا
اس شخص سے جس نے خدا کی مسجد دن میں مسلمانوں کو اس کا نام لینے سے روکا اور ان کی خرابی کی کوشش کی۔
سوال ایک قطعہ راضی جس میں ہندو اور مسلمان دونوں کا حصہ ہو اور اب تک وہ راضی تقسیم نہیں ہوئی
اگر کوئی شخص بلا اجازت ہندو اس راضی پر مسجد بنائے تو درست ہے یا نہیں جواب بحر الرائق میں ہے ومن
شرائط ملك الواقف عند الوقت وقف کی شرطوں میں سے واقف کا وقف کے وقت مالک ہونا بھی ہو پس
جو مسجد مشترک زمین پر بلا اجازت شریک بنائی جائے گی وہ شرعاً مسجد نہ ہوگی صدر شہید کتاب الوقفات میں لکھتے
ہیں فی مسجد علی سور المسجد لا یبغی ان یصل فیہ الا ان السور حق العامة فلا یجعل خالصا لله وصادکما لو فی المسجد
علی ارض الغصب جو مسجد دوسری مسجد کی دیوار پر بنائی جائے اس میں نماز نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ دیوار عامۃ الناس کا حق
ہو پس وہ خدا کا خالص حق نہیں ہو سکتا اور اس کی حالت دہی ہو جو غصب کی ہوئی زمین پر بنی ہوئی مسجد کی ہو
سوال حجہ مسجد جو مٹی مسجد کے چبوتے میں واقع ہو اور نماز جماعت کے وقت اس حجرے کے محاذی نماز پڑھو

کھڑے ہوتے ہیں اس حجرے میں ایک شخص تجارت کا کاروبار کرتا ہو اور کفار اور شرک صحن مسجد سے بہو کر اس حجرے میں جاتے ہیں اور اسباب مسجد کی حجرہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے حفاظت بھی نہیں ہو سکتی نہ کوئی مسافر اور طالب علم وہاں رہ سکتا ہو پس فیصل جائز ہو یا نہیں جواب اگر وہ حجرہ مسجد میں داخل ہو تو اس میں خرید و فروخت کرنا خصوصاً اسباب تجارت رکھنے کے ساتھ مکروہ ہو درخت میں ہو دیکرہ کل عقد الا لمعتکف بشرط اور تمام عقود مکروہ ہیں مگر معتکف کے لیے ایک شرط سے اور شرط کی تفصیل صاحب رد المحتار نے یہ کی ہو قولہ بشرط طہوان کا لیکون للتجارة بل لیکون ما يحتاجه لنفسه او عیالہ بدون احضار السلعة اور شرط یہ ہے کہ تجارت کے طریقے پر نہ ہو بلکہ اس مقدار کی بیع جو جسکی اُسے یا اس کے اہل عیال کو احتیاج ہو اور جو چیز فروخت کی جا رہی ہو وہ وہاں نہ لائی گئی ہو اور یہی درخت کے باب الاحکام میں ہو وکرہ ای تحریر احضار بیع فیہ کما کرہ فیہ مبايعه غير المعتكف مطلقاً للفتح بیع کا مسجد میں لانا مکروہ تحریری ہو جیسا کہ غیر معتکف کا مطلقاً بیع کرنا منی کے سبب سے صاحب رد المحتار اسی قول کو تحت میں لکھتے ہیں ای سواء احتاج الیہ لنفسه او عیالہ او کان للتجارة احضار کا خواہ اُس نے اپنے لیے ضرورت ہو یا اپنی اولاد کے لیے یا تجارت ہو اور وہ چیز لائی گئی ہو یا نہ لائی گئی ہو اور جامع تردی میں ہو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشراء والبيع فی المسجد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بیع و شرا سے ممانعت فرمائی، تو اور کفار کا مسجد میں داخل ہونا اگرچہ خفیہ کے نزدیک درست ہو لیکن کسی جزو مسجد کو راستہ بنانا اور اس میں گریبا دنیاوی کے لیے آمد و رفت کرنا جائز نہیں وکرہ تحریری اعتقادہ طریقاً فی رد الذخیر کسی عذر کے مسجد کو راستہ بنانا مکروہ تحریری ہو سوال مسجد کی تعمیر میں ہندو کار و پیہ لگانا جائز ہے یا نہیں جواب نہیں سوال مکان کی چھت کو مسجد کا صحن بنانا جائز ہو یا نہیں جواب اگر مکان بھی مسجد ہی کے نفع کے لیے ہو تو جائز ورنہ ناجائز ہو سوال ایک مسجد کے متولیوں میں سے تین شخص موجود ہیں اور تینوں غنی صاحب نصاب ہیں منجملہ ان کے ایک شخص چاہتا ہے کہ جائداد موقوفہ مسجد میں سے بعض تولیت یا وقف کوئی تنخواہ لے اور بلا اجازت دیکر متولیان مکان مسجد میں بلا کر ایہ خود سکونت اختیار کرے یہ جائز ہو یا نہیں جواب متولی کو مکانات مسجد میں رہنا اور تنخواہ لینا درست نہیں رد المحتار میں ہو فی الجواهر القیم اذا لم یراع الوقت یعنی لہ القاضی فی خزائنة المفتیین اذا اربع القیم لنفسه یخرجہ القاضی من یدہ قال البیری یؤخذ من الاول انہ الناظر اذا امتنع من اعارة الكتب الموقوفة کان للقاضی عزله ومن الثاني لو سکن الناظر دار الوقت ولو باجر المثل لہ عزله لانه نص فی خزائنة الا کمل انہ لا یجوز لہ السکنة ولو باجر المثل واما القیم میں ہے کہ جب متولی وقف کی رعایت نہ کرے قاضی اُسے بل دیکھا اور خزائنة المفتیین میں

ہو کہ جب متولی اپنے لیے زراعت کرے تو قاضی وقف کو اُس کے ہاتھ سے نکال بیگا جی رہے کہا ہو کہ اول سے یہ امر
 اخذ کیا جاتا ہو کہ ناظر جب لوگوں کو وقفی کتابوں کے عاریت دینے سے باز رہے تو قاضی کو چاہیے کہ اُسے معزول کر دے
 اور دوسرے سے یہ بات اخذ کی جاتی ہو کہ ناظر اگر مکان وقف میں سکونت اختیار کرے کہ وہ دوسرے ہی کا اتنا
 کرایہ دے تو قاضی کو لازم ہو کہ اُسے معزول کر دے کیونکہ خزانۃ الاكمل میں ہو کہ ناظر کے لیے مکان وقف میں سکونت
 کرنا کہ وہ دوسرے ہی کا اتنا کرایہ دے ناجائز ہو البتہ متولی کو اتنی تنخواہ لینا جو وقف نے مقرر کی ہو اور اگر
 نہ مقرر کی ہو تو بقدر اجرت مل لینا درست ہو درختا میں ہو لیس ملتولی خذ زیادۃ علی ما قرہ الواقف اصلا و یجب
 صرف جمیع ما یحصل من ماء و عوائد شرعیۃ و عرفیۃ للمصارف الوقف الشرعیۃ اکل من فتاویٰ المصنف قلت لکن سخی
 فی الوصایا و مرایضات ملتولی جو مثل عملہ متولی کے لیے جتنا وقف نے مقرر کر دیا ہو اُس سے زائد لینا قطعاً ناجائز
 ہو اور تمام زیادات و منافع شرعی و عرفی کو وقف کے مصارف شرعی میں خرچ کرنا چاہیے یہ فتاویٰ مصنف ہی
 ماخوذ ہیں میں کہتا ہوں کہ عقرب صایا کے بیان میں آئیگا اور اوپر بھی گزر چکا ہو کہ متولی جتنا کام کرے گا
 اتنی ہی اُسے اجرت ملے گی سوال نمازیوں کی راحت اور زینت مسجد کے خیال سے مسجد میں فرش پکھا لگانا
 اور اوقات مناسب پر اُسکا استعمال جائز ہو یا نہیں جواب مسجد میں فی نفسہ فرش پکھا لگانا مباح ہو کوئی نعت
 شریعہ میں نہیں ہو اور نہ کوئی روایت فقہیہ معتبرہ اس میں نظر سے گذری البتہ ابن الحاج مالکی نے مدخل میں
 تحریر کیا ہو یعنی لہذا ینتھظ من ہذہ المراد حراکان فی المسجد اذا غاب عدو قد اکر مالک الاشیاء الی تعہد
 فی البیوت ان تعہد فی المساجد لانہا لکن من فعل السلف وان کانت مباحۃ فی غیرہ مودن کو پتھوں سے
 محفوظ کرنا چاہیے اگر وہ مسجد میں ہو کیونکہ یہ بدعت ہو اور امام مالکؒ نے مسجد میں اُن اشیا کے لانے کو
 ناپسند فرمایا ہو جو عموماً گھر کے کاموں کے لیے ہوا کرتے ہیں کیونکہ یہ زائد سلف میں تھا گو مباح ہو لیکن ظاہر ہو
 کہ اسکا بدعت شرعیہ ہونا جو موجب ضالہ ہو صحیح نہیں ہو کیونکہ بدعت شرعیہ عبادات میں ہوتی ہو نہ مباحات
 میں اسی وجہ سے طرق مباحہ ملبس و مسکن و طعام وغیرہ میں بالاتفاق باعث ضلالت نہیں گو مستحبات سے
 ہوں البتہ بدعت لغویہ و بدعت مباحہ ہی نہیں بلحاظ کمال اتباع سلف صالح اُسکا ترک اولی ہو گا اور اُسکا ازکار
 موجب ضلالت یا اگر بہت نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ اُس سے نمازیوں اور حاضرین مجلس کرام ہو بچا نا مقصود ہو
 سوال محلہ کے چند بوڑھے اور محدثوں نے اپنے مکان کے قریب ایک مختصر مسجد اس لیے بنائی ہو کہ
 اس میں پانچون بوقت جماعت سے نماز پڑھیں اور دور والی مسجد میں نہ جاسکے کی وجہ سے نماز جماعت کو اُسکا

محرور مہون اور اس مسجد بنانے سے کسی مسجد کا اضرار مقصود نہیں ہوا اور اس جدید مسجد کے ادھر ادھر رہنے والے
وقتاً فوقتاً اس پرانی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں گو اس نئی مسجد کے قریب رہنے والے اتنے ہیں کہ اس قدیم مسجد
بہت زائد طویل جماعت یہاں ہو سکتی ہے مگر پھر بھی غیر معذورین کے علاوہ لوگ اکثر اسی پرانی مسجد میں نماز پڑھتے
ہیں اس پر بھی بعض لوگ اس نئی مسجد کو مسجد مزار کہتے ہیں اور والدین اتحد وامسجد اضرار کو کفر و تفریق الاہیۃ
کو استدلال میں پیش کرتے ہیں اور ان دونوں مسجدوں کے بیچ میں چار یا پنج سو قدم کا فاصلہ ہے جو اب
اس صورت میں نئی مسجد بنانا جائز اور امثال منہوی ہی عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت اہم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بناء المسجد فی الدور وان یتنظف ویطیب رواہ ابو داؤد و الترمذی وابن ماجہ حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر محلہ اور ہر سرا اور ہر قبیلہ میں مسجد بنانے کا حکم دیا ہے اور ہر محلہ
قصد مزار نہ ہو تاکہ ہر محلہ کے لوگ اپنے محلہ میں جماعت سے نماز ادا کر سکیں اور اپنے فرمایا ہے کہ اپنی مسجدوں کو کچھ
اور خوشبودار رکھو انکی ذاتی عظمت کے لحاظ سے اور انکے کی حاضری اور نشاط مومنین کے خیال سے اور اس مسجد
کا بانی اُس ثواب کا مستحق ہے جو حضور رومی قدہ نے ارشاد فرمایا ہے **مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ** جس نے
اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور مسجد جدید کی ضرورت پر آیہ کریمہ **رَوَالِدِیْنَ**
اِتَّخَذَ وَاسْجِدَ اَضْرَارًا کو کفر و تفریق بین المومنین و اعداء المومنین و رسولہ من قبل و یصلحون ان رفا
الاحسنے واللہ یشہد انھم کاذبون اور جنھوں نے بنائی ایک مسجد مزار کو کفر اور مسلمانوں میں بھٹکانے
کے لیے اور ٹھانگ اس شخص کی جو طر رہا ہے اللہ سے اور رسول سے آگے کا اور اب قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو
بھلائی ہی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں، سے استدلال لانا غلط ہو گا سیوین اس واقعہ کا بیان یوں
لکھا ہے کہ حضور کے مکہ سے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے ابو عامر ایک راہب قبیلہ خزرج کے شرفا میں ہو گا جو
علوم توراۃ و انجیل سے واقف اور مدینہ تھا ہمیشہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مع اہل مدینہ کے ساتھ کیا کرتا
لوگ آپ کے اوصاف سننے کے لیے جوق جوق ہر طرف سے روز آگرا سکے پاس جمع ہوتے جب حضور سرور انبیا
علیہ التحیۃ والثناء مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے تو مدینہ کے تمام لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے اور اُس راہب
کے یہاں جانا ترک کر دیا چونکہ آپ کی تشریف آوری سے اسکی وجاہت میں فرق آگیا اس لیے عناد اُس نے مدینہ
کے لوگوں کو حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کے اتباع و محبت سے روکنا شروع کیا لوگوں نے کہا تو
پہلے انھیں کی وجہ کرتا تھا اب کیوں مخالفت پر آمادہ ہو اُس نے جواب دیا کہ میرے مدوح نہیں ہیں بلکہ میرے

مہر وچ کے مشابہ ہیں جب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر اسلام کی دعوت کی تو وہ ایمان نہ لایا اور پوچھا جو
 دین تم لائی ہو کون دین جو اپنے فرمایا میں دین ابراہیم علیہ السلام ہے لایا ہوں ابو عامر نے کہا میں اسی دین پر ہوں آپ نے
 فرمایا تو اُس پر نہیں ہو اُس نے کہا میں اسی دین پر ہوں مگر تم نے اُس دین کو اپنی اصلی حالت پر نہیں رکھا ہے
 آپ نے فرمایا میں نے ایسا نہیں کیا ہی بلکہ اُس دین کو غیر حق کی آمیزش سے پاک اور صاف لایا ہوں ابو عامر راہب نے
 کہا ہم دونوں میں سے جھوٹے کو اللہ تعالیٰ تنہا بحالت سفر خانان ہو دو ر موت دے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما
 آئیں کہی اور اُسی وقت سے آپ نے فاسق اُسکا نام رکھ دیا۔ آخر کار جب جنگ حنین میں قبیلہ ہوازن نہ ہمت کھا کر
 بھاگے تو ابو عامر فاسق تمام کی طرف بھاگا اور منافقین کو یہ کہنے بھیجا کہ لڑائی کا سامان قوت اور سلاح سے مہیا کرو اور
 میرے لیے ایک سجد بنائو میں قیصر دم کے پاس جاؤ ہوں اور اُس سے لشکر لیک آؤ ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل
 اُن کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر کوڑو گالیں بارہ منافقوں نے جن میں دو تابعین بن ثابت اور خذلم
 ابن خالد اور ثعلبہ بن حاطب اور حارثہ بن عامر اور اُسکے دو بیٹے جمع اور زید اور حشبن بن قشیر اور عباد بن حنیفہ اور ابو جہیم
 ابن المازع اور سہیل بن الحارث اور محرج اور جاثغمان کے دو بیٹے تھے ایک مسجد مسجد قبا کے پہلو میں بنائی اور حضور سرور انبیاء
 علیہ السلام والہذا کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے جب آپ غزوہ تبوک کا سامان کر رہے تھے اور کہا یا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ایک مسجد اس لیے بنائی ہو کہ سردی اور بارش کی رات میں اور دوسرے معذور لوگ بھی
 وہاں نماز پڑھ سکیں ہم سب کی تمنا ہو کہ حضور وہاں تشریف لیجلیں اور اُس مسجد میں امامت کریں ہم سب مقتدی ہوں
 اور حضور ہمارے لیے بعد نماز برکت کی دعا فرمائیں آپ نے جنگ تبوک کے تہیہ کا عذر کیا اور تبوک سے پلٹنے کے بعد وہاں
 تشریف لانے کا وعدہ کر لیا اور ابو عامر راہب اکیلا سفر میں بے خانان ہو کر مر گیا۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں
 قال الواحدی قال بن عباس ومجاهد وقادة وعامة اهل التفسير رضي الله عنهم الذين اتخذوا مسجدا ضرابا كان
 اثني عشر رجلا من المنافقين بها مسجد ايضا دون به مسجد قباء قول الله تعالى وصفه بصفات اربعة لا ولي ضرابا ولا
 محاوله الضرب ان الشقاق محالة ما يشق وقال الزجاجة وانصب قوله ضرابا لا انه مفعول له والمعنى اتخذوه للضرب
 ولما اثر الامور المذكورة بعد فلما حدثت اللام اقضاه الفعل فنصب قال وجائز ان يكون مصداق المحولا على
 المعنى والتقدير اتخذوا مسجدا وضربوا به ضرابا والصفة الثانية قوله وكفر قال بن عباس رضي الله عنهما يريد ضربا
 المؤمنين وكفر بالنبي عليه السلام وباجاءه وقال غيره اتخذوه ليكفر واقية بالظن على النبي عليه السلام ولا سلام
 والصفة الثالثة قوله وتفرقوا بين المؤمنين اي يفرقون بواسطة جماعة المؤمنين وذلك لا المناقبين قالوا مسجد

فصلیہ یہ کہ لا نصیب خلف محمد فان امانا فیه صلینا معہ وقرنا بینہ و بین الذین یصلون فی مسجدہ فیودی ذاک لے
اختلاف الکلمۃ و بطلان الکلفۃ و اصری نے کہا کہ ابن عباسؓ اور مجاہد اور قتادہ اور عامرہؓ اہل تفسیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں
کہ باوجود منافقوں نے مسجد بنائی تھی جسکی ذریعہ سے مسجد بنا کر حضرت یونحیاؑ انکا مقصد تھا میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرما سکے
چار وصفوں سے موصوف کیا جو را، ضرارا، زجاج، و کہا کہ ضرارا مفعول لہ جو اسی لیے منصوب ہوا اور اس کے معنی ہو کہ
کہ ان لوگوں نے ضرر کے قصد اور خواہش سے مسجد بنائی (۲) دکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان
لوگوں نے اس لیے بنائی تاکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کریں (۳) تفریقاً بین المؤمنین یعنی اس مسجد کے
ذریعہ سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں کیونکہ منافق کہتے تھے ہم نے مسجد بنائی ہے اس میں نماز پڑھیں گے اور نبی اکرم صلی
علیہ وسلم کے پیچھے نہ پڑھیں گے پس اگر ان میں سے تو ہم نماز پڑھیں گے اور حضورؐ اور مسجد نبویؐ میں اور آپ کے
مقتدیوں کے درمیان ہم تفرقہ ڈالیں گے پس یہ امر بطلان الفت باہل و اختلاف کلمۃ ہوا پس جانتا چاہیے
کہ منافقین نے مسجد ضرارہ کو عامراہب کی برائے بنائی تھی اور اُسکی بنا کی غایت اللہ تعالیٰ نے چار امر بیان فرمائے ہیں اور
اس میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جو کہ تقصیر فیہ ادا سے ظاہر ہو قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لا تصل فیہ منع اللہ تعالیٰ نبیہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان یصل فی مسجد الضرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس مسجد میں نماز نہ پڑھو اللہ تعالیٰ
نے حضورؐ اور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد ضرارہ میں نماز پڑھنے کی حافطت کی ہو قال فیہ روی فیہ ما کان انصرف رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من تبوک و نزل بذی وان موضع قریب من المدینۃ تاوہ فسألوا لیلۃ مسجد یم من عا بقبیلہ یلیلہ
و یاتیم من نزل علیہ القرآن فاحیہ اللہ تعالیٰ خبر مسجد الضرہ و ما ہوا بہ فد عار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک
ابن الدخشم و معن بن عدی و عامر بن السکن و وحشیہ قاتل حمزہ و قال لہم انطلقوا الی ہذا المسجد لئلا ھلہ فاحذروہ
و احرقوہ فخر جہا اسراحتی تو انہی سالہ بن عوف و ہم بھٹ مالک بن الدخشم فقال مالک انظرونی حتی اخرج الیکم نباء
من اھل فدا خل اھل فاحذروہ من الخلل و اشغل فیہ نار اقربوا یشدد و حتی دخلوا المسجد و فیہ اھل فخر بوا
و ھد موہ و تفرق عند اھل و امل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذ ذلک کناستہ تلقی فیہ الجھت و النتن و القمامۃ حب
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے مراجعت فرمائی اور ذی وان میں قیام کیا جو مدینہ کے قریب ایک موضع ہے تو وہاں
لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اپنی مسجد میں تشریف لیچنے کی درخواست کی پس آپ نے پہننے کے لیے
اپنا کرتا لگا تاکہ وہاں تشریف لیجائیں مگر فوراً ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسجد ضرارہ کے واقعہ اور منافقین کے قصد سے
آگاہ کیا پس آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی اور عامر بن سکین اور وحشیہ قاتل حمزہ رضی اللہ عنہم کو طلب کیا

اور انکو حکم دیا کہ تم اس مسجد میں جاؤ اور اسے سگر اگر جلا دیس وہ لوگ جلدی سے روانہ ہوئے اور سالم بن عوف کہ بیان
 پہونچ جو مالک بن خثعم کا قبیلہ ہی مالک و کما بھوتی ملت وہ کہ میں اپنے گھر ہواؤں جب وہ وہاں سے واپس آئے تو میں نے کہا
 ایک گٹھالی لیتے آئے جس میں انھوں نے آگ لگائی اور تیزی سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مسجد میں پہونچو اور وہاں کو لوگ
 اس میں موجود تھے ان کو گونے اس کو گرایا اور لوگوں کو منتشر کر دیا پھر حضور سرور انبیا علیہ التیمۃ والثناء نے حکم دیا کہ یہ
 مقام کوڑا گھر بنایا جائے اور یہاں کوڑا اور غلات اور درواہ چینی پھیلکی جاوین پس ایسی حالت اس آیت سے دلیل
 لاکر مسجد پر پڑا کا حکم نہ کرنا چاہیے کیونکہ مسجد ضرار کی پہلی صفت مسلمانوں کو مضرسانی ہو اور صفت ثانی و ثالث یعنی
 کفر نبی و آپ پر طعن اور رجاعت مؤمنین کی تفریق کہ مقصد اس سے شریعت کی نیکی اور اخلاق کلمہ ہو کوئی صفت ایمین
 پائی نہیں جاتی۔ کیونکہ بظاہر اس کے بانی شرع کے پابند ہیں اور مسجد قدیمین عجم کے وجہ سے نہ حاضر ہو سکتا اس مسجد پر
 کی بنا کا باعث ہوا ہو اور بھی اس آیت سے مفہوم ہوتا ہو کہ مسلمانوں میں رفق پیدا کرنے اور ضعیفوں پر آسانی کرنے کے
 لیے دوسری مسجد بنانا جائز ہے و اللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ محمد فدا حسین رضوی اخصی عفا عنہ بہ التکو
 صحیح الجواب مسجد بقصد اضار و تفریق مسلمین نہ بنائی جائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہی تفسیر مدارک میں ہی قیلا
 کل مسجد نبی مباہاتہ اور یاد و سمعۃ اور فراق سوی ابتعاد و جلالہ و بال غیر طیب فہو لاحق بمسجد الغوار مسجد
 فخر پار یا کر کے عرض سے بنائے جانی یا اس کی بنائے اس سے رضائے الہی مقصود نہ ہو یا وہ مال حلال سے نہ بنائی گئی ہو تو اس کا
 حکم مسجد ضرار کا ہو اور کشف میں ہی رد و لما فتحہ اللہ الامصار علی ید عمال المسلمین ان ینبوا المساجد وان لا یقتذوا فی
 المدینۃ مسجدین یضار احدہما ما جہلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے شمر فتح کر کے تو حضرت عمر
 رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مسجد بنانا و اگر ایک شہر میں ایسی دو مسجدیں نہ بنائے جو ایک دوسرے کو مضر پہونچانے
 والی ہوں اور مسجد بقصد اضار و تفریق مسلمین نہ بنائی جائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں و فل نہیں ہی و اللہ اعلم حررہ الریحی
 عفور بہ الفتویٰ ابو الحسنات محمد عبید اللہ تاجوزا مدین ذنبہ العلی و اخصی [محمد عین الحق] سوال مسجد کے نیچے سطح
 کہ مسجد چھت پر اور نیچے غلا رکھنے وہ کاٹن بنوا کہ مسجد پر وقف کر دینا جائز ہی یا نہیں اور یہ جو فقہانے کہا ہو کہ مسجد کے
 لیے پھر ضروری ہو کہ اس کا تحت و فوق مسجد ہی ہو اس سے کیا مراد ہو جواب فقہائے قول شر ط کو نہ مسجد ان کی
 سفلیہ و علویہ مسجد الیقطع حق البعد عنہ کا یہ طلب نہیں ہو کہ تحت و فوق کا حقیقتہ کعبہ الوجہ مسجد ہونا ضروری ہو
 اس طور پر کہ مجمع احکام مسجد کے اسی مرتب ہوں جیسے حرمت دخول جنب و عائض وغیرہ بلکہ عرض یہ کہ تحت و فوق
 دونوں کا حقوق عباد و املاک سے منقطع ہونا ضروری ہو اگر تحت یا فوق کسی کی ملک میں رہو گا تو البتہ مسجد کی مسجدیت

میں تحلیل ہوگا پس اگر تحت و فوق مسجد کی متعلقات پر وقت کر دیے جائیں تو حق العبدان سے منقطع ہو جائیگا اور مسجد
 کی مسجدیت میں خلل نہ واقع ہوگا نیز بیعی شرح کنز میں ہر مومن جعل مسجد اتحدہ سرداب و فوقہ بیت و جعل بابہ الی الطريق
 و نحوہ و اتخذ وسط دارہ مسجد او اذن بالناس بالدخول فیہ یجوز لہ بیعہ ویورث عند کمالہ لم یخلص للہ تعالیٰ
 لبقا حق العبد فیہ والمسجد لا یكون الا خالصا لہ لما تلونا مع بقاء حق العبد فی اسفلہ و اعلاہ اولی جوانب محیطا
 بہ لا یتحقق الخلو کما اذا کان السفل مسجد ا فلان لصاحب العلوقا فی السفل حق لا یكون لصاحب السفل ان
 یحدث فیہ شئی من غیر رضی صاحب العلو و اما اذا جعل العلو مسجد ا فلان ارض العلو ملک لصاحب السفل و
 لیس لمن التصرفات من غیر رضی صاحب السفل کالبناء و غیرہ بخلاف مسجد بیت المقدس فان السرداب
 فیہ لیس بملوک لاحد بل هو لمصالح المسلمین حتی لو کان غیرہ مثله تقول بانہ مسجد و اما اذا اتخذ وسط دارہ
 مسجد ا فلان یملکہ محیطا بجا انبہ فکان لہ حق المنع من الدخول والمسجد من شرطہ ان لا یكون لاحد فیہ
 حق المنع اور جس فی مسجد بنائی کہ جسکے نیچے تہ خانہ اور اوپر گھر ہو اور اسکا دروازہ راستہ کی طرف رکھا یا گھر کے بیچ میں مسجد
 بنائی اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دی تو اس سے حق بیع حاصل ہوا ورنہ اسکی میراث ہوگی اس لیے کہ حق
 عبد باقی ہونے کی وجہ سے وہ خدا کا خالص حق نہیں ہوا اور صرف حق اسدی ہوا اگر فی ہر عیدیا کہ ہم بیان کر چکے ہیں
 اور جبکہ اوپر نیچے یا اطراف میں حق عہد اسکا احاطہ کر ہو ہو تو خالص حق نہیں ہوا اگر سفل مسجد ہو تو اس لیے کہ ارض علو صاحب
 سفل کی ملک ہو اور مالک علو کو بلا اجازت مالک سفل حق تصرف حاصل نہیں بخلاف مسجد بیت المقدس کو کہ اسکا تہ خانہ
 کسی کی ملک نہیں ہو بلکہ وہ مصالح المسلمین کے لیے ہو حتی کہ اگر ایسی ہی حالت کسی اور مسجد کی ہو تو ہم اس مسجد کو کہیں گے
 اور اگر اپنے وسط مکان کو مسجد بنایا تو اس لیے کہ وہ اس کے بجانب کے احاطہ کا مالک ہو اس حق پر کہ وہ لوگوں کو داخل
 ہونے سے روکے اور مسجد کے لیے یہ ضروری ہو کہ کسی کو حق منع حاصل نہ ہو اور عینی کی شرح کنز میں ہر فان قلت مسجد
 بیت المقدس تحتہ سرداب قلت السرداب فیہ لیس بملوک لاحد بل هو لمصالح المسلمین حتی لو کان غیرہ مثله نقول
 بانہ مسجد اگر تم کہو کہ مسجد بیت المقدس کے نیچے تہ خانہ ہو تو اسکا جواب یہ ہو کہ وہ تہ خانہ کسی کی ملک نہیں بلکہ محض مصالح مسجد کے
 لیے ہو حتی کہ اگر ایسا کسی اور مسجد میں ہو تو وہ مسجد مکمل لگے گی۔ درختار میں ہر کوئی بیتا فوقہ للامام لا یصرف لادون المصلح
 اما لو تمت المسجد یتثم ارا الدبناء منع و لو قال غیبت ذلک لہ یصدق اگر مسجد کے اوپر امام کے لیے گھر بنایا تو کوئی
 حرج نہیں ہو کیونکہ مصالح مسجد ہو اور اگر مسجد بن چکنے کے بعد اسکا قصد کیا تو وہ روکا جائے گا ورنہ یہ بھی کہہ میں
 امام کے لیے بنانا چاہتا ہوں اور رد المحتار میں ہر یوخذ من التلیل ان محل عدم کو نہ مسجد افہا اذا الم یکن وقفا

علی مصالح المسجد و بہ صرح فی الاسعاف فقال و اذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کان وقفاً علیہ
 صا و مسجد او قلیل سے یہ بات خدیجی تھی کہ وہ مسجد اس وقت نہوگی جب مصالح مسجد پر وقف نہوا سعاف میں
 اسکی تصحیح کی ہے کہ جب تہ خانہ یا اوپر کا حصہ مصالح مسجد کے لیے ہو یا اُسپر وقف ہو تو وہ مسجد ہو جائے گا ان عبارتوں سے
 یہ بات ثابت ہوگئی کہ مسجد کئی چیز اگر خلا ہو یا دوکان میں ہوں اور وہ مسجد کے مصالح کے لیے وقف ہوں تو اُسکی مسجدیت
 میں خلل نہوگا اور رد المحتار کی عبارت اُسکی موید ہے یعنی لوجل لواقف تھتہ بیتا للخلع اهل یجوز کہ صافی مسجدی محلہ
 الشحمہ فی دمشق امدادہ صریحاً نعم سیاقی متن فی کتاب الوقف اندہ لوجل تھتہ سروا بالمصالح جاز رہا یہ کہ اگر وقف
 کرنے والا مسجد کے نیچے بیت الخلاء رہنا سے تو یہ جائز ہے یا نہیں جیسا کہ دمشق کے محلہ شعم کی مسجد میں یہ تو میں نے اُسکے
 متعلق کہیں تصحیح نہیں پائی ہاں کتاب الوقف میں یہ مسئلہ آئے گا کہ اگر مسجد کے نیچے مصالح مسجد کے لیے ترخانہ بنایا تو بائز
 ہو اور دغمتا کی اس عبارت کو لایحوز اخذ الاجرہ مند و کان یجعل شئی مند و شغل ولا سکنی اور مسجد سے اجرت
 حاصل کرنا یا اُسکے کسی حصہ کو کام میں لانا یا جائے سکونت بنانا جائز نہیں ہوا سے دلیل لانا باطل ہے کیونکہ اس عبارت
 کی غرض یہ ہے کہ نفس مسجد کے کسی قطعے کو کرایہ پر دینا اور اُسے مسکن بنانا درست نہیں ہے چنانچہ منہ کا کلمہ پسولات لکھا ہے
 اور یہ امر مانع فیہ علیحدہ ہے کیونکہ مانع فیہ میں نفس مسجد کے کسی جز کو کرایہ پر دینا نہیں ہے بلکہ دوکان میں زیر مسجد سے
 خارج اُسی کے مصالح کی واسطے بنائی گئی ہیں پس اُنکو کرایہ پر دینا بائز و درست ہوگا کیونکہ واقف اور بانی مسجد نے اُنکو مسجد
 سے خارج رکھا ہے مگر چونکہ مسجد پر وقف کر دیا ہے اس وجہ سے مسجد کی مسجدیت میں خلل نہوگا اور یہ خیال کہ زیر مسجد اسیباب
 مسجد کے رکھنے کی نیت سے درست ہو کر کرایہ پر دینا درست نہیں ہے جو خیال غام ہو کیونکہ اسعاف وغیرہ میں یہ اذاکان
 السرداب او العلو لمصالح المسجد او کان وقفاً علیہ صا و مسجد اوجب تہ خانہ یا اوپر کا حصہ مصالح مسجد کے لیے ہو یا مسجد پر
 وقف ہو تو وہ مسجد ہو جائے گا۔ اور اس میں اوکان وقفاً علیہ کو لمصالح المسجد کے صورت پر صرف اذحطوف کیا ہوا اس
 سے معلوم ہوتا ہے کہ تہ خانہ اور بالا خانہ کا مصالح مسجد کی واسطے بنوایا جانا اور صورت ہو اور اُن دونوں کا مسجد پر وقف
 کیا جانا اور صورت ہو اور دونوں صورتوں میں مسجد کی مسجدیت میں خلل نہوگا اسی بنا پر جب دوکان میں مسجد کے نیچے وقف
 کی نیت سے بنوائی جائیں تو اُنکو کرایہ پر دینا درست ہوگا اور یہ سب اسلئے کہ وہ دوکان میں ملک بنی آدم سے خارج
 ہو گئیں اُن سے علوی مسجدیت میں خلل بھی نہوگا اگر یہ شبہ ہو کہ مسجد کے نیچے دوکان بنانے سے اور اس میں کرایہ دار
 رکھنے سے مسجد کی حرمت میں خلل آتا ہے اور یہ ناجائز ہے عالمگیری میں ہے جو قیم المسجد لایحوز لہ ان مبنی حیثیت فی
 حد المسجد او فی فائتہ لان المسجد اذا جعل حائوا ومسکنا تنقطع حرمتہ و هذا لا یجوز و لبقاء تبع للمسجد

فیكون حکم المسجد کذا فی محیط الرضی متونی مسجد سجدا فناء سجیدین و دوکانین نہیں بنا سکتا کیونکہ جب مسجد بازار اور مسکن بنا دی جائے تو اسکی حرمت فنا ہوگئی اور مسجد کی حرمت کا فنا کرنا جائز نہیں ہو اور فناء مسجد کا تابع ہر چیز فاسک حکم مسجد حکم کلمہ اور اسی طرح اور کتب مقبرہ میں بھی موجود ہے قیم المسجد اذا اراد ان یبني حیوانیت فی حد المسجد او فی فناء لا یجوز اما المسجد فلانه اذا جعل المسجد مسکنا تسقط حرمة المسجد واما القضاء فلا یتبع المسجد یتونی مسجد اگر مسجد سجدا فناء سجیدین و دوکانین بنائے گا ارادہ کرے تو جائز نہیں ہو مسجد تو اسوجہ پر کہ جب وہ مسکن بن جائے گی اسکی حرمت جاتی رہے گی اور فناء مسجد اسوجہ سے کہ وہ مسجد کے حکم میں ہو اور حادیث میں ہو تو قیم المسجد اراد ان یبني حیوانیت فی حد المسجد وفناءه قال الفقیہ ابو اللیث لا یجوز ان یجعل شیتا من المسجد مسکنا ومشتغلا اگر مسجد کے متونی نے ارادہ کیا کہ حرم سجدا فناء سجیدین و دوکانین بنائے تو فقیہ ابو اللیث نے کہا ہو کہ مسجد کے کسی حصہ کو مسکن یا جائے شغل بنانا جائز نہیں ہو ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان وغیرہ میں ہو تو اسکا جواب یہ ہو کہ ان عبارتوں سے مانعت دوکان بنانے کی نفس مسجد اور اسکے حرم اور فناء میں ثابت ہوتی ہے نہ مانعت بنائی دوکان کی زیر مسجد یہ بات ظاہر ہو کہ زیر مسجد نہ توحیفہ مسجد ہو خصوصاً جبکہ بانی مسجد نے اسکے نیچے ظاہر کیا ہو اور اسکے وقف علی المسجد کیا ہو کیونکہ وقف علی المسجد اور شے ہو اور مسجد اور شے ہو اور نہ فناء مسجد ہو کہ جسکا حکم عزت اور حرمت میں مثل مسجد کو ہو کیونکہ فناء مسجد کی تعریف آپس صادق نہیں آتی رد المحتار میں ہے قوله کفناء مسجد هو المكان المتصل به لیس بینہ و بینہ طریق فناء مسجد و مکان ہو جو مسجد سے متصل ہو اور مسجد اور اسکے نیچے میں راستہ نہ ہو اور اگر ایسا ہی اعتبار عزت و حرمت کا کیا جائے اور آپس عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اگر مسجد کے نیچے فناء بلکہ متصل مسجد دوکانین بنوائی جائیں تو وہ بھی ناجائز ہوں اور اسکا کوئی قائل نہیں ہے اور یہ گمان کہ اگر مسجد کے نیچے دوکانین بنانا اور کرایہ دار رکھنا جائز ہو تو لا محالہ بان بول و ہلواز و رجاع کرنا بھی درست ہوگا حالانکہ یہ امور مسجد کے نیچہ اور اوپر جائز نہیں اور مختار میں ہو کہ تحریر الوصل فوقہ والبول والتغوط لانه مسجد الی عنان السماء مسجد کے اوپر رجاع یا پیشاب کرنا اور پاخانہ پھرنے کا وہ تحریر ہے اس لیے کہ مسجد آسمان تک ہو اور رد المحتار میں ہو کہ لای تحت اثری کمافی البیدی عن لاسیعالی اور ایسا ہی تحت اثری تک جیسا کہ بیری بن اسحاق سے نقل کیا ہے باطل ہو اسوجہ سے کہ یہ حکم اسوقت ہو جب زیر مسجد اور بالائے مسجد بانی مسجد نے کوئی مقام مخرج از وقف علی المسجد کیا ہو ایسی ہی صورت میں فقہا لکھتے ہیں کہ مسجد کا فوق آسمان تک اور تحت اثری تک سب مسجد کے حکم میں ہے نہ ہر صورت میں عبارت سابقہ در مختار سے واضح ہو کہ مسجد کے اوپر اگر بانی مسجد نے کوئی مکان امام کے رہنے کے واسطے بنایا تو درست ہو

نفس مسجد کو مسکن بنانا بالاتفاق درست نہیں ہو پس اگر یہ حکم مسجد کا فوق اور تحت سب مسجد ہو ضرورت میں
ہوتا تو امام کے رہنے کے لیے بالاحاطہ مسجد کے اوپر بنانا اور اُس میں امام کا رہتا کسی طرح جائز نہوتا۔ سوال ایک
بے چھت کی منہدم اور سمار مسجد ایک جنگل میں ہو اور اسکی کرسی اتنی بلند ہے کہ بغیر زینہ کے کوئی وہاں نہیں جاسکتا
اور زینہ اُس مسجد میں نہیں ہو اگر کوئی شخص اسکی اینٹیں ایسی مسجد میں لگاے جہاں نماز بھی ہوتی ہو تو جائز ہے
یا نہیں جواب اگر اُس کے اسباب کے ضائع ہو جائیگا احتمال ہو تو دوسری مسجد میں لیجانا جائز ورنہ ناجائز ہو
سوال عوام کہتے ہیں کہ ایک مسجد سے دوسری مسجد تک اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ ایک مسجد کی اذان کی آواز دوسری
مسجد تک نہ پہنچے اور ایک محلہ میں دو مسجدیں نہ ہوں صحیح ہو یا نہیں جواب کتب معتدہ میں اسکا پتہ نہیں ہاں
دوسری مسجد کو ضرر پہنچانے کی غرض سے مسجد بنانا جائز نہیں ہو سوال دوامی سود خوار کی بنائی ہوئی مسجد میں
نماز پڑھنا اور اُسکے بنوائے ہوئے کنوین سے پانی پینا اور اُسکے لگائے ہوئے باغ سے پھل کھانا جائز ہے یا نہیں
جواب مکروہ ہو۔ سوال چوری اور فریب کے روپے سے ایک شخص آدمی مسجد بنوا کر چلتا ہوا اب اُسکی
تعمیر کامل کرنا چاہو یا نہیں جواب نہیں۔ سوال مسجد یا مکان مقدس کا توڑنے والا کیسا ہو جواب اللہ تعالیٰ فرماتا
ہو ومن الظلم من منع مساجد الله ان يذکوها اسمہ وسعی فی خرابها وذلک ما کان لہما ان یدخلوها الا خافین
لعمری اللہ یا خیری ولہم فی الآخرة عذاب عظیم اور کون شخص اُس سے زائد ظالم ہے جسدا کی مسجدوں میں اسکا نام
لینے سے روکے اور مسجدوں کے خراب کرنے کی کوشش کرے یا سون کو نہیں پہنچا کہ چھٹیں اُن میں گر ڈرتے ہوئے
انہیں کے لیے دنیا میں خجاری اور عقیقی میں عذاب عظیم ہے واما علم فقہ عوام و لیار احمد الصمد علی محمد عفر لہم اللہ
فی الواقع مسجد کو خراب کرنا گناہ کبیرہ ہو اسکا ترکب ظالم اور فاسق ہو اور اُسپر توبہ کرنا لازم ہے واما علم حرہ الراجی
عفورہ بالقوی ابواحسنات محمد عبدالحی تہما و از احمد عن ذہبہ علی و انھی ابو الحسنات سوال زید نے کہا میں ایک
مسجد بنا تا ہوں اور کچھ روپیہ لاکر اُس نے رکھ دیا عمر و نے کہا میں بھی شریک ہوتا ہوں اور عمر و نے بھی کچھ روپیہ لاکر رکھ دیا
ابتداء دونوں نے اتفاق و بخلوس نیت جماعت مومنین کے سامنے اقرار کیا اور کہا کہ جتنے یہ روپیہ احمد کے لیے دیدیا
ہوا اسکے بعد مسجد کی نیویں بڑی اب زید براہ بخل اپنے قول سے مغرور ہو کر کہتا ہو کہ میرا روپیہ جھکو پھیر دو کیونکہ عمر و
نے اپنی دوکان کے سامنے مسجد کی بنادالی ہو اور یہاں میں شریک ہونا نہیں چاہتا اگر اور مسجد بنائی جائے تو میں
شریک ہوں عمر و کہتا ہو مجھے اتنا مقدور نہیں ہو کہ ایک مسجد بناؤں اب اس صورت میں زید کا روپیہ واپس دیا جائے
یا نہیں جواب جو روپیہ احمد تعالیٰ کے نام پر نکالا ہو اسکو واپس کرنا نہ چاہیے واما علم حرہ الراجی عفورہ بالقوی

ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوزا مدین زنبہ الجلی و انھی ^{ابو محمد الحسنات} اصحاب الجیب حرہ وضعف عبادہ محمد فضل اللہ
 عفی عنہ سوال زانیہ یا مغنیہ نے اپنی ناجائز آمدنی سے مسجد بنائی اس پر مسجد کا حکم دیا جائیگا یا نہیں جواب نہیں
 مسلم بن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہو اللہ طیب الاقبال الاطیبا اس پاک ہی اور پاک ہی کو
 قبول کرتا ہے سوال زانیہ نے اپنی حرام کمائی سے جو مسجد بنائی تھی اس کے مرنے کے بعد ترکہ میں تقسیم ہو گئی ہے
 کہ حرام مال سے وقف جائز نہیں ہو اب اس تغیر کے بعد وہ مسجد جن درنا کو ملی ہے اگر اپنی طرف سے وقف کر دین
 تو جائز ہے یا نہیں یا وارث اسکو کسی کے ہاتھ بیچ دے اور خریدنے والا اپنی حلال مال سے خرید کر وقف کر دے تو
 اس پر مسجد کا حکم دیا جائیگا یا نہیں جواب ہو مال زانیہ نے عقد اجارہ سے حاصل کیا ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک
 حلال اور صاحبین کے نزدیک حرام ہو حسن علی ذخیرۃ العقبیٰ میں لکھتے ہیں ما اخذتہ الزانیۃ ان کان بعد
 الاجارۃ فخلال عند الامام الاعظم لان اجرا مثل طیب وان کان السبب حراما و حرام عندہا وان کان
 بغیر عقد فحرام اتفاقا لانہا اخذتہ بغیر حق کذا فی المہیط جرمال زانیہ نے عقد اجارہ سے حاصل کیا ہو وہ مال
 اعظم کے نزدیک حلال ہو اس لیے کہ اجر مثل پاک ہو اگرچہ سبب حرام ہو اور صاحبین رحمہما اس کو نزدیک حرام ہو
 اور اگر بلا عقد ہو تو بالاتفاق حرام ہو کیونکہ اس نے بلا حق لیا ہو ایسا ہی محیطین ہو اور صاحبین کے قول کی تائید
 وہ حدیثیں کرتی ہیں جو صحیح و غیرہ میں مروی ہیں جن میں مراۃ اس مال کے حرام ہونے کو بیان کیا ہو رو سے
 البخاری و الترمذی عن ابی مسعود الانصاری قال فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن ثمن الکلب
 ومہر البغی وروی مسلم و الترمذی عن رافع ابن خدیجان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 قال مہر البغی خبیث بخاری و الترمذی نے ابوسعود انصاری سے روایت کی ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 کتے کے داموں اور زنا کے مہر سے مانعت فرمائی ہو اور مسلم و الترمذی نے رافع بن خدیج سے روایت کی ہو کہ حضرت سرور
 کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا کہ زنا کا مہر خبیث ہو۔ اور سید جمال الدین محدث نے خبیث کی تشریح میں ای
 حرام کھا ہو اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں مہر البغی خبیث ای حرام اجماعا لانہا تاخذہ عوضا
 عن الزنی المحرم و وسیلۃ الحرام حرام و سماہ مہرا مجازا لانہ فی مقابلۃ البضع مہرنا خبیث ہو یعنی حرام ہو اجماعا
 کیونکہ زانیہ اسے زنا کے عوض میں لیتی ہو جو حرام ہو اور وسیلۃ حرام حرام ہو اور اسے مہر مجازا کہتے ہیں کیونکہ بضع کے
 مقابلے میں ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں انہ حرام قطعاً مہرنا قطعی حرام نہیں
 جو مسجد زانیہ نے زنا کی آمدنی سے بنائی ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ مسجد ہو اس میں وراثت اور بیع جائز نہیں

لیکن صاحبین کے نزدیک جبکہ مذہب قوی ہو مسجد کا حکم نہ رکھے گی کیونکہ مال حرام سے وقف جائز نہیں ہو درختائین
ہو وجہیں العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعة وعندہما وجبہا علی حکم ملک اللہ تعالیٰ وصرف منفعتها
علی کل من احب وسببہ ارادة محبوبا لنفس فی الدنیا بین الاجاب وفي الاخرة بالثواب وقف کسی چیز کا دار
کی ملک میں رہنا اور اسکی منفعت کا تصدق ہو اور صاحبین کے نزدیک وقف کسی چیز کا حکم ملک خدا کا رہنا اور
اسکی منفعت کا ہر شخص پر صرف کرنا جو چاہے اور اسکا سبب دنیا میں اجاب کے درمیان اور عقبی میں بذریعہ ثواب
خواہش نفس کو پانا ہو ردی سلم عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملان اللہ طیب لا یقبل
الا طیباً اور مسلم نے ابو ہریرۃ سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرۃ نے کہا یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک سے پاک
ہی کو قبول کرتا ہے۔ اور شیخ عبدالحق شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاک ہو اور
حلال رزق کو پاک ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ اسکی پاکی کے ساتھ ایک نسبت حاصل ہو لہذا یہ حلال رزق مد تعالیٰ کا
قرب حاصل کر سکتا ہے اور حرام چیز کا یہ پاکی کا ضد ہے لہذا پاک کے جانب مسوب کیے جانے کے قابل نہیں اور دوسری
جگہ فرماتے ہیں حرام حلال سے تصدق کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کوئی ثواب نہیں ملتا۔ وروی مالک فی الموطا
عن سعید بن یسار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال من تصدق بصدقۃ من کسب طیب ولا
یقبل اللہ الا طیباً کان انما یضرباً فی کف الرحمن الامام مالک نے سوطا میں سعید بن یسار سے روایت کی ہے کہ حضرت
سورabia علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا جو شخص نے اپنی حلال کمائی سے کچھ صدقہ دیا اور خدا صرف پاک ہی چیز قبول
کرتا ہے تو گویا اُسے خدا کے ہاتھ میں رکھ دیا اور محلی شرح موطا میں ہے فیہ نص علی ان غیر الحلال غیر مقبول اس میں
اسکا ثبوت ہے کہ حرام مال مقبول نہیں ہوا لافسح الدین دہلوی اپنی بعض تحریروں میں لکھتے ہیں یہ معلوم ہے کہ حنفیہ
کے نزدیک زمین مخصوصہ پر نازا اگر نہ سے ناذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے نہیں فاحشم کی نبوائی ہوئی مسجد میں
نہاڑ پڑھنے سے بھی ذمہ سے ساقط ہو جائے گی لیکن مصلے کے ثواب میں نقصان آئے گا اور زانیہ ثواب سے محروم
رہے گی حدیث میں ہے لا یصل الی اللہ الا الطیب خدا کی سچی چیزیں پہنچتی ہیں۔ پس جب یہ زانیہ کی نبوائی
ہوئی مسجد نہیں ہوئی تو اس کے منہ پر دوسری متردکات کی طرح وہ مسجد بھی درانت میں وارثوں پر منتقل
ہوگی اور جو خست اس میں پہلے تھا انتقال میراث کی وجہ سے دفع ہو جائیگا الاشبہ انظر من الموصیۃ تعدی فی
الاموال مع العلم بحالہ فی حق الوارث فان مال مورثہ حلال لہ وان علم بجرمتہ منہ من الخائنیۃ وقید
فی الظہیرۃ بان لا یعلم ارباب الاموال حرمت کاتربکالت علم اموال پر پڑتا ہے مگر وارث کو حق میں ہرگز نہ ہو

مورث کا مال حلال ہو گا اسے حرمت کا علم یہی خانہ میں ہو اور ظہیر میں یہ قید لگانی ہے کہ اگر باپ اموال کو عظم ہوا
پس اب اگر وارث اس مسجد کو جدید وقف کریں تو جائز ہو گا اور وہ مسجد کے علم میں آجائے گی لیکن انہیں فقہاء کی تحریر کے
موافق جو مورث کے حرام مال کو وارث کے پاس وراثت آجائے سے حلال نہیں ہوتا تو وہ مال اور عظم ہوا لیکن
فی الجنبے مات و کسب حرام فی المیراث حلال شدہ ہذا وقال لا ماخذ بہ ذلک الروایۃ وهو حرام مطلقاً لکونہ لیس فی المیراث لیکن
جقبی میں ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اس نے میراث میں حرام مال چھوڑا تو وہ وارثوں کے لیے حلال ہو گیا جس نے کہا کہ
ہم اس روایت سے اخذ نہیں کرتے یہ مال طلقاً وارثوں پر حرام ہے اگر خواہ وارث وقت کرتے یا نہ کریں مسجد کے حکم میں
نہو گی لہذا چاہیے کہ وارث بیچا اور مشتری اپنے حلال مال سے بھرتی کر کے وقف کرے تاکہ مسجد مقبول ہو جائے
تعمیر میں ہے غلب علی ظنہ ان اکثر بیاعات اہل السوق لا تخلو عن الفساد فان کان الخالدیہ و الحوامین
عن شرانہ و لکن مع هذا الواسعۃ بطیب لہ المشتري شراء فساد اذا کان عقد المشتري الا انہ یصحھا غالب ظن
یہ کہ اکثر بازاری چیزوں کی بیچ اور شرہ افسوس سے غالی نہیں ہیں اگر غالب ظن حرمت کا ہو تو اسے خریدنے سے باز رہنا
لیکن اگر باوجود اس کے بھی خرید لیا تو وہ چیز جو بشرے فاسد خریدی گئی ہو اس کے لیے حلال ہو جائے کہ مشتری خیر کا عقد صحیح ہو
سوال اگر مغنیہ یا تانیہ نے قرض روپیہ لیکر مسجد بنائی پھر اپنے حرام مال سے قرض ادا کیا تو کیا حکم ہے جواب وہ مسجد
مسجد ہوگی اور قرض بھی ادا ہو جائیگا سراجیہ میں ہے المغنیۃ اذا قضی دینہا من کسبہا اجبوا الطالب علی الاخذ
کانیذالی عورت اگر اپنا قرض اپنے کسب کے مال سے ادا کرے تو قرض خواہ لینے پر مجبور کیا جائیگا سوال بخیر متکف
کو مسجد بن سونا یا مسجد بن دینا وی باتین کرنا جائز ہے یا نہیں جواب مکروہ ہے درختار میں ہو مکرہ فی المسجد
اکل ونوم لا متکف والمباح قیدہ فی الظہیرۃ بان یجلس لاجلہ لکن فی النہر لا طلاق او جہ مسجد میں
متکف کے علاوہ اور سب کے لیے کھانا سونا مکروہ ہو اور کلام کرنا مباح ہو ظہیر میں جواز کلام کے لیے اس بات کی قید
لگائی ہے کہ وہاں صرف باتیں ہی کرنے کی غرض سے بیٹھا ہو یعنی اگر نماز کی غرض سے مسجد میں آیا ہے تو باتیں کرنا ناجائز ہے
لیکن نہ میں ہے کہ اطلاق ہی زائد مناسب ہے سوال مسجد کو پھر سے بنانے کے لیے توڑنا جائز ہے یا نہیں جواب
اگر مسجد کے منہدم ہو جائے کا خوف ہو تو اہل محلہ کو جائز ہے نہ غیر اہل محلہ کو سراج المیر میں ہو ولا یصل ان یمدھم المسجد
لیبنیہ احکمہ الا ان یمدھم فیروز لاهل هذه المحلة لا ینفیہہا اذا انوا من مال انفسہم لا من مال الوقف
الابہر القاضی کما فی ابراہیم شاہی کسی مسجد کو اس غرض سے گرا کر اس سے زائد مضبوط بنائی جائے درستی میں
گرچہ اس کے گرجانے کا خوف ہو تو اہل محلہ کو حق ہے کہ خود اپنے مال سے بنوائیں اور مال وقف سے بلا اجازت قاضی

ہو جائے گی اور امام ابو یوسف سے ایک روایت میں منقول ہے کہ قاضی کی اجازت سے دوسری مسجد کی جانب
 اُسکو نقل کر دینا چاہیے۔ در مختار میں ہے۔ ولو ضرب ماحولہ واستغنی عنہ یقی مسجد اعند الامام والثانی ابداء
 الی قیام الساعة و بعد فی حادی القدسی و عاد الی الملك ای ملک البانی اور ثنت عند محمد وعن الثانی ینقل
 الی مسجد اخر یا ذن القاضی اولاً اگر مسجد کے اطراف دیران ہو گئے اور اُسکی کچھ ضرورت نہ رہی تو امام ابو یوسف اور
 امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہمیشہ تا قیام قیامت وہ مسجد ہی ہے گی اور اسی پر فتویٰ ہو جاوی قدسی
 اور بھر ملک ہو جائے گی یعنی بانی یا اُسکے ورثہ کی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی
 ایک روایت میں با جازت قاضی مسجد کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے سوال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یعمر
 مساجدہ من امن بالله والیوم الآخر و اقام الصلوٰۃ و اتی الزکوٰۃ و لم یغش الا اللہ خدا کی مسجدوں کو وہی آباد
 کرتا ہے جو خدا پر اور قیامت پر ایمان لایا ہو اور نماز پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا ہو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو اور
 اس دنیا میں ایسے شخص کا موجود ہونا محال ہے جو سباع اور سمیات سے عاۃً نہ ڈرتا ہو جو اب لم یغش الا اللہ
 مراد یہ ہے کہ امر دین میں غیر خدا سے نہ ڈرتا ہو اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ او امر الہی کو خیر اللہ کے خوف سے ترک نہ
 کرتا ہو بہر حال سباع و سمیات سے عاۃً ڈرتا کچھ ضرر نہیں رکھتا واللہ اعلم حررہ الراعی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد
 عبدالحی تاجدار اللہ عن ذنبہ الجلی والحقی محمد عبدالحی ابو الحسنات

کتاب الصلوٰۃ

سوال احد تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الصلوٰۃ تمھی عن الفحشاء والمنکر نماز برائیوں سے روکتی ہے اور باوجود اسکی نذرانہ
 مسلمان جو بچگانہ نماز پڑھتے ہیں فحشاء اور فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں پس اس آیت کے منہ کیا ہو ہے جواب
 اس آیت میں صلوٰۃ سے قرآن مراد ہے اور ابن عون نے فرمایا ہے کہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ نماز مصلیٰ کو فحشاء
 یعنی اعمال قبیحہ اور منکر یعنی اعمال غیر معروفہ فی الشرع سے جب تک کہ وہ نماز میں ہے روکتی ہے اور بعض نے کہا ہے جو
 نماز ظاہر اور باطن کی موافقت اور خشوع و خضوع اور اطمینان قلب کے ساتھ ادا کی جاتی ہے وہ فحشاء اور
 منکر سے روکنے والی ہوتی ہے ہر نماز سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اذان یا غیر اذان میں سنکر
 اُگوٹھے چونکایا ہے جواب بعض فقہاء کو نزدیک مستحب ہر جامع الرموز میں ہے و اعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع
 الاول من الشہادۃ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرۃ عینی بلک یا رسول اللہ ثم قال

اللہم متعنی بالسمع والبصر وبعدہ وضع ظفر الیدین علی العینین فانہ صلی اللہ علیہ وسلم یكون قائدا
لدا فی الجنة کذا فی کتب العباد جانا چاہیہ کہ ان میں پہلی شہادت کو سنکر صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ اور
دوسری کو شکر قرۃ عینی بلکہ یا رسول اللہ اور پھر اللہم متعنی بالسمع والبصر کہنا تجب ہو اس کے بعد دونوں
ہاتھوں کو دونوں ناخنوں کو آگھو یہ رکھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو جنت میں لیجائیں گے ایسا ہی
کنز العبادین پر سوال ہے یہاں چنانچہ کی ابتدا اس وقت ہو کر اس وقت ذکر اہت کی ابتدا ہے جواب نصف الہام
آفتاب کا زوال ظہر کی ابتدا ہو اور ہر شے کا سایہ دھنسل ہونے تک سوائے سایہ اصلی کے جسکی انتہا ہے امام اعظم کا مذہب ہے اور صاحبین
اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور زفر اور امام اعظم سے بھی ایک روایت میں ظہر کی انتہا ہر شے کے سایہ
کا سایہ اصلی کے سوا ایک مثل تک پہنچنا ہے صاحب بدائع نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کو صحیح لکھا ہے اور صاحب غیاثیہ نے فرمایا
کہا ہے اور برہان میں صاحبین کے مذہب کو اظہر لکھا ہے اور امام طحاوی نے اسکو ماخوذ بہ کہا ہے اور فرمایا میں ہر وقت الظہر من زوالہ
ای میل دکا عن کبد الساعا الی بلوغ الظل ثلثیہ وعندہ عندہ وهو قولہما و زفر ولا یمیز الثلثۃ قال الامام الطحاوی وہ
ناخذہ فی غیر الاذکار وہو الماخوذ بہ فی البرہان وہو الاظہر لیسان جبریل وهو نص فی الباب وفي الفیض علی علی
الناس لیوم وجہ یفتی سوی فی یکون للاشیاء قبیل الزوال ظہر کا وقت زوال یعنی آفتاب کے وسط آسمان سے
ہٹ جانے کے بعد سے سائے کے دگنے ہونے تک ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اسی کے مثل مروی ہے اور یہی صاحبین
اور زفر اور ایمہ ثلثہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور زفر والا ذکر میں ہے اور یہی مفتی ہے اور برہان میں ہے
کہ یہی اظہر حضرت جبریل علیہ السلام کے بیان سے اور اس باب میں وہی دلیل ہے اور فیض میں ہے کہ لوگوں کا
عملہ آمد آجکل اسی پر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یعنی ظہر کا وقت سایہ کے دھنسنے تک ہے اس سایہ کے علاوہ جو قبل
زوال ہوا کرتا ہے۔ اور عصر کے وقت کی ابتدا ظہر کے وقت کی انتہا سے تو لین مذکورین کے اختلاف کے
موافق ہوتی ہے اور عصر کے وقت کی انتہا غروب آفتاب ہے اور جب آفتاب متغیر ہو جائے اور اُس پر نگاہ ٹھہرنے لگے
تو عصر کی ناز کو وہ ہے خلاصہ میں ہے اول وقت العصر جین یخرج وقت الظہر واخر وقتہا حین تغرب الشمس ویکبر
التاخیر الی تغیر الشمس واختلفوا فی التغیر قال بعضهم التغیر فی ضوء الشمس الذی یكون علی راس الحیطان
وقال بعضهم هو التغیر فی قرصہا وانما یعرف التغیر بان یبطل المناظر الی قرصہا ان اظہر ان یبطل المناظر الی قرصہا
تخرجہا علم ان الشمس قد تغیرت وان لم یمیز علم ان الشمس لم تغیر انتہی وفي البحر الرائق والمخلاف
فی آخر وقت الظہر باع فی اول وقت العصر خلاصہ میں ہے عصر کے وقت کی ابتدا ظہر کے وقت کی انتہا سے ہے اور

دوسرے حفاظ نے کی ہر ایسا ہی تہذیب اور تقایم میں ہے مگر یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ کی ہے قال
ابن حجر وهو ضعيف من سائر طرقه فيجوز حمل تحسين من حسنه على انه حسن لغیرہ كذا في المرقاة ابن حجر نے کہا ہے
یہ حدیث اپنے تمام طرق سے ضعیف ہو پس جس نے حسن کہا ہوا سکے اس کو حسن لغیرہ پر معمول کرنا چاہیے جیسا کہ
مرقاۃ میں جو امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہیں ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال لا یاعلیٰ ثلاث لا تفرخها الصلوٰۃ اذا التمت والمنازۃ اذا حضرت والایہ اذا وجدت لہا کفوا
حضرت سرور کائنات علیہ السلام والتیمات نے فرمایا کہ اے علی تین چیزیں میں دیر نہ کرنا دارا جب نماز کا وقت آجائے
نماز ادا کرنے میں دیر نہ کرنا ۲، جب جنازہ آئے تو اس کی نماز پڑھنے میں دیر نہ کرنا ۳، جب عورت کا کفویہ بجائے تو اس کو
نکاح میں دیر نہ کرنا۔ اور طاعلی قاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے ساواہ الترمذی بسند راہ جالہ ثقات قال میرک ترمذی
نے اس کی روایت ایسی سند سے کی ہو جسکے سب رجال ثقہ ہیں یہ میرک نے کہا ہو اور محدثین اخات نے ان حدیث
کی تاویل کر کے انصاف کی داد دی ہو جسکی صراحت احادیث کے کتب میں موجود ہے اور حسن بن زیاد کے نزدیک
آفتاب کے نہ دھونے سے عصر کا وقت جاتا رہتا ہے جو اراکین میں ہے وہی آخر خلاف ایضا فان الحسن بن زیاد
یقول اذا اصغرت الشمس فقل ادرک العصر وعصر کے آخر وقت میں بھی اختلاف ہو کیونکہ حسن بن زیاد کہتے
ہیں کہ جب آفتاب زرد ہو جائے تو عصر کا وقت جاتا رہتا ہے اور ہماری دلیل صحیحین کی روایت ہو کہ جس نے
آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس نے عصر کی پوری نماز پالی اور مضمرات شرح قدوسی میں
ہے وللشافعی فیہ قولان فی قول اخصار ظل کل شیء مثلیہ فیخرج وقت العصر ولا یدخل وقت المغرب حتی تقرب الشمس فکون فیہا وقت
مصل عندہ علی هذا القول وفي قول اخصار ظل کل شیء مثلیہ فیخرج الوقت المستحب ویبقى اصل الوقت الی
غروب الشمس اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ایک یہ کہ جب ہر شے کا سایہ دو مثل ہو جائے تو
عصر کا وقت جاتا رہتا ہو اور غروب کا وقت غروب آفتاب تک نہیں آتا تو بیچ میں خالی وقت نکلے گا اور دوسرے
قول میں ہے جب ہر شے کا سایہ دو مثل ہو جائے تو مستحب وقت جاتا رہتا ہے اور اصل وقت غروب آفتاب تک
باقی رہتا ہو سوال اگر کسی عضو پر دوا جس میں کوئی جزو شراب کا بھی ہو لگائے اور اُس کا دھونا اُس عضو کو سخت
نقصان رسان ہو تو ایسی حالت میں بغیر اُس کے دھوئے ہوئے نماز پڑھے یا نہیں جواب اگر دھونے سے عضو
نہ کر کے ہر رکعت میں یقین ہو تو عذر کی وجہ سے بے دھوئے نماز ہو جائے گی استباہ والنظائر میں ہے وقد
تراجعی المصلیٰ بغیر ما علی المفلسۃ فمن ذلک الصلوٰۃ مع اختلال شرط من شرط وطہارۃ الاستتر

اداکار استقبال خان فی کل ذلک مفسدة لما فیہ من الاخلال بجلال اللہ تعالیٰ فی ان لا یناجی الا علی اکمل الاحوال
ومتی تعد سر علیہ شی من فلت جازت الصلوٰۃ بدو نہ تقلد ما المصلحة الصلوٰۃ علی هذا المفسدة اور بھی مصلحت کا
محاط کیا جاتا ہو بسبب خرابی پر غالب ہونے کے اسی وجہ سے نازکی کسی شرط میں دھارت بستر قبلہ رو ہونا وغیرہ
اگر غفل آجائے تو گو کہ اس میں جلال الہی میں خلل ندرستی کی وجہ سے خرابی ہو کیونکہ درگاہ الہی میں مناجات اکمل
حالات پر ہونا چاہیے اور عذر موجود ہو تو ان کے بغیر ناز جائز ہوگی کیونکہ مصلحت اس خرابی پر مقدم ہو سوال
ناز اور سجدہ تلاوت اور سجدہ سہوا اور سجدہ شکر بے طہارت ادا کرنا کیسا ہے جواب ناز نہ ہو بلکہ بعض کے نزدیک
بے طہارت ناز پڑھنا کفر ہے عالمگیر یہ ہیں جو من صلے بند پر طہارتہ فقد کفر جس نے بے طہارت ناز پڑھی وہ کافر
ہو گیا اور صاحب کشف سجدہ تلاوت کے بیان میں لکھتے ہیں وہو سجدۃ بین تکبیرتین بشر وط الصلوٰۃ من الطہارۃ
وغیرہا سجدہ تلاوت و تکبیرون کے درمیان کا سجدہ ہو جس میں ناز کی تمام شرطوں یعنی طہارت وغیرہ کو پایا جانا
چاہیے ورنہ تارخائیں ہیں ہے قال اکثر من اعانہ لیست بقرۃ عندہ بل ہو مکروہ لا یناب علیہ و تو کہ اولی وقال
هو قرۃ یتاب علیہ و ثمرۃ الخلاف تظہر فی انتقاض الطہارۃ اذا نام فی سجود الشکر اکثر لوگون نے کہا جو کہ میں
کچھ تقرب الہی نہیں ہے بلکہ یہ مکروہ اور اس کا ترک کرنا اولیٰ ہو اور بعض کے نزدیک اس میں تقرب الہی ہو اور اس پر
لیگا اور ثمرۃ اختلاف سجدہ شکر میں سوجانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ آیا طہارت جاتی رہی یا نہیں سوال
ناز میں رکعتوں کے عدد کی نیت کرنا شرط ہو یا نہیں جواب نہیں عالمگیر یہ ہیں جو ولا یشرط نیت عدد رکعات
مکذا فی شرح الوقاۃ عدد رکعات کی نیت شرط نہیں ہو ایسا ہی شیخ وقایہ میں ہے سوال فجر اور مغرب اور عشا
میں عورتوں پر بھی جبر واجب ہو یا نہیں جواب نہیں رسائل الارکان میں ہے ثم الجہر فی الصلوٰۃ المخصوصۃ
للرجال والاخفاء فی صلوٰۃ الخافۃ واجب واما المرأة فیحجب علیہا الاخفاء فی الصلوات کما لان صوفا موروۃ
بہر صلوٰۃ جہرہ میں جہر و ہن پر اور صلوٰۃ مخافہ میں اخفاء واجب ہو اور عورتوں پر تمام نازوں میں اخفاء واجب ہو
کیونکہ انکی آواز بھی ستر ہو سوال ناز میں مردوں کو زیر ناف اور عورتوں کو زیر سینہ ہاتھ باندھنا کس حدیث
سے ثابت ہے جواب عورتوں کے زیر سینہ ہاتھ باندھنے کی حدیث میری نظر سے نہیں گذری فقہانے لمحاظ ستر
اسے تجویز کر لیا ہو شرح فیہ میں ہو واما المرأة فانہا تقصعہا تحت شہیہا بالافتاق لانہا استرہا عورت کو اپنے
دونوں ہاتھ پستانوں کے نیچے رکھنا چاہیں بالافتاق کیونکہ یہ صورت اسکے لیے زائد ستر ہو لیکن یہ جو فقہ میں
لکھا ہو کہ مرد زیر ناف ہاتھ باندھیں وہ اس حدیث سے ثابت ہو جسکو ابو داؤد نے امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ

روایت کیا ہے السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرة ہاتھوں کا ہاتھوں پر زان کے نیچے رکھنا سنت ہے اور زمین نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے السنۃ وضع الکف علی الکف ویضعہا تحت السرة ہاتھ کا ہاتھ کے اوپر زان کے نیچے رکھنا سنت ہے لیکن امام نووی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے شرح منیہ میں ہے قال النووی اتفقوا علی تضعیفہ لانه من رواۃ عبد الرحمن بن اسحق الواسطی وهو مجمع علی ضعفہ نووی نے کہا ہے اسکا ضعف متفق علیہ ہے کیونکہ اس میں عبد الرحمن بن عوف واسطی کی روایت ہے اور ان کے ضعف پر اجماع ہے اور رسائل الایمان میں مولانا بحر العلوم ابن ہام سے نقل کرتے ہیں کہ یشہد حدیث صحیحہ یوجب العمل فی کون الوضع تحت الصدر فی کونہ تحت السرة فی حال علی حال قصد التعمیم فی لقیام والمعہودہ کونہ تحت السرة کوئی حدیث صحیح واجب العمل اس معاملہ میں محقق نہیں ہے کہ ہاتھ سینے کے نیچے باندھنا چاہیے یا زان کے نیچے پس یہ قصد تعظیم کی حالت پر محمول کیا جائے اور عمل ورائہ ناف ہی کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے جو سوال تشہد میں رفع سبہ سنت ہے یا کیا جواب بعض نے اسکو کمرہ لکھا ہے جیسے صاحب بیۃ المفتی اور بعض نے حرام کی تصریح خلاصہ کیدانی میں موجود ہے اور بعض نے مستحب مانا ہے جیسے رمز الحقائق میں تحفہ سے منقول ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عدم اشارہ مختار ہے جیسا کہ عالمگیریہ میں خلاصہ سے نقل کیا ہے اور ان میں کوئی ایک بھی تحقیق کی راہ پر نہیں گیا ہے صحیح یہ ہے کہ سنت ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے امام محمد رحمہ اللہ نے موطنین لکھا ہے کہ یہی قول میرا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور صحابہ اور علمائے سلف اور ائمہ اربعہ سے کوئی خلاف اس باب میں نہیں پایا گیا ہے اور جو شخص سنت کو حرام یا مکروہ کہتا ہے گنگار ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھ کر صاحب خلاصہ کیدانی کا بہت پیچھا لیا ہے اور اندکواسکی اچھی بنا دے ملا علی قاری کہتے ہیں کہ لم یعلم من الصحابۃ ولا من علماء السلف خلاف فی ہذا المسألۃ ولا فی جواز ہذا الاشارة بل قال بہ امامنا الاعظم وصاحبہ وکذا الامام مالک والشافعی واحمد وسائر علماء الامم من اصحابنا راجعین علی ماورد بہ صحاح الاخبار والاثار وقد نص علیہم شایعنا المتقدمون والمتأخرون فلا اعتدای علیہم الخالفون ولا عبرۃ لما ترک ہذا السنۃ اکثر من مکان ما وراء النہر ماہل خراسان والعراق والروم وبلاد الهند انتھے فی البحر الرائق وھج فی فتح القدیر القول بالاشارة وانہ مروی عن ابی حنیفہ کما قال محمد فالقول بعد ما مخالف للروایۃ والدرایۃ ورواہانی صحیح مسلمہ من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المجتہد انفق الایات وعلم من اصحابنا جمیعاً کونہا سنۃ وکذا عن الکوفیین والمدینیین وکثرت الاخبار والاثار کان العمل بھا اولی صحابہ اور علمائے سلف میں اس مسئلہ اور اسل اشارہ

جو زمین کوئی اختلاف نہیں ہو اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ
اور تمام علمائے زمانہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ صحیح احادیث اور آثار اس کے موید ہیں اور اس پر ہمارے متقدمین اور
متاخرین مشائخ دلیل لائے ہیں تو اب مخالفین کی مخالفت کسی شمار میں نہیں اور اکثر علمائے ماوراء النہر اور خراسان
اور عراق اور روم اور ہند کی مخالفت قابل اعتبار نہیں انتہی اور مجملہ لائق میں ہو اور فتح القدیر میں اشارے کے
قول کو ترجیح دی گئی ہے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے پس اسکی مخالفت
روایت اور روایت کی مخالفت ہے اور صحیح مسلم میں اسکو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان کیا ہے اور
مجتہدین ہیں جبکہ روایات اور ہمارے اصحاب کا علم اس پر متفق ہے اور اسی طرح کوفین اور مدینین اور اخبار اور آثار
اسکے موافق بہت ہیں تو اس پر عمل اولیٰ ہے سوال سب سے کس وقت اشارہ کرنا چاہیے جواب لا الہ الا اللہ کہتے وقت
اٹھائے اور لا الہ کہتے وقت رکھ رکھ کر طاعلی قاری فرماتے ہیں قالوا یرفع المسبحة عند قوله لا الہ و یضعها عند قوله
الا الہ لمناسبة الرفع للثبوت و ملازمة الوضع للاثبات حتی یطابق القول لفعل فی التوحید و التقرید کلمہ کی انگلی
لا الہ کہنے کے وقت اٹھائے اور لا الہ کہتے وقت رکھ رکھ کر کیونکہ رفع کو نفی اور وضع کو اثبات سے مناسبت ہے
تاکہ توحید کو متعلق قول اور فعل مطابق ہیں سوال رفع سب سے کس وقت دینا چاہیے یا نہیں جواب ابو داؤد میں حضرت
عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے کس وقت نہیں دیتے تھے اور بعض روایت
میں حرکت دینا وارد ہوا ہے تو اس حرکت سے انگلی کو اپنی جگہ سے اٹھانا اور سوال انگلی اٹھاتے وقت نظر انگلی پر رکھنا یا اوپر
جواب حضرت سر ابنیہ علیہ التحیۃ و الثناء انگلی اٹھانے وقت نظر انگلی ہی پر رکھتے تھے اور کسی دوسری طرف نہیں دیکھتے تھے ابو داؤد میں حضرت
عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشیر باصبعہ افاذ عا و لا یوحی کھا و لا
یحی و زبیرہ اشارتہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی سے اشارہ کرتے جب پکارتے اور انگلی کو حرکت
نہ دیتے اور آپ کی انگلی اشارے سے متجاور نہوتی سوال اشارہ سب سے کس طریقہ کیا ہے جواب گئی طریقے ہیں (۱)
چھٹکایا اور اُسکے پاس والی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کی دوں کو اس طرح رکھے کہ حلقہ بن جائے
اور کمرہ کی انگلی کو پھیلائے اور اشارہ کرے کفایہ میں نقیہ ابو جعفر سے اسی طریقہ کو نقل کیا ہے اور رسائل الارکان
میں اسے مختار نے لکھا ہے اور شمس نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ ابو یوسف فی الامالی اند یعقد المخفض و الاصبع
انتہی تہ ما یحلق الوسطی و الا بیہام و یشیر بالسبابة انتھ و قال البرجندی فی شرح التقایۃ وقد جاء عن علمائنا
فی بعض الروایات انه یفعل كما یفعل الشافعی و هو ان یعقد اصص و البصر و یحلق بین الوسطی و الا بیہام

براسمہا ویشیر بالسبابة عند التلظ بالمشادین امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امالی میں ذکر کیا ہے کہ چھنگلیا اور اسکے پاس والی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرے اور برجنی سے شرح نقایہ میں کہا ہے ہمارے علمائے بعض روایات میں منقول ہے کہ ویسای کرنا چاہیے جیسا امام شافعی کرتے تھے چھنگلیا اور اسکے پاس والی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھ کو سروں کو ملکر حلقہ بنائے اور کلمہ کی انگلی سے شہادتین کے ادا کرتے وقت اشارہ کرے (۲) دہنے ہاتھ کی بیلی کو ران پر اسطرح رکھے کہ انگلیوں کی نوکین قلبہ کی طرف رہیں اور اشارہ کرتے وقت قحط کلمے کی انگلی اٹھا دے قبض و بسط و حلقہ کچھ ذکر کرے صاحب برہان نے اسی طریقہ کو پسند کیا ہے اور در مختار میں در البجار اور اسکی شرح غرالاذکار سے نقل کیا ہے المفتی بہ عندنا اذہ السنیر یا مطا اصابہ کما ہمارے نزدیک مفتی پر یہ ہے کہ جب انگلیاں کھلی رکھے اور اشارہ کرے (۳) چھنگلیا اور اسکے پاس والی اور بیچ کی انگلی کو بند کرے انگوٹھے کے طرف رکھے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرے یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور ایک روایت امام احمد حنبل سے بھی ایسی ہی منقول ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے وفي اللغات وفي قول المدنیین یجب ان یعقد التلت والخمیس ویشیر بالسبابة اور نقایہ میں ہے اور مدینہ کی قول یہ تیری اور پانچویں کو بند کرنا اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرنا ضروری ہے (۴) سب انگلیوں کو بند کرے اور کلمے کی انگلی کو کمرے کا اشارہ کرے امام مالک رحمہ اللہ نے اسی طریقہ کو موطا میں لکھا ہے سوال رہنا اور کشادہ رکھنا انگلیوں کا پہلے سے چاہتے یا وقت پر جواب ملا علی قاری فرماتے ہیں والصحیح المختار عند جمیع راصحائنا اذہ یضع یضہ علی فخذہ ثم عند وصولہ الی کلۃ التوحید یعقد المختصر والبصر وعلی الوسط والابہام ویشیر بالمسبابة راضا لہا عند النقی وواضع لہا عند الاتبات ثم یشتر علی ذلک لاند ثبت العقد عند الاشارة بلا خلاف ولہ یوحدا غیرہ فلاصل البقاء الشئ علی ما ہو علیہ واصلہ الی الخ وکذا جمع اور مختار ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھو پھر جب کلمہ توحید پر پہنچے تو چھنگلیا اور اسکے پاس والی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے اسے اٹھاتے ہوئے نفس یضہ لا الہ کے وقت اور رکھتے ہوئے اثبات یعنی لا الہ کے وقت اور یہ ہمیشہ کرے کیونکہ عقد عن الاشارة ثابت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اسکے خلاف کوئی قول نہیں پایا گیا اور اصل ہی کو علی حالہ باقی رکھنا چاہیہ سوال تھوہین و دونون اتمہ کمان رکھے جواب رانوں پر عالمگیر میں ہے و وضع یدہ علی فخذہ و بسط اصابعہ کذا فی اللغات ولا یأخذ الرکبتہ فی الاصح کذا فی الخلاصۃ اور ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے

اور انگلیوں کو کھولے جیسا کہ ہوا یہ میں ہے اور ہر مذہب صحیح گھٹنے نہ پکڑے ایسا ہی خلاصہ میں ہر سوال مقتدی
 آمین پکار کے کہے یا چپکے سے جواب آمین کہنا سنت ہو امام شافعی رحمہ اللہ جبر کے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
 اخفا کے قائل ہیں سوال اگر مقتدی ناظرہ خوان تراویح میں قرآن شریف دیکھ کے سنے اور اسی حالت میں
 لقمہ بے تو نا صحیح ہی یا نہیں جواب امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقتدی کی نماز فاسد ہوگی اور اگر امام و لقمہ لویا تو اسکی
 نماز بھی فاسد ہوگی رحمہ اللہ ربیعہ شرح کنز میں قراءتہ من مصحف کے تحت میں لکھتے ہیں ینفسہ تفسد الصلوٰۃ عند اہل حنیفۃ
 وقال لا تفسد بل یکرہ لما روی ان ذکوان مولی عائشۃ اصحابی رمضان وكان یقرأ من مصحف الا انه یکرہ الصلوٰۃ
 لما فیہ من التشبہ باهل الکتاب ولا بی حنیفۃ ان حمل المصحف ووضعہ عند الركوع والجمود ورفعہ عند القيام و
 تقلیب اور اقامۃ والنظر الیہ وفعلمہ علی اکثر ولقطع من رآہ انه لیس فی الصلوٰۃ ولا ینتقل من المصحف فاشبہ
 التلقن من غیرہ واثرو ذکوان محمول علی ائمہ کان یقرأ قبل شروعہ فی الصلوٰۃ یعنی نماز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک
 فاسد ہو جاتی ہو اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہوتی ہو کیونکہ روایت ہو کہ ذکوان
 مولی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رمضان میں انکی امامت کی اور وہ قرآن شریف سے دیکھ کے پڑھ رہے تھے
 اور یہ نماز مکروہ یا سوچہ ہو جاتی ہو کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہو اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے
 کہ قرآن کا اٹھانا اور رکوع و سجود کے وقت رکھنا اور پھر کھڑے ہوتے وقت اٹھانا اور اوراق کو الٹنا اور اس میں کھٹنا
 اور اس سے سمجھنا عمل کثیر ہے اور جو شخص ایسی حالت میں دیکھ گا وہ یقین کر لیا کہ یہ نماز نہیں پڑھا ہوا اور سوچے کہ یہ قرآن دیکھ
 پڑھ رہا ہو اور دوسرے شخص سے پڑھنے کے مشابہ ہے اور اثر ذکوان اس پر محمول ہے کہ قرأت قرآن کی نماز کے قبل
 تھی اور بحر الرائق میں ہے وصح المصنف الثاني وقال اخفا تفسد بكل حال تبعاً للرخی اور مصنف نے باتبع غیر
 دوسرے مذہب کو صحیح ٹھہرایا ہو اور کہا ہو کہ نماز ہر حال میں فاسد ہو جائے گی سوال بے نمازی اگر نمازی کے پٹکھلا
 اور وہ نمازی اس سے رخصتی ہو تو اسکی نماز فاسد ہوگی یا نہیں جواب بعض فتاویٰ میں لکھا ہو کہ نماز فاسد ہوگی
 جمع البرکات میں ہو ولور و غیر المصلی مصلیاً و رخصی بتر و فسد صلوٰۃ عند مشائخنا و هو الاصول لانہ
 یصیر مَرَوِّحاً فی الصلوٰۃ کذا فی الخزانۃ الجلالیۃ اور اگر غیر مصلی مصلی کے پٹکھا جھلے اور وہ اس پر راضی ہو تو ہمارے
 علما کے نزدیک نماز فاسد ہو اور اس میں زائد احتیاط ہو کیونکہ اس صورت میں رخصتی ہونے کی وجہ سے مصلی پٹکھا
 جھلوانی والا ہو جاتا ہے ایسا ہی خزانۃ المصلی میں ہو مگر یہ روایت درایت کے موافق نہیں ہے اور نہ اسکی دلیل دعویٰ
 کے مطابق ہے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ غیر مصلی کے جس فعل پر رخصتی ہو وہ مفسد نماز ہو حالانکہ ایسا نہیں ہر سوال

کرتے وقت اگر زمین پر پاؤں نہ رکھے بلکہ اونچے کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں جواب اگر دونوں پاؤں زمین سے اٹھائیے تو نماز فاسد ہوگی اور اگر ایک اٹھایا تو نماز مکروہ ہوگی عالمگیری میں جو لو جسد ولہ یضع قدمیہ علی الارض لایجوز ولو وضع احدہما جازع الکراہۃ ان کان بغیر عند رکذ فی شرح منیۃ المصلی لامیر الحاج اور اگر سجدہ کیا اور دونوں پاؤں زمین پر رکھے تو نماز جائز نہیں جو اور اگر ایک پاؤں رکھا تو جائز ہو مگر مکروہ اگر بلا غدر ہو یا ہی امیر حاج کی فرج نیتہ المصلیٰ میں جو سوال اگر مقتدی نے غیر مقتدی سے نغمہ لیکر امام کو دیا اور امام نغمہ لیکر آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں جواب امام اور مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نغمہ میں جو لو سمع المومنین من یس فی الصلوٰۃ فقہ علی امامہ یجب ان تبطل صلوٰۃ الكل لان التلقین من الخادج اگر مقتدی نے ایک ایسے شخص سے سنا جو جماعت سے خارج ہو اور وہی سنا ہو امام کو بتادیا تو دونوں کی نماز باطل ہوگی کیونکہ تعلیم خارج سے ہو سوال شنبینہ پڑھنے کے لیے مسجد میں فرش وغیرہ کا سامان عادت سے زیادہ کرنا اور شنبینہ پڑھنا اور اس قدر جلد کہ سوائے ایک آواز کے کچھ سمجھ میں نہ آئے جائز ہو یا نہیں جواب شنبینہ پڑھنا قرون ثلثہ اور فقہاء کے زمانے میں نہ تھا فقہاء ہی سب قدر لکھا جو الخاتمہ مرة سنة والاثنان فضیلة والمثلثة افضل ایک ختم کرنا سنت اور دو ختم کرنا فضیلت اور تین ختم کرنا افضل ہو۔ اور فی زمانہ جو شنبینہ رائج ہو سامعین پر گران ہوتا ہو کیونکہ بعض سامعین اخلاقاً اسوجہ سے چلے آتے ہیں کہ جو شنبینہ کا منتظم ہو اس نے طلب کیا ہو بعض اس لیے آتے ہیں کہ انکے دوست احباب آتے ہیں اور یہ کراہت کا سبب ہو ایسا کوئی نہیں جو خوشی دل ہو شنبینہ سے اختیار میں ہو الا فضل فی التراویح فی زمانہ قدرہ لا یقتل علیہم ہمارے زمانے میں تراویح میں افضل اتنی مقدار ہو جو آپر گران نہ ہو۔ اور علامہ زاہدی رسالہ فضائل رمضان میں لکھتے ہیں۔ افتی ابو الفضل للکرمانی انه اذا قرأ الفاتحة وایۃ وآیتین لایکفر ومن لم یکن عالماً باہل زمانہ فہو جاہل ابو الفضل کرمانی نے کہا ہو کہ جب فاتحہ اور دو آیتیں آیتین پڑھیں تو کراہت نہیں رہتی اور جو شخص اہل زمانہ کی حالت نہ جانے وہ جاہل ہے اور ابو داؤد دین عبدہ امین عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرء القرآن فی شہر قال انی اجد قوۃ قال اقرء فی عشرين قال انی اجد قوۃ قال اقرء فی خمس عشرة قال انی اجد قوۃ قال اقرء فی عشر قال انی اجد قوۃ قال اقرء فی سبع ولا تنزیدن علی خلد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر سے فرمایا کہ قرآن ایک جہینہ میں پڑھو انھوں نے کہا میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں آپ فرمایا بیش دن میں پڑھو انھوں نے کہا میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں کہ فرمایا پندرہ دن میں پڑھو انھوں نے کہا میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں آپ فرمایا دس دن میں پڑھو انھوں نے کہا میں اس سے زیادہ

وقت رکھتا ہوں آنحضرتؐ فرمایا اس میں پڑھو اور اس سے کہ میں نہ پڑھو اور دوسری روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یفقه القرآن من قرء فی اقل من ثلاث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص قرآن کو نہیں سمجھتا جو اسے تین دن سے کم میں پڑھتا ہے ان روایتوں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ منی عنہ شرع میں جلدی پڑھنا ہے جو کراہت اور بے ادبی سے خالی نہیں پس شیعہ فی نفسہ متحسین ہونے کی زاننا مقتدی کی عدم توجہی اور امام کی جلدی وغیرہ سے مکروہ ہو پس اگر ایسا امام ہے جو قرآن شریف کو ایک شب میں باقیاط بطور مشروع اور قرأت کا لحاظ کر کے پڑھ دے اور سننے والے بھی اول سے آخر تک بطیب خاطر سنیں اور دل پر بار نہ ہو تو ایسی حالت میں ختم شیعہ موجب ثواب ہے اگرچہ اسکا وجود قرون ثانیہ میں نہیں ہو مگر یہ بدعات حسنہ سے ہے جیسے مدارس وغیرہ کا بنانا امام غزالی نے بہت سے زاہرون سے نقل کیا ہے کہ وہ شیعہ پڑھتے تھے سوال مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ ہو المصوب مقبرہ کے اندر نماز پڑھنا شرک خفی اور کراہت سے خالی نہیں ہے حجۃ الوداع میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑا مسجد الا مقبرۃ اقول المحکمۃ فی النہی عن المقبرۃ الاحتراز عن ان یقتضی قورا کاحبار و الرهبان۔ ساجدا بان یسجد لہا کلاوتان وهو الشریک لجل او یتقرب الی اللہ بالصلوٰۃ فی ثلاث المقابر وهو الشریک الخفی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کتعام زمین مسجد ہو گو مقبرہ میں کتاہرن کلاسمین معلوت احقر از کتابے ابار اور زمین کی قبروں کو مساجد بنانے سے کہ ان کے جانب سجدہ کیا جائے جیسے بت اور یہ ظاہر شرک ہو اور اس سے کہ ان مقابر میں نماز پڑھنا قرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جائے اور یہ شرک خفی ہے۔ حررہ محمد لعلان الحق عنی عنہ۔ الجواب الصحیح حررہ محمد الامان الحق عنی عنہ نغیۃ المستمل شرح نغیۃ المصلیٰ میں ہے کراہۃ لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبع موطن لا تجوز الصلوٰۃ فیہا ظہر بیت اللہ والمقبرۃ الحدیث والمراد بعدم الجواز کراہۃ فی غیر ظہر البیت بالاجماع خلقتا فیہ اور کراہت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بدولت ہو کہ مات جلمون میں نماز جائز نہیں ہے بیت اللہ کی پشت کی طرف۔ مقبرہ میں الحدیث اور ظہر بیت اللہ کے علاوہ سب میں عدم جواز سے بالاجماع کراہت مراد ہے واللہ اعلم کتبہ ابو الاحیاء محمد نعیم نعیم رحمۃ اللہ علیہ الرب الحکیم ہو الموفق اشعة النعات اور مروج النبۃ میں محقق دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا لا گاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے ایک گروہ تھا جنھوں نے انبیاء و صلحا کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا اور دوسری روایت میں آیا ہو کہ اپنے فرمایا ہو اور نصاریٰ پر لعنت ہو جنھوں نے قبر انبیاء کو مساجد بنالیا اور دوسری روایت میں ہو کہ آپ نے دعا کی

اے المدیرے بعد میری قبر کو بت نہ بنانا اس قوم پر اللہ کا سخت غصہ ہے جس نے قبور انبیاء کو مساجد بنالیا (میشک میں
 تم کو اس سے منع کرتا ہوں اور مقابلہ کو مساجد بنالینے سے مراد یہ ہے کہ قبور کی طرف مسجد کرنا اور اسکی دو صورتیں ہیں
 ۱) قبور کو مسجد کرنا اور انھیں کی عبادت مقصود ہو جیسے بت پرست کرتے ہیں ۲) عبادت خدا کی مقصود ہو
 مگر اعتقاد رکھتے ہیں کہ نماز اور عبادت میں قبور کی طرف متوجہ ہونا قرب و رضائے الہی کا سبب ہو اور یہ دونوں
 طریقہ نامشروع ہیں پہلا شرک جلی اور کفر مرتع ہو اور دوسرا بھی شرک خفی کو شامل ہونے کی وجہ سے حرام اور منہوع
 ہو اور نہ ہی یہ اصل کی قبر کی طرف بقصد تبرک و تعظیم نماز پڑھنا حرام ہو اس میں کسی کا علمائین سے اختلاف نہیں ہے
 غنیۃ المستملی میں ہے لا باس بالصلوة فی المقبرة اذا کان فیہا موضع اعد للصلوة ولیس فیہ قبر و هذا لان
 الکراہۃ معللۃ بالتشبیہ و اهل الکتاب و هو منتفع فی ما کان علی الصفتہ المذكورۃ اذ یصح و قال لعلۃ الشیخ احمد
 الخططاوی فی حاشیئہ علی مراق الفلاح قولہ فی المقبرۃ بثلیث الباء لانہ تشبیہ بالیہود و النصرانی قال رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم لعنة اللہ علی الیہود و النصرانی اتخذوا قبور انبیائکم مساجد سواکانت فوقہا و خلفہ
 او تحتہا و اقف و یستثنی مقابر الانبیاء فلا تکرہ الصلوة فیہا مطلقا منبوشۃ کانت اولاً بعد ان لا یکون
 القبر فی جہۃ القبلة لانہما حیاء فی قبورہم الا ترى ان مرقد اسمعیل فی الحجرۃ المیزاب وان میں الحجر الاسود
 و زمزم قبر سبعین نبیاً ثم ان ذلک المسجد افضل ما یتجرى للصلوة بخلاف مقابر غیرہما فادۃ فی شرح المستکون
 فی نراد الفقیر و تکرہ الصلوة فی المقبرۃ الا ان یکون فیہا موضع اعد للصلوة لا نجاسة فیہ ولا قد رفیہ قال
 الحلبي لان الکراہۃ معللۃ بالتشبیہ و هو منتفع حیث و فی القہستانی من جائز المضررات لا تکرہ الصلوة الی جہۃ
 القبر الا اذا کان بین ید یرعی حیث لوصلی صلوة الخاشعین وقع بصرہ علیہا تھی و فی العالمگیریہ ان کانت القبور
 ما و رلوا المصلی لا یکرہ فانہ ان کان بینہ و بین القبر مقدار مالو کان فی الصلوة و میر انسان لم یکرہ مقبرۃ میں
 نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے جبکہ اس میں کوئی جگہ نماز کے لیے مقرر ہو اور اس میں کوئی قبر ہو کیونکہ کراہت کی علت
 اہل کتاب کی تشبیہ ہے اور یہ حالت مذکورہ میں منتفی ہے اتنی علامہ شیخ احمد خططاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ
 میں لکھا ہے قولہ فی المقبرۃ اس لیے کہ اس میں یہود اور نصرانی کی تشبیہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا ہے یہود اور نصرانی پر خدا کی لعنت ہے جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا خواہ قبر مصلی کے اوپر ہو
 یا نیچے یا چپے اور مقابلہ انبیاء مستثنی ہیں کیونکہ ہم ان میں نماز کردہ نہیں سمجھتے مطلقاً تو ظاہر ہوا یا نہو لیکن جہت قبلہ میں نہونا
 چاہیے اس لیے کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں کیا تم کو نہیں معلوم کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کا دار میں اس کے نیچے

پتھر میں ہو اور حجر سودا اور زفرم کے درمیان ستر بنیوں کی قبرین میں حالانکہ یہ مسجد ناز کے لیے دوسری مساجد سے افضل ہو غلاف دوسروں کے مقابر کے جیسا کہ شرح مشکوٰۃ میں ہے اور زائد الفقیر میں ہے ناز مکروہ ہی مگر یہ کہ اگرچہ ایسی جگہ مقرر ہو جس میں ناز پڑھی جائے اور اس میں نجاست اور گندگی نہ ہو چلی نے کہا ہو کہ چونکہ اس کی علت تشبیہی اور وہ یہاں مستفی ہو اور قستانی نے جنازہ المصنرات سے نقل کیا ہے کہ قبر کی جانب ناز مکروہ نہیں مگر جب قبر کے سامنے ہو کہ اگر خشوع و خضوع سے ناز پڑھے تو اس کی نظر اسپر پڑے اور عالمگیری میں ہے اگر قبرین ناز پڑھنے والے کے پیچھے ہوں تو ناز مکروہ نہیں ہو کیونکہ اگر مصلیٰ اور قبر کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہو کہ حالت نماز میں جب کوئی شخص اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو گزر جائے تو ناز مکروہ نہ ہوگی و اللہ اعلم بقضائے خدام و لیا اہل الصمد علی محمد و آلہ اللہ الاصلہ و المصوب مقابر میں ناز ادا کرنے کی کئی صورتیں ہیں (۱) قبور کو اپنا قبلہ بنائے اور اہل قبور کی طرف متوجہ ہو کر ناز پڑھے یہ شرک جلی ہے (۲) قبروں کو کھود کے وہاں مسجد بنائے اور اس میں ناز پڑھے یہ حرام ہے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں انما حرم اتحاد المسجد علیہا لان فیہا استئنا نالسنۃ الیہ و قال ابن مالک و قید علیہا بقید ان اتحاد المسجد لجنبہا کلاہا س بد قبروں پر مسجد بنا حرام ہو کیونکہ یہ یہود کی سنت کی اتباع ہے یہ ابن مالک نے کہا ہے اور اس میں ایک قید یہ بھی پڑھائی ہو کہ قبروں کے پہلو میں مسجد بنانے میں کچھ حرج نہیں ہو (۳) اگرچہ قبروں کو اپنا قبلہ نہ بنائے مگر قبرین اس کے سامنے ہوں اس صورت میں اگر بیچ میں کوئی فاصلہ نہ ہو تو ناز مکروہ ہو ورنہ مکروہ نہیں اور اس میں طرح اگر قبور پہلو میں یا داہنے بائیں ہوں۔ زبلی نے لکھا ہے ویکرہ الصلوٰۃ الی القبور و بین القبور تنقیہ قبروں کی طرف اور قبروں کے بیچ میں ناز مکروہ ہو اور خزانۃ الروایۃ میں ہے فی مفید المستفید من الحاوی مثل ابو نصر عن ذاک فقال ان کان القبور و اداء المصلیٰ لایکرمہ فاندان کان منہ و بین القبور و مقداس مالومرا نشان بین یدہ لملک لایکرمہ فکذا ہمننا و الحمد الفاصل موضع سجدہ مفید استفیہ میں حادی سے نقل کیا ہو کہ اسکے متعلق ابو نصر سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ اگر مصلیٰ کے پیچھے ہو تو ناز مکروہ نہیں ہو کیونکہ اگر مصلیٰ اور قبور کا درمیانی فاصلہ اتنا ہو کہ حالت نماز میں گزرنے والا گزر سکے تو ناز مکروہ نہ ہوگی اور وہی حالت یہاں بھی ہو اور حد فاصل جائے سجدہ ہو (۴) اگر قبرین مصلیٰ کے پیچھے ہوں تو ناز مکروہ نہیں ہو (۵) اگر مقبرہ میں مسجد بنائی ہو تو بھی کوئی خلل نہیں ہو و اللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الکتاب حررہ الراعی عفو ربہ التوہی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجدار اللہ عن ذیلہ علی و اخفی سوال طبعی ہوئی ریل میں ناز فرض اور واجب و سنت فخر بلا عذر جائز ہی یا نہیں اور جان و مال یا سواری کا تلف ہونا اور ساتھیوں سے الگ ہو جانا عذر شرعی ہی یا نہیں

جواب سب نمازین جلتی ہوئی پہل میں بلا عذر جائز میں نہ الفائق میں ہو والعملة ان لم یکن طرفیاً علی الدابة
فکالسریر اور گاڑی اگر کسی جانور پر نہ رکھی ہوئی ہو تو اسکا حکم تخت کا ہو اور مختار الفتاویٰ میں ہے لو یسجد علی العملة
ان کانت علی البقرة لا یجوز ان کانت علی الارض یجوز اگر گاڑی پر سجدہ کیا اور وہ گلاب پر رکھی ہوئی تھی تو نماز نہ جائز
ہوگی اور اگر زمین پر رکھی تھی تو جائز ہوگی اور فتح القدیر میں ہے وعلی العملة علی الارض کالسریر لان کانت
علی البقرة للبساط المشدود بین الاتحاد اور اس گاڑی پر جو زمین پر رکھی ہو وہیسی ہی نماز جائز ہے جیسے تخت
پر اور اگر گائے پر ہو تو نہیں جیسا کہ وہ بچھونا جو درختوں کے بیچ میں بندھا ہوا ہو اور عینی شرح کنز میں ہے والعملة
کالدابة ان کان طرفیاً علی الدابة سواء کانت سائقة او لا وان لم یکن فکالسریر اور گاڑی کا حکم جانور کا ہے
اگر وہ جانور پر رکھی ہو خواہ جانور چل رہا ہو یا نہ چل رہا ہو اور اگر جانور پر نہ رکھی ہو تو اسکا حکم تخت کا ہو ان روایتوں سے ظاہر ہو گیا کہ جو
گاڑی جانور پر نہ رکھی ہو یا وہ خود چلے یا کوئی آدمی کی سطح چلائی یا رسی کو کھینچ جائے اس پر نماز جائز ہے کیونکہ شق ثانی مطلق
اور بجا و خود صحیح ہے المطلق جری علی طلاق یعنی مطلق ایہ اطلاق پر باقی رہتا ہے اگر کسی تفصیل کی حاجت ہو تو رد المحتار کو دیکھو کہ وہ
در مختار کو قول لو واقعہ و تحت میں کیا کہتے ہیں کذا اقلیدہ فی شرح المنیۃ ولم اراه غیرہ یعنی اذا کانت العملة علی الارض
ولم یکن شیئ منها علی الدابة واما لہا جمل مثلاً تجرھا الدابة لیس علیہ الصلوة علیہا بلا عذر لانہا جیئنا کالسریر
الموضوع علی الارض وحققتہ ہذا التعلیل انہا لو کانت سائقة فی ہذا الحالۃ لا تصح الصلوة علیہا بلا عذر نہ
تأمل لان جرھا بالجمل و علی الارض لا یخرجہا عن كونھا علی الارض و فیہ عبارتہ التاثر خانیۃ عن محیط
وہی لو صلے علی العملة ان کان طرفیاً علی الدابة وہی تسیر تجوز فی حالۃ العذر و لا تجوز فی غیرہا وان لم یکن
طرفیاً علی الدابة جازت وہی بمنزلۃ الصلوة علی السریر الخ فقولہ وان لم یکن الخ یقید ما قلنا لانہ راجع
الی اصل المسألة وقد قیدھا بقولہ وہی تسیر و لو کان الجواز مقید بالعدم السیر یقید بہ قتال ایسی ہی شرح فیہ
میں قید لگائی ہے لیکن یہ میں نے کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا ہے لیکن جب گاڑی زمین پر رکھی ہوئی ہو اور اسکا کوئی
حصہ کسی جانور پر نہ ہو اور اس میں کوئی رسی بندھی ہو جسے ہا نو کھینچ رہا ہو تو اس پر بلا عذر نماز صحیح ہو اس لیے کہ ایسی زمین
اسکا حکم اس تخت کا ہو جو زمین پر رکھا ہو اور مقتضای تحلیل تو یہ ہے کہ اگر زمین پر رکھی ہوئی گاڑی چل رہی ہو تو
اس پر بلا عذر نماز جائز ہو اور اس میں کلام ہے کہ کیونکہ رسی سے کھینچنا جبکہ گاڑی زمین پر رکھی ہوئی ہو اس سے زمین پر چڑھنے
سے خارج نہیں کر سکتا اور یہی تاثر خانیۃ کی محیط سے نقل کی ہوئی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر گاڑی پر نماز چڑھی
اور وہ چلتے ہوئے جانور پر رکھی ہوئی تھی تو حالت عذر میں نماز جائز ہوگی اور بلا عذر نہ جائز ہوگی اور اگر وہ کسی

جانور پر نہ تھی تو نماز جائز ہوگی اور نیز فطرت پر نماز پڑھنے کے ہوگی اگرچہ اس کے قول ان لم یکن الخ سے ہمارا مقصود حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ اصل مسئلہ کی جانب راجع ہے اور اصل مسئلہ میں سواری کو چلتے ہوئے ہو نیسے فقید کیا کر پس اگر یہاں چلتی ہوئی نہ ہو مگر فقید ہوتی تو قید لگا دیتا اور قسطلانی نے بھی بخاری میں حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسیر علی الرحاۃ قبل ای وجہ توجہ حضور پر و عالم صلی اللہ علیہ وسلم راحلہ پر نماز اسبطر پڑھتے جس طرف اس کا رخ ہوتا کے تحت میں لکھا ہو وہی ساۃ فلوصلیت علی ہودج علیہا وہی واقفہ صحت و کذا لوکان فی سر بیچہ لہ ہر حال ولو مشوا بہ در حالیکہ چل رہا تھا اور اگر ہودج میں نماز پڑھی جو کسی رکہ ہوئے جانور پر تھا تو نماز صحیح ہوگی اور اسی طرح اس تحت پر جسے لوگ یہ جارہے ہیں فقہائے اعجاز نے کو یہ سوال کو اعجاز شریعہ میں شمار کیا ہے غلیہ پر میں ہو لایجوز المکتومیۃ الابدعرو من الاعذار ان یحاف من نزول الدابة بنفسہ علی نفسہ او وابتہ من سبع او نعل او کان فی طین لایجد علی الارض مکانا یجا فادکانت الدابة جو حوالو نزول لایمکنہ لاجمعین او کان شیخا کبیرا فرض نماز سواری پر پھر عذر کے درست نہیں ہو اور اعذار میں سے یہ کہ سواری پر سے اترنے میں اپنے جان یا سواری کے متعلق کسی درندہ یا چوہر کا خوف ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں کوئی حصہ زمین خشک نہ ملے یا سواری سرکش ہو کہ بغیر دوسرے کی مدد کے اُس پر سے اتر نہ سکتا ہو یا بہت بوڑھا ہو۔ اور تباوی قاضی خان میں مذکور ہو۔ ومن الاعذار ان یحاف من نزول الدابة علی نفسہ او علی عابۃ من سبع او نعل او کان فی طین و دروغۃ لایجد علی الارض مکانا یابس او را عذار میں یہ ہے کہ اسے سواری سے اترنے میں اپنی جان یا سواری کا چوہر یا درندہ سے خوف ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں خشک زمین نہ ملے اور صاحب درختار نے بارش اور ساتھیوں کے چلے جانے کو بھی عذر مانا ہے و اسد اعلم حررہ خادم علماء الراغبین المقتدر الی رحمۃ اللہ الصمد السید امیر احمد عفی عنہ ہوا لوفوق۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز فرض ہو یا غیر فرض ریل گاڑی میں چلتی ہوئی ہو یا سکی ہوئی جائز ہو اور عذر مذکورہ سوال کو کہ جواز میں و اسد اعلم حررہ الراعی عفورہ بقوی ابواب حسنات محمد جلیل تھا و اسد عن ذنبہ الجلی و الخفی سوال عشا کی نماز آدمی رات کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہی یا نہیں اور اگر مکروہ تحریمی ہی تو واجب الاعادہ ہو یا نہیں اور اگر واجب الاعادہ ہو تو کس وقت اعادہ کیا جائے جو اب عشا کی نماز آدمی رات کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہی یعنی فسح ہر ایہ میں ہی تاخیرہ الی النصف الاخیر مکروہ لہا فیہ من تقبیل اللہات و فی القنیۃ الکراہۃ للتحريم عشا کی نماز میں نصف آخر تک تاخیر مکروہ ہو کیونکہ اس سے جماعت میں کمی ہو جاتی ہے اور فقہ میں ہے کہ اگر بہت تحریمی ہی اور پھر غلامی مراۃ الفلح میں لکھے ہیں تاخیر الی ما بعد النصف مکروہ

والکراہۃ تحریمیتہ تاخیر نصف شب کے بعد تک مکروہ ہو اور اگر اہت تحریمی ہو اور فقیہ میں ہو تاخیر العشاء الی
ما زاد علی نصف اللیل والعصر الی وقت اصفرار الشمس والمغرب الی اعتبائک النجوم مکروہ تحریمہ عشا کی
تاخیر ادھی رات سے زائد تک اور عصر کی آفتاب کے زرد ہونے تک اور مغرب کی ستاروں کے روشن ہونے
تک مکروہ تحریمی ہو۔ لیکن اعادہ میں اُسکے متعلق تمام فقہانے کلیہ قاعدہ لکھا ہو کہ صلوٰۃ ادیت مع کراہۃ
التحریم تعاد وجوباً جو نماز بکراہت تحریمی ادا کی جائے اُسکو دہرانا واجب ہو اور غیر الدین رطلی حواشی بحر الرائق
میں اور ابن عابدین۔ دالمختار میں اسکی تصریح کرتے ہیں کہ اعادہ کا وجوب بقاے وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے
بل ہی واجبت فی الوقت وبعدہ علی الاصح بلکہ اعادہ واجب ہے وقت میں اور بعد وقت کے بھی بروایت
صح اور یہ ظاہر ہے کہ عشا کی اس نماز کا رات میں اعادہ کرنا جو نصف شب کے بعد پڑھی گئی ہو بیکار ہو کیونکہ یہ بھی اُسی
پہلی نماز کی طرح مکروہ تحریمی ہو جائے گی۔ لہذا مصلیٰ کو چاہیے کہ طلوع صبح صادق کے بعد اُسکو دہرائے اور اگر اُس عشا
کی نماز کا اعادہ نہ کیا جائے رات کے بعد پڑھی تو اُٹنا گناہگار ہو گا جتنا واجب کے ترک سے ہوتا سوال جولاہون
میں جو نکاح ثانی بھی کرتے ہیں اگر عالم باعلیٰ ہو تو اُسکی امامت جائز ہے یا نہیں اور نکاح ثانی کرنے والوں کو روزی
کنے اور اُن سے مراعات اسلامی ترک کرنے والے کیسے ہیں۔ جواب فقہائے حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امامت
کے لیے عالم باعلیٰ جو فواحش ظاہرہ سے بچتا ہو افضل ہو لیس جولاہون کی امامت جو عالم باعلیٰ ہے افضل اور اُحق
ہو اور نکاح ثانی مسنون ہو اُسکو بُرا جاننے والا اور نکاح ثانی کرنے والوں سے مراعات اسلامی ترک کرنے والا
گناہگار ہو گا بلکہ من حیث شرعی ہونے کے کسی امر شرعی کو جو شخص بُرا جانے اُسکے کفر کا خوف ہو سوال بکرنے
زید کو ہمیشہ اپنے ساتھ سفر میں رکھنے کے لیے نوکر رکھا پس زید ایسی سفر کی حالت میں قصر کرے یا نہیں اور لیجھ
نوکر کا قیاس اہل انبیہ پہ ہو سکتا ہو یا نہیں جواب صورت مذکورہ میں زید قصر کرے جب تک کہ بکرا قامت نہ کرے
پھر اگر کسی جگہ بکرنے اقامت کی نیت کر لی تو زید بھی اُسکی تبعیت میں مقیم ہو جائیگا کیونکہ صورت مسئلہ میں زید
اجیر ہے اور اجیر کو فقہانے تواجیع میں شمار کیا ہو اور زید کا قیاس مردان صحرائی پر نہیں ہو سکتا کیونکہ انبیہ سے
درجہ قصر واجب نہیں اور لوگ مرد ہیں جو صحرا کے سوا کوئی دوسرا وطن پہلی رکعت ہی نہوں بحر الرائق میں ہے
ظاہر کلام البدائع ان اہل الاخبیۃ لا یتجاوزون الی نیتہ الاقامۃ فالخا از لہم کالامصار والاقامۃ اصل و
السفر عامن وحملا ینوون سفر او انما ینقلون من ماعالی ماء ومن مرعی الی مرعی ظاہر کلام بدائع یہ ہے کہ جنگلی
آدمیوں کو نیت اقامت کی ضرورت نہیں ہو کیونکہ جنگل ہی اُنکا گھر ہے جیسے کہ شہر اور اقامت اصل ہو اور سفر غرضی

اور وہ نیت سفر نہیں کرتے بلکہ ایک پانی سے دوسرے پانی اور ایک چراگاہ سے دوسرے چراگاہ تک جاتے رہتے ہیں بلکہ زید کا قیاس ملاح پر کرنا چاہیے جو وطن اُعلیٰ رکھنے کے ساتھ ہمیشہ سفر میں رہتا ہے جو زایدی شرح قدوری میں لکھتے ہیں الملاح مسافر لا عند المحسن حسن کو سوا سبک نزدیک ملاح مسافر ہو پس جبکہ ملاح پر قصر واجب ہو تو زید پر بھی قصر واجب ہوگا سوال شیعوں کی مسجد میں سنیوں کو نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں جواب درست ہے سوال زید مغرب یا عشا کا امام ہوا اور عمر داود خالہ وغیرہ مقتدی ہوں زید نے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اکیسۃ الفی اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اتم ترکیت پڑھی پس نماز ہوئی یا نہیں اور یوں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور فجر کی فرض پڑھنے کے بعد ایک شخص نے فجر کی سُنّتیں پڑھیں تو اُسکی نماز فرض دا ہوئی یا نہیں۔ جواب صورت اول میں اگر عداً اسطرح پڑھا ہو تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر عمدتاً نہیں پڑھا تو مکروہ نہوگی خلاصہ میں ہے الجمع بین سورتین بینہما سورۃ واحدة فی رکعتین یکوہ وان کانت السورۃ طویلۃ لایکوہ کما اذا کانت یتیان سورتان قصیرتان وان قرأ فی رکعة واحدة سورۃ وفی اخری سورۃ اخری فوق تلك السورۃ فهو مکروہ الا اذا وقع من غیر قصد دو رکعتوں میں دو ایسی سورتیں پڑھنا جنکی جمع میں کوئی ایک سورت ہو کر نہ ہو اور اگر سورت طبری ہو تو مکروہ نہیں ہے جیسا کہ در بیان میں دو چھوٹی سورتیں ہوں اور اگر ایک رکعت میں ایک سورت پڑھی دو چھوٹی رکعت میں سوا قبل کی کوئی سورت پڑھی تو نماز مکروہ ہوگی لیکن اگر قصد ایسا نہ ہو تو مکروہ نہوگی اور فرض فجر کی جمع سنت کو اگر کسی نماز میں پڑھا تو صحیح نہیں اس سوال فرض جمع کے بعد چار رکعت نظر احتیاطی پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اسکا ثبوت صحابہ اور تابعی اور تبع تابعی رضوان علیہم اجمعین سے ہے یا نہیں جواب سلف سے جمع کے بعد اسے نظر منقول نہیں ہے مگر اکثر فقہائے متاخرین نے اسے نظر کو احوط لکھا ہے اس لیے کہ تعدد جمیع میں علما کا اختلاف ہے اور مصر کی تعریف میں بھی جو وجوب جمع کے شرط میں سے ہے اختلاف واقع ہے پس اسے نظر میں احتیاط ہے اور یہ فرضیت جمع کو منافی نہیں ہے اگرچہ جفتی برہی قول ہو کہ ایک شہر میں تعدد جمع جائز ہے لیکن اگر اسے نظر احتیاطی کے وقت اسے جمع یا اس کی فرضیت میں شک پیدا ہو تو شک دفع کرے اور نظر احتیاطی نہ پڑھے سوال اگر کسی حافظ نے عشرۃ اولی رمضان میں ایک کلام مجید کسی مسجد میں ختم کر کے ایسی دوسری مسجد میں جہاں پہلے عشرے میں قرآن شریف نہیں ہو اور قرآن قرآن شریف شروع کیا تو سنت مکروہ ان مقتدیوں کی اس امام کے پیچھے جو سنت مکروہ ادا کر کے اب نفل واکرہ ادا ہو اور اگر وہی یا نہیں۔ ہو الموفق ان مقتدیوں کا ختم ادا ہو جائیگا و اللہ اعلم بالصواب کتبہ ابوالاحیا محمد نعیم غفرلہ اعلیٰ الرب الحکیم۔ ہو المصوب فقہا اس میں مختلف ہیں کہ ایک ختم کے بعد آیا تو صحیح سنت رہتی ہے یا نہیں

بعض کو نزدیک سنت نہیں ہے یہی کیونکہ تراویح کی مشروعیت ختم کلام التہجدی کو لیے پہلی رکعت میں ہی بدو ختم تحقیق کی یہی کہ تراویح اگر سنت
ہو اور ختم اگر کوئی ایک دوسری کا تابع نہیں ہیں ختم کلام احد کو بعد بھی تراویح سنت باقی رہیگی پس سوال مذکورہ میں قول اول کے
موافق مقتدیوں کو دوسری ختم ساقط ہوگا بلکہ اگر کسی امام کی اقتدا جائز نہیں خزانہ الروایہ میں ہے فی المسئلاتی مام ختم فی التراویح صحیح
ثانیاً بغیر هذا القوم لا يخرج هذا القوم الثاني عن السنية لان الامام خرج من السنية فصار له نقد
فیدرکون ثواب صلوٰۃ النفل ولا یدرکون ثواب صلوٰۃ التراویح و فی رسالۃ مولانا ناصر الدین احسام
فی مسائل التراویح فان قلت ما تقول فی مام ختم فی التراویح ثم شرع فی الختم ثانیاً ہل يجوز ان لا یختم
لم یسبح الختم ولو اکتدی بہ ہل یكون هذا الختم محسوباً قلت كانت هذه المسألة دائرۃ فی مجلس سائذۃ
الہدی زماناً طویلاً فقال بعضهم لا يجوز لانه بناء القوی علی الضعیف اذ هذا التراویح لا یقتدی "تتبعہو کذا"
ولم یبق فی حق الامام سنتہ موکدۃ بل صار فی حقہ تطوعاً والسنتہ اقوی حالاً منہ وقاسوہ علی اقتداء المفتون
بالمقتفل وقال بعضهم يجوز وقد ورى بعض اهل العلم من كنز الفتاوی رجل ام قوما فی التراویح وختم فیہا
ثم ام قوما اخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولہم ثواب الختم وهذا الکتاب غیر مشہور بین العلماء فلا وثوق بہ
انہ لا یفہم منہ سقوط سائذۃ الختم سفن فی مین ہو کہ ایک امام نے ایک قرآن شریف تراویح میں ایک قوم کے ساتھ
ختم کیا اور پھر دوسرے قوم کو ساتھ لے کر دوسری قوم کے ذمے سے سنت ساقط ہو گئی کیونکہ امام کا دوبارہ ختم
قرآن سنت نہیں ہو تو اس کے لیے یہ نقل ہوگا پس مقتدی نفل کا ثواب پائیں گے تراویح کا نہ پائیں گے اور رسالہ
مولانا ناصر الدین احسام میں مسائل تراویح میں ہو کہ اگر کوئی سوال کرے کہ ایک امام کو متعلق جس ایک قرآن شریف تراویح میں ختم کیا اور پھر
دوسرے شرع کیا تو اس کی اقتدا ان لوگوں کو جائز ہے جنھوں نے ختم نہیں سنا ہو اور اگر وہ لوگ اقتدا کریں تو یہ ختم محسوب ہوگا یا نہیں مین کہو گا کہ
کہ یہ مسئلہ سائذہ ہل کی مجلس میں ایک عرصہ تک بحث ہوا بعض نے کہا کہ اقتدا درست نہیں کیونکہ اس میں قومی کی بناضعیف
پر لازم آئے گی کیونکہ مقتدی کی تراویح سنت ہو کہ ہے اور امام کی سنت ہو کہ نہ نفل ہے اور نفل سے سنت
زائد قوی ہو اور انھوں نے اس صورت کا قیاس کیا ہو اس صورت پر جس میں فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والی کی
اقتدا کرے اور بعضوں نے کہا جائز ہو اور بعضوں نے کنز الفتاوی سے نقل کیا ہو کہ ایک شخص نے تراویح میں ایک
قوم کی امامت کی اور اس میں قرآن شریف ختم کیا پھر دوسری قوم کی امامت کی تو اس امام کو فضیلت کا ثواب ملیگا
اور ان مقتدیوں کو ختم کا اور یہ کتاب علما میں مشہور نہیں ہے اسی لیے قابل اعتماد نہیں علاوہ بریں اس سے سنت ختم
کا ادا ہو جانا ثابت بھی نہیں ہوتا ہو۔ اور دوسرے قول کے موافق اگرچہ تراویح مقتدیوں کے ذمے سے ساقط ہو جائیگی

کیونکہ سنت تراویح تین امام و مقتدی دونوں برابر ہیں مگر سقوط ختم میں مشکل ہے کیونکہ ضعف نماز امام کو اگرچہ دوہری ایک کن سی ہو فقہا بالغ اقتدا لکھتے ہیں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہوا اما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت وینملا بعدہ فی ماتین لا مذاقتا المقتضی بالمتنفل فی حق العقدة لواقتی فی الاولیین و الاخریین اما مقتدی فی الاخریین مسافر کا مقیم لی اقدہ اگرنا وقت کے اند صحیح ہے اور وقت کے بعد نہیں کیونکہ قعدہ میں فرض پڑھنے والا افضل پڑھنے والے کا مقتدی ہو جائیگا اگر اول کی دونوں رکعتوں میں اقتدا کی ہو اور قرأت میں اگر آخر کی دونوں رکعتوں میں اقتدا کی ہو اس صورت میں باوجودیکہ امام اور مقتدی دونوں نے فرض کا تحمید باندھا ہے اجزاء نماز امام کے ایک جزو کے ضعف کی وجہ سے فساد اقتدا کا حکم دیا گیا ہو اسی لیے صورت سوال میں بھی مقتدیوں کے عدم سقوط ختم کا حکم دیا جائیگا اور سخاقتی کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے پس جب ام سکے سقوط ختم اور عدم سقوط میں اختلاف واقع ہوا تو امام کو چاہیے کہ ختم ثانی کو صحیح تراویح اپنے اوپر نذر کرے اختیار کرے اور کہو اللہ علی ان اتم القرآن فی صلوٰۃ التراویح خدا کی راہ میں یہ ہے اوپر دیا جب یہ کہ میں ایک قرآن نماز تراویح میں ختم کروں تاکہ امام کا ختم واجب اور مقتدیوں کی اقتدا درست ہو جائے اور اسکی تفصیل خزائنہ الروایہ میں مذکور ہے واصلہ علم حرہ الرابع عفویہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی قجور اسعدی ونبی الحلی ولفظی سوال جن شخص فرض نماز تراویح جماعت کے ساتھ پڑھی ہو وہ تراویح کو ساتھ ادا کریں یا تھا جواب قنبرین میں الایہ سوا تراویحہ میں علی بن احمد سرورم ہو کہ جسے عتبا جماعت کے ساتھ نہیں ادا کی ہو وہ ترک بھی جماعت کو ساتھ ادا کریں وغیرہ وغیرہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے لیکن کوئی قوی وجہ عدم جواز کی معلوم نہیں ہے بلکہ جواز کی وجہ پائی جاتی ہے غنیۃ المشتقی شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے واذا لم یصل لفرض مع الامام فصحت لایۃ الکرابیسی انہ لا تتبعہ فی التروکی و لا فی التراویح و کذا اذا لم یتابعہ فی التراویح لایتبعہ فی التروکی و کذا اذا لم یصل مع الامام شیئا من التراویح یصل معہ التروکی و کذا اذا لم یدرک شیئا و کذا اذا لم یصل مع الامام قبل لا یتابعہ فی التراویح و کذا فی التروکی و کذا اذا لم یصل معہ التراویح لا یتابعہ فی التروکی و الصیغہ انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلمہ اور جب فرض امام کے ساتھ نہیں پڑھی تو عین الایہ کرابیسی نقل کرتے ہیں کہ تراویح اور تروکی میں اسکی اقتدا کرے اور ایسا ہی اگر تراویح اس کے ساتھ نہ پڑھے تو تروکی میں اسکی اقتدا کرے اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ اگر اس کے ساتھ تراویح کی چند رکعتیں پڑھ لی ہیں تو تروکی اس کے ساتھ پڑھ سکتا ہے اور یہی حکم ہے جب امام کے ساتھ اس نے

کچھ نہ پڑھا ہو اور یہی حکم ہے جو جب تراویح دوسرے کے ساتھ پڑھی ہو تو وہ و ترا اس امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے اور یہی صحیح ہے ایسا ہی ابوالایت نے ذکر کیا ہے اور مختصر نینہ الصلیٰ میں ہے کہ جب فرض امام کے ساتھ نہیں پڑھے تو تراویح اور وتر میں اسکی اقتدا نہ کرے اور جب اسکے ساتھ تراویح نہ پڑھی تو وتر میں اسکی اتباع نہ کرے اور صحیح یہ ہے کہ ان سب صورتوں میں اسکی اتباع جائز ہے و اللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ اللہ العلیٰ الرب الحکیم سوال (۱) سوال و فقہ کے محققین میں سے کون موافقت صحابہ کی موکدیت کا قائل ہے اور کس کتاب میں ہے (۲) اس حدیث سے موافقت خلفائے راشدین میں کت تراویح پر ثابت ہے جواب (۱) جو مشہور ہے وہ السنۃ ما و اظہر علیہ الذی صلی اللہ علیہ وسلم یو لیکن مدققین نے او الخلفاء کا لفظ نا مذکر کے اس کی صراحت کی ہے کہ جس طرح تارک سنت نبوی پر عتاب ہوگا اسی طرح تارک سنت خلفائے راشدین پر عتاب ہوگا ہر الدین یعنی بنا شرح ہر ایہ میں لکھتے ہیں سیرۃ العمرین لاشک فی ان فی قتلھا ثواب و فی ترکھا عقاب لانا امرنا بالاقداء بحال قول علیہ الصلوٰۃ والسلام اقتداوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر فاذا کان الاقداء بعہما ما مورا بہ لیکون واجبا و ذلک الواجب یتحقق العقاب و العتاب اس میں شک نہیں کہ افعال حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا کہ ثواب و ثوابی نہیں بلکہ اس کے ترک میں عذاب ہے کیونکہ ہمیں ان دونوں حضرات کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اقتدا کرو ان دو آدمیوں کی جو میرے بعد ہیں یعنی ابو بکر اور عمرؓ پس انکی اقتدا امور یہ اور واجب ہے اور واجب کا ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہے اور محقق کمال الدین بن ہمام تحریر الاصول میں لکھتے ہیں قسم الخفیۃ النعمۃ الی فیوض ما قطع بلزومہ و واجب ما ظن و سنتہ الطریقۃ الدینیۃ منہ علیہ الصلوٰۃ والسلام او الخلفاء الراشدین او بعضہم و خفیۃ نے غنیمت کی تقسیم اس فرض کے جانب کی ہے جسکے لزوم کا یقین نہ ہو اور اس واجب کے جانب جس میں شک ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین وغیرہ کی دینی سنت کے جانب اور مولانا عبد العلی بحر العلوم شرح تحریرین لکھتے ہیں ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ دینیۃ مستقرۃ فی الدین منہ صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ وسلم بان ہاشمۃ اولایان استمر الناس علیہا باذنہ و باذن الخلفاء چاہیے کہ عام مراد لیجائے خواہ دینی طریقہ ہو جسپر حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ و الصلوٰۃ کے دین میں علیہ السلام رہا ہو اپنے خود اسپر عمل فرمایا ہو یا نہیں بلکہ لوگ آپ کے یا خلفاء کے حکم سے اس کو پابند رہیں ہوں اور علامہ عبد العزیز بخاری کشف اصول ہر دوی میں لکھتے ہیں اما التراویح فی رمضان فانہا سنتہ الصحابۃ فانہ لصریوا اظہر علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اظہر علیہا الصحابۃ و ہذا اما یندب الی تحصیلہ ویلام علی ترکہ و لکنہ دون

ما اخطب عليه الرسول صلى الله عليه وسلم فان سنة النبي قوى من سنة الصحابة هذا عندنا واصحاب
 الشافعي يقولون السنة ما اخطب عليه النبي عليه السلام فاما النفل الذي اخطب عليه الصحابة فليس بسنة
 وهو على اصلهم مستقيم فانهم لا يرون اقوال الصحابة حجة وعندنا اقوالهم حجة فيكون انفعالهم سنة لانها
 طريقة امرنا باحيائها لقوله تعالى لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة ولقوله عليه الصلوة والسلام عليكم
 بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين اور تراجم وثمان توصيات کی سنت ہو کیونکہ حضور سرور انبیا علیہ التمجید والثناء
 اسکی پابندی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ نے ایسا کیا اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جسکے کرنے پر یہ تعریف اور نہ کرنے پر ملامت
 کی جائے گی لیکن اسکا مرتبہ اس سے کم ہے جسپر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو کیونکہ سنت
 نبوی سنت صحابہ سے زیادہ قوی ہے یہ ہمارا خیال ہے مگر شافعیہ کے نزدیک سنت وہ ہے جسکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 نے پابندی کی ہو لیکن نفل جسکی صحابہ پابندی کریں سنت نہیں ہے اور یہ اسے مذہب شافعیہ پر درست ہے
 کیونکہ وہ اقوال صحابہ کو حجت نہیں مانتے اور ہمارے نزدیک انکے اقوال حجت ہیں تو ان کے انحال بھی سنت ہو
 کیونکہ ہمیں اس طریقے کے احیا کا حکم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھی خصلتیں ہیں اور
 حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم کو میری اور خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع ضروری ہے تمہیں
 شرح حسامی میں ہے واعلم ان السنة في اللغة هي الطريقة حسنة كانت او سيئة يدل عليه قوله عليه السلام من
 سن سنة حسنة فلداجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامة ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزن
 عمل بها الى يوم القيامة وفي عرف الشرع يراد بها طريقة الدين ما للرسول والصحابة حتى يقال سنة الرسول
 او سنة الخلفاء الراشدين فلا يختص مطلق السنة بسنة الرسول خلافا للشافعي وقال القاضي ابو زيد غيل
 اندله يبلغ استعمال السلف اطلاق السنة على طريقة العمرين والصحابة لانه كان بعد ابى حنيفة بقرن او
 بقرنين وحكمها ان يطالب المرء باقامتها ويعاقب على تركها لانه لا يغفلوا ما ان تكون طريقة للرسول او طريقة
 للصحابة وكل واحدة من الطريقتين امرنا باحيائها وضيئنا عن اهايتها ما جانا چاہیے کہ سنت میں سنت کے
 معنی طریقے کے ہیں چاہے اچھا ہو یا برا حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحيات نے فرمایا ہے جس نے کوئی عمدہ طریقہ نکالا
 تو اسے اسکا اور قیامت تک جو لوگ اسپر عمل کریں گے انکا ثواب ملے گا اور جس نے کوئی بُرا طریقہ نکالا اسپر اسکا اور قیامت
 تک جو لوگ اسپر عمل کریں گے انکا گناہ ہوگا اور مطلق شرع میں سنت طریقہ دین کو کہتے ہیں خواہ صحابہ کا ہو یا نبی
 صلی اللہ علیہ وسلم کا یا ان تک کہا جاتا ہو کہ یہ رسول کی سنت ہے اور صحابہ کی سنت ہے یہی سنت سنت رسول کی سنت

خاص نہوگی اور اس میں امام شافعی کو اختلاف ہو اور قاضی ابو زبیر نے کہا ہو احتمال ہے کہ امام شافعی کو سلف کے اطلاق سنت کی طریقہ عمر بن و صحابہ پر خبر نہ پہنچی ہو کیونکہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ایک یا دو قرن بعد تھے سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنا مکالمہ کیا جائے اور نہ کرنے پر عتاب ہو کیونکہ وہ یا تو طریقہ رسول ہے یا طریقہ صحابہ اور یہ میں دونوں کا حکم دیا گیا ہے اور اہانت کی ممانعت کی گئی ہو اور علامہ فصیح الدین شرح وقایہ میں لکھتے ہیں السنۃ الطریقۃ المسلموۃ فی الدین بلا وجوب ولا افتراض وفسرہا بعضهم بما واطب مع التبرک اجماعا و ذکر فی المحیط السنۃ سنتان سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سنۃ اصحابہ فسنۃ الرسول ہی الطریقۃ النبی واطب علیہا اکثری الخ و سنۃ الصحابۃ الطریقۃ النبی واطبوا علیہا سنت وہ طریقہ ہر جیسر بلا کسی وجوب و فرضیت کے حکم کے علمد رآہ ہوا اور بعضوں نے اسکی تعریف یہ کی ہے جیسر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موافقت کی ہو اور کبھی اجماعا ترک بھی کر دیا ہو محیط میں ہے کہ سنتیں دو طرح کی ہیں ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دوسری ان کے اصحاب کی سنت آپ کی سنت وہ ہر جیسر آپ نے موافقت فرمائی ہو جیسے فجر کی دو سنتیں اور صحابہ کی سنت وہ ہے جیسر انھوں نے موافقت فرمائی ہو طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں السنۃ عندا الحنفیۃ ما فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ بعدہ قال فی السراج ما فعلہ النبی او واحد من الصحابۃ فان سنۃ اصحابہ امر علیہ السلام باتباعہا بقولہ علیکم بسنتی و سنتہ خلفاء الراشدین و قولہ اصحابی کا لغوم باجماع اقتدیتہ ما ھتدیتہم خفیہ کے نزدیک سنت وہ ہے جسے حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ و التسلیم نے آپ کے بعد آپ کے اصحاب نے کیا ہی سراج و راجح میں ہے کہ سنت وہ ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو یا آپ کے اصحاب میں سے کسی نے کیا ہو کیونکہ حضور روحی فداہ نے یہ سنۃ اصحاب کی اتباع کا حکم دیا ہو آپ فرماتے ہیں تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی ضروری ہو اور حضور روحی فداہ نے فرمایا ہے میرے اصحاب ستاروں کے اند میں جسکی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے علامہ الغزیز بخاری صاحب کشف تحقیق منتخب حسانی میں لکھتے ہیں ذکر ابو ایسر ما حکمہ السنۃ فعوان کل فعل واطب علیہ رسول اللہ علیہ السلام مثل التشرید فی الصلوات والسنن الرواتب یندب الی تحصیلہ ویلام علی ترکہم لم یسیر وکل فعل لم یواظب علیہ بل ترک فی بعض الاحوال کالتطہارۃ لکل صلوۃ و تکرار غسل فی اعضاء الوضوء والترتیب فی الوضوء فانہ یندب الی تحصیلہ ولا یلام علی ترکہ واما التداوی فی رمضان فانہا سنۃ اصحابہ اذ لم یواظب علیہا رسول اللہ بل واطب علیہ الصحابۃ وروی عنہما یندب الی تحصیلہ ویلام علی ترکہا وادوں واطب علیہ الرسول فان سنۃ النبی اقدی من سنۃ الصحابۃ قال ابو ایسر وھذا عندنا من اصحاب

المتأخري يقولون السنة فعل واظب عليه الرسول فاما النقل الذي واظب عليه الصحابة فليس بسنة
وهي على اصلهم فاختم لا يرون اقوال الصحابة حجة فلا يرون افعالهم ايضا سنة وعندنا اقوالهم حجة فيكون
افعالهم سنة وذكر غير ذلك لا خلاف في ان السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين سواء كان للنبي صلى الله
عليه وسلم اول غيره من اعلام الدين ولكن الخلاف في ان اطلاق لفظة السنة يقع على سنة رسول الله او
يختل سنته وسنة غيره على ما عرفت انفع ابو اليسر لما به سنة كاتوبه حكم بوجوه بر فعل جبر بن اكرم صلى الله عليه
وسلم نے مواظبت فرمائی مثلاً نماز میں تشدد کئی تحصیل کی جانب توجہ دلائی جائے گی اور ترک پر ملامت کی جائے گی
اور تھوڑا گناہ بھی ہوگا اور جس فعل پر آپ نے مواظبت نہیں فرمائی بلکہ بعض اوقات ترک کر دیا ہے جیسے ہر نماز کے لیے
طہارت اور اعضائے وضو کو کر دھونا اور وضو میں ترتیب پس لوگوں کو اُسکے کرنے کی ترغیب دیا جائے گی اور نہ
کرنے پر ملامت نہ ہوگی لیکن رمضان کی تراویح تو صیام کی سنت ہے کیونکہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء اسکی
پابندی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ نے پابندی فرمائی ہے اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جسکے کرنے کی ترغیب دیا جائے گی
اور ترک پر ملامت کی جائے گی لیکن سکا مرتبہ اس سے کم ہے جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی
ہے کیونکہ سنت نبی سنت صحابہ سے زیادہ قوی ہے ابو اليسر نے کہا کہ یہ ہمارے نزدیک ہے لیکن امام شافعی کہتے ہیں
کہ سنت ایک نقل ہے جسکی سرور کائنات علیہ التیمۃ والصلوة نے پابندی فرمائی لیکن نقل جسکی صحابہ نے پابندی
فرمائی وہ ان کے قاعدے کے موافق سنت نہیں ہے کیونکہ وہ اقوال صحابہ کو حجت نہیں مانتے پس ان کے فعل
بھی حجت نہیں اور ہم انکے اقوال کو حجت مانتے ہیں تو انکے افعال بھی سنت ہونگے اور دوسرے لوگوں نے
لکھا ہے کہ اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ سنت وہ طریقہ ہے جسپر دین میں پابندی کی جائے خواہ وہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہو یا نہرگان دین میں سے کسی اور کا لیکن اختلاف لفظ سنت کے اطلاق میں ہے کہ آیا
صرف سنت رسول اللہ ہی اس سے مراد ہوتی ہے یا سنت عموماً محلی حال ہوتا ہے جیسا کہ معلوم ہوا اور علامہ ابن کثیر
باشیہ فی شرح موطا میں لکھتے ہیں ان السنة ما واظب علیہ النبی علیہ الصلوۃ والسلام علی وجہ العبادۃ مع الترتیب
فی الجملة هذا هو المشہور فی حداء المسطور فی لکنت فیہ قصور لان ما واظب علیہ الخلفاء الراشدون واولادہم
سنة لا یروی علی ما قال صاحب المہد ایتقی التراویح مالا صحوا فلما سنة لاند واظب علیہ الخلفاء الراشدون
والادلاء علی انہا سنة فلو کہ علیہ السلام علیہ السلام علیہ السلام وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی انہی سنت وہم
جسکی پابندی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واطلاق علماء دینی کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اسکی مشہور تفسیر ہے

کے لیے اور کسے تاکس کے مستحق ملامت ہونے کے لیے کافی ہے فروی البیہقی فی کتاب المعرفة عن المسائب بن زید
 قال کن تقوم فی زمان عمر بن الخطاب و رکعتا الوتر و وی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس تقومون
 فی رمضان فی زمان عمر بن الخطاب و رکعتا الوتر و وی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس تقومون
 و رکعتا الوتر و وی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس تقومون و رکعتا الوتر و وی مالک عن یزید بن رومان
 قال تم خرجت مع یزید بن رومان و انما ارانی لوجعت لک لاهلی قاری و لحد کان مثل فجم علی بن یزید
 زید بن رومان سے روایت کی ہو کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں میں رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے اور مالک نے
 یزید بن رومان سے روایت کی ہو کہ رمضان میں لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیس کتین پڑھتے
 تھے ابہیقی نے منہج سے روایت کی ہو کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیس کتین پڑھا کرتے
 تھے اور ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور ایسا ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور صحابہ
 سنن نے عبد الرحمن سے روایت کی ہو کہ میں رمضان کے مہینے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں
 گیا تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ تفرق کر گئے ہیں کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اور کسی کے پیچھے ایک آدمی پڑھ رہا ہو اور
 کسی کے پیچھے ایک قبیلہ کا قبیلہ پڑھ رہا ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں ان سب کو ایک
 قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو زائد بہتر ہو گا پس آپ نے سب کو اپنی بن کعب کا مقتدی بنا دیا پھر میں دوسری رات
 کو آیا تو میں نے دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قاری کی قرأت پر نماز پڑھ رہے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
 فرمایا کہ یہ بہتر بہتر ہے علامہ رزقانی شرح مولانا کتبہ بن قال ابن عبد البر فیہ ان عمر کان
 لا یصلی معہما الا شغلہ بامور الناس و اما لا یزادہ بنفسہ فی الصلوٰۃ ابن عبد البر نے کہا ہوا میں یہ ہو کہ
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے یا تو اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کے کاموں میں مصروف
 ہوتے تھے یا اس وجہ سے کہ وہ اکیلے پڑھ لیتے تھے۔ اور بعضی فرماتے ہیں کہ فی المظنی عن علی اندامہ رجلا ان
 یصلی بہم فی رمضان بعشرین رکعتا و الوتر مثنیٰ میں ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہو کہ انھوں نے ایک
 آدمی کو حکم دیا کہ رمضان میں آٹھ سو تیس رکعتیں اور وتر پڑھے ان روایتوں سے صاف ظاہر ہو کہ زمانہ خلافت
 ششمین ان حضرات کے اذان اور نغیب اور رمضان سے تیس رکعت تراویح پر ہر ادا متقی ہیں بیان سے دو وقت
 پید ہوئے عشرین رکعتا و اظہر علیہ الخلفاء و لو تشرکوا و صام و کل ما و اظہر علیہ الخلفاء و لو تشرکوا

بیش رکعتیں ایسی ہیں جن پر خلفائے موافقت کی آنکھ مشرّع کر کے یا پھر رضامندی ظاہر کر کے اور جس چیز پر خلفائے موافقت کہیں وہ سنت موکدہ ہو۔ اور ان دونوں کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکلا عشرون رکعت فی التراويح سنة موکدہ ویضم تارک السنة الموکدة معاتب ولام تراویح میں بیش رکعتیں سنت موکدہ اور اسکے ساتھ یہ بھی ملا کہ سنت موکدہ کا تارک معاتب ہے اور اُسے طاعت کی جائے گی نتیجہ یہ نکلا کہ تارک عشرون رکعت معاتب ہیں رکعتوں کا ترک کرنے والا معاتب ہے۔ سوال زید اور بکر جو دونوں علم اور سن میں مساوی ہیں ایک مسجد میں آئے ہر ایک دوسرے سے امامت کرنے کو کہتا ہے اور وہ اپنا عقد پیش کر کے امامت کرنے سے انکار کرتا تھا بالآخر زید نے بکر سے کہا کہ اچھا ہم دونوں الگ الگ نماز پڑھیں بکر نے اس پر راضی ہو کر نماز کی نیت باندھ لی زید نے فوراً اسکی اقتدا کر لی پس دونوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں اصل ایسی اقتدا شرعاً جائز ہی یا نہیں جواب باوجود قابلیت کے امامت کو دوسرے پر ڈھانا مکروہ اور قیامت کی علامتوں میں سے ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعة ان یتدافع اهل المسجد لا یجدون اماما یصلی بهم سر وایا ابو داؤد وغیرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ علامات قیامت میں سے یہ ہو کہ اماموں میں تملّغ ہو اور اہل مسجد کو کوئی امام نہ ملے جسکے ساتھ وہ نماز پڑھیں اسکو ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ زید اور بکر کو امامت کا ایک دوسرے پر ڈھانا جائز نہیں مگر زید کی اقتدا بکر کے ساتھ صحیح ہے اور دونوں کی نماز ہو گئی سوال زید پر بلا بیان کرتا ہے کہ نماز و نذر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے رفع یدین کرنا و تکبیر کرنا جو مرجح ہے ہر دعوت سیکھ ہے کیونکہ حدیث سے ثابت نہیں پس زید کا یہ کہنا صحیح ہی یا نہیں اور در صورت عدم محبت کے صورت مذکورہ میں رفع یدین کرنا اور تکبیر کرنا سنت موکدہ ہی یا واجب یا مستحب جواب قنوت کے وقت تکبیر کرنا اور رفع یدین کرنا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور صاحب ہدایہ نے دلیل رفع یدین میں لکھا ہے لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لا ترفع الا یدای الا فی سبع مواطن تکبیر الاقتداء و تکبیراھنوت و تکبیرا العیدین والاربع فی الحج کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحمیات نے فرمایا ہے کہ ائمہ نہیں اٹھائے جاتے مگر سات مواقع پر تکبیر افتلح میں تکبیر قنوت میں تکبیر عیدین میں اور چار مرتبہ حج میں علامہ ہدایہ برہن عینی شریع ہدایہ میں بعد ذکر تخریج اس حدیث کے لکھے ہیں فانظر الی روایاتھم بل تعدیہا کہ رفع الیدین عنداھنوت و انما یوجدھنا عند اصحابنا فی کتبھم ومنھما المصنف انھ کلامہ

باب صفة الصلوۃ ثم انی روایتوں پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ کیا کوئی حدیث قنوت کے وقت رفع یدین کے بارے میں

انکی ہر البتہ یہ ہمارے اصحاب کے پاس انکی کتابوں میں ملے گی اور انہیں میں سے مصنف بھی ہیں اور بالآخر
 میں لکھتے ہیں قد ذکرنا فی باب الصلوٰۃ انہ لیس فی الحدیث ذکر القنوت فی مارواه البخاری بالبخاری
 والطبرانی واما ذکر تکبیر الافتتاح وقع فی باب صفة الصلوٰۃ من المصنف وهو الغریب بہنو باب الصلوٰۃ
 میں ذکر کیا ہے کہ حدیث میں بخاری اور بزار اور طبرانی کی روایات سے تو قنوت کا ذکر نہیں اور مصنف نے
 جو تکبیر افتتاح کا ذکر وہ باب صفة الصلوٰۃ میں کیا ہے وہ عجیب ہے۔ اور امام عین لکھتے ہیں قولہم بوجوب
 التکبیر قبل قنوت الو ترانی لم اجد له حدیثا مرفوعا فضلا عن ان اجد ما يدل علی استمراره عن النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم ومو قبلہ علیہ حتی یصح القول بوجوبہ منہم ومع هذا اعلیٰ بعدا واظہر علیہ من
 غیر ترک الحسن الظن بالامام الی خفیة وکذا لا اعتقد وجوبہ وقرن الی حقیقة بوجوب رفع الیدین عند
 تکبیر القنوت لم یثبت فی ذلک عندی اتم صحیح عن تابعی جلیل فضلا عن صحابی فضلا عن فضل من حدثنا
 صحیح وحالی خیر کمالی فی التکبیر اعلیٰ یہ فلا اعتقد وجوبہ کل ذلك لا محسن۔ بی مع ابی حنیفة بل ومع
 علماء مذاہبہ قبل قنوت کے وجوب تکبیر کے قائل ہو جائے بغیر مجھے کوئی مرفوع حدیث تک نہیں ملتی چ جائیگا کہ
 حدیث جو استمرار اور مواظبت نبوی پر دلالت کرے تاکہ امیر کا قول وجوب صحیح ہو اور جو اسکے بچر بھی میں اس پر
 عمل اور مواظبت کرتا ہوں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے حسن ظن کی وجہ سے لیکن اسکے وجوب کا اعتقاد نہیں
 رکھتا اور امام ابو حنیفہ رحمہ کے قول وجوب رفع یدین قبل قنوت میں کسی تابعی دلیل القدر سے بھی کوئی اثر نہیں ثابت
 ہو صحابہ کا ذکر تو لہجہ کہی اور حدیث صحیح تو اسکے بھی بعد ہے اور اس میں بھی میرا حال تکبیر قنوت کا ایسا ہی کہ عمل
 تو کرتا ہوں لیکن وجوب کا اعتقاد نہیں رکھتا اور اس سب کی وجہ امام ابو حنیفہ اور ائمہ مذہب کے علماء کے
 ساتھ حسن ظن ہو۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ رفع یدین اور تکبیر صحابہ اور تابعین سے بھی ثابت نہیں حالانکہ امام
 محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں عن ابی حنیفہ عن حماد عن ابراہیم النخعی ان القنوت فی الو تر واجب فی
 شہر رمضان وغیرہ قبل الکرع واذا اردت ان تغتسل فکبر امام ابو حنیفہ نے حماد سے اور انھوں نے امام یحییٰ
 سے روایت کی ہے کہ ماہ رمضان اور دوسرے مہینوں کی و ترون میں قنوت رکوع کے قبل واجب ہوا وجوب
 تم دے قنوت پڑھنے کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو۔ اور غایت البیان میں جو ردی الطحاوی فی شہر رمضان مستند الی
 النخعی قال ترفع الایدی فی سبعة مواطن فی افتتاح الصلوٰۃ وفی التکبیر للقنوت فی الو تر وفی الیدین و
 عند استلام الحجر علی الصفا والمروة وعرفات وعند المقایم عند الحجوتین ذکرہ فی باب رفع الیدین

عند روية البيت حمادى نے شرح آثار میں بھی سے مسند روایت کی جو کہ سات جگہ ہاتھ اٹھا کے جاتے ہیں۔
افتح صلوۃ میں تکبیر قنوت وتر میں عیدین میں ہجر اسود کے چوتھے وقت صفا اور مردہ اور عرفات پر دونوں
مقاموں میں نکلریان مارتے وقت اسکو باب رفع الیدین عند روية البيت میں ذکر کیا ہو اور عینی شرح بدایہ
میں لکھتے ہیں نقل عن المزنی انه قال زاد ابو حنیفہ تکبیرۃ فی القنوت لم یثبت فی السنۃ ولا فی القیاس
وقال ابو نصر لا قطع هذا اخطاء منه فان ذلك روى عن علی وابن عمر والبراء بن عازب والقیاس یعدل
علیہ ایضا وقال ابن قدامہ فی المغنی روى عن حمزہ انه کان اذا فرغ من القراءة فی الوتر کبر فی نے کہا ہے
کہ تکبیر قنوت کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نافذ کیا ہے نہ سنت اسپر ولات کرتی ہو نہ قیاس سے یہ ثابت ہو اور ابو نصر
اقطع نے کہا ہے کہ یہ مرفی کی غلطی ہو کیونکہ روایات حضرت علی ابن عمر وبراہن عازب کے موجود ہیں اور قیاس
بھی اسپر ولات کرتا ہے اور ابن قدامہ نے معنی میں کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ قرأت
سے فارغ ہوتے تو تکبیر فرماتے۔ اور ابراہیم حلی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں رفع تکبیر القنوت مرفی
عن عمر وعلی وابن مسعود وابن عباس وابن عمر والبراء بن عازب ذکرہ الاثم والبیہقی فی سننہ
الکبری رفع تکبیر قنوت کی روایت حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس اور حضرت
ابن عمر اور حضرت براہن عازب رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہے جو اسکا فہم اور بیہقی نے اپنی کتاب سنت کبری میں
لکھا ہے۔ الحاصل یہ کہ پرین اور تکبیر وقت قنوت اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر جبکہ بعض
صحابہ اور بعض تابعین سے اسکا ثبوت ابن قدامہ اور عینی اور حلی وغیرہ کی تحریر و ن کے موافق ہوا تو یہ امور
پرعت سیئہ کیونکہ چون کے البتہ وجوب تکبیر و رفع یدین کا ثبوت جیسا کہ علماء وغنیہ لکھتے ہیں البتہ مشکل ہے
کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہو غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ اگر بہ نیت اقتداء سے صحابہ و تابعین کے تکبیر کے اور
رفع یدین کے تو ثواب پایگا اور اگر نہ رس تو معاتب نہوگا سوال کیا عیدین کے بعد چار رکعت نماز مکنا پر
آکے اسطرح پڑھنا چاہیے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ یٰسین وانشتمس وقرسی میں
واضحی اور چوتھی میں قل ہو اللہ ربی اسکو ابن جوزی نے سلمان فارسی سے مرفوعا کتاب النور میں ذکر کیا
ہو اور خطاطی سعودیہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص چار رکعت عیدین میں عید گاہ سے واپس آکر سورۃ
اعلیٰ وانشتمس اور لیل اور غم کے ساتھ اور ایک روایت کے موافق چوتھی رکعت میں تین بار سورۃ اخلاص
کے ساتھ پڑھے اسکو تمام روپیہ کی مال کے برابر ثواب دیا جائیگا یہ فتاح العلونہ میں ہے جواب جو حدیث

مفتاح الصلوة سے نقل ہوئی اور وہ موضوع ہو اور قاضی شوکانی فوائد مجموعہ میں لکھتے ہیں حدیث من صلی یوم
 الفطر بعد ما یصل عیداً اربع رکعات یکب فی کل رکعة یفاتیحہ الکتاب وسبح اسمہ فی المائتة والشمس وفی
 الثالثة والضحیٰ فی الرابعة قل هو الله احد فکانا قرأ کل کتاب اتروہ الله علی انبیاءہ الخ وهو موضوع جس
 شخص نے یوم فطر کو عید کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی اور پہلی رکعت میں سبح
 اور دوسری میں والشمس و تیسری میں والضحیٰ اور چوتھی میں قل ہو الله پڑھی تو گویا اس نے وہ سب کتابیں
 پڑھ لیں جنکو خدا نے اپنے انبیاء پر نازل کیا ہے الخ اور یہ حدیث موضوع ہو۔ اور صاحب رسالہ فضل ایامہ شعبان
 نے لکھا ہے حدیث من صلی یوم الفطر بعد ما یصل اربع رکعات و ذکر لہا ثوابا عظیما فی مسندہ جماعة
 لا یعرفون بل لا یصل ذکرہ فی الکتاب کما قال ابن حبان بل ترجی لسیوطی فی ما نہ الدنای وضعہ من صلی
 یوم الفطر بعد ما یصل اربع رکعات والی حدیث اور انس مہملی کے یہے ثواب عظیم کا ذکر ایک غیر معروف عہد
 نے اپنی مسند میں کیا ہوا سکا ذکر کتابوں میں نادرست ہے جیسا کہ ابن حبان نے کہا ہے بلکہ سیوطی کا خیال ہے
 ہو کہ اس حدیث کا واضع وہی ہے جبکہ اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہو گیا تو اسکا غیر مسنون ہونا بھی
 ضروری ہوا اور جو کتب صحیح ستہ میں ہے یہ جو عن ابن عباس ان رسول الله خرج فی یوم عید فخط
 بھم الیہ لیسئل قبلہا ولا بعدھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
 وسلم عید کے دن تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے اس کے قبل یا اس کے بعد کوئی
 نماز نہیں پڑھی اور ابن ماجہ کی روایت سے عید کی نماز کے بعد بلا قید سورہ دو رکعتیں ثابت ہوتی ہیں عن
 ابی سعید قال کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا یصل قبل العید شیئاً فاذا رجع الی منزلہ صلی
 دو رکعتیں اور ابی سعید سے روایت ہے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نماز عید کے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے
 اور جب گھر واپس تشریف لاتے تو دو رکعتیں ادا فرماتے۔ واللہ اعلم حررہ الراحمی عفو ربہ القوی ابو سنان
 محمد عبدالحی تاج وزادہ عن ذنبہ الجلی والضحیٰ ابو الحسنات محمد عبدالحی الجواب صلی منقہ خادم اولیا اللہ الکریم محمد تاج
 عفوہ اللہ الرحیم ابن مولانا علی محمد ارحم۔ نماز ہذا دونوں عیدوں میں مستحب ہے مطابق عبارت مذکورہ تصحیح
 اور اس عبارت کثر العباد فی خرج الادراہ کے قال لجمۃ احدک الصلواء والعباد لیسئلون فی الصلوة
 بعد صلوة العید اربع رکعات وتلك بالا متاوعندی عن سلمان الفارسی عن رسول الله صلی اللہ
 علیہ وسلم من صلی اربع رکعات یوم الفطر والاضحیٰ بعد ما یصل الامام صلوة العید یقرأ فی اول

الركعة سجود اسم ربك الاعلى يعني بعد الفاتحة فقاموا قائلين كتابا نزل الله على نبيه صلى الله عليه وسلم وفي الركعة الثانية والشمس وضحاها فله من الثواب مثل ما طلعت الشمس من مطلعها الى مغربها وفي الركعة الثالثة والغضبي فله من الثواب كما انما اشجع جميع اليتامى واراد لهم وادعاهم والبسمه ثانيا بافظيفا وفي الركعة الرابعة قل هو الله احد غفر الله له ذنوبه خمسين سنة مقبلة وخمسين سنة مدبرة حجت في انما هو كمين في نصليا وعباد كوميصل برصولة عید کے بعد چار رکعتیں پڑھتے دیکھا ہوا اور یہ حدیث میرے نزدیک باسناد صحیح سلمان فارسی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جس نے چار رکعتیں عید فطر و عید اضحیٰ کے دن نماز عید کے بعد پڑھیں اور پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سج اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تو گویا اس نے وہ سب کتابیں پڑھ لیں جو خدا نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہین اور دوسری رکعت میں والشمس وضحاہ پڑھی تو اسے اتنا ثواب ملیگا جتنا کہ آفتاب اپنے مطلع سے مغرب تک طلوع ہوتا ہو اور تیسری رکعت میں والضحیٰ پڑھی تو گویا اس نے یتامی کے پیٹ بھر دیے اور ان کے تیل دگایا اور انھیں عید کی طرح پہنائے اور چوتھی رکعت میں قل ہوا صد پڑھی تو خدا اس کے پچاس برس کے اگلے اور پچاس برس کے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔ لیکن صاحب فوائد مجموعہ عاصی حدیث کو موضوع لکھتے ہیں البتہ ابن ماجہ کی روایت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز کے بعد مکان و گاہ اگر دو رکعتیں بلا قید سورہ پڑھی ہین اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے المستحب ان یصلیٰ اربعاً بعد الركوع الی منزلہ کذا فی الاواد انھیں مستحب ہے ہو کہ گھر پر لوٹ آنے کے بعد چار رکعتیں پڑھے ایسا ہی زاد میں ہے اور جامع الرموز میں ہو کالان مشائخنا قالوا المستحب ان یصلیٰ اربعاً فی بیتہ کیلا یظن ظان انہ سنتہ کما فی المعمرات سیکرہ ہا کہ مشائخ کہتے ہیں کہ گھر میں چار رکعتیں پڑھے تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ وہ سنت ہیں جیسا کہ منہجرات میں ہو واسطہ عظیم حررہ ابو الایما محمد نعیم غفرلہ اللہ العلیٰ الرب الیکرم مترجم کہتا ہے میں نے اپنے پران سلسلہ کو دیکھا ہو کہ وہ یہ چار رکعتیں مسجد سے واپس آکر مکان میں پڑھتے اور اس کے مستحب ہونے کے قائل تھے مگر اس کثیر نقاب ذکر نہیں کرتے تھے اور حضرت سلمان فارسی کے قول سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز مصلیٰ میں پڑھنے کا حکم دیا ہو یا مکان پر پس اس نماز کا مکان ہی میں پڑھنا اس سے بہتر ہو کہ عید گاہ میں پڑھی جائے کیونکہ عید گاہ میں پڑھنے سے لوگ یہ ضرور سمجھیں گے کہ یہ نماز مسنون ہو و اللہ اعلم المستحسن سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عید نماز عیدین کے دعا مانگتے تھے یا بعد خطبہ کے اور کھڑے ہو کر مانگتے تھے یا بیٹھ کر اور اتھاٹھا کر مانگتے تھے یا

بے ہاتھ اٹھائے ہوئے جواب دہ روایات حدیث سے اس بقدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں
 سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے اور ان کے بعد دعا و نیت فرماتے تھے اور بعد نماز یا بعد خطبے کے دعا مانگنا آپ سے
 نہایت تسنن اور اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اسکا ثبوت فطر سے نہیں گذرا۔ سوال عورت کی آواز
 نماز میں ستر ہے یا نہیں اور نماز میں عورت کو سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے یا سیدہ زینب کے نیچے بھی اور عورت کو
 قعدہ اونی اور جلسہ اخیرہ مثل مرد کے سنت ہے یا تو رک اور عورت کو سجدہ میں اعضا کا کشادہ رکھنا مثل مرد کے
 سنت ہے یا بالکس اور اگر عورت نے قعدہ میں دونوں طہیثے مثل مرد کے کیے اور تو رک نہ کیا اور سجدہ میں مرد کی طرح
 اعضا کو پھیلائے رکھا پس ترک سنت کیا یا اسکے نماز فاسد ہوئی اور اگر عورتیں جمع ہو کر عورت ہی کو امام کر کے
 نماز پڑھنا چاہیں تو امام کہاں پر چڑھنا چاہیے اور یہ جماعت جائز ہے یا مکروہ صحابہ میں سے کسی نے عورتوں کو جمع کر کے
 خود امامت کی ہے یا نہیں حدیث مرسیل بوداؤ کی مروی ہے یا نہیں جواب عورت کی آواز کے ستر پڑھنے
 میں فقہاء اختلاف ہے صاحب محیط اور صاحب کافی اور قاضی خان نے اسکی تصریح کی ہے کہ صوت المرأة
 عورة عورت کی آواز ستر ہے اور عورت کی آواز ان کے عدم جواز کو سند میں پیش کیا ہے اور صاحب بحر اور اشباہ
 اور صاحب نہر اور درمختار نے کہا ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے اور نواز لیل بو الیث میں یہ نعمۃ المرأة
 عورة عورت کا نعمہ ستر ہے اور صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں وعلى هذا فلی قبل بانھا اذا جهرت بالقراءة في
 الصلوة فسدت صلواتها کان مستقباً وراس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ جب نماز میں وہ قرات جہر کرے
 تو اسکی نماز فاسد ہوگی۔ اور حق اس باب میں یہ ہے کہ مطلق عورت کی آواز ستر نہیں ہے البتہ رفع صوت
 مع بلندی آواز وغیرہ ستر ہے شریعتی مرقی الفلاح شرح نور الایضاح میں لکھتے ہیں تقدم فی الاذان ان یقلع
 عورة ولیس المراد جهر کلامها بل ما یحصل من تلینہ و تمطیطہ ولا یصل له سماعها باب اذان سے معلوم ہو چکا
 ہے کہ عورت کی آواز ستر ہے اس سے محض آواز مطلب نہیں ہے بلکہ آواز کے باریک کرنے اور گھٹانے پر سماع
 سے جو حالت حاصل ہو اور مرد کو اسکا سننا جائز نہیں ہے۔ اور ابو الیاس قرطبی کتاب السماع میں لکھتے ہیں
 لا یظن من لا فطنة عنده ان اذا قلنا صوت المرأة عورة انما نريد بذلك كلامها لان ذلك ليس بصحيح فانا بخير
 الکلام مع الا جانب ومما ورث عن عند المجتالی ذلك ولا یغیر لکن رفع صوتهن ولا تمطیطها ولا تقطعها
 صافی فذلك من استماله الرجال لیس من تحریک الشهوات ومن هذا المیزان توذن المرأة تأخیر لوگون
 کو یہ شہد ہو کہ ہننے جو کہا ہے کہ عورت کی آواز ستر ہے تو اس سے مراد گھٹا ہونے کیونکہ صحیح نہیں ہے ہمارے نزدیک

ضرورت کے وقت اختیار کے پاس جانا اور ان سے باتیں کرنا جائز ہو البتہ آواز کے بڑھانے گھٹانے اور اسے پیسے اور سر پر لانا ممنوع ہو کیونکہ اس صورت میں مردوں کی طبیعتیں ان کی طرف مائل ہونگی اور قوت شہوانیہ کو ہیجان ہوگا اسی لیے عورت کا اذان دینا جائز نہیں ہو۔ اور اکثر خفیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہو۔ مگر کوئی معتد بہ دلیل کراہت پر مبنی نہیں جاتی اور جو دلیلین فقہائے کراہت پر قائم کی ہیں وہ محدثین چنانچہ فتح القدیر اور بنایہ شرح ہدایہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے اور اخبار و آثار سے اس جماعت کی مشروعیت ثابت ہو جس میں عورتیں ہی عورتیں ہوں سنن ابوداؤد کی طویل حدیث میں ہے وکانت ای ام ورقۃ قد قرأت القرآن فاستاذنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تغتسل فی دارہا مودنا فاذا نزلھا وادھرھا ان تقوم اهل دارھا اور ام ورقہ نے قرآن شریف پڑھا تھا اسی لیے انھوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں ایک مودن مقرر کرنے کی اجازت چاہی پس آپ نے اجازت دی اور حکم فرمایا کہ تم اپنے گھر والوں کی امامت کیا کرو۔ اور محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں لکھا ہے اخبرنا ابو حنیفۃ ناخذ عن ابراہیم عن عائشۃ انھا کانت تقوم النساء فی شہر رمضان فتقوم وسطھن خبری بہ کو امام ابو حنیفہ نے لکھا ہے بروایت ابراہیم کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں اور ابن حجر عسقلانی تحریر حج احادیث شرح رافعی میں لکھتے ہیں اخبرنا ابن ابی شیبۃ ناخذ عن طریق ابن ابی ملی عن عطاء عن عائشۃ انھا کانت تقوم النساء فتقوم معہن فی نصف و اخرھا انھا و ابن ابی شیبۃ وعبد الرزاق عن ام سلمۃ انھا امت النساء فقامت وسطھن ابن ابی شیبۃ و حاکم نے بسند حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتی تھیں اور شافعی اور ابن ابی شیبہ و عبد الرزاق نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عورتوں کی امامت کی اور وسط میں کھڑی ہوتی تھیں اور دستدرک حاکم میں مروی ہے ان عائشۃ کانت تقوم و تقیم و تقوم النساء فتقوم وسطھن حضرت عائشہ اذان دیتیں اور قامت کتیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور وسط میں کھڑی ہوتی تھیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو عورت عورتوں کی امام ہو تو بیچ میں کھڑی ہو مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عورت امام ہو سکتی ہو تو اسکو قراۃ اور تکبیر بالجہر بھی کرنا مشروع ہو کیونکہ بغیر اسکے اقتداء نہیں ہو سکتی اور عورتوں کی آواز اگرچہ بعضوں کے نزدیک مستر ہو لیکن وہ مردوں کے حق میں ہے نہ عورتوں کے حق میں اولہ نماز میں عورتوں کو سینے پر ہاتھ باندھنا

مسنون ہو چکا ہے کہ سنی فورا اگر امین لکھتے ہیں لما تبین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثبت عند الامام
وضع الیدین علی صدر روضۃ السرة وكذلك النساء والتابعین وجميعوا علی وسعها واکمل فی
احمال النبی صلی اللہ علیہ وسلم التقید والتعلیم والموافقۃ بین الرجال والنساء الا فیما استثنیت وروی
ابوداؤد فی مراسیل عن یزید بن ابی جبیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی صرأتین تصلیان
فقال اذا سجدا فافضا بعض العمل الی الارض فان المرأة لیست فی ذلك كالرجل قال البیهقی هو احسن من
موصولین فی هذا الباب ومنتزعا من المجتہدین منہ ان امرءة یضم الخمر لکون استرلین مع اختیامہما علیا
فی حق الرجل لوضع ثقت السرة وحق المرأة لوضع علی صدرہ لانه استرلھا جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضور
سردار نبی علیہ التیمۃ والاشائے ہاتھ کا سینہ پر اور زیناف رکھنا دونوں ثابت ہیں اور ایسا ہی صحابہ و تابعین
سے مروی ہے اور ان سب کا اسکی عویت پر اجماع تھا اور افعال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل غرض عبادت
اور تعلیم ہے اور مردوں اور عورتوں کے احکام چند مستثنیٰ چیزوں کے سوا اور سب میں ایک ہی ہیں اور مراسیل
ابی داؤد میں یزید بن جبیب سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ التیمۃ والصلوات کا گذر دو عورتوں پر
ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں پس گاہے اُن سے کہا کہ تم جب سجدہ کرو تو اپنے گوشہ کے بعض حصے کو زمین سے ملاؤ
یہی بقی نے کہا ہے کہ یہ مرسل حدیث اس باب کی دو موصول حدیثوں سے زائد بہتر ہے اور مجتہدین نے اُس سے
یہ اخذ کیا ہے کہ آپ کا یہ حکم اسی لیے تھا کہ ایسی صورت عورتوں کے لیے زائد ساری ہے اور ہمارے علما کو نزدیک
مرد کو ہاتھ ان کے نیچے اور عورت کو سینے پر باندھنا چاہیے کیونکہ یہ صورت عورت کے لیے زائد ساری ہے اور حافظ
ابن حجر مخرج احادیث را فیہن لکھتے ہیں روی ابو داؤد فی المراسیل عن یزید بن جبیب انہ صلی اللہ
علیہ وسلم مر علی صرأتین تصلیان فقال ان سجدا فافضا بعض العمل الی الارض فان المرأة فی ذلك لیست
کالرجل ورواہ البیهقی من طریقین موصولین لکن فی کل منہما متروک مراسیل ابو داؤد میں یزید بن جبیب
سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر دو عورتوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ
جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشہ کے بعض حصے کو زمین سے ملاؤ کیونکہ اصل معاملہ بین عورت اور مرد کا حکم ایک نہیں
ہے بقی نے اسکو دو موصول طریقوں سے روایت کیا ہے کہ ان دونوں میں متروک و گہرین اور شمس الدین بخاری
نے فتح البغیہ میں لکھا ابو المرسل بالسند حسن و صحیح و لا یخفی علیہما الخیر عند معارفہ و خیر البیہقی
الاطریق سند و یا یكون السند حنا فیرقی المرسل و لکن هذا الخلق انما کان المستند بغير حنا

للجمیۃ اما اذا كان مما يقتصر الى اعتضاد فلا اذ كل منهما اعتضد بالآخر وصار به حجة قال شيخنا رحمه فيكون اعتضاده
 بهذا المسند كاعتضاده بمسئل اخر لا شتر اكلهما في عدم الصلاحية للجمیۃ ولكن قد اوجب بان الفتوة انما حصلت
 من حياة الاجتماع اذا انضم امام احدهما الى الآخر قوی الظن بان له اصلا مرسل کو مسند سے قوت حاصل ہوتی ہے
 اور وہ ایک مستقل دلیل ہوتی ہو اور صرف مسند حدیث کے مقابلہ میں اسے ترجیح ہو اور بعض وقت حدیث مسند حسن
 ہوتی ہو تو اسکی وجہ سے حدیث اصل کا مرتبہ بڑھ جاتا ہو مگر یہ اس وقت جبکہ حدیث مسند تنہا حجت ہو سکتی ہو ورنہ اگر اس سے
 خود دوسری کی احتیاج ہو تو نہیں کیونکہ اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک دوسری کی مدد پر حجت ہونے کی
 صلاحیت رکھتی ہو یہاں شیخ نے کہا ہے کہ ایسی حالت میں حدیث مرسل کو اس حدیث سے ویسی تقویت ہوگی جیسی
 کسی دوسری مرسل حدیث سے ہوتی ہو کیونکہ دونوں حدیثیں حجت نہ ہو سکتی ہیں مشترک ہیں لیکن بعض نے
 اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تقویت دونوں کے اجتماع سے حاصل ہو جائے گی کیونکہ جب ایک سے دوسری حدیثیں تو یہ
 خیال ہو گا کہ اسکی کچھ نہ کچھ اصل ہو اور عورت کو قعدہ میں تو رک مسنون اور اگر مرد کے مثل قعدہ کیا تو بھی ناجائز ہو جائیگی
 خصم فلک لکھے ہیں ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر انہ سئل کیف کان النساء یصلین علی عمرہ رسول اللہ قال کن
 بقرن ثم امھن ان یحفظن امام ابو حنیفہ نافع سے وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ راتہ نبوی
 میں عورتیں نماز میں کس طرح بیٹھتی تھیں تو آپ نے کہا پہلے چڑھاؤ بیٹھتی تھیں پھر اپنے احتراز اعضا کو ملانا کا حکم دیا۔
 اور صحیح بخاری میں ہے کہ ان کا ام الدرداء عجلت فی صلوٰۃھا جلسۃ الرجل وکانت فقیہۃ ام دردا ورا نماز میں مردوں کی طرح
 بیٹھتی تھیں حالانکہ وہ فقیہہ تھیں اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں ان کا ام الدرداء جلسۃ علی ایہما الیسری لان
 مراعاة الستر لھا اولی وکانت ام الدرداء عجلت جلسۃ الرجل وھو قول النخعی وھذا کانت صفیۃ و النساء ابن عمر
 عجلت متردبات لان ذلک استر لھن اگر کوئی عورت بغرض ستر اپنی بائیں پنڈلی پر بیٹھی تو یہ اسکی لیے زائد اچھا ہو اور
 ام دردا مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور عینی شرح کا قول ہے اور صفیہ و ابن عمر کی بیبیاں چڑھاؤ بیٹھتی تھیں کیونکہ عورت
 زائد ستر بھی سوال ان مسائل میں علماء دین کیا فرماتے ہیں (۱) محراب میں امام کا قیام کرنا جس طرح کتب فقہ
 میں لکھا ہو سنت ہے یا مستحب یا مباح (۲) ایک مسجد میں کئی محراب بنانا جائز ہے یا نہیں اور محرابوں کے بنانے کی ابتدا
 زائد نبوی میں ہونی یا زائد خلفا میں تا مار خانیا وجامع الرمزا و صلوٰۃ مسعودی اور در مختار اور عالمگیری وغیرہ میں ہے
 کہ محرابوں کا بنانا صحابہ اور تابعین سے صادر ہوا ہے اور جذب القلوب اور سفر السعادت میں ہے کہ زائد نبوی میں محراب بنانا
 صحیح اور فتح القدیر اور کبیری میں ہے زائد نبوی فی المساجد المحادیب من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ولولہ تبیین کان المستان یقدم فی محاذات ذلك المكان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مساجد
 میں محراب بنائی جاتی تھیں اگرچہ اسکی تصریح نہیں ہو لیکن سنت یہ ہو کہ اُس جگہ کے محاذات میں کھڑا ہوا اور دلالت
 میں فوق بیت کے تحت میں لکھا ہے اسی وضع اعد اللسن والوافل بان یخذ لمحراب وینظف ویطیب کما امر بہ
 صلی اللہ علیہ وسلم فہذا مندوب جو طریقہ سنن و نوافل کے لیے مقرر کیا گیا باین طور کہ محراب بنائی جائے اور صفائی
 اور پاکیزگی کا خیال رکھا جائے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے سو یہ مستحسن ہے اور غرائب میں ہو وہ بہ
 امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ لیتخذوا فی منازلہم محرابا لصلواتہم اور اسکا حضور سرور کائنات حلیہ فضل
 الصلوٰۃ واکمل التیمات نے اپنے اصحاب کو حکم دیا ہو کہ وہ نماز کے لیے اپنے مکانات میں محراب بنالیں۔ پس محقق ان
 اقوال میں کیا ہو جو اب محرابوں میں فقہاء کی عبارتیں مختلف ہیں بعض اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انکا وجود
 نبوی میں تھا اور بعض اس پر دلالت کرتی ہیں کہ محرابوں کی بنا محدث ہو اور جو کچھ کتاب حدیث سے ظاہر ہوتا ہو یہ ہو
 کہ جب طرح اب محراب میں بنتی ہیں یوں زمانہ نبوی میں نہ تھیں بلکہ انکی اصل نصاری سے ہو اور حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہوا اس قطع کی محرابین تابعین کے زمانے میں حادث ہوئیں اور ایک جماعت صحابہ
 نے اسکی مخالفت کی علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر در مشور میں زیر آیہ کریمہ فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی
 المحراب تحریر فرماتے ہیں اخرج الطبرانی والبیہقی فی سننہ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تقوا ہذا
 المذابح یعنی المذابیح و اخرج ابن ابی شیبہ فی المصنف عن موسی الجعفی قال قال رسول اللہ لا تزال امتی بخیر
 ما لم یخذوا فی مساجدہم ہذا اخرج النصارى و اخرج ابن ابی شیبہ فی المصنف عن ابی مسعود قال تقوا
 ہذا المذابیح و اخرج ابن ابی شیبہ عن عید بن ابی الجعد قال کان اصحاب محمد یقولون ان من اشراط
 الساعة ان یخذ المذابح فی المسجد یعنی الطاقات و اخرج ابن ابی شیبہ عن ابی ذر قال ان من اشراط الساعة
 ان یخذ المذابح فی المساجد و اخرج عن کعب انہ کثر المذبح فی المسجد طبرانی اور بیہقی نے اپنے سنن میں ابن عمر
 سے نقل کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ان مذبحوں یعنی محرابوں سے بچو اور مصنف ابن ابی شیبہ
 میں موسیٰ ہنسی سے مروی ہو کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ نے فرمایا ہو میری امت جب تک اپنی مسجدوں
 میں نصاری کے مذبحوں کی طرح مزج نہ بنائے گی اچھی رہے گی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابی مسعود سے مروی ہے کہ
 حضور سرور انبیاء علیہ التیمتہ و النسا نے فرمایا ہو ان محرابوں سے بچو اور ابن ابی شیبہ نے عید بن ابی الجعد سے روایت
 کی ہے کہ صحابہ فرماتے تھے آثار قیامت سے یہ ہو کہ مسجد میں مذبح یعنی طاق بنائے جائیں اور ابن ابی شیبہ نے ابی ذر

روایت کی ہے کہ آثار قیامت سے یہ ہو کہ مسجدوں میں بیچ بنائے جائیں اور کعبہ سرمدی ہے کہ مسجد میں بیچ کا بنانا مکروہ ہے اور سیوطی کتاب الوسائل میں لکھتے ہیں۔ اول من احدث المحراب المجوف عصر بن عبد الغنی بن حنین بنی المسجد النبوی ذکروہ الواقدی عن محمد بن ہلال پہلے وہ شخص جنھوں نے حریف دار محراب بنائی عمر بن عبد الغنی بنی جبکہ انھوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کرائی اسکو واقدی نے محمد بن ہلال سے نقل کیا ہے اور بھی سیوطی نے اعلام التراب میں لکھا ہے ان تو ما خفی علیہم کوں المحراب فی المساجد بدعتہ وظنوا انہ کان فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زمانہ ولعلہ یکن قسطنطین زمانہ وہاں فی زمان الخلفاء فمن بعدہم الی المائۃ الاولی واما حداثۃ فی اول المائۃ الثانیۃ مع ورود الحدیث بالنہی عن اتخاذہ وانه من شان الکناش وان اتخاذہ فی المسجد من اشراط المساقب کچھ لوگوں کو مسجد میں محراب کے بہت ہونے کا علم نہیں ہوا اور انکا خیال ہے کہ زائد نبوی میں مسجد نبوی میں محراب تھی حالانکہ حضور کے زمانے میں ہرگز محراب نہ تھی اور نہ خلفائے زمانے میں تھی اور نہ اُن کے بعد پہلی صدی میں یہ دوسری صدی کے شروع میں ایجاد ہوئی ہو حالانکہ اس سے ممانعت کی حدیث موجود ہے اور یہ گرجن کا طریقہ ہے اور اُس کا مسجد میں ہونا علامات قیامت سے ہے۔ پس سیوطی نے اس رسالہ میں اخبار اور آثار کا ذکر مع سند کیا ہے مگر اُن کے وہ اخبار میں جو در مشہور سے منقول ہیں اور منجملہ اُن کے یہ قول بن سعد کا ہے انما کانت المحاریب للکناش فلا تشبہوا باهل الکتاب یعنی انہ کوۃ الصلوٰۃ فی الطاق اخرجه البزار فی مسنده بوجہا ثقات محرابین وہ ہیں جو گرجن میں ہوا کرتی ہیں۔ تم اہل کتاب کی مشابہت نہ کرو لینے طاق میں نماز مکروہ ہے اسکو بزار نے اپنی مسند میں ثقہ لوگوں سے نقل کیا ہے پس متعدد محرابین بنانا بدرجہ اولی ناجائز ہے اور جب حریم شریفین میں متعدد محرابین بنائی گئیں تو اس زمانے کے علمائے متبع کیا مگر بادشاہوں نے اُن کی نہ منی مالا بقرآگاہ ایقاظ النیام میں لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے سیلف صالح میں جماعت کی نگرار اور محرابین بنانا تھا اور یہ کرا جماعت حوادث زمانہ سے ہوا اور سنہ ہجری میں یہ محرابین مکہ معظمہ میں طرحت ہوئی یہ جماعت ثانیہ کا احداث مکہ معظمہ میں سنہ ۳۱۸ ہجری میں ہوا اور محراب ثانی کا احداث سنہ ۳۱۸ میں ہوا اتنی جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ تعدد محاریب بلکہ نفس احداث محراب عصر نبوی و عصر صحابہ میں تھا پس ضروری ہوا کہ اس میں قیام سنت نہ ہو گا اسی لیے اکثر فقہاء اسکو لفظ لا باس بہ سے یاد کرتے ہیں لینے اسکا ترک کرنا اولیٰ ہو البتہ صفت پر امام کا تقدم اور اسکا ممتاز ہونا سنت ہے جو احادیث مرفوعہ وغیرہ سے ثابت ہے سوال علمائے دین ان مسائل میں کیا فرماتے ہیں۔ اسورہ صا کا مسجدہ شافعیہ کے نزدیک واجب ہے یا نہیں اور انکو نزدیک مسجدہ مالکیت نماز میں درست ہے یا نہیں انہی میں اگر امام شافعی ہو اور مقتدی خفی تو سپر صا کا مسجدہ جب

ہوگا یا نہیں اور اگر مقتدی پر واجب ہوگا تو وہ اُسے حالت نماز میں یا خارج نماز میں ادا کر سکتا ہو یا نہیں اور اگر
 ادا نہیں کر سکتا تو اُس کے ذمہ سے ساقط ہو جانا ہے یا باقی رہتا ہے اور حالت اقتدا میں اگر من رکوع و سجود صلوٰۃ میں
 نیت کرے تو ادا ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ تراویح میں اگر امام شافعی ہو تو اس لیے کہ صاۃ کا سجدہ اچھی طرح ادا کر لیا جائے
 اگر ایک ترویج کا امام خفی شخص ہو جائے اور سجدہ صاۃ کا رکوع پڑھنے کے سجدہ کرے اور شافعی اسکی اقتدا کرے تو جائز
 ہو یا نہیں اور نقد امام سے تراویح میں کچھ غلط ہو تو ہے یا نہیں اور ایک ترویج میں خفی کے امام ہونے سے شافعیہ
 کی تحقیر لازم آتی ہے یا نہیں جواب سلسلہ صاۃ کا سجدہ شافعیہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ خارج نماز میں مستحب
 ہو اور حالت نماز میں حرام بلکہ مفسد صلوٰۃ ہو بشرطیکہ سجدہ کرنے والا حکم حرمت سے واقف ہو اور پھر عمدًا سجدہ کرے
 علامہ عسقلانی شافعی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں مستحب السجود بقص فی غیر الصلوٰۃ و یجوز فیہا
 فان سجد فیہا عداۃا عالمہا بقیہا بطلت صلوٰۃ یجوز ان ما اذا سجد حاسحوا و جہلا لعدۃ سورۃ صاۃ کا سجدہ غیر نماز
 میں مستحب اور نماز میں حرام ہو پس اگر کسی نے اسکی حرمت سے واقف ہوئے پر بھی نماز میں سجدہ کیا تو اسکی نماز باطل
 ہو جائیگی اور اگر کسی ناواقف نے سجدہ کر لیا تو اسکی نماز عذر کے وجہ سے باطل نہ ہوگی بلکہ وجوب سجدہ تلاوت کے تین
 سبب میں جیسا کہ فقہیہ المستملیٰ میں ہے یجب علی التالیٰ و علی السامع و علی الموم تلاوة امامہ وان لم یسمعہا لوجوب
 المتابعة علیہ تلاوت کرنے والے اور سننے والے اور مقتدی پر اگرچہ اُس نے نہ آیت سجدہ نہ سنی ہو سجدہ متابعت نام کی وجہ
 سے واجب ہوتا ہے اور وجوب سجدہ میں بوجہ سماع کے مذہب سماع کا مقبرہ چونکہ مذہب تلی کا جیسا کہ بحر الرائق میں
 ہو فی التحدیس التالیٰ او السامع ینظر کل واحد منہما الی اعتقاد نفسہ کا سجدہ الثانیۃ فی سورۃ الحجۃ لیس موضع
 السجدۃ عندنا و عندنا لیشافی ہو موضع السجدۃ لان السامع لیس بتابع للتالیٰ تفضیفا حتی یلزمہ العمل برأۃ لانه
 لا شرکۃ مینہما تھنئیں میں ہو کہ پڑھنے والا اور سننے والا دونوں اپنے اعتقاد پر نظر کر کے عمل کریں جیسا کہ سورہ حج کے
 دوسرے سجدے میں جو ہمارے نزدیک محل سجدہ نہیں ہو اور امام شافعی کے نزدیک ہے کیونکہ سننے والا پڑھنے والا کا
 تابع نہیں ہو یہاں تک کہ اُسے پڑھنے والے کی رائے کی اتباع ضروری ہو کیونکہ ان دونوں میں شرکت نہیں ہے بناء
 علیہ جب مقتدی خفی نے نیت سجدہ صاۃ کی امام شافعی سے سنی سجدہ اُس پر واجب ہو گیا نہ امام پر جیسا کہ حج کے
 سجدہ ثانیہ میں امام بالکس ہو لیکن اس واجب کے مقتدی کے ادا کرنے کے کوئی صورت نہیں ہو نہ نماز میں اور نہ خارج
 نماز میں لیکن نماز میں پس اسوجہ سے کہ مخالفت لازم آتی ہو اور مقتدی کو امام کی متابعت ضروری ہو اسی وجہ سے جب
 امام خفی ہو اور وہ باوجود وجوب سجدہ کے اُس پر اور اُس کے مقتدی پر کسی وجہ سے سجدہ نہ کرے تو مقتدی کو بھی لازم

کہ سجدہ نہ کرے پس جب شافعی امام جیسے سجدہ واجب ہی نہیں بخیر نہ کرے تو مقتدی بدرجہ اولیٰ سجدہ نہیں کر سکتا غیبتہ
 استغنیٰ میں ہے لولہ سجدا الامام لا یسجدون سمعہا لاندہامور بالمتابعة وعدم الخالفنا اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی
 بھی سجدہ نہ کریں کیونکہ انہیں اتباع اور عدم مخالفت کا حکم ہے اور بھی اسی میں ہر فی فظہ الزند و نسبی خمسة اشیاء
 اذا لم یفعلها الامام لا یفعلہا القوم القنوت و تکبیرات العیدین والقدۃ الاولیٰ وسجود التلاوة وسجود
 الظرفہ و نسبی میں ہے کہ پانچ چیزیں ہیں جنہیں جب امام نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے قنوت تکبیرات عیدین قاعدہ اولیٰ
 سجدہ تلاوت سجدہ سہو اور بھی اسی میں ہے الاصل فیہ وجوب متابعتہ الامام فی الواجبات فلو لا کذا اترکان کانت
 فضلیۃ او قولیۃ یلزم من فعلہا الخافۃ فی الفعل اسکی اصل واجبات میں اتباع امام کی فعل اور ترک واجب ہوتی
 چاہئے واجب فعلی ہو یا ایسا قولی ہو جسکے کرنے سے فعل امام کی مخالفت لازم آئے اور سجدہ صلوٰۃ خارج نماز میں اور
 نہیں ہو سکتا بحر الرائق میں ہے ولہ فیض الصلوٰۃ خارجہا لان السجدة المتکونۃ فی الصلوۃ افضل من غیرہا غ
 یجزا د اٹھا خارجہ الصلوٰۃ لان الکامل لا یتادی بالناقص اور سجدہ تلاوت صلوٰۃ نماز کے بعد اور نماز کا کیونکہ سجدہ
 جو نماز میں پڑھا گیا دوسرے سے افضل ہو پس خارج نماز میں اسکا ادا کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ کامل ناقص سے اور نہیں
 ہو سکتا اور درختار میں ہے ومتابعۃ الامام یعنی فی المجتہد فیہ لاقی المقطوع بنسختہ و بعدہام سنیت مکھنوت فجاء
 امام کی متابعت ضروری ہے یعنی امور اجتہادی میں نہ ان میں جسکے نسخ کا یقین ہو یا سنت نہ نے کا یقین ہو جیسے قنوت
 فجر اور ٹپڑا ہر جو کہ سجدہ سورۃ مائدہ کا مجتہد فیہ ہو جیسا کہ اس عبارت رد المحتار سے واضح ہو المراد بالاجتہاد فہا لان
 فہنا علی دلیل متبشر عابحیت یسوغ للہد بسبب مخالفتہ غیرہ مجتہد فیہ سے وہ امور اور ہیں جو کسی شرعی تعبیر
 سے ثابت ہوں جسکے بدولت مجتہد دوسروں کی مخالفت کر سکے۔ پس اس میں بھی متابعت امام شافعی کی ضروری ہے
 جیسا کہ سجدہ ثانی میں متابعت امام شافعی کی ضروری ہو خواہی طحاوی علیہ السلام یا امامت میں ہے قولہ للاتباع طحاوی
 ان یجب علیہ متابعتہ الشافعی فی جہود الثانیۃ من سورۃ الحج لوجود الشریک بخلاف خارج الصلوٰۃ بظاہر
 اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی حنفی پر سورۃ حج کے دوسرے سجدے میں شافعی کی اقتدا واجب ہو شرکت کی وجہ سے
 برخلاف خارج نماز کے جب یہ معلوم ہو کہ مقتدی حنفی سجدہ کو نہ خارج نماز ادا کر سکتا ہو نہ نماز میں متابعت امام کی وجہ سے
 اس بالضرورۃ یہ سجدہ مقتدی سے ساقط ہو جائیگا باقی رہا رکوع یا سجود نماز کے ضمن میں اسکا ادا ہونا پس خفیہ
 کے نزدیک سجدہ تلاوت رکوع میں نیت کے ساتھ اور سجدہ میں بغیر نیت کے اور بعض کے نزدیک بشرط نیت کے
 ہوتا ہے بشرطیکہ رکوع اور سجدہ بعد قرأت آیت نجدہ کے فی القور ہو اور تین یا چار آیت کا فصل نہ ہو بحر الرائق

میں ہو کہ وہ یہ کہ حتی طالعت اھلۃ لہ یحییان نواہ عن السجدة وکذا السجدة الصلوۃ تیلایوب عنہا اذا طالت
 القراءۃ واذ لم تطال لقراءة لا یحتاج الی رکوع والسجود فی قائمتہا عن سجد التلاوة الی النیت ومن المشایخ
 من قال یحتاج الی النیت وکثر الماشائخ لم یقرؤا وطول اھلۃ لہ یحییان نواہ عن بعضہم قالوا ان قراءۃ آیتہ او آیتین
 لم یقل وان قرأتا طالت والظاهر ان التثنی لا یعدم الفور اگر رکوع نہیں کیا یہاں تک کہ قرأت طویل
 ہو گئی تو سجدہ نہ پڑے گا اگرچہ نیت کرے (یعنی رکوع میں سجدہ تلاوت کے ادا کرنے کی) اور ایسا ہی نماز کا سجدہ قائم تھا
 نہو سکے گا اگر قرأت طویل ہو اور اگر قرأت طویل نہ ہو تو رکوع یا سجدہ کے قائم مقام سجدہ تلاوت کرنے کے لیے نیت کی ضرورت
 نہیں ہے اور بعض مشائخ نے کہا جو کنیت کی احتیاج ہو اور اکثر مشائخ نے طول قرأت کی کوئی مقدار نہیں بیان کی ہے اور
 بعضوں نے کہا کہ ایک یا دو آیتوں کے پڑھنے سے طول نہیں ہوتا اور اگر تین پڑھیں تو طول ہو گیا اور ظاہر یہ ہے کہ تین
 کے پڑھنے سے بھی قریبی عدم طول معدوم نہیں ہوتا ہے اور بھی اس میں تسبیح قول کتر لم یقض الصلوۃ خادجا میں ہے
 محل سقوطہا ماد المرکب لصلواتہ ولہ یسجد صلوۃ یا ما اذا رکع او سجد صلوۃ تیلایوب عنہا اذا کان علی
 الفور محل سجدہ جمعی ساقط ہوتا ہے جب نماز کا رکوع نہیں کیا یا سجدہ صلوۃ کی ادا نہیں کیا اور اگر رکوع یا سجدہ صلوۃ
 فوراً ادا کر لیا ہو تو وہ قائم مقام ہو جائیگا۔ اور وقتاً میں ہے (جو دواھا الامام فی رکوعہ ولہ یسجد المومنین لیسجدہ
 اذا سلم الامام ویعید القعدة ولو ترکھا فسدت صلوۃ کذا فی القنیتہ وینبی علی الجہتۃ لیسجد رکوع وسجدہا
 فوراً ناب بلانیتہ اگر امام نے سجدہ کی نیت رکوع میں کر لی ہے اور وقتہ میں نے نہیں کی تو مقتدی کے لیے امام کی نیت
 کافی نہیں ہے اور وہ سجدہ کرے جب امام سلام پھیرے اور قعدہ کا اعادہ کرے اور اگر اسے ترک کر دیا تو نماز فاسد ہو گئی ہے
 کثیرین ہر ان اگر رکوع کیا اور پھر فوراً ہی سجدہ کیا تو وہ بلانیت کافی ہوگا۔ اور حاشی طحاوی میں ہے قولہ نعم
 استد رائ علی قولہ لم یسجد یعنی ان عدم الاجزاء للو تم فیہا اذا نواھا الامام فی رکوع اما اذا لم یسجد فیہا ان نواھا
 فی السجود ولم یسجد صلا فلا یسجد علی ما تم نواھا اولہ یسجد لہا شئ اسکا قول نعم لم یسجد سے مطلب یہ ہے کہ مقتدی کی طر
 ہے نیت امام کا کافی ہونا اس وقت ہے جب امام رکوع میں نیت کرے اور اگر رکوع میں نیت نہیں کی ہے سجدہ میں
 نیت کی یا نیت ہی نہیں کی تو مقتدی کے لیے کچھ حرج نہیں چاہے اُس نے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور رد المحتار میں
 ہے قولہ نعم لیسجد وسجدہا فی الصلوۃ فوراً وان لم یسجد والظاهر ان المقصود بهذا الاستد رائ التنبیہ علی انہ
 یلزم للتمام ان لا یسجد فی رکوع لانه اذا لم یسجد فی رکوع و نواھا فی السجود اولہ یسجد لہا شئ علی ما تم
 لان السجود هو الاصل فیہا یعنی اگر فوراً ہی نماز کا سجدہ کرے کر لیا تو کافی ہو گئی ہے نہ کہ ہو اور ظاہر اسل استد رائ

کا مقصد اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ اگر کوئی عین نیت نہ کرنا چاہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو یا سجدے میں نیت کرے گا یا نیت ہی نہ کرے گا۔ یہ حال مقتدی پر کچھ نہ واجب ہوگا کیونکہ اصل سجدہ ہی ہے۔ ان عبارتوں سے یہ معلوم ہوگا کہ اگر امام فی الفور بغیر فصل طویل رکوع و سجدہ صلوٰۃ کرے (اور نیت ادا کرے رکوع و سجود کی کرے نہ سجدہ تلاوت کی تو اس صورت میں بھی مقتدی کا سجدہ تلاوت سجدہ صلوٰۃ کے ضمن میں ادا ہو جائیگا نیت کرین یا نہ کرین اسی سے شافعی امام کو بہتر ہے کہ بعد قرائت آیت سجدہ صلوٰۃ کے دو تین آیت پڑھ لے رکوع اور سجدہ نماز بدو نیت سجدہ تلاوت کرتے تاکہ مقتدیوں سے سجدہ تلاوت خود بخود ادا ہو جائے کیونکہ اگر سجدہ تلاوت کی نیت کرے گا تو اس کے مذہب کے موافق فساد ہوگا اور اگر فصل طویل کو بعد رکوع اور سجدہ کرے گا تو مقتدی خفی سے سجدہ تلاوت فوت ہو جائیگا اور اس صورت میں کہ دو تین آیت کے بعد رکوع اور سجدہ نہ کرے نہ بقصد سجدہ تلاوت بلکہ بقصد تمام رکعت کسی مذہب والے کا نقصان ہوگا۔ تراویح دو امام سے بھی پڑھنا درست ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ایک ایک ترویج سے کم نہ ادا کرے فتاویٰ قاسم بن قطلوبغا حنفی میں ہے اذ اصل الترویجۃ الواحدة امامان کل واحد منهما بتسليمۃ اختلف المشائخ فیه قال بعضهم لا بأس به والصحيح انه لا يستحب ذلك ولكن كل ترویجۃ یودیها امام واحد وغیرہ اهل الحرمین وغیرہم ویکون تبدیل الامام بمنزلة الانتظار جبکہ ایک ترویج دو اماموں نے ایک ہی تسلیم سے پڑھا یا تو مثل فتح کا اس میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک کچھ حرج نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ مستحب نہیں ہے بلکہ ایک ترویج کو ایک ہی امام پڑھا کرے اور اس پر اہل حرمین کا عمل ہے اور تبدیل امام بمنزلة انتظار کے ہے پس اگر بعد ترویج سجدہ صلوٰۃ کا خفی کیا جاوے تو بہتر ہے کہ تراویح کے ادا میں خلل نہ ہوگا اور خفیوں سے سجدہ بھی ادا ہو جائیگا اور شافعی کی نماز اور اقتدا میں بھی کچھ فتور نہ ہوگا اور یہ خیال کرنا کہ اس میں شافعیہ کی تحقیر ہے از قبیل وسوسہ جو سوال ایک حافظ نے دس دن میں پہلا قرآن شریف ایک مسجد میں ایک قوم کے ساتھ پھر دوسرا قرآن شریف دوسری مسجد میں دوسری قوم کے ساتھ پڑھا تو کیا تراویح سنت ختم مذکورہ ان دونوں کے لیے ادا ہوگی یا نہیں اور ثواب پائیں گے یا نہیں۔ جواب ادا ہوگی خزانة الروایات میں ہے وقد روی بعض اهل العلم کثیرا لفتاویٰ رجل ام قوما فی التراويح وختم فیہا ثم ام قوما اخرین له ثواب الفضيلة ولهم ثواب الختم بعض اهل علم نے کثیرا لفتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص جس نے تراویح میں ایک جماعت کی امامت کی اور قرآن ختم کیا پھر دوسرے کی امامت کی اس شخص کو فضیلت کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کو ختم کا سوال نفل نماز بعد دو رکعت سنت ظہر وغیرہ و ثواب کے کلام عام پڑھتے ہیں کیا اسکی اصل سنت و اجماع و قیاس سے ثابت ہے یا نہیں اور اسکا پڑھنا ثواب ہے یا نہیں

[illegible]

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز صبح کے بعد
 دو رکعتیں پڑھ رہا ہو تو آپ نے فرمایا کہ نماز صبح کی دو رکعتیں ہیں اس شخص نے کہا کہ میں نے نماز صبح کے پہلی دو رکعتیں
 نہیں پڑھی تھیں انھیں اب پڑھ رہا تھا آپ نے اس پر سکوت فرمایا اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہوان دو رکعتوں میں
 موافقت کیونکر ہو سکتی ہو جواب اس میں شک نہیں کہ وہ تمام حدیثیں جو طلوع شمس کے قبل نماز صبح کے بعد اور
 غروب شمس کے قبل نماز عصر کے بعد نفلوں کی حائثیت کے بارہ میں آئی ہیں بالکل صحیح ہیں جیسا کہ صحیحین میں غیر
 میں ہوا اور اسی طرح وہ حدیث بھی جس سے نماز فجر کے بعد قبل طلوع شمس سنت فجر کا ادا کرنا ثابت ہوتا ہے قابل احتجاج ہے
 اگرچہ تکلفاً نے یہ اصول مقرر کر لیا ہے کہ جب کسی چیز کے متعلق صحت اور حرمت کی دو نصین موجود ہوں تو نص
 حرمت کو ترجیح دیا جائے گی تو اصل فعل و تقریر دونوں پر مقدم ہو لہذا ہمارے ائمہ نے نبی کی قولی احادیث پر بغض
 حرمت میں عمل کر کے حائثیت کا حکم دیدیا یعنی نے بنایہ شرح ہر ایہ میں دو متعارض حدیثوں کو ذکر کر کے کہا ہوان المسیح
 والمظاہر اذا تنازعنا بصل الحاظہ تاخا مباح کرنے اور منع کرنے والی دو حدیثیں جب جمع ہو جائیں تو منع کرنے والی حدیث
 متاخر ہوگی علامہ برین احادیث سے بکثرت میں سوال مصر کی صحیح تریف کیا جو اگر ہے کہ اس جگہ کے رہنما والوں
 سے اگر مساجد پر جائے تو رہنے والوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جن پر جمعہ واجب نہیں جیسے لڑکے عورتیں اندھے
 کفار وغیرہ تو ان لوگوں کا اعتبار ہو گا یا نہیں جواب مصر کی تریف میں فقہا کا اختلاف ہوا درختا اگر مشتقا کا اور
 جمہور متاخرین کے نزدیک مصر کی مفتی پر تریف یہی ہے کہ اس جگہ کے رہنے والوں کو اگر مساجد اس جگہ کی کافی ہوا اور
 مراد ان لوگوں سے وہ لوگ ہیں جن پر جمعہ فرض ہوا اور لڑکے وغیرہ جو جمعہ کے مکلف نہیں ہیں خارج از بحث ہیں جن کی
 شرح مختصر فقہ میں لکھتے ہیں کہ لا یسجد الا کبر مساجد اہل مصر و هذا التفسیر مروی عن ابی یوسف والمراد
 بالعلیہم الذین یجب علیہم الجمعة وعندنا فی کل موضع فیہ یسکن عشرة الاف رجل وعندنا فی کل موضع لہ اربع
 وقاضیہ فی کل موضع لہ اربع وقاضیہ فی کل موضع لہ اربع وقاضیہ فی کل موضع لہ اربع وقاضیہ فی کل موضع لہ اربع
 الجامع لکن فی المتر اثنان احسن ما قبل فی الباب فہم اذا کا فواجال لواجتمعوا فی الکبر مساجد ہم لا یسجد حتی
 استلجوا الی بناء المسجد الجامع فہذا صریح فی ان المراد بالکبر المساجد غیر المسجد الجامع وقاضیہ فی قضاویہ
 الزاویہ من ان المراد بالکبر المساجد الکبر المساجد للصلوات الخمس وقال بعضهم ہوان یعیش کل محقر
 ہونہ من منۃ الی منۃ من غیر ان یحضر الی خوفۃ اخری وقال بعضهم ہوان ینکح الی لوقصد ہم علما و یکنہم دفعہ وقال
 بعضهم ہوان یولد فی کل یوم ومیوت فی انسان وقال بعضهم ہوان لا یعرف علما اہلہ الا بکلفہ ومسقطہما

کی سب سے بڑی مسجد میں تمام لوگ نہ آسکیں وہ مصر ہو اور یہ تفسیر امام ابو یوسف سے مروی ہو اور اہل سوادہ لوگ مراد
 بین حنیہ نماز جمعہ فرض ہو اور انھیں سے یہ بھی مروی ہو کہ مصر وہ ہے جہاں تین تیر آدمی ہیں اور انہیں سے یہ بھی مروی ہو کہ
 وہ جگہ جہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کریں اور وہ قائم کریں مصر اور امام کرخی نے اسکی اختصار کیا ہے ایسا ہی امیر بن مسعود
 ظاہر ہے کہ اکبر مساجد سے مراد جامع مسجد ہے لیکن خزائن میں ہے کہ اس بات میں سب سے بہتر راوی ہے کہ جس جگہ اتنے لوگ ہوں کہ اگر وہ سب
 مجتمع ہوں تو وہ ان کی بڑی سے بڑی مسجد میں نہ آسکیں اور انھیں ایک مسجد جامع بنانے کی ضرورت پڑے تو وہ مصر
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر مساجد سے مراد مسجد غیر جامع ہے اور قنادی زادہ میں اسکی تفسیر ہو کہ اکبر مساجد سے مراد
 پنجوقتہ نماز کی مسجد ہو اور بعضوں کے نزدیک مصر وہ ہے جہاں ہر پیشہ والا سالہا سال بسر کرتا ہے بغیر اسکے کہ وہ کسی
 دوسرے پیشے کو اختیار کرے اور بعضوں کے نزدیک مصر وہ جگہ ہے جہاں کے رہنے والوں کی اتنی تعداد ہو کہ اگر
 آپر کوئی دشمن حملہ کرے تو وہ اسکو دفع کر سکیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مصر وہ ہے جہاں روزانہ کوئی نہ کوئی پیدا
 ہو اور کوئی نہ کوئی مرے اور بعضوں کے نزدیک مصر وہ ہے جہاں کے رہنے والوں کی تعداد باسانی نہ معلوم ہو سکے
 اور تنویر الایضام اور در مختار میں ہے جو وہاں لا ینبع اکبر مساجد اہلہ المکلفین بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء
 مصر وہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں مکین جمع نہ آسکیں اور اسی پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے اور رد المحتار میں ہے
 قولہ المکلفین بھا احترازہ عن اصحاب الاعذار مثل النساء والصبيان والمسافرين عن القہستانی قولہ وعلیہ
 فتوی اکثر الفقہاء وقال بوشیاع هذا احسن ما قبل فیہ وفي الولو الجیمتہ وهو صحیح۔ عروہ وعلیہ فتویٰ فی الوقایہ و
 متن المختار وشرحہ وقد مد فی متن الدار علی القول الآخر وظاہرہ ترجیحہ وایہ صد را الشریعۃ بقولہ لفظہ والتمس
 فی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحد وفي الامصار قولہ المکلفین بھا سے معذور خارج ہو گئے مثلاً عورت بچے اور مسافر
 (منقول از قہستانی) قولہ وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء۔ البوشیاع نے کہا ہے کہ یہی سب سے زیادہ درست ہے اور ولوالجیمین
 ہو کہ یہی صحیح ہے اور اسی پر صاحب وقایہ ومان وشرح مختار چلے ہیں اور رد المحتار سے دوسرے قول پر مقدم
 کیا ہے اور اس سے مقصد بظاہر مرفوع ترجیح معلوم ہوتا ہے اور اسکی تائید صدر الشریعہ نے اپنے اس قول سے کی ہے
 کہ شرفون میں احکام فروع کا پورا ہونا حاصل اقامۃ حد ووظاہر ہے اور بحوالہ لائق میں ہے فی المجتبے عن ابی یوسف انه
 اذا جمعتوا فی اکبر مساجدہم للمصوات الخمس لم یصحہم وعلیہ الفتوی اکثر الفقہاء وقال بوشیاع هذا
 احسن ما قبل مجتبیٰ من امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ جب لوگ سب سے بڑی مسجد میں پنجوقتہ نمازوں کے لیے
 جمع ہوں تو مسجد اتنی وسعت نہ رکھے اور اس پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے اور البوشیاع نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح

سوال زید اپنی زوجہ کو مار پیچکا نہ ادا کرنے کا حکم کرتا ہے مگر وہ نہیں مانتی اسوجہ سے زید زوجہ سے ناراض ہے معلوم ہونا چاہیے کہ شرعاً اس سے صحبت ترک کرے یا مارے یا طلاق دے جواب تنبیہ اور زجر کی نیت سے بخوبی مبرا ہے کہ زید اور زیدہ اسکو مارنا بھی درست ہے مگر نہ اتنا مارنا اسکو زائد تکلیف ہو اور طلاق دیدینا بھی درست ہے ضروری نہیں اور اگر وہ عورت کسی طرح نہ مانے تو اسکو اپنی زوجیت میں باقی رکھنا ممنوع نہیں ہو کیونکہ ذمہ شوہر کا نصیحت کی وجہ سے پاک ہو گیا عدم قبول نصیحت کا وبال عورت پر ہوگا اشباہ میں ہے للزوج ان يضرب زوجته على ترك الزينة بعد طلبها وعلى عدم اجابتها الى فراشه وهي طاهرة من الحيض والنفاس وعلى خروجها من منزلها بغير حق وعلى ترك الصلوة في رواية شوهر کو اسکا حق ہو کہ اپنی بی بی کو حکم دینے کے بعد بھی زینت کے ترک کرنے پر یا حالت طہارت میں انکا فریاد پر یا بلا حق گھر سے باہر جانے پر یا بروایتیہ ترک صلوٰۃ پر یا رے جموی حواشی اشباہ میں علی ترک الصلوة فی روایت کے تحت میں لکھتے ہیں مشی علیہ فی الکفر تبعاً للکثیرین وفي النهاية بتعالی ما فی الحاکم انه لا یجوز له لان المنفعة لا تعود اليه بل اليها اسی پر کتر میں حکم دیا گیا ہو اکثر لوگوں کی اتباع میں اور نہایت میں حاکم کی اتباع میں لکھا ہے کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ نفع زوجہ ہی کو حاصل ہوگا نہ شوہر کو۔ اور خزانة الروایۃ میں ہے فی الحاشیۃ لمدان فیض صاحب علی اربعۃ معنیاً ترک الزینۃ اذا اراد ادا الزوج الزینۃ والثانیۃ ترک الفسل من الحيض والنفاس والجنابة والثالثة ترک الصلوة والاربعۃ المحرور من منزله بغير اذنه بعد ايقاع المهر وفي القیۃ رجل له امرأة فاستقته لا تنزجها بالزوج لا یجب علیہ تطلیقها وفي لسانیۃ رجل له امرأة لا یفصله کان لمدان یطلق خانیۃ میں ہو کہ شوہر کو ان چار باتوں پر زوجہ کے مارنے کا حق ہے (۱) زوج زینت کا حکم دے اور وہ زینت نہ کرے (۲) حیض اور نفاس اور جنابت کے بعد نہ نہلبے (۳) غاذا ترک کرے (۴) بعد ادا سے ہر بلا اجازت شوہر گھر سے نکلے قنیرہ میں ہو کہ کسی شخص کی بی بی فاسقہ ہو اور وہ باوجود زجر کے بھی رفس سے باز نہیں آتی تو اسپر طلاق دینا واجب نہیں ہے اور خانیۃ میں ہو کہ اگر کسی کی عورت لہاز نہ پڑھتی ہو تو اسے طلاق دیدینا چاہیے سوال ایک قصیدہ میں چند آدمی آمین باجہر کہتے ہیں اور نہ کہنے والے کو بوجہ بھلا کہتے ہیں بلکہ آمین باجہر کہنے والے بعض بعض جاہل آمین باجہر کہنے والے کو کافر بھی کہتے ہیں اور کلمات ناشائستہ کے دم سے ایک جاہل نے آمین باجہر کہنے والے اور دفعہ دین کرتے والے کو ملدا اور قبل مارنے کے بہت فساد تھا پھر مارنے کے کل فساد دفع ہو گیا تو اس صورت میں وہ مارنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں جواب آمین باجہر نہ کہنے والے کو گنہگار والا اور آمین باجہر کہنے والے کو مارنے والا دونوں گنہگار ہوں دونوں پر تو یہ لازم ہے فان اختلفوا لا یمتد فیہم علیہم احدہم کا سامع کان فغیر اختلاف و محض زمانہ میں سے کسی کے قتل پر کوئی الزام نہیں

سوال اور کی نماز کے بعد یہ دو سجدے جو اکثر لوگ کرتے ہیں اور اس میں سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح پڑھتے ہیں یہ کردہ ہیں یا مباح اور اسکی فہمیت میں بعض کتب فقہ میں جو ایک حدیث بر فایت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے صحیح ہے یا موضوع جواب یہ دو سجدے وزر کے بعد بے اصل ہیں اور حدیث فاطمہ جو مشہور ہے موضوع ہے درختار میں یہ سجدۃ الشکر و تحننہ برفقی للذکر انکرہ بعد الصلوة لان الجہلۃ یعتقدونہا سنتہ او واجبہ وکل مباح و بدوی الیہ مکروہ سجدۃ شکر مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہو لیکر نماز کے بعد مکروہ ہے کہ تکیہ باطل یہ خیال کرتے ہیں کہ سنت ہے یا واجب اور ہر مباح جو سنت یا واجب سمجھا جانے لگے مکروہ ہے اور رد المحتار میں ہے قال فی شرح المینیۃ واما ما ذکر فی الحضرات ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمۃ ما من موہن ولا مؤمنۃ بیسجد سجدتین لہ الخ وہ حدیث موضوع باطل کا اصل لہ شرح فیہ میں ہے کہ جو حضرات میں ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہنا نہیں ہو کہ میں یا مؤمنہ جو دو سجدے کرے کہ یہ حدیث موضوع ہے یا باطل ہے اسکی کچھ اصل نہیں ہو اور بھی اسی میں ہے قال فی شرح المینیۃ عن شرح المقدوری الذہادی ما یفعل عقبہا صلوة فکروہ لان الجہال یعتقدونہا سنتہ او واجبہ وکل مباح و بدوی الیہ فکروہ شرح فیہ میں شرح قدوری ذہبی سے منقول ہے جو نماز کے بعد کیا جائے وہ مکروہ ہے کیونکہ ماہل اسے سنت یا واجب سمجھتے ہیں اور ہر مباح جو اس مرتبہ تک پہنچ جائے مکروہ ہو جائے سوال ایک شہر میں لوگوں نے ۲۹ ذیقعدہ کو چاند بقرعہ کا دیکھا شروع کیا اور مطلع بھی صاف تھا اس شہر والوں کو چاند دکھائی دیا اور اس شہر میں دوسرے شہر سے دشمن آئے جو نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے ان دونوں نے شہادۃ ایک غشی کے پاس بیان کیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے بتاریخ ۲۹ ذیقعدہ کو ظان شہر میں بعد از اسے شہادت کو ایک کا یہ بیان ہو کہ ہم نے ظان شہر میں ایک دو منزلہ مکان پر نماز پڑھی اور وہاں قریب ستو دو سو آدمیوں کے نمازی جمع تھے سبھوں نے چاند دیکھا اور دوسرے کا بیان ہو کہ ہم اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ریل لاکر ایک میدان میں جا رہے تھے عین مغرب کے وقت ہم سب نے چاند دیکھا اس کے بعد ایک دوسرے نصیب سے ٹوٹ کر بچھا آیا اس میں بھی لکھتا تھا کہ یہاں ۲۹ ذیقعدہ کو بہت لوگوں نے چاند دیکھا اور بھی چند جگہوں سے خبر آئی اسکی مفتی مذکور نے گواہوں کا گواہی قبول کر کے نماز بقرعہ کی پڑھی اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کسی کی نہیں ہوئی اور مفتی حنفی کو مذہب سے خارج ہو گیا جواب نماز صورت مذکورہ میں درست ہوئی اور مفتی مذہب حنفی سے ظاہر نہیں ہوا سوال علما ان مسائل میں کیا فرماتے ہیں ایک شخص امام شافعی کے بعد دعا جو خاص نے نفس کی واسطے پڑھتا ہے رب انت ولی فی الدنیا والاخرۃ والحق بالصلوٰۃ انہ عابدا شیعری صمدی و دیر فی امری اللہ تعالیٰ

آمین کہتے ہیں پس امام کا یہ فعل مجرا ہی یا نہیں اور وہ خائن ہو یا امانت دار اور لا یوم عبد قوما الحدیث کے تحت میں
 داخل ہو سکتا ہو یا نہیں۔ دوسرا شخص امام ہوتا ہے اور وہ بعد سلام کے اسی دعا کو بلفظ جمع تلفظ کرتا ہے پس دوسرا
 امام قابل علامت ہو یا قابل مع اور خائن ہو یا امانت دار اور ایسے امام کو قرآن کا اصلاح دینے والا کہیں گے یا کیسا
 مسئلہ حدیث لا یوم عبد قوما جو ترمذی میں بروایت ثوبان منقول ہے وہ موضوع ہو یا حسن اور اس حدیث کا محمل
 یہ دعا جو بعد تسلیم کے مانگتے ہیں ہو سکتا ہو یا نہیں اور یہ حدیث ان حدیثوں کی جن میں حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم سے بوقت امامت نماز میں بلفظ مفرد دعا منقول ہے متعارض اور مخالف ہوتی ہو یا نہیں اگر یوں ہی تو اسکی تطبیق
 ایک شخص یوں نقل کرتا ہے کہ حدیث ثوبان میں جو تخصیص کی ممانعت ہے وہ خارج صلوٰۃ بعد تسلیم مراد ہو کیونکہ سب
 مقتدی امام کو اپنی طرف سے طلب خیر کے لیے نائب کرتے ہیں اور خود فقط آمین کہتے ہیں اور وہ اس صورت حال
 میں خیانت کر کے محض اپنی بھلائی چاہتا ہو تو خائن ہوا اور نماز کے اندر تو امام اور مقتدی دونوں دعا مانگتے ہیں تو امام
 ام کا نائب نہ ٹھہر لہذا خائن بھی نہ ہوگا یہ صحیح ہے یا نہیں جواب چنانکہ اکثر ادعیہ صلوٰۃ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 منقول ہیں بلفظ مفرد وارد ہیں اور حدیث ثوبان عدم جواز بالکراہت پر دلالت ہے بحالت امام اس لیے علما کی رائیں اس
 باب میں مختلف ہو گئیں بعض نے حدیث ثوبان کو موضوع کہا ہو اور مطلقاً افراد کو جائز رکھا ہو لیکن یہ قول محض غلط ہے
 حدیث مذکور جامع ترمذی وغیرہ میں موجود ہو اور اس کے موضوع ہونے پر کوئی قوی دلیل نہیں ہے اور مجرد تقاضی سے
 باوجود امکان جمع کے کسی حدیث کو موضوع کہنا درست نہیں ہے اور بعض نے مطلقاً ادعیہ صلوٰۃ میں افراد کو موضوع
 لکھا ہے اور بعض محدثین نے یہ تحریر کیا ہے کہ حدیث ثوبان سے وہ دعا مرد ہے جو بلفظ جمع وارد ہو اور جو بلفظ مفرد
 وارد ہو وہ اس سے خارج ہے اور اکثر محدثین کی یہ رائے ہے کہ تخصیص اس دعائیں منوع ہے جس کے ساتھ امام مفرد ہو اور
 مقتدی آمین کہتا ہو جیسے دعائے قنوت صبح اور سوا اسکے اور ادعیہ میں کہ امام اور مقتدی دونوں کو جائز ہیں تخصیص منوع
 نہیں ہے فاضل عینی بھی اہل حائل میں لکھتے ہیں جمع الادعیۃ المرویۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت بلفظ
 التوحید قال الشیخ مشائخنا المجد الشیرازی فان قیل ورد مرفوعاً لا یوم عبد قوما فیخصہ بدعوتہ دونہم فان قیل
 ذلک فقد خانہم ثم نقل عن ابن خزمیۃ ان ہذا الحدیث موضوع وقال بعض العلماء ان ثبت ہذا الحدیث
 فکون المراد دعاء ورد بلفظ جمع قلت وظہری واسہ اعلم ان کل دعاء یدعی وہا یدعی الامام والماموم یکون بلفظ
 الافراد وکل دعاء یوم فیہ الماموم لدعاء امام یمکن بلفظ الجمع فان افرغ وقع فی التمی و ہذا کا اولیٰ ما ذکرہ القاضی
 لان الحدیث الذی نقل عن ابن خزمیۃ وضعہ اخرجا ابو داؤد والترمذی تمام دعائیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ

علیہ وسلم مروی ہیں ان میں واحد کے الفاظ میں شیخ المشائخ محمد شیرازی نے کہا ہو کہ یہ حدیث جو موعوم وی ہے
 اگر وہ شخص کسی قوم کی امامت نہ کرے جو ہر دعا صرف اپنی ہی لیے کرے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے ان لوگوں سے
 خیا امت کی راہن خیریت سے منقول ہو کہ موضوع ہے اور بعض علماء نے کہا ہو کہ اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو اس سے مراد
 وہ دعا ہوگی جو بلفظ جمع وارد ہوئی ہو میں کتابوں کہ میرے سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ہر دعا جو امام یا مقتدی کرے لفظ
 واحد سے ہونا چاہیے اور ہر وہ دعا جو امام کرے اور مقتدی اس میں آمین کے لفظ جمع سے ہونا چاہیے اور اگر امام اسے
 بلفظ واحد کرے گا تو اس میں کی تحت میں آجائیکا اور یہ نامی کے قول سے زائد بہتر ہو کہ جو حدیث کا موضوع ہونا
 میں خیریت سے منقول ہو اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہو اور سراج الدین بن المقن شرح سنن ابن ماجہ میں
 لکھے ہیں اما التخصیص بالدعاء فقضی کلام التودی فی الاذکار اطرا دہ فی سائر اوجیہ الصلوٰۃ و بہ صرح غزالی
 فی الاحیاء ونقل ابن المنذر فی الاشراف عن الشافعی والصواب ان ما امر الامام والمأموم بقوله يقول الامام بصيغة
 الافراد وما امر الامام بقوله كالتقوت باقی بلفظ الجمع مگر مسئلہ تخصیص امام بدعا تو اس کے متعلق اذکار میں نووی کے
 کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم نازکی تمام دعاؤں کو شامل ہے اور غزالی نے اعیان العلوم میں اسکی تصریح کی ہو اور ابن
 نے اشراف میں امام شافعی سے یہی نقل کیا ہو اور صحیح یہ ہو کہ جس دعا کے پڑھنے کا حکم امام اور مقتدی دونوں کو ہوا میں
 صیغہ واحد لائے اور جبکہ پڑھنے کا حکم صرف امام کو ہو جیسے قنوت اس میں صیغہ جمع لائے اور ابن القیم زاد المعاد میں
 لکھے ہیں المفوظ فی دعیۃ صلے اللہ علیہ وسلم کلہا بلفظ الافراد کقولہ رب اغفر لی واجننی ومنعہا قولہ فی دعاء
 الاستفتاح اللھما غسلتی من خطایا اللھم باعد بینی وبين خطایا وروی الامام احمد و اهل السنن من حدیث
 الثوبان مرفوعا لا یوم عبد قوم فی نفسہ بدعوة قال ابن خزیمة تنقیصہ وقد ذکر حدیث اللھم باعد بینی
 فی ہذا دلیل علی رد الحدیث الموقوف لا یوم عبد قوم الحدیث وسمعت شیخ الاسلام ابن تیمیہ یقول ہذا
 الحدیث عندی فی الدعاء الذی یدعیہ الامام لنفسہ وللمأمومین کدعاء القنوت وغیرہ حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی تمام دعاؤں میں لفظ مفر و منقول ہو جیسے رب اغفر لی واجننی اور جیسے دعائے استفتاح میں اللھما غسلتی
 من خطایا اللھم باعد بینی وبين خطایا اور امام احمد اہل سنت نے مرفوعاً بروایت ثوبان بیان کیا ہو کہ کسی قوم
 کی امامت ایسا شخص نہ کرے جو صرف اپنی ہی لیے دعا کرے صحیح ابن خزیمة میں ہے کہ اللھم باعد بینی وبين خطایا اس حدیث
 موضوع لا یوم عبد قوم الحدیث کی رد ہو جاتی ہو اور میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا ہو کہ میرے نزدیک یہ حدیث
 صرف اس دعا کے بارے میں ہو جس میں امام کو اپنے ساتھ مقتدی کے لیے بھی دعا کرنا چاہیے جیسے دعائے قنوت وغیرہ

اور شمس الدین جزری مولف حسن حسین متعلق حسن حسین میں لکھتے ہیں ہومس المزیات حدیث ثوبان والاعنی ان
 امامہم فی الدعا کا لغت وغیرہ لایعنی فان اذا دعاهم یومنون ویحس نفسہ بالدعاء وہو لایعلمون شیئ
 خیالہ لہم وما اذا دعا فی السجود لنفسہ مثلاً او بین السجدتین او التشرید وهو امام فلیس بخائف کانت
 کل واحد من المامومین ینبغی ان یدعوا لنفسہ یہ حدیث ثوبان سے منہی عنہ ہوا و مطلب یہ ہو کہ امام قنوت وغیرہ
 کی ایسی دعاؤں میں تخصیص نہ کرے کیونکہ جب وہ دعا کرے کہ مقتدی آمین کہیں گے پس اگر اپنے وقت اپنے ہی
 دعائی ہو اور رتقہ غی س سے لازم ترین تو خیانت لازم آئی البتہ اگر سجدہ میں یا دونوں سجدوں کے بیچ میں یا تشریف
 اپنے لیے دعا کی تو مجالست امامت بھی خیانت نہیں ہو کیونکہ ان مواقع پر مقتدیوں میں سے ہر ایک کو اپنے لیے دعا
 کرنا چاہیے پس اکثر فقہانے ان دونوں حدیثوں میں جو توافقی کیا ہو اسکا محاذ کر کے بعد نماز کے جب امام دعا مانگے تو
 مقتدی آمین کہیں اسکو تخصیص نہ پڑے بلکہ تعمیم چاہیے اور جو امام بنا انت ولینانی الدینا والاخرۃ چڑھتا ہو وہ
 قرآن کا بدلنے والا نہ ٹھہرے گا کیونکہ اوعیہ قرآن یہ جب بمنور دعائے تلاوت کیے جائیں تو وہ قرآنیت سے خارج ہو جاتے
 ہیں اشباہ والنظائر میں ہوا القرآن یخبر عن القرآنیۃ بقصد التناء قرآن کی کسی آیت سے اگر دعا مقصود ہو تو وہ
 قرآن نہیں رہتی پس لکھی تبدیل قرآن کی تبدیل نہوگی اور حدیث ثوبان کو خاص دعا بعد الصلوٰۃ پر محمول کرنا نہیں
 صحیح ہوا سو جب سکے یہ طریقہ ہونی زمانہ مروج ہو کہ امام سلام کے بعد رفع یدین کے ساتھ دعا مانگتا ہو اور مقتدی آمین
 کہتے ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا جیسا کہ ابن القیم نے زاد المعاد میں اسکی تصریح کی
 ہو بلکہ اولی ہی ہو کہ حدیث ثوبان عام سمجھی جائے اس دعا میں جس میں امام منفرد ہو اور مقتدی آمین گوہوں اور
 یہ صورت بھی افراد عام میں داخل کجائے سوال ایک گاؤں میں ایک پرانی زمانے کی مسجد ہو جس میں بچکانہ
 اور مجرب ہوتا تھا اب دوسرے شخص نے پچاس ہاتھ کے فاصلے پر بلا ضرورت دوسری مسجد بنائی ہو اس صورت میں
 حق کس مسجد کا ادا کیا جائے جو اب نماز دونوں مسجدوں میں جائز ہو لیکن افضل قدیم مسجد ہو در مختار میں
 ہو افضل المساجد کلمۃ المذنبۃ ثم المقدس ثم قبا ثم الاقدم ثم الاھلۃ ثم الاقرب افضل مساجد کہ پھر مدینہ پھر
 بیت المقدس پھر قبا پھر جوزا ند قدیم ہو پھر جوزا ند بڑی ہو پھر جوزا ند قریب ہو اور خرچ نہیں ہو ذکر فی الخانیۃ
 وصنیۃ المفتی وغیرہما ان الاقدم افضل فان استویا فی القیم فالاقرب غانہ اور نیۃ المفتی میں ہو کہ قدیم علیہ
 زائد افضل ہو اور اگر دو مسجدیں قدیم ہوں میں مساوی ہوں تو جو قریب ہو وہ زائد افضل ہو سوال مقتدی چیت
 ہوں اور امام نیچے نماز پڑھتا ہو درست ہو یا نہیں جواب درست ہو حافظ ابن حجر تمخیز البحر میں لکھتے ہیں وہ

الشافعی عن ابراہیم بن محمد حدثنی صلحہ مولی التوامۃ انه رأى ابا هريرة يصلي فوق ظهره اى المسجد بصلوة
 الامام في المسجد رواه البیهقی شافعی نے ابراہیم بن محمد سے بروایت صالح مولی التوامہ روایت کیا ہو کہ انھوں نے
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسجد کی چھت پر نماز پڑھتے دیکھا ہوا لیکن وہ جس امام کی اقتدا کر رہے تھے وہ مسجد کے اندر
 تھا۔ اسکو بہقی نے روایت کیا ہے سوال تسلیم صلوٰۃ میں و برکات کی زیادتی میں اختلاف ہو بعض اسے بدعت کہتے
 ہیں اور بعض استحسان کے قائل ہیں جیسا کہ مختار میں لکھا ہو وجعلہ النووی بدعة وردہ الحلبي وفي الحادى انه
 حسن نووی نے اسے بدعت ٹھہرایا ہو اور حلبي نے اسکی تردید کی ہو اور حاوی نے اسکو حسن لکھا ہو۔ اس باب میں
 قول مختار کیا ہو جواب قول مختار اس باب میں اسکی زیادتی ہو اور بدعت والا قول غیر معتبر ہو صاحب رد المحتار
 نے قولہ ردہ الحلبي کی تحت میں لکھا ہو۔ یعنی الحق ابن امير حاجري الحلبي شرح المنيّة حيث قال بعد نقله قول
 النووي انه بدعة مانصبه لكنه تعقب في هذا بانها جاءت في سنن ابى داود ومن حديث وائل بن حجر باسناد
 صحيح وفي صحيح ابن جبان من حديث عبد الله بن مسعود ثم قال للمصنف الا ان يعاب بشذوذها وان صح محض جهل كما
 مشى عليه النووي في الاذكار وفيه تامل يفتي محقق ابن امير حاج في حلية شرح منيه بن اسكي ترديد كي هو كيو نكر نووي ك
 قول انه بدعة ك نقل ك ك بعد ج انھوں نے كہا ہو اسكي تصریح یہ ہو كہ اس قول كي ترديد يون كي جاتي ہو كہ یہ حد
 سنن ابو داود میں بروایت وائل بن حجر باسناد صحيح اور صحيح ابن جبان میں بروایت عبد اللہ بن مسعود مروی ہے
 بان جوا بایہ كہا جاسكتا ہو كہ یہ شاذ ہے كوكا سكا فخرج صحيح ہو جیسا كہ نووي نے انكار میں اسكي تصریح كي ہو لیكن یہ امر
 قابل غور ہو۔ اور حافظ ابن حجر تخلص بحیثین كھتے ہیں وقع في صحيح ابن جبان من حديث ابن مسعود في زيادة
 وبركاته وهي عند ابن ماجه وابى داود ايضا من حديث وائل فيتعجب عن قول ابن الصلاح حيث يقول ان هذا
 الزيادة ليست في حق من كتب الحديث الا في روايته وائل صحيح ابن جبان میں حديث عبد اللہ بن مسعود سو و بركاته
 كي زيادتي ثابت ہو اور یہ ابن ماجه اور ابى داود كے نزدیک بھی حديث وائل سے ثابت ہو تو اب ابن صلاح كہا یہ قول
 تعجب انگیز ہو كہ یہ زيادتي بجز روایت وائل كے كسی دوسري حديث سے ثابت نہیں۔ سوال ايک شخص نے ايک
 مسجد میں نماز عشاء و تراویح و وتر كي امامت كي پھر دوسرے مسجد میں جاكر ايک ياد و ترديد میں ہانكے لوگوں كي مات
 كي اس خيال پر كہ تراویح اور دوسري سنتوں اور نفلوں كا حكم ايک ہی ہو جیسا كہ محمد باشم ٹٹھوي كي بيان میں ہے ياد
 متانہ الروايات سے منقول ہو و صح اقتدا ثم لان السنة و التطيع في حكم واحد اور اكي اقتدا صحيح ہو كيو نك سنت
 اور نفل ايكي ہی حكم میں ہو اور اسكي دليل میں وہ یہ امر پیش كرتا ہے كہ تراویح اور دوسري سنتوں میں جمهور اور عامہ شاع

کے نزدیک لغو کی طرح مطلق نیت کافی ہے اس کے علاوہ وہ اسی بیاض کی ایک دوسری روایت جو شرح شریعہ الاسلام سے منقول ہے ہمیشہ کرتا ہوا سکا ترجمہ یہ ہے جب حلال اور حرام جمع ہوتے ہیں تو حرام غالب ہوتا ہے اور یہ ضابطہ عام ہے میں ہر مگر جمادات جیسے ناز روزہ وغیرہ میں علمائے کمال نے کہا ہے اگر عدم حجاز کی روایت نہ ہو اور حجاز کی ایک روایت سے قطعاً مفتی کو چاہیے کہ حجاز پر فتویٰ دے۔ اور کہتا ہے کہ کمال الدین بن ہمام نے کہا ہے ان نفس النیۃ یحصل بنفس الفعل علی الوجه الذی فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وهو علیہ السلام لم یکن ینوی السنۃ بل لصلوٰۃ اللہ تعالیٰ علم ان وصف النیۃ ثبت بعد فعلہ علی ذلک الوجه التسمیۃ من الفعل لا ان وصفه یتوقف حصولہ علی النیۃ نیت صرف اس طریقہ پر عمل کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے جس طریقہ پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ آپ سنت کی نیت نہیں کرتے تھے بلکہ صرف خدا کے لیے ناز کی نیت کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ اس طرح پر نیت اس وقت سے ثابت ہوئی ہے جب سے کہ ہم نے آپ کے فعل کا نام سنت رکھ لیا ہے نہ یہ کہ سنت ایک ایسا وصف ہے جو غیر نیت کے ثابت ہی نہ ہو تو آپ ایسی صورت میں اس قوم کی اقتدا اور اس شخص کی امامت کر دے ہو یا نہیں اور انہیں تو ہی علی الضعیف لازم آتی ہو یا نہیں نیت سنت مکررہ میں تعین بہتر ہے یا اطلاق اور اس امامت اور اقتدا کے نہ صحیح ہونے کی وجہ صرف مخالفت سلف ہے جیسا کہ قلموی ہندیہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے واصلی التواضع مقتداً بما من یصلی مکتوبہ او تروا وناظلاً لا یصح ان لا یصح الاقتداء بہ لانہ مکروہ ومخالفت لعل السلف اگر تراویح میں اس شخص کی اقتدا کی جو فرض یا تریاقل پڑھ رہا ہے تو صحیح ہے کہ یہ اقتدا درست ہے کیونکہ مکروہ اور مخالفت عمل سلف ہے یا اسکے سوا اور بھی کوئی وجہ ہے جو آپ فقہائے خفیلہ اس باب کے دوام و بین اختلاف رکھتے ہیں اول نیت تراویح میں۔ اس میں ایک مذہب تو دہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ تراویح اور تمام سنتوں میں محض ناز کی نیت کافی ہے جیسا کہ تھنیس اور ذخیرہ میں ہے اور صاحب ہدایہ نے مختارات النوازل اور ہدایہ میں اسکی تصحیح کی ہے اور فتح القدیر میں امام بن ہمام نے اسکی اختیار کیا ہے اور اسکی خوب تحقیق کی ہے برہان شریح مواہب الرحمن میں طرابلسی نے اسکی اتباع کی ہے اور جامع منہج میں اسکی تصحیح کی ہے اور در مختار میں اسکو قابل اعتماد لکھا ہے اور خزائن الفتاویٰ اور فیتۃ المصلیٰ میں اسے مذہب مختار بتایا ہے اور دوسرا یہ کہ تراویح اور سنتوں میں متابعت رسول اور ادائے سنت کی نیت مندرجہ ہے اور بعض مفسرین نے اسکی تصحیح کی ہے جیسا کہ قتادی قاضی خان میں ہے و قتال بعضہم یجوز اداء السنۃ بنبیۃ الصلوٰۃ او التطوع قال بعضہم لا یجوز و هو الصحیح بعضہم یجوزون کے نزدیک مطلق ناز یا نقل کی نیت سے سنتوں کا ادا کرنا جائز ہے اور بعضوں کے نزدیک نہیں اور یہی مذہب صحیح ہے اور برابر یہ میں ہے

ان تروی فی التراويح مطلق الصلوٰۃ والنفل فالصحيح ان لا يجوز ان يفاسنه مخصوصة فیراعی صفة الخاصة للترویح
 المهددة واكثر المتأخرین علی ان التراويح والسنن تتادی بمطلق النية اگر تراویح بین مطلق نماز یا نفل کی نیت کی
 تو صحیح عدم جواز ہو کہ نہ تراویح ایک خاص سنت ہو تو اسکی اس خاص صفت کا لحاظ کیا جائے گا نہ کہ وہ ذمہ واداب ہو
 اور اکثر متأخرین کا خیال یہ ہو کہ تراویح اور سنن مطلق نیت سے ادا ہو سکتی ہیں اور تعلیم یہ وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے
 تو اب اس مسئلہ میں مذہب مرجح و صحیح میں اختلاف ہو گیا اس لیے صاحب نیلہ اور صاحب تلخیص یہ اور ابن ہمام اور کنگ
 شاگرد قاسم بن تطلوبغا وغیرہ نے کہا ہو کہ احتیاط یہ ہو کہ محض نیت پر اکتفا نہ کرے دوم تراویح پڑھنے والے کی نفل
 پڑھنے والے اور دوبارہ تراویح پڑھنے والے کی اقتدا کے بارے میں تو بیعت است جائز رکھتے ہیں اور بعض ناجائز قاضی
 خان نے کہا ہو صحیح یہ ہو کہ ناجائز ہو اور صدر شہید نے اپنی کتاب واقعات میں لکھا ہو امام یحییٰ علی الترویج فی مسجدین
 علی الکمال لا يجوز ان یک امام جوامع مسجدین پوری پوری تراویح پڑھتا ہو اسکی امامت نا درست ہے اور قاسم بن تطلوبغا
 نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہو اذا صلح التراويح مقتدیا بمن یصلح المکتوبة او التروا و نافله غیر التراويح اختلاف
 المشائخ فی منھم من نبی هذا علی الاختلاف فی النية فمن قال من المشائخ ان التروا و لا تتادی بمطلق النية
 حتی ینویھا قال طہنا لا تقہ لا نفہا لا تتادی الا بتتہا فلا تتادی الا بنية الامام وہی بخلاف نية ومن قال من المشائخ
 انہا تتادی بمطلق النية ینبغ ان یقول طہنا یصح ولا یصح ان لا یصح وہو مکروہ اگر کسی نے تراویح پڑھی اور اس
 شخص کی اقتدا کی جو فرض یا دتہ کو فی النفل تراویح کے سوا پڑھ رہا ہو تہہ شاخ کا اس بارے میں اختلاف ہے
 بعضوں نے اس کو اختلاف نیت پہنچایا ہو پس ان میں سے جو کہتے ہیں کہ تراویح بمطلق نیت سے ادا نہیں ہو سکتی
 وہ کہتے ہیں کہ یہ صورت ناجائز ہو کہ نہ اولے تراویح کے لیے نیت تراویح کی ضرورت ہو اور مقتدی کی نیت میں
 امام کی نیت ہو اور امام کی نیت تراویح کی نیت کے خلاف ہو اور جو کہتے ہیں کہ تراویح بمطلق نیت سے ادا ہو جاتی
 ہو ان کے خیال میں اس صورت کو درست ہونا چاہیے اور صحیح یہ ہو کہ یہ صورت درست نہیں بلکہ مکروہ ہو اور طبع
 مضمرات شرح مختصر قدوسی میں تروی الکبریٰ قوم صلوا التراويح ثم اداوا ان یصلوہا بعد اذک یصلون فراوا
 لا نہ تطوع و صلوة التطوع جماعة لیست مستحبہ کبریٰ میں ہو کہ ایک گروہ تراویح پڑھی اور پھر دوبارہ تراویح پڑھنے کا
 قصد کیا تو انکو علیحدہ علیحدہ پڑھنا چاہیے کیونکہ یہ نفل ہو اور نفل میں جماعت مستحب نہیں ہو اور خزائنہ الروایات میں
 رسالہ صدر الدین حسام نبہالی سے نقل کیا ہے ہذا التراويح لمقتدی سنتہ موکدة ولہ یبقی للامام سنتہ
 موکدة بل صار تطوعا فی حقہ والسنة اقویٰ حالا من التطوع وقاسوہ علی اقتداء المختص

بالمستغفرین بعدہ روایت المتضمنات قوم صلوا التراویح ثم اداوا الخ وروایت نصاب الفقہ واصح الامام الترمذی
فی المسجدین علی الکمال لا یجوز لہما ان یفعل لان التراویح سنتہ والسنن لا یتکرر فی الوقت الواحد فاذا فعل
ذلک لا یكون سنتہ والفتویٰ علی ذلک وقال بعضهم یجوز لانا اقتداء المتفعل بالمستغفر وکل سنتہ فہی نفل باحقیقہ
یہ تراویح مقتدی کے لیے سنت موکرہ ہو اور امام کے لیے سنت موکرہ نہیں رہی بلکہ نفل ہو گئی اور سنت نفل سے
زائد قوی ہو اور اس کا قیاس اس صورت پر کیا گیا ہو جس میں فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرے
اور مضمرات کی روایت سے اسکی تائید ہوتی ہو جو پہلے ذکر ہوئی اور نصاب الفقہ کی اس روایت سے کہ اگر امام نے
و فسجدون میں پوری پوری نماز پڑھی تو یہ ناجائز ہو کیونکہ تراویح سنت ہو اور ایک ہی وقت میں سنت کی کرا
نا درست ہو پس اگر اس نے تکرار کی تو دوسری تراویح سنت نہ ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہو اور بعضوں کے نزدیک یہ
جائز ہو کیونکہ اس میں نفل پڑھنے والے نے نفل پڑھنے والے کی اقتدا کی اور یہ سنت حقیقہ نفل ہو اور اختلاف
اول پر ایک غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہو کہ تراویح اور دوسری سنتیں اور نفلین مطلقیت اور نسبت نفل
سے پورن ہو جاتی ہیں جیسا کہ امام نے اسکی تحقیق کی ہو اور اختلاف ثانی پر غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہو کہ اگر
تراویح پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرے تو تراویح ادا ہو جائیگی لیکن خالی ذکر اہمیت نہیں کیونکہ اس میں سلطنت کی لغت
ہو پس ایسی صورت میں بہتر ہو کہ امام جتنا حصہ تراویح کہ دوسری جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہتا ہو اسکی نذر مانجے
اور اس طرح اسے اپنے اور ہر ایک کے بننا والے فتویٰ علی الضعیف کے شبہ سے محفوظ ہو جائے سوال اگر کوئی شخص
فرض کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد اور غنم سورہ کو پہلے یا فاتحہ اور غنم سورہ کے بعد قل ہو اللہ واحد پڑھتا ہو تو اسکی نماز
بلا کر اہمیت درست ہے یا کر اہمیت جواب اسکی نماز بلا کر اہمیت درست ہو ترندی اور بزار اور بخاری نے اپنی صحیح
میں حضرت انس سے روایت کی ہو کہ ان رجل من الانصار یؤمهم فی مسجد قباء وكان یقرأ الہم فی الصلوٰۃ ما یقرء بہ
وکما افتتح سورۃ افتتح یقل ہوا اللہ احد حتی یفرغ منها ثم یقرأ سورۃ اخری معها وكان یضع ذلک فی کل رکعۃ وکلمہ
اصحابہ فقالوا انک تقرئ ہذہ السورۃ ثم لا نری انہا تجزئ حتی تقرأ باخری فاما ان تقرأ بجا واما ان تداعیہا
وتقرأ باخری فقال ما نابتارکھا ان احببہ ان او مکہ بذلک فعلت وان کوہتم ترکتمہ وکانوا یرون انہ من
افضلہم وکروا ان یؤمہم غیرہ فلما اتاہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبروہ الغیر فقال یا فلاح ما یمنعک
ان تفعل ما یامرک بما اصحابک وما یجھلک علی لزوم ہذہ السورۃ فی کل سورۃ فقال فی اجہا فقال جلد یا ہا
او ذلک الخ انصار میں سے ایک صاحب جو مسجد نبی کے امام تھے جب امامت کرتے تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے

پڑھتے مگر جب سورت شروع کرتے تو اُس کے قبل قیل ہوا صد پڑھتے اور اسکے ختم کرنے کے بعد دوسری سورت پڑھتے اور وہ ایسا ہر رکعت میں کیا کرتے تو ان کے اصحاب نے کہا کہ تم ہمیشہ اس سورت سے شروع کرتے ہو اور کبھی تنہا اس سورت کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ اُس کے ساتھ دوسری سورت بھی ملایا کرتے ہو پس یا تو اس سورت کا پڑھنا چھوڑ دیا اسکے ساتھ دوسری سورت نہ ملاؤ تو آنحضور نے کہا میں اسے نہ چھوڑوں گا اگر تم ایسی ہی صورت میں میری امامت کو پسند کرو تو میں تمھاری امامت کروں گا ورنہ نہیں وہ لوگ چونکہ انھیں کو سب سے افضل سمجھتے تھے اور اُن کے ہوتے ہوئے دوسرے کو امام بنانا پسند نہیں کرتے تھے اس لیے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور سے یہ واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا ای فلاں تم اپنے اصحاب کے کہنے پر کیوں عمل نہیں کرتے اور ہر سورت کے قبل اس سورت کو کیوں پڑھا کرتے ہو آنحضور نے جواب دیا کہ مجھے یہ سورت اچھی معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا یہ اچھا معلوم ہونا بھی تمکو جنت میں داخل کر دوں گا پس اس حدیث سے اس فعل پر حضور کلمہ کو ثابت ہوا اور رفع کراہت میں اتنا ہی کافی ہے کیونکہ اگر مکروہ ہوتا تو حضور ان صحابی کی توجیہ پر اتفاقات نہ کر کے ضرور مانعت فرماتے مگر چونکہ یہ طریقہ حضور اور دوسرے صحابہ کے غالب طریقہ کے خلاف ہے اس لیے اسکا ترک اولیٰ ہی فتح القہار میں ہے لہذا جمع بین سورتین فی رکعتہ لا ینبغی ان یفعل ولو فعل لا باس بہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع نہ کرنا چاہیے اور اگر ایسا کر لیا تو کچھ حرج بھی نہیں ہے سوال جماعت میں شریک ہونے کی وجہ سے اگر فجر کی سنتین ترک کر دیں پس طلوع آفتاب سے پہلے اُٹھا اور کرنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں جواب قیس کی اس حدیث سے عدم کراہت ثابت ہے بخروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت مع الصبیحہ ثم انصرفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مہلایا قیس اصلاتان قلت انی لما کن رکعتی الفجر قال فلا اذن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز قائم کی گئی تو میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر حضور لوٹے اور مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ تو فرمایا کہ کوئی قیس کیا تم دو نمازیں پڑھو گے میں نے عرض کیا کہ نہیں میں نے فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں آپ نے فرمایا پس اس صورت میں کوئی مانعت نہیں ہے لیکن خفیہ اصولی تقریر کی وجہ سے کراہت کا حکم دیتے ہیں معنی عمدة القاری میں لکھتے ہیں قلت استقرت القاعدة ان البیوع والمعاوض اذا انعلا من اجل الماظ متاخرا وقد ورد النہی فی احادیث کثیرة میں کتاب ہوں کہ یہ قاعدہ مقرر ہو گیا ہے کہ جب اباحت و خطا میں تعارض ہو تو دلیل خطا کماخرا نانتے ہیں اور نہی ہمت سے امارت میں وارد ہے سوال نفل نماز جو در رکعت سے زائد ایک سلام سے ہو اسکی درمیانی قعدہ میں صرف التحیات پڑھے یا درود بھی۔ جواب ہمیں فقہاء کا اختلاف ہی

بعضوں کے نزدیک مرفوعات اور بعض کے نزدیک درود بھی پڑھے مگر جمعہ اور نظر کی سنتوں میں متاخرین کے نزدیک قول ثانی مختار ہو و مختار میں ہے ولا یصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدة الا ولی فی الاربع قبل المظہر والجمعة وبعدھا فی البواقی من دوات الاربع یصلہ ويستغفر فیتعوذ فی القیام ولونذکر ان کل شفع سلوة علیحدۃ وقیل لایناق فی الکل وصحیح فی القنیۃ اور قعدة اول میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر چار رکعت والی نماز میں طہ اور جمعہ کو قبل و بعد سلوة نہ بھیجے اور باقی چار رکعتوں والی نمازوں میں سلوة بھیجے اور قیام میں اعوذ باللہ پڑھے گو کہ نماز نہ ہو کیونکہ ہر شفعۃ علیحدہ نماز ہو بعضوں کے نزدیک یہ حکم ہر گز درست نہیں اور قنیۃ میں اسکی تمہید کی ہو سوال اگر مقتدی کو سہو ہوا تو اس پر عادیہ سلوة لازم ہے یا متابعت امام کی وجہ سے سو اس سے مرفوع ہو جواب نہ الفائق میں قواعد مقررہ کے مطابق اعادہ کا حکم دیا ہے لیکن جو حدیث اس باب میں مستند ہو وہ عفو اور رفع سہو اور کفایت سلوة امام پر دلالت کرتی ہو سوال ہندوستان میں جہان نصاری کی حکومت ہو جمعہ کی نماز واجب ہو یا نہیں اور اگر جمعہ پڑھے تو بعد اسکے چار رکعت نظر احتیاطی پڑھے یا نہیں اور اگر پڑھے تو تنہا پڑھے یا جماعت جو سنت مکرہ ہو جواب بلاد ہند جو نصاری کے قبضے میں ہیں دارالاسلام ہیں اور دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے کے شرط انہیں موجود نہیں ہیں کیونکہ گو انہیں کفار کا قانون جاری ہو مگر اصول دارالاسلام بھی جاری ہیں اور حکام بعض امور میں ظلم کی رے پر فیصلہ کرتے ہیں نہ اریہ میں ہی قال السید اکام والبلا والاتی فی ایدی الکفرة اليوم لاشک انہا بلاد اسلام بعد ایصالہا ببلاد الحرب لان لم یظہر وافیہا احکام الکفرة بل القضاۃ مسلمون واما البلاد التي علیہا وال مسلم من جہتہم فیموزیہا قامة الجمع والا عیاد واخذ الخیر وتقلید القضاۃ وتزیج الا یامی والارامل واما البلاد التي علیہا کافر فیموزیہا قامة الجمع والا عیاد والقاضی تماض بنا من المسلمین وقد تقر بان بقاء شیعہ من العلویۃ بقہ الحکم وقد حکمنا بخلاف بان هذه الذل قبل استیلاء ائتارکان من دیار الاسلام وبعد استیلاء ائہم اعلان الاذان والجمعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی والد رئیس شایع بلا کثیر من ملوکہم فالحکم بانہا من دار الحرب لا جہتہ الی الدارۃ والذ لا یدعون الخیر واخذ الضرائب والمکسوس والحکم من النقص برسم التارک اعلان نبی قرظۃ لطلب الطاعوت ومع فاش کانت بلدۃ اسلام بلا ریب و ذکر الخلو انی انا تصدیق دار الحرب بلعواء احکام الکفر وان لا یحکم فیہا بحدس احکام الاسلام وان یتصل بدار الحرب وان لا یتبع فیہا مسلم ولا ذمی انا بالان الاول فاذا وجدت الشرائط کلہا صادرة احرب وعند تعارض الادلة والشرائط یتبعی ما کان یتخرج جانب الاسلام احتیاطا سید امام نے کہا ہے

کہ وہ شہر چرک جمل کافرون کے قبضے میں ہیں گو وہ بلاد حرب سے ملحق ہیں اور انہیں احکام کفرہ ظاہر نہیں ہیں بلکہ قاضی
مسلمان ہیں بلا شک بلاد اسلام ہیں اور وہ شہر جن پر کافرون کی طرف سے مسلمان والی ہیں انہیں جمعہ اور عید کی
نماز پڑھنا اور خرچ لینا اور قاضیوں کی تقلید کرنا اور رائیو اون کی شادی کرنا جائز ہے اور وہ شہر جن پر کافروں
ہیں ان میں بھی جمعہ اور عید کی نماز جائز ہے اور وہ ان بھی مسلمانوں کی طرف سے جو قاضی بنایا جائے وہ قاضی ہے
اور یہ معلوم ہے کہ اگر ملت باقی رہے تو حکم باقی رہتا ہے اور بلا اختلان حکم پہنچے دیا ہے کہ یہ بلا قبل استیلائے تارویا
اسلام تھے اور بعد استیلا اعلان اذان و جمعہ و جماعات اور شرع کے موافق احکام اور فتویٰ اور تدبیریں شائع رہے
اور ان کے بادشاہوں میں سے کسی کو اس سے کچھ تعرض نہیں ہوا تو اسکے دارالحرب ہونے کا حکم مراد ہے اور دراستہ
کچھ حقیقت نہیں رکھتا اور علی الاعلان شراب کے پینے اور کس لینا اور رسوم تمار کے بدولت دارالاسلام نہ رہنے کا
حکم کرنا صحیح نہیں کیونکہ ویسا ہی ہے جیسے نبی کریم علی الاعلان باطل پرستی کرتے تھے اور پھر بھی مدینہ دارالاسلام رہا
حلوائی نے کہا ہے کہ ہر جگہ اجرے احکام کفر اور عدم اجراء احکام اسلام و اتصال دارالحرب اور کسی مسلمان اور
ذمی آمن با مان اول کے باقی نہ رہنے سے دارالحرب ہو جاتی ہے تو جب یہ تمام شرائط پائے جائیں گے وہ مقام
دارالحرب ہو جائیگا اور اولہ و شرائط کے تقاض کی صورت میں علی حالہ باقی رہے گا البتہ احتیاطاً جانب اسلام کو ترجیح
دی جائے گی۔ اور قاضی محمد علی تھانوی رسالہ احکام الاراضی میں لکھتے ہیں الحق ان مافی ایدی الکفار من بلاد
المسلمین قہودا لا اسلام بلا شک لانیہا غیر متاصلہ ببلادہم ولا نہم لم یظہروا فیہا احکامہم صحیح یہ ہے کہ
مسلمانوں کے جو بلاد کافرون کے قبضے میں ہیں وہ بلا شک دارالاسلام ہیں کیونکہ وہ ان کے بلاد اصلی نہیں ہیں
اور اس میں انہوں نے اپنے احکام ظاہر نہیں کیے ہیں اور خزانہ المفتیین میں ہے دارالاسلام لا تصیر دار حرب
الا باجراء احکام الشریک فیہا وان یکون متصلہ بالدار الحرب لایکون بینہا و بین دار الحرب مصراً لیسلمین وان
لا یبقی فیہا مسلم ولا ذمی بالامان الاول فمالہ توجب هذه الشرائط الثلاثة لا تصیر دار حرب ومعنی قولنا ان
لا یبقی فیہا مسلم ولا ذمی امنا بالامان الاول ان لا یبقی فیہا مسلم ولا ذمی امنا علی نفسہ بالامان المشوکیں و
قالا اذا جردوا فیہا احکام الشریک فلما تصیر دار الحرب سواء کانت متصلہ بالدار الحرب اولہ تکن بقی مسلمہ و ذمی
بالامان الاول اولہ یبقی و دارالاسلام لا تصیر دار الحرب اذا البقی شیئ من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اهل الاسلام
و دار الحرب یصیر دارالاسلام باجراء احکام الاسلام فیہا وان بقی فیہا کافر مسلمہ و لہ یکن متصلہ بالدارالاسلام لکن
نحو سیر الاصل و فی سیر الاصل لابی الیسان دارالاسلام لا یصیر دار حرب مالم تجل بجمع مصادق بہ

دارالاسلام لان الحکمہ اذا ثبت لعلہ بما بقی شیء من العلۃ یقی الحکمہ ببقائہ وفي المنشور دارالاسلام ما صادت دارالاسلام
 باجاء احکام الاسلام فما یقع علقۃ من علاقۃ الاسلام یتخرج جانب الاسلام دارالاسلام دار الحرب نہیں ہوتا اگر احکام
 شرک کے اجزاء اور دار الحرب کے متصل ہونے اور اس کے اور دار الحرب کے درمیان مسلمانوں کے کسی شہر کے باقی
 رہنے اور کسی مسلمان یا ذمی یا امن یا مان اول کے باقی رہنے سے پس جب تک یہ شرائط نہ پائے جائیں گے دارالاسلام
 دار الحرب نہ ہوگا اور ہر بارے قول ان لا یقی فیہا مسلمہ او ذمی آمنہ بالامان الاول کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں کوئی مسلم
 اور ذمی بلا امان مشرکین باقی نہ رہا ہو اور صاحبین کہتے ہیں کہ جہاں کافر احکام شرک جاری کریں تو وہ مقام دار الحرب
 ہو جاتا ہے اور دار الحرب سے متصل ہو یا نہ ہو ان کوئی مسلم یا ذمی یا امن یا مان اول موجود ہو یا نہ ہو اور دارالاسلام دار الحرب
 نہیں ہوتا تا وقتیکہ وہ ان کچھ حصہ بھی احکام اسلام کا باقی رہے اگرچہ اہل اسلام کا غلبہ جاتا رہے اور دار الحرب صرف
 احکام اسلام کے جاری ہونے سے دارالاسلام ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں کافر اصلی باقی ہوں اور وہ دارالاسلام کے
 متصل نہ ہو ایسا ہی شرح سیر الاصل میں ہے اور ابو الیسر کی سیر الاصل میں ہے کہ دارالاسلام دار الحرب نہیں ہوتا تا وقتیکہ
 تمام امور جن سے وہ دارالاسلام نہ تھا زائل نہ ہو جائیں کیونکہ جب کوئی حکم کسی علت سے ثابت ہوتا ہے تو جب تک کچھ
 حصہ بھی علت کا باقی رہتا ہے حکم باقی رہتا ہے اور منقول میں ہے کہ دارالاسلام اجزاء احکام اسلام کے بدولت دارالاسلام
 رہتا ہے تو جب تک کچھ بھی علاقہ اسلام سے باقی رہے گا جانب اسلام کو ترجیح دیجائے گی۔ غتابی شرح زیادات میں
 لکھتے ہیں دارالاسلام انما تصیر دار الحرب بتلاف شرائط احدھا اجزاء احکام الکفر علی سبیل الاستہارہ والثانی ان یكون
 متاخمة بدار الحرب اسی متصلۃ لا یتخلل بینہا بلدۃ من بلاد المسلمین والثالث ان لا یقی فیہا مسلمہ او ذمی آمنہ بالامان
 الاول فتشروط هذه الشرائط لیکون علما علی تمام الفقر والاستیلاء ودارالاسلام یحاط بالاثبات والاحتیاط فی اثباتہ
 لہا ان یتقی باحدی هذه الشرائط تصیر ورة دار الحرب دارالاسلام والاحتیاط فی بقاءہ لہا ان تشتروط هذه
 الشرائط لئلا تصیر ورة دارالاسلام دار الحرب وعندہما تصیر دارالاسلام دار الحرب باجاء احکام الکفر فیہا
 دارالاسلام تین شرطوں سے دار الحرب ہوتا ہے اول اجزاء احکام کفر یا اعلان دوم دار الحرب سے سطح اتصال کہیں میں
 مسلمانوں کا کوئی شہر باقی نہ ہو سوم کوئی مسلم یا ذمی یا امن یا مان اول باقی نہ رہے تینوں شرطیں اس لیے لگائی گئی ہیں
 کہ کفار کا پورا غلبہ اور قمر و استیلاء ثابت ہو جائے اور دارالاسلام کے اثبات میں احتیاط کی جاتی ہے اس لیے دار الحرب
 سورہ اسلام ہو جانے کے لیے ان شرطوں میں سے کسی ایک کا نہ ہونا کافی ہے اور سطح دارالاسلام کے علی حالہ باقی رکھنے میں بھی احتیاط کی
 جاتی ہے پس دارالاسلام کے دار الحرب ہونے کیلئے یہ تینوں شرطیں لگائی گئیں اور صاحبین کے نزدیک اجزاء احکام کفر ہی سے دارالاسلام دار الحرب ہوتا ہے

خطاوی ہوا شی درخت میں قولہ بالجراء احکام الشریک کے تحت میں لکھے ہیں اسی سبیل الاشتہاد ان لا یحکم فیہا
بحکم اہل الاسلام ہندیہ مظاہرۃ انہ لو اجریہ احکام المسلمین واحکام الشریک لا مکتون دار حرب یعنی علی الاعلان
اور یہی ضروری ہو کہ وہ ان احکام اسلام میں سے کوئی حکم بھی جاری نہ کرے ہندیہ اور ظاہر یہ ہو کہ جان احکام
اسلام اور احکام اہل شرک دونوں جاری ہوں تو وہ مقام دار الحرب نہیں ہو ان عبارتوں سے واضح ہو کہ ہندستان
جہان ابھی احکام اسلام جاری ہیں اور جمعہ جماعت اذان وغیرہ شنائر اسلام کی کفار کی طرف سے مانعیت میں
دار الحرب نہیں ہو جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جمعہ کی فرضیت خل ناز پنجگانہ کی فرضیت کے نصوص سے
ثابت ہے کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ہو اور یہ جو عوام سمجھتے ہیں کہ کتب خفیہ میں ادا سے جمعہ کے شرائط میں
سلطان مذکور ہو اور وہ بیان فقہود ہو ان اقوال سے دفع ہوتا ہے جامع الرموز میں ہو والسلطان ای الخلیفۃ ای
الولی الذی فوقہ والعاک لان او جائز الاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط و هذا اذا امکن استیذانہ
والا فالسلطان لیس بشرط حتی واجتمعوا علی رجل وصلوا جائز کما فی الجہلائی اور سلطان سے مراد خلیفہ ہو یعنی وہ ولی
جسپر کوئی اور ولی بھی ہو عادل ہو یا ظالم اور اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام شرط نہیں ہو اور یاس صورت میں
ہے کہ جب اس سے اجازت لینا ممکن ہو در نہ سلطان شرط نہیں ہو حتیٰ کہ اگر سب کسی شخص کے بارے میں متفق ہو جائے
اور اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں تو نماز جائز ہوگی جیسا کہ جہلائی میں ہو اور رہا المختار میں ہو کہ صاحب معراج الدرایہ نے
بسط سے نقل کیا ہو البلاد النقی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانہم لم یظہروا فیہا حکم الکفر بل
القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعون عن ضرورۃ او بدو بخلاف مصلوہ وال فیہم جہتہم معزلہ اقامۃ الجمع
والجماعات والحد وتقلید القضاۃ فلو کان الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بقضی
المسلمین وہ شہرہ کفار کے قبضے میں ہیں بلاد اسلام میں ہیں بلا حرب نہیں ہیں کیونکہ انہیں احکام کفر شائع نہیں کیے
گئے ہیں بلکہ قاضی اور ولی مسلم ہیں تو بغیر ورت یا بلا ضرورت انکی اطاعت کرتے ہیں اور ہر وہ شہر جس میں کافروں
کی جانب سے والی ہو اس میں جمعہ جماعت اور قاضی کی تقلید جائز ہے پس اگر والی کافر ہوں تو بھی مسلمانوں کو نماز
مجموعہ جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جائے گا اور حجۃ الصدا بالالفہ میں ہو وان الامر لاحق
باقامۃ الصلوۃ ای صلوۃ الجمعۃ اور اقامۃ صلوۃ جمعہ کے لیے امر لاحق ہیں اور شاہ محمد افضل کہ آبادی اپنے
رسالہ الاحاطہ میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہو کہ اکثر آیا ہو کہ اگر شہر کا والی مر جائے اور خلیفہ یا کو تو ال
یا قاضی لوگوں کی امامت کرے تو نماز جائز ہے اور اگر انہیں سے بھی کوئی نہ ہو اور لوگ کسی ایک شخص پر متفق ہو کہ انکی

اقتدارین تو بھی جائز ہو اور اور پھر گھر چکا ہو کہ سلطان کی ضرورت اقامت جمعہ کے لیے اسوجہ سے ہو کہ راین مختلف
ہیں اور وہین سے معلوم ہوتا ہو کہ اگر رایدن کا اتفاق ہو تو جائز ہو جیسے کہ ہر نماز میں پس ان احکام سے معلوم ہوا
کہ سلطان کی ضرورت اختلاف دور کرنے کے لیے ہوتی ہو اور جب اختلاف نہ ہو تو جمعہ جائز ہو لیکن چار رکعت کا نماز
جمعہ کے بعد نہایت آخر ظہر اور اگرنا احتیاط پر مبنی ہو نہ اشتباہ پر گو بعض علمائے اسکے نہ ادا کرنے کا حکم بھی دیا ہو مگر
صحیح یہ ہو کہ احتیاطا بے جماعت اسکا ادا کرنا مستحسن ہو کیونکہ ظہر کو جمعہ کے دن جماعت سے ادا کرنا ممنوع ہے اور
در مختار میں تعدد جمعہ کے اختلاف اور جواز تعدد کی ترجیح کے بعد لکھا ہے و علیٰ المرجح فالجمعة لمن سبق تحریمة و تفسد
بالمیة و الاشتباہ فیصلے بعد ہا آخر ظہر و کل ذلک خلاف المذہب فلا یعمل علیہ کما حرره فی الجوار و یریدہ
مرجع جمعہ اسی کا ہو گا جس کا تحریم سابق ہو اور محبت و اشتباہ کی صورت میں اُس کے بعد دوسرے نماز ظہر کی پڑھنا
چاہیے اور یہ سب مذہب کے خلاف ہو پس اس پر اعتقاد نہ کرنا چاہیے جیسا کہ بحر میں تحریر ہو اور رد المحتار میں ہے تو ظہر
علیٰ المرجح فیقید انہ علیٰ الواجب من جواز التعداد لا یصلیہا بناء علی ما قد مدعن الجواز انہی ہذا لک و ہذا خوف عقاد
عدم فرضیۃ الجمعة اقول وفيہ نظر بل هو الاحتیاط بحسن الخرج عن العهد التامین لان جواز التعداد ان کان
ارجح و اقویٰ دلیلًا لکن فیہ شبهة قویۃ مرجحہ پر اسکی تفریع بتاقی ہو کہ مذہب راجح یعنی جواز تعدد پر نماز ظہر نہ پڑھی جائے
جیسا کہ بحر سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب بحر نے اس پر کئی مرتبہ عدم فرضیت جمعہ کے اعتقاد کے خوف سے فتویٰ دیا ہو میں
کتاہوں کہ اس میں نظر ہو بلکہ یقینی طور پر دوسرے ساقط ہونے کے معنی میں احتیاط کی صورت یہی ہو کیونکہ جواز تعدد کو
دلیل کے اعتبار سے ارجح و اقویٰ ہو لیکن اُس میں قویٰ شبہہ ہی ہو سوال چند آدمی دوسرے محلہ کی مسجد میں قرآن
سننے اسے جاتے ہیں کہ محلہ کی مسجد میں موزن اور امام مقرر نہیں ہے اور یہ لوگ قرآن شریف خود نہیں سناسکتے
تو جائز ہی یا نہیں جواب جائز ہو سوال نماز میں ارسال یدین کی حدیث وارد ہوئی ہو یا نہیں جواب بعض
روایات میں ارسال وارد ہوا ہو طبرانی نے معاذ سے روایت کی ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ذاکل
فی الصلوٰۃ رفع ید یدہ قبل اذ ینہ فاذا اکبر ارسال لہما بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں ہو تو پائے دونوں ہاتھوں
کو کانون تک اٹھاتے اور جب تکبیر فرماتے دونوں کو چھوڑ دیتے۔ اور ابن ابی شیبہ نے عمر و بن دینار سے روایت کی ہے
قال کان ابن الزبیر اذا صلا ارسال ید یدہ جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانون تک
لیکن جہور کے نزدیک اس ارسال سے وہ ارسال مراد ہو جو قبل وضع اور تکبیر تحریم کے بعد کسی قدر ارسال استحب ہوا اور
تمام قیام میں صرف ارسال ثابت نہیں ہو۔ شیخ دہلوی فتح المنان میں لکھتے ہیں مذہب مالک ارسال الیدین و

عزیمت عندہ والوضع رخصت والعجب نہ لایوجد حدیث یتمسک بہ کافی جامع الاصول لہذا جمع احادیث الکتاب
ومنها الموطا ولا فی الجامع الکبیر وجمع الجوامع للسیوطی وقد دعی حاطۃ الاحادیث وجمعہا من نحو خمسین کتابا کمین
روایت مالک وکامن روایت غیریہ امام مالک کا مذہب رسالہ میں ہوا اور یہ اُن کے نزدیک عزیمت ہوا اور وضع یدین
رخصت اور تعجب ہو کہ کوئی حدیث ایسی موجود نہیں جس سے وہ تمسک کریں نہ جامع الاصول میں جس میں تمام کتابوں
کی حدیثوں کو جنہیں سو مطالبہ بھی ہے جمع کیا ہوا اور نہ جامع کبیر و سیوطی کی جمع الجوامع میں جسے متعلق انھوں نے دعویٰ
کیا ہو کہ تمام احادیث اس میں ہیں اور جسے انھوں نے پچاس کتابوں سے جمع کیا ہے نہ تو امام مالک ہی کی روایت
سے نہ کسی دوسرے کی روایت سے سوال جسکے ہاتھ پاؤں اعضاے وضو سے کٹے ہوں اسکی نماز کی تردید درست
ہی جواب اعضاے وضو میں سے جو عضو کٹا ہوا ہو اُسے دھونا اُسکے ذمے سے ساقط ہی باقی اعضا کو وضو کے نماز
پڑھے بحر الرائق میں ہے لوقطعت یدہ او رجلہ فلم یحییٰ منہ لم یفقد الکعبۃ شئ سقط الغسل ولو بقی وجب اگر کسی شخص
کے ہاتھ یا پاؤں کٹ گئے اور کئی اور ٹخنے باقی رہے تو اُسکے ذمے سے اُن کا دھونا ساقط ہو گیا اور اگر کچھ باقی ہو تو اُسکا
دھونا واجب ہو۔ اور درختنا میں ہے مقطوع الیدین والرجلین اذا کان بوجہ جراحۃ یصلہ بغیر طہارۃ جس کے
دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور اسکا چہرہ زخمی ہو تو وہ بلا طہارت نماز پڑھے اور حاشیہ و التمار
میں قولہ مقطوع الیدین کے تحت میں ہوا میں فوق المرفقین والکعبین والاکمسح علی القطع قولہ اذا کان بوجہ
جراحۃ والاکمسح علی التراب ان لہ یکن غسلہ یعنی پاؤں ٹخنوں کے اور ہاتھ کھینچوں کے اور پر تک کٹے ہوں در نہ
محل قطع کا مسح کرے اسی طرح اگر چہ زخمی نہ ہو تو اُسے مٹی سے چھو لے اگر دھونا ممکن نہ ہو۔ سوال ہندوستان کی بعض
عورتیں جب قومہ سے سجدے میں جاتی ہیں تو پہلے دونوں پاؤں کو داہنے جانب کھینچ کر بیٹھتی ہیں پھر سجدہ کرتی ہیں اور
سب سجدے اسی طرح کرتی ہیں بعض علما اسکا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عرب کی عورتیں ایسا نہیں کرتیں بلکہ سجدہ
میں مردوں کی طرح پاؤں کو کھڑا اور انگلیوں کو قبیلے کی طرف رکھتی ہیں اور ہندوستان کی عورتوں کا یہ فعل بلا دلیل ہے
اسمیں جو حق ہو بیان فرمائیے جواب اصل یہ ہے کہ حدیثوں سے عورتوں کے لیے اُس صورت کا اختیار کرنا ثابت ہی
ہو اُنکے لیے ستر ہو حافظ ابن حجر تلخیص المجیبین لکھتے ہیں اخبرنا ابو داؤد فی المراسیل عن یزید ابن ابی جیب انہ
صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال ان سجدتا فاضلا بعض الحمد الی الارض فان المرأة فی ذلک
لیست کالرجل ورواہ البیہقی بطریقین موصولین لکن فی کل منہا عتروک ابو داؤد نے مراسیل میں یزید بن ابی جیب
سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گدرد عورتوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں تو کہنے فرمایا جب

تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کا کچھ حصہ زمین سے ملا دو کیونکہ اس معاملہ میں عورت کا حکم مرد کا ایسا نہیں ہے اسکو یہی
 نے دو موصول طریقوں سے روایت کیا ہے لیکن دونوں میں راوی متروک ہیں۔ اور سند الامام شیخ حسنہ الامام
 میں جو ملا علی قاری کی تصنیف ہے مذکور ہے۔ ابو حنیفہ بن نافع عن ابن عمر انہما غسل کتف کان النساء یصلین علی عبد
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کن یتوکلن ثم امرن ان یحقرن ہو بالحاء المہلک والماء والزاء المہمل ای
 یضمین اعضاءہن بان یتوکلن اہم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نافع سے انھوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ان سے یہ چھا
 گیا کہ حضور سر و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زانے میں عورتیں کس طرح ہتی تھیں تو انھوں نے جواب دیا وہ پہلے چڑھا
 بیٹھتی تھیں پھر انھیں احتفاظ سے تھکے تورک کا حکم دیا گیا اور تورک اعضا کے ملنے کو کہتے ہیں۔ اسوجہ سے فقہانے اپنے
 کتابوں میں عورتوں کے لیے فروغ کثیر ذکر کیے ہیں جن میں مرد و شرک نہیں ہیں بجز الرقی میں ہے لا تنصب لک
 لکما ذکرہ فی المہملۃ عورتیں پاؤں کھڑا نہ کریں جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے اور جامع الرموز میں ہے والمرأة تحفض ای توقع الحفظ
 المعہ و فلا تنصب صایع القد میں فلا تبدی الضیعین عورت پاؤں کو گرا دے اور پاؤں کی انگلیوں کو کھڑا نہ رکھے
 پس ہندوستان کی عورتوں کا پاؤں کو کھڑا نہ کرنا اقوال فقہا کے موافق ہے پس جیسے تورک کی دونوں قعدہ تشہد
 میں عورتوں کے لیے سنون ہے جیسا کہ حموی حاشیہ شاہین قولہ و تنورک کے تحت میں لکھے ہیں ای فی حال جلوس
 التشہد یعنی جب تشہد کے لیے بیٹھے نہ تو مرد سجدہ میں سوال قدری میں ہو لا تصح الجمع لا فی مصر جامع اونی مصط
 المصو لا تجوز فی القری یعنی جمعہ کی نماز مصر میں یا مصر کے علاوہ میں اور گائون میں صحیح نہیں ہوتی کیا یہ صحیح
 اور خفیہ کے اصول مقررہ کے موافق ہے اور ہم قلدین مذہب خفیہ کو اس پر عمل کرنا لازم ہے یا نہیں جواب بیشک یہ
 قول مذہب خفیہ کے اصول کے مطابق ہے اور فقہائے خفیہ کا اس پر اتفاق ہے علاء الدین حسینی درمنا کی شرح میں لکھتے ہیں
 و اشترط الصلۃ سبعة اشیاء اول المصنوع جمعہ کی سب سے پہلے شرطیں ہیں جن میں سے پہلے مصر ہے اور کبیری شرح نیۃ المصلی
 میں ہے اما شروط الاداء فستة ایضا الشرط الاول المصروف فاؤ لا فلا تجوز فی القری عندنا و ہونہ جب علی بن ابی طالب
 وحلی فہرۃ و عطاء و الحسن بن ابی الحسن و النحوی و مجاہد و ابن سیرین و الثوری و سحنون خلافاً للایمۃ الثلثہ
 لما روی ابن ابی شیبۃ عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا انحی الا فی مصر جامع او
 مدینۃ عظیمة و صحابہ بن حزم فی المحلی و روی مرفوعاً و ہو ضعیف و لکن الموقوف و مثل هذا کالمرفوع لاندہ من
 العبادة و ہی من احکام الوضع و لا مدخل للراۃ فیہا اولے جمعہ کی چھ شرطیں ہیں پہلے شہر یا نلے شہر پہنچ گئے دن میں
 ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہ مذہب علی بن ابی طالب اور خلیفہ اور عطا و حسن بن ابی الحسن اور نحوی اور

حجاج اور ابن سیرین اور ثوری اور بخاری اور مسلمہ کی روایت کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت
 کی کہ انھوں نے فرمایا ہے جمعہ اور تشریق اور صلوٰۃ عید الفطر اور صلوٰۃ عید الاضحیٰ نہیں بگڑے مصر جامع میں یا بڑے شہر میں
 اور اسکو ابن حزم نے عمل میں صحیح کیا ہے اور مروفا روایت ہے حالانکہ یہ ضعیف ہے مگر اس میں موقوف مرفوع کے
 مثل ہے کہ چونکہ یہ شرط عبادت میں سے ہے اور یہ وضع احکام سے ہے اور اس میں اسے کو دخل نہیں ہے اور بھی
 علامہ شیخ احمد طحاوی نے مرقی الفلاح شرح نور الایضاح کے حاشیہ میں یوں بیان کیا ہے و ظاہر ما ذکر کان الحدیث
 مرفوع وحوالہ الذی ذکر کا ابو یوسف فی الاملاء و محمد فی الاصل ورواہ ابن ابی شیبہ موقوفاً عن علی والموقوف
 فی مثله کالمرفوع قال المالک وکنی بقول علی قدرہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یعنی حدیث جسکا امام ابو یوسف
 نے اعلیٰ میں اور امام محمد نے اصل میں اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے موقوف روایت کیا ہے اور اس قسم کے مسائل
 میں موقوف اور مرفوع کا مرتبہ ایک ہی ہو کمال سے کہا ہے کہ اس مذہب کا مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے
 معلوم ہوتا ہے اور عینی شرح بخاری میں برقم استدلال بو حنیفہ تہاد و اح عبد الرزاق عن علی قال لا جمعة ولا تشریق
 الا فی مصر جامع وکذا رواہ ابن ابی شیبہ عن حجاج بن النضی وروی یحییٰ بن یحییٰ بسند صحیح ناجریر عن منصور الخ واما قال النضی
 حدیث علی متفق علی ضعفہ فکانہ لم یطلع الاثر الذی فیہ الحجاج و لم یطلع علی طریق جریر عن منصور فانه استد
 صحیح ولو اطلع لم یقل باقال پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث سے دلیل لائے ہیں جسکو عبد الرزاق نے حضرت
 علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے مصر جامع کے سوا اور کہیں نہ جمعہ نہ تشریق ایسی ہی ابن ابی شیبہ
 نے حجاج ابن نعمی سے روایت کی ہے اور یہی بسند صحیح جریر سے منقول ہے روایت کی ہے ائمہ اور جو نووی نے کہا ہے کہ حضرت
 علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ انھیں حجاج والی حدیث کا علم نہیں ہے
 اور جریر نے جو طریق منقول روایت کی ہے اسکی اطلاع نہیں ہے کیونکہ وہ سند صحیح ہے کہ اگر انکو اسکا علم ہوتا تو یہ نہ کہتے بلکہ
 صحت جموعہ کے لیے مخصوص مکان کا ہونا بالاجماع مراد ہے کیونکہ جموعہ کمال درمیان میں بالاتفاق جائز نہیں ہے اسی لیے
 امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک او اسے جمعہ صحیح نہیں سوائے ایسے گاؤں کے جہاں چالیس مرد آزاد مکلف
 بستے ہوں اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے اور عبد الوہاب شعرائی میزان میں لکھتے ہیں
 ومن ذلک قول الشافعی لا تقم الجمعة الا فی اہلیۃ یتوطنہا من تنقذ بہما الجمعة من بلدة
 او قرية مع قول بعضہم لا تقم الجمعة الا فی قرية اتصلت بیوتہا ولہا مسجد
 وسوق ومع قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان الجمعة لا تقم الا فی مصر جامع لہم سلطان

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جمعہ صرف اسی جگہ درست ہو جان اسے آدمی رہتے ہوں کہ ان سے جمعہ منعقد ہو سکے چاہی
شہر ہو یا قصبہ اور بعضوں کے نزدیک جمعہ اُس قریہ میں جائز ہو جسکی آبادی گنجان ہو اور اُس میں مسجد اور بازار
ہو اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ اُسی مصر جامع میں درست ہو جان سلطان ہو۔ اور وجوب جمعہ کی آیت بھی
مطلق نہیں یعنی ہر جگہ جائز ہونے کو شامل نہیں ہو جیسا کہ کبیریؒ میں ہوا ان قولہ تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ لیس علی
اطلاقاً اتفاقاً اذ لا یجوز فی البرازی اجماعاً فہم قد روا القریۃ وغن قد رنا المصر وهو اولیٰ لحديث علیؓ
سیما ولا معارض لہما ذلہ یقل عن الصحابة اعمہم حسین فقوا البلاد اشتغلوا بصب لمانبر والجمع الا فی الامصار
وفی مرقا الفلاح ولہ یقل عن الصحابة رضی اللہ عنہما اعمہم حسین فقوا البلاد اشتغلوا بصب لمانبر
والجمع الا فی الامصار دون القری ولو کان النقل ولو احدا فلا بد من الاقامة بمصر وفی حاشیتہ وکذا الی
یقل لہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باقامة الجمعة فی قوی المدینۃ علی اکثرھا کما قول فاسعوا الی ذکر اللہ بالاتفاق
مطلق نہیں ہو کیونکہ حکم میں بالاتفاق جمعہ ناجائز ہو تو دوسرے لوگوں نے قریہ کو مقرر کیا ہو اور ہنصر کو اور یہی
اولیٰ ہو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی حدیث سے خصوصاً ایسی صورت میں کہ کوئی دوسری حدیث اُسکی معارض موجود نہ
کیونکہ صحابہؓ سے یہ قول نہیں ہو کہ جب شہر فتح کیے گئے تو شہروں کے علاوہ اور کہیں ممبر نہ یا گیا اور جمعہ مقرر کیا گیا
مرقا الفلاح میں ہو اور یہی ہو یہ قول نہیں ہو کہ جب شہر فتح کیے گئے تو شہروں کے سوا قریوں میں ممبر نہ یا گیا جو ہنصر کیا گیا
حتیٰ کہ نقل احادیث نہیں ہو تو اقامت جمعہ شہر یا اطراف شہر میں ہونا چاہیو بیطرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی
منقول نہیں کہ قصبات مدینہ میں باوجود کثرت کے اپنی جمعہ کا حکم فرمایا ہو صاحب مطاویٰ اور صاحب رد المحتار نے لکھا کہ قال فی النہر
ولہا شل تطل وجوب واداء منہا ما ہو فی المصلی ومنہا ما ہو فی غیرہ والفرق ان الاول لا یصلہا بشعائر شریطہ ویصلہا بشعائر شریطہ
الوجوب نہ میں ہو کہ جمعہ کو وجوب اور ادا کے لیے بہت سی شرطیں ہیں بعضی شرطیں ناظر پڑھنے والوں کے لیے اور بعضی دوسروں کے لیے
ہیں اور فرق یہ ہو کہ اول انتفاع سے شرط واداسی صحیح نہیں ہوتی اور انتفاعی شرط وجوب صحیح ہوتی ہو و ذکر صاحب البیانۃ
نصریہا وتاخذ القول لما تن ہو قولہ لا یتوز فی القری ولما ذکرہ مع انہ مستفاد من قولہ السابق لعلہا لذلک لاشافی فاذ لا
یشترط المصر بل یجوز فی کل موضع اقلہ سکنۃ اربعون رجلاً لہذا قال احمد وقال مالک تقام باقل من اربعین رجلاً یہ زمانہ کے
قول ولا یتوز فی القری کی تائید کرتے ہوئے کہا ہو کہ اس شرط کو ذکر کیا باوجودیکہ یہ کلام سابق سے سمجھی جاتی تھی امام شافعیؒ
رحمہ اللہ کے مذہب کی نفی کرنے کے لیے کہ وہ مصر کی شرط نہیں کرتے بلکہ ہر اُس جگہ جمعہ کو درست ٹھہراتے ہیں جہاں
چالیس آزاد مرد رہتے ہوں اور اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں اور امام مالکؒ کے نزدیک چالیس سے کم میں بھی

نماز درست ہو پس اس عبارت سے قسمستانی کی عبارت منافی نہیں جو مذکور ہو تحت قول ماتن کے وقع الجمعة
فرضا ان صلاحها فاذا دعا والکلام يشير الى انها تقع فرضا في القسبات والقرى الكبرى التي فيها اسواق فتال
ابوالقاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالى والقاضى ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا اجتهد فيه فاذا
التصل بمسجد صالح عليه واذا المياذن بذلك لا تصح قامة فيها وعليه عمل ما في البحر لا نفه في قرية ولا
مفارقة لقول على رضى الله عنه الجمعة ولا تشرى ولا صلوة فطر ولا اضحى الا في مصر جامع او مدينة عظيمة ثم قال
فلا تجب على غير اهل مصر كذا فى الخطاوى وفيه ايما ذكر المصنف وعبارة القيسطاني تفيد ان ذلك لا بد من الاذن
بالبناء واداء الجمعة ونصبها اور اگر جمعہ وہ شخص پر جس میں یہ شرائط نہیں پائے جاتے ہیں تو اسکی جانب سے
فرض ادا ہوگا اور کلام میں اس جانب اشارہ ہو کہ جمعہ گاؤں اور بڑے قصبوں میں جہاں بازارین ہوں وہاں بھی
فرض ہو جاتا ہو ابوالقاسم نے کہا ہو کہ اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے جب دالی یا قاضی جامع مسجد بنائے اور جمعہ ادا کرے
کی اجازت دے کہ کیونکہ مسئلہ اجتہادی ہے تو جب اسکی ساتھ دالی کا حکم بھی شامل ہو جائے گا تو متفق علیہ ہو جائیگا اور
اگر اجازت نہ دے تو درست نہیں ہو اور اسی پر محمول ہو وہ جو بحرین ہو کہ قریہ اور جنگل میں نماز جمعہ صحیح نہیں ہے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جمعہ اور تشریق اور صلوة عید الفطر اور صلوة عید الاضحیٰ مصر جامع یا
بڑے شہر کے سوا اور کہیں درست نہیں ہو پس غیر اہل مصر پر واجب نہیں ایسا خطاوی میں ہو اور بھی مصنف
نے اسی میں ذکر کیا ہے کہ قسمستانی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنا اور ادا جمعہ اور نصب منبر کی اجازت ضروری
ہو پس جب اول سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صاحب قدوری کا قول حنفی مذہب کے مطابق ہو اور جو مورفقا و محققین
نے اسکی پیروی کی اور اوپر کے طبقے والے مزحجین نے اسکو ترجیح دی بلکہ حنفی مذہب کے کسی فقیہ نے اسے جمعہ
کے لیے اشتراط مصر کا انکار نہیں کیا تو مقلدین کو اس قول پر عمل کرنا لازم ہو اور المختار میں ہو فعلینا اتباعہم
ولیویدہ ما قدمہ الشارح فی رسم المفتی واما نحن فعلینا اتباع ما حوہ واصحہ کما لو افتونا فی حیاتیہم الحق الحق الاتباع
پس ہم پر انکی اتباع ضروری ہو اور اسکی زیرم المفتی میں شارح کے اس قول سے ہوتی ہو لیکن ہم پر اسکی اتباع واجب
ہو جسکو انھوں نے ترجیح دیدی یا جسکو صحیح لکھ دیا جیسا کہ وہ ہمارے لیے اپنی حیات میں فتویٰ دیتے حق اتباع
کا زائد مستحق ہو۔ اور جو مقلد اسکے خلاف کرے وہ جائز نہیں۔ در مختار میں ہو۔ واما المقلد فلا یفخذ قضاء وہ غلا
مذہبہ اصلاحا فی القیۃ قلت ولا سیما فی زماننا مقلد کا حکم اس کے مذہب کے خلاف نافذ نہ ہوگا جیسا کہ قیہ میں
ہو بین کتابوں کہ خصوصاً ہمارے زمانے میں۔ واسد اعلم کتبہ الفقیر الحقیر الراعی لطیف ربہ الحق محمد عبد الواحد

الحنفی۔ فی الواقع آیت فرضیت جمعہ بالا جملہ مخصوص ہیں تقلید اسکی بحریث اولیٰ ہو اور خفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 کی حدیث کو کہہ دیا ہے مرفوعاً و موقوفاً و الموقوف اصح اور اس باب میں مرفوع کا حکم رکھتی ہے مخصوص ٹھہرائی اور پھر درج
 تخصیص نہیں کی اور اس مذہب میں کسی طرح مخالفت اصول کی نہیں ہوا اسکی تفصیل فتح القدیر حاشیہ ہدایہ
 اور بنا یہ شرح ہدایہ وغیرہ میں موجود ہے و امداد علم حررہ الراجی عفو رب القوی ابو احسان محمد عبدالحی تھانوی رحمہ اللہ عن شہ
 (مبلی و انغنی سوال جس شخص نے عید کی نماز میں ایک جماعت کی امامت کی وہ دوسری جماعت کی امامت کر سکتا
 ہے یا نہیں وہ دوسری جماعت اُسی دن ہو یا کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن ہو اُسی مسجد میں ہو یا دوسری جگہ
 اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھنا جائز ہو یا نہیں خصوصاً اُس حالت میں کہ پہلے اور دوسرے دن کی جماعتوں
 کا امام ایک ہی ہو جواب فقہائے خفیہ کی تقریر دن سے ثابت ہوتا ہے کہ عید کی نماز واجب ہو اور انہیں کی
 تقریر دن سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرض اور واجب ایک بار ادا کرنے کے بعد اگر دوبارہ ادا کیجائے تو نفل ہو جائیگی
 اور یہ قاعدہ مقرر ہے کہ فرض یا واجب ادا کرنے والے کو تنفل کی اقتدا کرنا جائز ہو اور یہ بھی ثابت ہے کہ ادا نفل
 بجماعت علی سبیل التداعی مکررہ ہوا ان تمام باتوں کی تفصیل کتب فقہ میں (جیسے درمختار اور اسکے حاشی و بحر الرائق
 اور شرح منیہ وغیرہ) موجود ہے۔ اسلیئے جماعت اول کے امام نے جب ایک مرتبہ عید کی نماز ادا کر لی تو اُسکے ذمہ سے
 وجوب ساقط ہو گیا پس اُسکو دوسری جماعت کی امامت کرنا جائز ہو کیونکہ جماعت ثانی کے مقتدی اگر عید کی
 واجب نماز ادا کرتے ہیں تو نفل پڑھنے والے کے پیچھے اُنکی واجب نماز ادا نہو گی اور اگر نفل ادا کر رہے ہیں تو ادا
 نفل بجماعت علی سبیل التداعی لازم آئیگا اور اگر پہلے دن امام نے نفل کی نیت کی تو بھی یہی دوسرا دن اتمام آئیں گے
 اور عید کی نماز دوسری دن بعد رجا نہ ہو اگر عید کے دن ادا نہوئی ہو لیکن دوسری دن عید کی نماز کا جائز ہونا غیر ثابت
 ہے سوال زید نے محلہ کی مسجد میں عید کی نماز جماعت سے مفتی شرع کے فتوے کی مخالفت کر کے ایک قوم کیساتھ
 ادا کی پھر دوسرے دن ایک امیر کے مکان میں زید نے لوگوں کے اصرار سے دوبارہ عید کی نماز کی امامت کی
 امام اور مقتدی دونوں نے روز اول کی نیت کی ہو یا روز دوم کی یہ امامت جائز ہے یا نہیں اور دونوں
 دن کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں جواب درمختار میں ہے ولو کانوا ببلد کاحاکم فیہا صاموا لبقول نفقہ و انطو
 باخبار عدلین مع العلة للضرورة اور اگر کسی ایسے شہر میں ہوں جہاں حاکم نہ تو نفقہ کے قول پر ردہ
 رکھ لیں اور دو عادل گواہوں کی خبر پر افطار کر لیں ضرورت کی وجہ سے اور رد المحتار میں
 قولہ صاموا کے تحت میں ہے اسی افتراضاً یعنی فرض روزہ رکھیں اور قولہ و انطو داکے تحت

میں لکھتے ہیں عبارتہ غیرہ کلاباس والظاہران المراد بہ الوجوب ایضا دوسرے لوگوں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے
 کہ انظار میں کچھ حرج نہیں ہوا اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے بھی وجوب مراد ہو پس سوال مذکور میں جبکہ مفتی نے ظاہر
 کا فتویٰ دیا تو تمام لوگوں پر انظار لازم ہوا اور عید کی نماز کا اُسدن اور کرنا واجب ہوا پس زید نے اگر پہلے دن
 مفتی کے فتویٰ کو نہیں مانا اور اپنے اوپر عید کی نماز کو واجب نہ جاکر امامت کی تو مقتدیوں کی نماز جو عید کی نماز
 ادا کرنے والے تھے اسکی اقتدا کی وجہ سے فاسد ہوئی اور اسکا وبال نام کی گردن پر ہوا اور اگر پہلے دن عید کی
 نماز کو اپنے اوپر واجب سمجھے امامت کی تو دوسرے دن کی امامت فاسد ہوئی سوال جو نوافل عشا کی نماز
 کے بعد پڑھے جاتے ہیں اُنکے سوا اور اوقات میں بیٹھ کر نوافل پڑھنا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں جواب
 حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کبھی کبھی بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے اور وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا
 ثابت ہے باقی اور نوافل ظہر اور مغرب یا اور اوقات میں بیٹھ کر پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ احادیث میں وارد ہو کر ٹھیک
 پڑھنے سے ثواب کم ملتا ہے سوال - قاعدہ اخیرہ اولیٰ میں وقت شہادت کے سبب مرفوعہ الا اللہ کے بعد طلعہ
 ٹوٹ کر رکھ دے یا نہ حلقہ مرفوعہ تاسلام رہنے دے جواب اُسی طرح آخر تک حلقہ رہنے دے ملا علی قاری کی نے
 رسالہ ترمین عبارتہ میں لکھا ہے الصحیح المختار سند صحیح و راہبنا ان یضع کفیه علی فخذ یہ ثم عند وصولہ الی کلمۃ
 التوحید یعقد الخضر والبصر ویخلق الوسطی والاہتمام ویثیر بالمسبحۃ رافعا لہا عند النقی وواضعا لہا عند
 الاہتات ثم یدبر علی فخذہ لاندیشیت العقد عند ذلک بلاخلاف ولم یوجد الامر بتغییرہ فالامل بقاء الشی علی
 ما ہو علیہ واستصحی ابہ الی اخر امرہ ومآلہ الیہ ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ اپنی دونوں
 ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے پھر جب کلمہ توحید پر پہنچے تو چھٹکلیا اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کر کے
 بیچ والی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرے اس طرح کہ نفی پر اُسے اٹھائے اور اثبات
 پر رکھ دے اور آخر تک اسی حالت پر رہنے دے کیونکہ تشہد کے وقت اس حالت میں ہونا ثابت ہے اور اُس کے
 بعد تغیر کا کوئی حکم موجود نہیں ہے اور اصل شے کا اپنی حالت پر باقی رہنا اور آخر تک اُسی حال پر رہنا سوال
 شہر کھڑکے اطراف جیسے روولی سدھوستر کھڑکھائیٹھی وغیرہ میں جو جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے تو اکثر لوگ بعد نماز فرض
 جمعہ کے چار رکعت نماز بنیت فرض ظہر یا بنیت ظہر کے بھی پڑھتے ہیں اور جمعہ کا خطبہ زبانی ہاتھ کھول کر پڑھتے ہیں
 اور خطبہ جمعہ کے درمیان جلسہ میں جو دعائے اللہم طہر قلبی من الشرک والریاء وزین لسانی بالحمد والثناء پڑھی
 جاتی تھی اب نہیں پڑھتے اور ہر نماز کے التیمات میں تشہد پڑھتے وقت دلہنے ہاتھ کے کلمے کی انگلی اٹھاتے ہیں پس

یہ سب امور جائز ہیں یا نہیں جواب ساقصات میں بعد ازلے فرض جمعہ چار رکعت نہایت ظہر احتیاطاً پڑھ لینا
 اولیٰ ہی ضروری نہیں ہو مگر چاروں رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنا چاہیے اور اسکی نیت یوں کرے
 نوبت ان اصلی آخر ظہر احد تک وقتہ ولما اصلہ چار رکعت آخر ظہر کی نیت کرتا ہوں میں جسکا وقت میں نے پایا اور
 اسے نہیں پڑھا۔ اور بہتر ہو کہ بعد چار رکعت سنت جمعہ کے یہ چار رکعت پڑھے پھر دو رکعت نہج جمعہ اور اگر صغیری
 شرح نمیبہ میں ہو اور اولیٰ ان یصلے بعد الجمعة سنتہا ثم الاربع جہذا النیتہ ثم رکعتین سنتہ الوقت وینعی ان یقرئ سورۃ
 مع الفاتحہ فی ہذہ الاربعہ اولیٰ یہ ہو کہ جمعہ کے بعد جمعہ کی سنتیں پڑھے پھر اس نیت سے چار رکعتیں پڑھے پھر دو
 رکعتیں سنت جمعہ کی پڑھے اور ان چاروں میں بھی فاتحہ کے بعد سورت پڑھے اور رد المحتار میں ہو نقل المقدسی عن
 المحیط کل موضع وقع النشک فی کونہ مصر اینبغی لہما ان یصلوا بعد الجمعة اربعاً بنبیۃ الظہر احتیاطاً حتی اندلوا
 لتقع الجمعة موقفاً یغیرون عن عمدۃ فرض الوقت باداء الظہر مقدسی نے محیط سے نقل کیا جو کہ جس جگہ کے مصر
 ہونے میں شبہ ہو وہاں جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کی نیت کر کے چار رکعتیں پڑھے تاکہ اگر جمعہ درست نہ ہو تو فرض وقتی
 و عمدہ برآہو سکے اور قنیہ میں ہے لما اتلی اہل مرو باقامۃ المجتہدین فیہا مع اختلاف العلماء فی جوازہا امر بہم
 بالاربع بعدہا احتیاطاً جب مرو میں درجہ جمعہ پڑھا جانے لگا اور علما کو ایک شہر میں دو جگہ جمعہ کے درست ہونے
 میں کلام تھا تو وہاں کے ائمہ نے حکم دیا کہ دونوں جمعون کے بعد احتیاطاً چار رکعتیں پڑھی جائیں سنا تھا باندھکر
 خطبہ پڑھنے کا کتب معتبرہ فقہین پر یہ نہیں ہو اور کتب احادیث سے یہ امر ثابت ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم ہاتھ باندھکر خطبہ نہیں پڑھتے تھے سنن ابن ماجہ میں مروی ہو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا
 خطب فی الحرب خطب علی قوس و اذا خطب فی الجمعة خطب علی عصا حضور سرور کائنات علیہ التیمۃ والصلوات
 جب جنگ میں خطبہ پڑھتے تو کمان پر زور دیکر پڑھتے اور جب جمعہ میں خطبہ پڑھتے تو عصا پر زور دیکر پڑھتے اور زوال المعاد میں ہو انما
 کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعتد علی قوس قبل ان یخذ المنبر و کان فی الحرب یعتد علی قوس و فی الجمعة یعتد علی عصا
 منبر نبائے جانے کے پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کمان پر زور دیکر پڑھتے ہوتے تھے اور یہ آپ حرب میں کرتے تھے
 اور جمعہ میں عصا پر زور دیکر پڑھتے تھے سنا جلسہ ماہین ان خطبتین میں اگرچہ آہستہ دعا پڑھنا کوئی دعا ہو اور کوئی
 ذکر کرنا درست ہو مگر چونکہ اسوقت میں دعا منقول نہیں ہو لہذا اس کا ترک اولیٰ ہو شیخ دہلوی سفر السعادت
 کی فارسی شرح میں لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہو حضور سرور انبیا علیہ التیمۃ والثناء و خطبون کے بیچ میں تھوڑی دیر
 خاموش بیٹھتے اور اسوقت میں حضور سے کوئی دعا صحت کو نہیں پہونچی تھی پس اگر دعا مانگو بھی تو آہستہ مانگے

اور ہاتھ نہ اٹھائے یہ التحیات میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کے وقت دہانے ہاتھ کے گلے کی انگلی اٹھانا چاہیے
اس طرح کہ لا الہ الا اللہ پڑھائے اور لا الہ پر رکھ دے احادیث اور فقہ سے بھی یہ امر ثابت ہو سوال۔ باب تحریم بی
وشرار اور فضیلت سعی الی ذکر اس میں جو آیت اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا
البيع سے ثابت ہو خفیہ کے نزدیک اذان اول معتبر ہو اور شافعیہ کے نزدیک اذان ثانی معتبر ہو حالانکہ اذان اول
مستحضر ثبات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہو اور عہد نبوی اور عہد شیخین میں صرف ایک اذان خطبہ شروع ہونے
کے وقت ہوتی تھی پس اذان اول اس آیت سے کیونکر مراد ہو سکتی ہو کیونکہ نزول آیت کے زمانے میں اس اذان
کا معین نام و نشان نہ تھا اور اگر دوسری اذان مراد لی جائے پس ترتیب سعی و ترک بیع وغیرہ کا اس اذان پر کیونکر ہو سکتا
ہو اس لیے کہ اذان کے بعد بلا حلت خطبہ شروع ہو جاتا ہو پس اگر اس اذان سے وجوب سعی اور حرم بیع وغیرہ
ہو اور اس کے قبل نہ تو اکثر لوگوں سے فوت خطبہ لازم آئیگا یہ اذان اول جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے
احداث کی ہو اسکا کیا حال ہو آیا خاص مدینہ میں تھی یا اہل اسلام کے سب شہروں میں یہ اذان دوم جو خطیب
کے سامنے مسجد میں کہی جاتی ہو اس کی کیا سند ہو ابو داؤد کی روایت سے ثابت ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔ جواب۔ یہ آیت اذا نودی للصلوة میں نہ اذان اول کا
ذکر ہے نہ اذان ثانی کا بلکہ آیت سے اسی قدر ثابت ہو کہ جب نماز جمعہ کے لیے اذان ہو تو سعی واجب و بیع و شر حرام
ہو اور اگرچہ مصداق اس اذان کا زمانہ نزول آیت میں اذان ثانی تھی لیکن اس سے یہ نہیں لازم ہو کہ لفظ نودی
للصلوة سے خاص وہی اذان ہو وقت خاص مراد ہو جائے چونکہ زمانہ نبوی میں صرف یہی اذان تھی یہ حکام اسی پر
مرتب تھے اور خلافت عثمانی میں جب اذان اول کا احداث ہوا اُس پر بھی اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة کا مصداق
ہو گیا اور ان احکام کا ترتیب بالفرض اُس پر ہو گیا اور یہی خفیہ کا مذہب مختار ہو اور شافعیہ کے نزدیک باہین خیال نہ
نبوی میں صرف اذان ثانی تھی ترتیب احکام قرآنیکہ اُسی پر ہو لیکن اصل وجوب سعی نفس دخول وقت سے ہو اور اذان
ثانی سے وجوب الاداء ہی پس وہ لوگ کہ انکا مکان مسجد ہو دور ہو اور بعد اذان ثانی اُنکے پہنچنے میں خطبہ کے کل یا
بعض کا فوت ہو جانا منظور ہو اُن پر اس کے قبل سعی وغیرہ واجب ہوگی اور اگر یہ حکم شافعیہ کے نزدیک نہ ہو تو بلاشبہ
اُنکے قول پر پایہ اور دیکھا کہ سب شہروں میں اس پر عمل ہو جیسا کہ ارشاد الساری میں ہو فثبت الامر علی ذلک
فی جمیع الامصار میں تمام شہروں میں اس پر عمل ثابت ہو گیا اور بلا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں اخذ الناس
بفعله فی جمیع البلاد اذ ذلک للونه خلیفہ مطاعا وقیل اول من احداثہ بکتاب الحجاج وبالبصرة زیاد ثم شہرون

لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فعل پر عمل کیا کیونکہ اُس وقت یہی حلیف تھے اور اُنکی اطاعت ضروری تھی بعضوں نے کہا ہر کہ مکے میں سب سے پہلے اس حجاج نے اور پھر مین زیاد نے ایجاد کیا بلاشبہ ابو داؤد کی روایت سے یہ امر ثابت ہو کہ اذان ثانی خارج مسجد و بر دے خطیب ہوتی تھی کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر بیٹھے تو آپ کے روبرو مسجد کے دروازے پر اذان دیجائی۔ اور بعض علماء لکھتے ہیں کہ یہ اذان منارہ پر ہوتی تھی ہر حالت میں خطیب کے پاس نہ تھی مگر ہشام بن عبد الملک کے زمانے سے یہ اذان مسجد میں ہونے لگی ابن حجاج مدخل میں لکھتے ہیں السنۃ فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبر ان یكون المؤذن علی المنارۃ کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و صدیق و من خلافتہ عثمان و کان المؤذن ثلثۃ یوذنون و اما بعد واحد ثم زاد عثمان اذا نال اخر بالزوراء و هو موضع بالسوق و ابقی الاذان الذی کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی منارہ و الخطیب علی المنبر اذا ذاک ثم انما لما تولى هشام بن عبد الملك اخذ الاذان الذی فعل عثمان بالزوراء و جعل علی المنارۃ و کان المؤذن واحد ایوذن عند الزوال ثم نقل الاذان الذی کان علی المنارۃ عند صعود الامام علی المنبر بین یدیہ و کانوا یوذنون ثلثۃ فجعلهم یوذنون جماعة و یستریحون فقد بان ان فعل ذلک فی المسجد بین یدی الخطیب بدعۃ وان اذا ختم جماعة بدعۃ اخری و تمسک بعض الناس بجماعتین و ہما ما احداثہ هشام بن عبد الملك اذان جمعہ بین سنت یہ ہو کہ جب امام منبر پر چڑھے تو مؤذن منارہ پر ہوا ایسا ہی زمانہ گزری اور زمانہ یثیین اور شروع خلافت عثمانؓ میں تھا اور مؤذن تین تھے جو یکے بعد دیگرے اذان دیتے تھے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زوراء میں ایک اور اذان زائد کی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو اذان اُس وقت ہوا کرتی تھی جب خطیب منبر پر چڑھتا تھا اُسکی حالت باقی رہنے دیا پھر جب ہشام بن عبد الملک والی ہوا اُس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو زوراء والی اذان کو منارہ پر دینے کا حکم دیا اور مؤذن ایک کر دیا جو زوال کے وقت اذان دیتا تھا پھر منارہ والی اذان منتقل ہو کر امام کے سامنے وی جانے لگی اور اذان تین آدمی دیا کرتے تھے اب ایک جماعت کی جماعت اذان دینے لگی پس ظاہر ہو گیا کہ اذان کا خطیب کے سامنے ہونا بدعت ہوا اور ایک گروہ کا اذان دینا بھی بدعت ہوا و بعض لوگوں نے ان دونوں سے تمسک کیا ہو حالانکہ یہ دونوں ہشام بن عبد الملک کی ایجاد کی ہوئی باقیین میں اور دوسرے موضع میں لکھتے ہیں من السنۃ الماضیۃ ان یوذن المؤذن علی المنارۃ فان تعد فی المسجد فان تعد ذلک فعلی بابہ۔

سنت ماضیہ یہ کہ موزن منارہ پر اذان دے اور اگر اس میں دشواری ہو تو مسجد کی چھت پر اور اگر اس میں بھی دشواری ہو تو مسجد کے دروازے پر سوال منا و مشابہ ظار کے یہ یا نہیں اگر ہے تو ضاد کی جگہ طاء پڑے ہو تو ناز فاسد ہوتی یہ یا نہیں اور اس زمانہ میں اکثر لوگ مشابہ ذاور ز کے پڑھتے ہیں۔ اسکی کوئی دلیل کتب دینیہ میں ہو یا نہیں بر تقدیر نہ ہونے کے ضاد کو ذیاز کے مشابہ پڑھنے سے ناز فاسد ہوتی یہ یا نہیں جواب ماہرین شریعت عز پر پوشیدہ نہ ہے کہ ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ظار و جمہ کے ساتھ جملہ کتب تفسیر و فقہ و صرف و تجوید سے ثابت ہوتا ہے شاہ عبدالغنی صاحب فتح الغریب میں وما هو علی الغیب بضنین کے تحت میں ضاد کا ظار کے ساتھ مشتبہ الصوت ہونا لکھتے ہیں اور تفسیر کبیر میں ہونفت بماذکوان المشابہ بین الطاء والضاد شد یدقہ وان التمزیز عسیر اذا ثبت هذا فقول لو كان هذا الفرق معتبر الوقع السؤال عنه في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم و في ازمنا العصابة لا سيما عند دخول الجمة في الاسلام فلما لم ينقل وقوع السؤال عن هذه المسألة الثبته علمنا ان التميز بين هذين الحرفين ليس في محل التكليف پس ثابت ہو گیا کہ مناد اور ظار میں بہت مشابہت ہو اور بہر تمیز دشوار ہو اور جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ فرق معتبر ہو تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ میں خصوصاً جب عجمی لوگ اسلام لانے لگے تھے یہ سوال اٹھایا جاتا اور جب اس مسئلہ میں سوال منقول نہیں ہو تو معلوم ہوا کہ ان دونوں حرفوں میں تمیز کرنا محل تکلیف نہیں ہو اور بعضی دوسری شریعت کے حاشیہ پر یہو والمباحث علی هذا الاشارة ان اکثر الناس خصوصاً الجمة كانوا في الزمان الاول لا يعلمون الفرق بينهما اور اس اشارہ کا سبب یہ ہو کہ اکثر لوگ خصوصاً عجمی لگے زمانہ میں ان دونوں کا فرق نہیں جانتے تھے اور رضی شرح شافعیہ میں یہو وبعض الحروف اذا وقعت عليها خرج معها مثل النغمة ولم ينضغضا ضغط الاول وهي الطاء والذال والضاد والزاء وبعض حروف ایسے ہیں کہ جب تم انہر وقت کرو تو پھونک کی ایسی آواز نکلتی ہو اور ویسا جھکا نہیں پڑتا جیسا کہ ابتدا میں پڑتا ہے اور وہ ظار۔ مناد۔ ذال۔ زاور میں جملہ لقل میں مرقوم ہے الضاد والطاء والذال اللججات الكل متشاركة في الجمة والرخاوة ومتشابهة في السمع واليضافيه ويشبه صوتها اى صوت الضاد المعجمة صوت الطاء المعجمة بالضم والفتح ضا و ظا و فال لجمات سب مجوره رخوه میں اور سماعت میں قشایہ ہیں اور ضا و مجمہ کی آواز بالبداهتہ ظار مجمہ کی آواز کے مشابہ ہو اور شرح شاطبی میں مذکور ہے ان هذه الثلاث اى الضاد والطاء والذال متشابهة في السمع والضاد لا تفتقر من الطاء الا باختلاف الخرج وزيادة الاستطالة في الضاد ولولاهما لكانت احدهما عين الاخری یہ تینوں یعنی ضاد اور ظا اور ذال سماعت میں قشایہ ہیں اور ضاد کو ظار سے کوئی فرق بجز اختلاف مخرج اور طاء

کے نہیں ہے اور اگر یہ دونوں امور نہ ہوتے تو ان میں کچھ فرق باقی نہ رہتا۔ اور محمد بن محمد بن جریر تمہید فی علم التجوید میں
لکھتے ہیں واعلم ان هذه الحروف ليس في الحروف ما يصر على اللسان مثله والناس يتفاوتون في النطق به ففهم
من يجعله ظاء لانه يشترك الظاء في صفاتها كلها ويزيد عليها بالاستطالة فلو لا الاستطالة واختلاف الخرجين لكانت
ظاء وهم اكثر الشائمين وبعض اهل المشرق जानا جاسیہ کہ یہ حروف ایسے نہیں کہ زبان سے نکالنا ہونا دشوار ہو البتہ
مختلف لوگ مختلف طریقوں پر انہیں ادا کرتے ہیں بعض ظاء کی آواز نکالتے ہیں کیونکہ وہ تمام صفات میں اس کے
مساوی ہو البتہ کچھ پتھر پڑھا جاتا ہو اور ظاء کی پتھر نہیں پڑھا جاتا اور اگر یہ ہوتا اور مخرج مختلف نہ ہوتے تو اس میں
اور ظاء میں کچھ فرق نہ ہوتا اور یہ لوگ اکثر شامی اور بعض اہل مشرق ہیں اور رعایہ تصنیف ابو محمد کی مصنف
۲۶۵ ہجری میں مذکور ہیں کہ ضا دینے میں ظا کے مانند ہو اور شیخ جمال خفی ملکی کے فتویٰ میں ہو کہ ضا کو ظا پر چھت
اکثر اہل عرب کا ہو اور حاشیہ جملہ نقل میں یہ طور پر فہم من يجعله ظاء هذا ليس لعجب لثبوت التشابه عس
التمیز بینہما و فی التمرید لانه يشترك الظاء في صفاتها كلها ويزيد عليها بالاستطالة ففهم من يجعله ظاء لانه يشترك
ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ تشابہ موجود ہو اور تیز و شوار ہو اور تمہید میں ہو کہ یہ اسوجہ سے کہ ضا تمام
صفات میں ظا کے مشابہ ہو البتہ اس میں درازی زائد ہو۔ اور کیسای سعادت میں ہو اگر ضا اور زاء کے درمیان
میں فرق نہ ہوتے تو جائز ہو۔ حاصل یہ ہو کہ تمام کتب فقہ و تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ ضا و ظا کے مشابہ ہے
اور کیس قدر ذال اور زاء کے بھی لیکن ظا کے ساتھ بہت مشابہ ہے کیونکہ ضا و ظا میں صرف ایک صفت کا
فرق ہو یعنی ضا مستطیل ہو اور ظا قصیر اگر استطالت ضا دین ہو تو فی نوعین ظا رہو جاتا جیسا کہ تمہید وغیرہ کی
عبارت سے معلوم ہوا اختلاف ذال کے کہ ضا و ذال میں سات صفتوں کا فرق ہو جس رخو ہے اور ذال
شدیدہ قس ساکنہ ہو اور ذال ثقلہ قس مطبقة ہو اور ذال منفحة قس مستطیلہ ہو اور ذال مستفلة قس مغنمہ ہو اور
ذال مرفحة قس مستطیلہ ہو اور ذال قصیرہ قس منفوحہ ہو اور ذال غیر منفوحہ اور ضا کا ظا کے ساتھ مشابہت
ہوتا اتنی کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ نقل نہیں ہر جزیرہ شمس جزیرہ دوسری شمس علی قاری کی نشر منہاج طہبندہ الشہید
رسالہ مولانا عبد الرحیم شمس خٹم شمس شاطبی تفسیر کبیر نقان کشف بیضاوی حاشیہ بیضاوی عزیزی حسینی فتاویٰ حنفیہ
عالمگیری کبیری برہان نہیں خلاصۃ الفتاویٰ درختہ طحاوی شامی خزائنہ المفتیین خزائنہ کمل جلیہ فتاویٰ نقشبندیہ
بزاز چغتایہ تارخانہ خزائنہ الروایات رسائل لارکان تہذیب و تہذوق القدر خیرہ جامع الروایات مفتاح الصلوۃ
محاسن لعل البیان بحر مل حیا العلوم کیمیائے سعادت زاد الاخیرہ شافعی رضی جاہرہ دی فصول الکبریٰ فتاویٰ ہر

رسالہ نجم الدین محتار القنادی ہر قندی منہ مجہولہ سلطان بنغیہ المرتاد میزان حروف المعانی وغیرہ کر دی اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ضاد و شاد و طار کے ہر دو جملہ کتب فقہیہ کا کلیہ قاعدہ یہ ہو کہ جن دو حرفوں میں باسانی فرق ممکن ہو اُس کے بدل جانے سے نماز فاسد ہوتی ہو اور اگر اُن دونوں حرفوں میں فرق مشکل ہو تو اکثر کا یہ مذہب ہو کہ نماز فاسد نہیں ہوتی اور تاخرین کا یہی مذہب ہو اور یہی معتدل و درپسندیدہ ہو اور مقتدین کا یہ مذہب ہو کہ ضاد کو طار پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہو پس فقط ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہو اور ظا پڑھنے سے اکثر کے نزدیک نہیں فاسد ہوتی اور اسی پر تقویٰ ہو چلے اس قاعدہ کلیہ کے ثبوت کے لیے فقہ کی چند عبارتیں لکھی جاتی ہیں اسکے بعد اس ثبوت کی جہارتیں لکھی جائیں گی کہ الدالین پڑھنے سے نماز فاسد ہوتی ہو رد المحتار میں ہو وان کان الخطاء بابدال حرف بحرف فان امکن الفصل بینہما بلا کلفۃ کا لصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مکان الصالحات فاقفوا علی انہ مفسد وان لم یکن الا بمشقة کا لطاء مع الصاد والصاد مع السین فالکثر ہم علی عدم الفساد لعموم البلوی ہکذا فی قنادی قاضیخان وفتح القدیر وغیرہ لائق جب کسی سے ایسی غلطی ہو جس میں ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے تو اگر وہ دونوں حرف ایسے ہیں کہ اُن میں فصل باسانی ممکن ہو جیسے صاد و طار کہ صالحات کے جگہ طالحات پڑھ دیا تو بالافتقار نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بلا مشقت ممکن ہو جیسے ضاد و طار اور صاد و سین پس اکثر لوگوں کے نزدیک عموم بلوی کی وجہ سے نماز نہ فاسد ہوگی ایسا ہی قنادی قاضیخان اور فتح القدیر اور نور الفائق میں ہو اور عالمگیری میں ہو وان غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کا لطاء مع الصاد فقرا الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوٰۃ عند کل وان کان لا یمن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کا لطاء مع الصاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشایخ قال اکثرہم لا تفسد صلوٰۃ اور اگر معنوں میں تغیر ہو جائے اور دونوں حرف ایسے ہوں جن میں بلا مشقت فصل ممکن ہو جیسے صاد و طار و سین صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بلا مشقت ممکن نہ ہو جیسے ضاد و طار اور صاد و سین اور طار و تاء اس میں مشابح کا اختلاف ہو اکثروں نے کہا ہر کہ نماز فاسد ہوگی اور خانیہ میں مرقوم ہے الاصل فیہا اذا ذکر حرفا مکان حرف و غیر المعنی ان امکن الفصل بینہما بلا مشقة تفسد وان لم یکن الا بمشقة کا لطاء مع الصاد المعجمین والصاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال اکثرہم لا تفسد جب ایک حرف دوسرے حرف کی جگہ پڑھا اور معنی بدل گئے تو اصل یہ ہے کہ اگر ان دونوں میں فصل بلا مشقت ممکن ہو تو نماز فاسد ہوگی اور اگر بلا مشقت ممکن نہ ہو جیسے ضاد و طار اور صاد و سین اور طار و تاء تو اکثر کے نزدیک

نماز فاسد نہ ہوگی۔ اب دالین کے پڑھنے سے نماز فاسد ہونے کی دلیل میں عبارتیں لکھی جاتی ہیں قاضی خان میں
ہی ولو قرأ الضالین بالظاہر والذال لا تقصد صلوٰۃ ولو قرأ الدالین تقصد اگر ضالین کو ظا یا ذال سے
پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دالین پڑھا تو فاسد ہوگی اور خلاصۃ القنادی میں ہی ولو قرأ الضالین بالظاہر
والذال او بالذال ای لا تقصد اور اگر ضالین کو ظا یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ مذکورہ بالا
تقریر کا حاصل یہ ہے کہ ضا و کا ظا کے ساتھ مشتبہ اصوت ہونا بلا نزاع ثابت ہے اور جس شخص کو مخرج ضا دکانہ آئی
وہ ظا پڑھو اور اس سے نماز اکثر کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی اور ضا و کا مشابہ دال کو پڑھنے پر کوئی دلیل صرف و تجربہ اور فقہ اور حدیث
سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ سب علوم اسکی غلطی پر دال میں در ایک حرف دوسرے حرف سے بدلتا اسی سے ہوتا ہے کہ وہ اسکی مشابہ ہو
ظاہر ہے کہ ضا و دال میں کچھ مناسبت بھی نہیں نہ مخرج میں نہ صفات میں پس مسلمانوں کو چاہیے کہ بہت جلد اسکو عامل ہر جائزین
اور آپس میں جنگ کے جدال جو بالاتفاق حرام ہے نہ کریں و اسدا علم بالصواب فی الواقع ہند بختا چہ ہو خدا کی جگہ پر اگر ظا یا
ذال پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ قنادی ہزار میں ہے قال غیر المغضوب بالظاہر والضالین بالذال والظاہر قبل لا تقصد
لعموم البلوی فان العوام لا یعرفون مخارج الحروف و کثیر من المشائخ اتقوا بغير الغیر المغضوب کو ظا سے ضالین
کو دال یا ضا سے پڑھا تو بعضوں کے نزدیک عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ عموم خارج حروف سے قائم
ہونے میں اور بہت سے مشائخ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور خطراتہ المفتین میں خلاصۃ القنادی سے منقول ہے ان
ذکر حرفا مکان حرف وغیر المغضوب فان المفضل کا ظاہر مکان الصا و تقصد صلوٰۃ وان کان لا یکن المفضل بین الحرفین
الا المشتق کا ظاہر مع الضاد والطاء مع الطاء والصاد مع السین لا اکثر علی نہ لا یفسد اگر کوئی حرف دوسرے حرف کی جگہ پر
رکھ دیا جسکے بدولت معنی بدل گئے تو اگر انہیں فصل ممکن ہو مثلا طار کو صا کی جگہ پڑھو دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یا دار اگر بلا مشقت و تکلف
حرفوں میں فصل نہ ممکن ہو چھوٹا اور ضا طار اور تا ر صا و اوسین تو اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی و اسدا علم حررہ الراجی عفوہ
ابو الحسنات محمد علی بن قبا و اسد عن زہد اہلہ و اتخفی سوال جمعہ اور عبدین کی نماز دیہات میں پڑھنا درست ہے یا نہیں
جواب نماز پنجگانہ کی طرح نماز جمعہ بھی فرض ہے جو شرطین انہیں ہیں اس میں بھی ہیں نقطہ و خطیون کی زیادتی
ہے شہر ہو یا دیہات ہر جگہ بلا شرط شہر و بادشاہ یا اسکے نائب کے بغیر کہ بہت صحیح ہے امام بخاری نے باب الجمعة فی القرۃ
والمدن میں روایت کی ہے عن ابن عباس قال ن اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس جوفی عن البہرین ابن عباس سے مروی ہے کہ پہلا جمعہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کی مسجد کے جمعہ کے بعد پڑھا گیا وہ عبد القیس کی مسجد والا جمعہ تھا جو بخاری نے ایک قرعہ جاتی میں واقع

وہ اسکی مشابہ ہو
کتاب میں مذکور ہے
نماز فاسد نہ ہوگی

ہو اور امام بخاری نے روایت کی ہے عن ابن عمر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کلکم راع وراؤا لیلث قال یونس وکتب زریق بن حکیم الی ابن شہاب وانا معہ یومئذ بوادی القریٰ هل یؤی ان اجمع وزریق عامل علی ارض یعلھا و فیہا جماعة من السوادن وغیرہم وزریق علی اہلہ فکتب ابن شہاب وانا اسمع یا مہ ان یصح الخ ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک نگہبان ہے اور لیلث نے یہ زائد کیا ہے کہ یونس نے کہا ہے کہ زریق بن حکیم نے ابن شہاب کو لکھا اور مین وادی قریٰ میں ان کے ساتھ تھا کہ ان کے نزدیک وہاں جہد درست ہے یا نہیں اور زریق ہی وہاں کے عامل بھی تھے اور وہاں سوڈان اور دوسرے لوگوں کا ایک گردہ اور غور زریق کے اہل و عیال بھی موجود تھے تو ابن شہاب نے جو ابا تحریر کیا کہ جہد پڑھا جائے۔ حاصل ان حدیثوں کا یہ ہے کہ جو اثی مین کہ صحابہ نے زمانہ نبوی میں نماز جہد پڑھ لی ورتا بیہوں نے بھی اور ان کے زمانے میں برابر جاری رہی اور بعض نے جو قریہ کو شہر کے مضمین لیکر جو اثی کو شہر لکھا ہے تو وہ قول مردود ہے کیونکہ جب امام بخاری اور ابو داؤد نے جو افضل و مقدم ہیں جو اثی کو دیہات لکھا ہے اور اکابر محدثین نے بھی ان کے بعد انکی اتباع کی ہے پھر ان کے مقابلے میں متاخرین کے اقوال کب مسموع ہو سکتے ہیں اور اگر متاخرین کے اقوال صحیح مان لیے جائیں تو بھی کچھ خرابی نہیں متقدمین اور متاخرین کے اقوال میں مطابقت پون ہوگی کہ جو اثی زمانہ قدیم صحابہ میں چھوٹی بستی ہو پھر شہر ہو گیا ہو اسی ہندوستان میں دیکھو کہ پہلے جو چھوٹی بستیاں تھیں اب شہر ہیں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت آئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کی طرف لکھ بھیجا کہ جمعہ ادا کیا کرو جان ہو اور ابن خزیمہ نے اسکی تصحیح کی ہے اور جس جگہ کا لفظ شہر اور دیہات دونوں کو شامل ہے اور بیہقی نے لیلث بن سعد سے روایت کی ہے کہ اہل مصر و سواحل جنہیں صحابہ کی جماعت تھی حضرت حمزہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ان حضرات کے حکم سے جمعہ ادا کیا کرتے تھے اور اس مضمون کی ہمت سی حدیثیں آئی ہیں اور شاہ ولی اللہ صفا شرح موطاے مالک میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے جمعہ کی نماز بڑی جماعت کے ساتھ قریہ اور شہر میں بوقت ظہر و رکعت ہو انتہی اور جو صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جمعہ مصر جامع یا اسکے متصل کے علاوہ مین صحیح نہیں ہے اور دیہات مین جائز نہیں اس حدیث کی وجہ سے کہ جمعہ اور تشریق اور عیدین غیر مصر جامع مین جائز نہیں ہے اور مصر جامع وہ جگہ ہے جہاں حکم ہو اور قاضی جو احکام جاری کرتا ہے اور حدود قائم رکھتا ہے نہایت امام ابو یوسف سے مروی ہے اور انھیں سے دوسری روایت مروی ہے کہ مصر جامع وہ مقام ہے جہاں کے رہنے والے اکو جمع ہوں تو وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں نہاسکیں پہلی

روایت کو کرخی نے اور دوسری کو لمبئی نے اختیار کیا ہوا اور شیخ ابن المہام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ جمعہ ہی
 جگہ ہو جان لگیان اور بازار ہوا اور اس میں والی ہو جو مظلوموں کا انصاف کرتا ہوا اور عالم ہو جسکی طرف مشرعی
 دشواریوں میں لوگ رجوع کرتے ہوں تسلیم کے قابل نہیں ہو گئی وجہوں سے ایک تو یہ کہ حدیث لاجمعة ولا
 تشریق آنحضرت اور منقطع ہوا اور کسی کتاب کی منقطع حدیث حدیث بخاری کی محاضرات میں ہو سکتی کیونکہ بالاتفاق
 جمہور محدثین معارضہ میں مساوات شرط ہو دوسرے یہ کہ مصر کی تفسیر درست نہیں ہو نہ کرخی کے موافق نہ لمبئی کے
 موافق کیونکہ اسعد بن زرارہ نے صحابیوں کے ساتھ حضور کے حکم سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف
 آوری سے پہلے مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز پڑھی ہو حالانکہ اسوقت آپ کی حکومت مدینہ میں نہ تھی اور حدود و قضا
 بالفعل جاری نہ تھے نہ اسکی قوت رکھتے تھے مسلمان مغلوب تھے نہ وہاں کبھی مسجد میں تھیں جو لمبئی کی تفسیر صادق
 آئے جیسا کہ تفسیر نیشاپوری وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جب حضور وہاں تشریف لائے اور جمعہ کی نماز پہلے مسجد
 نبی سالم کی بطن وادی میں پڑھی اسوقت بھی وہاں تسلط تام نہ تھا جو حدود و قضا کے احکام جاری کر سکیں
 اور نہ کبھی مسجد میں تھیں جیسا کہ الجرائق اور شمس المانی و شرح نقایہ اور محلی شرح موطا سے مستفاد ہوتا ہو اور یہ تفسیر
 صاحب فتح القدیر کی صحیح ہو کیونکہ یہ بدعتی کے زمانے میں صحابہ جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے حالانکہ اسوقت انصاف
 کا نام نہ تھا صحابہ کا خون بے دریغ ہوتا تھا اقامت حدود کا تو ذکر ہی کیا اور جس زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ
 عنہ محصور تھے اپنی ربائی کی قوت نہیں رکھتے تھے حکومت کیسی باوجود اسکے اصحاب نے جمعہ کی نماز پڑھی سطح
 کی تقریر مولانا بھلا علیہ السلام لغوی و تفصیل تمام ارکان اربع میں کی ہو اور مصر کی تفسیر میں خوب جرح کی ہو تیسرے
 یہ کہ میں اس حدیث کو مذہب پر محمول کرتا ہوں یعنی بادشاہ اور مصر ہونے کی حالت میں نماز جمعہ عہدہ اور متحب
 ہو گئی نہ یہ کہ بغیر ان شرطوں کے نماز ادا ہی نہ ہوگی جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہو اور شیخ
 عبدالحق محدث دہلوی نے بھی ان شرطوں کو اولویت کے شرط سے فتح المنان میں لکھا ہو جو تھے یہ کہ اس حدیث
 پر عمل کیونکہ ہو سکتا ہو کیونکہ مصر کی تشریف میں اختلاف ہو اور وحی آسانی آتی نہیں شارع سے اسکی تفصیل اور
 تعیین پائی نہیں جاتی پھر کس تشریف کو ترجیح دیجائے جو معمول بہا ہو سکے پانچویں یہ کہ اگر بادشاہ اور مصر
 کا ہونا واجب اول کے لیے تسلیم بھی کریں تو بھی غیر مصر میں یا حسان بادشاہ یا اسکاتائب نہ وجہہ کا فرض نہ ہو لایم
 نہیں کہ تا بلکہ فرض ہی باقی رہتا ہو کیونکہ کسی اور شرط واجب ادا کے فوت ہو جانے سے بسبب مذر کے عین شے کا ساقط ہو جانا
 لایم لازم نہیں بلکہ مذر کے انہا سے دیکھو کہ فرائض بچکانہ کے لیے طہارت اور ستر عورت وغیرہ شرطین

اگر عذر کو وقت پر شرطیں بلکہ اکثر نماز کے ارکان بھی جیسا قیام وغیرہ معذور ہو جائے ہیں حالانکہ نماز اس سے ساقط نہیں
 ہوتی یہی حال جب تک نماز کا ہو کہ اگر عذر اور بادشاہ نہ ہو تو وہ ان کی مسلمانان شرطن سے معذور ہیں ان جن شرطن میں معذور
 نہیں ہیں ان کے نہ کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی یا جو شخص معذور نہیں ہو پھر حاصل اس معذور متصل کسی گاؤں میں نماز پڑھو تو اس کی
 نماز صحیح نہ ہوگی غرض ہماری اس تقریر سے یہ ہر کہ جان ان شرطن کا وجود ہو وہ ان انکی رعایت واجب ہو اور اگر رعایت نہ کر گیا تو نماز
 فاسد ہوگی اور چنانچہ ان شرطن کا وجود نہ ہو وہ ان بلار رعایت نماز صحیح ہوگی کیونکہ وہ ان کے مسلمان معذور ہیں اور میری اس تقریر
 کی تائید تحقیقین حنفیہ کی تحریر بھی کرتی ہو گا انکا عنوان بیان بظاہر نحر عوام کا لانا نام کے اور یہ عالمگیری میں ہی نوقتد س
 الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بجمہ الجمعہ جاز کذا فی التہذیب جب امام وقت سے اجازت لینے میں مسلمان
 معذور ہیں پس جمع ہو کر اور کسی کو اپنا امام بنائیں اور وہ امام سب کو جمعہ کی نماز پڑھاؤ تو جائز ہو جیسا کہ تہذیب میں ہوا اور
 بھی عالمگیری میں لکھا ہے بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بالتراضی المسلمین
 ویجب علیہم ان یتمسوا والیا مسلما کذا فی معراج الدرایۃ ایسے شہر دن میں جہاں حاکم کافر ہوں مسلمانوں کو
 ہے کہ وہ ان جمعہ کی نماز پڑھیں اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جائیگا اور انکو کافر حاکم سے درخواست
 کرنا چاہیے کہ اس شہر کے لیے مسلمان والی مقرر کرے ایسا ہی معراج الدرایہ میں ہوا اور رد المحتار میں لکھا ہے ولذا
 لو مات الوالی اولہ یحضر لھا تنۃ ولم یوجد احد منہ حق اقامۃ الجمعۃ نصب العامة لہم خطیباً للضرورة
 کما سیاتی مع انہ لا امیر ولا قاضی ثم وراسی لیسے اگر کسی فساد کی وجہ سے حاکم مر گیا ہو یا حاضر نہ ہوا جس شخص
 کے لیے اقامت جمعہ نہ ہو وہ نہ پایا گیا ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس میں مشورہ کر کے کسی کو خطیب مقرر کریں
 ضرورت کی وجہ سے حالانکہ اس جگہ امیر اور قاضی نہیں ہیں۔ ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عذر کے وقت والی
 کے اذن سے یا امام معین کے ہونے سے نماز بلان شرطن صحیح ہو اور شرطیں ساقط ہیں اور ولایت کفار میں بھی
 جمعہ جائز ہو باوجودیکہ نہ وہ ان امام ہر سلطان ہیں مسلمانوں کو چاہیے کہ بہکانے میں نہ آویں اور نماز جمعہ کو ترک نہ کریں
 دیہات اور شہر جہاں چاہیں جمعہ اور عیدین ملا وغیرہ پڑھا کریں اگرچہ کافروں کے ولایت میں ہوں مجمع الفتاوی
 میں ہے غلب علی المسلمین ولاۃ الکفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی
 علیہم ان یتمسوا والیا مسلما جب کفار مسلمانوں پر غالب ہو جائیں تو مسلمانوں کو جمعہ اور عیدین کا قائم رکھنا
 جائز ہو اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جانا ہو اور مسلمانوں کو چاہیے کہ والی مسلم کی درخواست
 کریں واسد اعلم حررہ عبد الغفری **عبد الغفری** جواب مذکور صحیح ہے ہا یہ میں نے لکھا ہے اقامۃ الال للسلطان

اول من امر السلطان لانه تمام مجمع عظیم وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم وقد تقع في غير ذلك فلا بد منه تمام
لا بد لها اقامت جمعة من سلطان یا وہ شخص جیسے سلطان نے حکم دیا ہو کہ مسکن ہو کیونکہ جمعة میں بکثرت مجمع ہوتا ہے
امامت اور دوسرے امور پہ جھگڑا ہو جایا کرتا ہے جسکے دفعیہ کے لیے سلطان کی ضرورت پڑتی ہے جو محدث دہلوی
فتح المنان میں لکھتے ہیں هذا تقریر الہدایۃ وظاہرہ یفید الاولویۃ والاحتیاط عقل الا اشتراط وعدہ
الصلوٰۃ بدوہ شرعاً یہ برائی کی تقریر جو اور بظاہر اس سے اولویت اور احتیاط مفہوم ہوتی ہے نہ کہ اشتراط و بغير
سلطان کے شرعاً ناکا عدم جواز اور مولانا بجز العلوم ارکان ربیع میں لکھتے ہیں ولما طلع علی دلیل یفید اشتراط
امر السلطان وما فی الہدایۃ لانها تمام جماعۃ نفسہ ان تقع منازعة فی التقدم والتقديم کہ ہذا راۓ لا یثبت الاشتراط
لاطلاق نصوص وجوب الجمعة ثم هذه المنازعة تندفع باجماع المسلمين علی تقدیم واحد وکما فی جماعۃ الصلوٰۃ
عسے ان تقع المنازعة فی تقدیم ہر جہل لکن تندفع باجماع المصلین فکذا فی الجمعة ثم الصحابة اقاموا الجمعة فی زمان
فتنة بلوی امیر المومنین عثمان وکان هو اما حقاً مصوراً ولم یعلم انهم طلبوا الاذن فی اقامة الجمعة بل لظاهر
عدم الاذن لان هؤلاء الاشقياء من اصحاب الشر لم یحضوا ذلک فعلم ان اقامة الجمعة غیر مشروط عندہم بالاذن
لعل لهذه الواقعة یرجع المشائخ عن عند الشرط فیما قد را الاستیذان واقوا بان ان تعذر الاستیذان من
الامام فاجتمع الناس علی حل یصل بہما الجمعة جازکذا فی العالمگیریۃ ناقلاً عن التہذیب مجھے کوئی ایسی دلیل
نہیں ملی جس سے جمعة میں سلطان کی شرط لگائی جائے اور وہ جو ہر ایمین ہو کہ جمعة میں مجمع ہوتا ہے جو اس سے
جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے الخ یہ ایک خیال ہے جس سے اشتراط نہیں ثابت ہوتا کیونکہ نصوص وجوب جمعة مطلق
ہیں علاوہ برین یہ جھگڑا تو خود مسلمانوں کے اجماع سے دفع ہو سکتا ہے جو سطح کہ اور ناز و نون میں بھی بعض وقتاً
جھگڑے کا خوف ہوتا ہے لیکن ناز و نون کے اجماع سے دفع ہو سکتا ہے جو سطح کہ اور ناز و نون میں بھی بعض وقتاً
وہی امام ہو جاتا ہے صحابہ نے فتنة حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نماز جمعہ پڑھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
امام برحق تھے اور یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ صحابہ نے آپ سے اجازت بھی لی بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجازت نہ لی
ہوگی کیونکہ جو اشقیاء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے انھوں نے اسکی اجازت نہ دی ہوگی
پس معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک اقامت جمعة میں سلطان کی اجازت شرط نہیں ہے اور شاید اسی وجہ سے مشائخ نے
اجازت لینے کے دشوار ہونے کی صورت میں اس شرط سے رجوع کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے کہ اگر امام سے اجازت
لینا دشوار ہو تو لوگ جس شخص پر اتفاق کر لیں اسکی اقتدار کے نماز جمعہ پڑھ لیں ایسا ہی عالمگیری میں تہذیب کے

نقل کیا ہو جانا چاہیے کہ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الخ دو وجہوں سے قابل احتجاج نہیں ہے ایک یہ کہ مرفوع نہیں ہے بلکہ موقوف ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر دوسرے یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرنے والا حارث شاعور ہے اور وہ کذاب اور داعی ہے جیسا کہ مقدمہ صحیح مسلم اور میزان الاعتدال وغیرہ میں ہے وقال الامام النووی حدیث لا جمعۃ الخ متفق علی ضعفہ امام نووی نے کہا ہے کہ حدیث لا جمعۃ الخ کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے اور اور عبد الرزاق فیہ صنف میں روایت کی ہے **ابو حمزہ** ماعمر عن ابی اسحق عن الحارث عن علی قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحیٰ لا فی مصر ولا فی بخاریہ **ابو حمزہ** فی حق سکرانہون و حارث بن ائمون و حضرت علی سے روایت کی ہے کہ جمعۃ و تشریق نہیں ہیں مگر مصر جامع میں اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے عن ابی اسحق عن الحارث عن علی قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحیٰ لا فی مصر و ادنیٰ مدینہ عظیمہ ابو اسحق نے حارث سے ائمون و حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ جمعۃ و تشریق اور عیدین کی نمازیں جائز نہیں ہیں مگر مصر جامع یا ہر شہر میں اور ربیع بن خزیمہ احادیث ہارث بن ائمون لکھتے ہیں۔ و هذا التمایزی من علی موقوفاً ما لا یصح علیہ وسلفاً نہ لا یروی عنہ فی ذلک شیئ انتہی عن الضعیفی قال حدیثی الحارث لا عور و کان کذا ایابہ حدیث توفی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے لیکن خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سواس بارہ میں کچھ منقول نہیں ہے شیعی نوکما ہے کہ مجھے یہ حدیث حارث شاعور نے بیان کی ہے بڑا جھوٹا تھا صاحب صحیح مسلم نے اپنی مقدمہ میں حارث کو کئی جگہ پر کذاب و کاذب و داعی لکھا ہے جو عالم پر خفی نہیں ہے وقال ابو داؤد فی المقدمات و اما ابو اسحق عن الحارث عن علی فلفظہ لیسع ابو اسحق عن الحارث الا انہ تعادیت لیس فیہما سند واحد ابو داؤد نے مقدمہ میں لکھا ہے لیکن سند ابو اسحق عن الحارث عن علی تو ابو اسحق نے حارث سے صرف چار حدیثیں ہی روایت کی ہیں ابی اسحاق نے ہر حدیث کے ساتھ علامہ کتبہ محمد بن عوفی عنہ صحیح ابواب واداعلم بالصلاب حررہ ابو الیاس عوفی ابو الحسنات محمد بن علی بن محمد بن اسحاق بن محمد بن اسحاق **سوال** ایک شہر کی کئی مسجدوں میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں **جواب** مفتی بہ قول کو موافق درست ہے درختار میں ہے و توحی فی مصور واحد بموضع کثیرہ مطلقاً علی المذہب علیہ الفتویٰ شرح الجمع للبینی و امامۃ فخر القدیر و فیما لخرج نماز جمعہ ایک شہر میں متعدد مقام پر ادا ہو جائے گی بغیر کسی قید کے مذہب کے موافق اور اسی پر فتوے سے شرح معجم عینی اور باب امامۃ فخر القدیر میں واسطیٰ دفع حج کے اور شامی لفظ مطلقاً کی شرح میں لکھتے ہیں سواء کان المصیر کبیراً وکلاً و سواء فصل بین جائزہ بضر کبیر کبیراً ادا وکلاً و سواء قطع الجسر و لقی متصلاً و سواء کان التعداد فی مسجدین او اکثر برابہر کہ شہر بڑا ہو یا چھوٹا اس کے سچ میں ہندی ہو جیسے ہندو یا انہو کے سچ میں کوئی پل ہو یا نہ ہو اور برابر ہے کہ قعدہ و مسجدوں میں ہو یا نہ ہو اور پھر لکھتے ہیں فقد ذکر الامام الشافعی ان یصح من مذہب ابی حنیفہ و مالک و اہل انبیاء ان یصلوا فی مسجدین او اکثر

یعنی امام خمری نے ذکر کیا ہو کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں صحیح یہی ہے کہ ایک شہر کی دو مسجدوں یا دو سے زائد
میں اقامت نماز جمعہ کی جائے اور صاحب طحاوی لکھتے ہیں وذلک لان فی التزام اتحاد الموضع حرجا بینا لا یستلزم
تطویل المسافة علی اکثر الحاضرين ولم یوجد دلیل عدم جواز التعدد بل قضیتہ الضرورة عدم اشتراطه لاسیما
اذا کان مصر الکبیر المصغرنا کما قالہ الکیلال وقد قال الله تعالی لا یتکلف الله نفسا الا وسعها کما جعل علیکم فی الدین
من حرج واور وہ اس لیے کہ ایک جگہ پر جمعہ کو لازم گردانے میں حرج ظاہر ہو کیونکہ اس میں اکثر حاضرین کو مسافت بعیدہ
طے کرنا پڑے گی اور کوئی دلیل عدم جواز تعدد کی نہیں پائی گئی ہو بلکہ ضرورت اسی کو مقتضی ہو کہ ایک مسجد میں نماز پڑھنا
مشروط ہو خصوصاً جبکہ شہر بڑا ہو ہمارے شہر کی طرح جیسا کہ کمال نے کہا ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ اللہ طاعت
سے زائد کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور اللہ نے تہر دین میں کسی طرح کی تنگی اور دشواری نہیں کی ہو اور فتاویٰ عالمگیری
میں ہو تو دیلجہ فی مصر واحد فی مواضع کثیرہ ہو قول ابی حنیفہ و محمد وھو الاصح جمعہ کی نماز ایک شہر میں
مقام پر ادا کی جاسکتی ہو اور وہ قول امام ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کا ہو اور وہ زیادہ تر صحیح ہو اور درمختار میں لکھا ہے
کہ بر بنائے قول مرجع جب ایک شہر میں متعدد مقام پر جمعہ ہو تو اس مسجد کا جمعہ جائز ہو گا جان تحریر آگے ہو اور
اگر متعدد جگہوں میں ایک ہی وقت تحریر ہوا ہو جسکے تین میں اشتباہ ہو تو سبکی نماز فاسد ہوگی اور اس وقت نماز
جمعہ کے بعد چار رکعت بنیت آخر ظہر پڑھنا چاہیے اس قول میں صاحب درمختار فرماتے ہیں وکل ذلک خلاف
المدن حب فلا یعول علیہ یہ سب باتیں بالکل خلاف مذہب ہرین بسبب ان پر اعتماد نہ کیا جائے اور محشی شامی فیصلاً بعدہ
آخر ظہر کے تحت میں فرماتے ہیں نفرایعہ علی المرجوح یفید ان علی الواجب من جواز التعدد ولا یصلیہا بناء علی ما قدمہ
عن البیہقن انہ افتی ہذاک مراد اخون اعتقاد عدم فرضیتہ بالجمعۃ وقال فی البحر انہ لا احتیاط فی قضاہا لانہ العمل
باقوی الدلیلین قول مرجع پر شراح کی تفریع اس بات کو مفید ہو کہ قول رابع پر جسکے بموجب متعدد جگہ نماز پڑھنا
جائز ہو، چار رکعت بنیت آخر ظہر پڑھنا نہ چاہیے جیسا کہ شراح نے بحوالہ ائق میں اس کے قبل نقل کیا ہو کہ چار رکعت بنیت
آخر ظہر پڑھنے کا بار باقتویٰ دیا گیا ہو اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں اسکے وجہ سے عدم فرضیت جمعہ کا اعتقاد نہ ہو جا
اور صاحب بحوالہ ائق نے کہا ہو کہ اس چار رکعت کے پڑھنے میں کچھ احتیاط نہیں ہو کیونکہ متعدد جگہ میں نماز پڑھنا مذہب
راجح اور مفتی بہ قول کے موافق ہو پس جواز تعدد میں شبہ نہیں اس قول کے بعد محشی شامی نے ایک بڑی عبارت اس
مدعا کے اثبات میں لکھی ہو کہ جہاں مصر ہونے میں شک ہو یا جہاں متعدد مقامات پر نماز پڑھی جاتی ہو وہاں چار رکعت
نماز بنیت آخر ظہر پڑھنا احتیاط ہو مگر اسی قول کے آخرین مقدسی سے نقل کیا ہو کہ قال وذلک لانہ الخ ودر علی خلاف

المشروع والمحقق وان كان الصحيح صحة التعدد فهي نفع بلا ضرر ليعني نماز بنیت آخر ظہر کا قائم یہ ہو کہ خلاف وہی طاعت
میں نہ پڑے اور اگر صحیح جواز تعدد ہو پس یہ چار رکعت بنیت آخر ظہر پڑھنا نفع بلا ضرر ہو اور معلوم ہوا کہ شامی کی عرض
اس طولانی عبارت سے یہ ثابت کرنا ہو کہ چار رکعت آخر ظہر کا پڑھنا احتیاط ہو اور جیسا کہ در مختار کے قول سے ضمنا
بتبعیت قول بحر الرائق کے اسکا نہ پڑھنا سمجھا جاتا ہو ویسا نہیں ہو مگر شامی نے پھر اس قول کے آخرین یہ لکھ دیا ہو
کہ اگر چار رکعت بنیت آخر ظہر کا پڑھنا منہج بفساد ہو یعنی اسکے پڑھنے سے عدم فرضیت جمعہ کے اعتقاد کا خوف ہو
ان رکعتوں کو علانیہ نہ پڑھے قال وانما اطلنا فی ذلك لدفع ما یوهم کلام الشارح تبعا للبحر من عدم فعلها مطلقا فلم
ان ادى الى مفسدة لا تفعل جهارا والنکلام عند عدمها ولذا قال المقدسی عن لا نامر بذلك امثال هذه
العوام بل تدل علیه الخواص ولو بالنسبة الیه ہم بمنہ انس باب میں کلام کو اس وجہ سے طویل کر دیا کہ شراح کے
کلام سے جو حکم کی تبعیت میں چار رکعت آخر ظہر کا مطلقا نہ پڑھنا سمجھا جاتا ہے وہ مندرج ہو جائے البتہ اگر یہ چار رکعت
منہج الی الفساد ہوں تو علانیہ نہ پڑھے اور کلام عدم فساد میں ہو اسی لیے مقدسی نے کہا ہو کہ ہم ان چار رکعت کے
پڑھے کا خواص کو حکم کرتے ہیں نہ کہ عوام کو و اما علم حررہ محمد عبد السمہ مدرس مدرسہ ڈھاکہ محمد علی بسا ہو المصوب
جواز تعدد جمعہ عدم جواز تعدد جمعہ میں متہدین اور فقہائے مقبرین میں بہت اختلاف ہو اور متاخرین خفیہ کا فتویٰ
مطلقا جواز تعدد یہ ہو مگر پھر بھی اولیٰ اور احوط اُنکے نزدیک یہی ہو کہ جمعہ کی نماز ایک جگہ ادا کی جائے کیونکہ یہ
اظہار شوکت اسلام کا باعث ہو حافظ ابن حجر عسقلانی لکھے ہیں محصل الخلاف یرجع الی المنع مطلقا والجواز مطلقا
وبعض من اجاز اطلاق والبعض قید وکل ذلك منقول عن علماء العراق اما الشافعية فقد نص الامام الشافعی
علی ان الجمعة لا تقام فی البلدة ولو عظم وکثرت مساجده واهله ثم اخرج بعض تبعه الی جواز التعدد للحاجة
وقال بعض هؤلاء متى زالت الضرورة بالثانية لم تجز ثالثة واما الحنفية فالمشهور عن الامام ابی حنیفة منع التعدد
وروی عنہ جواز ثانیاً للحاجة وعند جواز اکثر وقال ابو یوسف لا يجوز الثانی وهو الظاهر المشهور عنهم عدم جواز
التعدد وفي رواية يجوز بقید الحاجة واما المتأخرون فالمشهور عنهم جواز التعدد بقید الحاجة وفي رواية عن احمد
منع التعدد وذكر عنه انه قال لا اعلم التعدد فی بلاد المسلمين اقيمت بها جمعة ان قللة المرات وفي شرح
الهداية واذ انقر رهد امن القرن الثالث ظهران خیر القرن لم یقع فی زمانهم التعدد بخلاف کامل
یہ ہو کہ بعض مطلقا ناجائز سمجھتے ہیں اور بعض مطلقا جائز اور بعض جائز کہنے والے حکم مطلق رکھتے ہیں اور بعض
قیدین لگاتے ہیں یہ سب علماء عراق سے منقول ہو لیکن شافعیہ پس امام شافعی اس بات پر دلیل لائے ہیں کہ

جمعة متعد و جملہ شہرین نہ پڑ جائے گا کو شہر ٹرا ہوا اور آبادی زاد ہوا اور مساجد بہت ہوں پھر اُس کے بعض تبعین نے
 بضرورت جواز تعدد کے جانب رجوع کیا ہو انہیں سے بعضوں نے کہا ہو کہ اگر دوسرے جمعہ سے ضرورت دفع ہو جائے
 تو تیسرے کی ضرورت نہیں لیکن خفیہ کو نزدیک تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منع تعدد منقول ہوا اور بضرورت دو جمعوں کا جائز
 ہونا بھی منقول ہوا اور انہیں سے بہت مقام پر جمعہ کا جائز ہونا بھی منقول ہوا اور امام ابو یوسف نے کہا ہو کہ دوسرا
 جمعہ جائز نہیں ہوا و خفیہ کا ظاہر اور مشہور خیال عدم جواز تعدد ہوا اور ایک روایت میں بضرورت تعدد جائز ہے
 اور خبابہ کے متعلق مشہور یہ ہو کہ وہ بضرورت تعدد کو جائز سمجھتے ہیں اور احمد سے ایک روایت میں تعدد ممنوع ہے
 اور انہیں سے منقول ہو کہ مجھے مسلمانوں کے کسی ایسے شہر کا علم نہیں جس میں متعدد جمعے ہوتے ہوں اور شرح بلذی
 میں ہو کہ جب یہ بات قرن ثالث میں معلوم ہو گئی تو ظاہر ہو گیا کہ غیر نفرون میں تعدد نہ تھا اور قسطنطینی جامع الیومز
 میں لکھتے ہیں شرط لادائھا ای لوجب اداء الجمعة فی موضع واحد او اکثر علی الخلاف و فی التمراتی لایستحب
 فی موضعین المصر شرط اداء جمعہ ہر لینے شرط وجوب اداء جمعہ ہو ایک جگہ میں یا مختلف جگہوں میں رہنا سے
 اختلاف اور تمراتی میں یہ کہ ایک شہر میں دو جگہ نماز جمعہ مستحب نہیں ہو۔ اور فیہ میں ہو اما من حیث جواز التعدد
 وعدہ مفاکاولی ہو الا احتیاط لان الخلاف فیہ قوی اذا لجمعة جامعة للجماعات ولم تکن فی زمن السلف الا فی موضع
 واحد من المصر و کون الصحیح جواز التعدد و للضرورة للفتوی لایمنع شہیة الاحتیاط للفتوی جواز اور عدم جواز
 کا لحاظ کرتے ہوئے اولی احتیاط ہو کیونکہ اختلاف قوی ہو اس لیے کہ جمعہ جامع جماعات ہو اور زبان سلف میں ایک
 مصر میں ایک ہی جگہ ہوا کرتا تھا اور بضرورت جواز تعدد کا صحیح ہونا مشروعیہ احتیاط کا ماننا نہیں ہو و امیر علم حرمہ
 الراحمی عفو رب القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تہا زاد عن ذہب الجلی و انھی۔ و اقصی نماز جمعہ ایک شہر کی دو مسجدوں
 یا اس سے زائد میں درست ہو شرح وقایہ میں کافی اور شرح مجمع البحرین سے نقل کر کے لکھا ہو و تودی فی مصر و اصل
 فی موضع قال الامام السخسی رحمہ اللہ فی المبسوط و الصحیح من قول ابی حنیفہ و محمد ان ینجز فی مصر واحد فی
 موضعین و اکثر وہ ناخذ ایک شہر میں جمعہ متعدد جگہ او کیا جاسکتا ہو امام بخاری رحمہ اللہ نے مبسوطین لکھا ہے
 کہ امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ صحیح قول یہ ہو کہ جمعہ ایک شہر میں دو جگہوں اور دو سے زائد جگہوں میں جائز ہو
 ہم اسی سے ناخذ کرتے ہیں اور جہابی مولانا بحر العلوم رسائل الماکان میں تحریر فرماتے ہیں ولاجل ان الجمعة جامعة
 للجماعات قال الامام ابو یوسف لایجوز تعدد الجمع فی مصر واحد و هو روایت عن الامام ابی حنیفہ وہ قال الشافعی فانه
 لو جاز التعدد ولما کان واحد منها جامعاً للجماعات وقال الامام محمد و رواه عن الامام ابی حنیفہ هذه الرواية

ہی المختارۃ وعلیہ الفتویٰ ان یجوز تعدد الجمعة مطلقاً اثنين او اكثر وقولہما الجمعة جامعة للجماعات ان ارادوا
 للجماعات التي تغير الجمعة فمسلم ولا يلزم منه نفی التعدد وان ارادوا انها جامعة للجماعات كلها باسرها بان
 لا يصح لها الا جامعة واحدة فهو ممنوع لا بد لا بান্তہ من دليل ولنا ما مر عن امير المؤمنين علی رضی اللہ عنہ
 انه امر بتعدد الجمعة وهذا الاثر صحيح صحيح بن تميمية في منهاج السنة ثم فيما ذهب اليه الشافعي حرج عظيم لانه قد
 يكون طول المصروع وعرضه فراسخ لا يستطيع ان ينجي من طرف الى المسجد الجامع ثم يبيت باهله الا بحر حرج تنظيم
 وهو مدفوع في الشرع ولعل لهذا المخرج جزء الامام ابو يوسف تعددھا اذا كان في المصروع عظيم فيخذه فيجوز
 التعدد وجمعة في مسجد وجمعة في اخرى بينها مخرج فنقول كذا يلزم المخرج اذا كان المصروطيلا وان لم يكن فيه مخرج
 ثم صلوٰۃ الجمعة فمن مثل سائر الصلوات فلا يتقيد بالتوحيد وكم يفيد اليه دليل سمعي ولا عقلی اورچہ نگہ جامع
 جماعات ہي اس لیے امام ابو يوسف رحمہ اللہ نے کہا ہي کہ ایک شہر میں متعدد جمعیے ناجائز ہيں اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
 کی روایت ہي اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہي کہ چونکہ اگر تعدد جمعہ جائز ہو تو کوئی جمعیۃ جامع جماعات نہوگا اور امام
 محمد رحمہ اللہ نے کہا ہي کہ اور ایسا ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہي کہ یہی روایت مختار ہي اور اسی پر فتوے
 ہي کہ مطلقاً تعدد جمعہ جائز ہو دوہون یا اس سے زائد اور جمعہ کے جامع جماعات ہونے سے اگر یہ مراد ہو کہ جمعہ کو علاوہ
 دوسری جماعتوں کا جامع ہو تو یہ مسلم اور اس سے نفی تعدد جمعہ غیر لازم اور اگر یہ مراد ہو کہ جمعہ جمیع جماعات کا جامع ہو
 کہ اسکی ایک ہی جماعت ہو سکتی ہي تو یہ ممنوع ہي اسکا ثبوت محتاج دلیل ہي ہماری دلیل امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ
 وجہہ کا حکم تعدد جمعہ ہي اور یہ اثر صحیح ہي منهاج السنہ میں بن تميمية نے اسکی تصحیح کی ہي اسکے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ کے
 مذہب میں ایک بڑی خرابی ہي کہ اگر شہر بڑا اور اسکا طول و عرض کئی فرسخ ہو تو ایک کنارے سے جامع مسجد تک
 پہنچنا اور پھر شام تک اپنے اہل و عیال میں پہنچ جانا بہت دشوار امر ہوگا جب لاکھ شارع و دشواریوں کا فعیہ
 کرتا ہو اور غالباً اسی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تعدد کو اس صورت میں جائز رکھا ہي جب شہر میں کوئی
 بڑی نہر ہو اس صورت میں جمعہ دو ایسی مسجدوں میں ہو سکتا ہي جو نہر کے ادھر او دھر ہون ہم کہتے ہيں کہ اسطرح
 اگر شہر بڑا ہو اور اس میں نہر نہ ہو تب بھی دشواری ہي اور نماز جمعہ پختہ نماز کی طرح فرض ہي تو اسی طرح اس میں بھی عدم
 تعدد کی قید نہ لگائی جائے گی خصوصاً جبکہ عقلی اور نقلی کوئی دلیل اس پر موجود نہيں ہے واللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم
 غفرلہ المد علیہ الرب احکمہ سوال ایک شہر میں جمعہ کی نماز متعدد مساجد میں ادا کرنا بہتر ہے یا ایک بڑی مسجد میں
 کہ سب نمازی اس میں بالفاق تمام اور بلا تکلف جمع ہو سکتے ہيں جو اب بہتر ہي ہي کہ پورے شہر کے نمازی ایک

النجاشی والی مسجدین باتفاق جمع ہو کر نماز جمعہ ادا کرین اگرچہ ایک شہر کی کئی مسجدوں میں ادا سے جمعہ جائز ہو لیکن
ایک روایت امام ابو حنیفہ و امام محمد و امام ابو یوسف رحمہم اللہ سے ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ کا جائز
ہونے کی بھی آئی ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہو اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ سے بھی ایک شہر کی
متعدد مساجد میں نماز جمعہ کے عدم جواز کی روایت ہو ایسی حالت میں اختلاف علماء سنیچہ اور اتفاق صورت کو اختیار کرنا
بہت بہتر ہو اس مسئلہ خاص میں اتفاق کی صورت یوں ممکن ہو کہ تمام مسلمانان شہر باتفاق ایک مسجد میں جمعہ کی نماز
ادا کرین اور متعدد مساجد میں نماز پڑھنا شبہہ سے خالی نہیں اور ہر مسلمان کو شبہہ سے بچنا ضروری ہو حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو شخص شبہات سے بچاؤ اس نے اپنے دین کو پاک کیا اختلاف مجتہدین کی سند کے لیے
کتب معتبرہ کی عبارت نقل کی جاتی ہو فتاویٰ شامی میں بولان جواز التعدد وان کان ارجح و اقوی دلیل لکن
فیہ شبہۃ قویۃ لان خلافہ مروی عن ابی حنیفۃ ایضا رحمہما اللہ واختارہ الطحاوی والقرطبی وصاحب المختار
وجعلہ العتابی الاظهر و هو مذہب الشافعی والمشہور عن مالک و احادیث الروایتین عن احمد کما ذکرہ المقتدی
فی رسالۃ نور الشمعۃ فی ظہر الجمعۃ بل قال السبکی من الشافعیۃ انہ قول اکثر العلماء ولا یحفظ عن صحابی ولا تابع
تجوز تعددھا وقد علمت قول البیہد انہ ظاہر الروایۃ و فی شرح المنیۃ عن جوامع الفقہ انہ اظهر الروایتین عن
الاکمام قال فی النہر و فی الحاوی القدسی و علیہ الفتویٰ و فی التلملۃ للرازی و بہ ناخذ فہو حق قول معتہد فی الذہب
لا قول ضعیف ولذا اقال فی شرح المنیۃ الاولیٰ هو الاحتیاط لان الخلاف فی جواز التعدد و عدمہ قوی و کون
الجواز للضرورة للفتویٰ لا یمنع شرعیۃ الاحتیاط للفقہ قل علی نہ لو سلمہ ضعفہ فالخروج عن خلافہ اولیٰ فلیفت
مع خلافہ ہولاء الامیۃ و فی الحدیث المنقول علیہ فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ و عرضہ فی الفتنۃ لما اتی
اہل المروا قامة الجمعۃ فیہا مع اختلاف العلماء فی جوازھا امرایۃ ہم بالاربع بعدھا احتیاطا و فی العتبی
شرح الہدایۃ و فی جوامع الفقہ عن ابی حنیفہ رحمہما اللہ روایتان والاظهر عنہ عدم الجواز فی الموضعین
فان فعلوا فالجمعة للاولین وان وقعا معا وجعلت فسد تا و فی فتاویٰ قاضی خان و یجوز الجمعۃ فی الموضعین
فی مہر واحد فی قول ابی حنیفہ و ابی یوسف ولا یجوز فی ثلث مواضع و ہکذا روای عن محمد کبیر کہ نماز جمعہ متفرق
جگہوں میں جائز ہوتا اگرچہ قوی دلیل کی دوسری لیکن اس جواز میں قوی شبہہ ہو اس لیے کہ امام صاحب سے ایک شہر
کی متفرق مسجدوں میں جمعہ کی نماز کا جائز ہونا مروی ہو اور طحاوی اور ترمذی اور صاحب مختار نے اس عدم جواز کی
روایت کو جو امام صاحب سے مروی ہو پسند کیا ہو اور صاحب عتابی نے اسے بہت ظاہر ٹھہرایا ہو اور عدم جواز

تعد جمیع امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی مذہب ہو اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی مشہور ہو اور امام احمد حنبل رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت مردی ہو جیسا کہ مقدسی نے نور الشمعہ فی ظہار الجمعۃ میں ذکر کیا ہو بلکہ سبکی نے جو شافعی مذہب میں کہا ہو عدم جواز تعدد جمعہ اکثر علما کا قول ہو اور کسی صحابی اور تابعی سے ایک شہر میں تعدد جمعہ ثابت نہیں ہوتا بیشک صاحب بائع کا قول یعنی عدم جواز نماز جمعہ اکثرت متعددہ میں ظاہر الروایۃ ہو اور شرح منیہ میں جامع الفقہ سے منقول ہے عدم جواز کی روایت امام صاحب سے بہت ظاہر ہو یعنی امام صاحب سے دور و ایتین میں ایک جواز کی ایک عدم جواز کی ظاہر تر روایت عدم جواز کی ہو اور یہی حادی قدسی نے کہا ہے کہ فتویٰ عدم جواز پر ہو اور تکرار رازی میں لکھا ہے کہ اس عدم جواز کو ہم لوگ اختیار کرتے ہیں پس یہ عدم جواز قول معتد مذہب میں ہر نہ تکرار ضعیف اسی واسطے شرح منیہ میں کہا ہے کہ احتیاط بہتر ہے کیونکہ اختلاف جواز تعدد اور عدم جواز میں قوی ہے اور جواز تعدد کا ضرورت فتویٰ کے لیے صحیح ہونا احتیاط تقویٰ کی مشروریت کو منع نہیں کرتا اگر عدم جواز کا ضعف مان بھی لیا جائے تو اختلاف سے ٹکنا بہتر ہے چہ جائیکہ مذہب مجتہدین کے خلاف ہو اور متفق علیہ حدیث میں وارد ہو کہ جو شخص شہادت سے بچاؤں نے اپنے دین کو بچا لیا اور قنوسی قہیہ میں ہو کہ جب اہل مرو بقتلا ہو گئے ساتھ اقامت نماز جمعہ کے دو جگہ میں تو امامون نے حکم کیا کہ چار رکعت نماز جمعہ کے بعد اہل مرو پر ہین اور علی بنی تخرج ہر ایہ میں جوامع الفقہ سے منقول ہے کہ امام صاحب سے دور و ایتین آئی ہین ظاہر حرز و عدم جواز کی ہو دو جگہ میں اور اگر مصلیوں نے جمعہ کی ناز دو جگہ پڑھی تو اگر دونوں جگہوں کے مصلیوں نے ایک ہی وقت نماز پڑھی یا یہ معلوم نہیں ہوا کہ کس نے پہلے پڑھی تو سب کا جمعہ فاسد ہو جائیگا اور قنوسی قاضی خان بن ہو کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ایک قول میں نماز جمعہ ایک شہر کے دو جگہوں میں جائز ہو اور تین جگہوں میں جائز نہیں ہو اور اسید طرح پر امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہو پس معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں ایما ربہ اور علما کا اختلاف ہو اور جواز تعدد جمعہ میں شہرہ باقی ہو پس اگر ایک جگہ جامع مسجد میں بالفاق تمام اہل شہر نماز جمعہ پڑھیں تو اس میں بہت سی خیمیاں ہین اور یہ کننا کہ جب فلاں شخص جامع مسجد میں جائیگا تو میں بھی جاؤنگا نہ چاہیے۔ و اللہ اعلم حررہ الفقیر الی الرحمتہ والفران محمد نعمان عفی عنہ اللہ المنان اس فتویٰ کا حکم اس شہر دھا کے لیے مخصوص نہیں ہو بلکہ ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس فتویٰ پر عمل کریں اور اپنے شہر کی جبری مسجد میں جمع ہو کر جمعہ کی ناز ادا کریں و اللہ اعلم فقہین محمد عفی عنہ۔ فی الواقع اگرچہ بحسب اختیار اکثر متاخرین تعدد جمعہ جائز ہو مگر اولیٰ ہی ہو کہ ایک مقام پر اجتماع اہل اسلام ہو کر جمعہ پڑا کرے اور اسوجہ سے کہ

تعد وجمعہ کے جواز اور عدم جواز میں خلافت مذکور ہو جیسا کہ عبارات سابقہ سے واضح ہوا اور ایسے موقع میں خلافت اور احتیاط کی رعایت مستحب ہو کہ کتب فقہیہ مثل غنیہ شرح منیہ وغیرہ میں ہر مستحب رعایت مواضع الخلاف مواضع خلاف کی رعایت مستحب ہو نہ انیا اسوجہ سے کہ عدم تعدد میں قرون ثلثہ کے طریقے کی موافقت ہوتی ہو ابن حجر عسقلانی رسالہ تعدد وجمعہ میں لکھتے ہیں ذکر الاثر من احمد انہ قال لا علم ببلد امن ببلاد المسلمين اقامت فیہ الجمعتان اذا انقرض هذا واحد من القرن الثالث ظہران خیر القرون لم یقع فی زمانہم التعدد اثر من فی احمد سئل کیا ہو کہ انھوں نے کہا میں نے مسلمانوں کا کوئی ایسا شہر نہیں دیکھا جس میں دو جمعے ہوتے ہوں اور حسب یہ بات ثابت ہو گئی اور احمد قرن ثالث میں تھے تو معلوم ہوا کہ خیر القرون میں تعدد نہ تھا پس جو شخص رفع تعدد اور تقرر تعدد کا باعث ہو گا وہ ثواب عظیم پائیگا اور جو شخص توحید سے انکار کرے گا وہ محروم رہیگا واسد علم حررہ الراجی مغفور البقی ابو الحسنات محمد عبدالحی تھما وزادہ عن زینب ابجلی و انھی محمد عبدالحی ابو الحسنات سوال عامہ کتب فقہیہ میں لا یرفع وجہہ اولی وجہہ شئی یسجد علیہ باب صلوة مریض میں مرقوم ہوا اور رفع کے معنی میں اختلاف ہوا ہی بعض کہتے ہیں کہ اٹھایا نہ جائے اور بعض کہتے ہیں کہ کوئی چیز اونچی نہ کی جائے پس اسکا اصلی منشا کیا ہو جواب فقہاء کی مراد اس سے ہو کہ مصلیٰ کے منہ کی طرف کوئی چیز چسپورہ سجدہ کرے اٹھائی نہ جائے چاہے اٹھانے والا مصلیٰ ہو یا کوئی دوسرا شخص یہ مطلب نہیں ہو کہ کوئی چیز بلند نہ کی جائے کہ بظاہر اسکا حاصل سوا اسکے کچھ نہیں ہو کہ کوئی چیز مرتفع زمین پر نہ رکھا جائے گو یہ مراد نوعی ظاہر ہو محتاج بیان نہیں مگر چونکہ سوال کیا گیا ہو اسلئے وجہ لکھنا ضروری ہیں میں ہم کہتے ہیں کہ یہ امر چند وجوہ سے ثابت ہوا اول یہ کہ سید احمد مخطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں۔ قولہ لا یرفع الی وجہہ شئی اکود و وسادۃ و فیما اشارۃ الی اندو سجد علی موضوع علی الارض من غیر رفع لایکرہ کما فی القہستانی قولہ لا ان یجد جم قوۃ الارض الا ولی حذف جم کما حذف فی شرح الملتق ثم ان هذا الاستثناء لم یصادف محلا لا نہ اذا رفع الیہ شئی اور رفع ہو لایاتی ان یجد قوۃ الارض مثلا لکڑی اور کٹیہ اور اس میں اس جانب اشارہ ہو کہ اگر سجدہ کیا کسی ایسی چیز پر جو زمین پر رکھی ہوئی ہو بغیر اٹھائے ہوئے تو نازکرہ نہیں جیسا کہ قہستانی میں ہو قولہ ان یجد جم قوۃ الارض اولیٰ یہ تھا کہ لفظ جم کو حذف کر دیتا جیسا کہ شرح تفتی الاجرمین ہو پھر یہ کہ استثناء اپنے محل پر نہیں ہو دینے درست نہیں ہو کیونکہ جب اسکے جانب کوئی چیز اٹھائی جائے یا وہ خود اٹھائے تو یہ صورت مذکورہ حاصل نہیں ہوتی۔ اور سید محمد امین حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں اقول هذا محمول علی ما اذا کان محمل الی وجہہ شئی لیسجد علیہ بخلاف ما اذا کان موضوعا علی الارض یدل علیہ ما فی الذخیرۃ حیث نقل عن الاصل انکرا ہذا فی الاول ثم

قال فان كانت الوسادة موضوعة على الارض وكان يسجد عليها جازت صلوته فقد صح ان ام سلمة كانت تسجد على مرقفتة موضوعة بين يديها لعلها كانت بها ولم يمنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك اذ رآه رقبته الا ان يسجد قوة الارض هذا الاستثناء طبعي على ان قوله ولا يرفع الخ شامل لما اذا كان موضوعا على الارض وهو خلاص المتبادر بل المتبادر كون الموضوع محولا بيده او يد غيره وعليه فالاستثناء منقطع لا اختصاص ذلك بالموضوع على الارض بين كتابهون كى معمول هو اس صورت پس میں اُسکے چہرے کے جانب کوئی چیز اٹھائی جائے جسپر سجدہ کرے برخلاف اُس صورت کے جس میں کوئی چیز زمین پر رکھی ہو جیسا کہ عبارت ذخیرہ اسپر دلالت کرتی ہے کیونکہ اُس نے صورت اولیٰ میں کر اہت نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اگر تکبیر زمین پر رکھا ہوا اور وہ اسپر سجدہ کرے تو نماز جائز ہوگی اور یہ بات صحیح ہے کہ ام سلمہ پیاری کی وجہ سے سجدہ کرتی تھیں اپنے تکبیر پر چوٹ کے سامنے رکھا تھا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس سے منع نہیں فرمایا الخ قولہ الا ان یسجد قوة الارض یہ استثناء اسپر نہیں ہے کہ قول مصنف ولا یرفع الخ اُس صورت کو بھی شامل ہے جس میں وہ چیز زمین پر رکھی ہو اور یہ خلاف تبادر ہے بلکہ تبادر وقوع کا ہاتھ پر رکھ کر خود یا دوسرے کا اٹھاے ہو ہونا نہیں استثنائے منقطع ہے کیونکہ یہ خاص ہے موضوع علی الارض کے ساتھ دوسرے کے کہ ان کے بعد ابن مسعود و اثر ابن عمر جو اس مطلوب پر دلالت کرتی ہیں اسی پر ذال میں مٹھا دی لکھتے ہیں روی ان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما داخل علی الخیر یعودہ فوجدہ یصلیٰ ویرفع الیہ عود یشجد علیہ فخرج ذلک من ید من کان فی یدہ وقال ہذا الخ عن لکھمہ الشیطان ادم لیسجد و روی ان ابن عمر رضی اللہ عنہما راٰ ذلک من بعض فقال اتخذہ من مع اللہ الہتمہ روی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اپنے بھائی کی عبادت کو گئے انھوں نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور اُنکی جانب ایک لکڑی اٹھائی گئی ہے جسپر وہ سجدہ کرتے ہیں پس آپ نے جس شخص کے ہاتھ میں وہ تھی اُس سے پھینکی اور کہا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے شیطان نے تمہارے سجدہ کرنے کے لیے پیش کیا ہے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر نے ایک مریض کو اس حالت میں دیکھا پس آپ نے کہا کہ کیا تم عبادت میں خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو۔ تیسرے یہ کہ بر تقدیر ارادۃ معنی دوم فقط ذکر وجہ لغو ہوتا ہے جو سمجھار دین پر پوشیدہ نہیں ہے تو چوتھے یہ کہ بر تقدیر ارادۃ معنی دوم احق عبارت یہ تھی لا یوضع شیء مرفوع یشجد علیہ ماکوا الظاہر کوئی اونچی چیز نہ رکھی جائے جسپر وہ سجدہ کرے جیسا کہ ظاہر ہے پنجویں یہ کہ بعض کتب فقہ میں یہ مسئلہ اس عبارت کے ساتھ مرقوم ہے ولا یرفع الی وجہ شینا یشجد علیہ ما ینصب شینا اور بر تقدیر معنی دوم اسکا استبعاد خود ہی ظاہر ہے چھٹے یہ کہ مرفوع چیز پر جو زمین پر رکھی ہو سجدہ بشرط معتبرہ فقہا بلا کراہت جائز ہے اور بر تقدیر ارادۃ معنی دوم کراہت

لازم آتی ہو ساقیوں یہ کہ رفع شے بسوی وجہ ایک مسئلہ ہو اور زمین پر رکھی ہوئی اونچی چیز پر سجدہ کرنا دوسرا مسئلہ ہو
 طحاوی کہتے ہیں انما هو استثناء من مسئلۃ اخری وهو انما سجد المریض علی شئی موضوع علی الارض صحیح علی
 اندسجودان وجد قوۃ الارض وكان ارتفاعه اقل من نصف ذراع والا فلهو ایاء قالہ الخلیفی یہ ایک دوسرے مسئلہ
 سے استثناء ہو اور وہ یہ ہو کہ جب مریض ایسی چیز پر سجدہ کرے جو زمین پر رکھی ہوئی ہو تو صحیح ہو اس بنا پر کہ وہ سجدہ
 ہو ایسی چیز پر جو زمین کی قوت میں ہو اور اسکا ارتفاع نصف ذراع سے کم ہو نا چاہیے در نہ وہ اشارے سے سجدہ
 ہو جائیگا ایسا ہی حلیٰ ذکر کیا ہو۔ اور بر تقدیر ارادہ منہی دوم اتحاد مسائلتین متغیرتین کا لازم آتا ہے آٹھویں یہ
 کہ رفع یعنی وضع شے مرتفع دیکھا نہیں گیا اور جو اسے جائز سمجھتا ہو اسے ایسی دلیلین پیش کرنا چاہئیں
 جن سے یہ امر ثابت ہو و اما علم و علمہ اتم لکثیر محمد بشیر عفی عنہ **محمد بشیر العمری** جواب صحیح ہے اور
 اسکی تائید غیبیہ اور غیبیہ کی عبارت بھی کرتی ہو کہ لا یرفع الی وجہہ شیئا یسجد علیہ ولو كانت الو سادۃ
 علی الارض فسجد علیہا جازت لکن ان كان وجد قوۃ الارض یكون صلوۃ بالركوع والسجود والا فلا یاء مریض کے
 جانب کوئی ایسی چیز بلند نہ کی جائے جسپر وہ سجدہ کرے اور اگر تکیہ زمین پر رکھا ہو اسپر وہ سجدہ کرے تو یہ جائز ہے
 لیکن اگر وہ چیز ایسی ہوگی جو زمین کی قوت میں ہو تو یہ نماز پر کوع و سجدہ ہوگی در نہ نماز با اشارہ ہوگی و اما علم
 حرہ الرامی غفورہ بالقوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تاج و زادہ عن ذنب الجلی و الخفی سوال ملک نصاریٰ میں اگر
 کسی جگہ جسکی انبیہ مناسب و چند سہ چند ہوں باوجود عدم تعدد مساجد کے مسلمین شفق ہو کر ایک شخص کو امام جمعہ مقرر
 کر کے نماز جمعہ ادا کر لیوں تو موافق مذہب حضرت امام اعظم کے صحیح ہو گا یا غیر صحیح اور در صورت صحت کے ظہر حقیقی
 کا پڑھنا کیسا ہو دوسرے وہ لوگ بسبب اس جمعہ پڑھنے کے مستحق ثواب ہیں یا مبتدع اور ائمہ میں مثل ترکب کبار
 زنا وغیرہ کے تیسرے سچے کے اشعار جن میں جمعہ اور جمعہ پڑھنے والوں کے حق میں سب اور دشنام ہوں دن پر گانے
 والوں کا کیا حکم ہو اور اس مجلس میں بیٹھنے والے اور سننے والے کیسے ہیں جواب ایسے مقام میں جسکے انبیہ مناسب
 زیادہ ہوں اور وہ ان کی بڑی مسجد وہ ان کے لوگوں کو وسعت نہ کرتی جمعہ کا ادا کرنا فرض ہو گو سلطان یا نائب سلطان
 نہ ہو اور ایسے مقام میں جمعہ کے منع کرنے والے گندگار ہیں اور اشعار سچے کا پڑھنا اور سننا حرام ہو فتاویٰ عالمگیری میں
 ہو تو تعدد الاستیذان من الامام فاجع الناس علی رجل یصلیٰ للجمعة جاز کذا فی التہذیب اگر امام سے اجازت
 دشوار ہو تو لوگ ایک شخص پر اتفاق کر کے اسے پیچھے نماز جمعہ پڑھیں درست ہوگی جیسا کہ تہذیب میں ہو اور بھی کسی
 میں ہو بلا علیہا ولا کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعة فیہ ویصدر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین کذا فی معراج

الدراية وہ شہر خبیہ کافر والی ہیں مسلمانوں کو انہیں جمعہ پڑھنا جائز ہو اور مسلمانوں کی رضا مندی سے قاضی قاضی ہو جائیگا جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے اور ردالمحتار میں ہے کہ لو مات الوالی ولم یحضر لفتنہ اولہ یوجد احد منہ حق التقدم فی اقامۃ الجمعة نصب العامة لہم خطیباً للضرورة مع انکلا امیر شمولاً قاض اگر والی مرگیا یا فتنے کی وجہ سے نہ آسکا یا کوئی ایسا شخص نہ پایا گیا جسے جمعہ کی نماز پڑھانے میں تقدم کا حق حاصل ہو تو عوام ضرورت کی وجہ سے ایک خطیب مقرر کریں حالانکہ وہ ان امیر اور قاضی موجود نہیں ہیں۔ اور مجمع الفتاویٰ میں ہے جو غلب علی المسلمین ولایۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعة ولا عیاد اگر مسلمانوں پر کافر حکام غالب آجائیں تو مسلمانوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور رسائل الارکان میں ہے کہ اطلع علی دلیل یفید اشتراط السلطان وما فی الہدایۃ لانہا تقام بجمع عظیم فعمی ان تقع المنازعة فی التقدم والتقدم الخ هذا لا ینبئ الاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعة ثم هذه المنازعة تنفذ باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما فی جامع الصلوۃ عنہما ان تقع المنازعة فی تقدیم رجل لکن تنفذ باجماع المسلمین فکذا فی الجمعة ثم الصحابة اقاموا الجمعة فی زمان فتنہ بلوۃ عثمان رضی اللہ عنہ وہو انما احاطا بمصر واولہ لعلہم انھم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعة بل لظاہر عدم الاذن لان ہولاء الاشقیاء من اهل الشر لم یخصوا فی ذلك فعلم ان اقامۃ الجمعة غیر مشروطہ عندہم بالاذن ولعل لہذا الواقعة رجع المتأثر عن هذا الشرط فیما تقرر واقوا بانہ ان تعدل الاستیذان فاجمع الناس علی رجل یصل بجم الجمعة جاز مجھے سلطان کے شرط لگانے کی کوئی دلیل نہیں ملی درہ جو ہدایہ میں ہے کہ جمعہ میں مجمع بہت ہوتا ہے اسوجہ سے جھگڑے کا خدشہ ہوتا ہے الخ تو اس سے اشتراط نہیں ثابت ہو سکتا کیونکہ نصوص وجوب جمعہ مطلق ہیں علانہ ہر یہ جھگڑا مسلمانوں کے کسی ایک شخص پر اتفاق کر لینے سے مرتفع ہو سکتا ہے جیسا کہ بخیرۃ نازکی جامعۃ میں امامت کے متعلق جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن نازیون کے اتفاق سے اسکا دفعہ ہو جاتا ہے اسی طرح جمعہ میں بھی صحابہ نے فتنہ حضرت عثمان کے زمانے میں نماز جمعہ پڑھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام برحق محصور تھے اور یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ صحابہ نے آپ سے اجازت بھی لی بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجازت نہ لی ہوگی کیونکہ جو اشقیاء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے انھوں نے اسکی اجازت نہ دی ہوگی پس معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک اقامت جمعہ میں سلطان کی اجازت شرط نہیں ہے اور شاید اسی وجہ سے مشائخ نے اجازت لینے کے دشوار ہونے کے صورت میں اس شرط سے رجوع کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے کہ اگر امام سے اجازت لینا دشوار ہو تو لوگ جس شخص پر اتفاق کر لیں اسکی اقتدا کر کے جمعہ کی نماز پڑھ لیں یہ سوال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور سرور عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو من ادرك رکعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح ومن ادرك رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر جس نے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے فجر کی نماز پالی اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس نے عصر کی نماز پالی + موطا امام مالک اور اک کے معنی کسی خیر تک پہنچ جانے کے ہیں تو بظاہر اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک ہی رکعت پر اکتفا کرے حالانکہ یہ بالاجماع مراد نہیں ہو جہو نے اس کا یہ مطلب لیا جو کہ اُس نے وقت کو پایا اور جب اُس کی ایک رکعت پڑھی تو اس کی نماز کامل ہو گئی اور یہی نے کہا جو من ادرك رکعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فليصل اليها اخري جس نے طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالی اُسے چاہیے کہ دوسری رکعت بھی پڑھے اور اس میں عطاوی کی مدد ہے کیونکہ انھوں نے اس مسئلہ کی تخصیص احتکام ہی طہارت حائضہ اور اسلام کا فرد غیر ہو کے ساتھ کیا ہو اس سے انکا مقصد اپنے مذہب کی تائید ہو کہ جو شخص نماز فجر پڑھ رہا ہو اور آفتاب طلوع ہو گیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ طلوع شمس کے وقت نماز نہ پڑھنے کے متعلق حدیثین موجود ہیں اور یہ دعویٰ کہ حدیث سابقہ اس حدیث کی نسخ ہو محتاج دلیل ہو کیونکہ محض احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہوتا اور دونوں حدیثوں میں جمع ممکن ہو اس طرح پر کہ احادیثی کو نوافل کے ساتھ خاص کر دین اور تخصیص بلا شک دعویٰ نسخ سے اولیٰ ہو ابن عبد البر نے کہا ہو لا وجه لدعوى نسخ حدیث الباب لانه لم يثبت فيه تعارض بحيث لا يمكن الجمع ولا تقدم حدیث النبی عن الصلوة عند طلوع الشمس وعند غروبها عليه لانه يصل على المتطوع کوئی وجہ نہیں ہو کہ اس باب میں نسخ حدیث کا دعویٰ کیا جائے کیونکہ تعارض ثابت نہیں ہو اس لیے کہ حدیث نہی کو نفل پر محمول کر کے جمع ممکن ہو یور پھر بھی ثابت نہیں کہ حدیث نہی مقدم ہو سیوطی نے کہا ہو وجوب ابی الشیخ اکمل الدین فی شرح المشارق عن الحنفیہ یعمل الحدیث علی ان المراد فقد ادرك ثواب كل الصلوة باعتبار نيته لا باعتبار عمله وان معنى قوله فليتم صلوة فليأت بھك على وجه التام فی وقت اخر بعد بدوہ بقیة طرف الحدیث خفیہ کے جانب سے شرح مشارق میں شیخ اکمل الدین نے جو یہ جواب دیا ہو کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ اُس شخص نے پوری نماز کا ثواب بالیانیت کی وجہ سے نہ عمل کی وجہ سے اور فلیتم صلوة کے معنی یہ ہیں کہ اس نماز کو دوسرے وقت پوری طرح پڑھ لے تو وہ بعید ہو حدیث کا باقی حصہ خود ہی اس کی تردید کرتا ہو اور شیخ محدث دہلوی اشۃ العلماء شرح مشکوٰۃ میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہو اصول فقہ میں مقرر ہو کہ جب دو باتیں ایک دوسرے کے معارض ہوں تو حدیث کی جانب رجوع کریں اور جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کے جانب رجوع کریں قیاس ترجیح دیتا ہو اس حدیث کو نماز عصر میں اور احادیث نہی کو نماز فجر میں کیونکہ فجر کی نماز کا پورا وقت کامل

ہو اور اس میں نقصان نہیں ہو پس واجب ہوگی بصفت کمال اور چونکہ طلوع آفتاب کی وجہ سے نقصان طاری
ہو اس طرح نماز ادا نہیں ہوئی جس طرح واجب ہوئی تھی پس غروب کی وجہ سے جو نقصان طاری ہوا ہو اس سے
نماز فاسد نہ ہوگی اور جس طرح واجب ہوئی تھی اسی طرح ادا ہوگی اب سوال یہ ہو کہ آپ زرقانی اور شیخ عبدالحق کے
قولوں میں سے کس پر فتویٰ دیتے ہیں جواب قابل اعتماد اور درست زرقانی کا قول ہے سوال ملک نصری میں
نماز جمعہ کے بعد چار رکعتیں آخری نہ رکھی پڑھنا چاہیں یا نہیں جواب ان احتیاط پڑھ لینا چاہیے واجب نہیں ہے
اس سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ سلطان کے نہ ہونے کی وجہ سے ان ممالک میں نماز جمعہ کے صحیح ہونے میں شک ہے بلکہ
میں تہذیب سے نقل کیا ہے کہ لو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بعہم الجمعة جاز اگر امام سے
اجازت لینا دشوار ہو تو لوگوں کو ایک شخص پر اجماع کر کے اس کے پیچھے نماز پڑھ لینا چاہیے جمعہ درست ہو جائیگا اور
اسی میں معراج الدرباب سے نقل کیا ہے بلاد علیہا ولا کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة فیہا وہ شہر جن میں کافر والی
ہیں مسلمانوں کو اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے اور رواتحار میں ہے ولذی الوات الوالی ولہ یحضر لفتنة ولہ یوجد
احد من لدی اقامة الجمعة نصب العامة لہم خطیبا للضرورة کما سیاقی مع اندلا امیر ولا قاضی ثم اسی ہے
اگر والی مرجعے یافتہ کی وجہ سے نہ آ سکے اور کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جو اقامت کا ذمہ سنبھالے ہو تو عوام کو حضور
ایک خطیب منتخب کر لینا چاہیے جیسا کہ آئے گا باوجودیکہ امیر اور قاضی نہیں ہے اور شیخ دیوبند فتح المنان میں لکھتے ہیں قال
فی الهدایة لا یجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره لانهما تقام بمعجم عظیم وقد تقع المنازعة فی التقدم والتأخر
فلا بد ان یتیمما لامرہ وظاہرہ یفید لاولویة والا احتیاط عقلا لا الاشتراط وعدم جواز الصلوة بدوہ شرعا
ہدایہ میں کہا ہے کہ اقامت جمعہ کا حق صرف سلطان کو ہے یا اس شخص کو جسے سلطان نے حکم دیا ہو کیونکہ جمعہ میں
جمع بہت ہوتا ہے اس لیے امامت اور دوسرے امور میں جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے تو اب سلطان کی ضرورت
ہو تاکہ جھگڑے کو ختم کر دے اس سے بظاہر صرف احتیاط اور الویت حاصل ہوتی ہے نہ کہ اشتراط اور بدون سلطان نماز کا
نما جائز ہونا رسائل الارکان میں ہے ولما اطلع علی دلیل نفید اشتراط امر السلطان وہا فی الهدایة لانهما تقام بمعجم
فہم ان یقع مناظرة فی التقدم والتقدم لان کل انسان یطلب لنفسہ رتبة فلا بد من امر السلطان لیشذخ ہذا
المنازعة فہذا راہی لا یتب الا اشتراط المبط لا طلاق نصوص وجوب الجمعة علی من عدا المستثنین ثم ہذا المنازعة
تندفع باجماع المصلین علی تقدیم واحد ثم الصحابة اقاموا الجمعة فی زمان فتنة بلوی امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ
وکان اما حاکم صورا ولم یعلم انہم طلبوا الاذن فی اقامة الجمعة بل اظہر عدم الاذن لان ہوا الا اشتراط

نہ یہ خصوصاً اقامۃ الجمعۃ غیر مشروطہ عندہم بل ان ولعل لهذا الواقعة ترجیح المسائل عن هذا الشرط فيما اذا تعد
 الاستيذان واقفا بان ان تعدل الاستيذان ومن الامام فاجتمع الناس على رجل يصلي معهم الجمعة خارجا عن كوفى لى من
 على جسك بنا پر حکم سلطان کی شرط لگائی جائے اور جو ہدایہ میں ہے کہ جمعہ میں جمع کثیر ہوتا ہے اس لیے امامت وغیرہ
 میں جھگڑے کا اندیشہ ہی ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص رتبہ حاصل کر نیکو فرمان ہوتا ہو تو حکم سلطان ہندو ہی ہوتا کہ جھگڑا
 دفع ہو جائے یہ ایک رائے ہے جس سے امر سلطان کا شرط ہونا کہ بدون اسکے نماز جمعہ باطل ہو ثابت نہیں ہوتا
 کیونکہ وجوب جمعہ کے نصوص مطلق ہیں پھر یہ جھگڑا نماز پڑھنے والوں کے اجل سے دفع ہو سکتا ہو فتنہ حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ میں صحابہ نے نماز جمعہ پڑھی تھی حضرت عثمان امام ہر حق تھے اور اس وقت محصور تھے اور یہ امر
 معلوم نہیں کہ انھوں نے اقامۃ جمعہ کی اجازت لی تھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اجازت نہیں لی تھی کیونکہ ان اشقیانے
 اسکی اجازت نہ دی ہوگی تو معلوم ہوا کہ انکے نزدیک اقامۃ جمعہ میں اجازت شرط نہیں ہے اور شاید اسی واقعے کے
 بدولت مشائخ نے اجازت کے دشوار ہونے کی صورت میں اس شرط سے رجوع کیا ہو اور اس پر فتویٰ دیا ہو کہ اگر امام سے
 اجازت لینا دشوار ہو تو لوگ ایک شخص پر اجماع کر کے اسکے ساتھ نماز جمعہ پڑھ لیں درست ہوگی یہاں تک اس پر مشابہت
 کہ سلطان کی شرط امر اتحسائی ہو جو بی نہیں اور اگر سلطان نہ تو بھی اقامۃ جمعہ جائز ہو بلکہ نظر احتیاطی کے پڑھنے
 کی وجہ یہ ہے کہ تالیف مصر اور تعدد جمعہ میں اختلاف ہو گیا ہو محیط میں ہر کل موضع وقع الشک فی کو نہ مصوایف
 لہمان یصلوا بعد الجمعة اربعاً بنية الظهور احتیاطا جس مقام کے شہر ہونے میں شک ہو وہاں جمعہ کے بعد نہایت
 نظر احتیاطا لوگوں کو چاہیے کہ چار رکعتیں پڑھ لیں۔ اور قنبرہ میں ہو ملا بتل اہل مرو باقامۃ الجمعۃ فیہا مع اختلاف
 العلماء فی جوازہا امرایہم بالاربع احتیاطا جب مرو میں دو جمعے ہونے لگے اور ظاہر اسکے جواز میں اختلاف تھا
 تو ایہ مرو نے احتیاطا چار رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا سوال اذان کا قولاً وفعلاً جواب دینا دونوں واجب ہیں بلکہ
 واجب اور دوسرا مستحب یا بالکس۔ جواب اول واجب ہے بقول اصح اور بعض زبان سے جواب دینا مستحب
 کہتے ہیں جیسا کہ میں نے سعایہ میں اسکو مبطل سے لکھا ہے اور غنیۃ المستملیٰ میں ہے االاجابة فظاهر الخلاصة وقاوی
 قاضی خان والحقہ وجوبہا وقال لحنوا فی الاجابة بالقدم فلواجب بالسان ولہ عیش الی المسجد لایکون محیباً
 ولو کان فی المسجد لیس علیہا محیب بالسان وحاصلہ نفی وجوب الاجابة باللسان وبہ صرح جماعة مصنف
 خلاصہ اور قاضی خان اور تحفہ کی ظاہر عبارت سے اذان اول کی اجابت واجب ثابت ہوتی ہے اور حلوانی
 نے کہا کہ اپنے ہاؤن سے جواب دینا چاہیے پس اگر زبان سے جواب دیا اور مسجد کی طرف روانہ نہ ہوا تو گویا اس نے

اذان کا جواب نہیں دیا اور جو مسجد میں موجود ہو اُسے زبان سے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے حاصل یہ ہے کہ زبان سے جواب دینا واجب نہیں ہے اور ایک جماعت نے اسکی تصریح کی ہے کہ یہ مستحب ہے اور وہ امت مسلمین ہے

ما قالہ الحلواتی یعنی علی ما کان فی زمان السلف من الصلوۃ بجماعت مکررہ واحدة وعدم تکرارہا کما ہو فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء وقد علمت ان تکرارہا مکروہۃ فی ظاہر الروایۃ لانی دلیۃ عن الامام وروایتہ عن ابی یوسف وسیاقی ان الراجم عند اهل المذہب وجوب الجماعۃ وانہ یأثم بتفویثہا اتفاقا وحریحہا لمسی بالہکذا لان حتم الاداء فی اول الوقت فی المسجد بل لا قامة للجماعۃ والا لزم فوجہا وتکرارہا فی المسجد وکلامہ مکروہ فلذلک قال بوجوب اجابۃ القدم لا یقال یکن ان یجمع اہلہ فی بیتہ لا نأقول مذهب الحلواتی یعنی علی مذہبنا بل بذلک ثواب الجماعۃ وانہ لیکون بدعتا وکروہا نعمہا لیسیمہ انہ لا تکرر تکرار الجماعۃ اذا لزم مکان علی لیسۃ الاولی والا حصہ من وجع باہلہ لا یکرر وبنال بذلک فضیلۃ الجماعۃ لکن جماعت المسجد افضل اگلے زمانے میں یہ رائج تھا کہ نماز جماعت ایک ہی بار ہوئی تھی جیسا کہ زمانہ نبوی اور زمانہ خلفائین تھا اور یہ معلوم ہے کہ تکرار جماعت مکروہ ہے ظاہر الروایتین البتہ امام صاحب و امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی ایک روایت میں جائز ہے اور غریب یہ معلوم ہو گا کہ جماعت واجب ہے اور قوت جماعت ہی بالاتفاق آدمی گنہگار رہتا ہے اس صورت میں سعی یا القدم واجب ہے نہ اسوجہ کہ نماز مسجد میں اول وقت میں ادا کرنا چاہیے بلکہ جماعت قائم کرنے کے لیے کیونکہ اگر سعی یا القدم نہ کر لیا تو جماعت جاتی رہیگی یا اگر عجاظ لازم آئے گی اور دونوں مکروہ ہیں اسی لیے حلواتی نے اجابت یا القدم کو واجب کہا ہے اور اگر یہ عرض کیا گیا ہو کہ ممکن ہے کہ گھر کے لوگوں کو جمع کر کے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ نبی مذہب حلواتی کا ثواب جماعت کو محروم نہ ہوتا ہے اور یہ صورت بہت ہی پاکرہ ہے ان صحیح ہے کہ تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے پہلی جماعت کی ہیئت پر نہ وارد اصح یہ ہے کہ اگر پہلی گھر کے لوگوں کو جمع کر کے نماز پڑھ لیا تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے اور فضیلت جماعت اس سے بھی حاصل ہے چاہے ایک لیکن جماعت مسجد افضل ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ اجابت یا القدم اور سعی الی المسجد کی وجوب کے برابر صحیح کوئی وجہ نہیں ہے مگر ترک سعی سے جماعت فوت ہوتی ہے اور اجابت لسانی اس حدیث سے ثابت ہے کہ واجب ہے اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المأذون جب اذان کی آواز سنو تو وہی کو جو مؤذن کہہ رہا ہو سوال ایک حافظ کا داہنا ہاتھ کہنی کے پاس سے کٹا ہے تو اسے پیچھے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں اگر مقتدی علمین لینے مسئلہ وغیرہ جاننے میں اس سے کم یا زیادہ یا برابر ہے تو ان حالتوں میں کب نماز مکروہ نہ ہوگی اگر ایک شخص حافظ نہیں ہے مگر مسئلہ میں آگاہی رکھتا ہے بلکہ اس حافظ کی برابر جاتا ہے تو اسی حالت میں اگر وہ اس حافظ کی پیچھے نماز پڑھے تو مکروہ ہے یا نہیں جواب مکروہ نہیں ہے سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مخاطبین میں سے

کہ سب عربی نہ سمجھ سکتے ہوں یا بعض نہ سمجھ سکتے ہوں تو خطیب کو عربی خطبہ کا ترجمہ کر دینا چاہیے کیونکہ خطبہ کا مقصد تذکرہ و ابلاغ ہو نہ صرف سنا دینا پس اگر مطلب نہ سمجھ گیا تو یہ فائدہ کیونکر حاصل ہونگے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین چونکہ عرب تھے وہ سب عربی سمجھتے تھے اس لیے اُن کو عجیون کی طرح ترجمہ کی احتیاج نہ تھی اور اب اگر ترجمہ نہ ہو تو خطیب کی کار ہو جاتا ہے اور جو دہرایا جاتا ہے وہاں ترجمہ فرض ہو خطیب بغیر اس کے درست نہیں جواب علماء دین کی خدمت میں سوال یہی کہ قائل کا یہ قول درست ہی یا نہیں جواب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَم لَعَنَ شَرُّكُمْ اَشْرَعُوا لِهَمَمٍ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنَ بِهِ اللَّهُ پس جو شخص قرب الہی کے لیے خدا کی راہ میں شریعت کی ہونی بات ایجاد کرے اُس نے ایسے امر کو مشروع کیا جسکی اجازت خدا نے نہیں دی اور اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مجموعہ اور جمیعوں کے خطبوں میں ڈرایا ہے صحیح مسلم میں جابر سے مروی ہے کان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احرمت عيناه وعلا صوته واشتد غضبه حتى كانه من دون حوش يقول صبحكم ومساكم وبقول بقت انا والساعة كهاتين ويقرن بين اصبعيه السبابة والوسطى ويقول اما بعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد وشرا ما تمردوا به بعد ذلك بدعة ضلالة وفي رواية النسائي وكل ضلالة في النار حضور سرور انبيا عليه التمجيد والتعظيم خطبہ پڑھتے آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتی آواز تیز ہوجاتی اور غصہ نہ کہہ جاتا ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں پھر فرماتے تم مجھے یہ صبح و شام کرو اور کہتے کہ میں اور قیامت دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قریب قریب بھیجے گئے ہیں اور کلمہ کی اور بیچ والی انگلیوں کو ملا لیتے اور فرماتے کہ ہرگز نہ کہتے خدا کی کتاب ہے اور ہرگز نہ کہتے ہدایت محمد کی ہدایت ہے اور بدترین امور نئی باتیں ہیں اور نئی بات گمراہی ہے اور نسائی کی روایت میں ہے اور ہرگز نہ کہتے میں ہے اور یہی صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام واصلقہ نے فرمایا ہے من عمل عملا ليس امره فاهور دوني لفظاً يصح من احد في امرنا ليس منه فهو رد وفي الحديث الصحيح الذي رواه اهل السنن عن عمار بن سارية عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من يعش منكم بعدى فسيري اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور فان كل بدعة ضلالة حيسه كوني ايها كما كما جسدكم من علم منين برأى قودہ مردود ہے اور صحیحین میں جو جس نے ہمارے علم میں کچھ زیادتی کی وہ مردود ہوا بل سنن نے ایک حدیث عربی ابن ساریہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم میں سے جو کوئی میرے بعد

زندہ رہے گا وہ عقرب سخت اختلافات دیکھے گا اُسوقت تمہیں یہی اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا چاہیے
 اس سے تسک کرنا چاہیے اور اُسے آگے کے وائٹون سے مضبوط پکڑنا چاہیے اور نئی باتوں سے بہرہ نرنا چاہیے
 کیونکہ ہر نئی بات گمراہی ہو یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے جسے سنت اور اجماع اور خود قرآن نے ثابت کیا ہو یہ بھی واضح ہے
 کہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا ارشاد کل بدعت ضلالتہ کلیہ ہے جو عام ہے اور اس سے مفہوم ہوتا ہے
 کہ حضور کا مقصد بھی تمہیں جو جس سے بدل کر کہ اس حدیث میں کسی قسم کی تفصیص نہ ہو اس حدیث سے بدعت میں نہ ہو
 ضلالت ہونا ثابت ہوتا ہے پھر اس میں تفصیص بلکہ بدعات حسنہ بدعت ہی ہو خارج کر دی گئیں اور اس طرح حدیث کی عمومیت محفوظ
 رکھی گئی باقی رہی وہ بدعت جسے حسن ہو زمین شک ہو پس اگر حسن ثابت ہو جائے تو وہ بدعت نہیں ہے اور نہ اس کلیہ میں
 داخل ہو اور ضلالت ہو عقرب اسکی تفصیل کلام حضرت عمرؓ عنہما حدیثہ کہ منیٰ کے بیان میں آئے گی اہل بیت
 کو خلق کو اعمال و طرح کو بہن ایک عبادات جو دینی ہیں دوسری عادات جو دنیاوی و زہدگی کے لیے ضروری ہیں پس
 عبادات میں تو جو کچھ خدا نے مشروع کیا ہے اُس سے زائد غیر مشروع ہے اور عادات میں جس سے خدا نے منع فرمایا
 ہو اُسکے علاوہ کسی اور چیز کو ممنوع نہ کرنا چاہیے اور یہی امام مالک اور دوسرے ائمہ کے مذاہب کا مبنی ہے اور بدعت
 کا محل منہی عنہ پر کرنا اس حدیث کو بیکار کر دیتا ہو اور لفظ بدعت مع اپنے منہ کے بے اثر ہوا جاتا ہے اور لصوص
 کو بیکار کر دینا تحریف و اسناد ہے تاویل نہیں ہو اور اسکا قائل تاویل کرنا نہیں چاہتا بلکہ دھوکا دینا چاہتا ہے
 کیونکہ بدعت اور نہی خاص میں عموم و خصوص من وجہ ہو کیونکہ ہر بدعت منہی عنہ نبی خاص نہیں ہو اور ہر منہی
 نبی خاص بدعت نہیں ہو تو اب ایک بول کر دوسرا مراد لینا دھوکا نہیں تو اور کیا ہو یہ ویسا ہی ہے جیسے اسود
 کمین اور فرس مراد این یا بالعکس تو معلوم ہو کہ یہ تاویل قطعاً فاسد ہے اس پر حدیث کو محمول کرنا ناجائز ہو اور حدیث
 میں ہے کل امر لیس علیہ امرنا فہو رد اگر اسکو شکل کا کبری بنا کر یوں کہو ہذا امر لیس علیہ امر النبی صلعم
 وکل امر لیس علیہ امرہ فہو رد تو نتیجہ یہی نکلے گا ہذا امر رد پس معلوم ہو کہ کوئی فعل و قول و اعتقاد جو مشروع
 نہیں ہے مردود ہے جامع ترمذی میں ہے قال اسحق فی التثویب غیر ہذا قال ہوشی حدثنا الناس بعد النبی
 علیہ السلام اذا اذن المؤمن فاستبطن القوم قال بین الاذان والاقامۃ قد قامت الصلوٰۃ حی
 علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح و هذا الذی قال اسحق ہوا للتثویب الذی کوہہ اہل العلم والذی احدثوہ
 بعد النبی علیہ السلام وروی عن مجاہد قال حدثت مع عبد اللہ بن عمر مسجد و قد اذن فیہ فخرج
 نرید ان نضلی فیہ فتوب المؤمن فخرج عبد اللہ بن عمر عن المسجد وقال خرج بنا من عندہ المتبع

ولم یصل فیہ وانما کره عبد الله بن عمر للتثویب الذی احدثه الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفيہ سمعت
عبد الرحمن بن مہدی یقول لو افتح الرجل الصلوٰۃ تعین اسمہ من اسماء اللہ تعالیٰ ولم یکبر لم یجزہ الی ان قال
انا الامر علی صحبنا تمی قال مالک لا یصل اخر هذه الامۃ الا ما اصلح ولها فی السنن الدارمی اخبرنا الحكم بن
المبارک اخبرنا عمرو بن محیی قال سمعت ابی یحیی عن امیہ قال کنا نجلس علی باب عبد الله بن مسعود قبل
صلوٰۃ الغداة فاذا خرج مشینا معہ الی المسجد فجاؤنا الیوموسی لا نشعری فقال خرج الیکم ابو عبد الرحمن بقلنا
لا تجلس مناه حتی خرج فلما خرجنا الیہما قال لہ الیوموسی یا ابا عبد الرحمن انی رأیت فی المسجد کفایا امر انکرته
ولم ارا الحمد لہ الا خیر اقال فما هو ان عشت سترہ قال رأیت فی المسجد قوما حلفوا جلوسا ینتظرون الصلوٰۃ
فی کل حلقة رجل فی ایدیہم حصی فیقول کبر واما ینفکرون مائة فیقول هللوا مائة فیقولون مائة ویقول سبحوا مائة
فیسبحون مائة قال فماذا قلت لہم قال ما قلت لہم شیئا انتظرا لیک قال فلا امرتہم ان یعدوا واسبأ قہم
وضمنت لہم ان لا یضیع من حسناتہم شیء ثم مضی ومضینا معہ حتی اتی حلقة من تلک الحلق فوقف علیہم
فقال ما هذا الذی اراکم لتضعنون قال یا ابا عبد الرحمن حصاء نعد بہ التکبیر والتہلیل والتسبیح قال
نعد واسبأ تکلم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیء ویحکم یا امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ما اسرع
هلکتکم ہولاء اصحاب بینکم متوافرون وھذا ثیابہ لم تبیل وآنیۃ لم تکر والذی نفسی بیدہ انکم لعلی طرۃ
ہی ابدی ملت محمد ومفتیہ باب ضلالتہ قالوا واللہ یا ابا عبد الرحمن ما اردنا الا الخیر قال وکم من یرید
الخیر لم یجسہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا ان قوما یقرؤن القرآن لا یحیا وز تراقیمہ وایم اللہ ما
ادری لعل اکثرہم منکم ثم تولی منہم فقال عمرو بن سلمۃ رأینا عامۃ اولئک الحلق یتاعنوننا یوم النہر وان
مع الخواجیر احق نے کہا کہ تشریف یک شہ ہے جسے لوگوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کیا
ہو اور وہ یہ ہے کہ جب مؤذن اذان دیکھے تو لوگ چپکے چپکے چلیں اور اذان واقامت کے درمیان قد قامت
الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہیں اور یہ جسے احق نے تشریب کہا ہوا اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد ایجاد کی گئی ہے اہل علم کے نزدیک کردہ ہے مجاہد سے روایت ہو کہ مین عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
کے ہمراہ ایک مسجد میں گیا وہاں اذان ہو چکی تھی ہنسنے نماز شروع کرنے کا قصد کیا تو دیکھا کہ مؤذن تشریب کر رہا
ہے پس عبد اللہ بن عمر مسجد سے نکل آئے اور مجھ سے کہا کہ اس مبتدع کے پاس سے چلے آؤ اور اس مسجد میں
خادمین پر مین عبد اللہ بن عمر تشریب کو جو حضور رومی فداہ کے بعد ایجاد کی گئی ہو کر دہانتے تھے مین ذوالکھن

ابن ہدی سے اسکے بارے میں سنا ہو کہ وہ کہتے تھے اگر کسی شخص نے خدا کا کوئی اور نام لیکر نماز شروع کر دی تو بکیر
نہ کسی تو یہ ناکافی ہی رہا نہ تک کہ انھوں نے یہ کہا کہ حکم اسی طریقہ پر ہے انتہی مالک رحمہ اللہ نے کہا جو اس امت
کی آخری اصلاح اُس سے ہوگی جس سے ابتدائی اصلاح ہوئی سنن دارمی میں ہو خبر دی بہکو حکم بن مبارک نے
مکوعہ میں بھیجی نے کہا عمرو بن یحییٰ نے میں نے اپنے باپ سے سنا وہ اپنے باپ سے روایت کر کے کہتے تھے کہ ہم ابن مسعود
کے دروازے پر بیٹھے تھے وہ گھر سے نکلے اور ہم اُنکے ساتھ مسجد کو چلے تب ابو موسیٰ اشعری ہمارے پاس آئے
اور ہم سے پوچھا کیا ابو عبد الرحمن تمہارے پاس آئے تھے ہم نے کہا نہیں وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے کہ اتنے
میں ابو عبد الرحمن آگئے اور ہم سب اُنکے پاس چلے گئے اور ابو موسیٰ نے اُن سے کہا اے ابو عبد الرحمن میں
مسجد میں بھی ایک بُری بات دیکھی حالانکہ مجھ اسد ابھی تک میں نے کوئی بُری بات نہیں دیکھی تھی ابو عبد الرحمن
نے پوچھا وہ بات کیا ہو اگر تم زندہ رہو گے تو عنقریب در بُری باتوں کو دیکھو گے انھوں نے کہا میں نے مسجد میں
ایک گروہ کو دیکھا جو حلقہ باندھے بیٹھا نماز کا انتظار کر رہا تھا سب ہاتھوں میں سنگریزے تھے اور ہر حلقہ کے
بیچ میں ایک آدمی تھا جو کہتا تھا سوم تہ تکبیر کو سب سوم تہ تکبیر کہتے پھر وہ کہتا سوم تہ تہلیل کو وہ سب سوم تہ
تہلیل کہتے پھر وہ کہتا سوم تہ تسبیح کو اور وہ لوگ ایسا ہی کرتے ابو عبد الرحمن نے کہا کہ پھر تم نے اُن سے کیا کہا
ابو موسیٰ اشعری نے جواب دیا کہ میں نے اُن سے کچھ نہیں کہا میں تو تمہارے انتظار میں تھا ابو عبد الرحمن نے کہا
کہ تمہیں اُن سے کتنا چاہیے تھا کہ مجھے اسکے وہ اپنی ہدیان شمار کریں اور میں اسکا ضامن ہوں کہ اُنکی نیکیاں
کم نہ ہوں گی پھر وہ چلے اور ہم سب اُنکے ہمراہ ہوئے یہاں تک کہ وہ ایک حلقے کے پاس پہنچے وہاں کھڑے ہوئے
اور کہا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو جواب ملا کہ اے ابو عبد الرحمن یہ کنکریاں ہیں جن سے ہم تکبیر و تہلیل و تسبیح کو گنتے ہیں
اُنھوں نے کہا مجھے اسکے تم اپنے گناہوں کو گنومیں ذمہ داری کرتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں کم نہ ہوں گی ایست محمد
(روحی فداہ) یہ بڑے افسوس کی بات ہو کہ تم اس قدر جلد ہلاک ہو گئے حالانکہ ابھی بہت سے صحابی موجود ہیں اور
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے بدن بھی ابھی تک نہیں
ٹوٹے ہیں بخدا تم ملت ابدی محمدی پر ہو جو دافع منکالت ہو انھوں نے کہا اے ابو عبد الرحمن ہمارا مقصد نیک
ہو انھوں نے کہا کہ بسا اوقات آدمی نیکی کا قصد کرتا ہو اور اُس تک نہیں پہنچ سکتا حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ایک قوم ایسی ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن اُنکے حلقوں کے نیچے نہ اترے گا
میرے خیال میں تم میں سے اکثر انھیں میں سے ہیں پھر وہاں سے واپس چلے آئے تو عمر بن سلمہ نے کہا کہ نبی

ان حلقوں کے اکثر لوگوں کو یوم نہروان میں خواہج کے ساتھ ہم لوگوں سے نیزہ بازی کرتے دیکھا ہوا تھی اور کلیہ قاعدہ یہ ہو کہ بعد کو جو امور نکالے گئے ہیں انکی مصلحت اور سبب کیا ہو اگر کوئی ایسا امر ہو جنہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا اُسپر کچھ زیادتی نہیں کی گئی ہے یا کوئی ایسا امر ہے جسے حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے کیا پھر کسی علت سے چھوڑ دیا جو حضور کی وفات کے بعد زائل ہو گئی تو ایسے عمل کی ایجاد جائز بھی جائے گی اور اگر اُس امر کے ایجاد کی کوئی مصلحت اور سبب نہیں ہے یا ایسا سبب جو حضور سرور کائنات علیہ التیمۃ والصلوٰۃ کے زمانے میں موجود نہ تھا یا موجود تھا لیکن پھر بھی آپ نے اُس امر کو نہیں نکالا تو ایسے کام میں کوئی حسن نہیں ہے بلکہ وہ بدعت اور ضلالت ہو اُس کے لیے کسی نہی کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ایسے امر میں مصلحت ظاہر ہو لیکن خرابی غیر معلوم ہو تو کہا جائے گا کہ اس میں لوگوں کا فلع بھی ہے اور نقصان بھی لیکن نقصان زائد ہو ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُسکو ضرور کرتے اور جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو ترک کیا تو اُسکا ترک ہی سنت ہو اُس کے مقابلے میں کوئی قیاس قابلِ ساعت نہیں ہو اب تراویح اُس قسم میں داخل ہو جسے آپ نے ایک مانع کے بدولت ترک فرمایا تھا جو آپ کی وفات سے زائل ہو گیا کیونکہ لوگ مسجد میں اُسوقت الگ الگ ناز پڑھا کرتے تھے اور چوتھی یا تیسری رات کو آپ نے فرمایا کہ میں اس خیال سے نہیں آیا کہ باوا تیرہ فرض ہو جائے تو اب تم لوگ گھر ہی میں پڑھ لیا کرو کیونکہ فرض کے علاوہ اور نمازین گھر ہی میں افضل ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح جمع ہو کر تراویح نہ پڑھنے کی علت خوفِ فرضیت کو بتایا ہو جو آپ کی وفات کے بعد معدوم ہو گیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کو میسٹ موجودہ پر کر دیا تو اب یہ بدعت محض لغت کے اعتبار سے ہوئی کیونکہ لغت میں ہر نئی بات بدعت ہو اور شرعاً بدعت نہیں ہوئی کیونکہ سنت سے اُسکا عمل صالح ہونا ظاہر اور معارض بعد وفات زائل ہے اور کلام رسول اور کلام فاروق میں کوئی معارضہ نہیں اور حضرت فاروق نے بھی اسے باعتبار سنت ہی کے بدعت فرمایا ہو کیونکہ شرعاً بدعت وہی ہے جسپر کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو تو جس فعل کے استحباب پر یا بعد وفات ایجاب پر یا مطلقاً ایجاب پر دلیل موجود ہو مگر عمل بعد وفات ہی ہو مثلاً کتاب صدقہ جسے حضرت ابو بکر نے ایجاد کیا تو جب بعد وفات اسپر عمل کیا گیا تو باعتبار لغت اسے بدعت کہہ سکتے ہیں لیکن یہ شرعاً بدعت نہیں کیونکہ کتاب یا سنت اسپر زائل ہو تو باعتبار لغت بدعت شرعی بدعت سے عام ہو اور یہ ظاہر ہو کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء کے قول کل بدعة ضلالة میں بدعت سے مطلقاً امر جدید مراد نہیں ہو ورنہ اسلام بلکہ ہر دین جدید ہو اسی طرح جمع قرآن کہ اُسکے لیے بھی تاہیات نبوی مانع موجود تھا کیونکہ وحی ہر بار نازل ہوتی تھی

تھی تغیر و تبدل ممکن تھا پس اگر قرآن جمع کر لیا جاتا تو پھر تغیر و تبدل دشوار ہو جاتا اور قرآن غلط رہتا لیکن حضور کی وفات کے بعد جب زیادتی و کمی سے اطمینان ہو گیا تب قرآن جمع کر لیا گیا تو حقیقت یہ سنت پر عمل ہو کر نفع سے بدعت کہہ سکتے ہیں باقی رہی عیدین کی اذان تو اسکا سبب و مقتضی گو حضور کے زمانے میں موجود تھا کیونکہ اس میں ذکر خدا وندی ہو امر خیر کے جانب بلانا اسکی مصلحت ہو تو یہ آیات و اذکروا اللہ کثیرا و من احسن وکلا ممن دعا الی اللہ کے تحت میں داخل ہو اور اسکا قیاس جمعہ کی اذان پر بھی کیا جاسکتا ہے تاہم باوجود اسکی چونکہ حضور سرور انبیاء علیہ التمجید و الثناء نے جمعہ میں اذان دلوائی لیکن عیدین میں ایسا نہیں کیا اسی لیے عیدین میں اسکا ترک کرنا ہی سنت ہو اور اس میں زیادتی کرنا ویسا ہی ہے جیسے نماز و روزہ میں کچھ زیادتی کرنا اور جو کچھ مصلحتیں اور دلیلین پیش کی جائیں گی وہ زمانہ نبوی میں بھی موجود تھیں مگر باوجود اسکے آپ نے اس فعل کو اختیار نہیں کیا اس لیے جب بعض امر از عیدین میں اذان دلوائی تو لوگوں نے فرمایا ہر بدعت کما اور عیدین کے قبل خطبہ پڑھنا بھی ایک بدعت ہے جسکا سبب و مقتضی بھی زمانہ نبوی میں موجود نہ تھا بعضے امر از اسکا کیا اور جب بدعت بتایا گیا تو یہ عذر پیش کیا کہ لوگ خطبہ سننے کے قبل ہی جانا شروع کر دیتے ہیں اور زمانہ نبوی میں ایسا نہیں ہوا تھا اسکا جواب اس امر کو یہ دیا گیا کہ اسکا باعث تمھاری ہی زیادتی ہو کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ و الخلوٰۃ کا منشا تبلیغ و ہدایت و نفع مومنین ہوا کرتا تھا اور تمھارا منشا اپنی ریاست کا اظہار ہوتا ہو اگر تم بھی صلاح دین کا قصد کرو تو ایسا نہ ہو پس اب تم اپنے ایک گناہ کے بدولت دوسرے گناہ کو کس طرح درست سمجھ لیتے ہو اسکا دفعیہ تو یوں ہو سکتا ہے کہ تم تو بدکردار و سنت رسول کی اتباع کرو اور اگر کچھ بھی حالت درست نہ ہو تو تم اپنے افعال کے ذمہ دار ہو دوسرے سے تم سے کیا علاقہ قرآن میں ہے علیکم افسسکم لایضرکم من خل اذا احتدیم الا یہ یوم ناتی کل نفس بما فعلت عن نفسہا الا یہ اسی طرح عیدین اور جمعہ کے خطبوں کے متعلق اس تجویز کا حال ہے کہ دوسرے زبانوں میں ہو یا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہو اور اسکے متعلق یہ عذر کیا جاتا ہو کہ مخاطبین زبان عربی سے ناواقف ہوتے ہیں غبی زائد ہو گئے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہو کہ اسکا باعث کیا ہے ہم تعلیم عربی یعنی اس زبان سے فائل ہو گئے ہیں جس میں خدا کا قرآن نازل ہوا تو اب ہم اپنی ہی غلطی کی وجہ سے بدعت میں مبتلا ہو رہے ہیں صحابہ کو باوجودیکہ تذکرہ تبلیغ کے ضروریات بہت تھے اور فتح بلاد فارس کے بعد انکے یہاں بھی عیسویوں کی تعداد بڑھ گئی تھی لیکن غیر زبان عربی میں کبھی خطبہ یا اسکا ترجمہ ثابت نہیں ہوا۔ اور اگر یہ مصلحت مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ صحابہ اور ان کے اصحاب علیہ السلام بطریقوں کے طریقوں سے ناواقف تھے یا اسلام کچھ لوگوں سے چھپانا چاہتے تھے یا تبلیغ و تکریم میں

ایما وشہورایسمونها باسماء لانعرف فکوه ذلك استند الکواہیۃ وروی عن مجاهد حدیثا انه کره ان یقال
 احد ما روی ما قلت فان کان اسم رجل اسمیه به فکوه رجه ذلك کراہۃ ان یتعود الرجل النطق بغير القریۃ
 فان لسان العربیۃ شعائر الاسلام واحده ولغات من شعائر الامم التي بها یتیزون میں نے امام احمد سے کہا کہ
 پارسیوں کو مہینوں کو نام مجھے معلوم نہیں ہیں ان کو میری یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور انھوں نے مجاہد سے ایک حدیث روایت
 کی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا دوسری زبان کے الفاظ کو پورا اچانتے حتیٰ کہ اگر کسی کا نام ہوتا
 تو بھی آپ پسند نہ فرماتے کیونکہ زبان عربی شعائر اسلام سے ہو اس لیے کہ قوم کی زبان اس کے شعائر میں سے ہوا
 کرتی ہو اس لیے بہت سے فقہا نماز کی دعاؤں اور اذکار کو بھی دوسری زبانوں میں نا درست سمجھتے ہیں اذکار صلوٰۃ
 کی دو قسمیں ہیں (۱) قرآن یہ تو غیر عربی میں پڑھا ہی نہیں جاسکتا بلکہ بعضوں کے نزدیک تو کسی سورہ کا ترجمہ
 کرنا بھی نا درست ہو اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو اگر پڑھنے والا
 عربی پر قادر نہ ہو اصحاب احمد کے نزدیک وہ بھی ترجمہ نہیں کر سکتا اور یہی مالک اور اسحق کا مذہب ہو اور امام ابو یوسف
 اور امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک ترجمہ کر سکتا ہو (۲) اذکار امام مالک اور اسحق اور بعض اصحاب شافعی
 رحمہم اللہ کے نزدیک ترجمہ نہیں کر سکتا اور خود امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عربی میں اذکار
 مکروہ ہیں ناجائز نہیں اور بعض اصحاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حکم جب ہے کہ عربی نہ جانتا ہو مجھو لگان
 ہو کہ احمدی فارسی میں نماز کی دعا کو متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے اس کو برا کہا اور کہا کہ بڑی زبان ہوسلوی نے باسنو صحیح محمد بن
 عبد المہد بن حکم روایت کی ہو کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا لیسمی اللہ الطالبین من فضل فی الشراء والبيع تجار الی قولہ والسماء سرب
 اسمہن اسماء اجمع فلا ینصب لیسمی علیہن فی العریۃ تلج الی التلج بالعرۃ بیتہ فیسمی شینا بالعیۃ وذلك ان اللسان اتی
 اختلا لہ عز وجل لسان العرب اللہ نے ان لوگوں کا نام جو جمع و شرا میں اس کے فضل کے طالب ہوتے ہیں
 تاجر رکھا یہاں تک کہ آگے چل کر کہتے ہیں اور سرب آسان کا بھی زبان میں نام ہو پس ہم سے پسند نہیں کرتے کہ کوئی
 عربی جاننے والا آدمی تاجر کو کسی دوسرے نام سے پکارے اور عربی لفظ کا استعمال نہ کرے بلکہ کوئی عجمی لفظ بولے
 اور یہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی ہی زبان کو اختیار کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی عربی جاننے والے
 شخص کے لیے دوسری زبان میں نام رکھنا برا سمجھتے تھے اور اسی طرح عربی زبان میں دوسری زبان میں ملا کر پونا اور
 جو ائمہ نے کہا ہو صحابہ اور تابعین سے ثابت ہو اور ابو بکریدہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا حضرت عمرؓ نے
 ما یعلم الرجل بالفارسیۃ لا ینب ولا ینب الا نقصت مروءۃ آدمی فارسی سے صرف نہ کر سکتا ہو اور نہ کرموت کم چلتی

ہو اور انھوں نے کہا ہر حدیث ثنا و کبیع عن ثور عن عطاء قال لا تقلم وارطاة الا عاجم حدیث بیان کی ہم سو کیجئے
 اُن سے ثور نے اُن سے عطاء نے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عجیون کی گفتگو نہ سیکھو۔ اور انھوں نے
 کہا ہر حدیث ثنا اسمعیل بن علیہ عن داؤد بن ابی ہند ان محمد بن سعید بن ابی وقاص سمع قوما یتکلمون
 بالفارسیۃ فقال ما بال الجوسیۃ حدیث بیان کی ہم سے اسمعیل بن علیہ نے بروایت داؤد بن ابی ہند کہ محمد بن
 سعید بن ابی وقاص نے ایک قوم کو فارسی میں باتیں کرتے دیکھ کر فرمایا کہ عجیون کا بعد کو کیا حال ہوگا دیکھنے
 پر حال ہوگا، وقد روى السلفی من حدیث سعید بن علاء البرزعی حدیث ثنا اسحق بن ابراہیم البلخی حدیث ثنا
 عمر بن ہارون البلخی حدیث ثنا اسامۃ بن زید عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 من یحسن ان یتکلم بالعربیۃ فلا یتکلم بالعجمیۃ فانیورث النفاق ورواہ ایضا باسناد اخر معروف الی
 ابی سہل محمود بن عمر البکری حدیث ثنا محمد بن الحسن بن محمد المقرئ حدیث ثنا محمد بن الخلیل بلخی حدیث ثنا
 اسحق بن ابراہیم المریری حدیث ثنا عمر بن ہارون عن اسامۃ بن زید عن نافع عن ابن عمر عن عمر
 قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان یحسن ان یتکلم بالعربیۃ فلا یتکلم بالفارسیۃ فانیورث
 النفاق سلفی نے سعید بن علاء البرزعی کی حدیث سے روایت کی ہر حدیث بیان کی ہم سے اسحق
 بن ابراہیم بلخی نے اُن سے عمر ہارون بلخی نے اُن سے اسامہ بن زید نے اُن سے نافع نے اُن سے
 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا ہر جو شخص بخوبی عربی بول سکتا ہو اسے عجی زبان میں بات نہ کرنا چاہیے کیونکہ اُس سے نفاق پیدا
 ہوتا ہو اسی حدیث کو انھوں نے دوسرے اسناد سے یوں روایت کیا ہے حدیث ثنا آقا اور یہ کلام حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کے مشابہ ہو لیکن اُس کا مفعول ہونا البتہ کھٹکتا ہو اور صحابہ کے ایک گروہ سے منقول ہو
 کہ ہم دو جاہ فارسی الفاظ بول لیتے تھے لیکن عربی کے سوا دوسری زبان میں گفتگو کے عادی نہ تھے کہ عجی
 زبان کسی کی گھریلو یا بازاری زبان نہ تھی اور نہ امرا اور اہل دیوان کی زبان تھی اور نہ اجاب کی گفتگو میں
 میں عجی زبان سے کام لیا جاتا تھا کیونکہ یہ سب امور بلاشبہ مکروہ ہیں اس لیے کہ اس میں عجیون سے تشبہ ہو
 جو مکروہ ہو اس لیے اگلے مسلمانوں نے جب شام و مصر میں (یہاں کے لوگوں کی زبان رومی تھی) اور عراق
 و خراسان میں (یہاں کے لوگوں کی زبان فارسی تھی) اور ارض مغرب میں (یہاں کے لوگوں کی زبان یونانی تھی)
 تھی، سکونت اختیار کی تو اُن لوگوں کو عربی کا عادی بننا یا حتی کہ مسلمان اور کافر سب کی زبان عربی ہی ہو گئی

پہلے زمانے میں خراسان کا بھی یہی حال تھا لیکن بعد کو تساہل کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج خراسان کی زبان فارسی
 ہو اور یہ مکروہ ہی بہتر ہے کہ عربی ہی میں سب گفتگو کے عادی کیے جائیں اس کا طریقہ یہ ہو کہ کٹر کون کو مکتبوں اور
 گھروں میں عربی سکھائی جائے کیونکہ اس سے شعرا اسلام ظاہر ہوتا ہے اور اس کے بدولت مسلمانوں کو کتاب و
 سنت کے معانی سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور جب کوئی شخص ایک زبان کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر دوسری زبان
 بولنا دشوار ہو جاتا ہے جانتا چاہیے کہ زبان غفل در عادات اور دین پر بھی قوی اثر کرتی ہے عربی زبان کے بولنے
 میں مسلمانوں کے ابتدائی زمانے کی مشابہت ہی لینے صحابہ اور تابعین کے زمانے کے اور ان کی مشابہت سے عقل
 اور دین میں زیادتی ہوتی ہے علاوہ برین خود لغت عربی دین میں سے ہے اور اس کا سیکھنا واجب ہے کیونکہ کتاب و
 سنت کا حکم بغیر عربی لغت کے جانے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتا اور یہ واجب ہے اور جس کے بغیر واجب نہ تمام ہو
 وہ بھی واجب ہے تو زبان عربی کا سیکھنا بھی واجب ہے اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حدیث نبوی سے
 جو تین من ثور عن عمر بن عمر بن یزید قال کتب علی ابی موسیٰ اما بعد ففقهوا فی السنۃ وتفقهوا فی
 العربیۃ واعلم ابی القلان فانہ عربی وفی حدیث اخر عن عمر بن الخطاب قال تعلموا العربیۃ فانہا من دینکم حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ نے ابی موسیٰ کو لکھا کہ سنت اور عربی زبان اور اعراب قرآن رکھو کہ یہ بھی عربی ہے اور میں غور کرو
 اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے عربی سیکھو کیونکہ وہ تمہارے امور دینیہ سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں یا اقوال
 ہیں یا اعمال یا اقوال تفقہ عربی سے سمجھے جاتے ہیں اور اعمال تفقہ سنت سے مراد ہی ابوداؤد من حدیث محمد بن
 اسمعق من داؤد بن حصین عن عبد الرحمن بن ابی عقیبۃ وكان مولیٰ من اهل فارس قال شهدت مع
 رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم احد افقریت رجلا من المشرکین فقلت خذ هذا وانا الغلام الفارسی
 فالتفت الی فقال هلا قلت خذ هامنی وانا الغلام الانصاری ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ابن ابی عقبہ
 جو ایک فارسی غلام تھے کہتے ہیں کہ میں جنگ احد میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا جب میں
 ایک کافر مشرک کے پاس پہنچا تو میں نے اس سے کہا یہ ہے اور میں فارسی غلام ہوں تو حضور میری طرف متوجہ
 ہوئے اور فرمایا کہ تنے یہ کیوں نہیں کہا کہ میں ایک انصاری غلام ہوں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حضور سرور انبیاء
 علیہم السلام نے انصاری کے جانب انتساب کو پسند کیا حالانکہ یہ انتساب دلائل بمقابلہ فارس کے جانب
 انتساب کے جو انتساب حقیقی تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کس قدر عربیت میں غلو تھا اگر ہذا ماخذ
 نقلہ من کتاب اقتضاء صراط المستقیم للشیخ ابن تیمیہ مختلفوا پس جب صحابہ عظام بھی دہانوں میں گھس گھس

اس قدر زانیہ فرماتے ہیں تو شعائر دین مثلاً اذان وغیرہ میں کس طرح پسند فرما سکتے ہیں اب خطبہ قبلیہ جیسا کہ انشا
 اللہ فیہ تلیخ اور ترغیب ترسیب ہو اگر عجمی کچھ نہیں سمجھتے تو اس زمانہ میں بھی نہیں سمجھتے تھے اور ترجمہ کبھی نہیں کیا جاتا تھا اور عجمی لوگ
 یہ نہیں دیکھ سکتے تھے بلکہ انکو عربی سیکھنے کی عادت ڈالی جاتی تھی لیکن علی الدین کلامہ ولو کرہ
 المشرکون کی اتباع بجمال بہتر ہے والدین اتباعہم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہم اور عربی و عجمی کو ملا دینے
 میں ایک اور یہ بھی خرابی ہے کہ خطبہ طویل ہو جائیگا جس سے حضورؐ نے منع فرمایا ہو اور اسکے بدولت لوگ گھبرا
 جائیں گے اور دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں گے جس پر حضورؐ نے اس قدر ناراضگی ظاہر کی ہو کہ اتنی اور
 کسی دوسرے امر پر نہیں ظاہر کی مسلم نے عمار سے روایت کی ہے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول
 ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته مینة من فقهه فاطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة میں نے نبی اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کو کہتے سنا ہو کہ نماز میں طوالت اور خطبہ میں اختصار آدمی کی سمجھداری کی دلیل ہو پس نماز میں طوالت
 اور خطبہ میں اختصار کو ملاحظہ ہو کہ یہ حضورؐ سرور انبیاء علیہم السلام کا حکم ہے جس کی مخالفت باوجود علم کے
 مومن کی شان نہیں ہو۔ مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے ان عبد اللہ بن مسعود قال انما ان
 انك في زمان كثير فقهاؤه قليل قراؤه تحفظ فيه حد ود القرآن وتضييع حروفه قليل من يسأل كثير من يعطي
 يطيلون فيها الصلوة ويقصرون الخطبة يتبدون اعمالهم قبل احوالهم وسيأتي على الناس زمان قليل
 فقهاؤه كثير قراؤه يحفظ فيه حروف القرآن وتضييع حروفه كثير من يسأل قليل من يعطي يطيلون فيه
 الخطبة ويقصرون الصلوة يتبدون فيها احوالهم قبل اعمالهم قوله يقصرون الخطبة قال ابو عمر كان رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم یمر بذاک (راہی بقصر الخطبة) ویفعله وكان یخطب بکلمات قليلة طيبة وكرة التشدق
 والموعظة انما المقترن ما حفظ وذلك لا يكون الا مع القلة وقال ابن مسعود یتخولنا بالموعظة مخافة السامة
 والعیان فی اهل الزمان علیهم معنی هذا الحديث کا لہرہاں عبد اللہ بن مسعود نے ایک شخص سے کہا تم ایسے
 زمانے میں رہو جس میں فقہاء بہت قرار کریں اور حد و قرآن کی حفاظت کی جاتی ہے حروف قرآن کا لحاظ
 نہیں کیا جاتا سوال کرنے والے کم ہیں دینے والے بہت ہیں نماز طویل ہوتی ہو اور خطبہ مختصر ہو گا کہا
 جاتا ہو پھر اپنی خواہشیں پوری کی جاتی ہیں عنقریب ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں فقہاء کم اور قرآن بہت
 ہوں گے حروف قرآن کی حفاظت کی جائے گی مگر حد و قرآن مناجح کیے جائیں گے مانگنے والو بہت ہوں
 گے کم ہونگے خطبے طے طے ہونگے اور نماز میں مختصر یعنی خواہشیں پھیل پھیل گئی اور اعمال بیکار

يقصرون الخطبة کے تحت میں حضرت ابو بکرؓ نے کہا ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم قصر خطبہ کا حکم دیتے اور جو
 بھی ایسا ہی کرتے کہ بہت کم اور صاف الفاظ میں خطبہ پڑھتے اور چھینے چلانے کو برا سمجھتے کیونکہ نصیحت دہی ہو
 جو یاد رہے پس جب تک مختصر نہ ہوگی یاد کیسے رہے گی ابن سعودؓ نے کہا ہوا کہ آپ ہلکو نصیحت بہت مختصر الفاظ میں
 کر تو کہ مبادا دشوار ہو جائے زمانے کی حالت خود ہی اسکی تصدیق کرتی ہو۔ یہاں پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ابن حاج
 مالکی کے قول کو بھی نقل کر دین وہ کہتے ہیں وینبغي بل تعین ان لا یسنخ الخطبة بلسان الجمع لان الله عز وجل
 انزل بلسان عربی ولم یزل بلسان المعجم ولقد سري هذا لبعض الناس في هذا الزمان حتى انهم
 لیعدون قراءة القرآن بالعجمية وفسخ الخطبة بها من الفضيلة وبعضهم یجمع فی الخطبة الواحدة بین رکعہا
 باللسان العربی واللسان العجمی فیکتب الاکتین والثلث باللسان العربی ثم یکتبہا بعدھا باللسان العجمی
 وهذا مخالف لما اجمع علیہ الصدوق الاول والسلف الصالح والعلماء واذا کان ذلك كذلك فقیعین علیہ ان
 لا یخرج علی قول من اجاز ذلك فلیحد ذلك۔ یہ ضروری ہوا کہ قرآن عجمی زبان میں نہ لکھا جائے کیونکہ خدا فرمادی
 ہی میں نازل کیا ہوا اور اس زمانے میں بعض لوگوں نے اسکی مخالفت کی ہے حتیٰ کہ ان کے خیال میں قرآن
 عجمی زبان میں پڑھنا اور لکھنا ہی افضل ہو اور بعض لوگ کتابت اور رکن یعنی قرأت کو ایک ساتھ جمع
 کر دیتے ہیں پس دو باتیں آئیں عربی میں لکھنے باقی عجمی زبان میں لکھتے ہیں اور یہاں جمع قرن اول و سلف
 صالح اور علماء کے خلاف ہی ہیں جو لوگ اسے جائز سمجھتے ہیں انکے قول پر اجماع نہ چاہیے واللہ اعلم۔ ما احسن
 ہذا الجواب القرین بالصواب واقعی خطبہ کا دوسری زبان میں پڑھنا کل ہو یا بعض مکروہ اور خلاف سنت ہو
 کیونکہ قرن اول میں ایسا ثابت نہیں ہوا جو دیکھ ضرورت اسوقت بھی تقی خصوصاً جب مالک فقہ ہوئے
 اور اسلام دوسری جگہوں میں پھیل گیا اور حاضرین کے نہ سمجھنے سے خطبہ میں تغیر نہیں ثابت ہوتی بلکہ لغز زبان
 عربی کا ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ نہ سیکھ سکیں انکے لیے خاموش بیٹھنا اور سننا ہی کافی ہی اس کی
 زائد تفصیل میرے رسالہ اکام النفاس فی ادار الاوقاف بلسان الفارس میں مذکور ہے جسے ضرورت ہو اسکا
 مطالعہ کری واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال خطبہ عربی زبان میں پڑھنا چاہی یا فارسی اُردو وغیرہ میں کہ مسلمان
 جو عربی سے واقف نہیں اسکا مطلب سمجھ لیں اور اگر کچھ عربی اور کچھ غیر عربی یا عربی پڑھ لے اس کا ترجمہ فارسی یا اُردو
 میں کرے تو درست ہو یا نہیں جواب خطبہ عربی میں پڑھنا سنت مکرمہ ہی اسکو غیر عربی میں پڑھنا یا فارسی
 یا اُردو یا کسی اور زبان میں پڑھنا مکرمہ ہی اور عوام کی تفہیم کے واسطے وعظ مقرر ہو خطبہ کو طریقہ ماثورہ

سے بد لئے کی کوئی ضرورت نہیں لکھیں اس مسئلہ کی میرے رسالہ آکام النفاٹس میں موجود ہے جسکو شوقیہ ہوا اسکا
مطالعہ کرے اعتراض اول مولوی صاحب آپ فرماتے ہیں کہ اردو خطبہ پڑھنا کردہ ہو معلوم نہیں کہ یہ کہاں اور
کس مقام میں لکھا ہے شرح وقایہ عربی اور کنز فاری میں تو صاف لکھا ہے کہ درست ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہوا اسکے
علامہ مفتی میان جان احمد صاحب اپنے فتوے میں فرماتے ہیں کہ بیشک اردو خطبہ پڑھنا درست ہے بالاتفاق اب
اس صورت میں مولوی صاحب آپ فرمائیے کہ کس کو یقین جانیں کہ یہ ایک تو پڑھنے کا اور ایک نہ پڑھنے کا حکم
دیتا ہے اعتراض دوم جب لوگ عربی زبان سے واقف نہ ہوں تو ہندی زبان میں جسے مسلمانی زبان کہتے ہیں
خطبہ پڑھنا کیون درست نہیں اگر خطبہ زبان اردو میں خواہ نظم خواہ شرواح فارسی میں پڑھنا درست نہ تو اس
آیت کا نزول کیون ہوتا وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ اسکو کسی دلیل قوی اور کتب معتبرہ مع نشان
سے ثابت فرمائیے اعتراض سوم خطبہ سے مقصد اصلی کیا ہے اور خطبہ کس واسطے مقرر کیا گیا ہے اگر خطبہ پڑھنے سے
یہ مقصد ہے کہ اس سے احکام دینی معلوم ہوں تو بیشک اردو میں پڑھنا درست ہے کیونکہ زبان عربی میں پڑھنے
سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ہوا المصوبہ جواب اعتراض اول تمام کتب فقہ میں خطبہ پڑھنا بربان
غیر عربی فارسی ہوا اردو جائز لکھا ہے بعضوں نے اسکو متفق علیہ عالم بوضیفہ اور صاحبین رحمہم اسکا لکھا ہے اور بعضوں نے
عاجز عن العربیہ کے حق میں جواز اتفاقا اور قاعدا علی العربیۃ کے حق میں جواز صرف امام اعظم کے نزدیک لکھا ہے
لیکن اس حکم میں اور کراہت میں کچھ منافات نہیں ہے صد ہا جگہ فقہاء مجتہدین لکھتے ہیں اور غرض اُن کی
نفس اجزاء و کفایت و جواز بالمعنی الاہم ہوتی ہے نہ اباحت مطلقہ خالیہ عن الکراہتہ چند عبارات بطور نمونہ پیش
کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو جائیگا کہ فقہاء کافر کسی فعل کو درست یا صحیح لکھ دینا اسکی کراہت کی نفی نہیں
کرتا عبد النبی بن طاعب القدوس گنگوہی رسالہ وصلوۃ فقال بحث تکبیر بالفارسیہ میں لکھتے ہیں نہ ثبت دلیل
قاطع علی اشتراط العربیۃ فی التکبیر اذا المقصود الاصلی من التکبیر هو التعظیم وهو يحصل بای لغة کان ومع هذا
ذکر السعفی انہ یجوز ویکوہ عند ابن حنیفہ کوئی دلیل قطعی تکبیر کے عربی میں مشروط ہونے پر دلالت نہیں کرتی
کیونکہ تکبیر سے مقصود اصلی تعظیم ہے اور وہ ہر زبان میں حاصل ہو سکتی ہے باوجود اس کے سعفی نے
لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور محمد امین شامی رد المحتار
بحث دعاء النیر العربیہ میں لکھتے ہیں لا یجوز ان یکون الدعاء بالفارسیہ مکروہا حتی یصل
فی الصلوۃ و تنزیہا خارجا قلیت امل و لی راج فان الظاہ ان المعصیۃ عند الامام لا تنفی الکراہتہ عندہ

بعید نہیں کہ دعا بزبان فارسی نماز میں مکروہ تحریمی ہو اور خارج نماز میں مکروہ تنزیہی ہو کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ صحت منافی اگرچہ نہیں ہو اور درختار کتاب البیوع میں ہو کر وہ تصریحاً مع الصحة البیع عند الاذان الاول اذان اول کے وقت بیع مکروہ تحریمی ہو باوجودیکہ صحیح ہو اور جو وی حاشیہ شباه والنظار کتاب الشریکۃ میں شرکت مع الکفار کی تفصیل کے تحت میں لکھتے ہیں قال فی البدائع یکرہ للمسلم ان یشترک الذمی ولو شارکہ شریکۃ عنان جائز کا لو وکلما یصح وقولہ جائز ای صحیح مع الکراہۃ بدائع میں ہو کہ مسلمان کے لیے یہ مکروہ ہو کہ وہ ذمی کے ساتھ شرکت کر دے البتہ اگر شرکت عنان کرے تو جائز ہو جیسا کہ اسے دلیل بنا جائز ہو لینے کے بہت درست ہو اور رسالہ المقتبین میں مرقوم ہے کہ قد ینکر الجائز ویراد به جواز نفس الفعل لا صحۃ الفعل کجی جائز بل کہ اس سے مراد جواز نفس فعل لینے ہیں نہ کہ صحت فعل اور بھی دوسرے مقام میں ہے فی الذہایۃ الکراہۃ یطلق علی الجائز وغیرہ و فی الذہایۃ فی کتاب الطلاق الاباحۃ والجواز شہتان مختلفان الا ترى ان ضد الاباحۃ الکراہۃ وضد الجواز الحرمۃ فیضد قتیبن الاشیاء ویفک احدہما عن الآخر الا ترى ان البیع وقت النداء جائز ولیس بمباح وذلك لان الاباحۃ لما كانت عبارة عن عدم الکراہۃ احتمال ان یکون الشئ جائزاً مع الکراہۃ التی ہی ضد الاباحۃ وهذا اکثیر النظم فان جمیع صور النہی من الافعال الشرعیۃ کذلک کالوصوم یوم الفطر وغیرہ و فی خزانۃ المقتبین طرح القلمۃ مبہم و لکن مکرہ من طریق الادب نہایتین ہے کہ کراہت کا اطلاق جائز وغیرہ جائز سب پر ہوتا ہے اور اسی کے کتاب الطلاق میں ہے کہ کراہت وجواز و مختلف چیزیں ہیں ضد اباحت کراہت ہے اور ضد وجاز حرمت اور اشیا اپنے اضداد سے جانے جاتے ہیں اور انہیں کے بدولت وہ دوسری اشیا سے متمایز ہوتے ہیں بیع وقت نداء جائز تو ہو مگر مباح نہیں ہے کیونکہ کراہت عدم کراہت کو کہتے ہیں اس لیے احتمال ہے کہ کوئی چیز جائز ہو مگر کراہت وجاز اباحت کی ضد ہے اور اسکی مثالین بہت ہیں کیونکہ فعال شرعیہ سے جہان کہیں نہیں ہو ایسی ہی ہے مثلاً یوم خراج زہ اور خزانۃ المقتبین میں ہے کہ جہین کا بیع مباح ہے لیکن مکروہ بطریق ادب۔ اور یہی دوسرے مقام میں ہے کہ قد یطلق المجائز علی المنافذ لا ضد الحرمۃ جائز کا اطلاق بعض اوقات نافذ پر ہوتا ہے نہ کہ ضد حرمت پر۔ ان عبارات سے اور ایسے ہی اور عبارات فقہیہ سے صاحب علم وسیع وفہم صحیح چھٹی نہ رہے گا کہ کتب فقہ میں کسی فعل پر جو زیالبع موجود ہونے سے کراہت تحریمیہ کی نفی عین ثابت ہوتی ہے پس اس بیان سے خوب واضح ہو گیا کہ خطبہ غیر عربیہ کی کراہت کا حکم مخالف اقوال فقہاء کے کسی طرح سے نہیں کیونکہ انکی مراد جواز و صحت سے اس بحث میں صرف اسبقہ ہے کہ خطبہ جو نماز جمعہ کے واسطے شرط ہے وہ زبان عربی کے ساتھ تنہا نہیں غیر عربی میں اگر پڑھے گا تو نفس اداے شرط کے واسطے کافی ہو جائیگا اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ

خیر عربی میں پڑھنا بالکلیہ مباح ہو کر اہست سے مترہ ہوا اور کہ اہست کی وجہ ظاہر ہو کہ مواظبت نبویہ و صحابہ کے خلاف
 ہو پس اُسکے خلاف سنت و بدعت ہونے میں کسکو شک ہے اور خلاف سنت موکرہ اور بدعت ضالہ کا مکروہ
 تحریمی ہونا اصول فقہ میں مقرر ہو اگر یہ شبہ ہو کہ زمان نبوی و زمانہ صحابہ میں تبدیلی خطبہ کی ضرورت نہ تھی اس لیے
 کہ اہل اسلام عرب تھے تو اُسکا دفعیہ یہ ہو کہ بلا دعیم صحابہ کے زمانہ میں فتح ہوے یہاں تک کہ شہر کابل حضرت عثمان
 رضی اللہ عنہ کے عہد میں مفتوح ہو گیا تھا جیسا کہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں اسکی روایت موجود ہو اور پھر ظاہر ہو
 کہ ان بلا و امین صد ہا بلکہ ہزار ہا عجمی وہ تھے جو دیان عربی نہیں سمجھتے تھے پس باوجود اسکے صحابہ کا خطبہ عربی پڑھا
 سے نہ بدلنا اس امر پر مستحکم دلیل ہو کہ عربی میں خطبہ پڑھنا سنت موکرہ ہو اور غیر عربی میں بدعت اور خلاف
 سنت ہو (جواب اعتراض دوم) و اما ارسلنا من رسول الا بلسان توہد کو ما نحن فیہ سے کچھ تعلق نہیں
 ہے کیونکہ اس آیت کا مفاد اسبقدر ہو کہ ہر رسول پر جو کتاب نازل ہوئی وہ اُسی کی قوم کی زبان میں نازل
 ہوئی گو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہو اور تمام انس و جن آپ کی امت میں داخل ہیں مگر
 آپ کی قوم عرب ہو اسی لیے کلام اللہ بھی عربی میں نازل ہوا تفسیر بڑیادی میں ہو و اما ارسلنا من رسول الا
 بلسان قومہ الا بلغۃ قومہ الذی ہو منہم و بعث فیہم لیس فیہم امام و ابہ فی فقرہ کا عندہ بیسیرو سرعتہ ثم یقلوہ
 و یترجموہ الی غیرہم فانہم اولی الناس للیہ بان یدعوہم و احق بان ینذرہم و لذلک امر النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم بانہ ارعش یوتہ اولاً و لو نزل علی من بعث الی ام مختلفۃ کتب علی السنۃ استنقل ذلک بنوع من الاعجاز
 و لکن احی ذلک الی اختلاف الکلمۃ و اضاۃ فضل الاجتہاد فی تعلم الالفاظ و معانیہا و العلوم المنشعبۃ منہا
 خدا نے جو رسول نازل کیا وہ اُس قوم کی زبان جاننے والا ہوتا تھا جسکا وہ فرد تھا اور جسکے جانب و بھیجا گیا کہ اُنسی
 احکام خداوندی بتائے تاکہ وہ اُن لوگوں کو باسانی سمجھا سکے اور پھر وہ لوگ نقل و ترجمہ کر کے دوسروں تک پہنچا دیں
 کیونکہ ہر رسول کی قوم اسکی زائد تھی ہو کہ وہ رسول انھیں ڈرائے اور انھیں خدا کی طرف بلائے اسی واسطے نہیں
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اپنے خاندان کو ڈرنے کا حکم دیا گیا اور جو نبی ائمہ مختلفہ کی جانب مبعوث ہوا اگر اُسکی پیروی
 مختلفہ نازل ہوں جو بطریق اعجاز بھیل جائیں تو اس میں اختلاف کلمہ لازم آتا ہو اور الفاظ و معانی کے سیکھنے میں
 کوشش کی غصیلت ہاتھ سے جاتی ہے اور تفسیر ابن کثیر میں ہو قد قیل فی ہذا الایۃ اشکال لان النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم ارسل الی الناس جمیعاً بل الی الجن و الانس و لغاتہم متباہتۃ و السننہم مختلفۃ و احیب بانہ وان کان
 مرسل الی الثقلین کما مر لکن لما کان قومہ العرب و کان اخص بہ و اقرب الیہ کان ارسالہ بلسانہم اولیٰ من

ارسالہ بلسان غیر ہم و ہم یبینوہ لمن کان علی غیوہ لسانہم و یوضوہ کما گیا ہے کہ اس آیت میں اشکال ہے کہ کیونکہ حضور سرور انبیا علیہ التعمیۃ والثناء تام لوگوں کے جانب بھیجے گئے ہیں بلکہ جن دانش سبکے جانب در ان کے لغات والسنہ مختلفہ میں اسکا جواب یہ ہو کہ آپ اگرچہ سب کے جانب مرسل ہیں لیکن چونکہ آپ کی قوم عرب تھی اُسکو آپ کے ساتھ خاص خصوصیت اور قربت حاصل تھی لہذا آپ کا ارسال انھیں کی زبان میں اولی تھا نسبت دوسری زبانوں میں ارسال کے پھر عرب لوگ دوسری زبان والوں سے اُسکو بیان کر دیں گے اور اُسکی وضاحت کر دیں گے اور اسی طرح تفاسیر معتبرہ میں موجود ہو اور اگر قوم سے اس آیت میں مطلق امت مراد لی جائے جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہو پس باوجود اسکے کہ وہ قول ضعیف ہو اگر اس سے ثابت ہوگا تو اسبقدر ثابت ہوگا کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو ہر زبان پر قدرت تھی اور ہر گروہ کو آپ اُسکی زبان میں بھما سکتے تھے اور اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ جو اذکار و شعائر اسلام کہ منجملہ اُسکے خطبہ بھی ہے زبان عربی میں منقول ہوئی اُسکی تفسیر لوگوں کو جائز ہو اور اگر ایسے ہی تفسیر کا جواز ہو تو پہلے قرآن کی تفسیر لازم ہوگی اس لیے کہ مقصود اُسکے اترال و ہدایت عامہ ہو پس لازم آتا ہے کہ اسکا ترجمہ پڑھنا ناز میں درست ہو جائے (جواب اعتراض سوم) مقصود اصلی خطبہ جمعہ وغیرہ سے نفس ذکر الہی ہو نہ تعلیم احکام دینیہ اسوجہ سے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے اذ انودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ جب جمعہ کی نماز کی اذان دی جائے تو ذکر الہی کی طرف کوشش کرو اور ہدایہ اور درختار بلکہ فقہ کی تمام کتابوں میں ہے کہ گفت تحمیدۃ او تحلیلۃ او تسبیحۃ اور ایک تمید یا تہلیل یا تسبیح کافی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک اگر خطبہ میں صرف سبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ وغیرہ پر کفایت کرے گا کافی ہوگا مگر کراہت لازم ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ذکر طویل مزدوری ہے جسکو اسکی تفصیل دیکھنے کا شوق ہو وہ درختار اور ہدایہ اور اسکے حواشی کا مطالعہ کرے پس اگر مقصود اصلی خطبہ میں تعلیم احکام دینیہ و تیسرین احکام شرعیہ ہوتا تو صرف ان کی ذکر یا مجرد ذکر طویل سے کیونکر خطبہ ادا ہو جاتا اور اس قدر کفایت صرف الی ذکر اللہ کے لفظ پر کیونکر کفایت فرماتا اچھی طرح ظاہر ہے کہ اگر کوئی داعظ اور ناصح بغرض وعظ و امل و ہدایت و نہی عن المنکر منبر پر بیٹھے اور صرف ذکر کر کے اتر آئے کوئی اُسکو دعا و اعظانہ کو گا اور اسکے ذکر و فکر کو اگرچہ طویل ہو کوئی شخص وعظانہ سمجھے گا اور اسی وجہ سے فقہا خطبہ میں تعلیم احکام دینیہ کو مندوب لکھتے ہیں یہ ذکر خلفائے شہین و دعائے تقرب صحابہ وغیرہ کو نہ شرط خطبہ خلاصہ یہ ہے کہ مقصود اصلی جہان تعلیم احکام ہو وہاں معلم کو زبان متعلمین میں تعلیم کرنا درست ہوگا اور خطبہ کا اصل مقصود ذکر ہے اور وہ زمان آنحضرت و صحابہ و تابعین و غیرہم میں زبان

عربی ثابت ہو اور باوجود ضرورت و احتیاج کے کسی سے اسکی تغییر منقول نہیں ہو پس خطبہ پڑھنا غیر عربی میں بالضرورت بدعت و خلاف سنت ہوگا و مکرر ہوگا اور جو شخص اسکے عدم کراہت کا مدعی ہو اُسپر لازم ہو کہ کوئی دلیل معتبرہ اسکی بیان کرے اور استناد اسکا فقہاء کے قول پر ہو یا صحیحہ وغیرہ سے محض لغو ہو سوال خطبہ جمعہ اُردو یا فارسی نظم خواہ تشریح پڑھنا درست ہو یا نہیں جواب خطبہ جمعہ اُردو زبان میں تشریح خواہ نظم اور اسی طرح فارسی زبان میں بھی تشریح یا نظم اور اسی قیاس پر جو خطبہ کہ کچھ عبارت اسکی لغت عربی میں ہو اور کچھ زبان فارسی یا اُردو وغیرہا میں نظم ہو یا تشریح ہو مگر اہمیت تحریمی ہے کیونکہ سنت ہدیٰ کو مخالفت ہو اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علی الدوام خطبہ عربی زبان میں پڑھا ہو اور اسوقت میں کسی سے غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنا منقول نہیں ہو جیسا کہ اکام النفاکس فی اوارالاذکار بلسان الفارس میں مذکور ہو اور اسکی عین عبارت ہو الکراہۃ انما لخطبۃ السنۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ قد خطبوا دائما بالربیۃ ولہ نقل عن احد منهم انہم خطبوا خطبۃ و لو خطبۃ غیر المجمعۃ بغیر العربیۃ کراہت صرف مخالفت سنت کی وجہ سے ہو کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ عربی ہی زبان میں خطبہ پڑھا ہو اور کبھی کسی سے کوئی خطبہ بھی وہ غیر جمعہ ہی کا کیونکہ غیر عربی میں ثابت نہیں ہو۔ اور پوشیدہ نہ ہے کہ باعث احد اش خطبہ غیر عربیہ کا نہیں ہو مگر عجیون کا عبارات عربیہ کو نہ سمجھنا حالانکہ یہ امر قرون ثلثہ میں بھی موجود تھا اسواسطے کہ جب اطراف مختلفہ میں ہمارا دوا و امصار مفتوح ہوئے اور فارس اور حبش اور روم کے اکثر لوگ مشرف باسلام ہوئے وہ لوگ مجالس شعائر اسلام میں مثل جمعہ و عید وغیرہا کے حاضر ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو بوجہ عدم وقوف لغت عرب کے شعور فہم عبارات عربیہ کا تھا با این ہمہ کسی نے برعلیت فہم اشخاص عجمیہ کو غیر زبان عربی میں خطبہ میں پڑھا باوجودیکہ تعلیم و لغت کہ خطبا و علما کی شان سے ہو اسکی مقتضی تھی جبکہ ایسا نہیں ہوا تو خطبہ غیر عربیہ کے مکروہ ہونے میں جو ضلالت ادنیٰ کا مرتبہ ہو کچھ شک نہیں رہا جیسا کہ اسی کتاب میں مذکور ہو الخطبہ بالفارسیۃ الّتی احد ثوہا و اعتقد و ہا و حسنہا لیس الباعث الیہا الاعداء فہم العجم اللغۃ العربیۃ و ہذا الباعث قد کان موجودا فی عصر غیر البریۃ وان کان فیہ اشتباہ فلا اشتباہ فی عصر الصحابۃ و التابعین ومن تبعہم من الایمۃ المجتہدین حیث فتح الامصار و الشاسۃ و الدیاد و الواسعۃ و اسلام اکثر الحبش و البر و العجم و غیرہم من الاحیام و حضر و المجالس المجمع و الاعیاد و غیرہا من شعائر الاسلام و قد کان اکثر ہمد لا یعرفون اللغۃ العربیۃ و ہذا و لا خطبہ اللہ منہم بغیر العربیۃ و اما ثبت وجود الباعث فی ثلاث الازمنۃ و قد کان المانع و الکامل

وہوہ معلوم بالقواعد المبہوتہ لم یبق الا الکراہۃ التی ہی ہادی فی درجات الضلالۃ اور فارسی میں جو خطبہ ایجاد کیا گیا ہو اور مستحسن سمجھا جاتا ہو اسکا سبب صرف یہی ہو کہ عربی لوگ عربی نہیں سمجھتے اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تھا ورنہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تو ضرور یہی تھا جب دور دور کے ممالک فتح ہوئے اور روم و عجم کے اکثر لشکریاں لائے اور حبشہ اور عیدون کے خطبہ میں حاضر ہوئے لگے اکثر لغت عربی سے ناواقف تھے پھر بھی خطبہ غیر عربی میں نہاد اور جب سبب زمانہ صحابہ میں ثابت اور مزائع مفقود پھر بھی عمل میں ثابت تو یہ فعل ادنیٰ درجات ضلالت پر مانا جائے گا اور مکر وہ کہلائے گا۔ علاوہ بریں بعض دیا میں یہ تو البتہ وارد ہوا ہو کہ بعض اعیاد میں جبکہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے اور آپ کو یہ گمان ہوا کہ دور بیٹھنے کے سبب سے عورتوں کے کان تک خطبہ کی آواز نہ نہیں پہنچی تو آپ نے ان کے پاس اگر خطبہ پڑھا اور انھیں وعظ اور نصیحت فرمائی لیکن یہ کسی روایت میں بروایت افراد ہی وارد نہیں ہوا کہ غیر عرب جو مجالس خطبہ نبویہ میں حاضر ہوتے تھے انکی تفہیم کے لیے آپ نے علمہ مجلس منعقد فرما کر غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھا ہوا اور ان کو انکی زبان میں وعظ و نصیحت فرمائی ہو اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوائے لغت عربی کے اور لغات سے ماہر نہ تھے ورنہ آپ بغرض تفہیم غیر زبان عربی میں بھی خطبہ پڑھتے تو اسکا جواب یہ ہو کہ بعض صحابہ مثلاً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بلاشبہ عجمی رومی حبشی وغیرہ زبانوں سے آگاہ تھے انھیں حضور حکم دیتے کہ وہ غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھتے اور ان کو وعظ و نصیحت کرتے اچھل قرون مشہود ہوا بالخیر میں تفہیم غیر عرب کے لیے انکی زبان میں خطبہ پڑھنے کی ضرورت تھی پھر بھی کسی نے نہیں پڑھا یہ اردو اور فارسی وغیرہ زبانوں میں خطبہ کے مکروہ اور بدعت ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے چنانچہ اسی کتاب میں مرقوم ہے وقد ورد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من الخطبة فی بعض الاعیاد و ظن انها لم تصل الی اذان النساء بعد من حضرهن ووعظهن وخطبهن ولم یرو ولم یرو من یروی وایت الکافراد انہ عقدا لمن لم یکن ینفہم العربی علی حدۃ ووعظہم وخطبہم بلغة غیر عربیة ولا یتوہم انہ لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم اللغۃ العربیة و غیرہا من اللغات الغیر العربیة ولو کان علما الخطب بھا لانا نقول بعد تسلیم ذلک ان بعض الصحابة کزید بن ثابت قد کان یعلم اللسان العجمی والرومی والحبشی وغیرہا من الالسنۃ لکما صرح بہ فی الاعلام بسیرۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ من کتب الاعلام فلم یرامہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بان یخطبہم بلغۃہم لیسنتہم و یحاجہوا الی الخطبة بغير العربیة لتفہیم اصحاب العجمیة کان موجودا فی القرون الثلثہ ومع ذلک

فلمیر واحد ذلك من احد في تلك الامنة وهذا اول دليل على الكراهة حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ جب عید کے خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ کو خیال ہوا کہ عورتیں چونکہ دو تھیں اس وجہ سے وہ نہیں سن سکیں لہذا آپ نے انکو بلایا اور خطبہ پڑھا اور کسی حدیث احادیث سے یہ ثابت نہیں ہو کہ آپ نے ان لوگوں کے لیے کوئی علیحدہ مجلس منعقد کی ہو جو عربی نہیں سمجھتے تھے اور غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھا ہوا اور یہ خیال کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثناء خود ہی عربی زبان میں نہیں جانتے تھے تو پھر دوسرا خطبہ کیونکر پڑھتے اور اگر جانتے ہوتے تو آپ ایسا ہی کرتے محض لغو ہے کیونکہ بعض صحابہ مثلاً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فارسی و عربی و ہندی وغیرہ زبانیں جانتے تھے جیسا کہ الاعلام بسیرۃ النبی علیہ السلام وغیرہ میں ہے حالانکہ آپ نے انکو بھی حکم نہیں دیا کہ عجیبوں کے زبان میں انکے سامنے خطبہ پڑھیں اجماع غیر عربی میں خطبہ کی احتیاج قرون ثلثہ میں بھی تھی مگر کسی زمانہ میں ایسا ثابت نہیں ہوا اور یہی کراہت کی پہلی دلیل ہو۔ اور تقریر بطریق حل یہ ہے کہ جس طرح خطبہ تعلیم سامعین کے لیے موضوع ہو اور خطباء و علماء مامور بالتعمیم ہیں اسی طرح جملہ بھی مخاطب شرع امور بطلب علم ہیں اور تحصیل علم انہر فرض ہے جیسا کہ حدیث شریف میں جسکو ابن عدی ابویہیقی نے حضرت انس اور خطیب نے حضرت امام حسین اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو طلب العلم فی ینۃ علی کل مسلم اور جبکہ ہماری شریعت کا بیان عربی زبان میں ہو بنا برین اہل اسلام پر بقدر حاجت اس زبان کا سیکھنا لازم اور واجب ہے کیونکہ جس چیز پر شہد واجب کا امتثال موقوف ہو وہ چیز موقوف علیہ بھی واجب ہو اب اگر مسلمان حاضرین بوجہ عدم تعلم زبان عربی و فقہان تحصیل علم باوجود واجب اور فرض ہونے کے خطبہ عربیہ کو نہ سمجھیں تو انکے نہ سمجھنے کا الزام انھیں پر ہو نہ خطبہ پڑھنے والوں پر یہ بات لازم نہیں کہ زبان عربی کو بدل کر اُس زبان میں خطبہ پڑھیں جسکو جملہ سمجھتے ہوں چنانچہ اُسی کتاب میں ہے و اهل فی هذا المقام و یتیم الزام انہ لما وضعت الخطبة للتعليم و امر الخطباء و العلماء بالتقریہم کذلک امر الجاهلون بطلب العلم حیث قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فی ینۃ علی کل مسلم و اخرج ابن عدی و البیہقی من حدیث انس و الخطیب من حدیث الحسن بن علی و الطبرانی من حدیث ابن عباس و لما كانت اکثر شریعتنا بالعربیۃ یلزم علی الناس ان یعلموا اللسان العربی بقدر ما یوتفع بہ الحاجۃ فان ما لم یتیم الواجب الابد واجب فاذا لم يفهم الحاضرون الخطبة العربیۃ فالزام عدم الفهم عائد الیہم لا الی الخطباء ولا یلزم ان یتیموا اللسان العربی و یخطبوا بلسان یتفہم الجملہ اصل یہ ہے کہ جس طرح خطبہ کی وضع تعلیم کے لیے کی گئی ہو اور خطیبوں اور علماء کو سمجھانے کا حکم دیا گیا ہو اُسی طرح جاہلون کو

بھی طلب علم کا حکم دیا گیا ہو کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور جبکہ ہمارے اکثر شریعت عملی میں ہیں تو لوگوں پر فرض ہو کہ بقدر ضرورت عربی سیکھیں کیونکہ جس چیز کے بغیر واجب نہ تمام ہو وہ واجب ہو تو اب خطبہ عربی کے نہ سمجھنے کا الزام خطیبوں پر عائد نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لازم وہ لوگ خود ہی ہیں پس خطیبوں کو زبان عربی کے تغیر کی ضرورت نہیں ہو اور نہ خطبہ کو ایسی زبان میں بیان کرنے کی جسے جہلا سمجھ سکیں۔ اگر کوئی کہے کہ جب خطبہ غیر عربی میں پڑھا کر دہ ہو تو قول فقہاء مجوز الخطبۃ بالفارسیۃ کے کیا معنی ہیں تو اس کے جواب میں کہنا چاہیے کہ قول مذکور میں مطلق جواز ذکر کیا گیا ہو اور وہ عام ہے جواز بلا کراہت و جواز مع الکراہت کو اسی لیے قول مسطور مستلزم جواز بلا کراہت کو نہیں ہو سکتا پس خطبہ غیر عربی کا مکروہ ہونا قول فقہاء کے منافی نہیں ہے ہاں اگر کلام مذکور متعید بقید عدم کراہت ہوتا یعنی یون کہنا جاتا کہ مجوز الخطبۃ بالفارسیۃ بلا کراہت خطبہ کا فارسی میں پڑھنا جائز ہے۔ تو البتہ منافی ہوتا اور اگر زیادہ تحقیق سنا ہو تو بگوش ہوش سنا چاہیے کہ خطبہ جمعہ میں دو اعتبار ہیں اور ہر ایک کے لیے جدا گانہ وصفت ہے ایک یہ کہ خطبہ نماز جمعہ کی شرط ہو یعنی نماز جمعہ بدون اس کے صحیح نہیں دوسرے یہ کہ وہ فی نفسہا عبادت ہو و وجہ سے (۱) خطبہ خدا کا ذکر ہو اس لیے کہ آئے کریمہ یا ایہا الذین آمنوا اذا قودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ و ذر الذلیلین ذکر اللہ سے خطبہ مراد ہو جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا ہو (۲) خطبہ نماز کے قائم مقام ہو سیوچ سے سلام اور کلام وغیرہ سب خطبہ کے وقت ممنوع ہو اس تمہید کے بعد معلوم کرنا چاہیے کہ جواز خطبہ غیر عربیہ جو کلام فقہاء سے مستفاد ہو اس سے مراد یہ ہو کہ خطبہ مذکور بمجاہز اعتبار اول کے شرط کے اوہونے میں کفایت کرتا ہے یعنی خطبہ جو نماز جمعہ کی شرط ہے جب غیر عربی میں پڑھا گیا شرط پائی گئی اور نماز جمعہ صحیح ہوئی کیونکہ نماز جمعہ کی شرط مطلق ذکر ہو کسی زبان اور محاورہ کی اس میں قید نہیں ہو یہ ہر خطبہ مذکورہ سے حاصل ہو لیکن بمجاہز اعتبار دوم کے بدعت اور مکروہ ہو کیونکہ جو عبادت جس ہیئت کے ساتھ سنت سونابت ہو اسکو اسی ہیئت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اس ہیئت کے خلاف اسکا ادا کرنا بدعت اور مکروہ ہو اور حنفی نہیں کہ تفسیر اشعار فارسیہ یا ہندیہ کا خطبہ عربیہ میں مکروہ ہو نا اور اس خطبہ کا جسکی کچھ عبارت عربی اور کچھ فارسی یا اردو یا اور کوئی زبان ہو مکروہ ہونا بیان مابقی سے ظاہر ہے اسی کتاب میں ہو و هذا انقصہ و تحقیقہ ان فی الخطبۃ جہتین الاولیٰ کوہا شرط الصلوٰۃ الجمعة والثانیۃ کوہا فی نفسہا عبادۃ و لکل منہا وصف علی حدۃ فقہانہ قولہ مجوز الخطبۃ بالفارسیۃ اضا تکی لادیتہ الشرط و صحۃ صلوٰۃ الجمعة و ہولا یستلزم ان یغلون من البدعۃ و الکراہۃ من حیث الجمعیۃ الثانیۃ و سئل ایضا ما اعتاد

اکثر خطباء زماناً من قراءة الخطبة بالعربية وتضمنها بعض الاشعار الفارسية او الهندية هل يجوز ذلك فانما
بان قراة الاشعار فيها ان كان بالغناء الممنوع عنه في الشريعة فلا ريب في كراهتها وان كان بالمرتبة وان لم يكن
بالغناء فالكرهية لكونها مخالفاً للسننة واخلاق اصفاء البدعة وكذا اقراة بعض الخطبة بالعربية وبعضها بالفارسية
لا تخلو عن الكراهية للتقديرات السابقة فيلحظ هذا كله فان الناس عنه غافلون يرتكبون امراً فظيماً ويجسبون
انهم يحسنون او يحققون به في خطبة بين وجهين بين ابيك يه که ده نماز جمعه کی شرط ہو دوسرے یہ کہ وہ خود عبادت ہی
اور ہر ایک کو علم دے اور منافقین پس یہ جو کہا گیا ہو کہ خطبہ فارسی میں جائز ہو تو اسکا مطلب یہ ہو کہ نماز جمعه کی درستی
اور شرط کے ادا کرنے کے لیے یہ کافی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدعت بھی نہ ہے اور کراہت دوسری جہت کے
اعتبار سے ہے اور یہی مجھ سے پوچھا گیا اس کے متعلق جو اس زمانے کے اکثر خطیبوں کی عادت ہے کہ خطبہ تو عربی میں
پڑھتے ہیں مگر بیچ بیچ میں فارسی یا اردو اشعار بھی پڑھ دیتے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ اشعار اگر کار پڑھے جائے
تو بیشک اس میں کراہت ہی چاہے عربی ہی میں کیوں نہوں ورنہ یہ جو کہ مخالف سنت اور اصناف بدعت میں
داخل ہو لہذا اگر وہ ہو اسی طرح بعض خطبہ عربی میں پڑھتا اور بعض فارسی میں بھی کراہت سے خالی نہیں ہے
واما اعلم بالصواب وعنده ام الكتاب حرره قاضی شیخ احمد غفرلہ امیر الصمد **قاضی شیخ احمد** ہو الغریز العظیم
قد اصاب من اجاب و امیر سبجانه اعلم بالصواب وعنده ام الكتاب حرره محمد عامل **محمد عامل** ہو العظیم خطیب جمعة کا
غیر زبان عربی میں فارسی ہو یا اردو وغیرہ ما معذور کو بالاتفاق جائز ہو اور غیر معذور کو بھی امام اعظم علیہ الرحمۃ کے
نزدیک جائز ہو اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں اور در صورت جواز غیر معذور کے لیے مکروہ تنزیہی
خلاف سنت متواترہ زائدہ اور خلاف طریقہ سلف صالحین ہے فی السراجیۃ ولو خطب بالفارسیۃ يجوز وفي
الهدایۃ والتشہد والخطبة علی هذا الاختلاف وفي النهاية فتحة يجوز بالفارسیۃ وعندهما لا يجوز الا بالعربیۃ
وفي الدار المختار کا صحیح لوشیع بغیر عربیۃ اتی لسان کان (الی ان قال) شرط اعجزه وعلى هذا الاختلاف الخطبة
وجميع اذکار الصلوة وفي الطحاوی قوله وشرط اعجزه الخ المعتقد قوله انه في آكام النفائس في ذکوالعلم
لعم شبهة في حمة الاجمعية المبرور لولها ولا اجمعية التي ينافي تعظيم الرب مدلولها واما غير هافكرة تحتمل في الصلوة وتزنها
الصلوة لكن يشترط ان يكون قادراً على العربية قدرة كاملة ولا فلا وايضا فيه وفي جامع المضمرات والمجتمعات
وغیرها ان الخطبة علی الاختلاف یعنی ان يجوز عند ابی حنیفة بغیر العربية للقادر والعاجز کلیہا وعند
الاحد ہا و دلیل قوله هو اطلاق قوله تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الی

ذکر اللہ فان المراد بذکر اللہ هو الخطبة على ما ذكره اهل التفسير وهو مطلق غير مقيد بالعربي فيكون
 كالذكر في ان لا يشترط فيه خصوصية لسان دون لسان ويجاب من قبلهما ان الخطبة تشابه الصلوة
 بل كاخفا قائمة مقام الصلوة فلما ان اذكار الصلوة لا يجوز لغير العاخر بغير العربية كذلك لا تجوز الخطبة الا
 بالعربية انتهى اقول هذا الجواب تخفيف جدا فانه لا يستلزم من مشابهة الخطبة الصلوة ان يكون الخطبة كالصلوة
 في جميع الاحكام كيف ولا يشترط فيها الطهارة والاستقبال وغيرها بخلاف الصلوة وليست للمشابهة بينهما
 الا في ايجاب الافصات والاستماع وترك ما يشتغل عنها عند قراءتها فقط على ان اذكار الصلوة ايضا تجوز عند
 الامام بغير العربية لما نقلناه عن الدارالمختار سراجيهين هو اوراگر فارسی میں خطبہ پڑھا تو جائز ہو اور ہر ایہ میں ہو
 اور تشہد اور خطبہ میں اختلاف ہو اور نہایہ میں ہو کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فارسی میں خطبہ جائز ہو اور صاحبین
 رحمہما اللہ کے نزدیک صرف عربی میں جائز ہے و مختار میں ہو جیسا کہ اگر عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں مشروع ہوتا
 اور آگے چلکر کہتے ہیں کہ صاحبین نے جواز میں عجز کی شرط لگائی ہو اور ایسا ہی خطبہ اور تمام اذکار میں اختلاف
 ہو اور طحاوی میں تحت قول و شرط عجز یہ ہے کہ قابل اعتقاد امام صاحب کا قول ہو اور اکام النفاذ فی ذکر العلماء
 میں ہو بیشک وہ عجمی الفاظ حرام ہیں جنکا مطلب معلوم نہیں یا جنکا مطلب تعظیم الہی کے منافی ہو باقی رہے دوسری
 الفاظ تو وہ نماز میں مکروہ تحریمی ہیں اور غیر نماز میں مکروہ تنزیہی ہیں بشرطیکہ متکلم عربی پر قدرت کاملہ رکھتا ہو
 ورنہ نہیں اور اسی میں ہو جامع المضمرات اور مجتبی وغیرہ میں ہو کہ خطبہ میں اختلاف ہی یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
 کے نزدیک غیر عربی میں قادر اور عاجز سب کے لیے جائز ہو اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف عاجز کیلئے
 امام صاحب کی دلیل یا ایھا الذین امنوا الا یہ کا اطلاق ہو کیونکہ اس میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہو اور یہاں مطلق
 چھوڑا گیا ہو عربی کی قید نہیں لگائی گئی ہو پس اسکی یہی حالت ہوگی جو ذکر کی ہو کسی زبان کے ساتھ مخصوص
 نہیں ہو صاحبین اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ خطبہ نماز کے مشابہہ بلکہ قائم مقام نماز ہے پس جیسا کہ غیر عاجز کے لیے اذکار
 غیر عربی میں درست نہیں ہیں اسی طرح خطبہ بھی انتہی میں کتابوں کہ یہ جواب کمزور ہے کیونکہ خطبہ کے مشابہہ نماز
 ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تمام امور میں نماز ہی کا ایسا ہو نماز میں طہارت و استقبال قبلہ شرط ہو اور خطبہ میں
 نہیں بلکہ مشابہت صرف سننے اور خاموش بیٹھ رہنے اور ان امور کے ترک کر دینے میں ہے جو نماز پڑھتے وقت
 نہیں کیے جاتے ہیں علاوہ برین اذکار صلوٰۃ بھی امام صاحب کے نزدیک غیر عربی میں جائز ہیں جیسا کہ ہم نے
 درمختار سے نقل کیا ہو اور غیر لسان عربیہ میں اچانا خطبہ پڑھنا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں لیکن قرأت خطبہ عربیہ پر یہ مواظبت بطور عادت اور بصورت لسان اور حاجت تفہیم و تذکیر سامعین خطبہ تھی دوسرے احکام دین کے تعلیم و تذکیر کی طرح کہ سوا عہدی کے دوسری زبان میں ثابت نہیں اور اسی طرح اشعار عربی یا فارسی وغیرہ کا خطبہ میں پڑھنا مکروہ تنزیہی خلاف سنت زائدہ ہو پس اولیٰ یہی ہے کہ غیر زبان عربی میں خطبہ نہ پڑھے تاکہ مخالفت سنت اور خلاف امیر سے محفوظ رہے و اللہ اعلم و علمہ اتم و اعظم حررہ محمد عبدالغفار کھنوی محمد عبدالغفار هو المصوب قاضی شیخ احمد صاحب کا جواب نہایت صحیح اور درست ہے و اللہ اعلم حررہ الراجی غفور بہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوا المدین ذنبہ العجلی و انحنی محمد عبدالحی ابوالحسنات سوال نماز خجوقہ کے بعد جو دعائیں احادیث میں آئی ہیں انکے سوا اور دعائیں جو کسی کو یاد ہوں خواہ اپنی زبان میں خواہ دوسری زبان میں ہوں یا جو درود و شریف چاہے پڑھے یا نہیں اور جو عورت خلاف وضع مردوں کے سجدہ کرتی ہیں یا درودوں یا کون باہر نکلتی ہیں کس دلیل سے ثابت ہے جواب نماز فرائض وغیرہ کے بعد اختیار ہے جو دعا چاہے جس زبان میں ہو پڑھے افضل یہ ہے کہ عربی میں ہو۔ یزید بن ابی حبیب کی حدیث سے عورتوں کے سجدہ کی وضع ثابت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی امرأتین قصیلیان فقال ان سجداً تافضاً بعض الحمد الی الارض فان المرأة فی ذلك لیست کالرجل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر دو عورتوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کا کچھ حصہ زمین سے ملا دو کیونکہ اس معاملہ میں عورت کا حکم مرد کا ایسا نہیں ہے سوال رفع یدین عیدین میں ہر تکبیر کے ساتھ اور نماز جنازہ میں احادیث سے ثابت ہے یا نہیں جواب بخاری نے کتاب رفع الیدین میں نافع سے روایت کی ہو کہ ابن عمر اذا صلی علی الجنازة و کبر رفع یدہ حضرت ابن عمر جب نماز جنازہ پڑھتے اور تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیتے۔ اور بھی انھیں سے روایت ہے کہ انہی نے رفع یدین فی کل تکبیرۃ علی الجنازة حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ جنازے کی ہر تکبیر میں اٹھاؤ اور رسولی سے روایت ہے کہ ابان بن عثمان یصلی علی الجنازة یرفع یدہ فی اول التکبیرۃ میں نے ابان بن عثمان کو دیکھا ہے کہ وہ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اسی طرح قیس بن ابی جازم اور عمر بن عبدالعزیز و کچھ اور وہ اب بن ہبہ و زہری اور ابان بن عثمان اور حسن رضی اللہ عنہم سے روایت ہے اور بیہقی نے عمر سے نماز عیدین میں روایت کی ہے کہ ان کا یوم یدہ فی التکبیرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ہاتھ تکبیرات میں اٹھاتے تھے سوال جمعہ کی جماعت ہو جانے کے بعد ویش پندرہ آدمی آگئے یہ لوگ اسی مسجد میں جمعہ کی خطبہ جماعت سے پڑھیں یا جماعت نظر ادا کریں جواب چونکہ تعدد جماعت جمعہ مذہب صحیح جائز ہے اور ہر روز جمعہ میں

جمعہ فرض ہو اسکو ظہر پڑھنا درست نہیں ہر اسی لیے ان لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ جماعت مع خطبہ ادا کریں اگر اسی مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہو اور اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو سوال مشرکین قبر پرست و لغز پرست کی جماعت ہو رہی ہو کوئی ادا شخص اُن کی جماعت ہونے کے حالت میں صلحہ نماز پڑھے یا اُن کی جماعت کے بعد جمع مع خطبہ اسی مسجد میں جماعت ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں جواب چونکہ حدیث صلوا خلف کل بروقاہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ امام اگر فاجر بھی ہو تو اُس کے پیچھے نماز پڑھ لینا چاہیے اور مؤید اسکا صحابہ کا نماز جمعہ و بخیر وقتہ ادا کرنا ہے ان اشیاء کے پیچھے جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے اس لیے جو بدعت و رجسہ کفر تک نہ پہنچے اُس کی جماعت جب ہو رہی ہو تو اُس میں شریک ہو جائے تنہا نہ پڑھے اور نہ دوسری جماعت قائم کرے سوال کس مقدار مسافت کے سفر میں حکم حدیث نماز قصر کرنا چاہیے جواب اس باب میں کوئی حدیث مرفوعہ صحیح وارد نہیں ہوئی اور صحابہ اس میں مختلف رہے بن ابی عمر اور ابن عباس وغیرہ سے دوروز کی مسافت میں قصر درست ہے جیسا کہ موطا مالک اور سنن بیہقی وغیرہ میں مروی ہے اگر خفیہ نے تین روز کی مسافت کی ہو سنن وغیرہ میں باسانہ صحیح مروی ہے مسجد المقیم ای علی الخفین تمام یوم ولیلۃ والمسافر ثلثۃ ایام ولیلۃ لہما مقیم اپنے دونوں موزوں ہر ایک دن رات اور مسافر تین دن رات مسح کرے کیونکہ اس حدیث سے مسح خفین کی اجازت ہر مسافر کو تین دن تک دی گئی اور یہ بدو ان اسکے ممکن نہیں کہ سفر شرعی اس قدر ہے سوال مشغولین معاملات دنیاوی کے لیے کس قدر آسانی اور رعایت وقت کے لحاظ سے ہو سکتی ہو بعض ہندوستانی مسلمان دودھ پیچھے ہیں اور وہ گوبر وغیرہ کی چھینٹ پڑ جانے کی وجہ سے تارک الصلوٰۃ ہو جاتے ہیں اور انگریزوں کے خاندان عظیم الفرستی کے علاوہ یہ عذر بھی رکھتے ہیں کہ صاحب لوگوں کو خراب دیتے وقت چھینٹیں کرتی ہیں۔ یا سور کا گوشت چھونا پڑتا ہے یا کچری کے بعض ملازم یہ عذر رکھتے ہیں کہ اس وقت حکام کو سانچہ حاضر ہونا پڑتا ہے کسی دن ظہر کے وقت اور کسی دن عصر کے وقت بدقت اتنی فرصت ملتی ہے کہ چار رکعت نماز ادا کر لیں پس عذر کے وقت جمع بین الصلوٰتین جائز ہو یا نہیں اور ایسے پیشہ درون کے لیے شرع فی کمان تک آسانی کی ہے جواب اصحاب شغل و معاملات کو جو بسبب اشغال کے چار رکعت سے زائد ادا نہیں کر سکتے اتنی آسانی ہو کہ جب فرصت نہ ملے تو فوراً فضل و واجبات پر اکتفا کریں اور سنت فجر کے سوا دوسری سنن ترک کر دیں کیونکہ فجر کی سنتوں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور حضر میں کبھی نہیں

پھوڑتے تھے اور جمع بین الصلوٰتین کی اجازت مرض اور سفر کے عذر کے علاوہ میں نہیں ہو گو صحیح مسلم میں جمع بغیر سفر ولا مطر ولا عذر مروی ہو مگر اکثر کے نزدیک وہ جمع صوری پر محمول ہو اور بعض محدثین اگرچہ بدوں کسی عذر کے جمع حقیقی جائز رکھتے ہیں مگر وہ یہ شرط کرتے ہیں کہ علت نہ ہونے پائے اسیما اگر ہو تو مضایقہ نہیں اور عوام کو اجازت دینے میں عادت کا قوی احتمال ہو سوال عیدین کی نماز کے لیے خروج الی الجہانہ سنت موکرہ ہو یا نہیں جواب سنت موکرہ ہو قال فی شرح الوقاۃ جب یوم الفطران یا کل قبل صلوٰۃ ویستاکر ویغتسل ویطیب ویلبس احسن ثیابہ ویودی فطرۃ ویخرج الی المصلیٰ غیر مکبر جہرا فی طریقۃ انتھ صاحب شرح وقایہ نے کہا ہو عید الفطر کے دن سب یہ ہو کہ نماز کے پہلے کچھ کھائے اور سواک اور غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اچھے کپڑے پہننا اور صدقہ فطر دی اور مصلیٰ کی طرف جائے اور راہ میں بائچہ تکبیر نہ کرے اور مولانا عبدالحی لکھنوی اُسکے حاشیہ میں جسکا نام عمدة الارباع ہے تحریر فرماتے ہیں قولہ جب بصیغۃ الجہول من تعیب والمراد بہ اعم من السنۃ الموکدة والمستحب بان بعض الامور المذکورة عدده من السنن الموکدة کالفصل وغیرہ قولہ یخرج الی المصلیٰ بصیغۃ المفعول هو موضع فی الصحراء یصل فیہ صلوٰۃ العیدین ویقال للجہانۃ ومطلق الخروج من بیۃ الی الصلوٰۃ وان کان واجبا بناء علی ان ما یم بہا الواجب واجب لکن الخروج الی الجہانۃ سنۃ موکدة وان وسعہم المسجد الجامع فان صلوٰۃ فی مساجد المصر من غیر عذر و اجازت صلوٰۃ تم وترکوا السنۃ ہذا ہو الصحیح کما فی الظہیریۃ وفی الخلاصۃ والحانیۃ السنۃ ان یخرج الامام الی الجہانۃ ویستخلف غیرہ یصل فی المصر بالضعفاء بناء علی ان صلوٰۃ العیدین فی موضعین جائزۃ بالاثاق انتھ والاصل فیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج الی المصلیٰ ولم یصل صلوٰۃ العیدین فی مسجدہ مع شروک الامر بقدر المطر کما بسطہ ابن القیم فی زاد المعاد والتسلانی فی المواہب اللدنیۃ وغیرہا والاحادیث فی ہذا الباب مخرجة فی کتب السنن وغیرہا وقد وقع النزاع بین العلماء فی عصرنا فی ان الخروج الی المصلیٰ سنۃ موکدة ام مستحب فافقی اکثرہم بانہ سنۃ موکدة و ہذا هو القول المنصور الموافق لکتب الاصول والفرع المطابق لما علیہ الجمهور وقیل نہ مستحب وهو قول باطل لا وجہ لہ وافرط بعضهم فقال انه واجب وهو قول مردود لا غیرۃ بہ والمتفصیل مقام اخر انتھ وقال فی الدر المختار وندب یوم الفطر اکلہ الی قولہ واداء فطرۃ ھم عطف علی اکلہ لان الکلام کلہ قبل الخروج ومن ثم اتی بکلمۃ رثم خروجہ لیفید تراخیہ عن جمیع ما مام شیا الی الجہانۃ وھو المصلیٰ العام والواجب مطلق التوجہ والخروج الیہا ای الی الجہانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان لم یصل

المسجد الجامع وهو المصحح قاله جب مراد عام ہو خواہ سنت مؤکدہ ہو یا مستحب کیونکہ بعض امور مذکورہ سنت مؤکدہ ہیں مثلاً غسل وغیرہ قولہ خرج الی المصلی مصلی بصبغہ اسم مفعول صحرائین وہ جگہ ہو جہاں عیدین کی نماز پڑھی جائے اور اسے جہانہ بھی کہتے ہیں اور محض اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلنا بھی واجب ہو کیونکہ جس سے واجب تمام ہو وہ بھی واجب ہو لیکن خروج الی الجہانہ سنت مؤکدہ ہو اگر مسجد جامع میں اتنی وسعت ہو کہ سب لوگ اس میں سہا سکیں پس اگر بلا عذر شہر کی مسجدوں میں نماز پڑھ لی تو نماز درست ہوگی لیکن ترک سنت لازم آئیگا اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ظہیر یہ اور خلاصہ اور خانیہ میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام جہانہ جائے اور کسی دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ بن جائے تاکہ شہر میں ضعیفوں کے ساتھ نماز پڑھے کیونکہ عیدین کی نماز بالاتفاق واجب ہے اور میں جائز ہو اتنی اور اصل یہ ہے کہ حضور پروردگار دنیا علیہ التحیۃ والتنا مصلی کی جانب تشریف لیجاتے تھے اور مسجدین عیدین کی نماز نہیں پڑھتے تھے باوجودیکہ مسجد نبوی کثرت حاصل تھا البتہ ایک مرتبہ بعد زبارش آپ تشریف نہیں لگے تھے جیسا کہ ابن القیم نے زاد المعاد اور قسطلانی نے مواہب لذنہ میں اسکی تفصیل کی ہے اور اس بارہ میں کتب سنن وغیرہ میں بکثرت احادیث موجود ہیں ہمارے زمانے کے علما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خروج الی المصلی سنت مؤکدہ ہو یا مستحب تو اکثر نے اس بات کا فتویٰ دیا ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہو اور بھی قول اول و فروع کے موافق اور مذہب جمہور کے مطابق ہو اور بعضوں کے نزدیک مستحب ہو اور یہ قول باطل ہو اور بعضوں نے بہت زیادتی کر کے واجب کہا ہو اور یہ قول مردود ہو قابل اعتبار نہیں اور اسکی تفصیل کے لیے دوسرے مقام ہو اور درمختار میں ہے قولہ واداء فطرۃ اسکا عطف اکلمہ پر صحیح ہو کیونکہ یہ تمام امور قبل خروج کے ہیں اور اسی لیے ثم خروج کہا تاکہ تراخی پر دلالت کرے جہانہ مصلی عام کو کہتے ہیں اور واجب محض توجہ ہو اور خروج الی الجہانہ سنت ہو اگرچہ جامع مسجد میں سب سہا سکیں اور یہی صحیح ہو حررہ محمد عباس غفرلہ۔ الجواب صحیح حررہ الفقیر محمد حسن جوہوری۔ الجواب صحیح والرائے صحیح بلاشبہہ تفتقلے اولہ شرعیہ یہ ہے کہ خروج الی المصلی سنت مؤکدہ ہو اور قول استحباب قابل اعتماد نہیں حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو احسانات محمد عبدالحی تجا و زائد عن ذیل کلمی و اخفی محمد عبدالحی ابو احسانات سوال امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ہو یا نہیں کہ ظہر کا وقت سایہ کے دوشل ہونے تک ہو جواب ہاں فقہا کے ایک گروہ نے تصریح کی ہے اور چونکہ دلائل مثل قوی ہیں اس لیے حنفیہ کی ایک جماعت نے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے اور وقت ظہر کی انتہا سایہ کے ایک مثل ہونے کو بتایا ہے خزائنہ الروایات میں ملتی الجار سے نقل کیا ہو ان اباحیفتہ

قد رجع فی خروج وقت الظہر ودخول وقت العصر الی قولہما امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خروج وقت ظہر و دخول وقت عصر میں صاحبین کے قول کے جانب رجوع کیا ہے۔ اور شیخ عابد سندی نے مواہب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ میں لکھا ہے قد الت ابن نجیم صاحب البحر رسالۃ لتأیید مذهب ابی حنیفہ فی هذه المسألة واستدل علی مطلوبہ با دلتہ متعدده واجاب عنہا ابو الحسن السندی فی حاشیۃ فتح القدیر کہ لا بن الہمام لکن ما رأیت رجوع ابی حنیفہ الی قول الجمهور ما وسعنی ذکر شی من کلا دلتہ والجواب عنہا روا للاختصاص مع انه روی فی المسألة روايات متعدده عن الامام فہما رواۃ صیورۃ الظل مثلین ومنہا رواۃ المثل شیخ ابن نجیم صاحب بحر نے ایک سالہ اس مسئلہ میں مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تائید میں لکھا ہے اور اس میں اپنے مطلوب پر متعدد دلیلیں پیش کی ہیں اور انکا جواب ابو الحسن سندی نے حاشیۃ فتح القدیر میں دیا ہے لیکن جب میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول جمہور کی طرف رجوع کرنیکا حال جانا تو کوئی موزورت اون اولہ اور جوابات کے نقل کی نہ ہے امام صاحب سے اس مسئلہ میں مختلف روایتیں ہیں بعض سے دو مثل ثابت ہوتا ہے اور بعض سے ایک مثل یکہ معظمہ کے مفتی شافعیہ سید احمد دحلان اپنے رسالہ التصر فی ذکر وقت صلوٰۃ العصر میں لکھتے ہیں من نقل ایضا رجوع الامام الی قول صاحبہ صاحب الفتاویٰ الشامی وصاحب کتاب الانیس وصاحب الجوہر المنیر شرح تنویر الاصل و ذکرہ ایضاً فی زیادات الہند وانی علی مستدرک الشیبانی فی باب ما یحل کله وما لا یحل قال قد صح رجوع ابی حنیفہ عن قولہ لا یحل اکل لحوم الخیل وخروج وقت الظہر ومن نقل الرجوع ایضاً صاحباً بصراط القوم جن لوگون نے امام صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف لکھا ہے ان میں سے صاحب فتاویٰ شامی اور صاحب کتاب الانیس اور صاحب جوہر منیر شرح تنویر الابصار ہیں اور یہی اسکا ذکر زیادات الہند وانی علی مستدرک الشیبانی کے باب ما یحل کله وما لا یحل میں ہو رہا ہے لکھتے ہیں کہ گھوڑوں کا گوشت حلال نہیں ہے اور ظہر کا وقت اسوقت ختم ہوتا ہے جب سایہ دو مثل ہو جائے ان دو قولوں سے امام صاحب نے رجوع کیا اور جن لوگون نے رجوع کو نقل کیا ہے ان میں سے صاحب صراط قویم بھی ہیں سوال کردہ قطبیں شمالی و جنوبی میں جہاں چھ مہینہ تک آفتاب نہیں ڈوبتا پھر چھ مہینہ تک نہیں نکلتا قرآن فی الصوم و صلوٰۃ کیونکر ادا کی جائیں اور قرب وجوار قطب شمالی کے مالک میں جہاں آبادی ہو اور بیش ساعت کا دن ہوتا ہے وہاں روزہ جو ہلاکت کا باعث ہے کیونکر رکھا جائے جواب صوم و صلوٰۃ وغیرہ کے احکام کے نصوص جمیع مکلفین کے لیے ہر فرما اور ہر زمانے میں عام ہیں لہذا اختلاف اقلیم اور طول نہار کی وجہ سے کوئی خلل نہ پڑے گا اویہ خیال کرنا کہ جہاں دن بہت بڑا ہوتا ہو وہاں

روزہ رکھنا بلاکت کا باعث ہو غلط ہو کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کو عام رکھا ہے اسی طرح جان روزہ رکھنا طاقت بشریہ سے خارج معلوم ہوتا ہے وہاں نبی آدم کا مسکن نہیں بنایا فن جغرافیہ کے محققین نے تصریح کی ہے کہ آخر عمارت جزیرہ تولی ہے کہ اس کا عرض خط استوا سے سٹھ درجہ ہو اور بعض سائے جو سٹھ درجہ عرض میں وجود عمارت کے قائل ہیں اور ازمنہ متاخرہ میں چھ سٹھ درجہ عرض میں عمارت کا نشان پایا گیا ہے جیسا کہ ناظرہ الحق وغیرہ میں صبح ہوا کے علاوہ اقلیم دہلا دی آب دہوا کے اختلاف سے قوی اور ازمنہ انسانہ بھی مختلف ہوتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ بلغاریہ اقلیم سابع میں واقع ہے اور اس اقلیم کے وسط میں دن کا طول اشعارہ ساعت کا ہوتا ہو اور بلغاریہ زمانہ صیفت میں رات اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ بعض اوقات غروب شفق کے ساتھ ہی صبح صادق کا طلوع ہوتا ہو وہاں مسلمان لوگ روزہ رکھتے ہیں رمضان جاڑے میں پڑے یا گرمی میں اور آفاقی بھی جو وہاں ہوتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور کوئی روزہ رکھنے کی وجہ سے نہیں مڑتا مورخ مغربی ابن بطوطہ جو رجال مالک ثانیہ میں ہیں تحفہ النظارفی غرائب الامصار میں لکھتے ہیں وکنت سمعت بمدينة بلخافادۃ التوجہ الیہ لاری ما ذکر عنہا من انہ یاقصر اللیلۃ یحافظو صلاتہا فی رمضان فلما صلینا المغرب افطرونا واذن بالاعتناء فی اثناء افطارنا فصلینا وصلینا التزادیم والتشفع والوتر وطلع الفجر اذ ذلک میں مدینہ بلغار کے متعلق سن کر لکھا کہ وہاں رات بہت چھوٹی ہوتی ہے میں نے وہاں جانیکا قصد کیا اور جب میں وہاں پہونچا تو رمضان کا مہینہ تھا جب ہم نے مغرب کی نماز پڑھی تب فطار کیا اور اثناء افطار ہی میں عشا کا وقت آگیا تب بنے عشا کی نماز پڑھی اور تراویح و وتر سے فراغت پائی ہی تھی کہ فجر طل ہو گئی سوال بعض رسائل میں لکھا ہے کہ وتر کی پہلی رکعت فرض اور دوسری سنت اور تیسری واجب ہے صحیح ہو یا نہیں جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ وتر تین رکعت ایک نماز ہو اسکو بعض رکعات کا فرض اور بعض کا واجب اور بعض کا سنت ہونا ممکن نہیں کتب معتبرہ میں اس بقدر لکھا ہے کہ وتر کی تین رکعت نماز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہے سوال جس شخص نے نماز پڑھی ہو مرنے کے بعد اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کی نسبت کیا حکم ہے جواب اس کا غسل اور اس کی نماز وغیرہ سب مسلمانوں کی طرح ہونا چاہیے کیونکہ حدیث میں ہے صلوا علی کل بدو فاجر ینیک اور بدو نماز پڑھو سوال اگر عید الفطر کے دن کثرت بارش کی وجہ سے مسلمانوں کا اجتماع نہ ہو سکے تو دوسرے دن بھی عید کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو ادا کی صورت کیا ہے پنے سوچا پس نازیون کے ساتھ جو اسوقت مسجد میں جمع ہوئے تھے نماز پڑھیں یا دوسرے دن جمع مسلمانان شہر و حوالی شہر کے ساتھ نماز پڑھیں دوسرے دن جو نماز ہوگی وہ اپنے

وقت پر ہوگی یا وقت کے بعد ادا ہوگی یا قضا۔ **جواب** ہند بارش وغیرہ اگر اول روز عید کی نماز نہ ہو تو دوسرے دن چڑھنا چاہیے۔ ادا اور قضا ہونے میں فقہاء کے دو قول ہیں جامع الرموز میں ہے ولعلہ منی علی اختلاف التوابع ویویدہ مافی زکوۃ النظم ان لصلوۃ یوما واحد فی الاموال ویومین فی فخصر الکرخی اور شاید یہ اختلاف تین پر مبنی ہو اور اسکی تائید زکوۃ النظم کی اس عبارت سے ہوتی ہو کہ نماز عید کے لیے ایک دن ہر ہر اصول میں ہے اور دو دن ہیں یہ مختصر کر بھی میں ہے۔ اور در مختار کتاب الاضحیۃ میں ربیعہ وغیرہ سے قضا ہونے کا قول نقل کیا ہے اور باب العیدین میں لکھا ہے کہ کن قضاء اداء کما یصح فی الاضحیۃ وحلی القہستانی قولین یہ نماز قضا ہوگی ادا نہ ہوگی جیسا کہ انھیہ کے بیان میں آئے گا اور قستانی نے اس میں دو قول نقل کیے ہیں۔ پس اس اختلاف کی وجہ سے اولی بھی ہوگا کہ اول ہی روز نماز عید ادا کی جائے۔ اور نقل نہ ہی اسکا موبہ ہو کہ ایک دن حضور سرور عالم بارش کی وجہ سے عید گاہ تشریف نہ لجا سکے تو اول ہی روز اپنے مسجد میں عید کی نماز ادا فرمائی

سوال تکرار جماعت ایک مسجد میں درست ہو یا نہیں **جواب** جماعت اولی کی فراغت کے بعد جماعت ثانیہ کے جواز کی اصل یہ حدیث ہے جو سنن ابوداؤد وغیرہ میں ابوسعید خدری سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا یصل وحدہ فقال لا رجل یتصدق علی ہذا فیصل معہ فقام رجل فصل معہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اسکا شریک ہو جائے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور اسکی موبہ اثر حضرت انسؓ ہے جو سنن بیہقی اور مسند ابویعلی وغیرہ میں مروی ہے اور صحیح بخاری میں بھی بطور تعلق مذکور ہے

انہ دخل مسجد فی رفاعۃ قد صل فیہ فاذا نواقام وجہ جماعۃ حضور سرور انبیا علیہ التیمۃ والثنا سبح مدنی فاعلم میں تشریف لے گئے وہ ان نماز ہو چکی تھی آپ نے نماز پڑھی پس وہ ان اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی اور نماز پڑھی گئی۔ اور ظاہر الروایۃ خفیہ کے نزدیک اگرچہ تکرار جماعت کی کراہت ہو مگر مفتی بہ یہ ہو کہ جماعت اولی کی کیفیت پر اگر جماعت ثانیہ نہ ہو تو بلا کراہت درست ہو اور کراہت کی روایت بھی چند شروط کے ساتھ مقید اور مشروط ہو۔ در مختار شرح تنویر الابصار میں ہے بکیرۃ تکرار الجماعۃ فاذا نواقامۃ فی مسجد علیہ فی مسجد طریق او مسجد الامام ولا مودن محلہ کی مسجد میں تکرار جماعت مع اذان و اقامت مکروہ ہو نہ کہ راستہ کی مسجد میں یا کسی مسجد میں جسکا امام اور مودن مقرر نہ ہو۔ اور غزائن الاسرار شرح تنویر الابصار میں ہے بکیرۃ تکرار الجماعۃ فی مسجد و اذان و اقامۃ لا ینافیہ الا غیر اہلہ او اہلہ لکن یخافۃ الاذان و اہلہ و اہلہ و غیرہ

ا وکان مسجد طریق جاز اجماعاً لما فی مسجد لیس له امام ولا مؤذن ویصل الناس فیہ فوجاً فوجاً او محلاً محلاً کی مسجد میں
کرار جماعت مع اذان و اقامت کے مکروہ ہو مگر جبکہ باذان و اقامت جو نماز پہلے پڑھی گئی ہو وہ غیر اہل محلہ نے پڑھی
ہو یا اہل محلہ نے پڑھی ہو مگر اذان آہستہ دی گئی ہو اور اگر بغیر اذان و اقامت کے نماز پڑھی یا مسجد راستہ پر واقع
تھی تو بالاجمل جائز ہو جیسا کہ اُس مسجد میں جہاں امام و مؤذن مقرر نہ ہو اور لوگ مختلف مکڑیوں میں نماز پڑھتے
ہوں تاو شیخ شریح مجمع بینہو التقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ استراzen الشارع وبالاذان الثانی اعترازعما
اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان و اقامت یا مسجد میں محلاً کی قید لگانے سے شارع عام سے احتراز
ہو گیا اور اذان ثانی کی قید سے اس صورت سے احتراز ہوا کہ مسجد محلاً میں پہلی جماعت بلا اذان ہوئی ہو کیونکہ یہ
بالاجمل مباح ہے۔ اور رد المحتار باب الاذان میں ہے فلو دخل جماعۃ المسجد بعد ما صلی اہلہ فیہ فافہم یصلون
وحداناً و هو ظاہر الروایۃ + ظہیریۃ + و فی آخر شرح المنیۃ و عن ابی حنیفۃ لو کانت الجماعۃ اکثر من ثلاثۃ لم یکرہ
التکرار و الا فلا و عن ابی یوسف اذا لم تکن علی البیتۃ الا ولی لا تکرہ و الا تکرہ و هو الصحیح و بالبعد ولی من المحرم
تختلف البیتۃ کذا فی البزازیۃ و فی الفتاویٰ خانینۃ عن الولوالجیۃ و بعد ناخذہا اگر ایک جماعت مسجد میں آئی جبکہ
اہل محلہ نماز پڑھ چکے تھے تو انھیں الگ الگ نماز پڑھنا چاہیے۔ اور یہی ظاہر الروایۃ ہو ظہیریۃ + اور آخر شرح منیۃ
میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے اگر جماعت تین سے زائد ہو تو تکرار مکروہ ہو ورنہ نہیں بلکہ امام ابو یوسف
رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر ہیئت اولیٰ پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہو ورنہ ہو اور یہی صحیح ہے اور حجاب کو چھوڑ دینے سے
ہیئت بدل جاتی ہو ایسا ہی بزاز یہ اور تاتار خانینۃ میں و لو ابھی سے منقول ہے اور ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں مان عبد اللہ
سے ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ مطلقاً جماعت ثانیہ کو مکروہ کہتے ہیں انکا قول غلط اور قول مفتی بہ کے مخالف ہے اور خیال
کہ تکرار جماعت تقلیل جماعت اولیٰ کی طرف منجر ہو خیال باطل ہے اس لیے کہ یہ امر جب لازم آئے گا کہ کسی مسجد میں
تقریر تکرار جماعت کا کر دیا جائے کہ ہر وقت دو یا تین جماعتیں ہوں کہ یہ اس حالت میں البتہ جماعت اولیٰ کا اتمام
میں فرق ہوگا اور اگر تقریر ایک ہی جماعت کا ہو اور اتفاقاً کچھ لوگ اُس میں نہ ہوں تو انکی جماعت کرنے سے کوئی
فی شرعی نہیں ہو خصوصاً جبکہ جماعت ثانیہ کا امام مقام قیام امام اولیٰ میں نہ کھڑا ہو اور یہ گمان کہ اگر شرعاً جماعت
ثانیہ مشروع ہوتی تو حالت غزوات میں صلوۃ خوف بہ تغیر انتظام مشروع نہ ہوتی کیونکہ ممکن تھا کہ طائفہ بدلتے
جماعت سے نماز پڑھ لیا کرے محض خوف ہے اسوجہ سے کہ مقصود شریعت صلوۃ خوف سے ہے کہ سب نماز پڑھیں
لیکن یہی وقت نماز سے خارج ہو کے اور امور میں مصروف ہوں اور یہ امر تعدد جماعت سے نہیں ہو سکتا ہے اسوجہ سے

انتظام جب یہ صلوٰۃ خوف کے واسطے مقرر کیا خلاصہ یہ ہو کہ جماعت ثانیہ اتفاقیہ کی کراہت کی کوئی معتبر وجہ نہیں ہو خاص کر جبکہ جماعت اولیٰ کی ہیئت پر نہ ہو۔ ومن ادعیٰ فعلیہ البیان بوضوح البرہان۔ فائدہ لکھنؤ میں یہ فتویٰ لکھا گیا کہ مجالس الابرار میں ہو کہ جب نماز عید کا وقت آجائے تو امام لوگوں کے ساتھ دو رکعتیں بلا اذان و اقامت پڑھے پہلے افتتاحی تکبیر لکے ہاتھ ناف کے نیچے باندھے اور سبھا تک اللہم پڑھے پھر تین تکبیریں کئے اور ہر دو تکبیر کے درمیان میں بقدر تین تسبیحوں کے فصل کرے کیونکہ عیدین میں مجمع بہت ہوتا ہے اور متوازن تکبیریں کرنے کی صورت میں جو لوگ دور ہیں انکو اشتباہ واقع ہوگا اور ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے اور تکبیروں کے وسط میں چھوڑ دے پھر تیسری تکبیر کے بعد ناف کے نیچے دونوں ہاتھ کو باندھے اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ اکر سورۃ فاتحہ پڑھے اُس کے بعد جو سورت جی چاہے پڑھے پھر تکبیر لکے رکوع کرے اور جب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو تو قرأت سے شروع کرے پھر قرأت کے بعد تین تکبیریں کئے اور درمیان میں فصل اتنا ہی کرے اور دونوں ہاتھ کو اٹھائے پھر چھوڑ دے ہر تکبیر کے وقت یہاں وضع یدین نہیں ہو پھر تکبیر کے اور رکوع کرے بندہ عاصی ابوالحسنات محمد عبدالحی کتبا ہو میں اس معاملہ میں عرصہ سے مضطرب تھا کہ نماز عید کی دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھا چاہیے یا چھوڑنا میں نے اس کے متعلق اپنی زمانے کے علماء سے بھی دریافت کیا لیکن کوئی شافی جواب نہیں ملا حتیٰ کہ مجالس الابرار کی یہ حدیث ملی تو میں اس پر خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ اس میں تصریح موجود ہو کہ یہاں وضع یدین نہیں ہو اور میرے خیال میں اس کی تائید ایک اور قوی دلیل سے بھی ہو گئی اور وہ یہ کہ قیام جو دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد ہو اُس میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہو اور ہر قیام جس میں ذکر مسنون نہ ہو اُس میں ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہونا چاہیے پھر اس قیام میں بھی ہاتھ چھوڑ دینا چاہیے صغریٰ کی دلیل تو یہ ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس میں کوئی ذکر منقول نہیں ہو فتح القدیر میں ہے لیس بین تکبیرات العیدین ذکر مسنون عند ثلاثہ لم یقل ہمارے نزدیک عیدین کی تکبیروں کے درمیان میں کوئی ذکر مسنون نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہو۔ اور نہ یہ شرح ہدایہ میں ہے یرسل بین تکبیرات العیدین والمراد بها التکبیرات الثلاثہ لا التی لا ذکریٰ مابینہا ولا قراءۃ فلا یضرب بدیعہا باتفاق علاننا الثلاثہ ولا ذکریٰ بین التکبیرات ذکر مسنون ولا مستحب لاندہ لم یقل وہ قال محمد وقال الکرمی التبیحہ اولیٰ ذکرہ فی القنۃ وقال الشافعی محمد ویصل بین تکبیرتین عید کی تکبیروں کی بیچ میں ہاتھ کھول دیے جائیں گے اس سے مراد تکبیرات زدائد ہیں جنکو درمیان میں

ذکر نہیں ہوا اور نہ قرات تو تکبیرات میں ہاتھ نہ باندھے اس میں علمائے ثلاثہ متفق ہیں اور تکبیرات کے درمیان
 میں کوئی ذکر مسنون ہوا نہ مستحب نہیں ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے اور یہی
 امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں اور کرنی کے کہا ہو کہ تسبیح اولیٰ ہو ایسا ہی قیہ میں ذکر کیا ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتا
 کہ ہاں بلکہ الحمد اور لا اہلہ الا اللہ دونوں تکبیروں کے بیچ میں کہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر حال تکبیروں کے درمیان
 میں جو ذکر ہے وہ سنت نہیں ہے لیکن عدم استحباب جیسا کہ عینی نے کہا ہو غالباً صحیح نہیں و اللہ اعلم باقی رہا
 کہ یہ تو اس کی تصریح بہت جگہ ہے اور اُسپر بہت سے تفریعیں کی گئی ہیں اور اُس سے قومہ مستثنیٰ کیا گیا ہو کیونکہ
 اس میں باوجود ذکر کے مسنون ہونے کے ارسال یہ کی تصریح ہو جامع مضمرات میں ہو المصلیٰ اذا احرم الصلوٰۃ
 ورفع یدیه لا یسلمہما بل یضعہما علی جب تحریم کرے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو انھیں چھوڑ دے بلکہ ہاتھ
 اور نقایہ اور اس کی شرح جامع الرموز میں جو میرسل عند الجمہور خلافاً لاصحاب الفضل فی قومتہ الکووع و تکبیرات
 العیدین وفیہ دلالت علی ان لیس فیہما ذکر مسنون اور جمہور کے نزدیک ہاتھ چھوڑ دے جائیں گے اصحاب فضلی قومہ
 رکوع اور تکبیرات عیدین میں اس کے خلاف میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اور جو چند
 نے اس کی شرح میں کہا جو میرسل فی قومتہ الکووع کا نہ استثناء ما تقدم فان فیہما ذکر اسنوناً مع ذلك سن فیہما
 الارسال وقیل ان الذکر الذی فیہما سنۃ الانتقال لاستنۃ القومۃ و بین تکبیرات العیدین اسی فیما بینہما و انما
 ذکرہما فی حیث الاستثناء مع انہ لیس فیہما ذکر مسنون علی ما هو المختار اشارۃ الی ما ذکرہ صاحب الفنیۃ عن
 عین الایمۃ انہ قال التبیح بین تکبیرات العیدین اولیٰ اور قومہ رکوع میں ہاتھ چھوڑ دے جائیں گے کہ یہ
 سابق سے استثناء ہو کیونکہ قومہ رکوع میں ذکر مسنون ہے پھر ارسال سنت ہو بعضوں نے یہ کہا ہو کہ اس میں جو ذکر
 سنت ہے وہ سنت انتقال ہو نہ کہ سنت قومہ اور تکبیرات عیدین میں اس سے بھی استثناء میں فکر کیا باوجودیکہ ہر مذہب
 مختار اس میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اس جانب اشارہ کرنے کے لیے جو صاحب غنیہ نے عین الایمۃ سے نقل کیا
 ہے کہ تکبیرات عیدین کے درمیان میں تسبیح اولیٰ ہو۔ جب مغربی اور کبریٰ ثابت ہو چکا تو بلاشبہ نتیجہ جو شکل اول
 یہی ملائج سے نکلا ہو ثابت ہو اور اگر ہم وضع یدین کو سنت کہیں تو کلیۃً مذکورہ کی مخالفت لازم آئے گی فیلیل
 علی الارسال والتوکل علی الغریز المتعال ہذا ما خطر بالبال و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال سوال نماز کے بعد دعائیں
 راجع ہیں کہ جیسا کہ ایہ دیار کا معمول ہے حدیث سے ثابت ہے یا نہیں اگرچہ فقہائے ائمہ سے تحسن کہتے ہیں اور مطلق
 راجع ہیں اور دعائیں احادیث و روایات میں گراں ہیں کوئی خاص حدیث وارد ہو یا نہیں جواب خاص آہن

بھی حدیث وارد ہے چنانچہ حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحق بن اسحاق کتاب عمل ایوم واللیلہ میں لکھتے ہیں حدیثی
احمد بن حسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید الباسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمن القرظی
عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قال ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوة ثم یقول
اللهم الٰہی وآلہ ابراہیمہ واسحق و یعقوب والک جبرئیل ومیکائیل واسرافیل استلک ان تستجیب
دعوتی فانی مضطر وتعلمنی فی دینی فانی مبتلی وتعالی برحمتک فانی ندب وتنفی عنی الغفر فانی متسکن
الاکان حقاً علی اللہ عزوجل ان لا یردید یہ خائبین حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص
ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھتا ہو خدا اسکے ہاتھوں کو بھی ناکام نہیں کرتا (واللہم تمسک منکم) اگر
کہا جائے کہ اس روایت کی سند میں عبدالغزی بن عبدالرحمن جو اور وہ تسلیم فیہ ہو جیساکہ میزان الاعتدال وغیرہ
میں مصرح ہو تو کہا جائیگا کہ حدیث ضعیف استحباب کے لیے کافی ہے چنانچہ فتح القدیر کتاب الجنائز میں ہے ولاستحبنا
ثبت بالضعیف غیر الموضوع استحباب حدیث ضعیف غیر موضوع سے ہی ثابت ہوتا ہے سوال ایک شخص
کو سردی کے زمانے میں ٹھنڈے پانی سے نہانا ضرر کرتا ہو اور پانی گرم کرنا وقت نماز کو فوت کرتا ہے اس لیے کہ وہ
شخص اتنی رات سے نہیں بیدا رہتا کہ پانی گرم کر کے نہائے اور پھر نماز کا وقت باقی رہے یا اسوجہ سے کہ
اسوقت دوکانین بند ہونے کی وجہ سے لکڑیاں انہیں مل سکتیں یا اُس کے پاس قیمت نہیں ہو پس اگر نہانے
عوض میں تیمم کرے اور وضو کر کے فجر کی نماز ادا کرے اور دن چڑھے دھوپ میں نہائے تو نماز فجر ادا ہو جائے گی
یا نہیں اور نہانے کے بعد نماز کو دہرائے یا نہیں جواب تیمم کر کے نماز پڑھے اور پھر اعادہ فروری نہیں دن چڑھے
نہانا ضروری ہے سوال ایک مسجد کا طول اور عرض پچاس پچاس اٹھ کا ہے اُس میں نماز ہوتی ہے اور دو یا تین
قبرین مسجد کے بیچ میں چار پہانچ صف کے بعد صحن میں ہیں جن میں جس صف کے رویرو وہ قبرین پڑھتی ہیں اُس صف کی نماز
درست ہوگی یا نہیں جواب جن مقتدیوں کے آگے یاد اپنے بائیں وہ قبرین پڑھتی ہیں اُنکی نماز مکروہ ہوگی سوال
ایک حافظ ہاتھ پاؤں سے اسقدر معذور ہو کہ بول و براز بھی بقاعدۃ شرعیہ نہیں کر سکتا فقط براز میں کلنج کر سکتا
ہو اور بہت ایک انگلی کے گوشہ سے کر سکتا ہو وضو اور تیمم خود نہیں کر سکتا اور دونوں پاؤں اور کھپڑ پھیلا کے
بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو ایسے حافظ کی امت تراویح یا نماز پنجگانہ یا عیدین میں درست ہے یا نہیں جواب مکروہ ہے
ردالمحتد میں ہے وکذا العریض یقوم ببعض قدمہ فلا قداء بغیرہ اولی + تا ما راخانیہ + وکذا اجزم برجندی
وعیوب وحائف ومن لدین واجلة فتاوی لمصوفیة عن التقصہ والظاهر ان العلۃ الغرقۃ ولذا قد لا یجب

بالشیوع لیکون ظاهراً ولعدم امکان اکمال الطهارة ایضاً فی المفلوج والقطع والمیوب ولکن اھت صلوٰۃ
الحاقن ای بیول ونحوہ اسی طرح لنگڑا جانے پاؤں کے بعض حصے پر کھڑا ہوتا ہو پس اس کی غیر کی اقتدا اولیٰ
ہو تا تا رخانہ اور ایسا ہی بر جندی کا خیال ہو اور جبکا پاؤں کٹا ہو اور جس کے پاؤں چلنے میں ٹڑھاتے
ہوں اور جبکا ایک ہی ہاتھ ہو اس کے سوا دوسرے کی اقتدا اولیٰ ہے فتاویٰ صوفیہ میں تحفہ سے نقل کیا ہو
اور بظاہر اسکی علت نفرت ہے اسی لیے ابرص میں شیوع کی قید لگائی ہو ریضہ برص ایسی جگہ ہو جو عام سرخ پر
دکھائی دے یا سب کو اس کے مبرص ہونے کا علم ہو یا اسواسطے کہ مفلوج اور ہاتھ یا پاؤں کٹی ہوئی آدمی کی
طہارت کامل نہیں ہوتی اور جس کے پاؤں چلنے میں ٹڑھاتے ہوں اسکی نماز بول وغیرہ کی وجہ سے مکروہ ہو
وامد اعلم حررہ محمد جنید عبدالباسط انصاری غفرلہ امدا الباری محمد جنید عبدالباسط انصاری جواب صحیح
حررہ الراحمی محفورہ القوی ابو احسانات محمد عبدالحی تجا وزا مد عن ذنبا بجلی وانغنی **ابو احسانات**
ابو ابی صحیح فقہ خادم اولیاء امدا الکریم محمد ابراہیم غفرلہ امدا الکریم ابن مولانا علی محمد حرم **محمد ابراہیم**
سوال خطبہ جمعہ کے بعد اللھم رب هذه الدعوة التامة جو پڑھتے ہیں یہ مستحب ہے
یا بدعت گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ مکروہ تنزیہی ہے یا تحویلی جواب خطبہ جمعہ کے بعد کوئی دعا
دار و ندین ہے سوال کسی قصبہ کے مسجد میں ایک حافظ قیم عصا نماز جمعہ یا جو گناہ زمین امامت کرتا ہو اور کوئی
دوسرا شریفاً القوم حافظ نہیں ہو البتہ بعض شرفاء غیر حافظ امامت کر سکتے ہیں اور اس حافظ کی امامت سے
اکثر لوگ متنفر ہیں اس صورت میں کسکو امام بنانا چاہیے جواب جو مسائل شرعیہ تعلقہ نماز زیادہ جانتا ہو
اسکی امامت اولیٰ ہو گو حافظ قرآن نہ ہو سوال نماز میں بعد از بلا عذر کھانا اور بغیر عامہ کے امامت کرنا
جائز ہو یا نہیں جواب نماز میں بعد کھانا جائز اور بلا عذر مفسد ہو اور عامہ کے ساتھ امامت مستحب اور
بغیر عامہ بھی جائز ہے سوال زید مغرب یا عشا کی نماز کا امام ہو اور عمرو اور خالہ وغیرہ مقتدی ہوئے زید نے
پہلے رکعت میں ارأیت الذی اور دوسری میں الم ترکیب پڑھی یا اول میں قل ہو امدا اور دوسری میں
انا اعطیناک پڑھے تو غیر سلسلہ پڑھنے کی وجہ سے نماز ہوئی یا نہیں جواب صورت اول میں اگر عدا کیا ہو
تو نماز مکروہ ہوگی اور صورت ثانی میں کراہت نہیں ہو خلاصہ میں ہو الجمع بین سورتین بینہما سورۃ واحد
فی رکعتین یکوہ وان کانت السورۃ طویلۃ لا یکوہ کما اذا کانت بینہما سورتان قصیدتان وان قرء فی رکعة
واحدۃ سورۃ فی اخرى سورۃ اخرى فوق ثلاث السورۃ فمکروہ الا اذا وقع ذلک من غیر قصد

دو رکعتوں میں دو ایسی سورتیں پڑھنا جنکے بیچ میں ایک سورت ہو مگر وہ ہوا البتہ اگر سورت طویل ہو تو مکرر وہ نہیں جیسا کہ جب دونوں کے بیچ میں دو چھوٹی سورتیں ہوں اور اگر پہلی رکعت میں ایک سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اُس کے اوپر کی سورت پڑھ دی تو یہ مکرر وہی مگر جبکہ بلا قصد ہو۔ سوال جماعت ثانیہ میں دوبارہ اقامت کسنا چاہیے یا نہیں جواب کسنا چاہیے سوال اگر کوئی شخص کسی دن سہواً نماز فجر وغیرہ نہ پڑھے اور نماز عشاء و تراویح وغیرہ پڑھے تو عشاء و تراویح جائز ہوتی ہیں یا نہیں جواب اگر صاحب ترتیب ہو یعنی اسکی پانچ نمازیں کبھی قضا نہیں ہوئیں اور اگر ہوئیں تو وہ انکو وقفیہ کے پچھلے ادا کرتا رہا ہو اس شخص کے فہم پر جب تک ایک نماز کی قضا باقی رہے کہ عدا اسے چھوڑ دیا ہو ادا اسکی نہ درست ہوگی جب تک کہ اس قضا کو نہ پڑھ لے اور اگر صاحب ترتیب نہیں ہو تو اسکی نماز ادا باوجود باقی رہنے قضا کے درست ہے سوال اگر کوئی امام جمعہ میں پہلا خطبہ شروع کے موافق تمام کر کے دوسرا خطبہ شروع کرے اور بعد ختم اسامی صحابہ کرام میں سے اول پر اتر آئے اور کچھ کلمات خطبہ داہنے جانب منہ پھیر کے اور کچھ بائیں جانب منہ پھیر کے پڑھے پھر زینہ دوم پر کھڑا ہو کر جہان خطبہ اول پڑھا خطبہ تمام کرے تو کیسا ہے جواب بدعت ہے اسکا چھوڑنا ضروری ہے مرد و عجل حاشیہ در مختار میں اسکی تصحیح موجود ہے سوال حیدر گاہ میں نماز ختم کر کے جب امام خطبہ پڑھتا ہو تو لوگ ایک ایک دو دو ہو کر امام کے پاس جاتے ہیں کوئی امام کو روپیہ دیتا ہے کوئی دو پیسہ کوئی عامہ کوئی عبادت گزار یہ درست ہے یا نہیں۔ جواب خطبہ کے بیچ میں ان امور سے پرہیز کرنا چاہیے۔ سوال قدیم زمانے سے ہندوستان میں غلاموں کی جگہ وال پڑھتے ہیں اور زمانہ محال میں اکثر لوگ ص کو ظ پڑھتے ہیں دونوں میں کون صورت درست ہے جواب ص مناسب اور مشابہہ ہو ظ سے اور دال سے بعید ہے اور عرج ص کا ظ اور تراویح دال کے مغایر ہے حتیٰ الوسع چاہیے کہ اصلی عرج ص نکالا جائے اور اگر دشوار ہو تو ظ یا ز سے پڑھنا بہتر ہے نہ دال سے سوال زید دوسری رکعت کے قعدہ میں سہواً التعمیات پڑھ کر درود شریف پڑھنے لگا تھوڑا سا پڑھنے کے بعد یاد آگیا اور رکھڑا ہو گیا ایسی حالت میں سہو کا سجدہ زید پر واجب ہوا یا نہیں اگر ہوا اور زید نے ناواقفیت کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا تو اسکی نماز ہوئی یا نہیں جواب خفیہ کے نزدیک دوسری رکعت میں درود پڑھنے سے جو تاخیر قیام کا باعث ہوتا ہے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے جب بقدر اللہ صلی علیہ وسلم کے پڑھے اور بعضوں کے نزدیک جب اللہ صلی علیہ وسلم کے بقدر پڑھے زبیری نے اولیٰ کو اور ربلی نے ثانیٰ کو ترجیح دی ہے اور جس نے سہو سجدہ ترک کیا اس پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے سوال ایک شخص کبھی نماز پڑھتا ہے اور

کبھی غفلت سے نہیں پڑھتا اور دوسرا ہمیشہ ناز پڑھتا ہے، مسلمان ذاتی قرأت عمر وغیرہ میں دونوں برابر ہیں پس امامت کس کو کرنا چاہیے جواب جو ہمیشہ ناز پڑھتا ہے وہی قابل امامت ہے، تنویر الابصار اور درمختار میں ہر الاحق بالامامت اعلیٰ احکام الصلوٰۃ ثم الاحسن تلاوتہ و تجودہ للقراءۃ ثم الاداعی الا کثرا لقاء الشہداء و التقویٰ اتقاء الخرافات امامت کے لیے حق وہ شخص ہے جو احکام نازب سے زائد جانتا ہو پھر وہ جو تلاوت و قرأت اچھی کرتا ہو پھر وہ جو شبہات سے زائد جانتا ہو شبہات سے بچنے کو ادا کتے ہیں اور محرمات سے بچنے کا نام تقویٰ ہے سوال ایک شخص بارہا اپنے لڑکے کو ناز کی تاکید کرتا ہو لیکن وہ نہیں ملتا پس ایسے شخص کو گھر میں رکھنا چاہیے یا نکال دینا چاہیے اور اگر محبت پدری کی وجہ سے رکھے تو وہ شخص اپنے بے نازی لڑکے کے لیے ماخوذ ہوگا یا نہیں جواب اگر ایسے لڑکے کو محبت پدری کی وجہ سے رکھے گا تو بقرہ طاعت نصیحت کرنے کی وجہ سے ماخوذ نہ ہوگا سوال جو شخص حدیث رفع سیابہ کے رواۃ میں جو صحیح مسلم میں مروی ہے یہ شبہ کرے کہ یہ راوی مسلم و عاقل تھے یا نہیں حالانکہ علما جانتے ہیں کہ انہیں سے اصحاب قرون ثلثہ اور کاتبہ ایبہ ہری بن جن میں سے اکثر کے اوصاف بالخصوص یا بالعموم احادیث سے ثابت ہیں اور اس شخص کو انکی بزرگی کتب رجال وغیرہ سے دکھائی بھی گئی پس اس شبہ کے وجہ سے اُسپر کیا حکم ہے جواب ایسا شخص جو رواۃ صحیح مسلم میں شبہ کرنے کے مسلم و عاقل تھے یا نہیں وہ شخص یا تو محض جاہل ہے فزون حدیث و اسرار رجال سے مطلقا واقفیت نہیں رکھتا ہے یا محاذ و مکراہ ہوا یہ حدیث نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ اصلاح الکتاب کتاب مسد کے بعد صحیح بخاری پھر صحیح مسلم ہو اور اس مرتبہ کہ رواۃ صحیحین کے سب قابل قبول اور مستیع شرائط قبول ہیں بجز چند رواۃ بخاری و مسلم کے کہ آپر واقفنی وغیرہ نے جرح کی ہے لیکن اکثر ان جرحوں کا دفع شرح حدیث نے خصوصاً حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں کر دیا ہے ملا علی قاری شرح تجرید انظر بین لکھے ہیں۔ رواۃہما قد حصل الاتفاق علی القول بكونہم عدل و مضابطا و غیرہما من اوصاف الصمۃ غالباً بطریق اللزوم نہما فی البخاری و مسلم و صاحب شہ طہم اوجاہہما مقدّمون علی غیرہم فی سوا یا تہم رواۃ صحیح بخاری و صحیح مسلم بالاتفاق عادل و مضابط ہیں اور ان میں اکثر اوصاف صحت بطریق لزوم پاؤ جاتے ہیں اس لیے بخاری و مسلم اور وہ لوگ جنہوں نے بخاری و مسلم کی شرطوں کی اتباع کی ہو اپنی روایتوں میں دوسروں پر مقدم ہیں۔ اور ایسا ہی شرح الفیتہ الحدیث معراقی و السخاوی و الانصاری اور مقدمہ ابن صلاح اور خلاططیبی و مختصر ابن جاعت اسے غیر ذلک من کتب الما صول میں مذکور ہے سوال زید کہتا ہے کہ

تشہد میں رفع سبہا جو حدیث میں آیا ہے جس جب کردن گا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا
 تھا فرض یا سنت یا مستحب یا مباح پس اسکا یہ کہنا درست ہے یا جہالت و گمراہی یعنی ہوا در کتاب ہے کہ حدیث جابر متواتر
 یا مشہور ہو تو اسپر عمل کر دگا اور اگر غیر واحد ہو تو اسپر عمل کرنا واجب نہیں حالانکہ اصول فقہ میں خبر واحد کو متعلق
 مرقوم ہو و انتہی احسن العمل و دون العلم والیقین پس اصول خفیہ کے موافق اسکا یہ کہنا صحیح اور حدیث کو بوجہ خبر
 واحد ہونے کے غیر معمول سمجھنا ناجائز ہے یا نہیں ہاں اگر نہیں ہے تو زید پر بوجہ اس قول و عقیدہ کے کیا حکم دیا جائیگا
 جواب زید کے یہ دونوں قول اصول خفیہ کے مخالف ہیں تمام کتب اصول مختصرات سے مملوالت تک اس امر
 کی تحقیق سے بالامال ہیں بلکہ غلات ایضاً لکن امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کو بھی یہ کہیں کہ امام ابو یوسف
 نے امالی میں سنت اشارہ کی تصریح کی ہے اور امام محمد نے موطا میں بھی اسکو ذکر کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کی طرف
 اسکو منسوب کیا ہے سوال رفع سبہا کی جو حدیث باسانید متعددہ صحیح مسلم میں مروی ہوا اسکے سب راوی ترقیب
 میں مذکور ہیں یا نہیں جواب رفع سبہا کی جو احادیث صحیح مسلم میں ہیں انکے سب رواۃ کا حال تقریب میں مذکور
 ہے اور احادیث رفع سبہا کو صحیح مسلم کا اور کتب حدیث مثل سنن ابوداؤد و سنن نسائی و سنن دارمی و جامع
 ترمذی و سنن بیہقی و مسند احمد و موطا مالک و موطا محمد و صنف عبدالرزاق و مسند ابوالعلی و صنف ابن ابی شیبہ
 و معجم طبرانی و سنن سعید بن منصور وغیرہ میں بھی بطرق متعددہ مروی ہیں چنانچہ ملا علی قاری خفی نے اپنی تہذیب
 ترمذیین العبارة لتحسین الاشارة میں ان سب روایات کے ذکر کے بعد تحریر کیا ہے و بالجملة فهو مذکور فی
 الصحاح الست و غیرہا لکان ان یكون متواترا بل یحتمل ان یتقل انہ متواتر متضمنہ فکیف یجوز لمومن بالذہ
 و رسولہ ان یعدل عن العمل بہ بالجملة صحیح ستہ وغیرہ میں مذکور ہے اور قریب ہوا تہذیب متواتر ہی بلکہ اس متواتر کتابت
 ہوگا تو شخص خدا اور اسکے رسول پر ایمان رکھتا ہو وہ کس طرح اسپر عمل کرنے سے اعراض کر سکتا ہے اور اسکی
 بعد تفصیل تمام سنن اشارت کو ثابت کیا ہے اور قول عدم رفع کو مردود کر دیا ہے سوال اگر کچھ سورت ایک رکعت
 میں اور باقی دوسری رکعت میں پڑھے تو مردود ہے یا نہیں جواب بعض کے نزدیک مردود ہے اور صحیح یہ ہے کہ مردود
 نہیں ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ایسا نہ کرے عالمگیری میں ہے لوقر بعض السورۃ فی رکعة والبعض فی رکعة قبل یکوہ
 وقیل لایکوہ وهو الصحیح کذا فی الظہیریۃ و لکن لا یشغ ان یفعل ولو فعل لا بأس بکذا فی الخلاصۃ اگر ایک
 سورت کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور باقی دوسری رکعت میں پڑھا تو بعض کو نزدیک نماز مردود ہو جائے گی اور بعض کے
 نزدیک نہیں اور یہی صحیح ہے ایسا ہی ظہیریہ میں ہے مگر ایسا نہ کرنا چاہیے اور اگر کر لیا تو کچھ حرج نہیں یہ خلاصہ

میں ہر سوال زمین منصوب پر نماز ادا کرنا کیا حکم رکھتا ہے جواب مکروہ ہو لیکن پڑھ لینے کے بعد نماز مہر سے
 ساقط ہو جائے گی کذا فی شرح المسلم لمولانا نظام الدین سوال جبری نماز میں امام یا منفرد کو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ
 کے پہلے بسم اسبج کرنا کیسا ہے جواب امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے اور خفیہ کے نزدیک خلاف سنت
 اور مکروہ ہے آہستہ کہنا چاہیے شرح منیر میں ہو دیکھو المصلیٰ ان یصلح بالسمیۃ والنامین وکذا بالتناء والتعوذ
 لمخافة المسنة مصلی کے لیے بسم اسد اور آمین اولیٰ ہی اعوذ بامس کہنا زور سے مکروہ ہے کیونکہ خلاف سنت ہے سوال
 مصلیٰ کو نماز میں نکلے یا استین سے ہو الینا جائز ہے یا نہیں جواب جب تک عمل کثیر نہ ہو مکروہ ہے اور جب عمل
 کثیر ہو جائز تو نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ عالمگیری میں ہے سوال اگر امام بگڑی یا مذھے ہوا اور مقتدی فقط ٹوپی
 دیے ہوں تو نماز مکروہ ہے یا نہیں جواب مکروہ نہیں ہے کیونکہ عمامہ سے نماز پڑھنا مستحب ہے تا مار خانہ میں
 ہو والمستحب للمرجل ان یصل فی ثلثتا ثواب قیص واذار وعمامة آدمی کو قیص اذار عمامہ میں نماز پڑھنا مستحب
 ہے پس امام نے مستحب کو ترک نہیں کیا اور مقتدیوں نے مستحب کو ترک کیا اور عمامہ میں امام اور مقتدی کا
 تخالف موجب کراہت نہیں ہے سوال شرک وبت پرستی کے مقام میں جہان بت اور تصویر میں ہوں
 نماز درست ہے یا نہیں جواب تمام روئے زمین پر جو طائر ہو نماز جائز ہے اور جاندار کی تصویر اگر مصلیٰ کے
 سامنے یا داپنے بائیں ہو تو نماز مکروہ ہے جیسا کہ در مختار میں ہے اور آگ اگر مصلیٰ کے سامنے روشن ہو تو مشابہت
 آتش پرستان کی وجہ سے نماز مکروہ ہے جیسا کہ سراج منیر میں ہے اور محض اس مقام کا مقام شرک ہونا مانع
 نماز نہیں ہے سوال اگر مصلیٰ کے سر پر یا اسکے پیچھے تصویر ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں جواب ہوتی
 ہے رسائل الارکان میں ہے قال فی الهدایۃ اشدھا کواۃ ان یکون امام المصلیٰ ثم من فوق سرا سہم
 یمینہ ثم شمالہ ثم خلفہ سب سے زائد مکروہ ہے ہو کہ تصویر مصلیٰ کے سامنے ہو پھر اسکے سر پر پھر اسکے دائیں طرف
 پھر اسکے بائیں طرف پھر اسکے پیچھے سوال اگر مصلیٰ کے سامنے سر پر یہ یا اتنی چھوٹی تصویر ہو کہ کھڑی ہوئے زمین
 دکھائی نہ دیتی ہو تو نماز مکروہ ہے یا نہیں جواب نہیں رسائل الارکان میں ہے وان کانت الصورۃ
 صغیرۃ بحيث لا تبداد ومحوة المراس او علی وسادة او بساطه فمرفوش لا یکوہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ
 ظاہر نہ ہو یا اسکا سر مٹا ہوا ہو یا تکلیے یا بچے ہوئے بچھونے پر ہو تو مکروہ نہیں ہے سوال قبلہ کی طرف پاؤں
 پھیلانا کیسا ہے جواب مکروہ ہے سراجیہ میں ہے لیکرہ مد الرجل الی القبلة فی حالة النعم وغیرہ کذا لا اساءۃ
 فی الادب سوتے یا جائگے میں قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا بہترین کی وجہ سے مکروہ ہے سوال والضحیٰ سے

ختم قرآن تک ہر سورت کے ختم کے بعد تکبیر کہنا یا ذکر حضرت کی آیت پر حضرت چلنا یا ذکر دو نوح کی آیت پر دو نوح سونا یا ذکر ایسا سب
 ربک الاعلیٰ پڑھتے وقت سحان ربی الاعلیٰ کہنا فرض یا افضل نماز میں یا خارج نماز میں تلاوت کے وقت موافق ہو کر
 خفیہ و شافعیہ کیا حکم رکھتا ہو جو اب احمد و ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب حضور
 سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب اسم ربک الاعلیٰ کی تلاوت کرتے تو سبحان ربی الاعلیٰ فرماتے اور علامہ جلال الدین
 محلی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب والضحیٰ نازل ہوئی تو آپ نے تکبیر کہے اور اس سورت اور اس کے بعد والی سب
 سورتوں کے آخر میں تکبیر کہنے کا حکم دیا اور علامہ سیوطی نے اتقان میں اسکی حدیثیں لکھی ہیں اور سلم نے اپنی صحیح میں
 حدیث سے نقل کیا ہے کہ ایک سدرات کو میں نے حضور سرور انبیاء علیہ التبیۃ والثناء کے ساتھ ایک نماز پڑھی تو اپنے پہلے
 رکعت میں سورۃ بقرہ اور دوسرے میں سورۃ آل عمران اور سورۃ نساء پڑھا اور جب ایسی آیت پر پہنچا جس میں
 تسبیح ہوتی تو تسبیح کرتا اور جب ایسی آیت پر پہنچتا جس میں سوال ہوتا تو سوال کرتے اور جب ایسی آیت پر پہنچتا
 جس میں پناہ مانگنے کا ذکر ہوتا تو پناہ مانگتے اور ایسے امور تفاسیر اور کتب حادیث میں بہت ہیں اب انکا حال سننا
 چاہیے کہ بعض شافعیہ نے انکو مستحب اور بعض نے مسنون لکھا ہے اور ان کے نزدیک نماز اور خارج نماز میں
 مساوی ہو علامہ سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں تسبیح التکبیر من النفع الی اخر القرآن وہی قراءۃ المکیب سوا
 فی التکبیر الصلوٰۃ و خارجہا صرح بہ النخاوی و ابو شامہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک تکبیر مستحب ہے اور یہ مکین کی
 قراوت ہے برابر ہے کہ تکبیر نماز میں ہو یا خارج نماز میں اسکی تصریح سخاوی اور ابوشامہ نے کی ہے اور علامہ سلیمان جلی
 حاشیہ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں فال تکبیر پس بعد ہذا السورہ سوا قرأ القاری فی الصلوٰۃ او فی خارجہا
 پس تکبیر ان سورتوں کے بعد سنت ہے برابر ہے کہ قاری نماز میں پڑھے یا خارج نماز میں اور امام نووی شرح صحیح مسلم
 میں لکھتے ہیں ومنہا ہذا استحب ہذا الامور کل قاری فی الصلوٰۃ وغیرہا لا امام والمأموم والمنفرد اور
 ہمارا مذہب ان سب امور کا استحباب ہے ہر قاری کے لیے خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز میں امام و مقتدی
 اور منفرد سب کے لیے یہی حکم ہے مگر خفیہ کے نزدیک فرائض اور واجبات اور تراویح میں بھی امام اور
 مقتدیوں کو ان کلمات کا کہنا مکروہ اور خلاف سنت ہے نہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ
 رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لیکن دوسرے نوافل میں تراویح کے سوا جیسے رات کے وہ نوافل جس میں ایک
 یا دو مقتدی ہوں اگر یہ کلمے مقتدی پر گراں ہوں تو امام کو نہ کہنا چاہیے اور اگر مقتدی پر گراں نہ ہوں تو نہ کہنا
 کہنے سوا ولی نہیں ہے تو جماعت کا حال ہے لیکن منفرد فرض میں نہ کہے اور تراویح اسی کے حکم میں ہے کیونکہ ان

دونوں میں ثابت نہیں ہو اور دوسرے نوافل میں اختیار ہو درختار میں ہو وکذا الامام لا يشغل بغير القرآن وما
 ورجل على النقل منفردا اور ایسا ہی امام غیر قرآن میں مشغول نہوا ورجل واحد ہو وہ صرف نفل منفرد پر محمول ہو
 اور درختار میں محل علی نفل منفرد کے تحت میں لکھا ہوا فان كان الامام والمقتدى في الفرض او النقل سواء
 قال في الحلية اما الامام في الفرائض فلما ذكرنا من انه صلى الله عليه وسلم لم يفعل فيها وكذا لا يجتمع بعده الى
 يومنا هذا اتقان من المحدثات ولا تشييل على القوم فيكونه واما في التطوع فان كان في التراوية فذلك وان
 من في غيرهما من نوافل الدليل اني اقتدى به في واحد او اثنان فلا يتم ترجع الترك على الفعل لما عن حذيفة
 رضي الله عنه انه قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة الى ان قال وماء بآية رحمة الا وقت
 عند حافسأل لا بآية عند اب الا وقت عندها وتعود اللهم الا اذا كان في ذلك تشييل على المقتدى واما ما هم
 فلان وظيفته الاستماع والانصات فلا يشغل بما يغله لكن قد يقال انما يتم ذلك في المقتدى في الفرائض التراوية
 ما المقتدى في النافلة المذكورة اذا كان امامه يفعل فلا عدم الاخلال باذ كوفيل على ما عدا هذا الحالة
 اس سے معلوم ہوا کہ امام مقتدی کا حکم فرض اور نفل میں ایک ہی ہو لیکن امام فرائض میں پس اسوجہ کہ نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرائض میں نہیں کیا اور آپ کے بعد اس نے بھی بہت جگہ نہیں کیا تو یہی باتوں میں سے ہے
 اور اس واسطے کہ یہ قوم پر بار بڑھانا ہو پس کر وہ ہو لیکن نفل پس اگر تراویح میں ہو تو اسکا حکم ہی ہو اور اگر اسکے
 علاوہ کسی اور نفل میں ہو اور دواتین مقتدی ہوں تو ترک کو فعل پر کیونکر ترجیح دیا جاسکتی ہو کیونکہ حذیفہؓ نے کہا کہ
 اگر میں نے ایک سات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ کسی آیت رحمت پر پہنچتے تو تھوڑی
 دیر توقف فرماتے اور رحمت طلب کرتے اور جب کسی عذاب کی آیت پر پہنچتے تو تھوڑی دیر توقف فرماتے اور
 پناہ مانگتے البتہ یہ کہا جاسکتا ہو کہ جب مقتدی پر بار ہو تو ترک فعل پر مقدم ہو لیکن مقتدی پس اس لیے
 کہ اسکا منصب سننا اور خاموش رہنا ہی تو اسے ان باتوں میں مشغول نہ ہونا چاہیے جو سننے میں خلل انداز
 ہوں مگر یہ صرف مقتدی فرض و تراویح کے لیے صحیح ہو اور مقتدی نوافل کی حالت اگر اسکا امام ایسا کرے تو یہ
 نہیں ہو کیونکہ اس میں خلل واقع نہیں ہوتا پس اس کا محل اس کے علاوہ دوسری صورتوں پر کرنا چاہیے اور طحاوی
 حاشیہ درختار میں تحت قول وکذا الامام کے لکھتے ہیں اما المنفرد في الفرض كذلك وفي النقل يستألف الجدة ويتعوض
 من النادر عند ذكرها مگر منفرد پس فرض میں اسکی بھی یہی حالت ہو اور نفل میں اسے طالب جنت ہونا اور دروغ
 سے پناہ مانگنا چاہیو۔ اور فتح القدیر میں علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں وکذا الامام لا يشغل بغير القراءة سواء ام

فی الفرض والنفل اما المنفرد ففي الفرض كذا وكذا وفي النفل يسأل الجنة ويتعوذ من النار عند ذكورها ويتفك في آخر
المش وقد ذكرنا فيه حديثاً هذا يفهم من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوا الليل فامس آية فيها ذكر الجنة
الا وقف وسأل الله تعالى الجنة وما مر بآية فيها ذكر النار الا وقف وتعوذ من النار وهذا يقتضيه ان الامام يعفيل
في التاقله وهم صرحوا بالفتح الا انهم عللوا بالتأويل على ملأ من قولي هذا الوامر من يعلم منه طلب ذلك فيقله
اورايسه ہی امام قرأت کے سوا دوسرے کام میں مشغول ہو جائے امام فرض کا ہو یا نفل کا اور منفرد کی بھی فرض
میں ہی حالت ہو اور نفل میں اسوجبت طلب کرنا چاہیے اور اگر کسی پناہ مانگا چاہیے جب جنت اور دوزخ کا تذکرہ
آئے اور اس بارہ میں حضرت خلیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی جاتی ہو کہ میں نے رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ
و سلم کے ساتھ ایک نماز پڑھی پس جب کوئی ایسی آیت آتی جس میں جنت کا ذکر ہوتا تو آپ کچھ دیر توقف فرماتے پھر
خدا سے جنت طلب کرتے اور جب کوئی ایسی آیت آتی جس میں دوزخ کا ذکر ہوتا تو آپ کچھ دیر توقف فرماتے
پھر اس سے پناہ مانگتے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام اسے نفل میں کرے اور علمائے اس سے رد کا ہے اور علت تقدی
پر گران گذرنے کو قرار دیا ہو اب اس صورت میں اگر کوئی شخص ایسے کی امامت کرے جس کے متعلق اسو علم ہے
کہ وہ اسکا خواہشمند ہو تو اسے یہ کرنا چاہیے۔ اور جو محدث دہلوی ثابت من السہین تحریر فرماتے ہیں۔

والمسنون الموعول علیہ فی الحرمین وسائر دیار العرب التکبیر عند الغم من والضحی الی آخر القرآن والختار فیہ
لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولو اکتفی باللہ اکبر صحیح اور سنون طریقہ حبیب عرب کے تمام شہروں میں عمل درآمد ہے
یہ ہے کہ ختم قرآن کے وقت والضحی سے آخر تک تکبیر کہی جائے اور تکبیر مختار لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہو اور اگر
اللہ اکبر کہا تو بھی صحیح ہے ختم خارج صلوٰۃ پر معمول ہے تصریحات فقہائے حنفیہ کے قرینہ سے جنگا اور پڑ ذکر ہوا اور
میں رمضان شہر ہجری میں مکہ معظمہ (النداسکی بزرگی کو زیادہ کرے اور خادم مرین شریفین سلطان محمد حاس
خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کو تمام مخالفین اسلام پر فتح عطا کرے آمین) میں تھا اور مصلائے حنفی کی رائج میں میں نے
اس طریقہ کو نہیں پایا یاں مجالس میلاد شریف میں کہ سورۃ والضحی سے آخر تک پڑھنے میں ہر سورۃ کے ختم کے
بعد تکبیر کہی جاتی ہو ان مجالس میں شریک ہو کر اسکو میں نے خود دیکھا ہو مکہ معظمہ میں اور مدینہ منورہ اور جدتین
بھی سوال مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنا کیسا ہو جواب شافعیہ کے نزدیک فرض ہو اور حنفیہ کہتے ہیں میں کان
لہ امام فقہاء الامام قراءۃ مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہو۔ اور اسی طرح قرأت سورہ بھی کیونکہ حدیث خلاصۃ
الاجتہاد الکتاب نماز میں ہو مگر سورۃ فاتحہ کو ساتھ معمول ہے بقراءۃ امام ہے اور آیت الاقوی القرآن فاستعملوا

وانصتوا جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو۔ منع قرارات مقتدی پر دلالت کرتی ہو صلوٰۃ جہر میں اور
 اسی طرح سرچہ میں بھی۔ سوال نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا واجب جواب شافعیہ فرضیت کو قائل
 ہیں کہ صلوٰۃ الا بفاختہ الکتاب کی وجہ سے اور خفیہ وجوب کے قائل ہیں اور حدیث مذکور میں صلوٰۃ کامل کی نفی
 کے جانب اشارہ ہے اور عموم آپ فاقرا واما یتسر من القرآن اس حدیث کے معارض ہے اور تعارض کے وقت اس
 حدیث کی دلالت ظنی ہوگی نہ کہ قطعی اور فرضیت بغیر دلالت قطعی کے ثابت نہیں ہوتی اسی لیے خفیہ وجوب کے
 قائل ہیں سوال گھر یا مسجد یا صحرایں امام احمد مقتدی کیسے سمجھیں کہ کتنا فاصلہ جائز ہے جواب اگر امام محراب
 میں اور مقتدی بھی قصائے مسجد میں ہوں تو نماز جائز ہو کیونکہ مسجد باوجود بتا بعد اطراف کے بقعہ واحد کا حکم رکھتی ہے اور
 گھر بھی مانند مسجد کے ہے اور صحرایں دو صفوں کا فاصلہ ہونا چاہیے سراج منیر میں ہے وقد رما ینفان یکون میں الامام
 والقوم فی الصحراء السبع فیہ الصفان وتلیہ لفتویٰ کما فی لغتہ والبیۃ والمسجد مع بتا بعد اطراف کی بقعہ
 واحدۃ فی حق الاقتصار وهو الاصح لما فی القنیۃ وفراۃ المفتیین صحرا میں امام اور مقتدی کے درمیان میں زائد
 سو نائد و صفوں کی گنجائش ہونا چاہیے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ غیاثیہ میں ہے اور گھر مسجد کے مثل ہے کہ اقتدا
 کے بارے میں ایک ہی قطعہ زمین کے حکم میں ہو گواہ کی اطراف ایک دوسرے سے بعید ہیں اور یہی صحیح ہے جیسا کہ
 قنیہ اور خزانۃ المفتیین میں ہے۔ اور قنیہ میں ہے قیل لمسافة التي تمنع الاقتدا فی الصحراء تمنع فی البیت والا صحیح
 انہ یجوز فی البیت والمسجد بعضون کے نزدیک جو مسافت جنگل میں مانع اقتدا ہو وہی گھر میں بھی مانع اقتدا
 ہے اور صحیح یہ ہے کہ گھر میں مسجد کی طرح اقتدا جائز ہے۔ اور سراجیہ میں ہے لو اقتدی من اقصى المسجد بالامام وهو عند
 المحراب جاز اگر امام محراب میں ہو اور مقتدی نے مسجد کے کنارے کھڑے ہو کر اسکی اقتدا کی تو ہے جائز ہے سوال
 صفوں کیسے سمجھیں کہ کتنا فاصلہ ہونا چاہیے جواب احادیث میں اتصال صفوف اور باہم قرب کی بھی تاکید آئی
 ہے انھیں میں سے وہ حدیث ہے جسے حضرت انس نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر
 صفوں کے لیے پیوستہ اور استوار رکھو اپنی صفوں کو وقار بواہینہا اور نزدیک کرو ان میں اور شراح نے اسکی تشریح
 یہ کی ہے کہ دو صفوں کے درمیان ایک صف قائم ہونے کی جگہ نہ ہو سب نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے وقاربوا بین الصفون
 بحیث لا یصلح بینہما صف آخر حتی لا یقدرا للشیطان ان یمس بین ید ید صفون کو باہم مس قدر قریب رکھو کہ ان کو نہ
 میں دوسری صف کی جگہ نہ ہے تاکہ شیطان سامنے سے گزرتے ہوئے سوال مزدوج اگر زوج کی اقتدا کرے تو جائز ہے
 یا نہیں جواب اگر برابر کھڑی ہو کر زوجہ نماز پڑھے گی تو دونوں کی نماز فاسد ہوگی اور اگر زوجہ اپنے پاؤں

زوج سے کچھ پیچھے رکھے گی تو جائز ہوگی۔ بحر الرائق میں ہے والمرأة اذا صلت مع زوجها في البيت ان كان قد مہاجذ او قدم الزوج لاجوز صلواتہما اگر زوج اپنی زوجہ کے ساتھ گھر میں نماز پڑھو اور اس کی پادشہ کی مقابل ہوں تو دونوں کی نماز فاسد ہوگی۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے وفي الخائنة والظہیرية المرأة اذا صلت في بيتها مع زوجها ان كانت قد ماہا خلف قدم الزوج الا انھا طویلة یقع راسہا فی السجود قبل راس الامام جائز صلواتہما لان العبرة للقدم الخائنة والظہیرية میں ہے جب عورت اپنے گھر میں شوہر کے ساتھ نماز پڑھے تو اگر اس کے پاؤں شوہر کے پاؤں کے پیچھے ہوں لیکن درازی قد کے وجہ سے اس کا سر سجدے میں شوہر کے سر سے آگے نکلتا ہے تو دونوں کی نماز جائز ہوگی نہ اعتبار پاؤں کا ہے سوال ایک شخص قل ہوا سند کو کل ہوا سند پڑھتا ہے اور کہتا ہے جسو اہل منہ قاف پڑھتے ہیں وہ ترکی حرف ہو عربی نہیں ہے اور عربی میں یہ گان کی شکل ہے اور تمام عرب گان پڑھتے ہیں پس اس کا کتنا صحیح ہو یا نہیں اور نماز اس کے پیچھے جائز ہو یا نہیں جواب اس کا قول صحیح نہیں ہے اور نماز اس کے پیچھے جائز نہیں ہے کیونکہ قراء و رخاۃ اور اہل ادب کے نزدیک قاف عربی حرف ہے ابو محمد کی فقہی مقرر کتاب لربما لتجويد القراءة بین کھتے ہیں القاف تخرج من المخرج الاول من مخارج الفم ما یلی الخلق من اقصى اللسان و من فوقہ من الخنک والقاف حرف متمکن قوی لا ند من الحروف المجرورة الشديدة المستعيلة ومن حروف القلقلة قریبة من مخرج الکاف فیجب علی القاری ان یفهم القاف تخفیفاً بالغا اذا اتت بعدھا الف لکما یفعل بها اذا حکاھا فی الحروف فقال قاف وذلک نحو قوله تعالى وقاموا کذلک یسبھا یا یا خالصا وفجرھا اذا انفردت مفتوحة او مضمومة فتخو قلیلا وقد منا وقد وردت و او شبهہ فاذا وقعت الکاف بعدھا او قبلھا وجب بانھا لا یلا شمر بها شیء من لفظ الکاف لقر بها منها او يشوب الکاف شیء من لفظ القاف نحو خالق کل شیء وخلقکم ودرزکم قاف مخارج فم میں مخرج اول سے نکلتا ہے یعنی خلق کے اُس حصہ سے جو پنج زبان اور اوپر والو سے متصل ہے اور قاف حروف متمکن ہے قوی ہے کیونکہ حروف مجرورہ شدیدہ مستعیلہ اور حروف قلقلة میں سے ہے اور اس کا مخرج کاف کے مخرج کو قریب ہے پس قاری کو چاہیے کہ قاف کو زور سے پڑھے جب اس کو بعد الف واقع ہو جیسا کہ جب اسے حروف میں لگتا ہے پڑھتا ہے پس کہتا ہے قاف الخ جیسے خدا کا کلام قامو اور ایسے ہی اُسے وضاحت سے اور زور سے پڑھے جب وہ ہلا الف کے ہو اور جب مفتوح یا مضموم ہو جیسے قلیلا۔ قد منا پس جب قاف کاف کے قبل یا بعد واقع ہو تو اسکی وضاحت ضروری ہے تاکہ کہیں وہ کاف سے بوجہ قرب مخرج کے بدل جائے یا کاف اُس سے مل جائے جیسے خالق کل شیء خلقکم ودرزکم اور ظاہر ہے کہ صفات مذکورہ کاف

فارسی میں پائے نہیں جاتے لیکن آجکل جو عرب کے بلاد مشہورہ میں قاف کے جگہ گاف مستعمل ہوا اسکی وجہ مجسین کا اختلاط ہوا اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے قرآن میں بدل دینا کہ معنی میں تغیر ہو جائے جن میں بدون مشقت امتیاز ممکن ہو مفسد نماز ہو عالمگیری میں ہوا غیر المفعی فان امكن الفصل بین المرفین من غیر مشقتہ کا لصاد مع الطاء فقراء الصالحات مکان الطالحات تفسد صلوٰۃ عند الكل اگر معنی بدل جاتے ہوں اور بلا مشقت دونوں حرفوں میں امتیاز ممکن ہو جیسے صاد اور طاد پس طاحات کی جگہ صالحات پڑھ دیا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائیگی **سوال** اگر اقتدا کسی وجہ سے صحیح نہ ہوئی اور مقتدی نے اُسی نیت سے نماز تمام کی تو ادا ہوگی یا نہیں **جواب** امام محمد کے نزدیک ادا نہ ہوگی اور شیخین کے نزدیک ادا ہوگی برجہ دی شرح نقایہ میں لکھتے | علمہ ان فی کل موضع لا یصح الاقتدا ولا یصیر المقتدی شارعا فی صلوٰۃ نفسه فی روایۃ باب الحدیث فی لو قہقہ لا ینتقض طہارتہ فی روایات باب الاذان یصیر شارعا قبل ما ذکر فی الحدیث قول محمد وہاذا ذکر فی باب الاذان قولہما کذا فی الظہیریۃ جانا جائیے کہ جہاں کہیں اقتدا صحیح نہیں ہے وہاں اُسی نیت سے علمہ اپنی نماز پڑھتے رہنا بھی نادرست ہو روایت باب حدیث میں جو حتی کہ اگر قہقہ مارا اسکی طہارت نہ نازل ہوگی روایت باب الاذان میں ہوا ایسی صورت میں اسکی مستقل نماز شروع ہو جائے گی کما لکھا ہو کہ باب الحدیث میں جو مذکور ہو وہ امام محمد کا قول ہو اور جو باب الاذان میں مذکور ہے وہ صاحبین کا قول ہو ایسا طریقہ میں ہو **سوال** اگر مسبق قعدہ اخیرہ میں امام سے پہلے التحیات پڑھ چکے تو کیا کریں **جواب** اولیٰ یہ ہو کہ ٹھہر کر پڑھیں پڑھتے تاکہ امام کے سلام کے قریب ختم ہو ادا کر کے قبل سلام پڑھ چکے تو بعض کے نزدیک چپ رہے اور بعض کے نزدیک دوبارہ پڑھے اور بعض کے نزدیک درود اور دعا پڑھے علیٰ شرح فیہ میں ہے اذا فرغ المسبق من الشہادۃ قبل السلام الا امام یکررہ من اولہ وقیل یکرر کلمۃ الشہادۃ وقیل یسکت وقیل یاتی بالصلوٰۃ والدعاء والصیغۃ الترتیبیۃ لفرغ عند سلام الامام اور جب مسبق امام کے سلام پھیرنے کے پہلے التحیات ختم کر چکے تو اُسے مکرر پڑھے اور بعض کے نزدیک صرف کلمۃ شہادت کو مکرر پڑھے اور بعض کے نزدیک چپ رہے اور بعض کے نزدیک درود اور دعا پڑھے اور صحیح یہ ہو کہ ٹھہر کر پڑھے تاکہ امام کے سلام کے ساتھ فاع ہو **سوال** اگر مسبق نے غلطی سے امام کے ساتھ سلام پھیرا اور تھوڑی دیر کے بعد کسی نے اُس سے کہا کہ اپنی باقی رکعت ادا کرے اور اُس نے ادا کی تو نماز ہوئی یا نہیں **جواب** اسکی نماز فاسد ہوئی کیونکہ دوسرے نے اُس کو تعلیم کی ایسا ہی درختار میں ہے **سوال** اگر مسبق نے سہوا یا عمدہ امام کے ساتھ سلام پھیرا تو اسکی نماز فاسد ہوگی یا نہیں **جواب** سو کی حالت میں نماز فاسد ہوگی

اور عمد کی حالت میں فاسد ہوگی مجمع البرکات میں ہے ولو سلم المسبوق لا تقصد صلوٰۃ کا نہ سلام الساهی فلا یجزیہ عن حرمة الصلوٰۃ کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ ناقلاً عن شروح الطحاوی وان سلم مع الامام علی ظن ان علیہ السلام مع الامام فهو سلام عمد اتقصد کذا فی الظہیریۃ اگر مسبوق نے سلام پھیر دیا تو اسکی نماز فاسد نہوگی کیونکہ یہ سلام سہوا ہو پس وہ حرمت صلوٰۃ سے خارج نہ کرے گا البتہ فتاویٰ عالمگیری میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے اور اگر امام کے ساتھ یہ خیال کر کے سلام پھیر دیا کہ اسے سلام پھیرنا چاہیے تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ سلام عمد ہے ایسا ہی ظہیریہ میں ہے **سوال** زید قعدہ اخیرہ کو تشہد بعد سہوا کھڑا ہو گیا اور تکمیل رکعت کے پہلے اُسے یاد آیا تو استادہ سلام پھیرا اسکی نماز کا کیا حکم ہے جواب کھڑے ہو کر سلام نہ پھیرنا چاہیے کیونکہ شرعاً کھڑے ہو کر سلام پھیرنا بدعت ہے بلکہ بیٹھے اور سلام پھیرے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے اور اگر کھڑے ہو کر سلام پھیر لیا تو نماز صحیح ہو جائیگی دہرانے کی ضرورت نہیں ہے درمختار میں ہے ان تعد فی الاربعة مثلاً قد لا تشہد ثم قام عاد و سلم و لو سلم قائماً صحیح اگرچہ تہ کی رکعت میں بقدر تشہد مثلاً بیٹھا پھر کھڑا ہو گیا تو پھر بیٹھے اور سلام پھیرے اور کھڑے ہی ہونے کی حالت میں سلام پھیر دیا تو بھی نماز صحیح ہوگی اور برجنہی شارح مختصر لکھتے ہیں و لو سلم قائماً کما ہو جاز لکن لا ینفغان فیسلہ قائماً اگر کھڑے ہو کر سلام پھیر دیا تو نماز جائز ہو لیکن کھڑے ہو کر سلام نہ پھیرنا چاہیے **سوال** قعدہ اولیٰ میں اگر تشہد کے بعد درود پڑھا تو سجدہ سہو لازم آئے گا یا نہیں جواب لازم آئیگا حاشیہ طحاوی میں ہے و کونی البدائع انہ یجب علیہ السہو عندہ وعندہا لا یجب لاند لو وجب لوجب بحجہ النقضان ولا یعقل نقصان فی الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وجہ قول الامام انہ لا یجب السہو بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل بتأخیر الفرض وهو القيام الا ان التأخیر حصل بالصلوٰۃ وفي القہستانی علی اللوۃ و بقول المصاحیین اقی اهل زماننا فی المحیط استبحر علی السہو لاجل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونعم ما قالہما و احدہما سہو و لکن فی المفصلات ان الفتویٰ علی قول الامام بدائع میں ہے کہ اگر امام صاحب کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہو اور صاحبین کے نزدیک واجب نہیں ہو کہ نہ اگر سجدہ سہو واجب ہوتا تو نقصان کے پورا کرنے کے لیے واجب ہوتا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پھینچنے سے نماز میں کوئی نقصان متصور نہیں ہے اور امام صاحب کے قول کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ سہو درود پھینچنے کی وجہ لازم نہیں آتا بلکہ تاخیر کی بدولت لازم آتا ہے یہ فرد پر جو کہ تاخیر درود کی وجہ سے ہوئی اورستانی میں روضہ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانے کے لوگوں نے صاحبین کے قول پر فتوے دیا ہے اور محیط میں ہے

اللہ مجھ سے درود کی وجہ سے سجدہ سہو کے وجوب کو ہٹا جانا ہو خدا کی روح کو خوش رکھے اُنھوں نے کیا ہی عمدہ بات
 کہی ہو لیکن مضمرات میں یہ ہو کہ فتوے امام صاحب کے قول پر یہ سوال عیدین کی نماز میں سہو تکبیرات
 عیدین کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہیں جواب لازم آتا ہے مختصر القدری میں ہے
 وسجود السہو تلزم اذا زاد فی صلوة فاعلان جنسہا لیس منہا او ترک قراءة فاتحة الکتاب والھتوت
 او التشھد او تکبیرات العیدین اور سجدہ سہو اس وقت لازم آتا ہے جب نماز میں کوئی چیز جنس نماز سے زائد کی جا
 جو وہاں پر نہیں ہو یا قرأت فاتحہ یا قنوت یا تشہد یا تکبیرات عیدین چھوٹ جائیں اور عالمگیری میں ہے وہاں
 تکبیرات العیدین قال فی البدائع اذا ترکھا او نقص منہا او زاد علیہا او اتی بها فی غیر موضعہا فانہ یجب علیہ
 سجود السہو کذا فی البحر الرائق ویستوی فی الزیادة والنقصان القلیل والکثیر فقد روی عن الحسن عن ابی
 حنیفۃ اذا سہی الامام عن تکبیرۃ واحدة فی صلوة العید یسجد للسہو کذا فی الذخیرۃ اور ان میں سے
 تکبیرات عیدین ہرین بدائع میں ہے جب کوئی تکبیرات عیدین کو ترک کر دے یا کچھ کم تکبیرین کے یا زیادہ کرے یا غیر
 محل میں تکبیرین کے تو سجدہ سہو واجب ہو جیسا کہ بحر الرائق میں ہے اور زیادتی و کمی میں تھوڑا اور بہت مساوی ہے
 حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ جب امام عید کی نماز میں ایک تکبیر بھول جائے تو سجدہ سہو کرے
 جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے ولو سہی عن تکبیرات العید یلزمہ السہو اور جو عید کی تکبیرین
 بھول جائے اس پر سجدہ سہو لازم ہے اور تنویر الابصار میں ہے والسہو فی صلوة العید والجمعة والموکوبۃ والطلوع
 سواء سہو عید اور جمعة اور فرض اور نفل سب نمازوں میں مساوی حکم رکھتا ہے سوال سہو ایکبیر قنوت چھوٹ
 جانے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہیں جواب نہیں بحر الرائق میں ہے و ذکر فی الظہیریۃ انہ لو ترک تکبیرۃ
 القنوت فامد لا روائۃ لہذا او قیل یجب سجود السہو اعتبارا بتکبیرات العید وقیل لا تجب انتھ وینبغی ترجیح
 عدم الوجوب لانہ اصل ولا دلیل علیہ بخلاف تکبیرات العید فان دلیل الوجوب المواظبۃ مع قولہ لکما
 اذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات ظہیریہ میں ہے اگر قنوت کی تکبیر چھوٹ گئی تو اس کو متعلق کوئی روایت نہیں ہے بعضوں کو نزدیک سجدہ سہو
 واجب ہو جیسا کہ تکبیرات عید میں اور بعضوں کے نزدیک واجب نہیں ہے انتہی اور عدم وجوب کو ترجیح دینا چاہیے
 کیونکہ وجوب پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے برخلاف تکبیرات عید کے کہ وہاں دلیل وجوب مواظبت اور
 اذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات (مقررہ ایام میں خدا کا ذکر کرو) ہیں سوال سجدہ سہو سلام پھیرنے کے
 بعد ہوتا ہے یا سلام کی سجدہ سہو کے لیے ضرورت نہیں ہے جواب سجدہ سہو کے لیے پہلے سلام سنوں ہے

اور اگر بغیر پہلے سلام پھرے ہوئے بھی سجدہ سہو کر لیا تو جائز ہو مختصر القدر یعنی میں ہو سجدہ السہو مستثنیٰ فی
 سواۃ الحسن واجب عند غیرہ وهو یلزم فی الزیادۃ والنقصان بعد السلام عندنا ولو سجد قبل السلام
 یجوز عندنا ولا اعادۃ علیہ سجدہ سہو حسن کی روایت میں سنت ہے اور ان کے علاوہ دوسرے دن کو خیال
 میں واجب ہے اور وہ کمی یا زیادتی کی وجہ سے سلام کے بعد لازم آتا ہے اور اگر قبل سلام سجدہ
 کیا تو بھی جائز ہو سوال اگر مسافر نے عہد چار رکعتیں دو قہر دن ہو کر پڑھیں تو اسکی نماز کا کیا حکم ہے اور وہ
 گنہگار ہوگا یا نہیں جواب پہلی دو رکعتیں فرض ہو جائیں گی اور باقی دو نفل اور وہ گنہگار ہوگا شریعت نقایہ
 میں ہو لواء مسافر اربعاً وقعد القعدة الاولی قد رالتشہد تم فرضہ وهو الرکعتان اساء لثاخیر سلام
 قصد او ما زاد علی فرضہ نفل اگر مسافر نے چار دن رکعتیں پڑھیں اور قعدہ اولیٰ میں بقدر تشہد بیٹھا تو فرض
 یعنی دو رکعتیں صحیح ہیں اور وہ گنہگار ہوگا کیونکہ اُس نے قصد اسلام میں تاخیر کی اور باقی دو رکعتیں نفل ہیں
 سوال مسافر کا سفر کب تمام ہوتا ہو جواب جبکہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے اقامت کی نیت کرے
 و یا یہ میں ہو فلا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامۃ فی بلدۃ او قریۃ خمسۃ عشر یوماً اکثر مسافر سفر کے
 حکم میں رہے گا جب تک کہ کسی شہر یا قریہ میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی اقامت کی نیت نہ کرے سوال
 مسافر نے اگر کمین نیت اقامت کی پھر وہاں سے کوچ کیا تو کتنی مسافت سفر معتبر ہو جواب تین دن کی
 رسائل رکان میں ہو الحد الشرعی للسفر عندنا ثلثۃ ایام فاذا اراد ان یسیر من موضع اقامۃ الی موضع اخر
 بینہ و بین موضع الاقامۃ مسیرۃ ثلثۃ ایام یصدر مسافر اخصیہ کے نزدیک سفر کی شرعی حد تین دن ہیں
 توجب موضع اقامت سے دوسری جگہ جانے کا قصد کرے اور اُس جگہ اور موضع اقامت کے درمیان میں تین
 دن کی راہ ہو تو وہ مسافر ہو جائیگا سوال مسافر اگر مقیم کی قصد کرے تو چار رکعت کی نیت کرے یا دو رکعت
 کی جواب بہتر ہے کہ بے تعین رکعات کے محض فرض کی نیت کرے جیسا کہ برجندی میں ہو اور اگر نیت کرے
 تو دو رکعت کی نیت کرے جامع الرموز میں ہے لو اراد نیت العدول فی رکعتین اور اگر عدد رکعات کی نیت
 کرنا چاہے تو دو رکعت کی نیت کرے سوال مغرب اور وتر کے بعد جو نفلین پڑھی جاتی ہیں وہ بیٹھکے پڑھی
 جائیں یا کھڑے ہو کر جواب نفل نماز کا کھڑے ہو کر پڑھنا زاد ثواب رکھتا ہو اور بیٹھکے پڑھنا بھی بے کراہت
 جائز ہو اور وتر کے بعد والی دو رکعتیں بیٹھکے پڑھنا چاہیے سوال اگر ایک شخص نے ایک قرآن شریف تراویح
 میں ختم کیا تو باقی رمضان میں تراویح پڑھے یا نہیں جواب نفس تراویح کے سنت ہونے میں اختلاف ہے

بعض نفس تراویح کو سنت نہیں سمجھتے ہیں بلکہ بتبعیت ختم قرآن سنت جانتے ہیں اور بعض نفس تراویح کو الگ سنت کہتے ہیں اور قرأت یا ساعت قرآن کو الگ الگ سنت کہتے ہیں پس فرقہ اولیٰ کی رائے کے موافق ایک ختم قرآن کے بعد سنت تراویح باقی نہیں رہتی اور فرقہ ثانیہ کی رائے کے موافق ختم قرآن کے بعد ایک سنت ادا ہوئی اور تراویح کا آخر رمضان تک سنت ہونا باقی رہا عالمگیری وغیرہ نے فرقہ ثانیہ کی رائے کو صحیح لکھا ہے سوال تراویح میں ختم قرآن کو وقت تین باقل ہوا اور پڑھنا مستحسن ہو یا نہیں جواب مستحسن ہو شرح نہیں ہو قراۃ قل هو اللہ احد ثلاث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنہا بعض المشائخ وقال لفقیہ ابو اللیث ہذا شیئ مستحسن اہل القرآن وایمۃ الامصار فلا باس لان یكون الختم فی المكتوبۃ فلا ینیدہ علی موتہ قل ہوا بعد ختم قرآن کو وقت تین مرتبہ پڑھنی کو بعض مشائخ نے مستحسن نہیں سمجھا ہے اور فقیہ ابو اللیث فرمایا کہ اسو اہل قرآن وایمۃ الامصار نے مستحسن جانا ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں البتہ فرض نماز میں ایک مرتبہ سوزا نہ پڑھنا چاہیے اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے یکوۃ تکرار قراۃ السورۃ فی الفرض ولا یکوۃ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب النفل وسع کسی سورہ کو نماز فرض میں تکرار پڑھنا مکروہ ہو اور نفل میں تکرار سورہ مکروہ نہیں ہو کیونکہ باب نفل وسیع ہے سوال بسم اللہ جو سورہ نفل میں ہے جزو قرآن ہے اگر کسی حافظ نے اس کے سوا تراویح میں بسم اللہ نہ پڑھی تو ختم قرآن کامل ہوا یا نہیں جواب ختم قرآن کامل نہیں ہو کیونکہ بسم اللہ ایک آیت ہے جو ہر سورہ کے شروع میں جدا کرنے کے لیے لکھ رکھی گئی ہے پس ختم قرآن کے وقت تراویح میں ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہو اگر اسے ترک کیا تو ختم قرآن میں قصور ہو تو یہ تنویر المناہج زبان فارسی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ ایک آیت ہے جو فصل سورہ کے لیے لکھ رکھی گئی ہے چونکہ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور ایک آیت ہے پس ختم قرآن میں ایک بار بسم اللہ کننا ضروری ہے جس سورہ کے شروع میں چاہے کہے اور بسم اللہ ہر سورہ کا جزو نہیں ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ سوائے سورہ براءت کے ہر سورہ کے شروع کی ایک آیت ہے پس گویا قرآن میں بسم اللہ ایک سو تیرہ آیتیں ہیں اگر کسی ایک جگہ بسم اللہ نہ لکھی تو اس نے ختم قرآن کو ترک کیا سوال تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد جسے تردید کہتے ہیں کتنا آرام لینا چاہیے جواب ایک تردید کے بعد آرام لینا مستحب ہے اس میں چاہے تسبیح پڑھے یا قرآن یا درود یا نفل پڑھے چاہے چپ پیٹھا رہے اور کوئی خاص دعا منقول نہیں ہے شیخ محدث دہلوی ثابت من السنن تحریر فرماتے ہیں المستحب ان یجلس بین کل تردیدین مقدار تردید دکن اہل الخلفۃ والوتر وہو الحمد للہ سنن ابی حنیفہ وہو المروئی عن السلف واهل الحرمین وکانہ یجمعین علی ذلک اما اہل مکتبہ فافہم بطرفون

اسیوعا و اهل المدينة یصلون اربعا و کذا اهل کل بلد من بلاد المسلمین ثم هو الخیار ان شاء سجد و اهل
اوصل او قرأ القرآن او سکت ولو ترک الاستراحة بین کل تردیعتین فقیل لا باس به و قیل لا یجیب لانہ مخالف
اهل الحرمین الشریفین زادها الله شرفا و لو استکلم مقدارا ربع رکعات بقراءة تمتد لثمة دون قدر ما صل الترویجۃ
تکفی ان شاء الله تعالی و نزح من الله القبول مستحب یہو کہ ہر دو تردیجون کنج میں ایک تردیجہ کے بقدر
بیٹھے اور اسی طرح پانچویں تردیجہ اور تردیجہ میں بھی بیٹھے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے اور
ایسا ہی سلف اور اہل حرمین سے ثابت ہے سب کا اس پر اجماع ہے اہل مکہ اس میں سات بار طواف
کرتے ہیں اور اہل مدینہ چار رکعتیں پڑھتے ہیں اور ایسے ہی ہر شہر کے مسلمان پھر مصلی کو اختیار ہے چاہے
تسبیح اور تنبیل کو چاہے نماز یا قرآن پڑھے چاہے چپ رہے اور اگر استراحت کو ترک کیا تو بعضوں
کے نزدیک کچھ حرج نہیں ہے اور بعضوں کے نزدیک خلاف استحباب ہے کیونکہ اس میں
اہل حرمین کی مخالفت ہے اور اگر بقدر چار رکعتوں کے بقراءت مقدر نہ بقدر قرأت تراویح استراحت
کی نوکافی ہو انشاء اللہ تعالیٰ اور ہم اللہ سے قبول کرنے کی امید رکھتے ہیں سوال خفیہ تراویح کی بیس کتبتیں تردیجہ
کے علاوہ پڑھتے ہیں اور حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ فہی اللہ عنہا سے مروی ہو مکان یزید فی
رمضان کافی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعة حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان او غیر رمضان میں کبھی
گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پس بیس رکعت کی کون سند ہو جواب حضرت صدیقہ فہی اللہ عنہا کی روایت
نماز تہجد پر محمول ہو کہ رمضان او غیر رمضان میں یکسان تھیں و غالباً گیارہ رکعتیں مع وتر ہیں اور اس محل
پر دلیل یہ ہو کہ اس حدیث کے راوی ابوسلمہ ہیں جو اس حدیث کے تتمہ میں کہتے ہیں قالت عائشہ فقلت یا رسول
اللہ تنام قبل ان توتر قال یا عائشہ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی کذا رواہ البخاری و مسلمہ حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے کو قبل آرام فرمائی ہیں آپ فرمایا اوی عائشہ میری
آنکھیں سوتی ہیں اور قلب نہیں سوتا اسکو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہو اور اس زمانے کے عرف میں تراویح
کو قیام رمضان کہتے تھے او صحاح ستہ میں بروایت صحیحہ مرفوعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تعین عدد قیام رمضان
کی تصریح نہیں ہو فقط اتنا ہی ہو قالت عائشہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان کلا یجتہد
فی غیرہ رواہ مسلمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تنہا
رحمت برداشت کرتے کہ کسی اور مہینہ میں نہیں برداشت کرتے تھے اسکو مسلم نے روایت کیا ہے لیکن مصنف

ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی میں بروایت ابن عباس وارد ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیٰ فی وضوء
 فی غیر جماعت بآخرین رکعتہ والوقوف و روی البیہقی فی سننہ باسناد صحیح عن المسائب بن یزید قال قالوا یقومون
 علی عبد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بآخرین رکعتہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ
 رمضان میں بلاجماعت ہیں رکعتیں پڑھتے اور وتر پڑھتے بیہقی نے سنن میں باسناد صحیح مسائب بن یزید سے
 نقل کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہیں رکعتیں پڑھا کرتے تھے سوال شراح حموی قول
 اشباہ ووقت الامام فی الفجر اور امام فجر میں قنوت پڑھتا تھا کے ذیل میں لکھتے ہیں اقول یشبہ ان یکون ذلك
 قبل الركوع فی الركعة الثانیة ویكبرین کتباہوں کہ یہ قنوت ثانیہ میں رکوع کو پہلے پڑھا جائے اور اس کو تکیہ کرتا چاہے پس قنوت
 یہ امر ہے کہ تکیہ پڑھنا اٹھانے کے بعد پڑھنا چاہیے یا پہلے پڑھنا چاہیے ہوے جو اب تکیہ قنوت میں رفع یدین کو فقہا سنت
 لکھتے ہیں تنویر الابصار میں ہے ولا یسن رفع یدین الا فی تکیوۃ افتتاح وقنوت وعبید رفع یدین صرف تکیہ
 افتتاح اور قنوت اور عید میں سنت ہے۔ مگر وقوع نازلہ کے وقت کہ بعض فقہانے قنوت پڑھنے کو فجر میں جائز رکھا
 ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس قنوت کے تکیہ کے وقت ہاتھ اٹھا تھا بلکہ اکثر حدیثوں سے
 اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کر کے تسبیح و تحمید کے بعد قنوت پڑھتے تھے اور تکیہ کا
 ذکر بھی نہیں آیا ہے بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان
 یدعی علی احد او یدعی علی احد قننت بعد الركوع فربما قال اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اللہم انجز
 الولید بن الولید حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو دعا یا بدعا دینا چاہتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے
 پس بسا اوقات جب سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہتے تو فرماتے اللہم انجز الولید بن الولید لے اللہ ولید بن
 ولید کو ثبات دے۔ اور ابو داؤد نے ابن عباس سے روایت کی ہے قال قننت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم شہرا متتابعاً فی الظہر والعصر والمغرب والعشاء وصلوۃ الصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فی الركعة
 الاخیرۃ یدعی علی اہل من نبی سلیم حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے ایک ماہ کامل نظر عصر مغرب عشاء فجر
 کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد بعض قبائل نبی سلیم کو بدعا دیتے ہوئے قنوت پڑھا سوال
 اگر کسی کو جتن ہو تو ناز ساقط ہو جائے گی یا نہیں جواب اگر جنون متدہی اور ایک شبانہ روز سے زائد رہتا
 ہے تو اس کے ذمے سے ناز ساقط ہو جائے گی سنن ابن ماجہ فی حدیث الاصل اذا فی الصلوٰۃ ان یدعی علی یوم ولیدتونی
 الصوم باستغراق الشہر و فی الزکوٰۃ باستغراق الحول ناز میں حدیث مذکور ہے کہ ایک دن اور رات سوزا لکھتے

اور روزہ میں یہ ہے کہ پورا مہینہ رہے اور زکوٰۃ میں پورا سال۔ سوال اگر کوئی شخص رکوع اور سجدہ پڑھتا ہو
اور کوئی چیز اٹھا کر اسکی پیشانی کے پاس بیٹھائیں اور وہ اسپر سجدہ کرے تو سجدہ ادا ہوگا یا نہیں جواب اگر اس
اپنے سر کو جنبش دی اور ادنیٰ جھکاؤ متحقق ہو گیا تو سجدہ ادا ہوگا ورنہ نہیں محمود بن الیاس نے شرح نقایہ میں
لکھا ہے ولا یرفع الید شیئاً للسجود علیہ فان فعل ذلک وهو یخفیض رأسه للركوع والسجود جاز بالایماء لا بوضع
الراس علی ذلک ایشیء ولا یخفیض رأسه لکن یوضع شیئاً علی جہتہ لیخرج أسفله جانب کوئی چیز سجدہ کرنے کو نہ اٹھائی
جائے اگر ایسا کیا گیا اور وہ اپنے سر کو رکوع و سجدہ کے لیے جھکا تا ہے تو جائز ہے یا یار کی وجہ سے نہ اس چیز پر سر رکھنے
کی وجہ سے اور اگر ایسا نہیں بلکہ وہ چیز اسکی پیشانی سے لگا دی جاتی ہے تو نہیں جائز ہے سوال اگر غدر کی وجہ
سے مقام سجدہ بہ تکیہ رکھے اسپر سجدہ کرے تو جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے نکایہ میں ہے ولو وضع یدین یدین
وساندا فالصق جہتہ علیہا ووجد ادنی الاغناء جاز ذلک من الایماء والا فلا اگر اس کے سامنے تکیہ رکھ دے گئے
اور اس نے اپنی پیشانی اُن سے ملا دی اور معمولی جھکاؤ پایا گیا تو جھکاؤ کی وجہ سے جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور
شرح نقایہ میں ہے فان كانت الوسادة موضوعة علی الارض وهو یسجد علیہا جاز اگر تکیہ زمین پر رکھا ہو اور وہ تکیہ
پر سجدہ کر رہا ہے تو جائز ہے سوال اگر کوئی شخص مر گیا اور اس پر نماز اور روزے میں تو انکا کفارہ کیا ہے جواب
ہر نماز کے عوض نصف صاع گھون دے اور فرض اور واجب اس میں یکسان ہیں اور ایک روزہ کا حکم ایک
نماز کا ہو پس اگر وصیت نے کفارہ ادا کرنے کی وصیت کی ہے تو ثلث مال سے ادا کرنا واجب ہے اور اگر وصیت
نہیں کی اور بعض ورثہ و تبرقا و احسانا کفارہ ادا کیا تو بھی جائز ہے حدادیہ میں ہے واذا مات وعليه صلوات
فائتة وادعی ینہ کفارۃ فصلوۃ یعطی بكل صلوة نصف صاع من بدلتو نصف صاع وادعی ینہ نصف صاع واما
یعطی من ثلث ماله اگر کوئی شخص مرا اور اس کے ذمہ نمازین تھیں اور اس نے کفارہ دینے کی وصیت کی تھی تو اسکی
طرف سے ہر نماز کے عوض میں نصف صاع گھون اور ہر وتر کے عوض میں نصف صاع گھون اور ہر روزہ
کے عوض میں نصف صاع گھون دیے جائیں گے لیکن ثلث مال سے۔ اور قنایہ عالمگیری میں ہے وان
الیوص لو ذلثہ و تبرع بعض الورثہ ہو ذلک اور اگر اس نے وصیت نہیں کی اور بعض ورثہ نے کفارہ تبرعا
ادا کیا تو جائز ہے سوال کفارہ صوم و صلوة کو مسجد اور ہر طرح اور ہل وغیرہ کے بنانے میں کہ ان میں سے ایک
متصدق علیہ نہیں ہے صرف کرنا جائز ہے یا نہیں جواب ابوالکلام کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے
اور صاحب بران کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے

اور کفارات میں متصدق علیہ کی تملیک شرط ہو ابوالمکارم نے لکھا ہو اجازلہ اباحتہ فی الکفارات کلہا والمصابطہ ان
 علی ما ورد بلفظ الایماء والاذا شرط فیہ التملیک وما ورد بلفظ الاطعام یمتد بہ الا باحتہ وعند الشافعی یشترط
 التملیک فی الکل تمام کفارات میں صرف اباحت کافی ہو اور کلمہ قاعدہ یہ ہو کہ جہان کہیں ایثار اور ادا کا لفظ آیا ہو وہاں
 تملیک کافی ہو اور جہان اطعام کا لفظ آیا ہو وہاں اباحت شرط ہو اور شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تملیک سب میں شرط
 ہو اور صاحب برہان انما الصدقات کی شرح میں لکھتے ہیں انما لخص فیقتصر قصر جنس الصدقات علی الاثمان المعدودة
 واختصاصہا بایہم کا نہ قبل انکذا دعوا لافہم انما صرح کے لیے ہے اور اس کا مقتضی یہ ہو کہ جنس صدقات مختلف اقسام
 میں مختص ہوں اور وہ سب ان لوگوں کے ساتھ خاص ہوں گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ یہ سب قسمیں انھیں لوگوں کے
 لیے ہیں دوسروں کے لیے نہیں ہیں۔ اور تفسیر احمدی میں ہے ہذا الاية فی بیان
 مصارف الزکوۃ لان المراد من الصدقات المرفضة منها وهي الزکوۃ وقد جعلها الله تعالى فی الاية ثمانية
 مذکورة مع الترتیب وحصر فیما بکلمة انما یہ آیت مصارف زکوۃ کے بیان میں ہو کیونکہ صدقات سے مراد صدقات
 مفروضہ ہیں اور وہ زکوۃ ہو مصرفت اللہ تعالیٰ نے آیت میں اٹھ بتائے ہیں جو بالترتیب مذکور ہیں اور کلمہ انما
 حصر کو ظاہر کر رہا ہے۔ سوال ولایت اسلام نہو کی وجہ سے اس دبا میں جس عالم متوجع پر لوگ عتماد کریں وہ اقامت
 جمعہ اور خطبہ میں قاضی کا حکم رکھتا ہو یا نہیں جواب رکھتا ہو صاحب بحر الرائق نے خلاصہ سے نقل کیا ہو انی
 صرمات ولم یبلغ الخلیفۃ مروتی مضت بجمع فان صلح ہم خلیفۃ المیت او صاحب الشوط او القاضی باجزام
 وواجب مت العامة علی تقدیم رجل لم یام القاضی ولا خلیفۃ المیت لہم ولہم کی وجہ سے ولو لم یکن ثمنا فنی ولا خلیفۃ المیت
 فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جاز للصدوقہ اگر کسی شہر کا والی مر گیا اور خلیفہ کو اسکی موت کی خبر نہیں پہنچی یہاں تک
 کہ جمعہ آگیا تو اگر ان لوگوں کے ساتھ خلیفہ میت یا کو تو ال شہر یا قاضی نے مار پڑھی ہے تو درست ہو ورنہ اگر عوام
 نے مجمع ہو کر کسی شخص کو امام بنالیا اور قاضی اور خلیفہ میت میں سے کسی نے اسے حکم نہیں دیا تو نادر درست
 نہو کی اور جمعہ اور انہو کا اور اگر خلیفہ میت اور قاضی بھی نہو تو عوام جس شخص پر اتفاق کریں اس کے پیچھے مار پڑھیں
 ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگی۔ اور در مختار میں ہو ونصب العامة الخلیفۃ غیر معتبر علی وجود من ذکر او معہم
 فجو وصدوقہ عوام کا کسی کو خطیب بنالینا اگر نہ کریں میں سو کوئی موجود ہو تو غیر معتبر ہو ورنہ ضرورت کی وجہ سے
 جائز ہو اور عالمگیری میں ہے لو تعدد الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھلۃ لجمۃ جاز کذا فی التہذیب
 اگر امام سے اجازت لینا دشوار ہو اور لوگوں نے کسی شخص پر اتفاق کر لیا اور اس کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ لی تو جائز ہو

ایسا ہی تہذیب میں ہر سوال مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہو کہ جمعہ میں اسقاط فرض ظہر کی نماز جمعہ کی وجہ سے نہایت کر
ورنہ فرض نماز ادا نہ ہوگی یہ درست ہو یا نہیں جواب کتب معتبرہ کے خلاف ہے صاحب درختار نے صحت جمعہ
کے لیے سات اور وجوہ کے لیے نو شرطیں لکھی ہیں۔ اور نہایت اسقاط ظہر کا تذکرہ نہیں کیا ہو اور نہ متون میں اس
شرط کا پتہ ہو سوال جمعہ ایک شہر میں کئی جگہ جائز ہو یا نہیں جواب امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ سے
اس میں مختلف روایتیں منقول ہیں (۱) ایک یہی جگہ درست ہو شہر میں نے شرح نقایہ میں لکھا ہے عن ابی حنیفہ
لا یجوز فی اکثر من موضع واحد لان الجمعۃ من اعلام الدین لا یجوز تقلیل جامعہا و فی جوارہا
فی مکانین تقلیلہا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جمعہ ایک جگہ سے زائد ناجائز ہے کیونکہ یہ
اعلام دین میں سے ہے اس لیے اس میں تقلیل جماعت ناجائز ہے اور اگر دو جگہ جائز کر دیا گیا تو ظاہر
ہے کہ تقلیل جماعت لازم آتی ہے (۲) دو جگہ بھی جائز ہے شہر میں نے شرح نقایہ میں لکھا ہے عن ابی حنیفہ
وصاحبہ یجوز فی موضعین لا یشترک امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ دو جگہوں میں جائز ہے اس سے
راہ میں نہیں (۳) دو جگہ درست ہو بشرطیکہ اس شہر میں کوئی نہر فاصل ہو عن ابی یوسف انہ یجوز فی موضعین
اذا کان المصر کبیرا و حال بین الخطبتین نہر کبیرا امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جمعہ دو جگہ جائز ہو اگر
شہر بڑا ہو یا بیچ میں نہر ہو جیسے نہر بغداد (۴) تین جگہوں تک درست ہو اور یہ امام محمد رحمہ اللہ کی روایت
ہو جسکو شارح نقایہ نے نقل کیا ہو (۵) مواضع کثیرہ میں درست ہو اسکو امام بخاری اور دوسرے مامون فی امام
ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہم اللہ سے نقل کیا ہو اسی پر فتویٰ ہوا اور فقہانے اسکو اصح اور صحیح لکھا ہو درر الحکام شرح
غرر الاحکام میں ہے جازت الجمعۃ فی مواضع من المصر وهو قول ابی حنیفہ و محمد و هو الاصح لان فی الاجتماع فی
موضع واحد فی مدینۃ کبیرۃ حرجا بینا جمعہ ایک شہر میں متعدد جگہ جائز ہو اور یہ امام ابو حنیفہ اور محمد رحمہم اللہ کا
قول ہو اور یہی اصح ہو کیونکہ بڑے شہر میں سب کا ایک جگہ جمع ہونا بہت دشوار ہے اور ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے
والصحیح من قول الاعظم الربانی ان یودی فی مصر واحد فی مواضع کثیرۃ امام اعظم کا صحیح قول یہ ہو کہ نماز جمعہ ایک
شہر میں متعدد مواضع میں ادا کی جاسکتی ہو۔ دربر بان شرح مواہب الرحمن میں ہو وقد دھا ای الجمعۃ فی مواضع کثیرۃ
فی مصر واحد جائز عند ابی حنیفہ قال اللخشی فی الصحیح من مذہبہ وہ قال محمد اور تعدد جگہ ایک شہر میں امام
ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہو بخاری نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے صحیح مذہب پر ہو اور امام محمد رحمہم
اسی کے مخالف ہیں۔ صاحب جہاد اللہ نے ہم بخاری سے نقل کیا ہو ان الصحیح من مذہب ابی حنیفہ جو انہ

کہ ثناء کو فارسی میں دوہیتی کہتے ہیں۔ بہر حال اگر خطبہ منظم میں اوصاف مذکورہ پائے جائیں تو جمعہ کی نماز میں نقصان لازم نہیں۔ **سوال** اگر پہلے خطبہ میں خلفائے راشدین کا ذکر ہو تو کیا حکم ہو جواب بہتر ہے کہ پہلے خطبہ میں تسبیح و تہلیل و تہمید و قرآن اور درود اور دوسرے خطبہ میں مومنین صالحین اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام اور حضرت حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جاوے کہ یہی علمائے مشرق و مغرب کا معمول ہے ہی اور حضور مرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا کہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن جسکو مسلمان اچھا سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھا ہی ہو اور اگر پہلے خطبہ میں خلفائے اربعہ کا ذکر کر دیا تو اس سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آتا رسائل الارکان میں ہے و شیخ ان یدعو للمسلمین و یدعی بذکر الخلفاء الراشدين و مدحہم و لداء علم لان الرحمة تنزل بذکر المصالحین و یدعی قبول الدعاء للمسلمین ببرکۃ ذکرہم و ہوا المتوارث من وقت التابعین الی الکان ولہ یتکر ذلک احد فہو امر مندوب قریب الی السنۃ للاجماع الفعلی علی ذلک و ہو من شعار الدین فلا یتزک خطبہ میں مسلمانوں کیلئے دعا کرنا چاہیے اور خلفائے راشدین کا ذکر دراصل کی مع اور ان کے لیے دعا کرنا چاہیے کہ وہ صاحبین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہو اور ان کے ذکر کی برکت سے مسلمانوں کے حق میں بھی دعا کے قبول ہونے کی امید ہو اور یہ تابعین کے وقت سے اب تک جاری ہو کسی نے اسکا انکار نہیں کیا تو یہ امر مندوب قریب بسنت ہو اجماع فعلی کی وجہ سے جو شعار دین میں سے ہو پس ترک نہ کیا جائیگا اور عالمگیری میں ہے و ذکر الخلفاء الراشدين رضی اللہ عنہم مستحسن بذکر جبرئیل التوارث کذا فی تجنیس خلفاء راشدین ضوان علیہم اجمعین کا ذکر مستحسن ہو اسی پر جلد رابعہ میں ایسا ہی تجنیس میں ہے **سوال** ہروزن کے اذان ختم کرنے تک جو خطیب ممبر پر بیٹھتا ہو اگر اسے ترک کرے تو نگار ہوگا یا نہیں **جواب** جلسہ مذکورہ سنوں ہوا بوداؤ دے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہو کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفزع حضورہ و رانیا علیہ التھیۃ و التناؤ و خطبے پڑھتے تھے اور جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھے رہتے یہاں تک کہ ہروزن فراغت پاتا۔ اور سنت موکہ کا ترک مکروہ تحریمی ہے۔ **سوال** دونوں خطبوں کے سچ میں بیٹھے دعا کرنا رفع یدین دل سے ہو یا زبان سے جائز ہو یا نہیں **جواب** اگر دونوں خطبوں کے سچ میں بیٹھے وقت دل سے دعا ہو اور زبان کو حرکت نہ ہو تو مباح ہے بلکہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ یدعو و ہو ما مور بالانصات اجیب لیس من شروط الدعاء التلظی بہ بل استحضارہ بقلہ کان خطیب دعا کیونکر کر سکتا ہے کیونکہ اسے تو حالت جلوس میں خاصش ہے تاکہ اسکا ہر ایک کلمہ کے تلفظ ضروری نہیں ہو بلکہ دعا کو مرن قلب میں لانا کافی

ہو اور اگر دعا فقط کے ساتھ زبان سے ہو عام اس سے کہ برفع یدین ہو یا بلا رفع یدین خطبوں کے بیچ میں ممنوع
 ہو حدیث سے اتنا ہی ثابت ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبوں کے درمیان ایک سحطہ سے زائد
 نہ بیٹھتے اور اس جلسہ میں آپ سے کوئی دعا ثابت نہیں ہوئی مشکوٰۃ شریف میں ہے عن ابن عمر قال
 کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب ثم یجالس ولا یتکلم ثم یقوم فخطب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما
 سے مروی ہو کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام واصلہ خطبہ پڑھتے تھے پھر بیٹھتے تھے اور کوئی بات نہیں کرتے تھے
 پھر کھڑے ہوتے تھے اور خطبہ پڑھتے تھے ویسی امام ابو حنیفہ و محمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے کہ مطلق ذکر جو
 کچھ ہر جلسہ میں بیٹھتین میں کر دہ ہو حافظ الدین ابوالبرکات نسفی نے کافی شرح کافی میں لکھا ہو کہ واہ الکلام
 غیر مقصود حال الخطبۃ عندانی حقیقتہً لیکرہ الکلام عندہ فی حال الجلسۃ بین الخطبتین کا اطلاق الحدیث
 کراہت کلام حالت خطبہ میں مقصود نہیں یہ بیان تک کہ حالت جلوس میں کلام اُنکے نزدیک کر دہ ہو کیونکہ حدیث
 مطلق ہو اور برہندی شرح مختصر میں ہو والمراد بالکلام مطلق الکلام سواء کان امرا بالمعروف او غیرہ وسواء
 کان ذکرا او قرآنا وغیرہما انتہی وقال الزیلعی فی شرح المنزوع عند محمد لا یلجہ اصلانہ وقد قال النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام کذا فی الجلیبی علی شرح الوقایہ وهذا الکلام من غیر فصل او کلام
 سے مطلق کلام اراد ہو خواہ وہ امر بالمعروف ہو یا اور کچھ اور خواہ ذکر ہو یا قرآن یا اور کچھ اور زیلعی نے شرح کنز میں لکھا
 کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کلام بالکل مباح نہیں یہی انتہی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ
 جب امام خطبہ کے لیے روانہ ہو اس وقت سے نہ نماز درست ہے نہ کلام اور ابن ہمام کہتے ہیں کہ ابو بکر بن خبیہ
 نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ یہ
 حضرات خروج امام کے بعد صلوٰۃ اور کلام کو مکروہ جانتے تھے اور صحابی کا قول محبت ہے اور اسکی تقلید ہمہ
 واجب ہو۔ اور جو حدیث صحیح مسلم میں بروایت ابو موسیٰ اشعری مروی ہے کہ امام کنسیر بیٹھنے کو وقت سے نماز
 ختم کرنے کے وقت تک کے بیچ میں ایک ساعت و عا کے قبول ہونے کی ہے۔ اُس میں بحث ہو محققین
 علما کے نزدیک ابو موسیٰ اشعری کی حدیث سے زائد قوی وہ حدیث ہو جو عبد اللہ بن سلام سے مروی ہو کہ
 ساعت جمعہ میں سے آخر ساعت ساعت اجابت ہو اور اس ساعت کے تعیین میں پچاس حدیثوں تک
 مروی ہیں **صلی اللہ علیہ وسلم** اعز الاسلام لکے وقت منبر سے نیچے آنا اور اللہم الصبر کے وقت اور پڑھنا
اللہم میں جواب بعض اوقات خطبہ کے کئے وقت نیچے آنا یا اور پڑھنا کتب تعقیبہ میں نظر میں آیا اور

بظاہر اسکے جواز کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے سوال سلطان وقت کے لیے عدل و احسان کی دعا کرنا جائز ہے یا نہیں
 جواب جائز ہے جیسا کہ قستانی میں ہے سوال عید گاہ میں جو غالباً صحرائیں ہوتی ہیں عیدین کی نماز کا کیا
 حکم ہے جواب حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ کی عادت سے یہ بات تھی کہ عیدین کی نماز کے لیے آپ
 مصلے کی طرف تشریف لیجاتے جو مدینہ منورہ کے غزلی جانب ایک مقام ہوا اسکے اور مسجد نبوی کے درمیان میں
 ہزار گز کا فاصلہ ہے جیسا کہ ابن حجر نے لکھا ہے اور کبھی آپ نے مسجد شریف میں عید کی نماز نہیں پڑھی مگر ایک بار
 بارش کی وجہ سے آپ نے مسجد شریف میں نماز پڑھی تھی جیسا کہ ابو داؤد اور ابن ماجہ سے مروی ہے ابو جعفر شریف
 کی بزرگی کے آپ کا یہاں نماز نہ پڑھنا اور وہاں تشریف لیجانا بتاتا ہے کہ مصلے میں عیدین کی نماز پڑھنا افضل ہے
 بعض کہتے ہیں کہ حضور کے زمانے میں مسجد چھوٹی اور آبادی بہت تھی اس لیے آپ نے عیدین کی نماز مسجد میں
 نہیں پڑھی اور اب چونکہ مسجد نبوی وسیع اور آبادی کو کافی ہے لہذا اہل مدینہ اُسی میں نماز پڑھتے ہیں اور اہل
 پہلے ہی سے عادی ہیں کہ مسجد میں نماز پڑھیں اور صحرائیں نہ جائیں اور اب تک اس پر ثابت قدم ہیں جیسا کہ مولانا
 عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے بعض تصانیف میں لکھا ہے اور شایع ابن ہام کہتے ہیں کہ مصلے میں عیدین کی
 نماز پڑھنا سنت ہے اور شایع صراط مستقیم نے کہا ہے کہ ایک شہر میں کئی جگہ عید کی نماز پڑھنا جائز ہے سوال امام کو
 اپنے گھر میں عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ جواب در صورت تحقیق شرط ادا عیدین کی نماز گھر میں پڑھی
 جاسکتی ہو شہر اور جماعت کا ہونا ضروری ہے اور جماعت میں امام کے علاوہ کم سے کم تین آدمی کا ہونا ضروری
 ہے اور آذان عام یعنی جان عیدین کی نماز پڑھی جائے وہاں آنے سے نمازی روکے نہ جائیں جیسا کہ برجنیدی
 شرح مختصر میں اور شروط ادا سے نماز عیدین مسجد نہیں ہے مگر جو فضیلت مسجد کی جماعت کو ہے وہ گھر کی
 جماعت کو حاصل نہیں جیسا کہ کفایہ شرح ہدایہ میں ہے اور برجنیدی شرح مختصر میں لکھتے ہیں
 فلو اغلق السلطان او نائبہ ابواب منزله او لم یاذن بالدخول فیہ وصلے فیہ باھل و
 عسکرہ لا یموز پس اگر بادشاہ نے اپنے مکان کے دروازے بند کر لیے یا اندر آنے کی ممانعت
 کر دی اور مکان میں اہل و عیال اور لشکر سمیت نماز پڑھ لی تو جائز نہوگی اور رسائل الارکان میں
 ہے لو اغلق الامام باب حصته وصل مع رفقاہ لم یجز اگر امام نے قلعہ کا دروازہ
 بند کر کے اپنے رفقا سمیت نماز پڑھ لی تو جائز نہوگی سوال (۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور
 سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے سونہ پیر اور گاہے زینت نماز میں ہاتھ باندھے ہیں اور

آپ کا رفع یدین کرنا اور آمین بالجہر کہنا بھی ثابت ہے پھر بعض علماء ان افعال سے کیوں منع کرتے ہیں اور کیوں کہتے ہیں کہ یہ طریقہ وہابی اور شافعیہ اور دوسرے فرقوں کا ہے اور کیا وجہ ہے کہ خفیہ کے نزدیک ان اعمال کا ذکر کرنا جائز نہیں ہوا اور دوسرے ائمہ کے یہاں مسنون ٹھہرا آیا یہ اعمال زمانہ نبوی میں پائے گئے ہیں یا نہیں اور اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال کو کیا اور زمانہ نبوی میں اسکا ہونا ثابت ہے تو پھر ائمہ اور علماء باہم کیوں مختلف ہو کر کوئی سنیت و جواز کا قائل ہوا اور کوئی ترک و ممنوعیت کا فتویٰ دینے لگا وجہ اختلاف علماء سے آگاہی بخشی جائے اور ہم لوگ عوام خفیہ جو فہم اصول شرعیہ کی قدرت نہیں رکھتے ایسے حال میں کیا کریں اور جو لوگ رفع یدین اور آمین بالجہر کہتے ہیں اور بیٹے پر ہاتھ باندھتے ہیں انکو گمراہ اور متجاوز کا قرعہ اُڑا کر پھینک دیا ہے یا نہیں (۲) جو لوگ شافعی یا مالکی یا حنبلی ہوں اور نماز میں رفع یدین اور آمین بالجہر اور دیگر امور مذہب خفیہ کے خلاف کرتے ہوں تو خفی المذہب کو انکی اقتدا درست ہی یا نہیں اور ایسے لوگوں کے پیچھے ہم خفیوں کو مستر یا اچھا ناماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ جواب (۱) زمانہ نبوی میں مسائل جزیئہ مدون اور مدلل اور متفرع دلائل وبراہین پر نہ تھے بلکہ صحابہ کرام کا عمل محض حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل پر تھا مثلاً ایک صحابی نے آپ کو ایک وقت وضو میں جملہ اعضاے وضو کو ایک ایک بار دھوئے دیکھا اُسپر انھوں نے عمل کیا اور دوسرے صحابی نے دوسرے وقت دو دو بار ہر عضو کو دھوئے دیکھا انھوں نے اُس کو اختیار کر لیا اور تیسرے صحابی سے کسی وقت آپ کو تین تین بار اعضاے وضو کو دھوئے دیکھا اُسپر عامل ہوئے علی ہذا کیفیت اداے نماز میں بھی صحابہ کا عمل مختلف رہا ہے اور روایتیں بھی مختلف ہوئیں مثلاً ایک صحابی نے آپ کو رفع یدین کرتے دیکھا اُسکو مسنون خیال کیا اور دوسرے نے اُسکا ترک دیکھا وہ عدم رفع کی سنیت کے قائل ہوئے یہی کیفیت اختلاف صحابہ کی احادیث قولیہ میں ہوئی مثلاً ایک صحابی نے ایک وقت میں کسی مسئلہ کا حکم آپ سے پوچھا آپ نے اس وقت کی مصلحت کے لحاظ سے اُن کو جو جواب دیا انھوں نے اُسپر عمل کیا اور ایسی ہی روایت کی دوسرے صحابی نو دوسرے وقت اسی مسئلہ کا حکم دریافت کیا اور آپ نے چونکہ وہ حکم منسوخ ہو چکا تھا دوسرے طور پر جواب دیا انھوں نے اُس پر عمل کیا اور اسی کی روایت کی پھر وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اطراف و بلاد میں متفرق ہو گئے۔ اور امتا اور قضا کے مباحث ہوئے تو جس شہر میں جو صحابی پہونچے وہاں

انھوں نے اپنی سلع و رویت کے موافق حکم کیا اور فتویٰ دیا اور جب کبھی صحابہ نے بین الاحادیث تعارض
 پایا یا حدیث مسموعہ اور اپنے استنباط میں تعارض پایا تو جس جانب ثبوت کا ظن غالب ہوا اُس پر
 عمل کیا۔ اس وجہ سے بعض احادیث کو متروک العمل کر دیا اور بعض پر عمل لازم سمجھا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ
 رضی اللہ عنہ نے جب ازواج مطہرات سے یہ سن لیا کہ جنب کو بحالت جنابت صبح کرنا مفسد صوم نہیں
 ہے تو اپنے مذہب سابق سے رجوع کیا۔ اور حدیث مسموعہ سابق کو متروک العمل کر دیا اور حضرت عمر
 رضی اللہ عنہ نے حدیث مروی فاطمہ بنت قیس کو بخصوص عدم وجوب نفقہ و سکنی مطلقہ ثلاثہ کے بوجہ
 مخالفت نص قرآنی کے مردود کر دیا اور بعض حدیثیں جو کسی صحابی کو نہ پہونچیں اور واقعہ جدیدہ
 کے پیش پیش ہونے کی وجہ سے حاجت پُری اور تلاش کے بعد دوسری صحابی سے سنا تو اُس پر عمل کر دیا اور باوجود
 خود کمال جلالت رکھتے تھے اور کثرت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے تھے احادیث کو لینے
 علم پر مقصور نہ رکھا جیسا کہ بخصوص نصیب جدہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کا
 قول محمد بن مسلمہ کی تصدیق کی وجہ سے قبول فرمایا اور حسب روایت اُنکی جدہ کو سہس مال دیا اور جن
 صحابہ کو بوجہ حدیثیں نہیں پہونچیں وہ اُس پر عمل کرنے سے معذور رہے اور اپنے استنباط پر فتوے دیتے رہے
 جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کو نہانے میں سب بالون کے کھولنے کا اور اُن کے
 نیچے پانی پہونچانے کا حکم دیا کرتے تھے اس وجہ سے کہ جس روایت سے یہ ثابت ہے کہ عورتیں نہانے میں
 چوٹیاں نہ کھولیں وہ اُن تک نہیں پہونچی چنانچہ اسکو شکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے
 انکار فرمایا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے اس قسم کے اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان
 بہت تھے اور یہی اختلاف صحابہ کرام باخلاف تابعین ہوا اور اختلاف تابعین و تابعین باخلاف تبع تابعین
 ہوا اور بوجہ وقوع کثرت اختلاف اور قتال کے تدوین کتب اور ترتیب ابواب فقہیہ اور تفریع مسائل
 علی الادلہ کی نوبت پہونچی اور سہر مجتہد نے بقدر وسعت اپنے اصول و قواعد تطبیق بین الاحادیث
 المتخلفہ والا تار المتعارضہ کے لیے قائم کیے اور جسکو جتنی حدیثیں پہونچیں اُن پر عمل کیا اور اُسی سے امور غیر
 منصرمہ کا استنباط کرتے اور فتوے دیتے رہے اسی اختلاف کی وجہ سے زمانہ سلف میں کسی امام اور
 مجتہد خاص کی تقلید معمول نہ تھی عامی کو اختیار تھا کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور مجتہدین کو ماننے
 میں جس عالم سے چاہے مسائل شرعیہ دریافت کر کے عمل کرے کوئی اُس پر انکار نہیں کرتا تھا اور اسکی وجہ

یہی تھی کہ ایسے مجتہدین کا یہ اختلاف صحابہ کے اختلاف پر مبنی تھا اور حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ نے فرمایا ہے صحابی کا نجوم یا عہد اقتدا یتیم اہتد یتیم میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ پس کسی صحابی کی اقتدا اجتہاد سوغالی نہیں ہو سکتے لہذا زمانہ سلف میں تقلید کے لیے کسی خاص امام کی تخصیص نہ تھی اور نہ ایسے کا اختلاف باعث الزام ہو سکتا تھا کیونکہ ہر شخص آثار صحابہ کا مقتدی تھا مگر مجتہدین کا زمانہ گزر جانے کے بعد علماء اور صلحا کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ اہل سنت کے مذہب کا انحصار ایسے اربعہ پر ہے اور فی زمانہ نامی چار مذہب شائع ہیں اور جو مسائل ان میں اختلافی ہیں وہ بے دلیل نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کے دلائل موجود ہیں اور ان ایسے اربعہ میں سے ہر ایک آثار صحابہ اور احادیث نبویہ کا متبع ہے پس چاروں مقتدی اور مقتدی ہوئے کسی پر طعن اور تشنیع جائز نہیں ہے چونکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رفع یدین اور آئین بالجہر کی ترجیح ثابت نہیں ہوئی بلکہ بعض صحابہ کی وساطت سے عدم رفع یدین اور انحصار آئین کا ثبوت ہو سچا لہذا امام صاحب نے ترک رفع یدین اور آئین بالجہر کا حکم دیا دوسرے ایسے کو آثار صحابہ و احادیث نبویہ مثبتہ رفع یدین و آئین بالجہر پہنچیں اور قوی معلوم ہوئیں وہ لوگ اُسکی سنت ہونے کے قائل ہوئے اب اس امر میں علما کی رائیں مختلف ہیں کہ ایک امام خاص کی تقلید شخصی واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں وجوب اور ضلالت اور ہر ایک ان دو فرق سے اپنے اپنے اثبات دے گا کیلئے اولہ رشتہ قائم کرتا ہے اور اس امر میں بکثرت رسائل تصنیف کیے گئے ہیں سائلین سوال ہذا کو جو عامی اور اصول شرعیہ سے ناواقف ہیں لازم ہے کہ اس منازعت سے الگ رہیں اور جس طرح پہلے سے کتب متداولہ حنفیہ کے مسائل پر عامل ہیں اب بھی عامل رہیں رفع یدین اور آئین بالجہر کے جھگڑے میں نہ پڑیں رہا یہ کہ ہاتھ کمان پر باندھے جائیں اس میں خود حنفیہ مختلف ہیں اور اکثر محققین کی تحقیق کہ موافق اس بات میں وسعت ہے چاہے زیرات ہاتھ باندھے چاہے بالائے صدر یا زیر صدر باقی جو لوگ آئین بالجہر اور رفع یدین کرتے ہیں اُن پر لعن و طعن کرنا اور انھیں مرتد کہنا ہرگز جائز نہیں ہے اس امر میں سائلین سوال کو بہت احتیاط کرنا چاہیے کیونکہ خود زمانہ صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اکثر صحابہ رفع یدین کرتے تھے اور بعض صحابہ نہیں کرتے تھے اسی طرح آئین بالجہر میں بھی طرق صحابہ مختلف مروی ہیں مگر ایک دوسرے پر طعن و لعن نہیں کرتے تھے نہ بُرا جانتے تھے یہ منازعت اس زمانہ میں کم علمی اور غلبہ جہل کی وجہ سے واقع ہوئی ہے

کہ لوگ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حالات سے واقف نہین مین اللہما حفظنا من شرور افسنا ومن سیات اعمالنا لے اللہ ہو نفسون کے شرور اور علان کی برائیوں سے بچا۔ (۱۲) اس مسئلہ میں علمائے مذاہب اربعہ مختلف مین اور بعض علمائے لکھا کہ اس مسئلہ میں مذاہب اربعہ کے اختلافات کا حاصل چند اقوال کی طرف راجع ہے۔ مطلقاً جواز اقتدا چاہے امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرے یا نہ کرے۔ مطلقاً اقتدا بشرطیکہ مقتدی یہ نہ جانے کہ امام طہارت و نماز میں کسی ایسے فعل کا مباشر ہو ا ہے جو مقتدی کے مذہب میں مفسد نماز ہے۔ مطلقاً جواز اقتدا بشرطیکہ امام اُن امور کی رعایت کرے جو مقتدی کے مذہب میں رعایت کے قابل ہیں۔ مطلقاً عدم جواز اقتدا اگر امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرتا ہو۔ مطلقاً جواز اقتدا مع کراہت تنزیہی بخلاف اُن اقوال کے قول اول محقق و مختار محققین ہے جیسا کہ ایفاظ النیام میں بعبارت فارسی تحریر ہو چکا ہے۔ ترجمہ یہ ہے۔ قول اول جواز اقتدا بخلاف علی الاطلاق مطلقاً چاہے امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرے یا نہ کرے اور اس قول میں امام کے مذہب کی رعایت کا اعتبار ہے نہ مقتدی کے مذہب کی رعایت کا اور ہر مذہب کے محققین کی جماعت اسی کی قائل ہے اور یہی مذہب منصور اور یہی میرے نزدیک بھی مختار ہو۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے جو لوگ خفیہ میں سے مطلقاً جواز کے قائل ہیں وہ بھی بہت ہیں شیخ محی الدین بن یوسف حنفی رومی اپنے رسالہ میں جو انھوں نے مخالفت کی اقتدا میں لکھا ہو لکھتے ہیں کہ شیخ ابو بکر رازی اسی قول کی طرف گئے ہیں اور ابن ہمام نے اپنے شیخ سراج الدین سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی قول ابو بکر رازی کے معتقد تھے یہاں تک کہ انھوں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ مخالفت کی اقتدا سے نماز فاسد ہوتی ہے اور بعض فضلاء نے شیخ ابو بکر رازی کے قول کو ترجیح دی ہے انتہی مختصر اور شاہ ولی اللہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف میں لکھتے ہیں قد کان فی الصحابة والتابعین ومن بعدہم من یقر بالبطلان ومنہم من لا یقر اھا ومنہم من یحصر بہا ومنہم من لا یحصر بہا ومنہم من کان یقنت فی الجفر ومنہم من لا یقنت فی الجفر ومنہم من یتوضأ فی الحجامة والرعاف واللق ومنہم من لا یتوضأ من ذلك ومنہم من یتوضأ من لمس الذکر ومن لمس النساء بشهوة ومنہم من لا یتوضأ من ذلك ومنہم من یتوضأ مما مسہ لنا ومنہم من لا یتوضأ من ذلك ومع هذا فکان

بعضہم یصلی خلف بعض مثل ماکان ابو حنیفۃ واصحابہ والشافعی وغیرہم رضی اللہ عنہم یمسکون خلف
اُمۃ المدینۃ من الممالکۃ وغیرہم وان کانوا لا یقرأون البسمۃ لا سرا ولا جہل وصلی الرشید اماما
وقد احتجم فیصلۃ الامام ابو یوسف خلفہ ولم یدید وکان افتاء الامام مالک بان لا وضوء علیہ
وکان الامام احمد بن حنبل یری الوضوء من الرعاف والحجامة فقیل لہ فان کان الامام قد خرج
سنہ الدم ولم یتوضأ هل تصلی خلفہ فقال کیف لا اصلی خلف الامام مالک وسعید بن المسیب
صحابہ اور تابعین رضوان اور علیہم اجمعین اور ان کو یاد کرو گوگون میں سے بعض تو بسم اللہ پڑھتے تھے اور
اور بعض نہیں پڑھتے تھے اور بعض زور سے پڑھتے تھے اور بعض آہستہ سے بعض نماز فجر میں قنوت
پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے بعض کچھ لگولے اور تھے آواز نکا سو خون آنے کی وجہ سے وضو کرتے تھے اور بعض
نہیں کرتے تھے اور بعض ذکر اور حالت شہوت میں عورت کو چھونے کی وجہ سے وضو کرتے تھے اور
بعض نہیں کرتے تھے اور بعض آگ پر پکائی ہوئی چیز دن کے کھانے کو نواقض وضو میں شمار کرتے
تھے اور بعض نہیں شمار کرتے تھے پھر بھی نازین ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ
اور ان کے اصحاب اور امام شافعی رضی اللہ عنہم وغیرہ کہ یہ لوگ مالکی ایہ کے پیچھے نماز پڑھنے میں کچھ
یاک نہیں کرتے تھے باوجودیکہ ان کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا ہی نہ چاہیے نہ زور سے نہ چپکے سے
بارون رشید نے امام مالک رحمہ اللہ کے فتوے کے بنا پر پچھنے لگانے کے بعد بے حد یہ وضو کیے ہوئے
امامت کی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ان کی اقتدا کی اور نماز کا اعادہ نہیں کیا امام احمد بن حنبل
رحمہ اللہ ناک سے خون آنے اور کچھ کی وجہ سے وضو کو ضروری سمجھتے تھے تو ان سے پوچھا گیا اگر امام کے خون نکلے
اور وضو نہ کرے تو کیا اسکے پیچھے نماز پڑھ لیں گے انھوں نے جواب دیا کیا میں امام مالک اور سعید
بن المسیب رحمہما اللہ (جو کچھ نہوں سے وضو کو لازمی نہیں سمجھتے ہیں) کے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا۔ اس
عبارت سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کو شافعیہ مالکیہ حنبلیہ کی اقتدا کرنا مطلقاً جائز ہے اور امام کا رفع یدین کرنا
یا آمین بالجہر کہنا مقصدی کی نماز کو فاسد نہ کرے گا نہ یہ مانع جواز اقتدا ہے واللہ اعلم حررہ الراعی عفو خالق
العرش والفرش المدعو محمد بخش المسہر امی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ۔ دونوں جواب صحیح ہیں واللہ اعلم
حررہ الراعی عفو ربہ اللہ تعالیٰ ابو الحسنات محمد عبدالحی تبارک اللہ عن ذنبہ الجلی والنفی **ابو الحسنات**
سوالی ایک روز عید کے دن ایک مسجد میں غی اور وائض دونوں جمع ہوئے پہلے روافض نے عید

کی نماز پڑھی پھر اہل تسنن نے اپنی جماعت سے عید کی نماز پڑھی تو اہل تسنن کی نماز ہوئی یا نہیں
 اور ایک مسجد میں دو مرتبہ عید کی نماز جائز ہے یا نہیں جواب ظاہر عبارات فقہیہ سے معلوم ہوتا
 ہے کہ تعدد نماز عید مطلقاً جائز ہے ایک موضع میں ہو یا دو موضع میں جیسا کہ طحاوی حواشی
 مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں لوقد س بقدر الفوات مع الامام علی ادس اکھام غیرہ فصل
 للاتفاق علی جواز تعددھا اگر امام عیدین کے پیچھے کسی کو نماز نہ ملے اور دوسرے کے ساتھ نماز
 پڑھ لینے کا موقع مل گیا تو پڑھ لے کیونکہ تعدد نماز عید بالاتفاق جائز ہے۔ پس صورت مسئلہ میں
 اہل تسنن کی نماز ہو گئی رسوال جو شخص جمعہ کے دن فرض کے بعد چار رکعت آخری ظہر
 اس نیت سے پڑھے کہ یہ چار رکعتیں بھی فرض ہیں اور جو کوئی اس کے پڑھنے کو یا فرض جانے
 کو منع کرے تو اُسے گدھا اور گمراہ اور لاندہب کے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں۔ جواب اس
 باب میں فقہاء مختلف ہیں فقہاء کی ایک جماعت ادا سے فرض جمعہ کے بعد چار رکعت کو بہ نیت
 آخر ظہر درکت ولہ اصل بعدہ احتیاطاً مستحسن لکھتے ہیں اس لیے کہ مصر کی تعریف میں خوفیہ
 کے نزدیک شرائط وجوب جمعہ سے ہے بہت اختلاف ہوا ہے اور بعض شہر بعض تعریف
 کے موافق شہر نہیں ٹھرتے اور بھی اس وجہ سے کہ ایک شہر میں تعدد جمعہ میں اختلاف ہے
 اگرچہ صحیح جواز تعدد سے خزانة الروایات میں ہے۔ فی الکافی ثمر فی کل موضع وقع الشک
 فی جوانا الجمعة لوقوع الشک فی المصر وغیرہ واقام اہلہ الجمعة ینبغ ان یصلوا بعد الجمعة
 اربع رکعات وینوواہا الظہر حتی لو لم یقع الجمعة موقعا خرج من عہدۃ فرض الوقت یقین
 کافی میں ہے کہ جہاں کہیں مصر ہونے یا شرائط جمعہ میں سے کسی اور کے پائے جانے میں شبہ ہونے
 کی بدولت جواز جمعہ میں شک ہو وہاں جمعہ کے بعد لوگوں کو اگر وہ نماز جمعہ پڑھیں چار رکعت نیت
 ظہر پڑھنا چاہیں تاکہ اگر جمعہ نہ ہوا ہو تو فرض وقتی اُنکے ذمے سے ساقط ہو جائے۔ اور رد المحتار میں
 ہے ہو الا احتیاط بمعنی الخروج عن العہدۃ یقین لان جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیل لان
 فیہ شبهة قوية ہی احتیاط ہے بمعنی خروج عن الذمہ کیونکہ جواز تعدد اگرچہ دلیل کے اعتبار سے
 ارجح واقوی ہے لیکن اس میں شبہات بھی قوی ہیں۔ اور ایک جماعت ظہر ادا کرنے کو اس لیے منع
 کرتی ہے کہ اس کے ادا کرنے سے عوام کو عدم فرضیت جمعہ و فرضیت ظہر کا وہم ہوگا بحر الرائق میں ہے

لیس الاحتیاط فی فعلها مع ما لزمن فعلها فی زانها من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهالة لان المجتہد لیست بفرض مما
 يشاهد من صلوة الظهر فیظنون انها الفرض وان المجتہد لیست بفرض فكان الاحتیاط فی تركها وعلى تقدیر
 فعلها من الاحتیاط علیه مفسدة منها فالاو ان تكون فی بدنة خفية خوفا من مفسدة فعلها ظهر کے پڑھنے میں
 احتیاط نہیں ہے علاوہ برین ہمارے زمانے میں یہ ایک خرابی واقع ہو گئی ہے کہ جملہ جب کو کو
 نماز جمعہ کے بعد ظہر کی نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ جمعہ فرض نہیں ہے بلکہ ظہر فرض ہے پس
 آجکل ظہر کے پڑھنے میں احتیاط نہیں ہے بلکہ ترک کرنے میں احتیاط ہے البتہ وہ لوگ جنکے فعل سے
 اس خرابی کا اندیشہ نہواپنے گھر میں پوشیدہ طور پر نماز ظہر پڑھ لیں کیونکہ علی الاطلاق کرنے میں
 اب بھی فساد کا خوف ہے۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جنہوں نے اجازت دی ہے صرف احتیاط
 اجازت دی ہے نہ اس لحاظ سے کہ جمعہ فرض نہیں اور یہ چار رکعت فرض ہیں بلکہ ہندوستان اور
 ایسے ہی بلاد ونگالہ وغیرہ میں جمعہ کے فرض ہونے اور اُسکے ادا ہو جانے میں بد مذہب صحیح کوئی شبہ
 نہیں ہے مگر بوجہ وقوع ظلمات کے تعریفات مصر اور تعدد جمعہ میں اگر احتیاط یہ چار رکعت ادا کی جائیں
 تو کچھ حرج نہیں مگر بشرطیکہ خیال اُن کی فرضیت کا اور عدم فرضیت یا عدم جواز جمعہ کا نہ آنے پائے اور
 اگر خیال آئے تو انکو نہ پڑھنا چاہیے سوال زید بغیر عشا کی نماز پڑھے ہوئے سو گیا۔ اور مجر کو
 ایسے سویرے اٹھا کہ پہلے اُس نے عشا اور وتر کی قضا پڑھی پھر فجر کی نماز ادا کی پھر نوبہ کے دن کے
 قریب اُس نے اپنے پانچواں پر مئی کا دھبہ دیکھا حالانکہ اُسکو اختلام یا دھبہ اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ
 وہ دھبہ آج ہی شب کے اختلام کا ہے یا پہلے کا ایسی صورت میں اُن نمازوں کا اعادہ کیا جائیگا یا
 نہیں جواب۔ اس صورت میں یہ اختلام اُسی شب کا مانا جائیگا نہ پہلے کا اور غسل کے بعد فجر اور عشا
 اور وتر کا اعادہ بہ نیت قضا واجب ہوگا اشباہ والنظائر میں ہے لودای فی ثوبہ نجاستہ وقد صلی
 فیہ ولا یدر می متی اصاب یحیدھا من آخر حدث احدہ المنی یا خیر قدہ دلیل من الفصل فی المناہ
 عند ابی حنیفہ ومحمد وان لم یتذکر اختلاما ایک شخص نے اُن کپڑوں میں نجاست پائے جنہیں
 پہنکر وہ نماز پڑھتا ہے اور اسکا علم نہیں ہوا کہ یہ نجاست کب لگ گئی پس آخر حدث جواب سے
 لاحق ہوا تھا اُس کے بعد جتنی نمازیں پڑھی ہیں سب کا اعادہ کرے اور اگر مٹی ہو تو آخری مرتبہ
 جب سو کر اٹھا ہے اُس کے بعد سے نمازوں کا اعادہ کرے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے

نزدیک نہاے بھی اگرچہ اسے اقللام یاد نہ ہو سوال تجدد اور وتر ایک نماز ہے یا الگ الگ دو نمازیں
ہیں جواب احادیث مختلفہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کا اطلاق کبھی نماز تجدد پر اور ہر
قیام سبیل پر جو بعد و طاق ہو ہوتا ہے اور یہ وتر عین تجدد ہے حدیث ابی امامہ میں ہے قال کان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بتسع رکعات اخرجہ احمد والطبرانی وغیرہما ابو امامہ
نے کہا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس کو احمد اور طبرانی
وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اوتروا بخمس او بسبع او تسع او احدى عشرۃ اخرجہ الدارقطنی وابن حبان
والحاکم بزيادة ولا توتروا بثلاث ولا تشبهوا بصلوة المغرب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے
ہیں کہ نبی کریم علیہ التیجۃ والتسلیم نے فرمایا ہے وتر کی پانچ یا سات یا نو یا گیارہ رکعتیں
پڑھو اسکو دارقطنی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور حاکم نے یہ اور زائد کیا ہے کہ وتر کی تین
نہ پڑھا کرو اور اسے نماز مغرب کے مشابہ نہ بناؤ۔ ابن حجر عسقلانی تلخیص البحر تخریج احادیث شرح
الرافعی الکبیر میں لکھتے ہیں رجالہ کلہم ثقافت ولا یضروقت من وقته انتھ وحدیث عائشہ کان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر باربع وثلاث وثلثین وثلث وثمان وثلث وعشر وثلث اخرجہ
ابوداؤد وحدیث ام سلمہ کان رسول اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث عشرۃ فلما کبر وضعت او تر بسبع
اخرجہ احمد والترمذی والنسائی والحاکم وصحیہ وحدیث ابی ہریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اوتروا بخمس او بسبع او تسع او احدى عشرۃ او بالکثر من ذلك اخرجہ ابن حبان
المتنبر والحاکم اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں اور جو بعضوں نے اس میں ترقہ کیا ہے اس سے اس
حدیث پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیجۃ
والثنا وتر کی چار دس تین اور دو دس تین اور آٹھ دس تین اور دس اور تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے
اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات
علیہ السلام واصلوۃ وتر کی تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے پس جب آپ ضعیف ہو گئے تو سات رکعتیں پڑھنے
لگے اسکو احمد اور ترمذی اور نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اسکی تصحیح کی ہے اور حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وتر کی پانچ

یاسات یا نو یا گیارہ یا اس سے زیادہ رکعتیں پڑھو اسکو ابن جان اور ابن منذر اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ان احادیث کے نظائر کتب صحاح میں بہت بہن جن میں وتر کا اطلاق مجموعہ صلوٰۃ تہجد پر جو معدود و پندرہ وتر ہو واقع ہوا ہے ابن ہمام فتح القدیر باب الوتر میں اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد (اِنَّہ صلی اللہ علیہ وسلم قارہم فی رمضان فصلے ثمان رکعات و وتر ثم انتظروہ من القابلۃ فلم یخرج الیہم فساوۃ فقال خشیت ان یتکب علیکم الوتر اخرجه ابن جان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں نماز پڑھانے کے لئے ہوئے تو آٹھ رکعتیں پڑھیں اور وتر پڑھی پس دوسری رات کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کا انتظار کیا اور آپ تشریف نہ لائے جب لوگوں نے اسکی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا مجھے خوف تھا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اسے ابن جان نے روایت کیا ہے، لکھتے ہیں المراد مجموعہ صلوٰۃ اللیل المہتممہ جو وتر و ذلک انہم کانوا یطلقون علی صلوٰۃ اللیل کذا لک ان المجموع فرد و ذلک وتر کا شفع مراد مجموعہ صلوٰۃ لیل ہے جسکا اختتام وتر پر ہوتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ صلوٰۃ لیل ہے اسی طرح وتر کا اطلاق کرتے تھے کیونکہ مجموعہ فرد ہے اور وہ وتر ہے نہ کہ شفع۔ اور کبھی وتر کا اطلاق مستقل نماز غیر تہجد پر ہوتا ہے اور ایہ جو وجوب اور سفیت و ترا و استنان ثبوت و ترین ہر زمانہ میں یا اگر عدم میں اور وتر کی رکعات کی تعیین میں کہ تین رکعتیں ایک سلام یا دو سلام سے ہیں یا ایک رکعت ہے اختلاف کرتے ہیں انکا مور و اختلاف یہی وتر ہے جو تہجد کے علاوہ مستقل نماز ہے اور اُسکا وقت عشاء کے بعد سے طلوع صبح تک ہے جیسا کہ مروی ہے ان اللہ اما کہ بصلوٰۃ خیر لکم من حمل النذر و علی الوتر جعل اللہ لکم فیما بین صلوٰۃ العشاء الی ان یطلع الفجر خیرہ احمد داؤد و ابی الترمذی و ابن ماجہ والدارقطنی والحاکم من حدیث خارجہ من فوعا و حدیث ابن عباس خیر علیہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستبشر فقال ان اللہ قد زادکم صلوٰۃ و علی الوتر اخرجه الطبرانی والدارقطنی و حدیث ابی سعید من فوعا ان اللہ زادکم صلوٰۃ و علی الوتر و اسناد حسن قالہ لحافظ ابن حجر فی تہذیبہ احادیث الہدایۃ خدانے ایک نماز فرض کر کے تہرا احسان کیا ہے جو تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے زائد بہتر ہے وہ وتر کی نماز ہے جسے خدا نے تم پر نماز عشاء و طلوع فجر کے درمیان میں فرض کیا اسکو احمد و ابوداؤد و ابی الترمذی اور ابن ماجہ اور دارقطنی اور حاکم نے خارجہ کی حدیث سے

مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے بشارت دی کہ خدا نے تمہارے لیے ایک اور نماز فرض کی ہے اور وہ ترکی نماز ہے اسکو طبرانی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابوسعید نے مرفوعاً روایت کی ہے اللہ نے تمہارے لیے ایک اور نماز یعنی وتر فرض کی ہے اور اسکے اسناد حسن ہیں ایسا ہی حافظ ابن حجر نے تخریج احادیث ہدایہ میں کہا ہے۔ اور انھیں روایتوں کے مثل اور بھی روایتیں ہیں جن کے اسانید میں کلام ہے کما بسطہ لفاظی تخریج احادیث الواقعی وحلیث الوتر حتی فمن لم یوتر فلیس منا اخرجہ ابو داؤد والحاکم وصحیحہ من حدیث بریدۃ مرفوعاً جیسا کہ تخریج احادیث رافعی میں حافظ نے بسطہ سے بیان کیا ہے حدیث وتر حتی ہے جس نے ترکی نماز نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے اسکو ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور برید کی حدیث مرفوعہ سے اسکی تصحیح کی ہے۔ اور ان روایتوں کے مثل صحیح ستہ کی بہت سی روایتیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وتر اور تہجد میں منابر تہجد ہے اور وتر ایک مستقل نماز ہے واجب ہو یا سنت انھیں میں سے یہ حدیث ہے کان ابو بکر یوتر تہجداً ثم یقوم یتہجد و عمر کان ینام قبل ان یوتر ثم یقوم ویصل و یوتر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا بی بکر اخذت بالخرم وقال لعل اخذت بالقوة اخرجہ ابو داؤد وابن خزيمة والطبرانی فی الکبیر والحاکم من حدیث ابی قتادہ وقال ابن القطان رجالہ ثقات والہزار وابن ماجہ وابن حبان من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وتر پڑھتے پھر سوتے پھر اٹھتے اور تہجد پڑھتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وتر پڑھنے کے قبل سوتے پھر اٹھتے اور نماز پڑھتے اور وتر پڑھتے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے احتیاط کا کام کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے قوت اور بہادری کا کام کیا اس کو ابو داؤد اور ابن خزيمة اور طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے حدیث ابی قتادہ سے روایت کیا ہے اور ابن قطان نے کہا ہے اس کے رجال ثقات ہیں اور ہزار اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت ابن عمر کی حدیث سے اسے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کے غواہ اور طرق انھیں اصحیح وغیرہ میں بسطہ سے مذکور ہیں اور انھیں میں سے یہ حدیث ہے من خاف منکما ان لا یتستقیظا من آخر اللیل فلیوتر من اول اللیل ومن طمع منکما ان یتستقیظا فلیوتر فی آخر اللیل فان صلوٰۃ آخر اللیل مشہودۃ و قد

افضل خرچہ مسلمہ واحد من حدیث جابر مرفوعاً تمین سے جسکورات کے آخری حصہ میں بیدار نہ ہونے کا خوف ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور جسے آخر شب میں جاگنے کی امید ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے کیونکہ آخر شب کی نماز مشہور ہے اور یہ افضل ہے اسکو مسلم اور احمد رحمہ اللہ نے حدیث جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور انھیں میں سے یہ حدیث ہے من کل اللیل قدا وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اول اللیل وادوسطہ وآخرہ واتبھ وترہ الی السحر اخرجہ البخاری و مسلم وغیرہا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں نماز پڑھی ہے اول حصہ میں بھی اور اوسط حصہ میں بھی اور آخر حصہ میں بھی اور آپ کی وتر سحر کے وقت ختم ہوتی تھی اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا جو در سیطح احادیث قنوت وتر جو کہ سنن وغیرہ میں مروی ہیں مغایرت پر دلالت کرتی ہیں سوال تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا الگ الگ اور جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح مع وتر اول شب میں پڑھ لی ہے تو اس کے بعد قولاً یا فعلاً تہجد کے لیے آپکا اٹھنا ثابت ہے یا نہیں جواب آپنے تراویح دو طرح ادا کی ہے (۱) بیس رکعتیں بے جماعت قال ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ عشرين رکعۃ والوتر اخرجہ ابن ابی شیبہ و یحییٰ بن حمید و البغوی فی معجمہ والطبرانی والبیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ بے جماعت تراویح کی بیس رکعتیں پڑھتے اور وتر اسکو ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید اور بغوی ذابنی معجمین اور طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے اسکی تفصیل میں نے اپنے رسالہ تحفۃ الاخیار فی احیاء سننہ سید البراہین اچھی طرح کی ہے۔ ذیل میں نے تخریج احادیث ہدایہ میں لکھا ہے وہ معطل بابی شیبہ ابراہیم بن عثمان جد اکام ابی بکر بن ابی شیبہ وہو متفق علی ضعفہ اس حدیث کی تعلیل ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان کی بدولت کی گئی ہے جو امام ابوبکر بن شیبہ کے دادا ہیں اور جبکہ ضعف پر اتفاق ہے (۲) آٹھ رکعتیں اور تین رکعت وتر بجماعت اور یہ طریقہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین راتوں کے علاوہ کسی رات میں منقول نہیں ہے اور امت پر فرض ہو جانے کے خوف سے یہ لحاظ شفقت آپ نے اسکا اہتمام نہیں کیا عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یخرج من جوف اللیل فصل فی المسجد فصل بمصلوۃ مناس فاجتمع الناس یجدون ہذک فاجتمع

اکثر منهم فخرج في الليلة الثانية فصلوا بصلوة فاصبحوا لباس يذكرون فكثر اهل المسجد في الثالثة فخرج فصلوا بصلوة فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهلہ فلم يخرج اليهم حتى خرج لصلوة الفجر فلما قضى الفجر اقبل على لباس ثم تشهد فقال اما بعد فانه لم يفت على شاكلما ليلة لكني خشيت ان تفرض عليكم صلوة الليل فتعجز واعنها اخرجہ مسلمہ وعن ابی ذر صناع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يقيم بنا شيئاً من الشهر حتى بقي سبع فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقيم بنا فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل فقلت يا رسول الله لو نزلنا قيام هذه الليلة فقال ان الرجل اذا صلى مع الامام حتى ينصرف حسب له قيام الليلة فلما كانت الرابعة لم يقيم فلما كانت الثالثة جمع اهلہ ونساء وہ فقام بنا حتى خشينا ان يفوتنا الفلاح اى السجود اخرجہ ابو داؤد واللفظ له والنسائي والترمذى وغيرهم وكذلك اخرجہ النسائي من حديث النعمان بن بشير حضرت عائشة صدique رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب کو تشریف لے گئے اور مسجد میں نماز پڑھی آپ کے ساتھ اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی اور انھوں نے اس کا ذکر دوسروں سے کیا تو دوسری رات میں آدمی زائد آئے اور آپ تشریف لے گئے پس آپ کے ساتھ سب نے نماز پڑھی پھر اسکا چرچا اور زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ چوتھی رات کو اتنا جمع ہوا کہ سب آدمی مسجد میں نہ ساسکے اور اس شب کو آپ تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ فجر کا وقت آگیا اور آپ فجر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد تشریف لیئے جب فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ مجھے شب کا حال معلوم ہے مگر میں اس خیال سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز رہ جاؤ اسکو مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ رکھا پس آپ نے ہمارے ساتھ مینہ بھر قیام نہ کیا حتی کہ رات دن باقی رہ گئے پس آپ نے ہلکوا بایا اور اتنا طویل قیام کیا کہ آدمی رات اُس قیام میں گزر گئی تو میں کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس قیام کو ہر نفل کر دیجئے آپ نے فرمایا جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اُس کے لیے ایک شب کا قیام لکھا ہوتا ہے پھر جب چار دن رہ گئے تو آپ نے نہ قیام کیا اور جب تین دن رہ گئے تو آپ نے اہل بیت اور عورتوں کو جمع کیا اور اتنا طویل قیام کیا جس سے ہم کو خوف ہوا کہ سحر جاتی رہے گی اس کو ابو داؤد اور نسائی اور ترمذی وغیرہم نے روایت

کیا ہے اور ایسی ہی روایت نعمان بن بشیر کی حدیث سے نسائی نے کی ہے۔ اور ابن حجر کی مثنوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ قول بعض اہمنا انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرين رکعة لعل الخذہ صافی مصنف ابن ابی شیبہ انہ کان یصل فی رمضان عشرين رکعة وھما رواہ البیہقی انہ صلی بھم عشرين رکعة بعشر تسلیمات لکن المر وایتین ضعیفتان وفی صحیحی ابن خزيمة وابن حبان انہ صلی بھم ثمان رکعة والوتر کن اجمع الصحابة علی ان التراويح عشرون رکعة ہمارے بعض اہمہ کا جو قول ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھیں شاید یہ مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور بیہقی کی اس روایت سے کہ آپ نے صحابہ کے ساتھ رمضان میں بیس رکعتیں دس سلاموں سے پڑھیں ماخوذ ہے لیکن یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں اور ابن خزيمة اور ابن حبان کی صحیحون میں ہے کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھی البتہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح کی بیس ہی رکعتیں ہیں۔ اور ابن حجر عسقلانی تلخیص بحیر میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں واما الحدیث فی ابن حبان فی صحیحہ من حدیث جابر رضی اللہ عنہ انہ صلی بھم ثمان رکعات ثم اوترعد تراویح کے متعلق ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھی ہے۔ لیکن طریق اول کی روایتوں میں اسکی صحت نہیں ہے کہ یہ بیس رکعتیں پہلی رات میں تھیں یا آخر رات میں مگر طریق دوم کی روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ قیام اول مرتبہ میں عشا کے بعد سے ثلث رات تک اور دوسری مرتبہ میں نصف رات تک اور تیسری مرتبہ میں سحر تک تھا اور یہ امر کہ یہ نماز تہجد کی نماز تھی یا کوئی اور نماز بیس اسکی مقدار اسکی خبر دیتی ہے کہ یہ نماز تہجد کی نماز نہ تھی کیونکہ آٹھ رکعتیں اور تین رکعت وتر آپ کے تہجد کی مقدار تھی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے معلوم ہوتا ہے ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشر رکعة یصلہا ارباعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصل ثلثا اخر جبرائیل والغاری ومسلم وغیرہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی گیارہ رکعتوں سے زائد نہیں پڑھیں نہ رمضان میں اور نہ کسی اور عین میں پہلے چار رکعتیں پڑھتے

جنگے حسن و طول کے متعلق کچھ نہ پوچھو پھر تین پڑھتے اسکو مالک اور بخاری و مسلم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ اور علما کا اس بات میں اختلاف ہے کہ سنت تہجد اور قیام میل مطلق رات کی نماز سے اگرچہ سونے سے پہلے ہو ادا ہوتی ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں ادا ہو جاتی ہے جیسا کہ بحرالرائق میں ہے سردی الطبرانی مرفوعہ کہ اید من صلوٰۃ بلیل ولو حلب شاة وما کان بعد صلوٰۃ العشاء فهو من اللیل وهو یفید ان هذه السنة تقتصل بالتفعل بعد صلوٰۃ العشاء قبل النوم طبرانی نے مرفوعہ روایت کی ہے کہ رات کی نماز پڑھنا ضروری ہے اگرچہ تھوڑی سی ہو اور رات کی نماز وہ ہے جو عشا کے بعد پڑھی جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت عشا کے بعد سونے کے قبل نفلین پڑھنے سے بھی حاصل ہوتی ہے پس اُن کی رائے کے موافق اس کے عین تہجد ہونے میں کوئی حرج نہ ہوگا اور بعضوں نے تہجد کو سونے کے بعد مقید کیا ہے تلخیص الجبیر میں ہے قولہ اے الراعی التہجد يقع علی الصلوٰۃ بعد النوم واما الصلوٰۃ قبل النوم فلا یسمی تہجدا رواہ ابن خیشمہ من طریق الامراء عن کثیر عن النجاشی عن ابن عمر وقال یحب احدکم ان قام من اللیل یصلی حتی یصیر انہ قد تہجد لیس فیہ الا ان یصلی الصلوٰۃ بعد سقۃ ثلما الصلوٰۃ بعد رقدۃ وذلک کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسنادہ حسن وفیہ ابوصالح کاتب الیث وفیہ لیں ورواہ الطبرانی وفی اسنادہ ابن البیہقی تہجد کا اطلاق اُس نماز پر ہوتا ہے جو سونے کے بعد پڑھی جائے اور جو نماز سونے کے پہلے پڑھی جائے وہ تہجد نہیں کہلاتی اسکو ابن خیشمہ نے روایت کیا ہے اعرج سے اُنھوں نے کثیر سے اُنھوں نے حجاج بن عمر سے اور کہا ہے کیا تم میں سے کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر کوئی رات کو نماز شروع کرے اور فجر تک بچہ ہوتا رہے تو اُس نے تہجد پڑھی یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ تہجد یہ ہے کہ ایک نماز سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھے پھر دوسرے نماز یعنی فجر کی نماز سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھے یہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی اس کے اسناد حسن ہیں اور اسکو اسناد میں ابوصالح بن جلیث کے کاتب ہیں انہیں شہد ہے اور اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اُن کے اسناد میں ابن البیہقی ہیں۔ پس اس تقدیر پر نماز مذکور کو جو سونے سے پہلے پڑھی جائے تہجد میں شمار کرنا عمل تامل ہوگا اور ہر حالت میں جن راتوں میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح بجا عت ادا کی تھی اُن راتوں میں اس نماز کے علاوہ آپ سے تہجد ادا کرنا مردی نہیں ہے ممکن ہے پہلی اور دوسری رات میں تھوڑی دیر سونے کو

بعد آپ نے نماز تہجد پڑھی ہو مگر تیسری رات میں تو تراویح بھی کو اپنے اس قدر طول دیا تھا کہ سحر کا وقت پہنچ گیا تھا۔ سوال اگر کسی شخص نے اس ملک کی عادت کی موافق تراویح اور وتر اول شب میں اور تہجد کی نماز آخر شب میں پڑھی تو سنت کے خلاف ہو گا یا نہیں جواب اگرچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تطویل تراویح ثلث اور نصف رات بلکہ سحر تک بھی ثابت ہے اور ان راتوں میں ثبوت تہجد کا مروی نہیں ہے مگر باوجود اسکے عدم ثبوت بھی خصوصاً شب اول اور دوم میں مروی نہیں ہوا ہو ایسی حالت میں جو شخص تراویح اور وتر اول شب میں پڑھے تہجد آخر شب میں پڑھے وہ مخالفت سنت کا جائز نہ ہو بلکہ اگر اول شب میں تراویح کی میں رکعتیں ادا کر کے آخر شب میں آٹھ رکعتیں تہجد کی پڑھیگا تو اقتداء نبوی اور اقتداء صحابہؓ کی فضیلت کا جامع ہو گا اور اول شب میں وتر ادا کر نیے بعد آخر شب میں تہجد ادا کرنا حضور ص و صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ سوال نماز وتر خصوصاً تین رکعتیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت میں بیحدہ مثل نماز مغرب کو ثابت ہیں یا دو رکعتیں جدا اور ایک رکعت جدا یا تینوں رکعتیں متصل آخر کے ایک تشهد سے اور درمیان میں تین تشهد حضور نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم سے ثابت ہے یا نہیں جواب وتر کی تین رکعتیں اسانید معتبرہ کے ساتھ حضرت سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء سے تین طرح منقول ہیں (۱) دو رکعتوں اور تیسری رکعت کے درمیان میں فصل سلام کے ساتھ قال ابن عمر کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفصل بین الشفع والموتر اخرجہ احمد وقواہ وامن حبان وابن السکن فی صحیحہما والطبرانی کذا فی تلخیص المجاہد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان میں فصل کرتے تھے اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور احمد اور ابن حبان اور ابن سکین نے اپنے صحیحوں میں قوی کیا ہے جیسا کہ تلخیص المجاہد میں ہے (۲) تینوں رکعتیں ایک تشهد سے پڑھتے تھے یعنی تیسری ہی رکعت میں تشهد پڑھتے تھے قالت عائشہ رضی اللہ عنہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یجلس الا فی آخرہن اخرجہ احمد و نسائی والبیہقی والحاکم ولفظ احمد کان یوتر بثلاث لا یفصل بینہن ولفظ الحاکم لا یقعد الا فی آخرہن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے اور ان کے آخر ہی میں نشست فرماتے تھے اس کو احمد اور نسائی

اور بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور احمد کی روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعتیں پڑھتے اور ان کے بیچ میں فصل نہیں کرتے تھے۔ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تینوں رکعتوں کے ختم ہونے کے بعد قنود کرتے تھے (۳) آپ تین رکعتیں دو قنود اور ایک سلام کے ساتھ نماز مغرب کی طرح پڑھتے تھے یہ روایت خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند غیر معتبر اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے معتبر سندوں کے ساتھ مروی ہوئی ہے تلخیص الجبیر و ترجمہ الحدیث ہدایہ میں لکھا ہے و ترالیل ثلث کو ترالیل الصلوٰۃ المغرب اخراجہ الدارقطنی من طریق یحییٰ بن زکریا ابن ابی الحواجب عن الاعمش عن مالک بن الحارث عن عبد الرحمن بن یزید عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ترالیل الخ قال الدارقطنی تفر وہی یحییٰ وضعف وقال البیہقی الصحیح وقف علی ابن مسعود و رواہ الدارقطنی ایضا من حدیث عامر بن رضی اللہ عنہما و فیہ اسمعیل بن مسلمہ المکی ضعیف رات کی دو تین رکعتیں ہیں جس طرح دن کی دو تین کی نماز ہے اس کو دارقطنی نے بطریق یحییٰ بن زکریا ابن ابی الحواجب روایت کیا ہے انھوں نے اعمش سے انھوں نے مالک بن حارث سے انھوں نے عبد الرحمن بن یزید سے انھوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز رات کی دو تین رکعتیں ہیں جیسے دن کی دو تین رکعتیں کی نماز ہے دارقطنی نے کہا ہے یہ حدیث مقطوعہ یحییٰ نے روایت کی ہے جو ضعیف ہیں بیہقی نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث علی بن مسعود پر موقوف ہے اسے دارقطنی نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس میں اسمعیل بن مسلمہ کی ضعیف ہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے صحیح عن ابن مسعود و ترالیل ثلث کو ترالیل الصلوٰۃ المغرب و انما ضعفوا اس فقہ رات کی دو تین رکعتیں ہیں جیسے دن کی دو تین رکعتیں ہیں۔ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح ہے البتہ اس کا مرفوع ہونا ضعیف ہے واللہ اعلم بالصواب حمید رہ الراحمی حضور بہ القوس ابو الحسنات محمد عبد المجید و زائد عن ذیلہ الجلی و الخفی

کتاب الجنائز

سوال۔ میت کے لیے عامہ سنت ہو یا مکروہ جو اب صحیح ہی ہو کہ مکروہ ہی جنازہ زاہدی نے شیعہ قدوری میں اسکی تصریح کی ہو اور ایسا ہی در مختار میں ہو سوال زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ صحابہ و زمانہ تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں داہنی کروٹ میت کو نہتا مرقع تھا یا پشت پر قبلہ رو منہ کر کے اور کسپر فقہ کا اجماع ہو۔ جواب حنفیہ اور شافعیہ رحمہما اللہ کے نزدیک مسنون ہی ہو کہ داہنے پہلو پر میت لٹائی جائے اور اُسکے منہ کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے زمانہ نبوی سے اب تک یہی ہوتا آتا ہے ہر ایہ میں ہی اذا اختصر الرجل وجہہ الی القبلة علی شقہ الايمن اعتبارا بحال الوضوع فی القبر جب آدمی قریب برگ ہو تو قبلہ رخ داہنی کروٹ ٹایا جائے جس طرح قبر میں رکھا جاتا ہو۔ اور نمایاں ہو الاضحیاء علی مشیت انواع فی حالة المرض علی شقہ الايمن عروضا للقبلة وفی حالة الصلوة وهو الاستلقاء وفی حالة النزاع فاندیوضع کما یوضع فی حالة المرض وفی حالة الغسل بعد طمسه بجنبہ فلا رد الی یفید عن اصحابنا کیف یوضع علی التخت الا ان العرف فیہ ان یوضع مستقبلا علی قفاه طویلا غوا للقبلة وفی حالة الصلوة علیہ معترضا علی قفاه وفی حالة اللحد فاندیوضع علی شقہ الايمن لیٹنے کے چھ طریقے ہیں (۱) داہنی کروٹ سے لیٹنا حالت مرض میں (۲) استلقاء یعنی حالت صلوٰۃ میں لیٹنا (۳) حالت نزع میں لیٹنا جس طرح حالت مرض میں لیٹتے ہیں (۴) حالت غسل میں لیٹنا اس کے متعلق ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں ہو مگر عام طریقہ پر پیٹھ کے بھل قبلہ کی جانب سر کر لٹایا جاتا ہو (۵) اُس حالت میں پیٹھ کے بھل لیٹنا جبکہ اُس پر ناز پڑھی جا رہی ہو (۶) محد میں داہنی کروٹ لیٹنا اور ایسا ہی صاحب محیط نے لکھا ہو اور حکم اتوارث السنۃ سے مولد کیا ہو اور شیخ الاسلام بدر الدین عینی نے منہ لیس لوک شرح تحفۃ الملوک میں لکھا ہے ویضع علی شقہ الايمن موجہا الیہا ہکذا اجماع المستنفذ قبلہ رخ داہنی کروٹ سے سونے اور یہی سنت ہو۔ اور علامہ حلبی غنیۃ المستملی شرح نئیۃ المصلی میں لکھتے ہیں یوجہ الیت الی القبلة فی القبر علی جنبہ الايمن ولا یلقی علی ظہرہ وقال السردجی فی شرح العداۃ ذکر فی کتب اصحاب الشافعی واحمد یوضع تحت راسہ لہذہ وجہ ولما قف علیہ من اصحابنا قبر میں میت قبلہ رخ داہنی کروٹ پر رکھی جائے پیٹھ کے بھل نہ رکھی جائے سردجی نے فرج ہدایہ میں کہا ہو کتب اصحاب شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ میں ہو کہ اُسکے سر کے نیچے اینٹ یا پتھر رکھ دیا جائے مجھے اپنے اصحاب سے اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتا

اور ابن ماجہ نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ قال خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلة و
استقبل استقبال الاحضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کے جانے کے لیے گئے اور قبلہ رخ کر دیے گئے۔ اور علامہ
برہان الدین طرابلسی برہان شرح مواہب الرحمن میں لکھتے ہیں یوجز الی القبلة علی جنبہ الایمن لما روی
ابوداؤد ان رجلا قال یا رسول اللہ ما الکلمات قال تسع فذاک منہا استغلال البیت المحرم قبلتکم اجماع
وامواتا ورواہ الحاکم فی المستدرک ایضا داہنی کروٹ پر قبلہ رخ کر دیا جائے کیونکہ ابوداؤد نے
روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے پوچھا کیا کر گیا ہیں آپ نے فرمایا نہیں انہیں
سے فرمایا کہ بیت المحرم کو جتھارے مقدون اور زردون کا قبلہ ہو حال جان لینا اسے حاکم نے مستدرک میں بھی
روایت کیا ہے۔ اور زہرا اپنی مسند میں معاویہ بن جبل سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم نے قبرین شفاعت قرآن کے حصے میں فرمایا ہونے لگا اللہ کے فی القبر علی شقۃ الایمن مستقبل القبلة
پھر اسے ملا کہ قبرین قبلہ رخ داہنے کروٹ پر سلا دیتے ہیں۔ اب کلام اس میں باقی رہا کہ داہنے کروٹ پر لٹانا اور
اور قبلہ کی طرف منہ کر دینا دونوں واجب ہیں یا مسنون صاحب تحفہ فوکیہ کی طرف منہ کر دینے کو سنت لکھا ہے اور فقہا کی
ظاہر عبارت اسکی وجوب پر دلالت کرتی ہے اور صاحب درمختار نے بھی اسی کی صراحت کی ہے اور یہی اصح ہے
چنانچہ لفظ حدیث قبلتکم اجماع و امواتا بھی اسی پر دلالت ہے اور داہنی کروٹ پر لٹانا پس علمائے شافعیہ نے
اسے سنت ہونے کی تصریح کی ہے اور علمائے حنفیہ جیسو صاحب درمختار و صاحب نہر اور صاحب بحر الرائق بھی لفظ نبی
لائے ہیں اور محیط اور نہایہ سے بھی یہی مضمون مستفاد ہوتا ہے بلکہ اسکا استنباط ہدایہ کی عبارت سے بھی ممکن ہے اور
میں نے اس بحث کی تحقیق اپنے رسالہ رفع الست عن کیفیت اوخال البیت و توجہ الی القبلة فی القبرین جہی طرح کی
ہو سوال ایک مسلمان اور ایک کافر ایک ہی جگہ آگ میں اس طرح جل گئے کہ دونوں میں کچھ تفریق باقی نہیں
رہی اب مسلمان کی تمیز و تکفین کیونکر کجا ہے۔ جواب اس صورت میں دونوں کو غسل دیا جائے۔ البتہ
دفن اور صلوۃ جنازہ میں اختلاف ہے غنیہ شرح نیب میں ہے اذا انقلب موتی المسلمین وموتی الکفار
فان وجدت علامۃ علی بھا وان لم یوجد علامۃ وكان المسلمون اکثر غسل الکل وصلی علیہم ویصلی علیہم
وان کان الکفار اکثر غسلوا ولم یصل علیہم وان کانوا سواء قبل یصل علیہم وقیل لا واما الدفن فقتل یدفنون
فی مقابر المسلمین وقیل فی مقابر المشکین وقیل یتخذ بہم مقابر لحدۃ وتسمی قبورہم ولا تنتم جب مسلمانوں اور کافروں
کی لاشیں مخلوط ہو جائیں پس اگر کوئی علامت معلوم ہوگی تو اُس پر عمل کیا جائیگا ورنہ اگر مسلمان بہت ہو گئے تو سب کو

غسل دے کے سب پر ناز ٹپڑھی جائیگی اور میت مسلمانوں کے لیے کی جائیگی اور اگر کافر کثرت میں تو غسل دیا جائیگا اور نماز پڑھی جائے گی اور اگر مسادیق میں تو بعضوں کے نزدیک نماز پڑھی جائے گی اور بعضوں کے نزدیک نہ پڑھی جائیگی اسی طرح دفن میں بعضوں کے نزدیک مسلمانوں کے مقبرے میں دفن ہونگے اور بعضوں کے نزدیک مشرک و کافر میں اور بعضوں کے نزدیک انکی قبر میں علیحدہ بنا کر زمین کو برابر کر دیا جائیگی اور اونچی نہ کی جائیگی اور حلیہ شرح منہ میں ہر مینہ الصلوٰۃ علیہم فی السوال الثلثة وبعثت الایمۃ الثلثة وھذا وجہ تینوں حالنزل میں نماز پڑھنا چاہیہ ائمہ ثلاثہ نے ایسا ہی کہا ہو اور یہی درست ہو سوال ایک شخص پوچھا مکان خرید کر کے عرصہ دس گیارہ برس سے اس میں بود و باش رکھتا تھا مکان مذکور چونکہ نہایت بوسہ تھا انداز سے کھود کر پھر سے بنانا چاہا چنانچہ اسکی قبر کھودائی اور اکثر جانب سے مکان قریب تیاری کی گئی ہو گیا اب ایک جانب کی جدید نیوین جو مکان قدیم کے صحن میں پڑی ہو کہ میں پر مردوں کی کچھ پڑی اور کہیں پر کچھ پڑی نکلی اب اب وہاں پر عمارت بنوانا اور اس میں بود و باش رکھنا جائز ہے یا نہیں اور یہ نیک حدیث جا برد قال دفن مع ابی رجل فہ قطب نفسی حتی اخرجہ فخلطہ فی قبر علیہ رواء الجنای والنسائی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا جو کہ میرے باپ اور ایک شخص کھودا دفن کیے گئے تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوا پس میں نے اسکی لاش کھود کر نکالی اور دوسری جگہ دفن کر دی اسے بخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے اس ضرورت کی حالت میں آن پڑیوں کو وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دینا اور وہاں پر مکان بنانا جائز ہے یا نہیں اور جو فتویٰ عالمگیری وغیرہ میں مرقوم ہو لوہی المیت وصادر تھا ہماز دفن خلیہ فی قبرہ وندعہ والبناء علیہ اگر لاش بہ اتی اور ٹپڑی ہو گئی تو اس زمین میں دوسرے کو دفن کرنا اور اسپر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہو۔ اسکی شرعی اصل کیا ہے اور اس صورت میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجلس احدکم علی حجر فخرق ثیابہ فخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر ورواہ الجماعة الا الجنای والنسائی جابر رضی اللہ عنہ نے کہا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آگ پر بیٹھنا اور پڑے کے جلنے کے بعد کھال کا جل جانا قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے اسے بخاری اور ترمذی کے علاوہ سب نے روایت کیا ہے اور حدیث عمر بن حزم (قال دانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً علی قبر قتال لا تؤذ صاحب هذا القبر ولا تؤذہ رواہ احمد عمر بن حزم نے کہا جو کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ صاحب قبر کو ازیت نہ دیا اسے ازیت نہ دو) اور حدیث بشیر بن اصحابہ (ان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم راوی رجلاً یخشی فی نعین بین القبر و قتال یا صاحب السبتین القہما رواہ الخمسہ
 الا الترمذی حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے ایک شخص کو جو تاپنے قبروں کے کھنڈ میں سے جاتے
 دیکھا تو فرمایا کہ جوئے آثار دو اسی ترمذی کے سوا اور پانچوں نے روایت کیا ہی اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ
 (قال ھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یجھض القبر وان یقع علیہ وان ینبی علیہ سواہ اسی وسلم والنسائی
 وابوداؤد والترمذی وصحیحہ ولفظہ ھو ان یجھض المقبر وان یکتب علیہا وان ینبی علیہا وان تو جاور فی
 لفظ النسائی ھو ان ینبی علی القبر او ینار علیہ او یجھض و یکتب علیہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والنسائی
 قبر کے کھودنے اور قبر پر بیٹھنے اور اسپر عمارت بنانے سے منع کیا ہوا ہے مسلم نسائی ابوداؤد و ترمذی نے
 روایت کیا ہے اور اسکی تصحیح کی ہو الفاظ کا ترجمہ یہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے کھودنے
 اور ان پر لکھنے اور ان پر عمارت بنانے اور ان کو روندنے سے منع کیا ہے نسائی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے اور ان کے کھودنے اور ان پر لکھنے کی ممانعت فرمائی ہو ا کیا جواب دیا
 جواب ایسی صورت میں ان ہڈیوں کو دوسری جگہ دفن کر دینا اور وہ ان عمارت بنانا جائز ہے اس لیے
 کہ نقل میت و اجزائے میت حقوق انسانیت کی وجہ سے بالاتفاق درست ہو در حتم زمین ہے و لا یخرج منہ
 بعد اھالۃ التراب الالحی آدمی کاں تھوں الارض منصوصۃ او اخذت بشفعۃ و غیر الملائکۃ بین احوالہ
 و مساوانہ الارض کما جاز زعمہ والبناء علیہا اذ ابلی و صارت ابابا و مٹی بٹانے کو نہ لاش نہ نکالی جاے
 مگر ہر حقوق انسانیت کے مثلاً زمین منسوب ہو یا حق شفعہ میں لی گئی ہو اور مالک کو لاش نکال دالنے
 اور قبر کو زمین کے برابر کرنے کا اختیار حاصل ہو جیسا کہ زراعت اور عمارت بنانا جائز ہے جب لاش پرانی
 اور مٹی ہو گئی ہو اور ایسے ہی بحر رائق اور خزائنہ الروایات و تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے اور حکم جو از تعمیر و
 زراعت وغیرہ کا نظام قبر پر در صورتیکہ اجزائے مردہ منقلب نہ ہو جائیں جو کتب فقہ میں مرقوم ہے اصل کے
 ضوابط انقلاب مابیت میں کیونکہ ہر جو انقلاب مابیت کے احکام شرعاً مبدل ہو جاتے ہیں پس جبکہ اجزائے
 انسانیت باقی نہ رہے بلکہ مبدل نہ ہو گئے باضرورہ احکام مبدل ہو جائیں گے اور وہ احادیث جن سے ممانعت
 قبر پر بیٹھنے اور ٹیک لگانے وغیرہ کی ثابت ہو وہ اس حالت پر محمول ہیں کہ اجزائے انسانیت موجود ہوں پس جب
 انکا انقلاب ہو جائے اور بالضرورت نقل کر دی جائیں تو وہ مقام مثل اور مقامات کے خالی قبور سے ہو جائیگا
 اور اسپر تصرفات درست ہو جائیں گے سوال مرد کو تین کفن ادا رو لٹافہ و پیرا ہن اور عورت کو سوا سے

تین کفن کے ووزائد اڑھنی اور سینہ بند جملہ پانچ کفن پر کتاب سے ثابت ہو پس اس کے علاوہ جو فی زمانہ ہند
 وغیرہ دیا کرتے ہیں کیسا ہو اور خشت کو مرد کا کفن دیا جائیگا یا عورت کا جواب غشی کو عورت کا کفن دیا جائیگا
 اور عورتوں کے واسطے جو پانچ کپڑے سنون بہن اور مرد کے واسطے تین کپڑے بھر یا رتی درست نہیں ہے
 سوال اس ملک کا رواج ہو کہ اہل سنت اور روافض بن غمی اور خوشی کے وقت ہر طرح کی شرکت
 امور دنیاوی میں رہتی ہو اور غمی میں یہ ہوتا ہو کہ نئی لوگ روافض کے یہاں جا کر کلمات تسکین وقت تمہری
 کے کہتے ہیں اور قبرستان تک ساتھ جاتے ہیں اور صرٹ سٹی دینے میں شرکت رہتی ہے اور نماز غسل تکفین
 وغیرہ سے کچھ واسطہ نہیں علیٰ ہذا التماس روافض کا بھی یہی قاعدہ ہو پس یہ جائز ہے یا نہیں جواب جو روافض
 غیر مرتدین کا فین میں اُسکے لیے جائز ہے ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہو ولا تقبل علی احد منهم مات ابد او
 لا تقم علی قبرہ انھ کفر وابللہ ووصلہ وما قواہم فاسقون اُن میں سے کسی پر نماز نہ پڑھو اور نہ انکی قبر پر
 کھڑے ہو اُنھوں نے خدا اور اُنکے رسول کا انکار کیا اور حالت فسق میں مرے۔ تھامنی بیضا دی انوار التقریل فی
 اسرار القادیل میں لکھتے ہیں۔ ولا تقم علی قبرہ ولا تقب عند قبرہ للدفن والذی یارۃ اُنکی قبروں کو پاس
 دفن اور زیارت کے لیے نہ کھڑے ہو۔ واما علم کتبہ العبد الفسیس محمد المدعو بادیس الجرامی عفا اللہ عنہ
 محمد ادریس صح ابواب واما علم بالصواب حررہ الراعی غفور ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالمحی تجاذا لاسد
 عن ذنبہ الجملی و الخفی محمد عبدالحی
ابو الحسنات ابواب صحیح نمقہ محمد امان الحق غفی عنہ سوال محرم اگر حالت احرام میں
 مر جائے تو اسکی تکفین عامۃ اموات کی طرح کیجائے یا کسی خاص طریقہ سے اگر عامۃ اموات کی طرح کی جائے تو اس
 حدیث کا کیا جواب ہے کہ ایک شخص احرام کی حالت میں اونٹ پر سے گرا گرنے سے گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا اسپر
 سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اغسلوہ بماء و سددو کفنوہ فی ثوبہ ولا تحزوا را سہ فانہ یبعث یوم
 القیمہ میں اسکو سادے پانی اور پیری کے پانی سے نہلاؤ اور اُسی کے کپڑوں کا کفن دواو سر پر کچھ نہ باندھو
 کیونکہ یہ قیامت میں اسی طرح اٹھے گا جواب ظاہر اس حدیث کا اس پر بردال ہے کہ محرم کی تکفین عامۃ اموات
 کے مثل نہیں ہو اور خفیہ اسکو خصوصیت پر محمول کرتے ہیں اور حدیث الامامات ابن آدم القطع علیہ الامن
 فلان (جو آدمی مرنے پر تو اسکا عمل منقطع ہو جائیگا مگر تین امویین ہو تشار کر تو میں سوال والدین کی قبر چمنا جائز ہے یا نہیں
 جواب حرام ہے جیسا کہ ماعلی قاسمی نے اسکی تصریح کی ہے سوال پختہ قبر بنانا کیسا ہو جواب ادلی ہے
 کہ خام قبر بنائی جائے اور پکی اینٹ یا کٹھیا کا داخل قبر میں رکھنا مکروہ ہے اور ظاہر قبر پر نشان کے لیے کھدائی

کوئی حرج نہیں ہے و قایمین ہو و یکوہ اکجود الخشب اینٹ اور لکڑی کا رکھنا مکروہ ہے۔ اور ذخیرۃ العقبین میں ہے
 یعنی فی داخل اللحد بدلیل ما ذکرہ فخر الاسلام فی الجامع الصغیر ولا یکوہ اکجود علی الظاہ لان النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم وضع علی قبر ابی وجانہ بجل انتقال لا عرف بہ قبل ان ینفی یعنی محمد کے اندر کیونکہ فخر الاسلام نے جامع صغیر میں کہا ہے
 کہ قبر کے اوپر اینٹ کا رکھنا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی وجانہ کی قبر پر پتھر رکھنے
 فرمایا یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ اپنے بھائی کی قبر پہچان سکوں سوال اگر قبر کھودی جائے اور اس میں ہڈیاں
 ٹھکین تو کیا کیا جائیں۔ جواب وہیں دفن کیا جائیں غرائب میں ہے۔ اذا حضرو فوجد فیہ عظام الموتی کا یصرک
 العظام اگر قبر کھودی گئی اور اس میں مردے کی ہڈیاں ٹھکین تو انھیں حرکت نہ دی جائے سوال نشان کیلئے
 قبر پر لکھنا کیسا ہے جواب کوئی حرج نہیں ہے و ذخیرۃ العقبین میں ہے قال فخر الاسلام فان اجتہاد النکاتہ حتی لا ینب
 الاثر فلا بأس بہ ایضاً لکان فی البیانۃ فخر الاسلام نے کہا ہے اگر نشان باقی رکھنے کے لیے قبر پر کتابت کی ضرورت
 ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے سوال تنہا یا پھول وغیرہ قبر پر ڈالنا کیسا ہے جواب بعض فقہاء اسی مستحب لکھتے
 ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایکبار حضور سرور کائنات علیہ السلام دالصلوۃ و دو قیون کے پاس تشریف لگے
 ان دونوں صاحبان قبر پر عذاب ہو رہا تھا پس آپ نے درخت کی ایک ٹہنی منگائی اور اسے بیج سے بھاڑ کے
 آدھی آدھی ٹہنی دو وزن پر ڈال دی اور فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی انکی تسبیح کی برکت کی وجہ سے صاحبان
 قبر پر عذاب میں کمی رہے گی سوال قبر پر لگی ہوئی گھاس کو یا درخت کو اکھاڑنا جائز ہے یا نہیں جواب
 جب تک تر رہیں تسبیح کرنے کی وجہ سے اکھاڑنا مکروہ نہ ہو اور خشک ہو جانے کے بعد اکھاڑنا درست ہے سوال
 چالیسواں شش ماہی برسی وغیرہ کے فاتحون کا کھانا جو برادری میں بٹتا ہے کیسا ہے جواب شیخ محدث دہلوی
 جامع البرکات میں ہزبان فارسی لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے کہ چلم یا شش ماہی یا برسی کا کھانا جو اس دہان
 پکا کر برادری میں بانٹا جاتا ہو اور اسے بھاجی کہتے ہیں لا اصل ہو اسکا نہ کھانا بہتر ہے سوال کھانا سنی رکھنے
 ہاتھ اٹھا کے فاتحہ دینا کیسا ہے جواب فاتحہ اس خاص طریقہ سے نہ پڑھنا نبوی میں تھا نہ زمانہ خلفاء اور قرون ثلثہ
 میں اور اب بھی حرمین شریفین زادہ شرف ماہین خواص کی عادت نہیں ہو لیکن اگر کسی شخص نے اس طریقہ سے
 فاتحہ دیا تو اسکے وجہ سے وہ کھانا حرام نہ ہوگا اور اسے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس طریقہ سے فاتحہ دینے
 کو ضروری جاننا برا ہے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو چاہے پڑھے اسکا ثواب میت کو بخشے اور بہتیت تصدق فقر کو کھانا کھلائے
 اور اسکا ثواب بھی میت کو بخشے سوال سوم یا پنجم میں بلالے یا بلالے جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور سب مل کے

کوئی بلند آواز سے اور کوئی چپکے سے قرآن شریف پڑھتے ہیں اور ایک سہ یا دو سہ گنا لالچا آواز اور تمام حاضرین اس میں پھول ڈالتے ہیں اور بھی مختلف رسوم اور ہوتے ہیں ان کا کیا حکم ہے جو اس فتیٰ الخیر میں زبان فارسی ہی جگہ ترجمہ یہ کہ رسوم کا مقرر کرنا اور اس سے ضروری کھانا شرعاً ثابت نہیں صاحب نصاب الاحساب نے ان کو مکروہ لکھا ہے اگر بلا تقریر و م اور بغیر رسوم دنیاوی کے میت کو ثواب پہونچائیں تو باعث خیر ہو اور میت اپنے موت کے قریب ثواب کی زیادہ محتاج ہوتی ہو جائیگ ہو سکو ثواب پہونچانا چاہیے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں زبان فارسی تحریر فرماتے ہیں کہ ترجمہ یہ ہو اور عادت نہیں تھی کہ میت کیلئے غیر وقت نماز میں جمع ہوں اور قرآن پڑھیں اور تم کہیں نہ قبر پر نہ اور کہیں اور یہ سب بدعت اور مکروہ ہو البتہ لیل میت سے تعزیت کرنا اور انھیں تسلی دینا اور صبر کی تعلیم کرنا سنت اور مستحب ہو لیکن تیج کے دن اس مخصوص صورت سے جمع ہونا اور تکلفات مردہ کرنا اور تپائی کے مال سے بے حیثیت مال صرف کرنا بدعت اور حرام ہے سوال سال بھر کے بعد عرس کرنا درست ہو یا نہیں جواب صاحب تفسیر منظری نے ناجائز لکھا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ثابت من السنین اپنے شیخ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا یہ عرس زمان سلف میں نہ تھا تاثرینا کے مستحبات سے ہو اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے مکاتیب میں لکھتے ہیں اور تعین عرس اس لیے ہے کہ کسی دن صاحب عرس سے انتقال کیا ہے ورنہ جس دن عرس کیا جائے فلاح و نجات کا باعث ہو اخراج ابن جریر عن محمد بن ابراہیم قال کان ابی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشهداء علی راس کل حیل نفیہ ول سلام نایکد با صدقہ فقہ عقبی لہ اور ابو بکر و عمر و عثمان و معا بن جریہ نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں قبور شہداء پر جاتے اور سلام آہ (تمہ سلامتی ہو) اس لیے کہ تم نے میری راخت بھی کیا ہے (جب ہی) فراتے اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ ہوتے سوال حسن بن حسین جو کمانا پکار صیافتین کی جاتی ہیں انکا کھانا جائز ہے یا نہیں جواب جو کھانا ضیافت کے لیے بچا یا جائے اسکا کھانا میر اور غریب سبکو جائز ہے اور جو تصدق کے لیے بچا یا جائے ناگر اسکا ثواب میت کو پہونچے اسکا کھانا فقرائے سواد و سرون کو ناجائز ہے کیونکہ تصدق فقرائے لیے اور یہ اغنیاء کے لیے ہے سوال چار پائی پر نماز جنازہ درست ہو یا نہیں جواب درست ہے اور ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرشت کو سر پہ رکھ کے بڑھی گئی تھی اور اہل عرب تخت اور چار پائی دونوں کو سر پہ رکھتے ہیں تاہم میں ہم الشریعہ خصوص مفقول یشقوبہ السدید و عجمہ والحوص بالعم ورق الفل شرعیہ ہونے کے کچھ کہتوں (یعنی بڑائی) کو

کئے ہیں جو سخت وغیرہ پر گھائی جاتی ہے اور عرصہ کچھ کے پتوں کو کہتے ہیں سوال تجس چار پائی پر بلاش کو کہہ کر
 نماز پڑھنا درست ہو یا نہیں جواب تفسیر میں ہرود الطہارۃ من النجاستۃ فی الثوب والبدن والمکان وستر
 العورة شرط فی حق الامام والمیت جمیعاً مکان اور کپڑوں اور بدن کی نجاست سے طہارت اور ستر عورت
 امام اور میت دونوں کے لیے شرط ہے سوال بازار میں بچا کرنا کہ فلان شخص کی جنازے کی نماز پڑھنے کو جائز
 ہو یا نہیں جواب اگر عالم یا زاہد یا کسی ایسے شخص کا جنازہ ہو جس کی نماز پڑھنے کے لوگ خواہشمند ہوں تو نماز
 کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ کفایہ جاثیہ پر ایمین ہو وقد استحسن بعض المتأخرین الذاء فی الاسواق للجنائزۃ القاتی
 برغب انما من ثانی الصدوق علیہما السلام ذلک بعضہم والاصح هو الاول کذا فی الجامع الصغیر لقاضی خان وقال
 الامام المصنف وانی لا یتادی فی السوق لانه عادة الجاهلیۃ لان یتكون المیت عالماً و زاهداً و قال الامام
 الحلوبی وانی واما ورد هذه المسألة لان البعض کو هو ذلک لانه اعلام بالمعصیۃ کذا ذکرہ الترمذی جمہ
 الہ بعض متأخرین نے نماز جنازہ کے لیے گلی کو چون مین بکروا دینا مستحسن جانا ہو تاکہ لوگوں کو نماز کی رغبت ہو
 لیکن بعضوں نے اسے مکروہ جانا ہے اور پہلا ہی قول صحیح ہے ایسا ہی قاضی خان کی جامع صغیر میں ہے
 اور امام ہند وانی نے کہا ہو کہ بازار میں نہ بکروانا چاہیے کیونکہ یہ جاہلیت کی عادت ہو لیکن اگر عالم یا زاہد کی
 میت ہو تو بازار میں بکروانا چاہیے اور امام حلوانی نے کہا ہے کہ اس سلسلہ کو اس لیے ذکر کیا کہ بعضوں نے
 اسے مبرا جانا ہے کیونکہ یہ اعلام بالمعصیۃ ہو ایسا ہی ترمذی نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ
 القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی شجوار المدین ذنبہ الحلی و الخفی [محمد عبدالحی
 ابو الحسنات]

باب التیمز و التکفین

سوال ایک حاملہ عورت دروزہ مین مرگئی اور بچہ بھی مر گیا پس تدفین کیونکر کی جائے جواب دوسرے
 عورتوں کی طرح اسے دفن کرنا چاہیے اور بچہ نکالنے کے لیے تحلیف دینے کی ضرورت نہیں ہو البتہ اگر عورت
 مرگئی اور معلوم ہو کہ بچہ زندہ ہو تو بائیں جانب سے پیٹ پھاڑ کے بچہ کو نکال لینا چاہیے اور اگر عورت زندہ
 ہو اور بچہ مر گیا تو ہوشیار دانی کو چاہیے کہ آسانی سے اعضائے طفل کو جدا کر کے نکالے سوال نے
 کے بعد عورت کو کون دفن کرے جواب اگر زوی رحم محرم ہوں تو انھیں دفن کر نیکاف ہو ورنہ اجانب کو
 صاحب نصاب المصنوع شرح طحاوی سے نقل کرتے ہیں وذو الرحم المعلوم ادلی با دخالی المراتۃ

فی القبر من غیرہم وکل ذی رحم محرم اقرب منها فہو اولیٰ من الا جانب لولہ یکن لہا ذو رحم محرم فلا یاس للاجاب
فی وضعہا فی قبر حاد لا یمتاز الی ایقان النساء للوضع عورت کو قبر میں اتارنے کے لیے زور رحم محرم اور فی ہر دو چہر
آن میں بھی اقرب باور سے اولیٰ ہو اور اگر ذو رحم محرم نہ ہو تو اجانب قبر میں تائین آئیں کچھ رحم نہیں اور عورتوں
کے بدلانے کی ضرورت نہیں ہے سوال ایک شخص کی دو بیٹیاں تھیں اور وہ شخص مر گیا اور ان کو کیوں
کی والدہ پہلے قضا کی لیکن جائیداد کا نات : غیرہ جو کہ اسکے پاس تھی سپردہ و دفن بیٹیاں قابض رہیں چنانچہ
اب بڑی بہن مر گئی اور چھوٹی بہن نے اپنی جائیداد سے اسکا گور و کفن کیا اب اپنی بہن کی گور و کفن کا یہ یہ مانگتی ہے
شرعیہ رو بہ یہ اسکو ملنا چاہیے یا نہیں جواب اگر بہن کی بے کھاس نے خرچ کیا تو اسکا دعویٰ باطل ہے
روا المختار میں ہو کو فقہ المذاہب من مالہ لرجع علی الغائب منہم بجمہتہ فلا رجع لہ ان انفق بلا اذن القاضی
لکذا فی حاوی الزاہدی واستنبط منہ الخیر المرہ علی علیہ انہ لو کفن الزوجۃ غیو ذہبہا بلا اذن و اذن القاضی
فہو متبوع اگر موجود نہ کفن دیدیا تو غائبہ پر دعویٰ نہیں کہہ سکتا جبکہ بغیر قاضی کی اجازت کے اس نے کفن
دیا ہے جیسا کہ حادی زاہدی میں ہے اور اس سے خیر ملی نے استنباط کیا ہے کہ اگر عورت کو شوہر کے علاوہ کسی اور
نے شوہر پر قاضی کی بی اجازت کفن دیدیا تو وہ تبرع ہے سوال مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر مرد اور مسلمان
عورت سے بذریعہ زنا یا طلاق کی پیدا ہو کر قبل بلوغ یا بعد بلوغ مر جائے تو ان کی تجیز و تکفین کا کیا حکم ہے جواب
بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح انکی تجیز و تکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح اور بلوغ کے پہلے وہ ان
کے تلحہ میں کیونکہ ولد الزنا کا نسب زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ زانی سے اور بچہ وغیرہ میں ہو ہوتا ہے لاحدا بویہ
مالی البلوغ والیٰ یحدیث اسلامہ اوھو محمدیہ و انہ ان باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع رہے یہاں تک کہ وہ
سن تجیز کو پہنچا اسلام ظاہر کرے پس جب تک کہ وہ ایمان تجیز میں اسلام نہ لائیگا مان کا تابع رہیگا وادامہ علم حرمہ
والراجح ہو روتیہ القویٰ ابو احسان محمد عبدالحی محمد زامد عن ذمہ الجلی و الخفی

محمد عبدالحی
ابو احسان

باب روتیہ الملل

سوال اتیسویں شعبان کو روتیہ ہلال رمضان اور انتیسویں رمضان کو روتیہ ہلال شوال کا ثبوت فقط مسلمانوں
کی تحریر یا تک کی وجہ سے جو جائز ہے یا نہیں اور دوسرے مہینوں کی روتیہ کا ثبوت بھی اسی طرح جائز ہے یا نہیں
اور وہ یا زائد ستھروں کی حد روتیہ سے حکم جائز ہو یا جاتا ہو ان کے درمیان میں کچھ فاصلہ بھی مشروط ہے

یا نہیں ہوا موافق بغیر قاضی کے سامنے شہادت دیے ہوئے صرف تحریر سے رویت ہلال ثابت نہیں
ہوتی اگرچہ تحریرات متواترہ و متکثرہ اور عام شہرت کو فقہانے معتبر جانا ہے جیسا کہ در مختار میں ہے لہذا لو
استفاض الخبر فی البلدة الاخریٰ نزد ہم علی الصحیح من المذهب ہاں اگر دوسرے شہر تک خبر پہنچی تو نہ صحیح
صحیح کہ موافق ان لوگوں کو چاند کا مان لینا ضروری ہو۔ اور طحاوی میں لہذا استفاض کو تحت میں لکھا ہوا ہے اکثر الخبر و شہرہ
ولم یبینوا الحد او الظاہر فیہ تعذر غالب اہل البلد ایضاً یعنی خبر عام اور شہر ہوئی اور فقہانے اس کی
کوئی حد متعین نہیں کی ہو ظاہر یہ ہے کہ اس میں اکثر اہل بلد یا نصف اہل بلد تک خبر کا پہنچنا معتبر ہے لہذا لو جازم
میں ہو و الصحیح من مذهب اصحابنا اندیلتزم اذا استفاض الخبر فی البلدة الاخریٰ ہمارے اصحاب کا صحیح
مذہب یہ ہے کہ چاند کا ماننا ضروری ہو اگر دوسرے شہر میں خبر پھیل گئی۔ ہوتا رہا اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ کفار سے
خبر ملتی ہو اور شراکت اشتہاد میں اسلام بھی ہے اور وہ نہیں پایا جاتا جامع الرموز میں ہے والی اندیشہ متوسط
الاسلام والعقل والبلوغ اسلام اور عقل و بلوغ شرط ہے اور رویت ہلال میں بعد اصرار کا اعتبار نہیں
در مختار میں ہے فیلزم اہل المشرق برویت اہل المغرب اذا ثبت عندہم رویت اولئک بطریق موجب اہل
مشرق پر چاند کا ماننا لازم ہو اہل مغرب کے چاند دیکھنے سے اگر بطریق موجب انکے نزدیک رویت ثابت ہو۔ والہ اعلم
نقطہ خام اولیسا راسد الصمد علی محمد غفرلہ اسد الاحد علی محمد واقعی رویت ہلال میں خبروں کی شہرت معتبر
ہو اگر کسی شہر سے خبر آئی کہ گذشتہ رات میں وہاں رویت ہوئی یا تار کو ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوئی تو جب تک اسکی
شہرت نہ ہو اور تحریرات کثیرہ اور اخبارات عدیدہ سے معلوم نہ ہو اعتبار نہ کیا جائے گا اور اخبارات متکثرہ سے
دوسرے شہر میں چاند ہو جانے کی قوت کی حالت میں فقہا کا اس باب میں اختلاف ہے کہ آیا یہ رویت دوسرے
شہروں کے لیے بھی معتبر ہے یا نہیں بعض کے نزدیک معتبر نہ ہوگی اور جہاں رویت ہوئی ہو وہیں اسکا اعتبار
کیا جائیگا اور اکثر فقہاء اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا ہو اور ایک شہر کی رویت کی وجہ سے دوسرے شہر میں شہرت رویت
کا فتوے دیا ہے اور محققین کے نزدیک یہ ہے کہ جو بلاد و اعدیات کے اعتبار سے اختلاف مطالع رکھتے ہیں انہیں
اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائیگا اور ایک شہر کی رویت سے دوسرے شہر میں رویت کا حکم نہ دیا جائیگا اور جو شہر
اختلاف مطالع نہیں رکھتے ہیں ان میں رویت کا حکم دیا جائیگا فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہو الخبر اذا استفاض و تحقیق
فی ما بین اہل البلد بین بلز ہم حکم اہل ہذا البلد کا جب خبر شائع ہو جائے اور دونوں شہروں کو درمیان
محقق ہو جائے تو انکا حکم ان شہروں کا ایسا ہوگا جہاں چاند دیکھا گیا ہو۔ اور نہ فائق میں ہو یلزم اہل المشرق

برویہ اہل المغرب فی ظاہر المذہب وعلیہ الفتوی کذا فی الخلاصۃ وقیل یعتبر فلا یمزہم قال الشارح وهو
الاشب لکن قال فی الفتح الاخذ بظاہر الروایۃ احوط وعلی الاول فانما یزہم اذا ثبت عندہم رویۃ اولئک
بطریق موجب ظاہر مذہب میں اہل مشرق کو چاہئے دیکھنے سے اہل مغرب کو ان لینا ضروری ہو جاتا ہو اسی پر فتویٰ
ہو ایسا ہی خلاصہ میں ہے اور بعضوں نے کہا ہو گا پیران لینا لازم نہیں ہے شارح نے کہا ہو کہ یہ قریب حق ہی لیکن
فتح القدیر میں ہے کہ ظاہر روایت سے اخذ کرنے میں احتیاط ہو بر مذہب اول یہ حکم اس وقت ہے جب اہل مشرق
کو اہل مغرب کا چاند دیکھنا ٹھیک طریقہ سے معلوم ہوا اور مراقی الفضل میں ہے اذا ثبت الهلال فی بلد قادم
سائر الناس فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتوی وهو قول اکثر المشائخ فیلزم قضاء یوم علی اہل بلدۃ صاموا تسعة
وعشرین یوما لعموم الخطاب وهو صوم الرومیۃ وقیل یختلف باختلاف المطالع واختارہ صاحب التجوید
کما اذا زالت الشمس عن عند تقوم وغربت عند غیرہم فالظہر علی الاولین لا المغرب لعدم انعقاد السبب
فی حقہم جب کسی شہر میں چاند ثابت ہو جائے تو ظاہر روایت میں یہ ہو کہ تمام لوگوں پر ان لینا ضروری ہو جاتا
ہے اسی پر فتویٰ ہوا یہی اکثر مشائخ کا قول ہے تو جس شہر کے لوگوں نے تیس دن روزہ رکھا اور ہر ایک
روزہ کی قضا لازم ہو اور بعضوں کے نزدیک اختلاف مطالع سے حکم بدل جاتا ہو اسی کو صاحب تجرید نے
اختیار کیا ہو جیسا کہ جب آفتاب ایک جگہ دوال پر ہوتا ہو تو دوسری جگہ سے غروب ہوتا ہے پس پہلی جگہ کے
لوگوں پر نظر ہو نہ کہ غروب کیونکہ اُنکے لیے سبب مغرب نہیں پایا گیا۔ اور مفتی ابوالسعود شرح مراقی الفضل
میں لکھتے ہیں۔ قوله كما ذهب اليه صاحب التجويد وهو الاشبه لان الفضائل الهلال من شعاع الشمس
یختلف باختلاف الاقطار كما فی دخول الوقت وخروجه وهذا مثبت فی علم الافلاک والھیاءۃ یعنی
وقل ما یختلف بالمطالع سیرۃ شہر کا فی الجواہر جیسا صاحب تجرید نے کہا ہے یہی مذہب اشبہ ہو چاند کا شعاع
شمس سے روشن ہونا مقامات کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہو جیسا کہ دخول وقت اور خروج وقت یہ علم الافلاک
اور ریاضت میں ثابت ہو یعنی۔ اور مطالع کا اختلاف کم از کم ایک ماہ کی راہ سے ہوتا ہو جیسا کہ جابر بن عبد اللہ بن جابر
میں ہوا اہل بلدۃ اذا ساءوا الهلال اهل یلزم فی حق کل بلدۃ اختلفت المشائخ فیه فبعضہم قالوا لا یلزمہ
فانما المعبر فی حق اہل بلدۃ روتہم فی الخانیۃ لا عبرۃ باختلاف المطالع فی ظاہر الروایۃ وفی الظہیریۃ
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ کان یقبر فی حق کل بلدۃ سوتہ اهلہا و فی القدری ان کان من البلدین
تفاوت لا یختلف بالمطالع یلزمہ وذکر الشیخ شمس الایمۃ الحلوانی انہ الصحیح من مذہب صاحبنا

اگر ایک شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا تو کیا اس سے تمام لوگوں پر ان لینا ضروری ہو جاتا ہے اس میں مشخّص کا حکم
 ہے بعضوں کے نزدیک لازم نہیں ہے کیونکہ ہر شہر کے لوگوں کے حق میں انھیں کی رویت مقبرہ ہو اور خانہ
 میں ہو کہ اختلاف مطلع کا اعتبار نہیں ہے ظاہر روایت میں اور ظہیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول
 ہے کہ ہر شہر میں وہاں کے لوگوں کی رویت مقبرہ ہو اور قدوری میں ہو کہ اگر دونوں شہر زمین آسا فاصلہ ہو کہ مطلع
 نہ بدلتے ہوں تو ان لینا ضروری ہو اور شمس لا یمیز خلوانی نے کہا ہے کہ یہی ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب ہے۔ اور طبعی
 شرح کثر میں لکھتے ہیں اکثر المشائخ علی مذہب اختلاف المطالع ولا شبہ ان یقتضی ان کل قوم مخاطبون بما
 عندہم وانفصال لہلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار والدلیل علی اعتبارہ ماروی عن کثیر
 ان ام الفضل بعثتہ الی معاویہ رضی اللہ عنہ قال قد مات الشام قضیت حاجتہا واستہل شہرہ رمضان وانا
 بالشام فرأیت الهلال لیلة الجمعة ثم قادمہ المدینۃ فی آخر الشہر والی ابن عباس رضی اللہ عنہ واذکوا الهلال
 فقال منی رأیم الهلال فقلت رأیناہ لما والجمعة فقال انت رأیت فقلت نعم وراک الناس وصاموا وصام
 معاویہ فقال لکنا رأیناہ فی لیلة السبت فلا نزال فصرم حتی لعل ثلثین یوما وندنا فقلت اولی کفی بدویۃ
 معاویۃ وصیامہ فقال لا ہکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی المتقی رواہ الجماعة لا البخاری
 وابن ماجہ اکثر مشائخ کا یہ خیال ہے کہ اختلاف مطلع مقبرہ نہیں ہے اور شبہ یہ ہے کہ مقبرہ ہو کیونکہ ہر قوم اُسی چیز کی
 مخاطب ہے جو اُس کے نزدیک ہے اور شعاع شمس سے چاند کے روشنی مقامات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے اور اس کے
 اعتبار کی دلیل کرب کی ہے روایت ہے کہ ام فضل نے مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو میں شام
 میں آیا اور انکی ضرورت پوری کی رمضان کا چاند جب دیکھا گیا میں شام ہی میں تھا میں نے جمعہ کی رات
 کو چاند دیکھا پھر ختم ماہ پر مدینہ میں آیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رویت ہلال کا ذکر کیا تو انھوں نے پوچھا
 کہ وہاں چاند کب دیکھا گیا میں نے کہا جمعہ کی رات کو انھوں نے پوچھا کیا تم نے دیکھا تھا میں نے کہا ہاں میں نے
 دیکھا اور سب لوگوں نے دیکھا اور روزہ رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا تب انھوں نے
 کہا کہ ہم نے تو ہفتے کی رات کو دیکھا اور ہم اسی طرح روزہ رکھتے رہیں گے یہاں تک کہ تیس دن پورے ہو جائیں
 یا ہم چاند دیکھ لیں میں نے پوچھا کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رویت ناکافی ہے انھوں نے کہا نہیں ہیں
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے متقی میں ہے کہ اسے بخاری اور ابن ماجہ کے سوا اور سب نے
 روایت کیا ہے۔ اور جو ہر نفیسہ شرح درر نفیسہ میں ہے کہ لا عبرۃ باختلاف المطالع وعلیہ لکثیر من المتون المتعبدۃ

کصاحب الکفر والزیلعی ولاشبہان یقتدون کل قوم مخاطبون باعندہم اختلاف مطالع کا اعتبار زمین پر ہو ہی کر
متون معتبرہ مثلاً کفر وغیرہ میں جو زمینی نے کہا ہو اشبہہ یہ جو کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے کیونکہ ہر قوم اسی بات
کی مخاطب ہو جو اُسکی پیش نظر ہو اور مختارات النوازل میں ہوا اہل بلدۃ صاموا تسعة وعشرين یوما بالی ویتہ و
اہل بلدۃ اخری صاموا ثلثین یوما بالی ویتہ فعلی الاولین قضاء یوم اذا اختلف المطالع بینہما واما اذا اختلف
لا یجب القضاء ایک شہر کے لوگوں نے اپنی رویت کے حساب سے اسی دن روزہ رکھا اور دوسرے شہر کے لوگوں
نے اپنی رویت کے حساب سے تیس دن تو جن لوگوں نے تیس دن روزہ رکھا ہو انھیں ایک دن کی قضا کرنا چاہیے
اگر مطالع مختلف نہوں ورنہ قضا واجب نہیں ہے۔ واما علم حرہ الریحی غنویہ انقولہ ابوہنات محمد عبدلے
تجاوزہ عن ذنبہ الجلی والحقی [محمد عبدلے] سوال ایک ملک کی رویت بلال دوسرے ملک میں معتبر ہو یا نہیں
اور اگر معتبر ہو تو وہ دونوں ملک کتنے بعد پر واقع ہوں اور اختلاف مطالع کا کتنے مسافت میں معتبر ہو جواب
خفیہ کا اس باب میں اختلاف ہو بعض کی رائے یہ ہو کہ اختلاف مطالع کا مطلقا اعتبار نہیں ہو جیسے کہ اہل مشرق
پر رویت بلال مغرب سے جب وہاں کی خبر شرعی طریقے سے پہنچ جائے روزہ واجب ہو اور بعض کی یہ رائے
ہو کہ جب قدر مسافت میں بحسب قواعد ہر نہ علم ہیئت اختلاف مطالع ہوتا ہو اُس قدر میں اختلاف مطالع معتبر ہے
اور اُس سے کم میں نہیں اور اختلاف مطالع کی ادنی مسافت ایک مہینہ کی رہ ہو پس جب ایک شہر میں مثلاً لکھنؤ یا اُسکی اطراف
میں رمضان کا چاند دیکھا گیا پس جو شہر اُس سے ایک مہینہ کی یا زائد مسافت رکھتا ہے وہاں کے لوگوں پر یہ حکم لازم
نہو گا اور جو شہر اس سے کم مسافت رکھتا ہو وہاں کے لوگوں پر یہ حکم لازم ہو گا اور یہی مذہب محدثین خفیہ کا ہو اور ابن عباس
کی اُس حدیث کو موافق ہو جو مسلم اور ترمذی میں مروی ہو بتا اور خانیہ میں ہوا اہل بلدۃ اذا رای الهلال حل یلزمہ فی حق
کل بلدۃ اختلف المشائخ فیہ فبعض قالوا لا یلزمہ فی الخانیۃ لا غیرۃ باختلاف المطالع فی ظاہر الروایۃ و فی
القنادی ان کان بین البلدین تفاوت لا یختلف بہ المطالع یلزمہ و ذکر شمس لائتۃ الخلو فی انہ الصحیح
من مذہب اصحابنا ایک شہر کے لوگوں نے جب چاند دیکھا تو کیا اس سے تمام شہر ان کے لوگوں پر ان لینا ضروری
ہو جاتا ہے اس میں مشائخ کا اختلاف ہو بعض ان کے نزدیک لازم نہیں ہے کیونکہ ہر شہر کے لوگوں کے حق میں
انھیں اپنی رویت معتبر ہے اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر روایت میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہوا اور قدوری
میں ہے کہ اگر دونوں شہر دن میں اتنا تفاوت ہو کہ مطالع مختلف ہو جائیں تو ان لینا لازم ہو اور شمس لائتۃ
حلوانی نے نماہی کہ ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہو۔ اور خطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں مختلف

باختلاف المطالع واختاره صاحب التجريد وهو الاشبه لان انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف
 الاقطار وهذا ثبت في علم الافلاك والهيئة واقل ما يختلف به المطالع مسيرة شهر كما في بحر الجواهر اختلاف
 مطالع سے حکم مختلف ہو جاتا ہے اس سے صاحب تجرید نے اختیار کیا ہے اور یہی اشبہ ہے کیونکہ چاند کا سوچ کی شعاعوں سے
 روشن ہونا مقامات کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور یہ علم افلاک و ہیئت میں ثابت ہوا و مطالع کم از کم ایک ماہ کی
 مسافت پر بدلتا ہے جیسا کہ بحر الجواہر میں ہے۔ اور زلیحی فرج کثر میں لکھتے ہیں انظر لشمس شعاع علی مذ لا یقدر اختلاف
 المطالع ولا شہدہ یتعبر لان کل قوم مخاطبون بما عندہم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس مختلف باختلاف
 الاقطار والدلیل علی اعتبارہ ما روی عن کریب ان ام الفضل یشتا فی معاویۃ قال فقد مت الشام وقضیت حاجتها
 واستہل شہر رمضان وایتقنا الشام فرأینا الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینۃ فی آخر شہر الی بن عباس ذکر الهلال
 فقال تی رأیتہم الهلال فقلت لیلة الجمعة فقال انت رأیتہ فقلت نعم وراۃ الناس وصاموا وصام معاویۃ فقال
 لکنہا رأینا لیلة السبت فلانزل لنصوم حتی نکل ثلثین اونراۃ فقلت اولاً لکنفی برویۃ معاویۃ وصاموا قل لا
 حکذا امرنا رسول اللہ علیہ وسلم قال فی المتقی رواۃ الجماعة لا البخاری وابن ماجہ اکثر شاعراً خیال یہ ہے
 کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے اور اشبہ یہ ہے کہ معتبر ہے کیونکہ ہر قوم انھیں امور کی مخاطب ہے جو اسکے پیش نظر ہیں اور
 شعاع آفتاب سے آفتاب کی روشنی مقامات کے انتقال سے مختلف ہوتی رہتی ہے اور اسکی دلیل کریب کی یہ روایت
 ہے کہ ام الفضل نے مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو میں شام میں آیا اور اگلی ضرورت پوری کی رمضان
 کا چاند جب دیکھا گیا تو میں زمین تھا میں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا پھر حرم ماہ پر مدینہ آیا اور ابن عباس سے روایت
 ہلال کا ذکر کیا انھوں نے پوچھا وہاں چاند کب دیکھا گیا میں نے کہا جمعہ کی رات کو انھوں نے پوچھا کیا تم نے دیکھا تھا
 میں نے کہا ہاں میں نے دیکھا اور سب لوگوں نے دیکھا اور سب دن رکھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو بھی لکھا تب انھوں نے کہا
 کہ ہم نے تو ہفتہ کی رات کو دیکھا اور ہم یونہی روزی رکھتے زمین کے یہاں تک کہ تیس دن پورے ہو جائیں یا ہم عید کا
 چاند دیکھ لیں میں نے کہا کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کافی نہیں انھوں نے کہا نہیں یہیں حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے متقی میں ہے کہ اسے بخاری اور ابن ماجہ کو سوا سب نے روایت کیا ہے۔ اور
 مختارات النوازل میں ہوا اہل بلدۃ صاموا تسعة وعشرين یوما بالرویۃ واهل بلدۃ اخرى صاموا اثنتین بالرویۃ
 فعلى الاولین قضاء یوم اذا لم یختلف المطالع بینہما واما اذا اختلف لا یجوز القضاء بیک شہر کو لوگوں نے اپنی روایت کے
 حساب سے اتیس روزے رکھا اور دوسرے شہر کو لوگوں نے اپنی روایت کے حساب سے تیس روزے رکھے تو پہلو شہر والوں کو ایک روزہ کی نقصان

چاہیے اگر مطالع مختلف نمون ورنہ قضا واجب نہیں ہو۔ اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اہل بلد دو ایتم ہر شہر والی کے لیے انکی رویت ہی اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مطلقاً ایک جگہ کی رویت دوسرے جگہ معتبر نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ اگر ایک شہر میں رویت ہو اور دوسرے شہر میں جو اس سے دو ایک منزل یا دو چار کوس دور ہو رویت نہ ہو وہ رویت ان لوگوں کے حق میں معتبر نہ ہو اور یہ کوئی عاقل (جسکو کتب حدیث کے ساتھ ماست اور فن بیات کے ساتھ مناسبت ہو) تجویز نہ کرے گا بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ جن دو بلاد میں اختلاف مطالع ہوتا ہو اور یہ ممکن ہو کہ ایک جگہ ہلال دیکھا جائے اور دوسری جگہ نہ دیکھا جائے تو ایسے ملکوں میں ایک کا حکم دوسری جگہ لازم نہ ہوگا ورنہ ضرور ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ لازم ہوگا اور ایک روزہ قضا کرنا پڑے گا۔ سوال دیوبند میں پانچ آدمیوں نے جمعہ کے دن (جسکا اسیس شعبان ہونا ایک شخص کی گواہی اور اطراف جو انب کے مختلف متعدد خطوط سے ثابت ہو چکا تھا) باوجود ایم کے چاند دیکھا پھر انھوں نے حاجی محمد اور صاحب کے پاس گواہی دی اور انھوں نے انکی شہادت مان کی اور انکے اور حاجی عابد حسین صاحب کے نزدیک ہر دو گواہوں کی عدا بھی تحقیق نام کے ساتھ ثابت ہوئی اور باقی مسطور الحال پر گواہی قبول ہونے کے بعد حاجی عابد حسین صاحب نے شہر میں منادی کرا دی اور اہل شہر نے ہفتہ کے دن روزہ رکھا پھر تیس روزے پورے ہونے کے بعد باوجودیکہ مطمع صاف تھا چاند نہیں دکھائی دیا ہکو تو یوں بھی لازم تھا کہ ہم عید کرتے چنانچہ درختار وغیرہ کی عبارت پر شاہی بعد صوم ثلاثین بقول عدلین علی الفطر و عادل آدمیوں کی گواہی کے بعد تیس روزے رکھ کے فطر حلال ہو لیکن مغرب کی آواز کے بعد چوبیس آدمیوں نے جو خارج مصر سے چاند دیکھے اُنے تھے مولانا محمد یعقوب صاحب کے سامنے رویت کی گواہی دی اور مولانا موصوف نے قبول کر لی اور شہر کے مختلف محلون سے خبر آئی کہ فلان فلان مرد اور فلان فلان عورت نے چاند دیکھا اور فلان بلند مکان پر دو آدمیوں نے دیکھا اگر جمع عظیم کا خیال ہو تو یہ عبارت درختار کی ملاحظہ فرمائیے قیل بلا علة جمع عظیم لقع العلم غبر ہمو و موصوف الی راہی الامام من غیر تقدیر بعد علی المذہب وعن الامام اندیکتے بشاہدین واختارہ فی البحر و صحیح فی القیۃ الامام کتفاء بواحدان جاء من خارج المصرا وکان علی مکان مرتفع واختارہ ظہیر الدین کیا گیا ہے کہ عبارت جماعت عظیم کی خبر سے علم حاصل ہوتا ہے اور یہ امام کی راہ پر جو کوئی عد و مقرر نہیں ہے پر مذہب صحیح اور امام صاحب سے یہ مروی ہو کہ دو شاہد کافی ہیں اسی کو بحر میں اختیار کیا ہے اور قیہ میں اسکی تصحیح کی ہو کہ ایک ہی شخص پر اکتفا جائز ہو۔ اگر شہر کے باہر سے آیا ہو یا بلند جگہ پر ہو اسے ظہیر الدین نے اختیار کیا ہو۔ تو مولانا موصوف

نے مجمع میں پکار کر کہا کہ ہکواس گواہی سے رویت کا تيقن ہو گیا اور کل عید کی نماز ضرور ہوگی جنکو کچھ شبہ ہو وہ کتب فقہ موجود ہیں دیکھ لیں اسوقت سب نے مان لیا اور چون دھرانہ کی صبح کو قعبات سے چاند دیکھنے کی کثرت سے خبریں آئیں اور عید کی نماز پڑھی گئی مگر چند آدمیوں نے انکار کیا اور ناز میں شریک نہیں ہوئے دوسرے دن مخالفین نے مولوی عبدالحق صاحب کو جھٹون نے ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھی تھی نماز پڑھانے کے لیے بلایا اور وہ گئے وہاں ایک اور شخص آگئے امامت انھوں نے کی اور خطبہ مولوی عبدالحق صاحب نے پڑھا اب معلوم ہونا چاہیے کہ غلطی ہماری ہو یا انکار کرنے والی کی۔ اور اگر ہم عند اللہ شکر میں سے بعض رکھیں اور اعراض کو ہن تو جائز ہو یا نہیں جواب اس صورت میں خطا منکرین سے ہوئی اور وہی لوگ قابل امامت ہیں بلکہ مفتی ثقفہ کا حکم ماننے کی وجہ سے گناہ انہیں لازم ہو مناسب ہو کہ وہ مناسب طریقہ سے سمجھائے جائیں اگرچہ بھی نہ مانیں تو اے علیکم الفسکم لایفر کم من ضل اذا اھتدیتم تم اپنے نفس کے کاموں کے ذمہ دار ہو اگر تم ہدایت پا گئے تو دوسروں کی مگر اسی تھیں ضرر نہ پہنچائے گی کہ مصداق اسکا یہی زمانہ پر جہالت و فتن ہو اور مصیبت دع عنک امرا العوام اپنے کو عوام کے امور سے غلطہ کر لو۔ پر عمل کیا جائے سوال ایک شہر میں ۲۸ شعبان کو کہ بعض جگہ کے ایک خط سے اس روز وہاں ۲۹ کا بھی خیال تھا چند شخصوں نے اگر رویت کی گواہی دی مفتی نے شہادت قبول کر کے روزہ کا حکم دیا جب تیس روز سے ہر روز ہو چکے اور اس روز مطلع صاف تھا مگر چاند کسی کو وہاں نظر نہیں آیا مگر جس جگہ کو لوگوں نے طائران مضان کی شہادت دی تھی اسی جگہ کو جو میں دیکھنا رویت ہلال شوال کی گواہی دی تھی انظار کا حکم دیا اور عید کی نماز پڑھی گئی مگر چند آدمیوں نے اس شہادت کو قابل سند نہ جانکر اس دن روزہ رکھا اور دوسرے دن عید کی ان لوگوں کے واسطے کیا حکم ہو آیا وہ کافر و منکر کما سکتے ہیں یا نہیں اور ایک شخص نے بنظر احتیاط دوسرے دن بھی عید کی نماز پڑھ لی۔ کیا اس فعل سے وہ کافر یا منافق ہو سکتا ہے اور جو لوگ پہلے دن افطار کر چکے تھے انہیں چونکہ سب جگہ اس دن روزہ تھا اس روزے کی قضا لازم آئے گی یا نہیں جواب جب مفتی نے رویت مان لی تو سب پر اس کے حکم کی تعمیل واجب ہو در مختار میں ہو لو کہ انوا ببلد کا لاکھ کہ فیہ اصوام ابقول ثقفہ و فطرہ بالخیار عدلین مع العلة للضرورة اگر لوگ کسی ایسے شہر میں ہوں جہاں حاکم نہ ہو تو کسی ثقفہ کو آدمی قائل پر روزہ رکھ لیں اور دو عادل آدمیوں کو قول پر افطار کر لیں اگر لبر وغیرہ جو ضرورت کی وجہ سے اور رد المحتار میں قولہ صاموا کے تحت میں ہوا ہی افتراضا قوله و افطر واجارۃ غیریہ کا لباس و الظاهر ان المراد بہ العجب یعنی روزہ انہیں فرض ہو قولہ افطروا دوسری کتابوں میں بجائے اس کے لباس ہو ظاہر یہ ہو کہ اس سے وجوب

مراد ہو۔ بنا علیہ جن لوگوں نے گواہی گزرنے اور مفتی کے حکم دینے پر بھی افطار نہیں کیا اور دوسرے دن عید کی وہ گندگاہ ہوئے اُن پر تو بہ لازم ہو مگر اس سے کافر نہیں ہوئے اور دوسرے دن جس نے ناز پڑھی یا دھو دیکر پہلو دن پڑھ چکا تھا اُس نے جہالت اور حماقت کا فعل کیا یہ عذر کہ اُس دن اور کہیں عید نہیں ہوئی تھی شہادت گزرنے اور مفتی کے حکم کے بعد نوجو اور جن لوگوں نے مفتی کے حکم کے موافق افطار کیا ان پر قضا لازم نہیں سوال ان چند سوالوں کا جواب مرحمت ہو (۱) جس دن آسمان پر ابر اور غبار ہو تو رویت ہلال رمضان کے لیے ایک عادل یا مستور اعمال کی گواہی مقبول ہو پس اگر ایک سے زیادہ ہو تو بھی عدالت شرط ہی یا نہیں۔ اگر نہیں تو ابر و غبار کے دن کتنے شخص ہونا چاہئیں (۲) ابر و غبار کے دن رویت ہلال خوال میں دو عادل مردوں کی گواہی مقبر ہے اگر دوسے زیادہ ہوں تو بھی عدالت شرط ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کتنے اشخاص کا ہونا لازم ہو اور مطلع صاف ہونے پر توجع کثیر کی شہادت چاہیے کہ اقل درجہ پچاس آدمی ہوں لیکن ابر و غبار میں اگر تین آدمی سے لیکر دس آدمی تک کو رویت ہو تو بھی عدالت ضروری ہو یا محض اسلام کافی ہو (۳) ایک شہر میں شنبہ کو رویت ہلال رمضان ہوئی اور دوسرے میں یکشنبہ کو اور کسی نے اُس شہر میں اپنے کسی دوست یا غریب کو خط لکھا کہ یہاں شنبہ کو رویت ہوئی مگر نو دین نے چاند نہیں دیکھا یا لکھا کہ میں نے بھی دیکھا اس صورت میں خط کا اعتبار ہوگا یا نہیں۔ اگر ہوگا تو عامی کا خط جو عامی کے نام ہے یا اخبار مطبوعہ کی خبر کا اعتبار ہوگا یا کتاب القاضی الی القاضی ضروری ہو (۴) اس کی خبر سے رویت رمضان یا عید کی ثابت ہوگی یا نہیں۔ (۵) مثلاً شہر میں سہ شنبہ کو عید کی ناز ہوئی اور عادت کے موافق تو پین سہ ہوتیں دیہات میں تو پونگی آواز سنکر افطار کا حکم ہو یا نہیں۔ (۶) ایک یا دو آدمیوں نے دیہات میں خبر دی کہ کل عید کا چاند شہر میں ہوا اور کج وہاں عید ہو تو دیہاتیوں کو ان کی کتنے سے افطار کرنا چاہیے یا نہیں یا کسی نے کہا کہ شہر کے قاضی نے مجھے خبر کرنے کو بھیجا ہے کہ آج عید ہے پس دیہاتیوں کو اس کے قول پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں (۷) حدیث نکل اهل بلد رویت ہم پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں جواب (۱) ظاہر کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غرت رمضان میں عدالت غیر مشروط ہو صرف مستور کافی ہو ایک ہونا یا دو اور ابر وغیرہ کی حالت میں زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہو (۲) عید کے چاند میں جہالت ابر و غبار صرف دو عادل گواہ ضروری ہیں باقی اگر اور زائد غیر عادل بھی ہوں تو کچھ حرج نہیں کیونکہ نصاب شہادت سے ہلال عید کا ثبوت ہو جائے گا اور باقی کا قول ان کے قول کی تائید سمجھا جائیگا (۳ و ۴) صرف تاریا تحریری خطا کافی نہیں جب تک کتاب القاضی الی القاضی نہ ہو فہم از اهل المشرق برویت اهل المغرب ثابت عند ہم رویت اولئک بطریق جہا

اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر ان لینا ضروری ہوتا ہے جبکہ انہیں اہل مغرب کی رویت کا بطریق موجب ہو۔ اور رد المحتار میں جو کچھ تخیل نشان انشہاء اعلیٰ حکم القاضی دیتے فیض الخبر مثلاً دو آدمی شہادت لیکر جاویں یا حکم قاضی پر دو آدمی شہادت دیں یا خبر خود ہی پھیل جائے (۵) افطار کرنا درست ہو گا کیونکہ تو پوچھا چلنا عادت شائعہ کو مؤلف عید پر جب ظن ہے اور غلبہ ظن حل کے لیے کافی ہے رد المحتار میں ہو قلت والظاهر انہ یلزم اہل القریٰ انصوم بساء المذابح اور رویۃ القضاہ دل من مصر لانه علامۃ ظاہرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجتہ موجبۃ للعلم لکما صرح ابیہ من کتابہون ظاہر ہے کہ اہل قری کو تو پون کی آواز اور شہر دن کی قندیون کو دیکھ کر روزہ رکھ لینا چاہیے کیونکہ یہ ظاہر علامت ہے جو غلبہ ظن کہ مفید ہے اور غلبہ ظن حجت اور موجب عمل ہے جیسا کہ فقہانے اس کی تصریح کی ہے (۶) اگر دو شخصوں نے آکر یہ گواہی دی کہ شہرین قاضی نے شہادت مان کی تو اہل قری کو بھی مان لینا چاہیے یا یہ کہ خبر مشہور ہو گئی اس طرح کہ بہت سے لوگ آئے اور انہوں نے خبر دی کہ فلان مقام پر چاند ہو گیا اور اگر صرف دو ایک شخصوں نے خبر دی کہ فلان مقام پر چاند ہو گیا اور اپنی رویت نہیں ذکر کی تو اس کا اعتبار نہ ہو گا رد المحتار میں ہے شہادۃ عند قاضی مصر لکن اشاعتہ برویۃ اللہلال فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بوجاہذ لہذا القاضی ان یمک شہادۃ تہم لکن قضاۃ القاضی حجتہ وقد شہدوا بملک لوشہدوا برویۃ غیرہم لانه حکایتہ نعم لو استفاد الخبر فی البلدۃ الاخریٰ لزمہ علی الصحیح من المذہب کچھ لوگوں نے شہادت دی کہ قاضی شہر کے پاس دو شاہدوں نے فلان شب کو چاند دیکھنے کی شہادت دی اور قاضی نے اس پر حکم دیا تو یہ جائز ہے کہ قاضی ان دونوں کی شہادت پر حکم دے کیونکہ قضای قاضی حجت ہے اور ان لوگوں نے اس کی شہادت دی اور اگر دوسرے لوگوں کے چاند دیکھنے کی شہادت دیں تو اس پر حکم نہیں دے سکتا کیونکہ یہ صرف حکایت ہے البتہ اگر خبر پھیلتی ہوئی دوسرے شہر تک پہنچ جائے تو ان لوگوں کو بھی بر مذہب صحیح مان لینا لازم ہے (۷) یہ ہمیشہ نہیں ہے بلکہ کسی کا قول ہے علماء فقہاء اس امر میں مختلف ہیں بعض کے نزدیک اختلاف مطلقاً غیر معتبر ہے اور بعض کے نزدیک معتبر ہے اور تیسرا مذہب معتبر ہے کہ جن دو مقاموں میں ایک مہینہ کی مسافت ہو ایسے مقاموں میں ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ لازم نہ ہوگی اول اس سے کم میں حکم ایک مقام کا دوسرے مقام پر لازم ہو گا تا مگر خانہ میں جو اہل بلدۃ اذا ساءوا اللہلال اہل یلزم فی حق کل بلدۃ اختلاف فیہ فی بعضہم قالوا لایلزم فانما المقصود فی حق اہل بلدۃ روتہم وفی الغائبۃ لا عبرۃ باختلاف المطالع وقال القضاہ لدی ان کان بین البلدین تفاوت لا یختلف بہ المطالع یقرعہ و ذکر الحلو انہ صحیح من مذہب صحابنا اگر ایک شہر کے لوگ چاند دیکھیں تو کیا تمام شہروں کے لوگوں پر لازم ہوتا ہے

اس میں اختلاف ہو بعض علامتہ ہیں کہ نہیں کیونکہ شہر کے لوگوں کے حق میں انھیں کی رویت معتبر ہو اور
خانہ میں ہو کہ اختلاف مطلع کا اعتبار نہیں ہے اور قدوسی میں ہو کہ اگر دونوں شہروں میں اتنا تفاوت ہو کہ مطلع
مختلف نہوں تو ضروری ہو کہ علوانی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کو مذہب کے موافق بھی صحیح ہو۔ اور جامع الرموز میں ہے
اقل ما یختلف بہا المطالع شہر مطلع کم از کم ایک ماہ کی مسافت سے مختلف ہوتا ہو۔ سوال رویت ہلال رمضان حجاز
شوال میں تار کا اعتبار ہو یا نہیں۔ جواب بحسب ضوابط فقہیہ فقط تار کا اعتبار نہ کیا جائیگا سوال سنایا ہو
کہ بھوپال میں ۲۹ شعبان یوم چار شنبہ کو رویت ہلال رمضان ہوئی چنانچہ اسکی تحقیق کے لیے مخصوص خط ایک
معتبر شخص کے نام بھیجا گیا انھوں نے جواب لکھا ہو کہ ۲۹ شعبان یوم چار شنبہ کی رویت کی تصدیق بخشبہ کے دن دس
بجے ہوئی اور اطلاع کے پے توپ سر کی گئی اور بخشبہ کو سب نے روزہ رکھا اور ملک اور وہ میں اس کی وجہ سے
۲۹ شعبان کو رویت نہیں ہوئی بحساب اس ملک کے ۲۹ رمضان یوم جمعہ کو رویت ہلال ہوئی اور بحساب بھوپال کے
۲۹ شعبان کو ہوئی تھی۔ ۳۰ رمضان تھی اب دریافت طلب یہ امر ہو کہ اگر جمعہ کو بسبب اس کے رویت نہ ہو تو ہفتہ کو
بھوپال کے حساب سے عید ہو سکتی تھی یا نہیں۔ جواب جان بھوپال کی رویت شرعی طریقے سے ثابت ہو گئی
تھی وہاں عید ہو سکتی تھی۔ درختارین ہو فیلزم اہل المشرق برویت اہل المغرب اذا ثبت عندہم رویت اولئک
بطریق موجب اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر (روزہ خواہ عید) لازم ہے جبکہ انکو اہل مغرب کی رویت
کا علم بطریق موجب ہو اور اہل مختار میں ہے کان یقال انہما الشہادۃ او الشہادۃ اعلیٰ حکم القاضی او یستفیض الخبر
مثلاً دو آدمی گواہی لیکر آئیں یا حکم قاضی پر گواہی ہو یا خبر خود پھیل جائے۔ اور یہی اسی میں ہو قال لوجہتی مضم
الاستفاضة ان تاق من تلك البلدة جماعت متحدة دون کل ضلع یخبر عن اهل تلك البلدة انہم صاموا من
رویت کلاھما و المشیوع من غیر علم بمن اشاعہ حتی نے کہا ہو کہ استفادہ کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے متعدد دگر وہ
آئیں اور ہر ایک اس شہر کے لوگوں سے خبر بیان کرے کہ اس نے اپنی رویت پر روزہ رکھا ہو یہ کہ محض خبر شایع
ہو جائے اور شایع کرنے والے کا علم ہو۔ سوال ان نکل اہل بلد رویت ہر شہر والوں کے لیے انھیں کی رویت
معتبر ہو یا لا۔ خلافت المطالع اختلاف مطلع کا اعتبار نہیں۔ جواب اختلاف مطلع میں فقہائے حنفیہ کے
کئی قول ہیں بعض کے نزدیک اختلاف مطلع معتبر ہو اور ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لیے کافی نہیں
ہو بلکہ ہر شہر والوں کے لیے انھیں کی رویت معتبر ہو اور اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت کے موافق
اختلاف مطلع کا مطلقا اعتبار نہیں ہے پس ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لیے کافی ہوگی جبکہ اعتبار

شرح ایک شہر کی رویت کا قوت دوسرے شہر والوں کو ہو جائے اور محققین خفیہ کے نزدیک یہ ہو کہ جن شہروں
 میں ایک عینہ کی مسافت ہو ان میں اختلاف مطلع مقبر ہو اور جن میں اس سے کم فاصلہ ہو ان میں اختلاف
 مطلع مقبر نہیں ہے مترجم کہتا ہے جیسا کہ مرقی الفلاح اور تارخانیا درمختارات النوازل اور ہدایہ اوسین بقائے
 شرح کنز الدقائق اور حاشی مرقی الفلاح وغیرہ میں اسکی صراحت موجود ہے جنکی عربی عبارتیں مع اردو ترجمہ کے
 اوپر کے جوابوں میں لکھی جا چکی ہیں بیان طوالت کی وجہ سے نہیں لکھیں اتمی خلاصہ یہ ہے کہ مذہب اعتبار
 اختلاف مطلع مطلقاً اور عدم لزوم حکم رویت یک بلدہ بلکہ دیگر اگر چند مقارب ہوں غیر مقبر ہو اور مذہب
 عدم اعتبار اختلاف مطلع مطلقاً اور لزوم حکم رویت یک بلدہ بلکہ دیگر اگر چند مقارب بغایت بعد ہوں حدیث
 ابن عباس کے مخالف ہو اور عقلاً وقللاً اصح المذہب یہ ہے کہ جن شہروں میں ایک عینہ کی مسافت ہو ان میں
 اختلاف مطلع مقبر ہو اور جن میں اس سے کم فاصلہ ہو ان میں اختلاف مطلع مقبر نہیں ہے سوال اگرگزیدار
 عمر و جویظا ہر روزہ نماز کے پابند ہیں کہیں سے تار پر خبر دیں کہ بھنے چاند دیکھا تو اس خبر پر عید کرنا درست
 ہو یا نہیں اور اگر نادانستگی میں کوئی شخص اس خبر پر روزہ کھول دے تو اُس پر قصاً لازم آئی یا کفارہ اور شخص
 جان بوجھ کر اس خبر پر روزہ کھولے اسکا کیا حکم ہو جواب مرتبہ ایک خبر پر روزہ نہ کھولنا چاہیے اور اگر غلط
 کر گیا تو قصاً لازم آئے گی نہ کفارہ ہاں اگر چند خبریں پہنچیں جس سے اپنے صورت شہادت کی ہو تو جائز ہے
 سوال رویت ہلال ماہ رمضان و شوال کے باب میں شرعاً خطوط اور تار کا اعتبار نہیں اور اسی پر جمہور
 کا اتفاق ہو لیکن فی زمانہ ہر مسلمان مطلق العنان اور آزاد ہو ہر شخص خود قاضی اور خود مقتدی ہو
 حکام زمان مسلمان نہیں اور جو ہیں بھی تو امور اسلامیہ میں سست اس لیے اکثر ثبوت رمضان و عیدین
 فساد واقع ہوتے ہیں اور ادھی بستی میں شعبان ادھی میں رمضان یا ادھی میں رمضان ادھی میں شوال
 ہو کر رہے ہو اور مسلمانوں میں لڑائی بھگڑے اسکے وجہ سے ہو کرتے ہیں پس دفع فساد کے لیے خطوط یا تار
 یا اہل توقیت کے اقوال کا جو اکثر سچ ہوتی ہیں اعتبار کر لینا درست ہو یا نہیں کیونکہ غلبۃ الظن حجتہ موجبۃ للعلی
 غلبۃ حق وجہا للعلی ہو اور احکام مختلف باختلاف الزمان اختلاف زمانہ سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں یہی مشہور
 ہے اور بعض فقہانے اہل توقیت کے قول کو مانا بھی ہے جواب درباب اعتبار قول مخین و اباب توقیت اگرچہ
 بعض فقہانے فتویٰ دیا ہے چنانچہ قنیہ میں قاضی عبد الجبار دقترلی سے نقل کیا ہے لا باس بالاعتماد علی قولہم
 ان کے قول پر اعتماد کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور ابن مقاتل سے نقل کیا ہوا نہ کان یسألہم ولیعتمد علی قولہم

وہ جو میوں سے پوچھتے اور اُن کے قول پر اعتقاد کرتے تھے اور سبکی شافعی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے وہ شہادت
بیتہ برویہ الهلال لیلة الثلثین من الشهر وقال الحساب بعد ما کان البیویة ثلاث لیلۃ علی بقول اهل
الحساب فان الحساب قطعی والشهادة ظنیة اگر کسی شخص نے قیسوین تاریخ رویت ہلال کی شہادت دی اور
محاسب نے کہا کہ قواعد کے حساب سے آج کی رات چاند کا دکھائی دینا ناممکن ہے تو اُس کے قول پر عمل کیا جائیگا
کیونکہ حساب قطعی ہے اور رویت ظنی۔ مگر چونکہ احادیث صحیحہ بکثرت اس باب میں وارد ہیں کہ صوم اور افطار کا مدار
رویت پر ہے اس لیے بدون رویت کے صرف از باب توقیت کے قول پر اعتقاد کرنا ناجائز ہوگا اور انہیں فقہاء
کا قول صحیح اور معتبر ٹھہرایا جائے گا اور باب توقیت کے قول پر اعتقاد نہیں کرتے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لولیہ
وافطروا لولیہ فان اغنی علیکم فاکملوا العددا اخرجه المسلم وقال صلی اللہ علیہ وسلم الشهر السبع وعشرین
لیلة فلا تصوموا حتی تروا فان غم علیکم فاکملوا العددا وثلثین اخرجه البخاری وقال صلی اللہ علیہ وسلم
صوموا لرؤیتهم وافطروا لرؤیتهم فان حالت دونہم غیابة فاکملوا ثلثین یوما اخرجه الترمذی وقال صلی اللہ
علیہ وسلم انا امۃ البیۃ فکیف یتکلم ولا یحسب الشهر هكذا وهكذا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا ہے کہ رویت پر روزہ رکھو اور رویت پر افطار کرو لیکن اگر ابراہیم ہو تو پورے تیس دن گن لو اسکو مسلم
نے روایت کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہینہ ایتیس راتوں کا ہوتا ہے پس روزہ نہ رکھو تا تک
چاند نہ دیکھو اور اگر ابراہیم ہو تو پورے تیس دن گن لو اسکو بخاری نے روایت کیا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر ابراہیم ہو جائے تو پورے تیس دن گن لو
اسکو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم امی گروہ ہیں نہ لکھے ہیں
نہ حساب کرتے ہیں مہینہ کا کہ اتنا ہے اور اتنا ہے سال الغرض ان احادیث سے ثابت ہے کہ ضرعہ عمار صوم و افطار
رویت پر ہے جو درنہ تیس دن پورے کرنا پس بخین کے اقوال انہ میں احادیث کی مخالفت لازم آتی ہے ہاں اگر
رمضان کے روزے میں احتیاط کسی نے اُن کے قول پر عمل کر لیا مثلاً ایتیس شعبان کو رویت نہیں ہوئی اور
حساب صحیح مقتضی رویت ہے پس احتیاطاً دوسرے دن روزہ رکھ لیا تو کچھ حرج نہ ہوگا فان الاحتیاط امر مرغوب
فی الدین کیونکہ دین میں احتیاط اچھی چیز ہے لیکن یہ حسب محبت مزید باعث حکم عام نہ ہوگا اور افطار کے بارے
میں ترک افطار میں احتیاط ہے باقی شہادت خطوط یا تار پس ہر چند فقہاء ایسے مقامات میں الخطا یشبہ الخطا
خطا کے مشابہ ہوتا ہے لکھے ہیں مگر ایسی صورت میں کہ ظن حاصل ہو جائے اور قوی شبہ باقی نہ رہے

اور تا رہا غلط کو ذریعہ سو کثرت خبرین پہونچ جائیں تو اس پر عمل ہو سکتا ہے اور بحسب اقتضائے انتظام زمانہ حال اس پر عام حکم بھی دیا جاسکتا ہے سوال صوم رمضان اور افطار سوال کا مدار کس چیز پر ہے جواب رویت ہلال بمسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة فرمایا ہوا اذا رايتم الهلال فصوموا واذا رايتموه فافطروا تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو سوال شخص کو لیے اپنی رویت ضروری ہے یا نہیں جواب نہیں فرمایا ہے کہ روزہ فرض نہوگا رسائل لارکان میں ہے روية الكل غير مشروط سب کا دیکھنا مشروط نہیں ہے سوال اگر امر ہو تو ہلال رمضان کے ثبوت میں ایک شخص کی گواہی کافی ہے یا نہیں جواب کافی ہے رسائل لارکان میں ہے ثم يكتفى في الصوم روية واحد اذا كان في السماء علة فتشهادته تلزم الصيام على المكلفين لما عن ابن عمر قال تراعى الناس الهلال فاخبرت رسول الله اني رايت فصام وامر الناس بصيامه رواه ابو داود وپھر روزہ کے لیے صرف ایک شخص کا چاند دیکھ لینا کافی ہے جب آسمان پر ابر یا غبار وغیرہ ہو اور اسی شخص کی شہادت سے مکلفین پر روزہ لازمی ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی پس میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے چاند دیکھا ہے آپ نے خود روزہ رکھا اور لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اسکو ابو داؤد نے روایت کیا ہے سوال شاہد ہلال رمضان کا عادل ہونا ضروری ہے یا نہیں جواب ظاہر الروایۃ میں عدالت شرط ہے اور امام حسنؑ نے امام ابو حنیفہؒ سے جو روایت کی ہے اس کے اعتبار سے عدالت شرط نہیں ہے بلکہ مستور الحال کی شہادت بھی قابل قبول ہے اور یہی طحاوی اور شمس اللابہ طحاوی کا مذہب ہے اور متاخرین نے بھی اسکو صحیح لکھا ہے فی الدار المختار وقیل بلا دعوی ولفظ اشہد للصوم مع علة کفیم وغبار خبر عدل و مستور علی ما صحیحہ البزازی علی خلاف ظاہر لہ ایدہ لا فاسق اتفاقا انتہی ظنہا و فی الحاشیۃ واما اذا کان مستور الحال فالظاہر ان لا تقبل شہادۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ یقبل شہادۃ وھو الصحیح تھن وقال ابو المکلم فی شرح النقایۃ ولم يشترط الطحاوی العدالة قيل مراده ان العدد الاله الحقيقيه ليست بشرط بل يكتفى بالظاهريۃ في النواذر ان شہادۃ المستور مقبولة في ذلك وبہ اخذ الحلواني انتهى وقال مجمر العلوم فی رسائل لارکان ونحن نقول ان شرط العدد الاله في امثال هذا في زماننا يخل بالكثرة لا سيما في الصيام فالأحرى ان يفتى بما عن الامام ابی يوسف رحمه الله ان كان الشاهد ذامرة بحيث يغلب على الظن صدقہ یقبل قوله ثلاثا یقتل مر الصائم و رخصتار میں ہو عادل یا مستور الحال کی خبر بلا دعوی اور بلا الفاظ شہادت کے رمضان کے بارہ میں مقبول ہے جبکہ بر یا غبار وغیرہ جو جسکی تصحیح بزاز نے کی ہے ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے

اور فاسق کی خبر بالاتقان نہ مانی جائے گی اتنی مخصوص و محدود حد میں ہی اگر مخبر مستور بحال ہو پس ظاہر تو یہ ہو کہ
اُسکی خبر قبول نہ کی جائے لیکن جس نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہو کہ اُسکی شہادت مقبول ہو اور یہی صحیح
ہو اتنی اور ابو المکارم شرح نقایہ میں کہتے ہیں محمدی نے عدالت کی شرط نہیں لگائی ہو بعضوں نے اسکا
یہ مطلب لیا ہو کہ عدالت حقیقہ فطر نہیں ہو بلکہ عدالت ظاہر ہو کافی ہو اور میں ہو کہ شہادت مستور اس معاملہ میں
مقبول ہو اور اسی سے حلوانی نے اخذ کیا ہو اتنی اور بحر العلوم رسائل الارکان میں لکھتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ شرط عدالت
اس قسم کے معاملات میں ہمارے زمانے میں بکثرت خلل انداز ہوتی ہو خصوصاً رمضان کے معاملے میں پس بہتر یہ ہو کہ
امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ اگر شہادہ صاحب مردت ہو کہ بطن غالب سچا ہوگا تو اُس کا قول
مان لیا جائے کہ روزیکہ معاملہ بگڑنے نہ پائے سوال اگر کسی نے گاؤں میں رمضان کا چاند دیکھا اور شہر میں نہ آیا
اور اُس گاؤں میں قاضی یا حاکم نہیں ہو تو اُس شخص کے قول پر گاؤں کے لوگوں کو روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں جواب
رکھنا چاہیے سراجیہ میں ہو رجل رأى هلال رمضان بربستان ليس هناك قاض ولا وال ولم يأت المصلح بشهد
فعليه ان يصوموا بقول هذا الرجل ان كان ثقة ايک شخص نے کسی ایسے تصبیہ میں جہاں قاضی اور حاکم نہیں ہے
رمضان کا چاند دیکھا اور وہ شہر میں بغرض شہادت نہیں آیا تو وہاں اُن لوگوں کو اس شخص کے قول پر روزہ رکھنا
چاہیے بشرطیکہ وہ ثقہ ہو سوال اگر ابرکی حالت میں ایک شخص کی گواہی پر روزہ رکھا گیا او تیس روزوں کے بعد
بھی چاند دکھائی نہیں دیا تو عید کرنا چاہیے یا نہیں جواب اگر ابر و غبار کی وجہ سے چاند نہیں دکھائی دیا تو عید کرنا
چاہیے اور اگر مطلع صاف ہونے کی حالت میں سوال کا چاند نہیں دکھائی دیا تو امام محمد کے نزدیک افطار کیا جائے
اور امام ابو یوسف کے نزدیک اکتیسواں روزہ بھی رکھا جائے عمومی شایعہ اشتباہ لکھتے ہیں فی الذخيرة الواحد
اذا شهد على هلال رمضان عند الفاض قبل شهادته وامر الناس بالصوم فلما اتوا ثلثين يوما ثم هلال شوال
قال ابو حنيفة وابو يوسف رحمہما اللہ يصومون من الغد وان كان يوم الاحادی والثلاثين يعني لكونه خروجا عن العباد
فيخاطفون قال محمد يفترون قال شمس لا يمتد الحلو ان هذا الاختلاف فيما اذا هير واهلال شوال والسماء
مصفحة فاما اذا كانت متغيرة فانهم يفترون بلا خلاف وخير من هو اگر ایک شخص نے رمضان کے چاند کی گواہی
قاضی کے سامنے دی و قاضی اُسکی شہادت کو مان کے لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیدے پھر تیسویں رمضان کو عید
کا چاند نہ دکھائی دے تو لوگوں کو دوسرے دن روزہ رکھنا چاہیے گو اکتیسویں تاریخ ہو کیونکہ اپنے ذمہ سے ایک عبادت
کو ادا کرنا ہے اس لیے احتیاط کرنا چاہیے یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا قول ہو اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک

افطار کر لینا چاہیے شمس الایمرہ جلوانی کہتے ہیں کہ یہ احکام اس صورت میں ہر حبس مکان صاف ہو اور ہر شخص سوال کا چاند نہ دکھائی دے لیکن اگر برابر ہو تو بالاتفاق افطار کر لینا چاہیے سوال اگر ہال رمضان کی درختوں نے بحالت ابر و غبار گواہی دی اور لوگوں نے تیس روزے رکھے اور پھر بھی عید کا چاند نہ دکھائی دیا تو افطار کیا جائے یا نہیں جواب افطار کیا جائے چاہے برابر ہو یا نہ ہو جموی شراح اشباہ کہتے ہیں واما اذا شهد علی حلال رمضان شاهداً من السماء فتخيمه قبل القاضي شهادهما وصاموا اثنتي عشرة يوما فلم يروا الهلال ان كانت السماء متخيمه فيفطرون من الغد بالاتفاق وان كانت مضطربة فكذلك يفطرون اليها اشار في القدرى والمتنقى قبل في فوائد القاضي الامام ركن الدين علي السخري في نهضة الفطرون والاول اعلم جب رمضان کے چاند پر دو آدمی نے گواہی دی اور آسمان پر ابر تھا اور قاضی نے دونوں کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھنے کا حکم دیدیا تو تیس روزے رکھنے پر بھی عید کا چاند دکھائی نہ دیا تو اگر آسمان پر برابر ہو تو بالاتفاق افطار کر لیا جائے اور اگر آسمان صاف ہو تو بھی افطار کیا جائے اسی کی جانب قدوسی اور متقی بن اشارہ ہوا اور لکھا گیا ہے کہ قواعد قاضی امام کن لکھ علی سخری میں ہے کہ افطار نہ کرنا چاہیے اولاد میں یہ سوال ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لیے مفید ہوتی ہے یا اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جاتا ہے جواب اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور مختار میں ہے اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاہر لہذا ایتہ وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتویٰ ظاہر وایت کے اعتبار سے اختلاف مطالع غیر معتبر ہے اور اسی جانب اکثر مشائخ لکھے اور اسی پر فتویٰ ہے اور مجمع البرکات میں ہے کہ لیسام اهل بلدة اثنتي عشرة يوما للروية واهل بلدة اخرى تسع وعشرين يوما للروية فله من صام تسع وعشرين يوما فعليه قضاء يوم

اگر ایک شہر والوں نے تیس روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے اسیس تو جنہوں نے اسیس روزے رکھے ہیں انہیں ایک یوم کی قضا واجب ہے اور در مختار میں ہے کہ لو استفاض الخبر في البلدة الاخرى لم يهرم على الصحيح من المذهب اگر دوسرے شہر کی خبر اگلی تو بر مذہب صحیح انہیں بھی اس کے موافق عمل کرنا لازم ہے۔ وجامع الرواۃ میں ہے وحکامہ البلدین بالرؤية لا يلزم الاخرى وعن محمد انه يلزم والعصم من المذهب اصحابنا انه يلزم اذا استفاض الخبر في البلدة الاخرى ایک شہر کی رویت سے دوسرے شہر پر حکم نہیں دیا جاسکتا اور امام محمد سے منقول ہے کہ حکم لازمی ہے اور صحیح یہ ہے کہ لازمی ہے جب دوسرے شہر سے خبر آجائے سوال اگر گواہوں نے اسیس رمضان کو گواہی دی کہ ہم نے رمضان کا چاند ایک دن پہلے دیکھا ہے جس کے حساب سے آج اکتیسویں تاریخ ہے تو انکی گواہی مانی جائے گی یا نہیں جواب اگر یہ گواہ اسی شہر میں تھے اور پہلے رمضان سے چپکے رہے تھے

تاریخ کو گواہی دی تو انکی گواہی قبول نہ کی جائے گی اور اگر دوسرے اگر گواہی دی ہو تو قبول کی جائے گی
 مجمع البرکات میں ہوا اذا شهد الشہد علی لیلہ رمضان فی لیوم التاسع والعشیرین انہم رأوا الهلال قبل صومکم
 بیوم ان کانوا فی ہذا المصر شیخ ان لا یقبل شہادۃ تہم لا تہم ترکوا المجتہدین جاؤا من مکان بعید جازت شہادۃ تہم
 لا انتفاء التہمة لکن فی الخلاصۃ جب بہت سے گواہوں نے اتیسویں رمضان کو چاند دیکھنے کی شہادت دی کہ
 اُنھوں نے (قیسویں کے حساب سے پہلی تاریخ کو اگر) کہا کہ ہم نے تمہارے اس روزہ کے ایک دن پہلے چاند دیکھا
 تھا تو انکی شہادت نہ قبول کرنا چاہیے کیونکہ اُنکے ذمہ جو بات ضروری تھی اُسے اُنھوں نے ترک کیا بشرطیکہ وہ
 لوگ اُسی شہر کے رہنے والے ہوں اور اگر باہر کے رہنے والے ہوں تو وہ معذور ہیں اور انکی شہادت جائز ہے
 کیونکہ الزام منتفی ہو جیسا کہ خلاصہ میں ہے سوال اگر تیسویں رمضان کو غروب آفتاب سے پہلے عید کا چاند دیکھا
 دیا تو فوراً روزہ کھول ڈالنا ضروری ہو یا نہیں جواب یہ چاند آنے والی رات کا مانا جائیگا لہذا غروب کے
 پہلے افطار نہ کرے اور دوسرے دن عید سمجھی جائے گی رسائل لارکان میں ہر دان رأی الهلال فی بخار ثلثین یوم
 یر قبلہ فالہلال لیلۃ الا تیتہ ویوم اصوم یوم رأی فیہ الهلال سواء رأی قبل الزوال وبعده اگر تیسویں تاریخ
 آفتاب ڈوبنے سے پہلے چاند دیکھا اور اسکی پہلی (شب گذشتہ کو) نہیں دیکھا تھا تو یہ چاند آنیوالی رات کا مانا جائیگا
 اور روزہ پورا کرنا چاہیے چاند قبل زوال دیکھا ہو یا بعد زوال۔ واللہ اعلم حررہ الراعی عفو ربہ القوی ابو الحسنات
 محمد عبدالحی تجاوز مد عن ذنبہ بالجلی والنحی [محمد عبدالحی
 ابوالحسنات]

کتاب الصوم

سوال ایک رمضان کی قضا جس شخص نے دوسرے رمضان کے آجائے تک اور انہیں کی تو کیا
 دوسرے رمضان کے آجائے کی وجہ سے اُس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے جواب
 فقط قضا واجب ہو ہر ایسے میں ہوا ان اخرہ حتی دخل رمضان اخر صام التانی لا بد فی وقتہ وقضی الاول لبدہ
 ولا بد فی علیہ لان وجوب القضاء علی التراخی حتی کان لہ ان یتطوع اگر اولے قضائین اتنی تاخیر کی کہ دوسرے رمضان
 آگیا تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے اور پہلے کی بعد کو قضا کرے اور اُس پر فدیہ نہیں ہو کیونکہ وجوب قضا تاخیر
 ہو حتی کہ اُسے نفل روزے رکھنے کا بھی حق حاصل ہے سوال اگر روزہ میں زوجہ سے مساس کیا اور اتزال ہوا
 تو روزہ رہا یا جانا رہا جواب جاتا رہا فقط قضا واجب ہوگی قرآنہ المغتسلین میں ہوا اذا قبل امرأۃ بشهوة فکان

بشهوة فامتنی علیہا القضاء دون الکفارة اگر کسی نے شہوت سے ہوسہ لیا یا مساس کیا اور انزال ہوا تو ایسی قضاء لازم ہو نہ کفارہ سوال اگر کسی نے جلق لگایا تو روزہ رہا یا جاتا رہا جواب جاتا رہا فقط قضاء واجب ہوگی نفی القہر میں ہو عامۃ المشایخ علیہ السلام استثناء مفطر وقال فی التجنیس هو المختار عامۃ مشایخ کے نزدیک جلق سے روزہ جاتا رہتا ہو اور صاحب تجنیس نے کہا یہی مختار ہو سوال زید نے مرض سخت کی حالت میں نذرانی نہ لگا کر میں اچھا ہو گیا تو ڈیڑھ برس کے روزے رکھوں گا اب اسکو صحت ہو گئی تو ایام بیض وغیرہ کو روزہ رکھنے یا صدقہ دینے سے ڈیڑھ برس کے روزے اس کے ذمے سے ساقط ہو سکتے ہیں یا نہیں جواب صدقہ دینے سے نذر کو ساقط نہیں ہو سکتی اتنے روزے رکھنا چاہیے خواہ ایام بیض میں رکھے خواہ اور ایام میں سو کر عیدین اور تشریق کے لیکن اُس نے چونکہ نذر میں یہ نہیں کہا کہ علی الاطلاق روزے رکھوں گا اس لیے وہ متفرق روزے رکھ سکتا ہے سوال قضا کے روزے میں ایک شخص نے عہد کیا پی لیا اس صورت میں کفارہ لاجیم ام ایگا یا نہیں جواب نہیں کیونکہ کفارہ فقط رمضان کے روزے میں ہو نہ قضا وغیرہ میں ردالمحتار میں ہو فلا تجب بافساد قضاء رمضان او افساد صوم غیرہ لان الافطار فی رمضان یبلغ فی الخیانة فلا یخلق بہر غیرہ لوجودہا فیہ علی خلاف القیاس قضاے رمضان کے توڑ ڈالنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا اسی طرح رمضان کو روزہ کے سو کسی اور روزہ کے توڑ ڈالنے سے بھی کفارہ لازم نہیں ہوتا کیونکہ رمضان میں افطار بہادر جہ کی خیانت ہو پس دوسری چیز دن کا حکم ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس میں کفارہ خود ہی خلاف قیاس ہے سوال اگر زید رمضان میں قصداً افطار سے پہلے حقہ پیتا ہو تو اسکا روزہ فاسد ہوگا یا نہیں اگر ہوگا تو آیت یا حدیث یا ایماہ کے قول یا فقہ سے ثابت فرمایا جائے جواب اسکا روزہ فاسد ہوگا ردالمحتار میں ہو لوداخل حلقہ اللہ خان افطرای دخان کان لودا کو حلق میں دھوان اُٹا لینے سے روزہ جاتا رہتا ہے چاہے جو دھوان ہو اگر قصداً ایسا کیا ہو اور سائل لا را کان میں لودا داخل لا خان کیا ہے اور ایوم فی اکثر الناس فینبغ ان یفسدہ بالصوم خصوصاً دخان التنباک لا نہ یورث الفرح ویحصل التسلکین المتعادیں اگر دھوان مخلوق کے نیچے اُٹا لیا جیسا کہ آجکل اکثر لوگ کرتے ہیں تو اُس سے روزہ فاسد ہو جانا چاہیے خصوصاً سا کو کے دھوین سے کیونکہ اُس سے فرحت اور جو لوگ پینے کے عادی ہیں ان کو تسکین حاصل ہوتی ہو اور ردالمحتار میں ہو ویلزمہ التکفیر لوطن ناخدا کذا و افعال الشہوات البطن اور کفارہ لازم ہوگا اگر اُس نے نفع مند و رافع شہوات بطن کے خیال سے پایا ہو۔ واما علم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ واقعی اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا کیونکہ حدیث میں بروایت ابو یعلی مروی ہے

القطر ما دخل روزه هر اس چیز سے جاتا رہتا ہے جو پیٹ کے اندر جائے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز پیٹ میں جائے چاہے وہ دھواں ہی کیون نہ ہو اگر قصد داخل کیا ہو مفید صوم ہو و اسدا علم حرہ ابو الحسنات محمد علی بن سوال خود بخود ڈالنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں جواب نہیں سوال چونکہ لگنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں جواب نہیں کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالت صوم میں بچنے لگاتے تھے جیسا کہ صحیحین کی حدیث سے ثابت ہو اور چونکہ بھی ویسی ہی ہے سوال ایک یا بس المزاج شخص روزہ رکھ سکتا ہو مگر کئی کے زمانے میں اہلے حاذق اسے روزہ رکھنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم روزہ رکھنے سے سخت مرض میں مبتلا ہو جاؤ گے تو کیا کرے جواب روزہ نہ رکھے سوال ایک شخص روزہ رکھنے کے بعد افطار سے پہلے سخت مرض میں مبتلا ہوا اور روزہ ختم کرنے سے زیادتی مرض کا غالب گمان ہے تو افطار کرے یا نہیں۔ جواب افطار کر ڈالے۔ رسائل الارکان میں ہے اذا حدث المرض فی نهار رمضان وینظن بالصوم ان زیادة علی المرض سیاح لہ الافطار روزہ دار کو دن میں ایسا مرض لاحق ہوا کہ فوراً افطار نہ کرنے سے زیادتی کا غالب گمان ہے تو اسے افطار کرنا مباح ہے۔ سوال جس نے زیادتی مرض کے خوف سے افطار کیا ہو ابھر قضا لازم ہوگی یا کفارہ جواب قضا لازم ہوگی نہ کفارہ عالمگیری میں یہی وضعا للمرض فی نهار رمضان اذا خاف علی نفسه التلف او فهاب عضوی فیطول الاجاع وان خاف زیادة العلة وامتدادہ فکذا لا عندنا وعلیہ القضاء اذا افطر کذا فی المحيط مرض کو جب اپنی جان کا یا کسی عضو کے جاتے رہنے کا خوف ہو تو بالاجماع افطار کرے اور اگر زیادتی مرض یا امتداد مرض کا خوف ہو تب بھی ہمارے نزدیک افطار کرے اور جب افطار کر لیا تو اسپر قضا واجب ہو جیسا کہ محیط میں ہے۔ سوال اگر خاک یا سنگریہ یا خستہ خرما یا کلوخ یا پنبہ یا کانغہ وغیرہ کہ نہ غذا ہیں نہ دوا عادتہ مکمل جائے تو قضا لازم آئے گی یا کفارہ جواب قضا لازم آئے گی نہ کفارہ فی عالمگیری اذا ابتلع ما لا یتغذى به ولا یتداوی به عادة کالجرح والتراب لا یوجب الکفارة کذا فی التبيين الخ وفي الخلاصة لو ابتلع حصة او نواة او جمل دھواں و قطن او خشب او کاغذہ فعلیہ القضاء ولا کفارة عالمگیری میں ہے اگر ان چیزوں کو مکمل کیا جن سے عادتہ غذا اور دوا کا کام نہیں لیا جاتا ہے جیسے پتھر اور مٹی تو کفارہ واجب نہیں ہے جیسا کہ تبیین میں ہے اتنی اور خلاصہ میں ہے اگر کنکری یا گٹھلی نکل گیا یا پتھر یا ڈھیلا یا روٹی یا کانغہ تو اسپر قضا ہے کفارہ نہیں ہے سوال روزہ رمضان کے کفارہ میں اگر غلام آزاد کرتے اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو ساٹھ سکینوں کو کھانا کیونکر کہلائے جواب اگر کیر سنی یا حدوت مرض کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو

تو اسے اختیار ہے چاہے ساتھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلائے یا کچا غلہ دیدے اس طرح ہر مسکین کو نصف صاع گہون یا اسکا آٹا یا ایک صاع جو یا انگور یا خرما دے اور نقد قیمت دینا بھی جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک وقت کھانا کھلائے اور ایک وقت کی قیمت دیدے اور اگر ایک مسکین کو ساتھ دن دو وقت کھانا کھلائے تو بھی جائز ہے لیکن اگر ایک مسکین کو ساتھ مسکینوں کا کھانا پکا کر دیگا تو قفارہ میں ایک دن محسوب ہوگا جیسا کہ درمختار میں ہے اور اگر کچا غلہ ساتھ مسکینوں کا حساب کر کے ایک مسکین کو ایک دن میں بر فعات دے تو مختلف فیہ ہو بعض کے نزدیک ایک مسکین سے کافی ہوگا اور بعض کے نزدیک پورا قفارہ ادا ہو جائے گا جیسا کہ بر جندی نے کہا ہے واما علم حرہ الراعی عفو رہا القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی

ابو الحسنات

باب صدقۃ الفطر والاعتکاف

سوال صدقۃ فطر میں گہون دینا مستحب ہو یا اسکی قیمت جواب امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت دینا مستحب ہے کیونکہ روپیہ سے بہت کام نکل سکتے ہیں سوال زکوٰۃ کی طرح صدقۃ فطر میں تملیک متصدق علیہ شرط ہے یا نہیں جواب شرط ہے ابو المکارم کہتے ہیں وشرط التملیک فی الفطرۃ والشر ایضا فطرہ اور عشر میں بھی تملیک شرط ہے سوال زید عشرہ اخیرہ رمضان میں متکلف تھا اور رات کا گمان کر کے اس نے سو کھائی اور صبح میں سحر طالع ہو چکی تھی پس قضا لازم ہوگی اور امساک یوم کرے پس یہ امساک ان لوگوں کے نزدیک جو صوم کو اعتکاف کی شرط جانتے ہیں کافی ہوگا یا نہیں اور عدم کفایت کی صورت میں اس اعتکاف کا کیا حکم ہے جواب جبکہ یہ امساک صوم نہیں ہے اور قضا واجب ہو پس اعتکاف کے لیے کافی نہ ہوگا اور اگر اعتکاف عشرہ متصل کی نذر مانی ہے تو قضا لازم ہوگی اور اگر اعتکاف نفل ہو تو قضا لازم نہ ہوگی درمختار میں ہے فلونذا الاعتکاف شہر رمضان لزمہ واجزاہ صوم رمضان عن صوم الاعتکاف وان لم یصلک رمضان المین قضا شہر غیرہ بصوم مقصود و اقلہ قضاء ساعۃ ولو شیخ فی فطرہ ثم قطعہ لایلزم قضاء علی انظار اگر کسی نے شہر رمضان کے اعتکاف کی نذر مانی تو وہ اس پر لازم ہے اور صوم رمضان کی بدولت صوم اعتکاف کی ضرورت نہیں ہے اور اگر رمضان میں اعتکاف ادا نہیں کیا تو کسی دوسرے مہینے میں اسکی قضا کرے اور اس میں روزہ رکھے اور اقل قضاے اعتکاف ایک ساعت ہو اور اگر نفل کو شروع کر کے قطع کر دیا تو برائے مذہب

ظاہر قضا لانعم نہیں ہے اور جامع الرموز میں ہے اور یہ اس وقت ہے جب روزہ شرط نہ ہو اور اگر روزہ شرط ہو تو کم از کم ایک روز ہے اور قضا صورت افساد و قطع میں لازم ہے انتہی و اسد اعلم حررہ الراجی غفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی بخاؤزا سد عن ذنبہ البجلی والحنفی محمد عبدالحی

کتاب زکوۃ

سوال ادائے زکوۃ کے وقت اس بات کا اعلان اور اظہار کہ یہ زکوۃ کا مال ہے ضروری ہے یا نہیں۔
 جواب ادائے زکوۃ میں ادا کرتے وقت یا اس مال کو اپنے مال سے جدا کرتے وقت زکوۃ ادا کرنے کی نیت ہونا ضروری ہو اور قصد قلبی کو نیت کہتے ہیں اور ادائے زکوۃ کے وقت اگر کوئی پوچھے تم کیا دیتے ہو تو فوراً کہہ دے میں زکوۃ دیتا ہوں لیکن اعلان اور اظہار ضروری نہیں ہے مگر افضل ہے کہ زمین ہے و شرط ادائیگی مقارنۃ للاداء اولیٰ ما وجب ادائے زکوۃ کی شرط یہ ہے کہ ادائے زکوۃ کے وقت یا پھر مال سے جدا کرتے وقت زکوۃ کی نیت ہو۔ اور عالمگیری میں ہے اذا کان فی وقت التصدق بحال لو سئل عما اذا لودی یمكنہ ان یحبب من غیر فکرۃ فذلک لیکون نیۃ منہا اگر تصدق کے وقت اس سے پوچھا جائے کہ تم یہ روپیہ کیسے دے رہے ہو اور وہ بے غور کہی ہو ہے جواب دیدے تو نیت متحقق ہے اور بحر الرائق میں ہے وفی فقہ القادیون الافضل فی الزکوۃ الاعلان او فتح القدیر میں ہے کہ زکوۃ میں اعلان کرنا افضل ہے اور عالمگیری میں ہے اذا اراد الرجل الزکوۃ الواجبۃ قالوا الافضل الاعلان والاظهار فی التطوعات الافضل هو الاثناء والاسرار کذا فی فتاویٰ قاضی خان جو شخص زکوۃ واجبہ کو ادا کرنا چاہے تو فقہاء کے نزدیک افضل اعلان و اظہار ہے اور نفل میں افضل اخفا اور اسرار ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے سوال عورتوں کے کپڑوں میں جو گوڑے پٹھ بنٹ وغیرہ ٹکی ہوتی ہیں ان پر زکوۃ واجب ہو یا نہیں جواب نہیں کیونکہ یہ چیزیں من قبیل عروض ہیں اور عروض میں جب تک تجارت کی نیت نہ ہو زکوۃ واجب نہیں ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے سوال اجنبی بڑے سرائی قرابت دار مقدم ہیں یا نہیں جواب مقدم ہیں بحر الرائق میں ہے قال فی الفتاویٰ الظہیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذكر فی موضع اخر معنی الی ابی حفص الکبیر لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابۃ فیفسد حاجتہم فتاویٰ ظہریہ میں ہے کہ صدقات میں سب سے مقدم اقارب ہیں پھر موالی پھر بڑے اور دوسرے جگہ ابو حفص کبیر کی جانب منسوب کر کے کہا ہے کہ جس کے اقربا محتاج ہیں اسکا صدقہ قبول نہیں ہوتا تا وقتیکہ وہ انکی حاجت

پوری نہ کرے۔ اور عالمگیری میں ہے ولا افضل فی الزکوٰۃ والفطر والتذاریف اولاً الی الاخوة والاخوات
 ثم الی اولادهم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی اولادهم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی اولادهم ثم
 الی ذوی الارحام ثم الی الجيران ثم الی اهل حرفة ثم الی اهل مصرہ او قریۃ کذا فی السراج الوہاج زکوٰۃ
 اور فطرہ اور نذر صرف میں افضل یہ ہے کہ بھائیوں اور بیٹوں کو دے پھر انکی اولاد کو پھر چچاؤں اور پھوپھوں
 کو پھر انکی اولاد کو پھر ماموں اور خالاؤں کو پھر انکی اولاد کو پھر ذی الارحام کو پھر بیٹے و بیٹیاں کو پھر اپنے ہم پیشہ
 لوگوں کو پھر اپنے شہر والوں کو یا اپنے گاؤں والوں کو ایسا ہی سراج و ہاج میں ہے۔ سوال اگر کسی شخص
 کے پاس مکانات یا دوکانیں یا اشیاے منقولہ میں ماوردہ انھیں کرایہ پر چلاتا ہے یا اسکے قبضے میں ہیں
 تجارت کی نیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے جواب اگر مکانات اور دوکانیں یا اشیاے منقولہ
 جیسے دیگر وغیرہ رکھتا ہو اور انھیں کرایہ پر چلاتا ہے اور تجارت کی نیت نہیں رکھتا ہو یا ان اشیا کے خریدنے
 وقت تجارت کی نیت تھی پھر کرایہ پر یہ اشیا چلائے تو ان دونوں صورتوں میں ان اشیا پر زکوٰۃ نہیں ہے
 جمع البرکات میں ہر چل اشتری عیانا منقولہ یا ہر چل عیامہ و مشاکرہ و مسانقہ و جملہ من المنقولات مال عظیم لایجب
 الزکوٰۃ فیہا لکن لایست بالالتجارت فانہا یسکھا و یتبع بها نفع متباعد فصار کلا استعمال فلم یجب فی ذلک
 شیء کذا فی خزائنہ الروایات اگر کسی نے کچھ اشیاے منقولہ خریدے اور انھیں کرایہ پر ایک دن یا ایک مہینہ یا ایک
 سال کے لیے چلاتا ہو اور ان سے مال عظیم از قسم منقولات حاصل کرتا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ یہ تجارت کا
 مال نہیں ہے اسوجہ سے کہ شے اُسکے قبضے میں ہے وہ اُس سے نفع حاصل کرتا ہے تو اُس کا حکم ویسا ہی ہو جیسا
 خود اُسکے استعمال کرنے کا ہو تو اُسکے زمرے کچھ واجب ہوگا جیسا کہ خزائنہ الروایات میں ہے۔ اور اسی کتاب میں
 دوسری جگہ لکھا ہو لو اشتری لوجل داراً و عبد للتجارة ثم اجره یخرج من ان یکون للتجارة ولو اشتری قد ودا من
 المصفر یکسہ و یواجرہا لایجب فیہا الزکوٰۃ لکما لایجب فی بیوت الغنۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان اگر کسی شخص نے
 کوئی گھریا غلام تجارت کے لیے خریدا پھر اُسے کرایہ پر چلایا تو وہ مال تجارت نہیں رہا اور اگر دیگین خریدیں اور انکو اپنے
 ملک میں رکھا لیکن کرایہ پر چلایا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے جیسا کہ غلہ کے گھروں میں واجب نہیں ہے ویسا ہی
 فتادی قاضی خان میں ہے۔ اور اگر مکانات اور دوکانیں اولیٰ اشیاے منقولہ اپنی ملک اور قبضہ میں بلایت تجارت
 رکھے تو بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جمع البرکات میں ہو لوکان لہ عیدہ للتجارة او داراً للکسکے ولم ینو التجارة لکن
 فیہا الزکوٰۃ وان حال علیہما الحال کذا فی شرح الوقاۃ اگر کسی کے پاس بلایت تجارت غلام ہیں یا گھر میں جن میں

نہ تجارت کی نیت ہے نہ رہنے کے لیے ہیں تو زکوۃ واجب نہیں ہے اگرچہ سال گزر جائے ایسا ہی شرح وقایہ میں ہے
سوال اگر کسی شخص کے پاس اراضی ہو اور وہ اس میں کھیتی کرتا ہے تو اس اراضی اور اسکی پیداوار پر زکوۃ
 واجب ہو یا نہیں **جواب** جب تک اراضی میں تجارت کی نیت نہ ہو زکوۃ واجب نہیں ہے کنز میں ہر دو فی
 عروض بقارۃ بلغت نصاب وریق اودھب عروض میں زکوۃ جب ہی واجب ہوتی ہے جب تجارت کے لیے ہوں
 اور ان کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کی اتنی ہو۔ اور ارکان الربیع میں ہے واما العروض فانما یجب فیہ
 الزکوۃ اذا كانت للتجارة اذا بلغ قیمتہا نصابا من الفضة او الذہب ویجب فیہا ربع العشر من قیمتہا ویشترط فیہ
 التجارة لماعن سمرق بن جندب قال ما بعد فان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرنا ان نخرج من الصداقة
 من الذی لعدۃ للبیع رواہ ابو داؤد ودر عرض میں زکوۃ جب ہی واجب ہوتی ہے جب تجارت کے لیے ہوں اور انکی
 قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کی اتنی ہو اور اس میں ربع عشر قیمت واجب ہوتا ہے بشرطیکہ تجارت کی نیت
 ہو کیونکہ سمر بن جندب سے مروی ہے کہ حضور سر در عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے کہ ہم ان چیزوں کی زکوۃ
 نکالیں جو ہم نے بیع کے لیے رکھی ہیں اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور زمین کی پیداوار پر جب تک کہ اسکی
 قیمت نقد نہ ہو جائے زکوۃ واجب نہیں اگرچہ حوالان حول ہو جائے بمع الہکات میں ہے واذا حصل من ارضہ
 حنطۃ مثلا یبلغ قیمتہا نصابا ونویں یہ مسکھا ویسعیہا وحال علیہا المحول فانما یجب فیہا الزکوۃ کذا فی البرجندی
 وفی اللجۃ حتی ینقذ ثمنہا ویحول المحول کذا فی فتاوی قاضی خان اگر کسی کی زمین میں مثلاً گیہوں پیدا ہوئے اور اسکی
 قیمت مقدار نصاب کی اتنی تھی اور اس نے انکے فروخت کرنے کا قصد کیا اور اُنپر پورا سال گزرنے لگا تو اسپر زکوۃ
 واجب نہیں ہے یہ برجندی میں ہے اور حجت میں ہے تا وقتیکہ ان سب کا ثمن نقد نہ ہو جائے اور اسپر سال نہ گزر جائے
 زکوۃ واجب نہیں چھسکار فتاوی قاضی خان میں ہے **سوال** اگر در زکوۃ سے غلہ یا کپڑا خریدے مساکین کو دے
 تو زکوۃ اور ہوگی یا نہیں **جواب** اور ہوگی کیونکہ مال زکوۃ میں رکن تملیک ہے **سوال** پینے کے کپڑوں
 میں پشمینہ ہوا سوئی زکوۃ واجب ہے یا نہیں۔ **جواب** نہیں ہا یہ میں ہے ولیس فی دور المسکن وثیاب البیوت
 واما الثمن المتزل ودواب الکرکوب وعبیدۃ الخدم متوسلا ح الاستعمال من زکوۃ رہنے کے گھر اور پینے کے کپڑے اور
 گھر کے سامان اور سواری کے جانوروں اور خدمت کے غلاموں اور استعمال کے ہتھیاروں پر زکوۃ نہیں ہے۔
سوال زوجہ کو اپنے زیور کی جو اسکی ملک ہے زکوۃ دینا چاہیے یا زوج کو۔ **جواب** مال کی زکوۃ مالک پر ہے
 لیکن اگر زوج زوجہ کی طرف سے زکوۃ دیدے تو ادا ہو جائے گی یکشف الحقائق میں ہے **سوال** اگر کوئی شخص

ایک نصاب کا مالک ہو اور سال بھی اُس پر گزر گیا اُس نے زکوٰۃ نہیں دی پھر دوسرا سال بھی گزرا اب سے ایک سال کی زکوٰۃ دینا چاہیے یا دو سال کی جواب پہلے سال کی زکوٰۃ واجب ہے نہ دوسرے سال کی رسائل الارکان میں ہے اذا ملک ما مٹی درہم و حال علیہ الحول ولم یؤد زکوٰۃ حتیٰ حال علیہ الحول اخر لا یجب لہ زکوٰۃ الحول الاول دون الثاني لانه کان علیہ اداء جزء المال فاذا کان جزءہ مشغولاً بالزکوٰۃ لم یبق الباقی نصاباً اگر کسی شخص کے پاس دوسودہم تھے اُس پر سال گزر گیا اور اُس نے زکوٰۃ نہ دی یہاں تک کہ دوسرا سال بھی گزر گیا اُس پر صرف پہلے سال کی زکوٰۃ واجب ہو دوسرے سال کی نہیں کیونکہ اُس پر جز مال کی ادائی ضروری تھی تو جب جز مال زکوٰۃ میں رکھا ہوا تھا تو باقی بمقدار نصاب نہ رہا اور تیار دقاہ لے دین زکوٰۃ کو غیر نافع قرار دیا ہے اور یہ انکی غلطیوں میں سے ہے جیسا کہ شرح ابوالمکارم میں ہے سوال قرضدار پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہیں جواب اگر وہ بالکل قرضہ میں گھرا ہوا ہو تو جب تک قرضدار ہے زکوٰۃ اُس پر واجب نہیں ہے اور اگر اُس قرضدار کا مال قرضہ سے زائد اور حوائج اصلہ سے فاضل در حد نصاب تک پہنچ گیا ہو تو اتنے مال میں زکوٰۃ واجب ہے ہر ایسے میں ہے من کان علیہ دین محیط بالمال فلا زکوٰۃ علیہ وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی لفاضل اذا بلغ نصاباً اگر کسی پر اتنا قرض ہو کہ اُس کے سب مال کو شامل ہے تو اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر اُس کا مال قرض سے زائد ہے تو زیادتی پر زکوٰۃ ہے سوال مال حرام جیسے کسب غنا اور زنا پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں جواب نہیں قنیہ میں ہے لو کان الخبیث نصاباً لا یلزمہ الزکوٰۃ لان الکمل واجباً للتصدق علیہ لفیہا ایجاب التصدق ببعضہ مال حرام اگر بقدر نصاب ہو تو اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ اُس کل مال کا تصدق کر دینا واجب ہے تو اب بعض کے تصدق کے واجب کرنے سے کیا فائدہ سوال در غنم کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے الشام والمصر خراجیہ وفي الفتح المأخوذ لکان من اراضی مصر اجرة لاخراج الا تری انہا لیست مملوكة للخراج شام اور مصر خراجی ہیں اور فتح میں ہے کہ اکمل جو کچھ مصر کی اراضی سے وصول کیا جاتا ہے وہ اجرت ہو خراج نہیں کیونکہ زمین کا شتکار دین کی ملکیت نہیں ہے جواب اس کی توضیح یہ ہے کہ جو ملک لڑکے فتح کیا گیا ہو اور لشکر اہل اسلام میں تقسیم نہ کیا گیا ہو خواہ وہیں کے کافر اُس میں مقیم ہوں یا دوسری جگہوں کے کفار نقل مکان کر کے اُس میں آگئے ہوں اور جو ملک صلح سے فتح کیا گیا ہو وہ دونوں خراجی ہیں علماء اس امر پر متفق ہیں کہ مصر خراجی ہی البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ وہ لڑکر فتح کیا گیا ہے یا صلح سے فتح کیا گیا ہو اور اس خلاف سے خراجی ہونے پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ جب تک اُس ملک کے لوگ اسلام نہ لے آئیں غمہ بچنگ فتح کرنے کے بعد

دہان کے لوگوں پر احسان رکھ کر خرچ مقرر کیا جائے یا صلح فتح ہو اور جزیرہ مقرر کیا جائے اور جب آراضی مصر کے مالکان بلا وارث مرنے تو یہ آراضی داخل بیت المال ہوئی اور سلطان نے اسے کاشتکاروں کو دینا شروع کیا اور ان سے درہم لیے تو اب یہ درہم ظاہر ہے کہ اجرت مین عشر و خرچ مین مین اور کاشتکار کر دیا مین اور یہ ایک غلطہ قسم ہے لینے نہ عشری ہے اور نہ خراجی اس قسم کی زمین کو ارض ملکیت یا اراضی جزیرتے مین یہ روا المتحررین ہے سوال چاندی سونے کے زیور یا برتنوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں جواب واجب ہے ہر ایہ مین ہے فی نبد الذہب و لطفہ و حلیمہا و اوائہا الزکوۃ چاندی سونے کے و رتوں زیور و اہر برتنوں پر زکوۃ ہے سوال بنی ہاشم کے لیے زائد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مین بخش مال عنیت سے مقرر تھا اب وہ نہیں رہا پس بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں جواب ظاہر الروایۃ اور ظاہر المذہب اور قول مفتی بے کے موافق بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں البتہ غیر ظاہر الروایۃ مین ہر روایت نوادر ابو عصمۃ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اسکا جواز نقل کرتے مین اور دوسری روایت مین امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہاشمی کا ہاشمی کو زکوۃ دینا وارد ہے لیکن یہ دونوں روایتیں ظاہر الروایۃ اور ظاہر المذہب کے خلاف مین اور مفتی بقول کے موافق عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ تمام متون فقہیہ مین عدم جواز مذکور ہے اور قوی متون کے قول پر ہوتا ہے اور بھی مقبر کتب فقہ مین عدم جواز کو ظاہر الروایۃ اور جواز کو خلاف ظاہر الروایۃ بلکہ خلاف صواب لکھا ہے عیون المذہب مین ہے کالانی بنی ہاشم کا جماع مال زکوۃ بالاجماع بنی ہاشم کو نہ دیا جائیگا۔ اور برہان شریح مواہب الرحمن مین ہے ولا تدفع الزکوۃ و ساثر الواجبات الی بنی ہاشم و ہم بنوا عباس و الحارث ابی عبد المطلب و بنو عقیل و جعفر و اولاد ابی طالب فی ظاہر المر وایتہ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من اهل البیت لا یحل لنا الصدقة رواہ البخاری و لقولہ ان الصدقة لا یبغی لآل محمد انما ہے او ساخر الناس رواہ مسلم و ردی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ انہ یجوز فی هذا الزمان و انما کان محتفا فی ذلك الزمان و عندہ عن ابی یوسف یجوز ان یدفع بعض بنی ہاشم الی بعض زکوۃ ظاہر روایت مین زکوۃ اور تمام واجبات بنی ہاشم کو نہ دیے جائیں گے اور وہ عباس بن عبد المطلب اور حارث بن عبد المطلب اور عقیل و جعفر اور ابوطالب کی اولاد مین کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوۃ نے فرمایا ہے بسم اللہ مین ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اسکو بخاری نے روایت کیا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ نہ لینا چاہیے کیونکہ یہ لوگوں کا میل ہے اسکو مسلم نے

روایت کیا ہے اور ابو عصمتہ نے ابو حنیفہ رحمہما سے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں جائز ہے اور اس زمانے میں ممنوع تھا اور امام ابو یوسف رحمہما سے مروی ہے کہ نبی ہاشم باہم ایک دوسرے کو زکوۃ دے سکتے ہیں اور فتح القدیر میں ہے ہذا ظاہر الروایۃ وروی ابو عصمتہ عن ابی حنیفہ الذی یجوز فی ہذا الزمان وانما کان مقتضا فی ذلک الزمان یہ ظاہر الروایۃ ہے اور ابو عصمتہ نے امام ابو حنیفہ رحمہما سے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں جائز ہے اور اس زمانے میں ممنوع تھا۔ اور صاحب درمختار شرح ملتقى الأبحر میں لکھتے ہیں عن الامام جواز دفع الهاشمی زکوۃ مثله وعند المجاز فی زمانہ مطلقا قال بطحاوی وبہ ناخذ و اقربہ القہستانی وغیرہ الا ان ظاہر الروایۃ اطلاق النہی امام ابو حنیفہ رحمہما سے منقول ہے کہ ہاشمی ہاشمی کو زکوۃ دے سکتا ہے اور اخصیہ سے منقول ہے کہ ہاشمی کو مطلقا زکوۃ دینا جائز ہو طحاوی نے کہا ہے کہ ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں اور قستانی وغیرہ نے اسکا اقرار کیا ہے مگر ظاہر الروایۃ سے مطلقا عدم جواز ثابت ہو۔ اور بجز الرائی میں ہے اطلاق الحکم فی بنی ہاشم ولم یقیدہ بزمان ولا بشخص للاشارة الی رد روایۃ ابی عصمتہ عن الامام الذی یجوز الی بنی ہاشم فی زمانہ وللإشارة الی رد الروایۃ بان الهاشمی یجوز لہ ان یدفع زکوۃ الی مثله لان ظاہر الروایۃ المنع مطلقا مصنف زبہ ہاشم کو متعلق عام حکم لکھا ہے کسی شخص اور کسی زمانے کو ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے روایت ابو عصمتہ کی تردید کو جانب اشارہ کرنے کو لیے کہ اس زمانہ میں ہاشمی کو زکوۃ دیا جاسکتی ہے اور اس روایت کی تردید کیلئے کہ ہاشمی اپنی مال کی زکوۃ دوسری ہاشمی کو دیکھتا ہو کیونکہ ظاہر الروایۃ مطلقا منع ہو اور نہ فائق میں ہے روای ابو عصمتہ جواز اعطائہم الواجبۃ فی زمانہ تا ینفخہم الخمس قال الطحاوی وبہ ناخذ الا ان ظاہر الروایۃ اطلاق المنع ابو عصمتہ سے مروی ہے کہ اس زمانے میں ہاشمیوں کو زکوۃ دینا جائز ہے اور اسکے بدولت وہ خمس الخمس سے محروم کر دیے جائیں گے طحاوی نے کہا ہے کہ ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں مگر یہ کہ ظاہر الروایۃ مطلقا منع ہو۔ اور درمختار میں ہے ثم ظاہر المذہب اطلاق المنع فتقول یعنی والہاشمی یجوز لہ دفع زکوۃ مثله صوابہ لایجوز پھر ظاہر مذہب مطلق منع ہے پس عینی کا یہ قول کہ ہاشمی کا ہاشمی کو زکوۃ دینا جائز ہے اس میں صحیح یوں ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اور شامی قولہ اطلاق المنع کی شرح میں لکھتے ہیں ای فی الا زمان کلہا یعنی فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبعدہ یہ حکم تمام زمانوں میں ہے یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اور اس کے بعد بھی۔ اور محدث شرح کنز میں ہے کہ لا تدفع الزکوۃ الی بنی ہاشم سواء کانوا اجماعا ھدین او غیر ھم وسواء کان الدافع ہاشمیا او غیرہ عندنا وقال احمد یحب اخذ الزکوۃ لہا شمی جہا ھد کن الا فی فدا و اھ ہمارے نزدیک زکوۃ نبی ہاشم کو نہ دی جائے گی چاہے

وہ مجاہد ہوں یا نہ ہوں اور چاہے زکوۃ دینے والا ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی اور احمد نے کہا ہے کہ ہاشمی مجاہد کے لیے زکوۃ لینا حائز ہوا ایسا ہی اُنکے فتاویٰ میں ہے۔ اور سبب اشارت رد روایت نو اور جیسا کہ صاحب بحر نے کہا ہے یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوۃ نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ صدقہ اور لوگوں کا میل ہی جیسا کہ ہم نے اسکو احادیث صحیحہ معتبرہ سے اوپر ثابت کر دیا ہے پس جب تک زکوۃ صدقہ اور لوگوں کا میل رہیگی اُسوقت تک بنی ہاشم کو نہ دی جائے گی ہاں اگر زکوۃ صدقہ اور لوگوں کا میل کسی آنے والے زمانے میں نہ رہے تو بنی ہاشم کو زکوۃ دینا بھی ناجائز نہ رہے گا اور یہ محال ہے اس تقریر سے وہ شبہ دفع ہو گیا جو بعض اذہان میں تھا کہ تقریر خمس کی وجہ سے بنی ہاشم کو زکوۃ نہیں دی جاتی تھی اور اب بیت المال کے مفقود ہونے سے علت مرفوع ہو گئی۔ کیونکہ زکوۃ نہ دینے کی وجہ زکوۃ کا صدقہ اور صدقہ ہونا ہے کہ صدقہ اور صدقہ کو حضور نبی کریم علیہ السلام و التسلیم نے اپنے اقارب اور اہل بیت پر حرام کیا ہے نہ تقریر خمس کی وجہ سے کہ اس زمانے میں اگر سادات کو زکوۃ نہ دی جائے گی تو وہ دنیاوی سخت تکالیف میں مبتلا ہونگے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ فی زمانہ مودیان زکوۃ خال خال شادمان ہیں پس سختین زکوۃ کا انکار دنیاوی میں مبتلا نہ رہنا کیونکہ ممکن ہے اسی لیے مودیان زکوۃ اور ہر اس شخص کو جو قطع پر قدرت رکھتا ہے چاہے کہ تطوعات صدقات نافلہ اور محافل اوقاف اور ہدایا وغیرہ سے حضرات سادات کی خدمت کر کے ثواب کثیر حاصل کرے درمختار میں ہے جازات التطوعات وغلۃ الاوقاف لہم ای بنی ہاشم سواء ساءلوا وقت اولیٰ ما ہوا الحق کما حقہ فی الحق تطوعات اور غلۃ اوقاف برزخ سبب حق بنی ہاشم کے لیے جائز ہیں خواہ واقف نے وقف کے وقت اُنکا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو اور قاضی تمنا و سلالہ بدینہ میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں۔ بنی ہاشم اور اُنکے موالی کو کچھ نہ دیا جائے سوا صدقہ نفل کے اور صدقہ نفل پہلے بنی ہاشم ہی کو دینا چاہیے کیونکہ زکوۃ اُنکے لیے حرام ہے و اللہ اعلم بالصواب فقہ محمد لطف اللہ عفا اللہ عنہ ماجناہ ہوا المصوب اکثر وہ حدیثیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ بنی ہاشم کے لیے حرام ہے اس بات پر صاف صاف دلالت کرتی ہیں کہ یہ حرمت کسی زمانے کے ساتھ مفقود نہیں ہے طبرانی نے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا یصل لکم یا اهل البیت من الصدقات شئ انما ھ غسالۃ الایدی وان لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم ای اہلبیت تمہارے لیے صدقات حلال نہیں ہیں کیونکہ وہ ہاتھوں کا دھوون ہیں تمہارے لیے خمس الخمس ہی ہیں وہ ہر چوتھین غنی کو دیتا ہے۔ پس اس عبارت اور ان کی مثل عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کی علت

و سخی اور غلام ہو اور یہ وصفت صدقے کے ساتھ ہمیشہ رہے گا پس حرمت بھی ہر زمانے میں ہوگی اسی لیے
 ارباب متون و تشریح معتبرہ نے حرمت کو کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے اور طحاوی شرح معانی الآثار
 میں حرمت کو روایتوں سے مدلل کرنے کے بعد لکھتے ہیں فیہذا کلھا قد جاءت بتجویہ الصدقة علی بنی ہاشم
 ولا یعلم سبب نسخها ولا عارضها من الآثار و هو قول ابی حنیفة والی یوسف و محمد ان سبب سے معلوم ہوتا ہے
 کہ صدقہ نبی ہاشم پر حرام تھا اور اس کے نسخ کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوا اور نہ کوئی اثر اس کے معارض ہے اور یہی
 قول امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حرمت کی علت تقر خمس الخمس نہیں ہے
 اور اگر ان بھی لیا جائے کہ تقر خمس الخمس حرمت کی علت ہے جیسا کہ مجاہد اور وکیع کے قول سے معلوم ہوتا ہے
 کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اہل بیتہ لا یأکلون الصدقة فجعل للہم خمس الخمس اخر جہا بن
 ابی شیبہ والطبری حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت صدقہ نہیں لیتے تھے پس ان کے لیے
 خمس الخمس مقرر کیا گیا اسکو ابن ابی شیبہ اور طبری نے روایت کیا ہے۔ تو بھی انحصار حرمت اس تقرر میں ثابت
 نہ ہوگا بلکہ کہا جائیگا کہ صدقہ کا نبی ہاشم پر حرام ہونا دو وجہوں سے ہو ایک سخی دوسرے تقر خمس الخمس اور اس
 زمانے میں ہاگر خمس الخمس نہیں ہے مگر سخی موجود ہو پس ضروری ہے کہ حرمت کا حکم باقی رہیگا اور ان دونوں کے
 مجموعہ کو علت سمجھنا صحیح داری کی بات نہیں ہے بلکہ ہر ایک ان میں مستقل ایک علت ہے اس سے معلوم ہوا کہ طحاوی
 نے جو یہ لکھا ہے روای عن ابی حنیفہ انہ قال لا یأکل بالصدقات کلھا علی بنی ہاشم حدیثی سلیمان عن ابیہ
 عن محمد عن ابی یوسف عنہ و ذهب فی ذلک عندنا الی ان الصدقات انما كانت حرمت علیہم من اجل ما جعل
 للہم فی الخمس فلما انقطع ذلک عنهم حل للہم ما کان حرم علیہم فیہذا ما اخذ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے
 کہ نبی ہاشم کیلئے صدقات لینے میں حرج نہیں ہو میان کیا مجھے سلیمان نے انہوں نے روایت کیا نقل کر کے اپنی کتاب میں انہوں
 نے نقل کیا محمد بن اسماعیل انہوں نے نقل کیا ابو یوسف بن اسماعیل انہوں نے بیان کیا میری نزدیک اسکی وجہ یہ ہے کہ صدقات کی حرمت کی وجہ خمس الخمس تھا
 اور اب نہیں ملتا صدقہ حلال ہو جائیگا ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں۔ اعتبار کو قابل نہیں ہو اسی لیے مقبرین فقہا
 میں سے کسی نے اس روایت کو لحاظ سے جواز صدقہ کا فتویٰ نہیں دیا و اللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القدوسی ابو محمد
 محمد عبد الحی سجاز اللہ عن ذنبہ الجلی والحقی [محمد عبد الحی سجاز] واقعی اس زمانے میں بھی نبی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے
 رسائل لارکان میں ہو و اما نہ لا یعطی الہاشمی فلما عن عبد المطلب بن ربیعۃ بن الحارث قال ان ربیعۃ بن الحارث قال
 لعبد المطلب بن ربیعۃ والفعل بن عباس ایقنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقولا استمعنا علی لصدقات

فاقی علی ونحن علی تلك الحال فقال ان رسول لا يستعمل احد ائمنكم علی الصدقة فقال عبد المطلب فانطلقت
 انا و الفضل حتی اتينا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لنا ان هذه الصدقات انما هی و ساخر الناس قال
 لا یعمل الحمد ولا ال محمد رواه النسائی و رواه المسلم فی روايته طول نقی و ایضا و لا یجوز صرف زکوۃ الی بنی هاشم
 لما روى عن ابی هريرة قال اخذ الحسن بن علی تمرقة من تمرقة الصدقة فجعلها فی فیه فقال رسول الله صلی الله
 علیه وسلم کن کما اوم بها اما علمت انک لا تخل لنا الصدقة رواه الشيخان باقی رہی یہ بات کہ صدقات ہاشمی کو
 نہ دیے جائیں تو اسکی وجہ یہ ہو کہ عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث نے بیان کیا ہو کہ ربیعہ بن حارث نے عبد المطلب بن
 ربیعہ و فضل بن عباس سے کہا کہ تم مجھ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیجیو اور تم دونوں اُن سے کہو کہ
 ہمیں صدقات پر عامل کر دیں پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور ہم اسی حال میں تھو اُنھوں نے فرمایا کہ نبی کریم
 علیہ التیقہ و التسلیم تم میں سے کسی کو صدقات پر عامل نہ کریں گے عبد المطلب کہتے ہیں کہ میں روانہ ہوا و فضل میرے
 ساتھ تھے یہاں تک کہ ہم حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوۃ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ صدقات
 لوگوں کے میل میں اور فرمایا کہ یہ مجھ صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد رضی اللہ عنہم کے لیے حلال نہیں ہیں اور
 بھی اسی میں ہے کہ نبی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے اسوجہ سے جو اوپر ذکر ہوئی اور ابو ہریرہ کی اس روایت
 کی وجہ سے کہ حسن علیہ السلام بن علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ صدقہ کے کھجور و نین میں سے ایک کھجور اٹھا کر
 اپنے منہ میں رکھ لیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھو تھو اسے پھینک دو کیا تھیں یہ نہیں معلوم کہ
 ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اسے بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اسکو نسائی
 اور مسلم نے بروایت طویل روایت کیا ہے اور اس بارہ میں احادیث بکثرت ہیں حتیٰ کہ تو اس معنی کا دعویٰ
 کیا جاسکتا ہے فتح القدیر میں ہے روى ابو عصمة عن ابی حنیفة انه یجوز فی هذا الزمان صرف الزکوۃ الی
 بنی ہاشم وان کان متناع فی ذلك الزمان لظهور رشدة الحاجة فیہم ولا یعطیم احد صلۃ وقد افق بعض
 المتأخرین بهذا الروایة وهذا اكله خطأ و غلط لانه مخالف للنصوص القاطعة ابو عصمة نے امام ابو حنیفہ
 رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے اگرچہ اُس زمانے میں ممنوع
 تھا کیونکہ سادات بکثرت محتاج ہیں اور کوئی اُن کے ساتھ نیکی نہیں کرتا اور بعض متأخرین نے اس روایت
 پر فتوے دیے ہیں لیکن یہ سب غلط و خطا ہے کیونکہ نصوص قطعیہ کے مخالف ہے۔ و اللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء
 محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم سوال سادات غریبہ اور علمائے اُغنیاء کو زکوۃ کا مال لینا جائز ہے یا نہیں

جواب علمائے افیاء کو زکوٰۃ کا مال لینا بالاتفاق حرام ہے اور سادات کو ایک روایت کے اعتبار سے درست ہے لیکن دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ ہر زمانے میں سادات کو زکوٰۃ لینا حرام ہے بجز الزائق میں ہے اطلاق المحکم فی بنی ہاشم ولم یقید بزمان ولا بتخص للاحشارۃ الی الود علی روایت ابی عصمتہ عن الامام (خروج زالی بنی ہاشم فی زمانہ ولا اشارۃ الی الود علی روایت انبیہو زلہا شملیٰ ن یدفع زکوٰۃ الی مثله لان ظاہر الروایۃ المنع مطلقا مصنف نے بنی ہاشم کے متعلق عام حکم لکھا ہے کسی شخص اور کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے روایت ابی عصمتہ کی تردید کی جانب اشارہ کرنے کے لیے کہ اس زمانہ میں ہاشمی کو زکوٰۃ دیا جاسکتی ہے اور اس روایت کی تردید کے لیے کہ ہاشمی اپنے مال کی زکوٰۃ دوسرے ہاشمی کو دے سکتا ہے کیونکہ ظاہر روایت مطلقا منع ہے۔ رسائل الارکان میں ابی عصمتہ کی روایت ذکر کرنے کو بعد لکھا ہے وهذا کله خطأ وغلط لا نهتفان للنصوص القطعیۃ یہ سب غلط اور خطا ہے کیونکہ نصوص قطعیہ کے خلاف ہے سوال ایک شخص کو پاس زیر موجب زکوٰۃ تھا اور سال اُسپر تمام ہوا ہنوز اُس نے زکوٰۃ نہیں دی تھی کہ وہ زرع صرف ہو گیا اس صورت میں سال گذشتہ کی زکوٰۃ اُسکو ذمے ہے یا نہیں جواب ذمہ پر ہے خزائن الروایات میں عثمانیہ سے منقول ہے اذا هلك النصاب بعد الحول تسقط عنه الزکوۃ وان استهلكه ضمن الزکوۃ فی ذمتہ فلا استبدالک اخراج النصاب من مملکۃ اگر نصاب حوالان حل کے بعد ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو گئی۔ اور اگر خود ہلاک کیا تو زکوٰۃ کا ذمہ دار ہے کیونکہ ہلاک کر دینے سے نصاب کو اپنی ملک سے نکالنا ہے سوال گانے کی اجرت میں جو مال حاصل ہو اُس سچ جس وزکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں جواب ایسا مال حرام ہے اور اگر حرام مال کو قبول نہیں کرتا واعد اعلم حرره الراحمی عفو بہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تجا وز اعد عن ذنبہ البخلی ولا یغنی [محمد عبدالحی ابو احسان]

کتاب الحج

سوال الحج اشہور معلومات کے معنی مقبرین سلف کے نزدیک کیا ہیں اور اس آیت میں حج سے فقط عمرہ مراد ہے یا حج مع عمرہ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یوم الحج اور ایام تشریق دہی تھے جب کہ بین یا اور ایام تھے واقعہ اصحاب قبل جس کا بھلا تذکرہ قرآن میں ہے کس میں ہے اور کس تاریخ میں واقع ہوا تھا جواب آئیہ مذکورہ میں من حج مراد ہے اور عمرہ اس زمانے میں برخلاف اعتقاد دارباب جاہلیت جائز ہے مگر اس آیت سے ثابت نہیں اُسکا ثبوت دوسری جگہ

سے ہے عن ابن مسعود اذہ مسئل عن العزرة فی اشہر الحج فقال الحج اشہر ومعلومات یس فیمن عمرہ
ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے مہینوں میں عمرے کے متعلق
پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حج کے مقررہ شہر ہیں اُن میں عمرہ نہیں ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں یوم حج اور ایام
تشریق ہی تھے جواب ہیں لیکن بھول جانے کی وجہ سے اُن کا حج غیر ذیحجہ میں واقع ہوتا تھا حاکم اور ابن مرد
اور بیہقی نے سنن میں مسور کی روایت سے نقل کیا ہے خطبنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفة فحمد
اللہ وانفی علیہ ثم قال اما بعد فان هذا الیوم یوم الحج الاکبر لا وان اهل الشرك والاوثان کانوا
یدفعون من ہرہنا قبل ان تغیب الشمس وانما دفع بعد ان تغیب وکانوا یدفعون من المشعر الحرام
بعد ان تطلع الشمس وانما دفع قبل ان تطلع الشمس بخالفنا ہدیانا لہدی اهل الشرك واخرجہ وکعب وعبد
ابن حمید عن عطاء قال کان اهل الجاہلیۃ اذا نزلوا منی فکانوا یأبوا بآبائہم ومجالسہم فذلک قولہ
تعالی فاذکروا ما لکم کذا کہ اباؤکم اداشد ذکرا واخرجہ عبد الرزاق وابن المنذر و ابو الشیخ عن مجاہد
فی قولہ تعالی انما النبی زیادۃ فی الکفر قال فرض اللہ الحج فی ذیحجۃ وکان المشرکون یمونوا لا شہود والحجۃ
والحرم وصفہ وریج وریج وریج وریج وشعبان ورمضان وشوال وذلک القعدۃ وذلک الحجۃ
ثم یحجون فیہ ثم یسکنون عن الحرم فلا یدکرونہ ثم یعودون فیسمنون صفہ من ثم یمون رجب جمادی الاخر
الی ان یمون الحکم ذی الحجۃ ثم یحجون فیہ فکانوا یحجون فی کل عام شہرا حتی واقع حجۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ من
العام فی ذی القعدۃ ثم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الی حج فیہا فوافق ذی الحجۃ فذلک حین یقول النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبۃ ان الزمان قد استدار کھیلاً یوم خلق اللہ السموات والارض حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن خطبہ پڑھا اُس میں خدا کی حمد و ثنا کی اُس کے بعد فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے
اہل شرک ورت پرست یہاں سے قبل غروب آفتاب فرست کرتے تھے اور ہم بعد غروب آفتاب اور مشعر
حرام سے وہ بعد طلوع شمس فراغت کرتے تھے اور ہم قبل طلوع شمس کیونکہ ہماری ہرے اہل شرک کی ہدی
کے مخالف ہے عطائے کہا ہے کہ اہل جاہلیت جب منی میں آتے تو اپنے آبا اور مجالس پر فخر کرتے تھے یہی
میں بین خدا کے قول واستکبر والاکیۃ کے دلیلیا ہی خدا کا ذکر کر جیسا کہ تم اپنے آبا کا ذکر کرتے تھے
اُس سے زائد اور آیہ انما الفسق آہ کے تحت میں مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذیحجہ میں حج فرض کیا
اور مشرکین مہینوں کے یوں نام رکھتے تھے ذوالحجہ محرم صفر رجب جمادی جمادی رجب شعبان رمضان

شوال ذوالقعدہ ذوالحجہ پھر ذی الحجہ میں حج کرتے اور محرم کو چھوڑ جاتے اُسکا ذکر نہ کرتے پھر لوٹتے اور صفر نام رکھتے پھر جب ہادی الاخیر کو کہتے حتیٰ کہ محرم کا نام ذی الحجہ رکھتے اور اس میں حج کرتے اسی طرح وہ ہر سال ایک نئے مینے میں حج کرتے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کل حج کفار کے سال کے اعتبار سے ذیقعدہ میں کفار کے مطابق ہوا پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا وہ ذی الحجہ میں کفار کے مطابق ہوا یہ وہ حج تھا جس میں حضور نے خطبہ میں فرمایا تھا کہ زمانہ گھوم کر اُس ہیئت پر آ گیا ہے جس پر وہ پیدائش کے دن تھا۔ اسی طرح یہ بات بہت روایتوں سے ثابت ہے جیسا کہ سیوطی نے در فتوٰی میں اسکو بسط سے لکھا ہے۔ اور اصحاب فیل کا واقعہ سال ولادت باسعادت کے ماہ محرم میں واقع ہوا تھا محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب لذیہ میں لکھتے ہیں لما کان المحرم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بطن امہ علی الصبح حضرا بھتہ بن الصلاح الا فرید ہدم الکعبۃ برنہ بصب صحیح محرم کا مینہ تھا اور حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء حمل مادری میں تشریف فرما تھے کہ اس پر یہ بن صلاح اشرم کعبہ کو منہدم کرنے آیا تھا۔ اور بھی لکھا ہے ہی عام ولادۃ علی صلاہ الاقوال وھو قول لاکثر وقال مقاتل قبل مولدہ ثلاث سنۃ وقال النکبی ثلاث وعشرون وقیل ثلاثین وقیل خمسین وقیل سبعین وقیل غیر ذلک باعتبار قول اصحاب فیل کا واقعہ سنہ ولادت نبوی میں ہوا تھا اور یہی اکثر لوگوں کا قول ہوا اور مقاتل کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سو چالیس برس پہلے اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا اولیٰ کتبیں تیس سال پہلے ہوا تھا اور بعضوں کو پچاس سال پہلے کہا ہوا اور بعضوں کو شتر اور بعضوں کی اور کچھ کہا ہے سوال زید نے انتقال کیا اور ولادت بعض بالغ بعض نابالغ ہو اور زید نے اتنا ترک چھوڑا ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد ہر شخص اپنی جائیداد کا حصہ فروخت کر کے حج کو جا کر واپس بھی آسکتا ہے مگر ترک تقسیم نہیں ہوا اس صورت میں جو نابالغ ہیں ان پر حج واجب ہوگا یا نہیں۔ در صورت عدم وجوب کے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ جوان مین سے بالغ مین بقدر مسافر آمد و رفت وغیرہ کے جائیداد مشترک فروخت کر کے حج کر آئیں اور یہ ارادہ کر لیں کہ مقاسمہ کے وقت اُس قدر اپنے حصہ میں سے وضع دین جواب اس صورت میں جو لوگ بالغ مین اُن پر حج فرض ہو اور جب وہ مقاسمہ کے وقت مجرا دینے کا ارادہ کر لیں تو بقدر اپنی حصہ کا انکو بیع کا اختیار ہے سوال کسب حرام جیسے گنا وغیرہ سے جو روپیہ ہم پہنچا ہو اُس سے حج وغیرہ اعمال کرنا درست ہے یا نہیں جواب نہیں سوال اگر ذبح کی نوین تاریخ جمعہ کے دن ہو تو حاجیوں کو نہ اُمد ثواب ملتا ہے یا نہیں جواب فقہاء میں

کے اح

یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ اس حج کا ثواب ستر حج سے زائد ہے بحر الرائق میں ہے وقد قيل اذا وافق يوم
عرفة يوم جمعة غفر لاهل كل الموقف وانه افضل من سبعين حجة في غير يوم الجمعة كما ورد في الحديث الثقلين
اور کہا گیا ہے کہ جب عرفہ جمعہ کو پڑے تو ہر موقف کے لوگوں کے گناہ بخش دیے جائیں گے اور یہ حج اُن
ستر حجوں سے افضل ہوتا ہے جو جمعہ کے سوا کسی اور دن میں ادا کیے جائیں جیسا کہ حدیث شریف میں
ہے سوال فرضیت حج کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن كفر فان الله غني عن العالمين اور جس نے
کفر کیا پس اللہ تمام عالم سے بے پروا ہے پس ترک حج کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ عقائد اہل سنت
کے خلاف ہے پس اس آیت کے معنی کیا ہیں جو اب بنوی معالم التنزيل میں لکھتے ہیں کہ حضرت بن
عباس اور حسن بصری اور عطاء رضی اللہ عنہم نے اسکی تفسیر یوں کی ہے کہ کافر ہوگا یعنی فرضیت حج کا
منکر ہوگا اور مجاہد نے کہا ہے کہ مراد کفر سے اللہ اور قیامت کے ساتھ کفر ہے اور سعید بن مسیب نے کہا ہے کہ
کہ یہ آیت یہود کی شان میں نازل ہوئی ہے اور وہ وجوب حج کے منکر تھے پس ان تفسیروں میں سے
کوئی تفسیر بھی عقائد اہل سنت کے منافی نہیں ہے واللہ اعلم حرره الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات

محمد عبدالحی تجاورا مدین ذنبہ بھلی واخفی محمد عبدالحی
ابو الحسنات

خاتم المط

تبع

حامدا ومصلیا ومسلما اما بعد اضعف عبد اللہ محمد بکرت اللہ بن جامع المعقول والمتقول مولانا حافظ
محمد احمد اللہ بن بحر العلوم والجاہ مولانا مفتی محمد نعمت اللہ رحمہما اللہ اہل علم کی خدمت میں عرض
کرتا ہوں کہ میں نے حاجی عبد القیوم صاحب تاج کتب کلمتہ کے اصرار سے اخبر اکرم مولانا محمد عبدالحی
رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا اردو میں یوں ترجمہ کیا ہے کہ عربی اور فارسی تمام فتووں کو بالکل اردو کر دیا ہے اور اردو
فتووں کی عبارت بھی باحاطہ لکھی ہے اور سند کی تمام عربی عبارتیں لکھ کر انگارہ ترجمہ بھی لکھ دیا ہے اور ابواب فقہ کی ترتیب
پر اسے تین جلدوں میں ختم کیا ہے اور اختصار کے لحاظ سے ہر فتوے کے ختم پر برادر موصوف کا نام نہیں لکھا ہے بلکہ
جس فتوے کا جواب کئی مفتیوں نے لکھا ہے وہاں سب کا نام لکھا ہے اور جس کا جواب صرف برادر موصوف نے
لکھا ہے وہاں جواب کے بعد نام حذف کر دیا ہے البتہ ہر باب یا کتاب کے آخر میں نام لکھ دیا ہے اسی طرح فتوے کو
شروع میں کیا فرماتے ہیں علمایہ دین و مفتیان شرح عتین اس مسئلہ میں کو بھی حذف کر کے فقط لفظ سوال لکھا ہے
واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

وَيُحِبُّكَ وَعَلَىٰ الْيَقِينِ

حسب فرمایش برادر مکرم جناب حاجی محمد عبدالقیوم صاحب تاج کتب گلزار و بیلی اسکواڈر

ترجمہ اردو



مولانا محمد عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ

بابہام کترین محمد قمر الدین بن جناب حاجی شیخ محمد یعقوب صاحب جوم مالک مطبع احمدی

مطبع فیروز خان شریطع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب النکاح

سوال گونگے کا نکاح کیونکر ہوگا جبکہ وہ تلفظ پر قادر نہیں ہے جواب اگر اپنا مقصد اشارے سے کہتا ہے اور اشارے سے دوسرے کا مطلب سمجھتا ہے اور اس کے اشارے مقرر اور معلوم ہیں تو اس کا نکاح اشارہ سے منعقد ہوگا عالمگیری میں ہے کہ یا منعقد بالعبارۃ یا منعقد بالاشارۃ عن الآخرین ان کانت اشارۃ معلومۃ نکاح جسطح عبارت سے منعقد ہوگا اسی طرح گونگے کے اشارے سے منعقد ہوگا جبکہ اس کا اشارہ معلوم ہو سوال غلام یا لونڈی اگر خود اپنا نکاح کرے یا مالک کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نکاح کرے تو اس کا کیا حکم ہے جواب مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اس نے اجازت دیدی تو نافذ ہوگا ورنہ باطل۔ عالمگیری میں ہے نکاح القربیٰ والمدبر و ام الولد والمکاتب بلا اذن السيد و مطلق ان اجازۃ المولیٰ نفذ وان ابطل ابطال کذا فی الوقایۃ تن اور بدو اہم ولدا در مکاتب کا نکاح اگر مالک کی بے اجازت ہو جائے تو مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اس نے اجازت دیدی تو نافذ ورنہ باطل ہوگا یہ وقت مایہ میں ہے اور دوا الخمار میں ہے و اطلاق النکاح ليشتمل الموزوج بنفسه و زوجہ غیرہ نکاح کو مطلق رکھا ہے تاکہ اگر خود اپنا نکاح کرے یا کوئی دوسرا اس کا نکاح کرے تو ان دونوں صورتوں کو شامل ہو جائے سوال اگر کوئی شخص بزرگ عورت سے ناجائز تعلق رکھتا ہے اور دونوں تائب ہو کر نکاح کرنا چاہیں تو کیا مہر پڑھنا بھی ضروری ہے جواب مہر

ہونا جو از نکاح میں ضروری نہیں ہے سوال اگر زید کی زوجہ نے زنا کیا تو نکاح باطل ہوگا یا نہیں جواب نہیں
سوال اگر نکاح کے وقت گواہ حاضر نہیں ہیں اور زوج نے کہا کہ میں نے خدا و رسول کو گواہ کر کے نکاح کیا
تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں جواب نہیں تا نا رخانیہ میں ہے رجل تزوج امرأۃ ولو یحضر شہو فقال خدا و
رسول رایا فرشتگان اور گواہ کر دم بطل النکاح و کفر النکاح لا اعتقاد ان الرسول الملائکۃ تعلم الغیب
تسمع النداء بل لا یب اگر کسی مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور گواہ حاضر نہ تھے پس کہا میں نے خدا و رسول یا
خدا کے فرشتوں کو گواہ کیا تو نکاح باطل ہوا اور نکاح کرنے والا کافر ہو گیا کیونکہ اُس نے اس امر کا اعتقاد کیا کہ رسول و ملائکہ
غیب دان ہیں اور بیشک از سنتے ہیں سوال متعہ کسے کہتے ہیں اور یہ جائز ہے یا نہیں جواب متعہ اسے
کہتے ہیں کہ کسی عورت سے کسی عین تجسسے متی مدت تک اتنی اجرت پر فائدہ اٹھاؤنگا اور یہ ادا اہل اسلام میں مباح تھا
پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ساتویں برس ایام جنگ خیبر میں اسکی ممانعت فرمادی بخاری اور مسلم
اور ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت نقل کی ہے پھر آپ نے فتح مکہ کے بعد سال او طاس د ایک اوی
کا نام ہے وہاں حضور نے غنیمت خنیں کو تقسیم فرمایا تھا، میں تین دن تک متعہ کی اجازت دی پھر ممانعت فرمادی اسکو
مسلم و احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین ہم لفرو جھم حافظون الا علی ازواجہم
او ما ملکت ایمانہم فاھم غیر مصلومین فمن ابتغى وراء ذلک فاولئک هم العادون اور وہ لوگ جو اپنی
شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اپنی بیبیوں اور لونڈیوں کے سوا دوسروں سے کیونکر ان دونوں کے متعلق اُنکو
ممانعت نہ کی جائیگی اور جس نے اسکے علاوہ کچھ خواہش کی وہ حد سے گزرنے والا ہے ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ
سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہر شرمگاہ سوا انکو حد اور جاریہ کی شرمگاہوں کے حرام ہو گئی عن
ابی ملیکہ قال سئل عائشۃ عن متعۃ النساء فقالت یٰ بنی تمیم کنا بالله فقرات والذین ہم لفرو جھم
حافظون الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فاھم غیر مصلومین فمن ابتغى وراء ما روجہ اللہ او ما ملکہ
فقد عک ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیٹے متعہ کے متعلق پوچھا تو اپنے فرمایا کہ میری اور بھائی
درمیان قرآن حکم ہے پس والذین ہم الا یہ کو بڑھ کر کہا اب جو بی بی اور لونڈی کے سوا کسی اور کی خواہش کو
نہیں حد سے تجاوز کیا سوال ہدایہ میں مذکور ہے کہ امام مالک حملہ اس کے نزدیک ہے یا نہیں صحیح ہے یا نہیں جواب
صحیح نہیں ہے بل علی قاری سرقاۃ میں لکھتے ہیں کہ عورت متعہ میں کسی جہت سے اختلاف نہیں کیا ہے اور علامہ علی شہیدی
اختلاف الحق میں لکھتے ہیں کہ علما میں حکم متین اختلاف رکھتے ہیں اور خود امام مالک نے مؤطامین پر روایت کیا ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ لکھا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعۃ النساء یوم خیر وعن اکل لحوم الحرم
 الا نسیت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے اور شہری گوشت کھانے سے خیر کے دن منع فرمایا ہے
 اور صاحب ہدایہ نے جو لکھا ہے وہ شمس الایہ کے قول سے اخذ کیا ہے اور اکثر محققین نے اس باب میں اُنکی خطائے ثابت کی ہے یہ
 معالجہ الدرایہ میں ہے والمذکور فی الهدایۃ والمبسوط سہو والمذکور فی کتب الملک حرقۃ نکاح المتعۃ وهو الصحیح
 ہدایہ اور مبسوط میں جو مذکور ہے وہ سہو ہے اور کتاب الام مالک میں حرمت متعہ مذکور ہے اور وہ صحیح ہے معنی شرح ہدایہ میں جو قال
 الکاکو ہذا سہو فان المذکور فی کتب صلاک حرمت نکاح المتعۃ وقال فی المذنبۃ ولا یجوز النکاح المذکور فی کتب صلاک
 او یعلی ان محمداً واولادہ المتعۃ کا کہنے لکھا ہے غلطی ہے کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کی کتابوں میں حرمت متعہ مذکور
 اور مدونہ میں ہے کوئی مدت قریبہ یا بعید مقرر کر کے نکاح کرنا ناجائز ہے اگرچہ اسکا نام صدق رکھا جائے لیکن یہ متعہ ہے سوال
 کتب شیعہ امامیہ میں حرمت متعہ کی روایت پائی جاتی ہے یا نہیں جواب استبصار میں جو امامیہ کی معتبر کتاب ہے حضرت علی
 کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے قال حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحوم الخمر الاہلیۃ ونکاح المتعۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے شہری گدھے کا گوشت اور متعہ کو حرام کیا ہے اور تہذیب میں بھی حرمت متعہ کی روایت موجود ہے سوال حضرت ابن عباس سے
 جو جلیل القدر صحابی ہیں حلت متعہ منقول ہے اُنکی وجہ ہے جواب حضرت ابن عباس ہجرت سے ایک یا دو برس پہلے یا
 ہجرت سے اور آٹھ بلکہ نو برس تک کہ معظمہ میں رہے اور کہ معظمہ میں احکام شرعیہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی جب حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم ہجرت کے آٹھویں سال میں غزوۃ الفتح کیلئے مکہ پہنچے تو حضرت ابن عباسؓ کو فتح مذہبات اور مستورات کے اپنے
 مدینہ منورہ بھیجا یا پس غزوۃ خیبر حضرت ابن عباسؓ کے مدینہ میں آنے سے چند برس پہلے ہو چکا تھا اور غزوۃ اوٹاس فتح
 مکہ کے بعد اس کے متصل اُنکی غیبت میں واقع ہوا انھوں نے ان دونوں کے حالات پر چشم خود نہیں دیکھے لوگوں سے جو کچھ
 سن لیا سن لیا اور جن دو برس حضرت ابن عباسؓ نے حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والتناکی خدمت کی ہے اور آپسے استفادہ
 حاصل کیا ہے اُس مدت میں کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جس میں حضور حکم حرمت متعہ کو پھر بیان فرماتے اسیدوجہ حضرت
 ابن عباسؓ نے خود حضور سے اس مقدمہ میں کوئی اطلاع نہیں پائی اور زمانہ فاروقی میں جبکہ یہ سلسلہ موت عنہا ہوا انھوں
 نے آیہ حرمت پائی اور اباحت غزوۃ اوٹاس کو ضرورت اور حاجت پر معمول کیا اور دوسرے حکم تحریم کو جو بعد میں دن کے
 واقع ہوا تھا ارتفاع ضرورت کی وجہ سے انقطاع رخصت پر عمل کیا نہ تحریم مؤبد پر سوال اگر ہندہ اور زید بن ابیحت قبول
 ہوا اور ہندہ نے قبلت یا قبول کر دہم کہا اور گواہوں نے دونوں کا کلام ایک ساتھ سنا مگر ہندہ اس نفع کے متنبہ
 جانتی اور یہ بھی نہیں جانتی کہ اس لفظ سے نکاح منع ہو جاتا ہے پس یہ نکاح منع ہو گیا یا نہیں جواب منع ہو گیا

نقار اور اسکی شرح قستانی میں ہے منعقد بلحاظ قبول لفظ ہا ماضی کو زوجت و تزویج و امر و ماضی کو زوجی
 فقال زوجت ان لم یعلم معناه ای معقول لفظ ہا سواء کان عربیا و عجمیا و سواء علم انہ ما منعقد بہ النکاح
 اولاً و هذا قولہم و اما فیما بینہ و بینہ تعالیٰ فلا یعتقد ان لم یعلم انہ ما یعتقد بہ کما فی قاضخان لکن فی اختلاف
 فیہ الشائع کما فی الخزانہ و ذکر فی العمدی انہ لا یصح عقد من العقود اذا لم یعلم معناه و قیل یصح للجمیع و قیل ان کان
 مما یستوی جده و ہذا یصح کالنکاح و الا فلا کالیصح نکاح ايجاب و قبول سے منعقد ہو جائے اگر الفاظ کما قیل قبول یصح فیہ
 ہوں جیسے زوجت اور تزویج یا ایسا مرد و رسول راضی ہو جیسے زوجی اور نہ زوجت اگرچہ طرفین کو ان الفاظ کے معنی
 نہ معلوم ہوں خواہ الفاظ عربی ہوں یا عجمی اور خواہ انکو سکھایا ہو کہ اس سے نکاح منعقد ہو جائے یا نہ ہو یہ احکام شرعیہ میں ہے
 لیکن عند اسدا اگر وہ نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے یا نہ ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا جیسا کہ قاضی خان میں ہے
 لیکن اس معاملہ میں شائع کا اختلاف ہے جیسا کہ خزانہ میں ہے اور عمدی میں ہے کہ کوئی عقد صحیح نہیں ہے تا وقتیکہ طرفین الفاظ
 کے معانی نہ جانتے ہوں اور بعضوں کے نزدیک تلم عقد درست ہو جاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک اگر عقد ایسا ہو
 کہ واقعہ اور مذاق دونوں سے نافذ ہو جائے یا نہ ہو تو صحیح ہوگا جیسے نکاح ورد نہیں جیسے **سوال** زیر مر گیا اور اسکی وجہ
 اسی مکان میں عدت بیٹھی ہے جہاں زید کے مرتے وقت تھی پس بضرورت یا بلا ضرورت وہ اُس مکان کے بیرونی حصہ
 میں یا اپنے شوہر کے اور عزیزوں کے یہاں جا سکتی ہے یا نہیں اور اسکو اپنے مکان مسکونہ سے حرکت کرنا جائز ہے یا نہیں
 اگر جائز ہے تو پیادہ جائے یا سواری پر اور اپنے عزیزوں کے مکان میں رات بھر رہنا جائز ہے یا نہیں اور کو گھنٹے اپنے
 مکان سے علیحدہ رہ سکتی ہے اور جو کچھ منوعات شرعی ہوں جیسے حرکت سکون ظاہری ذیائش سرسہ خا وغیرہ مسہرہ
 تحریر فرمائیے **جواب** معتمدہ طلاق یا موت دونوں کو اُس مکان سے باہر جانا جائز نہیں ہے جہاں اُس پر عدت واقع
 ہوئی ہے مگر اندام یا خوفاً نہ اندام مکان یا تلف مال کی ضرورت کی وجہ سے یا جس مکان میں وہ ہو اسکا گریہ دینے کی قدرت
 نہ ہو اور ان ضرورتوں سے جب باہر جائے تو اقرب مکان میں جائے اور مکان کے اُس محرم میں جہاں اغیار رہتے ہوں
 نہ بچلے اور زینت کو ترک کرے یعنی زلیخہ اور مصفر اور زعفران پہنے اور عطر و تیل اور سرسہ اور خنا کا استعمال نہ کرے اور میں کہہ
 رہے ہیں لیکن اگر بضرورت ان اشیاء کا استعمال کرے تو کچھ حرج نہیں ہے ایسا ہی درختار و عا لکیری اور بحر الرائق وغیرہ میں ہے
 و اسدا علم فقہ خادم اولیا و اسدا الصمدی محمد غفرلہ اسدا الاحمد **المصوب** معتمدہ کو لازم ہے کہ مکان سکونت سے باہر جائے
 لیکن جب مکان کے گرنے یا مال کے تلف ہونے کا خوف ہو یا مکان سکونہ کا گریہ نہ سکے تو بضرورت باہر نکالنا جائز نہیں ہے اور اسدا علم
 ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** زیر نے اختلاف کے وقت قصداً زہوج کی پستان نہیں رکھ لیے اور دودھا سکی

حلق سے اتر گیا تو کیا زوجہ اس پر حرام ہو گئی **جواب** حرام نہیں ہوئی خزانۃ الروایۃ میں ہے و فی الخانیۃ اذا مضی الرجل
تندی امرأته وشرب لبنها لم یحرم علیہ لما قلنا انک لا رضاع بعلاضان غانیۃ میں ہے اگر کسی شخص نے اپنی بی بی کو پستان
کو چوسا اور دودھ پی گیا تو وہ اس پر حرام نہیں ہوئی کیونکہ کہنے کا ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد پھر رضاعت نہیں ہے سوال
ایک شخص نے فریب سے اپنے کو سنی ظاہر کر کے سنی عورت کے ساتھ شادی کی بعد کو جب عورت اُس کے رضی پر داقعت
ہوئی تو اسکی صحبت سے اُسے نفرت کی اب عورت اپنے کام کی مالک ہے یا نہیں **جواب** مالک ہے جسکافی نے کہا ہوتی
الدرقۃ افاد البھنسی اھا لوترو حۃ علی انہ حر و سق او قادر علی المحرم والنقۃ فبان بخلافہ و علی انہ فلاں بن
فلاں فاذا هو لقیط و ابن زنا کلن لھا النجاء فلیحفظہ و غتا ین ہرین کتا ہون اور ہنسی بھی ہی کہا ہے اگر کسی
عورت نے کسی مرد سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ آزاد باسنی یا مہر اور نفقہ پر قادر ہے پھر اس کے فلاں نکلیا یا اس شرط پر کہ وہ
فلاں بیٹا فلاں کا ہے اور وہ لقیط یا حرامی نکلا تو عورت کو اختیار ہے وہ اسد اعلم سرہ محمد محفوظ اسدین لھا و انقاضی محمد ثناء و اسد
ایمانی بتی **جواب** صحیح ہے کیونکہ اخافات الشرط فان الشرط شرط کے فوت ہو جانے سے مشروط فوت ہو جاتا ہے اسکی دلیل ہے
وہ رافضی ثابت ہو گیا تو عورت کے لیے خیار ثابت ہو گیا حرہ سید محمد زبیر حسین **ہو الموفق** ایسے شخص کے ساتھ عورت کا
نکاح دو وجہوں سے صحیح نہیں ہو سکتا (۱) شخص مذکور کے کفر کی وجہ سے جیسا کہ اکثر فقہاء و متکلمین روافض کے کفر کے قائل
ہیں جیسے صاحب ثابوی وغیرہ و خلاصہ وقتبہ و عالمگیری و جامع الرموز و در مختار و رد المحتار و فتح القدر وغیرہ اور اگر کسی کے ذہن میں
یہ خطہ گزرے کہ کتب عقائد میں موجود ہے کہ تکفر لصلائن اہل القبۃ اہل قبلہ میں سے کوئی ایک بھی کافر نہیں ہے اور روافض
اہل قبلہ ہیں اُنکو کافر کہہ کر کہہ سکتے ہیں تو علامہ خیالی نے اپنے حاشیہ میں اور مولانا عابد العزیز دہلوی نے اپنی فتاویٰ
میں اور استاذ الامامہ مرزا حسن علی محدث لکھنؤی نے اپنے جوابوں میں اور علامہ ابوشکور سلیمان نے تہذیب میں اسکا جواب
دیا ہے اور لکھتے ہیں کہ ایمان شرعاً عبارت ہے جو احکام دین و ضروریات شرع سے اس طرح پر کہ جزم حاصل ہو اور اسلام عبادت
ہو انقیاد سے نہ مجرد کلمہ کے لفظ سے کیونکہ جمیع احکام شرع کی تصدیق کا نام ایمان ہے پس ایک جزو کا ترک کرنا بھی علم ایمان
اور جو نکاح ایمان اور کفر کے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے پس عدم ایمان کفر ہو گا اور یہ باتیں روافض کے مذہب میں
پائی جاتی ہیں اور اگر بغیر محال کسی کو روافض کے کفر میں شک ہو تو مبتدع و فاسق ہو نہ کوئی کلام نہ ہو گا (۲) مبتدع
ہونے کی وجہ سے کیونکہ مبتدع اور فاسق سنیہ کافر نہیں ہے درختار میں ہے فلیست فاسق کفوہ لصلحہ و فی لھط و فی
لمتبع فادہ لیس کفوہ الفاسق فاسق صالحو کافوہ نہیں ہے مطاوی میں ہے مبتدع فاسق کافوہ نہیں ہے و بجان الرموز میں
لو کان مبتدعاً و المرأة سنیۃ لم یکن کفوہ لھا کما فی التفت اگر مرد مبتدع ہے اور عورت سنی تو وہ اسکا کفو نہیں ہے جیسا کہ

تفت میں ہے جب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ مبتدع سنہ کا کفو نہیں ہے تو عقد مذکور بھی صحیح نہیں ہوا اور یہی فقہا کا مٹا رہی
اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ کفار میں ہے اور اہل کفر و زوجت نفسہا من غیر کفو یصح ولكن الاولیاء حتی لا یعارضوا روی
الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقد الا بآخذ کثیر من شایخنا وقال الشافعی لا یتم النکاح الا باقرب الی الاحتیاط
فلیس کل ولی یجس الموافقة الی القاضی کما فی فاض یعد لہ اگر کسی عورت نے غیر کفو کے ساتھ اپنی شادی کر لی تو صحیح
ہو لیکن اولیاء کو حق اعتراض ہے اور حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ نکاح منعقد نہ ہوگا اور اسی سے ہمارے
بہت سے مشائخ نے اخذ کیا ہے اور شمس الامیہ سرخسی نے کہا ہے کہ یہ اقرب الی الاحتیاط ہے کیونکہ ہر ولی قاضی تک معاملے کے
لیجانے کو پسند نہ کرے گا اور نہ ہر قاضی عادل ہو کر تاہی اور فتاویٰ کا فوری میں ہے اور اہل کفر و زوجت نفسہا بغير اذنت فیہا
فان کان الزوج کفوا صحیح النکاح والا یصح والاختیار ایک عورت نے ولی کی بے اجازت اپنی شادی کر لی پس اگر زوج
کفو ہو تو عقد صحیح ہو ورنہ نہیں اور یہی مذہب مختار ہے اور تعلیق الانوار حاشیہ در مختار میں قول ہے حتی الولی کے تحت میں
ای فذلہ الاعتراض فی غیر الکفو دفعا للعارضہ ولو غیر محکم کا بن العم لیکن التفریق یتوقف علی القضاء فی ظاہر الروایۃ
وتقدم ان روایۃ عدم النفاذ فی المفتی بھائی نے ولی غیر کفو سے شادی کرنے پر اعتراض کر سکتا ہے اپنے سے عار کے
دفع کرنے کے لیے اگرچہ وہ غیر محرم ہو مثلاً چچا زاد بھائی لیکن تفریق قضای قاضی پر موقوف ہے ظاہر روایت میں لیکن یہ اوپر
معلوم ہو چکا کہ عدم نفاذ ہی کی روایت پر فتویٰ ہے اور در مختار میں ہے اعتبار الکفاءة للزوم النکاح کفو ہونا لزوم نکاح
میں معتبر ہے اور خطاوی قولہ للزوم النکاح کے تحت میں لکھتے ہیں هذا علی ظاہر المذہب قد افقی بہ یہ ظاہر مذہب
کے لحاظ سے ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور رد المحتار میں للزوم النکاح کے تحت میں ہے اعلیٰ ظاہر الروایۃ ولصحۃ
علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتویٰ یعنی بر ظاہر روایت اور صحت نکاح میں تفریق روایت حسن جیسے فتویٰ دیا گیا ہے اور دوسری
جگہ لکھا ہے قولہ الکفاءة معتبرۃ قالوا معناه معتبرۃ فی الزوم حتی ان عدھا جاز للولی الفسخ + فتح + وھذا بناء
علی ظاہر الروایۃ من ان العقد صحیح للولی لا یعارض اعلیٰ روایۃ الحسن المختارۃ للفتویٰ من انہ لا یصح فھو للصحۃ فقہا
نے کہا ہے کہ کفارت لزوم میں معتبر ہو یہاں تک کہ اگر کفارت نہ ہو تو ولی کو فسخ نکاح کا حق ہے یہ فتح میں ہے اور یہ ظاہر روایت
پر مبنی ہے کہ عقد صحیح ہے اور ولی کو اعتراض کا حق ہے لیکن حسن کی روایت پر جو مفتی ہے یہ نکاح صحیح نہ ہوگا تو کفارت منوط
ہے جب معلوم ہو گیا کہ عقد مذکور صحیح اور معتد نہیں ہوا تو اب عورت کو اختیار ہے کہ جسکے ساتھ چاہے نکاح کر لو و اس علم فقہاء اولیاء الصمد علی غفرلہ
الا حدہ للصوب پہلا جواب سوال کے مطابق نہیں ہے کہ نہ سائل یہ سوال نہیں کرتا ہے کہ سنہ کا نکاح رافضی کیساتھ
جائز ہے یا نہیں بلکہ جو عورت اپنے کام کی مالک ہے یا نہیں اور عورت کے لیے مالک ہونے کا جواب دیا ہے مگر

درختار کی عبارت جواب کے مطابق نہیں ہو کیونکہ کلان لها الخيار کا یہ مطلب ہو کہ عورت کو تفریق کا اختیار ہے کہ حاکم کے سامنے مرافعہ کر کے مفارقت کر لے اور ایسی عبارتیں انھیں معنوں میں مستعمل ہوتی ہیں نہ اس معنی میں کہ نکاح نافذ نہیں ہو۔ اور دوسرا جواب غلط ہو کیونکہ اذا فلتا المشرقات المشرق ط کا قاعدہ معاملات میں ہو نہ نکاح میں اور میرا جواب بھی مناسب مقام نہیں ہو کیونکہ صاحب ظہیر یہ وغیرہ نے سب شیخین کی وجہ سے ووافض کے کفر کا حکم دیا ہو مگر اصح اس خلاف ہے چنانچہ ابو شکور سلمیٰ اور ملا علی قاری وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہو من انکض وریات الذین کفرو من لم یکنوا جیسے ضروریات دین کا انکار کیا وہ کافر ہو اور جسے ضروریات دین کا انکار نہ کیا وہ کافر نہیں ہو پس بغیر اس تحقیق کے کہ وہ ضروریات دین کا منکر ہو یا نہیں کفر کا حکم لگا دینا مناسب نہیں ہو ان دوسری وجہ صحیح ہو کہ ووافض متبع اور فاسق ہیں اور فاسق صالح کا کفو نہیں ہو اور فیر کفو سے نکاح نافذ نہیں ہوتا ووافض کا فسق ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اور صاحب فتح القدیر وغیرہ نے ثابت کیا ہو اور فاسق صالح کا کفو نہیں ہو اسکی تصریح نقایہ اور مجمع البحرین اور ملتقى الابحار وغیرہ میں ہو بلکہ جمہور فقہاء اسکے قائل ہیں کہ فاسق صالح کا کفو نہیں ہو اور غیر کفو کے ساتھ عدم نفوذ نکاح بجز الرائق اور مجمل الاثر وغیرہ میں بطرح موجود ہو وادعایہ ابو الحسنات محمد عبدالحی سوال بانی وجود علم کے منہج کے ساتھ نکاح جائز ہو یا نہیں جواب جائز ہو بجز الرائق میں ہو مستفید من وضع المسائل ان تکلم العینین محمضان علیہ السلام وقت النکاح فلا یخاطبها ما وعلم المشتري بعيب المبيع وان لم تعلم به وعلمت بعد كان لها الخصم حتى وان طال الزمان کافی الخانیۃ اس مسئلہ سے یہ بات ثابت ہونی ہو کہ عینین کا نکاح صحیح ہو اگر اسکا علم نکاح کے وقت ہو اور عورت کو خیال نہیں ہو جیسا کہ اگر مشتری کو مبیع کا عیب معلوم ہو اور اگر اسوقت علم نہ ہو بلکہ بعد کو علم ہو تو اسے خصوصیت کا حق ہو اگرچہ زمانہ زمانہ گزر گیا ہو سوال ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس مرد کے ایک لڑکا پہلی زوجہ سے ہو اس لڑکے کا نکاح اس عورت کی بہن کے ساتھ درست ہو یا نہیں جواب درست ہو سوال ایک شخص اور اسکی ہمیشہ اور زوجہ اور والدہ زوجہ ایک تنگ و تاریک مکان میں سوتے تھے اتفاقاً وہ شخص جاگا اور اپنے کو پر شہوت پاکے اپنی ہمشیرہ کو اس لیے اٹھانے لگا کہ وہ اسکی زوجہ کو جگاوے ناگاہ اسکا ہاتھ زوجہ کی مان کی رائی پڑ گیا اور بڑا کی حرارت بھی محسوس ہوئی فوراً اسنے ہاتھ کھینچ لیا اس صورت میں مساس ثابت ہو یا نہیں اور شرعاً مساس کی حد کیا ہو اور اسکی زوجہ اسپر حرام ہوئی یا نہیں جواب زوجہ حرام ہو گئی اسکا ترک کرنا لازم ہو درختار میں یہ قبل اصحاہ امواتہ حرمت علیہ امواتہ عالم یظہر مقام الشہوتہ وفي المسن لا یتعمد عالم تعلیم الشہوتہ جیسے اپنی زوجہ کی مان کا لوسہ لیا اور اسپر اسکی زوجہ حرام ہو گئی جبکہ عدم شہوت ہر نزد اور اس جو حرام نہیں ہوتی تک شہوت معلوم نہ ہو اور یہی اوستی میں ہے

ولا فرق بین المسلم والنظر بشهوة بین عمد ونسیان وخطاء والکراهه جموعاً وکلمته من عدم ونسیان خطا و
اکراه کی صورت میں کچھ فرق نہیں ہے سوال (۱) سنی کو اپنے لڑکے یا لڑکی کا نکاح شیعہ کے ساتھ کرنا جائز ہے یا نہیں
اور نہ جائز ہو نیکی صورت میں اگر عقد ہو چکا ہو تو کیا حکم ہے (۲) مذاہب اہل تشیع و سنت و جماعت میں ارکان نماز و کلمہ و طریقہ
میں اتفاق نہیں ہے تو ایسی حالت میں خورد و نوش بشمول اہل تشیع جائز ہے یا نہیں جواب شیعوں کے بعض فرقہ
اکافر ہیں اُن سے مناکحت و مواکلت و مجامعت جائز نہیں بل ان فرقوں کے جو کہتے ہیں علی خدا تھے یا جبریل نے خطا
کی یا علی رسول اللہ سے افضل تھے اور ایسی ہی جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زنا کی تمت لگاتے ہیں اور بعض فرقے
فاسق ہیں جیسے شیخین کو گالی دینے والے اُن سے مناکحت وغیرہ درست نہیں بل افاضی ان کا نہ اعتقاد الا الوہیت فی علی دان
جبرئیل لخطا و غلط فی الوحی او کان ینکر صحبۃ الصدیق فہو کافر الخ الفتنہ القواطع المعلومۃ فی الدین بخلاف ما اذا کان فیضلی
علیاً و لیسب لعلیاً فانہ مبتدع لاکافر رافضی اگر الوہیت حضرت علی اور خطای جبرئیل کا قائل ہو یا صحبت حضرت صدیق
کا منکر ہو تو کافر ہے کیونکہ اُس نے قطعاً کی مخالفت کی برخلاف اسکے اگر حضرت علی کو افضل جانتا ہو اور صحابہ کو گالیان دیتا
ہو تو مبتدع ہے کافر نہیں ہے سوال ہندہ سفید نے اپنا عقد زید شیعہ کے ساتھ کیا اور حنیفہ عقد بطریق اہل تشیع جاری
ہوا پھر موصلت و سہارٹ کے بعد ہندہ زید سے اجازت لیکر اپنی ماں کے بیان گئی اور بیٹھ رہی اور مہر محل کی خواہاں
ہو زید کو اُسکے خراب ہو جانے کا خوف ہوا اس صورت میں زید اپنے مذہب کے موافق اُسکو مہر محل ادا کرنے سے پہلے لکھتا
ہو جیسا کہ صاحب شرائع الاسلام لکھتے ہیں ولہا ان تمنع من تسلیم نفسها حتی تقبض مہر ہا سواء کان الزوج موسراً و
معسراً و ہل لہا ذلک بعد الدخول قبل نعم و قبل لا و ہوا الاشبه لان الاستمتاع حی لزم بال عقد عورت کو حق حاصل ہے کہ اپنے
کو شوہر کے سپرد کرے تا وقتیکہ اُسکا مہر نہ ادا کیا جائے برابر ہے کہ شوہر مالدار ہو یا غریب اس میں اختلاف ہے کہ یہ اختیار
اُسکو دخول کے بعد بھی ہے یا نہیں تو بعضوں کے نزدیک ہے اور بعضوں کے نزدیک نہیں ہے اور یہی شبہ ہے کہ چونکہ
حق استمتاع عقد ہی سے ثابت ہو جاتا ہے اور ہدایہ سے جو ستیون کی معتبر کتاب ہے اختلاف ثابت ہوتا ہے جیسا کہ لکھا ہے
وللمرأۃ ان تمنع نفسها حتی تاخذ المہر و تمنع ان یخرجھا ولو کان المہر کلہ مؤجلاً لیس لہا ان تمنع نفسها الاسقاطھا حتی بالتامیل
کما فی المبیع و فی غلات ابی یوسف و ان دخل بها فکذلک عند ابی حنیفہ و قال لیس لہا ان تمنع نفسها عورت کو اسکا حق
ہے کہ اپنے شوہر کے سپرد کرے اور شوہر کو باہر لیجانے سے روکے تا وقتیکہ اُسے مہر نہ مل جائے اور اگر مہر مؤجل ہو تو اس
پر حق نہیں ہے کہ نہ نکلتا جیل سے اُس نے اپنا حق کھو دیا جیسا کہ بیچ میں اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے اور اگر مرد
اُسکے ساتھ صحبت کر چکا ہو تو بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اُسے حق ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں ہے جواب

اس صورت میں شوہر ہندہ کو مہر محمل داکر نے سے پہلے لاسکتا ہے بحر الرائق میں ہے اذ اوخلا بها بوضاها نيه
 خلاف قال ابو حنیفہ طان منع نفسها وخالها وانی شرح الجامع الصغیر للبرزوی کان ابوالقاسم الصنادیقی فی المنہقول البیضا
 وحید فی السفر بقول ابی حنیفہ ثم قال وهذا احسن فی الفیاء یعنی الخول لا یمنع نفسها ولو امتنعت لانفقہا لایسا
 بها وطا الامتناع منه یمطلب لہذا النفقة کذا فی غایۃ البیان جب زوجہ کے ساتھ اسکی رضامندی سے وطی کی یا
 خلوت کی تو اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اسے حق ہے کہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کرے اور صاحبین اسکے
 خلاف ہیں برزوی کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ ابوالقاسم صنادیق نے صاحبین کے قول پر اور برزوی نے امام ابو حنیفہ کے
 قول پر فتویٰ دیتے تھے اور یہی فتوے کیلئے مناسب ہے یعنی زوجہ زوج کو صحبت سے نہیں روک سکتی اور اگر ایسا کرے تو
 اسے نفقہ نہ ملے گا البتہ اگر چاہے تو اس کے ساتھ سفر نہ کرے اور اسے سفر سے بغض طلب مہر روک دے اس صورت میں اسے
 نفقہ ملیگا یہ غایۃ البیان میں ہے سوال ایک شخص نے فیما بین لوگوں کے سامنے دادم اور پذیر فرم سے ایجاب قبول کیا
 جائز ہوا یا نہیں جواب فقہا کا اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ان الفاظ سے نکاح منع ہو جاتا ہے اور بعضوں کے
 نزدیک جب تک وہ الفاظ بھی دشلا زنی دادم (الحق نہیں نکاح منع نہیں ہوتا پس مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ الفاظ صریح سے
 نکاح کیا جائے خزانۃ الروایات میں ہے فی الفیاتیۃ سئل نجم الدین النسفی عن قال لوجل دختر خویش فلانہ بمن دادی گفت
 دادم دی گفت پذیر فرم اذ قال لامرأۃ خویشتم بمن دادی اذ قال وہ فقال دادم فقال ہو پذیر فرم هل یعقد النکاح فی مثل
 الشایع عند بعض لا یعتقد حتی یقول زنی دادم وعند بعض یكون نکاحا بدون ذکر ذلک وهو الاصح لان لفظ اعطاء ینبی عن
 التملیک والنکاح بلفظ التملیک جائز عندنا فی جامع المعمرات شرح مختصر القدوری فی الشفیعۃ سئل عن قال لامرأۃ بحضرت قاضی
 دختر خویش من دادی فقالت دادم هل یعقد النکاح فقال نعم لان الناس قاروا الذی یصح بهما اللفظ وان لم یتلفظوا بلفظ النکاح
 لان النکاح ینقصد عندنا بلفظ الطبیۃ خلافا للشافعی فی بحم التوازل عن نجم الدین النسفی ان تولہ دختر خویش مراد او ای دامن وہ لابد
 ان یقول یزید لیس لایقول الاخر زنی دادم فاما بان لا لا ینقصد النکاح عند بعضهم وعند بعضهم ینقصد فلا بد من هذه الزیادۃ لتقصیر المسئلۃ
 متفقا علیہا بغیاثیہ میں ہے کہ نجم الدین نسفی سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا دختر خویش فلانہ بمن دادی
 اس نے کہا دادم پھر اس نے کہا پذیر فرم یا کسی عورت کا خویشتم بمن دادی یا خویشتم بمن رہ اس نے کہا دادم پھر اس نے کہا پذیر فرم
 تو نکاح منع ہو گا یا نہیں انھوں نے جواب دیا کہ اس میں مشایخ کا اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک تا وقتیکہ زنی دادم نہ کہے
 نکاح منع نہ ہو گا اور بعضوں کے نزدیک بغیر یہ کہے ہوے ہو جائیگا اور یہی اصح ہے کہ چونکہ لفظ عطا سے تمکین ثابت ہوئی
 ادھارے نزدیک تملیک سے نکاح جائز ہے اور جامع المعمرات شرح مختصر قدوری میں نفسہ سے نقل کیا ہے جس شخص نے

دوسرے سے گواہوں کی موجودگی میں کہا دختر خویش بمن دادی اور اس نے کہا دادم تو نکاح منعقد ہو جائیگا کیونکہ لوگوں میں اس لفظ سے تزویج رائج ہو اگرچہ نکاح کا استعمال کیا جائے کیونکہ ہمارے نزدیک نکاح لفظ ہمہ سے منعقد ہو جاتا ہے امام شافعی کو اس میں اختلاف ہے اور مجمع النوازل میں نجم الدین نسفی سے نقل کیا ہے کہ دختر خویش مراد دی یا بمن دہ کے ساتھ بزنی دہ کننا ضروری ہے اور اسطرح دوسرے کو بزنی دادم کننا چاہیے اسکے بغیر بعضوں کے نزدیک نکاح منعقد نہیں ہوتا اور بعضوں کے نزدیک ہو جاتا ہے اس لیے یہ لفظ بڑھالینا چاہیے تاکہ مسئلہ متفق علیہ ہو جائے سوال بیوہ عورت کا نکاح کسی طاعت میں ایام عدت میں ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر کسی نے ایسا کر لیا تو نکاح اور منکوحہ کیسے گنہگار ہونگے اور اس سے توبہ کیونکر کی جائے اور ایسی محفل میں شریک ہونا اور نکاح پڑھنا گناہ ہے یا نہیں جواب حالت عدت میں کسی طرح سے نکاح درست نہیں ہے اور بنص قرآنی اسکی حرمت ثابت ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تقربوا عقد النکاح حتی یبلغ الکتاب جلد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس وقت تک نکاح کا قصد نہ کرو جب تک کتاب کی مقرر کی ہوئی عدت پوری نہ ہو جائے۔ اس فعل کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اس پر اسطرح توبہ لازم ہے جس طرح کبائر سے توبہ ہوتی ہے اور ایسی محفل میں شریک ہونا اور باوجود اس امر کے علم کے نکاح پڑھنا حرام ہے سوال ایہ اربعہ رحمہ اللہ کے سوا کسی مجتہد یا عالم کو جنھوں نے کوئی مسئلہ خلاف ائمہ اربعہ کے کہا ہو مگر گناہ کننا یا انکی تفصیل کرنا درست ہے یا نہیں اور گمراہ کہنے والے کیلئے شرعاً کیا حکم ہے اور یہ کننا کیسا ہے کہ داؤد ظاہری جو نہ ظاہر ہے چلتا تھا اس لیے گمراہ ہے اور داؤد ظاہری کو مطلق گمراہ کننا یا اس مسئلہ میں خاص کر کے جو داؤد ظاہری نے دیا جبکہ اطلاق جہلام میں کہا ہے کہ اگر بیبہ گو دین ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں اس کہنے کی وجہ سے اُسے گمراہ کننا جائز ہے یا نہیں اور جنہ اسکا ایسا عقیدہ رکھا وہ بھی اسکے ساتھ گمراہ ہوا یا نہیں اور اس عبارت سے تفسیر آیات الاحکام کیا مطلب اور مراد ہے پھر جانب کی حرمت میں دو قیدین ذکر کی ہیں ایک الا فی حجۃ کمر دوسری من نساکم الا فی ظلم جن پہلی قید اتفاقی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور داؤد نے کہا کہ جو بیبہ اسکی گو دین نہ ہو وہ حرام نہیں اور دوسری بابر حکم سے متعلق ہے اگرچہ جواب الا فی حجۃ کمر صحیح و مختار جمہور اتفاقی ہے اور داؤد کے نزدیک موافق روایت علی رضی اللہ عنہ کے اتفاقی نہیں ہے جیسا کہ فتح القدر میں ہے سواء کانت فی حجۃ کمر غیر ذلک وھو مذہب الجمہور و شرط علی و درجہ میں مستوفی الی قول الجمہور خواہ اسکی گو دین ہو یا دوسرے کی گو دین ہو اور یہی مذہب جمہور کا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایسی گو دین ہونے کی شرط لگائی ہے اور ابن مسعود نے جمہور کے قول کی جانب رجوع کیا ہے۔ اور اگرچہ صحیح اس باب میں جمہور کا قول ہے مگر داؤد ظاہری کو اسکے خلاف سے گمراہ کننا جائز نہیں ہے کیونکہ مسائل شرعیہ کا اختلاف تفسیقی و تفصیلی کا باعث نہیں ہے مگر ذکرہ انفاط میں ہے قال یحییٰ بن سعید الانصاری اھل العلم اھل توسعة و ما یرجح المفقون یختلفون فی جمیع

هذا اوجرم هذا فلا يعيب هذا على هذا يحكي بن سعيد انصاري كته بن كابل علم اهل سمع بين مفتي همیشه خندا
 کرتے رہتے ہیں کوئی حلال کتا ہو کوئی حرام لیکن اس اختلاف کی بدولت کسی کو دوسرے کی برائی نہ کرنا چاہیے اور شرح
 مقاصد میں ہے المحققون من الماترید بے ولا مشاعر لا ینسب احدثها الاخری البدعة والصلالة خلافا للمبطلین المنعبین
 حتی رہا جعلوا الاختلاف فی الفروع ایضا بدعة وصالا لمحققین الترید یہ و اشاعرہ میں سے کوئی دوسرے کی جانب بدعت
 ضلالت کی نسبت نہیں کرتے برخلاف متعصبین کے کہ وہ بسا اوقات فرعی اختلافات کو بھی بدعت و ضلالت کہتے گئے
 ہیں۔ اور کسی مجتہد کو اور ایسا ہی داؤد و ظاہری کو کسی سنی میں کہ انھوں نے جمہور یا ائمہ اربعہ کے خلاف کیا ہو اگر کچھ
 وہ مسئلہ غیر مقبول و باطل ہو مگر اہل کتا درست نہیں ہو سوال (۱) زید سے بوجہ حرام ہندہ حاملہ ہوئی مگر چونکہ زید کو گل
 کا علم تھا تو لوگوں کے پند و نصیحت سے دونوں نے توبہ کر کے نکاح کر لیا اور نکاح کے بعد طلاق بھی کرنا رہا اس صورت میں
 کیا حکم ہے (۲) ایک سنیہ سبائی شیعہ سے منسوب ہوئی مگر ایجاب و قبول کے وقت نہ زبان سے قبول کیا نہ دل سے مگر
 بوقت رخصت خاموش رہی ایک مہینہ کے بعد نا اتفاقی ہوئی اور تا زندگی قائم رہی اور مرد کے مرنے کے بعد عورت نے
 عدت گزرنے سے پہلے اس خیال پر نکاح کر لیا کہ میں نے تو نکاح قبول ہی نہیں کیا تھا عدت کیا بیٹھوں یہ نکاح صحیح ہو یا نہیں
 اگر نہیں صحیح ہو تو اب کیونکر نکاح کرے شوہر کو مرے تین سال ہو چکے ہیں (۳) اگر کسی شخص کی مشکوٰۃ نے شرک خواہ
 کفر کیا تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اگر ٹوٹ جاتا ہے تو توبہ کے بعد لوٹ آتا ہے یا تجدید نکاح کی ضرورت ہوتی ہے جواب
 (۱) نکاح صحیح ہو گیا اور زید نکاح کے بعد وطی کرنے سے گنہگار نہیں ہو اور المختار میں ہے و صحیح نکاح جیلے من زنا عندھا
 و قال ابو یوسف لا یصح و الفتوی علی قولہ لکافی الغمستانی جو عورت زنا سے حاملہ ہوئی اُس کا نکاح طرفین کے نزدیک درست
 اور امام ابو یوسف کے نزدیک نادرست ہے اور فتوی طرفین کے قول پر ہو جیسا کہ قستانی میں ہے۔ اور مختار میں ہے و لو نکح
 الزانی حتی لد وطیھا اتفاقا اگر زانیہ سے زانی نے نکاح کیا تو اُس کو بالاتفاق وطی حلال ہے (۲) عورت اگرچہ
 نکاح کے وقت قبول نہیں کیا لیکن جب شوہر کی مجامعت اور خلوت پر بلا کر اہل راضی رہی تو نکاح جائز ہو گیا بجز الزانی
 میں ہو و خلافا بوضاھاھل کیونکہ اجازۃ عندی ان هذا الجملة اگر اُس کے ساتھ اُسکی ضمانتی وطی کی تو میرے نزدیک نکاح
 جائز ہو گیا اور المختار میں ہے المتکین من الوطی کالاتر و وطی کی اجازت مثل اقرار کے ہے۔ اور جب نکاح جائز ہوا تو شوہر کے
 مرنے کے بعد اس پر عدت واجب تھی عدت گزرنے کے پہلے جو نکاح کیا وہ فاسد ہو گیا اس نکاح کا نسخہ کرنا دونوں پر اور شوہر
 زانی کا ایسا لفظ کتا جس سے ترک کا مضمون سمجھا جائے جیسے ترکتک یا خلیت سبیلک واجب ہو اور نسخہ نکاح
 کے بعد شل طلاق کے عدت بیٹھنا عورت پر لازم ہے در مختار میں ہے و لکی واحد منھا فسخہ و قیل بعد الاطلاق لا یصح فسخہ و جاعل

بل یجب علی القاضی التفریق بینھا وتجب لعدہ بعد الوطی الخوة للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متاركة الزوج ودون
 کو نکاح فسخ کر لینا چاہیے خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو معصیت سے بچنے کے لیے بلکہ قاضی پر واجب ہو کہ دونوں میں تفریق
 کر دے اور طلاق کی عدت (نہ کہ موت کی) وطی کے بعد نہ کہ خلوت کے بعد واجب ہو وقت تفریق یا زوج کے ترک کرنے
 سے اور رد التحارمین ہو تقدم فی باب المهر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ ومثل له فی البحر بالتزوج بلا شہود
 و نکاح المعتدۃ یہ بات باب مہر میں بیان ہو چکی ہو کہ نکاح فاسد موجب عدت ہو بحر میں اسکی مثل میں بلا گواہ نکاح اور معتدہ کا
 نکاح پیش کیا گیا ہو۔ اور عدت تمام ہونے کے بعد پھر شوہر ثانی کو تجدید نکاح کا اختیار ہو اور عورت کو اب شوہر اول کی موت
 کی عدت بیٹھنے کی تاہی ایام کی وجہ سے ضرورت نہیں ہو (۳) شرک یا کفر منکوحہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہو تو بہ اور ایمان کے بعد
 تجدید نکاح لازم ہو سوال زوجہ کو زوج کی کفنی اطاعت کرنا چاہیے اگر زوج اپنی زوجہ سے کہے کہ تم اپنے بھو بھیرے یا
 میرے بھائی کے سامنے نہ آؤ اور اُسکے والدین کہیں کہ سامنے آؤ تو نہ وجہ کو کسکی اطاعت کرنا چاہیے اور اگر زوجہ بیکے
 لگتی ہو اور زوج کے گھر آنے کا قصد نہ کرے تو زوج اُسکو لا سکتا ہو یا نہیں جواب زوجہ کو حج امور شرعیہ میں زوج کی
 اطاعت کرنا چاہیے شرح شریعۃ الاسلام میں ہو علیہا ان تطیع زوجھا فی الامور الشرعیۃ ولو امھان تنقل الحجر من جبل ان
 لا تحجر من بیتہ الا باذنہ زوجہ کو امور شرعیہ میں زوج کی اطاعت کرنا چاہیے اگرچہ وہ اس بات کا حکم دے کہ ہاڑ سے
 پتھر ڈھولاؤ یا بلا جائز گھر سے نہ نکلو۔ اور جب عورت اپنے میکے سے نہ آتی ہو تو شوہر اُسکو جبراً لا سکتا ہو اور
 شوہر کی اطاعت در باب پردہ کے غیر محرم سے مقدم ہو رد التحارمین ہو الذی یبغی تھمیرا ان ینکح منہا عن علی
 یودی الی تنقیص حقا و اضراہ الا فی خیرھا من بیتہ قابل تحریر امر ہو کہ شوہر زوجہ کو ہر ایسے کام سے روک سکتا ہو
 جسکی بدولت اُسکا حق کم ہوتا ہو یا ضرر ہوتا ہو یا جسکے بدولت زوجہ کے گھر سے نکلیا نہ جائے ہو سوال ہندہ اپنی شوہر
 زید کی وفات کے بعد تین مہینے کئی روز عدت میں رہی پھر کسی وجہ سے اُسی عدت کے اندر اُسے عمرو سے نکاح کر لیا عمرو
 بارہ تیرہ دن اُسکے ساتھ خلوت میں رہا اور وطی بھی کی جب عمرو کو عالموں سے معلوم ہوا کہ عدت کے اندر نکاح ناجائز ہو تو
 تنہائی میں ہندہ سے یہ کہہ کر جدا ہو گیا کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا اب ایام عدت گزرنے کے بعد تجدید نکاح کر لین گے اور ایام عدت
 گزرنے کے بعد ہندہ سے نکاح کر لیا اگر ہندہ تفریق عمر کی عدت نہیں بیٹھی یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں اور اس نکاح سے کئی لڑکے
 بھی ہو چکے ہیں اب یہ لڑکے حلالی کہلائیں گے یا ولد الزنا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے لاذا افتقت عدھا
 من الاول تزوجھا الاخر ان شاء جب اُسکی عدت زوج اول سے پوری ہو جائے تو دوسرا شخص اگر چاہے تو اُس سے شادی
 کر سکتا ہو معلوم ہوتا ہو کہ نکاح صحیح ہو گیا اور اُسکی اولاد حرام نہ قرار پائیگی کیونکہ اس قول میں زوج ثانی کی تفریق کی عدت بیٹھنے کا

حکم نہیں ہوا اور یہ قول خاص اسی مادہ میں ہوا اسکو صاحب عملی شارح موطا نے غم لایحتماعان اکثر کی شرح کے ضمن میں نقل کیا ہے اور یہ عبارت من موطا کی ہے اور قول حضرت عمر کا چنانچہ الفاظ عبارت من و شرح کے بعینہ نقل کر کے اس سال خدمت کرتا ہوں فی الموطا قال عمر بن الخطاب لما دعا امرأة نكحت في عدتها فان كان زوجها الذي تزوجها لم يدخل بها فرق بينهما ثم اعدت بقية عدتها من زوجها الاول ثم كان الاخر فاطلب من الخطاب وان كان دخل بها فرق بينهما ثم اعدت بقية عدتها من الاول ثم اعدت من الاخر ثم لا يجمعان ابداً وقال سعيد بن المسيب لما حضر عام الاستحقاق موطا من اهل حضرت عمر بن الخطاب رضي الله عنه كما ارشاد ہے جس عورت نے عدت کے اندر نکاح کر لیا اگر اُسکے دوسرے شوہر نے اُسکے ساتھ صحبت نہیں کی ہے تو دونوں میں تفریق کرادی جائے پھر وہ اپنی عدت کا باقی زمانہ پورا کرے اُسکے بعد دوسرا مثل بیغام بھیجنے والے کے ہوگا اور اگر صحبت کی ہے تو تفریق کرادی جائیگی اور بقیہ عدت گذر جانے کے بعد پھر وہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور یہ بن مسیب نے کہا ہے کہ عورت کو صحبت کی وجہ سے مہر کا حق ہوگا اور صاحب عملی شارح موطا میں قولہ ولا يجمعان ابداً کے تحت میں لکھتے ہیں زوجا له وسياسة في حقهما جزءا سرعة مبادءة اليه قبل قضاء عدتها وهذا لا يفرق به بغير ما احتاه اهل العلم على انه محل له بعد الخرج عن العدة قال محمد وبلغنا ان عمر رجوع عن هذا القول الى قول علي بن ابي رباح الحسن بن علي بن عمر عن الحكم بن عيينة عن مجاهد قال رجوع عمر الى قول علي بن ابي رباح في عدتها وذلك ان عمر قال اذا دخل بها فرق بينهما ولم يجمعها ابداً واخذ صداقها فجعلها في بيت المال فقال علي بن ابي رباح هذا ما اقامها بما استحق من فريقتها اذا انفقت عدتها من الاول تزوجها الاخران نشاء فخرج عمر الى قول علي بن ابي رباح اسوجسے کہ انھوں نے جلدی کی اور انقضائے عدت کا انتظار نہیں کیا اسکا مقصد انھیں زجر و تنبیہ کرنا ہے یہ اسکیلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور عامہ اہل علم کے نزدیک یہ عدت گذرنے کے بعد حلال ہے اور اگر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے جانب رجوع کیا ہے حسن بن عمار نے حکم بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ مجاہد کہتے ہیں عدت کے اندر جس عورت نے نکاح کر لیا اُسکے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی جانب رجوع کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر صحبت کر لی ہے تو دونوں میں تفریق کرادی جائیگی اور پھر وہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور اسکا مہر و صل کر کے بیت المال میں رکھا جائیگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک چونکہ مرد نے اُس سے نفع اٹھایا ہے لہذا عورت کو مہر کا حق ہے اور جب پہلے شوہر کی عدت تمام ہو جائے تو دوسرا شوہر اُسکے ساتھ اگر چاہے نکاح کر سکتا ہے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے جانب رجوع کیا ہے اس مسئلہ میں جو شرع کا حکم ہو اُس سے مطلع فرمائیے جواب عمر کا متار کہ صحیح ہو گیا اور شوہر اول کی عدت عدت گذرنے کے بعد اُسے ایام عدت تفریق کے گذرنے سے پہلے جو نکاح کر لیا وہ نکاح صحیح ہو گیا کیونکہ تفریق کی عدت

پہ نسبت دوسرے شخص کے واجب ہو نہ بہ نسبت کسی شخص کے یعنی اگر تفریق عمر کے بعد کوئی اور شخص اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو یہ شخص بغیر ایام عدت تفریق کے گزرے ہوئے نکاح اس عورت سے نہیں کر سکتا تھا اور عمر و نے جو صحت تفریق ہو جب ان ایام کے گزرنے سے پہلے نکاح کیا تو جائز ہو گیا اور اس نکاح سے جو اولاد ہوئی حلالی ہو مطلق قاری شرح مولا امام محمد رحمہ اللہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول کے تحت میں فاذا انقضت عدتها من الاول تزوجھا الاخران شاء لکھتے ہیں اذلاعدة ثانية بالنسبة اليه فان ادا ثالثان يتزوجھا فلا يجوز حتى تنكح من عدة الثالث ايضا کیونکہ اس دوسرے شخص کیلئے دوسرے عدت کی ضرورت نہیں ہو اور اگر اس کے سوا کوئی اور شادی کرنا چاہے تو اس وقت تک جائز نہیں ہو جب تک دوسرے شوہر کی عدت بھی پوری نہ ہو جائے سوال کلو بوکالت محمد بن اپنے نکاح کا منتاسے دعویٰ درہو اور منتانے انکار کیا کلو نے محمد بنش کوکیل نکاح اور ملا ابراہیم نکاح خوان اور امیر السد گواہ وکالت و نسخے و محمد سعید خان و محمد نبی خان گواہان جلسہ عقد مغروضی کو حاکم فوجداری کے سامنے پیش کیا حاکم نے سب کے اٹھارہ قلب بند کیے محمد بنش کوکیل نکاح نے کہا کہ کلو کا نکاح منتا کے ساتھ میری وکالت سے ہوا ہے منتانے نسخے اور امیر السد کے سامنے مجھے اپنے نکاح کا وکیل کیا تھا اور کہا تھا کہ تم میرا نکاح کلو کے ساتھ کرو اور مسما میرے اور ان کو کے سامنے آتی ہو اور ملا ابراہیم نے میری اجازت سے نکاح پڑھا اور پانسو روپیہ اور پانچ اشرفی مہر مقرر ہوا اسکے بعد اسی بخش قلمی کرنے کے کہا کہ تم نے بغیر میرے دریافت کیے ہوے کیون نکاح کر دیا ہم اور طرف ثانی نے اپنے الہی بخش وغیرہ سخت گفتگو ہوئی ہم جوڑا پھیر لائے حاکم نے سوال کیا ایجاب و قبول طرفین سے ہو گیا تھا اور تین مرتبہ ایجاب ہوا تھا کلو نے کہا تھا کہ فتاد دختر غوث محمد کو بعض پانسو روپیہ اور پانچ اشرفی کے قبول کیا اور عورت باب کے گھر عورتوں میں بھی اور نکاح منعقد ہوا تھا امیر السد شاہد وکالت نے بیان کیا کہ مسما نے منتا کے نکاح کا وکیل خدا بخش کو کیا تھا اور اسے مسما کا نکاح اپنی وکالت سے کلو کے ساتھ کر دیا اور نسخے و محمد سعید خان و محمد نبی خان اور ملا ابراہیم نے عقد مسما مذکورہ کا بوکالت محمد بنش کے بیان کیا اور امیر السد نے پہلے تو خدا بخش کو وکیل بیان کیا پھر بروقت تصدیق کیا کے وکیل نے تخطیب سوال کیا کہ بجاے خدا بخش کے محمد بنش بیان کیا اور ان سب نے نقط قبول منجا کلمے بیان کیا اور ایجاب من جانب وکیل نہیں بیان کیا اور مسما کی ایسی تعریف نہیں کی جس سے جہالت رفع ہوتی اور نسخے نے جسکو محمد بنش وکیل نے اپنی وکالت کا شاہد بیان کیا ہو نہ اسے اور کسی شاہدان جلسہ نے سواے امیر السد کے اثبات وکالت کیا اور مسما مذکورہ ان تینوں آدمیوں سے چہیتی ہو اور جلال خان رسالدار اور اہل محلہ میں سے تیرہ ثقہ آدمیوں نے اقرار کلو و محمد بنش اوپر عدم وقوع نکاح بعد تاریخ مد طاع دعویٰ کلو اور محمد بنش وغیرہ کے بیان

کیا اور اہل محلہ میں اٹھا ئیس ثقہ آدمیوں نے بھلت متفق اللفظ بیان کیا کہ کلو کا نکاح منٹا کے ساتھ نہیں ہوا ہے
 حاکم مرافعہ نے حکم حاکم فوجداری کا کہ اُسکا مارا اُن چھ آدمیوں کی شہادت پر تھا کہ دو انہیں سے یعنی محمد بخش وکیل
 نکاح اور ملا براہیم نکاح خوان کہ مباشر فعل ہیں اور ایجاب بنجاب وکیل بیان نہیں کرتے اور تعریف مسماہ کی
 نہیں کرتے اور باقی جا رہی ایجاب بنجاب وکیل بیان نہیں کرتے اور محمد بخش کی وکالت کہ موقوف علیہ نکاح ہی
 بحر امیر اللہ ایک گواہ کے ثابت نہیں ہوتی کہ بحق کلو ہوا تھا تحقیق موقع کے بعد تیرہ آدمیوں ثقہ اہل محلہ مذکورین
 سے اوپر اقرار کلو و محمد بخش کے نکاح نہونے پر اور اٹھا ئیس آدمیوں مذکورین سے کلو کا نکاح منٹا کے ساتھ نہونے
 پر کہ مجموعہ کل آدمیوں کا اکتالیس کو پونچھا ہر سفر فرمایا بے بغل جانے بعض روایات ضعیفہ کما نحن فیہ سے کچھ تعلق نہیں کشتی ہیں کیونکہ ہر
 دعویٰ کالت محمد بخش ہر اولان روایات سے ثبوت وکالت محمد بخش بشہادت یک کس سنی امیر اللہ ثابت نہیں ہوتا خلاص
 فیصلہ حاکم مرافعہ کے تحریر کیے ہیں صورت مسئلہ میں حاکم مرافعہ کا حکم صحیح ہو یا حاکم فوجداری کا جواب کلو کا
 نکاح منٹا کے ساتھ ثابت نہیں کیونکہ موقوف علیہ نکاح منٹا سے وکالت محمد بخش ہو اور منٹا کو وکالت اور نکاح
 دونوں سے انکار ہی صرف امیر اللہ کی گواہی سے محمد بخش کو منٹا کا وکیل کرنا ثابت نہیں ہوتا پس اس صورت میں
 باقی گواہوں کی شہادت کے ساتھ کلو کے دعوے کو موافقت نہیں ہوئی لہذا روایت داخلہ مجیبہ دل بجوالہ
 درمختار اور بر اثبات دعوے کلو کے مثبت عدم اثبات کی ہوئی عالمگیری میں ہو الشہادۃ ان وافقت الدعویٰ قبلت
 واکلا شہادت اگر دعوے کے موافق ہوگی تو قبول کی جائیگی ورنہ نہیں اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہر دان
 نکون موافقة للدعویٰ اور یہ کہ دعوے کے موافق ہو اور درمختار میں ہو موافقة الشہادۃ للدعویٰ اور شہادت
 کا دعوے کے موافق ہونا اور فرض محال اگر شہادت بقدر نصاب فرض بھی کی جائے تاہم متواتر اور مشہور کے خلاف
 ہی جو عند القاضی مقبول نہیں کیونکہ اکتالیس آدمی اس بات پر گواہی دیتے ہیں کہ منٹا کے ساتھ کلو کا نکاح نہیں
 ہوا البینۃ اذا قامت علی خلاف المشہور المتواتر لا تقبل ہوا ان یشتہر ویسم من قوم کثیر لا یتصلی اجتماعہ
 علی الکذبتتقیم الحاکم مدین بن حبیب خلاف مشہور متواتر پر قائم ہو تو مقبول نہوگا اور مشہور متواتر وہ ہی جو عام مشہور
 ہو جائے اور اتنی بڑی جماعت سے سنا جائے جن کا کذب پر جمع ہونا ممکن نہو۔ اور مجیبہ دل نے جو صحت شہادت
 وکیل نکاح اور نکاح خوان کی لکھی ہے وہ قواعد کلیہ اور جزئیہ شرع کے خلاف ہے کیونکہ یہ شہادت علی نفسہ ہی جو بموجب
 ان روایات معتبرہ کے مقبول نہیں انما تقبل شہادۃ الدامی اذا لم یذکر انہ عقدہ لیس شہادۃ علی فعل نقضہ ہر مختار و کذا
 اللہ الوکیل لو بانثبات النکاح مالو شہد انھا امراتہ تقبل والحیلۃ انہ شہد بالکفر لکن کلو کا کالت درمختار و نقلاً عن النزاعیۃ

والتسهیل والکیلان بالبیع والکلاہن اذا شہدا او کلا شخص بعنا هذا الشيء من فلان لا قبل شهادتهما کلا فی الذخیرۃ عالمگیری
شہدان ان فلانا اہم بزوج فلا یتزوج و یجملعما او اشتريا العبد افعلتا فاما ان یتکرا الموکل الامر والعقد او یقر بلامر العقد
او یقر بجماع کل علی وجہین اما ان یدعی الخصم العقد مع الوکیل و یتکرفان کان الموکل ینکر لا یقبل فی الفصول کلا وان کان
الامر یقر بجماع الخصم یقر بالعقد قضی بالاقراک لبت شهادتهما الخلع والنکاح والبیع فیہا سواء عالمگیری اما مور کی شہادت
اسی وقت معتبر ہوتی ہے جب یہ ذکر کرے کہ اس نے عقد کیا ہو تاکہ اپنے فعل پر شہادت نہ ہو درختار بہر سطح دلال اور وکیل اگر شہادت
نکاح کے گواہ ہوں لیکن اگر اس بات کی شہادت دے کہ وہ اس کی بی بی ہو تو شہادت مقبول ہوگی اور عید یہ ہو کہ نکاح کی شہادت دے
اور وکالت کا ذکر نہ کرے اسکو درختار نے بنایا اور تسہیل سے نقل کیا ہے بیع کے دونوں وکیل اور دلال اگر شہادت دین
اور یہ کہ عین کہ ہنسنے اس چیز کو بیچا تو انکی یہ شہادت مقبول نہوگی جیسا کہ ذخیر میں ہے عالمگیری ۲۷۰ و آدمیوں نے اس بات
کی شہادت دی کہ فلان مرد نے ہمیں فلان عورت کے ساتھ اپنا نکاح کرنے کا حکم دیا یا اپنے لیے غلام خریدنے کا حکم دیا او
ہم نے ایسا کیا تو موکل یا تو حکم اور عقد دونوں کا انکار کر گیا یا حکم کا اقرار کر گیا عقد کا انکار کر گیا یا دونوں کا اقرار کر گیا ان میں سے
ہر ایک کی دو صورتیں ہیں یا تو خصم وکیل کے ساتھ عقد کا دعویٰ کر گیا یا انکار کر گیا پس اگر موکل انکار کرے تو شہادت تمام صورتوں
میں غیر مقبول ہو اور اگر آخر دونوں کا اقرار کرے اور خصم عقد کا اقرار کرے تو قاضی حکم دے گا لیکن شہادت کی وجہ سے نہیں بلکہ اقرار
کی وجہ سے غلط نکاح اور بیع کا اس معاملہ میں ایک ہی حکم ہے عالمگیری ۲۷۰ اور جو موجب نے ترمیم ساتھ نفاذ حکم قاضی اول کو اس
روایت مثبت صحت شہادت مباشر فعل کی بیان کی وہی مثبت نفاذ حکم قاضی اول کی ہے کیونکہ قاضی اول کا حکم کتاب اسد
کے خلاف ہے اسد تعالیٰ فرماتا ہے واستشهد اشھیدین من جماعتک اور محمد بخش کی وکالت کا فقط ایک ہی گواہ ہے لہذا حکم مراجعہ نے
مستور فرمایا اور جب قاضی اول کا حکم شرع کے خلاف ہو تو قاضی ثانی کو جاری کرنا چاہیے درختار میں ہے اگر عرضی دلیل صحیح
او خالف کتابا او مستحشہ ہو کا اجماعا دلیل سے خالی ہو یا کتاب یا سنت مشہورہ یا اجماع کے خلاف ہو اور مباشر فعل کی عدم
صحت شہادت کی تا یہ قرآن شریف سے بھی نکلی ہے اسد تعالیٰ فرماتا ہے واشھدوا اذا ابتلایعتم اور جب تم سودا کرو تو شاہد
کر لو۔ یعنی اپنے معاملات پر گواہ کر لیا کرو نہ یہ کہ اپنے قول و فعل پر ہو جائے اور پس اس سے معلوم ہوا کہ اصل شہادت گواہی ثانیہ
یا دوسرے کے قول اور فعل پر اور اس کے سوا محمد بخش جو دعویٰ کے ساتھ مراجعہ کے مقابلہ پر بخاصانہ گفتگو کرتا ہے چنانچہ اپنے
اپنے اظہار میں لکھوایا ہے کہ اگر تم رخصت نہ کرو گے تو ہم ناش کرینگے اور ہم میں اور طرف ثانی میں خوب دوقح ہوئی ایسے شاہد
کی شہادت ہرگز مقبول نہیں چنانچہ درختار میں ہے الا اذا الشئد الخصم و خاصہم مگر جبکہ خصوصیت سخت ہو جائے اور
وہ بھی اس کے ساتھ خاصیت کرے اور جو موجب صاحب فرماتے ہیں اجازت دینا محمد بخش کا بھی ایجاب جانب محمد بخش سے ہے

یہ سراسر فقہ کے خلاف ہے کیونکہ لفظ اجازت لفظ نکاح سے نہیں ہے بلکہ لفظ نکاح نکاح اور تزویج وغیرہ میں درختار میں نکاح لفظ تزویج و نکاح نکاح لفظ نکاح و تزویج صحیح ہوتا ہے اور دلیل یوں بیان کرے زوجت ہو کلتی منکاح میں نے اپنی مولا کا نکاح تھا ہمارے ساتھ کر دیا۔ اور اگر بلفظ اجازت بھول کر کہے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا درختار میں ہے کہ لفظ بلفظ اجازت و اعادۃ و وصیت و بالفاظ مصحفۃ کتجو ذت الفاظ اجازت و اعادہ و وصیت اور الفاظ مصحفۃ مثلاً تہجوزت سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور اگر بغرض محال مان بھی لیا جائے تو نجی نکاح جسکے لیے محمد بخش کی وکالت موقوف علیہ ہو وکالت ثابت نہ ہو کیونکہ سے بایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا اور مجیب نے جو لکھا ہے کہ نہ کہنا کہ ملا ابراہیم نے نکاح باندھا ایجاب قبول پر دلالت کرتا ہے اس طرز مجیب کے معلوم ہوا کہ عاقلہ کلو اور محمد بخش وکیل نہیں ہیں بلکہ ایجاب و قبول کا کام ملا ابراہیم نے کیا حالانکہ جن گواہوں کو کلو نے پیش کیا انکے دائرہ کلو کے انہار سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول فقط کلو نے کیا اور مجیب جو لکھتے ہیں کہ یہ کسی وکالت ہے جو بائع آدمیوں سے ثابت نہیں ہوتی اگر محمد بخش وکالت کا مدعی لاکھ گواہ اثبات وکالت پر پیش کرے اور ان میں سے دو گواہ بھی یہ نہ بیان کریں کہ ہمارے سامنے منتانے محمد بخش کو اپنے نکاح کا وکیل کیا جب بھی وکالت ثابت نہ ہوگی نہ کہ بائع گواہ ایسے اور وکالت ان الفاظ سے منعقد ہوتی ہو میں نے تجکو اس بیع یا اس مقدمہ میں وکیل کیا عالمگیری میں ہے واما لکھا فالفاظ التي ثبت بها الوكالة من قوله قلتك ببيع هذا البعير او شراؤه لاني التمس له الوهاب اركان الوكالة وہ الفاظ میں جسے وکالت ثابت ہو مثلاً یہ کہے کہ میں نے تجکو اس اونٹ کے بیچنے یا خریدنے کیلئے وکیل کیا جیسا کہ سراج و ہاج میں ہے یہ جو مجیب کہتے ہیں کہ حد تک بیان کرنا کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ تعریف ہونا چاہیے بیشک ایسا ہی ہے مگر گواہوں نے متنا کی ایسی صفت بیان نہیں کی جس سے نفع جہالت ہو چاہل جواب کا یہ ہے کہ محمد بخش کی وکالت گواہوں سے ثابت نہیں علاوہ برین مشہور علیہ یعنی متنا کی تعریف نہ کی و جواب گئی نے سنا نہ کمال بیان نہیں کیا اس صورت میں کلو کا نکاح متنا کے ساتھ کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا ہے۔ و اسد اعلم باکان حررہ العبد الضعیف اراجی الی رحمۃ اللہ القوی الشان محمد تفضل حسین خان عفا اللہ عنہ سیاتہ وادخلہ فی یوم البعث ولفظ شرفی الجہان **محمد تفضل حسین خان** ہو المصوب اس صورت میں شہادت ملا ابراہیم نکاح خوان کی متبر نہیں کیونکہ وہ مباشر فعل ہے اور مباشر فعل کی شہادت جب وہ عین شہادت میں مباشرت فعل کا ذکر کرے غیر متبر ہو یا قصداً عبارت فتاویٰ مفتی خان کے دحل توی تو زوجہ امراۃ من جل ثم مات الزوج فانکرت ورنہ نکاح صحیح لانی تعول العقد ان یشہد بالنکاح یشہدان فلان تزوج فلانہ بکذا وکذا لکذا ان یشہد العقد ایک شخص ایک عورت کا ایک مرد کے ساتھ نکاح میں مکمل بنا پھر زوج مر گیا اور اسکے ورثہ نے نکاح سے انکار کیا تو وہ شخص شہادت عقد دیکھتا ہے بشرطیکہ نہ ذکر کرے کہ اسکا بھی عقد میں داخل تھا اور محمد بخش وکیل کی بھی شہادت غیر متبر ہے

عالمگیری میں اس شہادت قلنا امر ہا بتزوج فلانة وخلصها او ان اشتري ل عبد ففعلنا فانما ان يكره لاول كل امر
والعقد او يقر بهما ولا العقد او يقر بهما وكل على وجهين اما ان يدعى الخصم العقد مع الوكيل او يكره فلان كان الموكل
ينكره لا يقبل في الفصل كما هو ادوية من اس بات کی شہادت کی کفلان مرد نے ہین فلان عورت کے ساتھ اپنا نکاح یہ طلع
کرنے کا حکم دیا یا اپنے لیے غلام خریدنے کا حکم دیا اور ہننے ایسا کیا تو موکل یا تو حکم اور عقد دونوں کا انکار کر گیا یا حکم کا اقرار اور عقد
کا انکار کر گیا یا دونوں کا اقرار کر گیا ان میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہین یا تو ہضم وکیل کے ساتھ عقد کا دعویٰ کر گیا یا انکار
کر گیا پس اگر موکل انکار کرے تو شہادت تمام صورتوں میں غیر مقبول ہے۔ اور باقی جن گواہوں نے مسامۃ کی ایسی تعریف نہیں
کی جس سے نفع جہالت ہو انکی گواہی بھی مثبت نہ ہوگی اشیاء میں ہو المثنیٰ و علیہ شیئ ان کان حاضرا کف الاشارة الیه
وان کان غائبا فلا بد من تعریف باسمه واسم ابیه وجده ولا یكف الاقتصار علی اسمہ لان یتو فی غیثہ و تکفی النسبة
الی الزوج لان المقصود الاعلام مشہود علیہ اگر حاضر ہو تو اسکی طرف اشارہ کافی ہو ورنہ اسکا اور اسکے باپ دادا کا نام لینا
ضروری ہو صرف اسکا نام لینا کافی نہیں ہو البتہ اگر مشہور ہو یا زوج کی جانب نسبت کافی ہو تو جائز ہے کہ چونکہ مقصود اعلام ہے
اور فصول عامہ میں ہو الحاصل ان الاعتبار انما هو حصول الفتر و ارتفاع الاشتراك حاصل یہ ہو کہ حصول معرفت اور
ارتفاع اشتراك معتبر ہے اور جبکہ مسامۃ وکالت اور عقد دونوں سے منکر ہو پس اثبات وکالت کے لیے گواہ ضروری ہین
بجز الراقین میں ہو ولغير اصلان اور رجل وامرأتان اطلقه فیشمل الما لا وغیرہ کا نکاح والطلاق الوکالۃ والوصیۃ لعنا
والنسب اسکے علاوہ کیلئے دوم دیا ایک مرد و عورتین اسے مطلق رکھا ہو تاکہ مال اور غیر مال مثلا نکاح طلاق وکالت
وصیت عتاق اور نسب کو بھی شامل ہو جائے اور اس صورت میں سوا میرا مد کے کسی نے اثبات وکالت نہیں کیا مگر
عقد کا ہونا بوکالت محمد بخش بیان کیا اسقدر بیان سے وکالت ثابت نہیں ہوئی جب تک یہ بیان نہ کریں کہ ہمارے سامنے
مسامۃ نے محمد بخش کو نکاح کا وکیل کیا تھا انھیں جوہ سے صورت مذکورہ میں نکاح ثابت نہیں ہوتا ہے اور ایک جم غفیر کی
شہادت عدم نکاح کی اور اقرار مدعی وکیل کا نکاح نہونے پر مرجع عدم نکاح ہے اور بعد معائنۃ تحریرات بعض علما جنھوں نے
حاکم فوجداری کے حکم کی تائید کی ہے اور اعداد حاکم مرافعہ سے یا مرتحق ہوتا ہے کہ اس صورت میں حکم حاکم مرافعہ کا درست ہے اور حاکم
فوجداری کا حکم چونکہ خلاف شرع واقع ہوا ہے قابل مضامین ہے و اسدا علم حرہ الراعی عفورہ القوی ابو الحسنات محمد علی لہی
تجاوذا مدین ذنبہ اعلیٰ و بنفی سوال ایک شخص چاہتا ہے کہ میں اپنا نکاح اپنے سارے کی پوتی یعنی زوجہ کے بھائی کی
پوتی سے کروں اور یہ بات کنز سے پائی جاتی ہے کہ بحالت زندگی بھوپتی کے اسکی بھتیجی کو نکاح میں رکھنا بچا ہے پس
اگر اسکی زوجہ زندہ ہو تو یہ اسے بھائی کی پوتی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں جواب نہیں کر سکتا ہے تنویر الملبص

میں ہر وحرم الجمع نکاحاً وعداً ووطیاً بملک عینین میں امرائین ایھا فرضت کوالم تحلل لآخری نکاح اور عدت اور وطی
 بملک عینین میں دو ایسی عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے جن میں سے اگر ایک مرد فرض کی جائے تو وہ دوسرے پر حرام ہو سوال
 نکاح کے بعد خرمے محفل میں اُچھا لڑنا کیسا ہو اور نکاح کے پہلے یا نکاح کے بعد معمول ہے کہ زوج کے یہاں کے کپڑے زوجہ کو
 پھٹانے جاتے ہیں اور نکاح کے بعد حاضران مجلس کو کھانا کھلاتے ہیں انکی شرع میں کیا اصل ہے اور جو شخص کہے کہ یہ امور شرع
 نہیں ہیں لیکن بطور تحفہ و ہدیہ و اتحاد ان کا رواج ہے کہ وہ گندگار ہوگا یا نہیں جواب زوج کے یہاں کے کپڑے
 زوجہ کو پھٹانا یا زوجہ کے یہاں کے کپڑے زوج کو پھٹانا نہ شرعاً ممنوع ہے نہ بدعات سیئہ میں داخل ہے اور اس طرح کھانا
 کھانا اور خرمے اُچھا لڑنا بدعات سیئہ میں داخل نہیں جس کے ارتکاب سے گناہ لازم آئے بلکہ یہ امور سیاح ہیں اور اکل
 و شرب و لباس کے باب میں جو باتیں سیاح ہیں بنظر اتحاد و دواد و حسن اخلاق انکے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ
 اگر انکو سنت جانے اور غیر مسنون کو مسنون تصور کرے تو گندگار ہوگا یہ اُسوقت ہے جب ان امور کا کسی طرح زمانہ نبوی اور
 زمانہ صحابہ میں ثبوت نہ مل سکے اور ان امور کا جو عبادات نہیں ہیں محض اُن زمانوں میں نہونا بدعت کا باعث نہوگا اور بعض
 روایات سے خرموں کی تقسیم اور دھن و لون کا شرکائے محفل عقد کو کھانا کھانا ثابت ہے بحال الدین سیوطی عجلہ اہل الحرم
 باخبار الخدوش میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ذکر کرتے ہوئے جو بولایت نجاشی حبشہ میں ہوا تھا طبقات
 ابن سعد سے نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں ثم بعد الفرج من النکاح اذادوا ان یقوموا فقال النجاشی جلسوا فان سبنتہ
 الا نبیاء اذ انزوحوا ان یوکل طعام علی التزویم فی طعام کما کلام تفرقوا نکاح سے فراغت کے بعد سب اُٹھ جائے
 کا قصد کیا تو نجاشی نے کہا بیٹھ جاؤ کیونکہ انبیاء کی سنت یہ ہے کہ جب شادی ہو جائے تو کھانا کھلایا جائے پھر کھانا سنگایا
 اور سب نے کھانا پھر تفرق ہو گئے۔ اور وہی تھی اور عجم و وسط طبری میں مرقوم ہے ان الذی صلی اللہ علیہ وسلم حضور فی اصلاح
 ای عقد نکاح فاق طابق علیہما جلود و نور و تمزق شتر قبضنا این ما فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یخرون
 فقال انک غمیت عن النہو فقال انما غمیت عن خبوا عسا کر خذوا علی اسم اللہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 عقد نکاح میں تمزق لینے لے بس طابق لائے گئے جن میں جلودہ شگوفہ اور کھجور تھے جو پھینکے گئے ہننے اپنے اتھ سیٹھ
 لیے تو حضور سرور انبیاء علیہ التعمیہ والثناء نے فرمایا کہ تم لوگ کیوں نہیں لیتے ہلمو گون نے کہا کہ آپ نے لوٹ سے منع فرمایا
 ہے تو اپنے فرمایا کہ میں نے لشکروں کی لوٹ سے منع کیا ہے انکو خدا کے نام پر لو۔ لیکن ان روایتوں کی سند ضعیف ہے اور
 بسند صحیح کوئی معتبر روایت اس باب میں خدشات سے غالی نہیں ہے حال یہ ہوگا کہ جو یہ امور زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں
 بروایت صحیح نہ بھی ثابت ہوں تو بھی بدعت سیئہ میں انکا شمار نہیں ہو سکتا بلکہ یہ امور بدعت مبارکہ ہیں سوال

مدعی نے اپنے دعوے کے اثبات میں تین وجہیں عدالت میں پیش کیں مدامہ جلتہ نکاح کے شاہد ۲۳ اس بات کے شاہد کہ نکاح کے بعد زوجہ نے مدعی کے ساتھ نکاح پر اپنی رضامندی ظاہر کی (۲۴) اس بات کے شاہد کہ زید اور اسکی زوجہ میں خلوت صحیح ہوئی جلتہ نکاح کے شاہد ۲۵ نے شہادت داکہ لیکن وکیل کے عدم ثبوت توکیل کی وجہ سے نکاح ثابت نہ ہو سکا تو کیا قاضی باقی دو شہاد توں پر نکاح کا حکم دے سکتا ہے جواب نکاح کی خبر پہنچنے کے بعد زوجہ کی رضامندی اور خلوت صحیحہ کے ثبوت سے نکاح کی تکمیل ہو جاتی ہے عالمگیر قاضیین ہر و لوطی اقام الزوج البینۃ لھا اجتاز العقد حین خبرت واقامت البینۃ لھا ردت حین اخبرت کانت البینۃ ببینۃ الزوج کذا فی التسلیم الوہاب اگر شوہر نے اس بات پر اگوئے قائم کیا کہ جب زوجہ کو نکاح کی خبر دی گئی تو اُس نے نکاح کی اجازت دیدی اور زوجہ نے اس پر گواہ قائم کیا کہ جب اُس کو خبر پہنچی تو اُس نے نکاح کو رد کر دیا پس زوج کا گواہ معتبر ہے ایسا ہی سراج وراج میں ہے اور اسی کتاب میں ہے کہ تحقیق رضاہا بالقول کقولھا رضیت قبلت احسنت اصبحت بارک اللہ لنا ونحوہ یتحقق بالکلام کطلبہا ونفقہا وتمکنہا من العطی کذا فی التنبیین جملہ عورت کی رضامندی الفاظ ثابت ہوتی ہے مثلاً ان الفاظ کے کہنے سے رضیت قبلت احسنت اصبحت بارک اللہ لنا سہلح ولالت سے بھی ثابت ہوتی ہے مثلاً امر ونفقہ طلب کرنا وطی کی اجازت دینا ایسا ہی تمہیں میں ہے اور اسی کتاب میں ہے ولو خلا بھا برضاہا لا یرایۃ للسائلۃ قال عندہ ان هذا اجازۃ کذا فی النظیریۃ اگر زوجہ کے ساتھ اُسکی رضامندی سے خلوت کی اسکے متعلق کوئی روایت نہیں ہے میرے نزدیک یہ جائز ہے ایسا ہی ظہیر میں ہے بناؤ علیہ جب جلتہ نکاح کے شہود نے وقوع نکاح کی شہادت دی تو قاضی کو رضاے زوجہ اور خلوت صحیحہ کی شہادت ماننا چاہیے سوال ولی غیر جابر نے ایک نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا بعد بلوغ اُس نے اپنے نکاح کو فسخ کر کے بلا تفرقہ قاضی دوسرے کے ساتھ نکاح کر لیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں اور جہان کفار کی سلطنت ہو وہاں قاضی کہاں لایا جائے جواب فسخ نکاح میں قضاء قاضی شرط ہے رد التحدار میں ہے حاصلہ انہ اذا کان الزوج للصغیر الصغیرۃ غیر لا ولا لجل فلهما الخيار بالبلوغ والعلم بہ فان اختارا الفسخ لا یشیت الفسخ لا یشتر القضا جمل یہ ہے کہ جب صغیرہ کی شادی کر دینے والا باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور ہو تو بعد بلوغ یا بعد علم نکاح اُنکو اختیار ہے کہ فسخ نکاح چاہیں تو اُسکے لیے قضای قاضی ضروری ہے۔ ایسے صورت مسئلہ میں نکاح دو صحیح نہیں ہو بل جامع انفوس میں ہے ولو اختار احدہما الفترۃ ورد النکاح بخیار البلوغ لیکن رد ولا یبطل العقد لہم بحکم بہ القاضی توارثان قبل الحکم اگر دونوں میں سے کسی ایک نے فرقت کو پسند کیا اور خیار بلوغ کی رو سے نکاح کو رد کرنا چاہا تو نکاح رد نہ ہوگا اور عقد باطل نہ ہوگا تا وقتیکہ قاضی اس کا حکم نہ دے تو قاضی کے حکم کے قبل ایک دوسرے کا وارث ہے اور جہان کفار کی حکومت ہو اور قضائے قاضی منقود ہے

اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو صاحب معاملہ کو بلاد اسلامیہ (جیسے بلاد حجاز بلاد روم وغیرہ) ہندوستان میں رامپور بھوپال وغیرہ میں
 جہاں قاضی موجود ہو جا کر فیصلہ کر لے یا بذریعہ تحریر قضاء بلاد اسلام سے فسخ نکاح کا حکم منگا لے سوال اُن درایم
 وناشر کا کیا حکم ہو جو اُن کے والے لڑکی والوں سے قبل نکاح کے نسبت کے وقت لیتے ہیں جیسا کہ اکثر بلاد ہند میں
 ہو جو اب درختار میں ہو اخذ اہل المرأة شیخا عند التسليم فللزوج ان یستولکھ رشوة لڑکی والوں سے اگر کچھ لیا
 ہو تو زوج کو واپس لینا چاہیے کیونکہ وہ رشوت ہو اور دالمحتارین تحت قول عند التسليم کے لکھا ہے ای بان ابی ان
 یسلمھا الخھا او نحوه حتی یأخذ شیئا وکذا الولی ان یزوجھا فللزوج الاستمرار دائما اوھا لکلالة رشوة یعنی اگر غرضتی کے
 وقت بجائی یا کسی اور نے بے کچھ لیے ہوئے رخصت کرنے سے انکار کیا یا اسی طرح اگر شادی سے انکار کیا تو زوج کو وہ مال
 (اگر دیا ہو) واپس لینا چاہیے کیونکہ وہ رشوت ہو اور یہی کتاب کے باب بخطر میں ہو ومن البحت علی الخا الصھ من الخن
 بطریق نفسہ جو سرور اوستے اُسکی رضامندی سے وصول کرتا ہو وہ کسب حرام ہو کیس جو زوج لڑکی والوں سے قبل شادی
 کے لے اُسے تو بدرجہ اولیٰ واپس لینا چاہیے کیونکہ یہ رشوت ہو جیسا کہ ردالمحتار باب اسب میں ہو حطت المال علی نفسها
 علی النکاح وفي النکاح العوض لا یكون علی المرأة جو مال عورت اپنے نکاح کے عوض میں دے وہ مال ضائع ہو کیونکہ نکاح
 میں عوض عورت کے ذمے نہیں ہوتا۔ ہائے ملک کے لوگ اپنی زبان میں اس رویہ کو نکلو رکتے ہیں جس کا عربی ترجمہ
 رشوت ہو تو اُسکا واپس لینا ضروری ہو خواہ موجود ہو یا ہلاک ہو گیا ہو کیونکہ رشوت پر قبضہ سے ملک ثابت نہیں ہوتی جیسا
 کہ درختار میں ہو فالرشوة حرم اعطاؤها واخذھا رشوت کا دینا اور لینا دونوں حرام ہیں واما علم کتبہ انقرعبا والی امدا
 شیخ یوسف بن قادر احمد عفی عنہ صحیح الجواب واما علم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو انعمشات محمد عبدالحی نجی ورامد عن
 ذنب الحلی وافتی سوال شخص ہندی فاروقی صدیقی کا یا ہندوستانی سید کا یا ہندی شیخ کا یا ہندی شیخ ہندی پٹھان کا
 کفو ہو یا نہیں اور اگر پٹھان پٹھان کا نکاح اُس ہندی عورت کے ساتھ جو سیدہ ہو درست ہو یا نہیں جواب عرب
 میں کفایت بحسب نسب کے معتبر ہو اور عجم میں باعتبار حریت اور اسلام اور دیانت اور حرفہ کے اور عجمی سے مراد وہ شخص ہے
 جسکو کسی قبیلہ عرب سے انتساب نہ ہو اور جسکا نسب قبیلہ عرب سے متصل ہو وہ حکم عرب میں ہو درختار میں ہو تعالیٰ کفایۃ
 نسبا فقرہ شریعہ کفایۃ بعض العرب بعضہم کفایۃ بعضہم کفایۃ العرب اما فی العجم فباعتبار حریت و اسلام
 و دیانت و حرفہ کفایت باعتبار نسب کے ہو تو قریش بعض بعض کے کفو ہیں اور بقیہ عرب بعض بعض کے کفو ہیں یہ عرب میں
 ہو اور عجم میں حریت اسلام دیانت اور حرفہ کا اعتبار ہو۔ اور ردالمحتار میں ہو المراد بالجمہن لمرئیتہ علی حد قبائل
 العرب ویسمون الموالیٰ العققاء وعامة اهل القری والامصار فی زمانہ منہم سواد کما وبال عربیۃ او غیرھا الا

من کان للنسب مع وفکا لنتسبین الی احد الخلفاء کالابعد الی انصار ونحوهم عجم سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبائل عرب
 میں سے کسی کی جانب منسوب نہ ہوں ایسے لوگ مولیٰ اور عقدا کہلاتے ہیں اور عوام دیہاتی اور شہری آجکل ایسے ہی لوگ ہیں
 چاہے وہ عربی ہوں یا نہ ہوں البتہ وہ لوگ جن کا نسب معروف ہو مثلاً خلفای اربعہ یا انصار رضی اللہ عنہم میں سے
 کسی کے جانب منسوب ہوں تو وہ عرب ہیں اور بھی درمختار میں ہر العجمی کیونکہ انصار عربیہ عجمی عربی کا کفو نہیں ہر اور
 فتح القدر پر اور بزاز یہ وغیرہ میں ہر العالم العجمی کیونکہ انصار الجاحل العالمیہ لان شرف العلم فوق شرف النسب عالم
 عجمی جاہل عربی اور سہوہ کا کفو ہو سکتا ہے کیونکہ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھ کر ہے ان جبار تون سے یہ مرثا بہت ہوا کہ اہل ہند
 جن کا نسب کسی قبیلہ عرب سے ملتی ہے جیسے صدیقی فاروقی شیخ انصاری سید وغیرہ ان کے آپس میں کفایت ثابت ہے
 اور جس قوم کا نسب کسی قبیلہ عرب سے نہ ملتا ہو وہ ان لوگوں کا کفو نہیں ہر مگر یہ کہ عالم ہو سوال اعلان نکاح کے لیے
 طبل کا بجانا مباح ہے یا نہیں جواب اعلان نکاح کی واسطے دف کا بجانا مباح ہے حدیث میں ہے اعلنوا النکاح ولو بالدف
 اخرجه الترمذی وخیرہ بالفاظ متقاربة اعلان نکاح کرو اگرچہ دف ہی سے کیونکہ انہو اسے ترمذی اور دوسروں نے روایت کیا
 ہے الفاظ سب کے قریب قریب ہیں اور سکے سوا اور مزامیر طبل یا طنبور وغیرہ بلفظ مصرعہ صحیحہ ممنوع ہیں اسی لیے حنفیہ بھی
 نکاح میں صرف دف کی اجازت دیتے ہیں اور اسکو بھی اس امر کے ساتھ شروط کرتے ہیں کہ اُس میں جھانچ نہ ہو خزانہ الروایات
 میں ہے فی الغیانیۃ ضرر بالدف فی النکاح اعلناؤا وتثہیرا سنتہ فی الخلاصۃ کباباں للدف لیلۃ العرس غیانیہ
 میں ہے کہ شادی میں بغرض اعلان و شہرت دف بجانا سنت ہے اور خلاصہ میں ہے کہ شادی کی رات کو دف بجانے میں کچھ حرج
 نہیں ہے اور بھی اُسی میں ہے یحب ان یکون بلا سجات وجلجل واجب ہے کہ شادی میں سجات و جلجل رہا جو ان کی
 قسمین ہیں نہ بجانے جائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دف کے سوا اور کسی باجے کے بجانے کی اجازت اعلان نکاح کیلئے نہ تو احادیث
 سے ثابت ہے نہ کسی تہذیب حنفی نے اسکی تصریح کی ہے سوال اعلان نکاح کے لیے دف کا بجانا مباح ہے یا مستحب بوقت نکاح یا بعد
 نکاح دف بجانا مستحب ہے یا سنت مزامیر و ملاہی شل نقاہ یا ہندوستانی باجیا انگریزی نوبت کا مع زیروم و شہنائی شادی
 میں بجانا جائز ہے یا نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نوبت و شہنائی بجائے دف کے جائز ہے یا حرام بجائے دف کے
 باجائیت و شہنائی وغیرہ پر قیاس کرنا درست ہے یا نہیں جواب احادیث صحیحہ سے جملہ مزامیر کی حرمت ثابت ہے اور دف
 کی طہ بوقت نکاح یا دوسرے مجالس سرور میں بھی ثابت ہے اور یہی غنارہ محققین حنفیہ و شافعیہ کا ہے کہ مجلس نکاح میں بغرض
 اعلان دف بجانا درست ہے نہ کہ اور کوئی باجہ انگریزی ہو یا ہندوستانی جامع ترمذی وغیرہ میں مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم لکون فی امتی خشف و منہ اذا ظہر القنیاۃ المعازت حضور سرور کائنات علیہ السلام و التحیات نے فرمایا ہے

کہ میری امت میں خمر اور صورت کا بکرا اُسوقت سے شروع ہوگا جسے گانے والی عورتیں اور باجے شروع ہو جائیں گے اور
مسند احمد میں ہے کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور جو ادا کو بہ (باجے کا نام ہے) کو حرام کیا ہے اور کبھی اسی میں ہر ان
اللہ امر فی ان احق العزائم خدا نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ باجون کو کٹاؤں۔ اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں مروی
ہے عن نافع قال سمع ابن عمر مراد فوضع اصبعیه فی الذنیر و نأی عن الطریق وقال یا نافع هل سمع شیئاً فقلنا
فرغ اصبعیه قال کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسمع مثل هذا فضع مثل هذا نافع سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی
ایک باجے کی آواز سن کر اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں رکھ لیں اور اُس راستے سے دور ہو گئے اور پوچھا اے نافع کچھ
سنائی دیتا ہے میں نے کہا نہیں آپ نے اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں اور فرمایا کہ میں حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء کے
ساتھ تھا تو انہوں نے ایسی ہی آواز سنی اور ایسا ہی کیا۔ اور جامع ترمذی وغیرہ میں مروی ہے اعلیٰ الکاح و اضربوا
علیہ بالغر بالکحاح کا اعلان کرو اور غراب بجاؤ اور ابن حجر کی شافعی کتاب بالزواج میں لکھتے ہیں یہ حضور و استماع
کحل طبعی بنور و عود و رباب و جنگ کینجہ و دریمہ و صنجہ و مرہاد عراقی براء و هو الشبابة و کوبہ و غیر ذلک
من الاوتار و المعازف و صحن من طرق فقد علقہ بخاری و وصلہ لاسماعیل و اجل ابن طایبہ و ابونعیم ابوداؤد
باسانید صحیحہ کا مضمون فیما ۱۰ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیکون فی امتی قوم یتحلون الحر و هو الفرح و الحریر و الخمر
و المعازف و هذا صریح ظاہر فی تحریر جمیع آلات اللہ و لیس فیہ تردد بل فیہ یزالی چیز کا سننا اور بجا کر اہم یہ شایع ہے کہ ابونعیم و ابن
سین مراد عراقی برع یعنی شبابہ اور کوبہ اور دوسرے باجے اور ستار وغیرہ اسکی تصحیح متعدد طرق سے ہر بخاری نے اسکی تعلیق
کی ہے اور اسمعیلی و احمد و ابن ماجہ ابونعیم و ابوداؤد نے باسانید صحیحہ روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ میری قوم میں ایسے لوگ ہونگے جو کھیل کود کو پیشہ کو شرب کو اور باجون کو حلال سمجھیں گے اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا
آلات ہو و طرب حرام ہیں آٹھل مجالس کحاح میں دف کے علاوہ کسی باجے کا بجانا درست نہیں ہے سوال مالا بدی
اس عبارت کا کیا مطلب ہے اور یہ بھی ارشاد ہو کہ اس عبارت سے قبل اور دف کی اباحت اعلان کحاح میں ثابت ہوتی ہے نہیں
مالا بدی عبارت یہ ہو مایہ و مزامیر و طنبور و نقارہ و دف وغیرہ بالاتفاق حرام است مگر قبل غازی یعنی نقارہ ہنگام
جنگ یا دف برای اعلان کحاح۔ ایک صاحب نے یہ جواب لکھا ہے واضح ہو کہ مالا بدی عبارت کی تشریح یہ ہے کہ امین لا مایہ
و مزامیر و طنبور و دبل و نقارہ و دف پر حکم حرمت کا ثابت کیا ہے پھر چونکہ یہ امور علی الاطلاق حرام تھے بلکہ بعضی صورت میں
جائز بھی تھے ایسے حرف مگر اگر اُس سے دو چیزوں کا استثنا کیا ایک قبل یعنی نقارہ اور دوسرے دف اور ان دونوں
چیزوں پر بھی مطلقاً اباحت کا حکم نہیں کیا ہے بلکہ جنگ اعلان کحاح کے ساتھ مقید کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قبل اور

دفع بھی بقصد اہوجرام اور بقصد جنگ کے اعلان نکاح جائز ہیں اور طبل کو جنگ سے کچھ خصوصیت نہیں ایسے ہی دفع کو اعلان نکاح سے بھی خصوصیت نہیں ہو بلکہ جنگ میں طبل اور دفع دونوں جائز ہیں اور اعلان نکاح میں بھی طبل اور دفع دونوں جائز ہیں لیکن مالاہد کی کتاب مختصر رہنے سے اُس میں پوری تفصیل نہیں ہو اسی لیے دھوکا ہوتا ہے دوسری بڑی کتابوں میں (جیسے طحاوی شامی وغیرہ) کی تفصیل موجود ہو و اسد اعلم اور دوسرے صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں مالاہد کی عبارت کچھ ایسی دقیق نہیں ہے جس میں اس قدر خلافت واقع ہوا سکے معنی یہ ہیں کہ اشیاء لم یوجب مزایمہ و طلبہ و اور نقارہ اور دفع بالاتفاق حرام ہیں اور طبل غازی یعنی نقارہ جنگ کے وقت اور دفع اعلان کیلئے حلال ہے یہی فتاویٰ کبریٰ اور حمادیہ اور ہادیہ وغیرہ کتب حنفیہ میں بھی ہو و اسد اعلم چونکہ ان دونوں جوابوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے لہذا آپ اُسکو طر فرائین جواب فتاویٰ اور شروح معتبرہ حنفیہ میں مصرح ہو کہ دفع کے سوا جملہ مزایمہ حریم ہیں البتہ بعض حنفیہ نے نقارہ جنگ کی اباحت کی تصریح کی ہے اور دفع بغرض اعلان نکاح کو مباح لکھتے ہیں مالاہد نے کی عبارت کا صحیح مطلب یہی ہے کہ یہ سب چیزیں حرام ہیں صرف دفع بغرض اعلان نکاح اور نقارہ جنگ کے وقت حلال ہے نہ یہ کہ نکاح کے وقت نقارہ بھی حلال ہے اور اگر بغرض محال مالاہد نے کی عبارت اس پر دال بھی ہو تو یہ کلام بخلاف حنفیہ کے مقبول نہ ہوگا کتب مجربہ میں نکاح کے وقت کمین نقارہ کی اجازت نہیں ہے بلکہ صراحۃً ممانعت ہے سوال فرض کیا جائے کہ زید پسر نابالغ کا نکاح بولایت پدر ہندہ نابالغہ کے ساتھ بے رضامندی و اطلاع پدر ہندہ مادر ہندہ نے کر دیا چند ماہ کے بعد جب پدر ہندہ آیا اور نکاح سے مطلع ہو کر ساکت رہا اور پدر ہندہ نے اور خود ہندہ نے بعد بلوغ کوئی دعویٰ انفساخ کا نہیں کیا تو وہ نکاح جائز سمجھا جائیگا یا نہیں جواب اس صورت میں یہ نکاح جائز سمجھا جائیگا اگرچہ بعد بلوغ ہندہ کو فرج کا اختیار تھا مگر وہ اختیار فوری ہوتا ہے جیسا کہ الحدیث میں ہے و اذا بلغت و هي عاتمة بالنکاح او علمت به بعد بلوغها فلا بد من الفسخ في حال البلوغ او العلم فلو سكت فلو قيل لا بطل خيارها ولو قيل لا تبدل المجلس جبکہ عورت بالغ ہوئی اور اسے نکاح کا علم تھا یا بلوغ کے بعد اسے نکاح کا علم ہوا تو بلوغ یا علم کے وقت فسخ نکاح ضروری ہے اور اگر کچھ دیر بھی سکوت کیا تو اُسکا خیار باطل ہو گیا اگرچہ یہ سکوت تبدیل مجلس کے قبل ہی ہو پس جبکہ بعد بلوغ ہندہ نے کچھ تعرض نہیں کیا تو اب اُسکو خیال فرم باقی نہیں رہا اور اگرچہ لڑکوں کے نکاح کی ولایت عصبات کو حاصل ہے جیسے باپ دادا چچا وغیرہ اور ان کی موجودگی میں بغیر ان کی رضامندی کے مان کا نکاح کر دینا نافذ نہیں ہوتا مگر جب ولی اقرب باپ وغیرہ اپنی رضا ظاہر کرے اور مطلع ہوئے کے بعد تعرض نہ کرے تو وہ نکاح نافذ سمجھا جائیگا و مختار میں ہے ولا يبطل تزويج السابق لى تزويج الولى الا بعد حال الغيبة الا قرب بعد الاقرب ولی کی تزویج سابق صرف ایک صورت میں باطل ہوتی ہے اور وہ یہ کہ کوئی ولی اقرب موجود نہ ہو

اور وہ لوٹ آئے۔ پس جبکہ آنے کے بعد بھی باپ نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور کچھ اعتراض نہیں کیا تو وہ نکاح جائز رہا۔

سوال دختر مشیر نادہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز نہیں ہے عالمگیری میں ہے وکذا انبات لاسخ

والا حضرت ان مغلان اس طرح بھائی اور بہن کی لڑکیاں اگرچہ بیچی ہوں **سوال** جو شخص نہ نماز پڑھتا ہو نہ روزہ رکھتا ہو تمام سال میں شاید اسکو ایک روزہ اور دس یا بیس ناز کا اتفاق ہو جاتا ہو اور یہ ترک صوم و صلوٰۃ بلا اخفا اور بلا عذر شرعی کے محض بیبکی کی وجہ سے ہو مسائل شرعی اور امور دین کے ساتھ استنراء اور استخفاف کرتا ہو جھوٹ اور فریب اور غیبت اور سب و شتم مسلمانان اور فحش کلام اور سخرابین سے ہرگز اجتناب نہ کرتا ہو بلکہ اکثر اوقات اس میں مبتلا رہتا ہو جو جمعہ و جماعات بلا عذر ترک کرتا ہو اپنے رندی بازی اور بدکاری اور ازسکاب دیگر کبار کو قصۂ خواہ اپنے جلسوں میں فخریہ بیان کرتا ہو مسلمانوں کا مال مار لیتا ہو جھوٹی قسم کھانے میں تامل نہ کرتا ہو نقص عہد و خلف وعدہ کرتا ہو بد خلقی اور ازسکاب اور خلاف مروت و تہذیب کی وجہ سے عموماً مشہور و اے اُس سے ناراض ہوں اور اُسکو برا سمجھتے ہوں اور انھیں بد اعمالیوں کی وجہ سے اُسکے خاندان والوں نے اپنے بیان اُسکا نکاح کرنا گوارہ کیا ہو ایسا شخص نہایت کسی عورت صالحہ بنت صالح یا فاسقہ بنت صالح کا جسکے آبا و اجداد تقویٰ و اصلاح مروت اور تہذیب وغیرہ صفات حمیدہ میں مشہور ہوں اور اُسکا ولی اس مرد کے ساتھ نکاح کرنے کو سخت عار سمجھتا ہو شرعاً کفو ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر کفو نہیں ہے تو وہ عورت کبیرہ شیعہ مطلقہ ثلاثہ بعد انفصال عدت اگر بلا اجازت اور سراسر بلا رضامندی اپنے ولی کے بعد علم اس بات کے کہ ولی اس فعل سے سخت ناراض ہے خود نکاح کر لے اور اپنے اور تمام خاندان کے رسوائی کا لحاظ نہ کرے اور ولی کی ممانعت کو نہ مانے تو یہ نکاح شرعاً درست اور قابل اعتبار ہے یا نہیں اور نکاح اگر تحلیل زوج اول کیلئے کیا ہو تو اس نکاح سے بعد ولی وہ عورت پہلے شوہر کیواسطے نکاح ثانی کے ذریعہ سے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں اور شرعاً یہ نکاح فاسد ہے بعد اعتراض ولی حکم حاکم وقت سے تفریق ہو چاہے یا نکاح باطل ہو ابتداً اس نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوا اور بغیر تفریق قاضی بوجہ عدم انعقاد نکاح کے عورت خود اس مرد سے جدا ہو سکتی ہے یا نہیں **جواب** مطلق فسق کے ثابت ہونے سے مرد کی کفارت بنت صالح کے ساتھ شرعاً باطل ہو جاتی ہے خواہ بنت صالح ہو یا فاسقہ چہ جائیکہ فسق بالاعلان تو اس سے بطریق اولیٰ باطل ہو جائیگی اور ایک مسلم جس سے مطلق فسق ثابت ہو سقوط کفارت کے واسطے کافی ہے اور رسول میں بہت سے امور مذکور ہیں جیسے شرعاً فسق بالاعلان ثابت ہوتا ہے کیونکہ مطلق فسق کی تعریف فتاویٰ شامی میں یہ لکھی ہے و الفاسق من فعل کبیرۃ او اصر علی صغیرۃ فاسق وہ ہے جو گناہ کبیرہ کرے یا گناہ صغیرہ بار بار کرے اور قاضی خان میں ہے و کلوا فی الفسق الذی یمنع الشہادۃ اتفقوا علی الاعلان بکبیرۃ یمنع الشہادۃ فی الصغائر ان کان معلنا نوع فسق مستثنیٰ یسعی الناس الی فاسقاً مطلقاً لا تقبل شہادۃ

اُس فسق کے متعلق جو نئے شہادت ہی اختلاف ہو اس امر میں سب متفق ہیں کہ گناہ کبیرہ علی الاعلان کرنا مانع شہادت ہو اور
صغائر اگر علی الاعلان کرتا ہو تو یہ ایک قسم کا قبیح فسق ہے جسکے بدولت لوگ اُسے فاسق کہیں گے اور کسی شہادت مقبول
نہوگی اور ہر ایہ میں یہ کہ لا تقبل شہادۃ من یاتی بابا من الکباائر التي تتعلق بها الحد للفسق اُس شخص کی شہادت مقبول
نہیں جس سے ایسے گناہ کبیرہ صادر ہوں جو مستوجب حد ہوں کیونکہ ایسا شخص فاسق ہے ہر ایہ کی اس عبارت سے
معلوم ہوا کہ صرف ایک گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے فسق ثابت ہو جاتا ہے اور یہاں تو بعض امور مثل استخفاف واستہزاء کفر
تک پہنچاتے ہیں پس لحالہ یہاں کفارت دینا بطل ہو گئی درختار میں یہ روایت ای تقویٰ غلیظ فسق کفوہ الصلحۃ
او فاسقہ بنت صلحہ معلنا کان اولادہ دینا فاسق صالحہ یا اُس فاسقہ کا کفوہ نہیں ہے جو صالح کی لڑکی ہو خواہ فاسق معلن
ہو یا غیر معلن اور شامی نے لفظ معلنا اولاد کے نیچے لکھا ہے اما اذا کان معلنا فظاہرا واما غیر المعلن فمحبوبان یشہد
علیہ بانہ فعل کذا من الفسقات ھو لکھو لکھو فہی فرق بینہما لطلب الاولیاء معلن میں تو ظاہر ہے اور غیر معلن کی صورت
یہ ہو کہ اسکے متعلق اس امر کی شہادت دینا اُس نے یہ فسق کی باتیں کی ہیں اور اس بات کو ناگوار نہ مانے تو ان دونوں
صورتوں میں اولیاء کے مطالبہ پر تفریق کر دیا جائے گی۔ اور عالمگیری میں ہے ومنها الدیانۃ تحتبوا الدیانۃ فی الکفایۃ ھذا
قولہ بنی خنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ ھو الصحیح کذا فی الھدایۃ فلا یکون الفاسق کفوہ الصلحۃ او فاسقہ بنت صلحہ
کذا فی الجمع سوائے کان محل الفسق اور لکن کذا فی المحيط کفارت میں دینا تب بھی معتبر ہے یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف
رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ہر ایہ میں ہے تو فاسق صالحہ یا اُس فاسقہ کا کفوہ ہوگا جسکا باپ صالح ہے جیسا کہ
مجمع میں ہے خواہ وہ فسق علی الاعلان کرتا ہو یا علی الاعلان نہ کرتا ہو جیسا کہ محیط میں ہے۔ اور اسی مقام پر ہر ایہ میں لکھا ہے
ودیانۃ ای عندہما ھو الصحیح اور دینا یعنی شہین امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اور یہی صحیح ہے۔
ان روایتوں سے جب کفارت باطل ہو گئی تو غیر کفو ہونا اُس مرد کا ثابت ہوا اور غیر کفو میں کبیرہ شیبہ کا کھاج بغیر اذن
ولی کے جائز نہیں ہوتا اور شرعاً کفارت دفع عار کی واسطے معتبر ہوتی ہے اور وہ اولیاء کا حق ہے نہیں عورت اگر فاسقہ ہو اور اس
وجہ سے کفارت کی پروا نہ کرے تو حق اولیاء کا جو ثابت ہے ساقط نہیں ہوتا درختار میں ہے وہی حق اولیاء کا حق کفارت
ولی کا حق ہے خود عورت کا حق نہیں ہے۔ پس اگر بغیر اذن صریح ولی کے عورت نے کھاج کیا ہے تو وہ کھاج فاسد نہیں ہے
بلکہ باطل ہے اور تفریق قاضی کی ضرورت نہوگی بلکہ وہ کھاج کا عدم اور غیر منعقد سمجھا جائے گا چنانچہ درختار میں کبیرہ شیبہ کے
حق میں حکم صریح بیان کرنے کے بعد لکھا ہے ویفتی فی غیر الکفوہ بعد جوازہ اصلا وھو المختار للفتویٰ لفساد
الزہن غیر کفو کے ساتھ مطلقاً کھاج کے ناجائز ہونے کا فتوے دیا گیا ہے اور فساد زمانہ کی وجہ سے یہی مختار ہے۔

فتویٰ شامی باب الولیٰ میں اس قول کی شرح میں لکھا ہے کہ قولہ بعدم جواز اصلاحہ ذرا روایت الحسن عن ابو حنیفہ
وہذا اذا کان طاعاً لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ + مجر + و قول البحر لم یرض بہ لیشمل ما اذا
لم یعلم اصلاحاً لیزم التصريح بعدم الرضی بالسکوت کما یكون رضی کما ذکرنا فلا یدل حینئذاً صحة العقد من حیثه
صوحیا وعلتہ فلو سکت قبل ثم رضی بعدہ لا یفید یہ حسن نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے اور اُس صورت
میں کہ عورت کا ولی موجود ہو اور وہ قبل عقد اس نکاح سے ناراض ہو تو بعد نکاح رضامندی بے سود ہو + مجر + اور مجر کا قول
لم یرض بہ اُس صورت کو بھی شامل ہے کہ ولی کو علم ہی نہ ہو تو نہ رضامندی کی صحت نہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ سکوت
بھی نہ رضامندی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا تو یہاں پر صحت عقد کیلئے صراحتہً ولی کی رضامندی ضروری
ہے اگر قبل نکاح سکوت کیا اور بعد نکاح کے رضامندی ظاہر کی تو یہ بے سود ہے۔ درمختار کے قول وہو المختار للفتویٰ
کے نیچے شامی نے لکھا ہے وقال شمس کلا یمتد وهذا اقرب الی الاحتیاط شمس لایمہ نے کہا ہے کہ یہ اقرب الی الاحتیاط ہے
اور عالمگیری میں ہے ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاہر الروایت عن ابو حنیفہ وهو قول ابی یوسف
اخر و قول محمد اخر ایضا حتیٰ ان قبل التفریق یتثبت فی حکم الطلاق الظہار والایلاء والتوارث وغیر ذلک و لیکن
للاولیاء حتیٰ لا اعتراض ہو ویروی الحسن عن ابو حنیفہ ان النکاح لا ینعقد و بہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحيط
و المختار فی ماننا للفتویٰ روایت الحسن وقال الشیخ الامام شمس کلا یمتد الشیخ روایت الحسن اقرب الی الاحتیاط
کذا فی فتاویٰ قاضی خان عورت اگر غیر کفو سے شادی کرے تو ظاہر روایت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک درست
ہو اور یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا آخر قول ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کا بھی آخر قول ہے حتیٰ کہ قبل تفریق حکم طلاق و ظہار و ایلاء
و توارث ثابت ہوگا لیکن اولیاء کو اعتراض کا حق ہے اور حسن نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ نکاح منعقد نہ ہوگا کسی
سے ہمارے بہت سے شایخ نے اخذ کیا ہے جیسا کہ محیط میں ہے اور ابی جلال فتویٰ حسن کی روایت پر دیا جاتا ہے شمس لایمہ حسن
نے کہا ہے کہ حسن کی روایت اقرب الی الاحتیاط ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اُس
عورت نے اگر بلا اذن صریحی ولی کے اُس شخص کے ساتھ صلح کیا تو وہ نکاح باطل ہے اور قول مفتی بہ کے موافق سرے سے
نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوا پس بغیر تفریق قاضی یا حاکم وقت کے عورت اُس مرد سے جدا ہو سکتی ہے اور حکم قاضی سے بطریق
اولیٰ جدا ہو سکے گی اور یہ نکاح اگر قلیل زوج اول کی واسطے کیا جائے تو اسکے ذریعہ سے وہ عورت شوہر اول کے لیے بذریعہ نکاح
ثانی طال نہیں ہو سکتی چنانچہ درمختار میں قول و یفتی فی غیر کفو بعدم جوازہ اصابتہ تفریق کر کے اسکے آگے لکھا ہے فلا یحل
مطلقة ثلاثاً لکھ غیر کفو بعد الاصل و یفتی فی غیر کفو بعدم جوازہ اصابتہ تفریق کر کے اسکے آگے لکھا ہے فلا یحل

تین مرتبہ طلاق ویجاگے تو بھی وہ شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہو سکتی اور شامی نے اس قول کی شرح میں لکھا ہے کہ قولہ نکحت نعت لملطقة وقوله بالارضی متعلق بنکاح قولہ بعد ظرف للرضی الضمیر فی صفة للولود وایاہ لغير الکفوہ وقوله بالارضی نفی منصف علی المقید الذی ہو رضی الولد المقید الذی ہو بعد معرفۃ ایہ فی صفة بنفی الرضی بعد النکح وبعد محابوب وجود الرضی مع عدم المعرفة فی هذه الصلوة الثلاثة لا تحل انما تحل فی الصلوة الواحدة وھی رضی الولد لغير الکفوہ مع علم بانہ کذا نکحت مطلقہ کی صفت ہے اور بلا رضی نکحت کے متعلق ہے اور بعد رضا کا ظرف ہے اور معرفتہ میں ضمیر ولی کی جانب اور ایہ کی ضمیر غیر کفو کی جانب راجع ہے اور بلا رضی کی نفی مقید یعنی رضی لے لی اور قید معرفتہ ایہ کے ساتھ قائم ہے تو یہ صادق آئیگا جبکہ معرفت کے بعد رضا مندی نہ ہو یا معرفت معدوم ہو یا رضا مندی موجود ہو اور معرفت معدوم ہو تو ان تینوں صورتوں میں وہ شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہو سکتی البتہ جو طہی صورت یعنی ولی غیر کفو کے ساتھ نکاح کی اجازت دے اور اسے علم ہو۔ ان روایتوں سے ثابت ہو گیا کہ اس نکاح کے ذریعہ سے وہ عورت شوہر اول کیلئے حلال نہیں ہو سکتی کیونکہ شرعاً یہ نکاح جائز ہی نہیں ہوا اور اسد اعلم مترجم کہتا ہے اس جواب کے بعد اہل کتاب میں بھی نفی کا نام تھا لہذا نہیں لکھا گیا انتہی صحیح الجواب والاسد اعلم بالصواب حمزہ الراجی عفویہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز سعدن ذنبہ الحی والنخی ابو الحسنات

سوال اگر زید کسی بالغہ عورت سے اس طرح نکاح کرے کہ ایسے زبان میں جسے عورت نہیں جانتی کہ میں نے بوض اتنی مہر کے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا اور اسی زبان میں عورت سے ایسے الفاظ کہلائے جو قبولِ گردم کے معنی رکھتے ہوں۔ اور ایسے دو شخصوں کو گواہ کرے کہ وہ بھی اس زبان سے واقف نہ ہوں یا واقف ہوں پس دونوں صورتوں میں کسی صورت میں زید کا نکاح اس عورت کے ساتھ صحیح ہوگا یا نہیں **جواب** ایسی صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے لقلت للمرأة زوجت نفسی وھی لا تعرف نفسی من هذا وقبل فلان وذلك بحضرة الشیخ والشہر مود یعلمنی اوکلا یعلمون ہم النکاح کا طلاق وقل ایہم کا بیع عورت کو عربی زبان کے الفاظ نہ وجت نفسی سمجھا دیے گئے اسے اسکے معنی وغیرہ معلوم نہ تھے جب اسے یہ الفاظ کہے تو کسی نے کہا قبلت یہ واقعہ بہت سے لوگوں کے سامنے ہوا جو اسکے معنی جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے تو طلاق کی طرح نکاح صحیح ہوگا اور انہوں نے نزدیک بیع کی طرح صحیح نہوگا تبس ایسی صورت سے کہ جس میں ایک جماعت فقہاء کے قریب سے موافق حکام کا ارتکاب ہوتا ہے احترام و واجب ہے سوال ایک شخص نے اپنی منکوحہ کے ساتھ اعلام کیا نکاح باقی رہا یا نہیں اور شرعاً اسکے لیے کیا حکم ہے **جواب** نکاح رہا لیکن سخت گناہ ہوا وہ شخص سختی تعزیر ہے اور اس پر توبہ واجب ہے سوال مسماۃ ہندہ کے عہد میں اس نے حل نامعلوم شخص سے تھا اسکی نانی نے حل کو چھپا کر زید نامی باغ کے ساتھ اسکی ماں کی ولایت سے نکاح پڑھوا دیا اور نکاح کے بعد عورت صحیحہ سے پہلے نانی ہندہ کو بھگا لیگی اور باہر ہندہ کا

لڑکی پیدا ہوئی اب کئی سال کے بعد مسکینا نانی اُسے بیکر آئی اور چاہتی ہو کہ زوجہ آلیس مین ملجائیں اور زید جو اب
بلخ ہو چکا ہو کہتا ہو کہ یہ عورت خراب ہو میں اسکو رکھنا نہیں چاہتا اور حالت نابالغی میں میرا نکاح حل کی موجودگی میں ہوا
تھا وہ جائز نہیں ہوا اسلیئے مجھ پر مہر بھی واجب نہیں بلکہ اُس خرچہ کے پانے کا مستحق ہوں جو میری شادی میں فریفتی
کیوجہ سے ہوا تھا لہذا نکاح درست ہوا یا نہیں اور زید پر مہر واجب ہو یا نہیں **جواب** نکاح درست ہوا اور زید پر نصف
مہر واجب لاوا اور زید کو اختیار ہو کہ اب خواہ وہ نکاح باقی رکھے یا فسخ کر دے **سوال** زید کو ہندہ ناگتہ کے ساتھ نفقت
تھی اب ہندہ بخوشی زید کے یہاں اُسکا یا سے آکر رہی تو زید نے باستر ضای ہندہ گھر سے باہر نکل کے چار آدمیوں سے
بیان کیا کہ میں اپنی طرف سے اصالتاً اور ہندہ کی طرف سے وکالتاً بیان کرتا ہوں کہ میں نے اُسکے ساتھ دس دینار مہر پر
نکاح کیا اور اُس نے مجھ سے نکاح کیا اور رضی ہو تم اُسکے گواہ رہنا اور ہندہ نے عورتوں کے مجمع میں علانیہ بیان کیا کہ زید کے
ساتھ میرا نکاح ہو گیا اور وہ چاروں گواہ زید اور ہندہ سے بخوبی واقف ہیں نکاح درست ہوا یا نہیں اور تھوڑے دنوں کے
بعد ہندہ کے بطن سے مٹی بکری پیدا ہو آلیس بکری حلالی ہو یا حرامی۔ اور بکر زید کا وارث ہو سکتا ہو یا نہیں **جواب** اس
صورت میں نکاح نہیں ہوا اور بکر زید کا وارث نہیں ہو سکتا ان اگر ایک ہی مجلس میں گواہوں نے دونوں کا اقرار سنا
ہو تو البتہ نکاح ہو جائیگا **سوال** ایک عورت نے زید کو اپنا نکاح پڑھانے کیلئے ولی مطلق کیا اور عمر و اور بکر زید کی
وکالت کے گواہ ہوئے اور زید نے بکر کے ساتھ عورت اور ولی کی بے اطلاع نکاح پڑھوا دیا تو یہ نکاح درست ہو یا نہیں
جواب اگر نکاح پڑھانے کے وقت زید بھی موجود تھا تو درست ہوا **سوال** لڑکی جب کاٹا اور بہن موجود ہے اور
عصبات میں سے کوئی عصبہ نہ نہیں ہو تو اسکو نکاح کی ولایت بہن کو ہو یا نا کا **جواب** جانا چاہیے کہ فقہ کی عبارتوں
میں عصبہ سے عصبہ بنفسہ مراد ہے نہ مطلق عصبہ اور ذوالرحم سے مطلق صاحب قرابت مراد ہو نہ وہ جو اہل الرحم
میں مشہور ہو شرح وقایہ میں ہو والی العصبۃ والمراد بالعصبۃ بنفسہ ای ذکر متصل بالملیت بلا توسط انفاع العصبۃ بالغیر
کالملت اذا صارت عصبۃ بکالبن فلا ولا یتھا علیھا الجنۃ وکذا العصبۃ مع الغیر کا تخت مع الملت کا ولا یتھا
علیھا الجنۃ ولی عصبہ ہو عصبہ سے عصبہ بنفسہ مراد ہو یعنی وہ مرد جسے میت سے بلا توسط کسی عورت کے قرابت
ہو عصبہ بالغیر مثلاً لڑکی جب لڑکے کے ساتھ ملکر عصبہ ہو جائے تو اُسے اپنی محبوزان پر ولایت حاصل نہیں ایسا عصبہ
مع الغیر مثلاً بہن جو لڑکی کے ساتھ عصبہ ہو جائے اُسے اپنی محبوز بہن پر ولایت نہیں ہو اور اس عبارت کی محققانہ
تحقیق میں نے عمدۃ الرعایہ میں کی ہے۔ برجندی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں المراد ہنا العصبۃ بنفسہ یہاں مراد
عصبہ بنفسہ ہو و مصنف کے قول ثم ذوالرحم کی شرح میں لکھتے ہیں لہذا یہ جب ماہوا المتعارف عن اصحاب الفرائض

اس سے وہ مراد نہیں جو اہل فرافض میں مشہور ہے جب یہ بات معلوم ہو گئی تو جاننا چاہیے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ نانا بہن پر مقدم ہوگا اور بعض کے نزدیک بہن نانا پر مقدم ہوگی لیکن دلائل و زبائر کے معلوم ہوتا ہے کہ نانا کی ولایت مزج ہے بحر الرائق میں ہے ظاہر کلام المصنف ان الجدة الفاسدة مؤخر عن الاخوات ذمہ فی وی لا رحام و ذکر المصنف فی المستصفی اندوای صفا عند ابن حلیفہ و عند ابی یوسف الکواۃ لہما فی المیلث و فی فتح القدیر قیاس ما صحیح فی الجدل والاخر من تقدم الجدل الفاسد علی الاخوات فثبت بهذا ان المذہب الجدل الفاسد بجل الام قبل الاخ لاخت مصنف کا ظاہر کلام یہ ہے کہ نانا بہن سے مؤخر ہو کر کیونکہ وہ ذوی الارحام سے ہے مصنف نے مستصفیٰ میں کہا ہے کہ نانا بہن اولیٰ ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کو ولایت کا حق ہے جیسا کہ میراث میں اور فتح القدیر میں ہے کہ جب دادا اور بھائی میں دادا مقدم ہے تو قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ نانا اور بہن میں نانا مقدم ہو اس سے معلوم ہوگا کہ مذہب یہ ہے کہ نانا کا مرتبہ ان کے بعد اور بہن کے قبل ہے۔ اور رد المحتار میں ہے قلت وجہ القیاس انہم ذکور وان الاصح ان الجدل بالکتاب مقدم علی الاخر عند الكل وان اشتراك مع الاخر فی الارث عندہما لان الکواۃ تبسفی علی الشفقة وشفقة الجدة فوق شفقة الاخر وحينئذ یقاس علیہ الجدة الفاسدة مع الاخوات فی الشفقة اقویٰ صفا میں کہتا ہوں وجہ قیاس یہ ہے کہ فقہاء نے کہا ہے صحیح ہے کہ دادا بھائی پر مقدم ہے کیونکہ نزدیک اگرچہ اس پر نانا اور بہن کا قیاس کیا جاسکتا ہے کیونکہ نانا کی شفقت بہن کی شفقت سے زیادہ ہے اور فتح القدیر کی بحث ولایت عصبات میں ہے ذکر الکفریٰ ان الاخر والجدة یشترکان فی الکواۃ عندہما وعندہما یقدم الجدة کما هو الخللان فی المیلث ولاصح ان الجدل والیٰ التزویر اتفاقا کفریٰ نے لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک بھائی اور دادا ولایت میں مشترک ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دادا مقدم ہے جیسا کہ میراث میں اختلاف ہے اور صحیح ہے کہ نکاح کے معاملے میں بالاتفاق دادا ہی کو ولایت اولیٰ ہے اور بحث ولایت غیر عصبات میں ہے قیاسیٰ صحیح فی الجدل والاخر من تقدم الجدة الفاسدة لاخت دادا اور بھائی میں جو کہا گیا ہے اس پر قیاس کر کے نانا بہن پر مقدم ہے سوال مان کہ جو پرورش کا حق حاصل ہے وہ کس عذر سے ساقط ہوتا ہے جواب اگر وہ مرتد یا فاجر ہو نہ نانا یا غنا یا سرق یا توہ وغیرہ کی وجہ سے یا پرورش نہ کرے بلکہ اکثر بچے کو اکیلے گھر میں چھوڑ کر گھر سے باہر چلی جاتی ہو یا دختر کو غیر محرم سے نکاح کرے تو پرورش کا حق باقی نہیں رہتا ورنہ خلائق میں ہے الحضائے تثبت للاموال بعد الفرقة لان کلون متعلقا وفاقا فجود ان یضیع الولد بہ کرنا وغنا و سرقہ و نباحہ کا فی البصر وغیرہ موصونہ ذکر فی المجتبى بان تحریر کل دفع متعلق الولد بضائعا و متروکہ تغیر محرم الضعیف حتی حضانت ان کے لینے ثابت ہے فرقت کے بعد بھی اگر بکیم مرتد ہو جائے یا اس قسم کے فسق وغیرہ صادر ہوں جس سے لڑکا ضائع ہو جائے مثلاً زنا وغنا سرقہ نوہ کرنا جیسا کہ تحریر میں ہے یا غصب لڑکا وغیرہ

ہو جائے جتنی میں اسکی تفصیل یوں کی کہ شلادہ ہر وقت پھر کرتی ہو اور لڑکا کیلا پڑا رہتا ہو یا اسنے صغیرہ کے ساتھ
سے شادی کر لی ہو سوال عصباء کو حضانت کا حق ہر یا نہیں جواب جب مان اور خالہ اور نانی وغیرہ نہ ہوں یا ہوں
اگر کسی عذر کی وجہ سے انکا حق ساقط ہو گیا ہو تو عصباء کو پرورش کیلئے بچہ دیا جائیگا عالمگیری میں ہے و اذا وجب الا لارتفاع
من النساء اولم یکن للصبی امراة من اهلہ لیدفع الی العصبۃ جب عورتوں سے بچہ چھین لینا واجب ہو یا بچے کے
اہل میں کوئی عورت نہ ہو تو بچہ عصبہ کو دیا جائیگا سوال صغیرہ کو بیاہ دینے سے مان کا حق حضانت ساقط ہوتا ہے یا نہیں
جواب نہیں قنیہ میں ہے الصغیرۃ اذا لم تکن مشتہاۃ ولھا زوج کلا یسقط حق الام فی حضانتہا مادامکما تصلیح
للرجال الا فی رواۃ عن ابی یوسف اذا کان فیہ فصل للاستیناس بها صغیرہ اگر غیر مشتہاۃ ہو اور اسکا زوج موجود ہو
مان کا حق پرورش ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ وہ مرنے کے لائق نہ ہو جائے مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت اسکے
خلاف ہے جس صورت میں کہ مان اس سے انس حاصل کرنے کی صلاحیت رکھے سوال صغیرہ کی حق پرورش کی کتنی مدت
ہے جواب جب تک کہ نو برس کی نہ ہو جائے برجنہی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے وعن محمد بن الامام والجدۃ الحق ھل یستحق
ای تبلیغ حل الشہوۃ وھو العمل بالفساد الزمان امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مان اور دادی کو حق پرورش ہے یا نہ ہو وہ حد
شہوت کو پہنچ جائے اور فساد زمانہ کی وجہ سے یہی قول مستحب ہے اور مختار میں ہے و قد یتسع اور کبھی امین وسعت یردی
جاتی ہے سوال صغیرہ کے پرورش کی کتنی مدت ہے جواب جب تک کہ سات برس کا نہ ہو جائے سوال لڑکی جب نو برس
کی اور لڑکا سات برس کا ہو جائے تو کیا اسے اختیار ہے کہ مان باپ میں سے جسکے ساتھ رہنا پسند کرے رہے جواب
بلوغ تک اختیار نہیں ہے بلکہ باپ یا دادا اپنے پاس رکھیں گے اور بلوغ کے بعد اس اختیار پر وہاں چاہے ہے واسد علم حرہ ابو الحسنات محمد بن

باب المہر

سوال ہندو بانی بھرتے کنوین پرگئی اتفاقاً اسکا پاؤں بھسلا کنوین میں گری اور مگرگی اب اسکا شوہر مہر کس کو دی جواب
ہندو کا مہر سام شریعہ کے موافق اسکے وراثت کو ادا کرے واسد علم حرہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ علی الرب حکیم الجواب صحیح واسد علم
حرہ الراعی غفرلہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاؤ الاسد عن ذنا علی داخنی سوال زید نے وفات پائی اپنی زوجہ اور لڑکیوں کو
وراثت چھوڑا اب کل جائیداد پر زوجہ زید کا قبضہ ہے لڑکیاں اپنا حق مانگتی ہیں زوجہ کتنی ہے کہ میں اپنے مہر کے عوض میں تمام
جائیداد پر قبضہ ہوں کیا وہ قبضہ کر سکتی ہے جواب زوجہ متبرکہ کہ شہر پر بقدر اپنے دین مہر کے قبضہ کر سکتی ہے و خوانہ
الروایۃ میں ہے فی الخلاصۃ من کتاب الصلایا المرواۃ یاخذھن من التبرکۃ من غیر رضاء الوثۃ ان کانت التبرکۃ حرۃ لھن
ذنا یروان کانت شیئا لھن یمتد الی البیوع تیبع ما کانت لھن وتستوفی فی صلواتھا سوا ما کانت وصیتہا من جنتہا

زوجہ اول تک نہ تاخیر من غیر رضامانہ الودقہ عورت بے رضائے ورنہ ترکہ سے اپنا مہر لیلیوے اگر وہ ترکہ درہم یا دانہ نہ ہو اور اگر ایسی چیز ہو جو محتاج بیع و عورت اُسکو بیچے گی جو صلح ہوگی اور اپنا مہر پورا کر لے گی خواہ شوہر کی طرف سے وصیت ہو یا نہ ہو اور بغیر وارفون کی رضامندی کے ایسی سوال (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم مہر کی تلقین فرمائی ہے یا زیادہ کی اور کم مہر ملی عورت کی تعریف کی ہے یا زیادہ مہر والی کی (۲) اب مسلمانوں کو بھی اپنی لڑکیوں کا مہر کم مقرر کرنا چاہیے یا زیادہ کس میں فضیلت ہے (۳) جو شخص کم مہر باندھنے کو سنت جانتا ہو لیکن آبائی طریقہ چھوٹے کی وجہ سے اُس پر عمل نہیں کرتا اُس پر کیا حکم کیا جائیگا اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر اُسے کہا جاتا ہے کہ کم مہر باندھنا سنت ہے تو جواب دیتے ہیں کچھ ہو ہم کم نہیں گے ہمارے باپ دادا کے وقت سے زیادہ ہی چلا آتا ہے اور بعض فقط یہی کہتے ہیں کچھ ہو ہم کم نہیں گے ان کا کیا حکم ہے جواب اگرچہ مہر کی زیادتی کی شرعا کوئی حد مقرر نہیں مگر اتنا مہر باندھنا جسکو کسی طرح شوہر ادا نہ کر سکے جیسا کہ اکثر بلاد میں دستور ہے اس امر کی طرف توجہ ہوتا ہے کہ ادا کرنے کی نیت نہیں ہوتی اور حدیث میں ہے جو شخص مہر ادا نہ کرنے کی نیت رکھے گا وہ حکم زانی کا رکھتا ہے ابن حجر کی زواج من اقتران الکبار میں لکھتے ہیں السابعة والستون بعد المائتين ان یتزوج امرأة وفي عزمه ان لا يوفيها صداقا لو طلبة لخرج الطبراني بسند جالہ ثقاہ تصدق اللہ علیہ وسلم قال یارب رجل تزوج امرأة على ما قل من المهر او اكثر ولم يشق نفسه ان يؤدی إليها حقها فمات لم يؤد إليها حقها قال اللہ یوم القیمة وہوزان وہو ستر سترھو ان مسئلہ اُس شخص کے متعلق جو کسی عورت سے نکاح کرے اور اُس کا قصدیہ ہو کہ مہر نہ ادا کرے اگر عورت طالب ہو طبرانی نے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے (مہر کم مقرر کرے یا زیادہ) اور اُس کا قصدیہ ہو کہ عورت کا حق نہ ادا کرے تو اگر وہ بغیر مہر ادا کیے ہوئے ہو گیا تو امد کے سامنے وہ زانی ہو کہ حاضر ہو گا اس حدیث کی سند کے رجال ثقاہ ہیں اور شرعاً کم مہر باندھنا سنت کے موافق ہے اور زیادہ خلاف سنت ہے تفسیر منشور میں ہے اخر جہ سعید بن منصور وابو یعلیٰ بسند جدید عن مسروق قال کعب بن الخطاب علی المنبر قلا یا اھذا الناس لا انکحکم فی صداق النساء وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ انما الصداقات فیما بینہم اربع مائۃ درهم فمادون فی ذلک لھن ان لا ینکحن الا کثیرا فذک لک تقوی عند اللہ وکفرۃ لیسبقوہم ایھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا گو تو تم مہروں میں کیوں زیادتی کرتے ہو حالانکہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب نے مہر چار سو درہم اور اس سے کم رکھا ہو لیا مگر میں زیادتی تقویٰ و کثرت ہوتی تو تم اس معاملہ میں ان پر سبقت نہ پاسکتے باور جو لوگ اس سنت سے انکار کرتے ہیں اور انہا واجد کی رسم نہیں چھوڑتے اور مروجہ طریقہ کو اچھا اور شرعی طریقہ کو برا جانتے ہیں وہ گنہگار ہونگے سوال نکاح کے وقت اگر مہر مہل یا مہل میان نہ کیا جائے صرف تعداد بیان کر دی جائے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں

جواب صحیح ہوگا اور تعجب و ارجح میں عرت کا اعتبار کیا جائیگا۔ خزانة الروایات میں ہر فی الوقایہ المجلد والموجلان
 بینا فذلک؟ الا فالتعارف فی السفناتی ای بنظر المہر والمہر المذکور فی العقد انہ کم یكون المجلد المثل هذه المرأة
 من مثل هذا المهر فجعل ذلک القدر مجعلا وانما یبطل فی التعارف لان الثابت عرفا کالتاب شرعا وقایہ میں ہر
 مہر مجمل و موعبل کے متعلق اگر بیان کر دیا جائے تو خیر و نہ عرف عام پر عمل کیا جائیگا اور سفناتی میں ہر بیعہ عورت اور مہر کی
 حالت کا اندازہ کیا جائیگا کہ اس قسم کی عورت کیلئے اتنے مہر میں سے کتنا مجمل ہوگا اور اُس کے موافق مجمل کیا جائیگا اور عرف
 عام کا خیال اسوجہ سے کیا جاتا ہے کہ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ وہی ہی ہے جیسے جو چیز شرع سے ثابت ہو سوال
 زید کا کلح ہندہ کے ساتھ بندہ ہزار روپیہ مہر پر منعقد ہوا اور مہر زید کے ذمہ باقی رہ گیا آخر کو زید نے اپنے مرض موت
 میں برقی ہوش و حواس یہ قرار کیا کہ ہندہ کا مہر بندہ ہزار روپیہ مجبیر باقی ہے لہذا میں فلان فلان مواضع زمینداری
 مالیتی تیر ہزار کے مہر میں دیتا ہوں باقی وہ دو ہزار میری دوسری جائداد سے وصول کرے یہ اقرار صحیح ہے یا نہیں اور میں
 مہر اٹ پر مقدم ہے یا نہیں **جواب** زید کا یہ اقرار صحیح ہے اور میں مہر اٹ پر مقدم ہے و اسدا علم حرہ الرامی عفوریہ القوی
 ابو الحسنات محمد عبدالحی تجا وزا سعدن ذنبہ الحلی و انحفی صبح الجواب و اسدا علم بالصواب حرہ الضعف عباد المد محمد فضل اسد
سوال زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے رخصت کر لینے کیلئے عدالت میں نالش کی ہندہ جو عاقلہ بالتمہ ہے دو وعذبتی کی تھی
 ہے اول یہ کہ زید عین میں دوسرے یہ کہ مہر مجمل تھا اور اُس نے ابھی تک ادا نہیں کیا پس وہ شرعا مجبور کیا جاسکتی ہے یا نہیں
جواب اس صورت میں دوسرے عذر کا اعتبار کیا جائیگا اور تا ادا سے مہر مجمل عورت شوہر کے گھر جانے پر مجبور نہ کی
 جائیگی درختار میں ہے وطامع من الوطی و واحد السفر یما ولو بعد و طی خلوة رضیتہما لاخذہا بین تعجیلہ من
 المہر کملہ و بعضہ و اخذ قد یاجعل مثلہا عرفا بلفیق لان المہر عرف کا المشرع ط اس صورت میں زوجہ شوہر کو وطی
 اور دواعی وطی اور سفر سے روک سکتی ہے مہر کی جتنی مقدار مجمل تھی وہ کل یا بعض یا مہر مجمل اپنی مسئلہ الی کی بالینہ کیلئے اگر وطی خلوة و نزل
 رخصت ہو چکی ہو اور یہی مفتی ہے کیونکہ عرف مثل مشروط کے ہے اور طحاوی نے حاشیہ درختار میں قولہ والمفسر کہ تحت
 میں لکھا ہے الاولی التعبد بالاکراہ کما عرفت فی الکنز لیعم الاکراہ من بیتہا کما قالہ شارحہ اولی یہ ہے کہ سفر کی جگہ لفظ اکرہج
 استعمال کیا جائے جیسا کہ کنز میں ہے تاکہ گھر سے باہر لجا نیکی بھی شامل ہو جائے جیسا کہ شارحین کنز نے کہا ہے اور جبر الاثنین میں ہے طلق
 المصنف الاکراہ فی شغل الاکراہ من بیتہا ومن بلدنا فلیس ذلک مصنف خارج کو مطلق رکھا تاکہ گھر یا شہر سے خارج کو
 بھی شامل ہو جائے کیونکہ شوہر کو سکا بھی حق نہیں ہے اور عذر اول رخصتی کو مل نہیں ہے بلکہ مسئلہ عین کا حکم دیا جائے گا و اسدا علم
 حرہ الرامی عفوریہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجا وزا سعدن ذنبہ الحلی و انحفی

کتاب الرضاع

سوال زید کی دختر صالحہ کو ہندہ زوجہ برادر مومن زاد زید نے دودھ پلایا پس خالدہ دختر ہندہ سے برادر حقیقی زید کو عقد کرنا جائز ہے یا نہیں اور خالدہ ہمیشہ رضاعی صالحہ ہے یا نہیں اور زید پر حرام ہے یا نہیں جواب خالدہ ہمیشہ رضاعی صالحہ ہوئی لیکن نہ وہ زید پر حرام ہے نہ اس کے برادر پر جیسا کہ درختار میں ہے و قد علیہ یعنی فی الحال اخت ابنتہ و بنتہ امی بہ اس کے لڑکے اور لڑکی کی بہن کا قیاس کرنا چاہیے یعنی حالت میں سوال ہندہ کی لڑکی نے سلیمہ کو دودھ پیا اس حالت میں کہ جب اس لڑکی کی عمر دو برس سے زائد تھی خواہ دو تین مہینے خواہ دو تین روز لیکن چھ مہینہ کی زیادتی نہ تھی تو اس صورت میں ہندہ کی لڑکی کا کلاخ سلیمہ کے لڑکے کیساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں اور رضاعت ثابت ہوئی یا نہیں جواب جو رضاعت دو برس کے بعد ہو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور شرعاً رضاعت کا بھی حکم نہیں ہوتا موطا امام محمد رحمہ اللہ میں ہے ولا يجوز الرضاع الا ما كان في الحولين فما كان فيما من الرضاع وان كان مصدقاً لحقه حتى تحرم كقال عبد بن عباس وسعيد بن المسيب وعروة بن الزبير وما كان بعد الحولين لم يحرم شيئا لان الله عز وجل قال الاولاد يرضعون اولادهم حولين كاملين لمن اراد ان يتم الرضاعة فتمام الرضاعة بعد تمامها تحرم شيئا رضا درست نہیں مگر وہ جو دو برس کے اندر ہو تو اس میں یعنی رضاعت ہوگی اگرچہ وہ ایک ہی مرتبہ چوسنا کیون نہوائی ہی سے حرمت ثابت ہو جائیگی جیسا کہ عبداللہ بن عباس اور سعید بن مسیب و عروہ ابن زبیر نے کہا ہے کہ جو دو برس کے بعد ہو اس سے تحریم نہیں ثابت ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا مین اپنے بچوں کو کال دو برس دودھ پلایں جو رضاعت کو تمام کرنا چاہے تو تمام رضاعت دو برس ہیں اس کے بعد کی رضاعت سے کچھ حرام نہیں ہوتا سوال ہندہ نے فہیدہ کو دودھ پلایا بعد انقضاء مدت رضاعت زید نے ہندہ سے زنا کیا پس اب زید فہیدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر زید فہیدہ کا نکاح ہو چکا تو اب کیا کریں جواب زید فہیدہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا بجز الرائق میں ہے اولاد بجز المصاهرة المحرمات الا بوجہ حصة المرأة علی اصول النوافی و فروعہ نسباً و رضاعاً و حصة اصولها و فروعها علی الزانی نسباً و رضاعاً کا فی الوطی الحلال حرمت مصاہرت سے چار محرمات مراد ہیں عورت کا زانی کے اصول و فروع نسبی و رضاعی پر حرام ہونا و اصول و فروع نسبی رضاعی عورت کا مرد پر حرام ہونا جیسا کہ وطی حلال میں ہے اور رد المحتار میں ہے فی البزازیة المفارقة فی الفاسد بعد الدخول کیونکہ لا بالقول بخلیت بسببک او ترکک بزانیہ میں ہے کہ نکاح فاسد میں مفارقت و نفول کے بعد نفیر قول کے نہیں ہو سکتی مثلاً خلیت بسببک یا ترکک کے سوال ہندہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے زید کو دودھ پلایا ہے اور اپنے دعوے پر ذکور و انات سے کوئی گواہ نہیں رکھتی ہے تو اس کا دعویٰ ثابت ہوگا یا نہیں جواب نہیں کیونکہ رضاعت ایک

عورت کے قول سے ثابت نہیں ہوتی کمزیرین پر ثبوت الرضاع بمائیت مع المال رضاعت اُسی سے ثابت ہوتی ہے جس کو مال ثابت ہو یا نہ ہو اور اسکے تحت میں صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے وہو شہادۃ رجلین علی امرأۃ رجل واحد ینزلت بشہادۃ امرأۃ واحدۃ اور وہ دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہے پس رضاعت ایک عورت کی شہادت سے نہ ثابت ہوگی **سوال** ہندہ نامی ایک عورت کے دو دختر اور دو پسر موجود تھے بعد پسر کلان کے ایک پسر پیدا ہوا اور خود ہندہ کے ایک تیسری دختر پیدا ہوئی ہندہ نے پسر پسر مذکور کو دودھ پلایا کہ جس سے رضاعت ثابت ہے بعد ہندہ کی دختر کلان کی ایک دختر پیدا ہوئی اب ماہین پسر پسر کلان مذکور جبکہ ہندہ نے دودھ پلایا ہے اور دختر دختر کلان مذکورہ کے عقد نکاح ازواج مذہب خفیہ صحیح ہے یا وجہ اسکے کہ از جانب شہرہ ہمن خویش شوند دونوں میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی **جواب** نکاح پسر پسر مذکورہ کا ساتھ دختر دختر مذکورہ کے بوجہ حرمت رضاعت کے نہیں درست ہے عالمگیری میں ہے الموضع لو ولدت من هذا الرجل او غیر قبل هذا الرضاع او بعدہ فالکل اخوة الرضیع و اخواته و اولادهم و اولاد اخواته و اخواته مرضعہ کی جو اولاد اس شخص سے یا کسی دوسرے سے قبل یا بعد دودھ پلانے کے ہو وہ سب دودھ پینے والے کے بھائی اور بہن ہیں اور انکی اولاد بھائی اور بہن کی اولاد ہے **سوال** ستر برس کے سن میں جبکہ دودھ بالکل سوکھ چکا تھا زید کی ماں نے ہندہ کے منہ میں بھلانے کے لیے اپنا دودھ دیدیا اور زید کی ماں قسم کھا کر کہتی ہے کہ دودھ نہیں نکلا تو رضاعت زید اور ہندہ میں ثابت ہوگی یا نہیں **جواب** رضاعت ثابت نہ ہوگی اشباہ النظائر میں ہے لو ادخلت المرأة حلماتها فی فم رضيعه و وقع الشد و فم وصول اللبن الى جوفها لم تحرم لان في المباح شك كما في الولوج في القنیه امرأۃ كانت تخطی ثديها صبيۃ ثم اشتد ذلك و فمها لم يمت ثم تقول لم يكن ثديي لبن حتى القتها ذلك لا يعلم ذلك الا من يفتحها جانبا نہان يتخرج بهذا القنیه الرعوت نے کسی لڑکی کے منہ میں اپنا دودھ دیا اور اس میں شک ہو اگر اسکے پیٹ میں دودھ گیا یا نہیں تو وہ عورت حرام نہ ہوگی کیونکہ مانع شک کو نہیں گویا کہ شک نہ ہو اگرچہ میں ہے اور قنیه میں ہے کہ ایک عورت نے اپنا دودھ ایک لڑکی کے منہ میں دیا پھر سنے کہا کہ میرے دودھ تھا اور اسکا علم سوا اسکے کہنے کے دوسرے طریقے سے نہیں ہو سکتا ہے تو اسکی لڑکے کو اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے **سوال** زید کے گھر میں غیر شکوہ عورت سے لڑکا پیدا ہوا اور اُس عورت نے کسی دوسرے شخص کی لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو زید کے بھائی کا نکاح اُس لڑکی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں **جواب** حرامی دودھ کے موجب تحریم ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک گروہ عدم تحریم کا قائل ہے جیسے صاحب بحر الرائق منیہ وغیرہ اور ایک گروہ تحریم کا قائل ہے جیسے متابع الفقہ وغیرہ لیکن انھوں نے صراحت کی ہے کہ رضیعہ حرامی دودھ سے زانی پر اور اسکے اصول و فروع پر حرام ہوتی ہے نفع القدرین میں لبن الزنا کا حل لا اذا الرضعت به بنتا حرم علی الزانی و ابائہ و ابنائہ و ان سفلا و فم التجنيس عن البحر جانی نعم الزانی

التزویج حکما کما مولودہ من الزنا لا یم یثبت نسبہا من الزنا والتحریر علی الیاء الزانیۃ اولادہا للحرثۃ کما جزیئۃ بینہا و بینہا العیم
ولذا ثبت ہذا فی التولیدۃ من الزنا فکلذا فی الموضع بلین الزنا حرامی دودھ حلالی دودھ کا ایسا ہی پس جس لڑکی کو پلا یا گیا تو
وہ زانی پر اور اُسکے آباؤ بنا پر حرام ہو گئی جہاں تک نیچے ہوں اور تنہیں میں جہاں جانی سے منقول ہو کہ زانی کا چچا اُسکے
ساتھ شادی کر سکتا ہو جیسا کہ وہ زانی کی پیدلی ہوئی لڑکی سے کر سکتا ہو کیونکہ زنا سے اُسکا نسب ثابت نہیں ہوتا اور
آباؤ و بنا پر حرثیت کی وجہ سے حرمت ہو اور اُس لڑکی اور زانی کے چچا میں حرثیت موجود نہیں ہو اور جب یہ زانی کی پیدلی ہوئی
لڑکی میں ثابت ہو تو اسی طرح زنا کا دودھ پلائی ہوئی لڑکی میں بھی ثابت ہو۔ تیس صورت مسئلہ میں اس روایت کے لحاظ سے
زید کا اور اُسکے اصول و فروع کا نکاح اُس رضیعہ کے ساتھ درست نہیں ہو مگر زید کے بھائی کا نکاح درست ہو و اسدا علم
حرہ محمد عبدالحی مسترحم کہتا ہے مفتی مولانا عبدالحی فرنگی علی نہیں ہیں اُنکا جواب آگے آتا ہے انتہی۔ **اجواب**
اس باب میں فقہائے خفیہ سے شعبۂ اقوال منقول ہیں بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی زید کے لیے بھی حلال ہے
پس اُسکے اصول و فروع کے لیے بدرجہ اولی حلال ہوگی اور بعض کہتے ہیں محل خلاف زید کے فروع و اصول ہیں اور زید پر
بالاتفاق حرام ہو اور بعض کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دودھ حلال دودھ کی طرح موجب حرمت ہو اور یہی اصول اور
دلیل حضرات خفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موافق ہو اور اسی پر علماء کو فتویٰ دینا چاہیے کہ نہ کہ اصول کے فن میں بات اچھی طرح
ثابت کر دی گئی ہو کہ جہاں حرمت اور طہ متعارض ہوں وہاں حرمت کو ترجیح دینا چاہیے اسی بنا پر زید کے بھائی کا نکاح
اُس لڑکی کے ساتھ جائز نہیں ہو اور اسکا ثبوت کئی طریقوں سے ہو پہلے یہ کہ فالذکر المختار حرم علی التزویج ذکر کا ان
انتہی نکاح اصلہ و فرعہ علا و تنزل بنت اخیرہ اختہ و بنتہا ولو عن زنا انتہی و فیضا و حرم کل مام تحریمہ نسباً
و مصاہرہ رضاعاً انتہی و فی البحر الرائق نقلا عن الفتح و دخل فی البنت بنتہ من الزنا فتحریم علیہ بصریح النص و
بنتہ لفتہ و الخطاب انما هو بالفتہ العربیۃ ما لم یثبت نقل کا لصلوۃ و نحوہ فیصیر نقولاً شرعیاً و کذا اختہ من الزنا
و بنت اخیرہ بنت اختہ و ابنہ منہ انتہی و فی قاضی خان اما المحرمات بالنسب فیصل لہ تعالیٰ فی قولہ تکا حرمت علیکم
ایھا اکمل الایۃ و لم یمنعہ جہا و کذا لک الجہۃ القریۃ البعدی من قبل الایۃ لایام و کذا البنت و اولاد البنت و ان
سفلت و بنات الابن کذا لک المخلوقہ من ماء الزنا حرام عندنا و کذا لک الاخوات من ای
جمہ کت و بنات الاخوات و ان سفلن و کذا لک بنات الاخ و ان سفلن و کذا العمات و
المخالات من الوجوۃ الثلاثہ و عمات الاصول و خالاتہم و ام العتہ حرام و عمتہ العتہ لایب
ام و لایب کذا لک فاما عمتہ العتہ لایب و اما المحرمات بالرضاع فاما یحرم بالنسب یحرم بالرضاع

در مختارین ہر مترفع پر مرد ہو یا عورت یہ حرام ہے کہ اپنے اصول یا فرع سے اور اپنی بھتیجی یا بھانجی یا بہن سے شادی کرے
خواہ یہ رشتے زنا ہی سے کیوں نہ ہوں اور اُسی میں ہر اور جو نسباً و مصابرة حرام ہیں وہ رضا کا بھی حرام ہیں اور
صاحب بحر الرائق نے فتح القدیر سے نقل کیا ہے نیت میں بنت زنا بھی داخل ہے پس بصراحت نص وہ بھی حرام ہے
کیونکہ لغتہ وہ بھی اُسکی بنت ہے اور خطاب لغت عربی میں ہے ترا و تکتیکہ نقل ثابت ہو جیسا کہ صلوٰۃ کہ یہ منقول شرعی ہے
اسی طرح اخت زنا اور بنت اخت و ابن من الزنا اور قاضی خان میں ہر محرمات بالنسب وہ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے
اپنے قول حرمت علیکم اھما تکرہ الا یہ میں بیان فرمایا اور مزنیہ حرام ہے اور اسی طرح جدہ قریبہ و بعیدہ خواہ ماں کی جانب
سے ہوں جیسے نانی پر نانی وغیرہ یا باپ کی جانب سے جیسے دادی پر دادی وغیرہ اسی طرح بنت اور اولاد بنت
پوتیان اسی طرح جسکی پیدائش زنا سے ہو مارے نزدیک زانی پر حرام ہے اور ایسی ہی بہنیں جس جہت سے ہوں اور
بہنوں کی لڑکیاں اسی طرح بھائی کی لڑکیاں اسی طرح بھوپو پٹن خلا میں تینوں طریقوں (یعنی نسب و رضاعت
اور زنا) سے اور عادات اصول و اخالات اصول اور عام عہد حرام ہے اور بھوپو لڑکی و ام یا لڑکی حرام ہے لیکن عمتہ لغتہ
لام حرام نہیں ہے اور محرمات بالنسب رضاعت سے بھی حرام ہو جاتی ہیں ان خباہتوں سے ظاہر ہے کہ بھائی کی لڑکی اگرچہ
زنا سے ہو محرمات نسب میں داخل ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو نسب سے حرام ہوتی ہیں رضاعت سے بھی حرام ہوتی ہیں پس
دونوں کلاموں کے اندوچ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بھائی کی رضاعتی لڑکی جو زنا سے ہو محرمات میں داخل ہے دوسرے یہ کہ
تقواۃ السیر میں ہے ولوزنی بامرأۃ فولدت عندہ فارضعت بهذا اللبن صبیۃ لا یجوز لهذا الزانی ان یتزوج بهذا
الصبیۃ ولا لبنتہ ولا بائرا ولا بئرا ولا بئرا ولا بئرا اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا پس اُس زنا سے اولاد ہوئی اور وہ دودھ
زانیہ نے کسی لڑکی کو پلایا تو اُس لڑکی سے زانی کو نکاح کرنا درست نہیں ہے اور اُسکے لڑکے کے لیے (اگر لڑکا ہو) اور اُسکے
آبا و ابناء اور اولاد کے لیے بھی ناجائز ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے ولبن الزنا کالحلال فاذا ارضعت ببنتا حرت علی الزانی
و ابائرا و ابنائرا وان سفلوا انتھی رجل زنی بامرأۃ فولدت عندہ فارضعت بهذا اللبن صبغۃ لا یجوز لهذا الزانی و
لا لاحد من ابائرا و اولادہ نکاح هذه الصبیۃ زنا کے دودھ کا حکم حلال کے دودھ کا ایسا ہے تو اگر کسی لڑکی کو زنا کا دودھ
پلایا تو وہ زانی اور اُسکے آبا و ابناء پر حرام ہے ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا اُس زنا سے اولاد پیدا ہوئی اور
اُس عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا تو اس لڑکی کا نکاح زانی اور اُسکے آبا و اولاد میں سے کسی کے ساتھ درست
نہوگا اور کفایہ میں مذکور ہے ولوزنی بامرأۃ فولدت عندہ فارضعت بهذا اللبن صبیۃ لا یجوز لهذا الزانی ان یتزوج
عند الصبیۃ ولا بائرا ولا بئرا ولا بئرا ولا بئرا لوجو البعضیۃ بین ھو کا و بین هذا الزانی اگر کسی عورت کے

ساتھ زنا کیا پس اس زنا سے ولاد ہوئی اور وہ دودھ دانیہ کے کسی لڑکے کو پلایا تو اس لڑکے سے زانی کو نکاح کرنا درست نہیں ہے اور اس کے لڑکے کیلئے (اگر لڑکا ہو) اور اس کے باپ اور بھائی اور اولاد کیلئے بھی ناجائز ہے کیونکہ ان میں بعضیت موجود ہے۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضمیمہ اس زانی کیلئے حلال نہیں ہے اور نہ اس کے فروع و اصول کیلئے حلال ہے اور کوئی علت اس کے حرام ہونے کی اس کے نہیں ہے کہ وہ شبیہ زانی کی جزو ہے جیسا کہ حلال میں اور اصول کیلئے عدم علت کی علت یہ ہے کہ وہ ضمیمہ اصول کے جزو کے جزو کی شبیہ ہے اور فروع کے لیے عدم علت کی علت یہ ہے کہ وہ ضمیمہ ان کے باپ کے جزو کی شبیہ ہے پس معلوم ہوا کہ شبیہ جزو اور بجزو ہونا گونا گونا گوں سے ہو حرمت رضاعت میں کافی ہے پس صورت مسئلہ میں وہ صبیہ زید کے بھائی کے باپ کے جزو کا جزو ہے پس زید کے بھائی کے لیے بھی حرام ہوئی اس کے علاوہ اگر صورت مرقومہ سراج المنیر و فتح القدر و قاضی خان کفایہ میں صبیہ کی جگہ برصی فرض کریں تو ظاہر ہے کہ صبی کے لیے فروع و اصول زانی جو خلسا باث سے ہیں حرام ہونگے پس زانی کا لڑکا اور زانی کی لڑکی بھی اس پر حرام ہونگی تیسرے یہ کہ خفیہ کے نزدیک علت حرمت قرابت حقیقہ بعضیت ہے اور علت حرمت وضاحت بعضیت ہے جیسا کہ کفایہ میں ہے و حرمت الفرج مایحتاج فیہا حق ان شبہ بعضیت لیسلب الرضا قاصت مقام حقیقہ بعضیت اثبات الحقیقہ شرکاء کی حرمت ان اشیا میں سے ہے جو میں احتیاط کی جاتی ہے یا تنک اگر رضاعت کے سبب بعضیت کا اشتباہ ہو تو وہ حقیقی بعضیت کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے اثبات حرمت میں۔ اور ہر یہ میں ہے و اذا نزل البکر لبنا فادضعت صبیاً تعلق بہ التحريم لا طلاق النص لان سبیل النشوء ثبتت شبہ بعضیت اگر کسی باکرہ کے دودھ اتر آیا اور اس نے ایک لڑکے کو پلایا تو حرمت کا حکم دیدیا جائیگا کیونکہ آیت مطلق ہے اور اس وجہ سے کہ دودھ سبب نشو ہے تو اس سے شبہ بعضیت متحقق ہوگا۔ اور اسی میں ہے و لئلا ان السبب شبہ الحزینۃ و ذلک فی اللبن بمعنی الانشاء والابنات مہو قائم باللبن اور ہماری دلیل یہ ہے کہ سبب شبہ جزئیت ہے اور یہ لبن میں بننے نشو و نما اور اگائے کے ہے اور یہ دودھ سے متعلق ہے۔ اور نہ بعضیت اور شبہ بعضیت کا اس جگہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا جزو ہو ورنہ لازم آتا ہے کہ اصول و فروع کے علاوہ کوئی اور محرمات میں سے قرابت و مضاعف نہ ہو بلکہ مراد عام ہے خواہ وہ عورت اس مرد کی جزو ہو یا وہ مرد اس عورت کا جزو ہو یا وہ مرد کے قریب کی جزو اصل ہو جیسے احوات یا بنات الاخوة یا اصل بعد کی جزو صلی ہو جیسے عات و خالات اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حسب طرح لبن حلال موجب شبہ بعضیت ہے اور اصل اور فروع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اس طرح لبن حرام بھی موجب شبہ بعضیت ہے اور زانی کے اصول و فروع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور وہ صورت مسئلہ میں موجود ہے پس جب علت ثابت ہو تو حرمت کا ثبات ہونا بھی ضروری ہے جو قہیہ کہ حدیث میں ہے عرم من الرضا ما یحرم من النسب رضاعت سے وہی حرام ہے جو نسب سے حرام ہے اور یہ حکم عام ہے زانی یا زانی کے اصول و فروع سے خصوصیت نہیں رکھتا پس یہ تخصیص بلا دلیل ہے کیونکہ تجنیس میں

جو مرقوم ہو و علم الزانی التزوج بها کما لو كانت ولدت لمن الزنا والحال مثله لانه لو ثبتت نسبها عن الزانی حتی یظهر
 حکم الجزئیة والتحریر علی الذانی واولاده واولادهم لا اعتبار بالجزئیة لاجزئیة بینها و بین العلم زانی کا چچا اُسکے ساتھ شادی
 کر سکتا ہو جیسا کہ وہ زنا سے پیدا کی ہوئی لڑکی کے ساتھ کر سکتا ہو کیونکہ اس کا نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا اور آبا و اولا
 یہ حرمت جزئیة کی وجہ سے ہو اور اُس لڑکی اور زانی کے چچا میں جزئیة کا سلسلہ موجود نہیں ہو پس اولاد مختار او قاضی ان
 اور بحر الرائق کی عبارتوں کے معارض ہو اور ثانی اس وجہ سے محل نظر ہو کہ اگر یہ مراد ہو کہ صبیہ و رعم زانی میں ایسی جزئیة نہیں ہے
 کہ ایک دوسرے کا جزو ہو پس مسلم ہو لیکن اس لڑکی میں اور زانی کی اولاد میں بھی ایسی جزئیة نہیں ہو پس چاہیے کہ وہ
 لڑکی زید کے بھائی پر بھی حرام ہو اور یہ صاحب تجنیس کی تصریح کے خلاف ہو اور اگر یہ مراد ہو کہ جو ذی جزئیة حرمت کے لیے
 کافی ہوتی ہو وہ بائی نہیں جاتی تو غیر مسلم ہو کیونکہ وہ لڑکی زانی کے چچا کے باپ کا جزو ہو اور یہ حرمت کے لیے کافی ہو جیسے لہ حال
 فتح القدیر میں ہو ذکر الوبر بان الحرمة ثبتت من جهة الامصاص فاما ثبتت النسب فم ثبتت من النسب لانه لا سیب جابی
 و صاحب الیبایع و هو اوجه لان الحرمة عن الزنا للبعیض و ذلك فی الولد نفقاة مخلوق من ماء دون اللب البانی لیس
 کا ثمن من ذیہ فخرج التغلک و هو لا یقع الا باید خص من علی اللعان من اسفل البدن کا حققة فلا انبات فلا یخرج بخلاف
 ثابت للسنن ان النکاح ثبت الحرمة منه اذا تزوج مع حرم الرضاع بل ان زانی فعل علی لبس اللبت و اولی وری نے کہا ہو کہ حرمت
 صرف مان کی جانب سے ہو جب تک کہ نسبت ثابت ہو اور جب ثابت ہوگا تو حرمت نسب کی جانب سے بھی ہوگی ایسی جابی اور صاحب
 نیابیح نے بھی ایسا ہی کہا ہو اور یہی وجہ ہو کیونکہ حرمت عن الزنی بعیضت کی وجہ سے ہو اور یہ خود لڑکے میں ہو نہ کہ دودھ میں کیونکہ
 لڑکا اُسکی منی سے بنا ہو لیکن دودھ اُس سے نہیں بنا کیونکہ وہ فرع تغذی ہو اور تغذی اُنھیں اشیا سے ہوتی ہو جو معدے کے
 اوپر سے آئیں نہ کہ بدن کے حصہ زیرین سے تو حرمت ثابت نہ ہوگی برخلاف ثابت النسب کے کہ نفس نے دودھ سکا اُسکی حرمت
 کو ثابت کیا ہو اور جب عدم حرمت برضا عن خود زانی کے لیے مرجح ہو تو دوسروں کے لیے بدرجہ اولی ایسا ہی ہو گا یہ اولاد و اعمالا
 منقولہ کے معارض ہو اور ثانی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہو کہ حرمت رضاعت اس لبن سے غیر محل ہو حالانکہ حنفیہ کے نزدیک
 تشبیہ بعیضت جیسا کہ اوپر مذکور ہو اور وہ غیر ثابت النسب میں بھی موجود ہو پس بعد حکم غیر ثابت النسب کی طرف بھی ضروری
 اور یہ ہو گا ہو کہ لبن میں جزئیة نہیں ہو تو یہاں سے حقیقہ جزئیة کا نہ ہونا غیر مسلم ہو مگر اُسکی علت حرمت رضاعت کے لیے
 غیر مسلم ہو و اسدا علم و علمہ تم مترحیم کتا ہو اس جواب کے بعد اصل میں بھی نفی کا نام نہ تھا لہذا نہیں لکھا گیا انتہی۔
 ہو المصوب فقہائے حنفیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہو ایک گروہ کتا ہو کہ رضیعہ زنا کے دودھ سے زانی پر اور اُسکے
 اصول و فروع پر علم ہو فی خزائن الفتاوی او ذی با مرآة فولدت منھا فارضعت بها اللب صبیہ لا یجوز طہن الزانی

ان یتزوج لهذا الصبیة ولا یبذر ولا یمیه اجداده وفي الخلاصة لو زنی امرأة فولدت لها فارضعت بهذا اللبن صبیة لا یجوز هذا الزانی ولا احد من ابائہ واولادہ ان یتزوج بهذا الصبیة وفي المظهر یتصل فی بامراة فولدت فارضعت بهذا اللبن صغیر لا یجوز هذا الزانی ولا احد من ابائہ واولادہ نکاح هذا الصبیة علی ما عرفت من اصول اصحابنا وفي العیادة لیس حلیہ الوطی شرطاً للمحرمۃ حتی لو زنی بامراة فولدت فارضعت بهذا اللبن صبیة لا یحل للزانی ان یتزوج بهذا الصبیة ولا ابائہ ولا اولادہ ولو جاز البعضیة بین هؤلاء و بین الزانی فی جمیع الاخر لکن الزنا کالحلال حتی لو زنی بامراة فارضعت بنتا حرمت علی الزانی ابائہ وابنائہ وابناء ابائہ وان سفلوا وفي البزازیة لو زنی بامراة فولدت فارضعت بهذا اللبن صبیة تحرم علی الزانی وکذا لو جمعت من اخر فارضعت لکلبین الزانی حریم علی الزانی کما صحا وفي خزانة المفتیین یحل انی بامراة فولدت منه فارضعت بهذا اللبن صغیر لا یجوز هذا الزانی ولا احد من ابائہ واولادہ هذا الصغیر وفي البرجندی تقيده الابوة بناء علی الغالب والمادة حرمة الرضیعة علی رجل لیکون لبن الرضیعة منه سواء کان بالنکاح او السفاح حتی لو زنی بامراة فولدت فارضعت صبیة لا یجوز هذا الزانی ولا احد من ابائہ واولادہ ان یتزوج بهذا الصبیة خزانة الفتاوی میں ہر اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اُس زنا سے اُسکی اولاد ہوئی اور وہ دودھ اُس نے ایک لڑکی کو پلایا تو اُس لڑکی سے کچھ کرنا اُس زانی کے لیے درست نہیں ہر اور اُس کے بیٹے اور باپ و دادا کے لیے بھی جائز نہیں ہر اور خلاصہ میں ہر اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اُس زنا سے اُسکے اولاد ہوئی اور وہ دودھ اُس نے ایک لڑکی کو پلایا تو اُس لڑکی سے کچھ کرنا زانی کیلئے درست نہیں ہر اور نہ اُسکے با و اجداد کو اُس لڑکی سے کچھ کرنا درست ہر اور ظہیر یہ میں ہر اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اُس زنا سے اولاد ہوئی اور اُس نے وہ دودھ کسی لڑکی کو پلایا تو زانی کو اور اُسکے آبا و ابناء کو اُس لڑکی سے کچھ کرنا درست نہیں ہر جیسا کہ ہمارے اصحاب کے اصول سے معلوم ہوتا ہر اور عیال میں ہر حرمت کیلئے حلیہ وطی شرط نہیں ہر یہاں تک کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس سے اولاد ہوئی اور اُس عورت نے وہ دودھ ایک لڑکی کو پلایا تو زانی اور اُسکے باپ دادا اور اُسکے لڑکوں اور لڑکوں کی اولاد کو اُس سے کچھ کرنا درست نہیں ہر کیونکہ انہیں اور زانی میں بعضیت باقی جاتی ہے اور جمیع الانہر میں ہر زنا کا دودھ حلال کا ایسا ہر حتی کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس سے اولاد ہوئی اور اُس عورت نے وہی دودھ ایک لڑکی کو پلایا تو وہ لڑکی زانی اور اُسکے باپ دادا اور اولاد پر اگرچہ کتنی ہی بچی درجے کی اولاد ہو حرام ہر اور بزازیہ میں ہر ایک عورت کے ساتھ زنا کیا اور اُس زنا سے اولاد ہوئی اور وہی دودھ عورت نے کسی لڑکی کو پلایا تو وہ زانی پر حرام ہو گئی اور ایسے ہی اگر دوسرے سے حاملہ ہوئی اور لڑکا کو دودھ پلایا نہ لبن زانی سے تب بھی زانی پر وہ لڑکی حرام ہر اور برجندی میں ہر ابوت کی قید ظہیر برہنی ہر درہ مطلب یہ ہر کہ دودھ پینے والی لڑکی اُس شخص پر حرام ہوتی

ہو جو دودھ کا سبب ہو خواہ نکاح ہو یا بلا نکاح پس اگر کسی نے زنا کیا اور اُس سے اولاد ہوئی اور عورت نے وہی دودھ
ایک لڑکی کو پلایا تو زانی اور اُس کے باپ دادا اور اُسکی اولاد کو اُس لڑکی سے نکاح کرنا درست نہیں ہے اور ایک گروہ
کہتا ہے کہ رضیعہ مذکورہ نہ زانی پر حرام ہے نہ اُس کے اصول و فروع پر اور یہی محققین کے نزدیک مفتی بہ ہے فی شرح النقاہ فی ذکر الزوج
اشارة الی انه لو زنی بامرأة فولدت فارضعت بهذا اللبن صبیة فاراد الزانی ان یتزوج بهذه الصبیة بخلاف
القہستانی فی جامع الرموز فی اشعار بانہ لو زنی بامرأة فولدت فارضعت صبیة جازلہ ان یتزوجہا کما فی
شرح الطحاوی لکن فی خلاصۃ اہل تہرم فلعل فیہ روایتین وفی بحر الرائق المعتمد فی المذہب ابن الفحل الذی
لا یتعلق بہ التحریم وفی رد المحتار والحاصل کما قال فی البحران المعتمد فی المذہب ابن الزانی لا یتعلق بہ التحریم
وظاہر الحارج والخاتمة ان المعتمد ثبوتہ قلت ذکر فی شرح المنیۃ انہ لا یجوز عن الدلالتہ اذا وافقہا روایتہ وقد
علمت ان الوجہ مع روایتہ عدم التحریم وفی فتح القدیر ذکر ابوہی ان الحجة ثبتت من جهة الام خاصة ما لم یشہد
النسب فم ثبتت من الالب کذا ذکر لا سیما فی وصاحب الینابیع وهو اوجہ لان الحرمة من الزانی للبعضیۃ و
ذلک فی المولد لنفسہ لانه محاق من فائدہ دون اللبن اذ لیس اللبن کائنا من منیہ نہ فرج التغذ بخلاف الاولاد
والتغذی لا یقع الا بما یدخل من اعالی المعقہ لہ من اسفل البدن کالحقۃ فلا انبات فلا حجة بخلاف ثابت النسب
لان النص هو حلیۃ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ثبت الحرمة وفی رد المحتار الوطی تشبہہ کلہا لکل قبل
ولذا الزنا والاوجہ لا وقال لدی صاطحی تعالیق الانوار علی رد المحتار قوله ولا وجہ لا یدارۃ لا روایتہ کذا فی
الشرنبلالیۃ وفی الخلفاء قید بالزوج کانه لو زنی بامرأة فولدت وارضعت صبیة جازلہ لایحکم الزانی وفروع الزوج
بما کذا المختار ابوہی وعلیہ جری لا سیما فی حصة الینابیع وجعلہ فی المحیط کالحلال جزم بہ قاضیان الاول اوجہ
شرح نقایہین ہو زوج کے ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس نے وہی دودھ کسی لڑکی
کو پلایا پھر زانی نے ارادہ کیا کہ اُس لڑکی سے نکاح کرے تو جائز ہے اور قہستانی نے جامع الرموز میں کہا ہے کہ اس جانب اشارہ
ہو کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس سے اولاد ہوئی اور اُس نے وہی دودھ ایک لڑکی کو پلایا تو اب اگر یہ چاہے تو اُس
لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے جیسا کہ شرح طحاوی میں ہے لیکن خلاصہ میں ہے کہ یہ حرام ہے شاید اس میں دور وایتین ہیں اور
بحر الرائق میں ہے مذہب معتد یہ ہے کہ نہ نکاح دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور رد المحتار میں ہے اصل جیسا کہ بحر میں ہے یہ
ہو کہ باعتبار مذہب معتد زنا کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور مراجع اور قاضیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب معتد
ثبوت حرمت ہے بین کہتا ہوں کہ شرح منیہ میں ہے کہ جب درایت روایت کے موافق ہو تو اُس سے استہزاء نہ کیا جائیگا اور یہاں

درایت روایت کے ساتھ ہی عدم تحریم میں اور فتح القدیر میں ہو دہری نے کہا ہے کہ حرمت صرف ماں کی جانب سے ہے جب تک کہ نسب نہ ثابت ہو اور جب ثابت ہوگا تو نسب کے جانب سے بھی حرمت ہوگی ایسی جانی اور صاحب نیامیج بھی ایسی ہی کہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ چونکہ حرمت عن الزنا بعضیت کی وجہ سے ہے اور یہ خود لڑکے میں ہے کیونکہ وہ اسکی سنی سے پیدا ہوا ہے نہ کہ دودھ میں کیونکہ دودھ اُس کی سنی سے نہیں بنا ہے اسلیے کہ وہ فرع تغذی ہے اور تغذی انھیں اشیاء سے ہوتی ہے جو معدہ کے اوپر سے آئیں نہ کہ بدن کے حصہ زیرین سے جیسے حقہ تو حرمت نہیں ثابت ہوگی برخلاف ثابت ہونے کے کہ نص نے دودھ سے اُسکی حرمت کو ثابت کیا ہے اور وہ نص ہے کہ رضاعت سے وہی حرام ہے جو نسب سے حرام ہے اور درختا میں ہر وطنی حلال کے مشابہ ہے کہ لگایا ہے اور ایسے ہی زنا اور اوجہ ہے کہ بنین اور دیاطی تعالیق الانوار حاشیہ درختار میں لکھتے ہیں قولہ ولا وجه لایفد راجع نہ کہ روا ہے جیسا کہ شریک السیرین ہے اور نہ الفائق میں ہے زوج کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس زنا سے اولاد ہوئی اور زانیہ نے وہی دودھ کسی لڑکی کو پلایا تو زانی کے اصول و فروع اُسکے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں اسے دہری نے اختیار کیا ہے اور ایسی جانی اور صاحب نیامیج کا بھی خیال ہے محیط میں اسے شل حلال کے لکھا ہے اور قاضی خان نے اسکا یقین کیا ہے اور اول وجہ ہے جب یہ امر محقق ہو گیا تو میں کہتا ہوں کہ زید کے بھائی کو اس رضیعہ سے نکاح کرنا باتفاق فقہا جائز ہے لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک پس جو از ظاہر ہے اسلیے کہ جب رضیعہ مذکورہ زانی پر اور اُسکے اصول و فروع پر حلال ہوئی تو اُسکے بھائی پر بدرجہ اولی حلال ہوگی لیکن گروہ اولی کے نزدیک پس ابن ہام فتح القدیر میں لکھتے ہیں فی التجنس من علائق الناطق عن الشیخ ابن علیہ البحر جاذبہ کان یقول فی الدلہ ان یتزوج بالصبیۃ المرضعۃ ولا بائدہ ولا جلدہ ولا لحدہ ولا حیوانہ ولعم الزانی التزوج بما کما یجوز بالصبیۃ التي ولدت من الزانی لذلک ثبتت نسبہا لمن فی حق یتظہر فیہا حکم القرابۃ والتحریم علی بائدہ واجلحدہ باعتبار الجسۃ والبعضیۃ لیسین لوبین العمر تجنس من علائق ناطق سے نقل کیا ہے کہ شیخ ابن عبد اللہ جانی درس میں کہتے تھے کہ زانی کو اُس لڑکی سے شادی نہ کرنا چاہیے جسے وہ دودھ پلایا گیا ہے جو اُسکے زنا کا نتیجہ ہے اور نہ زانی کے آبا و اجداد و اولاد کو البتہ زانی کا چچا اُس سے شادی کر سکتا ہے جیسا کہ اُس لڑکی سے کر سکتا ہے جو خود زانی کی پیدائی ہوئی ہے کیونکہ اُسکا نسب ثابت نہیں ہے حتیٰ کہ حکم قرابت ظاہر ہو اور آبا و اجداد یہ تحریم قرابت کی وجہ سے ہے اور اُس لڑکی اور عم زانی میں جویمیت نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ بھائی اور چچا میں کوئی فرق نہیں ہے جب طائفہ اولی کے نزدیک رضیعہ مذکورہ عم زانی پر حلال ہوئی تو برادر زانی پر حلال ہونے میں کون شک باقی رہا اور صاحب تحریر نے زانی کے چچا اور ماموں کے لیے علت میں اتفاق نقل کیا ہے اُنکی عبارت یہ ہے خواہ کلاحدہ

ان ہذا الصبیۃ لا تحرم علی عم الزانی خالہ اتفاقا لانہ لم یثبت نسبہا من الزانی حتی یظہر فیہا حکم القابۃ والتحریم
 علی ولادہ عند القائلین باعتبار الحزنیۃ والبعضیۃ ولا جزئیۃ بینہما ویدین عم الزانی والحال انوا ثبتت ہذا فی حق
 المتولد من الزنا کذلک فی حق الرضیۃ بلین الزنا کذا فی النہدایۃ ظاہر یہ کہ یہ لڑکی اپنی کو حیا اور مومن پر بالاتفاق حلال
 کیونکہ اسکا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا حتیٰ کہ حکم قرابت ظاہر ہو اور ولادہ پر تحریم جزئیۃ اور رضیۃ کے سبب یہ
 جو اس لڑکی اور عم زانی اور خالہ زانی کے مابین مشہور نہیں ہوا۔ اگر حکم قرابت زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو اس کے لیے
 ثابت ہو تو اس لڑکی کے لیے بھی ثابت ہوگا جس نے زنا کا دودھ پیا ہو ایسا ہی نہ الفائق میں ہو اور اگر اس پر بھی
 کفایت نہ سمجھی جائے تو صاحب جزئیۃ رد المحتار کے اس قول سے جو حرم الکلی ماہر تحریرہ نسب و مصاہرۃ و
 رضاعاً یعنی چیزیں اور بگنڈیں وہ سب نسباً و مصاہرۃ و رضاعاً حرام ہیں کے تحت میں واقع ہو ملاحظہ ہو اور وہ یہ کہ مقتضی قول
 والکل رضاعاً مع قولہ سابقاً ولو من نواحیہ فروج المزیۃ و اصلہا رضاعاً و فی القہستانی شرح الطحاوی عدم
 المحرمۃ ثم قال لکن فی النظم وغیرہ انہ یحرم کل من الزانی و المزیۃ علی اصل الآخر و فرعہ رضاعاً و مقتضی تفسیر بالفرج و الاصل انہ
 لا خلاف فی عدم الحرۃ علی غیرہما من المواتیۃ کا لآخر و انہما سکاتول والکل رضاعاً اگر لکھ قول ولومن زنا اگر ملایا جائے تو نتیجہ
 نکلتا ہے کہ رضاعۃ فروع و اصول مزیۃ بھی حرام ہیں قستانی میں شرح طحاوی سے عدم حرمت نقل کی ہے اور کہا ہے نظم میں ہے
 کہ زانی اور مزیۃ میں سے ہر ایک دوسرے کے رضاعی اصل و فرع پر حرام ہے فروع اصل کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے
 متعلقین پر مثلاً حیا اور بھائی پر حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے مجیب نے لکھا ہے قولہ وبعض محسب خلاف آخر
اقول اس تقریر کو صاحب بحر نے ذکر کیا ہے لیکن صاحب رد المحتار نے اسکو فتح القدیر کے محل کلام سے یوں رد کیا ہے
 ان فی حرۃ الرضیۃ بلین الزنا علی الزانی و لکن اہل الصلوٰۃ و فروعہ وایتین کما صرح بالقہستانی فیضاوان لا وجہ فرایۃ
 عدم الحرۃ وان طاف الخ لاصۃ من اٹھا الوارضۃ لا بلین الزانی تحرم علی الزانی مرد و ولان المسطور فی الکتب
 المشہورۃ ان الرضیۃ بلین غیر الزوج لا تحرم علی الزوج و ما فی الفتاویٰ و اختلاف فی المشاہیر من الشروع لا یقبل ہذا
 تقریر کلام القیم و قد وقع فی فہم خط کشیدہ نادعا فی البحر من ان محل الخلاف اصول الزانی و فرعہ لا محل للزانی اتفاقاً زانی
 اور اصول و فرع زانی پر زنا کا دودھ پینے والی لڑکی کی حرمت میں دور وایتین ہیں جبکہ اسکی تصریح قستانی نے بھی کی ہے
 اور وجہ روایت عدم حرمت ہے اور یہ جو خلاصہ میں ہے کہ اگر زانی کے سوا دوسرے کا دودھ پلایا تو بھی زانی پر لڑکی حرام ہوگی
 غیر مقبول ہے کیونکہ کتب مشورہ میں یہ لکھا ہے کہ غیر زوج کا دودھ اگر عورت کسی لڑکی کو پلا دے تو وہ لڑکی زوج پر حرام نہیں
 ہوتی اور فتاویٰ اگر مشاہیر شروح کے خلاف ہوتے ہیں تو مقبول نہیں ہوتے یہ کلام فتح کی تقریر ہے لیکن اسکے سمجھنے میں

ہے گڑبڑ ہو گیا ہے چنانچہ مجرمین اس سے یہ مطلب لیا گیا ہے کہ محل خلاف اصول و فروع زانی ہیں خود زانی کیلئے اتفاق
 حلال نہیں ہے کہیں معلوم ہو کہ اس قول میں فقہاء کے وہی دو قول ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اور میسر قول انکے کلام سے
 ثابت نہیں ہے **قولہ** اور بعض کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ لیس زنا اگر **اقول** یہ اسی گروہ کا قول ہے جو ضیعتہ لیس زنا
 کو زانی اور اس کے اصول و فروع پر حرام کہتے ہیں اور باوجود اسکے تصریح کرتے ہیں کہ اس کے بھائی اور چچا اور مامون پر
 حلال ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذر چکا ہے **قولہ** و اذنی بالذیل **اقول** سابقا تالیق الانوار سے منقول ہے کہ و فنی بالذیل عام
 حرمت ہے اور فتح وغیرہ کی عبارتیں اوپر گذرین کہ عدم حرمت اوجہ ہے **قولہ** اور اسی پر فتویٰ دینا چاہیے **اقول** جبکہ صاحب فتح
 اور صاحب بحر اور صاحب نہروغیرہ محققین حنفیہ کا قول عدم حرمت پر موجود ہے تو اب کچھ رائے دینے کا موقع باقی نہیں رہا
 رد المحتار میں بحر سے نقل کیا ہے ان شاء اللہ اختلاف التصحیح و الفتویٰ فالجلی بما وافق المتن اولیٰ و کذا لو کان احداً فی الشرح
 والاخر فی الفتاویٰ لما صرحوا بغير من ان نافی للمتون مقدم علی طافی الشرح و ما فی الشرح مقدم علی طافی الفتاویٰ کیونکہ
 عند التصحیح تصحیح کل من القولین لیس فی النص صریحاً اصلاً اما لو ذکر مسئلۃ فی المتن لو صرحوا تصحیحاً بابل حرمہ تصحیح
 خلافاً فقد افاد العلامة قاسم بن حبیہ الثکا لا تصحیح صحیح اور فتویٰ میں اختلاف ہو تو جو متن کے موافق ہو اس پر
 عمل کرنا چاہیے اسطرح اگر ایک شرح میں اور دوسرا فتاویٰ میں ہو دیکھنے اس وقت شرح پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ یہ امر
 مصرح ہے کہ متن شرح پر اور شرح فتاویٰ پر مقدم ہیں لیکن یہ اس وقت ہے جب دونوں کے صحیح ہونے کی تصریح ہو یا مطلقاً تصحیح
 نہ لیکن اگر متن کی تصریح کی تصریح ہو بلکہ اسکے خلاف کی تصریح کی تصریح ہو تو علامہ قاسم نے کہا ہے کہ دوسرے کو ترجیح دینا چاہیے
 کیونکہ اسکے صحیح ہونے کی تصریح ہے اور ظاہر ہے کہ لیس زنا کا حلال کے مثل ہونا اگرچہ متن اور بعض فتاویٰ میں مذکور ہے لیکن
 شرح محققین نے عدم حرمت کے قول کو مفتی بہ کہا ہے اور ارباب متن نے حرمت پر فتویٰ نہیں لکھا ہے بلکہ صرف لیس زنا
 کا حلال لکھنے پر کفایت کی ہے پس ضروری ہے کہ شرح کا فتویٰ معتبر ہو اور اربعین کے موافق فتویٰ دیا جائے نہ لیس زنا
 کا حلال پر جو فتویٰ سے سری ہے **قولہ** کہ یہ کھیل میں ثابت ہے **اقول** تعاضل میں متعاضلین کی مساوات شرط ہے اور انھیں
 فیہ میں علت کی دلیل قوت دہتی ہے جیسا کہ عبارات سابقہ سے واضح ہے اور دلیل حرمت ضمیمہ ہے جیسا کہ ہم ثابت کریں گے پس
 تعاضل نہیں ہوا اور تحریم کی ترجیح بھی نہیں پائی گئی **قولہ** اسی لیے زید کے بھائی کا نکاح اس لڑکی سے جائز نہیں ہے **اقول**
 یہ عدم جواز کا حکم بنا بر مذہب حنفیہ جو دلائل سے مستغنی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ جملہ فقہاء اس قول پر متفق ہیں کہ زانی کے بھائی
 اور چچا اور مامون پر یہ لڑکی حلال ہے اور جو تحریم کا حکم دیتے ہیں وہ اس حکم کو زانی اور اس کے فروع و اصول کے ساتھ مخصوص
 کرتے ہیں جیسا کہ بحر اور رد المحتار وغیرہ میں ہے اور اگر عدم جواز کا حکم تصریحات فقہائے حنفیہ سے قطع نظر کر کے دیا گیا ہے

پس اُس میں گفتگو نہیں ہو کہ نہ کس اُس مذہب خفیہ کے موافق حلت اور حرمت کے حکم کا تفسیر کرتا ہو نہ مجرد عقل قول اول یہ کہ در مختار میں ہے **اقول** صاحب در مختار نے لوعن زنا کی زیادتی میں منخ الغفار کی اتباع کی ہے اور صاحب انفسار نے اُسی بحر کی عبارت سے جو مجیب نے نقل کی ہے اخذ کیا ہے اور صاحب بحر نے فتح القدیر سے نقل کیا ہے اور یہ عبارتیں فصل الحرات میں واقع ہوئی ہیں اور خود صاحب فتح اور صاحب بحر نے کتاب الرضاع میں ولیدہ زنا کو عم اور خال زانی پر حلال بتایا ہے اور اسی قول کو او جب لکھا ہے وہیں معلوم ہوا کہ فصل الحرات کی عبارتیں مشہور کے موافق ہیں اور معتدٰی اقوال ہیں جو بحث رضاع میں واقع ہیں فان المسألة اذا كانت محترقة موضع بغير علامة فتوى كان خلافاً لمصنف في موضع اخر وفي الفتوى كان للاعتقاد على هذا اذا كان لا يخفى على من طالع رسم الفتوى کیونکہ جب مسئلہ کی بلا علامت فتویٰ کسی جگہ تصریح ہو اور اُس کے خلاف مع علامت فتویٰ تصریح ہو تو اسی پر تصریح پر اعتقاد کیا جائیگا نہ کسی کی جس شخص نے علامات فتویٰ دیکھے ہیں اُس پر پوشیدہ نہیں ہے اور جو فتاویٰ قاضی خان میں منقول ہو اس میں علامت فتویٰ نہیں ہے و الا اعتبار لما فی المشرح کالما فی الفتاویٰ لایسا اذ کان ما فی المشرح معلماً بالفتویٰ کما صرحوا به فی مواضع جو شرح میں ہے معتبر ہو نہ جو فتاویٰ میں ہے خصوصاً جب شرح میں علامات فتویٰ بھی موجود ہوں اسکی تصریح متعدد جگہوں میں ہے قول اس عبارت کا ظاہر ہے **اقول** بیشک لیکن شرح محققین کا فتویٰ اسکے خلاف ہے اور اس مسئلہ کا ہمیدہ یہ ہے کہ باب حرمت میں قرابت کی وجہ سے بعضیت معتبر ہو حقیقہ اور چونکہ ولیدہ زنا حقیقہ جز زانی ہے وہیں اُس پر ضرور حرام ہوگی لیکن چونکہ شرعاً بعضیت غیر معتبر ہے لہذا ولیدہ زنا کا نفقہ زانی پر واجب نہ ہوگا اور نہ یہ کہ زانی سے میراث پانے کی جہل کلام یہ ہے کہ شرعاً بعضیت کے حکام اُس پر جاری نہیں ہیں پس یہ بعضیت زانی کے بھائی اور چچا اور ماموں میں منجرب شبہ بعضیت ہوئی اور وہ باب قرابت میں جب حرمت نہیں ہے **اقول** اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو نسب سے حرام ہے رضاع سے بھی حرام ہے **اقول** اگر کلیۃً مراد ہے تو غلط ہے کیونکہ فقہاء نے ایک صورت کے نسب کو اس حدیث سے مستثنیٰ کیا ہے جیسا کہ شرح وقایہ اور در مختار وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر جزئیۃً مراد ہے پس شکل اول میں منجرب نہیں ہے **اقول** دوسرے یہ کہ **اقول** اس کا کسی کو انکار نہیں ہے کہ کوئی فقیہ لبن زنا سے زانی اور اصول و فروع زانی پر حرمت ضمیمہ کی طرف نہیں گیا ہے کہ حرمت بردالت کرنے والی عبارتوں کا نقل کرنا نفع دے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگرچہ فقہاء کا ایک گروہ حرمت کی طرف گیا ہے لیکن ارباب تدقیق کے نزدیک مفتی بہ حلت ہے اور بھی ضمیمہ کی حلت برادر اور عم اور خال پر متفق علیہ ہے جیسا کہ اوپر مفصلاً گذرا **اقول** پس معلوم ہوا کہ شبہ جزاء بحر آئمہ **اقول** رد المحتار اور بحر وغیرہ سے ضمیمہ مذکورہ کی حلت برادر عم زانی پر منقول ہے اور فتویٰ نقل پر دینا چاہیے نہ عقل پر اسکی نے کہ حلت اور حرمت دریافت کی ہے تو اس سے اسکا منشا یہ ہے کہ خفیہ کے نزدیک حلت ہے یا حرمت نہ یہ کہ یہاں مفتی کا جو کچھ جی چاہے لکھ دے لہذا

اگر مسئلہ مسئلہ کا جزئیہ نہ ملے تو عقل سے استنباط ہو سکتا ہے اور احتما میں ہے البحث في المنقول غير مقبول من بحث كذا
قابل قبول نہیں ہے اس کے علاوہ فی نفسہ اس تقریر میں بھی فخر ہے کیونکہ لبن زنا اور لفظ زنا کا شرعاً اعتبار نہیں پس علم و خل
اور عاشی وغیرہ میں شہتہ بعضیہ مخبرہ شہتہ الشہہ ہوتی ہے ہایہ وغیرہ میں ہے اعتبار الشہتہ لا للنازل منها شہتہ اعتبار
ہے نہ لگا جو نہ ملے شہتہ ہو لیکن شہتہ الشہہ عاشی کیلئے موجب حرمت نہ ہوگا **قولہ** اسکے علاوہ **اقول** یہ علاوہ بالکل غلط ہے
کیونکہ جب صورت مذکورہ میں صبیہ کی جگہ صبی فرض کیا گیا تو اس پر بنت ابن الزانی کی حرمت اگر ابن الزانی سے وہی ابن
مرا ہو جو مزنیہ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس وجہ سے کہ ابن مزنیہ اس رضیع کے لیے برادر رضاعی ہے اور اس کا نسب
ام کی جانب سے ثابت ہے پس بنت ابن الزانی دختر برادر رضیع رضاعی ہے اور برادر رضاعی کی اولاد برادر رضاعی پر گرجے
دونوں کا رضاع زنا سے ہو حرام ہے کیونکہ دونوں مان کے جزو ہیں نہ یہ کہ وہ لڑکی اس صبی کی برادر زادی رضاعی ہے
قولہ تیسرے خفیہ کے نزدیک **اقول** فی الواقع نسب کے باب میں حقیقت بعضیت اور رضاع میں شہتہ بعضیت معتبر ہے
مگر چونکہ لبن حرام میں شہتہ بعضیت مخبرہ شہتہ الشہہ ہے اس لیے اس کا اعتبار نہ ہوگا **قولہ** لب ولا معارض ہے **اقول** جب
فقہاء کی عبارت میں تعارض واقع ہو تو مفتی کو لازم ہے کہ محققین کے فتوے پر عمل کرے اور چونکہ تجنیس کی تحریر پر اعلام
فقہاء نے فتویٰ دیا ہے تو صاحب درمختار وغیرہ کی عبارتوں کا تعارض جو صاحب تجنیس سے ثالث نہیں رکھتے کیا ضرر
ہو نہیگا **قولہ** ولا عبارات منقولہ کے معارض ہے **اقول** مفتی بہ اور غیر مفتی بہ کا تعارض عجائبات عالم سے ہے **قولہ** اس سے
معلوم ہوتا ہے آخر **اقول** نہیں نہیں بلکہ صاحب فتح نے بھی حرمت رضاعت کو معلل بہ شہتہ بعضیت جانا ہے لیکن شہتہ الشہہ
کا اعتبار نہیں کیا ہے ہذا ملاحظہ فرمائی من الایرادات علی الحبیب و علی اسد التوکل فی کل ما تأکلہ والیائتہ انا الراجی عفو رب القوی
ابو احسان محمد عبدالحی نجاد زاد مدین ذنبہ اجمالی و انخفی و حفظہ عن موجبات النبی **ابو احسان محمد عبدالحی** سوال
سماة محفوظین کی گود میں ایک لڑکا سسی زید شیر خوار ہے اور سماة شریفین نے ایک لڑکی ہندہ کو خا سماة محفوظین نے زید کا دودھ
ایک یا دو تین بار سماة ہندہ کو پلایا تو اس صورت میں زید اور ہندہ دودھ شریک بھائی بہن ہو سکتے ہیں یا نہیں بشرط ہونے
کے پھر اگر ہندہ کی ماں نے دوسری لڑکی زینب کو جنا جسے زید کا دودھ نہیں پیا ہے تو زید اور زینب کا نکاح ہو سکتا ہے یا
نہیں اور اگر زید و زینب کا نکاح اور اولاد بھی ہو چکی ہو تو کیا کیا جائے اور دودھ پلانے کی گواہی صرف مادر رضاعی اور مادر رضیعہ
تمام ہو سکتی ہے یا نہیں جواب دودھ پینے والے پر رضعہ کی سبب اولاد اور رضعہ کی اور اولاد جو دوسری زوجہ سے ہو
حرام ہو جاتی ہے اور دودھ پینے والے کے بھائی بہن کی طرف سے حرمت نہیں آتی لہذا زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ناجائز اور
زینب کے ساتھ جائز ہے خواہ لڑکی روایات میں ہے اذ الارضت ذل یتہ تحررہ ہذا الصبیۃ علی وجہا و علی ابائہ و اولادہ و علی

ابل الرضعة وعلى ولادة والاصل ان اقرباء المرضعة واقرباء زوجها اقرباء للرضيع واقرباء الرضيع ليسوا اقرباء للرضعة جب
 اسنے اپنا دودھ پلایا تو یہ لڑکی مرضعہ کے شوہر اور اس کے باپ اور اولاد اور مرضعہ کے باپ اور اس کی اولاد پر لازم کر دینی اصل یہ
 کہ اقربا سے مرضعہ اور اقربا سے زوج مرضعہ رضیع کے اقربا ہیں اور رضیع کے اقربا مرضعہ کے اقربا نہیں ہیں۔ اور رضاعت کے
 باب میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت رضاعت کے لئے ضروری ہے فقط مرضعہ یا مادر رضیع کا قول شہادت
 نہیں ہو سکتا مگر اس صورت میں اجتناب و تنہوا حوط ولائم ہو۔ فتاویٰ خانہ میں ہے رجل تزوج امرأة فشهدا امرأة اٹھا
 الرضعة لها تثبت الحصة بقوطها وان كانت عدالة وان تزوجها كان افضل كما لا يفرق بينهما بعد النكاح لا تثبت الحصة
 بشهادتهما فكل من قبل الكلام ایاک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور ایک عورت نے شہادت دی کہ میں نے ان دونوں
 کو دودھ پلایا ہے تو اس کے کئے سے حرمت نہ ثابت ہوگی اگرچہ وہ عورت عادل ہو البتہ علیٰ کی افضل ہے تو جیسا کہ ان دونوں
 میں نکاح کے بعد تفریق نہیں ہو سکتی اسی طرح نکاح کے پہلے عورتوں کی شہادت سے حرمت نہ ثابت ہوگی سوال ایک
 بوڑھی عورت ہے جس کا دودھ بالکل سوکھ چکا ہے اور ستر برس سے اس کے اولاد نہیں ہوئی ہے اگرچہ پستان کو زور سے ملتی ہو تو
 کوئی غلیظ چیز دودھ کی ایسی پستان کے سر پر جاتی ہے پس اگر عورت کسی لڑکے کے منہ میں پستان دے مگر اس کو کھلے یقین
 نہ ہو کہ دودھ نکلا اور لڑکے کے حلق میں گیا کیونکہ اس کے دودھ ہی نہیں ہے اور جو لڑچ چیز پستان سے نکلتی ہے وہ بھی بہت
 زور سے ملنے سے نکلتی ہے اور عورت کو اس کا بھی یقین نہ ہو کہ وہ لڑچ شی مخل کر لڑکے کے حلق میں اتاری پس حرمت ثابت
 ہوگی یا نہیں جواب اگرچہ اسے اور عجزہ کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے مگر صورت سوال میں عدم یقین
 کی وجہ سے حرمت ثابت نہ رہے گی۔ اشباہ میں ہے ولو كان في المحرمه شك لم يعتبر ولهذا قالوا لو اذلت المرأة حلماتها في فم
 رضیعة ووقع الشك في وصول اللبن جوفها لم تحرم لان المانع شك كما في الاول والبعید فی لقیئہ امرأة كانت تعطی لبنها صبية
 واستقر ذلك فيما بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن حين اقمعتها ولا يعلم ذلك الا من جثتها جاز لا ينہا ان يزوج هذا الصبية
 اگر حرمت میں شک ہو تو معتبر نہیں ہے یا سیو جہ فقہا کہتے ہیں مگر کسی عورت نے بہتاد دودھ کسی شیر خوار بچے کے منہ میں ڈالا اور
 بیٹھ تک دودھ ہو پونچے نہیں شک ہوا تو اس سے حرمت ثابت نہیں کیونکہ مانع کا شک مثل شک ولو جیت کے ہے اور فقیہ
 میں ہے کہ ایک عورت نے ایک بچے کو اپنا دودھ چسایا اور یہ بات عام طریقے سے مشہور ہو گئی پھر اس نے کہا کہ جب میں نے دودھ
 چسایا تھا تو میرے دودھ نہ تھا اور اس کا علم اس کے والد اور کسی کو نہیں ہو سکتا تو اس کے لڑکے کیلئے جائز ہے کہ اس لڑکی کیساتھ شادی
 کرے سوال ہندہ نے اپنا بام رضاعت میں زینب کا دودھ جو اس کے شوہر سے تھا یا عرصہ کے بعد زینب نے زینب سے زنا
 کیا پس یہ نکاح ہندہ کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں جواب اس میں فقہاء اختلاف ہے بحر الموائع اور جامع الترمذی کی عبارتوں سے

حرمت ثابت ہوتی ہے بحر الرائق میں ہے والجرمۃ المصاحۃ المحرمات لکن جرمۃ المرأة علی اصول الزانی وفروعہا بوضاحت وصرح
اصول وفروعہا علی الزانی نسبتاً اور ضاعاً کا فی الوطی المحلل حرمت مصاہرت چار مرتبہ ہر ادھین عورت کا نسبی رضاعی اصول و
فروع زانی پر حرام ہونا اور عورت کے اصول فروغ کا زانی پر حرام ہونا جیسا کہ وطی حلال میں ہے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے
قد ضامن فروخ المرنی لمن الرضاع حرام علی الزانی لکذا قال فی الخلاصۃ وکذا الولد یحلی من الزنا وارضعت لابلین الزنا
فاختصر علی الزانی کا تحریم بنتھا من النسب علیہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زنی بہا رضاعی فروع زانی پر حرام ہیں جیسا کہ ظاہر میں ہے
اسی طرح اگر زنا سے حاملہ نہیں ہوتی اور نہ ناکا وودھ نہیں پلایا تو بھی وہ زانی پر حرام ہو جائیگی جس طرح کہ حقہ کی ایک حرام ہو جاتی ہے اور جامع الزور
ہے لکن فی التظم غیر محرم کل من الزانی و المرنیۃ علی اصل الآخر و فرعہ رضاعاً لیکن نظم وغیرہ میں ہے کہ زانی و مرنیۃ میں
ایک سر کی رضاعی اصول فروع پر حرام ہو جائے اور قصاص مختار نے لکھا ہے الوطی شہدہ کالحلال قبل وکذا الزنا والا وجملاً + فتح +
شہدہ میں جو دی ہو جائے وہ حل ہے بعض نے نزدیک ہی حل نہ کیا ہے اور انسب یہ ہے کہ نہ ناکا یہ حال نہیں ہے جیسا کہ فتح میں ہے اور
اسی قول کی شرح میں صاحب والختار لکھتے ہیں وهذا حیث قال فی حد الفقهین الزنا کالحلال فاذا ارضعت بنتا حرمت
علی الزانی و ابائہ و ابائہ وان سفاوا و فی التجنیس عن الجرجانی و لعم الزانی المتزوج بها کالولودۃ من الزانی لکن لو ثبت
نسبھا من الزانی و التحريم علی اباء الزانی و اولادہ الخرنیۃ ولا جرنیۃ بنتھا و ابائہم العم و اذا ثبت ہذا فی المتولدة من الزانی فکذا
فی الموضوعة بلین الزنا قال فی الخلاصۃ وکذا الولد یحلی من الزنا وارضعت لابلین الزنا یحرم علی الزانی کا تحریم بنتھا
علیہ ذکر الوبی ان الحرۃ تثبت من جہۃ الام خاصۃ عالم ثبت النسب فتح ثبت من لای کذا ذکر الاسبیجانی و
صاحب الینایع و هو واجب لان الحرۃ من الزنا للبعضیۃ و ذاک فی الولد نفک لکنہ مخلوق من ماء دون اللب لیس
کائناً من فنیہ لکنہ فرع التغد و هو لا یقع الا بما یدخل من اعلى المعدۃ لا اسفل البدن کالحقنۃ فلا اثبات فلا حرۃ
بجہاد ثابت النسب لان النص ثبت الحرۃ عنہ و اذا تزوج عدل حرۃ الرضیعۃ بلین الزانی فعدھا علی من لیس اللب
منہ و لولا فی الخلاصۃ لان یخالف المسطور و الکثیر المشہورۃ اذ یقتضی تحریم بنت الرضیعۃ بلین غیر الزوج
علی الزوج با طریق الاولی اتھی کلام الفتح ملخصاً و حاصلہ ان حرۃ الرضیعۃ بلین الزنا علی الزانی وکذا علی اصلی فروعہ و ایتین کما صرح
بالفہم ایضاً و ان الاوجہ ایتعد الحرۃ و ان فی الخلاصۃ و ذکر ان المسطور و الکثیر المشہورۃ ان الرضیعۃ بلین غیر الزوج کا تحریم علی
الزوج و کلام الخلاصۃ یقتضی تحریمہا لا اولاد و ذاک فی الفتاوی و اخالف فی المشاہیر من الشرح لایقبل ہذا تفریکاً لمر الفہم و قد وضع فی
خطب کثیر منہ ادعاء فی الجرح من ان محل الخلاف اصول الزانی و فروعہا لا یحل لکن اتفاقاً و اصل کا قال فی البحر المعتمد
فی المناہب ان لبن الزانی لا یتعلق بہ التحريم و ظاہر المعارج و الخانیۃ ان المتعبد بثبوته قلت و ذکر

فی شرح المنیۃ ان لا یعدل عن الدلیۃ اذا وافقتہا رواۃ وقد علمت ان الوجه مع رواۃ عدم التحريم
 یہ اسوجہ سے ہو کہ صاحب فتح نے کہا کہ لیکن زنا مثل حلال کے ہو لیکن اگر لیکن زنا کسی لڑکی کو بلایا تو کسی وجہ سے وہ لڑکی زانیہ
 اُسکے کہا ورنہ اگرچہ وہ نیچے درجے کے ہوں اور تحنیں میں جرجانی سے نقل کیا ہے کہ زانی کے چچا کو اُسکے ساتھ لگا
 کرنا حرام نہیں ہو جس طرح کہ زنا سے جو اولاد پیدا ہو کیونکہ زانی و اُسکا نسب بھی ثابت نہیں ہوا تاہا اور بنا زانی پر تحریر ہوا
 جو نہایت کیوجہ سے ہو اور اُس لڑکی اور عم زانی میں جو نہایت متحقق نہیں ہو اور جب یہ اُس لڑکی کے متعلق متحقق ہو جو زنا سے
 پیدا ہوئی ہو تو اُس لڑکی میں بھی متحقق ہوگا جسکو زنا کا دودھ پلایا گیا ہو خلاصہ میں یہی سبب ہے اگر وہ زنا سے حاملہ نہیں ہوئی
 اور لڑکی کو دودھ پلایا جو زنا کا تھا تو وہ زانی پر دوسری اسی حرام ہوگی جیسے زانیہ کی لڑکی اور وبری نے کہا ہے کہ حرمت ان ہی
 کی جانب سے ثابت ہوئی ہے جبکہ نسب نہ ثابت ہو اور جب نسب ثابت ہو جاتا ہو تو اب کی طرف سے حرمت ثابت ہوتی
 ہو ایسا ہی ایسی جانی اور صاحب بنا بیچ نے کہا ہے یہ نسب ہی کیونکہ زنا کی وجہ سے جو حرمت ہوتی ہو اُسکی علت بعینیت ہو اور
 یہ خود اولاد میں ہو کیونکہ وہ خود اُسکی منی سے پیدا ہوتی ہو نہ کہ دودھ سے کیونکہ دودھ اُسکی منی سے نہیں بنا ہوا بلکہ وہ غذا
 کی فرع ہو اور تغذی اُنہیں چیزوں سے ہوتی ہو جو اعلاے معدہ سے آئیں نہ اُن سے جو فضل بدن سے داخل ہوں جیسے
 حقہ تو اب جو نہایت نہ ثابت ہوگی لیس حرمت بھی نہ ثابت ہوگی برخلاف ثابت النسب کے اسلئے کہ نفس نے حرمت کو
 ثابت کر دیا ہو تو جب ترجیح اسکو ہو کہ زانی کے زنا کا دودھ جس لڑکی نے پیا ہو اُسپر وہ حرام نہ ہو تو جب اُسکے زنا کا دودھ
 نہ ہو تو بدرجہ اولیٰ یہی خلاصہ کے خلاف ہو اور جو خلاصہ میں ہو وہ کتب مشہورہ کے خلاف ہو کیونکہ اسکا مقصد یہ ہے کہ مضمون
 جس لڑکی کو غیر زوج کا دودھ پلایا ہو وہ زوج پر بدرجہ اولیٰ حرام ہو انتی کلام صاحب الفتح ملخصاً اسکا حاصل یہ ہے کہ جب
 لیکن زنا پلایا گیا ہو اُسکے زانی پر حرام ہونے اور اس طرح اُسکے اصل و فرع پر حرام ہونے میں دو روایتیں ہیں جیسا کہ قسطنطینی
 نے بھی اسکی تصریح کی ہو اور وجہ روایت عدم حرمت ہو اور جو خلاصہ میں ہو وہ غیر مقبول ہے کیونکہ کتب مشہورہ میں یہ تحریر ہے کہ
 جسے غیر زوج کا دودھ پلایا گیا وہ زوج پر حرام نہیں ہو اور خلاصہ کا کلام اسکی حرمت کو چاہتا ہو اور فتاویٰ اگر مشاہیر شریعہ
 کے خلاف ہوں تو قبول نہ کیا جائیگے ہذا فقیر کلام الفتح اسکے سمجھنے میں مبتول نے گڑبڑ کو یا ہو ملاحظہ ہو کہ جو ہر
 ہو کہ محل اختلاف مہول مفرع زانی میں اور خود زانی کے لیے مبالغہ اتفاق حلال نہیں ہو کر کے قول کا حاصل یہ ہے کہ باعتبار مذہب
 مستند لیکن زانی سے تحریم کا تعلق نہیں ہو اور مزاج و خانیکا ظاہر ہے کہ مذہب معتد ثبوت تحریم ہی میں آتا ہوں شرح منیۃ میں
 کہ جب روایت درایت کے موافق ہو تو اُس سے عدول نہ کرنا چاہیے اور تم جانتے ہو کہ روایت عدم تحریم کی روایت کے موافق ہو
 ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ضعیفین کا لانی پر قبول صحیح حرام نہیں ہو اور بھی ایک مشہور کہ لیکن کی رضی اللہ عنہ مشہور ہے

حرام نہیں ہیں رضیہ بلین غیر زانی بدرجہ اولی زانی پر حرام نہوگی اور جو نکاح صاحب نفع القدر ارباب توجیح میں سے ہیں مسلمان
اُنکا قول دھولا وجہ روایات فتاویٰ پر مقدم ہوگا جانا چاہیے کہ حرمت مصاہرت کا منشا ثبوت جو کثرت یا شبہ برکت
ہو اور وہ اس صورت میں مفقود ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجاؤز الدعن ذنبہ الہی وانحفی

باب الجواز

سوال زید نے اپنی لڑکی کو مع اسباب جمیز اُسکے شوہر کے گھر بھیج دیا اُسکے بعد لڑکی مر گئی اب زید کہتا ہے کہ اسباب جمیز
میں نے عاریت کیا تھا اور عمر و کہتا ہے کہ یہ کیا تھا میں نے کہا کہ اس کا قول معتبر ہے جواب اگر زید اشرار اور بزرگ لوگوں میں سے ہو تو اس کا
قول معتبر نہیں ہے اور اگر اوساط الناس سے ہو تو اس کا قول معتبر ہے مگر یہ کہ شوہر یہہ کو ثابت کرے۔ عالمگیری میں ہے وجہ جمیز
ابنتہ بآلہ ووجہ الابنتہ مع الجواز فی زواجها ماتت الابنتہ فادعی الالب انہ کان عاریتہ وزوجھا علیہ علی الملک اختلاف فیہ
قال بعضهم القول قول الزوج والابنتہ علی الالبہ قال الشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل وقال بعضهم القول قول الابنتہ ہوالد الضم
والملک قال رضی اللہ عنہ وینبغي ان یکون الجواز علی التفصیل ان کان الابنتہ الکرام الاشراف لا یقبل قول الابنتہ ہوالد افع
ولیس بکذلک فیما قال من حیث الظاہر کذا فتاویٰ قاضیخان ایک شخص نے اپنی لڑکی کو اپنے مال میں سے جمیز دیکر اُسکو
شوہر کے یہاں بھیجا اب جبکہ لڑکی مر گئی تو باپ کہتا ہے کہ یہ جمیز میں نے عاریت کیا تھا اور شوہر کہتا ہے نہیں بلکہ تلک دیا تھا تو
اس میں شایع کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں زوج کا قول معتبر ہے اور باپ کو بیعت قائم کرنا چاہیے اور یہی امام ابو بکر محمد بن فضل کا قول
ہے اور بعض کہتے ہیں باپ کا قول معتبر ہے کیونکہ وہی دینے والا ہے امام صاحب کہتے ہیں کہ جواب تفصیل ہو نا چاہیے اگر باپ اشرار
میں سے ہو تو اس کا قول معتبر نہیں ہے کیونکہ اُسکے ایسے لوگ عاریت دینے کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں اور اگر متوسط الحال لوگوں میں ہو تو
باپ کا قول معتبر ہے کیونکہ وہی دینے والا ہے اور بظاہر جو کچھ وہ کہہ رہا ہے جھوٹ نہ کہتا ہوگا جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔
واللہ اعلم حررہ الراجی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجاؤز الدعن ذنبہ الہی وانحفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

کتاب الطلاق

سوال اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ سے بدین وجہ ناراض ہو کہ بلا موجودگی زوجہ کے اہل برادری کے سامنے قسم کھا کر کہے کہ میں نے
زوجہ کو طلاق دی کہ اُسے میرے ساتھ جانے میں انکار کیا اُسکے بعد شوہر چھینٹیں برس زندہ رہا لیکن زوجہ سے کچھ روز پہلے نہیں
رکھا اب اُسکے مرنے کے بعد زوجہ کہتی ہے کہ اُسے میرے مواہد میں طلاق نہیں دی تھی شرعاً طلاق مانی جائیگی یا نہیں جواب
طلاق مان لیجائیگی طلاق میں زن و شوہر کا مواہد شرط نہیں ہے بلکہ اس وقت حیات کا علم بھی ضروری نہیں عنائہ میں ہے الزوج
بغیر ذلک اطلاق فی عالم تک حالت یہ طلاق تہما زوج کا حق ہے مساوات عورت کو اُنکا علم بھی نہیں ہوتا سہل اگر شوہر

اپنی زوجہ ہندہ کو لڑے اور ہندہ نے شوہر کے گھر آنے سے انکار کیا اور زید نے قسم کھائی کہ ہمسے اور ہندہ سے واسطہ نہیں
اور پھر زید اپنی قسم پر تیس برس تک تاوقت مرگ قائم رہا تو طلاق ہوئی یا نہیں جواب طلاق ہو گئی و اسد علم کتبہ
ابو الجیش محمد مہدی عفا اللہ عنہ ہو المصوب اس لفظ سے طلاق نیت سے ثابت ہے خزانة المفتیین میں ہے و لوقال
لم یبق بدیتی بدینک علی وانا بروی من نکاحک و ابعدک عنی فتویٰ الطلاق یقع اگر یہ کہا کہ مجھے تجھ سے کوئی کام نہیں ہے
یا میں تیرے نکاح سے بری ہوں یا اپنے کو مجھ سے دور رکھ اور طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائیگی و اسد علم حرر دار الحی
عفور بالقوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاج و اسد عن ذہبہ الحلی و انحفی ابو الحسنات محمد عبدالحی سوال زید نے غصہ میں
اپنی زوجہ کو طلاق دی اس طرح کہ تین بار لفظ طلاق زبان سے کہا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں الوداع ہوئی
تو اب کیونکر اُسکے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جواب ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں اب بدون حلالہ کے اُسکا نکاح زید کے
ساتھ درست نہیں ہے سوال زید نے اپنی زوجہ کی خالہ سے بحالت غصہ جو بوجہ تکرار سابق مابین زن و شوہر کے بٹھرا ہوا
تھا کہا کہ اُس سے یعنی زوجہ سے کہہ دو کہ ہننے اُسکو آج کی تاریخ سے طلاق دی طلاق دی اُسکی زوجہ کی خالہ نے کہا ایسی
بات منہ سے نہ نکالو یہ فتویٰ و حدیث کی بات ہے تو زید نے کہا فتویٰ اور حدیث کو طاق پر رکھو ہننے اُسکو طلاق دے طلاق
دی پھر زن و شوہر کے پاس کچھ گفتگو کھانے پینے کی رہا کی اب زید طلاق دینے سے انکار کرتا ہے اور اُس طلاق کو اُسکی زوجہ
اور اُسکی خالہ اور چند اشخاص زوجہ کی برادری والوں نے خود سنا تھا پس اولاً انروے مذہب حنفیہ زید کا یہ کہنا کہ طلاق میں
وی معتبر ہوگا یا یہ قول عورت کا کہ طلاق دی ہر مانا جائیگا اور اگر طلاق واقع ہوگی تو کون طلاق واقع ہوگی اور پھر زن و دون
میں معاشرت کی کون صورت ہے یا زید کا یہ کہنا کہ فتویٰ اور حدیث کو طاق پر رکھو ارتداد کا کلمہ سمجھا جائیگا اور وہ مرتد مانا جائیگا
اگر ایسا بھی ہو تو زید پھر اسلام لا کر اُس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں جواب یہ قول کہ فتویٰ اور حدیث کو طاق پر
رکھو موجب ارتداد و کشف الوقایہ میں ہے اگر گوید من نماز الرباط نہاد و یکفر کذا فی خزانة المفتیین اگر کہے کہ میں نے
نماز کو طاق پر رکھا تو کافر ہو جائیگا جیسا کہ خزانة المفتیین میں ہے۔ اور بھی اُسی میں ہے و لوقال شرعیت راجعہ کم یکفر اگر کہا
میں شرعیت کو کیا کروں کافر ہو جائیگا۔ اور عالمگیری میں ہے و لوقال با من شرعیت و این جیلا سموند ر و لوقال و شرع
نرو و لوقال شرعیت چه کم فہذا کلمہ کفر اگر کہا میرے ساتھ شرعیت اور یہ جیلے فائدہ نہیں رکھتے یا کہا چل نہیں سکتے
یا کہا شرعیت کو میں کیا کروں تو یہ سب کفر کے کلمے ہیں۔ پس زید پر ان کلموں کے کہنے ہی ارتداد کا حکم دیا جائیگا اور
ارتداد سے فی الفور نکاح فسخ ہو جائیگا جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں ہے و ارتداد احدھا فسخ فی الحال دو میں سے کسی ایک کے مرتد
ہونے سے نکاح فسخ ہو جائیگا اور جو کفر نہ ہو جانے سے پہلے وہ دوبار طلاق دے چکا تھا وہ یہ فسخ حکم طلاق میں نہیں ہے

اور بعد از تلاق کے جو دومرتبہ اُسے طلاق دی اُسکا نکاح باقی نہ رہنے کی وجہ سے اعتبار نہ ہوا ایسے از سر نو اسلام لاکے شخص تجدید نکاح کر سکتا ہے **سوال** (۱) طلاق عربی لغت ہر اسکے معنی چھوڑ دینے کے ہیں پس اس صورت میں اگر زوج اپنی زوجہ کو بلنت ہندی کے کہہنے تکھ کو چھوڑ دیا اور پھر زوج سال و دو سال تک نان و نفقہ یا اور کسی طور سے زوجہ کا پرسان حال نہ ہوا تو زوجہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں (۲) جبکہ زوج نے اپنی زوجہ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور آپ و دراز سفر کو چلا گیا اور زوجہ اپنے میکے چلی آئی اور دو سال یا اس سے زیادہ زمانہ گزر گیا کہ زوج کبھی پرسان حال نان و نفقہ یا خط کتابت سے زوجہ کا نہوا پس آیا ایسی حالت میں زوجہ کے والدین کو اختیار ہوگا کہ نکاح جو زید کے ساتھ ہوا ہو اُسکو فسخ کر کے دوسرے کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں یا نہیں (۳) زن منکوحہ اپنے خاوند کے گھر سے چل جائے اور علی الاطلاق ہر ایک کے ساتھ زندہ کرے اور اُسکو اپنا شمار بنالے اور اس حالت سے ہر خود و کلان بلکہ زوج بھی واقف ہوا اور ہر پہنچ سات برس کا زمانہ بھی گزر جائے اور زوج نے زانیہ زوجہ سے کچھ سروکار بھی نہ رکھا ہو اگرچہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہو تو زوجہ مطلقہ ہوگی یا نہیں اور مہر پلنے کا اُسکو حق حاصل ہوگا یا نہیں (۴) جبکہ زن منکوحہ بلا اجازت شوہر کے گھر سے نکال کر اپنے میکے یا ایک قریب سے دوسرے قریب میں چلی جائے۔ تو آیا ایسی حالت میں دین مہر زوجہ مذکورہ کا جو زوج کے ذمے ہو باطل ہوگا یا نہیں **جواب** (۱) اس لفظ سے کہہنے تکھ کو چھوڑ دیا طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ یہ لفظ طلاق کے صریح معنی ہیں (۲) اس صورت میں جب تک شوہر طلاق نہ دے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا (۳) اس صورت میں جب تک شوہر طلاق نہ دے عورت مطلقہ نہیں ہو سکتی اور مہر شوہر پر واجب لاوا ہوگا (۴) ایسی حالت میں زوجہ کا نان و نفقہ زوج کے ذمے سے ساقط ہو جائیگا **سوال** زید نے اپنی بدخوار عورت سے کہا لفظ واحدین طلاق ہو طلاق ہو تو اب اسے بوجھا کہ تم نے کتنی طلاقیں دی ہیں اُسے کہا صرف ایک طلاق کی تائید میں باقی لفظوں کو میں نے ادا کیا ہے پس معلوم ہونا چاہیے کہ عورت پر ک طلاقیں واقع ہوئیں **جواب** اس صورت میں اُسکی تصدیق فیما بینہ و بینہ اسکی جائیگی لیکن قاضی اسکو تسلیم نہ کرے گا۔ درخماز میں ہو کہ لفظ الطلاق وقع الکلام ان نوی المتاکید دین اگر لفظ طلاق کو مکرر کہا تو سب واقع ہوگی (جبئی مرتبہ کہا ہو) اگر اُسے تاکید کی نیت کی ہو تو دینا اُسکی تصدیق کی جائے گی **سوال** ایک شخص کی چار بیبیاں ہیں اور چاروں ایک ہی مکان میں موجود ہیں دروازہ بند تھا شوہر نے باہر سے پکارا کسی بی بی نے اندر سے جواب دیا اور جواب دیکر چپ ہو گئی صبح کو مرد نے کہا کہ جس بی بی نے جواب دیا تھا اُس پر تین طلاقیں ہیں عورتوں سے بوجھا کہ کس نے جواب دیا تھا ہر ایک کتنی کہہ رہی تھی جواب نہیں دیا تھا اب طلاق کسے واقع ہوگی **جواب** اس صورت میں اشتباہ کی وجہ سے سب وظی کرنا حرام ہے جب تک مطلقہ کی تعلیم نہ ہو جائے اشتباہ میں ہو کہ فی الاضاح المتعریف فاذا اتفقا علی ان لا یصل وحده

علیہ السلام رحمہ و لهذا لا يجوز التحری فی الفرج و اذا اطلق احکم لسانہ بعینہا ثلاثا نہیں کہا و کذا لہ ان میں کلمہ کی وضاحت
 لم یصحہ ان یقر بما احتوا غیر المطلقة اشتباہ میں اہل تحریم ہر اسی لیے تحری جائز نہیں اور جب اپنی عورتوں میں سے
 کسی ایک معین کو تین طلاقیں دین پھر بھول گیا یا ایک کے سوا سکو پہچان لیا تو اُس سے ایک سے غیر مطلقہ سمجھ کر قربت کرنا
 چاہیے۔ اور بھی اسی کتاب میں دوسرے مقام پر یہ لیا اختلطت زوجہ بغیر فلیس لہ الوطی کلا یا التحری اگر اُسکی
 زوجہ دوسری عورت سے لجا کر لینی وہ یہ نہ پہچان سکے کہ اُسکی زوجہ کون ہے تو اُسے وطی نہ کرنا چاہیے اور نہ تحری پر عمل
سوال زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کے بعد چھ مہینے تک ہندہ زید کے مکان میں رہی پھر طیب خاطر یکے میں آئی
 پھر جتنی مرتبہ زید نے ہندہ کو بلانے کیلئے آدمی بھیجا ہر بار والد ہندہ نے کسی نہ کسی حیل سے والد یا بہا تک کہ اسی طلاق
 اہل میں ایک سال گزر گیا مجبور ہو کر زید نے عدالت میں دعویٰ کیا اور ہندہ کے والد نے شرارۃ اُسی عدالت میں
 خلع اور تفریق کی درخواست دی حالانکہ زید میں کوئی وہ عیب جو موجب خلع و تفریق ہو نہیں پایا جاتا اور نہ زید خلع
 تفریق پر راضی ہے پس ایسی صورت میں حاکم وقت جبراً خلع و تفریق کر دینے کا مجاز ہے یا نہیں جواب چونکہ خلع طلاق بائن
 ہے اور طلاق بغیر رضا شوہر کے اور اُسکے حکم کے ساتھ الفاظ طلاق کے واقع نہیں ہو سکتی پس ایسے ہی خلع بھی بغیر رضا
 و قبول شوہر نہیں ہو سکتا۔ عالمگیری میں ہے شرط طلاق و حکم وقوع الطلاق للبائن کذا فی التبیین شروط
 خلع شروط طلاق ہیں اور خلع کا حکم یہ ہے کہ اُس سے طلاق بائن ہوتی ہے جیسا کہ تبیین میں ہے **سوال** زید نے اپنی عورت سے غصہ
 کی حالت میں کہا میں نے طلاق دی بیٹے طلاق ہی پس میں تین بار کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوئی یا نہیں۔ اور اگر خفی سبب
 میں واقع ہوں اور شافعی مذہب میں مثلاً واقع ہوں تو خفی کو شافعی مذہب پر اس خاص صورت میں عمل کرنے کی اجازت
 دیجائیگی یا نہیں جواب اس صورت میں خفیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہونگی اور بغیر تحلیل کے نکاح نہ درست
 ہوگا کہ وقت ضرورت کہ اُس عورت کا علحدہ ہونا اُس سے دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہوا کہ تعلیق کسی اہل امام
 کی کہے گا تو کچھ مضائقہ ہوگا اُسکی نظیر مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و عدت معتدۃ العظمیٰ جو وہ ہے کہ خفیہ عند الضرورت امام مالک
 رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں چنانچہ رد المحتار میں مفصل مذکور ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ شخص کسی شافعی عالم
 سے بوجھ کر اُسکے قوسے پر عمل کرے **سوال** حریم بحیرہ بظہار وقوع طلاق غلطہ دعویٰ تفریق ذات خود اذ وجبت مدعا علیہ بنام جو
 عدالت میں دعویٰ کر ہوئی مدعا علیہ نے طلاق دینے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں طلاق دیتا تو کوئی نہ کہی اہل برودی میں سے غلطہ
 طلاق ہوتا اور میں نے غلطی کی دستاویز دے کر لکھ دیتا تھا جانب دعوہ سے کچھ گواہ تین ہندہ پھر ضابطہ دعویٰ اور تین غیر ہندہ پھر رضی
 و عدالت میں پیش ہوئے جو تین گواہ مسلمان یہ پیش کرنا واجب تھا ہندہ نے عدالت میں سوچا کہ میں نے غلطہ طلاق دیا تھا

بدین تصریح باضافت الی الزوجہ کلام مریم مین نے تجھے طلاق دی اور مریم مین نے تجھے طلاق دی جو الہ بیان مدعی علیہ طلاق دہندہ بلفظ استشہاد اداے شہادت کی اور تین گواہ مسلمان الکی بخش و مٹھو کھن جو غیر مندرجہ عرضی دعویٰ تھے منجملہ انکے سسی الکی بخش و شخص ہو جسکا نام باجہار مریم مدعیہ لکھا گیا ہو اور مٹھو وہ شخص ہو جسکی نسبت خود مدعی علیہ نے رو بروے حاکم عدالت یہ کہا کہ اُس سے اس مقدمہ مین نسبت وقوع و عدم وقوع استشہاد کیا جائے عرض ہر سگواہ مرقوم لہد رنے رو بروے حاکم عدالت بلفظ استشہاد بدین عبارت جو الہ کلام مدعی علیہ طلاق دہندہ کلام مریم مین نے تجھے طلاق دی اور مریم مین نے تجھے طلاق دی بخطاب الی المریم زوجہ خود مریم زوجہ اپنی کو طلاق دی فقط حاکم عدالت نے ہی رسامعت شہود مذکور الصد جبکا بیان حسب تصریح بالاسند رجہ اظہار ہو بظہر ثبوت وقوع طلاق از جانب مدعی علیہ مدعیہ حسب شہادت شہود تفریق ذات مدعیہ از زوجیت مدعی علیہ حکم دیا ہنگام رجوع مرافعہ جناب مدعا علیہ حاکم مرافعہ نے رائے عدالت مسترد کر کے اپنے فیصلہ مین وجہ استرداد یہ ظاہر کی کہ منجملہ کس گواہ مدعیہ مندرجہ عرضی دعویٰ سموعہ عدالت پر بخش گواہی عدالت مین الفاظ طلاق زبانی مدعی علیہ طرح ظاہر کیے کہ مریم مین نے تجکو طلاق دی و بر سر موقع زبانی طلاق دہندہ بجائے لفظ تجھکو تجھے کہا اور چند گواہ نے عدالت مین یہ الفاظ طلاق کہ جا مریم مین نے طلاق دی و بر سر موقع بجائے لفظ جا دی بیان کیا بصورت ہذا امکانیہ زلزل بیانی موجب بطلان شہادت ہو باقی رہا بادامد ایک گواہ شرعا مضاب شہادت نہیں منجملہ کس گواہ غیر مندرجہ عرضی دعویٰ مٹھو گواہ نے عدالت مین الفاظ طلاق زبانی مدعی علیہ یوں بیان کیے کہ مریم مین نے تجھکو طلاق دی و بر سر موقع لفظ اؤ کہا و بجائے لفظ تجھکو تجھے کہا اور اسی بخش گواہ نے بھی مطابق بیان مٹھو مخالفت کی اب بجز اظہار صورت نزاعی و تشریح بیان شہود و تبیین تجویز حکام ماتحت علمائے دین کی خدمت مین یہ التماس ہو کہ اس مقدمہ مین تجویز حاکم عدالت باثبات طلاق حسب بیان شہود شرع صحیح ہو یا نہیں اور جو حکم مرافعہ نے بوجہ مصرعہ لہد رائے عدالت مسترد کی نسبت انکے شرعاً کیا حکم ہو آیا وہ مستلزم نقصان شہادت شہود حسب قاعدہ شرع در باب ثبوت وقوع طلاق ہین یا نہیں **جواب** صورت مسئلہ عنہا مین تجویز حاکم عدالت باثبات طلاق حسب شہادت شہود مدعیہ شرع صحیح ہو اور اعتراض حاکم مرافعہ در باب نقصان شہادت تجویز الکی متضمن استرداد فیصلہ عدالت ہر آئینہ غیر صحیح اسلیے کہ لفظ طلاق ہی میںے تجھکو یا تجھے زوجہ طلاق منجملہ الفاظ طلاق صریح کے ہو۔ ہر اہ مین ہر الطلاق علی ضوین صریح و کنایہ فاصیہ حق انت طلاق و مطلقہ و طلاق طلاق کی دو قسم مین صریح اور کنایہ صریح جیسے انت طالق و مطلقہ و طلاق اور جبکہ باضافت لفظ طلاق کی زوجہ کی طرح شہود ہر عامل بالغ حکم کی جانب سے بائی لگئی تو طلاق واقع ہو گئی باین روایت ہر اہ وغیرہ و اذا اضاف الطلاق الی جملہ ما و الا یعبر بہ عن الجملة وقع الطلاق لکنہ اضعیف الی محلہ مثلاً ان یقول انت طالق لان التاء ضمیر المرأة

جب طلاق کی اضافت کل عورت یا ایسی چیزوں کے جانب کی جسے کل کی تعبیر کی جاتی ہو تو طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ ان صورتوں میں طلاق کی اضافت محل طلاق کے جانب کی گئی ہو مثلاً کہا انت طالق کیونکہ تہ نوث کی تعبیر ہو۔ اور فتاویٰ حلاویہ کی روایت سے بھی یہ معانی ثابت ہو اُس میں لکھا ہو من للجواہر رجل قال لامرأته توکایک طلاق یک طلاق یک طلاق بغير حرف عطف وھے مدخل ھلصلقت ماشاء لقولہ انت طالق وھلصلقت ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا توکایک طلاق یک طلاق یک طلاق بغير حرف عطف کے اور وہ عورت، دخول بہا ہو تو عتقی طلاقین وہ شخص چاہے اس کئے سے واقع ہو سکتی ہیں جیسے اگر کہے انت طالق طالق طالق اور ایمریم میں نے تجھ کو طلاق دی یا تجھے طلاق دی اور لفظ جاریم میں نے تجھ کو یا تجھے طلاق دی یا نسل اسکے جس میں طلاق کی اضافت پائی جائے سب کا ایک ہی مطلب ہو جس سے طلاق واقع ہوگی لفظ اور لفظ کا جو کجالت پائے جانے اضافت صریح لفظ طلاق کے ایفاء طلاق میں کچھ دخلت نہیں مضافت طلاق ہی ہے یا ظاہر و جاشوہر کی طلاق ہو یا نہایت کہ نیت کی بھی ضرورت نہیں ظاہر ہو لاکر کہا جاوے ہندہ یا جاہندہ بے اضافت لفظ طلاق کے اس کی طرف تو مجبور اس لفظ کے کئے سے طلاق واقع نہوگی پس مدار وقوع صرف اثبات طلاق ہی ہو رہی لفظ اور جا کا کنا اور نہ کنا دونوں برابر ہو اس دعا کی تصدیق حموی شرح اشباہ کی اس عبارت سے بخوبی ہوتی ہو محمد ندائہ اسمہ لا یکفی وقوع طلاق عند نیت توضیح لہ لوقال ان قدم زید یا ذنب فانت طالق یا فاطمہ مثلاً کان قولہ فانت طالق خبر عن قولہ ان قدم زید فی تعلق طلاق ذنب بعد صرح فبای لفظ یقع اطلاق علی فاطمہ عند النیت لان قولہ یا فاطمہ لا یصح الا یفصح کذا اقل قولہ وقع بقولہ انت طالق حیث لو اھا نہ کان فی ذنب محض نام لیکر بکلمہ واقع طلاق کیلئے کافی نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ کسی نے کہا ان قدم زید یا ذنب فانت طالق یا فاطمہ تو اب انت طالق اب قدم زید یا ذنب کی جواب نہیں اگر ذنب پر زید کے ایسے طلاق واقع ہوگی تو فاطمہ پر کا ہے سے طلاق واقع ہوگی کیونکہ صرف لفظ یا فاطمہ سے طلاق نہیں واقع ہو سکتی ہے میں کہتا ہوں کہ طلاق انت طالق کئے سے واقع ہوگی کیونکہ اس شخص نے اس قول سے جس طرح ذنب کو مراد لیا ہو ایسی طرح فاطمہ کو بھی مراد لیا ہو۔ پس اثبات طلاق کیلئے بیان اتفاقی گواہوں کا نقل منقولہ شوہر طلاق دہندہ میں بلفظ مریم میں نے طلاق دی تجھ کو یا تجھے کہ دونوں کا حاصل ایک ہو شرعاً کافی اور رانی ہوا اور جا کے بیان کی ضرورت نہیں اس صورت میں بعض گواہ نے جو تعبیر متوالہ شوہر طلاق دہندہ کی اس عبارت سے کی کہ ایمریم میں نے تجھ کو طلاق دی یا تجھے طلاق دی اور دوبارہ برسر موقع اس عبارت سے تعبیر کیا کہ جاہریم میں نے تجھ کو یا تجھے طلاق دی اور بعض گواہ نے اس عبارت سے تعبیر کی کہ ایمریم میں نے تجھ کو طلاق دی اور برسر موقع لفظ نکاح لکھا اور تجھ کو کی جگہ تجھے ظاہر کیا یعنی مریم میں نے تجھے طلاق دی یہ سب گواہ اہل شہادت اثبات طلاق یا اضافہ میں کہہ رہی ہست طلاق ہو متفق لفظ و لفظ ہیں تمام

صوت نقل لفظی و لفظ جاوید و نیز لفظ جملہ و جملہ میں ہر کہ دونوں کا حامل خطاب ہو اور دونوں ایک ہی معنی میں ہونے
 جاتے ہیں اور بیان لفظی اور لفظ جا کا ایک امر زائد و غیر ضروری ہر سلب عدم و اصل شہادت میں داخل نہیں اور نیز لفظ
 مریم میں نے جملہ و طلاق ہی موافق وہم معنی اور مریم میں نے تجھے طلاق دی بخلاف حوت ندا کہ یہ اور حذف ندا کی صورت
 میں بھی معنی ندا کے مقدر کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یوسف اعرض عنہ الذی یوسف اعرض عنہ کذا فی التفسیر
 یوسف ان سے اعراض کر یعنی ای یوسف ان سے اعراض کر جیسا کہ تفسیر میں ہے اور شرعا اختلاف شہادت کا غیر سلب شہادت و
 غیر اصل شہادت یعنی امر زائد و غیر ضروری ممکن التوفیق میں مانع قبول شہادت نہیں ہے بلکہ اصل دعا کا مثبت ہے۔ کفایہ شرح
 ہر ایہ میں ہے کہ اختلاف فیما لیس منسبہ للشہادۃ اذا کان علی وجہ یکن التوفیق کا مانع قبول الشہادۃ غیر سلب
 شہادت میں اختلاف جبکہ ممکن التوفیق ہو مانع قبول شہادت نہیں ہے۔ اور فصول عمادی میں لکھا ہے القاضی اذا سال عن
 الشہود قبل المدعوی من لون الدلیلۃ المدعۃ فقالوا کذا ثم عند الدعوی شہودا علی خلاف ذلك اللون تقبل
 لان القاضی سال الشہد عما لا ینکون الشاہد بیانہ فکل فی کفرہ وعدہ بمنزلة قاضی نے شاہدوں سے قبل مدعو کے
 پوچھا کہ اُس جانور کا رنگ کیسا تھا تو انھوں نے ایک رنگ بتا دیا پھر جب مدعو کے وقت شہادت دی تو دوسرا
 رنگ بتایا تو یہ شہادت قبول کر لی جائیگی کیونکہ قاضی نے شاہد سے وہ بات پوچھی جس کا بیان ضروری نہیں ہے تو
 اُس کے ذکر اور عدم ذکر کا حکم ایک ہی ہوگا۔ اور اکثر کتب معتبرہ فقہیہ سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے بالجملہ نامی روایات معتبرہ
 منقولہ سے واضح ہے کہ صورت مسئلہ مسئول عنہا میں تجویز حکم عدالت کی متضمن اثبات طلاق و تفریق مدعیہ شرعاً صحیح ہے اور حاکم
 مرافعہ کا اعتراض ہرگز مستلزم نقصان شہادت شہود مدعیہ نہیں پس انکی تجویز بابت استر واد فیصلہ عدالت ضرور
 غیر صحیح ہے و اللہ اعلم و علامہ مسیح رحمہم کہتا ہے یہاں پر اصل کتاب میں بھی معنی کا نام تھا مگر انہیں لکھا گیا انتہی ہر موصوفہ
 فی الواقع اس صورت میں حکم وقوع طلاق صحیح ہے اور اختلاف شہود امر زائد میں مضر نہیں۔ تنقیح فتاویٰ جامدیہ میں ہے
 فی الا نقروی الشہادۃ لو خالفت الدعوی زیادۃ لا یختلیم الا اثباتھا او نقصان کذا فان ذلك لا ینع قبولھا انقروی
 میں ہے اگر شہادت خلاف دعوی ہو اور اُس مخالفت کا باعث کوئی ایسی کمی یا زیادتی ہو جس کے اثبات کی احتیاج نہ ہو تو یہ امر
 مانع قبول شہادت نہیں ہے و اللہ اعلم و اللہ العزیز عفور الباقی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجا و الزمرن ذنبہ الحلی و الخفی سوال
 ترمذی کے باب ما جاز فی الخلع میں ہے عن الربیع بنت معوذ بن عمرو انھا اختلفت علی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فاموا النبی صلی اللہ علیہ وسلم او امرت ان تعد بحضۃ و عن ابن عباس ان امراة ثابت بن قیس اختلفت من زوجھا
 علی محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاموا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعد بحضۃ یح بن معوذ بن عمرو سے مروی ہے کہ انھوں نے

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خلع کیا تو اپنے انکو حکم دیا یا انکو حکم دیا گیا کہ وہ ایک حصّہ عت بنیں اور حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہو کہ ثابت بن قیس کی بی بی نے حضور نبی کریم علیہ التَّحِیۃ والتَّسْلِیْم کے زمانے میں خلع
کیا تو آپ نے اُنکو ایک حیض عدت ٹٹھنے کا حکم دیا۔ اسکے بعد یہ عبارت لکھی ہے واختلف اهل العلم في عدة المختلعة فقال
اکثر اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم ان عدة المختلعة عدة المطلقة وهو قول الثوري اهل الكوفة وبه
يقول احمد السفيق قال بعض اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم عدة المختلعة حيضة قال الصحيح من ذهب
ذاهبا هذا فهو مذهب قوي اهل علم نے خلع لینے والی عورت کی عدت میں اختلاف کیا ہے اصحاب نبی میں سے اکثر اہل علم کا
خیال یہ تھا کہ اسکی عدت وہی ہے جو مطلقہ کی عدت ہے یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے اور احمد اور سحنی بھی ایسکے قائل ہیں اور
اصحاب نبی میں سے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اسکی عدت ایک حیض ہے اسحق نے کہا ہے کہ اگر کوئی مذہب کو اختیار کرے تو یہ
مذہب قوی ہے۔ اور کتب فقہ میں مختلفہ کی عدت مطلقہ کی عدت کے مثل ہے اس صورت میں حدیث کے موافق ایک حیض
عدت ہوگی یا فقہ کے موافق تین حیض جواب موطا امام مالک میں جہان الی سے مروی ہے ان ام بکرہ اسلمیۃ
اختلعت من زوجها عبد الله بن اسيد ثم ابتاعها عثمان فقل هو تطليق لان تكون تحت فهو على ما سمعت ام بكر اسلمية نے
اپنے زوج عبد اللہ بن اسید سے خلع لیا پھر وہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ نے فرمایا یہ ایک طلاق ہے
البیتہ اگرچہ معین کر لیا ہے تو اسکا حکم وہی معین ہے۔ اور مصنف عبد الرزاق میں سعید بن المسیب مروی ہے ان النبى صلى الله
عليه وسلم جعل الخلع قطيعة بائنة حضرة سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کو طلاق بائن قرار دیا ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے
مراسيل سعيد لها حكم الوصل صحيح لان كبار التابعين وكبار المتقدمين قلنا يرسلوا الا هو صححا وان اتفق غيره لاحد
فمن نفع سعيد كل امرئ حديثون كما حكم صحيح بموصول حديثون كما يرى كونه كبر تابعين من يروين او كبر تابعين غير صحابي سے
بہت کم ارسال کرتے ہیں اور اگر کچھ لایا ہو بھی تو وہ ارسال ثقہ ہی سے کرتے ہیں۔ اور سنن دارقطنی اور بیہقی اور کامل بن
عری میں ایسی ضعیف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان النبى صلى الله عليه وسلم جعل الخلع تطليقا بائنا
عليه التَّحِیۃ والتَّسْلِیْم نے خلع کو طلاق بائن میں شمار کیا ہے۔ اور صحیح بخاری میں خلع ثابت بن قیس اور انکی زوجہ کے قصہ میں ہے
لانہ صدة لله عليه وسلم اقبل الخلع وطلقها آخيه باع كو قبول کیا اور انھیں طلاق دیدی۔ آن اخبار و آثار سے بھی ثابت ہے کہ
خلع حکم طلاق میں نہیں اسکی عدت بھی طلاق کی عدت ہوگی اور ظاہر قرآن بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ اور حدیث تعدد
بحیضۃ نفس مرتج اسکے مخالف نہیں ہے بسبیل سکے کاحتمال ہے کہ حیضۃ کی تنوین وحدت تنوین سوال زید نے اپنی بی بی
کو ایک مجلس میں تین مرتبہ کہدیا کہ تحیر طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے لیکن اس سے غصہ میں بلا نیست اتفاق ملتزم اور بے معنی اور

حکم سمجھے ہوئے کہا ہوں تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں یہاں بعض کہتے ہیں کہ حکم ظاہر احادیث کے مطابق واقع ہوئی اور بعض کہتے ہیں فقہائے محدثین کی تحقیق کے موافق واقع ہوئی پس آپ فرمائیں کہ اس بارہ میں چاروں مذاہب کا اختلاف ہو یا اتفاق اور کون حدیث سند ہو اور نہ واقع ہونے پر کون حدیث دلالت کرتی ہو اور پھر اس حدیث میں کیا علت تھی اور کون حدیث اسکے معارض ہوئی جو اہل مذہب نے چھوڑ دیا **جواب** جو شخص تین طلاق دے اور اس کا مقصد دونوں مرتبہ اخیر سے تاکید نہ تو اس صورت میں جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ و اکثر مجتہدین و بخاری و جمہور محدثین کے مذہب کے موافق تین طلاق واقع ہوئی البتہ بوجہ استحباب خلاف طریقہ شرعیہ کے گناہ لازم ہوگا۔ موطا امام مالک میں ہے ان رجلا قالوا لابی عباس اذ طلق امرأتی ما تہ قطلیقة فماذا اترو علی فقال لم ابن عباس طلقت منك ثلاث سنین متعینات متعینات ایات اللہ ہوا ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا میں نے اپنی بی بی کو سوطلاقین دین آپ کے نزدیک میرے اور کیا واجب ہوا آپ نے فرمایا تین طلاقین واقع ہو گئیں اور ساقی طلاق تو فی غنہ خدا کے کلام کو مذاق میں اڑایا۔ اور بھی موطا میں ہے ان رجلا جاء الی ابن مسعود فقال اذ طلقت امرأتی بثلثی قطلیقات فقال ابن مسعود نعم اذ قبل لك قال قبل لی اذ اذ قد بانئت منی فقال ابن مسعود صدقوا ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا میں نے اپنی بی بی کو دو سوطلاقین دین تو ابن مسعود نے کہا کہ تب تم سے کیا کہا گیا اُس نے کہا کہ مجھے یہ کہا گیا کہ اُسپر طلاق بائن واقع ہوئی ابن مسعود نے کہا کہ اُنھوں نے سچ کہا اور سن ابو داؤد میں ہے طلق رجلا امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها ثم بدأه ان ینکحها فجاء یستفتی عنہ بن عباس ابابھرۃ فی ذلک فقال لا نرے ان ینکحها الا ان تمکمزوجا غیرہ قال فما طلاق ایاہا واحدة فقال ابن عباس انک ارسلت ما کان لك من فضل ایک شخص نے قبل وطی اپنی عورت کو تین طلاقین دین پھر اُسے اُس سے نکاح کرنے کا قصد کیا تو اُس نے اُس معاملہ میں عبد اللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا اُن دونوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک وہ تیسے سویت تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ کسی سے نکاح کرے اُس نے کہا میں نے تو اُسے ایک ہی طلاق دی ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تو جو حق حاصل تھا تم اُس کو استعمال کر چکے اور مصنف عبد الرزاق میں عبادہ بن صامت سے مروی ہے ان اباہ طلق امرأته الف قطلیقة فان طلق عبادہ فقال رسول اللہ بانئت ثلاثی فی معصیۃ اللہ وبقی تسع مائة وسبعة وتسعون عدداً ظلم انشاء عبد اللہ انشاء عفر لہ ابو عبادہ نے ایک عورت کو ایک ہزار طلاقین دین تو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے فرمایا تین طلاقین واقع ہو گئیں اور باقی نو سو ستانوے ظلم کی ہیں جن پر چاہے خدا عذاب کرے اور چاہے بخش دے۔ اور ایسے ہی حکم کی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے و کچھ نے روایت کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس امر پر اتمام کرنا اور تینوں طلاق کے وقوع

الخامس ثم وثقوا قول الحسن البصري السادس ان صحه من مات من مرض اخر لا ترث عنه ما وقال النوري الزهري الاول وحي
واحمد واسحق ترثه ان مات قبل انقضائه عدها من الساع ترثه ويشها اذا كان لها حمل وقصد المضاة وهو قول
عروة الثامن ترثه وانتقل عدتها العدة الوفاة ما لم تنك وبقي الشيعي التاسع تعتد باعد الاصلين من ثلث
حيض اربعة اشهر وعشر العاشر ترثه قبل الدخول عليها العدة وهو قول الحسن البصري الحادي عشر ترثه اصلها قبل الدخول صاحبها وهو
قول الظاهر والجديد للشافعي القديم عند الزوج فاروق الميراث ثلثة اقوال الاول قولنا الثاني مثل قول احمد الثاني مثل قول مالك
اول يكره مرضي كي طلاق مرض موت بين واقع نهنين هو تي اسكو ابن حزم نے حضرت عثمان سے روایت کیا ہے دوسرے یہ کہ
طلاق واقع ہو جائیگی اور زوجہ اسکی وارث ہوگی بشرط قیام عدت یہ حضرت عمر اور ابن عمر اور ابن مسعود اور ابی بن کعب اور
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور غیرہ اور نخی اور ابن سیرین اور عروہ اور شریح اور ثوری اور حلو بن سلیمان اور
اصحاب خفیہ رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں تیسرے یہ کہ وہ وارث ہوگی جب تک کہ دوسری شادی نہ کرے اگرچہ عدت ختم
ہو جائے یہ ابن ابی لیلی اور احمد اور اسحق رضی اللہ عنہم کا قول ہے چوتھے یہ کہ وہ وارث ہوگی اگرچہ دس شادیاں بھی کر لے
اسے لیست لفظ مالک بن ابی حنیفہ رواہ ابی حنیفہ کما ہے یا پانچویں شہر اسکا وارث ہوگا اور وہ شوہر کی وارث ہوگی اسکے
قائل حسن بصری رحمہ اللہ ہیں چھٹے اگر وہ اس مرض سے اچھا ہو گیا پھر دوسرے مرض میں مرا تو وارث نہوگی ہمارے نزدیک
اور ثوری اور زہری اور اوزاعی اور احمد اور اسحق رضی اللہ عنہم کے نزدیک وارث ہوگی اگر انقضائے عدت کے پہلے مر گیا
ساتویں اگر حالہ ہو یا شوہر کا مقصد طلاق سے ضرر رسائی ہو تو وہ اسکی وارث اور وہ اسکا وارث ہوگا آٹھویں وہ وارث
ہوگی اور اگر نکاح نہین کیا ہو تو بجائے عدت طلاق کے عدت وفات بیٹھے شیعہ نے کہا ہوتی تین حیضوں اور چار مہینے
دس دن میں سے جو مدت نام نہ ہو وہ بیٹھے دسویں اگر غیر مدخول ہو یا غیر مدخول یہ ظاہر یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول ہے اور
رضی اللہ عنہما کا قول ہے کیا رضویں وارث نہوگی خواہ مدخول ہو یا غیر مدخول یہ ظاہر یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول ہے اور
اور ان کے قدیم قول میں زوج فارغ الارث قرار دیا گیا ہے اور میراث میں تین قول ہیں اول ہمارے موافق دوسرا امام احمد
کے موافق اور تیسرا امام مالک رحمہ اللہ کے موافق۔ اور موطا امام محمد میں ہے اخبرنا مالک اخبرنا الزہری عن طلحة بن عبيد بن عوف ان
عبد الرحمن بن عوف طلق امرأته وهو مرض فوثرها عثمان من بعد ما انقضت عدها اخبرنا مالک اخبرنا عبد الله بن الفضل
عن ابي هريرة عن عثمان انه ورث نساء ابن كحل من كل طلاق نساء وهو مرضي قال محمد بن قيس ما ومن العدة فاذا انقضت العدة
قبل ان يتفق فلا ميراث من ذلك ذكره شيبه بن نسير عن المغيرة الضبي عن ابراهيم النخعي عن شريك انه كتب اليه عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه
امرأته ثلثة اشهر وهو مرضي ان ورثها مادامت عدتها انقضت عدها فلا ميراث لها وهو قول ابي حنيفة والعام من فقهاءنا

خبر دی کہ مالک نے انکو زہری نے طلحہ بن عبد اللہ بن عون سے کہ عبد الرحمن بن عون نے حالت مرض میں اپنی بی بی کو طلاق
دی تو انکو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ورثہ دلایا حالانکہ عدت ختم ہو چکی تھی خبر دی کہ مالک نے انکو عبد اللہ بن فضال
نے اعرج سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن کمل کی بیویوں کو ورثہ دلایا جنہیں انہوں نے حالت مرض میں طلاق
دی تھی محمد نے کہا ہر کہ جو عدت میں ہوگی وارث ہوگی اور عدت موت کے قبل ختم ہو جائے گی تو وارث نہ ہوگی بشیر
نے روایت کی ہر کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قاضی شریح کو اس شخص کے مطلق جس نے حالت مرض میں اپنی
بی بی کو طلاق دین یہ تحریر فرمایا کہ حالت عدت میں وہ عورت وارث ہو اور اسکے بعد وارث نہیں ہر یہ امام ابو حنیفہ
اور ہمارے عام فقہاء رضی اللہ عنہم کا قول ہے و اللہ اعلم حررہ الراعی عفویہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحمیدی نجار از اسد عن نبی
ابلی والحنفی [ابو الحسنات محمد عبد الحمیدی] واقعی طلاق واقع ہوگی اور زوجہ عدت کے اندر ارث کی مستحق ہوگی اور ایہ
اربعہ رضی اللہ عنہم کی رائے اس مسئلہ میں مختلف ہے اور حضرت خلیفہ کرام نے ام مذکور پر فتویٰ دیا ہے اور حضرت عمر ابن عمر
اور ابن مسعود اور ابی بن کعب اور عائشہ اور مغیرہ اور ثعلبی اور ابن سیرین اور عروہ اور شریح اور ثوری اور حماد بن ابی سلمہ
علیہم رضوان الرحمن کا یہی قول ہے و اللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد بن محمد بن غفر اللہ علیہم صبح الجواب و اللہ اعلم بالصواب حررہ
نظام الدین احمد عفا عنہ اسد الاחד [نظام الدین احمد] سوال زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ مجھکو تجھے کام نہیں ہے
بعد چند مدت کے بکر سے کہا کہ ہاری شادی کرادو بکر نے کہا تمھاری ایک بی بی تو موجود ہے اب دوسری شادی کر کے کیا
کر دے زید نے کہا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی ہے تب بکر نے مجھ عام میں اپنی برادری سے کہا کہ زید نے
اپنی بی بی کو طلاق دی ہے لوگوں نے زید کو بلا کر پوچھا کیا تو نے واقعی اپنی بی بی کو طلاق دیدی ہے زید نے کہا ہاں اس
صورت میں زید کے پہلے کلام سے بطریق انشاء طلاق رجعی ثابت ہوئی پھر کیا بطریق اخبار پھر نفذ ہاں۔ یہ سب ملک طلاق
مخلطہ ہوگی یا نہیں اور تفسیر احمدی میں ہے کہ تین طلاق خواہ رجعی ہوں یا بائن صریح ہوں یا کنا یہ مخلطہ ہو جاتی ہیں جیسا
کہ یہ عموم مفید تغلیظ کر رہا ہے بطریق اخبار اور بطور انشاء مفید تغلیظ ہوگا یا نہ ہوگا جواب زید کے اس لفظ سے کہ
مجھکو تجھے کچھ کام نہیں ایک طلاق بائن واقع ہوئی عالمگیری میں ہے لو قال لم یبق بیغ بینک علی ذلک یقع کذا فی
العتابۃ اگر کسی نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھے کچھ سروکار نہیں ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر اُس نے نیت کی
ہے عتابیہ میں ہے۔ اور خبر طلاق سے اور جواب استفہام سے دوسری طلاق واقع ہوگی۔ عالمگیری میں ہے لو قال لا مراۃ
انت طالق فقال لا رجلا قلت فقال طلقها او قال قلت من طلق فقلت فی القضاء کذا فی الدائم اگر ایک
شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے پھر اُس سے کسی نے پوچھا کہ کیا کہا اُس نے کہا کہ میں نے اسے طلاق دی یا

کہا اس پر طلاق ہو تو قضا اگر ایک ہی طلاق واقع ہوگی جیسا کہ بدائع میں ہے۔ اور دالمقارین ہو لا حرج ان جعلہ ان شاء منی امكن جملہ خلع کا دل جہا تک خبر میں سکے النشانی بنائی جائیگی۔ پس اس صورت میں تجدید نکاح لازم ہے اور تحلیل کی حاجت نہیں **سوال** زید نے اپنی زوجہ کو غیر وطن میں طلاق دی اور اُس نے چند روز کے بعد بکر کے ساتھ نکاح کر لیا بکر اُس کو نان و نفقہ نہیں دیتا تھا بلکہ وہ خود محنت مشقت کر کے کھاتی تھی تھوڑے دن کے بعد بکر نے چند آدمیوں کی موجودگی میں اُس سے کہا کہ میں تیرا منہ نہ دیکھوں گا اور اگر اپنے ماں باپ کا ہون تو تجھ تک نہ آؤں گا یہ کہہ کر کسی طرف چلا گیا آیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں **جواب** صرف ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی **سوال** اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو لڑائی یا غصہ میں تین بار طلاق دے اور یہ کہے کہ اب تم بجائے میری ماں اور بہن کے بچو اور مجھ سے کچھ واسطہ نہیں ہو اسکے بعد دونوں الگ الگ ہو پھر کچھ عرصہ کے بعد چند اعزہ نے آکر ملاپ کر دیا اور صریح پہلے باہم رہ کر تھے پھر رہنے لگے تو زوجہ عقد میں شرعاً رہی یا نہیں **جواب** اس صورت میں زوجہ شوہر پر حرام ہوگئی اور اب وہ اسکے ساتھ نکاح بھی نہیں کر سکتا جب تک وہ عورت دوسرا شوہر نہ کرے اور وہ بعد صحبت کے طلاق نہ دے اور جن اعزہ نے ملاپ کر لیا وہ گنہگار ہوئے **سوال** زید نے مرنے سے فوراً پہلے بیان کیا تھا کہ مجھے اپنی زوجہ سے جو اپنے میکہ میں رہتی ہے کچھ کام نہیں ہے اور وہ میری زوجیت میں نہیں ہے بیس برس سے وہ ماں کے پاس ہے اس بیان کے بعد ایک وصیت نامہ لکھا اُس میں اُس نے ایک حصہ اُس کا بھی لکھا اور کہا کہ وہ میری زوجہ ہے اور اسکے سوا کوئی اور برتاؤ زن و شوکا باہم واقع نہیں ہوا پس وہ عورت مستحق میراث ہوگی یا نہیں اور مطلقہ مانی جائے گی یا نہیں **جواب** یہ الفاظ زید کے کنایات طلاق سے ہیں بدون نیت ان الفاظ سے طلاق نہ واقع ہوگی۔ عالمگیری میں ہے لوقال لم یبق بیتی و بینک علی ذوی یقین کذا فی العتابة اگر زوج نے زوجہ سے کہا مجھے اور تجھے کچھ سروکار نہیں تو اگر نیت کی ہے طلاق واقع ہوگی جیسا کہ عتاب میں ہے۔ اور بھی اسی میں ہے لوقال لامرأة لست لی بامرأة اوقال ما انا بزواج طلاق قال نوبت الطلاق یقع الصلح قولہ و حیثہ اگر کسی نے اپنی بی بی سے کہا کہ تو میری بی بی نہیں ہے یا میں تیرا شوہر نہیں ہوں پس اگر اُس نے نیت طلاق کا اقرار کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق بڑ جائے گی۔ اور صورت سکولہ میں چونکہ زید نے ان الفاظ کے بعد وصیت نامہ میں اُس کو اپنی زوجہ قرار دیا اس سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے طلاق مقصود تھی لہذا وہ عورت میراث پائے گی **سوال** ایک شخص نے کسی کے سامنے کہا کہ میری بی بی میری ماں کی جگہ ہے اور میرے کام کی نہیں ہے اب مجھے کچھ واسطہ نہیں پھر دوسرے روز کہا وہ اپنے فضل کی غنما ہے مجھے کچھ سروکار نہیں پھر تیسرے روز کہا کہ وہ غیر مرہ کے کام آئی اب میرے کام کی نہیں ہے ان صورتوں میں طلاق ہوئی یا نہیں

جواب اگر طلاق کی نیت کی ہو تو واقع ہوگی ورنہ نہیں **سوال** اگرچہ ہر برس کا زائد ہوا کہ نواب بگم کا کچھ عرصہ ہادی خان کے ساتھ ہوا تھا اور محمد ہادی خان نے غیر کفو کی عورت کے ساتھ تعلق کیوجہ سے کبھی زوجہ منکوحہ کی جانب نہ التفات کیا نہ انکی خبر لی۔ اور نہ زوجہ منکوحہ کو اپنے یہاں بلایا عرصہ آٹھ برس کا ہوا کہ محمد ہادی خان نے رحیم بخش اور دوسرے عورتوں کے سامنے اپنی زوجہ سے غصہ میں کہا کہ ہمسے تم سے کچھ واسطہ نہیں ہر تم جس کے ساتھ چاہو اپنا کچھ کر لو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں **جواب** اگرچہ ہر نے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق واقع ہوئی **سوال** بکر زید کا مقروض ہے اور بکر کی خیرتہ نہ نید کے کچھ میں ہر زید نے اکثر بکر سے اپنے روپیہ کا تقاضہ کیا مگر بکر نے صاف جواب نہ دیا اسوقت زید نے اپنی بی بی سے کہا کہ اب تم میرے روپیہ کا تقاضہ اپنے باپ سے کرو شاید تمہارے کہنے سے وہ دیدین ہندہ نے اپنے باپ سے تقاضہ کیا مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا پھر زید نے ہندہ سے تقاضہ کرنے کو کہا اسنے غصہ میں کہا اب میں تقاضہ نہ کرونگی زید نے بھی جھلا کے کہا اب اگر میں کہوں بھی تو تو تقاضہ کرنا اور اگر اب تقاضہ کر سکی تو پھر طلاق ہو عرصہ کے بعد زید کو خیال ہوا کہ اب اگر پھر ہندہ اپنے باپ سے تقاضہ کرے تو یقین ہو کہ وہ روپیہ مل جائے مگر اس خیال سے نہیں کہتا ہر کہ میں نے طلاق کا لفظ اپنی زبان سے نکالا تھا اور ہندہ نے بھی اس غیظ آلود گفتگو کے بعد کبھی اپنے باپ سے تقاضہ نہیں کیا اب اگر زید اپنی بی بی سے تقاضہ کرنے کو کہے اور وہ تقاضہ کرے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں **جواب** اس صورت میں اگر ہندہ اپنے باپ سے تقاضہ کرے تو طلاق رجعی واقع ہوگی **سوال** زید کی شادی بکر کی لڑکی کے ساتھ ہوئی اور زید کچھ کے وقت ہی اب تک اپنی زوجہ کا نفیل ہوا اور کہالت کے علاوہ زید کو کوئی شرعی نقص بھی نہیں رکھتا مگر زید اور بکر ایک ہی مکان میں رہتے ہیں اور بکر کی عورت اکثر کہا کرتی ہے کہ بکر نے لڑکیوں کی تقدیر پھوڑ دی اور لڑکوں کی امر زید کے خلاف مرضی ہو بلا و وہ زوجہ پر خفا ہوا تو بکر اور اسکی عورت زید سے لڑنے کو موجود ہو جاتے ہیں آخر کار ایک دن لڑائی کے وقت زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ میں نے اب تک تمکو کھانے یا کپڑے کی کوئی محبت نہیں دی مگر تمہاری ملان ایسا کہا کرتی ہیں پس جو تمہاری والدہ کہیں تم وہ کرو ہمسے اور تم سے کچھ واسطہ نہیں ہو اور اسوقت پھر زید سے اور بکر اور بکر کی عورت سے تکرار ہوئی زید نے بکر اور اسکی عورت سے کہا کہ میں اس سے زیادہ خدمت نہیں کروں گا اب تم وہ کرو جس میں تمہاری لڑکی کی تقدیر نہ ہو ہمسے کچھ واسطہ نہیں ہو اور یہ گفتگو زید نے کئی مرتبہ کی پس زید کی عورت اسکے کچھ میں رہی یا نہیں اور زید کی بی بی کا ہر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہر ہو کتنا روپیہ دینا چاہیے **جواب** اس لفظ سے اگر زید کا منشا طلاق دینے کا تھا تو تین طلاق واقع ہوئی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہر کہ روپیہ سے کچھ زائد چاندی ہو زید کو چاہیے کہ ایک سو نو روپیہ ادا کرے **سوال** ایک شخص نے ایک آدمی سے کہا تم اپنی لڑکی کے ساتھ ہمارا تعلق کر دو لڑکی کے باپ نے

کہا تمہاری زوجہ منکوحہ موجود ہے ہم اپنی لڑکی کے ساتھ تمہارا نکاح کرینگے اس نے جواب دیا کہ میری زوجہ منکوحہ قریب بکرگن
 یقین ہے کہ امر فرود میں مرجائی لڑکی کے باپ نے کہا تب ہم اپنی لڑکی کے ساتھ تمہارا نکاح بھی کر دیں گے اسکے بعد
 اُس مرد کے باپ نے جو نکاح کا طلب کیا تھا کہا کہ ہم اپنے بیٹے سے چار آدمیوں کے سامنے اُسکی زوجہ منکوحہ کو طلاق
 دلوں گے چنانچہ مرد طلب نکاح نے اپنے باپ کی مرضی کے موافق زوجہ منکوحہ کو طلاق دی اس نقطہ کے ساتھ میں وزیر
 کی بیٹی کو طلاق دیتا ہوں جو میری منکوحہ زوجہ ہو پس مرد طلاق نے اشارہ اپنی زوجہ منکوحہ کی طرف کیا اور زوجہ کے باپ کا نام
 تو طلاق کے وقت صحیح بیان کیا مگر اپنی زوجہ کا پہلی نام طلاق کے وقت نہیں لیا بلکہ طلاق کے وقت دوسری عورت کا نام
 لیا طلاق کی زوجہ کا نام راجی تھا اور اسے بوٹنی کے نام سے طلاق دی حالانکہ بوٹنی رشتہ میں اُسکی سالی ہوتی ہے اور
 طلاق کے وقت چار آدمی گواہ موجود تھے اور گواہ بھی اسکا اقرار کرتے ہیں کہ طلاق کے وقت اُس نے کہا میں
 اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق دیتا ہوں جو وزیر کی بیٹی میری نکاح میں ہے مگر نام میں صرف فرق کر دیا پس یہ طلاق صحیح ہوئی
 یا نہیں جواب اگر مجلس طلاق میں راجی موجود تھی اور طلاق نے اُسکی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میری یہ زوجہ طلاق ہو تو
 طلاق پر جائیگی گو اسے نام غلط لیا ہوا اور اگر راجی موجود تھی اور نہ اُسکی طرف اشارہ کیا فقط اتنا ہی کہا کہ میں وزیر کی بیٹی اپنی
 زوجہ مسماہ بوٹنی کو طلاق دیتا ہوں تو طلاق نہ پڑی۔ رد المحتار میں ہے قالوا لا تعتبر الصفۃ والسمیۃ مع الاشارة کما لو
 قال لہا امرأة بصیر فقال امراة هذه العمیاء طالق و اشار الى البصیر صفت بیان کرنا اور نام لینا مع اشارہ کے معجز
 نہیں ہے جیسا کہ اگر اُسکی ایک بیٹا عورت تھی اور اسے کہا کہ یہ زہری عورت مطلق ہو اور بیٹا عورت کی طرف اشارہ کیا تو طلاق
 واقع ہو جائیگی۔ اور اسی کتاب میں ہے لو حلف ان خرج من المصفا امرأۃ عائشۃ کذا واسمها فکمل لا ینطق اذا خرج اگر کسی
 قسم کھائی جب میں شہر کے باہر جاؤں تو میری زوجہ عائشہ طلاق ہو اور اُسکی بی بی کا نام فاطمہ تھا پس جب وہ شہر کے باہر
 جایگا تو اُس پر طلاق نہ پڑی۔ اور رد مختار میں ہے فی النہر قال فلانہ طالق واسمها کذا قال عین غیہ الدین ولو غیرہ صدق
 قضاء و علی هذا لو حلف لہ انہ یطلق امرأۃ فلانہ اسمہا غیر کذا ینطق نہر میں ہے اگر اُس نے کہا فلان عورت طلاق ہو اور اُسکا
 یہ نام ہے اور یہ کہا کہ میں نے دوسری عورت مراد لی تو دیا کہ اُسکا قول خبر ہوگا اور اگر نام بھی بدل دیا ہے تو قضاء اُسکا قول متبر ہوگا
 اسی طرح اگر قرضدار سے اپنی فلان عورت کی طلاق کی قسم کھائی اور اُس عورت کا نام دوسرا تھا تو طلاق نہ پڑے گی و اما علم حوزہ
 الدجی غفور بالقوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تبارک و ازاد عن ذنبہ العلی و انحنی ابو الحسنات محمد عبدالحی

باب النہار

سوال ظاہر کیا ہے جواب ظاہر مطلق شرع میں اُسے کہتے ہیں کہ ذات زوجہ کو یا ان اعضا کو جن سے ذات مراد

نی جاتی ہو اور انکی طرف طلاق کی نسبت ہوتی ہے جیسے سر اور زحف وغیرہ کو میام کے اُن اعضا سے تشبیہ سے جہیز نظر کرنا حرام
 ہے جیسا کہ وقایہ اور نقایہ میں ہے اور عالمگیری میں ہے کہ ظہار ہو تو کوکہ لامرۃ انت علی کظہری او ما یقوم مقامہ افادۃ
 معنہا کہ انتی الخایۃ اذا قال لہا لاسک علی کظہری او وجہک او رقبۃک او فرجک یصیر مظاهر واذا قال لہا بد نک
 علی کظہری اور رجعت او صفک نحو ذلک من الاجزاء الشائعۃ لکذا فی البدائع اذا ذکر جزئ لا یعبر بہ عن جمیع
 البدن کالبدن الرجل لم یثبت الظہار لکن اف محیط الشہری رکن نہا نشوہ کا اپنی بی بی سے یہ کہنا، وانت علی کظہری
 یا اس کے قائم مقام دوسرے الفاظ جو اسکے ہم معنی ہوں جیسا کہ نہا یہ میں ہے اگر یہ کہا داسک علی کظہری یا وجہک یا
 رقبۃک تب بھی ظہار ہو جائیگا اور سیطرح اگر بدنک علی کظہری اور رجعت او صفک یا سیطرح اور شہوار جہر اگر کہے کہما تو ظہار
 نہوگا جیسا کہ بدلت میں ہے اور اگر کوئی ایسا جو ذکر کیا جس سے جمیع بدن کی تشبیہ نہیں کی جاتی مثلاً یہ درجل تو ظہار نہ ثابت ہوگا
 جیسا کہ محیط شہری میں ہے سوال اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا تو میری ان ہے تو ظہار ہوگا یا نہیں جواب ظہار نہوگا
 اگر نہیت ظہار۔ ابوالکلام شرح نقایہ میں لکھتے ہیں وقال انت مثل ای بدن علی فان لم یخوشیہ لایدر من شئ نہ قوطم
 وان نوی ظہار افظہار اگر مثل ای کہا اور علی نہ کہا پس اگر کچھ نہیت نہیں کی ہے تو کچھ لازم نہ آئیگا اور اگر ظہار
 کی نیت کی ہے تو ظہار ہو جائیگا سوال اگر شوہر نے زوجہ سے کہا تو میری ان یا میری بہن یا میری لڑکی ہے تو ظہار ہوگا یا
 نہیں جواب ظہار نہوگا اگرچہ ظہار کی نیت بھی کی ہو۔ ابوالکلام شرح نقایہ میں لکھتے ہیں ولو خالی انتی بدن اذاۃ التشبیہ
 فالظہار نہ مثل کما علی ماعت فی ذیل اسد لکن فی فتاویٰ صدک الاسلام اندونوی یہ الظہار فهو باطل لانه کذب
 وھذا یروی عن محمد بن النعمانی فی العالمگیریۃ انت علی لایکون مظاهر ویفیضان یکون مکروھا وشلہ ان یعول انتی
 ویانتی نحو اگر انت ای بغیر ہون تشبیہ کے کہما تو ظہار یہ ہو کہ یہ بھی انت کا ہی کی طرح ہے جیسا کہ ذیل اسد میں ہے لیکن
 صد لاسلام کے فتاویٰ میں ہے کہ اگر اس سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ کذب ہے اور ایسا ہی امام محمد رحمہ اللہ سے
 مروی ہے انتی اور عالمگیری میں ہے کہ انت ای سے ظہار نہیں ہوتا البتہ یہ کہنا مکروہ ہے سیطرح اگر یا انتی اور یا انتی وغیرہ
 کہے۔ اور جو شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنے توجہ میں کہا ہے اس مان بہن کہنے کو ظہار کہتے ہیں انتی روایات سابقہ کے
 مخالف ہے اور جو سورہ مجادلہ کی آیت الذین یظاہرون الخ کی شان نزول میں لکھا ہو کہ ایک شخص نے زمانہ نبوی میں اپنی
 بی بی کو مان کہا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی تفاسیر متداولہ کی تحریر کے مخالف ہے کیونکہ اس آیت کی شان نزول میں
 مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانہ نبوی میں ایک شخص نے ظہار کیا تھا یعنی اپنی بی بی سے انت علی کظہری کہا تھا اسکے حکم میں
 یہ آیت نازل ہوئی۔ واسد علم حرہ الراعی غفرلہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجا فزاہد عن ذیلہ انکی داخنی ابو الحسنات

باب ثبوت النسب

سوال اگر زیر نے کہا کہ میرے زمانہ کے نطفے سے پیدا ہوا ہو تو نسب ثابت ہوگا یا نہیں جواب نہیں۔ عالمگیری
 میں ہے قال الذہبی من الزنا لا یشب نسبہ لایوث منہ کذا فی الینایع اگر کہا کہ یہ میرے زمانہ کے نطفے سے ہو تو نسب
 ثابت نہ ہوگا اور وارث نہ ہوگا جیسا کہ ینایع میں ہے۔ اور خزائنہ الروایات میں ہے من الذخیر اذا اقرانه ذی جھنہ الحرقہ
 وان هذا الولد لیس منہما من الزنا وصدقہ المأثرة فی ذلک ولا یشب الولد من الزوج جب اس بات کا اقرار کیا کہ اُس نے
 حرورت کے زنا کیا اور سکا یہ لڑکا اُسی زنا سے ہو اور عورت نے اسکی تصدیق کی تو وہ لڑکا اُس آدمی کا لڑکا نہ مانا جائے گا
سوال زیر نے کہا اگر میں صالحہ کے ساتھ نکاح کروں تو وہ طالق ہو پھر صالحہ کے ساتھ نکاح کیا اور صالحہ نے چھ مہینے
 بعد لڑکا جناتو اس لڑکے کا نسب یہ نہ ثابت ہوگا یا نہیں جواب ثابت ہوگا۔ موابہ الرحمن میں ہے و قال رجل ان
 نکحت امرأة ففی طالق فیکف فولات ولدا بستہ اشھر من ذلکھما الزمانہ خلیلا لا فرج جب کسی نے کہا اگر میں کسی
 عورت سے نکاح کروں تو اُس پر طلاق ہو پھر نکاح کیا اور نکاح کے چھ مہینے بعد اولاد ہوئی تو اُس کا نسب اُس مرد سے ثابت ہو گیا
 امام زفر رحمہ اللہ اس کے خلاف ہیں **سوال** کسی شخص نے اپنے محارم سے نکاح کیا اور اولاد پیدا ہوئی تو اولاد کا نسب ثابت
 ہوگا یا نہیں جواب امام غلام رحمہ اللہ کے نزدیک نسب ثابت ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نہ ثابت ہوگا۔ عالمگیری
 میں ہے رجل مسلم تزوج بجارہ فحجئن باولاد ثبتت نسبہ لاد منعہ ابی حنیفۃ خلافا لطلحانہ علی ان النکاح فاسد
 عند ابی حنیفۃ باطل عند ہما کذا فی الظہیریۃ کسی مسلمان مرد نے اپنے محارم سے نکاح کیا اور اُس سے اولاد ہوئی تو امام ابوحنیفہ
 کے نزدیک اولاد کا نسب ثابت ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نہ ثابت ہوگا کیونکہ امام صاحب کے نزدیک یہ نکاح نکاح فاسد
 ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ نکاح نکاح باطل ہے جیسا کہ ظہیر یہ میں ہے۔ والد اعلم حررہ الراجی غفور ربہ القوی ابو الحسنات
 محمد عبدالحی تاجدار سعد عن ذنبہ اکلہ و اخصی ابو الحسنات محمد عبدالحی

باب العقیقة وختنتہ

سوال بچہ کا نام کس دن رکھنا چاہیے جواب شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں بزبان فارسی تحریر
 فرماتے ہیں۔ جب سکا ترجمہ یہ ہے سنت یہ ہے کہ بچہ کا نام ساتویں دن رکھا جائے جیسا کہ عقیقہ میں بھی یہی سنت ہے ترمذی حضرت
 ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن بچے کے نام رکھنے کا حکم دیا اتنی
 اور میری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کا نام پیدا نش کے دن رکھا
 ہے اور ساتویں دن کا انتظار نہیں فرمایا۔ روضۃ الشہداء میں ہے وروی احمد فی مسندہ عن امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ قال لما

یا کسی ختنہ کر نہ والی لوٹدے کو خریدے والد عالم حرہ الرازی غفرلہ القوی بالاحسانات محمد عبدالحی تاج و زائد عن ذیلہ علی و نفی۔

باب حق الرجل علی المرأة

سوال اگر زوج نے امر مشروع کا زوجہ کو حکم دیا اور زوجہ نے نہ مانکر زوج کو ناراض کیا تو زوجہ کے لیے کیا حکم ہے **جواب** روایت ترمذی وابن ماجہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عورت اپنے شوہر کو رنجیدہ کرتی ہے تو وہ حور جو شوہر کو جنت میں پہنچا دیتی ہے اس عورت کو بددعا دیکر خطاب کرتی ہے کہ یہ عورت تمہیں قتل کرے یہ مرد تمہو سے دنوں تک تیرے لیے ہے پھر نکھسے جدا ہو کر میرے پاس آئیگا تو اسے کیوں رنجیدہ کرتی ہے۔ اور طبیبی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے سخط الزوج یوجب سخط الزوج رضایہ یوجب قضاء الشهوة فکیف کان فی امر الدین شوہر کی ناراضی سے خدا ناراض ہوتا ہے اور شوہر کی رضامندی میں خدا کی رضامندی ہے حتیٰ کہ شہوت کے پورا کرنے میں بھی تو پھر مردین کا کیا کہنا ہے ترجمہ کرتا ہے یعنی جب شہوت کے پورا کرنے میں جو بظاہر دنیاوی کام ہے شوہر کی رضامندی سے خدا راضی ہوتا ہے اور شوہر کی ناراضی سے خدا ناراض ہوتا ہے تو مردین میں عورت سے اگر شوہر ناراض ہوگا تو ضرور خدا بھی ناراض ہوگا اسی طرح اگر مردین میں عورت سے شوہر راضی ہوگا تو خدا بھی ضرور راضی ہوگا **سوال** جماع کیلئے زوج نے زوجہ کو بلایا اور زوجہ نے انکار کیا تو اسکے لیے کیا حکم ہے **جواب** جب تک اسکا شوہر اس سے ناراض رہیگا اس پر اور ملا لگی کہنت ہوگی۔ بخلدی اور سلم نے روایت کی ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الذی نفسی بینا مامن جلید عوامر ائہ الی فراشہ فنادی علیہ لکان الذی فی السماء ساخطا علیہا حتی یرضی بحضورہ و عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو جب شوہر اپنی بی بی کو جماع کرنے کیلئے بلاتا ہے اور وہ انکار کرتی ہے تو خدا اس سے ناراض ہوتا ہے یہاں تک کہ شوہر اس سے راضی ہو جائے۔ اور نصاب الاحساب میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النساء السلتاء والمرءاء فالسلتا والمرءاء التي تخطب والمرءاء التي تکحل وللعن السلتاء فالسلتا والمرءاء التي تلبس الباشرة فقالت شوا فاعلم المغسلۃ انی اذا دعاها زوجها الی الباشرة فقالت انی حائض ولیست کذلک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں میں سلتا و مرءاء و مسوفہ و مغسلہ پر لعنت کی ہے سلتا وہ عورت ہے جو ہندی نہ لگائے اور مرءاء وہ عورت ہے جو سرمہ نہ لگائے اور مسوفہ وہ عورت ہے جسے جب شوہر بغض مباشرت بلائے تو کہے غفر یہاں آتی ہوں اور مغسلہ وہ عورت ہے کہ جب اسے شوہر مباشرت کے لیے بلائے تو کہے میں حیض سے ہوں حالانکہ اسے حیض نہ ہو **سوال** زوجہ اگر فاحشہ عورتوں کو بے شوہر کی اجازت کے اس کے گھر میں بلائے تو شوہر منع کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر زوجہ پر تنبیہ کرے تو کر سکتا ہے یا نہیں **جواب** شوہر منع کر سکتا ہے۔ برہندی نے لکھا ہے المنزل ملکہ فله حق المنع مگر شوہر کی ملک ہے پس نہ ممانعت کر سکتا ہے۔ اور جو عورت امر منکر کی مرتکب ہو تو شوہر کو چاہیے کہ پہلے

اُسے سمجھائے اگر نہ مانے تو سختی سے کہ اگر بچہ بھی نہ مانے تو اُسے اسے لیکن نہ منہ پر ہارے نہ اس طرح کہ کوئی عضو ٹوٹ جائے
سوال اگر عورت بے شوہر کی اجازت کے جنبی لوگوں سے ملے یا انکی عیادت کرنے یا دعوت ولیمہ میں شریک ہونے کو
 جائے تو اُسے لے لیا حکم و جواب گنہگار ہوگی۔ اور اگر شوہر اجازت دے تو وہ بھی گنہگار ہوگا درختار میں ہو ورنہ منع
 من زیادہ کاجانے عیادت و الولیمہ و ان اذن کا ان عاصیین شوہر عورت کو اجنبیوں کی زیارت اور انکی عیادت سے اور
 انکی بیان دعوت ولیمہ میں جانے سے روکے اور اگر شوہر اجازت دے گا تو دونوں گنہگار ہونگے **سوال** زوجہ کو بیچ کی
 لکٹی اطاعت کرنا چاہیے اگر بیچ زوجہ سے کہہ کہ تم اپنے بچہ کو بھیرے یا میرے بھائی کے سامنے نہ آؤ اور اُسکے والدین کہیں
 کہ سامنے آؤ۔ تو زوجہ کو کسکی اطاعت کرنا چاہیے اولاً اگر زوجہ نیکی لکھی ہو اور زوجہ کے گھرانے کا قصد نہ کرے تو بیچ اُسکو لاسکتا ہے
 یا نہیں **جواب** زوجہ کو بیچ اموشہ شرعیہ میں زوجہ کی اطاعت کرنا چاہیے۔ شرح شریعہ الاسلام میں ہو و علیہا ان تطیع زوجہا
 فی الامور الشرعیۃ ولو امرها ان تنقل الحجر من جبل وان لا تخرج من بیتہ الا باذنہ زوجہا کو اموشہ شرعیہ میں زوجہ کی اطاعت کرنا
 چاہیے اگرچہ اس بات کا حکم دے کہ بہار سے بچہ نہ لائے یا بلا اجازت گھر سے نہ نکلے۔ اور جب عورت میکے سے نہ آتی ہو تو
 شوہر جبراً اُسکو لاسکتا ہے اور شوہر کی اطاعت دربارہ پردہ کے غیر محرم سے مقدم ہو۔ رد المحتار میں ہر الذی ینبغی تحریر
 ان لیکون لہ منعہا عن کل علی کو ذالقی مقصود و ضابطہ والی شرح جامن بیتیہ قابل تحریر امر یہ ہو کہ زوجہ کو ہر ایسے کام
 سے روک سکتا ہے جسکی بدولت اُس کا حق کم ہو تا مگر یا ضرر ہو تا ہو یا جسکے بدولت بی بی کے گھر سے نکھانے کا اندیشہ ہو و ہاں
 اعلم حرہ الراعی عفو ربہ القوی البواکشات محمد بن عبد الباقی تجا و زائد عن زنبہ الباقی وانفی۔

محمد عبد الباقی
ابو الحسنات

باب التفریق بالاعذار

سوال اگر حاکم نے کسی کو قید کر کے حبس و ام یا جودہ برس کے لیے ضلع سے خارج کر دیا تو کیا اُس میں اور اُسکی زوجہ
 میں تفریق کر دینا چاہیے **جواب** نہیں۔ درختار میں ہر الذی یفرق بینہما بغير حقہا ولا لعدم ایفاءہ لو غائب احقہا
 ولو موسر وجوزہ الشافعی باعسار الزوج و تبضرہا بغیبۃ و توقفہ بغير حقہا لم یفقد نعم لو امشافتا قفصہ بہ نفل اذ لم
 یشرط الا مورا و اما مورا شوہر اگر بی بی سے ملنے سے عاجز ہو یا غائب ہوئے کی وجہ سے ایفاء سے حق نہ کر سکتا ہو پس اگر خوشحال ہو تو
 تفریق نہ کرائی جائیگی اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے جائز لکھا ہے زوجہ کی تنگدستی اور زوجہ کو غیبت زوجہ کی بدولت ضرر پہنچے
 کی وجہ سے اگر خفیہ کا حکم دے تو اُس کا حکم نافذ ہوگا اور شافعی اگر حکم دے تو اُس کا حکم نافذ ہوگا اگر امر و امور نے ثبوت ملی ہو
سوال اگر زوجہ کو جنون ہو تو زوجہ کی درخواست پر تفریق کر دیا جائیگی یا نہیں **جواب** اگر جنون حادث ہو جیسے جن
 تو ایک برس کی ملت دیا جائیگی پھر بھی اگر اچھا نہ ہو تو زوجہ کو اختیار ہے اور اگر جنون مطبق ہو تو تفریق کرنا چاہیے ملت میں

ضرورت نہیں ہے محب الیہاتین ہوں ان کا بالزوج جنقا او جذام او برص فلاخارطا وقال محمد لها النجاء دفعا لمضرر
عنها كما في الجبال العتكة اذا كما في قال محمد ان كانت الجنون ذاتا يوما يوجله سنة كالعنة ثم يحير المرأة بعد الحول
اذالم يدرون كان مطبقا فهو كما لمحبوب مناخذ كذا في فتاوى العالمگیریة نافلا من الحقاو اگر شوہر کو جنون یا جذام یا
برص ہو تو بی بی کو خیار نہیں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس شخص نے نفع ضرر خیار ہے جیسا کہ اگر زوج محبوب یا عین ہو ایسا ہی
کافی میں ہے امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر جنون حادث ہو تو ایک سال کی مہلت دی جائیگی جیسا کہ عین کے معاملہ میں ہے پھر ایک
سال بعد عورت کو خیار ہے اگر شوہر اچھا نہ ہو جائے اور اگر جنون مطبق ہے تو اس کا حکم محبوب کا ایسا ہے وہم اسی سے اخذ کرتے
ہیں ایسا ہی عالمگیری میں حاد ی سے نقل کیا ہے و اسد اعلم حررہ الراجی عفورہ بالقوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجدار مدین
ذنبہ الجلی والحنی ابو الحسنات محمد عبدالحی

کتاب المفقود

سوال ایک شخص چار پانچ برس یا اس سے زائد ہوتے ہیں کہ مفقود ہو اسکی عورت بھوان اور مردکی خواہش دھتی ہے
اور زمان و نفقہ کی محتاج ہے و اندیشہ ہے کہ زمان میں مبتلا ہو جائے تو ایسی صورت میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر اسکو عمل کر لینا
چاہیے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی
ہے بلکہ یہ بھی مرقوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اور اکثر صحابہ کا یہی مذہب ہے جواب اس سئلہ
میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین مختلف ہیں حضرت عمرؓ اور ایک گروہ صحابہ کا اس طرف کیا ہے کہ مفقود کی زوجہ چار برس
انتظار کر کے نکاح کرے اور بعضوں نے اس پر اجماع صحابہ نقل کیا ہے امام مالکؒ موطا میں روایت کرتے ہیں ان عین الخطا
قالا ایماہرۃ فقلت زوجھا فلم تدرا ین هوفاھا تنتظر الیبع سنین ثم تعتد اربعۃ اشھر وعشرۃ شھر ثم تحل
للادوا یم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جمع عورت کا شوہر مفقود ہو جائے اور اسے نہ معلوم ہو کہ کہاں ہے وہ چار
برس انتظار کرے پھر چار مہینے دس دن عدت بیٹھ کر دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے اور محمد بن عبدالباقی زر قانی
شرح موطا میں لکھتے ہیں روی نحوہ عن عثمان و علی قیل و اجمع الصحابة علیہ لم یعلموا مخالف عصرہم و علیہ
جماعۃ من التابعین ایسا ہی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور کہا گیا ہے کہ صحابہ نے اس پر اجماع کیا ہے
انکے زمانے میں کوئی مخالف نہیں پایا گیا اور اس پر تابعین کی ایک جماعت ہے اور بعض صحابہ مثل ابن مسعود و علی رضی اللہ عنہم
نہایت ایک روایت کے اس طرف گئے ہیں کہ زوجہ مفقود مادم ظہور موت شوہر انتظار کرے اور شبی اور غشی کا یہی مذہب ہے
جیسا کہ فتح القدیر میں ہے الحاصل ان المسألة مختلفة في ما بين الصحابة فذهب عمر الى ما تقدم وذهب علي الى اخا

امراتہ حتی یاتیہا البیان وروی عبد الرزاق عن ابن جریر قال بلغنا ان ابن مسعود وافق علیاً علی امرأۃ
المفقود منتظر ابد او اخر جرابین ابی شیبہ عن قتادہ وجابر بن سعید والشیخ المصنف کلہما نوالیطان تنزوح عن شیبہ بن
احمال یہ مسیحیہ کے دیسین مختلف فیہ ہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذہب اور بیان ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خیال
مین وہ عورت اس مفقود کی بی بی ہو جب تک موت کی خبر نہ پہونچے عبدالرزاق نے ابن ابی جریر سے روایت کی ہو کہ حضرت
ابن مسعود حضرت علی رضی اللہ عنہم کے اس امر میں موافق ہیں کہ اُسکی بی بی ہمیشہ انتظار کرے اور ابن ابی شیبہ نے کہا ہو کہ ابو قتادہ
اور جابر اور ابن سعید اور شیبہ ابی جریر سے سب نزدیک جب تک موت ظاہر نہ ہو عورت کو نکاح کرنے کا حق نہیں ہو۔ اور اس باب میں
ایک مرفوع حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی راے کے موافق وارد ہو لیکن اس حدیث کی سند میں ضعف ہے چنانچہ یہ مرفوعی تحریر
احادیث ہدایہ میں لکھتے ہیں اخر جراب الدار قطنہ وفسنہ عن سوار بن مصعب حدثنا محمد بن شریک عن المغیر بن شعبہ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأۃ المفقود امرأتہ حتی یاتیہا البیان وحدث فی نفعہ اخری حتی یاتیہا الخبر وھو شد ضعیف
ابن حاتم وکتب ابی العباس ابی جعفر عن سوار بن مصعب عن محمد بن المغیرہ فی امرأۃ المفقود فقال یدھ الخبر وھو شد وحدثنا
ویروع الخبر وھو شد وحدثنا ابی جعفر عن سوار بن مصعب عن محمد بن المغیرہ فی امرأۃ المفقود فقال یدھ الخبر وھو شد وحدثنا
الشہر المترکین وافطی غازی منین کہا ہو کہ طاریں مصعب نے محمد بن شریک بنیرہ بن شہر سے روایت کی ہو کہ حضور ربنا صلی اللہ علیہ وسلم
والنشاء نے فرمایا ہو مفقود کی بی بی اُسکی بی بی ہو یہاں تک کہ اسکا علم ہو جائے اور دوسرے نسخہ میں ہو یہاں تک کہ اُسکی خبر پہونچ
جائے یہ حدیث ضعیف ہے ابن ابی حاتم نے کتاب الخلل میں کہا ہو کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے متعلق پوچھا جسکو سوار
ابن مصعب نے محمد بن مغیرہ کے واسطے سے مفقود کی بی بی کے متعلق روایت کیا ہو تو میرے والد نے کہا کہ یہ حدیث قابل اعتبار
نہیں محمد بن شریک الحدیث میں اور مغیرہ سے جھوٹی ہے اصل بات میں روایت کیا کرتے ہیں اسے عبد الحق نے احکام مفقود میں
دارقطنی سے نقل کیا ہو اور محمد بن شریک کو جو سے اسکی تعلیل کی ہو اور کہا ہو کہ وہ متروک ہیں اور ابن قحطان نے اپنی کتاب
میں لکھا ہو کہ سوار بن مصعب متروکین میں مشہور ہیں۔ اور اس طرح بدرالدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تحریر کیا ہو جب امیر
ممسد ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ چونکہ حدیث مرفوعہ اس مسئلہ میں بطریق ضعیف وارد ہو اور صحابہ خود مختلف ہیں لہذا ائمہ مجتہدین
بھی اس مسئلہ میں مختلف ہو گئے ایسے حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی راے کو بغیر حدیث مرفوعہ کی اور ائمہ مالکیہ نے حضرت
عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما وغیرہ کی راے کو مختار کیا لیکن ایسے حنفیہ تصریح کرتے ہیں کہ ضرورت کے وقت امام مالک
کے قول پر فتویٰ دینا درست ہو جو ایک جماعت صحابہ کی راے کے موافق ہو اور جب وقوع حرام کا خوف ہو تو امام مالک
کے مسلک پر عمل کرنا جائز ہو جماعت ائمہ میں یہ قول اللہ کا اور اسی امر میں سنیں فقہ حنفیہ کا کافی الظلم فلو افتح

فی موضع الضرورة یبغی ان لا یاس به علی صاحب الظن مالک و اوزاعی نے کہا ہے کہ چار برس انتظار کر کے اسکی بی بی شادی کرے جیسا کہ نظم میں ہے اگر ضرورت کے وقت اسپر فتویٰ دیا جائے تو میرے خیال میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور وہ مختار میں ہے ذکر ابن وہبان و منطو مہ لہ لوافق بقولہ لای فی موضع الضرورة یجوز فاعتضدنا بها ابن الشحنة بالکذا ضرر مرق المحنف الخ لک وقال الشارح فی المدار المستقہ هذا لیس باول القول قال القہستانی و افاقہ فی موضع الضرورة لا یاس به علی الظن ابن وہبان نے اپنی نظم میں کہا ہے کہ اگر ضرورت کی وقت مالک کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے اور ابن شحنة نے اسکی شرح میں اعتراض کیا ہے کہ کھفی کو اسکی کچھ ضرورت نہیں ہے اور شارح دمشق میں کہا ہے کہ یہ اولی نہیں ہے اور قستانی نے کہا ہے میرے نزدیک اگر ضرورت کی وقت اسپر فتویٰ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے سوال زیساٹھ برس کی عمر میں ایک زوجہ تین بیٹے و بیٹیاں چھوڑ کر مفقود ہو گیا۔ اب تقسیم ترکہ میں کتنا انتظار ہونا چاہیے اور میعاد کے اندر اسکے ارث کے درمیان میں ترکہ کا نفع کیونکر متصور ہوگا اور اسکے انتظام کی کیا صورت ہوگی جواب تقسیم ترکہ میں تیس برس اور انتظار کرنا چاہیے تاکہ اسکی عمر کے نوے برس ہو جائیں۔ اسکے بعد وراثے موجود پر ترکہ تقسیم ہوگا اور اتنی مدت تک مال اسکے ویس اور امین کے قبضے میں رہے گا اگر کر گیا ہو ورنہ حاکم فی مظاہر مقرر کرے گا اور وراثہ اسکے مال سے قلع نہیں اٹھا سکتے درغمار میں ہے فی صرح حضرات المفتی اید السجوانہ لیس لای بیت المال نزعة من ید من بیتک ممن امنہ علیہ قبل ذہابہ معروضات مفتی ابی السعود میں ہے امین بیت المال کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ امین سے جسکو مفقود و غور مقرر کر گیا ہے اسکی جائیداد کو علیحدہ کرے۔ اور تنویر البصائر میں ہے لایقسم مالہ فصل القاضی من یاخذ حقہ ویحفظ مالہ ویقوم علیہ عند الحاجة لامر و قرآنہ فی بلد علی المذہب اسکال تقسیم نہیں کیا جائیگا بلکہ قاضی کو چاہیے کہ کوئی ایسا شخص مقرر کر دے جو اسکا حق لیتا رہے اور اسکے مال کی حفاظت کرتا رہے اور جب اسکے معصر جو اسکے شریک ہوں مر جائیں تو بر مذہب صحیح اسکال اسکے وراثہ پر تقسیم کیا جائیگا۔ اور درالتمار شرح و التمار میں ہے قبل یقدر وتسبعین سنة من حیث کلا دہ واختارہ فی اللکن و هو الا دفع اھدایہ و علی الفتاویٰ ذخیرہ بعض کے نزدیک اسکی مقدار ولادت سے نوے برس کے کمترین اختیار کیا ہے یہی نرم طریقہ ہے جیسا کہ ہر مین ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے سوال اہل تحقیق زوجہ مفقود کیلئے کیا فرماتے ہیں کیا اسکے لیے یہ جائز ہے کہ چار برس انتظار کر کے چار مہینے دس دن عدت بیٹھے پھر دوسرے کے ساتھ نکاح کر لے جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللعنه اور علمای مدینہ رحمہم اسکا فتویٰ ہے جواب صحابہ رضی اللعنه کے زمانے میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا صحابہ اور تابعین کا ایک گروہ اسکا قائل تھا کہ زوجہ مفقود کو خبر موت یا خبر طلاق کا انتظار کرنا چاہیے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے ذہب علی غریابی الخ امر ان حتی یاتھا البیان و رکعہا الرزاق عن ابن جریر قال بلغنا

سوال (۱) جس عورت کا مرد بائع یا چہرہ سے بے نشان ہو اسکو دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے یا نہیں
 اور امام مالک اور امام شافعی جہاں سے فرماتے ہیں جب چار برس گزر جائیں تو قاضی اُن دونوں کے درمیان میں تفریق کیلئے
 پھر عورت دوسرا نکاح کرے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اگر تفریق کر دینا جائز ہو تو اس پر آشوب نہانے میں کہ نہ قاضی ہی نہ اس کے
 احکام پر عمل ہوتا ہو کیا کیا جائے (۲) فرسخ کے بعد عدت طلاق یا وفات عورت کو بیٹھنا چاہیے یا نہیں (۳) اگر ضرورتاً کسی
 مسئلے میں کوئی شخص امام شافعی یا امام مالک جہاں سے اس کی تقلید کرے تو کیا ہر مسئلے میں اُن کی تقلید لازم ہو جائیگی **جواب**
 عند الضرورت بعض مسائل میں امام شافعی و مالک جہاں سے اس کی تقلید کرنا درست ہے بشرطیکہ اُس مسئلہ کے جملہ شروط و احکام
 پر عمل کرے۔ درمختار میں ہے و لا بأس بالتقلید عند الضرورة لکن بشرط ان يلتزم جميع ما يوجبته لك الامام المقدم
 ان الحكم للمصنفين بالاجماع عند الضرورة تقلید میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن اس شرط سے کہ اُن تمام امور پر عمل کرے جو حکم
 اُس امام نے واجب ٹھہرا ہو کہ نہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حکم لمصنف بالاجماع باطل ہے۔ اور جسے ایک خاص مسئلہ میں کسی امام کی
 تقلید کی اسپر کل مسائل میں اُس امام کی تقلید لازم نہیں ہے جس نے بالکل العقد الفرید بیان الرابع میں جواز تقلید میں
 لکھے ہیں واعلم ايضا انه يجوز العمل بمجلة مسائل كل منها على مذهبه مستقل لما علمته ويقول الحق ابن الهمام وهل
 يقلد غيره من قلدا او لا في شئ في غير اى غير ذلك للشيخ كان يعمل ولا في مسألة بقول الصنفين وثانيا في اخرى
 يقول جهم اخر المختار كما ذكره الامام في ابن الحاجب یہ جائز ہے کہ ہر مسئلہ میں ایک مستقل مذہب پر عمل کرے اور محقق
 ابن ہمام کہتے ہیں کہ ایک مسئلہ میں جسے ایک شخص کی تقلید کی تھی وہ دوسرے مسئلہ میں دوسرے کی تقلید کر سکتا ہے مثلاً
 پہلے ایک مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا تھا اور دوبارہ دوسرے مسئلہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کیا تھا
 وہی ہے جسے آری اور ابن حاجب نے لکھا ہے۔ اور مسئلہ المغنود میں خفیہ کے نزدیک عند الضرورة بتقلید الایہ شافعیہ چار
 برس کے بعد نکاح کر دینا درست ہے۔ جامع الرموز میں ہے قال اطلاق ولا فوازع الى اربع سنين فينكح عساه بعد كل كافى الظلم
 فلو افاق به في موضع الضرورة فيخيه ان لا بأس من عملها من المالک اور ازاعی جہاں سے کہتے ہیں کہ چار برس تک انتظار
 کیے پھر زوجہ دوسرے سے نکاح کرے جیسا کہ انظم میں ہے پس اگر ضرورت کے وقت اسپر عمل کیا جائے تو میرے خیال میں کچھ
 حرج نہیں ہے۔ اور المختار میں ہے ذکر ابن مہبان منصوصاً انه لو افاق بقول المالک في موضع الضرورة يجوز
 ابن وہبان نے اپنی منظوم میں لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت اگر امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر توی دیا جائے تو جائز ہے۔ اور
 امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چار برس گزرنے کے بعد عدت وفات لازم ہو اس کے بعد نکاح جائز ہے نکاح کے بعد اگر زوج اول
 آجائے تو اسکو کچھ حق نہ ہوگا اگر زوج ثانی نے صحبت کی ہو موطا امام مالک اور شرح زرقانی میں ہے و لا بأس من عمل من سعيه

عن معید بن المسیب عن ابن الخطاب قال لما امرت فقتل زوجا فقلت رابن هو فلها انتظر اربع سنين ثم
تعتد اربعة اشهر وعش اشهر ثم تحلل للزواج وروى نحوه عن علي وعثمان قال مالك وان تزوجت بعد انقضاء
عدتها فدخل بها زوجها او لم يخل بها فلا سبيل لزوجها الاول اليها اذا جاء او ثبت اني كان الحاكم بالبح
للزوجة الزوج مع امكان حياته قال مالك في ذلك الامر عندنا فلا عقد يخرجها ويضمها ثم يرجع مالك من هذا قبل مما بعاه قال فيفتي
على الاول الادخل الثاني غير الزوجية واخذ به ابن القاسم واشبه قال في الكافي هو الصحيح طريق اكثرها فاستسلة قلنا في هذا
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس عورت کا شوہر مفقود ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اسے چار برس
انتظار کرنا چاہیے پھر چار مہینے دس دن عدت ٹھیک کر دے دوسرے کے لیے حلال ہو سکتی ہے ایسا ہی حضرت علی اور حضرت عثمان رضی
عنا عنہما سے مروی ہے امام مالک نے کہا ہے اگر عدت پوری ہونے کے بعد عورت نے شادی کر لی تو اس شوہر ثانی نے اس کے ساتھ
صحبت کی ہو یا نہ کی ہو بہر حال پہلے شوہر کو اگر وہ آجائے یا اس کے زندہ ہونے کا علم ہو جائے اب کچھ حق نہیں ہے کیونکہ حاکم نے
اس کے لیے موجودہ شوہر کو حلال کر دیا ہے باوجودیکہ زوج اول کی حیات ممکن تھی امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ہمارے نزدیک
ہے کہ عقد محقق اس کی حیات کو گویا فوت کر دیتا ہے یعنی زوج اول اگر زندہ بھی ہو تو وہ اپنی زوجہ کے حق میں زندہ نہیں ہے پھر
امام مالک نے اپنی موت سے ایک سال پہلے اپنے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ زوج اول کا حق فوت نہیں ہو سکتا بلکہ
زوج ثانی نے اس کے ساتھ زوج اول کی حیات کو نہ جان کر صحبت کی ہو اسی سے ابن قاسم و شہب نے انکسار کیا ہے کہانی میں ہے
کہ یہی اصح ہے بطریق الترتیب لکلاس مسلم میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تقلید کی ہے آپس خفیہ بھی ایسے موافق فتویٰ
دے سکتے ہیں کوئی ضرورت تفریق قاضی حاکم کی نہیں ہے اور ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عبد الرزاق اور بیہقی
وغیرہ نے یہ بھی کی ہے کہ انھوں نے زوج اول کے آنکے بعد اس کو اختیار دیا کہ اپنی زوجہ سے واپس کر لے اور اس کو نئے
واسطہ علم حرہ الرابعی عفورہ القوی الواحسان محمد عبد الحی تجاوزہ عن ذنبہ الجلی والخیفی

ابو الحسنات محمد عبد الحی

کتاب التولية

سوال صغیرہ کے نکاح کی ولایت مان کو ہو یا نہیں جواب عدم عصبات کی صورت میں ہے۔ تنویر الابصار میں ہے طلولی
انکاح الصغیر الصغیر ولو ثنیبا صغیرا وصغیرہ کے نکاح کو نہ کا حق فی کو حلال ہے اگرچہ بیہودہ و سنی ہے لکھا ہے اونی انکاح
العصبة بنفسه فان لم یکن عصبة فالولاية للامام نکاح میں ولی عصبة بنفسہ ہے اور عصبة ہونے کی حالت میں ان کو ولایت حاصل
ہے سوال اگر چھوٹی لڑکی کی مان اور دادا موجود ہیں تو نکاح کی ولایت کس کو ہے جواب دادا کو نہ مان کو بشرط وقایہ میں
ہے والولی العصبة علی ترتیب الارث والجمع فیہ شرط حرۃ وکلیفہ فی الاسلام فی الامم من کافر ذمہ الامم ولی عصبات ہیں

ترتیب جب وارث بشر و طہریت و تکلیف و اسلام مسلمان اولاد میں نہ کا فر میں پھر ان پر سوال اگر داد کی موجودگی میں
 مان نے نکاح کر دیا تو داد کو نسخہ کا حق حاصل ہر ذہن میں جواب حاصل ہے صراحہ منیر میں ہے و اذا زوجت الام
 بنتها الصغیر والعصبۃ من نکاح اید النکاح جھوٹے لڑکے یا جھوٹی لڑکی کا نکاح ولی بعید نے کر دیا نہیں اگر ولی قریب دکر لے
 تو نکاح رد ہو جائیگا سوال ولی اقرب کی موجودگی میں ولی بعید نے نکاح کر دیا گا ولی اقرب صغیر یا مجنون ہو تو نکاح جائز ہے
 یا نہیں جواب جائز ہے عالمگیری میں ہر وان زوج الصغیر والصغیر بعد الا ولیہ فان کان الا قریب حاضر و ہوں اہل
 الولاية تو وقف نکاح الی بعد علی اجازتہ وان لم یکن من اهل الولاية بان کان صغیرا و کان کسبر یحسونا جھوٹے لڑکے
 یا جھوٹی لڑکی کا نکاح ولی بعید نے کر دیا نہیں اگر ولی قریب موجود ہو اور ولی ہونے کی قابلیت رکھتا ہو تو نکاح اُسکی اجازت
 پر موقوف ہو اور اگر ولی ہونے کی قابلیت نہ رکھتا ہو مثلاً جھوٹا یا بڑا مگر مجنون ہو تو نکاح جائز ہے سوال ایک نابالغ یتیم
 لڑکی پر اُسکا داد بھیہر کچا پر البتہ چچا اور مان زندہ ہیں جو اُسکی شادی کرنا چاہتے ہیں اور یہ ہمارے امام شافعی کے نزدیک
 بردشوار ہے پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر اُسکا ولی کون ہوگا اور کیونکر عقد درست ہوگا اور کون ارکان اور کن ضرور
 کا اعتبار کرنا ہوگا جواب سب ہمارے ائمہ صنفیہ کے نزدیک نکاح میں وہ عصبہ ولی جو میں عورت کا واسطہ نہو ترتیب
 جب ارث اور اگر کوئی ایسا عصبہ موجود نہو تو مان پھر دادی پھر لڑکی پھر پوتی پھر نواسی پھر پوتنگی لڑکی پھر نواسے کی
 لڑکی دیکر ایچھنا پھر اخت حقیقی پھر اخت لاب پھر اخت لام پھر ذوی الارحام ولی ہیں یہ بجز الرائق اور مختار میں ہے پس
 صیرت مسؤلہ میں جبکہ چچا موجود ہو تو وہی اُسکا ولی ہوگا سوال اگر کسی نتر نابالغ کا باپ جو اُسکا ولی ہے فضول خرچ اور
 سفیہ ہو اور وہ نابالغ کی جائداد برباد کرتا ہو تو نابالغ کا شوہر یا کوئی اور قریب دار ولی جا بردار مالک نابالغ کا ہم عمر شرعاً
 ہو سکتا ہے یا نہیں جواب ایسی صورت میں حاکم وقت کو چاہیے کہ اُسکے قبضے سے جائداد نکال کے کوئی بھی مقرر کر دے
 جو جائداد کی حفاظت کرے نتیجہ فتاویٰ حامد میں ہے فی الولو الجیتہ والخاصۃ وکان الا یصل لامتلفا صال البیض
 فالقاضی ینصیب صیبا ینزع مال ابنہ عن یدہ و یحفظہ ولو اکیہ اور خلاصہ میں ہے اگر باپ مہذ اور متلف ہو چھوٹا
 مال تلف کرتا ہو تو قاضی کو چاہیے کہ وہی مقرر کرے جو جائداد کی حفاظت کرے اور باپ کے ہاتھ سے مال نکالے سوال
 مسماۃ اشرف النساء نابالغہ ناخود ار اور اُسکے مان باپ بھائی ہیں ادا دادی نانانی خالو خالہ بھوپچا بھوپتی کوئی نہیں ہے مگر
 محمد حسین اور احمد حسین دو حقیقی ہامون اور مسماۃ صغریٰ ایسی بھوپچا جسکا دادا اور اشرف النساء کے باپ کا دادا دونوں حقیقی بھائی
 تھے اور صغریٰ کا لڑکا عز الدین جو اشرف النساء کی علاتی ہمشیر متونی کا شوہر ہے اور اسی علاتی ہمشیر متونی کا نابالغ بیہر محمد اسحاق
 اور چند عصبہ اشرف النساء کے یعنی جداد کے جد کی پوتی کی پوتی کا لڑکا موجود ہے اس صورت میں اشرف النساء کے محل کا ولی کون

روپیہ سی ولید مہاجن سے قرض لیکر زندہ نشن ادا کیا اور چالیس ہزار روپے کے عوض میں موضع احمد آباد کو مہاجن نگر کو کرے پاس رہن بالوفا کر دیا اور رہن نامہ میں ایک قسم کا تاملان سالانہ تعدادی بالسنور و پیہ ولید کیلئے لکھ دیا بھر ہندہ والدہ نابالغ نے لغایت ۱۲ فروری ۱۸۷۸ء کو وفات پائی قرض مزید دادان مندرجہ دستاویز مورخہ ۲۲ جنوری ۱۸۷۸ء جو طرک کے ایک دستاویز مزید بابت آٹھ ہزار روپیہ کے علاوہ دستاویز چالیس ہزار روپیہ کے ولید کے نام لکھ دی اور اسکا بار موضع احمد آباد پر بشراظر رہن بیج بالوفا عائد کیا زید نابالغ سمبر ۱۸۷۸ء کو بانجھ ہوا اور اپنی ماں کی خریداری کو زید نے منظور کیا لیکن زید دعویار ہو کر یہ بات ثابت کرتا ہے کہ پہلے چوچالیس ہزار روپیہ ہندہ نے قرض لیکر زندہ نشن ادا کیا اس کے لینے کی وجہ سے ضرورت تھی کہ زید کی دوسری جائداد موجود تھی مادہ سے زندہ نشن میں دوسری جائداد کو مرمت کرنا چاہیے تھا دوسرے اگر قرض لینے کی ضرورت تھی تو وجہ اس کے کہ فعل ہندہ کا ایسا نہیں ہے جو ایک ہوشیار شخص اپنی ذات اور جائداد کیلئے کرتا تیسرے آٹھ ہزار روپیہ چالیس ہزار روپیہ کے علاوہ جو ہندہ نے احمد آباد پر بروے دستاویز ثانی عائد کیا ہے اس کے لینے کی کوئی ضرورت تھی اور نہ نابالغ اور اس کی جائداد کو اس سے فائدہ ہوا بلکہ صریح اس کی جائداد کو نقصان پہونچا پس زید کا دعویٰ بنسبت بطلان دستاویز نہ قرضہ چالیس ہزار روپیہ کے شرعاً جائز ہے یا نہیں اور آٹھ ہزار روپیہ والی دوسری دستاویز کی پابندی زید پر لازم ہے یا نہیں یا فعل خریداری ہندہ کو تسلیم کر لینے کے بعد دوسری دستاویز سے بھی زید انکار نہیں کر سکتا۔ اور مان کا ایسا فعل زید کو پابند کر سکتا ہے یا نہیں جواب تصرفات مالہ میں جیسے رہن اجارہ استانہ بیج شرا وغیرہ میں مان کو ولایت حاصل نہیں ہے اور طفل کو انکھان لینا ضروری نہیں مگر یہ کہ بعد بلوغ اس کے تصرفات کی اجازت ہے۔ جامع المفصلین میں ہے الولایت فی مال الصغیر الی الایہ وصیہ ثم وصی صیہ و بعد فلو مات ابوہ ولم یوص فالولایت الی ابیہ کا ب ثم وصیہ ثم الی وصی صیہ فان لم یکن فالقاضی من یوصیہ بالقضے مال صغیر من ولایت باپ کو ہے اور اس کے وصی کو پھر اس کے وصی کے وصی کو بلکہ الیہاں اگر باپ بغیر وصی کیے مر گیا تو اس کے دادا اور دادا کے وصی کو اور دادا کے وصی کے وصی کو ولایت ہے اور اگر یہ بھی نہوں تو قاضی کو ولایت ہے اور اُس نے جسے وصی کیا ہو۔ اور عالمگیری میں ہے الام اذا رھنت مال طفلہا فان لم یجد الا ان تکون وصیتہ او تکون مادونہ من جھہ من یلی الطفل مان اپنے لڑکے کے مال کو رہن نہیں کر سکتی لیکن جبکہ وہ وصی ہو یا لڑکے کے ولی نے اُس کو اجازت دیدی ہو۔ پس صورت مسئلہ میں زید پر پوجہ خریداری کے تسلیم دستاویز قرضہ رہن لازم نہیں اور مان کے فعل کا اہم پر لازم نہیں ہو سکتا سوال زید کے نام سلطان یا اس کے نائب نے کچھ سالانہ وظیفہ بزرگان دین کی نذر و نیاز کے لیے مقرر کیا زید کی وفات کے بعد اس کے بڑے بیٹے بکر کے نام وہ خدمت مقرر ہوئی اس طرح وہ وظیفہ اکبر اولاد میں بکر کے پوتے خالد تک جاری رہی خالد کے مرنے کے بعد باوجود دیگر

اسکا بشا محمود موجود ہے اور اسکے چچا کے بھائی نے جبراً سپر قبضہ کیا پس اسکا حقدار محمود ہے یا عمرو **جواب** خدمت مذکورہ کا حقدار شرعاً اور عرفاً محمود ہے عمرو شیخ قناری حامیہ میں ہوا ذنبت من له وظيفه في بيت المال الحق الشرح واعراض الاسلام وملت ابنا براہون یقیق حق الشرح کا ایراعہ یقیم الایب قلا امام ان یعطے وظیفہ کا ایکناء الامیت لا یقیم المحصول مقصود الشرح وانجباد کسقر لو یقیم جسے بیت المال سے حق شرع یا اعزاز اسلامی کی وجہ سے وظیفہ نہا ہو اگر وہ مرجائے اور اسکے لڑکے ہوں جو با کس طرح عایت اور اقامت حقوق شرعی کی کرتے ہوں تو امام کو باپ کا وظیفہ اناسے سیت کو دینا چاہیے نہ کسی اور کو کہ مقصود شرع حاصل ہوا اور اب کہہ رہے ہیں جو انکے قلوب شکستہ ہو گئے ہیں انکو تسکین ہو۔ والد علم حرہ الرابی عفو رب القوی ابو الحسنات محمد سید اخی تجاؤر اسد عن ذنبہ الکی و انغفی ابو الحسنات محمد عبد الکی

باب الحلف

سوال قرآن شریف کی قسم کھا کر شرعی قسم ہو یا نہیں **جواب** قرآن شریف کی قسم کھانا اگرچہ بعضوں کے نزدیک قسم ہوتی ہے مگر امام محمد رحمہ اللہ نے جو لیکن اباب متون نے اسکو قسم نہیں مانا جو قایہ میں ہے کا بغیر اللہ کا لنبی والقرآن الکعبۃ نہ خدا کے سوا کسی اور کی قسم جیسے نبی اور قرآن اور کعبہ اور عالمگیری میں ہے وقال محمد فی الاصل العقال القرآن لیکون بمنیاد کسقر امام محمد رحمہ اللہ نے اس میں کہا ہے کہ اگر قرآن کما قسم نہ لگی اسراختون نے مطلق کر کیا ہر سوال جب کوئی شخص کہے اگر میں ایسا کام کروں تو مجھے اللہ تعالیٰ جنت حرام دے یا دوزخ میں ڈال دے پس یہ قول یمن ہو یا نہیں **جواب** نہیں جیسا کہ مبسوط میں ہے **سوال** اگر کسی نے خدا کی قسم کھا کے کہا فلاں آدمی کو میں سبق نہ پڑھاؤں گا اور تعلیم خیر نہ دوں گا تو کیا کرے **جواب** قسم کے خلاف کرے اور تعلیم خیر اور کفار دے۔ بخاری اور مسلم میں ہے اذا حلفت علی عین فرأیت غیرا خیرا منها فکفر عن عینک وات بالک ہو خیر جب تم کسی بات کی قسم کھاؤ اور اُسکے خلاف کو اچھا جانو تو اپنی قسم کا کفار دے دو اور جو بہتر ہو وہی کرو **سوال** اگر قسم کھائی کہ میں زید کے گھر میں قدم نہ رکھوں گا اور سو کے زید کے گھر میں پاؤں پھیلانے تو حاث ہو گا یا نہیں **جواب** زید کے گھر میں داخل ہونے سے حاث ہو گا نہ قدم رکھنے سے۔ در مختار میں ہے ولا یضع قدمی فی دار فلاں حث بدو خواہ مطلقا ولو حایا اور کہا لما تقران الحقیقۃ تکلیف متعلقاتہا و محجورۃ صیر الی المجاز حتی لو اضبطع ووضع قدمی یحتمل ان قسم کھائی کہ میں فلاں کے گھر میں اپنے قدم نہ رکھوں گا تو مطلق دخول سے حاث ہو گا چاہے تنہا پاؤں جانے چاہے سوار ہو کر کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جب حقیقت متوار یا متروک ہوتی ہے تو معنی مجازی مراد ہوتے ہیں جسے کہ اگر سو یا اور اپنے دو زون پاؤں اُس کے گھر کے اندر پھیلانے تو حاث نہ ہو گا۔

سوال غیر خلکی قسم کھانا درست ہو یا نہیں **جواب** نہیں۔ ہر ایمین ہر فاعلمین باللہ دون غیرہ بین خدا کے ساتھ خاص ہو دوسرے کے ساتھ نہیں **سوال** اللہ کے اوصاف کے ساتھ جیسے معذب الکاذبین اور عالم الغیب والشہادۃ بین کی تاکید کرنا جائز ہو یا نہیں **جواب** جائز ہو۔ ہر ایک بدکردار اوصاف وہو التغلیظ قسم کی تاکید و صفا کے ذکر سے ہوتی ہو اسکو تغلیظ کہتے ہیں **سوال** تغلیظ کے وقت اُس خاص انجیل کی طرف جو نصاریٰ کے ہاتھ یا اُس تورات کی طرف جو یہود کے ہاتھ میں دیکھی ہو اشارہ کرنا چاہیے یا نہیں **جواب** نہیں بلکہ یہی میں ہو ولا یحلف بالانشارۃ الا صحف معین بان یقول باللہ الذ انزل هذا الانجیل او هذا التورۃ لانه ثبت تحریف بعضہا فلا یؤمن ان یتبع الانشارۃ الا المحرف فیکون التحلیف بتغلیظا مالین بکلام اللہ عز وجل کذا فی البدائم مصحف معین کی جانب اشارہ کر کے قسم کھانا مثلاً اُس خدا کی قسم جس نے یہ انجیل نازل کی یا یہ تورات نازل کی کیونکہ بعض آیات کی تحریف ثابت ہو اسلئے محرف کی جانب اشارہ ہو جانا ممکن ہو تو قسم کی تغلیظ اُس سے ہوگی جو خدا کا کلام نہیں ہو جیسا کہ برائے میں ہو **سوال** دعویٰ نے گواہ پیش کیے جسے اُسکا دعویٰ ثابت نہ ہو کا پھر گواہ لالے سے عاجز ہو کر دعویٰ علیہ سے حلف چاہتا ہو تو اسکو حلف لینے کا حق ہو یا نہیں **جواب** ہو۔ ہر ایمین ہر وہ ان معجز علیہ و طلبتین خصمہ مستحلف علیہا اگر مینہ قائم کرنے سے عاجز ہو اور خصم سے مین کا طالب ہو تو وہ اُس سے حلف لے سکتا ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی نجاب ورامہ عن زبہ ابجدی و انجفی

ابو الحسنات محمد عبدالحی

کتاب الوقت

سوال کسی ولی ملک نے ایک گاون حضرت شیخ مخدوم عطاء اللہ حسینی قدس سرہ کے مزار کے اخراجات کے لیے موصوفی اولاد اکبر کے نام جاری کیا اور وقت نامہ میں لکھا ہو کہ ہمیشہ یہ گاون اولاد اکبر کے قبضہ میں رہیگا اب تک ایسا ہی ہوتا چلا آیا کہ اُس کی آمدنی میں سے نہ اولاد اصغر کو کچھ ملانہ لڑکیوں کو اب عمر و کا چھوٹا بھائی بکر اور اُسکے دیکھا دیکھی جاب نہیں بھی یہ جانتی ہیں کہ اس میں ہکو شرعی حصہ دیا جائے **جواب** یہ گاون وقت ہو عمر و کی ملک نہیں ہو بلکہ عمر و ولی ملک کی طرف سے غلط اسکا متولی ہو اور کتب فقہ میں اسکی صراحت موجود ہو کہ واقع کو اختیار ہے جسے چاہے متولی کر دے پس بکر اور اُسکی بیوی کا دعویٰ غلط ہے انکو کچھ نہ ملے گا **سوال** ایک پرانی بڑی مسجد کسی امیر کی بنوائی ہوئی ہو اور اُسکے نیچے دوکانیں ہیں جنہر خرید و بیع کا بلز ہیں اور کوئی اُس کا بلعائہ گواہ موجود نہیں ہو کہ یہ دوکانیں صرف مسجد کے لیے وقت ہیں پس کیا شہادت بالتسامع اس باب میں کافی ہوگی **جواب** شہادت بالتشہرت بالتسامع بغیر کسی کے دعوے کے وقت میں کافی ہو فی الھند ید الشہادۃ حملہ

الوقف بالشہر تجوز وکذا الشہادۃ بالتسامع فلو اعتمدوا بالشہادۃ بالتسامع وقالا لشہد بالتسامع نقبل شہادتهما وان حاربہما بالشہادۃ
 بل یلکون منہ عشرین سنتہ وباربعہ الوقف ثانیۃ سنتہ نقبل القاضی ان الشاہد لشہد بالتسامع فاذا فرق بین السکوت والخصاص نقض
 ووقف الدار المختار الشہادۃ بالشہادۃ لا بآثارہ ان صح حوالہ ای بالتسامع فی المختار خط المواقف القدیۃ علی سہل الی
 بخلاف غیرہ نقض فی شہادۃ لا لشہادۃ احدہما بل یعاینہ بالاجماع لا فی الشہادۃ فی النکاح الدخول بزوجہ وکذا فی الاصل
 انہی وفی الحدیث ما اوقف الصحیح لہ نقبل الشہادۃ بالتسامع فی اصلہ دون شرائطہ لان اصلہ وان شہرہ انہی فی حدیث
 والقیاس ان لا تجوز ان الشہادۃ مشتقۃ من الشاہد وذلك بالعلم بحصول فساد کالبيع وکذا لستحسان ان هذا امر مختص
 بعائینہما خاصا بخاص من الناس یتعلق بحکم یتقوی علی انقضاء القرون فلو لم یقبل فیما الشہادۃ بالتسامع اذ دل علی التعلیل
 الاحکام وفی الاشیاء وحاشیتہ لیس فی الشہادۃ حسیۃ بل لا شک فی حق نقضہا فی طلاق المکرۃ وحق کلاہ ووقف
 ہندیہ میں ہر وقت پر شہادت بالشہادۃ ہر شہادت بالتسامع جائز ہر بس اگر دو آدمیوں نے شہادت بالتسامع دی تو وہ مقبول
 ہوگی اگر اس امر کی تصریح کر دیں کہ ہم شہادت بالتسامع دیتے ہیں کیونکہ اگر کسیا بتوہا کہ شاہکی عمر بیس برس کی ہوتی ہے اور وقت کی
 تاریخ سو سال پہلے ہوتی ہے تو قاضی کو خود ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شہادت بالتسامع ہر لہذا سکوت اور انہما میں کچھ فرق نہیں ہے
 اور در مختار باب الوقف میں ہر شہادت بالشہادۃ سے اہل وقت برزخ مختار ثابت ہو جاتا ہے اگرچہ شاہد تسامع کی تصریح کر کے
 اس کا منشاء ہے کہ اوقات قدیمہ ہلاک نہونے یا بین برخلاف دوسری چیزوں کے انتہی اور در مختار کے باب الشہادات میں
 ہر شہادت غیر معائنۃ بالاجماع مافی نہ جائیگی مگر نسب ورموت اور نکاح میں اور زوجہ کے ساتھ ولی میں اور ولایت قاضی میں
 اور اہل وقت میں اور ہر مین ہر صحیح یہ ہے کہ وقف میں شہادت بالتسامع مقبول ہے اہل وقت کے معاملہ میں نہ کہ شرائط
 وقف میں کیونکہ اہل وقت عام طور پر مشہور ہوتا ہے انتہی یہ استحسان ہے اور قیاس کا مقصد یہ ہے کہ ایسی شہادت نہ مافی جائے
 کیونکہ شہادت مشاہدہ سے مستحق ہے اور وہ علم سے محال ہوتا ہے جو بیان محال نہیں ہوا پس مثل بیع کے ہوگا اور تحسین
 کی وجہ یہ ہوگا ان امور کے اسباب کا معائنہ خواص کرتے ہیں اور ان سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ صدیوں تک باقی رہتے
 ہیں پس اگر ان میں شہادت بالتسامع مقبول نہ ہو تو احکام میں تغیر کرنا پڑے گا اشیا میں اور حموی نے اس کے حاشیہ میں لکھا کہ
 شہادت بلا دعوی کے مقبول ہے یعنی طلاق اور لونڈی کی آزادی اور وقف میں اسی پر حکم دیا جائیگا۔ اور اگر شہادت
 بالتسامع نہ ہو تو عرف کے لحاظ سے دو کانون کے وقف کا فتویٰ دیا جائیگا کیونکہ واقف کے انھیں انھیں شمع کے موافق
 ہوتے ہیں اور جب عدم نص شارع کی صورت میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے تو عدم نص واقف کی صورت میں بھی عرف کا اعتبار
 کیا جائیگا ورنہ بہت سے اوقات قہریمہ باطل ہو جائیں گے اور متعارف یہ ہے کہ جب وقف مسجد بناتا ہے تو وہ کافین وغیرہ

بھی مصلح مسجد کے لیے بنانا، خصوصاً جبکہ بڑی مسجد اور کوئی امامیہ بنوٹا ہے۔ اشباہ میں یہ نصوص الحافظ کے نصوص الشارح
 و فی الاصل فیمن الاموال الربویۃ یعتبر فیہ العرف والخصوصیۃ للربوا واما العرف غیر معتبر فی المنصوص
 علیہ نصوص و لیسے ہی میں جیسے نصوص شائع اور جہان نص نہ وہاں عرف کا اعتبار ہے اور منصوص علیہ میں
 البتہ عرف غیر معتبر ہے۔ اور جب دو کا لون کا وقف ثابت ہو گیا تو اسکی تملیک بطریق بیع ہو یا بطریق ہبہ یا بطریق رہن جائز
 نہ گی۔ درختار میں ہے فاذا تم طرم لا یملاک ولا یملاک ولا یعار ولا یومن جب وقف تمام اور لازم ہو جائے تو اسکا کوئی
 مالک نہیں رہتا اور نہ اسکی بیع درست ہے نہ عاریت دینا نہ رہن رکھنا۔ والد اعلم و علمہ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ **ہو الموفق**
للمصواب اگر شہادت بالمعائنہ نہ ہو تو شہادت بالتسامع کافی ہے۔ درختار میں ہے ولان تقبل فی الشہادۃ حسبۃ
 بذان المدعو و لریغۃ عشر فما الوقف علی فی الاشباہ و تقبل فی الشہادۃ علی الشہادۃ و الشہادۃ للنساء مع الرجل و
 بالشہادۃ للاثبات اصلہ وان صرحوا بہ ای السماع علی المختار و الوقف علی معینین جن حیزون میں بلا دعوی شہادت
 مقبول ہوتی ہے چودہ ہیں ان میں سے وقف بھی ہے جیسا کہ اشباہ میں ہے اور اس میں شہادت پر شہادت اور مردوں کے
 ساتھ عورتوں کی شہادت اور اصل وقف کے اثبات کے لیے شہادت بالشہادۃ بھی مقبول ہوتی ہے اگرچہ شاہد سماع کی
 تصریح کر دے بر مذہب مختار اگرچہ وقف معین لوگوں پر ہو و اسد اعلم کتبہ محمد عبد اللہ الحسینی البکری۔ قد اصاب الحجب
 بما اجاب حررہ العبد الفقیر الی اللہ محمد عظیم اللہ عفی عنہ۔ واقعی شہادت بالشہادۃ اور شہادت پر شہادت اور شہادت بالتسامع
 کا جواز اصل وقف کے ثبوت کے لیے ترتیب معتبرۃ فقہ سے ثابت ہے۔ عالمگیری میں ہے تقبل الشہادۃ علی الشہادۃ فی الوقف
 و لکن الشہادۃ للنساء مع الرجال الذی فی الظہیر و لکن الشہادۃ بالتسامع فلو انھا شہد بالالتسامع و لکن لا شہد
 بالتسامع تقبل ان صرحا بہ وقف میں شہادت پر شہادت مقبول ہے اور اس طرح مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت
 بھی مقبول ہے جیسا کہ ظہیر میں ہے اور ایسا ہی حال شہادت بالتسامع کا ہے پس اگر دو آدمیوں نے شہادت بالتسامع ہی
 اور کہا کہ ہم شہادت بالتسامع دیتے ہیں تو یہ شہادت مقبول ہوگی اگرچہ انھوں نے شہادت تسامع کی تصریح کر دی ہو۔
 جب ثبوت وقف کے لیے شہادت بالتسامع کافی ہوئی ہو اور وقف ثابت ہو گیا تو دو کا لون کو بھی بانی مسجد یا اسکے زینا
 یا کوئی دوسرا شخص بیع یا ہبہ یا رہن وغیرہ نہیں کر سکتا۔ صاحب رد المحتار لا یملاک کے تحت میں لکھتے ہیں اسے
 لا یكون مملوکا لصاحبہ یعنی وہ مال صاحب مال کی ملک میں نہیں ہوتا۔ لا یملاک کے تحت میں لکھتے ہیں انکی تقبل
 التملیک لغیرہما بیع و نحوہ کا استعمال تملیک الخارج عن ملکہ اور نہ صاحب مال اسکا کسی کو مالک بنا سکتا ہے بیع وغیرہ
 کے ذریعہ سے کیونکہ جو چیز خود اس کی ملک سے خارج ہے دوسرے کو اسکا مالک کیونکر بنا سکتا ہے۔ والد اعلم حررہ الخ

محمد عادل عاملہ المدفونہ الشامل جہانین الامینین یوم الرجعت الزلازل **ہو المصوب** وقف میں شہادت بالتسلیم
اور شہادت بالشہرہ مقبول ہے۔ ذخیرہ میں ہے تقبل الشہادۃ علی الشہادۃ کذا الشہادۃ بالتسامع من الرجال شہادت
پر شہادت مقبول ہے اور اس طرح مردوں سے جو شہادت بالتسلیم ہو مقبول ہے۔ اور اسی کتاب میں ہے و تقبل الشہادۃ
على اصل الوقف بالشہرہ اصل وقف میں شہادت بالشہرہ مافی جانی جاتی ہے۔ اور شہادت اغنیہ میں ہے لو شہدا
بالتسامع و حرجہ تقبل شہادۃ تہا اگر دو آدمیوں نے شہادت بالتسامع دی اور اسکی تصریح بھی کر دی تو دونوں کی شہادت
مافی جائیگی۔ اور عرفا ایسی دو کائناتیں مصالح مسی کیلئے وقف ہی ہو کرتی ہیں اور عرف مثل نص کے ہے شرح اشباہ میں
مبسوط کے نقل کیا ہے کہ ان الثابت بالعرف کا ثابت بالنص اسلیکے کہ جو عرفا ثابت ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے نص سے
ثابت ہو۔ اور ذخیرہ میں ہے اذا قال ارضی عنک للسبیل ولویزد علی فان کان هذا واقفا فی عرفہ وقف اگر کہا
کہ میری یہ زمین راستہ کیلئے ہے اور اسکے سوا کچھ نہیں کہا تو اگر یہ الفاظ عرف عام میں وقف کے ہونگے تو وقف ثابت
ہو جائیگا۔ واسلام کتبہ محمد بشیر الدین **ہو المصوب** اس میں کوئی شک نہیں کہ اثبات وقف کے لیے شہادت
بالتسامع معتبر ہے اور جب شہادت بالعیان نہ ہو تو یہ شہادت کافی ہو جائیگی فی جامع المضمرات فی النصاب علی مجوز الشہادۃ
على الشہادۃ وبالتسامع المختار انہ یجوز فامہ ولو یجوز لک ان یستعملک الاوقات القدیمۃ وبما اخذ الفقیہ
ابو اللیث حتی استولی علی الوقف ظالم و اتکر الوقف کان لہا لقرتہ ان یستعملک الذلک انتہی فی الفتاوی الخیرۃ و قد ذکر فی
جامع الفصولین داخل للعلق یتبع ان یقبل علی الشہادۃ بالتسامع لو کان قدیم او وقف مشہور قدیمہ لا یغیر واقف استعمل
علیہ ظالم فادعی المتولی انہ وقف علی کذا مشہور او شہد کذا فان اختار انہ یجوز انتہی فی کفایۃ قال کلام ظہیر الدین لا ید
من بیان المجتہدان تبیین ان ہذا وقف علی المسجد او المقبرۃ او نحو ذلک حتی لو لم یذکر ذلک لم تقبل فیما قبل و قد یقبل
الشہادۃ علی شرط الوقف انہ بعد ما شہد ان ہذا وقف علی فلان لا ینفی ظہران شہد و ابید من علته کذا و کذا
نصاب میں ہے کہ شہادت علی الشہادۃ اور شہادت بالتسامع پر مذہب مختار جائز ہے کہ اگر جائز نہ ہوگی تو اوقات قدیمہ ہلاک
ہو جائیں گے اس سے فقیہ ابو اللیث نے اخذ کیا ہے حتی اگر وقف پر کوئی ظالم متولی ہو اور وقف کا انکار کرے تو اہل قرۃ
کو وقف کی شہادت کا حق ہے اور صاحب فتاویٰ خیر یہ نے جامع مفصولین سے نقل کیا ہے کہ اگر وقف قدیم ہو تو شہادت بالتسلیم
کو مقبول ہونا چاہیے ایک وقف مشہور قدیم ہے جسکا واقف معلوم نہیں اس پر کسی ظالم نے قبضہ کر لیا تو متولی نے دعویٰ کیا کہ یہ فلاں
کام کے لیے وقف ہے اور یہ باع مشہور ہے یا اس پر شہادت لوائی تو پر مذہب مختار یہ دعویٰ جائز ہوگا اور کفایہ میں کلام ظہیر الدین
نے کہا ہے کہ بیان جہت ضروری ہے یعنی یہ بیان کر دینا کہ یہ مسجد یا مقبرہ کسی اور خیرہ وقف کیا گیا تھا حتی کہ اگر یہ نہیں بتا

تو شہادت مقبول نہو گی اور یہ جو کہا گیا ہو کہ شرط وقف پر شہادت مقبول نہیں ہو اسکی تاویل یہ ہو کہ حبس بات کی شہادت دیدین کہ یہ مال فلان بات کے لیے وقف کیا گیا ہو تو بھروسہ کی ضرورت نہیں ہو کہ شہادت کو نئے سرے سے شروع کریں کہ اسکی علت یہ تھی اور یہ تھی۔ اور جب اثبات وقف کے لیے شہادت بالتساوی کافی ہوئی تو اسکی بعد ان دو کا نون کی بیع یا ہبہ وغیرہ ناجائز ہو۔ شیخ الاسلام ہر الدین عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہو اذ اصح الوتف کا یصح تملیکہ ولا یبعہ ملاذکوفی والکلتا۔ من قوله علیہ الصلوٰۃ والسلام لعمر تصدق باصلہا لا تباع ولا توہبہا لا تورث جب وقف صحیح ہو جائے تو اسکی تملیک بیع درست نہیں ہو کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہو کہ اسکی اصل کو تصدق کرو و کیونکہ نہ اسکی بیع درست ہو نہ ہبہ نہ اس میں وراثت ہو۔ واللہ اعلم بحرہ الراعی غفور رب القوی البواکھسات محمد عبدالحی تجاوز المدین ذنب الکی و اخفی سوال وقف کی املاک کسی کی ملک ہو یا نہیں اور اس میں کوئی تصرف کر سکتا ہو یا نہیں جواب کسی کی ملک نہیں ہو واللہ اعلم منقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد خیر اللہ الاحد صحیح الجواب جو ہرہ میں ہو قال ابو یوسف وحمل الوقف عبایۃ عن حبس العین علی ملک اللہ علی وجہ تصل المنفعۃ الی العباد فی ذل ملک الواقع عنہ الی اللہ فیلزمہ ولا یباع ولا یوہب ولا یورث امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہا ہو کہ وقف کسی چیز کو خدا کی ملک میں کر دینا ہو کہ اس سے بندوں کو منفعت ہو پونچیس وہ چیز وقف کی ملک میں نہیں رہتی بلکہ خدا کی ملک ہو جاتی ہو کہ نہ اسکی بیع درست ہو نہ ہبہ نہ اس میں وراثت ہو واللہ اعلم بحرہ البواکھسات محمد عبدالحی سوال ثلانیہ کیسے فقہرہ ہبہ حبشہ شایک سلطان کی وکالت میں اس غرض سے جمع کر دیا کہ اس سے تجارت کا کاروبار ہو اور اسکی اصل منافع سے مدرسہ اسلامیہ کا جو فلان جامع مسیحی میں خیم چلایا رہے اور اس مضمون کا ایک وصیت نامہ بھی لکھ کر چند شخصوں کو بخشے مشورے سے مہات مسجد مذکور مع چند دیگر مساجد کے انجام پاتے تھے اور بخیر ان اشخاص کے زید خود بھی تھا اس وصیت کے انصرام کے لیے مقرر کیا اور یہ اشخاص میران کیٹی مساجد مذکور کھاتے تھے بعدہ میران کیٹی طبعاً اب بکثرت رائے کے اس مدرسہ کے مدرس عربی کو مع طلبہ اس مسجد سے اٹھا کر دوسری مسجد میں لے کر جکے مہات میران کیٹی مذکور کے متعلق تھے بلکہ اسکے مہات صرف خالد کے اہتمام میں تھے جو اس کیٹی کا افسر تھا مگر نام اس چیز مدرسہ کا جو پھر الذکر میں اٹھ گیا وہی مدرسہ اسلامیہ واقع مسجد اول الذکر قائم رہنے دیا اور ایک مدرس حافظ قرآن مع طلبہ مسجد اول الذکر میں اپنے دیا اور جو چندہ مدرسہ اسلامیہ واقع مسجد اول الذکر کے نام سے وصول ہوتا تھا اس سے دونوں مدرسوں کی تنخواہ دی جاتی تھی بعدہ زید ہو اور عمر و بجائے اسکے میران کیٹی کا بشورہ جملہ میران کیٹی باقی ماندہ کے مقرر ہو ا بعدہ بکرنجلہ میران کیٹی کے ایک شخص شرکت مجلس مشورہ مساجد مذکور سے اور مدرس مذکور داخل مسجد مذکور یعنی داخل مسجد اول الذکر سے باتفاق جملہ تقیہ میران کیٹی طبعاً کیے گئے مگر خالد افسر کیٹی نے مسجد اول الذکر میں اسکو قائم رہنے دیا اور پھر ہماست نہیں کیا اسی وقت مسجد اول الذکر میں دوسرا

مدرس عربی مقرر ہوا اور چندہ جو واسطے مدرسہ کے مسلمانوں سے وصول ہوتا تھا متفرق ہو گیا کچھ مسلمان مدرسہ جدید واقع مسجد اول الذکر میں دینے لگے اور کچھ مسلمان مسجد آخر الذکر میں اور باقی تمام دونوں مدارس کا علیحدہ ہو گیا مدرسہ مسجد اول الذکر باقی تمام عمر کے رہا اور مدرسہ آخر الذکر باقی تمام بزرگ کے لیکن مدرسہ حافظ قرآن کی تنخواہ کسی مصلحت سے مسجد آخر الذکر کے چندہ سے بہت ستر ملتی تھی بعد مدرسہ حافظ قرآن متعینہ مسجد اول الذکر ترک نوکری رخصت ہوئے اور بجائے اپنے دوسرے حافظ کو مقرر کرنا چاہا لیکن عمر و متعم مدرسہ مسجد اول الذکر نے بنا منظوری اُس کے دوسرا حافظ مقرر کیا الا بکر نے اُسی حافظ کو جسے حافظ معزول نے مقرر کرنا چاہا تھا مسجد آخر الذکر میں مقرر کر دیا اور مدرسہ حفظ قرآن وہاں بھی جاری کیا اور تنخواہ مدرسہ حافظ قرآن متعینہ مسجد اول الذکر کو جو چندہ مسجد آخر الذکر سے ملتی تھی موقوف کر دی اب دونوں مدارس کے چندہ اور مصارف بالکل علیحدہ ہو گئے ایک کی آمدنی اور مصارف سے دوسرے مدرسہ اور مسجد کو تعلق نہیں ہو پس اب وہ روپیہ جو زید نے واسطے مصارف مدرسہ مسجد جامع یعنی اول الذکر کے دوکان مذکور میں جمع کیا تھا کس مدرسہ کے مصارف میں شعا خرج ہونا واجب ہے آیا ممبران کمیٹی کو وہ روپیہ مصارف مدرسہ اسلامیہ مسجد جامع میں خرچ کرنا چاہیے یا مدرسہ مسجد آخر الذکر میں اور اگر اُس روپیہ سے کوئی جائیداد تعمیر ہوئی ہو تو شرعاً اس کی آمدنی کس مدرسہ میں صرف ہونا چاہیے اور کس مدرسہ میں صرف ہونے سے وصیت کی تعمیل ہوگی اور کس مدرسہ میں صرف ہونا خلاف وصیت ہے اور اس خلاف تعمیل وصیت سے ممبران کمیٹی جو ادھیاعند الدین گنکار ہو گئے یا نہیں جواب چونکہ واقف کی شرط لازم لہی ہے اور صورت سوال میں واقف نے مدرسہ اسلامیہ افق مسجد جامع کی تعلیم کی ہے لہذا وہ روپیہ مدرسہ مسجد جامع میں صرف ہونا چاہیے نہ مسجد آخر الذکر کے مدرسہ میں بجز الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے فان قلت اذ کلان لہ دوس فی جامع ولازم بانیہ ان یکون عمال علیہ فی مصلحتہ ہل یتحقق المعلوم فی المدرستہ قلت لا یتحقق الا اذا باشر فی المکان المعین بکتاب الوقف لقولہ فی شرح المنظومۃ اما لو شرط الواقف فی ذلک کلمۃ شرط اتبعہ اگر جامع مسجد میں درس ہوتا ہو اور بانی مسجد نے یہ ضروری کر دیا ہو کہ اس مدرسہ میں جو کچھ خرچ ہو وہ وقف مسجد سے لیا جائے تو مدرسہ اس کا مستحق نہ ہوگا تا وقتیکہ مقررہ مکان میں نہ وہ جہان عمر یہ وقف میں اُس کی تصریح کی گئی ہو کیونکہ شرح منظومہ میں ہے اگر واقف نے وقف میں کچھ شرطیں لگائی ہیں تو ان پر عمل کیا جائے گا سوال اگر واقف نے کہ غومی متولی ہے تو وقف کیا کہ جو جائیداد موجود ہے وہ میں نے وقف کی اور جو جائیداد آئندہ زائد تولیت میں پیدا کر دنگاہہ بھی وقف ہوگی تو کیا بہ نسبت جائیداد آئندہ کے وقف حال درست ہوگا جواب نہ درست ہوگا کیونکہ موقوف کا بوقت وقف ملک ہونا شرط واقف سے ہے اور جب وقف کرتے وقت واقف موقوف کا ملک نہیں تھا

تو وقت بھی درست نہوگا۔ بحر الرائق میں خانیہ سے نقل کر کے لکھا ہے لو قال اذ املكك هذا الارض فهو صدقة موقوفہ
 لایحوز ولا تعلیق الوقت لا یقبل التعلیق اگر کسی نے کہا جب میں اس زمین کا مالک ہو جاؤں تو یہ صدقہ ہے موقوف
 ہے تو یہ وقف جائز نہوگا کیونکہ تعلیق ہے اور وقف تعلیق کو قبول نہیں کرتا سوال وقف مشاع جائز ہے یا نہیں
 خواہ حصہ واقف کا دوسرے شریکوں سے علیٰ ذہن خواہ شری موقوفہ درمیان موقوفین عظیم کے منقسم اور معین نہ ہو جواب
 وقف مشاع مشترک محمل لقسمة بقول مفتی بہ جائز نہیں ہے بحر الرائق میں ہے الحاصل ان وقف المشاع مسجد و مقبرہ غیر جائز
 مطلقا اتفاقا و غیرہ ان کان کما لا یحتمل القسمة جازا اتفاقا و اختلاف فیما یحتملها فلا یحوز وقف المشاع عند محمد
 و یحوز عند ابی یوسف و صحیح فی الخلاصۃ من کلام جابر بن انبغیہ علی قول محمد فی وقف المشاع و کذا فی البزازیۃ
 والولولجیۃ و فی شرح المجمع لابن ملاء فی التجنیس ینفق تبصرہ فی غایۃ البیان محل یہ ہے کہ مسجد اور مقبرہ پر وقف
 مشاع مطلقا جائز نہیں ہے اتفاقا اور ان کے علاوہ ان اشیاء میں جو محمل قسمت نہیں ہیں جائز ہے بالاتفاق اور جو محمل قسمت
 ہیں ان میں اختلاف ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے خلاصہ
 میں اجارہ سے نقل کیا ہے کہ فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول یہ ہے ایسا ہی بزاز ہے اور اولو الجہہ میں ہے اور شرح مجمع میں جو ابن
 ملک کی تصنیف ہے اور تجنیس میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور غایۃ البیان میں اس کی اتباع کی ہے سوال اگر واقف نے
 یوں وقف کیا کہ کسی حاکم وقت کو اختیار نہوگا کہ اپنی رائے سے کسی دوسرے کو متولی مقرر کرے یا میرے مقرر کیے ہو
 متولیوں کو معزول اور کمی و بیشی کرے یا انہ کو کوئی خیانت کا جرم لگائے تو سوال یہ ہے کہ کیا اس وجہ سے دست اندازی حاکم یا
 قاضی کی ممنوع ہوگی اس کا لحاظ رہے کہ موقوف علیہ اور متولی ایک ہی ہو جواب اس شرط کی صورت میں قاضی اور حاکم کو دست
 اندازی ممنوع ہوگی اور کوئی حاکم تغیر و تبدل نہ کر سکے گا لیکن اگر متولی کی خیانت صحیح طور سے ثابت ہو جائے تو اس وقت حاکم شرع
 کو تبدیل کا اختیار ہوگا اور شرط وقف کا اعتبار نہ کیا جائیگا۔ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے ولایۃ القاضی تو خیر۔ المشروط
 رد وصیر ولایت کے معاملہ میں قاضی کا مرتبہ مشروط اور وصی واقف کے بعد ہے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے ینزل القاضی
 المتولی لو کان خائنا نظر الموقوف لا اعتبار بشرط الواقف ان لا یعزلہ القاضی و السلطان لانهما یخضعان لحکم الشہر
 قاضی وقف کی مصلحت کا خیال کر کے متولی خائن کو معزول کر دیکھا اور اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ قاضی اور سلطان اسے
 معزول نہیں کر سکتے تو اس شرط کا اعتبار نہ کیا جائیگا کیونکہ یہ شرط حکم شرعی کے خلاف ہے سوال دیہے اپنی جائیداد
 غیر مشقوقہ کو عمر و پر وقف کیا اور اُس کو متولی مقرر کیا اور یہ شرط کی کہ عمر و جسے چاہے موقوف علیہ اور متولی اپنے بعد کر دے
 تو آیا اس اختیار کردہ واقف سے عمر و دوسرے کو موقوف علیہ اور متولی کر سکتا ہے یا نہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ

موقوف علیہ مالک نہیں ہو اور اسے مالک کے دوسرے شخص موقوف علیہ مقرر نہیں کر سکتا گو مالک نے اسے اختیار دیا ہو جو جواب شرعاً سے ملوک ہوتا موقوف کا واقعہ کیلئے ہو اور شرعاً موقوف ملک موقوف علیہ میں داخل نہیں ہوتی جیسا کہ عالمگیری میں ہے وذاخرہ عن ملک الواقف لایدخل فی مملکت الموقوف علیہ اذ فی الکافی وهو المختار کافی فتم القدر جب ملک واقف سے کلمہ جائے تو موقوف علیہ کی ملک نہیں ہوتی جیسا کہ کافی میں ہے اور یہی مذہب مختار ہے لیساکا فتح القدر میں ہے۔ اسی لیے موقوف علیہ کو اختیار وقف موقوف کا نابا حاصل نہیں ہو سکتا اور متولی کرنے کا اسکو اختیار ہو۔ رد المحتار میں ہے معنی العموم کما فی النفع الوسائل انه ولاہ واقامہ مقام نفسہ جعلہ ان یسدہ ویوصی الی من شاء ففی ہذا الصورۃ یجوز التفویض منہ فی حال الحیوۃ و فی حالۃ المرض المتصل بالموت عموم کے معنی جیسا کہ النفع الوسائل میں ہے کہ اسنے متولی اور اپنا قائم مقام بنایا ہو اور اسے جسکو وہ چاہے وصی بنانے کا اختیار دیا ہو ان صورتوں میں وقف کو حالت حیات میں اس شخص کے سپرد کرنا جائز ہے ہر طرح حالت مرض موت میں۔ اور رد مختار میں ہے ادا المتولی قائمہ غیر مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض بالشروط عامہم والا فان غرضہ صحتہ کا بھی وقت فی مرض موتہ یہم متولی نے کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا چاہا حالت حیات وصحت میں پس اگر تفویض کسی عام شرط سے ہو تو صحیح رہے نہ اگر تفویض حالت موت میں ہو تو صحیح نہیں ہو اور اگر مرض موت میں ہو تو صحیح ہے سوال وقف بیع بیع الوفا بجانب مشتری درست ہے یا نہیں کیونکہ اس میں لزوم دوام نہیں ہے جو وقف کے لیے ضروری ہے اسلئے کہ بائع زعفران مثلاً زعفران کے دیگر جائیداد سے واپس کر سکتا ہے اور شاید بیع الوفا مشتری کی ملک نہیں ہے مگر بعض لوگ کہتے ہیں بیع الوفا حکم بیع ہے اسہ پر سے وقف جائز ہے جواب بیع الوفا کے باب میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض بیع فاسد اور بعض بہن تجویز کرتے ہیں اور صاحب بحر نے اس میں آٹھ قول نقل کیے ہیں اور قول ہشتم کے باب میں لکھا ہے الثامن القول الجامع لبعض المحققین انه فاسد فی بعض الاحکام حق مالک کلہما الفسخ وصحیحہ فی حق بعض الاحکام کمال لانزال والمنافع وکذا فی حق البعض حق لعمیلۃ المشتہر ببعہ من اخر ولا ھنہ آٹھویں بعض محققین کا جامع قول ہے کہ بیع الوفا بعض احکام میں فاسد ہے حتی کہ دونوں میں سے ہر ایک کو فسخ کا حق ہو اور بعض احکام میں صحیح ہے مثلاً سلفی کا حلال ہونا اور بعض کے حق میں ہے کہ حتی کہ مشتری کو دوسرے کے اتم فروخت کرنے اور بہن کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اسکے بعد لکھتے ہیں ینبغی ان لا یعدل فی الانشاء عن القول الجامع قول جامع پر فتوے دینے سے عدل نہ کرنا چاہیے سوال ایک قدیم مسجد کی پختہ دیواریں اور محراب موجود ہے اور سلمان محلہ میں آباد ہیں اب اسکی دیواریں گڑے پانچ سات گڑے کا فاصلہ ہے پختہ بنانا اور مسجد قدیم کا انیس چار مسجد جدید بنانا جائز ہے یا نہیں اور مسجد قدیم کی زمین میں نہیں بنانا چاہیے یا نہیں اور مسجد قدیم جو مسجد کی گئی ہو اسکی زمین

اکیسے کیا حکم پر جواب بخو مجھ نہدم ہو جائے اور کسی تعمیر و زرمیم ہو سکے اور دوسری مسجد قریب ہونے یا اور کسی قبر سے
 اُس مسجد سے استغناء بھی حاصل ہو جائے تو اُسکا اسباب دوسری مسجد میں نقل کرنا بہت صحیح و روایات مفتی بہ درست
 نہیں ہے جیسا کہ حسن شرنبلالی رالہ السعادة الساجد لجماعة المساجد میں لکھتے ہیں لا يجوز نقل اوقاف المداينة لا تقيد بال
 شرط واقفها وكذلك المسجد على المفتي بمن المذهب ايضا ذلك بما قاله العلامة الشيرازي في المصالح الرائق قال محمدا
 خرب المسجد وليس له ما يعز به وقد استغنى الناس لبناء مسجد اخر او لخرب القربة او لم تخرب لكن خربت بنقل حلها
 واستغنى عنه فانه يعود الى مالك الواقف وقال ابو يوسف هو مسجد ابدًا الى قيام الساعة لا يعومير انا
 ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر سواء كان يصلون فيه او لا يصلون وعليه الفتوى
 كذا في الحاوى القدسي في المحتجب والتمشايخ على قول ابى يوسف ورجح في فتح القدیر قول ابى سفيان
 اوقاف مدرسہ کو منتقل کر دینا یا شروط واقف میں کچھ تغیر کرنا جائز نہیں ہے یہی حال مسجد کا ہو اسکی وضاحت بحر الرائق میں علامہ
 زین نے یوں کی ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب مسجد غروب ہو جائے اور کوئی ایسا نہ ہو جسکی تعمیر کرے اور دوسری مسجد
 کی وجہ سے یا مکانوں کے ویران ہو جانے کی وجہ سے اُس مسجد کی ضرورت نہ رہی ہو یا وہاں کے لوگ کہیں اور چلے گئے ہوں
 اسوجہ سے اُس مسجد کی ضرورت نہ رہی ہو تو وہ ملک واقف ہو جاتی ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے
 مسجد ہے یا قیام قیامت کبھی میراث نہو گی اور نہ خود اُسکا یا اُسکے مال کا دوسری مسجد میں منتقل کرنا درست ہے خواہ اُس ویران
 مسجد میں لوگ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ حاوی قدسی میں ہے اور محتجب میں ہے کہ اگر شریعت نام
 ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور فتح القدیر میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور جب مسجد
 قدیم کی دیواریں وغیرہ باقی ہیں اور وہ آبادی میں واقع ہے تو ایسی مسجد کو نہدم کرنا اور اُس کا اسباب دوسری مسجد میں
 منتقل کرنا کسی طرح درست نہیں ہے بلکہ اُسکا نہدم کرنے والا ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذکرفيها اسمه و
 مسع فی خراجا کی وعید میں داخل ہوگا اور سیطرے مسجد قدیم کی زمین کو نہر بنانا بھی جائز نہیں ہے سوال قریب پچاس
 سال سے ایک مسجد قصبة کنڈیلی میں آباد ہوا جسکے اخراجات کے واسطے چند کمرے بنائے مسجد سے جسے بارہ یا تیرہ روپیہ ماہوار
 کی آمدنی ہوتی ہے ملحق مسجد ہیں اور ہمیشہ سے ایک موذن بھی سات روپیہ ماہوار پر مقرر رہا اب عرضہ ایک سال سے سو سو
 روپیہ اسلامیہ فلاح عام چندہ اہل اسلام سے بقدر وسعت کے جاری کیا گیا ہے منتظمین انجمن نے ایک مدرس پندرہ روپیہ
 ماہوار کی کاونیز ایک نائب مدرس چھ روپیہ ماہوار کی کا اسطور سے کم موذن سابق کو فضول جانکر چار روپیہ مدرسہ سے اور
 دو روپیہ چندہ مدرسہ سے جملہ چھ روپیہ کر کے مقرر کیا ہے جسکے ذمہ نیابت مدرس اور اذان مسجد بھی کی جب اُس سے انتظام

مسجد اور اذان کا نہ ہو سکا تب ایک شخص مسجد کی آمدنی سے دور و بیٹا ہوا پر مقرر کیا گیا اسپر زید اعتراض کرتا ہوا کہ جو رقم آمدنی مسجد سے مدرسہ میں لی جاتی ہے وہ بچا ہوا اسکے علاوہ کچھ اقتادہ زمین پر جو مسجد کے نامزد تھی چند کو ٹھیکان مدرسہ اور مسجد کی آمدنی سے بنائی گئی ہیں بکر کا مقولہ یہ ہو کہ نئی کو ٹھیکوں کی آمدنی مسجد میں نہ دی جائے گی کیونکہ مدرسہ بھی کا خیر میں داخل ہے اسپر زید متعجب ہوا کہ تباہی و تباہی میں ہونی انجائیں خولہ بنت ثامر ان رجلا لا یتخوضون فی مال اللہ لغير حق فلعلمہ الناریق النقیاضہ بخاری میں خولہ بنت ثامر سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کچھ لوگ خدا کے مال کو نہایت بڑے کھاتے ہیں انکے لیے قیامت کے دن آگ ہو۔ اسپر زید یقین کو عمل کرنا چاہیے کہ کتنا بڑا کچھ کو حدیث سمجھنے کی تمیز نہیں ممکن ہو کہ اس حدیث کی تاریخ کوئی اور حدیث ہو اور وہ زید تک نہ پہونچی ہو مگر ہر کوئی تاریخ حدیث پیش نہیں کرتا اور جب زید حدیث مذکور کی تفسیر تحریری مانگتا ہو تو بکر انکار کرتا ہو اور طرفہ یہ ہو کہ اس مدرسہ کی تعلیم سرکاری اسکولوں کی ضرورت پر ہوتی ہے صرفہ خود کے علاوہ کسی علم دین کی تعلیم نہیں ہوتی حتیٰ کہ افسران سر شرتہ تعلیم کو امتحان دلایا گیا اور کچھ اوپر چاس روپیہ سرکار سے تمام ملاوہ مدرسہ کے چندے میں جمع کیا گیا اب دو ماہ کے عرصہ سے مدرسہ مقررہ کی تنخواہ پندرہ روپیہ ماہواری میں پانچ سو رقم قرار دیئے اور اہلیان انجمن میں سے ایک صاحب نے کھانا اپنے ذمے لیا ہو تو ایسے مدرسہ میں مسجد کا روپیہ لگانا کیسا ہو مولوی یوسف علی صاحب دانش یعقوب علی صاحب یوبندی کی زبانی معلوم ہوتا ہو کہ دیوبند میں مدرسہ اسلامیہ جو چوہ برس سے قائم ہو مولانا رفیع الدین صاحب اور مولانا یعقوب صاحب مستم مدرسہ نے باوجود کثیر آمدنی مسجد مدرسہ کو مسجد سے متعلق نہیں رکھا اور نہ مسجد کا روپیہ مدرسہ میں لگایا اور سرکار سے سو روپیہ ماہواری چندہ لینے سے بھی انکار کیا اور سرکار سے کچھ تعلق نہیں رکھا جو اب مسجد کے اوقات میں سے مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں ہو۔ و مختارین ہو اتحاد الواقف والحدیث والی مرسوم بعض الوقوف علیہ سبب خرابی وقف احدھا جاز للحدیث ان یقتصر من فاضل الوقف لاخر الیہ لانھا حیثیت کشتی واحدا ان اختلف احدھا بان بنی رجلاں مسجدین اور جمع مسجد او متفرق وقف علیہا واقفا لایجوز لذلک اگر اوقات اور جہت وقف متحد ہو اور بعض موقوف علیہ کی چار دیواری خرابی کی وجہ سے جھک جائے تو حاکم یہ کہہ سکتا ہو کہ دوسرے وقف کی بچت سے اُسے بنادے کیونکہ ایسی صورت میں دونوں ایک ہی حکم میں ہیں اور اگر واقعہ یا جہت میں سے کوئی ایک بھی مختلف ہو تو مثلاً دو آدمیوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے ایک مسجد اور مدرسہ بنایا اور ان دونوں پر کچھ وقف کیا تو حاکم ایسا نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم سوال ایک زمین جسکے مالک تین شخص بالشرکتہ ہیں قبضہ میں ایک رعیت کے اس طور پر کہ وہ رعیت اس زمین کے کل محال پر تصرف ہوتا ہو اور مالکان کو صرف خوانہ مقررہ سالانہ زمین دہریا کرتا ہو اور جب تک رعیت مذکور خوانہ مقررہ ادا کرتا چلا جائے مالکان ان رو سے قانون انگریزی کے اسکو بی دخل نہیں کر سکتے

ہیں اور اُس زمین کو اس رعیت کے قبضہ و تصرف سے باہر نہیں کر سکتے ہیں ہاں اگر وہ رعیت خزانہ ادا کرے تو البتہ مالکان اُسکو بیدخل کر دینے کے قانوناً مجاز ہیں اور اس حالت میں اُس رعیت سے منسوخ کر کے دوسرے کے ساتھ بند و بست اُس زمین کے کر دینے کے مختار ہیں اور اُس زمین کا بند و بست بعد پانچ سال کے متبدل ہو جایا کرتا ہو لینے خزانہ مقررہ اُسکا ٹھٹ بڑھ جایا کرتا ہو اور حبس وقت مالکان جمع سابق پر اضافہ کرتے ہیں رعیت مذکور اُسکو قبول کر کے ہمیشہ پانچ پانچ سال تک کا بند و بست اپنے ساتھ کر لیا کرتا ہو اور اُس حال میں اگر رعیت مذکور جمع زمانہ ادا نہ کرے بلکہ جمع سابق ہی دیتا جائے تو مالکان کو بجز زمانہ جمع کیلئے کے حق انزعاع زمین قانوناً حاصل نہیں ہو صرف انزعاع زمین کے مختار وہ لوگ اُسی وقت ہیں جب مطلق خزانہ دینا رعیت موقوفہ کر دے ایسی زمین میں رعیت مذکور مسجدی بلا اذن مالکان بنا نا چاہتا ہو پس شرعاً وہ مختار ہو یا نہیں اور بلا اذن مالکان کے اگر وہ مسجد بنالیا تو وہ مسجد شرعاً مسجد ہوگی اور احکام مسجد اُس پر مرتب ہونگے یا نہیں اور اگر مالکان تلافی سے دو یا ایک سے اجازت لے کر سے اجازت نہ لے تو شرعاً کیا حکم ہوگا اگر قبل بنانے کے اُس نے کسی سے اجازت نہ لی یا لی تو بعض سے اور بعد تیار ہو جانے مسجد کے جملہ متحرکات اذن دیا تو اس تقدیر پر وہ شرعاً مسجد ہوگی یا نہیں اور بصورت اذن شرکاء کے ثواب وقف زمین میں تعمیر مسجد دونوں کا رعیت مذکور کو ہوگا یا صرف تعمیر کا ثواب یا بیگنا اور وقف زمین کا ثواب مالکان کو ملے گا جواب ہر فریق کا مفصل اور کارہی جواب شرائط صحت وقف سے یہ ہے کہ موقوف ملک واقع میں وقف کے قبل ہو یا بعد وقف کے مالک اجازت دیدے۔ رد المحتار میں ہر اقدان الواقف لابد ان یکون مالکاً لہ وقت الوقف ملکاً انا اولیٰ سبب علی وان لا یکون محجوراً عن التصرف حتی لو وقف الغاصب المخصوص لم یصح وان ملک بعد الشرع اوصح لو اجاز المالک الوقف فصح جازا اس سے یہ معلوم ہوا کہ وقف کے لیے یہ ضروری ہے کہ واقع کو اُس پر ملک تام وقف کے وقت حاصل ہونا چاہیے اگرچہ اُسکا سبب فاسد ہو لیکن اُسے ممنوع تصرف نہ ہونا چاہیے تو اگر غاصب نے منسوب کو وقف کیا تو درست نہ ہوگا اگرچہ بعد شرائط صحت وہ اُسکا مالک ہو جائے اور اگر مالک مضمونی کے وقف کو جائز کر دے تو جائز ہو جائیگا پس صورت مذکورہ میں رعیت اُس زمین میں مسجد بنانے کی مختار نہیں ہوگی نہ کہ وہ زمین اُسکی ملک نہیں ہو یا ان اگر قبل تعمیر یا بعد تعمیر علم شرکاء دیا لیکن اجازت دیدین تو صحت وقف کا حکم ہوگا اگر اس صورت میں ثواب وقف کا اہل مالکوں کو ہوگا اور رعیت کو صرف تعمیر کا ثواب ملے گا اور بصورت عدم اذن مطلق اُس مسجد کا حکم حکم مساجد شرعیہ کا نہ ہوگا سوال (۱) جو خزانہ ہنود پر عم خود اپنے بنوں کے نام سے وقف کرتے ہیں جیسے ساند و غیرہ اُسکا کھانا بلا اجازت مالک یا بطریق شرعاً یا ہر غیر شخص مالک سے باوجود حکم کے کیسا ہے (۲) جو خزانہ ہنود بلا قطع یا بعد قطع بعض اعضاء یا میں یا کسی سے

کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اُسکا کھانا بطریق مذکورہ سوال اول کیسا ہو (۳) غیر ذی روح چیزیں جو کسی درگاہ یا امام
 بارگاہ یا بت یا ایسے مقام پر کسی پرستش شعار ناجائز ہو بنیت تقرب چڑھائے جاتے ہیں فی زمانہ و طریقے پر
 مروج ہر اول یک چڑھائی ہوئی چیز اُسکے مقام پر چھوڑ دیا جائے دوسرے یہ کہ مالک کی طرف سے اُسی مقام پر تقسیم
 کر دیا جائے اُسکا کھانا استعمال کرنا دونوں صورتوں میں کیسا ہو جواب (۲-۱) اس قسم کے جانوروں کا کھانا
 بدون اجازت مالک کے حرام ہے نہ اسوجہ سے کہ وہ اہل غیر اسلام پر کیونکر مال غیر اسلام وہ فہم ہے جو بقصد تقرب الے
 غیر اسلام ذبح کیا جائے نہ وہ کہ زندہ چھوڑ دیا جائے بلکہ اسوجہ سے کہ ایسا جانور اس قسم کے وقف کفار اور اسلئے
 ملک مالک سے نہیں چھٹتا پس اگر وہ اجازت دیرے تو اُسکا کھانا درست ہے۔ و التمام میں ہر المختار فی التصدیق
 لا یمکنہ اذام یصح و کذا فی الہدایۃ اذا سبھا کما بسطہ الشربلالی فی شرحہ شکار کیلئے مختاریہ ہو کہ کوئی اُسکا مالک نہیں
 ہوتا و قتیقہ اُسکی بیع نہو جائے اور ایسا ہی برایہ میں ہے جیسا کہ شربلالی نے اُسکی شرح میں توضیح کی ہے۔ اور زیلعی کی شرح کنز
 میں مرقوم ہے ان کان مسلما فھی مال الخیر فلا یجوز تناولہ الا باذن صاحبہ جو جانور چھوڑ دیا جائے وہ ملک غیر ہے
 بلا اجازت مالک اُسکا کھانا ناجائز نہیں ہو (۳) جس چیز میں نہ فیہ اسلام مقصود نہ ولیک تقسیم کرنا اور اُسکا ثوابیت کو پہنچانا
 مقصود نہ وہ حلال اور جس میں صفت چڑھانا اور نہ مالی غیر اسلام مقصود ہو جیسے وہ چیزیں کہ اکثر عوام قبروں یا تعزیر وغیرہ
 پر چڑھا کے چلاتے ہیں اور مقصود اُنکو صرف نذر کر دینا ہوتا تو وہ حرام ہیں۔ در مختار میں ہے اعلم ان الذبح الذی یقیح
 للاموات من اکثر العوام و ما یؤخذ من الذبح و الشتمع و الزیت و فحواہا و تنقل الی ضوائمہ الاولیاء تقرب الیہم بکلام جامع
 باطل و حرام مالم یقصدوا احصاؤها فقرئہ الامام و قد ابتلی الناس فی هذا الاعصار و قد بسطہ العلامة قاسم فی شرح
 در البحار اکثر عوام جو اموات کی نذر کیا کرتے ہیں اور جو ذبح اور شمعیں اور تیل وغیرہ خرید کے اولیاء کے مقبروں پر بغرض
 اُنکے تقرب کے لجاتے ہیں وہ بالاجماع باطل و حرام ہیں جب تک فقرا براہِ اسکے صرف کرنے کا قصد نہ کر لیں اس زمانے میں لوگ
 اس بلا میں بہت مبتلا ہو گئے ہیں اُسکی توضیح علامہ قاسم نے شرح در البحار میں کی ہے سوال بانسہ شریف میں سید شاہ
 عبد الزاق رضی اللہ عنہ کی درگاہ ہوا کہ کئی پشت سے سید صاحب کی اولاد میں جانشین مالک متولی برابر ہوتے چلے آئے
 ہیں اور سید صاحب کے فرزند شاہ غلام دوست محمد صاحب گل شاہ کو واپس جادو کستی اور چراغ جی اور خدمتگذاری درگاہ
 حاضرین و زائرین درگاہ کے مقرر و امور کیا تھا چنانچہ گل شاہ کی بھی کئی پشت تک وہ تعلق برابر چلا آیا ہے اس زمانے میں جو
 لوگ مالک متولی ہیں اُن لوگوں نے خاد میں یعنی اولاد گل شاہ کو بوجہ قصور و تقصیر کے موقوف کر دیا ہے جس میں صورت میں حق
 موقوف کا مالکان و متولیان اکثر عاقل و بامعین جواب مذکور وہ قصور و تقصیر سے مالکین اور متولیان کو جو سید صاحب کی

اولاد میں سے ہیں حق موقوفی حاصل ہے خصوصاً جبکہ اُنکے موقوف کرنے میں مصلحت ہو اور اُنکا موقوف کرنا بوجہ معتبر واقع ہو۔ اسبابہ میں ہے لیس الامام ان یخرج شیئاً من ید احد لا یحق ثبات معروض یعنی امام یا قاضی وغیرہ کو حق نہیں ہے کہ کسی چیز کو کسی کے قبضے سے نکال لے اور اُسکو موقوف کر دے مگر بوجہ شرعی معتبر اور نتیجہ قنونی طریقی میں ہے قال بیری زادہ ینبغی ان یقید بما ذالم لیکن فیہ فائدۃ للوقف اما اذا کان عزل خیر اعزل لہ کافی جامع الفصولین بیری زادہ نے کہا ہے کہ جو ناظر و مدبر و مستم مال وقف وغیرہ کا ہو اُسکا موقوف کرنا اُس وقت ناجائز ہے جب کہ اُس میں کوئی فائدہ و مصلحت متعلق اموال و ثقیہ نہ ہو اور اگر اُسکے موقوف کرنے میں مصلحت ہو تو موقوف کرنا جائز ہے سوال میں نے تحریر ایک وثیقہ مرقومہ اُنیسویں اپریل ۱۲۸۲ء اپنی کل جائیداد میں سب اپنی زوجات و اولاد کا حصہ بمقدار جدا گانہ بنا کر وقف لکھ دیا مگر اب تک اُس پر قبضہ نہ کیا گیا ہے متولی کو نہیں دیا ہے اور شرط بقائے عین حقیقت بحق اپنے لکھا لیا ہے اُن میں دو طرح کے میرے حماد و محمد احمد جو میری ایک عورت سے جبکہ مہر فاطمی تھا اور حاجی کر دیا گیا تھا اور وہ مر بھی گئی ہیں وہ دونوں بھائی بزرگ اُس تحریر کے کہ باپ سے جو کچھ ملتا تھا وہ لکھ ہی چکا اب اُن سے کیا عرض ہے براہ ناخلفی مجھے سخت ہو گئے آزادی و عیاشی میں مبتلا ہو رہے اپنی صورت دکھلانے اور سیدھی بات کرنے کے بجائے ظلال نہیں میری نافرمانی اور توہین کرتے اور میری باتوں کو نہیں سنتے اور جواب و لشکر دیتے رہتے ہیں اور اس نظر میں ہیں کہ باپ مر جاوین تو اُنکی سب جائیداد پر قبضہ کر کے حدود جہ کی تاش بنی شل اپنے ناہنالی خاندان کے کر گزریں اب میں بخلت مذہبی قرار کرتا ہوں کہ ان دونوں کی بے پروائی و دینیتی و دنیا بازی و خیانت و خبانت سے میں سخت عاجز ہوں تنگدل ہو رہا ہوں اور جب وہ مجھے ایسی بیوفائی و کفران حقوق پرورش وغیرہ کر رہے ہیں تو اپنے سوتیلی ماؤں و دوستوں بھائیوں اور بہنوں کو کہ ایسوں میں بالطبع خصوصیت رہتی ہو کہ گھر میں چین و آرام لینے دینگے بلکہ یہی دونوں بھائی بد اطوار میرے بعد میری کل جائیداد کا منافع بالابالالوٹ مار کر کے اپنے عیش و نشاط میں اڑا لیا کرینگے اور میرے بچے جو اُن میں کوئی بھی بالغ نہیں اور میری بیبیاں جو پردہ نشین اور بے خویش و برابر و بیکس ہیں بھونکوں مرین گی یا بھیک مانگتی گھر سے باہر نکل جائیں گی لہذا ان دونوں کے دست برد کے روکنے کے لیے اُن دونوں کے نام جو حاکم و ثقیہ میں نامزد کیا ہے اُسکو میں بھاری طرفت و ایس کر لینا چاہتا ہوں کیونکہ عین جائیداد تو خود اُس وثیقہ میں میری ملکیت دوام کے لیے میرے حق میں قائم رہنے کو مشروط ہو چکی ہے باقی بظرف نفعت قبضہ اُنکا بحسب قواعد تکمیل وقف کے اُنکو اندر متولی کو کہ اُس محمد احمد کے نام تو لیت لکھا تھا اب تک سیر و نہیں کیا ہے نہ اُسکا نام شریعت سرکاری میں بطور داخل خارج کے لکھا گیا اور نہ اپنے وصیت نامہ میں اُسکی تائید کی بلکہ میں بدستور قدیم اپنے طبع پر اپنے نام سے بطور قبضہ مالکانہ سب روائی

احاطی و عدالتی کر ہا ہوں اور بارہا اُنکی نسبت فقط بے برائی بطور دست برداری و مردودوں بجائی حمد و ثناء و تحمید و تہنیت
 و تحفی و تحنن میں لکھتے رہے ہیں پس ایسی حالات میں مجھ صل الملک کو شرعاً اختیار و ایسی اُس حصہ کا جو بنام اُنکے و شیعہ
 مذکور میں لکھا تھا حاصل ہوا یا نہیں اور اگر ہو تو کس دلیل پر جواب اس صورت میں واقف کو و ایسی وقت کا اختیار ہو
 اسوجہ سے کہ شو موقوف سے ملک واقف نہیں زائل ہوتی ہے جبکہ تسلیم الی المتولی نہوا اور لزوم وقت بعد تسلیم
 الی المتولی ہوتا ہو جیسا کہ تنویر البصار میں ہے و لا یتم حتی یقبض فیہ نفاذ اتم و لزوم لا یملاک و لا یملاک و لا یعاد و لا
 یروھن جبکہ قبضہ نہ کر دیا جائے وقت تمام نہیں ہوتا اور جب وقت تمام ہو جاتا ہو تو مال موقوفہ کسی کی ملک نہیں
 رہتا اور وہ نہ کسی کی ملک بنایا جاسکتا ہو اور نہ عاریت دیا جاسکتا ہو اور نہ رہن رکھا جاسکتا ہو اور درختار میں ہو
 تسلیم کچھ شئی بما یلیق بہ ففی المسجد بلا فراز و فی غیرہ بنصب المتولی و بتسلیم مایا ہر شئی کی تسلیم اُسکے مناسب
 ہو اگر کوئی مسجد کے سیر دہل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تقسیم کر کے ایک حصہ اُسکے لیے معین کر دیا اور دوسری چیزوں میں متولی
 مقرر کر کے اُسکے سیر و کر دیا جائے۔ پس جبکہ واقف نے ہنوز جائداد موقوفہ پر متولی کا قبضہ نہیں کر لیا بلکہ اپنا ہی
 دخل رکھا ہو تو وہ جائداد اُسکی ملک سے زائل نہیں ہوئی سوال متولی وقت کو بعض وقت کا بیع کرنا بعض وقت
 کی ترمیم کے لیے جبکہ اور صورت سے مرمت کر سکتا ہو جائز نہ یا نہیں اور بعض وقت کو بیچنا اور دوسری چیز خرید کر
 وقت میں داخل کرنا جائز نہ یا نہیں۔ اور عین وقت کو دوسری چیز سے بدل کے وقت کرنا درست نہ یا نہیں جواب
 متولی کو بعض وقت کا بیع کرنا یا وقت کو بدلنا جائز نہیں ہے۔ حالگیری میں ہے متولی الوقت باع شیئاً منہ و منہ فہو
 خیانتہ فیرک و یضہم الیہ ثقتہ متولی وقت نے اگر کچھ بیع لیا یا رہن رکھا تو یہ خیانت ہو اس سے وہ معزول کیا جائیگا
 یا اُسکے ساتھ کوئی اور ثقتہ آدمی بھی متولی بنا دیا جائیگا۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے و لو باع القیم و لا اشتراھا
 بآل الوقت فلان یقبل البیع مع المشتري اذا لم یکن البیع بالکثر من ثمن المثل و کذا اذا عزل و نصب غیرہ
 فللمنصور باقالتہ بلا خلاف کذا فی البحر الرائق محافلہ نے اگر کوئی گھر جسے مال وقت سے خرید کیا تھا بیع الا تو اس بیع
 کو مشتری کے ساتھ قبول کر لیا جائے جبکہ بیع ثمن مثل سے زائد پر ہو مگر جب اُسے کسی کو معزول کیا یا کسی کو مقرر کیا تو
 یہ مقرر کیا گیا ہو اُسے بیع کا حق ہو بلا خلاف جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے و اذا خیر
 ارض الوقت و اراد القیم ان یبیع بعضا منها لیرم الباقی بثمن ملایع لیس لذلك فان باع القیم شیئاً
 من البناء لم یهدم و ائخذت جنته لقطع فالیع باطل اور اگر وقت کی زمین خواب ہو گئی اور محافلہ نے کچھ حصہ بیچ کر
 کا قصد کیا تا کہ باقی اُسکی قیمت سے درست کرے تو اُسے یہ کما حق نہیں ہو پس اگر محافلہ نے عمارت کا کچھ حصہ جو منہم نہوا

تھا اس لیے بیچ ڈالا کہ وہ منہم کرد یا جائے یا سرسبز درخت پس بیچ ڈالا کہ وہ کاٹ ڈالا جائے تو بیچ باطل ہے اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے ارض وقف خاف القیم من وارث الواقع او من ظالمہ ان یتبیعہ و یتصدق بالثمن کذا ذکر فی النوازل والفتویٰ علی انہ لا یجوز کذا فی السراجیۃ کسی وقف کی زمین کے متعلق اگر متولی کو وارث واقف یا کسی اور ظالم کی جانب سے اندیشہ ہو تو اسے بیچ کر اس کی قیمت کو صدقہ کر سکتا ہے جیسا کہ نوازل میں ہے اور فتویٰ اسپر ہے کہ یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے۔ اور جامع الرموز میں ہے ولا یمکن الوقف بالبیع وغیرہ ولو لا حیاء الباقی بیع سے مال وقف پر ملک ثابت نہیں ہوتا اگرچہ اس کا منشا باقی حصہ کا درست کرنا ہو البتہ متولی غلہ وقف میں بہیم اور صالح کر سکتا ہے ایسا ہی عامہ کتب فقہ میں ہے۔ اور درنخار میں ہے واما الاستبدال لولولمساکین بدین الشرط فلا یمکن الاستقاضی البتہ استبدال اگر زمین مساکین کا نفع ہو تو اس کا حق بھی قاضی کے سوا کسی کو نہیں ہے سوال ایک شخص نے لکھے دیا کہ میری تمام ملکہ چیزیں یعنی دیہات وغیرہ وقف ہے اور تفصیل بیان نہیں کی اور محاصل کے لیے لکھا کہ تانامیری لوٹنوں پر اور تانامیرے غلاموں پر اور تانامیرے متعلقین پر صرف ہوا یا یہ وقف درست ہے یا نہیں جواب درست ہے۔

مجموع البرکات میں ہے ومن الشرائط عدم المجهالة فلو وقف من ارضه شیئا ولم یسمہ کان باطلا ولو وقف جميع حصته من هذا الدار ولم یسم السهام جازا استحسانا کذا فی البحر الرائق شرائط وقف میں سے عدم جہالت ہے تو اگر اپنی زمین کا کوئی حصہ وقف کیا اور تعیین نہیں کی تو وقف باطل ہوگا اور اگر کسی خاص گھر میں اس کا حصہ تھا اسے وقف کیا لیکن حصہ کو تعیین نہیں کیا تو یہ وقف استحسانا جائز ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے اذا وقف ارضا او شیئا اخر و شرط لكل الغلة لنفسه و شرط البعض مدام حیا وبعد للفقراء قال ابو یوسف الوقف صحیح ومشاہیر بلخ اخذوا بقول ابو یوسف وعلیہ الفتویٰ ترغیب الناس فی الوقف کذا فی المضمرات لو شرط تمام الغلة او بعضها لکذا وعلیہ فتویٰ الخلائین ابو یوسف و محمد اگر زمین یا کوئی دوسری چیز وقف کی اور تمام غلہ یا غلہ کا کوئی خاص حصہ اپنے حیات تک اپنے لیے اور اپنے بعد فقرا کے لیے مخصوص کر دیا تو امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک وقف صحیح ہے اور مشاہیر بلخ نے اسی سے اخذ کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ لوگوں کو وقف کی طرف رغبت ہو جیسا کہ مضمرات میں ہے اور اگر اپنے غلاموں اور لونڈیوں کیلئے تمام یا بعض غلہ کی شرط کی تو اس میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اس کا اختلاف ہے سوال سلطان دقت نے خانقاہ کے خرچ کیلئے تھوڑی ارضی زید پر نسل بعد نسل و بعد بعد بطن وقف کی پس ولاد و دختر اس میں داخل ہے یا نہیں اور اس کی تولیت خود کو اور اسکے بعد اس کی ولاد کو دینی تھی ایک وقت میں زید کی ولاد میں جو نہ کہ ایک ہی لڑکی اور وہ بھی تیرہن تھی اس نے حکم نے دوسرے کو متولی کیا پس پٹن ہونے کے بعد اس لڑکی کو یا اسکے مرنے کے بعد اس کی ولاد کو تولیت کا حق حاصل ہے

یا نہیں جواب وقف مذکور میں اگر کسی کی اولاد بھی داخل ہو اور دوسرے شخص کے متعلق ہو جانے سے اس کا حق تولیت باطل نہیں ہو سکتا۔ رد المحتار میں ہے لو قال علی خدیۃ ذیلہ وقال علی نسلہ ابدًا ما تناسلوا بیدخل فیہ ولده وولدہ ولده وولدہ البنین وولد البنات فی ذلک سواء اگر کہا یہ ذریت زید کے لیے وقف ہے تو جب تک کہ کسی نسل باقی ہے تو میں اس کی اولاد اور کسی کی اولاد کو داخل ہوگی اور لڑکیوں کی اولاد کا حکم اس معاملہ میں کیساں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے ولو وقف علی نسلہ او ذریتہ دخل فیہ اولاد البنین واولاد البنات قریبوا او بعدا اگر کسی کی نسل یا ذریت پر وقف کیا تو اس میں لڑکوں اور لڑکیوں سب کی اولاد داخل ہوگی قریب ہوں یا بعید سوال اولاد البنات لولا دیا اولاد اولاد میں داخل ہیں یا نہیں جواب علامہ ابن شبل نے کہا ہے ذکرت ذلک لقاضی القضاۃ الطرابلسی فخرجہ الى الاختارہ المخصا فینبغی لا فتاء بما اختارہ مع التخصیص علی ما اختارہ یہ میں نے قاضی القضاۃ طرابلسی سے کہا تو وہ خصا کے مذہب کی جانب مائل ہوئے تو فتویٰ انھیں کے اختیار کیے ہوئے مذہب پر دینا چاہیے۔ رد المحتار میں ہے قال فی اغاثۃ السائل ما الذیۃ والنسل ذکرت المخصا قال نسلہ وولدہ وولدہ ابدا ما تناسلوا وولد البنین البنات سواء ثم قال لو وقف علی ذریتہ زید فالذیۃ والنسل سواء والحکم فیہا واحد ثم قال والنسل لولد الذکور والذاتیۃ ثم قال فاذا انتقض اولاد البنات ایعطیہا الغلۃ قال نعم ونقل عن بعضهم ان فی دخول البنات لیتین نفقۃ لیتین الخاصۃ وخبر کلام امام التاج محمد بن خول اولاد البنات لم یحکم خلافا ولم یخبر رواۃ قال عبد البر فتنبہ لذلك اغاثۃ السائل میں ہے کہ ذریت نسل کے معاملہ میں خصا کے لئے کہا ہے کہ نسل اولاد اور اولاد کی اولاد کو شامل ہے اور لڑکے اور لڑکیوں کی اولاد اس معاملہ میں مساوی ہے پھر انھوں نے کہا ہے کہ اگر کسی نے ذریت زید پر کچھ وقف کیا تو ذریت نسل برابر ہے اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے پھر کہا ہے اور نسل اولاد کو ذکور و اثنا سب کو شامل ہے پھر کہا ہے کہ اگر سلسلہ منقطع ہو جائے اور نواسے کے سوا کوئی باقی رہے تو غلہ اسی کو دیا جائیگا اور بعضین سے یہ منقول ہے کہ اس میں لڑکیوں کے داخل ہونے کے متعلق دو روایتیں ہیں اور اسے غانیہ سے بھی نقل کیا ہے امام صاحب نے اولاد بنات کے داخل ہونے کو یقینی سمجھا ہے اور اس میں کسی اختلاف کی روایت نہیں کی ہے عبد البر نے کہا ہے کہ اس سے تنبیہ لینا چاہیے۔ اور متولی ہونے کی صحت کے لیے بلوغ اور عقل شرط ہے۔ عالمگیری میں ہے ویشتر طلب صحۃ بلوغہ وعقلہ کذا فی البحر الرائق اور صحت تولیت کے لیے بلوغ اور عقل شرط ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ پس صبی اور سہم مجنون کی تولیت صحیح نہیں ہے۔ رد المحتار میں ہے ولو اوصی الی صبی تبطل فی القیاس مطلقا و فی الاستحسان ہی باطلۃ مادام صغیر فاذا اکبر لیکون الولاۃ لہ اگر وقف کسی لڑکے کے سپرد کیا تو قیاساً یہ باطل ہوگا اور استحساناً جب تک وہ لڑکا رہے گا ولایت نہ ثابت ہوگی اور بعد کو صبی

متولی وقف ہوگا۔ اور و التما میں ہر دو فی النفع الوسائل من وقف حلال لوقال ولا یتہا ان لدی وفیہم الضغیر
 و اکبیرید خل القاضی کان الضغیر بجلوان شاء اقام الکبار مقاء فی النفع الوسائل میں ہر اگر کسی نے لو ہے
 کے ٹکڑے وقف کیے اور ان کی ولایت اپنی اولاد کے سپرد کی اور اسکے بعض ٹکڑے چھوٹے تھے تو قاضی کو اختیار ہے چاہے
 چھوٹے ٹکڑوں کی جگہ دوسرے آدمیوں کو مقرر کر دے چاہے بڑوں ہی کو اسکا قائم مقام بنا دے اور عالمگیری میں ہے
 فی الحاوی وقف نوادر ابن سماعة عن محمد رحمہ اللہ اذا وصی الی ابنہ الضغیر جعل القاضی لم وصیًا فاذا
 بلغ لم یکن لہ ان یخیر الوصی الا بالمر القاضی کذا فی التاتار خاتمة حاوی میں ہے اور نوادر ابن سماعة میں امام محمد
 سے نقل کیا ہے اگر وقف کو اپنے چھوٹے ٹکڑے کے سپرد کیا تو قاضی اسکا ایک قائم مقام مقرر کر دے گا اور وہ ٹکڑا بلا حکم قاضی
 اسکو علیحدہ نہیں کر سکتا یا تا خانہ میں ہے اور جو مکمل وقف نے تولیت اس پر مقرر کی تھی اور کسی نسل سے اگرچہ لڑکی ہی کی اولاد ہوا وہ
 تولیت کی قابلیت رکھتی ہو تو حاکم کو چاہیے کہ وقف کی تولیت انکے حوالے کرے۔ اور و التما میں ہے حلال فی
 شرح الملتقى معنریا الی الاشباہ لا یجوز للقاضی عزل المتناظر المشعور لہ النظر بلا خیانة و لو عزمک لا یصلیر الثانی متولیا
 شرح ملقی میں اشباہ کی جانب منسوب کہے لکھا ہے کہ قاضی کو اس ناظر کے معزول کرنے کا حق نہیں ہے جو وقف میں شرط ہو
 اگر اس سے خیانت نہ صادر ہو اور اگر معزول کر گیا تو دوسرے شخص متولی نہیں ہو سکتا سوال اگر وقف نے شرط کی کہ
 نایات منافع وقف میرے صرف میں رہیں گے اور میرے مرنے کے بعد فقرا کو دے جائیں گے تو ایسا وقف صحیح ہے یا نہیں
 جواب صحیح ہے جمع البرکات میں ہے اذا وقف ارضا او شیئا اخر و شرط کل الغلة لنفسه او شرط البعض مدام
 حیا و بعدا للفقراء قال ابو یوسف الوقف صحیح و مشائخہ بالخیر اخذ ابو یوسف و علیہ الفتویٰ ترغیبا
 للناس فی الوقف کذا فی المضمرات اگر زمین یا کوئی اور چیز وقف کی اور تمام غلہ یا ناکا کوئی خاص حصہ اپنی حیات تک اپنے لیے
 اور اپنے بعد فقر کے لیے مختص کر دیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وقف صحیح ہے اور مشائخہ نے اس سے اخذ کیا ہے
 اور اسی پر فتویٰ ہے تاکہ لوگوں کو وقف کی طرف رغبت ہو جیسا کہ مضمرات میں ہے سوال منفعت وقف کا غیر ساکنین
 کے لیے بھی صرف کرنا جائز ہے یا نہیں جواب روایت راجحہ کے موافق منفعت موقوف کا صرف غیر مسکنین پر بھی جائز ہے
 اور یہ صرف وقف کے متنافی نہیں ہے جیسا کہ در مختار میں ہے سوال وقف کا کسی چیز سے بدلنا جائز ہے یا نہیں جواب
 اگر قاضی استبدال وقف میں مصلحت سمجھے تو کر سکتا ہے یا شباہ میں ہے شرط الوقف عدم الاستبدال فلا یقلق القاضی الاستبدال
 اذا کان اصلہ شرط وقف عدم تبدل ہوا و قاضی کو استبدال کا حق ہے اگر وہ استبدال کو اصل سمجھے۔ اور قاضی خان
 میں ہے اما بدون الشرط اشار فی المسیر ان لا یملک الاستبدال الا القاضی لوداعی الصلحہ فی ذلک باقی رہا بشرط

بقضی ان یتقام علیہم العقوبات کما یتقام علینا ویعمل معہم فی العقود و الفسوخ کما یتعامل معہم کما لانا
 کیونکہ عقد و سہ و کافر کا ذمی اور مطیع اسلام ہونے کا مقتضی یہ ہے کہ اگر بھی عقوبات قائم کیے جائیں ویسے ہی جیسے کہ ہر قائم
 کیے جاتے ہیں اور عقد و فسخ و عقوق میں ان کے ساتھ وہی کیا جائے جو ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے پس ان کا حال ہمارے حال
 کا ایسا ہے اور نصایب الاحساب میں ہے ان فیما سوی الخمر و الخنزیر و نکاح المحارم و عبادۃ غیر اللہ تلک احوال
 اہل الذمۃ کحال المسلمین ما یمنع عند المسلم ینع عند اہل الذمۃ خمر و خنزیر و نکاح محارم و عبادت غیر اللہ کے
 سوال اہل ذمہ کحال مسلمانوں کا ایسا ہے جسے مسلمان روکے جائینگے اس سے اہل ذمہ بھی روکے جائیں گے سوال جو
 مسلمان طلب مال کر کے دار الحرب میں داخل ہوا اس کو بیرون کے جان مال سے تعرض کرنا جائز ہے یا نہیں جواب حرام
 ہے اگرچہ کہ بیرون کا حاکم اس مسلمان کا مال چھین لے یا اسے قید کرے یا بیرون میں سے اس مسلمان کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ
 معاملہ اپنے حاکم کے علم سے کرے اور حاکم منکرے اس وقت اگر مسلمان تعرض کرے تو مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اگر کی ابتدا
 اُنھیں کی طرف سے ہوئی۔ درختار میں ہے داخل مسلم دار الحرب بامان حرم تعرضہ بشئ من دم و مال
 مسلمان دار الحرب میں بامان داخل ہوا تو اس پر جان و مال کسی چیز سے تعرض کرنا حرام ہے اور طحاوی نے اسکے حاشیہ
 میں لکھا ہے ولا یمضی ان لا یتعرض لھم فالتعرض بعد ذلک لیکون عدوا و العذر حرام الا
 اذا غدر بہ ملکھم فاخذ مالہ او جسدا و فعل ذلک غیر جلیل و لم ینفعہ لانہم الذین نقضوا العهد کیونکہ
 طلب ان سے وہ اس امر کا ضامن ہو گیا کہ اس سے کچھ تعرض نہ کرے گا تو اب اسکے بعد تعرض غدر ہے اور غدر حرام ہے اگرچہ اس کا
 ساتھ وہان کا بادشاہ غدر کرے اور اس کا مال لے لے یا اسے قید کرے یا بادشاہ کے سوا اسکے علم میں کوئی اور شخص ایسا کرے
 اور بادشاہ اسے منع کرے کیونکہ اُنھیں لوگوں نے نقض عہد کیا ہے سوال اگر مسلمان مستان نے حربی کا مال سرقہ یا غصب
 یا تاراج سے حاصل کیا تو مالک ہوتا ہے یا نہیں جواب جب تک کہ مستان دار الحرب میں ہو اس پر واجب ہے کہ مال مذکور واپس
 کر دے و اگر اس مال کو دار الحرب سے باہر نکال لایا تو اس کا مالک ہو جائیگا مگر ملک غنیمت ہے اس پر واجب ہے کہ تصدق کر دے
 و عثمان بن ہرقلو اخر جرم الیاشیاء مملکہ مملکہ حلالہ الغد رفیت صدق بہ و جو با قید بلا خراجہ کا نہ و غصب
 منہم شیء ارجوہ علیم و جو بیا پس اگر مستان دار الاسلام تک مال لیکر چلا آئے وہ اس کا مالک ہو جائیگا لیکن ملک
 حرام کیونکہ اسے غدر کیا ہے لہذا اس مال کو تصدق کر دینا واجب ہے و اگر اس مال کو کسی چیز دار الحرب میں
 غصب کر لی ہو اس کا واپس کر دینا واجب ہے اور طحاوی نے قولہ ملک کے تحت میں لکھا ہے ولا یتعرض لھم فالتعرض بعد ذلک لیکون عدوا و العذر حرام الا
 ما فیہ الخبۃ قولہ لا یعرض لھم شیء الا ان الغصب لیس بقید اذا لوسرق و اذا غلب الحکم ذلک مالا یخفی قولہ حرۃ علیہم مدام فی اہم

کیونکہ اسے مالِ مباح ملا ہے اور عزتِ قدر کی وجہ سے ہو اور تعذر کی وجہ سے ہو گا کہ اس میں خبیث ہو اور غصب کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں ہے بلکہ سرِ قدر اور لٹ کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور حبثتِ اراکھربین سببِ اسیر اس مال کا واپس کر دینا واجب ہے وائد اعظم حرہ الراجی عنہ ویر القوی البواکونات محمد عیسیٰ تہا وراہد عن ذنبہ علی وانشی۔

کتاب البیع

سوال اگر خریدنے والی اپنی ملک کو مالیت سے کم قیمت پر بقاءے ملک کی مصلحت سے بیع کرے تو بیع نافذ ہوگی نہیں؟
جواب بیع مذکور بیع مجبہ کی قسم سے ہے۔ اور لاوار میں اس کی حقیقت ہون بیان کی ہے ان یلجئ شیء الی ان یاتی امر باطن بخلاف ظاہر فیظہر بظہور الخلق انما یعقدان البیع بینہما لاجل مصلحتہ تدعت الیہ و لہ کیکن الواقع بینہما بیع تلویذہ بیع ہر جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو کسی مصلحت سے خلق کے سامنے تو یہ ظاہر کیا جائے کہ ان دونوں کے درمیان میں بیع معتقد ہو ہی ہو اور فی الواقع وہ بیع نہ ہو۔ اور اس کے حکم میں لکھا ہے یفسد البیع و لا یوجب الملک وان اتصل بہ القبض لسلام الوضایع فاسد ہوگی اور ملک ثابت ہوگی اگرچہ قبضہ بھی تحقق ہو جائے کیونکہ رضامندی ثابت نہیں ہے اور اگر بقرہ مصلحت مذکور فی الواقع بیع کی ہو تو بیع مذکور نافذ ہے سوال تسل یا کر کا شیعہ جو نجس ہو گیا ہو اس کی بیع درست ہے یا نہیں؟ **جواب** درست ہے ورنہ تارین ہے و یجوز بیع الدھن المتنجس و الاغتنام بہ و غیرہ کا کل نجس تسل کا چینا اور اس سے نفع حاصل کرنا بشرطیکہ کھانے کی چیزوں میں (ڈاکٹر) نہ حاصل کیا گیا ہو جائز ہے سوال انبیہ کی درخت پر بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور غنفل تک مشتری کو بائع کی اجازت سے درخت پر رہنے دینا جائز ہے یا نہیں؟ **جواب** کچی انبیہ کی بیع جائز ہے اور وقوع بیع کے بعد بائع کی اجازت سے اگر درخت ہی پر رہنے لے تو بیع جائز ہے۔ ہر ایسے میں ہر وہ بائع غنفل و عیدہ غنفلہا او قد بد اجاز البیع لانہما لصل مقوم اما لکونہ مستفعاہ فی الحال او فی التالیق قد قبل لایجوز قبل ان یتبدل و صلا حما و الاول اصم و علی المشتی قطعہا فی الحال تغریب الملک لباہم هذا اذا اشتراہا مطلقا او بشرط القطع وان اشتراہا علی الشجر فسد البیع لانه خیر لا یقتضی العقد و اشتراک مطلقا و ترکہا بائع البائع طالب الفضل جسے بھل نیچے اور وہ پکنا شروع نہیں ہوئے تھے یا پکنا شروع ہو گئے تھے تو بیع جائز ہو کیونکہ مال مقوم ہر اس سے ہوت یا زمانہ آئندہ میں نفع حاصل کیا جاسکتا ہے اور بعضوں کے نزدیک جائز نہیں ہے سنا و تیکہ بھل پکنا شروع ہو جائے اور اول اصم ہو اور مشتری کو فوراً بھل کٹ لینا چاہیے تاکہ ملک بائع فارغ ہو جائے یعنی اس کے درخت چھینے زمین اس صورت میں ہے جب بھلون کو بلا شرط یا بشرط قطع خریدے اور اگر اس شرط سے خریدے کہ درخت پر لگے رہیں گے تو بیع فاسد ہو جائیگی کیونکہ یہ شرط ایسی ہے جسے بیع نہیں چاہتی اور اگر بھلون کو بلا کسی شرط کے خریدا

اور باجائز ایچ و خوں پر لکھ رہے دیا تو یہ درست ہے **سوال** بیع تعاطی میں اخذ دونوں جانب سے چاہتے یا ایک جانب سے کافی ہے **جواب** بیع تعاطی میں اکثر مشایخ کا مختار ایک مجلس میں دونوں جانب سے اعطاء ہو اور افضل کرانی نے فقط تسلیم بیع کو بیان نہیں کے ساتھ ضروری خیال کیا ہے اور بیض فقہانے قبض احد البیلین کا ثمن ہو یا بیع بیع تعاطی میں اعتبار کیا ہے۔ غالمگیری میں ہے والشروط فی بیع التعاطی لا اعطاء من المجانی عن شتم لا یعتد الحوائی لذلک اذ انکفایة و علی اکثر الشایخ و فی البزازیة هو المختار لذلک فی الجمہ الا ان الصیحة ان قبض احد کمکاف لنص محمد بن ابراهیم بیع التعاطی ثبتت بقبض واحد البیلین هذا ینتظم الثمن و المبیع کذلک فی النص الفاعق بیع تعاطی میں جانبین سے اعطاء شرط پر خمس الا انہ حلو ان کے نزدیک جیسا کہ کفایہ میں ہے اور یہ اکثر مشایخ کا خیال ہے اور بزازہ میں ہے کہ یہی مذہب مختار ہے جیسا کہ خبر اکثر میں ہے اور صحیح ہے کہ ایک کا قبضہ کافی ہے کیونکہ امام محمد نے اسے ثابت کیا ہے کہ بیع تعاطی احد البیلین پر قبضہ سے ثابت ہو جاتی ہے اور یہ ثمن و بیع دونوں کو شامل ہے جیسا کہ نہر الفائق میں ہے اور مختار میں ہے و اکثری انکم مانی بتسلیم المبیع مع بیعات الثمن کرانی نے تسلیم بیع اور بیان ثمن ہی پر انکفایہ ہے **سوال** دس سیر گیون یا آٹا دس سیر گیون یا آٹے کے عوض میں مول لینا جائز ہے یا نہیں **جواب** امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ناجائز ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ در مختار میں ہے و بعض الشارح علی کونہ کیلید کبر و شعیر قمر و سلمہ او ورنیا کذلک ہفتہ فہو کذلک لا یتغیر ابدالہ فلم یصح بیع خطہ بخطہ ورنما الوباع ذہب لذلک ہفتہ ہفتہ کیلا و لومع المساوی لان النص اقوی من العرف فلا یتراء الا اقوی بالادنی و امام ینص علیہ حمل علی العرف و عن الثانی اعتبار العرف مطلقا و رجحان الکمال خرج علیہ عند انہ استقر اצלہ امام عبد اویس الدقیق زنا فی انما یعنی مثله و فی الکافی الفتاوی علی عاۃ الناس و آخر المصنف شارع نے جسکے کیلی ہونے کو تبادیلہ پر مثلاً گیون جو کچھ اور ترکہ اور جسکے فنی ہونکو تبادیلہ پر جیسے سونا چاندی تو وہ ہمیشہ اس حالت پر رہے گے پس گیون کو گیون کے عوض میں تول کے بیچا صحیح نہیں ہے جیسا کہ سونے کو سونے کے عوض میں اور چاندی کو چاندی کے عوض میں ناپ کے بیچا صحیح نہیں ہے اگرچہ برابر برابری کیونکہ نص عرف سے اقوی ہے و ادنی کے بڑا اقوی ترک نہ کیا جائے گا اور جیسے نص نہ قائم ہو وہ عرف پر حمل کیا جائیگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک عرف مطلقا معتبر و کمال نے اسکو ترجیح دی ہے اور سعدی افندی اسی حد و دارہم کے قرض لینے کا اور ہمارے زمانے میں ورنما آٹے کو فروخت ہونے کا مثلاً مثل انخرج کیا ہے اور کافی میں عادت ناس پر فتویٰ دیا ہے و بجز اور مصنف نے بھی اسی کو تسلیم کیا ہے **سوال** اگر غلام کے مالک نے غلام کو بیچا اور طرفین سے ایجاب و قبول ہو گیا اور غلام بیع سے راضی نہیں ہے تو یہ بیع

نافذ ہوگی یا نہیں **جواب** نافذ ہوگی کیونکہ غلام کا بیع برائضی ہونا شرط یا ارکان بیع سے نہیں ہے سوال اگر اسباب کو روپیہ یا اشرفی کے بدلے میں بیچا تو پہلے من دینا چاہیے یا بیع **جواب** شرح وقایہ میں ہے فی بیع السلعة بالثمن ای بالدرہم والدنانیر یسلم الثمن او کلا ان السلعة تتعین بالبیع والدرہم والدنانیر لا تتعین الا بالتسليم فلا بد من تعینہ لئلا یلزم الربوا اسباب کو ثمن یعنی درہم و دانیر کے عوض جیسے میں پہلے ثمن دیے جائیں کیونکہ اسباب بیع سے متعین ہو جاتا ہے اور درہم و دانیر بلا ثمن متعین نہیں ہوتے اور انکی تعین ضروری ہے تاکہ ربوا نہ لازم آئے سوال ثمن اور قیمت میں کیا فرق ہے **جواب** جامع الرموز میں ہے الثمن هو ما یلزمه البیع وان لم یقوم بہ ثمن وہ ہے جو بیع سے لازم آئے اگرچہ اتنی قیمت نہ ہو۔ اور بر خدی لکھتے ہیں القیمۃ ما قوم بہ مقوم والثمن قد یکون مساویا للقیمۃ وقد یکون زائدا او قلیا بکون ناقصا عنہ قیمت وہ دام میں جو دام لگانے والا لگانے ثمن کبھی قیمت کے مساوی ہوتا ہے اور کبھی زائد اور کبھی کم سوال زید کے پاس زمین اور ایک مکان خرید بانچسور و پیہ کا اسکے قبضہ میں سالہا سال رہا اور وہ خالد کا قرض دار چالیس روپیہ کا تھا خالد نے عدالت میں نالش کی سرکار نے وہ زمین اور مکان خالد کے روپیہ کے بابت مع خرچہ عدالت کے نیلام کر دیا اور حامد کے نام وہ اکسٹھ روپیہ پر چھوٹا سرکار نے اس پر حامد کا مالکانہ قبضہ کر دیا لیکن زید جو کمالک ہے وہ اس نیلام پر راضی نہیں ہے پس اسی زمین اور مکان سے بدون رضامندی زید کے نفع لینا یا قبرستان اور مسجد بنانا اور بے شرع جائز ہے یا نہیں **جواب** اس صورت میں حامد کو اس زمین سے نفع لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اگرچہ قرض دار کے مال کی بیع جبکہ وہ قرض ادا نہ کرے حاکم کو بلا اجازت جائز ہے بقول اصح حبسہ کہ ملحق الا بہر اور در مختار اور حامد یہ وغیر ہم میں ہر گز وہ نہ کہ یہ بیع نہایت نقصان سے ہوئی کہ بانچسوی چیز اکسٹھ روپیہ کی اور حاکم کی ولایت نفع اور شفقت پر مبنی ہے نہ ضرر و نقصان پر مثل حبس کی ولایت کے لہذا یہ بیع جائز نہ ہوگی۔ فتاویٰ خیرہ میں ہے الحاصل ان القاضی فی صلبنا ظرا فی شیخہ لدان ینظر للمدیون کما ینظر للمدانین فی بیع مکان انظر لہ حال یہ ہے کہ قاضی نے ایک ناظر مقرر کیا تو اسے چاہیے کہ حسب طرح دائن کی حالت کو دیکھتا ہے مدیون کی حالت کو بھی دیکھے تو جو اسکی حالت کے مناسب ہو اسے بیچ دالے سوال حیوانات مردار کی تریا خشک کھال کی بلاد باغت کے بیع و شرا و تجارت جائز ہے یا نہیں **جواب** نہیں۔ فتح القدیر میں ہے ولا یجوز بیع جلد المیتۃ قبل ان تدبغ کاٹھا غیر منتفع بہا قال صلا اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم لا تنفعوا من المیتۃ باھا ولا بخلاصہ فی ہذا دا باغت کے پہلے مردوں کی کھال کو بیچنا درست نہیں ہے کیونکہ انہے انتفاع حاصل نہیں ہو سکتا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے داغت مردے کی کھال سے نفع نہ اٹھاؤ اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے سوال

زید نے اپنا مال بکر کے ہاتھ جا کر چیکے قرار کیا کہ بشرط عدم استعمال جب چاہے واپس کر دے پس بکر نے اُس مال کو دوسرے کے ہاتھ بچا جو نفع اُس کو اس فروخت سے حاصل ہوا وہ بکر کے لیے حلال ہے یا نہیں **جواب** حرام ہے کیونکہ جاگڑ مال بائع کی ملک سے باہر نہیں آتا۔ فقہاء میں ہے کہ لا یخیر بجمع عن ملک بالثمن صم خیارہ کالمقبوض علی موم الشراء کوئی بیع بائع کی ملک سے نہیں نکلتی اگر خیار ہو جیسے کہ مقبوض علی موم الشراء۔ اور جب مال ملک بائع سے باہر نہیں آیا تو اُس سے بکر کو نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے **سوال** زید نے بکر کو مال دیکے کہا کہ اقسامیت سے جو رائے ملے وہ تمہارا ہے پس بکر نے اُس کو معینہ قیمت سے زاد کر دیا یہ زیادتی بکر کے لیے حلال ہے یا نہیں **جواب** حلال ہے **سوال** علمای شافعیہ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں کہ اس شہر کے بعض لوگ سر کر بنانے کے لیے شراب مول لینا جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نیت کی وجہ سے جو ان کے نزدیک شرط ہے شراب کی حرمیت اور نجاست مرتفع ہو جاتی ہے اسکا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں **جواب** شراب کا خریدنا جائز نہیں ہے اگرچہ سر کر بنانے کیلئے بھی ہو کیونکہ کتب فقہ شافعیہ میں شراب کے خریدنے کا جو از کمین یا انہین جاتا کیونکہ شراب حرام اور نجس ہے جیسا کہ منی میں ہے اور جو چیز نجس ہے اسکا خریدنا جائز نہیں ہے پس امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شرط بیع میں سے معتبر یہ ہے کہ بیع نجس نہیں ہو بلکہ بالفعل پاک ہو یا دھونے سے اُسکا پاک ہو جانا ممکن ہو۔ فتح المعین میں ہے و طهر او امکن طهر بالغسل فلا یصح بیع نجس جلد میتہ وان امکن طهرها بخلل و دبایع اُسکا طاهر ہونا یا غسل سے طاهر ہو جانا ممکن ہو پس نجس اور مردے کی کھال کی بیع درست نہیں ہے اگرچہ طہارت تخلل یا دباغت سے ممکن ہے۔ لہذا سگ معلوم و خنزیر کی بیع درست نہیں ہے اگر سیف شراب کی بیع بھی درست نہیں۔ احباب علوم الدین میں ہے و فیعتبر فیہ ستہ شروط الاول ان لا یكون نجسا فی عینہ فلا یصح بیع کلب و خنزیر و لا یجوز بیع الخمر بیع کیلئے چھ شرطیں ہیں اول یہ کہ نجس عین نہ ہو پس کتے اور سور کی بیع صحیح نہیں ہے اور شراب کی بیع جائز نہیں ہے۔ اور منہاج میں ہے و للبیع شروط طہارۃ عینہ فلا یصح بیع کلب و خنزیر و خمر و المتنجس الذی لا یمکن تطہیرہ کا تخلل و الدین بیع کی چند شرطیں ہیں ایک اُسکا خود طاهر ہونا تو کتے اور سور اور شراب و رُس نجس کی بیع جسکا پاک ہونا ممکن نہ ہو صحیح نہیں ہے مثلاً سر کر اور دودھ۔ اور ثانی میں ہے و بشرط الاول ان یمکن طہارۃ و یطہر بالغسل فلا یصح بیع کلب و خنزیر و فروعھا و المیتۃ کالعاج و جلدھا قبل اللباغ و السرخین و الخمر بیع کیلئے بہت سی شرطیں ہیں اول یہ کہ خود طاهر ہو یا غسل سے طاهر ہو سکے تو کتے اور سور اور مردہ اور اُسکی کھال (قبل دباغت) اور غلیظ اور شراب کی بیع صحیح نہیں ہے۔ اور منی میں عبارت فارسی لکھا ہے کہ ترجمہ ہے اور جو نجس عین ہے جیسے کتا

اور خون اور مردار یہ چیزیں کبھی طرح پاک نہیں ہو سکتیں مگر شراب جو خود بخود سرکہ ہو جائے اور بھی اسی کتاب میں ہے اگر شراب کو
نمک وغیرہ سے سرکہ بنایا تو یہ سرکہ پلید اور حرام ہے اور اسکی باکی ممکن نہیں ہے۔ اور تین تین ہزار کھانہ کھانے والے کو
الآخر تخللت وکل ان نقلت من شمس الى ظل وعکس فی الاعین ان خدا بہ طور شفا فلاک من البصر و عام
نہیں ہوتا مگر شراب جب وہ سرکہ ہو جائے یا دھوپ سایہ میں لائی جائے یہ بیکس برکت ہے اور اگر تین ہزار کھانہ
ڈال کر سرکہ بنایا جائے تو طاہر نہ ہوگی۔ اور انوار میں ہے کہ لا یطهر من نجس العین الا الخمر القطن و جلد المیتہ
بالدباغ اور نجس العین بجز شراب کے جب سرکہ بن جائے اور مردے کی کھال جب دباغت کی جائے تو طاہر نہیں ہوتی
مشکوۃ شریف میں ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الخمر فسادھا
وساقیھا وبایعھا ومتبایعھا وعاصرھا الحديث وعن انس رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ فی الخمر فسادھا
ومعتصرھا وشادھا وحاملھا والحواملہ الی ساقیھا وبائعھا واکل غنھا والمنتشر لھا والمنتشر لہ رطہ التمر علی ابن ماجہ
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرور انبیاء علیہ التسمیۃ والثناء نے شراب اور اسکے پینے والے اور پلانے والے
اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور پھرنے والے سب پر لعنت کی ہے ایک روایت اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ نبی کریم علیہ التسمیۃ والتسلیم نے شراب کے بارے میں اسی دیون پر لعنت بھیجی ہے اسکے پھرنے والے اور پھرنے والے اور پینے والے اور پلانے
والے اور سگانے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور دام کھانیوں کے اور خریدنے والے پر اور جسکے پر خرید گئی ہے
اُس پر اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے واسد اعلم بالصواب سرہ خادم العلما البابی نقیر شاہ رحمۃ اللہ القادر
النقشبندی حاجی شاہ محمد رحمۃ اللہ قادری **الجواب لم روم صحیح** **سید علی رضا** ہذا الجواب صحیح لا شک فیہ
میر تصدق حسین **الجواب صحیح** کتبہ خادم علای دین متین محمد شاہ لدین قادری حفا عنہ عن سلفانہ **محمد شاہ لدین**
الجواب صحیح غلام قادر عفی عنہ **غلام قادر** من اجاب صاحب کتبہ خادم شرع مصطفیٰ سید مرتضیٰ **سید مرتضیٰ** ہو **اصوب**
شافعیہ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے اور سرکہ بنانیسا اسکی نجاست مرتفع نہیں ہوتی البتہ اگر خود بخود سرکہ ہو جائے تو پاک
ہو اور اشیائے نجسہ کی بیح حرام ہے امام محلی لدین نویدی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں من قال بتحریر تخلیھا وانھا لا تطہر
الشافعی واصل و مالک فی صحاح الروایتین عنہ وجوزہا لا و زاعی واللبیب و ابو حنیفہ و مالک فی روایت
واما اذا انقلب بتفسھا فلا تطہر عند جمیعہم کما ما حک عن سحنون الممالک انہ قال لا تطہر امام
شافعی اور امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ صحیح روایتین کے نزدیک شراب کا سرکہ بنانا حرام ہے اور وہ اس سے طہا
نہیں ہوتی اور اوزاعی واللبیب ابو حنیفہ مالک رحمہم اللہ بروایت واحد اسے جائز سمجھتے ہیں البتہ اگر خود بخود سرکہ ہو جائے

تو سب کے نزدیک ظاہر ہو جاتی ہے لیکن سمجھنا مالکی سے مروی ہے کہ ظاہر نہیں ہوتی۔ اور بھی ات الذی حرم شراباً
 حرم بیعہا کی روایت میں لکھا ہے و فیہ تحریر بیع الخمر و هو جمع علیہ العلة فیہ عند الشافعی و هو اقلیہ
 کو تھا بخسہ و لیستھا منفعة مقصودة اس سے بیع عمر کی حرمت ثابت ہوتی ہے یہ مجمع علیہ ہر امام شافعی اور ائمہ
 موافقین کے نزدیک اس کی علت نجاست اور کسی منفعت کا نہ ہونا ہے۔ اور محمد خطیب شرمینی شافعی قناع شرح مختصر فی شجاع میں
 لکھتے ہیں لا یصح بیع عین بخسہ سواء امكن تطهيرها بالاستحالة لجلد الميتة ام لا کالسخین و الکلب
 ولو معلما و الخمر لخبز الصحیحین انه صلی اللہ علیہ وسلم غنی عن کلب قال ان اللہ حرم بیع الخمر و الميتة
 و الخنزیر نجس العین کی بیع صحیح نہیں ہے خواہ اس کی تطہیر ممکن ہو مثلاً مردے کی کھال یا مالکین جو لا غلیظہ اور اگرچہ اس
 تعلیم دی گئی ہو اور شراب کیونکہ صحیحین میں ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ نے
 خمر و میثہ اور خنزیر کی بیع حرام کی ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراعی غفرلہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوزه الدین ذنبہ البکلی و
 الخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی [ابو صبیح نقیہ خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفرلہ الذکر الکریم] شیخ جلال الدین
 محلی شرح منہاج الفقہ میں لکھتے ہیں و للبیع شرط خمسة احدها طهارة عينه فلا یصح بیع الکلب و الخمر و
 غیر ہما من نجس العین لانہ صلی اللہ علیہ وسلم غنی عن کلب و قال ان اللہ حرم بیع الخمر و الميتة
 و الخنزیر و اما الشیخان المعنفی فی المذکور ان نجاستہ عینہا فالحق ہما فی نجس العین بیع کے لیے پانچ
 شرطیں ہیں اول یہ کہ ظاہر عین ہو تو کتے اور شراب وغیرہ کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام و صلواتہ
 کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ اللہ نے بیع خمر و میثہ و خنزیر سے ممانعت فرمائی ہے اس سے شیخین نے روایت کیا ہے اور
 ان سب میں باعث نجس عین ہونا ہے اور ان تمام چیزوں کا حکم جو نجس العین ہیں یہی ہوگا۔ اور بیع خمر کے عدم جواز کا
 بھی یہی حکم ہے و اسد علم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العالی الرب الحکیم سوال پوست حیوان مردہ وغیرہ پر بیع کی بیع اور سرکہ
 بنانے کے لیے شراب خریدنا جائز ہے یا نہیں اور مردے کی ہڈی اور بال اور پرد وغیرہ سے انتفاع جائز ہے یا نہیں اور حیوان
 کی جو کھال دباغت سے پاک ہوتی ہے یا نجس سے بھی ظاہر ہوتی ہے یا نہیں اور ذکاة کے کیا معنی ہیں جو اب دباغت
 سے پہلے مردار کی کھال کی بیع جائز نہیں ہے کہ قال فی الحنفی و لم یجز ایضاً بیع جلد الميتة قبل الذبیح لما تکانہ علیہ الصلوۃ
 و السلام غنی عن الانتفاع بجلد الميتة و عصبتها رواہ ابو داؤد و غیرہ و بعد ای بعد الذبیح
 بیاع لانہ نظر بالذبیح النعم و فی شرح الوقایہ و لا یصح بیع جلد الميتة قبل الذبیح انتھ و فی
 الحدایۃ قال و لا یصح بیع جلد الميتة قبل ان یدلخ لانه غیر منتفع بہ قال علیہ الصلوۃ و السلام

لا تبتعوا من الميتة باهاب وهو اسم لغير المذبح على ما صرح في كتاب الصلاة اشتهر وايضا
 فيها ولا باس ببيعها والانتفاع بها بعد الدباغ لا غاطضت بالدباغ جیسا کہ عینی میں ہے
 مردہ کی کھال کا بیچنا بھی جائز نہیں ہے بغیر دباغت کیے ہوئے کیونکہ مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التہیۃ
 والتسلیم نے مردے کی کھال سے نفع اٹھانے کی ممانعت کی ہے اسکو ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور
 دباغت کے بعد اسکی بیع درست ہے کیونکہ وہ دباغت سے ظاہر ہو جاتی ہے انتہی اور شرح وقایہ میں ہے
 مردہ کی کھال دباغت کے قبل نہ بیچی جائے انتہی اور ہدایہ میں ہے مردے کی کھال دباغت کے قبل نہ بیچی
 جائے کیونکہ وہ غیر منتفع ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردے کی اہاب سے نفع نہ اٹھاؤ
 اور اہاب اُس کھال کو کہتے ہیں جسکی دباغت نہ کی گئی ہو جیسا کہ کتاب الصلوۃ میں گذر اور اسی کتاب میں
 ہے دباغت کے بعد مردے کی کھال کے بیچنے میں یا اُس سے نفع اٹھانے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ وہ دست
 کی وجہ سے ظاہر ہو گئی ہے واللہ اعلم بالصواب بیع مال غیر متقوم ای غیر مباح الانتفاع بہ ابن کمال فلیحفظ
 کخر وخنزیر انتھو فی الہدایۃ واما بیع الخمر وخنزیر ان کان قبول الذین کالدائم والذنا نیر فابیح
 باطل وان کان بعین فابیح فاسد حتی یموت ما یتقابلہ وان کان لا یموت عین الخمر وخنزیر انتھو
 و فی العینی بیع الباطل وهو غیر مشروع اصلا کیبیع الخمر وخنزیر والمیتۃ والدم انتھو قال فی العالمگیریۃ
 لا یجوز بیع الخمر وخنزیر والمیتۃ کذا فی التھذیب انتھی و فی شرح الوقایۃ بطل بیع مال غیر متقوم
 کا لخر وخنزیر بالثمن انتھو وایضا فیہ البیع فی الخمر باطل حتی لا یموت عین الخمر انتھو
 اور دو مختار میں ہے مال غیر متقوم کی بیع یعنی جس سے نفع حاصل کرنا مباح نہیں ہے باطل ہے ابن کمال مثلا شراب اور
 سور اور ہدایہ میں ہے بیع خمر وخنزیر اگر قبول کیا جا دین میں شراب ہم دونائیر تو بیع باطل ہے اور اگر معاوضہ عین کے ہو
 تو بیع فاسد ہے حتی کہ بائع معاوضہ کا مالک ہوگا اگر خود خمر وخنزیر کا مالک نہ تھا اور عینی میں ہے بیع باطل وہ ہے
 جو بالکل غیر مشروع ہو مثلا بیع خمر وخنزیر و میتہ و دم اور عالمگیری میں ہے شراب اور سور اور مردہ کی بیع درست
 نہیں ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے انتہی اور شرح وقایہ میں ہے مال غیر متقوم کی بیع معاوضہ ثمن کے باطل ہے
 مثلا شراب اور سور کی بیع انتہی اور اسی کتاب میں ہے بیع خمر میں باطل ہے حتی کہ عین خمر کا وہ شخص مالک
 ہوگا انتہی۔ حاصل یہ ہے کہ مال غیر متقوم کا بیچنا باطل ہے جیسے خون اور مردار وغیرہ اور اسکا خریدنا بھی باطل
 ہے۔ اور شرح وقایہ میں ہے بطل بیع بالیس بالکالداء والمیتۃ والخمر والبتع بہ جو مال نہیں ہے مثلا

خون اور مردار اور آزاد اسکی بیع باطل ہے۔ اور بقی الاجر میں ہر بیع مالمیس بمال والبیع بہ باطل جوامال
 نہیں ہوا سے فروخت کرنا یا اس سے کچھ خریدنا باطل ہے۔ جانتا جاوے کہ بیع خریدنے اور بیچنے کو کہتے ہیں
 اور شرع میں بیع تبراضی مال کو مال سے بننے کو کہتے ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اور غنیۃ المستملیٰ میں ہے
 وعصب المیتة وعظمها وقرعها وریثہا وشعرها وظفرها وکذا احافرها وعظلیہا
 وکلی ما لا تحل الحیوة ضہا طاهر اذ لم یکن علیہ سوۃ مردار کے ٹھٹھے اور ہڈی اور سینک اور
 روئین اور بال اور پروکھ اور بچے اور ناخن اور وہ چیزیں جن میں روح طول نہیں کرتی ظاہر ہیں جبکہ انہر
 جربی انہو۔ اور غنیۃ المستملیٰ میں ہے کہ کل حیوان اذا ذبحہ التسمیۃ طہر جلدہ وخرۃ وشعرہ وجمع اجزاء
 سوی الخنزیر والکلی سوا کان ماکول اللحم او غیرہ ماکول اللحم سور اور آدمی کے سوا جو
 حیوان خدا کا نام لیکر ذبح کیا جائے اسکی کھال گوشت جربی اور تمام اجزا ظاہر ہو جاتے ہیں خواہ وہ جانور ماکول
 اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ اور ہدایہ میں ہے وما یطہر جلدہ بالذباغ یطہر بالذکاة لانه یعمل عمل
 الذباغ فی ازالة الرطوبات النجسة وكذلك یطہر لحمہ بالذکاة وان لم یکن ماکولا جس جانور کی
 کھال دباغت سے ظاہر ہو جاتی ہو اسکی کھال ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے کیونکہ دباغت کی طرح ذبح کرنے سے
 بھی رطوبات نجسہ زائل ہو جاتے ہیں اسی طرح اسکا گوشت بھی ذبح کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے اگرچہ کھایا جائے۔
 اور درمختار میں ہے ای احاب طہر بدباغ طہر بدذکاة جو کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح کرنے سے بھی
 پاک ہو جاتی ہے۔ طحاوی میں ہے الذکاة بالذباغ الذباغ ذکات ذال مجہ سے ہوا کے ذبح کرنے کے ہیں اور
 درمختار میں ہے یشترط بطہارۃ جلدہ کون الذکاة شرعیۃ کھال کے ظاہر ہونے میں شرط ہے کہ ذبح شرعی ہو
 والاعلم بالصواب فقد خدام العلماء والربانی فقیر شاہ رحمۃ اللہ القادری نقشبندی حاجی شاہ محمد رحمۃ اللہ قادری
 ابو الباقی محمد صبح سید علی رضا شافعی المذہب [سید علی رضا] انصاف ابن اجاب کتبہ سید مرتضیٰ [سید مرتضیٰ] الجواب صحیح
 کتبہ خدام علما دین ستین محمد شہاب الدین عفا عنہ وعن اسلافہ [محمد شہاب الدین] ہذا الجواب صحیح مرہ میر تقی حسین
 میر تقی حسین [الجواب صحیح بلا رتیاب والاعلم بالصواب کتبہ غلام قادر عفا اللہ عنہ غلام قادر] فی الواقع مردار کی
 کھال کی بیع دباغت سے پہلے جائز نہیں ہے۔ قاضی القضاۃ بدر الدین محمود عینی نے بایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے
 لا یجوز بیع جلود المیتة قبل الذباغ ولا تمیکھا ذکرہ فی المحيط وشرح الطحاوی مردار کی کھال
 کو دباغت کے پہلے فروخت کرنا کسی کو اسکا مالک بنا دینا جائز نہیں ہے یہ محیط اور شرح طحاوی میں ہے

اسی طرح شراب کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے۔ مجتبیٰ شرح قدوری میں ہے: اصابع الخمر والخنزیران
 كان الدين كالداهم واندنا نير فالبيع باطل واتفقت الروايات على ان تصنع الخمر
 والميتة غير مملوكة وان قبول بعين فالبيع فاسد حتى يملك ما يقابله وان كان
 لا يملك عين الخمر والخنزير شراب اور سواری بیع اگر دین کے معاوضہ میں ہو مثل دواہم و
 دنا نیر تو بیع باطل ہے اور روایات اس پر متفق ہیں کہ شراب اور مردار کے ثمن کسی کے ملک نہیں ہیں اور اگر
 عین کے معاوضہ میں ہو تو بیع فاسد ہے حتیٰ کہ بائع معاوضہ کا مالک ہوگا اگرچہ شراب اور سویر کا مالک نہ تھا۔
 اور ان اجزاء مردار کا استعمال درست ہے جن میں حیات نے طویل نہ کیا ہو شرح وقایہ میں ہے: وشعر الميتة
 وعظمها وعصبها وحافضها وقرنها وشعر الانسان وعظمه مظاهر مردار کے ہل اور ہڈیاں اور
 کھر اور سینک اور انسان کے بال اور تھریاں ظاہر ہیں۔ اور جو کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ بیع شرعی
 سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ شرح وقایہ میں ہے: وما ظهر جلده بالدينخ يطهر بالذكاة ومالا فلا ي
 ما لا يطهر بالدينخ لا يطهر بالذكاة والمراد بالذكاة ان يذبح المسلم او الكتافي من غير ان يتبرأ
 التسمية عاملاً اجس کی کھال دباغت سے ظاہر ہو جاتی ہے اسکی کھال فنج کرنے سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے اور
 جسکی کھال دباغت سے ظاہر نہیں ہوتی اسکی کھال فنج سے بھی ظاہر نہیں ہوتی اور مرد مسلم یا کتافی کا ذبح کرنا
 ہے بغیر اسکے کہ عمداً خدا کا نام نہ لے۔ واللہ اعلم حرره الراعي عفور به القوي ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجدار السدغنی
 اعلیٰ واخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی الحجاب صحیح منقہ خدام اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفرلہ السدغنی محمد ابراہیم
 جامع الرموز میں ہے: ولا يجوز ولا يبطل بيع جلد الميتة قبل ديبغه دباغت کے قبل مردار کی کھال کی
 بیع نہ تو جائز ہے نہ باطل (بلکہ فاسد) ہے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے: وفي الاكتفاء اشعار بجواز اجزاء غیر
 كالشعر وغيره ولوميتة وفي العصب سر و ایتان کما فی المحيط الخفین دونون پر اکثاف کرنے میں اس
 جانب اشارہ ہے کہ انکے علاوہ اور جانوروں کے اجزاء مثلاً بال وغیرہ کی بیع جائز ہے اگرچہ وہ مردار ہوں اور ٹھکون
 میں دور و ایتین ہیں جیسا کہ محیط میں ہے اور غیر ہما سے اس عبارت میں غیر آدمی و خنزیر کا ارادہ کیا ہے۔ اور
 بھی اسی کتاب میں ہے: وبطل بيع مال غير متقوم بكسر الواو ای غیر متفصح بہ شریعہ کا الخمر فی ایدین
 المسلمين ومسلم وکافر بالثمن و فیہ اشارہ الی ان بیع ہا بالعرض غیر باطل مال غیر متقوم کی
 بیع باطل ہے اور مال غیر متقوم اس مال کو کہتے ہیں جس سے شرعاً نفع اٹھانا جائز نہ ہو مثلاً دو مسلمانوں یا ایک کافر اور

ایک مسلمان کے امین شراب کی بیع بعوض ثمن کے ہو سہیں اس جانب اشارہ ہو کہ بیع خمر بعوض عرض غیر باطل ہے۔
 اور غیر باطل ہے اس عبارت میں فاسد راوی ہے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے وما ی حیوان طہر جلدہ
 بالذبیح طہر فلک الحیوان جلدہ بالذکاة والذکاة الشرعیۃ الذبح من الادل مع التسمیۃ
 وہ حیوان جسکی کھال باغت سے ظاہر ہو جاتی ہو فوج سے بھی اسکی کھال ظاہر ہو جاتی ہو شرعاً ذکاة اسے کہتے
 ہیں کہ وہ شخص جو فوج کرنے کا اہل ہے خدا کا نام لیکر فوج کرے۔ والہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ علی الرب حکیم
 سوال جس وقت بازار میں گھوڑوں کا نرخ میں سیر کا ہوا سوقت چھ مہینے کی مہلت پر روپیہ دینا اس شرط پر
 کہ ہم پچیس سیر گھوڑوں لین گے یہ جائز ہے یا نہیں اگر صاحب ہدایہ و کفایہ و نہایہ و دشامی و طحاوی و ہمام
 کے قول سے تسک کیا جائے اور اجل کی وجہ سے ثمن کی زیادتی کو جائز سمجھا جائے تو یہ درست
 ہے یا نہیں جیسا کہ حاشیہ چلپی رحمہ اللہ میں ہے یجوز ان یقدّر الثمن فی المبیع
 بالموجل اکثر مما فی المجل بحيث تقابل کثرة المؤجل تعیل القلیل یہ جائز
 ہے کہ کسی شے کی قیمت جب کہ دام جلدی ادا کیے جائیں کم مقرر کرے اور جب دیر میں
 ادا کیے جائیں نام مقرر کرے یعنی جلدی کی کمی کو دیر کی زیادتی کے برابر کر دے۔ لیکن یہ
 صلح ہدایہ کی اس عبارت کے خلاف ہے الاعتیاض عن الاجل حرام فکل الاجل ہذا لان
 حرمتہ سببوا النساء لیس التثبیت مبادلة المال بالمال اجل سے نفع اٹھانا حرام ہے کیونکہ حرمت
 رہو النساء صرف تشبیہ مبادلة المال بالمال کی وجہ سے ہے جواب زیادتی ثمن براے اجل
 بلاشبہ درست ہے اس کا ثبوت ہدایہ کی کتاب المراجہ کی عبارت سے اچھی طرح ہوتا ہے۔ ہدایہ میں ہے
 لا تری اند یزاد فی الثمن لاجل الاجل کیا تھیں یہ نہیں معلوم کہ مدت کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کیجا سکتی ہے
 اور ایسی ہی عبارتیں دوسرے کتب عدیدہ میں بھی موجود ہیں نصیح الدین ہروی رحمہ اللہ شرح وقایہ
 کے کتاب المراجہ میں لکھتے ہیں فی النسبۃ یزاد الثمن لاجل الاجل نسبہ میں مدت کی وجہ سے ثمن میں زیادتی
 کیجا سکتی ہے اور نہ الفائق شرح کنز الدقائق میں لا تری اند یزاد فی الثمن لاجلہ کیا تھیں یہ نہیں معلوم کہ مدت
 کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کیجا سکتی ہے۔ اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہو لان لا اجل شہاد بالبیع
 لا تری اند یزاد فی الثمن لاجل الاجل کیونکہ اجل کو بیع سے شہادت ہے کیا تکویر نہیں معلوم کہ اجل کی وجہ
 سے ثمن میں زیادتی کیجا سکتی ہے۔ اور اسی کتاب میں چند سطروں کے بعد لکھا ہے لاجل فی نفسہ لیس بان

ولا یقابله شیء من الثمن حقیقة اذ المریش تطویر زیادة الثمن بمقابله قصد او زیادة فی الثمن لاجله اذا ذکر لاجل بمقابله زیادة الثمن قصداً فاذا جمل تو مال نہیں ہے اور نہ اس کے مقابل میں کچھ ثمن ہو جبکہ قصد اس کے مقابل میں زیادتی ثمن کی تصریح نہ کر دی جائے البتہ اس کی وجہ سے ثمن پر زیادتی کی جاسکتی ہے جبکہ زیادتی کے مقابلہ میں مدت ذکر کر دی جائے۔ ان عبارتوں سے امر مسئول عنہ کا جواز اچھی طرح معلوم ہوا اور ایسا ہی فقہ کی بہت سی کتابوں میں ہے اور ہدایہ کی عبارت بھی عبارات سابقہ کے مخالف نہیں ہے۔ ہدایہ کی پوری عبارت یہ ہے لو کان ثمناً للمال فوجله فصالحه علی خمس مائة حاله لم یجوز ان المجل خیر من الموجل وهو غیر مستحق بالعقد فیکون بائناً صاحبہ عنہ وذلك اعتیاض عن الاجل وهو حرام اگر کسی چیز کے دام ہزار درہم تھے جبکہ قیمت دیر میں دی جائے تو مشتری نے پانچ سو پر صلح کی اس شرط سے کہ وہ دام ابھی نہیں دے گا تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ عجلت کو تاخیر سے بہتر ہے لیکن عقد بیع سے اس کی کا حق حاصل تھا تو اب ام کی عجلت کے مقابلہ میں ہو جائیگی اور یہ جل سے نفع اٹھانا ہے جو حرام ہے۔ کیونکہ مدت سے نفع اٹھانا امر دیگر ہے اور مدت کی وجہ سے ثمن پر زیادتی امر دیگر ہے چونکہ اس مسئلہ میں پہلے سے مدت کا حق ثابت تھا اور پانچ سو پر صلح حال میں واقع ہوئی تو مدت سے نفع اٹھانا جو مال نہیں ہے لازم آیا اسی لیے مدت کا حکم دیا گیا اور زیادتی ثمن کی صورت میں مدت کے لیے حق اجل پہلے سے ثابت نہیں ہے بلکہ ابتداءً مقصود تا جیل ثمن زائد ہوا ہے پس اس کے جواز میں کوئی کلام نہ ہوگا۔ سوال (۱) زید نے بکر سے ایک لونڈی یون مول لی کہ عمر و نامے ایک اپنے دوست کو روپیہ دیا کہ عمرو اس بیع کا ایجاب و قبول اپنے نام سے کرے اور روپیہ ادا کرے مگر اس خریداری سے مقصود تمتع زید کا ہو چنانچہ بکر نے کہا میں نے بیجا اور عمرو نے کہا میں نے خریدار اور بیع تمام ہوئی اور زر ثمن عمرو نے بکر کو دیا اب یہ لونڈی زید کی ملک ہوگی یا عمرو کی اور زید پر حلال ہونے کے لیے عمرو کی جانب سے نجد یرتلیک کی ضرورت ہے یا نہیں خصوصاً جبکہ عمرو کہتا ہے کہ میں نے یہ لونڈی اپنے روپیہ سے اپنے لیے خریدی ہے اب اگر زید ثابت کرے کہ خریداری میرے ہی روپیہ سے ہوئی ہے تو زید عمرو سے روپیہ پاسکتا ہے یا لونڈی اور اے زر ثمن کے بعد اگر خالد دعویٰ دے کہ یہ بکر کی ملک تھی یا عمرو کی ملک ہے نہ تھی چنانچہ شہادت عدول اس کا دعویٰ ثابت ہو اور قاضی نے ملک عمرو سے لونڈی کو خارج کر دیا تو عمرو اس کا زر ثمن بکر سے واپس پانچا

مستحق ہو یا نہیں اور معاملات میں نیت اور مقصود عاقدین کو باوجود صریحی ایجاب و قبول کے کچھ دخل ہو یا نہیں ہو رہا اگر اسی طرح زید کو کوئی عقار عمرہ کے نام سے خریدے یعنی ایجاب بیع بقصد تمتع زید عمرہ اپنے نام سے قبول کرے اور زین زین زید سے لیکر ادا کرے اور اس وجہ سے زید اپنے کو مشتری عقار سمجھے باوجود اسکے کہ ایجاب و قبول میں کچھ بھی زید کا ذکر درمیان میں نہیں آیا اور عمرہ کو زید کے تمتع مقصود ہونے سے انکار بھی ہو اور عقار بوجہ دعویٰ جاری خالد بشہادت عدول ملک عمرہ سے منسلک جائے تو عمرہ اصل بالغ پر واپسی زین زین کا دعویٰ کر سکتا ہو یا نہیں اور مشتری ہونے کے احکام شرعاً و قضاءً عمرہ سے متعین ہونگے یا زید سے جواب (۱) اس صورت میں عمرہ لوٹری کے خریدنے کے واسطے زید کی طرف سے وکیل ہو ا پس اگر توکیل جاریہ معینہ کی تھی اور عمرہ نے اُسی کو خرید تو وہ جاریہ زید کی ملک ہوگی اور عمرہ کو اپنے واسطے اُسکی خریداری درست نہیں اور زید پر وہ جاریہ حلال ہوگی تجدید تملیک کی کچھ حاجت نہیں ہو گا اگر عمرہ نے زید کے سامنے اُسی جاریہ کو مول لیا اور تصریح کر دی کہ میں اپنے لیے مول لیتا ہوں نہ زید کے لیے تو اس صورت میں البتہ وہ جاریہ عمرہ ہی کی قرار پائے گی اور اس صورت کے سوا کسی صورت میں وہ جاریہ عمرہ کی نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک میں ہو لو وکلہ لشرع شعی بعینہ فلیس لہ ان یشتریکہ لنفسہ اگر ایک شخص نے کسی کو کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اُسے یہ حق حاصل نہیں ہو کہ اُس چیز کو اپنے لیے خریدے اور کفایہ میں ہو سواء نوی عنہ عقد الشراء لنفسہ اوضح بالشراء لنفسہ بان قال شہد والی قد اشتربتہ لنفسی وهذا اذا کان المؤکل غائباً فان کان حاضراً وصرح الوکیل بالشراء لنفسہ صیر مشتریاً بنفسہ خواہ اپنے لیے خریدنے کی نیت کرے یا اس بات کی تصریح کر دے کہ میں اپنے لیے خرید رہا ہوں مثلاً یہ کہدے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں اس چیز کو اپنے لیے خرید رہا ہوں یہ حکم لینے اپنے لیے نہ خرید سکتا اسوقت ہو جبکہ موکل موجود نہ ہو اور اگر موکل موجود ہو اور وکیل اس امر کی تصریح کرے کہ میں اس چیز کو اپنے لیے خرید رہا ہوں تو اُسکا یہ خریدنا درست ہوگا۔ اور تنفیج فتاویٰ جاریہ میں ہو الوکیل لشرع شعی بعینہ اذا اشتراه لنفسہ بمثل الذی امر بہ حال غیبہ المؤکل یکون مشتریاً للموکل ولا یملک الشراء لنفسہ ما لم یخرج عن الوكالة وهو یملک اخراج نفسه عن الوكالة عند حضرة المؤکل لا غنی فی غیبتہ کذا فی الخانیۃ جو شخص کسی خاص چیز کے

خریدنے کا دکیل بنایا گیا اگر وہ موکل کی عدم موجودگی میں اُس چیز کو اپنے لیے خرید لے تو وہ چیز اُسی
 موکل کے حق میں خریدی ہوئی سمجھی جائے گی اور دکیل کو اس بات کا حق نہ ہوگا کہ وہ اُس چیز کو
 اپنے لیے خریدے تا وقتیکہ وہ وکالت سے خارج نہ ہو جائے اور اُسے اس بات کا حق ہو کہ موکل
 کی موجودگی میں اپنے آپ کو وکالت سے بری الذمہ کر دے مگر اُسکی عدم موجودگی میں ایسا
 نہیں کر سکتا جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ پس جب زید ثابت کر دے گا کہ یہ خریداری اُسی کے روپیہ سے
 ہوئی تو وہ عمرو سے لونڈی لے سکتا ہے اور در صورت استحقاق عمرو کو بکر سے واپسی زرثن کی ضرور
 ہوگی جیسا کہ در مختار میں ہے و ثبت رجوع المشتري على بائعه بالغن اذا كان الاستحقاق
 بالبدنة لما سمعوا غا حجة متعددة اور مشتري بائع سے زرثن واپس لیگا جبکہ استحقاق بینہ سے ثابت
 ہو جائے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا کہ بینہ حجت متعدیہ ہے اور اگر توکیل جاریہ غیر متعینہ کے شرائط کی
 کی تھی تو اگر عمرو نے زید کے روپیہ سے لونڈی خریدی یا خریدتے وقت زید کے لیے لینے کی نیت کی
 تو وہ لونڈی زید کی ہوگی ورنہ عمرو کی۔ جیسا کہ ہایہ میں ہے ان وكل الشراء عنه بخير عينه
 فاشترى عبدا فهو لوكيل الا ان يقول نويت الشراء للموكل او يشترى به مال الموكل اگر کسی
 کو غیر معین شے کے خریدنے کا دکیل بنایا پھر اُس نے ایک غلام خریدا تو وہ غلام وکیل ہی کی ملک ہوگا
 مگر اس صورت میں کہ یہ کدے میں نے موکل کے لیے اس غلام کے خریدنے کی نیت کی تھی یا غلام
 موکل کے مال سے خریدے۔ (۲) اس صورت میں عمرو کی وہ خریداری زید کی سمجھی جائے گی۔
 نتائج الانکار میں ہے ان نکا ذباى الوكيل والموكل فى النية يحكم بالنقد بالاجماع اگر دکیل اور
 موکل میں سے ہر ایک نیت میں ایک دوسرے کی تکذیب کرے تو وہ بیع بالاجماع نافذ ہوگی۔
 اور حقوق عقد عمرو کی طرف راجع ہونگے۔ توير الابصار میں ہے حقوق عقد لا بد من اضافته
 الى الوكيل كبيع متعلق به حقوق عقد کی نسبت دکیل کی جانب ہوگی اُس بیع کی طرح جس کا تعلق
 خود اُس سے ہو۔ اور عمرو اصل بائع پر واپسی زرثن کا دعوے کر سکتا ہے سوال کھانے اور
 پینے کی تمنا کو کی تجارت کرنا درست ہے یا نہیں جواب درست ہے۔ علامہ ابراہیم بن حسین رحمہما اللہ
 اشہر بہ ہیری زاوہ خفی کی اپنے رسالہ رخص الالبابک فی حکم تعاملی شجرة التباک میں لکھتے ہیں امتا
 یعبراً و مشرا وھا خجوز لا مکان الاستقام ھا فی غیر الشرب بدلیل تقييد الاصحاب عدم

الجواز فی مثلها بما لا ینتفع بہ تمباکو کی بیع و شرا جائز ہے کیونکہ پینے کے علاوہ دوسرے منافع بھی اس سے حاصل کیے جاتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ عدم جواز کے واسطے یہ قید ہے کہ اُس چیز سے نفع نہ اُٹھایا جاسکے سوال (۱۱) چائون امانون کے نزدیک ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کی کھال کا بلاد باغت بیچنا درست ہے یا نہیں (۱۲) غلہ کی تجارت کیونکہ حلال اور کیونکہ حرام ہے (۱۳) غلہ خریدنے کے لیے کھیتی کٹنے سے پہلے روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں (۱۴) زید نے بکر کو دو روپے دیے اور غلہ کا دنیا کھیتی کٹنے کے وقت بہ تعین وزن وقت معین قرد پایا یا بلا تعین وزن بوقت معین نرخ بازار قرار پایا اگر زید کو غلہ نہیں ملا اور کھیتی کٹنے کے بعد غلہ وزن معینہ سے کم فروخت ہوا تو زید نے اُسی حساب سے دو روپیہ کاتیں خواہ چار بڈگی بکر ٹھہرا کر اُسکا مطالبہ کیا اس میں حلت کا اطلاق ہے یا حرمت کا جواب (۱۵) کھال کی تجارت بغیر دباغت کے حرام ہے (۱۶) اور غلہ کی تجارت ہر طرح درست ہے جب تک خلاف شریع کوئی معاملہ نہ ہو (۱۷-۱۸) غلہ خریدنے کے لیے کھیتی کے پہلے روپیہ دینا درست ہے اگر وزن کا طر کرنا اور غلہ کے وصف و جنس کا بیان کرنا ضروری ہو اور بے تعین وزن اس طرح کہ جو بازار کا نرخ ہوگا لین گے درست نہیں ہے اور جب روپیہ دینے والے کو غلہ نہیں ملا تو اُسے صرف اپنا روپیہ واپس کر لینا درست ہے یا اُس قدر غلہ لینا جو وزن مقرر ہو گیا ہو زیادہ کم درست نہیں ہے سوال علمائے ٹونک کی سوالات مفصلہ ذیل میں استفتاء کیا گیا تھا جو مع جوابات مرسل خدمت ہے اگر صحیح ہو تو تصحیح کیجیے ورنہ صحیح جواب سے مطلع فرمائیے (۱۹) اگر کوئی شخص کسی تول کے نقد چھ روپیہ چھ آنے کو کہہ بھی اُسکی قیمت ہے مول لے اور دوسرے کے ہاتھ سات روپیہ سات آنے یا چھ روپیہ چودہ آنے یا چھ روپیہ بارہ آنے کو معینہ وعدہ پر قرض نیچے تو یہ بیع درست ہوگی یا نہیں (۲۰) عادت ہے کہ غلہ بازار کے نرخ سے کم نرخ پر قرض لیتے ہیں اور اپنے وعدے پر ثمن ادا کرتے ہیں پس یہ بیع جائز ہے یا نہیں۔ (۲۱) مثلاً بقال سے روزانہ قرض غلہ لیتے ہیں اور وہ بازار کے نرخ سے کم دیتا ہے اور زر ثمن بوالیتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں جواب (۱) قبضے کے بعد مبیعہ میں تصرف کیلی ہو یا وزنی درست ہے اور قبضے کے پہلے درست نہیں ہے۔

تویر الابصار میں ہے المشتی مکیدا بشرط الکلیل حرم بیعہ واکلہ حتی یکلیلہ ومثلہ المعدود والموزون کسی شخص نے کیلات میں سے کوئی چیز بشرط کیل خریدی تو جب تک اُس کا کیل نہ کر لیا جائے اُسکی بیع اور اکل حرام ہے اور یہی حال محدود اور موزون کا ہے۔ پس جب اسی کو وزن قیمت

مذکور پر مول لیکے اپنے قبضے میں سے آیا تو اب جائز ہو کہ اُسے حالاً یا نسیت جس طرح چاہے بیچے اور
 ثمن کی زیادتی اجل کے مقابلہ میں جائز ہو۔ جیسا کہ عینی میں ہے لاندہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل
 مدت کے بدولت ثمن میں زیادتی کی جاسکتی ہے (۲) درست ہے عینی کی روایت کے موافق جو جواب
 سوال اول میں گندی (۳) اس سوال کا جواب بعینہ سوال اول کا جواب ہو انتہی۔ بعد نقل عبارت ہر
 سوال و جواب وہ خدشہ گزارش کیا جاتا ہے جو داعی اس تصدیق کا ہو آؤ اُس میں یہ خدشہ قابل گزارش
 ہو کہ عجیب صاحب کی عبارت منقولہ عینی غالباً عینی شرح ہدایہ کی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ عینی شرح کنز میں
 یہ عبارت نہیں ملتی پس اسکے اسبق کا فقرہ جسکی دلیل میں لاندہ مذکور ہو کیا ہو نا نیا یہ کہ فتاویٰ
 قاضی خان میں خاص بابت بیع و شرائط کے یہ جزئیہ منقول ہو لایمحوذ بیع المخطئ بثلث
 النسبة اقل من سعر البطل فانه فاسد واخذ ثمنه حرام ایضاً فی الايضاح ان بیع المخطئ
 ینقصان حکم البطل فھو فاسد وان اخذ الثمن بعد مضي المدۃ فھو حرام لان الثمن متفاضل
 بالحکم وھو الربو۔ بیع مخطئ ثمن نسیہ شہر کے نرخ سے کم پر جائز نہیں ہے کیونکہ فاسد ہے اور اسکے دام لینا حرام
 ہیں ایضاً میں ہے کہ گھوٹ کو شہر کے نرخ سے کم پر بیچنا فاسد ہے اور اگر دام مدت کے گزرنے کے بعد
 لینے تو حرام ہے کیونکہ یہ قیمت فضل کے حکم میں ہے جو ربو لا ہے۔ اس جزئیہ خاص سے مصحح معلوم ہوتا
 ہے کہ بیع مخطئ نسیہ اقل نرخ بلد سے جائز نہیں اور فتح القدر حاشیہ ہدایہ کی بعض عبارت بھی اس کی
 مؤید ہے کہ مخطئ و غیرہ وغیرہ مقیمات یا کولات کا حکم بسبب اسکے کہ انکی تصریح حدیث شریف میں وارد
 ہے اور اشیائے ربو یہ مستثنیٰ ہے لہذا کسی قسم کا تفاضل اور شہد ربو اعلیٰ جائز نہیں ہے ہدایہ میں تصریح ہے کہ
 شہد ربو احکم میں ربو امین ہے یہ حسب قرآن اس بیع کے عدم جواز کے اور قاضی خان کے قول کے مؤید
 ہیں اور علما نے ٹونک نے اس قسم کی بیع کا خاص گندم و جو و غود وغیرہ میں حکم جواز لکھا ہے پس ان
 دو اقوال متخالف میں صحیح کون قول ہو نقل عبارت کتاب جواب ترقیم فرمایا کہ یہ خدشات رفع ہو کے
 امر محقق دریافت ہو جائے جواب عبارت عینی جو جوابات سابقہ میں مذکور ہو وہ عبارت عینی
 شرح ہدایہ کی کتاب الرابعہ میں ہے و دون کی چوری عبارت یہ ہے ومن مشتری غلاما بالف و درہم
 نسیت فباع بیع ماعی و لم یبین ان اشتراہ بنسیت فعلم المشتري فان فاع درہم وان شاعر
 قبلہ لان لاجل شہد بالمبیع الا ترى انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل والشہد فی ہذا

الباب ملحقة بالمحقيقة ای بحقیقة المبیع احتیاطاً فصار كما نه اشترى شیئین بیعاً واحداً هاتمتها
ای بشن الاثنین وذلك حرام يجب الاحتراز عنه اگر کسی شخص نے ایک غلام ہزار درہم کو قرض
خرید لیا اور سو روپے نفع لیکر بغیر یہ بیان کیے ہوئے کہ اُس نے قرض خریدا تھا بیچ لیا اور مشتری کو
معلوم ہو گیا کہ اُس نے قرض خریدا تھا تو اُسے اختیار ہو کہ غلام واپس کر دے یا رہنے دے کیونکہ مدت
مشابہ مبیع ہو کہ اُسکی وجہ سے دام زائد کر دیے جاتے ہیں اور اس معاملہ میں شبہ حقیقت کا حکم رکھتا
ہو یعنی شبہ مبیع مثل حقیقت مبیع کے ہو احتیاطاً تو اب گویا کہ مشتری نے دو چیزیں خریدیں تھیں ایک
غلام دوسرے مدت ادا سے قیمت جن میں سے ایک کو دو کے داموں پر بیچا اور یہ حرام ہر اس سے
احتراز واجب ہو۔ اور اس عبارت کے موافق اور بھی عبارتیں موجود ہیں جن سے جوابات سابقہ کی
صحیح معلوم ہوتی ہے۔ فصیح الدین ہر وہی رحمہ اللہ کے شرح وقایہ میں ہے فی النسبة یزاد الثمن لاجل الاجل
بیع نسبه من قیمت مدت کی وجہ سے زائد ہو سکتی ہے۔ اور نہ فائق شرح کنز الدقائق میں ہے کہ لا تری
ان یزاد فی الثمن لاجلہ کیا تھیں یہ نہیں معلوم کہ ثمن پر اجل کی وجہ سے زیادتی کر دی جاتی ہے
اور بحر الرائق میں ہے کہ الاجل فی نفسه لیس بمال ولا یقابله شیء من الثمن حقیقة اذا لم یشتط
زیادة الثمن بمقابلته قصداً او یزاد فی الثمن لاجلہ اذا ذکر لاجلہ بمقابلته زیادة الثمن قصداً
خود اجل تو مال نہیں ہے اور نہ اُسکے مقابل میں کچھ قیمت ہو جبکہ اُسکے مقابل میں قصد قیمت کی تصریح
نہ کر دی جائے البتہ اُسکی وجہ سے قیمت زیادہ کی سکتی ہے جبکہ زیادتی کے مقابلہ میں مدت ذکر کر دی جائے اور
یوسف جلیبی رحمہ اللہ کے حواشی شرح وقایہ میں ہے يجوز ان یقصد الثمن فی المبیع بالموجل اکثر
مما فی المعجل بحيث تقابل کثرة المؤجل تعجیل القلیل یہ جائز ہے کہ قیمت تاخیر کی صورت میں
زائد بھی جائے بہ نسبت عجلت کی صورت کے اس طرح پر کہ زیادتی عجلت کی کمی کے مقابل کر دی جائے
ان عبارتوں سے ثابت ہو کہ قیمت کا زیادہ کر دینا بر تقدیر نسبه درست ہے اور اُسکے جزا کا جزئیہ کتاب
الحج تصنیف امام محمد رحمہ اللہ تلمیذ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ میں موجود ہے اُسکی عبارت یہ ہے قال محمد قال ابو حنیفہ فی
رجل یکون له علی رجل مائة دینار الی اجل فاذا حلت قال له الذی علیہ الدین سلعة یکون
عندها مائة دینار نقداً لهما مائة وخمسين الی اجل ان هذا جائز لانها مبیع لشیء ولم ینکر المبیع
یفسد به الشراء امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر ایک شخص کے لئے دس

تھے جسکے ادا کرنے کی ایک مدت مقرر تھی جب وہ مدت گزر گئی تو جب قرض تھا اُسے کما کما میرے پاس ایک چیز ہو جسکے دام اگر نقد دو تو سود و پیسہ ہین اور اگر ادائیگی کوئی مدت مقرر کرو تو ڈیڑھ ستور و پیسہ ہین تو یہ سچ جائز ہوگی کیونکہ انھوں نے سچ میں کوئی شرط نہیں لگائی ہے اور نہ کسی امر فاسد کا ذکر کیا ہے۔

اور اُسی کتاب میں چند سطر کے بعد ہے وہ کذا یتبايع الناس لا تخم اذا اخروا اذدادوا لا باس
عند اللوك باهم پونھین سچ و شر کیا کرتے ہین کہ جب دام کی ادائیگی میں تاخیر ہو تو دام داند کر دیتے ہین اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے یہ جزئیہ جو خود امام محمد امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ سے نقل کر گئے
جزئیہ قاضی خان وغیرہ سے بالضرور مرجع ہے باقی ہمارا بواکا خدشہ وہ یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ
اقسام غلہ بعض دہم و دنیا میر کے فروخت کرنے میں رہا نہیں ہے اور نہ شبہ رہا ہے اگر دو سیر گہون جو
بازار میں دو آنے کو ملتے ہین کوئی شخص بعض ایک روپیہ کے نقد بیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر کسیہ
میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہو جائے تو بھی درست ہے۔ واسد اعلم حررہ الراحمی عفور بہ القوی

ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاور الدین ذنبہ الحی و انحنی **سوال** غلہ کی تجارت عموماً حرام ہے یا نہیں زید
کہتا ہے کہ غلہ کی تجارت عموماً حرام ہے کیونکہ وہ احتکار ہے اور احتکار حرام ہے آیا زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں
جواب زید کا قول بدیہی البطلان ہے کیونکہ غلہ کی تجارت عموماً ہرگز حرام نہیں ہے اور نہ وہ احتکار
البتہ غلہ وغیرہ کا خریدنا جو آدمیوں یا بہائم کا قوت ہو گرائی میں تجارت کے لیے اور اسکا روک
رکھنا تاکہ گرائی میں فروخت کیا جائے احتکار منوع اور حرام ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ منہاج شرح صحیح

مسلم ابن الحجاج رحمہ اللہ میں فرماتے ہین قال اهل اللغت الخاطی بالھمز هو العاصی الاثم وهذا
المحدث صریح فی تحریرہ لا احتکار قال اصحابنا لا احتکار المحرم هو الاحتکار فی الاقوات خاصة
وهو ان يشتري الطعام في وقت الغلاء للتجارة ولا يبيعه في الحال بل يذخره ليغلو غنم اهل

کہتے ہین کہ خاطی ہمزہ عاصی و اثم ہے اور یہ حدیث احتکار کی حرمت کی صراحت کرتی ہے ہمارے اصحاب
کہتے ہین کہ حرام احتکار وہ ہے جو قوت میں ہو یعنی کھانے کی چیزوں کو حالت گرائی میں تجارت کر دے
کی غرض ہے خریدے اور اُسے اُس وقت تک نہ فروخت کرے جب تک دام بڑھ نہ جائے۔ اور طبری رحمہ اللہ

ترشح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں کہتے ہین لا احتکار المحرم هو في الاقوات خاصة بان يشتري
الطعام في وقت الغلاء ولا يبيعه في الحال بل يذخره ليغلو احتكار صرت قوتون میں حرام ہے یعنی

یہ حرام ہے کہ ارزانی کے وقت غلہ خرید کے جمع کر لے تاکہ گرانی کے وقت بیچے۔ اور مجالس الابرار
 میں ہر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احتکر فو خا طعی هذا الحدیث من صحاح المصابیح و ماہ روین علیہ
 ومعناہ ان من یجمع الطعام الذی یجلب علی البلاد ویحبس لیبیعہ فی وقت الغلاء فہو اثم متعلق حق العاقبۃ ہو فی الحبس
 الاستناع عن البیع بید بطلان حقہم تصیق امر علیہم ہو ظلم عام و صاحب یلعون کما روی انہ علیہ السلام قال الجالب من روق
 و المحتکر یلعون فانہ علیہ السلام بیان فی هذا الحدیث ان الذی یجلب لیبیعہ و لا قوا ت یبیعہا التحصیل الربہ یحصل الربہ یحصل الربہ
 و لا اثم علیہ ان الناس ینفقون بہ فبالبرکۃ دعاہم و الذی یشتری الطعام الذی یجلب الی البلاد ویحبس لیبیعہ فی وقت
 العلاء فہو ملعون بعید عن الرحمة و لا یحصل البرکۃ فادام فی ذلک الفعل نفھ و فی مجمع البحار ان المحتکر طعنا
 ای شراہ و حبسہ لیقل فیخلو و الحکر و الحکرۃ الاسم منہ و فی موضع آخر من احتکر فو خا طعی باطن الحرم
 الاحتکار ما ہو فی الاقوات و وقت الغلاء للتجارۃ و یوخر للغلاء انھ و فی الفتح فیہ اشعار بان الاحتکار باغیا
 یمنع فی حالۃ مخصوصۃ حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوۃ نے فرمایا ہو کہ جس نے احتکار کیا
 وہ گنہگار ہو یہ حدیث صحیح مصابیح میں ہے اسے عمرو بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہو اسکا مطلب
 ہو کہ جو شخص کھانے کی چیزوں کو خرید کے اس غرض سے جمع کرے کہ اُسے گرانی کے وقت بیچے وہ گنہگار
 ہو کیونکہ اُس چیز کے ساتھ عوام کا حق متعلق تھا جسے اُسے روک رکھا ہو اور فروخت نہیں کرتا ہے
 اور اس طرح اُنکے حق کو باطل کرنا چاہتا ہو اور اُن پر تنگی کرنا چاہتا ہو جو ظلم عام ہے اور مختکر ملعون ہے
 جیسا کہ مردی ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جالب کو رزق دیا گیا ہو اور مختکر ملعون ہو اس
 حدیث میں نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم نے تصریح فرمادی ہو کہ جو کھانے کی چیزوں کو اور دوسری
 چیزوں کو خریدتا ہو اور بیچتا ہو تاکہ نفع اُٹھائے اُسے نفع ملتا ہو اور اُس پر گناہ نہیں ہوتا کیونکہ لوگ
 اُس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور اُنکی دعا کی برکت سے اُسے بھی فائدہ ہوتا ہو اور جو کھانے
 کی چیزوں کو خریدتا ہو اور اس غرض سے روک رکھتا ہو کہ گرانی کے وقت بیچے وہ ملعون ہو خدا
 کی رحمت سے دور ہو اُسے برکت حاصل نہوگی جب تک وہ یہ کام کرتا رہے گا اور مجمع البحار میں ہے
 جس نے کھانے میں احتکار کیا یعنی کھانے کی چیز کو خرید کے رکھ چھوڑا تاکہ اُسکی کمی پڑے اور جب
 وہ گران ہو جائے تب بیچے دھکرا دھکرا اس سے دو اسم ہیں اور دوسری روایت میں ہے جسے
 احتکار کیا وہ گنہگار ہو احتکار عام وہ ہو جو قوت میں ہو تجارت کے گران ہونے کے وقت اور

مال اسوقت کے لیے روک رکھا گیا ہو انتہی اور فتح میں ہو اس میں اس جانب اشارہ ہو کہ احتکار ایک خاص حالت میں ممنوع ہو۔ اگر بازار سے خریدے بلکہ اس کی زمین میں ہو یا زرانی میں حسدیرے اور اس کو بے روکے ہوئے بیچ دے یا گرائی میں خریدے اور اسکو روکے لیکن تجارت مقصود نہ ہو بلکہ مصارف روزمرہ کے لیے مول لیا ہو یا جس قوت بشر اور بہائم سے خارج ہو تو ان سب صورتوں میں تجارت مذکور حرام نہیں بلکہ باتفاق خفیہ و شافعیہ جائز اور درست ہو قال النووی فی شرح صحیح مسلم فاما اذا جاء من قرية واشترى في وقت الرخص او ابتاع لبيعة في وقت الغلاء لم حاجته الى اكله وابتاع لبيعة في وقت فليس باحتكار ولا تحريم فيه اما غير الاقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال هذا تفصيل من هبنا قال العلماء والحكمة في تحريم الاحتكار دفع الضرر عن عامة الناس كما اجمع العلماء على انه لو كان عند انسان طعام واضطر الناس اليه لم يحل واخرجه ابي عبد على بيعة فدا للضرر عن الناس الى قوله وحمل الحديث على احتكار القوت عند الحاجة الى الغلاء وكذا حمل الشافعي في الوحيفة واخرون وهو الصحيح انتهى وقال الطبعي في شرح المشكوة فاما اذا جاء به من قرية واشترى في وقت الرخص او ابتاع في وقت الغلاء فليس باحتكار ولا تحريم فيه اما غير الاقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال انتهى بقدر الحاجة وفي المجالس من حيث غلته ارضه لا يكون محتكرا لانه خاص فقدم يتعلق بحق العامة لكن لو كان للناس اليه حاجة فلا فضل له ان يبيعه ولو امتنع عن البيع يكون مسئلا لقلة شفقتة على المسلمين انتهى وفي موضع آخر وهذا فيما يضر حصة عند الحاجة اليه ما هو قوت البشر والبهائم كالبر والشعير والتمر والتين والزبيب في عمدة القاري شرح صحيح البخاري قال لو كان في الحكمة احتكار الطعام اي حصة يتربص به الغلاء هذا بحسب التفتا وما الفقهاء فقد اشترطوا ثلثا من هذا المذكورة في الفقه انتهى وفي مجمع البحار المحرم من الاحتكار ما هو في الاقوات وقت الغلاء للتجارة ولو خرب الغلاء لا فيما جاء من قرية واشترى في الرخص وادخره او ابتاعه في الغلاء لبيعه في الحال نووي نے شرح مسلم میں کہا ہے اگر کوئی شخص دیہات سے غلہ لایا یا دیہات میں خرید کیا اور اُسے ذخیرہ کیا یا اس عرض سے خرید کہ گرائی کے وقت اپنے کام میں لائے یا اس عرض سے خرید کہ اُسے بیچے تو احتکار نہیں ہے اور نہ حرام ہے اور اقوات کے علاوہ دوسری چیزوں میں احتکار کسی حال میں حرام نہیں ہے اگر ہمارے مذہب کی تفصیل سے علمائے کبار نے کہا ہے کہ تحريم احتكار میں حکمت یہ ہے کہ عوام الناس کو ضرر نہ پہنچنے پالے لہذا یہ علمائے اجماع کیا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کھانا ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو اور اُس کے سوا

کسی اور کے پاس نہ تو وہ شخص بیع پر مجبور کیا جائیگا تاکہ لوگوں کو نقصان نہ پہنچے (بھرا گئے
 جگر کہتے ہیں) یہ حدیث مطلقاً حاجت کے وقت قوت کے روکنے پر محمول کی جائیگی جیسا کہ امام شافعی
 اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اور دوسرے لوگوں نے محمول کیا ہے صحیح ہے اور طبی رحمہما اللہ نے شرح مشکوٰۃ
 میں کہا ہے اگر غلہ کسی ہیئت سے لایا یا از رانی کے وقت خرید اور جمع کر رکھا تاکہ گرانی کے وقت بیچے تو یہ حرام نہیں ہے
 اور نہ یہ حرام ہے اور غیر قوت میں احتکار کبھی حرام نہیں ہے انتہی اور مجالس میں ہے جس نے اپنی زمین کے غلے کو روک
 رکھا وہ محتکر نہیں ہے کیونکہ یہ غلہ اسکا خالص حق ہے عوام کا حق اس سے متعلق نہیں ہے البتہ اگر لوگوں کو ہمسکی
 ضرورت پڑے تو فصل یہ ہے کہ اُسے بیچ ڈالے اگر وہ نہ بیچے گا تو گنہگار ہو گا کیونکہ اُسے مسلمانوں پر حرم نہیں کیا
 اور دوسری جگہ ہے حکم ان چیزوں میں ہے جسکا ضرورت کے وقت روک رکھنا مضر ہو مثلاً قوت بہائم و بشر جیسے
 گیموں جو مجبورانگوں وغیرہ اور عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ رانی رحمہما اللہ نے کہا ہے حکم احتکار طعام کو تو
 میں نے کھانے کو روک رکھا تاکہ گرانی میں اُس سے نفع اُٹھائے یہ تو تحقیق لغوی ہے اور فقہا اس
 میں شرطیں لگاتے ہیں جو فقیرین مذکور میں اور مجمع البحار میں ہے حرام وہ احتکار ہے جو بغرض تجارت
 غلہ کی گرانی کے وقت کیا جائے نہ اُس میں جو کسی گاون سے لایا جائے یا از رانی میں خرید کے رکھ
 چھوڑا جائے (نہ بہ نیت بیع) یا حالت الزانی میں خریداجائے تاکہ فوراً بیچ ڈالے۔ پس اگر صغریٰ میں احتکار
 سے مراد احتکار شرعی ہے تو صغریٰ ممنوع ہے کیونکہ تجارت گندم اور جو اور چنا بلکہ جمیع اقسام اوقات بشر
 و بہائم میں ہرگز احتکار شرعی نہیں ہے جیسا کہ مفصلاً معلوم ہو اور اگر احتکار لغوی مراد ہے تو مسلم ہے
 لیکن کبرے میں احتکار سے کیا مراد ہے اگر احتکار شرعی مراد ہے تو حد اوسط کرنا نہیں چنانچہ خود ظاہر ہے اور
 اگر احتکار لغوی مراد ہے تو حد اوسط کرنا ہے لیکن کبرے ممنوع ہے کیونکہ احتکار لغوی ہرگز حرام نہیں بلکہ
 بلا غدغہ جائز و درست ہے بلکہ خود خیر القرون میں موجود اور تحقق تھا حرام نہیں صحیح مسلم میں جو ثانی
 صحیح ستہ ہے اور بعض کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب اور صحیح بخاری پر مقدم ہے۔ سعید بن
 مسیب سے منقول ہے فقیل سعید فانک تحتکر قال سعید ان معمر الذی کان یحدث ہذا
 الحدیث کان یحتکر سعید بن مسیب سے کہا گیا کہ تم احتکار کرتے ہو تو انہوں نے کہا کہ معمر جو اس حدیث
 کے راوی ہیں وہ خود احتکار کیا کرتے تھے۔ پس سعید بن مسیب تابعی جلیل الشان اور معمر بن عبد اللہ
 راوی حدیث جو دیتوں کے بل کا احتکار کرتے تھے معاذ اللہ زید کے مذہب کے موافق

حرام کے ترکیب ٹھہرتے ہیں اور اگر براہیل سنت و جماعت ہرگز انکو مکہ مرکب نہیں قرار دیتے بلکہ حدیث کو
 احتکار شرعی پر محمول کرتے ہیں اور اُنکے قول کو مخصوص من باحتکار لغوی کرتے ہیں نووی صریح مسلم
 میں لکھتے ہیں واما ما ذكر في الكتاب عن سعيد بن سعيد ومعاوية بن وهب عن ابي حنيفة
 كانا يحسنان فقال ابن عبد البر واخرون انما كانا يحسنان الزيت وحملنا الحديث على
 احتكار القوت عند الحاجة اليه والخلاء وكذا حملنا الشافعي ابو حنيفة واخرون دھوا صحیح
 کتاب میں جو سعید بن سبیب اور معاویہ راوی حدیث کے متعلق احتکار منقول ہے اس کے متعلق ابن عبد البر رحمہ اللہ
 اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ وہ دونوں زیتون میں احتکار کرتے تھے اور حدیث کو احتکار قوت پر محمول
 کرتے ہیں جبکہ اُسکی احتیاج اور اگر رانی ہوا سی پر امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اس اور دوسرے لوگوں نے
 محمول کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ والد اعلم نقہ العبد انا مل العجانی السید امیر الحدائق السوسوانی صریح الجواب
 حررہ العبد الضعیف المستجير الى رحمة ربی القدير ابو الحجتہ الشیر اسید عبد الرحمن صلح شانه النان۔ الجواب
 صحیح کتبہ سید شریف حسین۔ اصاب من اجاب والد اعلم بالصواب حررہ محمد توفیق حسین۔ ہذا الجواب صحیح حررہ
 سید نذیر حسین۔ الجواب صحیح حررہ ابو البرکات حافظ محمد۔ اصاب من اجاب والد اعلم بالصواب کتبہ سید احمد حسین
 فی الواقع مطلقا تجارت غلہ حرام نہیں ہے بلکہ احتکار شرعی حرام ہے جیسا کہ مفصلاً عجیب مصیبتے بیان کیا ہے۔ والد اعلم
 حررہ الراعی عنورہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحمی تجا و الدعن ذنبہ العجلی داغنی [الوہبات محمد عبد الحمی]
سوال کفار سے مال خریدنے میں اُنکے قاعدہ مقرر ہے کہ چاہے نقد لے چاہے قرض مگر دام ادا کرنے کے لیے
 مقرر کرتے ہیں بغیر مقرر ہوئے قیمت نہیں کرتے اور مدت تین مہینہ سے کم نہیں ہوتی پھر
 جب قیمت طے ہوئی تو خریدار سے دستخط کرا لیتے ہیں لینے اب خریدار کو مال لینا ضرور ہوگا اور مال کی ہنگامی
 دیکھی کو ٹھیکین سے دو صورت پر ہو ایک صورت یہ ہے کہ فوراً روپیہ دے اور دوسری صورت یہ ہے کہ
 تین مہینے کے بعد روپیہ دے مگر اُسکے کاغذ میں یہ لکھا رہتا ہے کہ ہم چاہیں نقد لیکر مال دین چاہے مدت پر
 میں پھر اگر سیکورٹ پر دیا تو ایک تمسک تین مہینے کی میعاد کا لکھوا لیتا ہے پھر اگر خریدار کے پاس روپیہ ہم ہوا اور
 ایک یا دو مہینے کے اندر اُسے دینا چاہا تو بائع کو اختیار باقی رہتا ہے کہ اسوقت لے لے یا میعاد پر لے کیونکہ
 میعاد مہینہ پر روپیہ لینے میں بتفصیل مفعولہ ذیل بالکے کا نفع ہوگا اگر ایک مہینے کے بعد روپیہ وصول ہوا تو مدت میں
 سے کہ دو مہینے باقی رہے اُس دو مہینے کافی سیکڑہ تین روپیہ کم لینا ہوگا اور اگر دو مہینے کے بعد وصول

ہو تو ایک مہینہ کام لگا کر پوری مدت پر کہ تین مہینے ہے وصول ہوا تو کچھ بھی کم نہ کر گیا اور اگر قیمت کے طے ہوتے ہی زر قیمت وصول ہوا تو پوری مدت کا کہ تین مہینے ہے فی سیکڑہ تین روپیہ کم لگا پس ان صورتوں میں کہ فوراً روپیہ دینے میں اور مہینے دو مہینے کے بعد دینے میں قیمت طے شدہ سے کچھ کم لیتا ہو خریدار کے حق میں جائز ہو یا نہیں جواب کفار سے اس طرح مال مول لینا کہ اگر نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت مقررہ بائع کو دینا ہوگی اور اگر ایک یا دو یا تین مہینے کے بعد روپیہ ادا کرے تو فی سیکڑہ تین روپیہ فی ماہ زیادہ دینا ہوگا یہ فی الحقیقت نرخ مال کا بیان ہو یعنی اگر خریدار نقد خرید کرے تو مثلاً سو روپیہ قیمت دے اور اگر ایک یا دو یا تین ماہ کے بعد قیمت ادا کرے تو مال کی قیمت ایک سو تین یا ایک سو چھ یا ایک سو نو روپیہ دے اور اس مضمون کا خریدار سے لکھوالینا یا دگاری اور ثبوت کے لیے ہر پس خریدار کو حق میں یہ عقد شرعاً جائز ہو قال فی المصداۃ ویجوز البیع بثن حال موجب اذ اکان الاجل معلوما لا طلاق غولہ تعالیٰ و احل اللہ البیع و عنہ علیہ السلام والصلوۃ ان اشتری من یهودی طعاما الى اجل و دھنہ ددعہ ہر ماہ میں ہر بیع نقد دام اور دیر میں دام ملنے کی صورتوں میں جبکہ مدت معلوم ہو جائز ہو کیونکہ خدا کا قول احل اللہ البیع مطلق ہو اور حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ سے مروی ہو کہ انھوں نے ایک یہودی سے کھانا خرید ادا کر کے ادا کرنے کی مدت مقرر کر کے اور اپنی ذرہ کو رہن کیا۔ اور رد المحتار میں ہو ان الاجل یقابله قسط من الثمن مدت کے مقابل قیمت کا کچھ حصہ مقرر ہو سکتا ہو پس ہر ماہ میں تین روپیہ سیکڑہ کی زیادتی میں کوئی قباحت نہیں ہو۔ اور اسکے بعد کہ بائع نے خریدار سے تین مہینے کا میعاد تسک لکھوا کے مال دیا ہے بائع کو تین مہینے کے بعد قیمت لینے کا اختیار ہو چاہے قیمت میعاد کے اندر لے چاہے میعاد پر لے کیونکہ اسکا بیع بائع کی جانب سے حط بعض قیمت کی طرف اور خریدار کی جانب سے حط اجل کی طرف ہو گا اور ان دونوں امور میں شرعاً کچھ قباحت نہیں ہو و اما اعلم و علیہ اتم العبد المحبیب محمد ارشاد حسین عفی عنہ محمد ارشاد حسین الجواب صحیح محمد عبدالقادر۔ الجواب صواب عنایت السد ولد حبیب السد صحیح الجواب و اما اعلم بالصواب حررہ الراعی عفو بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاج الدین احمد عن ذنبہ ابی و الخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی سوال بادشاہی زمانے میں بابت عمدہ قضا ایک سو بیگمہ از میں و مبلغ ایک سو روپیہ سر وہی و کلج بندی و خلعت عیدین وغیرہ ہنام زید مقرر ہوا اور نید کے

دوسرے ایک عمرو دوسرا بکر اور زید کے فوت ہونے کے بعد اشیائے مذکورہ بالانصف نصف
ہر دوسرا ان مذکورین پر تقسیم ہوئے پھر عمرو فوت ہوا اُسے تین لڑکیاں اور ایک بی بی چھوڑی
پھر بکر فوت ہوا اور اُسے دو لڑکے چھوڑے اب زوجہ عمرو نے نصف اشیائے مذکورہ کا نصف اپنے
برادر کو دیا اور نصف اپنی چھوٹی لڑکی کو بہہ کیا پھر زوجہ عمرو کے بھائی کے مرنے کے بعد اُسکے
بیٹوں نے وہ اشیاء بیچ ڈالے یہ بیع اور وہ بہہ صحیح ہے یا نہیں جواب جو عطاء سلطان بطور
النعام نوبہ کی ہو اور معطی لہ کے قبضے میں آجائے وہ معطی لہ کی ملک ہو جاتی ہے اور اُسکی بیع وہ بہہ
وغیرہ جملہ تصرفات ملکیہ صحیح ہوتے ہیں اور جو بطور وظیفہ و مشاہرہ و تفری کے ہو اُس میں
معطی لہ کی ملک نہیں ہوتی ہے جب تک اُسکا قبضہ نہ کرے ان عبارات سے یہ تفصیل واضح ہے فی خزائنہ
الروایات من لدن وظیفۃ فی بیت المال کاجرا العاشر والامامۃ والتا ذین وساقی لہاء وغیر ذلک اذا قسمہ
حال حیاتیہ فقسمتہ باطل وفی جو اہر الفتاویٰ المشاہرۃ من مال الخراج یوصل الی کل منۃ فوہبہا
لغیرہ و وکل قبضہا لا یجوز لانہ لا یمکن قبضہ قبل القبض ولا یصح جعلہ بہ لغیرہ ولا یؤت عنہ لانہ لا یمکن
وفی العالمگیریۃ اذا ماتت المرأۃ فنزاع الرجال ان فی عطاءھا وادعی کل منہا اغنامہ واختصاصہ علی
ان ینکت العطاء لاحدھا باسم الآخر علی ان یعطیہ الآخر جملۃ علی ذلک فالعطاء لصاحب الاسم فی اوقات الذلۃ انعام
المخلد والمخلد بمنزلۃ الملك یجوز بیعہ وشرکۃ علی الصحیحہ فی رسالۃ احکام الاراضی فی غیر المقبوض قولان اظہرھا
انہ لا یمکن وهو قول الجمهور والموافق للقوانین الفقہیۃ فان الاصل ان المعلوم لا یصح تملیکہ ولا التصرفات
فیہ وایضا فیہ لا یعلم للقول بالقلک فی غیر المقبوض من الوظیفۃ اصل من الکتب المشہورۃ
المعتبرۃ فصار قولہ مرجوحا لا یعبأ بہ خزائنہ الروایات میں ہے جسکا بیت المال سے
وظیفہ مقرر ہو مثلاً عشر وصول کرنے والا۔ امام۔ موزن۔ پانی پلانے والا۔ وغیرہ یہ لوگ گراہی زندگی
میں اپنے عہدے اور وظیفے تقسیم کر دین کو یہ تقسیم باطل ہوگی اور جو اہر الفتاویٰ میں ہے مال خراج سے
کسی کا مشاہرہ مقرر تھا جو اُسے ہر سال مال خراج سے ملا کرتا تھا اُسے وہ مشاہرہ دوسرے کو بہہ کر دیا
اور اُسکو وکیل قبض بنا دیا تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ قبضہ کے پہلے وہ خود اُسکا مالک نہیں ہے اور نہ ہکا
ہمہ کرنا درست ہے اور نہ یہ مشاہرہ مال مورث سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ اُس کی ملک نہیں ہے اور
عالمگیری میں ہے ایک عورت مر گئی تو دو آدمیوں نے اُسکے عطا میں جھگڑا کرنا شروع کیا ہر ایک

یہ کہتا تھا کہ وہ میری ان تھئی یا بہن تھئی اُسکے بعد دونوں نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ عطیہ ایک کے نام لکھ دیا جائے اس شرط سے کہ وہ دوسرے کو اُسکا حصہ دیتا ہو پس وہ عطیہ اُسی کا ہوگا جس کے نام لکھا گیا ہو اور واقعات میں ہو دائمی انعام ہنزہ ملک کے ہر جسکی بیع و شراہ پر مذہب صحیح جائز ہے اور رسالہ احکام الاراضی میں ہو غیر مقبوض میں دو قول ہیں انہریہ ہو کہ وہ اُسکا مالک نہیں ہو یہی جمہور کا قول ہو اور قوانین فقہیہ کے مطابق ہو کیونکہ یہ اصل ہو کہ معدوم کی تملیک اور اُس میں تصرف درست نہیں ہو اور اسی رسالہ میں ہو وظیفہ غیر مقبوضہ میں ملکیت کے قول کی کتب مشورہ سے کوئی اصل نہیں ثابت ہوئی ہو پس یہ قول مرجوح ہو جو قابل اعتبار نہیں ہو پس صورت سوال میں زمین معافی کی ہبہ و بیع نافذ ہو اور باقی حقوق کی ہبہ و بیع ناجائز ہو سوال یہ نیلام مہود جو براہ جبر و حکومت انگریزی ہوتا ہو کہ نہ مالک سے اذن لیا جاتا ہو نہ وہ اُسپر راضی ہوتا ہو ہزار روپیہ کی جائداد ہے اور پانسو روپیہ کا قرض اور جائداد اُسی پانسو میں بھادی جاتی ہو پس یہ نیلامی بیع مثبت ملک مشتری ہو یا نہیں اور قاضی شرع کو چھ اختیار ہے مال مدیون مفلس کا ہو صاحبین کے نزدیک تو اُسکی شرط یہ ہو ان استمتع المفلس من بیعہ و قسمتہ بین غرضائہ بالحصص کذا فی الہدایۃ اگر مفلس مال کو فروخت نہ کرے اور اُسکے حصص کو قرضو اہوں پر تقسیم نہ کرے جیسا کہ ہر ایہ میں ہو کا شک ملک سے کہتے کہ تو بیع اور قرض ادا کر تو یہ ظلم نہوتا جو اب یہ بیع نیلامی بلا تراضی مثبت ملک مشتری ہوگی اور قاضی کو بیع مال مدیون کا اُس وقت اختیار ہو جب متروک و سرکش ہو کہ خود فروخت کر کے ادا نہ کرتا ہو۔ فتح القدیر میں ہو التراضی شرط لثبوت حکمہ شرعاً و هو المالك مشتریاً ثبوت حکم بیع کے لیے تراضی شرط ہے ہی ملک کے معنی ہیں۔ اور تنقیح فتاویٰ حامدہ میں ہو سئل فی مدیون امتنع من اداء الدین حتی حبس والحال ان له عقاراً وغیرہ یمکنہ الوفاء من ثمنہای انہ ممتنع و متعنت فی بیع ذلک فہل یلغ القاضی علیہ حیث کل الحال ما ذکر الجواب نعم ایک قرضدار کے متعلق سوال کیا گیا جو قرض ادا نہیں کرتا تھا حتیٰ کہ وہ قید کیا گیا حالانکہ اُسکے پاس مال تھا جسکے دامن سے اُسکا قرض ادا ہو سکتا تھا اور وہ اُسکے بیچنے سے انکار کرتا تھا ایسی صورت میں کیا قاضی اُسکے مال کو بیچ سکتا ہو پس جواب دیا گیا کہ ہاں سوال نوٹ کی بیع و شراہ کی یا زیادتی پر جائز ہو یا نہیں جواب نوٹ ہر خبکہ خلطہ ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے بلکہ

عین ثمن سمجھا جاتا ہے اسوجہ سے کہ اگر سور و پیہ کا نوٹ کوئی ہلاک کر دے تو اصل مالک سور و پیہ کا تاولن لیتا ہے اور سور و پیہ کا نوٹ جب بچا جاتا ہے تو اُس سے اُس کا غذ کی قیمت ملنا مقصود نہیں ہوتی کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ و پیہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سور و پیہ کا بچنا اور اُسکی قیمت لینا ہوتا ہے اور سور و پیہ کا نوٹ اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت ادا چاہے سور و پیہ کا نوٹ دے یا سور و پیہ و نوٹ صورت میں مساوی سمجھی جاتی ہیں اور دائن کو مدیون سے کسی ایک کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دے تو دائن نہیں لیتا بخلاف بیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر اگلی یہ کیفیت نہیں ہے اگر ایک روپیہ کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیسی سے قرض لے اور ادا کے وقت ایک روپیہ کے پیسے دے تو دائن یا فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اُس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہو پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقت بھی اور عرفاً بھی گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اُس میں ثمنیت کی صفت آگئی ہو پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا باب تفاضل میں اُسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا خانقاہ الاعمال بالنیات و لکھنؤ صریحاً مانوی اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے جو اسکی نیت ہے اور اگر اس میں حقیقت رہے تو نہ تو شبہ رہے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ شبہ رہے تو باعث حرمت ہے اور اسکے علاوہ جو بیع و خراے نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا مقصود بجز اسکے کہ بوض کم روپیہ کے زیادہ روپیہ حاصل ہو جائے اور کچھ نہ ہوگا مگر حیل کے طور پر وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور ظاہر ہے کہ ایسے حیلوں کے استحباب سے حلت کا حکم نہیں ہو سکتا۔ تہذیب الایمان میں ہے انما الحرام ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ما شرعہما اللہ لہ فیصیر عفا دال الدینہ کا ثلث الشرع فان مقصودہ حصول الشئ الذی حرم اللہ بتلک الحیلۃ الواسقا لطلما و جبہ حرام یہ ہے کہ عقود شرعیہ سے اُن باتوں کا قصد ہو جو غیر مشروع ہیں پس ایسی صورت میں وہ دین کو دھوکا دینے والا اور شرع کے ساتھ مکاری کرنے والا ہوگا کیونکہ نہ

مقصود یہ ہے کہ اس حیلہ سے وہ ایسا نفع حاصل کرے جسے شرع نے اُسپر حرام کیا ہو یا ایسی چیز اپنے ذمے سے ساقط کر دے جو اُس پر واجب تھی۔ پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاء جائز بھی ہو لیکن دیانۃً نہایت بدینہ اند کسی طرح سے درست نہ ہوگا کیونکہ کتب فقہ میں بیع عینہ اور شرار باقل مباح وغیر ذلک کی مانعت مذکور ہے اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے ایسے حیلوں کی حرمت نہایت ہوتی ہے اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ جب ثمن خلقی نہیں ہے تو اُسکا حکم بعینہ کیونکر ہو سکتا ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ جو کہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اُسکے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں باب تفاضل میں اُسی کا اعتبار ہوگا خاص کر دیانۃً کیونکہ اسکا تعلق مقاصد سے ہے گو کہ یہ مقاصد پوشیدہ ہو کر رہتے ہیں باقی رہا فتح القدیر کا قول لویاع کاغذۃ بالف یجوز اگر کسی نے کاغذ سو روپیہ کو بیچا تو درست ہے۔ تو اُس سے یہ کاغذ مراد نہیں ہے جو عین ثمن خلقی سمجھا گیا ہے کیونکہ اُنکے زمانے میں نوٹ کا وجود ہی نہ تھا پس سادہ کاغذ مراد ہے سوال سلم فلوں رائجہ میں درست ہے یا نہیں جواب امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ تنویر البصار میں ہے ویصح السلم فیما لم یضبط صفتہ ومعرفۃ قتلہ مکمل وموزون مثمن وعدلی متقارب کجوز و بیض و فلس ولبن واجر یکن معین۔ بیع سلم اُس شے کی درست ہے جو جسکی صفت کا منضبط کرنا اور جسکی مقدار کا جاننا ممکن ہو مثلاً کیلیات اور موزونات ثمنیات اور عددی متقارب جیسے خروٹ انڈا پیسہ دودھ اور مکان معین کی اینٹیں۔ اور بحر الرائق میں ہے والفلس لانه عدلی یمکن ضبطہ فصح ان یکون مسلماً فی قیل لایصح عند محمدی لانہ ثمن مادام یروج وظاہر الروایۃ عن الکل المجاوز اذا بطل ثمنیتھا لایخرجہ عن العدلی الوزن الا ان یصل لہ اہل العرف پیسے کی بیع سلم جائز ہے کیونکہ وہ عددی ہے اور اُسکا ضبط ممکن ہے پس اُس میں سلم بھی درست ہے بعض کہتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک درست نہیں ہے کیونکہ پیسہ جب تک اس کے لیے ثمن ہے اور تمام امیہ سے ظاہر روایت جواز کی ہے اور ثمنیت باطل ہونے کے بعد عدلیت سے موزونیت کی جانب منتقل نہیں ہو سکتی مگر جبکہ عوام اُسے بیکار سمجھنے لگیں اور موزون مستہو امام صاحب کے قول پر ہیں سوال رنگون میں مسلمان قصاب اپنی گائے کیل گھر سارجن کے معائنہ کو لیجاتے ہیں جو سرکار کی طرف سے اسی کام کے لیے مقرر ہے پھر اُس سے اجازت نامہ حاصل کر کے

مسلمان کا وکش سے جسے عرف میں ملا کہتے ہیں ذبح کرتے ہیں پھر گوشت شہر میں لاکر ہندو اور مسلمانوں کی دوکان پر رکھ دیتے ہیں شہر کے لوگ ہندو اور مسلمان دونوں کی دوکانوں سے خریدتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں جواب کا فرنیچے والے سے گوشت خریدنا جائز ہے اگر وہ کافر کہے کہ یہ گوشت میں نے مسلمان سے خریدا ہے تو ملحق ہے لا یجوز یقبل فی المعاملات قول المفرح ولو انشی وعبدا وافاسقا او کافرا لقولہ شریعت اللحم من مسلم او کتابی فیحل ومن مجوسی فیحرم وفي شرحہ مجمع الاخر هذه العبارة اولى من عبارة الكنز وهو قوله ويقبل قول الكافر في الحل والحرم مكان شارح الزيلعي قال هذا سهو لان الحل والحرم من الديانات وانما يقبل قوله في المعاملات خاصة للضرورة انتهى لكن جملة على المساهلة اولى من جملة على السهو ويكون المراد يقبل قول الكافر فيما يودى الى الحل والحرم لانه قال العيني اراد بالحل الحل المضمق بالحرمية المحرمة الضمنية لانه اراد حاصل مسئلة في الهداية وهو قوله ومن ارسل اجيرا مجوسيا او خادما ليشترى لهما فقلل شريعتي من يهودي ونصراني او مسلم وسعد اكله لان قول الكافر مقبول في المعاملات لانه خبر صحيح لصدوره عن عقل دين يعتقد في حرمة الكذب والحاجة ملته الى قبوله لكثرة وقوع المعاملات وان كان غير ذلك لم يسمع ان ياكل منه وفي مختصرها لوقايت فان قال كافر ان شريعت اللحم من مسلم او كتابي حل اكله ومن مجوسی حرم ملحق الاجرین ہر معاملات میں ایک ہی شخص کا قول مستبرہ اگرچہ وہ عورت یا غلام یا فاسق یا کافر ہو پس اگر وہ یہ کہے کہ میں نے یہ گوشت مسلمان یا اہل کتاب سے خریدا ہے تو وہ حلال ہوگا اور اگر کہے کہ مجوسی سے خریدا ہے تو حرام ہوگا اور اسکی شرح مجمع الانہر میں ہے عبارت کنز کی عبارت سے اچھی ہے کہ کافر کا قول حلت وحرمت میں مستبرہ کی کہ نہ شارح زیلعی نے کہا ہے کہ یہ سہو ہے یا علیہ کہ حلت وحرمت دیانات سے ہے اور کافر کا قول صرف معاملات میں ضرورت کی وجہ سے مستبرہ ہوتا ہے لیکن اسے ساهل پر حل کرنا تسامح پر محمول کرنے سے ناگزیر اچھا ہے مطلب یہ ہے کہ کافر کا قول ان چیزوں میں مستبرہ جو حلت وحرمت تک مفسد ہوں کیونکہ عینی نے کہا ہے کہ حلت سے حلت ضمنی اور حرمت سے حرمت ضمنی مراد ہے اس لیے کہ انھوں نے مسئلہ ہدایہ کا حاصل اپنے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ اگر کسی نے ایک مجوسی مزدور یا نوکر کو گوشت خریدنے کے لیے بھیجا اور اس نے آکر کہا کہ میں یہ گوشت یہودی یا عیسائی یا مسلمان کے یہاں سے خرید کے لایا ہوں تو وہ شخص اس گوشت کو کھا سکتا ہے

کیونکہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے اس لیے کہ یہ خبر صحیح ہے کیونکہ خبر ایسا شخص ہے جو عقل رکھتا ہے اور
 اور ایسا دین رکھتا ہے جس میں کذب حرام ہے اور ضرورت اُسکے قول کے تسلیم کر لینے پر مجبور کرتی ہے
 کیونکہ معاملات بکثرت واقع ہوتے ہیں اور اگر ان کے سوا کسی اور سے خرید ہی تو اُسے نہ کھانا چاہیے
 اور مختصر وقایہ میں ہر اگر کسی کافر نے کہا کہ میں نے یہ گوشت کسی مسلم یا کافر سے خرید ہی تو اُسکا کھانا
 حلال ہے اور اگر کہا کہ مجھ سے خرید ہی تو حرام ہے۔ اور ایسا ہی نسخ انفار اور ہدایہ اور تنویر الابصار
 اور درمختار وغیرہ میں ہے سوال زید کسی شخص سے کنگھیاں مول لیتا ہے اور نرخ پانچ روپیہ سیکڑہ
 ہے تو کسی شخص نے مبلغ سو روپیہ پیشگی دیے اور مال والے نے اقرار کیا کہ میں ساڑھے چار روپیہ سیکڑہ
 دوں گا اور اس شرط سے دون گاکہ وہ مال جب میں طیار کروں تب اپنے ہاتھ سے بچکر اُس کا
 نفع جو کچھ ہوگا تجکو دوں گا تو اُس شخص کو وہ نفع کھانا جائز ہے یا نہیں جواب اسی شرط کے ساتھ یہ
 ناجائز ہے سوال تجارت کی غرض سے خریدنے کے واسطے کسی جنس کے پیدا ہونے کے قبل اُسکی
 بابت کوئی نرخ معین کر کے پیشگی قیمت دینا چاہیے یا نہیں اگر فرض کیا جائے کہ اس طرح پر پیشگی روپیہ
 دینا جائز ہے تو نرخ کے تعین کی نسبت کیا حکم ہے یعنی نیا بھاؤ جو مقرر کیا جائے اُسکو موجودہ نرخ یا
 اُس شے کی فصل پر کے نرخ سے کوئی نسبت ہونی چاہیے یا جو نرخ فریقین اپنی رضامندی سے
 مقرر کر لیں جواب درست ہے بشرطیکہ روپیہ دینے کے وقت نرخ مقرر کر لیا جائے کہ فی روپیہ
 اتنا لین گے خواہ فصل میں نرخ کم ہو یا زائد سوال اکثر دیہاتوں میں رسم ہے کہ تالاب کے اندر
 مچھلی خریدتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں اور مشتری کو تالاب سے مچھلی نکال کے کھانا جائز ہے یا نہیں اور
 اگر مشتری کی اجازت سے کسی دوسرے آدمی نے شکار کھیلنا اور مزدوری کے طریقے پر چند مچھلیاں
 مشتری نے اُسکو دیدیں تو وہ مچھلیاں شکار کھیلنے والے کو لینا اور کھانا درست ہے یا نہیں جواب
 مچھلی کا شکار سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے پس اگر اُسکی بیع عرض و اسباب کے عوض میں ہوتی ہے تو
 فاسد ہے اور اگر درہم و دنانیر کے عوض میں بیع ہوئی ہے تو باطل ہے جیسا کہ درمختار میں ہے و فی
 البرجندی ذکرہ المصنف ان بیع السمک قبل ان یصطاد باطل ان کان بالداراھم
 والدنانیر و فاسدان کان بیالعرض اور برجندی میں ہے مصنف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ شکار
 سے پہلے مچھلی کو بیچنا اگر درہم و دنانیر سے ہو تو باطل ہے اور اگر عرض سے ہو تو فاسد ہے۔ اور بیع

باطل مفید ملک نہیں ہوتی اگرچہ مشتری قابض بھی ہو۔ اور بیع فاسد واجب الرجح ہے لیکن اگر مشتری
 بائع کی رضامندی سے قابض ہو تو مالک ہو جاتا ہے اور اُس بیع میں مشتری کا تصرف جیسے
 ہبہ وغیرہ نافذ ہوگا اور کسی کے ہاتھ مشتری کا بیچنا بھی نافذ ہوگا مگر مشتری کو اُس بیع کا کھانا
 درست نہیں ہے جیسا کہ نہایہ میں ہے فی الهدایۃ ولا یجوز بیع التملک فی الملاء قبل ان یسطاد
 لانه باع ما لا یملک ولا فی خطیرۃ اذا کان لا یؤخذ الا بصیدا لانه غیر مقدور القسیم مغناہ اذا اخط
 ثم القاه فیہا ولو کان یؤخذ من غیر حیلۃ جازا لالا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولم یسد علیہا المدخل عدم الملك
 انتھی فی موضع آخر واذا قبض المشتري بالبیع بالبیع الفاسد یا مالبائع وفي العقد عوضان کل واحد منهما مال
 صلت البیع ولزمت قیمۃ انتھی فی موضع آخر ولکل واحد من المتعاقدين فسخه رفع للفساد فلو ان المشتري
 فسخ بیعہ لانه ملک فی ملک التصرف فیہ یسقط حق الاستیجاد انتھی فی الدار المختارہ واذا ملک ثبیت کل احکام
 الملك الا اختلا بملک لہ اکلہ ولا لبسہ لا وطوعها ولا نیت وجہا منہ البائع ولا شفعة تجارہ ووعقدہ اشیاء
 وفي الخیر وشرح الجمع ولا شفعة بما فی دسۃ ہر ایر میں ہے بچلی کو شکا کرنے سے پہلے بانی میں بیچنا جائز
 نہیں ہے کیونکہ اُس چیز کی بیع ہو جسکی ملک ثابت نہیں اُسی طرح تالاب میں بھی بچلی کو فروخت کر دینا
 درست نہیں ہے جبکہ بغیر شکا رکے وہ پکڑی نہ جاسکتی ہوں کیونکہ تسلیم بر قدرت نہیں ہے اسکا
 مطلب یہ ہے کہ اگر مچھلیاں پکڑ کے تالاب میں ڈالیں تو اگر تالاب سے بلا کسی دیکھنے والی جاسکتی ہیں
 تو یہ بیع جائز ہے مگر اُس صورت میں کہ مچھلیاں خود سے تالاب میں آئی ہوں پھر اُنکے واپس
 جانے کا راستہ روک دیا گیا ہو ناجائز ہے کیونکہ ملک ثابت نہیں ہے اور دوسری جگہ ہے اور جب
 مشتری بیع فاسد پر قابض ہو جائے اور عقد میں دو عوض ہوں اور دونوں مال ہوں
 تو مشتری بیع کا مالک ہو جائے گا اور قیمت لازم ہوگی اور دوسری جگہ ہے اور متعاقبین میں سے
 ہر ایک کو حق فسخ ہے فساد کے دفع کرنے کے لیے اور اگر مشتری نے بیچ ڈالا تو اسکی بیع نافذ ہوگی
 کیونکہ وہ اُس چیز کا مالک تھا تو تصرف کا بھی مالک تھا اور حق استرداد ساقط ہو جائے گا اور
 درختخار میں ہے اور مالک ہونے کے بعد اُسکے لیے پانچ کے سو اور سب احکام ملک ثابت ہونگو
 اُسے۔ اکل۔ لبس۔ وظی جائز نہیں اور بآل کے ساتھ اسکی شادی کرنا اور بڑوشی کو شفیعہ کا
 حق نہ حاصل ہوگا جو ہرہ اور شرح مجمع میں ہے اور اُسے اخذ بھی شفیعہ کا حق نہ حاصل ہوگا چچہ استثنایہ

سوال اگر بیع عین میں مدت بائع کی طرف سے یا ثمن میں مدت مشتری کی طرف سے مقرر ہوئی مگر محمول تو کیا حکم ہے جواب یہ بیع فاسد ہے۔ محیط میں ہر اذا شرط الا جمل فی المبیع العین فسد البیع وان شرط الا جمل فی الثمن والتمن دین فان كان الا جمل معلوماً جازاً البیع وان كان عجماً فسد البیع اگر بیع عین میں اجل کی شرط کی تو عقد فاسد ہو گیا اور اگر ثمن میں اجل معلوم کی شرط کی تو بیع جائز ہے اور اگر اجل غیر معلوم کی شرط کی تو بیع فاسد ہے سوال اگر کوئی کہے یہ کتاب میں نے تیرے ہاتھ بیچی ہزار روپیہ کوئی احوال اور دو ہزار روپیہ کو ایک سال کے وعدہ پر اور مشتری نے کہا میں نے قبول کیا تو کتنی رقم مشتری پر لازم ہوگی جواب یہ بیع باطل ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں کہتے ہیں واما البطلان فیما اذا قال بعثتک بالکف حاکلاً وبالغین الی سبۃ فلجہالة الثمن اگر کہے بیچا میں نے ہزار روپیہ کوئی احوال اور دو ہزار روپیہ کو سال بھر کے وعدے پر تو جہالت ثمن کی وجہ سے یہ بیع باطل ہے سوال جو مسلم یا مسلمان سے ارا حرب میں داخل ہو کر دار الحرب میں حربیوں سے بیع فاسد کا معاملہ کرے یا جو اکیل کے اُنکا مال لیے تو یہ حلال ہے یا نہیں جواب حلال ہے۔ در مختار میں ہے ولا بین حربی ومسلم متامن ولو بعقد فاسد او قمار ثم لان ماله ثم صباح فیعمل برضاه مطلقاً بلا عذر خلاف للثانی والثلاثة انقح وقال المحطاوی فی حاشیۃ قوله ولو بعقد فاسد كما اذا باع منهم خمر او خنزیراً او مینة او قاصحهم واخذ المال کذا فی المنہ حربی اور متامن کے درمیان ربو انہیں ہے گو عقد فاسد یا قمار ہو کیونکہ حربی کا مال مباح ہے تو اسکی رضا سے مطلقاً بلا عذر مباح ہو گا نہ امام ابو یوسف اور ایمہ ثلثہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور محطاوی میں ہے اگرچہ بعقد فاسد ہو مثلاً اُنکے ہاتھ شراب نیچے یا سور یا مردہ بیچا یا اُنکے ساتھ جو اکیل اور اُس سے مال حاصل کیا ایسی بیع میں ہے سوال آزاد کی بیع دار الاسلام میں باطل ہے یا فاسد جواب آزاد جو نہ مبتذل مال نہیں ہے لہذا اسکی بیع باطل ہے مگر امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ مخمسہ اور قحط کی حالت میں درست ہے یا جبکہ کوئی مدیون ہو اور اداسے دین کی کوئی صورت نہ ہو تو اگر اپنے کو اداسے دین کے لیے نیچے تو درست ہے شیخ الہد لورحمہ اللہ نے شرح بزدی میں محیط سے نقل کیا ہے لا یجوز بیع الحر الا ان یعجز عن اداء مال وجب فی ذمتہ او هو مضطرب وقع فی مصلکة ولا یری بقاء حیلة الا بیع نفساً او فی مصلکة یجمل لہ الحیفة حربی بیع

جائز نہیں ہو مگر اس صورت میں کہ جو مال اُسکے ذمے واجب ہو اُسکے ادا کرنے سے عاجز یا مجبور ہو یا ہلاکت میں پڑ گیا ہو جس سے اپنے آپ کو بغیر اپنی جان نیچے ہوئے نہ بچا سکے یا ایسے بہو کوک میں پھنس جائے جسکی وجہ سے اُسے مردار کھانا بھی جائز ہو جائے اور جبکہ بیع جائز ہوگی تو اپنے تمام لازم کے ساتھ جائز ہوگی پس اگر بیع عورت ہو تو اُس سے وطی کرنا بھی جائز ہوگی اور اُسکی اولاد بعد دعوت مولے ثابت النسب ہوگی سوال ایسے مال منسوب کا جو غاصب کے قبضے میں ہو کسی کے ہاتھ اُس شخص کا بیچنا جس سے غصب کی گئی ہو درست ہے یا نہیں جواب یہ بیع موقوف ہو پس اگر غاصب نے اقرار کیا یا انکار کیا مگر جس سے غصب کی گئی ہے اُسکے پاس گواہ موجود ہیں تو یہ بیع تمام اور لازم ہوگی اور اگر غاصب کے انکار کی صورت میں منسوب منہ کے پاس گواہ نہیں ہیں اور غاصب نے مال منسوب کو تسلیم نہیں کیا یہاں تک کہ مال منسوب ہلاک ہو گیا تو بیع مذکور منقض ہوگی۔ عالمگیری میں ہر اذا باع المغصوب من غیر الغاصب فهو موقوف هو الصحيح فان اقر الغاصب تم البیع ولزمه وان محمد والمغصوب منه ببینة فکذا لا کذا فی الغیاثیة وان لم یکن للبینة ولم یسلطه حق ھذا انتقض البیع کذا فی الذخیرۃ اگر منسوب کی بیع غاصب کے علاوہ کسی اور سے کی گئی تو یہ بیع موقوف ہوگی اور یہی صحیح ہو اگر غاصب نے اقرار کر لیا تو یہ بیع درست ہوگی اور اگر انکار کیا اور منسوب منہ کے پاس کوئی بینہ ہو تو بھی بیع درست ہو جیسا کہ غیاثیہ میں ہے اور اگر بینہ نہیں ہے اور غاصب نے منسوب کو تسلیم نہیں کیا یہاں تک کہ منسوب ہلاک ہو گیا تو بیع درست نہوگی جیسا کہ ذخیرہ میں ہے سوال اگر مشتری نے بیع کے وقت بیع پر اپنی دخل یا بی کی شرط کی تو یہ شرط مفسد بیع ہو یا نہیں اور مفسد بیع کون شرط ہو جواب شرط مذکور جو مقتضائے عقد کے موافق ہو مفسد بیع نہیں ہے اور جو شرط مقتضائے عقد نہ ہو اور اُس میں بائع یا مشتری یا بیع اگر آدمی کا فائدہ ہو مفسد عقد بیع ہے جیسے کسی نے کپڑا اس شرط سے خریدا کہ بائع اُسے سلا کے دیگا یا اس شرط پر گھر بچا کہ بائع ایک مہینہ تک اس میں رہیگا یا غلام اس شرط سے بچا کہ مشتری اس غلام کو کبھی نہ نیچے۔ ۱۰۱۰ میں ہے واللہ فیہ ان یقال کل شرط یقتضیہ العقد کشر المذات المتشوی لا یفسد العقد لثبوتہ بن الشرط وکل شرط لا یقتضیہ العقد و فیہ منفعۃ لاحد المتعاقدين او لم یقتضیہ من اھل الاستحقاق

یفسدہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ ہر وہ شرط جو نقصان عقد ہو (مثلاً ملک مشتری کی شرط) مفسدہ عقد نہیں ہے کیونکہ وہ بلا شرط بھی ثابت تھی اور وہ شرط جو نقصان عقد نہیں ہیں اور زمین متعاقبین میں سے کسی ایک کا نفع ہو یا صرف معقود علیہ کا نفع ہو اور معقود علیہ اہل اتحاق ہو مفسدہ عقد نہیں سوال سلم کا اس المال ایک دم قرار دیکر حوالہ کیا گیا اور زید نے اقرار کیا کہ فصل بیع میں نسخ بازار کے موافق میں اس مال کے گیسوں دو ہنگامہ صورت جائز ہو یا نہیں جواب بیع سلم کی تمام شرطوں میں سے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو اگر کیلی ہو تو کیلا اور اگر وزنی ہو تو وزنا اور اگر عددی ہو تو عدد اور اگر ذری ہو تو ذرا مسلم فیہ کی تعیین کرنا چاہیے۔ عالمگیری میں ہے و الرابع ان يكون معلوم القدر بالكيل او الوزن او العدد او الذراع كذا في البدائع اور جو تھی شرط یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو کیل سے یا وزن سے یا عدد سے یا ذراع سے جیسا کہ بدائع میں ہے اور ایسا ہی فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے اور صورت مسئلہ میں کہ کیلا خواہ وزنا تعیین گندم نہیں ہوئی اور نسخ بازار پر مبنی رہی اور نسخ بازار روزانہ بدلتا رہتا ہے جہالت مسلم فیہ لازم آتی ہے اور یہ مقضی الی المنازعة ہے اور جو جہالت مقضی الی المنازعة ہو وہ مفسدہ عقد ہے سوال بیس سیر گیسوں کو اس مال سلم قرار دیکے زید کو پہونچا دیے اور زید نے اقرار کیا کہ میں دو مہینے میں اتنی ہی گیسوں پہونچا دوں گا یہ صورت جائز ہے یا نہیں جواب گیسوں اگرچہ اس دیار کی اصطلاح میں وزنی ہو گیا ہے مگر بنص شرعی کیلی ہے اور جو چیز بنص شرعی کے اعتبار سے کیلی ہے وہ کیلی ہی رہے گی اگرچہ عرفاً وزنی ہو گئی ہو یا ان بعض ائمہ کے نزدیک کیلیت اور وزنیّت کا مدار اہل دیار کے عرف پر ہے بنص شرعی کا اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ بنص شرعی بھی لمجاظ عرف ہے پس ہر حال میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا خواہ وزنی ہو یا کیلی جائز نہیں ہے کیونکہ کیلی کے عوض میں کیلی اور وزنی کے عوض میں وزنی دینا بشرطیکہ دونوں متعینات سے ہوں جائز نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے ولا یسلم ما یوزن فیما یوزن اذا کان ما یتبعہ حیث ان فی العقد کالحدید فی الزعفران وما اذا اسلم الدراہم والدنانیر فی الوزنیات یجوز وزنیات کی بیع سلم وزنیات سے نہ کی جائے گی جبکہ دونوں ایسے ہوں کہ عقد سے متعین ہوتے ہوں مثلاً وہ ہے کی بیع سلم زعفران سے البتہ اگر وزنیات کی بیع سلم دھام و دنانیر سے کی جائے تو درست ہے۔ اور تاتار خانہ میں ہے ولا یصح سلم

الموزون فی الموزون والمکیل فی المکیل بیع سلم موزونات کی موزونات سے اور کیلات کی
 کیلات سے درست نہیں ہے سوال بیع سلم میں اقرار ہوا کہ میں فلاں میں سے فی روپیہ جا لیس سیر
 گیہوں دو گنا اور بازار کا نرخ فی الحال بیس سیر کا ہے تو بیع درست ہے یا نہیں جواب درست ہے
 کیونکہ شرائط بیع سلم میں سے یہ بھی شرط ہے کہ سلم فیہ کی مقدار اگر کیلی ہو تو کیلا اور اگر وزنی ہو تو وزنا مقرر
 کر دی جائے اور نرخ بازار سے اس نرخ کا مساوی ہونا شرط نہیں ہے سوال شراب بنانے والے
 کے ہاتھ جبکہ یہ معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا انکو رکاشیرہ چینا جائز ہے یا نہیں جواب بیع
 جائز ہے مگر صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے بیع العصیر ممن یخذ خمر لایکرمہ عند
 ابی حنیفہ وعند ہما یکرمہ ویجوز البیع و بیع العنب ممن یتخذ الخمر علی هذا الخلاف کذا
 فی الخلاصۃ انکو کے شیرہ کو شراب بنانے والے کے ہاتھ چینا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ
 نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے اور بیع جائز ہے سوال بکری کافر کے ہاتھ چینا جبکہ یہ معلوم ہو کہ
 بت پر فح کیجائے گی جائز ہے یا نہیں جواب بیع جائز لیکن مکروہ ہے۔ ہایہ میں ہے لاندہ تسبیب
 الی المعصیۃ والبیع الذی ہو کذا صکروہ کیونکہ یہ مصیبت کے سبب کا مہیا کرنا ہے اور جس بیع میں یہ
 بات پائی جائے وہ مکروہ ہے سوال جبکہ بازار میں ایک روپیہ کا بیس سیر گیہوں بکتا ہو اور کوئی
 شخص قرض سترہ سیر کا بیچتا ہو تو بیع درست ہے یا نہیں جواب بیع مذکور نافذ ہے مگر مکروہ ہے۔ قنیہ
 میں ہے شری الشئ البیسیر بشئ حال اذا کان له حاجۃ الی القرض یجوز ویکرمہ قرض لینے
 کی ضرورت سے اگر کسی نے معمولی چیز گران قیمت پر خریدی تو جائز لیکن مکروہ ہے سوال افیون اور
 بھنگ کا بیچنا صحیح ہے یا نہیں اور بر تقدیر اول حلال ہے یا نہیں جواب بیع صحیح ہے لیکن حلال نہیں
 ہے۔ در مختار میں ہے وصح بیع الخمر مقامہ ومفادہ صحۃ بیع الحشیۃ والا فیون قلت وقد
 سئل ابن نجیم عن بیع الحشیش هل یجوز فکتب لا یجوز فیجمل علی ان موادہم اعدام الجواز عدم الحل
 قال المصنف بیع فخر صحیح ہے اسکی وجہ بھنگ اور افیون کی بیع کی صحت ہے میں کہتا ہوں کہ ابن نجیم
 رحمہ اللہ سے بھنگ کی بیع کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جائز نہیں ہے مصنف رحمہ اللہ نے
 کہا ہے کہ انکا مطلب عدم جواز سے حلال نہ ہونا ہے سوال غلہ کے علاوہ اگر کسی نے گڑ اور لکڑی اور لوبان
 اور تانبہ وغیرہ خرید کے گرائی کے انتظار میں کئی مہینے روکا پھر گران ہونے کے وقت فروخت کیا

تو بیع جائز ہی یا نہیں اور یہ احتکار ہوا یا نہیں جواب یہ بیع جائز ہی کیونکہ یہ بالتراضی مال کا مال ہے بدلتا ہے مگر اس روک رکھنے کے احتکار ہونے میں اختلاف ہے۔ عالمگیری میں ہے والاحتکار دفع کل مایضہ بالعامة فی قول ابی یوسف رحمہ و قال محمد الاحتکار لایمیت قوت بہ الناس الیہا ہم کذا فی الحاوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر احتکار انھیں اشیاء میں ہے جنکی بدولت عوام کو ضرر ہو اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک احتکار انھیں اشیاء میں ہے جنکو انسان یا جانور اپنا کھانا بنائے۔ سوال اگر کوئی شخص گاونوں سے غلہ شہر میں لایا اور شہر میں چند دن کے بعد نرخ بازار پر بیچا تو یہ بیع جائز ہی یا نہیں اور نفع اُسکا جائز ہی یا نہیں جواب رکن اور شرط کے پائے جانے کی وجہ سے فی نفسہ بیع جائز ہی مگر یہ روک رکھنا اگر شہری لوگوں کے لیے ضرر رسان ہے تو مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے واذا اشتري من مكان قريب من المصر فحمل طعاماً الى المصر وجبته وذلك يضر باهله فهو مكروه وهذا قول محمد رحمہ وهو احدى الروایتین عن ابی یوسف وهو المختار کذا فی الغیاتیۃ وهو الصحیح کذا فی جواهر الاخلاطی اگر شہر سے کچھ دور غلہ خریدا پھر اُسے شہر میں لایا اور کچھ دن رکھ کر بیچا اور اس سے اہل شہر کا نقصان ہوا تو یہ مکروہ ہے یہ امام محمد رحمہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہی مروی ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ غیاتیہ میں ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ جواهر الاخلاطی میں ہے۔ واد اعلم حررہ الراعی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تبار و الدار عن ذنبہ ابلی و انخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

باب التصرف

سوال شامی کے اس قول میں علماء کیا کہتے ہیں وفی الشرع بلا لیت عن الخانیتہ لا یصح ومن
قسمۃ الوہبانیۃ + شعر + ولیس لم قال الامام تقاسم بدرب ولو یفقد کذا البیع یدکر + قال ابن الشنکۃ
والمسئلۃ من التتمۃ عن نوادر ابن رستم قال ابو حنیفۃ فی سکتہ یغرنا فی تالیس اصحابا ان یشیعوها ولو اجتمعوا
علی ذلک ولا ان یقسموها فیما بینہم لان الطریق الاعظم اذا اکثر الناس فیہ کان یمن یدخلوا ہذا السکتہ
حق یحذف الزحام قال الناطفی وقال شداد فی دوریین خمسۃ باع احدہما فصیلہ من
الطریق فالبیع جائز ولیس للمشتری المرو فیہ الا ان یشتری دار البائع واذا ارادوا ان ینصبوا
علی راس سکتہم دربا ویسدوا راس السکتہ لیس لہم ذلک لانہا وان کانت ملک لہم

ظاہر لکن للعامة فيها نوع حق المستحق ملخصاً ثم افاد ان ما توهمه الناظر في شرح من اخذوا
 الروایتین مدفوع فان ما ذكره ابن رستم في بيع الكل وما ذكره شاذ في بيع البعض الفرق ان الثاني
 لا يفضي الى ابطال حق العامة بخلاف الاول هذا وقد علت ما قررنا سابقاً ان ما في الوهبانية
 غير ما ذكره المصنف لان مراد المصنف الطريق الخاص المملوك لواحد وهذا
 طريق مشترك في سكة مشتركة شرعاً ليه من فانيه سے نقل کیا ہو کہ یہ طریق صحیح نہیں ہر قسم
 وہبانیہ میں ہوا امام رحمہ اللہ کہتے ہیں اہل محلہ کو اسکا حق نہیں ہو کہ کوچہ غیر نافذہ کے دروازے کو تقسیم
 کر لیں اسی طرح انھیں اسکا بھی حق نہیں ہو کہ اُسے بیچدالین ابن شحہ رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ مسئلہ
 تتمہ سے ہو تو امام ابن رستم رحمہ اللہ سے منقول ہو کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو کوچہ غیر نافذہ کے متعلق فرما
 ہیں اُسکے لوگوں کو اُسکی بیچ کا حق نہیں ہو اگرچہ وہ سب اس بد متفق ہوں اور نہ وہ لوگ آپس
 میں تقسیم کر سکتے ہیں کیونکہ بڑی شُرک برب جمع زائد ہو جائے تو لوگوں کو وہاں چلے آنے کا
 حق ہو جب تک کہ مجمع چھٹ جائے نا طغی رحمہ اللہ کہتے ہیں شاذ رحمہ اللہ نے کہا ہر چند گھروں
 میں بائج آدمی شریک تھے ایک نے اپنا راستے کا حصہ بیچدالا تو یہ بیچ درست ہوگی لیکن مشتری
 کو اُس حصہ پر چلنے کا حق نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ گھر بھی نہ خریدے اور اگر سب لوگ یہ جاہن کہ
 گلی کے سرے پر دروازہ لگا کے اُسے بند کر دیں تو انھیں اسکا حق نہیں ہے کیونکہ یہ گلی
 اگرچہ انکی ملک ہو لیکن عوام کو بھی اُس میں ایک طرح کا حق حاصل ہو پھر کہا ہو کہ ناظم نے جو
 اپنی شرح میں یہ خیال کیا ہے کہ اختلاف روایتیں ہے تو یہ مدفع ہو کہ امام ابن رستم رحمہ اللہ نے
 جو ذکر کیا ہو وہ بیچ کی صہرت میں ہو اور جو شاذ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہو وہ بیچ بعض کی صورت
 میں ہے اور فرق یہ ہو کہ دوسری صورت میں عوام کا ابطال نہیں ہوتا ہے برخلاف پہلی
 صورت کے یہ تم جان چکے ہو کہ وہبانیہ میں اور بات ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے اور بات کہی ہے
 کیونکہ مصنف رحمہ اللہ کی مراد خاص راستہ ہو جو کسی ایک شخص کی ملک ہو اور یہ مشترک گلی کی مشترک

لہ اس عربی شریک ترکیب بہت دقیق ہو بلکہ غور کیے مطلب نہیں سمجھا جاسکتا قال الامام جلالہ مسترصرہ ہو اور لعمرو
 لیس کی خبر مقدم ہے اور بعد رب تقاسم کے متعلق ہے جو مبتدایے نوخر ہے لیس کی اور ولم یصلح بین داو
 حالیہ ہو سلیس عربی عبارت ہو ہے قال الامام لیس تقاسم در رب الطریق العنید النخذ وکذا لعمرو
 بیعہ لیس بجائز۔ اور یہ تفسیر نہیں نظم کی وجہ سے درج ہوا ہو ۱۲ مستہ جم۔

راہ ہے (جو واقع ہے مطلب بیع طریق صلب جلد رابع شامی مطبوعہ قسطنطنیہ میں آیا یہ روایت ملک
مشترک میں وارد ہے یا ملک خاص میں شخص واحد کی اور اگر ملک مشترک میں وارد ہے تو
اُس سے ملک خاص کا بھی حکم دربارہ منع تصرف نکلتا ہے یا نہیں اور یہ قول ظاہر الروایۃ ہے
یا نادر الروایۃ اور مفتی بہ یا غیر مفتی بہ جواب یہ نادر الروایۃ ہے اور ملک مشترک میں ہے
نہ ملک خاص میں اور ملک خاص میں مفتی بہ یہی ہے کہ مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے
بشرطیکہ کسی غیر کا ضرر بین نہ ہو اور جس تصرف میں دوسرے کا ضرر بین ہو اُس تصرف سے منع
رکھا جائے گا۔ تنقیح فتاویٰ حامیہ میں ہے قال فی التنبؤ و شرح اللہ المختار لا یمنع الشخص من
تصرف فی ملکہ الا اذا کان الضرر بینا فیمنع من ذلك وعلیہ الفتویٰ کذا فی البزازیۃ واختارہ فی
العادیۃ وافقی بہ قاری الہدایۃ وافق بذلك ایضاً الشیخ بہان الایمۃ وبہ مفتی کا فی شرح الوہب
لابن الشیمۃ نقل عن کتاب الحیطان للصدک الشہید و فی حواشی الاشباہ لبیری زادہ
لہ التصرف فی ملکہ وان تصرف جارہ فی ظاہر الروایۃ والذی استقر علیہ ای المناخرین ان لا یمن
یتصرف فی ملکہ وان اضر بغير مالہ یمن ضرراً یبنا وھو ما یکون سبباً للہدم وما یوھن البناء بسببہ
او یخیر جرح عن الانتفاع بالکلیۃ وھو ما یمنع عن الحوائج الاصلیۃ کد الضوء بالکلیۃ والفتویٰ علیہ
تنویر اور اُسکی شرح در مختار میں ہے کوئی شخص اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روکا نہیں جاسکتا
بجز اُس صورت کے کہ ضرر ظاہر ہو ایسی صورت میں وہ روکا جائے گا اسی پر فتوے ہیں جیسا کہ بزازیہ
میں ہے عمادیہ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور قاری ہدایہ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے اور شیخ بہان الایمۃ
رحمہ اللہ نے بھی اسی پر فتوے دیا ہے ابن شیمۃ رحمہ اللہ کی شرح وہبانیہ میں صدر شہید رحمہ اللہ
کی کتاب الحیطان سے نقل کیا ہے کہ اسی پر فتوے ہیں بیری زادہ رحمہ اللہ کے حواشی اشباہ
میں ہے کہ ہر شخص کو اپنی ملک میں تصرف کا حق ہے اگرچہ اس سے اُس کے پڑوسی کو ضرر
پہونچے یہ ظاہر الروایۃ میں ہے اور متاخرین کی رائے میں انسان کو اپنی ملک میں تصرف
کا حق ہے اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر پہونچے جب تک کہ ضرر بین نہ ہو مثلاً اہدام یا کمزوری
عمارت کا سبب ہو یا عمارت سے انتفاع ناممکن ہو جائے انتفاع کے ناممکن ہونے کا مطلب
یہ ہے کہ مانع حوائج اصلیہ ہو جائے بلکہ اُس میں روشنی کا آنا بالکل رک جائے اور اسی پر فتویٰ ہے

اور جامع لفصولین میں ہر المحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان من تقصر فی خالص مملک
لا يمنع منه ولو اضرب بغيره لكن ترك القیاس فی محل یضرب بغيره رابینا وقیل بالمنع و
بماخذ کثیر من المشائخ حاصل یہ ہر کہ اس قسم کے مسائل میں قیاس کا مقصد یہ ہر کہ جو اپنی خاص
ملک میں تصرف کرے گا وہ اُس سے روکا نہیں جاسکتا اگرچہ وہ دوسرے کو ضرر پہونچائے لیکن ایسی
صورت میں جبکہ ضرر میں پہونچتا ہو قیاس ترک کر دیا جائے گا اور بعض لوگ اسکے قائل ہیں کہ
وہ ایسا کرنے سے روک دیا جائے گا اکثر مشائخ اسی طرف گئے ہیں۔ اور کوچہ غیر نافذہ میں جہاں
میں ملک مشترک اور حق مرور علی سبیل التساوی ہوتا ہو کسی شخص کو بدون اجازت جملہ اہل سکہ کے
تصرف نہیں جائز ہر اگرچہ دوسروں کو ضرر نہ ہو۔ تعالیک الانوار میں ہے وغیر النافذ لا یتصرف
مطلقا اعباحلات شعی کالبناء او الحفر اما لا انتفاع فجا ئز قال فی منیة المفتی اهل السکة
ارادوا ان یصبوا علی راس سکتہم دریا او یسدوا راس السکة لیس طمذ لك لانها وانما
ملک لھا لکن للعامة فیها نوع حق وهو انہ اذا اذحم فی الطريق کان طمذ ان یدخلوها
حتی یخفف الزحام وهذا فی المملوک فکیف بغير المملوک فلا یجوز سد ومع الناشئ و فیہل سکتہ
غیر نافذہ اشکل حل فی اخر السکتہ شیئا لم یملک الا باذن جمیع اهل السکتہ الاعلی والا سفلی کوچہ غیر نافذہ ہر
نفع حاصل کرنا جائز ہے لیکن اُس میں تصرف عمارت بنا کر یا زمین کھودا کر نادست نہیں جینیہ المفتی
میں ہے گلی والے اگر یہ چاہیں کہ اپنی گلی کے سرے پر دروازہ لگا دیں یا اُس کے سرے کو بند کر دیں
تو اُنکو اسکا حق نہیں ہو کیونکہ وہ گلی اگرچہ اُنکی ملک ہر لیکن اُس میں عوام کا حق ہو وہ یہ کہ
جب راستہ میں مجمع زائد ہو جائے تو وہ اُس گلی میں آسکتے ہیں تاکہ مجمع کم ہو جائے اور
جب مملوک کا یہ حال ہو تو غیر مملوک کو بند نہ کر سکتا اور لوگوں کو اُس میں آنے سے روک نہ سکتا
تو ظاہر ہر منیة المفتی میں ہر کہ کوچہ غیر نافذہ کے ختم پر کسی شخص نے اگر کچھ بنا لیا تو وہ بغیر تمام
گلی والوں کی اجازت کے اُس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اور مجمع البرکات میں ہے لو اشکل ذلک
فی طریق غیر نافذہ لیسعہ ذلک بلا اذن الشکاء فی ذلک الطريق وان لم یضر بھما اگر کسی
نے کوچہ غیر نافذہ میں کچھ بنایا تو اُسے اسکی اجازت نہوگی جب تک کہ اُس گلی کے سب رہنے
والوں سے اجازت نہ لے اور اگرچہ اُنکو کچھ ضرر نہ پہونچائے۔ اور برجنیدی کی شرح مختصر وقایہ میں ہر

وفی غیر نافذ لایسعه احداث ذلك الا باذن الشراء اضربهما ولا لانه عملوا للجمع
اور کوچہ غیر نافذہ میں کسی کو بلا اجازت شرکاء کچھ بنا لینے کا حق نہیں ہو خواہ اُنکو ضرر پہونچے یا نہ
پہونچے کیونکہ وہ گلی سب کی ملک ہو۔ اور تنقیح فتاویٰ حامیہ میں ہے فی غیر النافذ لایحییٰ ان یتصرف
باحداث مطلقا اضربهما ولا الا باذنه لانہ کامل ملک الخاص طبع بلا اجازت کوچہ غیر نافذہ
میں کچھ بنا کر تصرف کرنے کا حق مطلقا کسی کو نہیں ہو خواہ اُس گلی کے رہنے والوں کو ضرر پہونچے یا نہ
پہونچے کیونکہ یہ زمین اُن کی ملک خاص کی ایسی ہے۔ واما علم حرہ الراعی عفو بہ القوی ابو الحسنات
محمد عبدالحی تاج الدین عن ذنبہ الجلی والنفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

کتاب الربوا

سوال اگر کوئی شخص زرِ خیر جو بیون کو سودی قرض دے اور سود وصول کر لے کے لیے اپنی وکیل
کو دار الحرب میں مقرر کرے تو جائز ہو یا نہیں جواب دار الحرب میں جو بیون سے سود لینا جائز
ہو وکیل وصول کرے یا موکل کیونکہ نائب شل منیب کے ہے فی الدار المختار ولا دیو ابین
حرہ فی وصلہ مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمہ لان مالہ ثمہ مباح
فیحل برضاہ مطلقا بلا عذر خلافا للثانی والثلاثہ وفی رد المحتار
قوله لان مالہ ثمہ مباح قال فی فتح القدر لا یخفى ان هذا التعلیل انما
یقضی حل مباشر العقد اذا كانت الزیادۃ ینالها المسلم والربوا اعظم من ذلك
اذ ایشمل ما اذا کان الدہمان فی بیع درہم بدرہم من حجتہ المسلم والكافر وفی
السیر الکبیر وقصر حہ اذا دخل مسلم دار الحرب بامان فلا بأس بان یاخذ منهم
اموالہم بطیب القسم بای وجہ کان لانما ائخذ المباح علی وجہ غری عن العذر فیکون
ذلك طیباً لهم ولا سیراً والمستامن سواء حتی لو باعہم درہم بدرہم من اوباعہم میتۃ بدرہم
او اخذ مالاً منهم بطریق القمار فذلك کله طیب لہ در مختار میں ہے مسلمان اور حرہ کے
در میان رہو انہیں ہے اگر عقد فاسد ہو یا قمار کے ذریعہ سے ہو کیونکہ مال حرہ دار الحرب میں مباح ہو
پس اسکی رضامندی سے اُسکا مال ہر حال میں مطلقاً مباح ہو بلا عذر امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ
اسکے خلاف ہیں اور رد المحتار میں ہے کہ صاحب فتح القدر نے کہا ہو پوشیدہ نہیں ہے کہ اسی دلیل سے

اُس عقد کی صحت ظاہر ہوتی ہے جس میں مسلم کو نفع پہونچے ہو اس سے عام ہے کیونکہ اُس صورت کو بھی شامل ہے جب ایک بیج کی درہم بعاوضہ دو درہم ہون کے ہو مسلم و کافر دونوں کی جانب سے سیرکبیر اور اُسکی شرح میں ہے جب مسلمان دارالحرب میں امان لیکر داخل ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ جس طریقے پر چاہے کافروں سے اُنکا مال اُنکی رضامندی سے وصول کرے کیونکہ اُس نے مال بلاج کو حاصل کیا ہے بلا کسی عذر کے تو یہ اُسکے لیے درست ہوگا اور قیدی اور مستامن سب اس معاملہ میں برابر ہیں حتیٰ کہ اگر ایک درہم دو درہم کے عوض میں نیچے اور مردہ چند درہم ہون کے عوض میں نیچے یا جوے سے اُن لوگوں سے وصول کرے تو یہ سب حلال ہے۔

و اما علم و علمہ اتم منقہ خادم اولیاء اسد الصمد علی محمد غفرلہ اسد الاحد۔ اگر مسلمان نے ربو اکا معاملہ حربی کے ساتھ دارالاسلام میں کیا اور اپنے وکیل کو قبضہ کرنے کے لیے دارالحرب میں بھیجا تو جائز نہیں ہے کیونکہ ربو اکا معاملہ دارالاسلام میں ممنوع ہے اور اگر دارالحرب میں کیا ہے تو البتہ جائز ہوگا۔ استباہ میں ہے الربوا حرام الا فی ست مسائل بین المسلم والمحرابی نصرہ

بین مسلمین لم یحاجرا الینا ربوا بجز چھ صورتوں کے ہر جگہ حرام ہے اول مسلمان و حربی میں دارالحرب میں اور ان دو مسلمانوں میں جو دارالحرب سے ہجرت کر کے ہمارے پاس نہ آئیں۔ و

اسد اہل حرہ الراجی عفو ربہ القوی ابواحسنات محمد عبدالحی تاجا و زامد عن نبی اکملی و الخفی ابوالحسن محمد عبدالحی

سوال زید نے دعویٰ دلا پائے زکثیر کا کہ بعض سود اور بعض اصل ہے بوکالت بکر بنام ہندو عدالت میں دائر کیا تھا وکیل زید نے قاضی کے سامنے وقت گفتگو کے مقدمہ بہ نسبت زید دعا بیا کے یہ الفاظ بیان کیے کہ دراصل یہ تنازع بیج رقم سود کے درمیان فریقین کے واقع ہو آیا اس بیان وکیل زید سے وصول یا بی زر اصل کی اور باقی رہنا سود کا سمجھا جاتا ہے یا نہیں اگر قاضی بیان مذکور کو وکیل زید سے وصول یا بی زر اصل کی اور نزاع حال کو نزاع سود سمجھ کر دعوے مدعی خلاف شرع تصور کر کے خارج اور نامسموع کر دے تو بجا اور درست ہے یا نہیں۔ اور وکیل کا زر دعا بہا کی نسبت رقم سود کنسا مخالفت اور متناقض قول مدعی کے کہ وہ بعض دعا بہا کو سود اور بعض کو اصل کہتا ہے ہو سکتا ہے یا نہیں یا وکیل کا قول بمنزلہ قول منوکل قرار پانے کے حکم اسکے کہ بیان میں قول اخیر مستقیم ہے۔ چنانچہ حاشیہ فتاویٰ شامیہ آخر الوقت میں قاعدہ

اصول یوں منقول ہے فان المتعین اذا تعارض عمل بالمتأخر منها جب تعارض ہو جائے تو قول
 اخیر پر عمل کیا جائے گا۔ یہ نفع کا عاہا کی رقم سود کی سمجھی جائے گی اور وکیل کا قول حکم اس روایت
 کے ہمسر نہ قول موکل کے ہو سکتا ہو یا نہیں۔ در مختار میں ہر دو صحاح قرار الوکیل وکیل کا اقرار صحیح
 ہے۔ اور در المختار میں اسکی صراحت یوں کی ہے یعنی اذا ثبت وكالة الوکیل بالخصوص و
 اقر علی موكله سواء كان موكله المدعي فاقرب بانتفاء الحق او المدة عا لیه فاقرب بثبوت علیہ
 یعنی جب وکیل بالخصوص کی وکالت ثابت ہو گئی اور اسنے موکل کے خلاف اقرار کیا خواہ موکل مدعی
 ہو اور وکیل انتفاء حق کا اقرار کرے یا مدعا علیہ ہو اور وکیل ثبوت حق کا دعویٰ کرے جواب
 اس صورت میں وکیل نے کوئی ایسا کلمہ نہیں کہا کہ جس سے زریع سے بھارت یا اقرار وصول غیر
 سمجھا جائے کہ اُسکے قول کو بعینہ موکل کا قول سمجھنے کے تناقض وغیرہ سمجھا جائے بلکہ وکیل کے قول کا مفہوم
 اسقدر ہے کہ اصل خصوصیت سود کی رقم میں ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ رقم اصل اتفاقاً لازم ہو اور رقم سود میں
 نفع ہو پس اس صورت میں نہ تناقض ہے نہ اقرار وصول اصل وغیرہ سوال رہا کیا ہے جواب
 کیلایا وزن احد المتجانسین کی زیادتی دوسرے پر معاوضہ مالیہ میں بلا عوض ہوا ہے بجز المثلت میں ہے و لیس
 المراد مطلق الفضل بالا جماع فان فتح الاسواق في سائر بلاد المسلمين للاستفضال والاسترباح
 وانما المراد فضل مخصوص وهو فضل مال بلا عوض في معاوضه مال بمال ای فضل احد المتجانسین
 علی الآخر بالمعيار الشرعی ای العکیل والوزن مطلق فضل مراد نہیں ہے بالا جماع کیونکہ تمام مسلمانوں
 کے شہروں میں جو بازار میں قائم کی گئی ہیں اُنکا منشا محض نفع حاصل کرنا اور زیادتی پانا ہے بلکہ زیادتی
 بلا عوض ہے کسی مال کو مال کے عوض دینے میں لینے متجانسین میں سے ایک کا دوسرے پر زائد ہونا
 بعیا شرعی لینے کیلایا وزن اس سوال رہا کہ حرام ہونے کی کیا وجہ ہے جواب کیل یا وزن باتحاد
 جنس اگر دونوں یا کئے جائیں لینے گہیوں کے عوض میں گہیوں بیچنا۔ رہا عبارت فضل مخصوص
 سے ہے اور تفسیر بھی لینے صورت مساوات عوضین میں ایک کو دوسرے پر رکھنا لیکن اگر دونوں
 معدوم ہوں جیسے کپڑے کا ایک تھان دوسرے قسم کے دو تھان کے عوض میں بیچنا اس میں
 تفاضل اور تفسید و وزن حلال ہیں۔ در مختار میں ہے وعلته ای علتہ تحريم الزیادة القدر
 المعهود بکیل او وزن مع الجنس فان وجد احرام الفضل ای الزیادة والناسخ بالمد

التاخير فلو عجز بيع تفيز بربفیز منه متساويا واحدا هانساء وان عدم انكسر الدال من
باب علمای هلك حلاک روی فی مرویین لعدم العلة فيقے علی اصل الا باحة علت تحريم
کیل اور وزن میں مقدار معمول کی زیادتی اور جنس کا متد ہونا ہو پس اگر یہ دونوں باتیں ملتی جلتی
تو ربوا مستحق ہوگا اور فضل یعنی زیادتی اور نسا یعنی تاخیر حرام ہوگی لہذا گہون کے بورے کو اسی
کے مساوی دوسرے بورے کے عوض میں دینا جائز نہیں ہو اگر ایک کے دینے میں تاخیر ہو اور
اگر دونوں ہلاک ہو جائیں تو حلال ہیں جیسا کہ ایک ہروئی دوسرے دیون میں کیونکہ علت باقی
نہیں رہی تو اصل اباحت پر باقی رہے گی۔ سوال اعتبار ربوا کے باب میں گہون کیل مانا
جائے گا یا وزنی جواب کیل مانا جائے گا۔ درمختار میں ہے وما نصل الشارع علی بونہ کیلیا کہ
وشعیر و نمر و مہ او وزنیا کذہب فضة فهو کذلک لا یتغیر ابداً شارع نے جسے کیل بتلویا
مثلاً گہون جو بھجور اور تک یا وزنی بتلویا مثلاً چاندی سونا تو ہمیشہ اسی حال پر رہیں گے انہیں کبھی
کچھ تغیر نہوگا سوال ایک سیب کی بیج دوسب کے عوض میں یا ایک ٹٹھی گہون کی بیج دو ٹٹھی
گہون کے عوض جائز ہو یا نہیں جواب جائز ہو کیونکہ شرعی معیار نصف صاع ہر نہ اس سے
کم پس نصف صاع سے کم میں زیادتی درست ہے۔ عالمگیری میں ہے بیج و بیع الحفنة بالحفنتین
والتفاحة بالتفاحتین وصادون نصف الصاع فی حکم الحفنة ایک پیانے کو دو پیانوں کے
عوض میں اور ایک سیب کو دو سیبوں کے عوض میں بیچنا درست ہے اور نصف صاع سے کم پیالی
کے حکم میں ہے سوال ہندون سے سود لینا جائز ہو یا نہیں جواب جائز نہیں ہے کیونکہ اسلام
میں سود لینا اور دینا حرام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو احل الله البيع و حرم الربوا اللہ تعالیٰ نے
بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ اور اہل ذمہ معاملات میں مثل اہل اسلام کے ہیں لصاب الحساب
میں ہے ان فیما سوی الخمر الخنزیر و نکاح المحارم و عبادة غیر اللہ تعالیٰ حال اہل الذمہ
کمال المسلمین ما یمنع عند المسلم یمنع عند اهل الذمہ شراب اور سور کے احکام میں اور محرمون
سے نکاح کرنے اور خدا کے علاوہ دوسروں کے عبادت کرنے کے سوا ہیں اہل ذمہ کا حال مسلمانوں کا
ایسا ہے جس سے مسلمان رو کے جائیں گے اُس سے اہل ذمہ بھی رو کے جائیں گے سوال نصاریٰ
کی عکداری میں کہ اہل اسلام نصاریٰ کے پاس رو پیہ جمع کرتے ہیں اور نصاریٰ سے اُس کا سود

لیتے ہیں اور اُسے وثیقہ کہتے ہیں درست ہے یا نہیں جواب دارالحرب میں مسلم اور کافر حربی کے معاملہ میں ربوا درست ہے جیسا کہ نقایہ میں ہے و لا ربوا بین مسلم و حربی فی دارہ مسلمان اور ذمی کے درمیان دارالحرب میں ربوا متحقق نہیں ہوتی۔ اور صاحبین کے نزدیک نصاری کی عملداری چونکہ شعائر کفر بے دغدغہ باعلان رواج پائے ہوئے ہیں دارالحرب میں نہیں وثیقہ درست ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دارالاسلام کے دارالحرب ہونے میں تین شرطیں ہیں جب یہ تینوں شرطیں نصاری کی عملداری میں متحقق ہو جائیں تو وہ دارالحرب ہو جائے گی اور وثیقہ جائز ہوگا۔ برہنہ نے شرح نقایہ میں لکھا ہے فعند ابی حنیفہ رحمہ لا یصدر ادا الحدب الا بثلثة اشیاء احدھا ان یکون متصل بالدار الحرب لیس بلیہما موضع فی ید اهل الاسلام والثانی ان یمشی فیہا اهل الحرب احکامہم والثالث ان لا یبقی فیہا مسلم او ذمی امن بلامان الا ول وعند کما اذا اجری اهل الحرب فی بلدة احکامہم صارت دار حرب کیفما کان کذا فی فتاوی قاضی خان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دارالاسلام دارالحرب تین باتوں سے ہوتا ہے (۱) دارالحرب سے متصل ہو کہ اُس کے ارد دارالحرب کے بیچ میں کوئی جگہ اہل اسلام قبضہ میں نہ ہو (۲) اہل حرب اُس میں اپنے احکام جاری کریں (۳) اُس میں کوئی مسلم یا ذمی آمن بامان اول باقی نہ ہو اور صاحبین کے نزدیک جب اہل حرب کسی شہر میں اپنے احکام جاری کر دیں تو وہ دارالحرب ہو جاتا ہے اُسکی کوئی حالت ہو جیسا کہ قاضی خان میں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے قال محمد فی الزیادات انما یصدر ادا الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ بشرائط ثلث اصلھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاستہار وان لا یحکم فیہا بحکم الاسلام والثانی ان تکون متصلہ بالدار الحرب لا یتخلل بینہما بلق من بلاد الاسلام والثالث ان لا یبقی فیہا مؤمن ولا ذمی اضنا بامان الاول الذی کان ثابتا قبل استیلاء الکفار للمسلم بالسلامہ والذمی بعقد الذمہ امام محمد رحمہ اللہ نے زیادات میں کہا ہے کہ دارالاسلام امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دارالحرب تین شرطوں سے ہوتا ہے (۱) اجراء احکام کفار باعلان وعدم اجراء حکم اسلام (۲) اتصال دارالحرب اسطرح کہ درمیان میں کوئی ملک مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو (۳) کوئی مومن و ذمی آمن بامان اول (جو قبل استیلاء کفار مسلمانوں کو اسلام کی وجہ سے اور ذمی کو عقد ذمہ کی وجہ سے تھا) باقی نہ رہے سوال اگر مسلم باستان دارالحرب میں جائے

تو مسلم کو دار الحرب میں حربی سے سود لینا جائز ہے یا نہیں **جواب** امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے فی الہدایۃ وکتابین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافاً لابن یوسف۔ الشافعی علیہما السلام اعتباراً بالمستامن منهم فی دارنا ولنا قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یوایبنا المسلم والحربی فی دار الحرب ولان ما یصلح فی دارہم فہی طریق اخذ المسلم اخذ کالمباح اذا لم یکن فیہ غیر بخلاف المستامن منهم لان ما یصلح بمحض و یبطل بالاکامات و قتل البرجندی فی شیح النفاۃ ناقلاً عن اللیث و لا ینہی ان یاخذ المسلم الدہم بل الدہم بالذہم بالذہم بل الذہم فی دار الحرب لانه یصلح فیہما اعطاه واخذ ما لہ بطریق الا بلحۃ ہا یہ میں ہے مسلم اور حربی کے درمیان دار الحرب میں سود متحقق نہیں ہوتا امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ اسکے خلاف ہیں اُنکے نزدیک ہم میں کا جو اُن کے یہاں متامن ہو اسکا وہی حال ہے جو اُنکے یہاں کے جو ہمارے یہاں متامن ہیں اسکا حال ہے اور ہماری دلیل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ دار الحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان ربوہ متحقق نہیں ہوتا اور یہ کہ حربی کا مال دار الحرب میں مباح ہے پس مسلمان جب صلح حاصل کرے بشرطیکہ غدر نہ ہو مال مباح ہوگا برخلاف اُنکے متامن کے کہ اُسکا مال عقد امان کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے اور برجندی نے شرح نقایہ میں مبسوط سے نقل کیا ہے مسلمان ایک درہم دودرہم کے عوض میں یا دودرہم ایک درہم کے عوض میں دار الحرب میں خریدے ان دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے کیونکہ اُس نے جو کچھ دیا ہے اُس سے کافر کے نفس کو خوش کیا ہے اور اسکا مال مباح طریقے سے لیا ہے سوال اگر حربی استیمان سے دار الاسلام میں داخل ہو تو مسلمان کو اُس سے دار الاسلام میں ربوہ کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز ہے سوال جان ہزاروں مسلمان سود کھاتے ہیں وہ ان عموم بلوے کی وجہ سے اُسکی حلت کا حکم دیا جائے گا یا نہیں **جواب** حاکم میں مطلقاً سود کی حرمت دار دہوئی ہے اگرچہ مستثنیٰ ہے اور عموم بلوے طہارت اور نجاست میں اثر کرتا ہے نہ حلت اور حرمت میں۔ والہ اعلم حررہ الراہی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجا وزامد عن ذنبہ البجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

باب القرض و الرشوة

سوال اگر کسی نے سودی روپیہ قرض لیا تھا اور سود اہل کے بعد دے چکا ہے تو اب یہی لایا

یا نہیں جواب دارالاسلام میں سود دینا حرام ہے جو رقم سود میں دی ہو وہ اصل میں محسوب ہوگی
سوال اگر کافر یا مسلمان کا قرض ہے اور مدیون ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو قیامت میں کیا ہوگا جواب
محاسبہ کے وقت مدیون کے نیک اعمال دائر کو دلائے جائیں گے جیسا کہ سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ
سے منقول ہے سوال مسلمان قرضدار اگر بے ادائے دین کے مر گیا تو معذب ہوگا یا نہیں جواب
مدیون مقید رہتا ہے دین کی وجہ سے اور اپنے مقصود تک نہیں پہنچتا اپنی وحشت اور تنہائی اور قیصر
اور صالحون اور شفیعون کی صحبت سے دور رہنے کی امداد سے شکایت کرتا ہے جیسا کہ اُس حدیث میں
مروی ہے جو براہ بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سوال زید نے دس سیر گیہوں یا اٹھ اعمرو سے
لیکر صرف کیا اور پھر اتنا ہی ادا کیا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں جواب یہ معاملہ قرض کی قسم سے بے درجائز
ہے استحساناً۔ تنویر البصار میں ہے القرض عقد مخصوص بدو علی دفع مال بشلی الاخر لیردمثلہ
وصح فی مثلی کافی غیرہ قرض ایک خاص عقد ہے جس کا سبب اطلاق ہوتا ہے کہ ایک شخص کو کچھ مال دیر یا تاکہ
وہ کچھ عرصے کے بعد ویسا ہی واپس کر دے یہ عقد ان چیزوں میں درست ہے جس کا مثل ہو اور جس کا مثل
نہیں ہے ان میں درست نہیں ہے اور عالمگیری میں ہے فی نوادر ہشام معن ابی یوسف رحمہ اللہ انتقال
لا ضرورة ولا خیر فی قرض المحنطة والدقیق بالوزن وذكر فی الاصل اذا استقرض الدقیق وزنا لا بدوة
وزنا ولكن يصطحان على القيمة وعن ابی یوسف رحمہ اللہ فی روایتہ يجوز استقرضه وزنا استحسانا اذا
تعاون الناس لك وعليه الفتوى كذا فی الغیاتیة نوادر ہشام میں ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا ہے
کہ کوئی ضرورت اور خوبی گیہوں اور آٹے کو تو لکر قرض لینے میں نہیں ہے اور اصل میں ہے کہ اگر اٹا تو لکر
قرض لیا ہے تو تو لکر واپس کرے بلکہ دونوں صلح کر لیں قیمت پر اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت
یہ بھی ہے کہ تو لکر قرض لینا استحساناً درست ہے جبکہ لوگوں میں متعارف بھی ہو اور اسی پر فتوے ہے جیسا کہ
غیاثیہ میں ہے سوال زید نے عمرو سے ایک روپیہ قرض لیا اور ادائے قرض کی مدت مقرر ہوئی اور دونوں
میں یہ اقرار ہوا کہ مدت گزرنے کے بعد ایک روپیہ کے عوض میں ایک روپیہ اور مدت کے عوض
میں چار آنے زائد دیے جائیں گے یہ درست ہے یا نہیں جواب حرام ہے۔ کفایہ میں ہے ان الشرح
حرم ربوا النسبة وليس فيه الا مقابلة المال بالاجل فلان يكون مقابلة المال بالاجل
حقيقة حراماً اولى شرعاً لربوا النسبة كوحرام كرهياً ہے حالانکہ اُس میں صرف مال کا مقابلہ مدت

سے ہے لہذا مال کا مقابلہ مدت سے مطلقاً حرام ہے سوال اگر قرض دینے والا مدت پر راضی ہونے کے بعد مدت گزرنے سے پہلے تقاضہ کرے تو کر سکتا ہے یا نہیں جواب کر سکتا ہے۔ سراج منیر میں ہے و صحیح تاجیل کل دین عند العقد و بعدہ الا القرض ولا یثبت الاصل فیہ وللعرض ان یتطلب حالاً کما فی المعدن ہر دین میں عقد کے وقت یا عقد کے بعد مدت مقرر کر لینا درست ہے سو قرض کے کہ اُس میں مدت مقرر کرنا درست نہیں ہے اور قرض دینے والے کو اختیار ہے کہ فوراً مطالبہ کرے جیسا کہ معدن میں ہے سوال قرض اور دین میں کیا فرق ہے جواب دین وہ ہے جو مدیون کے ذمے واجب ہو جیسے مہر اور ثمن مبیع اور قرض خود ظاہر ہے۔ سراج منیر میں ہے الفرق بین القرض والدین ان الدین ما وجب فی الذمۃ کاملہ و ثمن المبیع والقرض هو العین الذی یتقرضہا انسان کما فی النہایۃ قرض اور دین میں یہ فرق ہے کہ دین ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو مدیون کے ذمے واجب ہو جیسے مہر اور ثمن مبیع اور قرض وہ عین ہے جسے انسان قرض لے جیسا کہ نیا یہ میں ہے سوال اگر زید نے عمرو سے قرض لیا اور عمرو بے وارث چھوڑے مگر کیا تو اب زید قرض کیونکر ادا کرے جواب فقرا اور مساکین کو دیکے اُس کا تو اب عمرو کی روح کو پہنچانے کے سوال رشوت لینے والے اور بیچانے والے اور مقرر کرنے والے کا کیا حکم ہے جواب رشوت لینا دینا دونوں حرام ہیں اور حرام کا مرتکب دوزخ کا مستحق ہے اور جو حدیث ابو داؤد اور ابن ماجہ اور ترمذی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اُس میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرشعی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت کی ہے اور رشوت مقرر کرنے والے یعنی راشی اور مرشعی کے درمیان میں ایک کے لیے زیادتی اور دوسرے کے لیے کمی کرنے والے کو عزلی میں رائش کہتے ہیں بقی نے شعب الایمان میں ثوبان سے روایت کی ہے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والتنا نے رائش پر بھی لعنت کی ہے اور رشوت لیجانے والا اگر نہیں جانتا کہ یہ مال رشوت کا مال ہے تو اسے کچھ مواخذہ نہیں ہے اور اگر جانتا ہے اور دانستہ اپنے کو فعل بد میں شریک اور معین بناتا ہے تو وہ بھی مأخوذ ہو گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تعادوا علی اللہ والحدود گناہ اور حد سے تجاوز کرنے میں مدد مت کرو۔ واللہ اعلم بحرہ الراجی عفو ربہ العفو ابوالحسنات محمد عبدالحی نجار واللہ عن ذنبہ الجلی والخبی

کتاب المحظور والاباحۃ

سوال زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا مدت کے بعد زید اور اُس کے قرابت دار ایک اجنبی کے سامنے آنے پر اصرار کرتے ہیں اور ہندہ اور اُس کے قرابت داروں کو اُس اجنبی کے سامنے آنا منظور نہیں ہے اس صورت میں ہندہ کو شرعاً شوہر کا کہنا ماننا چاہیے یا نہیں **جواب** رد المحتار میں ہے والروایۃ وینظر من الاجنبیۃ الی وجہہا وکفیہا فقط للضرورة فان خاف الشهوة واشتاق افشع نظره الی وجہہا فحل النظر مقید بعدم الشهوة والا فحرام هذا فی زنا خمر واما فی زنا فافشع من الشبابة کذا فی القہستانی وغیرہ الا النظر المسح لاجل کفایہ وشاہد حکم ویشہد علیہا بدر مختار بقولہ اما فی زماننا الخ لانه عورة بل لحوف الفتنة روایت یہ ہے کہ اجنبی عورت کا جہرہ اور دونوں ہاتھ ضرورت کی وجہ سے دیکھ سکتا ہے لیکن اگر شہوت کا خوف یا شک ہو تو اُس کا چہرہ دیکھنے سے باز رہی لہذا اجازت نظر عدم شہوت کے ساتھ مقید ورنہ حرام ہے یہ ان لوگوں کے زمانے میں تھا ورنہ ہمارے زمانے میں جو ان عورت کے دیکھنے سے روکا نہ جائے گا اور چھپونے سے روکا جائے گا گو کہ ضرورت کی وجہ سے ہو مثلاً قاضی اور شاہد کہ انکو حکم اور شہادت دینا ہوتی ہے مد مختار بقولہ اما فی زماننا الخ نہ اس وجہ سے کہ چہرہ ستر ہے بلکہ اس وجہ سے کہ فتنے کا خوف ہے۔ والد اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب مکتبہ محمد مسیح الدین خان مفتی حیدر آباد دکن محمد مسیح الدین خان **الجواب صحیح** والیہ المرجع والد اعلم وعلیہ حکم حرہ الراعی عفویہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی نجاب وز الدین ذنبہ ابکی و الخفی **ابو الحسنات محمد عبدالحی** سوال چند تہیدی مقدیوں کے بعد سوال کیا جاتا ہے پہلا مقدمہ یہ ہے کہ مستحسن صفت مامور سے ہے خواہ تعین ہو یا غیرہ اور استحسان بعد الامر ہوتا ہے ان کے احکام حکیم و الحکیم لایا مر بالفتشاء کما ذکر فی الاصول آمر حکیم ہے اور حکیم بری باتوں کا حکم نہیں دیتا جیسا کہ اصول میں ہے۔ پس جو مامور بہ نہیں ہے اُسکا استحسان معلوم نہیں ہے مقدمہ ثانی یہ ہے کہ حدیث میں ہے من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو مردود جس نے ہمارے آل امر میں کوئی ایسی بات زائد کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔ اور اس امر سے تا دین مراد ہے اور اصول و فروع دینی اور اربعہ سے ثابت ہوتے ہیں یعنی کتاب اور سنت اور اجماع اور مجتہد کے قیاس سے اور جو شخص ایسے اربعہ کی طرح مستقل مجتہد نہیں ہے وہ تقلید کے بھی لائق نہیں ہے اور اُسکا قیاس معتبر نہیں

اسی طرح اجماع بھی بعض یا اکثر علماء کے تعامل سے منعقد نہیں ہوتا بلکہ اجماع یہ ہو کہ جمیع مجتہدان عمر کا اتفاق ہو یا بعض کا فتویٰ اور تین دن اطلاع کے بعد دوسروں کا سکوت ہو اور غیر مجتہدین کے اجماع کا شرعاً اعتبار نہیں خصوصاً اُس امر میں جو محتاج قیاس ہو جیسا کہ اصول کی کتابوں سے ثابت ہے پس جوابات اولہ اربعہ سے ثابت نہو بدعت ہو جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے مقدمہ ثالثہ یہ ہو کہ فرد افراد جزئیت جمیع اجزاء سے مجموع کی جزئیت لازم نہیں آتی کیونکہ افراد کا حکم فرد افراد و سراہی اور مجموع کا حکم دوسرا ہو جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہے مقدمہ رابعہ یہ ہو کہ مفتی غیر مجتہد قل مجتہد ہی فتویٰ دے سکتا ہے اور اُس کو کلیات مسائل استخراج کرنا جائز نہیں ہو مقدمہ خامسہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے قول ویتبع غیر سبیل المؤمنین الا یہ اور کثرت خیر امۃ الایۃ اور جعلنا کلامہ وسطا الا یہ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول لا تجتمع امتی علی الضلالة اور ماراۃ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن اور من سنن سنۃ حسنۃ وغیرہ میں لفظ مومنین اور امت سے مجتہدین مراد ہیں جیسا کہ اصول کی کتابوں سے ثابت ہے اور سبق پہلے رواج ہے اور احداث اور رواج کا فرق ظاہر ہے پس علمائے غیر مجتہدین کا تعامل چاہیے وہ ترین شرفین کے ہوں یا دوسرے مالک کی حجت نہو کہ مقدمہ سادسہ یہ ہو کہ حق سے سکوت علما کی شان نہیں ہے پس امر حق سے ہدایت فرمائیں ان تنیدی مقدموں کے بعد سوال یہ ہو کہ زید میلاد شریف کی مجلس اسطرح کرتا ہے کہ کچھ لوگوں کو حج کر کے ذکر میلاد مع دیگر حالات نبوی کے کرتا ہے اور سوال اس کے کہ لوگوں کو جمع کرتا ہے اور کوئی بات شرع کے خلاف نہیں کرتا پس یہ امر اولہ اربعہ شرعیہ کے لحاظ سے مستحسن ہے یا بلحاظ مقدمات مذکورہ بالا بدعت مخالف ہے جو اب میں پہلے چند مقدمات کی تہید کرتا ہوں پھر اصل مقصد لکھوں گا مقدمہ اولیٰ یہ ہو کہ محدث وہی امر ہے جس کا وجود خصوصیت کے ساتھ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ اور زمانہ تابعین میں نہو اور نہ اُس کی اصل اولہ اربعہ سے ثابت ہو۔ علامہ سید شریف رحمہ اللہ نے حاشی مشکوٰۃ میں حدیث من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو ساد جس نے ہمارے اس امر میں کوئی ایسی بات نامد کی جو اُس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے کی شرح میں لکھا ہے المعنی ان من احدث فی الاسلام رایا لم یکن له من الکتاب السنۃ سند ظاہر او خفی ملفوظ او مستنبط فهو مردود علیہ معنی یہ ہیں کہ جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی

جو کتاب اور سنت میں نظر ہر غفی۔ ملفوظ مستنبط کسی طریقے پر نہ ہو تو یہ مردود ہے۔ اور فاضل معین بن صفی رحمہ اللہ شرح اربعین نووی میں لکھتے ہیں فان قلت قد اشتملت البدعة نوعان حسنة وسيئة فكيف يكون كل بدعة ضلالة بلا تخصيص قلت المراد من البدعة في الحديث البدعة الشرعية وهي ما ليس له دليل شرعي وكل ما فعله الشارع او امر به فهو ليس ببدعة شرعية اگر کوئی کہے یہ مشہور ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیئہ پس ہر بدعت ضلالت کس طرح ہوگی تو ہم کہیں گے کہ حدیث میں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہی یعنی جس پر شرعی دلیل نہ ہو اور جسے شارع نے کیا یا اُسکے کرنے کا حکم دیا وہ بدعت شرعی نہیں ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہدی ساری مقدمہ فتح الباری کی فصل خاص میں جو شرح غریب کے لیے موضوع ہے لکھتے ہیں قوله من احداث حدثا ای فعل فعله لا اصل له في الشرح یعنی جس نے کوئی ایسا کام کیا جسکی اصل شرع میں نہ تھی۔ اور فتح الباری میں ہے قوله محدثا تھا بفتح الدال جمع محدثہ والسراد بھاما الاحداث وليس له اصل في الشرح معني عرف الشرح بدعة وما كان له اصل في الشرح فليس بدعة والبدعة في عرف الشرح مذمومة بخلاف اللغة محدثا بفتح وال جمع ہر محدثہ کی اس سے مراد وہ امور ہیں جو نئے نکالے گئے ہیں اور جنکی اصل شرع میں نہیں ہے انھیں عرف شرع میں بدعت کہتے ہیں اور جنکی اصل شرع میں ہو وہ بدعت نہیں ہیں اور عرف شرع میں بدعت مذموم ہے نہ عن لغت میں۔ اور ابن حجر کی رحمہ اللہ فتح البین شرح اربعین میں لکھتے ہیں المراد من قوله صلى الله عليه وسلم من احداث في امرنا هذا ما ليس منه ما ينافي ولا يشهد له قواعد الشرع وادلتها العامة حضور نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم کے قول من احداث الخ سے وہ چیزیں مراد ہیں جو شرع کے منافی ہوں یا جسکے منافی شرعی قواعد اور اسکی عام دلیلین ہوں۔ اور ایسا ہی ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے شرح اربعین میں اور ابن مالک رحمہ اللہ نے شرح مصابیح میں اور بیضاوی نے شرح مصابیح میں لکھا ہے پس معلوم ہوا کہ ہر وہ امر جسکا ازمنہ ثلثہ میں وجود ہو یا اسکی سند اولہ اربعہ کی کسی دلیل سے پائی جاتی ہو وہ بدعت ضلالت نہ ہو گا مقدمہ ثانیہ یہ کہ یہ نہ سمجھو کہ آخسان شرعی اسی مامور بہ کی صفت ہے کہ اولہ اربعہ کی دلیلوں میں سے کسی دلیل میں صراحت اُسکا امر وارد ہوا ہو بلکہ آخسان ہر مامور بہ کی صفت ہے چاہے صراحت اُسکا امر وارد ہو یا قواعد کلیہ شرعیہ سے اسکی سند ملتی ہو برابر ہے کہ واجب ہو یا مندوب

جیسا کہ عبارات سابقہ میں غور کرنے سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے اور کتب اصول میں جو اختلاف ماموریہ اور مندوب کے اطلاق میں مذکور ہے وہ لفظی نزاع ہے جس کی تصریح ابن ہمام رحمہ اللہ نے تحریر میں کی ہے حاصل یہ ہے کہ جس طرح ماموریہ کا اطلاق واجبات پر ہوتا ہے اسی طرح مندوب پر بھی ہوتا ہے پس ہر وہ محدث جس کا ازمنہ ثلاثہ میں وجود نہ ہو لیکن اسکی سند اولہ اربعہ کی دلیلون میں سے کسی دلیل سے پائی جائے وہ بھی مستحسن ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مدارس کی بنا کو تمام اطراف کے علما مستحسن لکھتے ہیں حالانکہ زمانہ غیبی میں اسکا وجود نہ تھا لیکن اسکی اصل اس حدیث سے جسکو بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے ثابت ہے اور وہ حدیث یہ ہے اذامات ابن آدم القطع الا من ثلاث صدقة جاریہ او علم یتفتح بہ او ولد صالح یدعولہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اُسکے تعلقات تین چیزوں کے سوا سب چیزوں سے منقطع ہو جاتے ہیں ایک صدقہ جاریہ سے دوسرے علم جس سے نفع اٹھایا جائے تیسرے نیک لڑکے سے جو اُسکے لیے دعا کرے۔ لہذا اُسکے مستحسن ہونے کا حکم دیا اور اُسے بدعت ضالہ میں داخل نہیں کیا مقدمہ ثالثہ مفتی کو چاہیے کہ جو واقعہ پیش آوے اگر اُسکا حکم کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس میں صریح ہو موجود ہو تو اُسکے موافق فتوے دے ورنہ اُس واقعہ کو قواعد کلیہ شرعیہ کے سامنے پیش کرے اور جس کلیہ کے جزئیات سے پائے اُسکے موافق فتوے دے اور علمائے متہدین اور فقہائے متبحرین کا یہی حال رہا ہے البتہ جو مفتی نقل عبارت کے علاوہ استنباط کی مطلقا طاقت نہ رکھتا ہو اُسے سوائے نقل عبارت کتب اور نقل اقوال مجتہدین کے چارہ نہیں ہے۔ علامہ سعد الدین تغتازانی رحمہ اللہ جو تاجی عضدی میں لکھتے ہیں المراد باهل النظر بعض اصحاب المذہب من لم یملک الا اقتدار علی الاستنباط من الاصول التي محدھا وهو المسمى بالمجتهدین فی المذہب کا لغزائی والتووی من اصحاب الشافعی وهو فی المذہب بمنزلة المجتہدین المطلق فی الشرع واما الذین یفتقروا بحفظ الوجود فی کتب الاصحاب فہم بمنزلة النقلة والرواة اہل نظر سے وہ بعض اصحاب مذہب مراد ہیں جن کو اصول ہندہ سے استنباط پر قدرت کا ملکہ حاصل ہو یہی لوگ مجتہد فی المذہب کہلاتے ہیں جیسے غزالی اور نووی رحمہما اللہ جو اصحاب شافعی میں سے ہیں یہ لوگ مذہب میں بمنزلہ مجتہدین ہیں مگر وہ لوگ جو کتابوں سے یا اپنی یاد پر فتوے دیتے ہیں وہ

بمصر ناقل اور رادی کے ہیں۔ اور علامہ عمر حنفی رحمہ اللہ جو اہل نفسہ میں رکھتے ہیں اعلم ان الفقہاء والعلماء علی سبع طبقات الاولی طبقة المجتہدین فی الشرع کا لامیتہ الاربع الثانیۃ طبقة المجتہدین فی المذہب کا بی یوسف و محمد و اساتذہ من اصحاب ابی حنیفۃ القادریں علی استخراج الاحکام من الادلۃ علی مقتضی القواعد التی مہلہا اساتذہم فانہم وان خالفوہم فی بعض الفروع لکنہم موافقون لہم فی الاصول الثالثۃ طبقة المجتہدین فی المسائل التی راۃ فیہا صاحب المذہب کا لخصاً و الطحاوی و الکرمی و الحلوانی و الشرحی و البزدوی قاضی خان الرابعۃ طبقة اصحاب التخریج من المتقدمین کالبزازی و احزابہ لہم لا یقدرون علی الاجتہاد اصلاً لکنہم باحاطہم بالاصول وضبطہم بالمذہب یخرجون الاقوال الخامسۃ طبقة اصحاب الترجیح من المقلدین کا لقدمی صاحب المذہب و شافہم تفضیل بعض الروایات علی بعض یقولون هذا فی هذا الصم درایۃ وهذا اوضح رواۃ وهذا اوفق بالقیاس وهذا ارفق بالناس السادسة طبقة المقلدین القادریں علی التمییز علی الاقوی القوی الضعیف و ظاهر المذہب و ظاهر الروایۃ و الروایۃ النادرۃ کا صاحب المتون المعترفۃ عند المتأخرین کصاحب الکنز و المختار و الوقایۃ و الجمع و شان کل منہم ان لا ینقل فی کتابہ الاقوال الضعیفۃ و المردودۃ و الروایات الضعیفۃ السابغۃ طبقة المقلدین الذین لا یقدرون علی ما ذکر و لا یعرفون النعت و السمین و لا یمیزون الشمال عن الیمین بل یجمعون ما یجدون کما طب لیل و هذا من کور فی طبقات الفقہاء مع تطویل لا یسعہ هذا المختصر فقہا اور علما کے سات طبقے ہیں (۱) مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم (۲) مجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اور اصحاب امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ میں سے وہ لوگ جو قواعد مہمدہ کے مطابق اولہ سے استخراج احکام پر قدرت رکھتے ہوں یہ لوگ گو کہ مجتہدین فی الشرع سے بعض فروع میں مخالفت رکھتے ہیں لیکن اصول میں انکے موافق ہیں (۳) وہ لوگ جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی روایت نہیں ہے مثلاً خصوصاً طحاوی کرخی حلوانی سرخسی بزدوی قاضی خان رحمہم اللہ (۴) اصحاب تخریج مثلاً بزازی رحمہ اللہ اور ان کے گروہ کے لوگ جو اجتہاد پر تو قدرت نہیں رکھتے ہیں لیکن اصول کے احاطے اور مذہب کے ضبط کی وجہ سے یہ لوگ تخریج اقوال کر لیتے ہیں (۵) اصحاب ترجیح یہ لوگ مقلد ہوتے ہیں مثلاً قدوری اور صاحب ہدایہ ان لوگوں کا مرتبہ یہ ہے کہ بعض روایات کو بعض پر فضیلت دین

پس یہ لوگ کہتے ہیں یہ روایت اولیٰ ہے یا دوسری؟ اجماع کیا روایت اوضح ہے یا زائد موافق قیاس ہے یا لوگوں کے حق میں زائد نرم ہے؟ (۶) مقلدین کا وہ طبقہ جو اقویٰ - قوی - ضعیف - ظاہر مذہب - ظاہر روایت - اور روایات نادرہ کو پہچان سکتے ہیں جیسے ان متون کے مصنفین جو متاخرین کے نزدیک متبرہین مثلاً مصنف کثر مصنف مختار مصنف وقایہ مصنف مجمع یہ لوگ اپنی کتابوں میں کمزور اور مردود و اقوال اور روایات ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے ہیں (۷) وہ مقلدین جو اس پر بھی قدرت نہیں رکھتے ہیں اور صحیح غلط کو نہیں پہچان سکتے نہ ضعیف و قوی میں تمیز کر سکتے ہیں لکڑ ہارے کی طرح جو باتے ہیں اُسے جمع کر لیتے ہیں اور یہ بیخبات فتنا میں طول کر سکتے ہیں یہ مختصر کتاب اُسکی متعل نہیں ہو سکتی ان مقدمات کی تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ نفس ذکر میلاد و دوجہوں سے بدعت ضلالت نہیں ہے (۸) ذکر میلاد اسے کہتے ہیں کہ ذکر کوئی آیت یا حدیث بڑھ کے اُسکی شرح میں کچھ فضائل نبویہ اور معجزات احمدیہ اور آپ کی ولادت اور نسب کا تھوڑا حال اور خوارق جو ولادت کے وقت ظاہر ہوئے بیان کرے جیسا کہ ابن حجر کی رحمہ اللہ نے نعمۃ الکبیر علی العالم بولد سیدہ و آلہم میں لکھا ہے اور اس کا وجہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں بھی تھا اگرچہ اس نام سے نہ بھتا ماہرین فن حدیث پر مخفی نہ ہو گا کہ صحابہ مجالس وعظ اور تعلیم علم میں فضائل نبویہ اور ولادت احمدیہ کا ذکر کرتے تھے اور صحاح میں مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو انبی مسجد میں منبر پر بٹھاتے اور وہ قصائد مدح نبوی کہ اُنھوں نے کہے ہوتے پڑھتے اور آپ اُنکو دعاے خیر دیتے اور فرماتے اللھم ایدہا بروح القدس اے اے امدان کی مدد کر بزرگ جبریل۔ اور دیوان حسان رضی اللہ عنہ کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہ ہو گا کہ اُن کے قصائد میں معجزات اور حالات ولادت اور نسب شریف وغیرہ موجود ہیں محفل میں ایسے اشعار پڑھنا عین ذکر میلاد ہے اور حسان رضی اللہ عنہ کے مسجد میں اشعار پڑھنے کا قصہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے پس حقیقت ذکر میلاد میں اور اس قصہ میں کوئی مستدبر فرق نہیں معلوم ہوتا ہے امر دیگر ہے کہ اس ذکر کا نام مجلس میلاد قرار نہیں پایا تھا دوسرے اگر یہ خلیجان ہو کہ اگرچہ فی نفسہ نفس ذکر مولود و فضائل وغیرہ کا وجود ثابت ہو اگر ذکر میلاد میں لوگوں کو بلانا ثابت نہیں ہوتا تو یوں دفع ہو جائے گا کہ نشر علم کے لیے لوگوں کو جمع کرنا اور بلانا حدیث سے ثابت ہے۔ فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ

شنبہ الثانیین میں کہتے ہیں حدثنا ابوالحسن محمد بن احمد حدثنا ابو محمد بن احمد حدثنا ابو محمد بن احمد
 حدثنا داود حدثنا عباس بن الکثیر عن عبد خیر عن علی بن ابی طالب قال نزلت اذا جاء نصر الله وفتح
 رسول الله صلى الله عليه وعلى اله وسلم فابلت ان خرب يوم الخميس فوق المنبر وجلس عليه ثم دعا
 بلالا وقال ناد في المدينة ان اجمعه هو الوصية رسول الله صلى الله عليه وعلى اله وسلم فنادى بلال فاجتمع
 صغيرهم وكبيرهم وتركوا ابوابهم مفتحة حتى خرجت العدا انى من خلد ودهن حتى غص المسجد
 باهل المدينة صلى الله عليه وعلى اله وسلم يقول وسعوا لمن وراءكم وسعوا لمن وراءكم فقام فحمد الله
 واشنى عليه وصلى على الانبياء ثم قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم
 العربي الحنظلي لاني بعدى الحديث فمضى ميرے باپ نے بیان کیا مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان
 سے محمد بن احمد نے ان سے ابو عمر ان نے ان سے عبد الرحمن نے ان سے داؤد نے ان سے عباس بن
 کثیر نے ان سے عبد خیر نے ان سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم علیہ
 التحية والتسليم کے مرض موت میں اذا جاء نصر الله نازل ہوئی جس کے بعد ہی شنبہ کو آپ باہر
 تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کے بلال کو بکارا اور کہا کہ مدینہ میں منادی کر دین کہ سب لوگ
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سننے کو حاضر ہوں پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پکار دیا
 جس کی وجہ سے چھوٹے بڑے سب گھروں کے دروازوں کو کھلا چھوڑ کر چلے آئے یہاں تک کہ
 پردہ دار عورتیں بھی مکانات چھوڑ کر آئیں اور مسجد لوگوں پر تنگ ہو گئی حالانکہ حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہ فرماتے جاتے تھے کہ آنے والوں کے لیے جگہ باقی رکھو پھر آپ
 کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا اور انبیاء پر صلوة کے بعد فرمایا کہ میں محمد بن عبد اللہ بن ہاشم عربی
 حرمی کی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے آخر حدیث تک اس کے علاوہ کلام نفس ذکر میلاد میں
 ہے اور تخصیصات عرفیہ اگر بالفرض اس اجتماع سے ثابت نہ ہوں تو نفس ذکر میلاد کا عدم جواز
 لازم نہیں آتا (۲) اگر ہم مان بھی لیں کہ ذکر مولد کا جو دائرہ ثلاثہ میں سے کسی میں تھا
 تو بھی ہم کہتے ہیں کہ شرع میں یہ قاعدہ ثابت ہے کہ فرد من افراد نشر العلم فهو مند وب علم
 کے پھیلانے کا ہر طریقہ مند وب ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی
 ہر قال قال رسول الله صلى الله عليه وعلى اله وسلم ما لحق المؤمنون من حسنات بعد

موتہ علمہ نشرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 ہو کہ مسلمانوں کی ان نیکیوں میں سے جو موت کے بعد بھی ان سے ملتی رہتی ہیں علم کا پھیلانا ہے۔
 اور بخاری نے کتاب العلم میں عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے و لیفشوا العلم
 لیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم یحکک حق ۱۲۰۰۰۰ علم کو شائع کرنا چاہیے اور اس
 غرض سے بیٹھنا چاہیے کہ جو جانتا ہے وہ اسے تعلیم دے جو نہیں جانتا ہے کیونکہ علم جب تک
 پوشیدہ نہیں رہتا ہے ضائع نہیں ہوتا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے بعض رسائل میں حدیث
 اذا مات ابن آدم کی شرح میں لکھا ہے حمل العلماء الصدقة الجارية علی الوقف العلم المنتفع بہ
 علی التصنیف والتعلیل علما نے صدقہ جاریہ کو وقف پر محمول کیا ہے اور علم منتفع بہ سے تصنیف
 و تعلیم مراد لی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ذکر مولد تحقیقی جو اوپر گذرا افراد نشر علم کا ایک فرد ہی پس بیان
 دو مقدمے حاصل ہوئے ایک یہ کہ ذکر المولد فرد من افراد نشر العلم میلاد کا ذکر کرنا افراد
 نشر علم کا ایک فرد ہے۔ دوسرے یہ کہ کل فرد من افراد نشر العلم مندوب افراد نشر علم کا
 ہر فرد مندوب ہے۔ پس نتیجہ نکلا ذکر المولد مندوب ذکر میلاد مندوب ہے۔ اور بخاری نے ابی وائل
 رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال کان عبد اللہ بن مسعود یدکر الناس فی خمیس فقال لہ
 وجعل یا ابا عبد الرحمن لوددت انک ذکرتنا کل یوم قتال اما انہ یمنعنی من ذلک انی
 اکرہ ان امسکم وانی اتخولکم بالموعظة کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بها
 مخافة السامة علینا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما پنجشنبہ کے دن وعظ کیا کرتے تھے
 تو ایک شخص نے اُن سے کہا کہ یا ابو عبد الرحمن کیا اچھا ہوتا اگر آپ ہر دن وعظ کرتے اُنھوں نے
 بول دیا میں یہ اسلئے نہیں کرتا کہ مجھے خوف ہے کہ مبادا تم لوگ پھر رنجیدہ ہو اور میں تمکو بیباکی
 وعظ دیتا ہوں جیسا کہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتناہم لوگوں کو وعظ دیتے تھے اس خوف
 سے کہ میں رنج ہو اور یہ وہم کرو کہ جب ذکر مولد ازمنہ ثلثہ میں نہ تھا اور نہ مجتہدین کے زمانے میں
 اسکا اثر پایا گیا تو اس سے جو ہذا کا فتوے دینا کیونکر جائز ہے اوپر اسکا ذکر ہو چکا ہے کہ مفتی کو فتویٰ
 کیونکر دینا چاہیے پس اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ازمنہ ثلثہ میں ذکر مولد نہ تھا اور نہ مجتہدین سے اسکا
 حکم منقول ہے لیکن چونکہ شرع میں یہ قاعدہ مہم ہے کہ کل فرد من افراد نشر العلم مندوب

افراد نشر علم میں سے ہر فرد مندوب ہو اور ذکر مولد بھی اُسکے تحت میں ہو پس اُسکے مندوب ہونے کا حکم دیا جائے گا اور اسی لیے فقہائے متبحرین اور اہل افتاء مستنبطین جیسے ابوشامہ اور حافظ ابن حجر اور سیوطی اور شامی رحمہم اللہ وغیرہ نے ذکر میلاد کے مندوب ہونے کا حکم دیا ہے اب جو مقدمات سائل نے ذکر کیے ہیں اُنکے متعلق سننا چاہیے کہ مقدمہ اولی غلط ہے کیونکہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ مامور بصراحت نہیں ہیں مگر فقہائے متبحرین نے قواعد سے اُسکا استنباط کر کے اُسکے مندوب ہونے کا حکم دیا ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ جو اصلاً مامور بہ نہیں ہو نہ صراحۃً نہ اندراجاً پس صحیح ہے لیکن مضر مقام نہیں ہے کیونکہ ذکر میلاد بر تقدیر تسلیم عدم وجود اذمتہ ثلثہ میں قاعدہ میں مندرج ہے پس مامور بہ ضروری ہوگا اور اُسکا استحسان ظاہر ہوگا جیسا کہ میں نے مقدمہ ثانیہ میں اسکی تفصیل کی ہے لیکن مقدمہ ثانیہ پس وہ بھی ضرر رسان نہیں ہے کیونکہ با احداث اور محدث سے وہ امر مراد ہے جسکی سند اولاد بہ سے نہ پائی جائے جسکی تفصیل میں نے مقدمہ اولیٰ میں کی ہے اور ذکر مولد ایسا نہیں ہے لیکن مقدمہ ثالثہ پس اگرچہ فرد فرد کی جزئیت سے مجموع کی جزئیت لازم نہیں آتی مگر جبکہ مجموع کی جزئیت قاعدہ شرعیہ کے تحت میں اُسکے اندراج کی وجہ سے معلوم ہوئی تو چون وہ جرأً مکمل باقی نہیں رہا۔ لیکن مقدمہ رابعہ پس غلط محض ہے جیسا کہ میں نے مقدمہ ثالثہ میں اسکی وضاحت کی ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ ذکر مولد فی نفسہ مندوب ہے چاہے خیر لازم نہ میں وجود کی وجہ سے ہو یا سند شرعی کے تحت میں اندراج کی وجہ سے ہو اور کسی نے اسکے مندوب ہونے سے انکار نہیں کیا ہے مگر ایک چھوٹے گروہ نے جنکا سرغنا تاج الدین فاکانی مالکی ہے اور اُسکو علمائے مستنبطین کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے جنھوں نے ذکر میلاد کے مندوب ہونے کا فتویٰ دیا ہے پس اُسکا قول ماننے کے لائق نہیں ہے البتہ اگر ذکر مولد کے ساتھ غیر مشروعہ و تخصیصات اور غیر مامورہ تشریعات ملا دیے جائیں تو اُسکے مندوب ہونے کا حکم باقی نہ رہے گا مگر یہ ایک دوسری چیز ہوگی جسکی وجہ سے نفس جواز میلاد میں کوئی شک نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

وعندہ حسن الثواب حررہ الراحمی عفورہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجا وزا سعد عن ذنبہ ابجلی و

اخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی اصاب المہیب جزاہ اللہ خیر العجز اور نقہ خادم اولیاء و اسد الصمد علی محمد

غفرلہ اسد الاحدہ واقعی زید کا یہ فعل بدالالت ادلہ شرعیہ مستحسن اور مندوب ہے بحجالات اور فتاویٰ

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مہتمی مکی رحمہ اللہ میں لکھا ہے الموالید والاذکار التي تفعل عندنا أكثرها تشقل
 على خير كصدقة وذكر والصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم ومداحه على تنزل
 وشروء وبعضها ليس فيها شرك لا شك ان النوع الثاني سنة ويشتمل الاحاديث الواردة
 في الاذكار المخصوصة والعامّة كقول الله صلى الله عليه وسلم لا يتعقل قوم يذكرون الله تعالى
 الا حقهم الملائكة وغشيتهم الرحمة وذكرهم الله تعالى فيمن عنده رواية مسلم وروى
 ايضا انه صلى الله عليه وسلم قال يقوم جلوسا يذكرون الله تعالى ويحمدونہ وعلى ان هذا هم الاسلام
 اتاني جبرئيل عليه السلام فاخبرني ان الله تعالى يباهي بكما الملائكة وفي الحديثين
 او نحوه دليل على فضل الاجتماع على التحيد والجلوس له وان المجالسين على خير كن لك يباهي
 الله بهما الملائكة وتنزل عليهم السكينة وتغشاهم الرحمة ويذكر الله تعالى بالثناء عليهم بين الملائكة
 مولود اور اذكار جو ہمارے زمانے میں ہوتے ہیں ان میں سے اکثر میں غویان بائی جاتی ہیں مثلاً صدقہ
 ذکر حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتناہی بر صلوٰۃ وسلام اور انکی بیح اور بعض کی شرم و اسمین کوئی شرمین ہوتا
 اور اسمین کوئی شک نہیں کہ دوسری قسم سنت ہے جسے اذکار مخصوصہ عامرین جو حدیثین واقع ہوئی
 ہیں وہ شامل ہیں مثلاً خواب سرور کائنات علیہ السلام علیہ السلام کا یہ ارشاد کوئی کردہ جو خدا کا ذکر کرنے کو جمع
 ہوتا ہے اس سے ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور خدا اسکا ذکر ملائکہ مقربین سے کرتا ہے
 اسکو مسلم نے روایت کیا ہے اور بھی مردی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک قوم سے فرمایا جو خدا کا
 ذکر اور اسلام کی راہ دکھانے پر اسکی حمد کر رہی تھی کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ اے اللہ لوگوں پر ملائکہ
 کے سامنے فخر کرتا ہے ان دونوں حدیثوں میں نیکی کے لیے جمع ہونے اور بیٹھنے کے فضل پر دلیل ہے اور یہ
 کہ نیکی کے لیے جمع ہونے والوں پر خدا ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے اور ان پر امن و سکون نازل کرتا
 ہے اور انکو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور خدا ملائکہ میں انکا ذکر کرتا ہے اب اس سے بڑھ کر اور کیا فضائل ہو سکتے ہیں یہاں سائل
 کا یہ قول کہ یہ اجتماع جائز ہے یا نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ جائز ہے۔ والعلیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العالی الرب الحکیم
 سوال سحر کی حقیقت کیا ہے یا بعض اشیاء اور ادویہ کے امتزاج سے جو عجیب امر پیدا ہو وہ سحر ہے یا کلمات
 خبیثہ شیطانیہ کے تاثرات کا نام سحر ہے کہ ان کلمات کے ذریعہ سے خباثت اور شیاطین سے استغاثہ کرتے ہیں
 اور تعجب خیز امر ظاہر ہوتا ہے اور سحر طلسم سجدہ میں کیا فرق ہے اور ان میں سے کون حرام اور کفر ہے

اور سحر و مجرہ و کرامت میں میز کون ہو اور کیا ہر سحر حدوث ایذا و مرض کا جسم انسان میں سبب
ہوتا ہو اور ضرر پہنچاتا ہے اور قتل کرتا ہے جواب سحر کی بہت سی قسمیں ہیں اور اکثر سحر کا
اطلاق اُن امور عجیبہ پر ہوتا ہے جو تقرب الی الشیاطین کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یسملون
الناس السحر کی تفسیر میں بیضاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے المراد بالسحر ما يستعان فی
تحصیلہ بالتقرب الی الشیطان مما لا یستقل بہ الانسان وذلك لا یتستبک الا لمن یناسب فی
الشرارۃ وخبث الباطن فان التماسب شرط فی التضام والتعاون محرک وہ امور مرد ہیں جن کے
حاصل کرنے میں شیطان سے مدد لینا پڑے اور انسان خلیکے کرنے پر قدرت نہ رکھے اور یہ سحر
حاصل ہوتا ہے جسے شرارت اور خبیث باطن سے خاص مناسبت ہو کیونکہ مرد کے لیے مناسب
شرط ہے۔ اور علامہ ابن حجر کی رحمہ اللہ زواجہ فی اقتران الکبار میں لکھتے ہیں السحر علی اقسام
اولہا سحر الکلمات ان ینزل الذین کانوا فی قدیم الدھر یعبدون الکواکب ینعمون انھا الدبۃ للعالم
ومنہا یصدر کل مظهر خیر وشر وہم الذین بعث الیہم ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
النوع الثانی سحر اصحاب الارواح والنفس القویۃ الثالث الاستعانة بالارواح الارضیۃ
والقول بالجن ما انکرہ بعض متأخری الفلاسفۃ والمعتزلۃ واماکابر الفلاسفۃ فلم ینکروہ
الا اھم سموھا الارواح الارضیۃ الرابع التخیلات والاخذ بالعیون الخامس الاعمال العجیبۃ الخ
تظهر من ترکیب الہات علی النسب الهندسیۃ مثل صورتہ فرس فی ید البوق فاذا
مضت ساعت من النهار صوت البوق من غیر ان یتبہ احد وکان سحر سحرۃ
فرعون من هذا القبیل السادس تعلیق الاستعانة بخواص الادویۃ المزلیۃ للعقل
ونحوھا السابع تعلیق القلب وهو ان یدعی انسان انه یعرف الاسم الاعظم مثلاً فاذا کل السامع
ضعیف القلب اعتقد انه حق وحصل فی نفسہ نوع من العیجۃ ان یتکلم السحرفین لا یفعل انشاء
سحر کی کئی قسمیں ہیں راہ سحر کلدانیہ جو پہلے زمانے میں ستاروں کو پوجا کرتے تھے اور خیال
کرتے تھے کہ یہی عالم کا انتظام کرتے ہیں اور انھیں سے تمام اچھائیوں اور برائیوں صادر
ہوتی ہیں انھیں لوگوں کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے (۲) وہی اور توحی
النفس لوگوں کا سحر (۳) ارواح ارضیہ سے مدد لینا اور جنوں کا قائل ہونا جن کا بعض متقدمین

فلاسفہ اور معتزلہ نے انکار کیا ہے اور اکابر فلاسفہ قائل ہیں اور ممکن نام ارواح ارضیہ کہتے ہیں (۴) تخیلات اور آنکھوں سے اثر ڈالنا (۵) عجیب کام جو ہندو کے مطابق آلات کی ترکیب و دیگر سے ظاہر ہوں مثلاً گھوڑے کی شکل جس کے ہاتھ میں قرنا ہو پس جب ایک پہرہ گزرے اُس قرن سے بلا کسی کے ہاتھ لگائے آواز نکلتے فرعون کے ساحرون کا سحر اسی قسم کا تھا (۶) عقل کی زائل کرنے والی دواؤں کے خواص سے مدد لینا (۷) قلب پر اثر ڈالنا مثلاً کوئی اُس کا دعوے کرے کہ وہ اہم اعظم جانتا ہے تو اگر ساحر ضعیف القلب ہو تو وہ اسے سچ سمجھے گا اور اسوجہ سے اُس پر رعب طاری ہو جائے گا اور ساحر اُس سے جو چاہے گا کر لے گا۔ ہر نفس انسانی کو اس کی طرف سے ایک تاثیر عنایت ہوئی ہے کہ وہ تاثیر دوسرے نفس میں نہیں ہے اور ہر نفس کے لیے ایک خاصیت ہو جسب استعداد کہ دوسرے میں نہیں ہے اور ہر ایک سحر اور طلسمات اور شعبہ بھی میں قبیل تاثیرات نفوس ہیں اور ان میں فرق یہ ہے کہ اگر نفوس کی تاثیر دوسرے میں باستعانت ارواح خبیثہ وغیرہ ہو بے استعانت تاثیرات کو اکب و خواص اعداد وغیرہ اسی کو سحر کہتے ہیں اور جو تاثیر ان چیزوں کی مثل چیزوں کے استعانت سے ہو اسکو طلسمات کہتے ہیں اور جو تاثیر دوسرے شخص کی قوت تخیل میں ہو اسکو شعبہ کہتے ہیں علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ اپنے تاریخ کے مقدمے میں لکھتے ہیں علوم السحر و الطلسمات علوم بکیفیت استعدادات تفید النفوس البشریۃ بھا علی التاثرات فی عالم العناصر ما بخیر معین او بمعین من الامور السعویۃ الاول هو سحر الثانی الطلسمات وذلك لان النفوس البشریۃ وان كانت واحده بالنوع فھي مختلفۃ بالخواص فنفس الانبیاء علیہم خاصیۃ تستعد بالمعرفۃ الربانیۃ و النفوس الکھنۃ لھا خاصیۃ الاطلاع علی الغیبات بقوۃ شیطانیۃ و النفوس المساحق علی ثلث مراتب اولھا المؤثر بالھیۃ فقط من غیر الہ و معین و هذا هو الذی تسمیہ الفلاسفہ السحر و الثانی بمعین من غیر الہ الا فلا و الاول اعطاء او خواص الاعداد و لیھونہ الطلسمات و الثالث تاثیر فی القوۃ التخیلیۃ بمعین صاحبہ التاثر الی حسنا القوۃ التخیلیۃ یتصرف فیھا بنوع من التصرف ویلقی فیھا انواعا من الخیالات ثم ینقل الی المحس من الرائین بقوۃ نفس المؤثرۃ فیہ فیظن الراؤن کأنھا فی الحاضر و لیس ھذا شئ و یسمی ھذا المشعوذۃ و التحدیۃ و اختلاف العمل فی السحر ھو حقیقۃ اولھا و تخیل ثانیھا و لا یؤلف الا بالظن الی المرتبتین

الاولیین والآخرین بانہ لا حقیقۃ لنظر الی الآخر و قاصح اللغۃ شیعہ الرجل شیعوۃ ومنہم من قال شیعیۃ
 للعربی الانسان معہام الیس حقیقۃ وقال علامۃ ابراہیم وشرح جوہر التوحید الطلسمات نقشب علیہ خاصۃ
 تعلق کلا فلاذکوا علی نزع اہل هذا العلم فی اجسام متشخصہ خاصۃ ربطت ہما فی مجاری العادات علوم
 سحر و طلسمات ان استعدادات کی کیفیت کو جاننا ہے جن کے ذریعہ سے عالم غامض میں نفوس بشریہ
 تاثیر کر سکیں خواہ بلا کسی کی مدد کے یا امور سماویہ میں سے کسی کی مدد سے اول سحر ہی دوسرا طلسمات یہ
 اسلئے کہ نفوس بشریہ اگرچہ نوعاً ایک ہی ہیں لیکن خواص کے اعتبار سے مختلف ہیں نفوس انبیاء میں
 ایسی خاصیت ہے جس کی بدولت وہ معرفت ربانیہ کے لیے مستعد ہوتے ہیں اور کاهنوں کے نفوس
 میں ایسی خاصیت ہے جسکی بدولت وہ ذریعہ قوائے شیطانیہ غائب اشیا کو جان لیتے ہیں اور نفوس
 ساحرہ کے تین مرتبے ہیں (۱) وہ جو خود اپنے زور سے اثر کرتے ہیں بے کسی آلہ اور مددگار
 کے اسی کو فلاسفہ سحر کہتے ہیں (۲) وہ جو مزاج غامض و افلاک یا خواص اعداد کی مدد سے ہواو سے
 فلاسفہ طلسمات کہتے ہیں (۳) جو قوائے تخیلہ میں تاثیر کے ذریعہ سے ہو کہ صاحب تاثیر صاحب قوت
 تخیلہ میں جب تصرف کرنا چاہے تو کسی قسم کا تصرف کرے اور اُس میں کسی قسم کے خیالات دالہ سے
 پھر اُسی ذریعہ سے دیکھنے والوں کی حس میں خود اپنی قوت مؤثرہ سے نازل کرے کہ دیکھنے والے اُس سے
 خارج میں موجود دیکھیں حالانکہ وہاں کچھ بھی موجود نہ ہو اسے شعوذہ یا شعبدہ کہتے ہیں علمائے سحر
 میں اختلاف کیا ہے کہ یہ حقیقۃً کوئی چیز ہے یا محض تخیل ہے تو جو لوگ اول کے قائل ہیں وہ پہلے دونوں
 مرتبوں کا خیال کرتے ہیں اور جو اُسکی حقیقت نہیں مانتے وہ آخر کے مرتبے کے قائل ہیں اور صاحب اللغۃ
 میں ہے انسان کا شعبدہ یا شعوذہ ایک کھیل ہے جس سے انسان اُس چیز کو دیکھتا ہے جو حقیقت
 میں نہیں ہوتی اور علامۃ ابراہیم رحمہ اللہ نے شرح جوہر التوحید میں لکھا ہے طلسمات اجسام میں چند
 مخصوص اسما کا نقش بنانا ہے جن میں اس علم کے لوگوں کے نزدیک افلاک و کواکب سے تعلق ہے ان سے
 وہ خاصیتیں پیدا ہوتی ہیں جو عادۃً ان سے متعلق ہیں۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ سحر حرام اور کبیرہ
 ہے اور بعض ائمہ فقہ نے اس پر کفر کا بھی اطلاق کیا ہے یہاں تک کہ تفتازانی رحمہ اللہ حواشی کشاف
 میں اجماع نقل کرتے ہیں السحر مزلۃ النفوس الخبیثۃ کلافعال و اقوال تنوب علیہا امور
 خارقۃ للعادۃ ولا یری خلاف فی کون العمل بہ کفراً سحر نفوس خبیثہ کو اس غرض سے کام لینا

کہ خلاف عادت اقوال و امور جو اُس سے مترتب ہوتے ہیں حاصل ہوں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس پر عمل کرنا کفر ہے۔ اور ارباب تحقیق کے نزدیک اصح یہ ہے کہ جو سحر امور کفر پر مشتمل ہو کفر ہے اور جو ایسا نہ ہو اُس کا سیکھنا اور کرنا کفر نہیں ہے البتہ اُس کے استقلال کا اعتقاد کفر پر تقاضا ہے۔ رحمہ اللہ نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ کفر فی تعلم السحر بل فی اعتقاد ترتب الاثر علیہ سحر سیکھنا کفر نہیں ہے لیکن یہ خیال کر لینا کہ اس سے اثر مترتب ہوتا ہے کفر ہے۔ اور علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں اتفاق کلمہ علی ان ماکان من جنس دعوة الکواکب السبعة او السجود طحاو التقرب الیہا بما یناسب کفر و هو من اعظم ابواب الشرائع تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جو کواکب کے بکارنے یا سجدہ کرنے یا اسی طرح کے دوسرے امور رجن سے اُس کا تقرب مقصود ہو کی جنس سے ہوں وہ کفر اور اعظم ابواب شرک سے ہیں۔ اور ابن حجر کی رائے نروا جہ میں لکھتے ہیں اختلف الناس فی کفر الساحر و یس محل الخلاف النوع الاول کما نزاع فی کفر من اعتقاد الکواکب مؤثرات فی العالم وان الانسان یصلی بالتصیفة الی ان تصیر نفسہ مؤثرات فی ایجاد جسم و اما ان یعتقد الساحر ان یدفع فی التصفیة الی ان تصیر نفسہ بحیث یطیعه الحجة فالاعتزال تکفیر و ندون غیرہ و اما بقیة انواع فقال جماعة ان کفر مطلقا و اما النوع الثالث و ما یبعث فان اعتقاد ان فعله یباح فذلک کفر لان تحلیل المحرم کفر فہما ساحر کے کفر میں اختلاف نہیں ہے جو اس امر کا اعتقاد رکھتا ہے کہ کواکب اس عالم میں اثر کرتے ہیں یا یہ کہ انسان تصفیہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ اُس کا نفس خود دوسرے جسم کے بنانے میں اثر رکھے لیکن اگر اس امر کا اعتقاد رکھے کہ اُس کا نفس اس قدر صاف ہو گیا ہے کہ جنت اُسکی مطیع ہو تو صرن معتزلہ اُسکی تکفیر کرتے ہیں اور لوگ نہیں کرتے رہیں سحر کی باقی قسمیں تو ایک گروہ اُن سب کو مطلقا کفر کہتا ہے اور اگر کوئی دوسری قسم اور اُس کے بعد کے اقسام کو حجاج سمجھے تو وہ کفر کی وجہ سے قتل کروایا جائے گا کیونکہ حرام کو حلال کرنا کفر ہے۔ اور علامہ اردبیلی رحمہ اللہ فتاویٰ النوار میں لکھتے ہیں اطلاق الماکیة و جماعۃ الکفر علی الساحر و لا شک ان هذا قریب من حیث الاجمال عن ان عند الفتاویٰ فی حرمیات الوقائع یقع غلط عظیم و التبعی فی ذلك ان اذ اقل للفقہاء السحر و ما حقیقۃ حق یفوض علیہ بالکفر یجرحہ و انا مع طول

عمری مادایت من یفرق بین هذه الامور بالکلیہ اور ایک گروہ نے ساحر کو مطلقاً کافر کہا ہے اور یہ بالاہل قریب بصحت ہے لیکن جزئیات میں فتوے دینے کے وقت اس میں ایک بڑی غلطی واقع ہو جائے گی کیونکہ جب فقیہ سے یہ کہا جائے کہ سحر کیا ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے جو آپ اُسکے کفر کا فتوے دیتے ہیں تو ہمیں اُسکے جواب میں بڑی دشواری ہوگی میں نے تمام عمر میں کوئی ایسا نیا پایا جو ان امور میں باہم تفریق کر سکے۔ اور ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں لکھتے ہیں السحر حرام بلا خلا واعتقاد باحتکفر وعن اصحابنا و مالک و احمد یكفر الساحر بتعلمه و تعلیمه و یقتل و عند الشافعی لا یجب قتله ولا یكفر الا اذا اعتقد باحتہ و یجب ان لا یعدل عن مذهب الشافعی فی کفر الساحر و اما قتله فیجب اذا عرفت حلاله و لہ علی السحر تسعین بالغسادی الارض سحر بلا اختلاف حرام ہے اور اُسکی اباحت کا اعتقاد کفر ہے امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ اور ہمارے اصحاب سے مروی ہے کہ ساحر کافر ہے اسوجہ سے کہ اُس نے سحر سکھا اور سکھایا اور اسی وجہ سے وہ قتل کیا جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اُس کا قتل واجب نہیں ہے اور وہ کافر نہ کہا جائے گا تا وقتیکہ سحر کو مباح نہ جانے اور ساحر کی تکفیر میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے عدول نہ کرنا چاہیے البتہ جب سحر کرتے رہنے کا علم ہو تو اُسے قتل کر دینا چاہیے کیونکہ وہ فساد ارض کی کوشش کر رہا ہے۔ باقی رہا طلسمات اور شعبدہ کا حال تو صاحب درمختار نے علم طلسمات اور علم شعبدہ کو مثل علم سحر کے مذموم اور حرام لکھا ہے۔ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں الشریعة لم تفرق بین السحر و الطلسمات و جعلتہ کلمہ بابا و احل الان الافعال انما اباح لنا الشرع منہما ما یحتملنا فی دیننا و دنیا فان کان فیہ فوج ضعیف السحر و یلحق بہ الطلسمات یکون سحر محظور و ان جعلت الشریعة باب السحر و الطلسمات و الشعوذة و احل شریعت نے سحر اور طلسمات میں کچھ فرق نہیں کیا ہے بلکہ سب کو ایک ہی باب میں رکھا ہے کیونکہ ہمارے لیے شرع نے وہی افعال حلال کیے ہیں جو دین یا دنیا میں کام آئیں پس اگر کسی کام میں کچھ ضرر ہو تو وہ ممنوع ہے مثلاً سحر اور طلسمات بھی اسی کے ساتھ ملتی ہیں پس شریعت نے سحر و طلسمات شعبدہ سب کو ایک ہی باب میں کر دیا۔ اور تجربہ عبارت ہے امر خارق عادت سے جو مدعی نبوت نئے منکرین کے مقابلہ میں صادر ہوا اور مثل اُسکے کوئی دوسرا نہ کر سکے اور کرامت عبارت ہے امر خارق عادت سے کہ ولی سے صادر ہو بغیر کسی دعوے کے لیکن سحر وہ ہے جو نفوس خبیثہ سے نفوس

شیطانہ سے مناسبت رکھتے ہیں صادر ہوا اور اُس کے مثل جو شخص پیدا کرے کر سکتا ہے تفتانانی رحیم
شرح مقاصد میں لکھتے ہیں المعجزة امر خارق للعادة مقرون للتحدى مع عدم المعارضة واحتراز
بقيد المقاومة للتحدى عن کرامات الاولياء وبقيد عدم المعارضة عن المعجزة عن المعجزة
الشعبية معجزة ام خلاف عادت ہے جو انکار کی وجہ سے کیا گیا ہو اور جبکہ معارضہ نہوا انکار کی قید سے
کرامات اولیا اور عدم معارضہ کی قید سے سحر اور شعبہ خارج ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شعبہ
کرتا ہو نہ استقلال ساحر بلکہ حسب جریان عادت الداء ابن حجر رحمہ اللہ نے قرطبی سے نقل کیا ہے قال
العلماء لا ينكر ان يظفر على يد الساحر خرق العادات بما ليس في مقدور البشر من مرض و
زوال عقل وتعويج عضد ولا يكون السحر حلة لذلك لا موجب له بل يخلق الله هذه الاشياء عند وجوب
السحر علما کہتے ہیں کہ اسکا انکار نہ کیا جائے کہ ساحر سے خلاف عادت امور ظاہر ہو سکتے ہیں جو بھی کی
قدرت میں نہیں ہیں مثلاً بیمار یا دیوانہ بنا دینا شانے کو ٹہرا کر دینا لیکن سحر اسکی علت نہیں ہو کرتا
اور نہ اسکا موجب ہوتا ہے بلکہ خدا سحر کے وجود کے وقت ان اشیا کو پیدا کر دیتا ہے۔ اور ملا علی قاری
رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں الاكثر ان يقولون ان السحر قد يؤثر في موت المسحور ومرضه
من غير وصول شيء ظاهر اليه اكثر لوگ کہتے ہیں کہ بعض اوقات سحر سحر کو مار ڈالتا ہے یا بیمار کر دیتا ہے
بے کسی ظاہری چیز کے اُس تک پہنچے ہوئے والدرا علم سوال مسجد میں بلبک پر سونا جائز ہے یا ممنوع
جواب جائز ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد میں تخت رکھا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم
میں اس پر آرام فرماتے تھے جیسا کہ سفر السعادت میں ہے۔ اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
سے روایت کی ہے ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا اعتكف طرحة فراشه او يوضع له
سريرة وراء اسطوانة التوبة حضور سرور کائنات علیہ السلام واصلوة جبا عکات کرتے تو آپ کا بچھونا
وہاں لایا جاتا یا آپ کا تخت وہاں بچھایا جاتا اسطوانة توبہ کے نیچے سوال ہوا رہا زور کے سنگ یا
ہاتھی دانت کی ٹکھی کرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے۔ ہر ایہ میں ہر لایا س بیع عظام الميت و
صوفها وقرنها وشرها ووبرها والانتفاع بها لانها طاهرة لا يحلها الموت لعدم الحيوة
والنيل كخبر يروى عن الحسن بن محمد وعندنا من السباع حتى يباع عظمه وينتفع به مردس کی ہڈیاں
اور سنگ بال صوف کے نیچے اور اُس سے نفع اٹھانے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ وہ ظاہر ہے اور موت

عدم حیاتی کی وجہ سے کسی چیز کو حلال نہیں کر سکتی اور ہاتھی کا حال سور کا ایسا ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نجس العین ہے اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک در ندن کا ایسا ہے کہ ہسکی ہڈیاں بھی جاسکتی ہیں اور ان سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تفسیر میں جو سنن ابوداؤد میں ہے لکھتے ہیں وہ حدیث یہ ہے یا ثوبان اشتري لفاطمة قلادة من حبيب وسوادين من عاج اري ثوبان فاطمة کے لیے ایک تلوادہ اور عاج کے دو کنگن خریدو۔ اور محدث مذکور کی تفسیر یہ ہے المعروف بين العاجين العاج من الفيل وقيل هو عظم ظهر السلحفاة البحرية او عظم حايطة بحرية غيرها اسمها الذيل يتخذ منه السوار والشطوف والقاموس لعاج الذيل عظم الفيل وقال التوربشتي ذكر الخطابي في تفسيره ان الذيل ونقل ذلك عن الاصمعي والعجلي وعن اللغة المشهورة الى ما يشتر بين اهل اللسان عام طور سے مشہور ہے کہ عاج ہاتھی کے دانتوں کو کہتے ہیں اور بعض کے خیال میں کچھوے کی بیٹھ کی ہڈی کو کہتے ہیں یا اسکے علاوہ کسی اور بحری چوپایہ کی ہڈی کو کہتے ہیں جسکا نام ذیل ہے اس سے کنگن اور کنگمیاں بنتی ہیں قاموس میں ہے عاج ذیل اور ہاتھی کی ہڈی کو کہتے ہیں اور توربشتی نے کہا ہے کہ خطابی نے اسکی تفسیر میں کہا ہے کہ عاج ذیل کو کہتے ہیں یہی اصمعی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور تعجب یہ ہے کہ لغت مشہور سے عدل کیا جاتا ہے اور اسکے منہ سے وہ بیان کیے جاتے ہیں جو اہل زبان میں مشہور ہیں۔ اور فتح القدير میں اوقيل روى عن رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم انه اشترى لفاطمة سوادين من عاج وظهر استعمال الناس من غير تذكير ومنه من حكى اجماع العلماء على جواز بيعه وفي صحيح البخاري قال الزهري ادركت الناس من سلف العلماء يشتطون بعظام الميته نحو الفيل ونحوه ويدعون فيها لا يرون به باسا وقل ابن سيرين وابو ابيم لاباس بتجارة العاج كما ليا اركن بنى كريم عليه التحية والتسليم سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے عاج کے دو کنگن خریدے اس سے ظاہر ہوا کہ انکا استعمال لوگوں کے لیے بلا کسی انکار کے جائز ہے اور بعض لوگ عاج کی بیج کے جائز ہونے کے متعلق علما کا اجماع نقل کرتے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ زہری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے علماء سلف میں سے بہت سے علماء کو مردے کی ہڈی سے نکلتا کرتے ہوئے دیکھا ہے مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیاں اور اس میں تیل استعمال کیا اور کچھ حرج نہ سمجھتے ابن سیرین اور ابوالاسیم رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ عاج کی تجارت میں کچھ حرج نہیں ہے سوال رام چند را اور کرشن وغیرہ

ہندون کے اوتار ہیں اور ان کے نزدیک اوتار کے معنی رسول کے ہیں اور ان کے افعال ذکر دارا چھتے تھے اور یہ اپنے کو خدا کا بندہ جانتے تھے اور خلق کو ہدایت کرتے تھے تو ان پر لعنت کرنا جائز ہو یا نہیں جواب بشرط صدق مستفتی ان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے سوال زید عالم خلد عالم کی معفل میں آیا خالد اور جملہ حاضرین محفل زید کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور زید کے جلتے وقت بھی اسی طرح قیام تعظیمی کیا پس ایسا قیام شرعاً درست ہو یا نہیں اگر درست ہو تو کس دلیل سے جواب ملتا اور رئیس قوم اور سادات کے لیے قیام تعظیمی درست ہے۔ اس دلیل سے کہ بخاری اور مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ان انا سائر لواء علی حکم سعد بن معاذ فارسل الیہ فجاء علی حاد فہما یلیح قریباً من المسجد قال قوما الخیر کہہ اوسید کہ کچھ لوگ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم سے آئے تھے جن کے پاس انھوں نے فجار کو بھیجا جو گرہ پر سوار تھے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو انھوں نے کہا کہ اپنے بہترین یا اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو۔ اسی واسطے امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم کی کتاب آداب السماع میں لکھتے ہیں القیام عند الدخول للداخل لم یکن من عادات العرب بل کان الصحابة لا یقومون لرسول اللہ فی بعض الاحوال کا رواہ انش لیکن لم یثبت فیہ شیء عام ولا نری بہ بأساً فی البلاد الاتی حرجت العادة فیہا کرام الدخول بالقیام فلان المقصود من الاحترام والا کرام و تطیب القلب و کذا سائر الواع المساعداً لذلک قصد بھا تطیب القلب و صلح علیہا جماعۃ فلا بأسی ساعدتھو علیہا بل الا حسن المساعداً الا فی ما ورد فیہ فی لا یقبل التواضع کسی آنے والے کی تعظیم کے لیے اس کے آتے وقت قیام کرنا عربوں کی عادت نہ تھی بلکہ بعض اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم حضور سرور انبیاء علیہ النجۃ والثناء کے لیے بھی نہیں کھڑے ہوتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے لیکن اسکے متعلق کوئی عام ممانعت بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے اکرام اور احترام مقصود ہوتا ہے اور اس سے قلب پاک ہوتا ہے اسی طرح تعظیم کے تمام طریقوں کی بھی عام ممانعت نہیں ہے باستثناء ان طریقوں کے جن سے ممانعت کی گئی ہے جو تاویل کے قبول نہیں کرتے۔ ان قیام سے محبت رکھنا اور اس امر کو چاہنا کہ لوگ ہماری تعظیم کے لیے کھڑے ہو جائیں البتہ مکروہ ہے ابو داؤد و دارترمذی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یشملہ الرجال قیاماً اقلبت و اقصعدہ من اننا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی تعظیم

کھڑے ہو کر گین پس سکر چاہتے ہیں اپنا گھر بنائے اور امام نووی رحمہ اللہ رسالہ القیام میں لکھتے ہیں معناه
 الصریح الظاہر الذی وعد الشدید لانسان یحب قیام الناس لہ ولیس فیہ تعویض
 القیام وغی ولایکہ اسکے صریح اور ظاہر معنی زبر اور سخت وعید کے ہیں اُس شخص کے حق میں جو
 یہ چاہے کہ لوگ اُسکی تعظیم کو کھڑے ہوں اور اس میں قیام کی نفی یا اُس پر کوئی تقریض نہیں ہو اور
 قیام مکروہ نہیں ہو۔ اور فقیہین میں مشکل الآثار سے منقول ہے القیام بخیرہ لیس بمکروہ لعینہ انما
 المکروہ محبت القیام من الذی یشاقق لہ فان لم یحب القیام فاما وہا لیکرہ طعم کسی
 دوسرے کے لیے قیام مکروہ لعینہ نہیں ہے بلکہ جس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اگر وہ کھڑے
 ہونے کو دوست رکھتے تو یہ مکروہ ہے اور اگر وہ اُسے پسند نہ کرتا ہو اور پھر لوگ اُسکی تعظیم کو کھڑے ہوں
 تو کچھ کراہت نہیں ہے اگر کسی کو یہ شک ہو کہ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے
 روایت کی ہے قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم متكئا على عصا فقمنا اليه فقلوا لا تقموا
 كما تقوم الاعاجم يعظم بعضهم بعضا ابو امامة باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ و
 السلاہلوگوں کے پاس باہر تشریف لائے ایک ڈنڈے پر ٹیک دیے ہوئے تو ہم تعظیم کو اُٹھے پس
 آپ نے فرمایا تم لوگ اُس طرح تعظیم کو نہ کھڑے ہو اگر وہ جس طرح عجی باہم ایک دوسرے کی تعظیم کو کھڑے
 ہوتے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ قیام تعظیما ممنوع ہے تو اُسکو یوں دفع کرے کہ اس حدیث میں مطلق
 قیام کی نفی نہیں ہے بلکہ اُس قیام کی نفی ہے جو عجی کیا کرتے تھے اور اُنکا قیام بطور التزام کے تھا یعنی وہ
 لوگ قیام تعظیمی کو ضروری جانتے تھے اور محبت رکھتے تھے پس آپ نے ایسے قیام سے منع فرمایا جو
 بالتزام و محبت قیام کی وجہ سے ہو۔ کیونکہ بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے
 قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجلس معنا يحدثنا فاذا قام قمنا حتى نراه قد دخل
 بعض بيوت ادواجه حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام
 ہماری پاس بیٹھتے اور ہم سے حدیث بیان فرماتے پس جب آپ کھڑے ہوتے ہم بھی کھڑے ہو جاتے یہاں تک
 کہ آپ کو ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی گھر میں تشریف لیجاتے ہوئے دیکھ لیتے۔ پس اگر
 مطلقاً قیام تعظیمی ممنوع ہوتا تو ہرگز صحابہ ایسا نہ کرتے اسکے علاوہ یہ ہے کہ عجیوں کا قیام بظن تعظیم ہوتا تھا۔
 جیسا کہ انہیں سلاطین کے لیے تعظیما سے بڑے کا رواج تھا پس حضور روحی فداہ نے ایسے قیام تعظیمی سے

منع کیا ہے۔ خلاصہ حاشیہ طبعی میں ہے قال النووی القیام للقدام من اهل الفضل مستحب قال الغزالی
 المنہ القیام لہ تعظیم علی سبیل الاکرام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہل فضل میں سے کسی آدمی کو الے
 کسی تعظیم کو کھڑا ہونا مستحب ہے اور غزالی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قیام تعظیم کے لیے مکروہ ہے نہ کہ قیام بطریق
 اکرام۔ اس پر اور یہ زیادتی ہے کہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قیام ثابت ہے ابو داؤد
 اور ترمذی اور نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے قالت ما رأیت
 احد ایثبہ سمتا ولا ہدیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فاطمہ فی قیامھا وتعودھا وکانت
 اذا دخلت علیہ قام الیھا فقبلھا واجلسھا فی مجلسہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
 میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نہ کسی کو روش اور چال اور نشست و برخاست میں حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں پایا جب وہ آپ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ اُنکے لیے کھڑے
 ہو جاتے اور اُنکا بوسہ لیتے اور اُنکو اپنی بیٹھنے کی جگہ میں بٹھلاتے۔ ایسا صل قیام سے محبت رکھنا یا
 اُسکا التزام کرنا مثل التزام امور ضروریہ کے یا بنظم تعظیم احرام قیام کرنا شرعاً ممنوع ہے لیکن آنے والے کے
 اکرام کے لیے قیام کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے اور اسکی ممانعت میں کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ احادیث
 اُسکے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور یہی علمائے محققین اور فقہاء اور محدثین کا مذہب ہے سوال
 واڑھی چڑھانا جائز ہے یا نہیں جواب جائز نہیں ہے ابو داؤد اور نسائی میں ردیف بن ثابت رضی اللہ عنہ
 سے روایت ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یادریف لعل الحیوة ستطول بداع
 بعدی فاضبر الناس ان من عقد الحیوة او تقلد بہ وتراوا استنجی برجیع دابتہ او عظمفان محمدًا
 بری عنہ ردیف بن ثابت رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے رسول کریم علیہ التیمۃ والتسلیم سے سنا کہ وہ فرماتے
 تھے اور ریف شاید تم میرے بعد زندہ رہو بیس لوگوں سے کہہ دینا کہ جس نے واڑھی کو باندھا یا اُسے کان
 کی طرح بنایا یا جانور کے غلیظ سے یا بڑی سے استنجا کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے بری ہیں اور ابن ابی شیبہ
 نہایت یہ میں لفظ عقد کی شرح میں لکھتے ہیں قیل کانوا یعقد وغلفی الحرب فامرہم بالرسالہا
 کانوا یفعلون ذلک نکبرا وتعجبنا کہتے ہیں کہ لوگ لڑائی میں واڑھی میں گرہ دے لیا کرتے تھے تو پتے
 اُنکو واڑھی چھوڑ دینے کا حکم دیا وہ لوگ یہ نگہ اور غرو کی وجہ سے کیا کرتے تھے۔ اور مطالب المؤمنین
 وغیرہ میں ہے زاد الشیخ عی الدین النووی فی مکروہات اللحیۃ عقدھا وتصفیقھا طاقتہ

فوق طاقتہ شیخ محمد الدین نووی رحمہ اللہ نے کمرہات کحیرہ میں دائرہ صحنی کے باندھنے اور دائرہ صحنی کے نیچے
 اوپر لٹین بنالینے کو بھی زیادہ کیا ہے سوال چرٹ پینا درست ہے یا نہیں اگر کسی صورت میں درست
 ہے تو مصداق حدیث شریف من تشبہ بقوم فهو منهم جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہیں
 میں سے ہے۔ اسپر صادق آئے گا یا نہیں اور صادق آنے کی صورت میں اگر حاکم شرع ہو تو سزا
 دے سکتا ہے یا نہیں جواب چرٹ پینا مثل حقہ پینے کے مکروہ تحریمی ہے بلکہ چرٹ میں تشبہ نصاری
 کی وجہ سے زیادہ کراہت ہے سوال چرٹ متشابہ صوفیہ میں مروج ہے اور آداب الطالبین وغیرہ میں
 مذکور ہے جائز ہے یا نہیں اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ شیرینی یا طعام وغیرہ سامنے رکھکے سورۃ فاتحہ اور
 سورۃ اخلاص وغیرہ پڑھکے میت کو ثواب بخشے ہین اور یہ ثواب میت کو پہونچتا ہے یا نہیں جواب
 اہل سنت کے مذہب میں اموات کو ثواب پہونچتا ہے اور سورۃ فاتحہ وغیرہ کا پڑھنا اور مردے کو ثواب
 بخشنا موجب رفعت درجات ہے لیکن جو طریقہ فاتحہ کا مروج ہے اسکی اصل شرع میں نہیں ہے سوال کافر
 سے دارالحرب میں سود لینا درست ہے یا نہیں۔ ہدایہ میں ابوالاسود ابوبکر بن المسلم والکافری دارالحرب
 دارالحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان ربوا نہیں ہے۔ اور دارالحرب کا اطلاق کس شہر پر کیا جاسکتا
 ہے جہاں کافر سے سود لینا جائز ہے جواب دارالحرب میں کفار سے سود لینا امام ابو حنیفہ اور امام محمد
 رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے جیسا کہ فتح القدیر میں
 ہے اور دارالحرب وہ شہر ہے جو کفار کی ولایت میں ہو اور اس میں اسلام کے حکم میں سے کوئی حکم
 جاری نہ ہو اور اجراءے احکام شرع سے کفار مانع ہوں بلکہ احکام کفر کو کفار باعلان جاری کریں اور
 کوئی مسلمان بے اجازت و امان کفار کے وہاں نہ رہ سکے جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے زیادات میں
 لکھا ہے سوال عاشورے کے دن عیدون کی طرح تزئین وغیرہ کرنا درست ہے یا نہیں جواب
 صواعق محرقة میں ہے وایاہ تعدایاہ ان یشغل مبدع الناصبۃ المتعصیین علی اہل البیت والجمہال
 القابلیں للفساد بالفساد والبدع بالبدع والشرب بالشرب من اظہار غایۃ الفرج والمرد و اتخاذہ
 عیداً و اظہار الزینۃ فیہ کا نخضاب والا کتھال و لبس جدید الثیاب توسیع النفقات و طبخ الاطعمۃ
 والمجود الخارجۃ عن العادات واعتقادہم ان ذلک من السنۃ والمعاد و السنۃ شرک ذلک
 کما فیہ لم یرو فی ذلک شیء یعتمد علیہ ولا اثر صحیح یرجع الیہ وقد سئل بعض ائمۃ الحدیث

والفقہ عن الکحل والغسل والحناء وطبخ الحبوب ولبس الجدید واطهار السریر یوم عاشوراء
 فقال لم یرد فی حدیث صحیح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن احد من اصحابہ ولا استحباب احد من امتہ
 المسلمین الا من الاربعۃ ولا من غیرہم ولم یرد فی اللہ العتمة فی ذلک صحیح ولا ضعیف ما قبل
 ان من استحل یومہ لم یرد ذلک العام ومن اغتسل لم یرض کذلک ومن وسع علی عیالہ
 فیدوم اللہ سائر سنۃ علیہ امثال ذلک فکل ذلک موضوع الاحادیث التوسعة علی العیال
 لکن فی سندہ من تکرر فی فصاۃ وکلاء لجهلہم یتخذون صوما کذا کذلک جمیعہ بعض
 الحفاظ وقد صرح الحاکم بان الکتحال یومہ بدعۃ مع روایتہ خبران من کتحل بالاثمد یوم
 عاشوراء لم یروہ عنہ ابد الکتہ قال الزمکنرو من ثم اورده ابن الجوزی فی الموضوعات من طریق
 الحاکم وقال بعض الحفاظ ومن غیر تلک الطرق ونقل الجملہ عن الحاکم انہ لا حدیث فیضیہ غیر الصلوۃ
 کفضل الصلوۃ فی الاتقاق والنضار والادھان والاکتحال وطبخ الحبوب وغیر ذلک کلہ موضوع ومفتر وبنی
 صرح ابن المقیم ایضا فقال حدیث الاکتحال والادھان الطیب یوم عاشوراء من وضع الکذاہیین
 ان لوگون کی بدعتوں سے بھی بچنا چاہیے جو اہل بیت سے نفرت رکھتے ہیں یا فاسد کا قساو اور بدعت کا
 بدعت اور شر کا شر سے مقابلہ کرتے ہیں کہ عاشورے کے دن فرحت و سرور ظاہر کرتے ہیں اور اسے
 عید بنا لیتے ہیں اور اس دن خضاب سرمہ لگا کر نئے کپڑے پہن کر اور خربوچوں کو بڑھا کر اور خلات عادت
 کھا فون اور غلون کو پکا کر زینت ظاہر کرتے ہیں اور اس امر کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ سنت اور
 عادت ہے حالانکہ سنت ان تمام امور کا ترک کرنا ہے کیونکہ اسکے متعلق کوئی ایسی حدیث مروی
 نہیں ہے جس پر اعتقاد کیا جائے اور نہ کوئی صحیح اثر جو جس کی جانب رجوع کیا جائے بعض ائمہ
 حدیث و فقہ سے پوچھا گیا کہ عاشورے کے دن سرمہ لگانا غسل کرنا مندی لگانا غلہ کا پکانا اور نئے کپڑے
 پہننا اور خوشی ظاہر کرنا ایسا ہے تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم علیہ النجۃ والتسلیم سے اس کے متعلق کوئی
 صحیح حدیث مروی نہیں ہے اور نہ ان کے صحابہ سے اور ائمہ مسلمین اور ائمہ اربعہ وغیرہ میں سے
 کسی نے اسے مستحب نہیں لکھا ہے اور اسکے متعلق کتب متمدہ میں صحیح و ضعیف کوئی روایت مروی
 نہیں ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جس نے اس دن سرمہ لگایا سال بھر اسکی آنکھیں نہ دکھیں گی اور
 جس نے غسل کیا وہ سال بھر مریض نہ ہوگا اور جس نے اس دن اپنے عیال پر توسیع کی خدا اس پر

تمام سال تو سب کچھ اور اسی طرح کی اور باتیں تو ان میں تو سب علی العیال کے سوا سب حدیثین موضوع ہیں لیکن اس کی سند میں بھی ایسے لوگ ہیں جن میں کلام کیا گیا ہو پس لوگوں نے اپنے جمل کی وجہ سے اسے میلانا لیا ان سب امور کو اسی طرح بعض حفاظ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسکی تصریح کی ہے کہ عاشورار کے دن سرمہ لگانا بدعت ہے باوجودیکہ انھوں نے یہ روایت بھی کی ہے کہ جس نے عاشورار کے دن انڈ کا سرمہ لگایا اُس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی لیکن انھوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اسی وجہ سے اسے ابن جوزی رحمہ اللہ نے بطریق حاکم موضوعات میں روایت کیا ہے اور بعض حفاظ نے کہا ہے کہ اور دوسرے طریقوں سے بھی یہ حدیث ہے اور مجد نفوی رحمہ اللہ نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ عاشورار کے دن روزے کی فضیلت کے سوا اور تمام باتیں مثلاً اُس دن کی نماز اور خریج اور خضاب اور تیل اور سرمہ لگانے اور دانہ بیکانے وغیرہ کی فضیلتیں سب کی سب موضوع اور افترا ہیں اسکی تصریح ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی کی ہے پس انھوں نے کہا ہے کہ سرمہ اور تیل اور خوشبو لگانا عاشورار کے دن جھوٹوں کی وضع کی ہوئی باتیں ہیں واللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ علی الرب الحکیم۔ واقعی زینت لباس وغیرہ عاشورار کے دن بدعت قبیحہ ہے اور جو حدیثیں بعض ارباب سلوک اس باب میں لائے ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔ احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے ما ین کون فی فضائل عاشوراء وما یرد من التوسعة علی العیال وفضائل المصافحة والحناء والخضاب ولا غتسال ونحو ذلک وین کون فیہا صلوٰۃ کل هذا کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیہم فی عاشوراء الا فضل صیامہ وایضا فیہ قد یروج علی کثیر من بنسبک السنۃ احادیث یظنونھا من السنۃ وھی کذب باتفاق اہل المعرفة کلا حدیث المرویۃ فی فضائل عاشوراء وفضل الکحل فیہ ولا غتسال والخضاب والمصافحة ونحو ذلک جو فضائل عاشورار میں مروی ہیں اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ اُس میں توسیع کرنے سے عیال پر توسیع ہوتی ہے اور جو مصافحہ اور ہندی اور خضاب اور غسل وغیرہ کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں اور جو اس میں ایک نماز بیان کی جاتی ہے یہ سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب ہے عاشورار میں بجز روزے کی فضیلت کے اور کوئی بات صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کبھی اہل سنت کے نام سے بہت سی احادیث رواج

پا جاتی ہیں جنگی اہل حدیث کے نزدیک کچھ اصل نہیں ہوتی مثلاً وہ حدیثیں جو فضائل عاشوراء اور اُس دن سرمہ لگانے اور غسل کرنے اور خضاب لگانے اور معافی کرنے وغیرہ کو فضائل میں آئی ہیں۔ اور علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی رحمہ اللہ نے مقاصد حسنہ میں حدیث کحل کو موضوع لکھا ہے چنانچہ حرف المیم میں لکھتے ہیں من التحل بکلامہ یوم عاشوراء لعلہ ترمذ حنیئہ سائد الحاکم والدیلمی من حدیث جوید عن الفضال عن ابن عباس یہ مرفوعا قال الحاکم انہ منکر قلت بس موضوع اور وہ ابن الجوزی فی الموضوعات من ہذا الوجہ من حدیث ابی ہریرۃ جس نے عاشوراء کے دن سرمہ لگایا اُس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی اسے حاکم اور دیلمی نے جویر سے اُنھوں نے صحاح سے اُنھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے حاکم نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے میں کہتا ہوں بلکہ موضوع ہے اسے ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسی طریقہ سے روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موضوعات میں لکھا ہے۔ اور حدیث توسیع علی العیال کو حسن لکھے لکھا ہے من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء وسعہ اللہ علیہ السنۃ کلھا الطبرانی و البیہقی فی الشعب و فضائل الاوقات و ابوالشیخ عن ابن مسعود الا وہان فقط عن ابی سعید والثانی فقط عن ابی ہریرۃ و جابر قال العراقی فی امالیہ حدیث ابی ہریرۃ لہ طریق صحیح فی بعضها ابن ناصر الحافظ جس نے عاشوراء کے دن اپنے عیال پر توسیع کی اسے اُس پر پورے سال توسیع کرے گا اسے طبرانی اور بہقی نے شعب الایمان اور فضائل اوقات میں روایت کیا ہے ابوالشیخ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اول کی دونوں حدیثوں کو صرف ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اور دوسری کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے عراقی نے ابی امالی میں روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے کئی صحیح طریقے ہیں بعض میں حافظ ابن تہیمہ بھی ہیں۔ الحاصل عاشوراء کے دن روزے اور عیال و احباب پر توسیع طعام کے علاوہ کہ یہ دونوں احادیث سے ثابت ہیں اور کچھ نہ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفوریہ القوی ابو الحسن محمد عبدالحی تاجوازلہ عن ذنبہ الجلی واخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی مترجم کہتا ہے عاشوراء کو متعلق حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ثابت من السنہ میں بہت طویل بحث کی ہے اور میں نے اُسکا ترجمہ کیا ہے جس کا نام الاقوال المرضیہ ہے اور اصل کتاب پر حاشیہ بھی لکھا ہے جس کا نام للناسخہ ہے

جسکو یہ سمجھتا اچھی طرح دیکھنا ہو وہ ثابت من السنہ اور اسکا ترجمہ اور حاشیہ دیکھے۔ اسکے علاوہ اتمام
یوم عاشوراء کو میں نے نہایت بسط سے جلیس الناصحین ترجمہ انیس الواعظین میں اصل کتاب پر
اضافہ کر کے لکھا ہو اس کے مطالعہ سے شہدائے معرکہ کربلا کے اسباب بھی معلوم ہو جائیں گے
انتہی سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور ائمہ اربعہ
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مصافحہ کرنا رخصت کے وقت مسافر سے ہو خواہ غیر مسافر
سے ثابت ہو یا نہیں اور ثبوت کی صورت میں سنت مؤکدہ ہو یا کیا جواب مصافحات
کے وقت سنت ہو خود حضور روحی فداہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ملاقات کے وقت
مصافحہ کرتے تھے اور اس پر ترغیب دیتے تھے۔ ابو داؤد نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت
کی ہو ما لقیتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قط الا مصافحنی میں جب نبی کریم علیہ التحیۃ
والتسلیم سے ملا تو آپ نے مصافحہ ضرور کیا۔ اور طحاوی نے شرح معانی الآثار میں شعبی رضی اللہ
عنه سے روایت کی ہو ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا اذا التقوا تصافحوا
واذا قل صوا من سفر تحلقوا حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والنا کے اصحاب رضی اللہ عنہم جب
ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے واپس آتے تو معانقہ کرتے۔ اور ترمذی نے براہین عائدہ
رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا التقا المسلمان
فصافحا وحمل اللہ واستغفر غفر لهما براہین عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سرور
کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا ہو کہ جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ و معانقہ و استغفار
کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انکو بخش دیتا ہو۔ اور اسی طرح احمد اور طبرانی اور ہزار رضی اللہ عنہم وغیرہ نے
روایت کی ہو ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہو اور کسی حدیث
سے حضور کا یا حضور کے اصحاب کا رخصت کے وقت مصافحہ کرنا ثابت نہیں ہو۔ ملائی قاری
رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں محل المصافحۃ المشروۃ اول الملاقات مصافحہ مشروعہ کا
محل اول ملاقات ہو اس سے رخصت کے وقت مصافحہ کا سنت نہ ثابت ہو۔ واللہ اعلم بحرہ
الراجی غفر ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجوا المدعن ذنبہ اکل والحفی ابو الحسنات محمد عبدالحی صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم کا رخصت کے وقت مصافحہ کرنا مسافر سے ہو یا غیر مسافر سے کتاب شرعہ الاسلام میں

مذکور ہو جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتوا فوا تعانقوا
اذا اتفرقوا تصامحوا وحملوا اللہ واستغفروا وهذا ذلک فان التمسوا واقترعوا فی الیوم حراماً
صحابہ جب ملتے معافتہ کرتے اور جب علیحدہ ہوتے مصافحہ اور اللہ کی حمد اور استغفار کرتے اگرچہ وہ
ایک دن میں کئی مرتبہ ملتے اور علیحدہ ہوتے۔ البتہ خود جناب رسول خدا علیہ التحیۃ والتسلیم اور نبیین
اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے رخصت لے و ملتے مصافحہ کرنا اب تک
میری نظر سے نہیں گزرا اور صحابہ سے بھی اگر کسی کتاب میں دیکھا نہیں گیا اور در صورت ثبوت سنت
مؤکدہ نہیں ہو۔ والد علیہم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب ائیکم۔ اصحاب المجیب کتبہ محمد امان الحق
عفی عنہ سوال ایک شخص چار کی قوم میں سے ہے اور وہ اب تک اپنے باپ دادا کے دین پر ہے
لیکن والد اس نے اپنی لڑکی کی شادی کی اور تمام رسوم مثلاً شراب خواری ناجیہ پو جا آتش بازی
کے ادا کیے چنانچہ صرف شراب دو ہزار روپیہ کی آئی تھی و قس علی ہذا اور چند مسلمانوں کی بھی دعوت
کی اور جب مسلمانوں نے انکار کیا تو اُس نے ایک مولوی صاحب کو کچھ نذر دیکر یہ کہلا دیا کہ ایسی
دعوت کا قبول کرنا درست ہے اور ان مولوی صاحب کے ساتھ چند اور مسلمانوں نے بھی دعوت
قبول کی اور اُسکے یہاں جا کر کھانا کھایا یا جو دیکر اشیائے مذکورہ موجود تھے اب عوام الناس
میں بڑا فساد برپا ہے بعض کہتے ہیں کہ ایسی دعوت کا قبول کرنا درست ہے ورنہ فلان مولوی
صاحب کیوں قبول کرتے اور بعض کہتے ہیں کہ نادرست ہے کیونکہ ایک تو وہ چار ہے دوسرے وہاں
پو جا وغیرہ ہوا لہذا مطلع فرمائیے کہ مولوی صاحب کا کناسق تھا یا ناحق اگر حق تھا تو حقیقت کی دلیل کیا
ہو اور اگر ناحق تھا تو انکو کیا لازم ہے اور مسلمانوں کو چار کی دعوت قبول کرنا درست ہے یا نہیں
اور جو شخص ایسی محفل میں جائے اور کھائے اور محفل کی زینت بڑھائے وہ فاسق ہوتا ہے یا نہیں
جو اب جس محفل میں ان امور کا ہونا پہلے سے معلوم ہو اُس میں کسی مسلمان کو جانا اور شرکت
کرنا درست نہیں ہے بلکہ برضا و رغبت ایسے امور میں شرکت کرنا فسق ہے اور اگر ان امور کا ہونا پہلے
سے معلوم نہ تھا بلکہ صاحب دعوت کے یہاں پہنچنے کے بعد معلوم ہوا تو اگر یہ محرمات اُسی مقام
پر ہوں جہاں کھانا کھلایا جاتا ہے تو وہاں سے بے کھانا کھائے واپس آنا لازم ہے اور اگر دوسرے
مقام پہنچا تو اگر یہ شخص جس کی دعوت کی گئی ہے مقتدا ہے مثلاً عالم یا مفتی ہے تو اُسکو دعوت

اعتقاد سے نجات پانے کے سوال مردے کو قبر میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک دکھایا جاتا ہے یا نہیں جواب مردے کو قبر میں جمال مبارک کا دیکھنا ثابت نہیں ہے جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے رسالہ شرح الصدور میں ہے مسئلہ الحافظ ابن حجر ہل یکشف للمیت حتی یری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجاب بانه لم یرد هذا فی حدیث وانما ادعاه بعض من لا یحتاج بہ لغیر مستند سوی قولہ فی هذا الرجل ولا حجة فیہ لان الاشارة الی الحاضر فی الدفن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا میت پر کشف ہو سکتا ہے کہ وہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ کسی حدیث میں وارد نہیں ہے البتہ اس کا دعویٰ چند ایسے لوگوں نے کیا ہے جو قابل احتجاج نہیں ہیں اور ان کے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں ہے بجز لفظ ہذا الرجل کے لیکن اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ ہذا کا اشارہ حاضر فی الدفن کی طرف ہے سوال بعض کہتے ہیں کہ حضور رسول خدا علیہ التحیۃ والتثانی فرمایا ہے جو تم سے احترام کرے تم اس سے احترام کرو آیا یہ احترام صرف اکل و شرب میں ہے یا تمام امور مشاورت و دست و غیر میں بھی جواب جملہ امور موافقت اور محبت میں کفار سے احترام اولیٰ ہے سوال کتاب جو نجس العین ہے اس کا پانا جائز ہے یا نہیں اور کتے کا گھر میں ہونا نزول ملائکہ کے لیے سد راہ ہے یا نہیں جواب شکار کے لیے اور کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتا پالنا جائز ہے اور بے ضرورت پانا ناجائز اور باعث حرمان ثواب اعمال صالحہ ہے موطا میں امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں اخبرنا مالک اخبرنا یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید انه سمع سفیان بن ابی زہیر یحدثنا وانا سامعہ فوعند باب المسجد قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اقتنی کلبا لا ینفعہ یوم القیامہ ولا ضرعاً نقص من عملہ کل یوم قیرا ط قال محمد بیکہ اقتناء الکلب ینقص من عملہ کل یوم قیرا ط والضرع الا حصید والحرس فلایس خیرنا مالک عن عبد الملک بن مہاجر عن ابراہیم النخعی قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اهل البیت الفاضل فی الکلب یتخذونه قال محمد فهذا للحرس خیرنا مالک اخبرنا عبد اللہ بن حنیف عن ابن عمر قال من اقتنی کلبا الا کلبا ماشیة او ضلیا نقص من عملہ کل یوم قیرا ط ان ہمین ملک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ہمین یزید بن خصیفہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے انھیں خبر دی کہ انھوں نے سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ کے مقلق بیان کیا ہے وہ مسجد کے

دروازے پر حدیث بیان کر رہے تھے اور میں سن رہا تھا انھوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ
 والتسلیم سے سنا ہے کہ جس نے کتا یا لالہ نفع حفاظت زراعت یا دودھ والے جانوروں کے اسکے
 اعمال سے ہر دن ایک قیراط کم کر دیا جاتا ہے امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بلا کسی نفع کے کتا پالنا مکروہ
 ہو البتہ زراعت۔ دودھ والے جانوروں۔ اور شکار کے لیے کتے کے پالنے میں کچھ حرج نہیں ہے
 ہم سے مالک رضی اللہ عنہ نے اُسے عبد الملک ابن میسرہ رضی اللہ عنہ نے اُسے ابراہیم نخعی رضی اللہ
 عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کے گھر آبادی
 سے دور ہوں انھیں کتا پالنے کی اجازت ہے امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حفاظت بیوت کی
 غرض سے ہے ہم سے مالک نے اُسے عبد اللہ بن دینار نے اُسے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان
 کیا ہے کہ جس نے حی فظ یا شکاری کتے کے سوا کسی اور کتے کو پالا اُسکے دل سے ہر دن دو قیراط کاٹ
 لیے جائیں گے اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ کتا پالنا اور کتے کا گھر میں ہونا نزول ملائکہ رحمت
 کے لیے سد راہ ہے سیوطی رحمہ اللہ احباب مالک فی اخبار الملائک میں لکھتے ہیں اخر جہا بن ماجہ
 عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ کلب ولا صوی
 واخر جہا بن ماجہ وصحیح ابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم لا تصحب الملائکۃ رفقة فیہا کلب ولا جہنم ولا خیر ابوداؤد والنسائی و
 المحاکم عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ صورة
 ولا کلب ولا جنب ابن ماجہ نے حضرت علی کریم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرور کائنات
 علیہ السلام والصلوۃ فرماتے تھے کہ ملائکہ اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر بن ہوئی
 ہیں احمد مسلم ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ملائکہ
 اُن رفیقوں کے ساتھ نہیں ہوتے جن میں کتا یا گھٹا ہوتا ہے ابوداؤد نسائی اور حاکم
 نے حضرت علی کریم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ ملائکہ
 اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویر بن کتے یا ناپاک لوگ ہوتے ہیں سوال اگر زوجہ زوج کی
 تابعداری نہ کرے اور اسکی بات نہ سنے باوجودیکہ بقدر وسعت اُسے فمائش بھی کی گئی ہو تو شوہر
 کو کیا لازم ہوگا اور زوجہ کو والدین کی تابعداری زوج کی تابعداری سے مقدم رکھنا کیسا ہے

جواب زوجہ پر والدین کی تابعداری سے زوج کی تابعداری مقدم ہے اور جو زوجہ زمین کی بے وفائی پر مستعد رہے تو زوج کو چاہیے کہ پہلے زبانی فحاش کرے اگر نہ مانے تو اس سے کلام اور محبت کرنا ترک کرے تاکہ اس کو تنبیہ ہو جائے اگر اس پر بھی تنبیہ نہ ہو تو اس کو مارے نہ ایسی مار جو زائد محکیمہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللّٰتی تخافون نشوزھن فہنّ خلوسنّ اھجرھن فی المضاجع واضربھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سلاسل من عورتوں سے شوہر کو نا فرمانی کا خون ہو انھیں نصیحت کریں اور خواب گاہوں میں انھیں تنہا چھوڑ دین اور انھیں ماریں لیکن اگر وہ اطاعت کریں تو انھیں نقصان پہنچانے کی راہ نہ تلاش کرو۔ اور حکیم ترمذی نوادر الاصول میں لکھتے ہیں عن انس ان رجلاً اطلق غازیاً و اوصی لامرأتہ ان لا تنزل من فوق البیت کان والدہا فی النفل البیت فاشتکی ابوہا فارسلت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخبرہ و تستامر فیہا فارسل الیہا التّی اللہ و اطیع زوجتہ ثم ان والدہا تو فی فارسلت الیہا تستامر فارسل الیہا و بمثل خلدی و اخرج البزار والطبرانی فی الاوسط عن عائشۃ سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای لئاس اعظم حقاً علی المرأة قال نہدجہما قلت ای الناس اعظم حقاً علی الرجل قال امہ و اخرج ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و البیہقی فی سننہ عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ و اللّٰتی تخافون نشوزھن قال تلک المرأة تنشز و تستخف بحق زوجہا و لا تطیع امرأۃ فاحذر اللہ ان یعظہا منک و کما ہذا اللہ فان قبلہ و لا یحصرھا فی المضاجع و لا یکلہا من غیر ان یدر نکاحھا فان جئتک فاضربھا ضرباً غیر مبرج و لا یکسرھا عظاماً و لا یجرح جرحاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جنگ پر گیا اور اپنی بی بی کو علم دے گیا کہ گھر کے کوٹھے سے نہ اترے اور اس کا باپ گھر کے بیچے کے حصے میں رہتا تھا اس کے باپ نے شکایت کی اور اس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیجا کہ آپ سے واقعہ بیان کرے اور حکم طلب کرے پس آپ نے اسے جواب کہلا بھیجا کہ خدا سے ڈر اور اپنے شوہر کی اطاعت کر پھر اس کے باپ نے انتقال کیا پس اس نے آپ سے دریافت کیا کہ اب آپ کیا حکم دیتے ہیں پھر آپ نے وہی جواب دیا بزار اور طبرانی نے اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ سے دریافت کیا کہ عورت پر سب سے زائد کس کا حق ہے تو اپنے فرمایا شوہر کا میں نے عرض کیا کہ مرد پر سب سے زائد کس کا

حق ہو فرمایا مان کا ابن جریرہ ابن منذر۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی رضی اللہ عنہم نے اپنی سنن میں آیہ
واللذاتی تحافون نشونہن کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے ثلاث
المرأة تلشز و تشخف بحق زوجھا یعنی یہ عورت اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کرتی ہے اور
اُس کے حکم کو نہیں مانتی ہے خدا نے اُس کے متعلق نصیحت کی ہدایت فرمائی ہے اگر وہ اس سے
اثر لے تو غیر ورنہ اُسکے پاس نہونا اور اُس سے بات کرنا ترک کر دے بلاناہج سے خارج
کیے ہوئے اگر اس سے بھی وہ نہ مانے تو اُس سے مارے گرنے لیا کہ اُسکے سخت چوٹ آئے یا ہڈی
ٹوٹ جائے یا زخمی ہو جائے سوال سیاہ خضاب لگانا حرام محض ہے اسکا مرکب صرف خاکی ہے یا مرکب
گناہ جواب خالص سیاہ رنگ کا خضاب لگانا ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے ابن حجر کی رحمۃ اللہ نے روایت
میں اسکو کہا ہے میں شمار کیا ہے کیونکہ حدیث میں وارد ہے یكون فی اخر الزمان قوم یخضون
بالسواد کھواصل الحما لا یجدون راحة الجنة یعنی آخر زمانے میں ایسے لوگ ہونگے جو
سیاہ خضاب کریں گے کہ بترون کے دانہ دان کے رنگ کے موافق وہ جنت کی بوٹہ پائیں گے
اسکو ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور طبرانی نے روایت کی ہے من خضب بالسواد
سود الله وجهه یوم القيامة جس نے کالا خضاب کیا قیامت کے دن اللہ اُسکا منہ کالا کرے گا
اور ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح شامل میں لکھتے ہیں ذهب اکثر العلماء الى کراهة الخضاب
بالسواد وجنہ النودی الى انها کراهة تحريم من العلماء من خص فيه الجهاد و لم یخص
فيه لخبیہ اکثر علماء سیاہ خضاب کے کراہت کے قائل ہیں ثوری رحمہ اللہ اُسکے مکروہ تحریمی ہونے کی
طرف مائل ہیں اور بعض علما نے بغرض جہاد ایسا کرنے کی اجازت دی ہے لیکن کسی اور غرض سے ایسا
کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ اور اگر خالص سیاہ نہ تو درست ہے جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ موطا میں لکھتے ہیں
لا نرى بالخضاب بالوسمة والحناء والصنقر یا ساء وسمه خا اور زروی کے خضاب میں ہمارے
نزدیک کچھ حرج نہیں ہے سوال سائڈ کا کھانا درست ہے یا نہیں جب وہ کسی خاص شخص کی ملک
نہیں ہے تو خدا کے نام سے فیج کر کے کھانا جائز ہوگا یا نہیں جواب جائز ہوگا جب تک اُس کا
مالک اجازت نہ دے اس وجہ سے کہ چھوڑ دیے ہوئے جانور مالک کی ملک سے نہیں نکلتے اور
نہ پانے والا اُن کو مالک کی ملک سے نکال سکتا ہے۔ رد المحتار میں ہے المختار فی الصيد انه لا یملک

اذا لم یجد وکن اخی الدابت اذا سبھا کما یسطہ الشر بن لالی شکار کے متعلق مختاریہ ہے کہ جب تک
اُسے مبل نہ کرے (یعنی ذبح کر کے) اُسکا مالک نہ ہوگا اور یہی حال چوپایہ کا ہے جبکہ اُسے بکر کے لالہ
جیسا کہ شر بن لالی رحمہ اللہ نے اسکی وضاحت کی ہے۔ اور مختار میں ہے ان کا نہ مرسلہ فھو مال
الغیوض لا یجوز تناولہ الا باذن صاحبہ اگر کوئی جانور چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ دوسرے کا مال ہے بلا اجازت
اُسکے مالک کے اُسکا کھانا دست نہیں ہے سوال شیر کی چربی کا دوا مالش کرنا جائز ہے یا نہیں
اور بغیر اُسکے دھوئے ہوئے نماز درست ہے یا نہیں جواب شیر کی چربی حرام اور نجس ہے اور تداوی
بالحرم میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض مطلقاً ممنوع کہتے ہیں اور بعض بشرط ضرورت اس طرح کہ
کہ باخبر طبیب حاذق مسلم یہ معلوم ہو کہ اُس مرض کی کوئی اور دوا نہیں ہے اور اس میں شفا
مظنون ہے جائز رکھتے ہیں۔ جیسا کہ در مختار میں ہے اختلاف فی التداوی بالحرم فظاہر للذہب
المنع کما فی رضاع البصر لکن نقل المصنف عن الحارثی قیل ترخص اذا علم فیہ الشفاء
ولم یعلم دواء آخر کما ترخص الحارثی للعطشان وعلیہ الفتوی حرام چیز سے دوا کرنے میں خجالات
ہے ظاہر مذہب یہ ہے کہ ممنوع ہے جیسا کہ بحر کے باب رضاع میں ہے لیکن مصنف رحمہ اللہ نے حاوی سے
نقل کیا ہے کہ اسکی اجازت ہے جب یہ معلوم ہو کہ اُس سے شفا ہو جائے گی اور اُسکے سوا دوسری
دوا نہ معلوم ہو جیسا کہ پیا سے کے لیے شراب حلال ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ اور بر تقدیر استعمال بغیر دھوئے
ہوئے کوئی نماز جائز نہیں ہے سوال کس چیز کا خضاب کرنا مسنون ہے اور کس حدیث سے ثابت
ہے جس چیز کا مسنون ہے اُسکے سوا دوسری چیز کا خضاب جیسے وسمہ نیل کا یا دوسرا نسخہ ہو تو کیا حکم
ہے اگر مانعت ہے تو کس حدیث سے اور جائز ہے تو کس حال میں یعنی روزگار پیشہ کو یا ہر شخص کو اور اگر
مانعت ہے تو کس طرح سے اور اسکی غلات روی میں کس طرح کا عذاب ہوگا یا کس نعیم جنت سے
محروم رہے گا اور اس کا جواز یا حرمت متفق علیہ ہے یا مختلف فیہ جواب خضاب کرنا نسخ
یا زرد یا اور کسی رنگ کا سواے خالص سیاہی کے مستحب اور خضاب نہ کرنا اور سفیدی قائم رکھنا
بھی جائز ہے اور سیاہ خضاب ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے الخضاب بل الخلاء
حسن مندی کا خضاب کرنا اچھا ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضور سرور کائنات علیہ السلام واصلوۃ
سے مروی ہے غیر دھندل الثیب واجتنبوا السواد سفیدی کو خیر کرو اور سبیل ہی سے بچو۔ اور

اور فتویٰ بھی مختلف ہو فقہا کی ایک جماعت مطلقاً عدم جواز تداوی کا فتویٰ دیتی ہے اور ایک جماعت بضرورت تداوی بالحرم کو جائز دیکھتی ہے لیکن بظاہر اگر کوئی شخص جم غفیر علماء کے فتوے کے موافق بضرورت اشیاء محرمہ کا استعمال کرے گا تو مواخذہ نہوگا۔ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں

الجماعہ عن حدیث العربیین بان نقل کان للضرورة فلیس فیہ دلیل علی انہ مباح فی غیر حال الضرورة ولا نثہ اشیاء انقضت فی الضرورات ولم ینح فی غیرہا کما فی فلیس الحرم مرفاً نہ حرام للرجال وقد ابحہ لیس فی الحرب اول الحکۃ اول شدۃ البداد العجید غیرہ ولا مثل کثیر فی الشرع و قتال ابن حزم صحیحینا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما امر ہمدان علی سبیل اللہ او ملین سبیل اللہ کان اصابعہم والاندک و فترۃ ضروریۃ وقد قال اللہ لا ما اضطر تو لا یضطر الیہ و غیرہ علیہ من کل الشیء بہ حدیث عربیین کا یہ جواب لیا تاہی کہ وہ بوجہ ضرورت تھا اس میں بلا ضرورت مباح ہونے پر دلیل نہیں ہے کیونکہ بہت سی چیزیں ضرورت کے وقت جائز کر دی گئی ہیں لیکن بلا ضرورت وہ مباح نہیں ہیں جیسا کہ رشید کا پہننا کیونکہ وہ مردوں کے لیے حرام ہے لیکن جنگ میں اور خلافت کی وجہ سے اور شدت سر میں جب کہ اُسکے سوا اور کوئی چیز نہ ملے تو اُسکا پہننا جائز ہو جاتا ہے شرع میں اسکی بہت سی شالین مل سکتی ہیں اول ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ بات یقیناً صحیح ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو اس کا حکم اس غرض سے دیا تھا کہ جو مرض اُنکو ہو گیا تھا اُسکا علاج ہو جائے اور علاج بمنزلہ ضرورت کے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر وہ چیزیں جن کی طرف تم مجبور ہو جاؤ پس وہ حرام نہیں ہیں کھانے کی ہوں یا پینے کی سوا اللہ و قال شہادت امام حسین علیہ السلام وغیرہ میں سامان کرنا اور اُس پر رونا اور رلاتا اور اُسکے واسطے مجلس تعزیت کا انعقاد کرنا موجب ثواب ہے یا باعث عقاب اور نوحہ و مرثیہ خوانی جس پر وعید نازل ہوئی ہے اُنکی یہی حقیقت ہے کہ موتی کے مصائب و تکالیف بیان کیے جائیں یا کچھ اور جواب نفس ذکر محاسن موتی اور اُس پر افسوس کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ بلند آواز سے رونا یا نصیحت آواز کو بلند کرنا یا مصائب و مناقب بیان کرنا ممنوع اور نوحہ میں داخل ہے شیخ الاسلام محمدی رحمہ اللہ زبانِ فاخری لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے بلند آواز سے رونا جس کو حدیث میں شیطان کی آواز کہتے ہیں حرام ہے خصوصاً جب اُسکے ساتھ مردے کے مناقب جمع کیے جائیں جیسے جاہلون کی عادت ہے البتہ اصل ثنا اور ذکر محاسن مردہ برد و جندیہ جائز ہے بلا کہ اسے اسی طرح اصل رونا جو رقت قلب کی وجہ سے ہو

بے جرم و اضطراب کے جائز ہے بلکہ احادیث میں اسکو رحمت لکھا ہے اور ایسا ہونا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار ثابت ہے انتہی۔ اور نفس بیان و قائل شہادت اور اس پر رونالہ بشرطیکہ نوحہ وغیرہ سے خالی۔ ہو درست ہے اور تشبیہ و وافض کی وجہ سے مجلس نہ کرنا چاہیے۔ جامع الرموز میں ہے: اذا اودع کو مقتل الحسين يبيع ان يدكر او لا مقتل سائر اصحاب فذلك لا يشابه الروافض كما في العون جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ بیان کرے تو اُسکے پہلے تمام صحابہ کے شہادتوں کے واقعے ضرور بیان کرنا چاہیے تاکہ روافض کی مشابہت نہ ہو جیسا کہ عون میں ہے۔ اور صراط مستقیم میں بزبان فارسی لکھا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے مجلس منع کر کے شہادت امام کا ذکر کرنا تاکہ لوگ سنین اور اور افسوس کر کے روئیں گونہ ظاہر کوئی نقصان نہیں رکھتا مگر دراصل یہ بھی برا اور مکروہ ہے۔ اور مجلس الابرار میں ہے: قد روی احمد وابن ماجہ عن فاطمة بنت الحسين عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من مسلم يصيب المصيبة فيذكرها وان قدم محمد فاحمد فاشهدا الا استرجع الا لكتب له اجور مثله اليوم اصيب هذه الحديث رواه الحسين وعنه ابنه التي شهادته مصرعة قد ثبت في علم الله ان مصيبة الحسين يذكر مع تقادم العهد وكان من سنة الاسلام ان تخرج هذه السنة كما ذكر ذلك المصيبة بان يسترجع لها فيكون الانسان من الاخر الذي كان من سنة الاسلام ان تخرج هذه السنة كما ذكر ذلك المصيبة بان يسترجع لها فيكون الانسان من الاخر نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے اور وہ اُسے یاد کرتا ہے اور اُس کی وجہ سے انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے تو اُسے اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا کہ اُس مصیبت کے دن ملا تھا اگرچہ وہ مصیبت بہت پرانی ہو گئی ہو یہ حدیث امام حسین علیہ السلام نے اور اُنکی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو اُنکے ساتھ کربلا میں گئیں تھیں روایت کی ہے خدا اس بات کو جانتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت باوجود زمانہ گزر جانیکے بھی یاد کی جائیگی اور اسلام کی سنت یہ ہے کہ سنت جاری رہے یعنی جب کبھی اس مصیبت کا ذکر کیا جائے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے پس انسان کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اُس شخص کو ملا تھا جس نے اُس مصیبت کے دن انا للہ وانا الیہ راجعون کو پڑھا تھا سوال شافعی گفت کہ شرط بیع مباح است معلوم ہو کہ مبادیہ کہ جزا راست نہ فرمود امام بد جنبل گفت کہ اگر زانکہ بزم دیابی یا بیستہ بنگ تناول کن و سر خوش بخرام بدو حنیفہ بہ ازان گوید در باب شراب بد کہ نه جو شیدہ بخورتانہ بود

ہر تو حرام ہے گرنی بیروی مفتی چارم مالک و اوہم ازہر تو بخیر کند و علی غلام بد جنگ و بی میخو رو کون میکن
وہی باز قمار کہ مسلمانی بر این چار امام است تمام بد ان اشعار کا کیا مطلب ہے جواب یہ اشعار
مشتمل ہیں ائمہ اربعہ کے افراط پر اور متضمن ہیں اقوال مردودہ پر اُس کا بیان یہ ہے کہ شافعیہ کے
نزدیک اگرچہ شطرنج فی نفسہ حرام نہیں ہے لیکن خالی از کراہت نہیں ہے اور اُس پر ہمیشگی کرنا گناہ
صغیرہ ہے اور اگر اذمال اور قمار کو شامل ہو تو حرام ہے پس مطلقاً شطرنج کے حلال ہونی کی نسبت
خصوصاً جبکہ قمار کو شامل ہو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف کرناستان ہے۔ علامہ کمال الدین موسیٰ دہری
شافعی رحمہ اللہ نے حیات الحيوان من عقرب کی بحث میں لکھا ہے لعل الشطرنج مکروہ کراہۃ
تنزیہ وقیل حرام وقیل مباح والا اول اصح واما اذا انضم اليه اشتغال عن صلوة او غيره
فالخبر بعد ذلك ليس المشطرنج نفسه فهو مكروه اذا لم يواطى عليه فان واظب عليه
فانه يصير صغيره كما ذكره الغزالي في كتابه التوبة من الاحياء شطرنج کھیلنا مکروہ ہے کراہت
تنزیہی اور بعضوں کے نزدیک حرام ہے اور بعضوں کے نزدیک مباح ہے لیکن اصح اول ہے مگر جب کہ
اسکی بدولت نماز وغیرہ چھوٹ جائے پس اس صورت میں تحریم نفس شطرنج کی نہیں ہے بلکہ وہ
مکروہ ہے جب تک کہ اُس پر دوام نہ ہو اور اگر دوام ہو تو گناہ صغیرہ ہے جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے
احیاء العلوم کی کتاب التوبہ میں لکھا ہے۔ اور ابن حجر کی رحمہ اللہ بیہشتی شافعی زواجر عن اقرات الکبائر
میں لکھتے ہیں فی فتاویٰ النووی الشطرنج حرام عند اکثر العلماء وکذا عندنا ان فوت بہ
صلوة اولعب به على عوض فان التقى ذلك كره عند الشافعي وحرر عند غيره فتاویٰ
نووی میں ہے اکثر علما کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور ہمارے نزدیک بھی اسکا یہی حکم ہے اگر اسکی بدولت
نماز جائے یا اگر بازی بد کے کھیلی جائے پس اگر یہ باتیں نہ ہوں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کپڑا
اور دوسروں کے نزدیک حرام ہے۔ اور امام احمد حنبل رحمہ اللہ کی طرف جنگ کے حلت کی نسبت کرنا
بھی درست نہیں ہے جنگ جب کو عربی میں خشیشہ اور درق القنب کہتے ہیں ائمہ اربعہ کے زمانے
میں تھی بلکہ ایک مدت کے بعد شائع ہوئی ہے اور بالاتفاق فقہائے مذاہب اربعہ نے اسکی حرمت کا
فتویٰ دیا ہے۔ زواجر میں ہے وحک الغزالی وابن تیمیہ الاجماع علی تحريم الحشيشة قال ومن
استحلها فقد كفر لما ابيح حکم فیہا الا یتمۃ الاربعة لا فما مدت کن فی زمنہم وانما اظہرت فی

آخر المائۃ السادسة واول المائۃ السابعة حين ظهرت دولة التتار فرأى اور ابن تيمية
رحمہ اللہ نے بھنگ کی حرمت پر اجماع لکھا ہے اور کہا ہے کہ جو اسے حلال کہے وہ کافر ہے اور ایسے اربعہ
نے اس میں اس وجہ سے کچھ نہیں فرمایا ہے کہ اُنکے زمانے میں یہ پانی نہیں جاتی تھی بلکہ چھٹی
صدی کے آخر اور ساتویں صدی کے شروع میں تاتاریوں کی سلطنت کے زمانے میں ظاہر ہوئی ہے
اور شراب پوشیدہ کی حالت اگرچہ بعض کتب خفیہ میں واقع ہے مگر وہ قول مردود ہے اور امام ابو حنیفہ
رحمہ اللہ کی جانب اس کی نسبت کرنا افتراء ہے۔ منع الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے الطبخ لا یونوفیہا
لانہ للمنع من ثبوت الحرمة لا لرفعہا بعد ثبوتہا الا انہ لا یجحد فیہ مالہ لیسکرم علی ما
قالوا لان الحد فی القی خاصۃ لما ذکرنا فلا یتعدی الی المطبوخ ذکرة فی تبیین الکفر من غیر
ذکر خلوات وھذا ہوا الظاہر الذی یجب ان یعول علیہ وبید یظہر انک ضعت ہاتق القیۃ من قبلہ
ختم تحت ذلت ہزار تھا حلت شراب کے پکانے سے کچھ آخر نہیں آتا کیونکہ پکانا ثبوت حرمت سے مانع
ہے لیکن ثابت ہو جانے کے بعد اس سے حرمت مرتفع نہیں ہو سکتی مگر یہی ہوئی شراب کے پینے والے
پر حد اس وقت تک جاری نہ ہوگی جب تک کہ اسے نشہ نہ چڑھے کیونکہ حد خاص شراب ہی میں ہے پس
مطبوخ تک اس کا اثر نہ پہونچے گا اسے تبیین الکفرین بلا خلاف ذکر کیا ہے اور یہی ظاہر ہے اس کی پر اعتماد
کرنا چاہیے اور اسی سے ٹکو قنیہ کے اس کلام کا ضعف معلوم ہو جائے گا کہ شراب جب پکائی گئی
اور اس وجہ سے اس کی تیزی جاتی رہی وہ حلال ہے۔ اور ایسا ہی درختار وغیرہ میں ہے۔ اور دانتھار میں
ہے لعل هذا الفرج متفرج علی ما قد مناه عن بعض المعتزلة من ان الحرام من الخمر هو
المسکوب والعلیہ انہ فی القنیۃ نقلہ عن القاضی عبد الجبار واحد مشائخ المعتزلة شاید
اس پر متفرج ہو جو پہننے بعض معتزلہ سے پہلے نقل کیا ہے کہ حرام شراب وہی ہے جو مسکر ہو اس پر یہ بات
دلائل کرتی ہے کہ قنیہ میں اسے قاضی عبد الجبار نے جو معتزلہ کے مشائخ میں سے ہے نقل کیا ہے۔ اور
امام مالک رحمہ اللہ کی جانب حلت لواطت کی نسبت کرنا بہتان ہے۔ رحمۃ اللہ فی اختلاف الایمہ
میں لکھا ہے اتفق الایمۃ الاربعۃ علی تحريم اللواط ولانہ من الفواحش اعظام وھل یوجب
الحد قال الثلاثة یوجب الحد وقال ابو حنیفہ یعزذ فی اول صرۃ فان متکرر منه قتل
ایمہ اربعہ نے حرمت لواطت اور اُسکے بڑے ہونے پر اتفاق کر لیا ہے اور ایسے ثلثہ کے نزدیک اس پر حد

واجب ہو اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی مرتبہ تعزیر کیجانیگی اور پھر اگر کرے تو قتل کر دیا جائے گا سوال جو شخص علما کو عداوت بنی کی گالی دے یا لجاجت کرے تو کیسا ہو جواب اگر گالی دینے سے استخفاف علم و تحقیر علما من حیث العلم مقصود ہو تو فقہانے اس کے کفر کا حکم دیا ہے ورنہ اس کے فاسق اور فاجر ہونے کا حکم دیا ہو اور ایسا شخص دنیوی اور دوزخی عذاب میں مبتلا ہو گا فتاویٰ بزاز یہ میں ہر الاستحقاق بالعلماء لکھو غم علماء استحقاق بالعلم والعلم صفة الله صفة وفضلہ علی خیارہ وقلید لو اخلقه علی شرعہ نیابتہ عن رسولہ فاستخفافہ بحد العلم انہ الی من یدفع عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کی ہتک کرنا علم کی ہتک ہو اور علم الہدی صفت ہو جسے اُس نے اپنے فضل و کرم سے بہترین ہندون کو عطا کیا ہو تاکہ اُسکی مخلوق کو رسولوں کی نیابت میں ہدایت شروع کریں اس سے معلوم ہوا کہ اُسکی یہ تہک کس جانب راجع ہوتی ہو۔ اور نور الدین علی سمودی رحمہ اللہ اپنے رسالہ جواہر العقیدین فی فضل الشریقین میں لکھتے ہیں قد ترجمہ الامام النووی فی مقدمہ شرحہ للمہن بالنہی الاکید والوعید الشدید ان یوذی وینقص الفقہاء والحجۃ علی اکرانہم تعظیم حرما تمہم ثم اورد قوله تعالى ومن یعظم شرا ثا لله فانهما من تقوى القلوب وقوله تعالى ومن یعظم حرمت الله فهو خیر له عند ربہ وقوله تعالیٰ والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغير ما اکتسبوا فقد اخطوا واجتانا واثمنا قلنا قلنا لا اله الا الله فی الايتين الاولین ظاہر ان علماء الدین من اعظم شرا ثا لله اذ المراد شرا ثا الله اعلام حبسہم من اعظم حرما تہ وامر بوجہ الدلالة من الاية الثالثة فهو ان هذا الوعيد اذا ثبت لفعول ذلك بالنسبة الى عامة المؤمنین فلكل بخاصة ہم وعن ابی امامة مرفوعا ثلاثة لا یستغفرہم الا المتافق ذو الشیبة فی الاسلام وذو العلم وامام مقسط رواہ الطبرانی فی الکبیر وعن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یوقر کبیرنا ولم یرحم صغیرنا ومن لم یتقرب لعلما حقہ رواہ الترمذی وعن ابی بکرۃ سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول عدل علما او متعلما او مستمعا او محیا لات کن خاصة فتلك قال عطاء قال فی مشعر رواية خامسة لیکن عندہ الخامسة ان یغض العلم لاهله رواہ الطبرانی فی الثلاثة والزارور جالہ ویتقون فقال النووی فی التبیان وشرح المہذب قال لحافظ ابوالقاسم ابن عساکر اعلم یا اخي ان لوم العلماء مستقو عادة الله فیہ تہک استار متقصیہم معلومة وان من اطلق لسانہ فی العلماء ابتلاہ الله قبل موتہ موت القلب

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مہذب میں سخت نبی اور شدید وعید اُن لوگوں کے حق میں بیان کی ہے جو فقہا کی ہتک کرتے ہیں یا انکو ایذا پہونچاتے ہیں اور علما کی بزرگی اور اُنکی حرمتوں کی تعظیم پر آمادہ کیا ہے اُسکے بعد خدا کا یہ قول ذکر کیا ہے جو شخص خدا کی علامات کی تعظیم کرتا ہے پس وہ دل کی پرہیزگار یوں کی وجہ سے ہے اور یہ قول کہ جو خدا کی حرمت کی تعظیم کرتا ہے یہ اُسکے لیے اچھا ہے اُسکے پروردگار کے نزدیک اور یہ قول کہ جو لوگ مسلمان عورتوں اور مردوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اُن کے کسی جرم کے پس اُنھوں نے سخت گناہ کیا میں کہتا ہوں کہ شرفِ کی دونوں آیتوں کا دعویٰ پر دلالت کرتا تو ظاہر ہے کیونکہ علمائے دین اعظم شعرا اُرد سے ہیں اس لیے کہ شعرا اُرد سے مراد اُس کے دین کی علامتیں ہیں اور یہ لوگ خدا کی اعظم حرمت سے ہیں تیسری آیت کی دلالت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وعید جب عامہ مسلمین کو ایذا دینے والے کی شان میں ہے تو جو خواص مسلمین کو ایذا پہونچائے اُس کا کیا حال ہوگا ابوالامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ تین چیزیں ہیں جن کی ہتک منافق کے سوا کوئی نہیں کرتا مسلمان بوڑھا اور عالم اور عادل امام اسے طہرانی رضی اللہ عنہ نے کبیر میں روایت کیا ہے اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور عالم کا حق بخانے اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ التھیۃ والتسلیم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ تو عالم ہو یا طالب علم ہو یا علم سننے والا یا علم کو دوست رکھنے والا ہو اور ان کا پانچواں منہ یہ عطا رحمہ اللہ نے کہا ہے مجھے مشعر کہتے تھے کہ اُن سے خامس کی روایت نہ تھی اور پانچواں وہ ہے جو علم سے بغض رکھے اسے طہرانی اور بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں نووی رحمہ اللہ نے تبیان اور شرح مہذب میں نقل کیا ہے حافظ ابوالقاسم بن عساکر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اے میرے بھائی جان تو کہ علما کی مذمت زہری ہے اور خدا کی عادت ہے کہ علما کی ہتک کرنے والوں کی پرہیزگاری نہیں کرتا اور جس نے علما کے معاملے میں اپنی زبان کو آزاد کر دیا خدا اُسے موت کے قبل موت قلب میں مبتلا کر دے گا سوال ایک شخص اپنے مریدوں کو تعلیم کرتا ہے کہ یا شیخ عبد القادر شیعہ اللہ بطور دعا و ورد پڑھا کر وہ نقصانے حاجات کے لیے مفید ہے اور بعض کو تعلیم کرتا ہے کہ یوں کہا کرو۔ یا شیخ میرے حصول مدعا کے لیے آپ خدا کی دعا گاہ میں دعا فرمائیں۔ پس ایسی تعلیم کرنے والے

کے لیے کیا حکم ہے اور یہ کلمات شرک ہیں یا نہیں اور کیا حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ اتنی قدرت رکھتے ہیں کہ ہر شخص کی فریاد و شکریہ فریاد و رس ہوں یا اُسکے لیے دعا کریں جو اب ایسے وظیفوں سے احتراز لازم اور واجب ہے اولاً اُس وجہ سے کہ یہ وظیفہ متضمن شکیاں ہے اور بعض فقہاء ایسے الفاظ کو کفر لگھتے ہیں جیسا کہ درختار میں ہے کہ اقول شیء لله قبل یکفر اسی طرح نئی شیء کہنا بعضوں کو نزدیک کفر ہے۔ اور درختار میں ہے لعل و محمد نہ طلب شیء لله واللہ غنی عن کل شیء والکل صغیر محتاج الیہ وینبغی ان یرحمہ عدم التكفیر فانہ یمكن ان یقول ادت طلب شیء لکواما لله + شرح الرہبانیۃ + قلت فینبغی او یجب التیاعد عن هذه العبارة وقد مر ان ما فیہ خلاف یومر بالتوبة والا استغفار وتجدید النکاح شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا کے لیے کسی چیز کا طلب کرنا کس طرح درست ہے جبکہ خدا ہر چیز سے بے پروا ہے اور ب اُسکے محتاج ہیں اور عدم کفر کو ترجیح ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کئے والا یہ مطلب ہے کہ میں نے کسی چیز کے طلب کرنے کا ارادہ کیا خدا کی بزرگی کی نیت سے + شرح رہبانہ + میں کہتا ہوں پس واجب ہے یا چاہیے کہ اس عبارت کے بعید معنی لیے جائیں اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جن امور میں خلاف ہو ان سے توبہ اور استغفار کرنے اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا ثانیاً اس وجہ سے کہ یہ وظیفہ نہ اے اموات کو اکثر بعیدہ سے متضمن ہے اور شرعاً ثابت نہیں کہ اولیا کو اکثر بعیدہ سے ندا سننے کی قدرت حاصل ہے البتہ زائر قبر کے سلام کو صاحب قبر کا سننا ثابت ہے بلکہ خدا کے سوا کسی کو ہر وقت حاضر ناظر عالم خفی و جلی سمجھنا شرک ہے۔ فتاویٰ ہزارہ میں ہے تزوج بلا شہود و قال خدا و رسول خدا و فرشتگان را گواہ کردہ ام یکفر لا محذور ان الرسول والملك یعلمان الغیب وقال علماءنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر کسی نے بے گواہوں کے نکاح کیا اور کہا خدا اور رسول خدا اور اُسکے فرشتوں کو میں نے گواہ کیا وہ کافر ہو گیا کیونکہ اُس نے رسول اور فرشتوں کے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا ہمارے علما کہتے ہیں کہ جو ارواح مشائخ کو حاضر و عالم جانے وہ کافر ہیں۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امت محمدیہ کے اجلہ اولیا میں ہیں اور آپ کے مناقب و فضائل لاتعد ولا تحصى ہیں مگر آپ کے لیے بھی اکثر بعیدہ سے ہر ایک کی فریاد کا سننا ثابت نہیں ہے اور یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ ہر وقت اپنے مریدوں کا حال جانتے ہیں اور انکی ندا

سنتے ہیں شرک ہے سوال زید نے دوسرے کے اخبار سے ایک عبارت اپنے اخبار میں بغرض اعلان اشاعت نقل کر کے چھاپی اور وہ یہ ہے عبارت لفافہ خط کی مختصر ہونی چاہیے نہ طول نہ ہی مثل شیطان کی آنت کے انشاء اللہ تعالیٰ بمنہ وکرمہ لفافہ ہذا اور خاص شہر فلان و محلہ فلان ٹکٹ لگایا گیا وغیرہ اسکو دیکھ کے عمرو نے کہا آپ ایسے ثقہ اور دیندار کے اخبار میں نسبت الفاظ معظمہ انشاء اللہ تعالیٰ بمنہ وکرمہ کے شیطان کی آنت لکھنا سوراہی بلکہ منہج کفر ہے کہ اس سے استعانت باری تعالیٰ کی توہین ثابت ہوتی ہے ایسے امور کا لحاظ رکھیے زید نے جواب میں کہا کہ ہرگز اس میں سوراہی اور اخبار کفر لازم نہیں آتا کیونکہ ہم نے حکم طول طویل شیطان کی آنت کا پوری عبارت مذکور کے نسبت دیا ہے اور ضروری نہیں کہ جو حکم کل کا ہو وہی اُسکے اجزاء کا ہو اور اگر بالفرض اُس فقرے کے تحریر منہج کفر اور بے ادبی کے ہو تو ناقل اس کا بری ہے کیونکہ کفر کی نقل کفر نہیں ہے پس تاویل اور توجیہ کرنے والا کیسا ہے جو اسب اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین مقصود ہوتی تو اس قسم کی عبارت موجب کفر ہو جاتی اور جب توہین مقصود نہیں اور مجبوراً عبارت پر حکم لگایا ہے تو کفر نہ ہوگا مگر چونکہ ظاہر عبارت سے ایہام خلاف مقصود کا بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ایسی عبارت کے ساتھ حکم منع ہے اور سوراہی سے خالی نہیں ہے اور توجیہ اور بیان مقصود خارج سوراہی نہیں ہو سکتا۔ رد المحتار میں ذکر ہے قولہ فی دعائہ بمقعد العزم من عرش شک (دعائیں یہ کہنا کہ میں تیرے عرش میں عزت کے بیٹھنے کی جگہ سے دروچا ہتا ہوں) کے تحت میں لکھا ہے مجرّد الاہتمام کاف فی المنع عن التکلم بعد الکلام وان احتمل معنی صحیحاً واذ اعلل المشاعر بقولهم لانه یوهم تعلق عرش بالعرش ونظیرہ ما قالوا فی انامو من ان شاء الله فاعلم کہ ہوا خلاف وان قصد التبرک دون التعلیق لما فیہ من الاہتمام محض ایہام کلمات کے کہنے سے روکنے کے لیے کافی ہے اگرچہ معنی صحیح کا احتمال ہو اسی لیے مشائخ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے وہم اس بات کا ہوتا ہے کہ اُس کی عزت کا تعلق عرش سے ہے اور اسکی نظیر انامو من ان شاء الله ہے کہ اسکو ظاہر ہے کہ لکھتے ہیں اگرچہ اس سے تبرک مقصود ہو کیونکہ اس میں ایہام ہے۔ اور بھی رد المحتار میں لکھا ہے انما قول شئہ لله قیل یکفر کے تحت میں لکھا ہے لعل وجهہ انه طلب بشیئاً لله والله غنی عن کل شئ والکل مفتقر ومحتاج الیہ وینبغی ان یوضح عدم التکفیر فانه یمکن ان یقول اودت ان اطلب شیئاً الا ما لله + شرح الرہبانیۃ

قلت فینبغیہ او یجب التباعدا عن هذا العبادۃ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ خدا کے لیے کسی چیز کا طلب کرنا کس طرح درست ہو جبکہ خدا ہر چیز سے بے پروا ہو اور بس اُسکے محتاج ہوں اور عدم تکفیر کو ترجیح ہو کیونکہ یہ ممکن ہو کہ کہنے والا یہ مطلب نے کہ میں نے کسی چیز کے طلب کرنے کا ارادہ کیا خدا کی بزرگی کی نیت سے بشرح رہبانہ میں کہتا ہوں پس واجب ہو یا چاہیے کہ اس عبارت کے بعد معنی لیے جائیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی عبارتیں جو غیر مشروع معانی کو متحمل ہوں اگرچہ اُن سے معافی صحیحہ مراد ہوں اُنکے ساتھ حکم کرنا ناجائز ہو اور نقل کفر اگرچہ کفر نہیں لیکن سوا دینی سے خالی نہیں ہے سوال زید نے نہ کسی نفی کا فتویٰ اُنکھ سے دیکھا اور نہ کان سے سنا اور الزام لگا دیا کہ مسلمان عورت کے جھوٹے پانی کو ناجائز اور مکروہ لکھا ہے اور اُس پر لعن و لعن کرنا اور وہابی اور بے ایمان کہنا کیسا ہے جو اب زید اس حالت میں گنہگار ہوا اُسکو توبہ کرنا لازم ہے بغیر اطلاع الزام لگا دینا اور انفرکرتا کہا ہے ہو اور لعن و لعن کرنا اور وہابی کہنا ہر مسلمان کے حق میں کبیرہ ہے جو جانیکہ کسی عالم کے حق میں تمام نصوص قرآنیہ و احادیث ایسا مور کی مانعت سے مالا مال ہیں سوال زید کے پاس ایک ہندو عورت نے آکر کہا کہ میں مسلمان ہوں یعنی اپنے خاوند کو چھوڑ کے مسلمان کے ساتھ رہتی ہوں مجھے دین محمدی میں آنا منظور ہے مجھے اچھی طرح سے کلمہ پڑھاؤ و زید نے محض انکار کر کے جواب دیدیا کہ بخوف عدالت ہم ایسا نہ کریں گے اُس عورت نے کہا کہ میں ایک سال سے مسلمان کے پاس ہوں جسکو زید جانتا تھا اگر میرے ہندو خاوند کو دعویٰ ہو تو زیور کا ہو نہ میرا کیونکہ میں اُسکے کام کی نہیں ہوں اس لیے کہ دوسرے مذہب میں آگئی ہوں مگر زید نے پھر یہی جواب دیدیا اور کلمہ نہ پڑھایا واقعی جب وہ مسلمان کے پاس ہو اور اُسکے خاوند کو عورت کا دعویٰ بھی نہیں ہو بلکہ زیور کا دعویٰ ہو اور اُسکا علم ہو تو اُسکو جواب دے دینا اور باقاعدہ کلمہ نہ پڑھانا کیسا ہوا جو اب ایسی صورت میں کلمہ نہ پڑھانا اور مسلمان نہ کرنا حرام ہے سوال زید نے بکر سے پچاس روپیہ قرض لیکر سودی ایک روپیہ ماہواری پر تسک لکھ دیا چند سال تک تسک کو بدلتا رہا اسکے بعد بیت السد شریف کا ارادہ کیا زید نے بکر سے حج کو جانے کا ارادہ بیان کیا اور اُس قرضہ مذکورہ سے اپنی تہیدستی اور مجبوری بیان کی بکر نے وہ قرضہ سود و حاف کر دیا زید حج کرنے روانہ ہوا اور فقط حج کر کے مکان پر واپس آیا زید جہاز پر سوار ہوا ایک شخص مسافر اس طرف کا جا نچلا

جس مقام پر مکان زید کا تھا جہاز پر ساتھی ہوا وہ علیل ہوا اُس نے دو اشرفیان دین کہ میرے مکان پر جا کے میرے لڑکے کو دے دینا پھر وہ مسافر گیا زید مکان پر پہونچا جب مسافر کے لڑکے کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ متقاضی ہوا بشکل زید نے ایک اشرفی ادائیگی کا غدر کرتا ہی اور آجکل پر مٹا تا ہی مجبور ہو کر مسافر کے لڑکے نے تقاضہ موقوف کر کے محول بہ قیامت کر دیا اور اب بھی زید سودی روپیہ لیکر اپنے صرف میں لاتا ہی پس ازو سے شرع کیا حکم ہی جو اب صورت مسئلہ میں زید ان امور کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہی اُس پر تو بہ کرنا لازم ہی ایک تو خیانت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہی ان الله يامر كل من اتوا الامانات ان ياتيها حسبا الله تعالى نے تم کو اس بات کا حکم دیا ہی کہ تمام امانت اہل امانت کے حوالے کر دو۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہی لا ايمان لمن لا امانة له جس میں امانت نہو اُس میں ایمان نہیں ہی۔ دوسرے سودی قرضہ لینے اور سود دینے کی وجہ سے حدیث صحیح میں ہی لعن الله اكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهداه اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے اور اُسکے موکل اور اُسکے شاہد پر لعنت کی ہی۔ اور قرآن شریف میں ہی احل الله البيع و حرم الربوا اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہی سوال زید عمر سے رخصت ہو اور ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی مسافر نہیں ہی اور رخصت ہوتے وقت دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا تو جائز ہی یا نہیں مع سند کتاب بیان فرمائیے جواب ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مسنون ہی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح شکوۃ میں لکھتے ہیں محل المصافحة المشروعة و اول الملاقات اول ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مشروع ہے۔ اور رخصت کے وقت مسنون نہیں ہی البتہ شرع الاسلام میں مذکور ہی کہ صحابہ رخصت کے وقت مصافحہ کرتے تھے اُسکی عبارت یہ ہی کان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات لا فتوا فتوا و اذا تفرقوا تصافحوا و حمدوا الله واستغفروا عند ذلك و ان التفتوا و اختلفوا في اليوم حسرا و انبي اکرم صلى الله عليه وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم جب ملتے معانقہ کرتے اور جب علیحدہ ہوتے مصافحہ کرتے اور خدا کی حمد کرتے اور استغفار کرتے اگر یہ دن میں کئی کئی بار بھی ملتے سوال (۱) ایک عورت نے زنا اور رقص کے ذریعے سے روپیہ پیدا کیا اُس میں سے خیرات کر کے اگر امیدِ ارباب کی ہو تو کافر ہو جائے گی یا مسلمان رہے گی (۲) ایسی عورت کے ہاتھ کوئی چیز بچل کر سکے روپیہ میں سے

قیمت لینا حلال ہے یا حرام (۳) کوئی ڈاکٹر یا طبیب عورت مذکورہ کا علاج کرے تو حق علاج اُسکے روپیہ
 میں سے لینا درست یا نہیں (۴) عورت مذکورہ کو اپنے مکان میں کرایہ پر رکھ کر اُسکے روپیہ میں سے
 کرایہ لینا کیسا ہے (۵) وہ عورت اگر بعد کسی کور و پیہ نذر دے تو اُسکی نذر لینا حلال ہے یا حرام (۶) جو
 روپیہ اُسنے زنا کے ذریعہ سے پیدا کیا اور جو روپیہ ناج گاہ کے پیدا کیا ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا
 حرمت میں اُسکے واسطے اور نذر لینے والے کے واسطے دونوں برابر ہیں (۷) وہ عورت اگر
 دعوت کوے یا تحفہ بھیجے تو دعوت یا تحفہ کو قبول کرنا درست ہے یا نہیں (۸) وہ عورت جس کے
 پاس حلال مال بالکل نہیں ہے فقط زنا اور رقص کا روپیہ ہے اگر وہ خیرات کرنا چاہے تو کیونکر کرے (۹)
 اگر وہ عورت فرض لیکر خیرات کرے اور پھر اپنے روپیہ سے فرض ادا کرے تو خیرات کا ثواب پائیگی
 یا نہیں (۱۰) اگر فرض لیکر وہ عورت کسی کو نذر دے تو وہ نذر قبول کرنا جائز ہے یا نہیں (۱۱) زنا
 اور رقص کے صلے میں اُسکی ایک رقم تنخواہ مقرر ہو اُسکے سوا بھی اور روپیہ وہ اپنی خوشی سے
 دیتا ہے جسکی وہ لوکر ہے وہ دونوں زمین حرمت میں برابر ہیں یا نہیں جواب زنا اور رقص اور غنا
 کے ذریعہ سے جو مال پیدا کیا ہو وہ خبیث اور حرام ہے اور اس باب میں زنا اور ناج گاہ کا مناسب برابر
 ہیں اور اسی طرح جو مال کسی معصیت کی اجرت میں حاصل ہو وہ بھی خبیث ہے ان وہ مال جو مغنیہ
 یا زانیہ کو کسی نے بغیر اجرت اور بغیر شرط کے ابتدائے تبرع کیا وہ خبیث نہیں ہے اور خبیث مال کا یہ حکم ہو کہ اگر
 مالک معلوم ہو تو کل مال اُسے واپس کر دینا واجب ہے اور اگر نہ معلوم ہو تو کل مال کو تصدق کر دینا
 واجب ہے لیکن نہ بہ نیت طلب ثواب بلکہ بہ نیت فرار عن الذمہ اور اگر ایسے مال کے تصدق میں
 طلب ثواب کی نیت کی جائے گی تو اگر اُس مال کی حرمت قطعی ہے جیسے غضب وغیرہ کا مال تو وہ شخص
 کافر ہو جائے گا اور اگر اُس مال کی حرمت قطعی نہیں ہے تو کافر نہ ہوگا جیسے زنا اور رقص کے
 ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال کہ اُسکی حرمت دلائل ظنیہ سے ثابت ہوتی دلائل قطعیہ سے۔ مگر اس نیت کے
 وہ شخص قابل مواخذہ ہوگا اور اُسکا صدقہ مقبول نہ ہوگا فان الله طیب لا یقبل الا الطیب اسد
 پاک ہے اور وہ پاک کے علاوہ کسی کو قبول نہیں کرتا۔ رد المحتار حاشیہ در مختار کے کتاب الاجارہ
 باب الاجارۃ الفاسدہ میں ہے فی المستفی امرأۃ ناشتہ او صاحبۃ طبل و زمرۃ کتسبت مکلا
 ردت علی اربابہ ان علموا ولا تصدق بہ وان من غیر شرط فصولها و قال الامام

الاستاذ کلا یطیب والمعروف کالمشروط انتھی قلت وهذا مما یتعین الاخذ به فی ما تامل العلم
 اھم لا یدھون الا باجرا البتہ منقذی من ہر نوع کرنے والی یا بطل یا چھانچھ والی عورت
 نے جو کچھ کمایا ہو وہ جن لوگوں کا روپیہ ہو ان کو واپس کر دینا چاہیے اگر وہ لوگ معلوم ہوں ورنہ
 اُسے تصدق کر دینا چاہیے اور اگر روپیہ بلا کسی شرط کے دیا گیا ہو تو وہ اُسکا ہو اور امام استاذ ہم
 فرماتے ہیں کہ یہ اچھا نہیں ہے اور معروف مثل مشروط کے ہر انتہی میں کتا ہوں ہمارے زمانے
 میں اسی سے اخذ کرنا چاہیے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ وہ بلا کسی معاوضہ کے نہیں جاتی ہیں۔ اور
 و مختار کے کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدہ میں ہے ولا تصح الاجارۃ لحسب التیس و
 ہونزوہ علیہ الا ناث ولا لاجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاحی ولو اخذ بلا شرط بیابح
 جانور کے جفتی کھانے کا اور کسی چیز کو معاصی کے لیے دینے کا را یہ لینا درست نہیں ہے مثلاً گانا نوح
 کھیل کود اور اگر بلا کسی شرط کے لے تو مباح ہے۔ اور اسی کتاب کے کتاب الزکوۃ میں ہے فی شرح
 الیہبانیۃ عن البزازیۃ اما یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی شرح رہبانیہ میں بزاز یہ سے
 نقل کر کے لکھا ہے کہ کافر اُس وقت ہوگا جب حرام قطعی کا صدقہ کرے۔ اور رد المحتار میں ہے قوله
 اذا تصدق بالحرام القطعی اعم رجاء الثواب الناشئ عن استعلالہ یعنی جب
 کہ حرام قطعی کو تصدق کرے یعنی ثواب کی امید کرے جس سے اُسکے حلال جاننے کا خیال ہوتا ہے۔ اور
 شریانی رحمہ اللہ کے رسالہ حفظ الاصرار عن اعتقاد ان الحرام لا یتعدی الی ذمین میں ہے ولا یقصد بہ
 اعی بالتصدق من المال المحبب تحصیل الثواب بل تفریح الذمۃ مل خبیث کے تصدق
 سے تحصیل ثواب مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنے ذمے سے اُسے علمدہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور ایسی
 عورت جس کے پاس حرام مال ہو اگر اور حلال مال بھی اُسکے پاس ہو اور وہ بہ نسبت حرام کے زائد
 ہو تو اُسکی نذر قبول کرنا اور اُسکی دعوت کھانا اور اُس کا صدقہ اور یہ لینا اور کرنا یہ مکان یا
 علاج کی اجرت لینا درست ہے بشرطیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ جو اُس نے دیا ہے عین مال حرام سے ہے اور
 اگر یہ معلوم ہو یا یہ کہ مال حرام غالب ہو تو کچھ نہیں درست ہے۔ اشباہ وانظائر میں ہے اذا کان غالب
 مال المحلۃ حلالاً فلا یاس لقبول ہدیۃ واکل مالہ مالہ یتبیین انہ من حرام وان
 کان غالب مالہ الحرام لا یقبلہ ولا یاکلہ الا اذا قال انہ حلال ورفضہ او استقرضہ

ہدیہ کرنے والے کا اگر اکثر مال حلال ہو تو اُس سے ہدیہ قبول کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور نہ اُسکے مال کے کھانے میں جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ مال حرام ہے اور اگر اکثر مال حرام ہو تو قبول نہ کرے اور نہ کھائے مگر جبکہ یہ کہہ دے کہ یہ حلال ہے اُسے ورثہ میں ملا ہے یا قرض لیا ہے۔ اور حفظ الاصرار میں ہے:

فان قلت کیف ساغ للفقیر تناول ما فی خبث قلت محل عدم علم بحقیقۃ الحال و ان علم بہ فهو کخیر ولا یحصل لہ اگر تم پوچھو کہ فقیر اُسے کھائے یا نہ کھائے جو مال حرام سے ہو تو میں جواب دوں گا کہ اُس کا حکم حقیقت حال کے عدم علم کا ہے اور اگر اُسے اہل حال معلوم ہو تو دوسروں کی طرح اُس پر بھی طلال نہیں ہے۔ اور خزانۃ الروایات میں ہے فی ملتقطنا صریحاً اکل الربوا و کاسب حرام اھدی الیہ و اضافہ وغالب الجالہ حرام لا یقبل ولا یاکل ما لم یبصر ان ذلک اھل حلال و ورثہ و استقرضہ و ان کان غالب مالہ حلالاً لا یاس بقبول ہدیۃ و اکل منہ ملتقطاً صریحاً میں ہے سو دیکھانے والا یا حرام کسب کرنے والا اگر کسی کو ہدیہ بھیجے یا ضیافت کرے اور اس کا اکثر مال حرام ہو تو اُسے قبول نہ کرنا چاہیے اور کھانا نہ چاہیے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مال حلال ہے جو اُسے ورثہ میں ملا ہے یا اُس نے قرض لیا ہے اور اگر اکثر مال حلال ہو تو ہدیہ کے قبول کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور نہ اُسکے کھانے میں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر وہ شخص جس کا کل مال حرام ہے خیرات کرنا چاہے تو قرض لے کے کرے اور اپنے مال خبیث سے اُس قرض کو ادا کرے اور قرض لیکے جو وہ دے گا اُس کا اُسکو ثواب ملے گا اور نذر و تحفہ وغیرہ بھی اُس سے لینا درست ہوگا حفظ الاصرار میں ہے فی الخلاصۃ قال فی شرح جبل النحیصا و لشمس الامیۃ ان الشیخ ابوالقاسم کان من یأخذ جائزۃ السلطان و کان یستقرض جمیع حوائجہ و یقضی دینہ بما یاخذ من الجائزۃ خلاصہ میں ہے کہ شمس الامیہ رحمہ اللہ کی شرح جبل النحیصا میں ہے کہ شیخ ابوالقاسم رحمہ اللہ ان لوگوں میں تھے جو سلطان کے یہاں سے وظیفہ پاتے تھے تو تمام حوائج کو قرض لیکر پورا کرتے تھے اور اُس وظیفے سے قرض ادا کرتے تھے سوال ان لوگوں کے متعلق علماء کیا فرماتے ہیں جو حقیقت تک پہنچنے کی غرض سے کھڑے ہوئے اور بیٹھ کے ذکر کرتے ہیں اور وجد میں آتے ہیں اور ہلے اور ناچتے ہیں اور ایک آدمی اشارے کے لیے یاد کر پڑا مادہ کرنے کے لیے تالیان بجاتا ہے اور یہ امور جائز ہیں یا نہیں جواب خدا کا ذکر ہر حال میں اچھا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں خدا ہی کا

ذکر کیا کرتے تھے جیسا کہ بوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں عقلمندوں اور زمین
و آسمان کی پیدائش میں غور کرنے والوں کی صفت میں فرماتا ہے الذین یذکرون اللہ فیما صما
وقعودا و علی جنوبہم وہ لوگ جو اٹھتے بیٹھتے لیٹے اٹھ کر کرتے ہیں۔ لیکن وجد میں آنا ہلنا
ناچنا اور تالیان بجانا اور اسی قسم کی باتیں اگر ذکر کی بدولت حالت طرب میں صادر ہو جائیں اور
اپنے اختیار سے باہر ہوں کہ غلبہ شوق نے ان امور کو واقع کر دیا ہو تو وہ شخص اس امر میں معذور اور
قابل گرفت نہیں ہے مگر جو بقصد ایسا کرے اُسکے لیے شرع اسکو جائز نہیں سمجھتی۔ سنائی حنفی کی کتاب
الاحتساب میں ہے لا یجوز الرقص الشطاع ومن اباح من المشائخ فذلک للذین صادر حرکت
حركات الارتعاش انه لیس فی الشریع رخصۃ و ذکر فی العوارف انہ لا یلیق بمنصل المشائخ
الذین یقتدی بھم لانہ بشبہ المصوگانا اور ناچنا جائز نہیں ہے اور جن مشائخ نے اسے
جائز لکھا ہے وہ اُنکے متعلق ہے جنکی حرکتیں رعشہ والے کی حرکتوں کی ایسی ہو گئی ہوں اور شرعاً اُن کے
لیے بھی رخصت نہیں ہے اور عوارف میں ہے ایسا اُن مشائخ کو نہ کرنا چاہیے جنکی اقتدار کی جاتی ہے
کیونکہ یہ کھیل کود کے مشابہ ہے۔ اور مستلح نے احکام السماع میں جعفر بن ثعلب اور موسیٰ شافعی
رحمہ اللہ نے لکھا ہے ذهبت طائفتہ الی المتفرقة بین اربابہ الاحوال الذین یقومون بجد فی جواز
لھم الرقص بکونہم وغیرہم و ہذا ما اور دیکھ لا ستاذ ابو منصور و اشار الیہ القاضی حسین فی
تعلیقہ والغزالی فی الاحیاء ایک گروہ کے خیال میں اُن حال والوں میں جو وجد میں کھڑے ہو جا
ہیں اور دوسروں میں فرق ہے کہ اُنکے لیے ناچنا جائز ہے اور دوسروں کے لیے مکروہ اسے استاد
ابو منصور رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور قاضی حسین رحمہ اللہ نے اپنے تعلیق اور غزالی رحمہ اللہ نے احیا
میں اسکے جانب اشارہ کیا ہے اور ابن قیم حنبلی رحمہ اللہ کی کتاب افاشۃ اللہقان عن مصاعل الشیطان
کے خلاصہ تبعیہ الشیطان میں ہے قال ابن عباس کانت قریش یطوفون بالبت عراۃ ویصفرون
ویصفقون قال مجاہد کانایا عارضون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الطواف ویصفرون ویصفقون
یخاطبون علیہ طواف و صلاتہ فالتقریون الی اللہ بالصغیر والتصفیق اشباہ النوع الاول و
یختصون بہ علی اہل الصلوۃ والذکر والقراۃ اشباہ النوع الثانی فی فیض الدیر رحمہ اللہ التصفیق
للرجال عند الحاجة فی الصلوۃ بل امر و بالعدول الی التسلیم فکیف افعالہ لا لحاجۃ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ قریش کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور چنچتے اور
 ۳۱ لیاں بجاتے تھے اور مجاہد کہتے ہیں کہ طواف میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے
 اور چنچتے اور تالیاں بجاتے اور آپ کے طواف اور نماز میں خلل ڈالتے پس وہ لوگ جو چنچ کے اور
 تالیاں بجا کے خدا کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں اول کے مشابہ ہیں اور جو ان امور کے بدولت
 نمازیوں اور ذکر کرنے والوں اور پڑھنے والوں کے اشتغال میں خلل ڈالتے ہیں وہ نوع ثانی کے
 مشابہ ہیں اور اسی کتاب میں ہی خدا نے مردوں کے لیے نماز میں ضرورت کے وقت تالی بجانے
 کو مشروع نہیں کیا ہو بلکہ انکو تسبیح سے عدول کرنے کا حکم دیا گیا ہو پس جبکہ وہ بلا حاجت ایسا کریں
 تو اسکا کیا حکم ہوگا۔ اور دۃ المنیۃ شرح جواہر منیۃ اور بزانہ میں اور دالمختار وغیرہ میں ہے
 الوضوء الغناء الذی یفعلہ متصوفۃ ذاتنا عند الذکر حرام ناجا اور گانا جسے ہمارے زمانے
 کے صوفی ذکر کے وقت کرتے ہیں حرام ہے اس میں بہت کچھ بحث ہے جس کی تشریح فقہ اور حدیث
 کی کتابوں میں مذکور ہو رہی ہے جو بیان بیان کیا ہو وہی ارباب بصیرت کے لیے کافی ہے سوال اگر کوئی
 شخص جناب خیر البشر علیہ صلوۃ اللہ الاکبر کی نعت میں آپ کو ہر خیر و شر کا معلم لکھے تو اصطلاحی معنی
 کیا ہونگے اور اگر لغوی معنی لیے جائیں تو لفظ معلم شرفعل شریر و شریر ہوگی یا ترک شریر اور ان
 دونوں صورتوں میں ایسی نعت کرنے والا کسی گناہ کا مرتکب ہوگا یا نہیں جواب اس لفظ
 کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خیر کی خبریت اور ہر شر کی تہذیب
 کو تعلیم کیا اور اس معنی پر اس لفظ کا اطلاق درست ہوگا مگر اس میں دوسرے معنی قبیح کا بھی
 احتمال ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) ارتکاب شر کی تعلیم کی پس ایسے لفظ کا اطلاق سور ادبی سے
 خالی نہیں ہے سوال شیعہ کو کافر کہنا چاہیے یا نہیں جواب جو شیعہ ضروریات دین کے منکر
 ہیں وہ کافر ہیں اور صرف تبرائی شیعہ کافر نہیں ہیں سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو دافع البلاء کہنا چاہیے یا نہیں جواب حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کیا ہیں معنی
 دافع البلاء کہنا کہ آپ کے ذریعہ سے بلا دفع ہوتی ہے درست ہے اور باین معنی کہ آپ خود استقلالاً
 بلا کو دفع کرتے ہیں درست نہیں ہے ایسے الفاظ سے جو مہم معنی غیر مشروع کو ہوں اجتناب
 اولیٰ ہے الفاظ تعریفیات صحیحہ شرعیہ منقولہ کچھ کم نہیں ہیں سوال جو شخص لا تقربوا الزنا اور

لا تاكلوا الربا کے خلاف کرے اسکو کافر کہنا چاہیے یا نہیں جواب وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے
سوال ایک شخص کا نام ہدایت علی تھا اُس نے ایہام اسمائے شرکیہ کی وجہ سے اپنا نام بدل
 کے ہدایت علی رکھا ہے تو ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ لفظ ہدایت دو معنوں کو شامل ہے ایک
 ارادة الطريقی دوسرے اتصال الی المطلوب کو اور اسی طرح لفظ علی بغیر الف لام کے اسمائے الہیہ اور
 اسم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شامل ہے جواب دینے والا کہتا ہے کہ اس صورت میں میرے مدعا کے
 اثبات کی تائید ہے کیونکہ جب لفظ ہدایت اور علی دونوں معنوں میں مشترک ہوئے تو اس صورت
 میں چار احتمال متحقق ہوتے ہیں (۱) ہدایت سے معنی اول اور علی سے اسم کا نام (۲) ہدایت سے
 معنی ثانی اور علی سے اللہ تعالیٰ کا نام (۳) ہدایت سے معنی اول اور علی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 کا نام (۴) ہدایت سے معنی ثانی اور علی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام۔ پس تین احتمال اول و دوم
 سوم مانع شرعیہ سے خالی ہیں البتہ احتمال چہارم ممنوعیت سے خالی نہیں ہے کیونکہ جلد اسمائے
 شرکیہ میں مفہوم ہوتا ہے نہیں جو اسم اسمائے شرکیہ اور غیر شرکیہ میں دائر ہو اُس سے احتراز ضروری
 ہے اور اگر کوئی شخص اسم متنازع فیہ پر قیاس کرے کہ عبد اللہ پر شرک ثابت کرے یا باعلی کہنے کی نفی
 کرے تو معترض کا اعتراض اور اُس کا قیاس صحیح ہے یا نہیں اور صحت اعتراض کی حالت میں عجیب
 کے کلام کی تائید ہوگی یا جیسا کہ معترض خیال کرتا ہے جواب لفظ علی جو اسمائے الہیہ میں سے
 ہے اُس پر الف لام یا زائد ہو یا تعظیمی جیسا کہ رضی نے شرح کافیہ میں الفضل اور النعمان کی بحث میں لکھا
 ہے وقد نزل اللام فی العلم وقال لکوفیون قد لکون اللام لتعظیم کافی اللہ فی الاعلام
 ولا یعرف بالبعیون علم پر بھی الف لام زائد کیا جاتا ہے اور کوفیین کہتے ہیں کہ بعض اوقات الف
 لام تعظیم کے لیے آتا ہے جیسے اسمین اور دوسرے نامون میں اور بھرمین اسکے قائل نہیں ہیں
 اور ابن مالک نے الفیہ میں اور شرح الفیہ نے اعلام میں الف لام زائدہ کا ذکر کر کے الفضل وغیرہ
 کو شامل میں پیش کیا ہے اور ہر حالت میں لام اسمائے الہیہ پر سوائے لفظ الہ کے علم کا جز نہیں ہے
 اور لفظ علی پر جو اسمائے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہو لام داخل نہیں ہوتا بحر العلوم رحمہ اللہ
 حواشی سیر زاہد للاجبال میں لکھتے ہیں دخول اللام علی الاعلام فیصحہ سوی لفظ محمد علی صما
 الصکوۃ والسلام وسوی لفظ علی رضی اللہ عنہ صماہ سوائے لفظ محمد کے وجہ کا نام ہے نہ

صلوٰۃ اور سلام ہو) اور تمام اسماء الف لام کا داخل ہونا جائز ہو اور سوائے لفظ علی کے (بخکا یہ نام ہے خدا اُن سے راضی ہو) پس ہدایت علی سے ہدایت علی نام رکھنا اولیٰ ہو کیونکہ ہدایت علی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب اصناف کا اشتباہ نہیں ہو اور ہدایت علی میں اشتباہ ہو اور عبد اللہ میں امر غیر مشروع کا ایہام نہیں ہو بلکہ احادیث سے ثابت ہو کہ تمام ناموں میں عبد اللہ خدا کو زیادہ پسند ہو اسی طرح یا علی کہنے میں جب مقصود نہ اکا خدا ہو کوئی نزاع نہیں ہو مموال اس دیار میں دو عینے سے لوگوں نے ایک عجیب نئی صورت ذکر کی جاری کی ہے وہ یہ ہو کہ نماز فرض کے سلام کے بعد زور سے تین چار بار سب مقتدی لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور سر بھی دہنتے ہیں جب اللہ اکبر کہتے ہیں کیا اس طرح سے سر دہن دہن کر لوگ فرض نماز کے بعد اللہ اکبر زمانہ نبوی میں یا صحابہ کے زمانہ میں بھی کہا کرتے تھے یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے سے یا اُنکے تلامذہ کے زمانے سے یہ ہدیت ذکر کی رائج ہوئی ہے اگر اس طرح ذکر کر نالان حضرت میں کسی سے کسی معتبر کتاب میں منقول ہو تو ہم لوگ بھی ذکر خیر جان کر اسی طرح ذکر کو رواج دین اور اگر ان حضرات سے اس طرح کا ذکر منقول نہیں ہے تو پھر اس ذکر محدث کو کیا کہیں گے اور بصورت اختیار ایسے ذکر سے لوگوں کو روکین یا کرنے دین اور حنفیہ کے نزدیک اس محل خاص کے علاوہ جہاں کہیں ذکر ثابت ہو وہ بجز افضل ہے یا باخفا جواب اس قسم کا ذکر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے منقول نہیں ہے اور علامہ حنفیہ وغیر حنفیہ کی تصریح کے موافق بعد نماز کے ذکر ستر استحب ہے نہ جہراً البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ بعد نماز کے جہراً تکبیر کہتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہو قال کنت اعرف القضاء صلوٰۃ النبوی صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر میں یہ جانتا ہوں کہ حضور سرور انبیاء علیہ النبیۃ والثناء کی نماز تکبیر پر ختم ہوتی تھی۔ اور فتح الباری میں ہے الظاہر انہ لم یکن یحضر الجماعۃ الا نکان صغیر لا یواظب علیہ ذلک فكان یعرف القضاء الصلوٰۃ بما ذکر وقال غیر یحتمل ان یکون حاضر فی آخر الصفوف فکان لا یعرف القضاء ہا بالتسلیم انما کان یعرف بالتکبیر ظاہر ہو کہ وہ جماعت میں شریک نہ ہوتے تھے کیونکہ چھوٹے تھے اور وہ سمجھتے

تھے کہ نماز کا خاتمہ تکبیر ہی پر ہوتا ہے حالانکہ ایسا واقعہ نہ تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آخری صفوں میں
 اگر شریک ہوتے ہوں اور اس وجہ سے اُنکو یہ نہ معلوم ہوتا ہو کہ نماز کا خاتمہ سلام پر ہوتا
 ہے بلکہ وہ سمجھتے ہوں کہ نماز کا خاتمہ تکبیر پر ہوتا ہے۔ لیکن شرح حدیث نے اسکو حالت جہاد وغیرہ پر
 محمول کیا اور سر کو جہر سے انضال قرار دیا اور بعضوں نے اسکو بعض اوقات پر محمول کیا اور اس
 کے التزام کو منع کیا۔ ابن حاج کی رحمہ اللہ کی کتاب المدخل میں ہے اھما رواہ ابن الزبیر کان
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ لا اعلیٰ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک
 لہ لا ملک ولا محول وهو علیٰ کل شیء قدير لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لا النعمۃ ولا الفضل
 وله الثناء الحسن الجلیل لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کبرہ الکافرون وماروی البخاری عن
 ابن عباس ان رفع الصلوٰۃ بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم فالجواب من وجہین احدهما ذکرہ الامام الشافعی فی الام حیث قال اختار الامام
 و الامامون ان یذکروا اللہ بعد الانصراف من الصلوٰۃ ویخفیان الذکر الا ان یکون اما ما یحب ان
 یتعلم منہ فیجہر حتی یری انہ قد تعلم منہ ثم یسر فاللہ یقول ولا تجہر بصلاۃک ولا تخافت بما یعنی
 بالدعاء ولا تجہر ترفع ولا تخافت حتی لا تسمع لنفسک و احسب ما روی ابن الزبیر من تھلیل النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم وماروی ابن عباس من تکبیر کما رویناہ اما جہر قلیلا لیتعلم الناس منہ وذلك لان
 عامۃ الروایات التي کتبناها الیسریۃ کوفہا بعد التسليم ولا تکبیر انتھ کلامہ بلفظ هذا الامام
 الشافعی حل ذلك علی سبیل التعلیم فان حصل التعلیم امسک وهذا بخلاف ما یجہد الیوم
 من القراءة والذکر جہرا وجاعۃ فافھم لا یریدون التعلیم بل الثواب والجواب الثاني ما
 ذکرہ ابو الحسن بن بطلال فی شرح صحیح البخاری لما ان تکلم علی حدیث ابن عباس قال یحتمل
 ان یکون ارادہ المجاہدین فان کان كذلك فهو الى الان وعلیہ العمل وهو ان المجاہدین اذا
 صلوا الخمس فیستحب طہوان یکبیروا جہرا یرفعون اصواتھم لیرہبوا العدو فان لم یجمل
 علی ذلك فیکون فسوقا بالاجماع لانه لا یعلم احد من العلماء یقولون انتھ و فی الاصل ولینذر و اجمیعا
 من الجہر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی جماعة فان ذلك من البدع انتھ وقال العلامة
 بدر الدین العینی الخفی فی البیانۃ شرح الھدایۃ قال ابو بکر الرازی قال مشائخنا التکبیر جہرا فی غیر ايام

التشريق الاضطرارى لا يسن الا بازاء العذر والصلح وقيل وكذا في المحرق والمخاض وكلها التمه
وفوضا الى احتساب اذ اكبر واعل اثر الصلوة جهر بكرة وان بدعته يعنى سوى ايام النحر والتشريق
ابن زبير رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو بلند
آواز سے فرماتے لا الہ الا اللہ وحدہ الہ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ کہتا ہے اُس کا
کوئی شریک نہیں ہے اُسی کا ملک ہے اور اُسی کے لیے حمد ہے نہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے
اُسکے سوا کسی سے قوت نہیں حاصل ہوتی ہم اُسکی عبادت کرتے ہیں نعمت و فضل اُسی کے
ہیں اُسی کے لیے بہتر ثنا ہے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہم خالص اُسی کے لیے دین رکھتے ہیں
اگرچہ کافروں کو برا معلوم ہوا اور بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی
ہے کہ نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم کے زمانے میں جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے ذکر بالجہر کرتے ان
دونوں روایتوں کے جواب دو طریقے سے دیے گئے ہیں (۱) امام شافعی رحمہ اللہ نے ام میں لکھا
ہے امام اور مقتدی نماز سے فراغت پا کر دونوں ذکر میں مشغول ہو جائیں اور ذکر کو آہستہ کہیں
مگر وہ امام جو مقتدیوں کو تعلیم دینا چاہتا ہو جہر کر سکے اور تاکہ مقتدیوں کو اس کا علم ہو جائے اور جب
مقتدیوں کو معلوم ہو جائے تب اُسے بھی آہستہ ذکر کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
کہ اپنی دعا کو زور سے نہ کہو اور نہ اس قدر آہستہ کہو کہ تم خود بھی نہ سن سکو اور میرے خیال میں جو ابن
زبیر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم کے لا الہ الا اللہ کہنے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تکبیر کہنے
کی روایت کی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض تعلیم معمولی جہر فرمایا
ہوگا اس لیے کہ عام روایتوں میں جن کو ہنسنے لکھا ہے تسلیم کی بعد عدم تکبیر کا ذکر نہیں ہے انتہی
کلام پس امام شافعی رحمہ اللہ نے اس جہر کو تعلیم پر محمول کیا ہے پس جب تعلیم حاصل ہو جائے تو جہر
نکرنا چاہیے اور جو آجکل قرأۃ اور ذکر جہر اور جماعت رائج ہے وہ بغرض تعلیم نہیں ہے بلکہ بغرض ثواب
ہے (۲) ابوالحسن بن بطل رحمہما اللہ نے شرح صحیح بخاری میں (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث
میں لوگوں نے کلام کیا ہے اس وجہ سے) کہا ہے کہ احتمال ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے
اس سے مجاہدین کو مراد لیا ہو اور اگر ایسا ہے تو اب تک ہوتا ہے کیونکہ مجاہدین جب بیگانہ غاروں
سے فارغ ہوں تو اُنکے لیے زور سے تکبیر کہنا اور چلنا مستحب ہے تاکہ دشمن ڈر جائیں اور اگر آپ

محول نہ کیا جائے تو یہ حدیث بالاجماع منسوخ ہے کیونکہ علمائے دین سے کوئی اسکا قائل نہیں ہے اور اسی کتاب میں ہے زور سے ذکر کرنے سے اور نماز سے فراغت پا کر جماعت کی جماعت کے دعا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ یہ بدعت ہے اور علامہ شیخ الاسلام بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ نے بنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے ابو بکر رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے مشایخ عید الضحیٰ کے ایام تشریق کے علاوہ دوسرے دنوں میں تکبیر بالجہر کو سنت نہیں سمجھتے ہیں مگر دشمن پا جو رکے مقابلے میں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہی حکم آتش زدگی اور تمام خوفناک امور میں ہے اور نصاب الاحساب میں ہے نماز کے بعد تکبیر بالجہر کر وہ اور بدعت ہے یعنی ایام فجر و تشریق کے علاوہ اور ایام میں۔ اور عبارات خفیه اس قسم کے بہت ہیں جس سے کراہت ذکر جہری بجز چند مواضع مستثناء کے ثابت ہوتی ہے اس کی تفصیل میرے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر میں موجود ہے حاصل ذکر جہری بعد نماز کے سوائے ایام تشریق وغیرہ کے اگر اچھا نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ ہر تفریط نہ ہو اور اسی طرح اگر جہر سے تعلیم مقصود ہو اور بدون ان اغراض کے اس کا التزام و اہتمام کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے طریقہ بنو یہ اور طریقہ سلف صالح کے خلاف ہے سوال شوق کے طریقے سے اگر کوئی جانور چرند یا پرند یا لگیا ہو تو اس میں کوئی گناہ ہے یا نہیں اگر ہے تو اسکا کفارہ کیا ہے اور شکار کے بارے میں کیا حکم ہے جواب شوق کے طریقے سے جانور پانا درست ہے بشرطیکہ اُنکو تکلیف نہ دے۔ مجتبیٰ شرح مختصر قدوری میں ہے کہ لا باس بحبس الطیور والد جاح فی بیتہ و لکن یعلفہا مرغی اور چڑیوں کے پالنے میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن اُنکو خوراک دیتے رہنا چاہیے۔ رد المحتار میں قادی قادی الہدایہ سے منقول ہے بجز حبسہما الاستیناس اُن دونوں یعنی مرغی اور چڑیوں کو دبستگی کرنے کے لیے پالنا جائز ہے۔ اور جامع الرموز میں ہے کہ لا باس بحبس الطیور والد جاح فی بیتہ و لکن یعلفہا و هو خیر من اسماھا فی السکات چڑیوں اور مرغیوں کو گھر میں پالنا جائز ہے لیکن اُنکو خوراک دینا چاہیے اور یہ اس سے اچھا ہے کہ وہ گلیوں میں چھوڑ دی جائیں۔ اور شکار کرنا جائز ہے بشرطیکہ محض کھیل اور ایزادینا مقصود نہ ہو اور بعضوں نے پیشہ بنالینے کو مکروہ لکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ بزاز یہ میں ہے الصید مباح لا للتلذذ و حرفة شکار جائز ہے مگر نہ بغرض کھیل اور پیشہ کے۔ اور حموی نے شرح اشباہ میں لکھا ہے فیہ نظر لاندہ نفع الکتاب

بما هو مخلوق لذلك ولا کلتا صباح فصا ولا کلا خطاب اس میں نظر ہے کیونکہ اس میں ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا ہر جو اسکے لیے پیدا کی گئی اور اس قسم کا نفع حاصل کرنا مباح ہے پس شکار کا بھی وہی حال ہوگا جو لکڑی چٹنے اور فروخت کرنے کا اور سوال عیدین کے خطبہ کے بعد جو مصافحہ اور معاہدہ لوگوں میں مروج ہے وہ مسنون ہے یا بدعت جواب مصافحہ اور معاہدہ کا وقت ابتداء ملاقات ہے پس عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معاہدہ مسنون نہیں ہے اور علما اس باب میں مختلف ہیں بعض بدعت مباحہ کہتے ہیں اور بعض ہر حال میں بدعت مکروہہ کہتے ہیں اسکا ترک اولیٰ ہے۔ نوی رحمہ اللہ کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء وامامنا اعتادہ الناس من المصافحة بعد صلوٰۃ الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع ولکن یاسن فان اصل المصافحة سنۃ وکونہم حافظوا علیہا فی بعض الاحوال وضرطوا فی کثیر من الاحوال والکثر لا یحرم ذلك البعض عن کونه من المصافحة التي ورد الشرع باصلها ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مستحب ہے اور لوگ جو بعد نماز فجر اور عصر کے مصافحہ کے عادی ہیں اسکی کوئی اصل نہیں ہے لیکن اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے کیونکہ اصل مصافحہ سنت ہے اور بعض حالتوں میں اس کے خیال رکھنے اور بعض حالتوں میں اس پر خاص توجہ کرنے سے یہ بعض مصافحہ سے خارج نہیں ہو سکتے جس کی اصل شرع سے ثابت ہے۔ اور در مختار میں ہے واطلاق المصنّف تبعاً للحدیث والکنز والوقایۃ والنقایۃ والجمع والمقتضی یقیدہا بالجواز مطلقاً ولو بعد العصر وقوله صلی علیہ وسلم صلی علیہ وسلم کا اسکو در راہ کنز اور وقایہ اور نقایہ اور جمع اور مقتضی کی اتباع میں مطلق رکھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مطلقاً جائز ہے اگرچہ بعد عصر کے ہو اور فقہانے بدعت سے مراد مباح لیا ہے۔ اور رد المحتار میں ہے قد یقال ان امواظہ علیہا بعد الصلوٰۃ خاصۃ یؤدی الجملۃ الی اعتقاد سنۃ فی خصوص ہذا الموضع مع ان ظاہر کلامہم لم یفعلہا احد من السلف ونقل عن الشری بن ابی عن ابن حجر انہا بدعت مکر وہۃ لا اصل لها فی الشرع بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اس پر دوام سے چلا اسکے ان خاص مواقع میں سنت ہونے کے معتقد ہو جائیں گے حالانکہ فقہاء کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں سے کسی نے اسکو نہیں کیا ہے اور شری بن ابی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ابن رحمۃ اللہ نے اسے بدعت کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے شرع میں اسکی کچھ اصل نہیں ہے اور

ابن حاتم رحمہ اللہ نے دخل میں لکھا ہے اجاز للمعاذۃ ابن عیینۃ عند اللقاع من غیبتہ کانت واما
 فی العید لمن ہو حاضر معک فلا واما المصافحۃ فافحا وضعت فی المشرع عند لقاع المومن
 لایخیر واما فی العید علی ما اعتادہ بعضہم عند الفراغ من الصلوۃ یتصافحون فلا اعرفہ لکن قل
 الشیخ ابو عبد اللہ بن نجاد، اندلسی عبد بنہ ناسی العلماء العامون یعلمہم متوافرون انہم کانوا اذا
 فرغوا من صلوۃ العید صافح بعضہم بعضا فان کان لیسا علیہ فی النقل عن السلف فیاجز او ان لم یتقل
 فمذکرہ اولی ابن عیینہ رحمہ اللہ نے عرصہ کے بعد ملاقات کے وقت معافۃ کو جائز لکھا ہے لیکن عید میں
 جو ساتھ رہتا ہو اُس سے ناجائز لکھا ہے لیکن مصافحہ تو اُسکی وضع اس لیے ہے کہ جب مسلمان مسلمان
 سے ملے تو یہ کرے لیکن عید میں جو بعض لوگ نماز سے فارغ ہو کر مصافحہ عادت کرتے ہیں مجھے
 اسکی اصل نہیں معلوم لیکن شیخ ابو عبد اللہ بن نمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے شہر فاس کے
 باعمل علما کو دیکھا کہ عید کی نماز سے فراغت پا کر باہم مصافحہ کرتے تھے تو اگر نقل سلف اسکے مطابق ہو
 تو بہت ہی اچھا ہے ورنہ اسکا ترک ہی بہتر ہے سوال ناناکا کی زوجہ جسے اُس کی ماں اور نانی سے
 کچھ قربت نہیں حرام ہے یا حلال جواب حنفیہ کے نزدیک ناناکا کی زوجہ حرام ہے۔ خزانہ الروایات میں
 خزانہ الفقہ سے نقل کیا ہے امراۃ المجد ابی الام حرام نانانی حرام ہے۔ اور بھی مرقوم ہے المنکوحۃ للمجد
 ابی المجد وجد المجد وابجد المجد من قبلہ لالاب واکام حوام دادا پردادا انکر دادا اسکر دادا
 کی بیبیاں اور اسی طرح نانا اور ناناکے باپ دادا پردادا کی بیبیاں بھی حرام ہیں۔ اور اسکی حرمت
 اسکے سبب سے نہیں ہے کہ یہ امہات نساء و امہات کی آیت میں داخل ہیں بلکہ اس سبب سے ہے
 کہ ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم (جنکے ساتھ تمہارے آباؤں نے نکاح کیا ہے اُنکے ساتھ نکاح نہ کرو)
 انکو شامل ہے۔ ہدایہ میں ہے ولا یامرؤۃ ابیہ واجدادہ لقولہ تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم
 باپ دادا کی بیبیوں کے ساتھ نکاح ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جنکے ساتھ تمہارے
 آباؤں نے نکاح کیا ہے اُنکے ساتھ نکاح نہ کرو سوال ایک مقام پر چند پرانی قبریں ہیں کہ قریب
 پچیس تیس سال کے ہونگی اُن میں بعض بالکل نیست و نابود ہو گئی ہیں اور بعض باقی ہیں
 پس ایسے مقام پر قبر کھود کے زمین برابر کر کے رہنے کے لیے مکان بنانا درست ہے یا نہیں
 جواب درست ہے۔ بحر الرائق میں ہے وفي التبیین لوبلی المیت وصارتہا باجاز دفن

غیرہ فی قبرہ وذرعہ والبناء تمہیں میں ہو کہ اگر لاش برانی اور مٹی ہو جائے تو اُسکی قبر میں دوسرا کو دفن کرنا اور اُس زمین پر زراعت کرنا اور مکان بنانا جائز ہے سوال یہاں ہر شہر و قصبے میں سلطانی قصاب ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں اور احکام دین اسلام میں ہم مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں یعنی کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں اور ہمارے ساتھ جہد اور عیدین اور بچکانہ نماز باجماعت پڑھتے ہیں اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور ختم کرتے ہیں اور نکاح پڑھواتے ہیں مگر مسلمانوں کے آب و طعام سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ مسجد کے پانی سے وضو تک نہیں کرتے ہیں مسلمانوں نے اُن سے کہا کہ ہم تم پر شرعی حکم کرتے ہیں کہ تم مسجد کے پانی سے وضو کرو انھوں نے جواب دیا کہ ہماری قدیم عادت نہیں ہے اس قول کی وجہ سے انہیں کفر کا فتویٰ دینا اور اُن پر کفر کے احکام جاری کرنا جائز ہو یا نہیں اور بغیر ہمارے آب و طعام کے تناول کیے ہوئے انکی توبہ شرعاً قبول ہوتی ہو یا نہیں اور اکثر مسلمان کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں بت رکھتے ہیں اور ہمیشہ انکی پرستش کیا کرتے ہیں اور وہ اس سے انکار کرتے ہیں یہ انکار اُن کی توبہ ہو یا نہیں اور انکو توبہ سے انکار نہیں توبہ کرنا قبول کرتے ہیں ایسی حالت میں انہیں توبہ کا حکم کرنا یا انہیں کفر کے احکام جاری کرنا کیسا ہو اور تقویٰ معیشت کی وجہ سے گوشت بیچنے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں نے حاکم وقت کے سامنے کہا کہ ہم ہندو ہیں بھروسہ اپنے اس کہنے پر نادم ہوئے اور توبہ کا ارادہ کیا تو انکی توبہ بغیر ہمارے یہاں آب و طعام تناول کیے ہوئے قبول ہو یا نہیں۔ یہ لوگ اپنے جانور ایک مسلمان مسافر شخص سے ذبح کراتے ہیں تو یہ کفر کا حکم کرنے والے ذابح مسلم کو ڈھیر کا فرخا کر دب اور اُنکے گوشت کو جو پاک اور حلال ہو حرام کہتے ہیں یہ کفر کا کلمہ ہے یا نہیں اور کافر قصاب کی دوکان کا گوشت جبکہ ذابح بالیقین مسلمان معروف ہو اور مسلمان کے سوا کوئی کافر ذابح نہیں کر سکتا اور گوشت کی حلت میں کسی ایک مسلمان کو شبہ نہیں ایسی حالت میں بغیر کسی ایک عادل کی گواہی کے خریدنا اور کھانا حلال ہو یا نہیں جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے رسالہ مالابدمسہ کے کتاب التقویٰ میں اس مسئلہ کی تشریح اُسکے حاشیہ پر لکھی ہو چکا ترجمہ یہ ہے۔ جو گوشت مسلمان یا اہل کتاب سے مول لیا جائے حلال ہے اور جو بت پرست سے خرید جائے وہ حرام ہو انتہی یہ تو اصل کتاب مالابدمسہ کی عبارت کا ترجمہ تھا اور لفظ حرام کے حاشیہ میں لکھا ہے

اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس جانور کا ذبح کرنے والا مسلمان ہے یا نہی اور اس کتاب کی صحت اور تحشی کرنے والے چار متدین عالم ہیں جنکے اسماء رسالہ مذکور کے خاتمۃ الطبع میں لکھے ہیں چونکہ انھوں نے اس حاشیہ کو جس کتاب سے لکھا ہے اُسکا حوالہ نہیں دیا لہذا ناظرین کم علم اس میں شک کرتے ہیں جو اب (۱) جبکہ یہ لوگ عبادات خاصہ اہل اسلام ادا کرتے ہیں اور کلمہ شہادت پڑھتے ہیں تو اہل اسلام میں شمار کیے جائیں گے اور صرف اسوجہ سے کہ وہ مسلمان کے صعام میں شرکت نہیں کرتے گو اُنکا یہ فعل بُرا اور شرع کے خلاف ہے کافر نہ سمجھے جائیں گے۔ بحوالہ اونیٹین ہے اعلم ان الاسلام لیكون بالفعل ایضا کالصلوة بجماعته او الاقترار بجماعته و الاذان فی بعض المساجد والجموع وشهود المناسک اسلام فعل سے بھی ہوتا ہے مثلاً بجماعت نماز یا اقرار نماز یا اذان بعض مساجد میں یا حج اور مناسک میں حاضر ہونا۔ (۲) جب وہ کفر سے انکار کرتے ہیں اور کلمہ شہادت ادا کرتے ہیں اور اپنے کو مسلم کہتے ہیں تو اُنکا یہ قول مثل رجوع و توبہ کے سمجھا جائے گا اور اُن پر اسلام کا حکم جاری کیا جائیگا۔ رد المحتار میں ہے رأیت فی البیوی شرح الاشباہ قتال کون مجرد الانکار توبۃ غیر مراد بل ذلك مقید بثلاثة قیود قال فی الذخیر عن بشر بن الولید اذا اجمد المتبدد الرحمة واقربا للتوحید وبفتح رسول الله ویدین الاسلام فخذ امنه توبۃ میں نے میری شرح اشباہ میں دیکھا ہے کہ محض برا جانا توبہ نہیں ہے بلکہ اُس میں تین قیدیں ہیں ذخیرہ میں بشر بن ولید رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ جب مرتد ارتداد سے انکار کرے اور توحید و معرفت رسول اللہ و دین اسلام کا اقرار کرے تو یہ اُسکی توبہ ہے (۳) جب وہ اقرار سابق سے نا دم ہوے اور اسلام کا اقرار کیا تو اُن پر اسلام کے احکام جاری کیے جائیں گے اور اُنکی توبہ باقرار دین اسلام مقبول ہو جائے گی گو وہ شرکت طعام سے انکار کریں۔ رد المحتار میں ہے یصیو الوثنی مسلما بقوله ان المسلم او علی بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم او الحنفیۃ او الاسلام بت پرست ان الفاظ کے کہنے سے مسلمان ہو جاتا ہے ہم مسلمان ہیں ہم دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں ہم دین حنفی پر ہیں ہم اسلام پر ہیں (۴) جب یہ امر معلوم ہو کہ وہ ان مسلمان کے سوا کوئی ذبح نہیں کرتا تو کافر کی دوکان سے گوشت خریدنا اور اُسکا کھانا حلال ہے

استبہاد وغیرہ میں اہل یقین کا یزول بالمشافیقین شک سے زائل نہیں ہوتا سوال
 اہل بعض تحریرین میں انیس سلف صالحین تابعین تبع تابعین رحمہم اللہ کے نسبت جو ذیل میں درج ہیں
 شائع ہوئی ہیں اور لوگ بیباکانہ ان حضرات رحمہم اللہ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرتے
 ہیں۔ کہ امام اعظم رحمہم اللہ علم حدیث نہیں جانتے تھے اور جو لوگ اسکے کہنے سے روکتے ہیں
 انکو جواب دیتے ہیں کہ اگر مولانا عبدالحی صاحب ان کلمات کو موجب قباحت بہ نسبت امام
 اعظم رحمہم اللہ کے لکھ دیں گے تو ہم مان لین گے تمہارے کہنے کو نہ مانیں گے اور اپنے ذہن
 میں وہ خیال کرتے ہیں کہ اُنکے مثل آپ بھی امام اعظم رحمہم اللہ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی
 کرتے ہیں اور اسکو اچھا جانتے ہیں۔ لہذا ان کلمات کو ایک جگہ جمع کر کے آپ کی خدمت میں
 پیش کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے فضل و کمال علی سے
 بھی آگاہ کریں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ایسے کلمات حضرت امام کی شان میں استعمال
 کرنا کیسا ہے۔ اور الفاظ یہ ہیں (۱) اُن کو یعنی حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کو سفہ کا
 اتفاق کم ہوا اور اُنکے وقت میں کتب حدیث کے جمع ہونے کا اتفاق نہیں ہوا اُن کو
 کو نے میں بیٹھے بیٹھے جو کچھ معلوم ہوا وہ معلوم ہوا اور جو کچھ رہ گیا وہ رہ گیا (۲) اُنکی
 فقہ اور اُنکا اجتہاد شہرہ آفاق ہے اور محدثین کے دفتر میں انکا نام نہیں ہے (۳)
 صحاح ستہ کو جب اول سے آخر تک دیکھو گے تو اُنکی روایت کا نام نہ پاؤ گے بجز ایک
 جگہ کے کتاب علی ترمذی میں تو وہ بھی ایک شخص جابر جعفی کے کاذب ہونے کی اُن سے
 نقل ہے باقی بالغیر (۴) صاحب صحائف اپنے مجد والعم کی عبارت اتحات النبلا سے اسی
 بارے میں نقل ہے۔ لہذا اہل حدیث کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ فن حدیث میں
 امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کی بونجی بہت تھوڑی ہے۔ اسکے علاوہ بھی اُن لوگوں نے ہزار ہا
 کلمات اہانت اپنے تصانیف میں درج کیے ہیں جن کے لکھنے سے قلم تھرا ہی جواب
 مضمون اول کے فقرے اگرچہ واقعی کے مطابق ہیں مگر اُنکے بیان کا عنوان سوادہی سے
 خالی نہیں ہو اور مضامین باقیہ کا عنوان بھی بے ادبی کو شامل ہے اور حدیث کے دفتر میں امام ابو حنیفہ
 رحمہم اللہ کا نام نہونا غلط ہے بلکہ صحاح ستہ کے علاوہ بہت سی حدیث کی کتابوں میں اُن کی

بڑے فاسق ہوے اہل اسلام کو لازم ہے کہ اُسے مجالست ترک کریں اور شادی و غمی میں اُس کے
ہیمن شرکت نہ کریں تاکہ وہ اپنے اس فعل سے توبہ کریں سوال اُس شخص کے حق میں کیا
حکم ہے جو کہتا ہے کہ کل کا بنا ہوا کپڑا نہ خرید و جبکہ تم کسی کے جانب سے اُسکے خریدنے پر مجبور
نہیں کیے گئے ہو کیونکہ یہ کل جولاہون اور سوت کا تنے والون کے حق میں فتنہ عظیم ہے
کیونکہ ان لوگوں کا یہی پیشہ ہی ہے اور اس پیشہ کے علاوہ فی الحال نہ یہ کوئی اور پیشہ کر سکتے
ہیں نہ کسی دوسرے طریقے سے اپنے لیے کفالت حاصل کر سکتے ہیں اسی پیشہ کی بدولت یہ
لوگ اپنا بیٹ بھرتے تھے اور ہمارے ساتھ رہتے تھے پس ہمارے نزدیک جو لوگ کل کا
بنا ہوا کپڑا باریک ہونے باسستا ہونے کی وجہ سے خریدتے ہیں وہ کل کے بانی سے زائد فتنہ
کے باعث ہیں اور فتنہ کی مصیبت بلاشبہ قتل کی مصیبت سے زائد ہے کیونکہ قتل صرف ایک
لحمہ کی مصیبت ہے اور یہ وہ مصیبت ہے جسکے بدولت لڑکے بالون کا بھوکون مرنا دیکھنا پڑتا
ہے اور روزانہ اپنی جان بھی آمدنی نہونے کی وجہ سے گھل گھل کر نکلتی ہے بھیک بھی مانگنا پڑتی ہے
جسکی شرعاً مانعت ہے اور اسکے علاوہ بھی ہزاروں مصیبتیں لاحق ہوتی ہیں دیکھو اللہ تعالیٰ
نے غربا کی بھوک کے دفعیہ کے لیے کس قدر تاکید کی ہے۔ قرآن شریف میں ہے وَالْفُقَوَا صَارُوا قَتْلُكُمْ

مَنْ قَبْلُ اَنْ يَأْتِيَ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ فَيَقُولُ رَبِّ لَوْ اَخَّرْتَنِي اِلَى اَجَلٍ قَرِيبٍ فَاَصْدَقْ
وَ اَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ یعنی جو تمھیں دیا ہے اُس میں سے صرف کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے
کسی کی موت آئے اور وہ کہے اے اللہ تو مجھے کچھ دنوں اور زندہ رکھ تاکہ میں صدقہ کروں
اور نیکیوں میں شامل ہو جاؤں۔ اور غربا کی حالت کی خبر نہ رکھنے کو اللہ تعالیٰ نے کفر کا جرم
ذکر کیا ہے۔ قرآن شریف میں ہے اَرَأَيْتَ الَّذِي يَكْذِبُ بِالْاٰدِیْنِ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یُوعِدُ الْیَتِیْمَ
وَلَا یَحْضِ عَلٰی طَعَامِ الْمَسْکِیْنِ کیا تم نے اُسکو دیکھا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے اور یتیم کو دکھ دیتا ہے
اور مسکین کے کھلانے پر آمادہ نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَفَرَّقْ سُلُطٰتُہَا سَبْعَ مَوَاقِعَ
ذَرَاْعًا فَاَسْکُوہُ (انہ کان لایؤنن باللہ العظیم وَلَا یَحْضِ عَلٰی طَعَامِ الْمَسْکِیْنِ پھر اُسکو ایک
زنجیر میں جسکی پیمائش سرگز ہو باندھ دو کیونکہ وہ خدا پر ایمان نہیں لایا اور اُس نے مسکین کے
کھلانے پر آمادہ نہیں کیا۔ مشارق میں ہے قَالَ ابُوہُرَیْرَةَ السَّاجِیُّ عَلٰی لَا اَعْلٰہَ وَالْمَسْکِیْنِ

کا مجاہد فی سبیل اللہ قال ابوہریرۃ واحسبہ قال کافا لکم لایفتروکوا لصائغہ لایفطر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے جو شخص بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرے وہ اُس کا ایسا ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے میرے خیال میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا شخص اُس قائم کا ایسا ہے جس کے قیام کا سلسلہ نہ ٹوٹے اور اُس صائم کا ایسا ہے جو افطار نہ کرے۔ اور بلاشبہ جتنا مال خرید اشیا میں صرف ہوتا ہے اتنا مال خیرات میں صرف نہیں ہوتا چنانچہ اسی بنا پر حدیث شریف میں وارد ہے کہ قرضِ حسنہ سے غیر حسنہ قرض کا دینا زیادہ ثواب رکھتا ہے سود کا حرام ٹھہرانا بھی غربا کی رعایت کی وجہ سے ہے پس کبیرا خریدنے کی وجہ سے تمہیں اپنے مسلمان بھائیوں کو نقصان پہنچانا کیونکر گوارا ہوتا ہے تفسیر فتح العزیز میں بزبان فارسی تحریر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے اہل تحقیق نے کہا ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک گوسالہ ہے جس کی وہ پرستش کرتے ہیں گو بظاہر اپنے کو مسلمان اور دیندار کہیں چنانچہ حدیث شریف میں بھی اسکے جانب اشارہ کیا ہے بئس عبد الدینار وعبد الدراہم وعبد الحمیصۃ ان اعطی رضی ان لم یعط سخط اُس شخص کا بڑا حال ہے جو اشرافی یا روپیہ یا عمدہ کپڑے کا بندہ ہو اگر اُس کو اسد کی طرف سے یہ چیزیں مرضی کے موافق ملتی ہیں تو خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور شکر نہیں کرتا البتہ اگر نہیں ملتی ہیں تو ناخوش ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے انتی۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب لوگ موٹا کپڑا پہنا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ امر اگر چاہیں تو یہاں کا بنا ہوا مہین کپڑا زیادہ قیمت خرچ کر کے بہنیں اور غربا کو لازم ہے کہ اپنی وسعت کے موافق ایسا کپڑا پہنیں جس کی قیمت بے دشواری کے ادا کر سکیں اور اپنے تھوڑے نفع یا خوشی کے واسطے غربا کا نقصان نہ کریں اس کا لحاظ امر کو زیادہ کرنا چاہیے ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن جلیفۃ بن الیمان انہ تزوج بھو حنیۃ بالمدائن فکتب الی عمر بن الخطاب ان خل سبیلہا فکتب الیہ احرام ہی یا امیر المؤمنین فکتب الیہ اعزم علیک ان لاتضع کمائی حتی تخلی سبیلہا فانی اخاف ان یقتدی بک المسلمون فیتخذوا نساء اہل لاقۃ لہما ہن وفکی بذلك فتنة نساء المسلمین وقیل لہ رضی اللہ عنہ ان ہما رجل من الانبیاء نصرانیۃ بصریۃ یوان لو اتخذتہ کاتباً فقال لقد اتخذت اذا بطانة من دون المہین

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حماد سے اُنھوں نے ابراہیم سے اُنھوں نے حذیفہ بن یمان سے روایت کی کہ اُنھوں نے مدائن میں ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اُنھیں لکھ بھیجا کہ اُسے چھوڑ دو اُنھوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین کیا وہ حرام ہے پس اپنے اُنکو بھر لکھا کہ میں تمکو حکم دیتا ہوں کہ میرے خط کو اپنے ہاتھ سے علیحدہ نہ کرو جب تک کہ تم اُس سے علیحدہ نہ ہو جاؤ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ مسلمان تمھاری اقتدار کے ذمیوں کی عورتوں کو اُن کی خوبصورتی کے بدولت پسند کر لیں اور مسلمان عورتوں کے لیے یہ بڑا فتنہ ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک نصرانی ہے جس کو دفتر کے کاموں میں خاص ملکہ ہے بہتر ہوتا کہ آپ اُسے اپنا کاتب بنا لیتے آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں نے مسلمانوں کے سوا دوسرے کو اپنا ساتھی بنایا۔ ہند کے مسلمان بھی اگر کل بنائیں تاہم خالی از فتنہ نہیں ہو کیونکہ کل سے تجارت پیشہ لوگوں کو نفع ہوتا ہے نہ اہل حرفہ کو خیال کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ غربا کی پرورش کے لیے امرا سے فرماتا ہو کہ تم اپنی جانبازی کے مال میں سے غربا کو دو اگر ہم ایسا حق نہ مقرر کریں تو مال صرف امرا ہی میں رہ جائے گا۔ قرآن شریف میں ہو کیلا لیکون دولة بین الأغنیاء منکم تاکہ دولت تم میں کے امیرون ہی میں نہ رہ جائے۔ پس اے لوگو اگر ہمارا کہنا نہ مانو گے تو قطعاً بلاے عظیم میں مبتلا ہو گے جیسے اگلی ظالم قومیں بلاے عظیم میں مبتلا ہوئیں و اتقوا فتنۃ لا تصیب من الذی ظلموا منکم خاصۃ فتنہ سے ڈرو کہ میں وہ تم میں کے ظالموں کو نہ آگے۔ یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ اب ایسا حل نہ ہوگا اہل سنت و جماعت کی کتابوں کو دیکھو تمام اہلسنت اس پر متفق ہیں کہ ظہور ایسے راشدین کے وقت میں بھی حجت اللہ بندوں پر قائم ہوتی ہو پس مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمارا کہنا مانیں اور اگر تم نہیں مانتے تو ہم یہی کہتے ہیں یا قوم اعملوا علی مکانکوا فی عامل سوف تعلمون من یاتہ عذاب یخزیہ و من ہو کاذب و ارتقبوا فی معکرو قیب اے قوم تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں عنقریب تمکو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر دلیل کرنے والا عذاب آتا ہو اور کون جھوٹا ہو انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ خلاصہ اس استفتا کا یہ ہے کہ آیا قائل کے قول پر ہر کہہ کو توجہ کرنا ضروری ہو یا نہیں اسکو جواب سے مطلع فرمائیے

جواب حسب قول سائل نمائش قائل یہ ہر کہ وہم کو توجہ کرنا اور اپنی طبیعت کو عمدہ کپڑے کے خریدنے سے ناجائز جانکر دیکر دیکر کسی طور پر جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ہر طرح کی آسانی رکھی ہے جب کل کا بنا ہو کپڑا پہننا جائز ٹھہرا تو کیوں آدمی اپنی طبیعت کو بلا وجہ ایک عمدہ چیز کے خریدنے سے روکے اور کسی قوم کی روزی کسی حرفہ پر موقوف نہیں ہے اللہ تعالیٰ رزاق حقیقی ہے جس طرح اُسکو روزی پہنچانا منظور ہوگا پہنچانے کا البتہ احتیاطاً جس شخص کو یہ منظور ہے کہ ہماری قوم ہم لوگوں سے منفعت حاصل کرے اور ہم سب اپنی قوم سے خرید و فروخت کریں مثلاً کوئی رئیس یا بادشاہ اہل اسلام یہ چاہے کہ ہم اپنی ریاست یا سلطنت میں اہل اسلام نوکر رکھیں اور اہل اسلام ہی سے اشیا بنوا کر استعمال میں لائیں تو استحساناً ناجائز ہے۔ واللہ اعلم وعلما تم حررہ عبدہ المسلمین محمد تقی الدین عفاہ العافی عن ائمہ الاثنین محمد تقی الدین سی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔ الحق لا یجوز عن الجواب والہ اعلم بالصواب محمد شمس الدین سی ہمام ابن القیم الجوزیہ۔ اصاب من احاب محمد بشیر السبزوئی ہو المصوب قول قائل پر ہر شخص کو لزوماً توجہ کرنا اور عمدہ کپڑوں کے خریدنے سے بالکل بے باز رہنا شرعاً لازم نہیں ہے البتہ مقتضای توجہ و احتیاط یہی ہے جو قائل مذکور کہتا ہے اور جو دلائل قائل نے پیش کیے ہیں وہ مثبت لاف نہیں ہیں اور اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ عمدہ چیزوں کے استعمال میں گناہ ہوگا یا عمدہ کپڑوں کا جو کل سے بنائے جاتے ہیں خریدنا باعث فساد و فتنہ شرعیہ کا ہوگا اور یہ خیال کہ اس میں جولاہوں وغیرہ کے رزق کا سد باب ہے خیال خام ہے۔ واللہ اعلم حررہ الحاجی عفور بقوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تاجدار اللہ عن ذنبہ اہلی واخلی سوال شادی کے پہلے یا نکاح کے وقت اگر لڑکی کا ولی نوشاہ سے روپیہ لیکر برات کو کھانا کھلائے تو درست ہے یا نہیں اور ولی بر روپیہ لینے کی وجہ سے کچھ گناہ ہوگا یا نہیں جواب برات کے لوگوں کو کھانا کھلانا و وطن کے لوگوں کی طرف سے درست ہے بلکہ یہی طریقہ ماثورہ حضرات انبیاء علی نبینا وعلیہم السلام سے ہے مدارج النبوۃ وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے اور نوشہ سے روپیہ لینا اگر وہ لطیف خاطر دیتا ہو شرعاً اس میں کچھ حرج نہیں ہے سوال ختم قرآن اور ختم انبیا اور ختم یونس وغیرہ جو مجتمع ہو کر پڑھتے ہیں اور ختم کی اجرت لیتے ہیں اسطرح کا بڑھنا اور اجرت لینا درست ہے یا نہیں جواب متاخرین کے

نزدیک تعلیم قرآن کی اجرت لینا درست ہے اور قدمائے نزدیک درست نہیں ہے بانی نفس تلاوت قرآن اور ختم قرآن کہ جس میں صرف طلب ثواب مقصود ہوتا ہے اس کی اجرت دینا اور لینا درست نہیں ہے اتفاقاً - تنقیح فتاویٰ حامدہ میں خیرہ سے منقول ہے فی التاثر اخانیۃ اذا وصی بان یدفع الی انسان کذا من مالہ لیتقرأ القرآن علی قبرہ فالوصیۃ باطلۃ لایجوز سواہا القاری عینا الا لانہ یغیر لہ الاجرت ولا یجوز اخذ الاجرت علی طاعت اللہ وان کانوا استحسنوا جوازہ علی تعلیم القرآن فذلک للضرورة ولا ضرورة الی القول بجوازہا علی القراءة علی قبرہ المتأثر تانا رخانیہ میں ہے اگر کسی نے وصیت کی کہ اُس کے مال کا اتنا حصہ فلان شخص کو دیدیا جائے کہ وہ کسی قبر پر قرآن پڑھے تو یہ وصیت باطل ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے خواہ پڑھنے والا مقرر ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ ہنزلہ اجرت کے ہے اور خدا کی اطاعت بر اجرت جائز نہیں ہے اگرچہ تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز کو علمائے متحسن لکھتے ہیں لیکن اس کی وجہ ضرورت ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ قبروں پر بھی قرآن پڑھنے کی اجرت جائز سمجھی جائے۔ اور بھی اسی کتاب میں حاشیہ بحر الرائق سے منقول ہے المفق بوجواز اخذ الاجرت استحسانا علی تعلیم القرآن لا علی القراءة المجردة مفتی بہ تعلیم قرآن کی اجرت کے لینے کا جواز ہے استحساناً نہ مجرد قراءت کی اجرت کا لینا۔ اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں ینع القاری للدنیا والاخذ والمعطے اثمان دنیا کے لئے قرآن کا پڑھنے والا روکا جائے گا اور لینے والا اور دینے والا دونوں گناہگار ہونگے سوال صرف نوشتہ کے لیے عمدہ فرش بچھانا اور اُس کے پیچھے کپڑے کا پردہ کھڑا کرنا جسے عرف میں مسہری کہتے ہیں اور خاص نوشتہ کا سواری پر جانا گو ہمیشہ پایادہ جاتا ہو اور سر پر چاندنی تاننا اور نوشتہ کے اعزہ یعنی باپ بھائی بھتیجا وغیرہ کو کھانا کھلانا یہ امور بدعت ہیں یا نہیں اور اگر بدعت ہیں تو کونسی بدعت اور یہ امور ناجبہ اور کھانے کے سامنے ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنے کے برابر ہیں یا کم جواب یہ امور مثل ناجبہ کے جنکی حرمت مخصوص ہے نہیں ہیں بلکہ ان کا شمار بدعات مباحتہ میں ہے لیکن چونکہ ایسے امور میں اکثر یا یہ سمعہ اور تفاخر منظور ہوتا ہے اس لیے بعض فقہانے ان امور کو مکروہ لکھا ہے۔ نصاب الاحساب کی بحث مفاسد مجلس نکاح میں مذکور ہے الاول احضار المغنیین و اظہار الغناء فانہ حرام والثانی احضار المعازف الملاحیۃ انہ حرام

والثالث اظہار اہل البیوت انہ حرام والاربع متوحیطان البیت بالثیاب الجمیلۃ تزینتاً
وانہ مکروہ عندنا والخاصۃ کجود الخیول الطواف بالبلد من غیر حاجۃ فی جمیع الناس
(۱) گانے والوں کو بلانا اور گوانا یہ حرام ہے (۲) کھیل کود کی چیزوں کا لانا اور یہ بھی حرام ہے (۳) کھیلنے
والوں کے کھیل کا اٹھنا اور یہ بھی حرام ہے (۴) گھر کی دیواروں کو عمدہ کپڑوں سے بغرض زینت
منڈھنا یہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے (۵) گھوڑوں پر چڑھنا اور بلا ضرورت شہر میں گھومنا
سوال ہنود یعنی اور بکری وغیرہ کو گنگا پر چڑھاتے ہیں اور پانی میں زندہ چھوڑ دیتے
ہیں اور اُس گھاٹ کے زمیندار ہندو اور دوسرے لوگ جانوروں کو گنگا سے نکال کے بیچتے
ہیں اور چڑھانے والے کچھ تعرض نہیں کرتے پس ان جانوروں کو خرید کے یا نکال کے
فوج کرنے کے بعد کھانا حلال ہے یا حرام اور ما اہل بہ لغیر اللہ کے کیا سخی ہیں اور وما
جعل اللہ من بعبیۃ ولا سائبۃ لکے کیا مطلب ہے جواب ما اہل بہ لغیر اللہ سے وہ
جانور مراد ہے جو اس کے سوا کسی دوسرے کے تقرب کی غرض سے ذبح کیا جائے۔ اور اراقۃ الدم
سے غیر خدا کی تعظیم مقصود ہو اور خاص غیر کے لحاظ سے جان دینا مقصود ہو ایسا جانور حرام ہے
اگرچہ بسم اللہ کیلئے ذبح کیا جائے۔ در مختار میں ہے ذبح لقدم الامیر ونحوکواحد من العطاء
یحرملانہ اہل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ علیہ ولو ذبحہ للضعیف لا یحرم امیر کے آنے
کے لیے یا برون میں سے کسی کے آنے پر کچھ ذبح کرنا حرام ہے کیونکہ وہ ان چیزوں میں سے
ہیں جو خدا کے سوا کسی اور کیلئے ذبح کیا گیا ہو اگرچہ اُس پر خدا کا نام لیا جائے اور اگر مہمان کے
لیے ذبح کیا تو حرام نہیں ہے۔ اور نیشاپوری کی تفسیر میں ہے قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ
وقصد بدین بھما التقرب الی غیر اللہ صار مرتداً و ذبیحۃ ذبیحۃ مرتد علماء کہتے ہیں کہ اگر
کسی مسلمان نے ذبیحہ کیا جس سے اُس کا مقصد تقرب الی غیر اللہ تھا تو وہ مرتد ہو گیا اور اُس کا ذبیحہ
مرتد کا ذبیحہ ہے۔ اور تفسیر منثور میں ہے اخرجہ ابن المنذر عن ابن عباس و ما اہل
قال ذبح واخرجہ ابن عباس عن مجاہد و ما اہل قتال ما ذبح لغیر اللہ ابن منذر رحمہ
نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اہل کے معنی ذبح کے ہیں اور ابن ابی حاتم
رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ما اہل کے معنی ما ذبح کے ہیں۔ پس شیخ سعد

وغیرہ کا بکر اگر اُس میں خاص غیر خدا کے لیے جان دینا اور غیر اللہ کے لیے خون بہانا مقصود ہوتا ہو
حرام ہے نہ ذبیحہ فاتحہ بزرگان جس میں خون بہانا اللہ کے لیے ہوتا ہو اور ایصال ثواب مقصود
ہوتا ہو۔ اور جو جانور ہندو ذبح چھوڑ دیتے ہیں وہ آیت میں داخل نہیں ہیں اور اس آیت
سے انکی حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان ذبح نہیں ہوتا بلکہ زندہ چھوڑ دینا ہوتا ہے اور آیت
یما جعل اللہ الذبح کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ نے جانور دن میں اپنی رائے سے تخلیل و تحریم کر دی
تھی کبھی وہ شتر کو کان پھاڑ کے جنون کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اُسکا دودھ کسی کو نہیں دیتے
تھے اور اُسکے ذبح کو حرام سمجھتے تھے اور اُسکے اکرام میں خوشنودی اعتنا تصور کرتے تھے اسی
کو بحیرہ کہتے ہیں اور سائبہ اُس جانور کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جائے اور اُس
سے کسی قسم کی باربرداری کی محنت نہ لی جائے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کا اُن سے ابطال کر دیا اور
یما جعل اللہ من بحیرۃ اثم ارشاد فرمایا پس آیت سے صرف اُنکے احکام کا بطلان ثابت
ہوتا ہے نہ تحریم ذبح بحیرہ و سائبہ۔ جب یہ امر مہم ہو گیا تو سمجھنا چاہیے کہ جو جانور گنگا پر چڑھائے
جائے ہیں یا بتوں کے نام پر چھوڑ دیے جائے ہیں انکو بکڑے یا نکال کے ذبح کرنا نہ اسوجہ
سے حرام ہے کہ وہ اہل غیر اللہ میں داخل ہیں اور نہ اس وجہ سے کہ بحیرہ و سائبہ کا ذبح حرام ہے
بلکہ اس وجہ سے کہ وہ جانور اس رہا کرنے سے ملک مالک سے خارج نہیں ہوتے ہیں پس
بے مالک کے اجازت کے اُنکا حکم مضبوط و مسروق کا ہوگا اور اگر مالک اجازت دیدے یا مانت
عالمہ کر دے تو اُنکو بسم اللہ کے ذبح کرنا اور کھانا درست ہوگا اور حرکت قبیحہ اور نیت شنیعہ رہا کرنے
والے سے حکم حرمت کا نہ ہوگا۔ رد المحتار میں ہے المختار فی الصید اذ لا یملک اذا لم یصح و کذا فی
اللہ ابتداء سیدھا کما بسطہ الشربلانی و فی شرح شکار کے بارے میں مختار یہ ہے کہ اُسکا مالک نہیں
ہو سکتا تا وقتیکہ اُسکے لیے مباح نہ کر دیا جائے یعنی جانور کا چھوڑنے والا تا وقتیکہ اجازت نہ دے
اگر اُسکا شکار کرے تو وہ جانور مباح نہ ہوگا ہی حال چو پایہ کا ہی جبکہ وہ چھوڑ دیا گیا ہو جیسا کہ شربلانی
نے اپنی شرح میں اسکی وضاحت کی ہے۔ اور زیلعی شرح کنز میں ہے ان کان مرسلًا خصوصًا للغير
فلا یجوز تناوله الا باذن صاحبه اگر جانور چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ دوسرے کا مال ہے اُسکا کھانا
بے مالک کی اجازت کے جائز نہیں ہے سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ

کی شبیہ کا عمارت کی طرح سے اس زمانے میں حصول ثواب زیارت کی غرض سے بنانا جائز
 ہو یا نہیں جو اسب روضہ مقدسہ نبویہ کی صورت یا شبیہ کا حصول ثواب کی غرض سے
 بنانا بدعت اور شرعاً ناجائز ہو اولاً اسوجہ سے کہ زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین و امیہ
 مجتہدین میں باوجود وقوع ضرورت کے یہ صورت نہیں پائی گئی تھی علماً ان زمانوں میں زیارت
 قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشتاق رہتے تھے اور بعض صحابہ مثل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما
 کے بارہا قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر زیارت کا ثواب حاصل کرتے تھے باوجود اسکے ان
 حضرات میں کسی ایک سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اپنے شہر یا مکان میں قبر شریف کی صورت
 یا نقشہ یا حجرہ شریفہ بنا کے ثواب زیارت کے حاصل ہونے کا قصد کیا ہو یا اسکے جائز ہونے کا
 فتویٰ دیا ہو اور جس چیز کی ضرورت قرونِ ثلاثہ میں ہو اور قولاً یا فعلاً اسکی طرف توجہ کی گئی ہو
 وہ یقیناً بدعت سیئہ ہو اور کل بدعت ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار کے حکم کے موافق
 غیر مشروع ہو ثانیاً اس وجہ سے کہ کسی متبرک شے کی شبیہ و صورت پر اُس شے کا حکم دینا اور
 حصول ثواب کا طلب کرنا باطل ہو اور یہ سمجھنا کہ جس طرح اصل کی تعظیم و تکریم سے ہکو ثواب ملتا ہو
 اسی طرح نقل یا شبیہ کی تعظیم و تکریم سے بھی ہکو ثواب ملے گا گمراہی ہو جیسا کہ رسالہ اسلمی میں ہے من
 الاوهام تقریر حکم شئی بشبھہ و ہذا الوہم قد اضل علیہ اَصنام من طریق الثواب
 و اوقعہم فیھا و یتہ الجہالۃ کسی چیز کا حکم اُسکی شبیہ سے بیان کرنا ایک وہم ہے بت پرستوں
 کو اسی وہم نے صحیح راستے سے گمراہ کر کے قوافلِ مین و الدایہ میں روضہ مقدسہ نبوی علی صاحبہ
 الف الف صلوة و تحیہ کی صورت اور شبیہ کا عمارت کے طریقے سے بنانا اور اُس سے طلب حصول
 ثواب زیارت کرنا لغو اور باطل امر ہو سوال چاندی کی خلال اور سیپ کے بوتام کا استعمال کرنا
 جائز ہو یا نہیں جواب سیپ کے بوتام کا استعمال کرنا جائز اور چاندی کے خلال کا استعمال کرنا
 ناجائز ہو رد المحتار میں ہو المحرم ہو الاستعمال فیما صنعت لہ فی معادۃ الناس حرام چاندی
 کا استعمال ان چیزوں میں ہو جنکے لیے وہ بنائی گئی ہو عرف عام میں سوال ایک شاعر نے
 اپنے اشعار میں وجودیہ اور شہودیہ کی مذمت کی جس کی وجہ سے ایک عالم نے اُس شاعر کی
 تکفیر کا حکم دیا کیونکہ وجودیہ و شہودیہ یا انبیائے یا اولیا اور عارفوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہو

جوان دونوں گروہوں سے خارج ہو دوسرے عالم نے اُس عالم کے تکفیر کا حکم دیا جس نے اُس شاعر کو کافر کہا تھا اور اپنے فتوے میں اس دوسرے عالم نے لکھا ہے کہ انبیاء اور اولیاء میں سے کوئی نہ وجودی تھا نہ شہودی بلکہ وجودیہ اور شہودیہ اہل بدعات سے ہیں۔ اب آپ کے نزدیک اس نزاع میں جو قول فیصل ہو ارقام فرمائیے جو اب اکابر اولیاء امتِ محمدیہ دو فرقوں پر مختلف ہیں بعضے توحید وجودی کے قائل ہوئے ہیں انہیں سے حضرت شیخ محب الدین کا آبادی قدس سرہ ہیں اور انہوں نے اس بحث میں رسالہ التوسیہ لکھا ہے اور ملام محمد جو بنوری نے ان کے رد میں رسالہ حمزہ الايمان لکھا ہے اور تحقیقات انیقہ سے اپنے رسالے کو بھر دیا ہے اور انہیں میں سے حضرت مولانا شاہ عبدالرحمن لکھنوی رحمۃ اللہ ہیں انہوں نے رسالہ المکملۃ لکھی ہے اور اُس میں اپنے خیال کے موافق اثبات توحید وجودی کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت کیا ہے اور اس رسالہ کے نتائج نے جا بجا اُن کے اقوال کو محذو ش لکھا ہے اور انہیں میں سے سید الطائفہ حضرت شیخ محی الدین بن عربی مولف فتوحات و فصوص الحکم ہیں۔ اور بعضے توحید شہودی کے قائل ہوئے ہیں اور انہوں نے اکابر کے اقوال کو محال صحیحہ پر محمول کیا ہے اس بحث کی تحقیق مکتوبات مجدد الف ثانی اور رسالہ تشبیہ فی مابنی کلمۃ التوحید میں موجود ہے۔ لیکن جو کتاب ہے کہ وجودیہ اور شہودیہ اہل بدعات میں سے ہیں اُس کا قول اعتبار کے قابل نہیں ہے اور اُس کے قول کا منشا جہالت اور اولیاء اللہ کے حالات اور توحید وجودی و شہودی کے معنی سے ناواقفیت ہے اور جس شاعر نے دونوں فرقوں کی مذمت کی ہے وہ قابل ملامت ہے سوال (۱) تفضیلیہ کسے کہتے ہیں اگر کوئی شخص حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو دانا دی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور بنی ہاشم ہونے کی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے تو وہ تفضیلی ہے یا نہیں (۲) اہل سنت و جماعت کے نزدیک غنیمین رضی اللہ عنہما کی فضیلت من کل الوجوہ ہے یا من بعض الوجوہ (۳) اہل بیت نبوی کا مصداق کون ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اُس کے مصداق ہیں یا نہیں (۴) جو عوام میں مشہور ہے کہ پنجتن پاک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم ہیں اس کی شرع میں کوئی اصل ہے یا نہیں (۵) خلع خلافت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ

خليفة ہوے یا نہیں (۶) یزید کو خلیفہ برحق جاننے والا اور خروج امام حسین علیہ السلام کو غیر حق پر جاننے والا گنہگار ہی یا نہیں جواب (۱) شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تحفۃ اثناعشریہ میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے دوسرے شیعہ تفضیلیہ کافر فرقه جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل جانتے ہیں اور یہ فرقه ادنیٰ شاگرد و عبد اللہ بن سبا کا سپہ سالار اس نے تھوڑا دوسرے اُس لعین کا قبول کیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس گروہ کی یون تہدید کی تھی کہ فرمایا تھا اگر میں سنوں گا کہ کسی نے مجھے شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دی تو اُسے افر کی سزا دوں گا جو اتنی کوڑے ہیں انتہی اور جو شخص داماد رسولؐ وغیرہ ہونے کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیتا ہے اگر اُس کی غرض اس تفضیل مرتضوی رض سے شیخین رضی اللہ عنہما پر کثرت ثواب ہے یا اُن فضائل کسبہ میں کہ جس کی وجہ سے ارباب عقول کے نزدیک تفضیل ہوتی ہے یا یہ غرض ہو کہ فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام فضائل شیخین رضی اللہ عنہما پر غالب ہے تو وہ تفضیلی ہوگا اور اگر صرف یہ مقصود ہے کہ یہ فضیلت خاصہ شیخین رضی اللہ عنہما میں نہیں ہے اگرچہ اُن کے اور فضائل اس فضیلت سے بڑھے ہوئے ہیں تو کچھ حرج نہیں (۲) شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت باعتبار ثواب و الکرمیت عند اللہ تعالیٰ ہے نہ باعتبار ہر جزئی کے کیونکہ فضائل جزیئہ حضرت مرتضوی رض میں بعض ایسے ہیں جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما میں نہیں ہیں مگر شیخین رضی اللہ عنہما کی اور فضیلتیں ان جزیئہ فضائل سے بدرجہا زائد ہیں بمحقق ودانی حاشیہ جدیدہ شرح تجرید میں لکھتے ہیں انما اختلفوا فی الافضلیۃ من حیث کثرة الثواب کما هو الشائع فی کتب العقائد اذ لا ینکوا احد من اهل السنۃ رجحان علی فی کثیر من الفضائل سوائے ان کے نہیں ہے کہ الفضیلت میں اختلاف من حیث کثرت ثواب کے ہے جیسا کہ کتب عقائد سے ظاہر ہے کیونکہ اہل سنت و جماعت میں سے کوئی بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیادتی فضائل کا منکر نہیں ہے۔ اور شرح مقاصد میں ہے الکلام فی الافضلیۃ بمعنی الکرامۃ عند اللہ و کثرة الثواب اختلاف الفضیلت میں خدا کے نزدیک بزرگ ہونے اور کثرت ثواب میں ہے۔ اور شرح مواقف میں ہے مرجعہا ای مرجع الافضلیۃ التی نحن بصددها الی کثرة الثواب و الکرامۃ عند اللہ و ذلک يعود الی الاکتساب للطاعات الاخلاص فیہا اس فضیلت کا مرجع جس میں ہمیں بحث ہے کثرت ثواب اور خدا کے نزدیک ہونے کی طرف ہے اور یہ بندگی اور اخلاص

بزم وقوف ہو (۳) حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی مصداق اہل بیت نبوی میں داخل ہیں ہو کہ اہل بیتی یہ میرے اہل بیت ہیں انکے حق میں وار د ہو (۴) خالص اس شہرت کی کوئی معتد بہ اصل نہیں ہو البتہ اگر بولا اہل بیتی واصحاب عباس سے استناد کیا جائی تو ممکن ہو مگر تخصیص کی کوئی مستبر وجہ نہیں ہو کیونکہ اگر طہارت اپنے عصمت کے ہو تو وہ مختصات انبیاء سے ہو اور اگر مطلق ہو تو ان حضرات کے ساتھ اختصاص کی کوئی وجہ نہیں ہو (۵) وہ خلافت جس کے حق میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے الخلافة بعدی ثلثون سنة خلافت میرے بعد تیس برس ہو۔ فرمایا ہو اُسکا زمانہ خلع حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تک گذر چکا تھا بعد اسکے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اُس سے خارج ہوئی لیکن مطلق خلافت میں جبکہ حق میں حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے فرمایا ہو کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہونگے جو قیام بالعدل کریں گے داخل ہو۔ ابن حجر کی نسخ مکیہ شرح قصیدہ امزیہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں فكان المحکم آخر الخلفاء الراشدين بنص جده صلی اللہ علیہ وسلم بقوله فی الحدیث الصحیحہ الخلافة بعدی ثلثون سنة فمداه خلافة هو الستة اشهر والباقیة منها وعندهم مضیها ساداً لمعاویة فی اربعین الفا فلما تراءى الجمعان علم الحسن انه لن یغلب احدی الطائفتین حتی یدھب اکثر الاخری فوضی بالنزول لمعاویة عن الخلافة شفقة علی الامۃ بشرط قبلها معاویة فنزل له ورجع صار هو الامام الحق وقبیل ذلك متغلبا لکن بجهتہ اداء لم یکن انما بلاء جواراً حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آخر خلفاء راشدین تھے کیونکہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتنا سے یہ حدیث صحیح مدی ہو کہ میرے بعد خلافت تیس برس ہو پس حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت وہی چھ مہینے تھی جو تیس برس میں باقی رہ گئے تھے اور جب وہ ختم ہو گئے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ چالیس ہزار آدمیوں کے گروہ کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کو گئے لیکن وہاں پہونچ کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ دونوں گروہوں میں سے اسوقت تک کوئی غالب نہیں آسکتا جب تک دوسرے کا اکثر حصہ کٹ نہ جائے پس آپ اسی پر راضی ہو گئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کو چھوڑ دین اس سے آپ کا منشا مسلمانوں کے لیے آسانی کرنا تھا اور اپنے چند شرطین

پیش کن جنہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے سخت مخالفت کو چھوڑ دیا اسی وقت سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام برحق ہو گئے اسکے قبل وہ غاصب تھے لیکن خطائے اجتہادی کی بڑت بجائے گنہگار ہونے کے ماجر تھے (۶) ایسا کہ وہاں یہ جو شخص کے کا وہ گنہگار ہوگا اور اُسکو توبہ کرنا واجب ہو۔ بخ مکیہ میں ہر نقل عنہای ابن العربی المالکی ما یقشع عنہ الجلد انہ قال لم یقتل الحسین الا بسیف جلدہ ای بحسب اعتقادہ الباطل ان یزید ہو الخلیفۃ والحسین باخ علیہ فیہ ایضا قول بعضہم لا یدل علی قتله الحسین لا نعم انما قتلاہ بسیف صحیحۃ الامہ بسبلہ الی البغاة لا یعول علیہ لان یزید لم تنعقد بیعتہ عند الحسین وغیرہ مصنف لم یبايعوه والمبايعون لم یفکروا علی البیعتہ کما ہو معروف علیہ ام یزید انہ جابر فاسق متغلب ابن عربی المالکی رحمہ اللہ سے وہ مروی ہے جس سے رد نہیں کھڑے ہوتے ہیں اُنھوں نے کہا جو کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے نانا ہی کی تلوار (یعنی اُن کے مقرر کردہ قواعد) سے قتل کیے گئے یعنی (اُن کے اعتقاد باطل کے مطابق) یزید خلیفہ تھا چونکہ امام حسین علیہ السلام نے بغاوت کی لہذا قتل کیے گئے اور اسی کتاب میں ہے بعض لوگوں نے جو کہا ہے یزید کو قتل امام حسین علیہ السلام پر ملامت نہ کی جائیگی کیونکہ اُس نے آپ کو آپ کے نانا ہی کی تلوار سے قتل کیا جس کے باغیوں پر کھینچنے کا خود اُنھیں نے حکم دیا تھا وہ قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان لوگوں کے نزدیک جنھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی انعقاد بیعت ہو ہی نہ تھا اور جنھوں نے یزید کی بیعت کی تھی وہ مجبور کیے گئے تھے جیسا کہ مشہور ہے زائد سے زائد یزید جابر فاسق اور غاصب تھا سوال زید کہتا ہے اہل سنت کے نزدیک وطی فی الدبر جائز ہے اور کہتا ہے کہ اسکے جواز کی روایتیں صحاح ستہ اور اُنکی معتبر تفسیرون میں (نساء کہ حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم کے تحت میں مذکور ہیں بیہوطی نے تفسیر در مشور میں لکھا ہے اخر جہ اصحق بن راہویہ فی مسندہ و تفسیرہ و البخاری و ابن جریر عن نافع قال قرأت ذات یوم نساء کہ حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم قال ابن عمر تدری فیم انزلت ہذا الا یہ قلت لا قال قرأت فی اتیان النساء فی احیادہن و اخر جہ البخاری و ابن جریر عن ابن عمر فأتوا حرثکم انی شئتم قال فی الدبر اسحق بن راہویہ نے اپنی مسند و تفسیر میں اور بخاری اور ابن جریر نے نافع سے

روایت کی ہو کہ ایک دن مین نے فائز الایۃ ابنی کھیتون کو جس طرح چاہو کام مین لاؤ برہمی
 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ آیت کس بار سے مین نازل ہوئی ہو
 مین نے عرض کیا نہیں انھوں نے فرمایا کہ عورتوں کی دبر کو کام مین لانے کے متعلق اور
 بخاری اور ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فائز انکم لایۃ کے معنی مین روایت
 کی ہو کہ انھوں نے فرمایا یعنی اُنکی دبروں کو کام مین لاؤ اور امام مالک رحمہ اللہ اور دوسرے
 علمائے اس برفوتے ویسا ہی پس زید کا قول اس مسئلہ مین اس استدلال کے ساتھ صحیح ہے یہ
 نہیں جواب حلت وطی فی الدبر کی نسبت اگرچہ بعض علمائے ابنی تحریروں اور تصنیفوں مین
 امام مالک رحمہ اللہ کی جانب کی ہو لیکن صحیح یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے
 رجوع کیا ہو۔ قسطلانی رحمہ اللہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری مین لکھتے ہیں روی الخطیب
 عن مالک من طریق اسرائیل بن روح قال سالت مالکاً عن ذلك فقال انتم قوم عرب
 هل يكون المحرم الا في موضع زرع كاتعد الفرج قلت يا ابا عبد الله انهم يقولون انك تقول ذلك
 قال يكذبون علفاً لظاهر ان اصحابه المتأخرين اعتمدوا على هذه القصة ولعل الكاظم عن قول الاول
 خطیب رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے بطریق اسرائیل بن روح رحمہ اللہ روایت کی ہے
 انھوں نے کہا کہ مین نے اس کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ اوائل عرب
 تم بھی کیا لوگ ہو کہ مین کھیتی بھی کھیت کے سوا کہ مین اور ہوتی ہے فرج سے تجاوز نہ کرو پھر مین
 نے کہا او ابو عبد اللہ رحمہ اللہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ایسا کرنے کو فرمایا ہے انھوں نے کہا کہ
 لوگ مجھ پر تہمت رکھتے ہیں پس بظاہر یہ معلوم ہوتا ہو کہ اُنکے بعد والے اصحاب نے اس قصہ
 پر اعتماد کیا ہے اور شاید امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ہو۔ لیکن حضرت
 ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت محمول ہو اتیان فرج پر دبر کی طرف سے نہ اتیان دبر پر اور جو
 لوگ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے کہنے سے واقف نہیں ہوئے انھوں نے اتیان
 دبر کو روایت کیا ہو۔ نسائی مین باسنہ صحیح ابی نصر رحمہ اللہ سے روایت ہو قلت لنافع قد اکثر
 عليك القول انك تقول عن ابن عمر انه فتي ان يوقى النساء في ابيادهن قال كذا ابو اعلى ولكن
 ساعدتكم كيف كان الامر ان ابن عمر عرض المصحف وانا عنده يوما حتى بلغ نساءكم وحشكم

فَاتُوا حُرُکُمْ اِنْ شِئْتُمْ فَقَالِیْ نَافِعٌ هَلْ تَدْرِیْ مِنْ اِمْرِ هَذِهِ الْاٰیَةِ قُلْتُ لَا قَالَ اِنَّا کُنَّا مَعَهُ قَرِیْشٌ نَحْنُ الْاَنْسَاءُ فَلَمَّا
دخلنا المدينة وکنحناء نساء هم اردنا منهن مثل ما کننا نرید فاذا هن قد کمرهن خلک واعظم من
وكانت نساء الانصار قد اخذنا بحلال الیھو فاما یوتین علی جنوحهن فانزل اللہ نساء کم حرث لکم
میں نے نافع رحمہ اللہ سے کہا کہ بہت سے لوگ تمھارے متعلق یہ کہتے ہیں کہ تم نے حضرت ابن عمر
رضی اللہ عنہما سے عورتوں کی دہروں کو کام میں لانے کی جواز کی روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ
لوگ مجھے تہمت دھرتے ہیں میں تم سے اس کا قصہ بیان کرتا ہوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما
قرآن شریف پڑھ رہے تھے اور میں اُنکے پاس تھا جب وہ اس آیت پر پہنچے نساء کم
الایۃ کہنے لگے اے نافع تم اس آیت کا واقعہ جانتے ہو میں نے کہا نہیں انھوں نے فرمایا
کہ ہم کردہ قریش کی عورتوں کو ٹیڑھا کرتے جب ہم مدینے گئے اور وہاں کی عورتوں سے نکاح کیا
ہم نے اُنکے ساتھ بھی اسی طرح کرنا چاہا جس طرح ہم کیا کرتے تھے لیکن انھوں نے اسے بُرا جانا
انصار کی عورتیں ہم سے یہود کی طرح جاہلی تھیں کہ پہلو پر آئین تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی
اور اگر بغرض بحال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جواز وطی نے الدبر کے قائل ہوں تو اُن کا قول
اس باب میں اہل سنت کے نزدیک معتبر نہیں ہو کیونکہ بہت سی حدیثیں جو صحاح وغیرہ میں
مروی ہیں حرمت وطی فی الدبر پر اور اُسکے فاعل پر وعید شدید مثل لعنت وغیرہ کے دلالت
کرتی ہیں اور جب صحابی کا قول رسول کے قول کے خلاف ہو تو صحابی کے قول سے احتجاج
جائز نہیں بلکہ وہ صحابی معذور رکھا جائے گا اس طرح یہ کہ احادیث مرفوعہ اُسے نہیں
پہنچیں اور اگر پہنچتیں تو وہ ایسا فتوے نہ دیتا سوال کوٹ لینے غلوں کا حکمت میں
کاٹنے سے پہلے اندازہ کرنا حفیوں کے نزدیک درست ہو یا نہیں اور غلہ کا یون باطنہ کہ
زمیندار نصف سے زائد اور رعیت نصف سے کم لے مفید ملک رعیت و زمیندار ہی یا نہیں
جواب غلہ اور بھیل کا کاٹنے سے پہلے محض اجالا دریافت کرنے اور اطمینان کیلئے اندازہ
کرنا درست ہو باقی ثبوت ملک اور لزوم حکم شرعی اس اندازے پر مبنی کرنا حنفیہ کے نزدیک
درست نہیں ہے اور احادیث میں جو اندازہ وارد ہو وہ حنفیہ کے نزدیک صورت اول
پر محمول ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں عینی نے لکھا ہو قال الشیخ والثوری

والوحیفۃ وعلم والیوسف الخرص مکروہ حتی قال الشعبي الخرص بدعتی وقال الثوری
 خرص الثمار لا يجوز وقال لما وردی الختم ابو حنیفۃ بنارواہ جابر مرفوعاً عن الخرص وبانہ
 تخمین وقد یخطی ولو جوز لجوزنا خوص الثمار وخوص لزوع بعد جذا اذھا فانہ اقرب من
 خرص ما علی الاشجار فلما لم یجز فی القریب لے یجز فی البعد وقال المخطائی انکرا صاحب الیامی الخرص
 وقال بعضهم انما کان یفعل تخویفا للمزارعین لئلا یخونوا لایلزم بہ الحکم لانہ تخمین وغرور او
 کان یجوز قبل تحریر الیوم والتمار وفیہ ایضاً انھو فعلوا ذلک اخی الخرص لیمعلم مقدار ما فی ایدی
 الناس من الثمار فیؤخذ مثله بقدرہ فی ايام الصرام لانہم یصلحون شیئاً
 شعبی - ثوری - ابو حنیفہ - محمد - ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا ہوا اندازہ کرنا مکروہ ہے حتی کہ شعبی رحمہ اللہ نے
 اسے بدعت کہا ہے اور ثوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پھلون کا اندازہ کرنا جائز نہیں ہے اور ماوردی
 رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے
 استدلال کرتے ہیں کہ اندازہ کرنا ممنوع ہے اور اس امر سے کہ یہ اندازہ بعض اوقات غلط ہوتا
 ہے اور اگر اندازہ کو جائز کر دیں تو پھلون کے کٹ جانے اور زراعت کے کاٹ دینے کے بعد
 بھی اندازہ جائز ہو کیونکہ یہ درختوں کے اوپر کے پھلون کے اندازے سے زائد ترین قیاس
 ہے لیکن جب قریب قیاس ہی ممنوع ہے تو بعید از قیاس بدرجہ اولیٰ ناجائز ہو گا خطائی رحمہ اللہ
 کہتے ہیں کہ اصحاب رائے اندازے کو ناجائز لکھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کاشتکاروں کی
 خیانت کے ڈر سے کیا جاتا ہے نہ جواز کے ظاہر کرنے کے لیے کیونکہ یہ اندازہ اور دھوکا
 بازی ہے اور ربوا اور قمار کی حرمت کے قبل یہ بھی جائز تھا اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے ان
 لوگوں نے اندازہ کیا ہے تاکہ لوگوں کو پھلون کی مقدار معلوم ہو جائے اور کاٹنے کے وقت اُسکے
 حساب سے وصول کیا جائے اس لیے کہ وہ اُسکے مالک ہیں اور غلے کی تقسیم اس طرح پر کہ
 زمیندار نصف سے زائد لے اور رعیت نصف سے کم بتراضی طرفین درست ہے۔ سوال
 انگریزوں کی نوکریاں جیسے منصفی ڈپٹی کلکٹری وغیرہ سب حرام ہیں یا نہیں اگر سب حرام نہیں
 تو کون کون حلال اور کون کون حرام ہیں اور خلافت شرع نوکری کرنے والا کافر ہے یا فاسق اور
 برین تقدیر ومن لم یحکموا انزل اللہ فاولئک هم الکافرون اور جو لوگ قرآن شریف کے

خلاف حکم کرین وہ کافر ہیں۔ کی کیا تاویل ہے جواب جس نوکری میں اجراء احکام غیر شرعیہ و احکام ظلم کے اجراء کی پابندی نہ ہو وہ درست ہے اور جن میں انکی پابندی ہو وہ حرام ہیں اور جو انکی اطاعت کریں اور خلاف شرع احکام جاری کریں وہ فاسق ہیں نہ کافر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
 وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ جو لوگ قرآن شریف کے خلاف حکم کرتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ اور آیت وَمَنْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ اور آیت فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ یہود وغیرہ کے حق میں ہے نہ اہل اسلام کے حق میں یا اُس سے کفر علیٰ مراد ہے یا سخل اور مستحسن پر محمول ہے۔ تفسیر جامع البیان میں ہے نزلت فی اہل الکتاب دون من اساء من هذه الامم ومن ترکہ عدا واجاز وهو یعلم فهو من الکافرین اولیس بکفر ینقل عن الملة ولكن کفر دون کفر یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے اس امت کے گنہگاروں کے متعلق نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس امت کے جو لوگ عدا حکم خدا کو چھوڑ دین یا اُسکے خلاف کی اجازت دیں اور وہ حکم کو جانتے ہوں تو کافر ہیں یا اس کفر سے مراد ایسا کفر ہے جس سے آدمی دین سے خارج نہیں ہوتا یا وہ کفر ہے جو کفر سے کم مرتبہ ہے۔ آخر رسالہ احکام الاراضی میں ہے
 يطعمهم غیر ضرورۃ فوعیلة صحۃ الاسلام وان کانت اطاعتهم لا عن ضرورۃ فذلک لکنہم فاسق جو لوگ بغیر ضرورت ایسوں کی اطاعت کریں انکا اسلام صحیح ہے اور اگر بلا ضرورت ہو تب بھی انکا اسلام صحیح ہے لیکن وہ لوگ فاسق ہیں سوال زید کہتا ہے کہ کسی بدعتی اور مشرک اور کافر کا ذبیحہ حلال نہیں ہے سو اے موصدا اور متبع سنت رسول اللہ کے اور عمر و کہتا ہے کہ مجھے اس امر کی تصدیق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تکلوا مما لم یذکر اسم علیہ اُسکو کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور اُسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اس آیت میں محض اللہ کے نام کی قید ہے نہ کافر یا مشرک یا بدعتی کی اور حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ان قوم احدثوا عہدا بجاہلیۃ یا تو نسا بلحان لاندری ذکر و اسم اللہ علیہا ام لو یدکر وانا کل منها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سموا اللہ وکلوا ایک قوم نے پوچھا کہ عہد جاہلیت کے مطابق ہمارے پاس لوگ گوشت لاتے ہیں جسکے متعلق یہ کہ یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے اُسیر خدا کا نام لیا ہے یا نہیں

ہم اُسے کھائیں یا نہ کھائیں پس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا نام لو اور کھاؤ۔ پس میرے نزدیک آیت کے عام ہونے کی وجہ سے اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق اور علمائے محققین مثل علامہ شوکانی وغیرہ کی تحقیق کے موافق اُسکی حرمت معلوم نہیں پس مشرک ہو یا بدعتی یا کافر جب اُسپر اللہ کا نام لگا تو میں اُسے کھاؤں گا پس دونوں کے درمیان میں آپ کے نزدیک قول فیصل کیا ہے جو اب عمر و کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے: و طعام الذین ادعوا الی اللہ حل لکم اہل کتاب کما حل لکم اہل الذلیلۃ۔ اور یہاں بالاتفاق طعام سے ذبیحہ مراد ہے پس اگر شخص کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے تو مشرکین کا بھی تو اہل کتاب کے تخصیص کی کوئی وجہ نہ تھی اور فکلو اہما ذکرم اللہ اور ولا تاکلوا مما لہ یان کرسم اللہ علیہ وغیرہ میں صرف شرط حلیۃ ذبیحہ کے وقت ذبح کی بیان ہے اور اُسے فقط اسی قدر مقصود ہے کہ بے بسم اللہ کے ذبیحہ حلال نہیں اور ذابح کا عموم و خصوص اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہی ان آیات کے اطلاق سے استناد دیا جائے تو باب اطلاق مذبوح میں اسپر عمل کرنا پڑے گا کیونکہ ان آیتوں میں مذبوح کو خاص نہیں کیا بلکہ جیسے اسم اللہ کا ذکر ہوا اسپر حلت کا حکم ہو پس لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کتا یا سوریا اور کوئی جانور جس کا گوشت حلال نہیں ہے بسم اللہ کی ذبح کرے تو اُسکا کھانا درست ہو جائے اس تقریر سے کہ اللہ نے ان آیتوں میں صرف اسم اللہ کی قید کی ہے نہ کسی خاص ذبیحہ کی حالانکہ اسکا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے اِکھصل ان آیتوں میں فقط ذبح کی کیفیت کا اور ذبح کے وقت شرط حلت کا بیان ہے ذابح اور مذبوح کے اطلاق و تخصیص سے انہیں کچھ غرض نہیں ہے پس جب طح مذبوح کی تخصیص دوسرے آیات و احادیث سے ثابت ہوئی اسی طرح سے ذابح کی تخصیص بھی اور جگہ سے ثابت ہوئی ایک تو آیت سابقہ دوسرے وہ حدیث جو مصنف عبد الرزاق رحمہ اللہ میں مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش پرست کے حق میں فرمایا ہے من اسلم صنمہ قبل ومن لم یسلم صنمہ علیہ الخیرۃ غیریما کحی نسا عہم ولا اکل ذبا عہم ہم جو انہیں سے اسلام لائے گا اُسکا اسلام مقبول ہوگا اور جو اسلام نہ لائے گا اُس سے جزیہ لیا جائے گا مگر انکی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے گا اور اُنکا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا۔ اس طرح اور احادیث و آثار صحابہ بھی اس باب میں موجود ہیں جسے معلوم ہوتا ہے کہ سوا اہل کتاب کے کسی کافر کا ذبیحہ درست

نہیں ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ ہر فرد مسلم کا حلال ہو کیونکہ اس حدیث میں ان لوگوں کے ذبیحہ سے سوال کیا گیا ہے جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور جاہلیت کی رسموں میں پھنسے ہوئے تھے نہ ذبیحہ کافر سے اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ جن کا انتقال ۱۲۸۷ھ یا ۱۲۸۸ھ میں ہوا ہو گو علم ادب میں ان کی تحقیق اچھی ہے مگر ان کا اجتہاد اور فتوے ایسے اربعہ اور مجتہدین سابقین رحمہم اللہ کے اجتہاد اور فتوے کے مقابلہ میں اعتبار کے قابل نہیں ہو اور اس مسئلہ میں ایسے اربعہ رحمہم اللہ بلکہ اکثر مجتہدین یہی تحقیق کر گئے ہیں کہ مسلمان اور کتابی کے سوا کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہو لیں اب شوکانی رحمہ اللہ جو اس صدی کے علمائے عظام میں سے تھے اگر اُسکے خلاف لکھیں تو اُنکے لکھنے کا اعتبار نہ کیا جائے گا سوال اولاً احادیث صحیح میں وارد ہے کہ جب باہم دو مسلمان ملاقات کریں تو اُنھیں مصافحہ کرنا حقوق اسلام کے موافق لازم ہو لیں جو مسلمان اس سنت کو نہ ادا کریں وہ تارک سنت کہے جائیں گے یا نہیں شایاں جمعہ کی نماز کے بعد جو نمازی باہم مصافحہ کرتے ہیں یہ سنت کا طریقہ ہے یا نہیں بعض کتب مثل شرح مشکوٰۃ مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اور غایۃ الاوطار شرح درختار میں امر ثانی کو بدعت لکھا ہے اور بعض لوگ جو شریٰ اول کے مصداق ہیں وہ اُسکو سنت بتاتے ہیں پس دونوں قولوں میں صحیح کون قول ہو ثانیاً جمعہ کی نماز کا وقت دوپہر گزرنے کے بعد کتنے منٹ پر آتا ہے اور کتنا باقی رہتا ہے جس میں نماز جمعہ ادا کی جائے اور تنگ وقت نہ گنا جائے جواب ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا امر متواتر اور سنت قدیمہ سے ہے حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتسلیم کا یہ مستمرہ طریقہ تھا اسکو چھوڑنے والا سنت کو چھوڑنے والا ہے۔ بیعتی نے شعب الایمان میں اور طبرانی وغیرہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے ان المؤمن اذا التقوا المؤمن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصاحتہ تنالرت خطیبا ہما کما تنالرت ورق الشجر مسلمان جب مسلمان سے ملتا ہے اور اُسے سلام کرتا ہے اور اُسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ چھڑ جاتے ہیں جس طرح درختوں کے پتے چھڑ جاتے ہیں۔ اور سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی وغیرہ میں مرفوعاً مروی ہے ما من مسلمین یلقیان ھیتما فحان الا غفر لھما قبل ان یفترقا بوجہ دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُنکو جہاد ہونے سے

پہلے بخشہ تیار ہے۔ اور سنن البوداؤد میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ما لقیۃ یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کلا صاغختی میں جب کبھی حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتنا سے ملا تو آپ نے
مجھے مصافحہ کیا۔ اور ترمذی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من تمام التحیۃ الاخذ بالید حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے مصافحہ من جملہ تحیت ہے۔ اور صحیح بخاری میں بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قلت
لا نس رضی اللہ عنہ کان المصافحۃ فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم میں نے
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مصافحہ
تھا انھوں نے کہا ہاں۔ اور نماز جمعہ یا فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنے کو بعض فقہانے بدعت مباحہ کہا ہے اور
بعضوں نے بدعت مکروہہ لکھا ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ سلف صالح کے طریقے کے
خلاف ہے لہذا اسکو چھوڑنا اور طریقہ مسنونہ کو اختیار کرنا لازم ہے۔ رد المحتار میں ہے قد یقال ان المواظبۃ
علیہا بعد الصلوۃ خاصۃ قد یودی الی اعتقاد سنیۃ ہا فی خصوص هذه المواضع وان لها
خصوصیۃ زائدۃ علی غیرہا مع ان ظاہر کلامہم انہم یفعلہا احد من السلف فی هذه المواضع
ونقل فی تبیین المحرم عن الملتقط انہ ذکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوۃ بکل حال ان الصحابۃ ما صافحوا
بعد اداء الصلوۃ ولا تھا مصنف الروافض ثم نقل عن ابن حجر من الشافعیۃ انھا بدلت مکروہۃ کلاصلہا
فی الشرح ثم نقل عن ابن الحاکم من المالکیۃ ان موضع المصافحۃ فی الشرع انما هو عند لقاء اخیک المسلم لا فی اجبار
الصلوۃ نماز کو بعد پڑھ کر کہ متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے خاص ان مواقع پر سنت ہونے کا اعتقاد
پیدا ہوتا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ مصافحہ کو ان اوقات کے ساتھ ایک خاص خصوصیت ہے جو دوسرے اوقات
کے ساتھ نہیں ہے حالانکہ سلف میں سے کسی اس کو ان مواقع کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے نہیں محارم
ملقط سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد ہر حالت میں مصافحہ مکروہہ ہے کیونکہ صحابہ نے کبھی نماز پڑھ کر مصافحہ نہیں کیا
ہے اور اسلئے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے ابن حجر شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ بدعت اور مکروہہ ہے شرع
میں اسکی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن حاج مالکی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ شرعاً مصافحہ مسلمان بھائی
سے ملنے وقت کرنا چاہیے نماز کے ختم ہونے پر۔ اور نماز جمعہ کا وقت عین ظہر کی نماز کا وقت
ہے جو زوال آفتاب کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور تا وقت عصر باقی رہتا ہے سوال بعض لوگ ایک

بخنہ احاطہ بنوا کے اُس میں ایک چوترا نصب کرتے ہیں اور اُسے حضرت محبوب سبحانی شیخ
 محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کرتے ہیں اور اُس چوترا پر غلاف
 چڑھاتے ہیں اور چراغان کرتے ہیں اور شیرینی چڑھاتے ہیں اور فاتحہ کرتے ہیں یہ امور سب
 ہیں یا نہیں **جواب** ایسے امور کا مرتب مبتدع ہو اور ایسے افعال کی ایجاد بدعت اور ضلالت
 ہے **سوال** جو شراب کہ مطلقاً نشہ آور نہیں ہوگا کیا حکم ہے **جواب** جو شراب کہ مطلقاً نشہ آور نہیں
 نہ اُسکا قلیل اور نہ کثیر وہ حلال ہے اور جسکا کثیر مسکر ہو جیسے سیندھی اور تارڑی اُسکا ایک قطرہ بھی ہندسہ
 مفتے بہ حرام ہے۔ حلیہ میں ہو ماسک کثیفہ فقیلہ حرام جسکا کثیر مسکر ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے۔
 جیسا کہ در مختار اور اُسکے حواشی میں ہے **سوال** چند ایسے مسلمان جنکے والدین بھی مسلمان ہیں جمع
 ہوئے اور کچھ روپیہ باہم چندہ سے جمع کر کے خوک اور شراب مولیٰ اور بھوانی کا پوجا کیا اور وہ
 سو مار کے اور شراب بھوانی پر چڑھائی اس غرض سے کہ بھوانی جسکو کالی اور دیوی بھی کہتے
 ہیں ہیمیشہ کی بیماری سے نجات دے اور محفوظ رکھے جب یہ کیفیت دیندار مسلمانوں کو معلوم
 ہوئی اور ایسے فعل کے وقوع کا پورا یقین ہو گیا تو مسلمانوں نے پوجے میں شریک ہونے والوں
 کا حقہ پانی بند کر دیا تاکہ پھر مسلمان پوجا نہ کریں اور ایسی گمراہی میں نہ پڑیں لیکن ایک شخص نے
 دیندار مسلمانوں کے خلاف دیدہ و دانستہ اُن لوگوں کو اپنا حقہ دیدیا اُس حقہ دینے والے
 کے لیے کیا حکم ہے اور پوجا کرنے والے اگر مرتد اور کافر ہو گئے تو انکی توبہ عند اللہ مقبول ہوگی
 یا نہیں اگر ہوگی تو کیونکر توبہ کریں اور انکی عورتیں نکاحوں سے باہر ہو گئیں یا نہیں **جواب**
 اس صورت میں پوجا کرنے والے کافر ہو گئے اور انکی عورتیں انکے نکاحوں سے باہر ہو گئیں
 اہل اسلام کو انکی شرکت نہ کرنا چاہیے تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کریں اور جو انکا شریک ہوا اُس کو
 بھی برادری سے خارج کر دینا چاہیے جب تک کہ وہ اس شرکت سے توبہ نہ کرے اور پوجا
 کرنے والوں کو لازم ہے کہ پھر اسلام لائیں اور کلمہ پڑھیں اور توبہ اور استغفار کریں اسلام
 لانے کے بعد اپنی اپنی عورتوں سے نکاح کریں اسلام لانے اور توبہ کرنے کے بعد اہل برادری کو
 لازم ہے کہ انھیں برادری میں شریک کر لیں **سوال** داغ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی کتاب اور چند
 میں یہ روایت ہے فلما کان الیوم الثالث عن وفاة ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جاء ابو ذر عند النبي صلى الله عليه وسلم معه تمر يابسة ولين الناقة وخيل الشعير فوضعها
 عند النبي صلى الله عليه وسلم فقرأ النبي عليه الصلوة والسلام الغائبة مرة وسورة الاخلاص
 ثلث مرات وحسب الله صلا على محمد انت لها اهل وهو لها اهل فرجع به يده وصبر
 وجهه فامر باي ذر ان يقسمها وقال النبي صلى الله عليه وسلم ثواب الجنة الا طعمه لا ياتي ابراهيم
 حضور سرور عالم صلى الله عليه وسلم کے صاحبزادے ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے تیسرے دن حضرت ابو ذر
 رضی اللہ عنہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة کی خدمت میں سوکھے چھو ہارے اور اونٹنی
 کا دودھ اور جو کی روٹی لیکر آئے اور آپ کے سامنے رکھ دیں آپ نے سورہ فاتحہ ایک مرتبہ
 اور سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھ کر اللھم صل اہل الذی اللہ تعالیٰ پر صلوة بھیج جسکا تو اور وہ اہل
 ہی پڑھا پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور منہ پر پھیر لیے اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو حکم
 دیا کہ اسے بانٹ دو اور فرمایا کہ ان کھانڈن کا ثواب میرے بیٹے ابراہیم کو پہنچے گا۔ صحت نام
 کتاب اور روایت کی اس میں ہی یا نہیں یا اور کس کتاب میں ہی (۲۲) عبارت مندرجہ ذیل
 مجمع البرکات یا مطالب المؤمنین میں ہی یا نہیں ویقوم عند وجمالیات ویضع یدہ الیہمینی
 علی تربتہ ویقول اللھم اغفر لہ فانہ قد افتقر الیک وان کان قبر عبد صالحہ ویمكنہ
 ان یطوف حولہ فقل لک ثلث مرات مردے کے منہ کے پاس کھڑا ہو اور اپنا داہنا ہاتھ اُسکی
 قبر پر رکھے اور کہے اللھم اہل الذی اللہ تعالیٰ سے بخشے کیونکہ یہ میرے جانب محتاج ہی اور اگر نیک
 شخص کی قبر ہو اور اُسکے گرد طواف ممکن ہو تو تین مرتبہ طواف کرے (۲۳) حدیث مندرجہ ذیل کس
 کتاب کے کس باب میں ہی ان رجلا جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اني
 خلفت ان اقبل عتبة الجنة والحدور العين فامر النبي صلى الله عليه وسلم ان تقبل
 رجل الام ووجه الابل فقال يا رسول الله لولم يكن لي ابوان فقال قبل قبرها قال فان
 لعافون قبرهما قال خط خطين احدهما قبر الام والاخر قبر الابل فقباهما فلا تحت في يمينك
 ایک شخص نبی کریم علیہ النبیۃ والتسلیم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے جنت کی جو کھٹ اور حورین
 کے چھونے کی قسم کھائی ہو اُسے اپنے مان کے باؤں اور باپ کا منہ چوسنے کی ہدایت کی اُس نے پوچھا
 اگر میرے مان باپ زندہ نہ ہوں اپنے فرمایا انکی قبر کو جو موئے سے پوچھا اگر مجھے قبر بھی نہ معلوم ہو اپنے

فرمایا دو خط بناؤ ایک ماں کی قبر کا دوسرا باپ کی قبر کا اور اُن دونوں کو چومو تمھاری قسم پوری ہو جائیگی
 (۴۱) تسبیہ رویت حضور روحی فداہ میں سنا ہے کہ روشنی اور تاریکی پیش اور پس قریب اور بعید
 سب برابر ہیں صحیح ہے یا غلط اگر صحیح ہو تو امیدوار ہوں کہ حدیث کی عبارت مع نام کتاب باب
 وفصل ار قام فرمایا جائے (۵) سنا ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے گرد طواف کیا
 یہ حدیث سے ثابت ہو یا نہیں اور سنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے حضور سرور
 انبیاء علیہ التحیۃ والتسلیم کا طواف کیا ہے یہ روایت صحیح ہو یا نہیں اگر صحیح ہو تو کس کتاب کے کس باب یا فصل
 میں ہے جواب (۱) کتاب اوز جندی ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تصنیف ہے نہ روایت مذکور صحیح اور
 معتبر ہے بلکہ یہ روایت موضوع اور باطل ہے اس پر غما و نہ کرنا چاہیے (۲) عبارت مذکورہ عجیب البرکات
 میں ہے لیکن یہ عبارت کتب معتبرہ کے مخالف ہے ملا علی قاری کی رحمہ اللہ شرح عین العلم میں لکھتے
 ہیں ولا یس ای القبر ولا التابوت ولا الجدار فودودہم عن مثل ذلک بقبر المستبوی
 علیہ السلام فکیف بقبور سائر الانام ولا یقبل فانہ زیادة علی المس فی جوابی لا یخفی بالتقییل
 مختص بالحجر الاسود وبایدی الاینبیاء والعلما والصلحاء اور نہ چھوے یعنی قبر اور تابوت اور دیوار کو
 پس جب حضور روحی فداہ کی قبر کے ساتھ ایسا کرنے کی ممانعت ہو تو تمام لوگوں کی قبر کا حکم تو
 ظاہر ہے اور جو بھی نہیں کیونکہ یہ چھوئے سے بھی زائد ہے لہذا وہ اس سے زائد سختی ممانعت بھی
 ہو پس بوسہ دینا حجر اسود اور نیدیوں اور نیکیوں کے ہاتھوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور بھی ملا علی قاری
 رحمہ اللہ نے شرح باب الناسک میں لکھا ہے ولا یطوف حول البقعة الشریفة فان الطواف من
 مختصات الکعبة فیحرم حولہ ولا نبیاء ولا اولیاء مقام مبارک کے گرد طواف نہ کرے کیونکہ طواف
 کعبہ کی خصوصیات سے ہے لہذا انبیاء اور اولیاء کے قبروں کے گرد طواف کرنا حرام ہوگا۔ اور نور الایمان
 بزیدۃ آثار حبیب الرحمن میں ہے و صافی جمیع البرکات و یمکنہ ان یطوف حولہ فعل ذلک ثلاث
 مرات فلا یجانبہ اور یہ جو جمیع البرکات میں ہے کہ اگر قبر کے گرد طواف کر سکتا ہو تو تین مرتبہ طواف
 کرے قابل اعتبار نہیں ہے (۳) کتب معتبرہ حدیث میں اس روایت کا نشان یا یا نہیں جاتا البتہ صاحب
 مطالب المؤمنین نے کفایہ شعبی سے نقل کیا ہے لیکن یہ دونوں کتابیں کتب غیر معتبرہ میں سے ہیں
 اور روایات حدیث کے باب میں محدثین کے تصریحات پر اعتماد کیا جاتا ہے نہ فقہائے غیر معتبرین کے

نقل پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ مدارج النبوة میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے
 بعض نقمانے قبر کا بوسہ دینے کی روایت نقل کی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ قبر کا بوسہ دینا جائز نہیں ہے
 (۳) بیشک حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثنا میں یہ صفت موجود تھی مگر نہ دائماً بلکہ بعض اوقات
 خاص میں۔ فاسی شرح دلائل الخیرات میں لکھتے ہیں قد ثبت رویتہ صلی اللہ علیہ وسلم من خلفہ
 فی حدیث ابی ہریرۃؓ وانشع عند الشیخین عند عبد الرزاق فی جامعہ وعند الحاکم عن ابی ہریرۃ
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام واصلوۃ
 اپنے پیچھے کے شخص کو بھی دیکھتے تھے شیخین رضی اللہ عنہما کے نزدیک اور عبد الرزاق کے نزدیک اُنکی
 جامع میں اور حاکم کے نزدیک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تلخیص الحسین میں
 لکھتے ہیں کان یروی من وراء ظہرکم ابی ہریرۃ من قدامہ عوفی الصحیحین وغیرہما من حدیث
 انس وغیرہ والا حدیث الواردة فی ذلک مقیدۃ بحال الصلوۃ وبذلک صحیح بین ہذا و بین
 قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا علم ما وراء جداری ہذا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کے پیچھے بھی
 اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے یہ معجین وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ
 سے مروی ہے اور وہ حدیثیں جو اس بارے میں مروی ہیں نماز کی حالت کے ساتھ مخصوص ہیں اور
 اسی طرح اس حدیث اور حدیث لا علم اہ دین اپنی اس دیوار کے پیچھے کا حل نہیں جانتا) میں تطہیر
 کیا گیا ہے (۵) یہ قصہ موضوع اور باطل ہے کتب معتبرہ میں کہیں اس کا نشان یا یا نہیں جاتا سوال
 تاڑکی تاڑی فی نفسہ نشہ دار ہے مگر تھوڑی پینے سے نشہ نہیں ہوتا صرف منہ میں بو آتی ہے پس تاڑی
 پینے کے بعد جب تک نشہ نہ ہو اس وقت تک کلی یا وضو کر کے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور مسجد
 میں مسلمانوں کی صف میں جھکوا سکی ہو بڑی معلوم ہوتی ہے جانا درست ہے یا نہیں اور اگر
 بغضوایہ آئے کریمہ لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکارى نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نجاؤ۔
 عدم جواز نماز کے واسطے نشہ ہونا شرط ہے تو کس درجہ تک نشہ مشروط ہے اور تاڑی اور غیر کے
 حکم حرمت و نجاست وحدود وغیرہ ملک میں کچھ فرق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا جواب عدم
 جواز نماز کی حد حالت سکر میں خود قرآن شریف میں موجود ہے لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکارى
 حتی تعلموا ما تقولون تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نجاؤ تا قتیکہ تم کو یہ نہ معلوم ہو کہ تم کیا

کھ رہے ہو۔ پس جب تک نشہ کی ایسی کیفیت ہو کہ انسان اُسکے سبب سے یہ نہ سمجھتا ہو کہ میں کیا
 پڑھتا ہوں اور میری زبان سے کیا نکلتا ہو اُس وقت تک نماز نہ ادا کرے اور تاڑی پینے کے بعد
 جب تک نشہ نہ اُس وقت تک کھلی کر کے نماز پڑھنا درست ہے لیکن تاڑی پی کے مسجد میں جانا گو
 نشہ نہ ممنوع ہے اور ایسے شخص کو مسجد سے نکلوا دینا درست ہے۔ وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ
 میں ہے قال الفقہاء کل من وجد فیہ رائحة کرمیة یتأذی بہا انسان یلزمہ اخراجہ
 ولو یجبر من یدہ اور جلیہ دون لحیۃ وشعر راسہ فقہا کہتے ہیں جسکے پاس ایسی
 بدبو ہو جس سے لوگوں کو اذیت پہونچے اُسکا نکال دینا ضروری ہے اگرچہ ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر ہو
 ... نہ کہ داڑھی اور سر کے بال۔ اور عینی شرح صحیح بخاری میں ہے ما وقع فی الاحادیث من
 تخصیص النخی عن دخول المسجد بالتوم والبصل من جهة کلہما فی ذلک الزمان ولا فہ
 حکم ما کل شیء لا رائحة کرمیة من الماکولات وغیرہا لان الحدیث معدل ایذاء المؤمنین ولما لا تکتہ
 احادیث میں جو پیاز اور لہسن کی بو کے ساتھ مسجد میں داخل ہونے کی مانعت کی تخصیص ہے اُسکی
 وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اُس زمانے میں تھے ورنہ ماکولات وغیرہ ماکولات تمام طرح کی بدبودار اشیا کا
 حکم یہی ہے کیونکہ اس حدیث کی علت ملائکہ اور انسانوں کی اذیت بیان کی گئی ہے۔ اور یہی فتح الباری شرح
 صحیح بخاری اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح موطا وغیرہ میں ہے اور تاڑی تھوڑی ہو یا بہت نشہ
 کرے یا نہ کرے مطلقاً اُسکا پینا حرام ہے کیونکہ جس چیز کا کثیر مسکرا اُسکا قلیل بھی حرام ہے اور تاڑی
 نجس بھی ہے۔ عینی کی شرح کنز میں ہے قال محمد وایمۃ ثلثۃ کل ما سکر کثیرہ فقلیلہ حرام من
 ای نوع کان لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر وکل مسکر حرام رواہ مسلم عن روایت
 ابن عمر عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما سکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ
 احمد وابن ماجہ والدارقطنی والفتویٰ علی قول محمد امام محمد اور ایمۃ ثلثہ رحمہم اللہ نے کہا ہے
 جس چیز کا کثیر حرام ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اگرچہ کیسا ہی ہو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
 ارشاد کے موافق ہر نشہ والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے اسکو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے
 روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ حضور رسول خدا علیہ النبیۃ والثناء نے
 فرمایا ہے جس چیز کا کثیر حرام ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اسکو احمد اور ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت

کیا ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ اور ہر ایسے میں جو نجاستہای سائر الاشریہ خفیفہ
 فی روایت وغلیظہ فی روایت و نجاستہ الخ غلیظہ فی روایت و احداۃ ایک روایت میں
 ہو کر تمام پینے والی چیزوں میں نجاست خفیفہ اور دوسری روایت میں ہو کہ نجاست غلیظہ ہے
 مگر شراب میں سب کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے سوال انگوٹھے جو بنا جوئی زمانہ رائج ہے یا نہ جائز
 ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو واجب سنت مستحب مباح کیا ہے اور اسکی عقلی اور نقلی دلیلین کتب معتبرہ میں کیا
 ہیں اور اگر جائز نہیں ہے تو حرام ہے یا مکروہ اگر مکروہ ہے تو مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی اور اس
 انگوٹھے جو منے کو جو لوگ احادیث سے ثابت کرتے ہیں ان حدیثوں کا کیا جواب ہے وہ حدیثیں
 موضوع ہیں یا ضعیفہ بالتفصیل تحریر فرمائیے جواب انگوٹھے جو منے کو بعض کتب فقہ جیسے
 کنز العباد و خزانۃ الروایات جامع الرموز فتاویٰ صوفیہ وغیرہ میں مستحب لکھا ہے نہ واجب و سنت
 مگر اکثر کتب معتبرہ متداولہ میں اسکا کہیں پتہ نہیں ہے اور جن کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے وہ غیر معتبر
 ہیں کیونکہ ان کتب میں رطب و یابس بے تحقیق کے لکھ دیا گیا ہے میں نے النافع الکبیر میں بطالع
 الجامع الصغیر میں اسکی تفصیل لکھی ہے اور جو حدیثیں اس باب میں فقہائے نقل کی جاتی ہیں وہ
 محدثین کی تحقیق کے موافق صحیح نہیں ہیں۔ شوکانی رحمہ اللہ فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوعہ
 میں لکھتے ہیں صحیح العینین بباطن اعلیٰ السابین عند قول المؤذن اشہدان محمد رسول اللہ
 الخ و اول الدیعی فی مسند الفردوس عن ابی بکر الصدیق مرفوعا قال ابن طاہر فی التذکرۃ لا یصح النہی
 و فیہ ایضاً حدیث من قال حین یسمع اشہدان محمد رسول اللہ مرجاً بحبیب و قرۃ عینہ محمد بن عبد اللہ
 ثم تقبل اجماعہ و یجعلہما علی عینہ لم یستم ولم یروہ ابدال احتال فی التذکرۃ لا یصح مؤذن کے
 محمد رسول اللہ کہتے وقت دونوں انگوٹھوں کے اوپر کے حصے کو آنکھوں سے لگانے کی حدیث دینی
 نے مسند الفردوس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے ابن طاہر رحمہ اللہ
 نے تذکرہ میں کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے انتہی اور اسی کتاب میں ہے اشہدان محمد رسول اللہ
 سننے وقت جس نے کہا امر جابح حبیب و قرۃ عینہ محمد بن عبد اللہ پھر اپنے دونوں انگوٹھوں
 کو چوما اور انکو اپنے آنکھوں پر رکھا تو وہ کبھی بیمار نہوگا اور اسکی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی
 تذکرہ میں ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ آخر شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی رحمہ اللہ

مقاصد احسنہ فی الاحادیث المشتملہ علی الاسنہ میں چند روایتیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں لا یصح
من المرفوع من کل هذا شیء ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ
الہامی نے بھی تذکرۃ الموضوعات میں ایسا ہی لکھا ہے سوال دریائی جانوروں میں سے
کون کھائے جساتے ہیں اور کون نہیں کھائے جاتے اور مچھلی کی علامت کیا ہے اور مار ماہی
بھی مچھلی ہے یا نہیں اور جریت کی صورت کیا ہے اور کون جسکی سونڈ آدھ کے ایسی ہوتی ہے اور قرش
جس سے دریائی جانور بھاگتے ہیں اور گول جس کی دم کوڑے کی ایسی ہوتی ہے اور دم کناری
پر ایک کاٹھا ہوتا ہے جسے لحم وغیرہ کہتے ہیں یہ سب مچھلی ہیں یا نہیں جواب فتاویٰ
قاضی خان میں ہے ولا یوکل ما فی البحر سوی السمک و طیر الماء عندنا وقال الشافعی رحمہ اللہ
لا یاس بکل ما فی البحر لہ فی الضفدع قولان ہمارے نزدیک مچھلی اور دریائی پرندوں کے سوا
کوئی دریائی جانور نہ کھایا جائے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے
کسی کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مینڈھک کے متعلق دو قول
ہیں۔ اور مچھلی کی کوئی علامت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری مگر مچھلی کے دیکھنے سے تین علامات
معلوم ہوتی ہیں (۱) سننے (۲) مونچھوں کا کھڑا ہونا (۳) کانٹوں دار بازو جسکے بیچ میں پردہ
ہوں اور ایسی ہی دم۔ لیکن ہر مچھلی میں یہ سب علامتیں نہیں پائی جاتیں میں نے مچھلیوں کو دیکھا
تو بعضوں میں یہ سب اور بعضوں میں دو ایک علامتیں پائی جاتی ہیں اسکے بعد میرے
نظر سے مفتی فصیح الدین کا رسالہ احکام الحيوان گذرا جس میں وہ بزبان فارسی لکھتے ہیں
جس کا ترجمہ یہ ہے مچھلی کی علامت یہ ہے کہ اسکے زبان نہ ہو اور مشہور ہے کہ سننے اور حلقوم کے
دونوں جانب شگاف رکھتی ہو اور پانی سے باہر آکے ترپنے لگے یہاں تک کہ مر جائے۔ اور
جریت اور مار ماہی دونوں مچھلیاں ہیں۔ جیسا کہ قاضی خان میں ہے لا یاس لیسائر انواع
السمک نحو البحریت و المدامحی مچھلیوں کے تمام اقسام کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے
جیسے جریت اور مار ماہی۔ اور جریت سیاہ مچھلی کو کہتے ہیں جیسا کہ اکی تصریح درمختار میں ہے اور صاحب
رد المحتار نے لکھا ہے مرفوع من السمک مدود کا لاس جریت مچھلی کی ایک قسم ہے جو سر کی
طرح گول ہوتی ہے۔ اُسکا منہ چھوٹا ہوتا ہے اور دم بہت ہی چھوٹی ہوتی ہے اور چوڑاں میں

بیج سے کٹ کر دو ٹکڑے ہو جاتی ہے، اردو میں اُسے کر دی ترکی کہتے ہیں جیسا کہ مولوی غلام قادر صاحب نے اپنے فتوے میں لکھا ہے اور مچھلی کی مذکورہ بالا دونوں قسموں میں بھی چھوٹے چھوٹے سفے ہوتے ہیں جو مشکل دیکھے جاتے ہیں میں نے خود ہکا مشاہدہ کیا ہے۔ درختار میں ہر داخلہ دھما بالذکر الخفاء ان دونوں کا ذکر الگ اس وجہ سے کیا کہ یہ خفی تھیں۔ ردالمحتار میں ہوا الخفاء فی کوٹھا من جنسی السمک پوشیدگی ان دونوں کی مچھلیوں کی قسم سے ہونے میں ہے۔ یہیں معلوم ہوا کہ جریت کے سوا اور گول جانور مچھلی نہیں ہیں اس لیے کہ لیلیہ جریت ہی کو ذکر کیا ہے اور اس لیے کہ جریت ہر گول جانور کو نہیں کہتے ہیں بلکہ وہ گول جانور کی ایک خاص قسم ہے اس طرح کوسج اور قرش بھی مچھلیاں نہیں کیونکہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مختلف فیہ ہیں حالانکہ وہ تمام بحری جانوروں کے کھانے کو جائز لکھتے ہیں پھر وہ ہمارے نزدیک کس طرح جائز ہو سکتے ہیں اور اس لیے کہ ان میں مچھلیوں کی مندرجہ بالا علامتوں میں سے کوئی علامت بھی نہیں پائی جاتی مفتی فصیح الدین اپنے رسالہ احکام الحیوان میں لکھتے ہیں قرش ایک بڑا جانور ہے اسکو سید الدواب کہتے ہیں اور قریش لقب اسی سے ماخوذ ہے اور سواحل بلاد مغرب میں اسکو اشرازموری کہتے ہیں وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے اور ایہ ثلاثہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال اور محمود شاہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں السمک مالہ شق و شوك مچھلی وہ ہے جسکے دم کے دو ٹکڑے ہوں اور جس میں کانٹے ہوں۔ اور اسی میں ہے والسمک مالہ فلوس وما یبيض فی الماء و مالہ شقاق و یکون مولدا و معايشه فی الماء ولیس له لسان اصلا مچھلی وہ ہے جس کے سفے ہوں اور جو پانی میں سفید دکھائی دے اور جسکی دم کے دو ٹکڑے ہوں اور اُسکی پیدائش اور زندگی پانی میں ہو اور جس کے زبان نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ مچھلی کی سب سے مشہور علامت سفے ہیں اسی لیے جریت اور مارہی کو مچھلی کہتے ہیں حالانکہ دونوں بچے دیتی ہیں اور سفید نہیں ہوتی ہیں اور انکی دین پھٹی ہوئی نہیں ہوتیں برخلاف قرش و کوسج کے کہ اُنپر سفے نہیں ہوتے اور انکی دین پھٹی ہوئی نہیں ہوتی اور انہیں کانٹے نہیں ہوتے اور یہ انسان کے جسم کو تیز تلوار کی طرح کاٹ دیتے ہیں و اللہ اعلم کتبہ افقر العباد الی اللہ شیخ یوسف بن قادر احمد عفی عنہما و عن اسلافہما۔ صحیح الجواب لعلہ اعلم

بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاؤز اسعد بن ذنبا الحلی و انھنی سوال ایک شخص
 اُن صحابی کو جو اسلام لانے سے پہلے نصرانی تھے اسلام لانے کے بعد بھی بروے طعن نصرانی کہتا ہو
 اور اُن سے جو روایت ہو اُسکے قبول کرنے میں یوں تعلق کرتا ہو کہ عدی نصرانی کی روایت اُسی کے
 لیے مخصوص ہو اُسے مسلمانوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ اور جا بجا عدی نصرانی عدی نصرانی لکھتا ہو
 اور اسکی اشاعت کرتا ہو پس شرعاً شخص مذکور کا یہ تعلق ماننے کے قابل ہو یا نہیں اور اس کہنے
 کے بعد شخص مذکور مومن کامل رہا یا فاسق قابل تعزیر ہو گیا جواب وہ شخص فاسق اور واجب
 التعزیر ہو اسلام لانے کے بعد کسی کو کافر کہنا اور ایسے الفاظ کہنا حرام ہو۔ اسد تعالے فرماتا ہے
 وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بَئْسَ الْأَسْمَاءُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنِ لَّمْ يَتُبْ فَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمَوْتُ
 اور ناموں کو ایک دوسرے کی چڑھ نہ بنالو برنام ایمان کے بعد فسق ہو اور جو توبہ نہ کریں وہی
 نا انصافی کرنے والے ہیں۔ نہ کہ صحابی جلیل القدر کی شان میں دعواد اسد ایسی گستاخی کرنا جبکہ
 روایت پر ایمہ اربعہ نے اتفاق کیا ہو۔ اور حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا شمار صحابہ میں ہو سوال
 ایک برہمن جو رام کندھیا کو خالق مانتا ہو اسلام اور مسلمانوں کو برا کہتا ہو بلکہ اُنکے سایہ کو بھی نہیں
 جانتا ہو اگر زید عمرو بکر خالد برہمن مذکور کے یہاں نوکری کریں اور دربار میں جب بت لایا جائے اور
 برہمن تعظیم کو اُٹھے تو یہ لوگ بھی اس خیال سے اُٹھیں کہ اگر نہ اُٹھیں گے تو برہمن کو ناگوار ہوگا
 اور ہماری نوکریاں جاتی رہیں گی اور برہمن مذکور کے یہاں ایک جشن ہوتا ہو اور اُسکا عام حکم
 ہو کہ میرے تمام ملازمین اس میں حاضر ہوں اور میری طرح بت کی تعظیم کریں اور جب بت بتخانے
 میں پہنچایا جائے تو سب ملازمین عمدہ کپڑے پہن کر ساتھ چلیں تو زید عمرو بکر خالد بھی ملازمت
 کے لحاظ سے وفی السماء رزقکم اور وما من حیۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا کو بھلا کر
 برہمن کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور جمعہ کے دن اذان سنکر بھی نماز کو مسجد میں نہیں آتے اور
 یہ عذر کرتے ہیں کہ رزق کا معاملہ ہو ہم اس مجبور کی وجہ سے امور اسلام انجام نہیں دے سکتے
 تو زید عمرو بکر خالد اس فعل قبیح کے ارتکاب اور ترک احکام اسلام کی وجہ سے کافر ہوئے یا
 نہیں اور اُنکی عورتیں نکاح سے باہر ہوئیں یا نہیں جواب فقہا کتب فقہ میں ایسی صورت
 کو جس میں اعمال کفار کی تحسین اور اُنکے افعال میں شرکت اور اُنکی عبادت کی موافقت ہو حکم

نے رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت کی ہے اور جو قبل نکاح عورت کا ولی خود مانگ کر لیتا ہے یا مرد اس خیال سے دیتا ہے کہ اگر نہ دے گا تو وہ راضی نہ ہوگا رشوت میں داخل ہے البتہ اگر بغیر مانگے ہوئے دیا جائے یا نہ دینے کی صورت میں نکاح سے نارضا مندی نہ ظاہر کی جائے تو وہ مال ہر یہ ہوگا اسکا لینا جائز ہے جیسا کہ حاشیہ خواجہ زادہ اور دوسری کتابوں میں ہے۔

اور دالمتمار میں ہے ومن السخط ما یاخذ الصهر من الختن بسبب بنت بطیب نفسہ حتی لو کان بطلبہ یجیح الختن بہ سسر جو داماد سے لیتا ہے حرام ہے اگر اسکی رضا مندی سے ہو اور اگر اسکی رضا مندی سے نہ ہو بلکہ سسر نے مانگ کر لیا ہو تو داماد کو واپس لینے کا حق ہے۔ اور معدن میں ہے ولا یجوز لاب الت ان یاخذ من الخناط شیئاً لانہ رشوة لوطی کے باپ کو نسبت بھیجنے والے سے کچھ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ رشوت ہے۔ اور عالمگیری میں ہے خطبہ امرأة فی بیت اخیمہا فابی ان یدفعها حتی یدفع الیہ داهم فدفع وتزوجها یدفع مادفع لانہ رشوة کذا فی القنیۃ ایک شخص نے ایک عورت کا پیغام دیا جو اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھی اور بھائی نے بغیر کچھ درہم لیے ہوئے شادی کرنے سے انکار کر دیا پس اُس نے درہم دیے اور نکاح کر لیا تو وہ درہم کو واپس لے کیونکہ یہ رشوت ہے قنیۃ میں ایسا ہی ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے رجل خطبہ امرأة وهی تسکن فی بیت اختها وزوج اختها لا یرضی بیکاح هذا الرجل الا ان یدفع الیہ دراهم فدفع الخاطب الیہ دراهم کان لدان یستود مادفع الیہ لانہ رشوة ایک شخص نے ایک عورت کا پیغام دیا جو اپنی بہن کے گھر میں رہتی تھی اور اُسکا بہنوئی اس نکاح پر بغیر کچھ لیے ہوئے راضی نہ ہوا پس پیغام دینے والے نے کچھ دیکر نکاح کر لیا تو اُسے جانتے کہ جو دیا ہے وہ واپس لیے کیونکہ وہ رشوت ہے۔ البتہ اگر بے مانگے ہوئے نکاح اولیا سے منکوحہ کو نکاح کے پہلے کچھ دے تو وہ جائز اور درست ہے کیونکہ اس صورت میں یہ اشیا تحفہ ہونگے جیسا کہ وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ میں مشروحات مرقوم ہے لکذا حکم الکتاب۔ والعلیم بالصواب محمد اشرف علی عفی عنہ۔ جواب صحیح ہے اور اسی کے موافق بحر الرائق میں ہے لو اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسليم فللزوج ان یستره لانہ رشوة اگر لوطی والوں نے رخصتی کے وقت کچھ لیا تو شوہر کو اُسے واپس لینا چاہیے کیونکہ وہ رشوت ہے۔ والعلیم حرره الراعی عفوره بہ القوس

ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاؤزہ الدنہ اجملی و اخفی سوال جن مجالس و لائم میں غیر کی دخلت اور بے پردگی نہو اور ممنوعات شرعیہ میں سے کوئی اور مانع پھر تصور نہو وہاں عورتوں کو جانا درست ہو یا نہیں جواب کتب فقہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مجالس و لائم میں عورتوں کو جانے کی ممانعت احتراز فتنہ کی وجہ سے ہے جیسا کہ درختار اور رد المحتار کی عبارتوں سے ظاہر ہے جس جب مجالس و لائم میں غیر کی مداخلت اور بے پردگی نہو اور انکے علاوہ بھی کوئی اور شرعی مانع نہو تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ شوہر کی اجازت کی ضرورت ہوگی۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم النساء و صبیاناً مقبلین من عرس فقمنا فقال اللهم انتم من احب الناس الی حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ و الثناء نے کچھ عورتوں اور لڑکوں کو شادی سے واپس آتے ہوئے دیکھا پس آپ کھڑے ہو گئے اور ہم بھی کھڑے ہو گئے پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے سب سے زائد محبوب ہو۔ قسطلانی رحمہ اللہ اسکی شرح میں لکھتے ہیں فیہ شہود النساء و الصبیان لولیۃ العرس فلو دعت امرأة امرأة لولیۃ او دعت رجلاً رجلاً استحب لامح خلیۃ محرمۃ اس سے عورتوں اور لڑکوں کا شادی کے ولیمہ میں شریک ہونا ثابت ہوتا ہے پس اگر کوئی عورت کسی عورت یا مرد کو ولیمہ میں بلائے تو اسکا قبول کرنا واجب یا مستحب ہے بشرطیکہ تنہائی (مرد اور عورت کے درمیان میں) نہو سوال جو انگریزی دوائیں ولایت سے نکل آتی ہیں یا بسکٹ وغیرہ جو ولایت سے نکلے آتے ہیں ان میں استزاج شراب کا شبہ ہے کیونکہ ڈاکٹر دن نے بعض دواؤں اور بسکٹوں میں شراب کا احتلام بتایا ہے انکا استعمال کرنا کیسا ہے جواب جب احتلام شراب کا یقین یا ظن ہو تو انکا استعمال ممنوع ہے ورنہ بطور فتوے نفس جواز اور بطور فتویٰ اجتناب ہے گا سوال جن بسکٹوں اور نان پاؤں میں تازی کا خمیر ہوا انکا کھانا کیسا ہے کلکتہ کے علما نے اس کے حلت کا فتویٰ دیا ہے جواب مفتی بانڈھب کے موافق جو اشیا اور اشربہ سیالہ مسکر ہیں سب نجس مہین اور انکا ایک قطرہ بھی حرام ہے اگرچہ نشہ بھی نہ پیدا کرے کیونکہ ابوداؤد و اور ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما اسکو کثیرہ فقلیلہ حرام جس کا کثیر مسکر ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ اور شیخ الاسلام

بدرالدین محمود عینی رحمہ اللہ مرزا محقق شرح کنز الدقائق میں کہتے ہیں قال محمدؐ والایمۃ
 الثلثۃ کل ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان لقولہ علی اللہ علیہ وسلم
 کل مسکر خمر وکل مسکر حرام رواہ مسلم عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ علیہ
 وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمد و ابن ماجہ والدارقطنی وصحیحہ والفتویٰ علی
 قول محمدؐ امام محمد رحمہ اللہ اور ایمۃ ثلثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کا کثیر مسکر ہو اسکا قلیل بھی
 حرام ہے جس قسم سے ہو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے ہر مسکر خمر ہے
 اور ہر مسکر حرام ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کا کثیر مسکر ہو اسکا قلیل بھی حرام ہے اسے احمد اور ابن
 ماجہ اور دارقطنی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور اسکی تصحیح کی ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے
 اور فتاویٰ بزاز یہ ہیں ہے قال محمدؐ ما اسکر قلیلہ فکثیرہ حرام قالوا وبقول محمدؐ لاخذہ من ذہب
 محمدؐ انہ حرام ونجس الام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے جسکا قلیل نشہ لائے اسکا بہت بھی حرام ہے اور فقہا
 نے کہا ہے کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور انکا مذہب یہ ہے کہ ایسی چیز حرام
 اور نجس ہے۔ اور سراج نسیر میں ہے جملۃ انواع النجاسات خمسۃ وعشرون الخمر وما علاہ من
 الاشیۃ المحرمۃ نجاست کی بجائیں قسمیں ہیں اول شراب اور اسکے علاوہ پینے کی دوسری
 حرام چیزیں۔ اور شرح جامع صغیر حسامی میں ہے حل ہی ای الاشربۃ ودرء الخمر مثل الخمر فی
 النجاست عن اصحابنا فیہ روایان فی حکمہ الروایتین نجاستہ غلیظہ تمنع اذا ناد علی
 قد دالہ دھم وفی روایتہ اخرى خفیۃ مقلدۃ بالکثیر الفاحش پینے کی دوسری نشہ آور
 چیزوں میں شراب کے مثل نجاست ہونے میں ہمارے اصحاب رحمہم اللہ سے دو روایتیں ہیں
 ایک یہ کہ وہ نجاست غلیظہ ہیں کہ جب ایک درہم سے زائد ہوں تو مانع طہارت ہیں اور دوسرے
 یہ کہ نجاست خفیہ ہیں جب بہت زائد ہوں تو مانع طہارت ہیں۔ جب ان عبارتوں کی حیرت
 اور نجاست تاڑی کی ثابت ہوگئی تو ثابت ہو گیا کہ بسکٹ اور نان پاؤ وغیرہ جس کے خمیر میں
 تاڑی مخلوط ہو اسکا کھانا خمیر خمر کی طرح ناجائز ہوگا۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے بخلاف
 الدقیق اذا عجن بالخمیر وخیز فانہ یکون نجسا ولا تظہر بخلاف آٹے کے جبکہ شراب سے

گوندھا جائے کیونکہ وہ نجس ہوگا ظاہر ہوگا۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذاجن الدقیق بالخصر
لا یوکل جب آٹا شراب سے گوندھا جائے تو اُسے کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب خمر اور تازی و لون
نجس ہیں تو اُنکے خلط سے وہ مخلوط بھی نجس اور اُسکا کھانا حرام ہوگا اور سرکہ تاڑی یا شراب
پر اسکا قیاس کرنا اسلئے باطل ہے کہ سرکہ میں حقیقت بدل جاتی ہے لذات اور طہارت کا حکم دیا جاتا
ہے بخلاف شراب اور تاڑی کے خمیر کے کہ ان میں حقیقت نہیں بدلتی بلکہ مخلوط ہونے اور پکے
کی وجہ سے پورا التصاق اور اتصال ہو جاتا ہے سوال اگر کوئی شخص محض زبان حاصل کرنے کے
لیے انگریزی پڑھے اس لیے کہ اکثر اوقات اسکی ضرورت پڑتی ہے تو درست ہے یا نہیں۔ اور
اگر اس نیت سے نہ پڑھے بلکہ انگریزی پڑھنے میں اُسکی کوئی نیت ہی نہ ہو تو جائز ہے یا
نہیں اور انگریزی اسلئے پڑھے کہ اُس کے ذریعہ سے نوکری حاصل کرے کیونکہ وہ جانتا ہے
کہ انگریزی ملازمت بغیر انگریزی جانے ہوئے نہیں مل سکتی تو ان تمام صورتوں میں جائز ہے
یا نہیں جواب انگریزی پڑھنا اور انگریزی زبان سیکنا بشرطیکہ وہ دین میں خلل انداز
نہو جائز ہے سوال استنجا کرنے کے بعد جو پانی استنجا پاک کرنے سے بچ گیا ہو اُس سے وضو کرنا
جائز ہے یا نہیں۔ اور یہ وضو مکروہ ہوگا یا نہیں جواب مکروہ نہوگا مگر ترک اولی ہے سوال
شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں اور اُنکے ساتھ اکل و شرب کرنا اور اُنکی لڑکیوں کے
ساتھ نکاح کرنا چاہیے یا نہیں ان امور کی حلت اور حرمت کا حکم اسناد متصل اور مرفوع اور متواتر
سے بحوالہ کتب اسطرح ثابت فرمائیے کہ پھر چون وہ چرکی گنجائش باقی رہے اور امر حق ثابت ہو جائے
یہ بھی واضح رہے کہ جواب ایسا ہونا چاہیے جس میں نفسانیت اور تعصب ذرہ برابر بھی دخل
نہو آجکل یہاں اس امر پر مباحثہ اور مناظرہ ہو رہا ہے سنی غنیۃ الطالبین کا حوالہ دیکر کہتے ہیں
کہ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں ہے اور اُنکے ساتھ اکل و شرب کرنا اور اُنکی لڑکیوں کے
ساتھ شادی کرنا بھی درست نہیں ہے بلکہ جن شیعوں نے شیعوں کے یہاں کھایا پیا ہے اُن کو
سنیت کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے اور سنی اُنھیں اپنے مساجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے
بلکہ اُنکو کافر اور مرتد کہتے ہیں اور ان شیعوں کے ساتھ دوسرے سنی کھانے پینے میں اجتناب
کرتے ہیں اور یہ لوگ جو دائرہ سنیت سے خارج کیے گئے ہیں یہ دلائل پیش کرتے ہیں کہ کیا

اہل تشیع اہل قبلہ نہیں ہیں یا توحید یا نبوت کے قابل نہیں ہیں یا انکے یہاں سوا کبیر معلومہ اور
مروجہ کے کوئی اور کبیر مروج ہے۔ پس اہل تشیع کے ساتھ کھانے پینے سے سنی لوگ کیوں
ہکو دائرہ سنیت سے خارج کرتے ہیں ہندوستان میں امور مذکورہ پر کبھی ایسی بحث نہیں
ہوئی ہے بلکہ وہاں برابر ایک دوسرے میں شادیاں ہوتی ہیں اور شیعہ سنی باہم کھانے پینے
میں پرہیز نہیں کرتے ہیں اور اسکے علاوہ میرے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اہل کتاب
کا ذبیحہ تو جائز اور شیعوں کا ذبیحہ ناجائز ہوا بکس کس کا قول آپ کے نزدیک صحیح ہے اور ہم لوگوں
کو کیا کرنا چاہیے جواب اگرچہ فقہاء کے ایک گروہ نے سب شیخین رضی اللہ عنہما کی وجہ سے
مطلقاً اہل تشیع کو کافر لکھا ہے اور اسی بنا پر انکی زبان کیوں کے ساتھ نکاح کرنے کو اور انکے ذبیحہ کو
حرام ٹھہرایا ہے مگر مزاج اور مفتی بہ اور مفتی قول یہ ہے کہ کافر فقط وہی شیعہ ہیں جو ضروریات دین کا
انکار کرتے ہیں اور انھیں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور انھیں کے ساتھ مناکحت جائز نہیں
ہے اور جو ایسے نہوں اگرچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیان دیتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر
نہیں ہیں انکے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے اور انکے ساتھ مناکحت بھی درست ہے ابو شکور سلمی رحمہ اللہ
کتاب التہدید فی التوحید میں لکھتے ہیں کلام الروافض مختلف فبعضہم یقولون کفر وبعضہم لا
قال ان علیاً کان الہا نزل من السماء کفر و لو قال المنبوۃ کانت لعلی و جبرئیل خطا کفر ومنہم
من قال ان علیاً رضی اللہ عنہ افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہذا کفر و اما الذی
لیکون بدتہ و لا یکون کفر فہو قولہ ان علیاً افضل من الشیخین رضی اللہ عنہما ومنہم من قال یحب اللعن
علی من خالف علیاً کما شئتہ و معاویہ رضی اللہ عنہما و ہذا کفر و اما شیعہ یقولون بدتہ و لیس بکفر و انہ صادر عن اہل
روافض کی حالت مختلف ہے بعض کافر ہیں اور بعض کافر نہیں ہیں پس اگر کوئی کہے کہ حضرت
علی رضی اللہ عنہ خدا تھے جو آسمان سے نازل ہوئے تو وہ کافر ہے اور جو کوئی کہے کہ نبوت حضرت
علی کریم اللہ وجہ کیلئے تھی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے غلطی ہو گئی تو وہ کافر ہے اور بعض روافض
کہتے ہیں کہ حضرت علی کریم اللہ وجہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں تو وہ بھی کافر
ہیں اور روافض کی بعض باتیں بدعت ہیں کفر نہیں ہیں جیسے انکا یہ کہنا کہ حضرت علی کریم اللہ
وجہ حضرت شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں اور بعض حضرت علی کریم اللہ وجہ کے مخالف جیسے

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما پر لعنت کو واجب رکھتے ہیں تو یہ اور ان کے مشابہ تمام امور بدعت ہیں کفر نہیں ہیں کیونکہ یہ تاویل کے بعد کیے جاتے ہیں۔ اور بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمہ اللہ القوی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں الصیحة عند المخفیان الروافض لیسوا بکفار والوجه فیہ ان تد بینہم او دفعہم فیما دفعوا زعمائہم اھم علی الدین المحمدي ان کان زعمہم ہذا باطلا وما کذبوا محمد اصدی اللہ علیہ وسلم فھم غیر ملزمین للکفر والتزام الکفر کفر دون لزومہ خفیہ رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح ہے کہ روافض کافر نہیں ہیں کیونکہ وہ دین رکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں سمجھ کے کرتے ہیں کہ یہی دین محمدی ہے اگرچہ ان کا یہ خیال غلط ہو لیکن وہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو (اپنے نزدیک) نہیں جھٹلاتے ہیں پس کفر کو خود اپنے سر نہیں لیتے ہیں اور کفر کو لازم لیلینا کفر ہے نہ کہ اسکا لازم آجانا۔ اور در مختار میں ہے فی النھر تجوز صاکنۃ المعتزلۃ لانہا لا تکفر احد من اھل القبلة وان وقع الزام فی المباحث نہر میں ہے کہ معتزلہ کے ساتھ مناسبت درست ہے کیونکہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں سمجھتے اگرچہ مباحثہ میں الزام بعض اوقات اُن کے کفر کو ثابت کرتے ہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے اما المعتزلۃ فمقتضی الوجہ حل صاکنۃ ہم لان الحق عدم تکفیر اھل القبلة وان وقع الزام فی المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومۃ بالضرورۃ من الدین مثل القائل بقدوم العالم ونفی العلم بالجزئیات معتزلہ کے متعلق دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے ساتھ نکاح درست ہے کیونکہ تمام اہل قبلہ کی عدم کفر ہی مناسب ہے اگرچہ الزام بخیر میں ایسا ہو جاتا ہو پر خلاف اُن لوگوں کے جو قطعیات میں سے اُن چیزوں کی مخالفت کرتے ہوں جن کا دین سے ثابت ہونا بدیہی ہے مثلاً وہ لوگ جو قدم عالم کے قائل ہیں اور خدا کو جزئیات کا عالم نہیں مانتے ہیں۔ اور رد المحتار میں ہے محمد اظہر ان الروافض ان کان من یعتقد الا الوھیۃ فی علی وان جبرئیل غلط فی الوحی کان کافرا وان کان ینکر صحبۃ الصدیق ویقن عائشۃ فھو کافر اس سے معلوم ہوا کہ روافض اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدا ہونے یا حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی میں غلطی ہونے کے قائل ہوں تو کافر ہیں اور اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے منکر ہوں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوں تو کافر ہیں سوال ملا اور میانہی لوگوں کو بلا کر لاتے ہیں اور کھانا کھلانے کے بعد پکھانا

کھلانے کے قبل زیارت قبور کراستے ہیں اگرچہ اس میں تعین فلس نہیں ہوتی مگر درگاہ لوگ اس کی اجرت دینا فرض اور لازمی جانتے ہیں اور اگر ملا اور میان جی کو پہلے سے یہ معلوم ہو کہ ہمیں کچھ نہ ملے گا تو نہ وہ کھانا کھلائیں اور نہ زیارت کرائیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بطبع فلس یہ کام کرتے ہیں ایسی زیارت قبور اور کھانا کھانا شرع میں جائز ہے یا نہیں اور ایسے زیارت قبور کا ثواب مردوں کو پہنچے گا یا نہیں اور اگر مردوں کو اس زیارت کا ثواب پہنچے گا تو اجرت لیکے زیارت کرانا جائز ہے یا نہیں اور حدیث شریف میں لفظ نزد و داتا کید کے ساتھ آیا ہے لیکن زیارت کرانا کسی جگہ دیکھا نہیں گیا آیا زیارت کرنا جائز ہے یا نہیں اور ختم تسبیح و تہلیل اجرت مقرر کر کے کرنا جائز ہے یا نہیں جواب تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن شریف اور زیارت قبور کی اجرت لینا اور دینا درست نہیں ہے۔ تفتیح فتاویٰ حامیہ میں ہے اعلم ان عامۃ کتب المذہب من متون و شروح و فتاویٰ کلمات متفقہ علی ان الاستیجار علی اطاعات لا یصح عندنا واستثنی المتأخرین مشایخہم بلیم تعلیم القرآن فحجوز الا استیجار علیہ مذہب کی عام کتاب میں یعنی متون و شروح فتاویٰ سب اسپر متفق ہیں کہ خدا کی اطاعت پر اجرت لینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے البتہ متاخرین مشایخ بلیم نے تعلیم قرآن کو اس سے استثنیٰ کیا ہے اور اسپر اجرت لینے کو جائز لکھا ہے۔ اور اسی کتاب میں ہے التلاوة المحررة عن التعليم من اعظم اطاعات التي يطلب بها الثواب فلا يصح الاستیجار علیہا محض تلاوت جس میں تعلیم ہو ان طاعتوں میں سب سے بڑی طاعت ہے جن سے ثواب طلب کیا جاتا ہے پس اسپر اجرت لینا درست نہیں ہے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے شرط الثواب بالخلاص لله في العمل والتقاری بالاجرة انما یقر لا جل الدنيا لا لوجه الله بدلیل انه لو علم ان المستاجر لا بدفع اليه شيئا لا یقر احرفا واحدا خصوصا من جعل ذلك حرفة ولذا قال ابن حجر النعمانی فی شرح الهدایة ان قاری القرآن بالاجرة لا یستحق الثواب کاللمیت ولا للتقاری ثواب کی شرط یہ ہے کہ کام صرف خدا کے لیے کیا گیا ہو اور اجرت پر بڑھنے والا دنیا کے لیے پڑھتا ہے نہ کہ خدا کے لیے کیونکہ اجرت پر بڑھنے والے کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے اجرت نہ ملے گی تو وہ ایک حرف بھی نہ پڑھے گا خاص کر وہ شخص تو ضرور ہی ایسا کہے گا جسے اسے بیشہ بنالیا ہے اور اسی لیے تاج الشریعہ رحمہ اللہ نے ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے کہ اجرت پر قرآن شریف کا پڑھنے والا نہ خود سی

ثواب پائے گا اور نہ میت کو اُس کا ثواب پہنچے گا۔ اور فتاویٰ دلوالجبہ میں ہے لوذا قبر صدیق او
 قریب فقرأ عنده شیئا من القرآن فهو حسن اما الوصیة بذلک فلا معنی لها ولا معنی ایضا
 لصلۃ القاری لان شبہ استجاره علی قراءۃ القرآن وذلك باطل اگر کسی دوست یا عزیز کے قبر
 کی زیارت کی اور وہاں کچھ قرآن پڑھا تو یہ اچھا ہے لیکن اسکی وصیت کرنے کے کچھ معنی نہیں ہیں
 اور اس طرح پڑھنے والے کو کچھ دینے کے بھی کچھ معنی نہیں ہیں کیونکہ یہ قرآن پڑھنے کی اجرت کا مشابہ
 ہے جو باطل ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے اوصی بقاری یقرأ القرآن عند قبرہ بشیء فالوصیة
 باطلۃ اگر قاری کے لیے کسی چیز کی وصیت کی کہ اُسے دیا جائے تاکہ وہ اُسکی قبر پر قرآن شریف
 پڑھا کرے تو وصیت باطل ہے۔ اور تاتارخانیہ میں ہے ولا یجوز اخذ الاجرة علی طاعة الله خدا
 کی اطاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ایسی زیارت قبور اور تسبیح
 و تہلیل میں جو دنیا حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہو اُس میں کچھ ثواب نہیں ہے نہ میت کو نہ کاسب کو
 اور ایسی عبادتوں کی اجرت لینا اور دنیا ممنوع ہے سوال ڈھول تاشا با جاد و غیر کا نکاح
 یا شادی کے رسومات میں بجا نادرست ہے یا نہیں جواب بلہ آلات غنا و مزامیر کی حرمت حاویہ
 صحیحہ سے صاف طور سے ظاہر ہے مگر وہ کہ مجالس نکاح میں اُسکی اباحت کی حدیثیں وارد ہیں
 صحیح بخاری میں تعلیق کے طریقہ سے مذکور ہے قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لکون
 من امتی قوم یستحلون الخمر والمعاذ من امورہ و عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
 میری امت میں ایک ایسا گروہ ہوگا جو ریشم شراب اور باجوں کو حلال جانے گا۔ اور سنن ابن ماجہ
 میں مروی ہے قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لیشربن ناس من امتی الخمر یموتوا بغیر اسمہا
 یعرف علی رؤسہم بالمعاذ والمغنیات یخسفہ الله جہہم کلا رض و یجعل منہم القردة والخنازیر
 حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے فرمایا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہونگے جو شراب پین گے
 اور اُسکے دوسرے نام رکھیں گے اُن کے سروں پر باجے بچائے جائیں گے اور گانا گایا جائیگا
 خدا انکو زمین میں ہنسا دیگا اور اُنکو بندر اور سور بنا دے گا۔ اور جامع ترمذی میں مروی ہے
 تكون فی متی خسف و مسح اذا ظهرت القنیات والمعاذ میری امت میں خسف و مسح خلیل
 ہو جائیگا جبکہ گانے والیاں اور باجے ظاہر ہو جائیں گے اور مسند احمد میں مروی ہے ان الله حرم الخمر

والمیسر الکوبۃ خدا نے شراب جو اوپر بربط کو حرام کیا ہے۔ اور مسند ابن ابی الدینامین مروی ہے
 یمسح قوم من هذه الامم في آخر الزمان قردة وخنازير قالوا يا رسول الله اليس يشهدون
 ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله قال بلى ويصومون ويحجون ويصلون قيل فما باطلهم
 قال اتخذوا المعازف والنقیات آخر زمانے میں اس امت کے کچھ لوگ مسخ کر کے بند اور سور
 بنا دیے جائیں گے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا وہ لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی
 گواہی نہیں دیں گے آپ نے فرمایا گو اہی دین گے اور روزہ رکھیں گے اور حج کریں گے اور
 نماز پڑھیں گے لوگوں نے پوچھا پھر وہ کیوں مسخ کیے جائیں گے آپ نے فرمایا باجے اور گالے
 والی عورتوں کو رکھیں گے۔ اور مسند احمد میں ہے ان الله بعثني رحمة للعالمين وامرني ان
 احرق المزامير والكتبات الله نے مجھے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں
 باجون اور رباب کو جلا دوں۔ اور ابن ابی الدینامین نے روایت کی ہے لیستحل من امتی المحرم والمحر
 والمعازف میری امت کے کچھ لوگ ریشم شراب اور باجون کو حلال کر لیں گے۔ اور سنن ابو داؤد وغیرہ
 میں مروی ہے عن نافع قال سمع ابن عمر رضی اللہ عنہما رافوض اصبعی فی اذنیہ ونای
 عن الطريق وقال یا نافع هل تسمع شیئا فقلت لا فرفع اصبعی عن اذنیہ وقت ان كنت مع
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسمع مثل هذا فضع مثل هذا نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت
 ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک باجا سکر اپنی انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھ لیں اور راستہ سے
 دور ہو گئے اور پوچھا کہ اگر نافع تم کو کچھ سنائی دیتا ہے تو کہنا میں نے کہا نہیں تو انھوں نے اپنے کانوں
 سے انگلیاں نکالیں اور فرمایا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ انھوں نے
 ایسی ہی ایک آواز سنی اور ایسا ہی کیا۔ اور جامع ترمذی میں ہے اعلنا هذا النکاح و احذر لہوا
 علیہ بالخبر بال نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دست بجاؤ۔ ان اخباروں سے اور ایسے ہی اور اخبار سے
 کہ ماہر فن حدیث پر مخفی نہیں صاف ثابت ہے کہ جملہ آلات غنا جنہیں معازف و مزامیر کہتے ہیں
 شرعاً حرام ہیں سوا دت کے۔ اور کتب حنفیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حنفیہ دت کو
 بھی منوع کہتے ہیں اور اکثر حنفیہ مطلقاً غنا کو بھی حرام کہتے ہیں۔ تاہنا غنائیہ میں ہے ان کان
 السماع غنا فهو حرام لان التغنی واستماع الغنا حرام اگر سماع میں غنا ہو تو حرام ہے کیونکہ غنا

اور اسکا سنا دینا حرام ہیں۔ اور ملبسوں میں ہر استماع الملاحی والتغنی کلھا حرام کھیل کود اور غنا سب حرام ہے۔ اور محیط میں ہر التغنی والتصنیق بجا واستماعھا کلھا حرام غنا اور اس میں تالیان بجانا اور اسکو سنا سب حرام ہے۔ اور ہایہ میں ہر دلت المسألة علی ان الملاحی کلھا حرام حتی التغنی بضر و تصنیق مسئلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کھیل کود سب حرام ہیں حتیٰ کہ کچھ بجا کر گانا اور تالیان بجانا۔ اور نہایہ میں ہر التغنی والتصنیق والطنبور والبربط والدق؟ ما اشبه ذلك حرام گانا تالی بجانا طنبور بربط ودق اور اسکے مشابہ دوسری چیزیں حرام ہیں۔ اب جاننا چاہتے ہیں کہ اس باب میں قول فیصل جو احادیث سے ثابت ہے یہی ہے کہ نفس غنا عموماً ممنوع نہیں بلکہ اُس میں حرمت یا کراہت عوارض خارجیہ کی وجہ سے عارض ہوتی ہے اور مزامیر سب ممنوع ہیں سوا دق کے کہ کساح وغیرہ میں اُسکی رخصت وارد ہو گئی ہے سوال نصاب کی امامت کروہ ہے یا نہیں جواب نہیں اور نہ باری وغیرہ کے فوج کرنے کی اجرت شرعاً ممنوع ہے سوال (۱) کیا خدا کی ذات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی اصل اور مادہ ہے (۲) اسکے کیا معنی ہیں کہ حضور سرور انبیا علیہ التیمۃ والثناء خدا کے نور سے بنے ہیں (۳) حضور روحی فداہ کی ذات حادث ہے یا قدیم جواب (۱) خدا کی ذات قدیم اور حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کی ذات حادث ہے اور قدیم حادث کی اصل اور مادہ نہیں ہو سکتا کیونکہ قدیم ایک خاص ذات ہے جسکی تجزی اور تبجیز ناممکن ہے پس اُس سے کچھ حصہ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اور یہ امر کتب عقائد میں محقق ہے کہ جو غیر متجرب ہیں اور ناقابل انقسام ہو وہ کسی چیز کی اصل نہیں ہو سکتا۔ مواہب لدنیہ کی لفظ من نور سے انوارہ کی شرح میں زر قانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ای من نور هو ذاتہ لا یبعض انھا مادة خلق نور و عنہا بل یبعض تعلق الارادة ببلا واسطة شئی فی وجودہ یعنی خدانے حضور سرور انبیا علیہ التیمۃ والثناء کو ایک ایسے نور سے پیدا کیا جو خود اُسکی ذات ہو نہ یہ کہ خدا کی ذات مادہ ہے جس سے خدانے آپکے نور کو پیدا کیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات کے پیدا کرنے میں خدا کے ارادہ کا تعلق بغیر کسی چیز کے واسطے کے ہے (۲) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور سے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کا اُس سے بلا واسطہ تعلق ہے جیسا کہ زر قانی میں بھی ہے (۳) قدیم کی دو تین ہیں ایک قدیم حقیقی جسکے وجود کی ابتدا نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ ہے دوسرے قدیم مجازی جسکے وجود کی ابتدا تو ہو لیکن تمام اشیا کی اصل ہونے کی وجہ سے یا زیادتی عمر کی بدولت پھر

قدیم کا اطلاق ہوا اور حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی ذات قدیم کی اس قسم میں داخل ہر
 زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں الاذنی القدیم لیس له ابتداء ویطلق مجازاً علی ما
 طال عمره والوجود ثلثۃ کلا بعم لها ازلی وابدی وهو الحق سبحانه وتعالی ولا ازلی ولا ابدی
 وهو الدنیا وابدی غیر ازلی ہوا الاخرق ازلی قدیم وہ ہر جسکی ابتدا منہو اور مجازاً اسکا اطلاق اُن
 اشیاء پر بھی ہوتا ہے جنکی عمر زائد ہو اور وجود صرف تین ہی طرح کے ہیں ۱۔ ازلی وابدی خدای تعالیٰ
 ۲۔ غیر ازلی وغیر ابدی دنیا (۳) ابدی غیر ازلی آخرت۔ البتہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتنا کی
 ذات کو ذات خداوندی سے ایک خاص مناسبت ہے جیسا کہ اسی کتاب میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
 کتبہ خادم الطیبہ شیخ یوسف بن قادر احمد غنی غنما وعن اسلامہا۔ جواب صحیح ہے واقعی تمام اہل اسلام کا
 یہی اعتقاد ہے اور جو اسکے خلاف اعتقاد رکھے وہ یا کافر مجاہر ہے یا اہل اسلام کے نزدیک ملحد اور
 زندقہ ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفونہ القوی بالاحسانات محمد عبدالحی تاجوازللہ عن ذنبہ العجلی والنحفی
سوال کسی کار خیر کی انجام کی خوشی میں دعوت کرنا یا شہر بنی تقسیم کرنا مثلاً کسی کا لڑکا قرآن شریف
 شروع یا ختم کرے یا محراب سنائے یا کوئی حج کر کے واپس آئے یا کسی قسم کی ترقی ہو تو خوشی میں بنظر
 شکر یہ دوستوں اور عزیزوں اور حاضرین اور مساکین کو کھانا کھلانا یا کچھ تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں جواب
 جائز ہے۔ صحیح بخاری باب الطعام عند القدمین مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم
 المدينۃ فخر جزوا وبقرۃ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے
 بھیڑیا گائے فوج کی۔ اور صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ قبول
 توبہ میں مروی ہے فلما جاء فی امیۃ سمعت صوتہ یشرفی نزعۃ لہ ثوبی فکسوتھا ببشارتہ
 جب میرے پاس امیۃ آئے میں نے اُنکی آواز سنی کہ وہ مجھے بشارت دے رہے ہیں پس میں نے
 اُنکے لیے اپنے کپڑے اتارے اور اس بشارت کے معاوضہ میں میں نے وہ کپڑے اُنہیں پہنا دیے
 اور بھی اُسی میں ہے قلت یا رسول اللہ ان من توبتی ان الخلع من مال صدقۃ الی اللہ ولی
 رسولہ قال امسک بعض مالک قلت انی امسک سہمی الذی یخیر بینی نے عرض کیا یا رسول اللہ
 مجھے توبہ قبول ہونے کے شکر یہ میں خدا اور اُسکے رسول کی راہ میں صدقہ کرنے کے لیے کچھ نکالنا چاہتا
 آپ نے فرمایا کہ اپنے مال کا کچھ حصہ بچا بھی رکھنا میں نے عرض کیا کہ خیر کما جو میرا حصہ ہے میں اُسے

اپنے لیے رہنے دون کا سوال (۱) خدا کی ذات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی اصل اور مادہ ہے یا نہیں (۲) اس کا کیا مطلب ہے کہ آپ کی ذات کو ذات خداوندی سے ایک خاص مناسبت ہے (۳) حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء کی ذات حادث ہے یا قدیم جواب (۱) ذات الہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا مادہ نہیں ہے کیونکہ حادث کا مادہ قدیم نہیں ہو سکتا (۲) یہ جو مشہور ہے کہ نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم خدا کے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نور الہی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ ہے بلکہ اس میں اضافت بغرض شرف ہے جس طرح کعبہ کو بیت اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہتے ہیں اور چونکہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے انوار سے پہلے پیدا کیا گیا تھا اور اس پر خاص غایات مواہب ربانی تھے لہذا یہ کہا گیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور سے ہیں (۳) حضور رسول خدا علیہ التیمۃ والثناء کی ذات حادث ہے اور قدیم بمعنی ازلیت غیر مسبوق بالعدم اہل اسلام کے نزدیک خدا کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے لیکن فلاسفہ عقول کو بھی قدیم کہتے ہیں مگر قدم بمعنی عدم احتیاج بالغیر سب کے نزدیک واجب الوجود ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور اس پر اخبار صحیحہ دلالت کرتے ہیں کہ خدا تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی سوال قرآن شریف یا کسی اور کتاب سے فال لینا درست ہے یا نہیں جواب اس کے جواز کی کوئی صریح دلیل قرآن و احادیث سے پائی نہیں گئی اور علما اس میں مختلف ہیں بعضوں نے اس کو حرام اور بعضوں نے مکروہ لکھا ہے اور بعضوں نے باین شرط جائز لکھا ہے کہ اگر مقصود کے مخالف مکملے تو دل میں بد خیال نہ آنے پائے۔ ابو عبد اللہ محمد بن حاج مالکی رحمہما اللہ دخل میں لکھتے ہیں التفاول فی الشرع هو الذی لا یقصدہ الانسان حتی یمتد بہ ابتداء واما من یقصدہ فلیس من التفاول فی شئ و اشد من ذلك التفاول فی فتح الختمۃ والنظر فی اول سطر یخرج منها او غیرہ وذلك باطل دبیان ذلك انه قد یخرج لہ منها آیت عذاب ووعید فیقع لہ التشویش من ذلك فرفع عنہ ذلك حتی ینقطع مادۃ التشویش بل یحشی علیہ ان یقع لہ ما هو اشد من ذلك ویؤل امرہ الی الخطر العظیم ومن الذی خفی قال الطرطوسی ان اخذ الفال بالصکف وضرب الرمل ونحوہا حرام وهو من باب الاستسقام بالازلام من ان الفال حسن بالسنتہ وتحریرہ ان الفال الحسن وهو ما یعزم من غیر کسب مثل قائل یقول ما تعلمہ ونحوہ والتفاول المکتسب حرام كما قالہ الطرطوسی فی تعلیقہ

شرعاً قال وہی ہر جو خود بخود سب سے پہلے انسان بلا قصد سے لیکن جو فال بقصد لی جائے وہ
فال نہیں ہو اور اس سے بڑھ کر یہ ہو کہ قرآن شریف کھو لکر پہلی سطرے فال لین اسکی وجہ یہ ہو کہ بعض
وقت شروع صفحے میں مزاب و وعید کی آیت ہوتی ہو جسکی بدولت فال دیکھنے والے کو تشویش
ہوتی ہے لہذا اس کی مانعت کر دی گئی تاکہ تشویش کی جڑ ہی کٹ جائے بلکہ اسکا خوف ہو
کہ وہ اس سے زائد کسی تشویش میں پڑ کر سخت خطرے میں پڑ جائے اور ذخیرہ میں ہو کہ طرطوسی
رحمہ اللہ نے کہا ہر قرآن شریف سے فال لینا اور ریل سے کچھ دریافت کرنا اور اسکے مثل حرام ہیں
یہ سب تیروں سے قسمت دریافت کرنے کے مثل ہیں لیکن فال جو سنت ہو وہ حسن ہے
اُسکا بیان یہ ہو کہ حسن فال وہ ہو جو بلا کسب و کوشش کے لیجائے مثلاً کسی نے کہا تو نسلح
نہ پائے گا اور اسکے مثل اور وہ فال جو کوشش کر کے لی گئی ہو حرام ہو جیسا کہ طرطوسی رحمہ اللہ نے
اپنے تعلیق میں لکھا ہے۔ اور ملا علی قاری مکی حنفی رحمہ اللہ شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں الفال بالمصحف
ما صدر عن السلف واختلف فیہ المتأخرون ولا شک کان التشاؤم مکروہاً سواء بالحر و فوا یا بالمعنی
او بالتفاوت یا بالمعنی او بالظہور کیسماۃ ونحوہا فلا بأس و اما الحروف فلا دلالت لہا علی الحسن والقبیح
ابداً قرآن شریف سے فال لینا سلف سے ثابت نہیں ہو اور اس میں تاخرین نے اختلاف کیا
ہو اور اس میں کوئی شک نہیں ہو کہ فال بد لینا مکروہ ہو خواہ حروف سے ہو یا معنی سے لیکن معنی
یا ظہور سے فال لینا مثلاً بسم اللہ وغیرہ تو اس میں کچھ حرج نہیں ہو مگر وہ حسن و نفع پر دلالت نہیں
کرتی۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں ومن جملة علم الحروف الفال بالمصحف
حيث يفتخونه وينظرون في اول صفحه او حرف واقعه وكذا في سابع الورقة السابعة فان جاء حرف
من الحروف المركبة من تشكلا كما حكوا بانہ غير مستحسن في سائر الحروف بخلاف ذلك وقد قال ابن العجمي
في منسكه لا يؤخذ انفال من المصحف فان العلماء اختلفوا في ذلك فكله بعضهم واجازه بعضهم ونص
المالكية على تحريمه انتقاه ولعل من اجازوا كرهه اعتمد على المعنى ومن حرمه اعتبر بحروف
البلغة فانه في معنى الاستقسام بالاذلام منجمله علم حروف كالمصحف من فال لینا ہو کہ قرآن
شریف کو کھو لکر اُسکے پہلے صفحے کو دیکھتے ہیں کہ کون حرف اُنکے حال کے موافق ہو اسی طرح ساتویں
ورق کے ساتویں صفحے میں پس اگر حروف تشکلا کم میں سے کوئی اُس میں ہو تو حکم لگاتے ہیں کہ فال

تمام حروف میں غیر متحسن ہر ابن عجمی اپنے منسک میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف سے فال نہ لیجائے
 کیونکہ اس میں علما کا اختلاف ہے بعض اسے مکروہ لکھتے ہیں اور بعضے جائز اور اذکار لکھ سکے حرام ہونے
 پر دلیل لائے ہیں انتی اور شاید جو لوگ اسے جائز یا مکروہ سمجھتے ہیں وہ منون پر اعتماد کرتے
 ہیں اور جو حرام سمجھتے ہیں وہ حروف معنی کا خیال کرتے ہیں کیونکہ یہ تیروں سے قسمت دریافت
 کرنے کی طرح ہے۔ اور سید عبد الباقی رحمہ اللہ بغدادی رسالہ مناسک الحج میں لکھتے ہیں کہ استخارات
 الشایعة الاستخارة بالقرآن ویسمونه تقاول ولعلہم عنہا کیفیات شتی والظاهر ان ذلک
 کمال دلیل علی مشروعیتہ ومن البدع ما یستعمل الشیعة بالتقاول من السبحة ونحوہا و
 کذا ما یفعلہ کثیر من الناس بالتقاول بدیوان حافظ شیرازی شائع استخارون میں سے
 قرآن شریف کا استخارہ ہے جسے فال کہتے ہیں اور اسکے قرآن شریف سے معلوم کر نیکی بہت
 سے طریقہ ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اسکی مشروعیت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جو شیعہ تسبیح وغیرہ سے
 فال لیتے ہیں اور جو بہت سے لوگ حافظ شیرازی رحمہ اللہ کے دیوان سے فال لیتے ہیں یہ سب
 بدعت ہے سوال رمل کا سیکھنا اور سکھانا جائز ہے یا نہیں جواب رمل کی اصل حضرت
 ادریس علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے ہے اور انکے معجزات میں شمار کیا گیا ہے
 مگر ہماری شریعت میں رمل کی مانفت ہے۔ طحاوی حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں ہو علم بضروب
 اشکال من المخطوط والنقطة بقواعد معلومة تخرج حروف الفصح وتستخرج جملة دالة علی
 عواقب الامور قد علمت انه حرام قطعاً واصله لا دریس علیہ السلام رمل وہ علم ہے جس سے قواعد
 مقررہ کے مطابق خطوط اور نقطوں سے اشکال بنالینے کے طریقے معلوم ہوں جن سے کچھ حروف نکلتے
 ہیں جنکے لانے سے جملہ نکلتا ہے جو آئندہ ہونے والی باتوں کو بتلاتا ہے اور یہ تم جان چکے ہو کہ یہ
 قطعاً حرام ہے یہ اصل میں حضرت ادریس علیہ السلام کے لیے تھا۔ اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے فتاویٰ
 میں ہے ان تعلم وتعلیم حرام شدید التحریم لافیه من اہام العوام ان فاعلہ یشارک اللہ فی
 غیب رمل کا سیکھنا اور سکھانا سخت حرام ہے کیونکہ اس سے عوام کو دہم ہوتا ہے کہ اسکا جاننے والا علم
 غیب میں خدا کا شریک ہے۔ اور صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ
 سے مروی ہے قال قلت ومنا رجال یخطون قال ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان نبی من الانبیاء

یخط من وافق خطہ فذا الی حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے کہا ہر کہ میں نے عرض کیا کہ ہم
 میں بعض لوگ خط کھینچتے ہیں (یعنی اس طرح غیر معلوم باتوں کا بہ جلاتے ہیں) آپ نے فرمایا بعض انبیاء بھی
 خط کھینچا ہر پس جبکہ خط اُس خط کے مطابق ہو وہ درست ہو۔ اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ مراقۃ
 الصدور شرح سنن ابوداؤد میں لکھتے ہیں قال النووی اختلف العلماء فی صحاہ والصیح ان معناه
 من وافق خطہ فهو مباح ولا طریق لنا الی معرفۃ ذلك والعلم یقینہ بالمواظفہ فلا یباح وقال عیسا
 معناه من وافق خطہ فذاک الذی تجوز لصابۃ ما یقول لاند اباح ذلك لفاعله قال یحتمل ان هذا نسخ
 من شرعنا وقال الخطابی هذا الحدیث یحتمل النسخ عن هذا الخط لانہ کان علما النبوة ذلك النبی وقد انقطعت
 فنسخ عن تعاطی ذلك قال النووی فحصل من مجموع كلام العلماء الاتفاق علی انہی سنۃ لاند
 نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں علمائے اسکے معنی میں اختلاف کیا ہر صحیح یہ ہر کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ جبکہ خط انبیاء
 کے خط کے موافق ہو اُسکا یہ کام مباح ہو اور ہر کو یہ کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا ہو اور نہ موافقت کا
 یقینی علم ہو سکتا ہو پس خط کھینچنا مباح نہیں ہو اور عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہر کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ جبکہ
 خط انبیاء کے خط کے مطابق ہو اُسکو جو بات معلوم ہوگی صحیح ہوگی نہ یہ کہ اُسکا یہ فعل مباح ہوگا اور
 اُنہوں نے کہا ہے کہ اس امر کا احتمال ہے کہ یہ فعل ہماری شرع میں منسوخ ہو گیا اور خطابی
 رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث خط کھینچنے کی نہی کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ یہ خط ایک نبی
 کی نبوت کی علامت تھی جو ختم ہو گئی لہذا اب اس کے کرنے کی مانعت کر دی گئی نووی
 رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام علما کے کلام کا حاصل یہی ہے کہ اس زمانہ میں اس کا ممنوع ہونا
 متفق علیہ ہو سوال شبہات میں حلو اور عیدین میں سویان ضروری سمجھکر پکنا اگرچہ قرصہ اگرچہ
 ہو جائے کیسا ہو یا بخلات خیال رسوم محض اس خیال سے بچنا کہ پڑوس میں یہ چیزیں پکین گی
 اگر ہمارے بیان نہ پکین تو ہمارے بچے روئیں گے یا خود شیرینی کا شوق ہو اس لیے پکنا کیسا ہو
 جواب اس باب میں کوئی نص نفیاً اور اثباتاً وارد نہیں ہو۔ اور جن چیزوں میں نص نہ ہو تو
 کلیہ قاعدہ یہ ہو کہ اگر اُسے بپابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کر اہست لازم آئے گی اور اگر حصہ ضروری
 نہ سمجھے گا تو کوئی حرج نہیں ہو۔ بخاری اور مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ اور نسائی نے حضرت ابن
 مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہو کہ لا یحصل احدکم للشیطان شیئاً من صلوتہ یوم ان یصل علیہ

ان لا يتصرف عن يمينه وقد رایت رسول الله صلى الله عليه وسلم كشيء ما ينصرف عن يسار
تم من سے کوئی اپنے اعلیٰ کو شیطان کے لیے نہ کر دے اس طرح کہ اپنے پٹنے کو اپنے من میں منحصر کر دے
مین نے نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم کو دیکھا ہے کہ بسا اوقات اپنے بائیں طرف مڑتے یعنی جو بائیں ہاتھ
کی طرف ہوتا۔ طیبی اور سید کے حواشی مشکوٰۃ میں ہے۔ ان من اصول علی صدوب
وجعلہ عزہ ما لم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان فكيف من اصول علی بد عدا ومنكر
اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو کسی سبب پر التزام کرے اور اُسے لازم سمجھ لے اور معافی پر عمل
نہ کرے اُسے شیطان نے پکڑ لیا ہے پس جو بدعت یا بُرائی کا التزام کر لے اُسکے متعلق کیا کہا جائے
سوال غیر خدا کی نذر اور منت کا کھانا درست ہے یا نہیں جواب غیر اس کی نذر اور منت حرام ہے اور
اُسکا کھانا سب کے لیے حرام ہے اور کسی حاجت کے وقت اللہ کے لیے جان و فوج کرنے لیکھا نا کھانا
یا سٹھائی باٹنے کی منت ماننا درست ہے اور حصول مقصد کے بعد اُسکا پورا کرنا لازم ہے مگر اُسکے
صرف محتاج اور فقراہن نذر کرنے والے اور ام کو اُسکا کھانا جائز نہیں۔ بحر الرائق میں علامہ قاسم
بن قطلوبغا حنفی رحمہ اللہ کی شرح در البھار سے منقول ہے النذ الذي يقع للصوات من اکثر العوام وما یؤخذ
من الشمع والزيت وخوها الى ضوائح الاولیاء لکرام تقرب الیہم فهو بلا جماع حرام بوجہ منها ان نذر للمخلوق
والنذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا يكون للمخلوق ومنها ان النذر لله ميت والميت لا یملك ومنها
ان نذر ان الميت تصرف لا یجوز دون الله واعتقاده ذلك كفر اللهم لان قال یا الله انی نذرت لک ان شفیت
مرضی ورحمت غائی وقضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذين ببار السیدة نفیسة والا امام الشافعی
والامام الملیک واشتری حصیرا لاساجدہم اوزیتا لوقودہا وادراہم من یقوم بشعائرها الى غیر ذلک مما
یکون فیہ نفع للفقراء والنذر لله وذكر الشیخ انما هو محل تصرف النذر والمستحق القاطنین
برباطہ وصیغہ فیجوز هذا الاعتبار ولا يجوز ان یصرف ذلك لغنی ولا لشریف منصب او دمی نسب
وعلم ما لم یکن فقیرا ولم یتثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنیاء للاجماع علی حرمة النذر
للمخلوق ولا ینعقد ولا یشغل الذمت بہ ولا نہ حرام بل سحت ولا یجوز لخدام الشیخ
خذہا لان یمکن فقیرا وله عیال فقراء عاجزون فیاخذونه علی سبیل الصدقة
المیتة واحدة واحذنا لایضا مکروه ما لم یقصد الناذر التقرب الی الله وصرفه

الی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ عوام جو مردوں کی نذرین مانتے ہیں اور جو
 شمعین اور چراغ وغیرہ اولیائے کرام کے مزاروں پر اُسے تقرب حاصل کرنے کی نیت یہ تجارتی
 ہیں یہ حرام ہے کیونکہ یہ نذر غیر اللہ جو حرام ہے اس لیے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت حرام ہے اور
 اس لیے کہ منذور مردہ ہے اور مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے اور اس لیے کہ اس سے اس امر کا
 گمان ہوتا ہے کہ امور میں مردہ تصرف کرتا ہے نہ کہ خدا اور یہ اعتقاد کرنا کفر ہے لیکن اگر یہ کہے کہ امر اللہ
 میں نے تیرے لیے یہ نذر مانی ہے کہ اگر تو میرے مریض کو شفا دیدے یا میرے غائب کو لوٹا دے یا
 میری حاجت کو پورا کر دے تو میں اُن فقر کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ یا ام شافعہ یا امام
 لیث رحمہم اللہ کے دروازے پر رہتے ہیں یا انکی مساجد کی چٹائیاں بنوادوں گا یا وہاں کے
 چراغوں کے لیے تیل خریدوں گا یا وہاں کے نگہبانوں کو درہم دوں گا یا ان کے سوا اور ایسے
 امور جن میں خدا کے لیے نذر ہو اور فقر کا نفع ہو تو جائز ہے شیخ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نذر کے
 صرف کرنے کے محل وہ لوگ ہیں جو منذور کی خانقاہ یا مسجد میں رہتے ہوں اور اس اعتبار سے
 یہ نذر جائز ہے لیکن اُسکو کسی امیر یا منصب بالنسب یا عالم والے لوگوں پر جبکہ وہ فقیر نہ ہوں صرف
 کرنا درست نہیں ہے اور شرع میں اغنیاء کے لیے صرف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مخلوق کے لیے
 نذر ماننے کی حرمت پر اجماع ہے اور وہ نذر نہ تو ثابت ہوتی ہے اور نہ لازم ہوتی ہے اور اس لیے
 کہ وہ حرام ہے اور شیخ کے خادم کو بھی اُسکا لینا درست نہیں ہے مگر جبکہ فقیر ہو اور اہل و
 عیال رکھتا ہو جو سب کے سب فقیر ہوں اور وہ اُسکو بطریق صدقہ کے لین اور بھی اگر نذر سے
 نذر کرنے والے کا مقصد تقرب الی اللہ نہ ہو تو اُسکا لینا اور فقرا پر صرف کرنا بھی ناجائز ہے نذر
 شیخ سے تو کچھ بحث ہی نہیں۔ اور اس باب میں اصل یہ ہے جو مسند احمد میں مروی ہے انما النذر
 لا یبلغہ الا وجه اللہ نذر وہ ہے جس سے خدا مقصود ہو۔ اور سنن ابو داؤد میں ہے لا نذر الا فیما
 اتنی بہ وجه اللہ وہ نذر نہیں جس میں خدا کے سوا کوئی اور مقصود ہو۔ اور ابو داؤد نے
 روایت کی ہے ان رجلا نذر ان ینخر ابلا فی موضع سماہ فقال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم هل
 فیہ وثن من اوثان الجاہلیۃ تعبد قال لا قال او بنذرک ایک شخص نے نذر مانی کہ
 دو ایک اونٹ فی کمرے گا ایک خاص جگہ پر جسکو اُس نے معین کر دیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت ہو جو بوجاہل ہو تو
اُس نے کہا نہیں تب آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو سوال کسی دوست آشنا و بزرگ
کے قدم کی خوشی میں ضیافت کی نیت سے یا کسی اور خوشی میں جانور ذبح کرنا یا شیرینی بانٹنا
جائز ہے یا نہیں اور اُس کا کھانا جائز ہو یا نہیں جواب درست ہو۔ فتاویٰ بزرگ میں ہے ذبح شاة
لضیف ذکر اعلیٰہا اسم اللہ بجل کلمہ لادہ سنتہ الخلیل علیہ السلام واکرام الضیف اکرام اللہ وفضلت
انہ لا یجل لعلہ انہ ذبحہ کا کرام بنی ادم فیکون کا نہ اہل بغیر اللہ فقد خالف القرآن و
الحديث والعقل فانه ان القصاب یدبح للمرجع ولو علم انہ یحضر لایدبح فیلزم علی هذا
الجاهل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب لا ما ذبحہ للکولائم والاعراس والعقیدۃ ولو ذبحہ
لقدوم الامیر او لقدم واحد من العظماء لا یجل اکلہ وان ذکر اسم اللہ علیہ لادہ
ذبحہ تعظیم خلق اللہ وھذا لا یضعہ بین ید بہ بخلاف الاولیٰ کہ نہ یقدم بین یدہ ہو الفاد
اگر کسی مہمان کے لیے خدا کا نام لیکر بکری ذبح کی جائے تو اُس کا کھانا حلال ہو کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل
علیہ السلام کی سنت ہو اور مہمان کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے اور جو یہ خیال کرتا ہو کہ اُس کا کھانا ناجائز ہو
کیونکہ اُس نے آدمی کی تعظیم کے لیے اُسے ذبح کیا ہو تو یہ مثل اُن اشیاء کے ہونے جن پر
خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو وہ قرآن اور حدیث اور عقل سب کے خلاف کرتا ہو کیونکہ
قصاب نفع کی غرض سے ذبح کرتا ہو یہاں تک کہ اگر اُسے نقصان کا علم ہو تو ہرگز ذبح نہ کرے تو
اس جاہل کے قول پر لازم آتا ہو کہ قصاب کا ذبیحہ بھی نہ کھایا جائے اور اسی طرح وہ بھی جو بولہون
شاریون یا عقیقون کے لیے ذبح کیا جائے اور اگر امیر یا بڑے لوگوں میں سے کسی کے آنے پر ذبح
کیا ہو تو اُس کا کھانا جائز نہیں ہو اگرچہ وقت ذبح اس کا نام لیا گیا ہو کیونکہ یہ ذبیحہ تعظیم خلق اللہ کے
لیے ہو اس وجہ سے حاکم یا مغز شخص کے سامنے اُسے نہیں لیجاتے برخلاف ذبیحہ اولیٰ کے کہ اُسے
جس کے لیے ذبح کیا ہو اُس کے سامنے لیجاتے ہیں اور یہی ان دونوں میں فرق ہو۔ اور اصل اس
باب میں قصہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہو جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہو کہ جب
اُنکی توبہ قبول ہوئی تو اُنھوں نے اس خوشی میں اپنا تمام مال صدقہ کیا اور حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ سقدرا اپنے مال سے رہنے دو تب اُنھوں نے اپنا وہ حصہ جو غزوہ

خیر میں ملا تھا باقی رہنے دیا اور سب مال صدقہ کر دیا اور بھی اس بحث میں اصل ولیمہ کی شریعت
 ہو جو شب زفاف کے بعد مسنون کیا گیا ہے اور اُس کے فضا کل میں حدیثیں صحاح میں مروی
 ہیں اور وہ حدیثیں جن میں علاج کے بعد خرافہ وغیرہ لانا مروی ہے سنن بیہقی اور متعم
 طبرانی اور طحاوی کی شرح معانی الآثار میں ہیں مگر انکی سندوں میں ضعف ہو اور اسی قسم سے
 براتیوں کا کھانا کھانا ہے غرض احادیث شککہ سے جو دقائع مختلفہ میں وارد ہیں یہ ثبات
 ہوتا ہے کہ کسی خوشی کے وقت کھانا کھانا یا کھانا یا کھانا کوئی اور چیز باٹنا جائز ہے اور ہر
 امیر اور غریب کو اُس کا کھانا مباح ہر سوال زید ناس لیتا ہو اور حقہ پینے کو حرام نہیں کتابا
 کتابا کہ زید اور اُس کے سب مرید کافر ہیں اور حقہ پینے والے کے جنازے کی نماز نہ پڑھنا چاہیے
 اس مسئلہ میں حق کس کا قول ہے جواب بکر کا قول اس باب میں محض انہی ہے اور ہرگز ماننے
 کے لائق نہیں ہوا اہل اسلام کو چاہیے کہ اُسے سمجھائیں اور ایسا حکم لگانے سے روکیں۔ جاننا
 چاہیے کہ حقہ پینا مسئلہ کے بعد واقع ہوا اور اُس وقت سے لیکر اس وقت تک چاروں میں بیوٹا
 کے علما اس میں مختلف ہیں بعض حرام اور بعض مکروہ تحریمی اور بعض مکروہ تنزیہی کہتے ہیں اور
 بعض مطلقاً مباح جانتے ہیں میں نے اُن سب کی عبارتیں مع تفصیل لکھے اپنے رسالہ ترویج
 الجہان بشرح حکم شرب الدخان میں لکھ دی ہیں جسکو دیکھنا ہو دیکھ لے۔ اور دالمخار میں
 ہو اضطربت اداء العلماء فیہ فبعضہم قال بکراہتہ وبعضہم قال بحرمۃ وبعضہم
 باباحۃ وافرد وہ بالتالیف وفی شرح الوہابیۃ للشرینبلاوی رحمہ اللہ من بیع الدخان
 وشرہ وشاربہ فی الصوم لاشک یفطرہ وللعلامة الشیخ علی الاچہودی رسالۃ
 نقل فیہا انما فتی بحد من یعمل علیہ من ائمة المذاہب لکراہتہ بعتہ قلت والفت فی حلیہ سیدنا
 العارف عبد الغنی الذابلسی الحنفی رسالۃ سماھا الصلح بین الاخوان فی باباحۃ شرب الدخان
 واقام الطاقۃ الکبریٰ علی القائل بالحرمتہ واکراہتہ قاعاً حکمان شرعیان لایدلما من لیل لایدل علی خلاف
 فانہم ثبت اسکارہ ولا نقطیرہ واضرارہ وان فرض اضارہ للبعض لایلزم منہ تحریمہ علی کل احد
 اس میں علما کی رائیں مختلف ہیں بعض کراہت کے قائل ہیں اور بعض حرمت کے اور بعض اباحت
 کے شریعتی رجحان اسکی شرح وہابیہ میں ہے کہ تمباکو کا بیجنا اور اُس کا پینا حرام ہو اور اگر کوئی

رمضان میں پیئے تو بلا شک اُسکا روزہ ٹوٹ جائے گا علامہ شیخ علی اجمہوری رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے جس میں اُنھوں نے یہ نقل کیا ہے کہ حقہ کے حلال ہونے کا فتوے قابل اعتماد ایمہ مذاہب اربعہ نے دیا ہے میں کہتا ہوں کہ اسکے حلال ہونے پر علامہ عبد الغنی نابلسی حنفی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہے جسکا نام الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان رکھا ہے اور اُنھوں نے حرمت اور کراہت کے قائلین پر بہت سی جہتیں قائم کی ہیں کیونکہ یہ دونوں شرعی حکم ہیں انبیر و دلیل کا قائم کرنا ضروری ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اُس کا نشہ اور ضرر نہیں ثابت ہے اور اگر بعض لوگوں کے حق میں ضرر رسان ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب پر حرام ہو جائے۔ اور عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ حدیث اندیشہ شرح طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں من البدع العادیۃ استعمال النتن والقموۃ عادی بدعتون میں سے ناس اور قہوہ ہے۔ اور شیخ عبد الخالق مزجانی رحمہ اللہ زبیدی حنفی اپنے بعض فتاویٰ میں لکھتے ہیں قد تکلم العلماء المتأخرون فی ذلك لانه لم یکن فی القرون السابقۃ من مفرط فی ذمہ حتی جرم بالحرمة ومن مفرط فی صلاحہ ومنہم من توسط وقال انه مکروہ تحریماً وهذا عندی حسن الاقوال واعدلھا اذ لا قاطع بتحریمہ وليس کل موزو ومنتن حراما والا لکان اکل الثوم والبصل والفجل والکراث حراما هذا کلمہ فی شریعہ خانہ واما اکلہ وشمہ فهو مکروہ تنزیہاً عندی لا بخادون شرب دخانہ علامہ متاخرین نے اس میں کلام کیا ہے کیونکہ یہ قرون سابقہ میں نہ تھا پس بہت سے لوگ اس کی بُرائی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں کہ اسے حرام سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کی مدح میں حد سے بڑھ گئے اور بعض لوگ متوسط ہیں کہ مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور یہی میرے نزدیک بہترین اور اعدل اقوال سے ہے کیونکہ اس کی حرمت کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے اور ہرموزی اور بدبودا چیز حرام نہیں ہے ورنہ حسن پیا ز مولیٰ اور کرکاش کا کھانا حرام ہو جائے یہ تمام احکام تمباکو کے پینے کے ہیں لیکن اُسکا کھانا یا سونگھنا تو یہ میرے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اُسکے دھوئیں کے پینے سے کم ہے اور جو تنبیہ کمال طرفین کے بعد وضع ہو ا ہے یہ ہے کہ حرمت کا قول ماننے کے قابل نہیں ہے کیونکہ حرمت دلیل قطعی تحریم پر موقوف ہے اور حرام

لمس الحسن کے جوئے میں جو چھو کر لے لے جائے میں جب درخت نکلتا ہے تو اُسکی پتیوں کی ایسی اور پھل لمسن کا ایسا ہوتا ہے ان پتیوں کو کراٹھ کہتے ہیں ۱۲۔

کننے والوں نے کوئی قطعی دلیل اس پر قائم نہیں کی ہو بلکہ دلائل ظنی جو انھوں نے پیش کیے ہیں وہ بھی مخدوش ہیں جیسا کہ ترویج الجہان کے دیکھنے والے پر بخفی نہ ہے گا اور بلا کر اہت مباح ہونے کا قول بھی خدشات سے خالی نہیں ہے البتہ مکروہ ہونے کا قول اعتبار کے قابل ہو اور یہ تمام گفتگو حقہ پینے والے میں ہو لیکن تمباکو کھانا اور ناس لینا تو اُس کے مکروہ ہونے پر بھی کوئی معتبر دلیل قائم نہیں ہے پس معلوم ہو کہ حقہ پینے یا ناس لینے کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر کہنا اور اُس کے جنازے کی نماز نہ پڑھنا بڑی جرأت کا کام ہے جو پڑھے ہوئے لوگوں سے بعید ہے اگر بغرض محال حرمت ثابت بھی ہو جائے تو بھی مختلف فیہ ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ علما کی ایک جماعت نے حرمت سے انکار کیا ہو اور کراہت یا اباحت کا فتوے دیا ہو۔ مسائل اختلافیہ میں تکفیر کے کیا معنی ہیں۔ شرح عقائد نسفی وغیرہ میں ہو کہ جس حرام کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو اور انہیں کچھ اختلافات نہ ہو اُس کی حلت کا حکم دینا موجب کفر ہو سکتا ہو لیکن وہ حرام جو مختلف فیہ ہو پس ہرگز اُس کے حلال جانے والی بیکف کا حکم جائز نہیں ہے ایسا ہی فتاوے بزازیہ وغیرہ میں ہے سوال جو مسلمان شخص اسلام کے طریقے اور صورت اور لباس کو ناپسند کر کے برہا کے طریقے کے موافق صورت اور لباس کو پسند کر کے اور ننبے بال بڑھا کے عورتوں کی طرح جوڑا باندھے اور برہا کا لباس پہنے اور پسند کرے اور کفر کے طریقوں کو پسند کرے اور مدد دے وہ کیسا ہو جواب ایسا شخص فاسق اور فاجر ہو بلکہ کفر کے طریقے کو پسند کرنے کی وجہ سے اُس کے کفر کا خوف ہو سوال اس شہر میں برہا کے لوگ شروع سال حیت کے مہینے میں تین دن تک بڑے برہا کے طریقے کے موافق دریا میں ہزار آدمیوں کے قریب جمع ہو کر پانی میں کھیلے ہیں اور اُس پر رب کو بیشویر بکتے ہیں اور اُس خوشی کے دن میں میلہ ہوتا ہے جیسے مجوسی نور وژن اور ہندو دیوالی میں کرتے ہیں لہذا بارتی اشران دو چار کشتی لیکر بازی لگاتے ہیں اور ہار جیت کی کشتی دوڑاتے اور کھیلے ہیں اور اپنی کشتیوں میں لال اور کالے رنگ کے جھنڈے اڑاتے ہیں اور اشعار پڑھ پڑھ کر ناچتے گاتے ہیں اور ایک گھڑے میں لال رنگ لگا کر پانی بھرتے ہیں اور اُس میں آم کی ایک ٹہنی رکھتے ہیں اور کشتی دوڑانے کے وقت جو لوگ کشتی دوڑانے کے لیے موجود رہتے ہیں ان لوگوں کی طرف سے شکون کے لیے

کالایا لال ایک ایک مرغی کا بچہ چھوڑ دیتے ہیں اس نیت سے کہ وہ کھیل کی کشتی دریا میں نہ ڈوبے
 اور اس دن برہا لوگوں کی عورتیں اپنے کو آراستہ کرتی ہیں اور بچوان بچا کر جہاں کشتی کا ٹاشم
 ہوتا ہے لیجاتی ہیں۔ اکثر مسلمان مرد اور عورتیں بھی اس فعل کو اچھا جان کر کرتے ہیں اُنکے
 لیے کیا حکم ہے جواب کفار کے ایسے یہود و نصیبین مسلمانوں کو شریک ہونا حرام ہے بلکہ اُنکی
 موافقت اور رضامندی کفر کا باعث ہوتی ہے حدیث میں ہے: من کثر سواد قوم فهو منهم
 جس نے کسی قوم کے مجمع کو بڑھایا وہ اُسی قوم سے ہے۔ اور خزانة الروایات میں ہے فی الفصول قال
 الشیخ ابو بکر الطرخانی من خرج الی السدة فقد کفر لان فی اعلان الکفر علی قیاس مسئلة
 السدة والخروج الی نیروز المجوس الموافقة معهم فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم من المسلمین
 کفر وکذا الخروج الی لعب کفرۃ الہند فی الیوم الذی یدعونہ بسر تھی والموافقة معهم
 فیما یفعلونہ من تزین البقود والا فراس والذہاب الی دود الاغیاء یلزم ان یکون کفرا و
 کذا الخروج فی لیلۃ تلعب فیما کفرۃ الہند بالنیران والموافقة معهم فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم من المسلمین
 کفر فصول میں ہے شیخ ابو بکر طرخانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تجانے میں جانے والا کافر ہے کیونکہ اس میں کفر کا
 اعلان ہے اور اسی قیاس پر مجوسیوں کے نوروز میں جانا اور اُنکے افعال میں اُنکی مطابقت کرنا مسلمانوں
 کیلئے کفر ہے اسی طرح ہند کے کافروں کے کھیل میں جسے سر تھی درام لیلہ کہتے ہیں جانا اور گاؤں
 اور گھوڑوں کو آراستہ کرنا اور امیرون کے گھر میں جانا ان سب سے کفر لازم آتا ہے اسی طرح اس
 رات میں نکلنا جس میں ہند کے کافر آگ (دیوالی) سے کھیلتے ہیں اور اُنکے افعال میں اُنکی
 موافقت مسلمانوں کے لیے کفر ہے۔ اور فتاویٰ بزاز یہ میں ہے الخروج الی نیروز المجوس و
 والموافقة معهم فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم کفر واکثر ما یفعل ذلک من کان اسلام منهم فیخرج فی ذلک
 الیوم ویوافق معهم فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم فیصیر بذلک کافرا ولا یشعرہ اجتماع المجوس الیوم
 النیروز فقال مسلم خوب سیرت نہاد نہذ یکفر مجوسیوں کے نوروز میں جانا اور اس دن اُنکے افعال
 کی اتباع میں کام کرنا کفر ہے اور ایسا کرنے والے اکثر وہ مجوسی ہوتے ہیں جو مسلمان ہو گئے ہیں
 ان دنوں میں نکلتے ہیں اور اُن کے افعال کے مطابق کام کر کے کافر ہو جاتے ہیں اور انکو اس
 کافر ہو جانے کا علم بھی نہیں ہوتا اگر نوروز کے دن مجوسی جمع ہوے اور کسی مسلمان نے کہا

انھوں نے کیا عمدہ بات نکالی ہے تو وہ کافر ہو گیا۔ اور بھی اُسی میں ہے وما تجز العادة بسمر قند
 ينصب لغير يوم نيزود واجتماع الناس و خروجهم الى باب حرم واجتماعهم فيه ثلثة ايام فلا شك انهم
 ان ارادوا به تعظيم اليوم فلذلك كفروا ان ارادوا به غير ذلك فلا صواب ولا صواب في ذلك الاجتماع
 المسلمين يوم فصح النصارى اور سمرقند میں جو یہ ہونے لگا ہے کہ لمیر نوروز کے دن بنایا جاتا ہے اور
 لوگ جمع ہو کر باب رحمت کو جاتے ہیں اور وہاں تین دن تک جمع رہتے ہیں ایسے بیشک اگر اُسکا
 مقصد اس سے اُس دن کی تعظیم ہو تو وہ کافر ہیں اور اگر کوئی اور مقصد ہو تو اُسکا ترک کرنا ہی
 اچھا ہے اور بطرح مسلمانوں کا نصاریٰ کی عید کے دن جمع ہونا سوال اس ملک کے ہندو دہر سال پرستش
 کے طریقے سے لگتا ہے اور یا میں غسل کرتے ہیں اور اُن کو کون کی منت اُتارتے ہیں اور اُنکا سر منڈاتے
 ہیں اور ایک راس بزغالہ کو سفند مادہ کو سیندور لگا کے اور ہار پہنا کے دریا میں ڈالتے ہیں اور
 اسے طاح یا مسلمان نکال کے بیچتے ہیں یا اپنے صرٹ میں لاتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں
 جواب درست نہیں ہے نہ اسوجہ سے کہ وہ ماہل بغیر اس ہے کیونکہ اُس آیت میں مذکور بغیر اس مراد
 ہے بلکہ اسوجہ سے کہ وہ جانور یا ملک کی ملک سے خارج نہیں ہوتا سوال تاڑی پینا یا ہر وہ شراب
 جسکا کثیر مسکر ہو اور نان یا وٹکھا ناجسکا خمیر تاڑی کا ہو حرام ہے یا حلال جواب مذہب معتبر کے
 لحاظ سے حرام ہے اگرچہ بعض اشرعہ میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مقدار
 مسکر حرام ہے اور مقدار غیر مسکر حرام نہیں ہے مگر امام محمد رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق اُسکا قلیل اور
 کثیر سب حرام ہے اور روایت اور دلائل بھی یہی قول معتبر ہے خزانة المفتیین میں ہے ذکر فی شرح
 مجمع البحرین الصیغہ ما ذهب الیه محمد رحمہ اللہ شرح مجمع البحرین میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب صحیح
 ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے الفتویٰ علی قول محمد رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے ہے۔ اور
 ملتقى الابحار میں ہے والکل حرام عند محمد رحمہ اللہ وبہ یفتی والخلاف انما هو عند قصد التقویٰ
 اما عند قصد التلذذ فحرام اجماعاً اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک سب حرام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور
 اختلاف تقویٰ مقصود ہونے کی حالت میں ہے اور خیال تلمی اجماعاً حرام ہے۔ اور زیلعی میں بھی اُسی
 شرح کنز الدقائق میں ہے الفتویٰ اليوم علی قول محمد رحمہ اللہ من یسکر من الخمر المتحدۃ من
 الخمر اصل واللبن والتین باکل فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے حاکم حکوین چون محمد

دودھ یا بچیر سے بنی ہوئی چیز کے کھانے کی وجہ سے نشہ چڑھا ہوا سبب بھی حد لگائی گئی۔ اور قاضی بدرالدین عینی رحمہ اللہ نیز اختلافی شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں قال محمد والثلثۃ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من انواع کان لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر فکل مسکر حرام رواہ مسلم عن ابن عمر رحمہ اللہ علیہ وسلم قال ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمد وابن ماجہ والدارقطنی وصحیحہ الفتوی علی قول محمد والاختلاف فیما اذا قصد بہ التقویٰ والثلثۃ ان قصد بہ التلذذ فهو حرام بالاجماع امام محمد اور ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ کے کہا ہو کہ جس چیز کا بہت نشہ لائے اسکا تھوڑا بھی حرام ہے خواہ کسی قسم سے ہو کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر نشہ آور شراب ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا علیہ التیمۃ والثناء نے فرمایا ہے جس چیز کی کثرت سے نشہ آئے وہ تھوڑی بھی حرام ہے اسکا اٹھواڑا بن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسکی تصحیح کی ہے اور فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے اختلاف اُس صورت میں ہے جب ایسی اشیا سے تقویت مقصود ہو ورنہ اگر شوقیہ ایسی چیز کو استعمال کرے تو اُسکے حرام ہونے پر اجماع ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے قال محمد قلیلہ وکثیرہ حرام قالوا ویقول محمد ناخذ انہ حرام ومذہب محمد انہ حرام ونجس کما ہو مذہب مالک والشافعی واحد واحد واذا کان شر بہ للہو وقلیلہ وکثیرہ حرام اتفقا کما ہو المعتاد فی الزمان بین الانام محققون علی ہذہ المسکرات کا جہاں ائمہ علی الخیر امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ تھوڑی بہت دونوں طرح حرام ہے اور ہم انھیں کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور ائمہ مذہب یہ ہے کہ وہ حرام اور نجس ہے جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی اور ابو داؤد رحمہم اللہ کا مسلک ہے اور اگر اسکا بیٹا محض شوقیہ ہو تو قلیل و کثیر دونوں اتفاق حرام ہیں جیسا کہ عموماً آجکل کے لوگ اسی قسم کی نشہ آور چیزوں کو مجتمع ہو کر پیتے ہیں جس طرح شراب کو مجتمع ہو کر پیتے ہیں۔ اور ابوالکارم شرح مختصر قایہ میں لکھتے ہیں قال الفقیہ ابواللیث رحمہ اللہ ویقول محمد ناخذ فی الخلاصۃ ان الفتوی علی قول محمد رحمہ اللہ ابواللیث رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور خلاصہ میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے ہو اور کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے ذکر فی الفتوی ان الفتوی علی قول محمد رحمہ اللہ کذا ذکرہ الامام محبوبی مفتوے میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے یہ امام محبوبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

اور فصیح الدین اور نظامی ہر وی رحمہ اللہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں ثمانہ فی مجمع البحرین ان الصحیح فی کلا شریعتہ قول محمدؐ و فی النہایۃ ان الفتویٰ علی قول محمدؐ و فی الخلاصۃ قال الفقید ابو الیثمؒ و بقول محمدؐ ناخذ و علیہ الفتویٰ و فی الوقعات الحسانۃ و بقول محمدؐ ناخذ مجمع البحرین میں ہے کہ اشربہ کے متعلق امام محمد رحمہ اللہ کا قول صحیح ہے اور نہایت میں ہے کہ فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے اور خلاصہ میں ہے کہ فقیہ ابو الیثم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور اسی پر فتوے ہے اور الوقعات حسانہ میں ہے کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور جامع الرموز میں ہے حاصلہ ان شریعتین بذل الجود والجلالات بشرطہ حلال عند الشیخین فلا یجد السکران منه ولا یقع طلاق و حرام عند محمدؐ فجد و یقع کما فی الکافی و علیہ الفتویٰ کما فی الکفایۃ حاصل یہ ہے کہ غلوں اور مٹھی چیز کی نمینہ شیخین رحمہ اللہ کے نزدیک بشرطہ حلال ہے تو جسے اس سے نشہ چڑھے اُس پر حد نہ کی جائے گی اور اُسکی طلاق نہ واقع ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حرام ہے اور ایسے شخص کی طلاق واقع ہوگی جیسا کہ کافی میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ کافی میں ہے۔ اور الیاس زادہ رحمہ اللہ شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں الشیخ محمدؒ و انی ذکر ان الفتویٰ علی قول محمدؐ شیخ خسر وانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور تنویر الابصار میں ہے و حرّم محمدؐ مطلقاً و بیهیضۃ امام محمد رحمہ اللہ اسے مطلقاً حرام لکھتے ہیں اور اسی پر فتوے ہے۔ اور رد المحتار میں ہے قولہ غیر کما صاحب اللمعۃ فی المواہب و الکفایۃ و النہایۃ و المعراج و شرح المجمع و شرح در البحار و القہستانی و العینی حیث قالوا الفتویٰ فی زماننا بقول محمدؐ الغلبۃ الفسادیٰ اسکے علاوہ اور لوگ جیسے صاحب المقتی اور مواہب اور کفایہ اور نہایت اور مراجع اور شرح مجمع اور شرح در البحار اور قہستانی و ابن عینی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے غلبہ فساد کی وجہ سے اور ایسا ہی بہت سے متون معتبرہ اور شروح اور فتاویٰ میں ہے جیسا کہ کتب فقہ کے دیکھنے والے پر ہے امر پوشیدہ نہیں ہے جب اس تفصیل سے یہ معلوم ہو کہ مذہب مفتی بہ کے موافق ہر مسکر کا قلیل اور کثیر حرام ہے لہذا تاوی کی ایک قطعہ کے بھی حرام ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کیونکہ اُسکا کثیر بلا شبہ مسکر ہے اور اسطرح اُسکی نجاست اور اُس نان پاؤ کی حرمت میں بھی کوئی شبہ باقی نہیں رہا جسکا خمیر تاوی سے ہو اور جو اس زمانے کے بعض علما خیال کرتے ہیں

کہ اس بحث میں شیخین رحمہما اللہ کا قول معتبر ہے اسوجہ سے کہ اُسکا متون میں ذکر ہے اور اصحاب متون کا قول اصحاب شروح و فتاویٰ کے قول سے زائد معتبر ہو غلط ہے کیونکہ حنفیہ رحمہم اللہ کے متون اس باب میں تین مسلک پر ہیں بعض اصحاب متون نے شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ کے قول کو ذکر کیا ہے اور بعض اصحاب متون نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ فتوے امام محمد رحمہم اللہ کے قول پر ہے اور بعض اصحاب متون نے فقط شیخین رحمہما اللہ کا قول ذکر کیا ہے اور یہ کہ متون کا قول شروح اور فتاویٰ کے قول پر مقدم ہے اُس وقت کے لیے ہے جب شرح وغیرہم نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو اور اسی طرح یہ جو مشہور ہے کہ ظاہر الروایۃ کے مسائل نوادر کے مسائل پر مقدم ہیں اُسی وقت کے لیے ہے جب نوادر میں ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ نہ دیا گیا ہو۔ نتیجہ فتاویٰ حامیہ میں ہے قد ذکرنا ان ما فی المتون صحیح التزائم ای المتزیم اصحاب المتون ان یدلکروا فیہا الصحیحۃ الی الصحیح الصریح اقویٰ من الصحیح الا للترامی جو متون میں ہے وہ التزائم صحیح ہے یعنی اصحاب متون نے اس بات کو لازم کر لیا ہے کہ انہیں صحیح روایتیں ذکر کریں اور صریح التزائم صحیح سے زائد قوی ہے۔ اور رد المحتار میں ہے اذ کان احد القولین ظاہر الروایۃ والاخر غیرہا فقد صرحوا بجلالانہ لا یحذل ظاہر الروایۃ فھو ترجیح ضمنہ فلا یعدل عندہ لاترجم صریح لمقابلہ وکذا لو کان احد القولین فی المتون او الشروح او کان قول الامام او کان ہو الاستحسان ووقولون میں سے ایک جب ظاہر روایت اور دوسرا غیر ظاہر ہو تو اجمالا اس بات کی فقہانے تصریح کی ہے کہ ظاہر الروایۃ سے عدول نہ کیا جائے گا پس یہ ترجیح ضمنی ہے اس سے بلا ترجیح صریح عدول نہ کیا جائے گا اسی طرح اگر دو قولون میں سے ایک متون یا شروح میں ہو یا امام کا قول ہو یا وہی مستحسن ہو پس اگرچہ شیخین رحمہما اللہ کا قول کتب ظاہر الروایۃ اور متون میں مذکور ہے لیکن جب شرح معتبر میں اور مشایخ مستدرین نے امام محمد رحمہم اللہ کے قول پر فتوے دیا ہے تو اباب متون کے ذکر کرنے کی وجہ سے ترجیح ضمنی کا اعتبار باقی نہیں رہا اور جو بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مشایخ کا یہ فتوے دینا رسم مفتی کے خلاف ہے کیونکہ قاضی خان میں ہے ان کانت المسئلۃ مختلفا فیہا بین اصحابنا فان کان مع ابی حنیفۃ احد صاحبین یاخذ بقولہا لو فور الشرائط واجتماع ادلتہ الصواب فیہما اگر کسی مسئلہ میں ہمارے اسماء مختلفان کیا ہو تو اگر صاحبین رحمہما اللہ میں سے کوئی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موافق ہو تو اویںین و دونوں

قول سے مسئلہ ختم کیا جائے گا کیونکہ شرائط تحقیق میں اور صحت کی دلیلیں اس میں پائی جاتی ہیں
چند وجوہوں سے لغوی پہلی وجہ یہ ہو کہ لزوم افتائین یا طرفین رحمہما کے مذہب پر اس وقت ہی
جب دلیل میں دونوں قول مساوی ہوں اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کی دلیل قوی ہوگی
تو قوی دلیل کے موافق فتویٰ دیا جائے گا گو شیخین یا طرفین رحمہما کے خلاف ہو یا نہ ہو
قوی یا غیر قوی دلیل میں تمیز نہ کر سکتا ہو اسکو بجز اختیار ترتیب کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ مختار
میں ہو الاصحہ کما فی السراجیۃ وخیرھا انہ یفقی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثالث ثم
بقول الثالث ثم یقول زفر و الحسن بن زیاد و صحیح فی الحاوی القدوسی قوۃ المدراک صح وہ ہو
جو سراجیہ وغیرہ میں ہو کہ امام ابو حنیفہ رحمہما کے قول پر مطلقاً فتویٰ دیا جائے گا پھر ایلم ابو یوسف
رحمہما کے قول پر پھر امام محمد رحمہما کے قول پر پھر امام زفر اور حسن بن زیاد رحمہما کے اقوال
پر اور حاوی قدوسی میں قوت دلیل کی بنا پر فتوے دینے کی تصحیح کی ہے۔ اور رد المحتار میں ہی قل الحبلہ
الذی یشتر فی التوفیق ای بین ما فی الحاوی وما فی السراجیۃ ان من کان لہ قوۃ ادراک
لقوۃ المدراک یفقی بالقول القوی المدراک ای الدلیل والاف الترتیب حللی رحمہما کے کہا ہے
حاوی اور سراجیہ کی عبارتوں کے تطبیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جسکو عقل کی بدولت ادراک کی قوت ہو وہ
اس قول پر فتویٰ دے جسکی دلیل قوی ہو ورنہ باعتبار ترتیب مذکورہ بالا فتوے دے۔ اسی پر ترجمہ
کی عبارت دلالت کرتی ہے والا اولہ اصحا ذالم یکن الخلفۃ مجتہد افھو صریح فی ان المجتہد یعنی
من کان اھلاً للنظر فی الدلیل یتبع من الاقوال ما کان اقوی دلیلاً ولا یتبع الترتیب الساجق
جب مفتی مجتہد نہ تو اول یعنی ترتیب اصح اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد یعنی جو دلیل پر غور کر سکتا ہے
اس قول کی اتباع کرے جو دلیل کے اعتبار سے قوی ہو اور ترتیب مستدرجہ بالا کی اتباع
نہ کرے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں امام محمد رحمہما کی دلیل قوی ہو جیسا کہ اسکی تفصیل آگے آتی
ہو پس جن مشایخ نے انکے قول پر فتویٰ دیا ہے وہ رسم مفتی کے موافق ہے کیونکہ انہیں سے
اکثر دلیل پر غور کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں اور دلائل طرفین کی نتیجہ کرنے اور امام محمد رحمہما
کے قول کی دلیل قوی پانے کے بعد انکے قول پر فتویٰ دیا ہے دوسرے یہ کہ اگر رسم مفتی مذکور علی الاطلاق
درست ہو تو لازم آئے گا کہ اگر مشایخ امام ابو حنیفہ رحمہما کے خلاف امام زفر رحمہما کے قول پر

فتویٰ دین تو معتبر نہ ہوگا اور یہ اجماع کے خلاف ہو۔ رد المحتار میں ہو وعن هذا اترحم قدیر یحفظ
قول بعض اصحاب علی قولہ کہ مار جھو اقول زفر وحده فی سبع عشر مسئلہ فنتیجہ ما رجحہ
لا اھم اھل النظر فی الدلیل اس وجہ سے بعض وقت فقہا بعض اصحاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے
قول کو خود ان کے قول پر مقدم کر دیتے ہیں جیسا کہ اکیلے امام زفر رحمہ اللہ کے قول کو سترہ مسئلوں میں
ترجیح دی گئی ہو پس ہم اس کی اتباع کیسے گئے جسے فقہا نے ترجیح دی ہو کیونکہ وہ لوگ دلیل پر غور کر سکتے
تھے۔ تیسرے یہ کہ جب مشائخ جو اباب نظر ہیں فتویٰ دیدین تو مفتیوں کو چون و چرا کی جگہ باقی
نہیں رہتی بلکہ اُسے ان لینا انکو لازم ہے۔ در مختار میں ہو واما نحن فعینا اتباع ما رجحہ و صحیحہ
کہا لو فتوا فی جاتھم ہیں اُسی کی اتباع کرنا چاہیے جس کی تصحیح اور ترجیح فقہا کر دیں جیسا کہ اگر وہ اپنی
زندگی میں فتویٰ دیتے اور علامہ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں والناس
بین مقلد محض و مقلد اہلیۃ النظر فعلہ الاول اتباع ما صحیحہ المشایخ والثانی لہ الترجیح
والتصحیح لوگ دو طرح کے ہیں ایک مقلد محض دوسرے وہ مقلد جنہیں نظر کی اہلیت ہو پس پہلے لوگوں
کو تصریحات مشائخ کی اتباع کرنا لازمی ہو اور دوسروں کو ترجیح اور تصحیح کا حق حاصل ہو۔ اور جو بعض
اہل علم کے ذہنوں میں یہ خیال تشویش پیدا کرتا ہو کہ مشائخ حنفیہ رحمہم اللہ کا فتوے ہر مسکر کے قلیل
و کثیر کی حرمت پر فقط امام محمد رحمہ اللہ ہی کے قول پر نہیں ہو بلکہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما
کے قول پر بھی ہے کیونکہ یہ فتویٰ شارحین فاسقین کے حق میں ہے جو بقصد ہو و مسکر پیٹے ہیں
ان کے حق میں ہو جو تداوی اور قوت کے لیے پیتے ہیں۔ عجیب بات ہو کیونکہ رمزا حقائق اور
مقتلہ البحر وغیرہ کی عبارتوں سے صاف طور پر واضح ہو کہ بقصد تلوی و مسکرینا بالاتفاق حرام ہو پس اس
صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے کے کیا معنی ہیں اور امام محمد اور شیخین رحمہم اللہ کے
درمیان میں اختلاف اُسی صورت میں ہو جب تداوی اور قوت کے قصد سے بہین اور اسی
اختلافیہ صورت میں مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہو پس یہ فتویٰ شیخین
رحمہم اللہ کے قول کے خلاف ہوا اور جو بعض علم و فضل کے مدعی کہتے ہیں کہ فتویٰ ارفق اور اسل
پر دینا چاہیے اور اسی طرح عمل الیسر پر کرنا چاہیے اس وجہ سے مشائخ نے جو امام محمد رحمہ اللہ کے
قول پر فتوے دیے ہو جو ضیق اور دشواری کا سبب ہو معتبر نہیں۔ غلط اور محض باطل ہو اس لیے

کہ اگر مراد یہ ہے کہ ہر مقام پر فتوے اور عمل الیسر اور ارتق پر ہونا چاہیے اگرچہ دلیل ضعیف ہو تو عقلاً اور نقلاً باطل ہے۔ اور ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدر پر اور حلی رحمہ اللہ غنیۃ المستملیٰ میں لکھتے ہیں کہ ایسے ان یعدل من الدیۃ اذا وافقہار و ایستقرہ درایت سے عدول نہ کرنا چاہیے جبکہ روایت اُسکے مطابق ہو۔ اور میری زادہ رحمہ اللہ شرح اشباہ و نظائر میں لکھتے ہیں قال ابن الشکنتہ رحمہ فی شرح الہدایۃ اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذہب علی ما یلخص ویکون ذلک مذہبہ ولا یخرج مقلدہ عن کونہ حنفیاً فقد صح عن الامام ابو حنیفۃ اذا صح الحدیث فهو مذہبی ابن شکنتہ رحمہ اللہ نے شرح ہدایہ میں کہا ہے جب حدیث صحیح ہو اور خلاف مذہب ہو تو حدیث پر عمل کیا جائیگا اور وہی مذہب امام ہوگا جو اُس سے ثابت ہو اور ایسی حدیث کا مقلد حنفیت سے خارج نہ ہوگا کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو حدیث صحیح ہو وہی میرا مذہب ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ بعض مواضع میں فتویٰ اور عمل الیسر پر ہونا چاہیے تو مفید نہیں ہے اس لیے کہ شکل اول کے نتیجے میں کبریٰ کی کلیت شرط ہو اسکے علاوہ اگر ہر حکم رفتی اور لیسر کا اختیار کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ جماعت نماز کے باب میں مستحب قول اختیار کیا جائے اور سنت مؤکدہ اور وجوب کا قول جو جہ ہے متروک ہو اور باب مزا میر میں دف کے سوا طلعہ عود بربط وغیرہ میں حلت کا قول اختیار کیا جائے اور ان تمام امور کا قائل وہی شخص ہوگا جو دین میں کھیل کرتا ہے اور حضرت سید المرسلین علیہ صلوٰۃ رب العالمین کے ارشادات سے روگردانی کرتا ہے اسکے علاوہ عسر اور لیسر کا اعتبار اُس صورت میں ہے جب کسی مسئلہ میں اقوال مختلفہ غیر مرجح ہوں لیکن جس صورت میں مشائخ نے کسی ایک قول کو ترجیح دیدی ہو تو انھیں کے قول کو ماننا لازمی ہے۔ و مختار میں ہے و اما نحن فعلمنا اتباع ما رجحہ و صحیحہ کما لو اوافقنا فی حیاتیہ فان قلت قد یحکون انک لا بد لترجیح قلت یعمل بثلث اعملو ابین اعتبار تغیر الحرف و احوال الناس ما هو الا رفق و ما ظہر علیہ التعامل و ما قوی و جہہ ہکو اسی کی اتباع کرنا چاہیے جسے مشائخ ترجیح و لا دین اور تصحیح کر دین جیسا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں فتوے دیتے اگر کوئی کہے کہ بعض وقت فقہاء کسی ترجیح کے اقوال ذکر کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ ایسی صورت میں اُس پر عمل کیا جائے جس پر انھوں نے عمل کیا ہو لیکن لوگوں کے احوال عرف کے تغیر کسانوں قوت و وجہ اور تعامل کا بھی لحاظ کرنا چاہیے اور جو لوگ لیسر اور رفتی کے اعتبار پر تنبیہ کی عبارت

ینبغی للمفتی ان یفتی الناس بما هو اسهل علیہم مفتی کو اُس پر فتویٰ دینا چاہیے جو لوگوں
 کے لیے آسان ہے۔ اور صاحب کشف بزدوی کی عبارت کے مستحب للمفتی لاخذ بالخص
 تیسرے علی العوام مفتی کے لیے مستحب یہ ہے کہ عوام پر آسانی کرنے کے لیے رخصت پر فتویٰ دے
 سند میں پیش کرتے ہیں وہ مصطلحات علمائے خفیہ سے ناواقف ہیں کیونکہ ان عبارتوں میں
 مفتی بمنہ مجتہد ہے۔ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں اعلم ان مشایخنا یطلقون
 لفظ المفتی علی من لدنہ اجتهاد فی المذہب و یطلقون علما مشاھا لفظ المتفقہ ہمارے مشایخ لفظ
 مفتی کا اطلاق اُن لوگوں پر کرتے ہیں جنکو مذہب میں کچھ اجتہاد ہو اور ایسے ہی لوگوں پر لفظ
 متفقہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور یہ جو بعض افاضل کہتے ہیں کہ ما نحن فیہ میں خفیہ کی ایک جماعت
 نے شیخین رحمہما اللہ کے قول کی بھی تصحیح کی ہے جیسا کہ خزائنہ المفتین میں ہے فی الھدایۃ والنہایۃ
 و فتاویٰ قاضی خانؒ و ظہیر الدینؒ والخلاصۃ و فتاویٰ الکبریٰ و فتاویٰ اہل سمرقند و الحمیدی
 ان الاعمہ ما علیہ ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ ہا یہ فتاویٰ قاضی خان ظہیر الدین خلاصہ فتاویٰ
 کبریٰ فتاویٰ اہل سمرقند اور حمیدی میں ہے کہ صبح وہ ہے جس پر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ
 ہوں۔ پس اس تصحیح کا اعتبار کرنا چاہیے نہ تصحیح قول محمد رحمہ اللہ کا۔ یہ قول چند وجوہوں سے باطل ہے
 اول یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دینے والے بہ نسبت شیخین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح
 دینے والوں کے زائد ہیں جو ماہرین کتب فقہ پر غفی نہیں ہیں پس امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو
 ترجیح دینے والوں کا اعتبار کرنا لازم ہے۔ تنقیح فتاویٰ حامد یہ میں ہے القیاس ان یعمل بما علیہ
 الا اکثر کما نقلہ الشربلانی فی شرح امداد الفکار من باب صلوة المريض قیاس یہ ہے کہ اُس پر
 عمل کیا جائے جسکے جانب اکثر لوگ گئے ہیں جیسا کہ شربلانی رحمہ اللہ نے شرح امداد الفتح کی باب
 صلوة المريض میں لکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ شیخین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دینے والے اکثر اصحاب
 فتاویٰ ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دینے والے اکثر اصحاب متون و شروح ہیں جو
 کتب فقہ کے دیکھنے والے پر ظاہر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اصحاب متون اور اصحاب شروح کا قول اصحاب
 فتاویٰ کے قول پر مقدم ہوتا ہے تیسرے یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دینے والے الفاظ
 جیسے و بفتحی و علیہ الفتویٰ وغیرہ زائد موجد ہیں بہ نسبت ان الفاظ کے جنہیں شیخین رحمہما اللہ کے

قول کو ترجیح دی گئی ہے جیسے صبح وغیرہ پس ہر حال میں امام محمد رحمہ اللہ ہی کا قول مزج ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ جہوقت مشائخ کی تصحیح میں اختلاف ہو تو مفتی کو اختیار ہے جبکہ دونوں تصحیح مساوی ہوں صاحب رد المحتار نے در مختار کے قول من وقع البحر وغیرہ منی کان فی المسئلة قولان مصححان جازا القضاء والا فتاء باحدھا بحر وغیرہ کے باب وقت میں ہے جب کسی مسئلہ میں دو قول صحیح ہوں تو ان میں سے کسی ایک پر حکم اور فتویٰ درست ہے۔ کے تحت میں لکھا ہے ہذا محمول علیہ اذا لم یکن لفظ الصحیح فی احدهما اکد من الآخر کما افاده الحلیہ ای فلا یجوز بل یتبع الا کد اقول وینیغ تقیید التخییر ایضا اذا لم یکن احد القولین فی المتن لما قد صالہ النافع البیر ولما فی قضاء الفوائت من البحر من انہ اذا اختلف الصحیح والفتویٰ فالعمل بما وافق المتن اولی کذا لو کان احدهما فی الشرح والاخر فی الفتاویٰ لما صرحوا بہ من ان ما فی المتن مقدم علی ما الشرح وما فی الشرح مقدم علی ما فی الفتاویٰ یہ اُس صورت پر محمول ہے جب لفظ تصحیح کسی ایک میں دوسرے سے بڑھ کر ہو جیسا کہ حلی رحمہ اللہ نے کہا ہے یعنی ایسی صورت میں فتویٰ دینے کا اختیار نہیں ہے بلکہ جس میں تاکید صحت ہو اُسی کی اتباع کی جائے گی میں کتابوں کہ فتوے کے اختیار مفتی پر ہونے میں اسکی بھی قید لگانا چاہیے کہ دونوں قولوں میں سے کوئی متن میں نہ جیسا کہ ہمنے ابھی بیری سے نقل کیا ہے اور جیسا کہ بحر کے باب قضاء الفوائت میں ہے کہ جب تصحیح اور فتوے میں اختلاف ہو تو متون کے موافق عمل کرنا اولیٰ ہے اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک شروح میں اور دوسرا فتاویٰ میں ہو کیونکہ فقہانے کہہ دیا ہے کہ مسائل متون مسائل شروح پر اور مسائل شروح مسائل فتاویٰ پر مقدم ہین۔ اور شروح مقدمہ غزلویہ میں ہے لفظہ الفتویٰ اکد وایلی من لفظ المختار لفظ فتوے میں لفظ مختار سے زائد تاکید ہے۔ اور تنقیح فتاویٰ حادیہ کے کتاب البیہ میں ہے لفظ الفتویٰ اکد من لفظ الصحیح لفظ فتوے میں لفظ صحیح سے زائد تاکید ہے۔ اور فتاویٰ خیرہ میں ہے بعض لفاظ الفتویٰ اکد من البعض فلفظ الفتویٰ اکد من لفظ الصحیح والا صیغہ والا شبہ وغیرھا ولفظ وید یفوق اکد من الفتویٰ علیہ فتوے کے بعض الفاظ میں زائد تاکید ہے پس لفظ میں لفظ صحیح واضح واثبہ وغیرہ سے زائد تاکید ہے اور لفظ ہیفتہ میں لفظ الفتویٰ علیہ سے زائد تاکید ہے۔ اور رد المحتار میں ہے مقابل الصحیح والا صیغہ ونحوہ قد بکون هو المنفی لکونہ هو

الاحوط والادرق بالناس او الموافق لتعاملهم وغير ذلك مما يراه المرجحون في المذهب
داعيا الى الافتاء به فاذا صرحوا بلفظ الفتوى في قول علم انما لما خوذ به ويظهر ان لفظ
وبه ناخذ وعليه العلم مساو للفظ الفتوى صحيح اور اصح كما مقابل بعض وقت مفتي بہ ہوتا ہو کیونکہ
اُسی میں احتیاط ہوتی ہو اور وہی لوگوں کے لیے زائد آسان اور تعامل کے مطابق ہوتا ہو اور
اسکے علاوہ اور دوسرے امور جن کے بدولت اصحاب ترجیح اُس پر فتوے دیتے ہوں
پس جب کسی قول کے ساتھ فتوے کی تصریح کر دی جائے تو یہ معلوم ہو جاتا ہو کہ
یہی ماخوذ بہ ہو اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ لفظ بہ ناخذ اور علیہ تمسک لفظ فتوے کے مساوی
میں۔ اور فتاویٰ غیر یہ کے کتاب الکفالات میں ہے قوله والصحيح لا يدفع قول صاحب المحیط وعليه
الفتوى اُسکا قول والصحيح صاحب محيط کے قول عليه الفتوى کے معارض نہیں ہو سکتا ہو۔
چوتھے یہ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ رد المحتار میں ہے والحاصل انه اذا كان
لاحد القولين مرجح على الآخر ثم صحح المشائخ كلام من القولين ينبغي ان يكون الماخوذ به مكان
له مرجح لان ذلك المرجح لم يزل بعد التصحيح فتبقى فيه قوة لتوجد في الآخر حاصل یہ ہے کہ
جب دون قولوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہو اور مشائخ دونوں قولوں کی تصحیح
کرین تو اُسی سے اخذ کرنا چاہیے جسے ترجیح ہو کیونکہ وجہ ترجیح تصحیح کے بعد بھی باقی ہو لہذا اس
قول میں ایسی قوت ہو جو دوسرے میں نہیں ہو۔ یہ جو کچھ کہا گیا ابحاث فقہیہ کے موافق تھا لیکن
حدیث کے اعتبار سے پس جاننا چاہیے کہ بکثرت حدیثوں سے یہ بات ثابت ہو کہ جس میں مکر
ہو اُسکا قلیل اور کثیر حرام ہو اُنھیں حدیثوں میں سے یہ حدیث ہو کہ مکر خمر وکل خمر حرام
ہر مکر خمر ہو اور ہر خمر حرام ہو۔ یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد اور
سنن نسائی اور سنن بیہقی اور مسند احمد و مسند ابویعلیٰ اور صحیح ابن حبان اور مصنف عبدالرزاق
اور سنن دارقطنی وغیرہ میں باسانید کثیرہ معتبرہ مروی ہے اور بعض علما کا یہ قول کہ اس حدیث
پر ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے طعن کیا ہو جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہو قللا براہیم النخعی
صاحبہ الناس کل مسکوخر خطا لم یثبت انما الثابت کل مسکوخرام وکذا ما اسکر
کثیرہ فقلیلہ حرام لیس بثبت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ جو لوگ روایت کرتے ہیں

کل مسکر خمر غلط ہے ثابت نہیں اور بیطرح ما اسکر کثیرہ فقیلہ حرام ثابت نہیں ہے البتہ کل
 مسکو حرام ثابت ہے۔ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اس پر طعن کیا ہے جیسا کہ عنایہ میں مذکور ہے مروی
 عن یحییٰ بن معین انہ قال الحدیث الثالث لیست بثابتہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 الی قوله والثابت کل مسکر حرام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ تینوں حدیثیں حضور سرور
 عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں اور آگے چل کر کہتے ہیں کہ ثابت یہ ہے کہ ہر نشہ آور حرام
 ہے یہ مردود ہے کیونکہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا اس حدیث پر طعن اگرچہ ہدایہ اور عنایہ وغیرہ میں مذکور
 ہے لیکن جلال الدین عبداللہ بن یوسف زلیعی محدث حنفی رحمہ اللہ تخریج احادیث ہدایہ میں لکھتے ہیں
 هذا الکلام کلمہ لواحدہ فی شئ من کتب الحدیث یہ تمام کلام میں نے حدیث کی کتابوں میں سے
 کسی کتاب میں نہیں پایا۔ اور غنی رحمہ اللہ کا طعن اسکی ثبوت کی تقدیر پر قاض نہیں ہے اسلئے کہ انھوں
 نے کل مسکو خمر کا انکار کیا ہے اور کل مسکو حرام کو ثابت کیا ہے۔ پس اتنا ہی استدلال کے لیے کافی
 ہے اس کے علاوہ جبکہ یہ حدیث صحیح بخاری میں (جو قرآن کے بعد اصح الکتب ہے باتفاق علماء) اور صحیح مسلم وغیرہ
 میں موجود ہے تو اس کے عدم ثبوت کے کوئی معنی نہیں اور تعجب نہیں ہے کہ غنی اور ابن معین رحمہما اللہ
 کو یہ حدیث بسند صحیح نہ پہنچی ہو اس وجہ سے انکار کیا ہو پس جب روایات معتبرہ سے اسکا ثبوت
 ہو گیا تو ان کے قول سے حجت پکڑنا علماء کی شان سے نہیں ہے اور منجملہ ان کے عمرو بن شعیب رحمہ اللہ کی
 حدیث ہے عن ابیہ عن جده ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اسکر کثیرہ فقیلہ حرام
 عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ
 التیمۃ والتسلیم نے فرمایا ہے جس کا کثیر مسکر ہو اسکا قلیل حرام ہے یہ سنن نسائی اور ابن ماجہ اور
 مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے اور ایسا ہی سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بروایت حضرت
 جابر رضی اللہ عنہ منقول ہے اور ترمذی نے اسکو روایت کر کے اس کے صحیح الاسناد ہونے کا حکم دیا ہے
 اور منجملہ ان کے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ سنن نسائی میں مروی ہے ان النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم غنی عن ما اسکر کثیرہ حسنور رسول خدا علیہ التیمۃ والثناء نے اسی چیز سے
 منع فرمایا ہے جسکا بہت نشہ لائے۔ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں اسکو روایت کیا ہے
 اور حافظ عبد النظیم منذری رحمہ اللہ نے مختصر سنن ابوداؤد میں لکھا ہے اوجد احادیث الباقی حدیث سعد

اس باب کی احادیث میں سب سے بہتر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث معلوم ہوتی ہے۔ اور منجملہ اُنکے
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما یحرم مسکر حرام وما اسکر
 کثیرہ فقلیلہ حرام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر مسکر حرام ہے اور جب کا کثیر نشہ
 لائے اُس کا قلیل بھی حرام ہے یہ حدیث سنن دارقطنی میں مروی ہے اور منجملہ اُنکے حضرت عائشہ صدیقہ
 رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکل مسکر حرام وما اسکر
 الفراق فملا الکف منه حرام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرور
 کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے ہر نشہ آور حرام ہے اور جو چیز پیالہ بھر
 نشہ لائے وہ چلو بھر حرام ہے۔ یہ حدیث سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے اور ایسا ہی
 صحیح ابن حبان اور مسند احمد میں ہے اور ترمذی نے اُسکے حسن الاسناد دہونے کا حکم دیا ہے۔ اور منجملہ
 اُنکے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ
 فقلیلہ حرام حضرت نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم نے فرمایا ہے جس کا کثیر نشہ آور ہو اُس کا قلیل بھی حرام
 ہے یہ حدیث مسند اُمتی ابن راہویہ اور معجم طبرانی میں مروی ہے۔ اور منجملہ اُنکے خواتین جبر رضی اللہ
 عنہ کی حدیث ہے جو سدرک حاکم اور معجم طبرانی اور سنن دارقطنی میں مروی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام حضور روحی فداء نے فرمایا ہے جب کا کثیر نشہ لائے اُس کا قلیل بھی حرام
 ہے اور منجملہ اُنکے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو معجم طبرانی میں مروی ہے کہ میں نے ان تمام احادیث کے بعد
 جو صراحتہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر نشہ آور شے کا کثیر اور قلیل بھی حرام ہے چون و چرا کی مجال نہیں ہے
 اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مقابلے میں کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔ اور فقہاء جو حدیث
 مذہب شیعہ میں جماعہ اللہ کے اثبات میں پیش کرتے ہیں حرمت الخمر یعنیہا والمسکون کل شراب شراب فی نفسہ حرام
 ہے اور ہر پینے کی نشہ آور چیز میں زبلی نے تخریج احادیث ہدایہ میں اسکو ضعیف لکھا ہے
 اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بعض فقہاء نے جو کہ مسکوحام سے جواب دیا ہے کہ اُس سے قدح
 اخیر اور جو مسکر کے درجے تک پہنچائے۔ احادیث صریحہ سے ثابت ہو جانے کے بعد ہر مسکر کے
 قلیل و کثیر کی حرمت قابل اعتبار ہے۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ وضوح دلائل کے بعد بھی فقہ اور حدیث کے
 قواعد کے موافق کسی عالم کو یہ حلال نہیں ہے کہ نام محمد رحمہ اللہ کے قول کے خلاف تھوڑی تاڑی

یا اس نان پاؤ کی حلت کا جس میں تاوی کاغیر ہو حکم دے سوال جس اونٹ کی پرورش سور کے
دودھ سے ہوئی ہو اسکا کھانا حلال ہو یا نہیں جواب ذبح کر کے اسکا کھانا حلال ہو کیونکہ گوشت
میں کچھ تغیر نہیں ہوا ہو اور جو کچھ اُس نے کھایا ہو وہ تو ضائع ہو گیا اُسکا اثر تک باقی نہیں رہا تمراشی
رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تنویر الابصار کے شرح منہ الفقار کے باب الخطر والاباحۃ میں اسکی صراحت کی
ہو سوال میں ہدیہ اکثر میں لکھا ہو کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم
کے تیجے اور دسویں اور بیسویں اور چلم وغیرہ میں چھوٹے پر فائزہ دیا اور اصحاب کو کھلا دیں
فی زماننا جو لوگ تیجے دسویں بیسویں چلم وغیرہ میں بھول پان کرنے کی مانعت کرتے ہیں
اُسکی کیا وجہ ہے جواب یہ قصہ جو ہدیہ اکثر میں لکھا ہو غلط ہو کتب معتبرہ میں کہیں اس کا پتہ
نہیں ہو سوال قابلہ جو چارن ہو اُسکو عقیقہ کا گوشت دینا کیسا ہو اور اگر دیا جائے تو کتنا
جواب قابلہ کو بکری کی ایک ران دینا بہتر ہے جیسا کہ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں ہے اگرچہ
وہ چارن ہو سوال مردے کے مرنے کے بعد بھی اسی مقام پر کھانا پکنا جہان پہلے بکا کرتا تھا
جائزہ ہو یا نہیں جواب جائزہ ہو سوال جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اگرچہ عیدین کی نماز پڑھتا
ہو یا نہیں اور میت کے جنازے میں شریک رہتا ہو اور شراب اور گو برکی کا فردن کی طرح پستش
کرتا ہو اور اعتقاد رکھتا ہو کہ مجھے جو کچھ فلاح اور بہود ہے اسی کی پرستش کی وجہ سے ہے اُسکے یہاں کھانا
کھانا اور جو اُس نے قربانی دی ہو یا بکری کو کسی نمازی سے قربانی کرایا ہو اُس کا گوشت کھانا اور
نماز جنازہ جائز ہو یا نہیں جواب ایسا شخص کا فرہر اُسکے ساتھ مسلمانوں کو وہ بتر او نہ کرنا
چاہیے جو مسلمانوں کے ساتھ کرنے میں سوال ایک شخص کی مان سید کی بیٹی تھی اور باپ شیخ
اب وہ شخص سید ہونے کا دعوی کرتا ہو بلکہ دستخط کرنے میں اپنے نام کے ساتھ قرشی حنی لکھا کرتا
ہو یہ کیسا ہو جواب باب نسب میں اصل یہ ہے کہ انتساب باپ کی طرف سے ہوتا ہو نہ مان کی طرف
سے پس جبکی مان سید کی بیٹی ہو اور اُس کا باپ سید نہ ہو اُسکو من وجہ شرافت حاصل ہوگی اور
بہ نسبت اُن لوگوں کے جنکے والدین غیر سادات سے ہوں کسی قدر فوقیت ہوگی مگر وہ شخص اپنے
کو سید نہیں کہہ سکتا اور نہ قرشی حنی لکھ سکتا ہو غیر قبیلہ میں داخل ہونا اور اپنے آبائی سلسلہ کو
ترک کرنا سخت گناہ ہے بعض روایات میں ایسے شخص پر جو اپنے سلسلہ پدیری کی طرف انتساب

ترک کر کے دوسرے فرقہ میں داخل ہو لعنت وارد ہوئی اور بعض میں فقد کفر کا اطلاق آگیا ہے جسے کفر
 علمی کے اسکی تفصیل کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر وغیرہ میں موجود ہے۔ در شرح غرر میں ہے
 الولد تتبع الاب فی النسب لانه للتعریف والام لا تشتر ویتبع خیرھا فی الدین دعاية
 بجانب الولد لانه کا نسب میں باپ کا تابع ہے کیونکہ نسب کی غرض شہرت ہوتی ہے اور ان مشہور نہیں ہوتی
 اور دین میں اُسکے تابع ہوتا ہے جو بہتر ہو اسکا منشا لڑکے کی رعایت ہے۔ اور صاحب بحر الرائق نے
 صاحب کفر کے اس قول کی شرح میں الولد تتبع الام فی الملک والحرية والوق والتدبیر والاستیلاء
 والکتابۃ زاد امان کی تابع ہے ملک حریت رقیق تدبیر استیلاء اور کتابت میں لکھتی
 ہیں قید بالتبعیۃ فیما ذکر للاحتراز عن النسب لانه للاب لان النسب للتعریف وحال الرجال
 مشکوٰۃ دون النساء حتی لو تزوج هاشمی امۃ انسان فانت بولد فهو هاشمی تبعاً لامیہ یقیق
 تبعاً لامہ کما فی فتح القدیر وهذا احتراز عن الدین فانه تتبع خیر الامیین دیناً لانه انظر له
 مذکورین میں تبعیت کی قید لگائی تاکہ نسب سے احتراز ہو جائے کیونکہ نسب باپ کے لیے ہے اسلیئے کہ نسب
 تشہیر کی غرض سے ہوتا ہے اور مردوں کا حال واضح ہوتا ہے نہ عورتوں کا حاکم اگر کسی ہاشمی نے نوٹری
 سے شادی کی تو اولاد ہاشمی ہوگی باپ کی اتباع میں اور غلام ہوگی ماں کی اتباع میں جیسا کہ
 فتح القدیر میں ہے اور یہ دین سے احتراز ہے کیونکہ دین میں اولاد اُسکی تابع ہوگی جو باعتبار دین کے بہتر ہے
 کیونکہ لڑکے کیلئے یہی بہتر ہے۔ اور طحاوی رحمہ اللہ حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں قوله ولا فی نسب ای
 لا تتبع امہ فی نسب هذا نص صریح فی ان الشریعة لیس بشریعت وان کان له شرف یعنی لڑکا
 نسب میں اپنی ماں کا تابع نہیں ہوتا ہے اس سے یہ بات صراحتاً ظاہر ہوتی ہے کہ شریف عورت اگر چہ اسکا
 میکا شریف ہو تا وقتیکہ اُسکا شوہر شریف نہ ہو شریف نہیں ہے۔ اور ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ
 رد المحتار میں لکھتے ہیں من کان ولداً امها علویة والوہ عجمی یکون العجمی کقولہا وان
 کان لها شرف ما لان النسب للاباء ولذا اجاز دفع الزکوۃ الیہا لانه کا جسکی ماں علویہ اور باپ
 عجمی ہوا اسکا کفو عجمی ہوگا اگرچہ اُسے کچھ شرف حاصل ہے اسلیئے کہ نسب کا اعتبار باپوں کی طرف سے ہے
 لہذا ایسے شخص کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ اور ہر ایہ میں ہے لو اوصی لاهل نسب او لجنسہ فالنسب
 عملاً عن من ینسب الیہ والنسب یکون من جهة الاباء وجنس اہل بیت امیر دون امہ لان

الانسان بتجنس بابیہ اگر کسی نے اپنے نسب وجنس کیلئے وصیت کی تو نسب سے وہ لوگ مراد ہونگے جو اُسکے جانب منسوب ہوں اور نسب کا اعتبار باپ کے جانب سے ہو اور جنس سے مراد اُسکے گھر کے لوگ ہونگے نہ اُسکی ماں کے یہاں کے کیونکہ ہر شخص کی جنس اُسکے باپ کے اعتبار سے ہو۔ اور

تتاوی خیر یہ مین ہو لا شہتہ فی ان لہ خیر فاصا وکذا اولادہ الی اخر الذہر اما اصل النسب فنصوص بالاباء اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُسے (جسکی ماں علویہ یا سیدہ اور باپ معمولی ہو) اور اُسکے اولاد کو آخر زمانے تک شرف حاصل ہو لیکن اصل نسب باپ کی جانب سے ہو سو ال خفیہ کے مذہب میں شطرنج کھیلنا جائز ہو یا نہیں اگر جائز نہیں ہو تو اُسکا کھیلنے والا فاسق ہے یا کیا جو شخص عادیۃً بامکان شطرنج کھیلتا ہو وہ فاسق معطن ہوگا یا نہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہو یا نہیں اگر کراہت ہو تو کس قسم کی مسجد کا امام اگر جماعت کے وقت شطرنج کھیل رہا ہو اور نازی انتظار کے بعد کسی بل شخص کو امام بنا کر نماز پڑھ لیں تو گناہ ہو یا نہیں جو اب در مختار میں ہے وکہ تھریا اللعب بالند

وکن الشطرنج وایاح الشافعی والیوسف فی روایۃ وھذا اذا العریقاھر ولم ید اوم ولم یخل بواجب الاخرام بالاجماع نزد اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہو امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ سے ایک روایت اسکے مباح ہونے کی بھی آئی ہے لیکن یہ اُس صورت میں ہے جب جو انہو اور دوام نہو اور کھیل کسی واجب میں خلل انداز نہو ورنہ بالاجماع یہ حرام ہے۔ اور دالمختار حاشیہ در مختار میں ہے قوله الشطرنج معرب شد ربنہ وانما کوہ لان من اشتغل بہ ذهب عناؤہ الدینوی جاء عناؤہ الاخری فہو حرام وکبیرۃ عندنا فی اباحتہ اعانتہ الشیطان علی الاسلام والمسلمین کما فی الکافی شطرنج معرب شد ربنج مکروہ ہے کیونکہ اس سے دنیا کا رنج تو جاتا رہتا ہے لیکن آخرت کا رنج اُسکی جگہ لے لیتا ہے پس یہ ہمارے نزدیک حرام اور گناہ ہے اور اسے حلال کرنا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شیطان کی مدد کرنا ہے جیسا کہ کافی میں ہے۔ اور بھی اسی میں ہے قوله وھذا الخ وکن اذا المیکثر الحلف علیہ ویدون ھذہ المعانی لا تقسط عدالتہ للاختلاف فی حرمتہ اور اسی طرح جب قسم کی کثرت نہو اور ان امور کے بغیر عدالت ساقط نہیں ہوتی کیونکہ اسکی حرمت میں اختلاف ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے یکرہ اللعب بالشطرنج والند وکل لھو ما سوی الشطرنج حرام بالاجماع واما الشطرنج فاللعب بحرام عندنا واختلفوا فی اللعب بالشطرنج فرخص فیہ لبعضہم ولکن بثلاث

شرائط ان لا یقام ولا یؤخذ بالصاۃ عن قہاوان یحفظ لسانہ عن الجفاء والغش فلا فعلن شیئاً منہما
فہو مردود الشہادۃ وکروہ الشافعی کراہتہ تنزیہ لا تضر لیمکا لئلا یدکنا فی مطالب المؤمنین و ذکر الغزالی فی
خلاصتہ انہ مکروہ عند الشافعی ایضاً فعلن ما وقع فی کتبنا و قولہ الاول لکذا فی نصاب الاحتساب و ذکر الغزالی
فلا اھیاء فی باب السماع اللص بالشرط فیہ مباح و لکن المواظبہ علیہ مکروہ کراہتہ شدیدۃ لکذا فی مطالب المؤمنین
شرطیخ اور نزدیک کردہ ہیں اور اسکے سوا ہر کھیل بالاجماع حرام ہے لیکن ہمارے نزدیک شرطیخ کھیلنا حرام ہے
اور شرطیخ کھیلنے میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے تین شرطیخوں سے اسکی اجازت دی ہے (۱) جو انہو
(۲) نماز میں تاخیر نہ ہو (۳) گالی گلوچ نہ ہو۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک امر بھی پایا جائے تو ایسے شخص
کی شہادت شرعاً مقبول نہیں ہے امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسکی کراہت تنزیہی کے قائل ہیں اسے
نزدیکی طرح حرام نہیں سمجھتے یہ مطالب المؤمنین میں ہے امام غزالی رحمہ اللہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ
امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے پس شاید جو ہماری کتابوں میں لکھا ہے وہ انکا پہلا قول ہے یہ
نصاب الاحتساب میں ہے اور امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم کے باب السماع میں لکھا ہے شرطیخ
کھیلنا مباح ہے لیکن اسپر داومت کرنا سخت مکروہ ہے یہ مطالب المؤمنین میں ہے۔ ان عبارتوں
سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عادت دائمی کے طور پر شرطیخ کھیلنے والا خفیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک
بالاتفاق فاسق ہے اور اسکے فاسق اور ملعون ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے اور
فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے پس مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے شخص کو امام نہ بنائیں اور اگر کسی مسجد کا
امام اس فعل کا مرتکب ہو تو اسے امامت سے معزول کر دیں **سوال** تبنا کو کھانا اناز روے آقا کیسا ہے
اسکا ترک اولیٰ ہے یا نہیں اور جن وجوہ تلبسہ کی بنا پر حقہ پینے کو بعض علمائے مکروہ تحریمی اور بعض نے
مکروہ تنزیہی لکھا ہے اس میں سے ایک وجہ یعنی بدبو متباکو کے کھانے والوں سے پائی جاتی ہے پس اس
صورت میں اسکا ترک اولیٰ ہے یا نہیں **جواب** حقہ پینے کے کراہت کی عمدہ وجہ تشبہ بالکفار اور
استعمال مابہ العذاب ہے اور یہ متباکو کے کھانے میں نہیں ہے اور فی نفسہ متباکو بدبو دار نہیں ہے البتہ کھانے
والے کی بداحتیاطی سے اس کے منہ سے بدبو آتی ہے اگر ازالہ بدبو کی احتیاط نہ ہو سکے تو ترک اولیٰ ہے
سوال اگر کوئی شخص بظاہر نماز رکعت اور نوافل و عیدین اور جمعہ اور تراویح نہیں پڑھتا اور عسکان
نہیں کرتا ہے اور منیات شرع میں مشغول رہتا ہے یعنی رنڈیوں کا تاج اور گانا اور غنا اور مزہ نہیں پیتا ہے

اور اجنبیہ عورتوں کے پاس خلوت میں بیٹھتا ہو باوجود ان تمام باتوں کے لوگ اُسے ولی کامل اور
غوث وقت سمجھتے ہیں ہزاروں آدمی اس شخص کے مرید ہیں باوجودیکہ شخص اُن شرطوں میں
سے کوئی ایک شرط بھی نہیں رکھتا جو پیر کے لیے کتب تصوف وغیرہ میں مذکور ہیں اور اس
شخص کے مرید کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کو ظاہری نماز کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمارا پیر باطنی نماز پڑھتا
ہے اور اجنبیہ عورتوں کے پاس خلوت میں بیٹھتا ہمارے پیر کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پس
معلوم ہونا چاہیے کہ قواعد شرعیہ کے رو سے ایسا شخص ولی کامل اور غوث وقت ہو سکتا ہو یا
نہیں اور ایسے شخص کا مرید ہونا درست ہے یا نہیں جواب دینی اور دنیاوی دونوں کمال
اتباع شریعت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور جو شخص شرع کے سیدھے راستے پر نہیں ہنہ ولی
ہو سکتا ہے نہ غوث نہ قطب اور جو شخص کہے مجھے ظاہری شریعت سے کچھ کام نہیں میں ارباب
باطن سے ہوں وہ شخص زندیق ہے اور ایسے شخص کا معتقد اور مرید ہونا ہرگز درست نہیں ہے۔
علامہ محمد برکی رومی رحمہ اللہ طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں ما بدعی بعض التصوف فی زماننا اذا انکسح
بعض امورهم الخالف للشرع ان حرمت ذلک فی العلم الظاہر وانما من اصحاب العلم الباطن انہ حلال فی انکس
تأخذون عن الکتاب فانما اخذ من صاحبہ یعنی محمدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کذا الحد و اضلال الذی فی آخر درہ
بالشریعة المحمدیۃ فالواجب علی کل من سمع هذا المقال الا انکار علی فائدہ والجزم بطلان مقالہ بالشک ولا تدر
لا توقفت والا فھو من جملہ من یحکم بالزندقۃ علیہم وقد قال سید الطائفة الصوفیۃ جنید البغلادی
الطرق کلھا مسدودۃ الا علی من اقتضی اثر الرسول وقال ابو یزید البسطامی لبعض اصحابہ قم بنا حتی ننظر
الی هذا الرجل الذی قد شہر بنفسہ بالولایۃ وكان رجلا مشہورا بالزهد فمضینا الیہ فاما آخر جری بیزاۃ الی حجة
القبلة فانصرف ابو یزید ولو سلم علیہ قال هذا الرجل غیر مامون علی ادب من اداب رسول اللہ کیف
یکون مامونا علی ما یدعی من الکرامات وقال لو نظرتم الی رجل اتے من الکرامات حتی یطیر
فی الهواء فلا تختروا بہ حتی تنظروا کیف تجدد عند الامر والنہی وحفظ الحدود و
انظر لہما العاقل الطالب للحق ان هؤلاء عظماء المشائخ وعلماء الطریقة وکبراء ارباب السلوک
والحقیقة کلہم یظہون الشریعة الشریفة ویبنون علومہم الباطنة علی السیرۃ الاحمدیۃ والملة
الحقیقة فلا یغرنک طامات الجہال المتسکین وشیخہم الفاسدین المفسدین الضالین

المضللین بعد ان کانوا زانغین عن الشرع القویہ وما تلین عن الصراط المستقیم خارجین عن مناہج علماء الشریعۃ فالویل کل الویل لہم ولمن تبعہم وحسن امرہم فہم قطع طریق اللہ سبحانہ عن العابدین یلبسون الحق بالباطل ویکتون الحق وہم یحلمون ہمارے زمانے کے بعض متصوفین کی یہ عادت ہو کہ جب اُنکے بعض افعال خلاف شرع پر اعتراض کیا جاتا ہو تو کہتے ہیں کہ اسکی حرمت علم ظاہر کے اعتبار سے ہو اور ہم اصحاب علم باطن ہیں اور علم باطن میں یہ حلال ہو اور تم لوگ کتاب سے اخذ کرتے ہو اور ہم صاحب کتاب یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرتے ہیں تو اُنکی یہ سب باتیں اتحاد و ضلالت ہیں کیونکہ اس میں شریعت محمدیہ کی ہتک ہو پس جو شخص اس قسم کی باتوں کو سنے اُسے لازم ہو کہ تردید کر دے اور ان باتوں کے جھوٹ ہونے کا یقین رکھے اور اس میں کوئی شک یا تردد اور توقف نہ کرے ورنہ وہ بھی ایسے ہی لوگوں میں داخل کیا جائے گا اور اسکے بھی زندیق ہونے کا حکم کیا جائے گا سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ تمام راستے بند ہیں مگر اُسکے لیے جو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کی اتباع کرے اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے اپنے بعض اصحاب سے کہا کہ اُوچلین فلان شخص کو دیکھیں جس نے اپنے کو دبی مشہور کیا ہو اور اُس شخص کی ولایت واقعی مشہور تھی پس ہلک گئے اور جیسے ہی پہنچے دیکھا کہ اُس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا پس حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ واپس چلے آئے اور اُس سے سلام علیک بھی نہیں کی اور کہا کہ یہ شخص آداب نبوی میں سے کسی کا لحاظ نہیں کرتا ہو پھر یہ کیونکر ایمان لیا جائے کہ یہ جو اپنی کرامتیں بیان کرتا ہو انہیں سچا ہوگا اور اُنہوں نے کہا ہو کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ہوا پر اُڑتا ہو پس اُسکے دھوکے میں نہ آؤ جب تک یہ نہ معلوم کر لو کہ وہ اوامر و نواہی پر عامل ہو اور حدود شرع کی حفاظت کرتا ہے عقلاً اور طالبان حق کو جان لینا چاہیے کہ بڑے بڑے مشائخ اور علمائے طریقت اور ارباب سلوک و حقیقت سب شریعت محمدیہ کی تعظیم کرتے ہیں اور علوم باطنی کی بنا ہی سیرت احمدیہ اور ملت خفیہ پر کرتے ہیں پس تمکو جبلا اور مفسدین گمراہوں کے قول پر اعتماد نہ کرنا چاہیے یہ لوگ شرع شریف سے باہر اور راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے اور مراتب علمائے شریعت سے خارج ہیں ایسے لوگوں اور اُنکے متبعین کے لیے سخت ہلاکت ہو کہونکہ یہ لوگ خدا کے راستے میں ڈاکہ ڈالتے ہیں حق کو باطل سے پوشیدہ کرتے ہیں اور دیدہ و دست

صبح کو چھپاتے ہیں۔ بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جو شرع کا پابند نہ ہو اسکی بیعت نہ کرنا چاہیے اور اُس سے اعتقاد نہ رکھنا چاہیے بلکہ وہ خود گمراہ اور خلقِ اسد کو بھی گمراہ کرنے والا ہو اسد ایسی باتوں سے ہم سب کو بچائے سوال جو لوگ قرآن شریف پڑھنے کی مزدوری لیتے ہیں اور اُسی مزدوری کو اپنی روزی ٹھراتے ہیں جنکو جہلا لوگ مولانا روحی کہتے ہیں اُن سے مردے کیلئے قرآن شریف پڑھوانا جائز ہے یا نہیں جواب جائز نہیں ہے اسلیئے کہ قرآن شریف پڑھنے کی اجرت لینا حرام ہے جیسا کہ نتیجہ فتاویٰ حامدہ میں ہے سوال ایک شخص کہتا ہے یا اعتقاد رکھتا ہے کہ آیت کے صحیح معنی یہی ہیں جو میں کہتا ہوں لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زجرِ اخلاف واقع تفسیر فرمائی تھی پس وہ تفسیر ماننے کے لائق نہیں ہے ایسا کہنا یا ایسا اعتقاد رکھنا جائز ہے یا نہیں اور اس صورت میں حضور سرورِ انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کو جھٹلانا اور آپ پر بہتان باندھنا لازم آتا ہے یا نہیں اور نبی خواہ ولی کسی شخص کو معاند کے زجر کے لیے یا معاند کا الزام دفع کرنے کے لیے خلاف واقع تفسیر کرنا جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ ناجائز ہے اور کوئی شخص جائز سمجھے یا تفسیر رسول کو خلاف واقع جانکر رسول کی غلطی اور خطا کا قائل ہو تو شرعاً اُس شخص کا کیا حکم ہے جواب نبی یا ولی کسی کو بھی خلاف واقع قرآن شریف کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے اور حضور سرورِ کائنات علیہ السلام و صلوة کے متعلق ایسا خیال رکھنے والا لمحہ اور زندگی ہے حضور روحی فداہ پر لازم تھا کہ قرآن کے وہی معانی بیان فرمائیں جو خدا کے نزدیک ہوں۔ اور کسی غرض سے اصلی معنی کو نہ چھپائیں اور خلاف واقع تفسیر نہ کریں جیسا کہ آیہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الا یہ اور انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لئلا تحکم بین الناس بما اراک اللہ سے ظاہر ہے سوال زید نے ہندہ ناما بنہ نامکخذ اسے نکاح کیا اور حتی المقدور زید بالذات نامان و نفقہ کی خبر گیری رکھتا ہے اور ہندہ بھی ہر طرح زید کی اطاعت کرتی ہے لیکن زید کو ہندہ کی طرف سے ہمیشہ زنا کا شبہ رہتا ہے اور ایک بار بچہ استفسار کے بعد خود ہندہ نے زید سے اقرار کیا کہ میں بکر سے فعلِ شنیعہ کی مرتکب ہوئی ہوں اور زید کو ہندہ نے شبہ نہایت ہی کہ وہ نامحرموں کے سامنے بھی آئی ہے اس صورت میں زید کو طلاق دینا واجب ہے یا نہیں اور اگر طلاق نہ دے تو ہندہ کے ساتھ کس طرح پیش آنے اور زید طلاق نہ دینے سے گنہگار ہوگا یا نہیں جواب اگر زید اپنے نفس پر قادر ہو کہ طلاق دینے

بعد اس کی طرف التفات نہ کرے تو طلاق دنیا بہتر ہے اور اگر قادر نہیں ہو تو کحل میں رکھے اور
 مٹے الوس نصیحت اور زجر تو بیخ گزار ہے **سوال** خشکاش کی کھیتی کرنا اور اس سے ایون
 مکا لگرا کر بیڑوں کے ہاتھ یا دوسروں کے ہاتھ بیچنا درست ہے یا نہیں اور اس سے نفع حاصل
 کرنا حلال ہے یا نہیں اور دو امین ایون کا ملانا درست ہے یا نہیں اور دودھ پیتے بچوں کو
 ایون دینا درست ہے یا نہیں **جواب** دائرہ خشکاش کی کھیتی کرنا درست ہے اور اس سے
 ایون مکا لانا اور بیچنا حرام اور ایون کا دو امین ملانا اور بچوں کو دنیا حرام ہے **سوال** زید
 اپنے گھر میں یا اپنے گھر کے کوٹھے پر اپنی بی بی سے اس طرح باتیں کرتا ہے کہ دوسرے لوگ سنتے
 ہیں اس کے لیے کیا حکم ہے **جواب** عورتوں کو واجب ہے کہ بے ضرورت شرعی اپنی آوازوں کو
 اغیار کے کانوں میں نہ پہنچائیں اور بلند آواز سے بات نہ کرنا گناہ ہے اور زید کو بھی احتیاط چاہیے
 کہ بی بی سے اس طرح باتیں نہ کرے کہ باہر آواز جاسکے **سوال** شرعاً نحوست ہے یا نہیں **جواب**
 شرعاً کسی چیز میں نحوست نہیں ہے اور بری قال لینے اور کسی چیز کو نحوس سمجھنے کی احادیث میں
 سخت مانعت آئی ہے **سوال** حرام مغز مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی اگر مکروہ تحریمی ہے تو اس
 جھوٹے بڑے جانور کا حرام مغز مکا لنا واجب ہے یا صرف بڑے جانوروں کا **جواب** نصاً
 الاحتساب اور مطالب المؤمنین وغیرہ میں اسکو مکروہ لکھا ہے اور ظواہر کتب سے معلوم ہوتا ہے
 کہ اسکی کراہت تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے پس جن جانوروں کے حرام مغز کے مکالنے میں شواہی
 ہو انکا حرام مغز مکا لنا ضروری نہیں ہے **سوال** راگ کا گانا عموماً اور معرفت کا گانا خصوصاً
 درست ہے یا نہیں **جواب** اگر بلا مزامیر اور بلا محرمات اور بلا مجلس وغیرہ کے ہو تو کچھ حرج نہیں
 ہے ورنہ حرام ہے **سوال** ایک شخص نے کہا فلان شخص خدا کج کو گیا مقصود اس سے وفات ہے
 اس میں شک ہوتا ہے کیونکہ بعض کے حکم شرک کیا ہے **جواب** چونکہ یہ جملہ خبر وفات میں متعارف
 ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے کج یا مکان ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا اس لیے اسکے کہنے سے
 کفر اور شرک لازم نہ آئے گا مگر باعتبار ظاہر لفظ کے اسکے معنی قبیح ہیں اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسا
 لفظ بولنا بے ادبی ہے **سوال** جو روپیہ زید کو سود خوار نہا جنون سے حق و کالت میں حاصل
 ہوا ہے اس سے زید کو کج کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** نہیں **سوال** صحت احادیث مسطورہ

ذیل میں علماء دین کیا فرماتے ہیں اور مصورت صحت دو سوال ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحاح
کی کس کتاب میں ہیں دوسرے یہ کہ اس قوم سے مناکحت حرام ہے یا نہیں اور اگر مکروہ تحریمی ہے
تو بھی کیا وجہ ہے کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ مومن کو کھانا پینا نکاح کرنا جائز ہے پس روافض ان سے
بدرجہ اولیٰ اچھے ہیں اس لیے کہ کلمہ گو ہیں اور اہل سنت کے مذہب میں اہل قبلہ کی تکفیر
جائز نہیں ہے اسی وجہ سے بعضوں نے یزید پر بھی لعنت کرنے کو جائز نہیں رکھا ہے پس
روافض کا حلال اہل کتاب اور ان عدو اہل بیت سے ضرور اچھا ہے جیسے حکم سے اولاد رسول
قتل ہوئی اور باوجود کلمہ گو ہونے کے انکو کافر کہنا کس دلیل سے جائز ہے۔ وہ حدیثیں یہ ہیں
عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا علی یخرج فی آخر هذا الزمان قوم یسمون
الراضیة یرفضون الاسلام وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سب ابابکر فقد سبنی وعنہ صلی اللہ علیہ
وسلم سب ابن کبر وعمر من الایمان وبلغھا کافر وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب عمر فقد احبنی وعن النبی
عمر فقد ابغضنی وعن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بجنازة فلوصل علیہ قیل
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رأینا ان تترك الصلوة علی احد قبل هذا قال لکنان یرفض فمان فابغض اللہ
تعالیٰ وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم من سب اصحابی فقد سبنی وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ اخذ
لی اصحابنا فجعلہم اصحابی واصحابی وسیحی عن بعدہم قوم ینقصوہم ویسبوہم
فان ادركتہوہم فلا تناکبوہم ولا توادلوہم ولا تشاربواہم ولا تصالوا معہم ولا علیہم
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر علی آخر زمانے میں ایک قوم ظاہر
ہوگی جو رافضی کہلائیں گے اور وہ اسلام سے پھرے ہوئے ہوں گے اور حضور رسول خدا علیہ التحیۃ و
التنات نے فرمایا ہے جس نے ابو بکر کو گالی دی اُسے مجھ کو گالی دی اور جناب سرور کائنات علیہ السلام
والصلوۃ نے فرمایا ہے ابو بکر اور عمر کی محبت ایمان کی دلیل اور ان سے عداوت کفر کی دلیل ہے اور حضور
نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے جس نے عمر کو دوست رکھا اُس نے مجھ کو دوست رکھا اور
جس نے اُسے عداوت کی اُس نے مجھے عداوت کی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے قریب تشریف لائے مگر اُسے آب نے نماز نہیں
پڑھی تو کون نے پوچھا یا رسول اللہ اس سے پہلے بنے آپکو نہیں دیکھا کہ کسی جنازے کی نماز اپنے

نہ پڑھی ہو اپنے فرمایا یہ میرا نماز نہ پڑھنا اس وجہ سے تھا کہ یہ مرنے والا عثمان سے بغض رکھتا تھا اور اس نے بغض رکھنے والے پر اللہ کا غضب ہو اور حضور رسول خدا علیہ التیجۃ والثناء نے فرمایا ہے جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اُس نے مجھ کو گالی دی اور نبی کریم علیہ التیجۃ والتسلیم نے فرمایا ہے اللہ نے مجھے صحابہؓ پر اُنہیں سے بعضوں کو میرا صحابی بنایا اور بعضوں کو داما د اور قریب ہو کہ ایک ایسی قوم ظاہر ہوگی جو انکی برائیاں کرے گی اور انکو گالیان دے گی اگر تم اُس قوم کو پانا تو اُس سے اکل و شرب و سناکت ترک کرنا اور اُسکے ساتھ نماز نہ پڑھنا اور اُسکے جنازے کی نماز نہ پڑھنا جو اب ان حدیثوں میں سے بعض جامع ترمذی اور بعض جامع صغیر میں ہیں جیسے عن جابر الحدیث لکرایسی حدیثیں تہدید اور زجر کے لیے وارد ہوئی ہیں اور صحیح مذہب یہی ہو کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا چاہیے لیکن فریقِ مخالف کے ساتھ انکے فسق کی وجہ سے نکاح مکروہ ہے سوال دروازہ چو کھٹ یا دالان کی دہلیز کو بزرگ جاننا اور اُسپر جوتا رکھنے کو برا سمجھنا کیسا ہے اسوجہ سے کہ فقیر یا بزرگ آتا ہے تو دہلیز کو دے دیتا ہے کہ بابا تیری چو کھٹ سلامت رہے جو اب یہ امور نوا اور خطافات ہیں سوال روافض کی طرح سنیوں کو تعزیر داری کرنا علم رکھنا چھاتی کو ٹٹنا مالیدہ شربت وغیرہ تعزیر کے سامنے رکھ کر نذر دینا اور اُسے تبرک جان کر کھانا پینا اور عاشورا کے دن تعزیر کے ساتھ ننگے سر ننگے پاؤں جانا اور عاشورے کے دن فاقہ کرنا اور شام کے قریب جھکی روٹی سے فاقہ شکنی کرنا اور اسدن روزہ رکھنے کو بدعت جاننا اور کہنا کہ اسدن یزید کی مان نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خوشی میں روزہ رکھا تھا اور تعزیر دفن کرنے کے بعد تیسرے دن مثل مرے کے تیجے کے تیجہ کرنا اور اُس میں قرآن خوانی کرنا اور پھر مرثیہ پڑھنا اور الایچی دانے باٹنا۔ یہ نام امور کیسے ہیں جواب یہ سب امور بدعت اور ممنوع ہیں اور انکا مرتکب مبتدع اور فاسق ہے سوال ایک شخص ہمیشہ سچہ گودانی کرتا ہے یعنی تسبیح و تہلیل و تحمید و استغفار و درود پڑھنے میں مشغول رہتا ہے اور بعض نوافل جیسے عصر کی سنتیں اور صلوٰۃ الاوابین اور عشا کے قبل کی سنتیں بھی پڑھتا ہے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب امور بدعت ہیں اور انکا مرتکب مبتدع ہے اور کہتے ہیں کہ الجہاد مع المبتدع افضل من الجہاد الکفار بدعتی سے جہاد کرنا کفار سے جہاد کرنے سے افضل ہے۔ کے موافق اُس سے قتال لازمی ہے اور نماز مغروضہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو بھی منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ یہ بھی بدعت ہو اس میں شرع کا کیا حکم ہے جواب سبہ گردانی فی نفسہ مشروع امر ہے بشرطیکہ
 ریا سے خالی ہو اور ایسی سبہ گردانی اگرچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھی
 مگر صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں پائی گئی ہو جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ
 نے اپنے بعض رسائل میں اسکی صراحت کی ہو پس سبہ گردانی بدعت کیونکر ہو سکتی ہو اور صلوة و آیت
 اور دوسرے نوافل کی شرع نے رغبت دلائی ہے اور دعائیں ہاتھ اٹھانا مستحب امر ہے ملا علی
 قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ اور شرح حصن حصین میں کما حقہ اسکی تصریح کی ہے۔ لہذا ان
 امور میں اگر نیت خالص ہوگی تو ثواب پائے گا سوال ایک طوائف نے تو بہ کی ہو اور اُسکے
 پاس اپنے پیشہ سے حاصل کیا ہوا بہت سامان ہو اُس میں سے میلاد شریف کرتی ہو زکوٰۃ
 خیرات اپنی لڑکی کو قرآن پڑھانے والے کی تنخواہ دیتی ہو اور اُسکا ارادہ ہو کہ ہمیشہ ان امور کو
 زیادتی کے ساتھ کرتی رہے اگر اُس مال سے یہ امور درست نہوں تو اُسے کئی طرح کے عزیزین
 جیسے غازی پڑھنے کی طاقت کے لیے کھانا اُسی مال سے کھاتی ہو اور ستر پوشی کے لیے کپڑا اُسی مال
 سے پہنتی ہو اور اُسی مال سے افطار صوم کرتی ہو اُسی مال سے قربانی کرتی ہے اور حج کو جانے کا
 ارادہ رکھتی ہو کیا یہ سب کار خیر ناجائز ہو جائیں گے اور وہ اپنے مال کو کیا کرے جواب حرام
 مال سے امور خیر کرنا اور کھانا پینا اور اُس مال کو صرف میں لانا سب حرام ہو اُسے چاہیے کہ کسی سے
 اتنا روپیہ قرض لے جتنا اُسکے پاس ہے اور اُس قرض لیے ہوے روپے سے امور خیر کرے اور
 قرض اُسی اپنے روپے سے ادا کرے۔ واللہ اعلم بحمدہ والراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد
 عبدالحی تاجا و زائد عن ذنبہ الجلی واخفی **ابو الحسنات محمد عبدالحی** صحیح الجواب واللہ اعلم بالصواب
 حررہ الضعف عباد اللہ محمد فضل الدعی عنہ سوال عورتوں کو ایسا نقرتی زیور جو خود بچنے والا نہ ہو بلکہ
 دوسرے سے ملکر بچنے والا ہو جیسے کڑے چھڑے یا ایسے گھنگر و جھکے اندر بچانے والا دانہ نہو پہننا
 جائز ہو یا نہیں جواب عورتوں کو ایسا زیور پہننا جو حرکت پا کر بچے یا ایک دوسرے سے لگ
 کر بچے جسکی آواز سے متغی انہار زینت کا ہو اور آواز سننے والا سمجھے کہ عورت فلان زیور پہنے ہو منع ہے
 کیونکہ زیور کی آواز کا علم مردوں کو اُنکے جانب مائل کرتا ہو جیسا کہ بیضاوی **رحمہ اللہ** بیان
 بارجلص لیعلم ما یخفی عن ذنبتہن لیتقنع خلخالھا فیعلم انھا ذات خلخال

فان ذلك يورث ميلافى الرجال وهو يبلغ من النقص عن اظهار الزينة واول علم المنع من دفع الصوت عورتون كواپنے باؤن زمین پر اس لیے زور سے نہ رکھنا چاہیے کہ انکی پوشیدہ زینت ظاہر ہو جائے اور انکی با زیب آواز دے اور لوگوں کو معلوم ہو کہ انکے پاس با زیب ہے کیونکہ اس سے لوگوں کی طبیعت انکے جانب تامل ہوتی ہے اور اسکی مانعت اظہار زینت سے زائد ہے اور دفع صوت کی مانعت پر مقدم ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو مرد عورتوں کا زیادہ طالب ہوتا ہے وہ جب انکے زیور کی آواز سنتا ہے تو انکے دیکھنے کی ضرور خواہش کرتا ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے اما قوله تعالى ولا يضرين بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن فقال ابن عباس وقتادة ذن كانت المرأة تمر بالناس وتضرب برجلها ليسمع قعقة خلخالها ومعلوم ان الرجل الذي يغلب عليه شهوة النساء اذا سمع صوت الخلخال يصير لك داعية له زائدة في مشاهدتهن وقد علل تعالى ذلك بان قال ليعلم ما يخفين من زينتهن من الحلي وغيره الله تعالى کے قول ولا يضرين بالآية عورتیں زمین پر اس غرض سے دھمک کر باؤن نہ رکھیں کہ انکی پوشیدہ زینتیں ظاہر ہو جائیں کہ تحت میں حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ عورتیں مردوں کے ہر اچلتی تھیں اور اپنے باؤن کو زمین پر اس غرض سے دھمک کر رکھتی تھیں کہ انکی با زیب کی آواز مردوں اور یہ کہ شہتی مرد جب عورت کی با زیب کی آواز سے گاتویہ امر اسکو عورت کے دیکھنے کا شوق دلائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اسکی علت یہ بیان کی ہے کہ مرد انکی چھپی ہوئی زینتوں کو جانیں گے۔ اور احادیث سے ظاہر ہے کہ ایسا زیور پہننا لڑکیوں کو بھی منع ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے وعن ابن الزبير ان مولاة لصفه ذهب بابت الزبير الى عمر بن الخطاب فوجد بها اجواس فقطعها عمر وقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مع كل جرس شيطان رواه ابوداود وعن ابنة مولاة عبد الرحمن ابن جابر الانصاري كلفت عند عائشة اذا دخلت عليها بجرارتي وعليها جلاجل يصوتن فقال لا تدخلن علي الا ان تقطعن جلاجلها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تدخلن الملائكة بيتا فيه جرس رواه ابوداود حضرت ابن الزبير رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انکی ایک لونڈی انکی لڑکی کے ساتھ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور انکے باؤن میں گنگرہ دتھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو

کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے رسول امیر علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے ہر گھنٹے کی آواز کے ساتھ ایک شیطان ہر اسکو بوداؤد نے روایت کیا ہے اور بنائے رضی اللہ عنہا سے جو حضرت عبدالرحمن بن حبان انصاری رضی اللہ عنہ کی لونڈی ہیں مروی ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں کہ اُنکے سامنے ایک لونڈی آئی جو پاؤں میں ایسے گنگر و پینے تھی جو بچتے تھے پس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم بغیر گنگر و نکو توڑے ہوئے یہ پہن کر سیر پاس نہ آؤ میں نے حضور سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ اُس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں گھنٹے کی آواز ہو۔ واللہ اعلم بمقصد محمد شجاعت علی عنہ۔ فی الواقع ایسا زیور پہننا جو آواز دیتا ہو جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاج الزلم

عن ذنبہ ابلی والحقفی [ابو الحسنات محمد عبدالحی] سوال ہاتھی پر سوار ہونا درست ہے یا نہیں

جواب شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک درست ہے۔ منع الغفاریں ہے والفیل کا لحن زیر عند محمد رحمہ اللہ فیکون حکم حکمہ وعندہما کسائر السباع نجس السور واللحم لا یلعین فیجوز بیع عظمہ ولا انتفاع بہ فی الحمل والمقالۃ ہاتھی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک سور کا ایسا ہے تو اُنکے نزدیک ہاتھی کا حکم بھی وہی ہوگا جو سور کا حکم ہے اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ دوسرے درندوں کا ایسا ہے کہ اُنکا گوشت اور جھوٹا دونوں نجس ہیں اور وہ نجس العین نہیں ہے تو اُسکی ہڈی کا بیچنا اور اُس سے بار برداری اور جنگ میں نفع اُٹھانا جائز ہے۔ اور مجمع الانہر شرح لائقہ الابیر میں ہے والمختار قولہما اور مختار شیخین رحمہما اللہ کا قول ہے سوال

سب سے پہلے ہاتھی پر کون سوار ہوا ہے جواب باوجود تلاش کے مجھے نہیں ملا البتہ حیوۃ الحیوان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیل کا وجود ذوالقرنین کے زمانے میں معلوم ہوا ہے

سوال پتنگ کے کھٹل گرم پانی ڈالکر یا پانی میں پتنگ کو ڈبوکر مارنا جائز ہے یا نہیں جواب

مکروہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے احراق القمل والعقرب وغیرہا بالنار مکروہ لان فی الحدیث لا یعذب بالنار الا خالقہا واکثرہا القاءہ فی الماء کھٹل اور بچھو وغیرہ کو آگ میں جلانا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے آگ سے عذاب مرت خالق ہی کرے گا اور پانی میں لٹکانا بھی مکروہ ہے

سوال سانپ اور بچھو کے لیے افسون پھونکنا کیسا ہے اور حدیث سے کون افسون ثابت ہے

جواب روایہ بشرطیکہ وہ کوئی آیت یا ایسی دعا ہو جو حدیث میں مروی ہو لیکن فارسی زبان میں
یا اُن الفاظ کے ساتھ جسکے معنی نہ جانتا ہو جائز نہیں ہے کیونکہ اُس میں کفر کا احتمال ہے۔ امام مالک
رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اپنے نبی سلیم کے اُس شخص سے فرمایا
جس نے کہا کہ رات کو بچھو نے میرے کاٹا کہ اگر تم رات کو اعوذ بکلمات اللہ التامات من
شر ما خلق پڑھ لیتے تو تمہیں مضرت نہ پہنچتی۔ اور بھی وارد ہے کہ جو شخص اول رات میں پڑھے
عقدت ذنب العقرب ولسا نخية وید السارق بقول شھیدان لا اله الا الله واشھدان
محمد عبیدہ ورسولہ وہ سانپ اور بچھو اور چور سے خلاصی پائے گا اور مجرب دعاؤں میں سے یہ ہے
کہ جب کسی کو بچھو کاٹے تو در کی جگہ پر لوہا رکھئے یہ دعا پڑھے سلام علی نوح و علی الخلیل و علی محمد
فی المرسلین من حاملات السہم اجمعین لا دابة بین السماء والارض الا ربی اخذ بناصیتہا
اجمعین کذلک یخیر عبادة المحسنین ان روی علی صراط مستقیم نوح قال لکد نوح من
ذکوفی فلا تأکلوه ان ربی بکل شیء علیم و صلے اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ وسلم سوال
علما اور صلحا کی کشف برداری جائز ہے یا نہیں جواب اگر یہ نیت خالص از قبیل خدمت ہو تو مستحسن
میں سے ہے سوال تعزیہ رکھنا اور اُسکی تعظیم کرنا وغیرہ جائز ہے یا نہیں جواب عشرہ محرم میں
تعزیہ داری وغیرہ کرنا اور ضرب کج بنانا اور قبور اور علم کی صورت بنانا اور دلدل وغیرہ تیار کرنا یہ سب
امور بدعت ہیں انہیں سے کوئی بات قرون ثلاثہ میں نہ تھی اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیز کی
عظمت کرنا بت پرستی کا پتہ دیتی ہے روی الطبری عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من احدث حدثا و اوای محدثا علیہ لحنۃ اللہ و الملائکۃ و الناس اجمعین لا یقبل
اللہ منہ صوفا و لاعلا و روی البخاری و مسلم و غیرہما من اصحاب الصحاح عن عائشۃ
رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا هذا ما لیس
منہ فہو رد و روی مسلم انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم بشرک الامر محدثا تھا
و کل بدعة ضلالة طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی نئی بات نکالے یا کسی نئی بات پر عمل کرے تو اس پر خدا لعن کرے اور
آدمیوں کی لعنت ہو اسکی نیکیاں قبول نہ کرے گا اور بخاری اور مسلم وغیرہما نے اصحاب صحاح سے

روایت کی ہو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہو کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہو کہ جس
کسی نے ہاری اس شریعت میں کچھ ایجاد کی جو اُس سے خارج ہو تو وہ مردود ہے اور مسلم نے
روایت کی ہو کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا ہو کہ بدترین امور نئی باتیں
ہیں اور ہر بدعت ضلالت ہے۔ یہ لکڑیاں جو انسان کی بنائی ہوئی ہیں قابل ازالہ ہیں حدیث
شریف میں ہے من دأوی منکم منکر اذلیخیرہ مبدہ فان لم تستطع فملسانہ وان لم تستطع
فمقلبہ وذلك اضعف الایمان رواہ مسلم تم میں سے جو کوئی بری بات دیکھے تو اپنے ہاتھ سے
مٹا دے اور اگر یہ دکر سکے تو اپنی زبان سے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے قلب سے اور ضعیف تر
ایمان ہو اسکو مسلم نے روایت کیا ہو اور جو حدیث کفایہ شعی میں وارد ہوئی ہو اور ناواقف جہال
اُسے اپنے مطلب کی سند میں پیش کر کے اُس سے تعزیر کا جواز ثابت کرتے ہیں ان رجلا جاء
الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی جففت ان اقبل عتبة باب المجنتی المحور العین
فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبل ہر رجل لامر جمعتا وجعتا لاب ویروی انہ قال یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان لم یکن لی ابوان فقال قبل قبرہما قال فان لم اعرف قبرہما قل خط خطین
وان ابوان احداہما قبلہ لام والاخر قبلہ لاب فقبلہما فلا تحت فی عینک کذا فی کنز العباد
ایک شخص رسول خدا علیہ التحیۃ والتنا کے پاس آیا اور کہلایا رسول اللہ میں نے قسم کھائی ہو کہ جنت کے دروازے
کی جو کھٹ اور حوران ہشتی کا بوسہ لون گا تو اپنے اُسے حکم دیا کہ مان کے باؤن اور پیشانی اور
باپ کی پیشانی کا بوسہ لے اُس نے کہا اگر میرے مان باپ زندہ نہ ہوں آپ نے فرمایا تو انکی قبر کا بوسہ
لے اُس نے کہا اگر مجھے انکی قبر میں نہ معلوم ہوں تو اپنے فرمایا کہ دو خط کھینچ اور ایک کو مان کی قبر اور
دوسرے کو باپ کی قبر فرض کر کے اُن کا بوسہ لی تو تو حانث نہوگا جیسا کہ کثر الغباد میں ہے۔ تو اس کا
جواب یہ ہو کہ یہ چند ان معتبر نہیں ہو اور اگر معتبر بھی مان لی جائے تو حدیث میں مان اور باپ کی قبور
مجمول ہونے کی صورت مذکور ہو اور معلوم کو جھول پر قیاس کرنا جہالت ہے خلی نہیں جیسے اگر سمت
قبلہ معلوم نہ ہو تو تخری جائز ہو پس جبکہ حضرات جنسین رضی اللہ عنہما کے قبور کی کھین معلوم ہیں تو تاویث مصنوعی
کی زیارت کرنا کیا معنی رکھتا ہو اور اگر اسکو جائز سمجھ لیں تو یہ بھی لازم آئے گا کہ مصنوعی قبر کی زیارت
کرنا اور مصنوعی کعبہ کا حج کرنا بھی جائز ہو جائے اور اسکا کوئی قائل نہیں ہو اور اگر کوئی یہ سکے

کہ ہم اس تعزیر کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے تذکرہ کا واسطہ سمجھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تذکرہ اسی طرح ہونا چاہیے جو شریعت میں جائز ہے کیونکہ نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کے لیے چلیا تیار کرتے ہیں پس اس میں اور اس میں کیا فرق ہوگا اور ہر علت کا سبب ہونا شریعت سے ثابت نہیں ہے اور اصول کے قواعد میں سے کوئی اصل اس پر دلالت نہیں کرتی ہے ان جو علت مستحب کے لیے موقوف علیہ تام ہو اگر من قبیل افعال اختیار یہ ہو تو مستحب ہو مگر ظاہر ہے کہ تعزیر موقوف علیہ تام نہیں ہے کیونکہ ذکر مصائب کر بلا سنکر اکثر لوگ رو دیتے ہیں اور چچاتی کوٹنا اور گھڑے بچاڑنا اور فوج کرنا اور سر پر خاک ڈالنا اور بالوں کو منتشر کرنا یہ سب امور منہیات اور ممنوعات میں سے ہیں اور حدیث شریف میں فوج کرنے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے مجمع البرکات میں ہے بکرة للرجل تسويد الثياب وتمزيقها التعزير واما تسويد الخدود والایدی و شق الجيوب و خدش الوجوه ونشر الشعور ونثر التراب على الرؤس والضرب على الصدر والفخذ وإيقاد النار على القصور فمن رسوم الجاهلية والباطل كذا فی المضمرات کپڑوں کو سیاہ کرنا اور تعزیرت کیلئے بچاڑ ڈالنا مکروہ ہے ہاتھوں اور گالوں کو سیاہ کرنا گریبان چاک کرنا پھرہ کو نوچنا بالوں کو ہر گندہ کرنا سر پر مٹی اڑانا سینہ اور ران کوٹنا اور قبروں پر آگ سلگانا جاہلیت کی رسمیں ہیں اور باطل ہیں جیسا کہ مضمرات میں ہے سوال کسی کے دونوں ہاتھ جو منا کیسا ہے جواب عالم اور پرہیزگار اور سلطان عادل اور حاکم متدین کے ہاتھ تبرک اور تعظیم اسلام کیلئے چومنے میں مضائقہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے۔ درختار شرح تنویر الابصار میں ہے ولا بأس بتقبيل يد العالم والمتورع على سبيل التبرك ونقل المصنف عن الجامع انه لا بأس بتقبيل يد الحاكم المتدين السلطان عادل ولا رخصة فيه ای فی تقبیل لید لغیرہا ای لغیر عالم و عادل ہوا المختار کذا فی المجتبى فی المحيط ان تعظیم اسلام و اکرامہ جاز و ان لنیل لدنیا مکروہ عالم اور متدین آدمی کا ہاتھ جو منا تبرک کے لیے درست ہے مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ حاکم متدین اور سلطان عادل کے ہاتھ جو منے میں کچھ ہرج نہیں ہے اور عالم اور عادل کے سوا دوسروں کے ہاتھ جو منے کی اجازت نہیں ہے یہی مختار مذہب ہے جیسا کہ مجتبے میں ہے اور محیط میں ہے کسی شخص کے اسلام کی تعظیم اور بزرگداشت کی غرض سے جائز ہے اور اگر بغرض دنیاوی ہو تو مکروہ ہے سوال کسی کے گال یا سر یا دہن

یا پیشانی وغیرہ کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں **جواب** اگر اعزاز اور تعظیم کی غرض سے ہو اور شہوت
 سے امن ہو تو جائز ہے۔ ورنہ حرام ہے۔ وکرہ تحریمًا + قہستانی + تقبیل الرجل فم الرجل او
 یدہ او شیئاً منہ وکذا تقبیل المرأة المرأة عند لقاء او وداع + قنیه + وهذا لو عن شهوة
 واما علی وجه البر فحرام عند الکحل + خانیة + و فی الاختیار عن بعضهم لا باس ان اذا قصد به
 البر وامن الشهوة لتقبیل وجهه و خدی فقیه و نحوه تستانی رحمہ اللہ نے ایک مرد کا دوسرے مرد کے
 منہ یا ہاتھ یا کسی دوسرے عضو کو اور عورت کا دوسری عورت کو ملاقات یا رخصت کے وقت چومنے کو مکروہ
 تحریمی لکھا ہے جیسا کہ فقیہ مین ہے اور یہ اُس صورت مین ہے جب شہوت سے ہو لیکن بہ نیت خالص حکم
 نزدیک جائز ہے جیسا کہ خانیہ مین ہے اور اختیار مین ہے کہ بعضوں کے نزدیک اس مین کچھ حرج
 نہیں ہے جبکہ نیت پاک ہو اور امن عن الشهوة کی مثال فقیہ کا منہ یا گال چومنا یا اُس کے ایسے
 کسی اور آدمی کا۔ اور عالمگیری مین ہے واما الکلام فی تقبیل الوجه حکم عن الفقیہ ابی جعفر
 الہندی وانی انہ قال لا باس ان یقبل الرجل وجہ الرجل اذا کان فقیہاً و عالماً او زاهداً
 یرید من ذلک اعزاز الدین وقد ذکر فی الجامع الصغیر بکرة ان یقبل الرجل وجہ اخر او
 جہتہ اور اسہ کذا فی المحيط فقیہ ابو جعفر سہد وانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس مین کچھ حرج
 نہیں ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کا منہ چومے جبکہ فقیہ یا عالم یا زاہد ہو اور اس سے مقصد اعزاز دین
 ہو اور جامع صغیر مین ہے کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کے منہ یا پیشانی یا سر کو چومنا مکروہ ہے جیسا کہ
 محیط مین ہے سوال شرابی یا دوسرے فاسقون کو پہلے سلام کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** ابتدا
 نمکرنا جائز ہے۔ عالمگیری مین ہے و اختلف فی السلام علی الفساق فی الاصح انہ لا یمید بالسلام کذا
 فی التمرقاشی فاسقون کو سلام کرنے کے متعلق اختلاف ہے مذہب اصح یہ ہے کہ پہلے سلام نہ کرنا جائز ہے۔
 اور مجمع البرکات مین ہے و اذا امر بقوم و هم دشر یون الخمر و اشتغلوا بعصیة من المعاصی
 فعلی قول ابی حنیفہ و محمد یمسک علیہم و علی قول ابی یوسف لا یمسک علیہم کذا فی مطالب المؤمنین
 ناقلاً عن کفایۃ الشعبی اور اگر کسی شخص کا گذرا ایسے گروہ پر ہو جو شراب پی رہا ہے یا کسی اور گناہ
 مین مشغول ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول پر اُن کو سلام کرے اور امام ابو یوسف
 رحمہ اللہ کے قول پر انہیں سلام نہ کرے ایسا ہی مطالب المؤمنین مین کفایۃ شعبی سے نقل کیا ہے

سوال سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کے یا علیکم السلام کے اور حضرت سلامت کا لفظ کافی ہے یا نہیں جواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوال کے جواب میں وعلیکم السلام بواو عطف فرماتے تھے جیسا کہ صراط المستقیم میں ہے اور اگر بے واو عطف کے فقط علیکم السلام کے تو بھی کافی ہے اور حضرت سلامت کا لفظ سلام کے جوابات میں سے نہیں ہے۔ مجمع البرکات میں ہے ویاق بواو العطف فی قوله وعلیکم السلام وان حذف واو العطف فقال علیکم السلام اجزأه اپنے قول وعلیکم السلام میں واو زیادہ کرنا چاہیے اور اگر واو حذف کر کے علیکم السلام کہا تو بھی کافی ہے سوال سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کے یا اسپر زیادتی کرے جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا مستحب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واذ احییتیم بتحیۃ فخموا لہن منہا اور دوہا جب تم پر سلام کیا جائے تو اس سے بہتر جواب دو یا اسی کو ٹھادو سوال اکثر شہر وین میں زبان سے سلام کا جواب دینا اور ادبی سمجھتے ہیں اور سربراہ ہاتھ رکھنے نہایت تعظیم سے پیش آتے ہیں اور اسی کو سلام سمجھتے ہیں پس اس سے سنت ادا ہوتی ہے یا نہیں جواب صراط المستقیم اور اسکی شرح میں زبان فارسی تحریر ہے جسکا ترجمہ یہ ہے چونکہ سلام اعظم شعار اسلام سے ہے اور ہندوستان میں انجانا جو مال بدعت کا شعار ہے اس کا قائم مقام ہوا ہے اور بعض ملکوں میں سربراہ ہاتھ رکھنا یا زمین پر انگلی رکھنا شائع ہوا ہے اور زبان سے سلام کا جواب دینا اکثر لوگوں کے نزدیک بدتمیزی اور بے ادبی میں داخل ہو گیا ہے لہذا حکام اور اہل کو چاہیے اس سلائی طریقہ کے جاری رکھنے میں کوشش کریں اور اسکے جاری رکھنے کو اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھیں۔ البتہ زبان سے سلام کا جواب دینا اور ہاتھ اٹھا کر ماتھے یا سینہ پر رکھنا بظاہر لاپاس ہے یہ سوال مصافحہ کس وقت سنت ہے جواب جب دو مسلمان میں تو سلام و جواب کے بعد دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے کثر العباد میں ہے و مصافحہ بعد السلام من لقی من الاخوان فاحضامن تمام الخیۃ ویزید فی المحبۃ وعن کفایۃ الشعبان ہذہ المصافحۃ القوی الیوم بین المسلمین انما ہی اعلام انا علی ذلک المیشاق الذی اخذہ اللہ تعالیٰ حیث اخرجنا من صلب آدم علیہ السلام وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قتال من صافح مسلما ثارت ذنوبہ کاتنا ثور وراق الشجرۃ اپنے جن احباب سے ملے سلام کے بعد مصافحہ کرے کیونکہ مصافحہ تمام تحیت ہے اور اس سے محبت میں زیادتی ہوتی ہے اور کفایۃ میں

میں ہو کہ یہ مصافحہ جو آج کل مسلمانوں میں رائج ہو اس بات کی خبر دیتا ہو کہ ہم اُس عہد پر ہیں جو خدا نے اُسوقت لیا تھا جسوقت ہم حضرت آدم علیہ السلام کے صلب سے نکلے تھے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو کہ جس شخص مسلمان سے مصافحہ کیا اُس کے گناہ اُطح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں سوال معافہ جائز ہو یا نہیں جواب سفر سے آنے والے کو معافہ کرنا مسنون ہے اور اسکے سوا بھی بنظر اکرام و تعظیم اہل اسلام معافہ کرنا جائز ہو کثر العباد میں عداۃ الابراہ سے نقل کیا ہو فی الکافی المعافۃ عن دبعہ الکرامة جائز ہرگز گداشت کے طریقے پر معافہ جائز ہو لیکن معافہ کرنے والوں کے جسم پر اگر ازار کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو تو بعض کے نزدیک مکروہ ہو والخلاف فیما اذا لم یکن علیہما عیال اذا راکما اذا کان علیہ قمیص او جبتہ فلا بأس بہ کذا فی کثر العباد وفی کمال الدرایۃ قیل بالآزار الواحد کلاہ لو کان علیہ قمیص او جبتہ اور داء مع الازار لم یکن باسایہ باتفاق اختلاف اُس صورت میں ہو کہ معافین ازار کے سوا کچھ نہ پہنے ہوں اور اگر اُن کے جسم پر قمیص یا جبہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہو جیسا کہ کثر العباد میں ہو اور کمال الدرایہ میں ہو ازار واحد کی قید اس لیے لگائی ہو کہ اگر ازار کے ساتھ قمیص یا جبہ یا ردا ہو تو بالاتفاق معافے میں کچھ حرج نہیں ہو سوال شرعاً کن چیزوں میں نحوست ہو اور کس وجہ سے نحوست ہو جواب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اشتمت اللغات میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہو۔ جاننا چاہیے کہ نحوست کے باب میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں بعض سے مطلقاً اسکی تاثر کی نفی اور اعتقاد کی نہی ثابت ہوتی ہو اور یہ حدیثیں بہت ہیں اور بعض سے عورت اور گھوڑے اور گھر میں اسکا اثبات پایا جاتا ہو۔ اور بعض سے ان میں بھی اثبات کا انکار پایا جاتا ہو اور تطبیق کی یہ وجہ ہو کہ بالذات تاثر منفی ہو اور اہل جاہلیت اسکا اعتقاد رکھتے تھے تمام چیزوں میں موثر اللہ ہی ہو سوال سفر کے لیے نخس اور سحر تا ریخین مقرر ہیں یا نہیں اور بدھ کا دن نخوس ہو یا نہیں جواب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح صراط المستقیم میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے۔ دونوں کے سحر اور نخس ہونے میں احکام نجوم کی یا بندی کرنا نہ سلف کی عادت تھی اور نہ اہل اسلام کا طریقہ ہو جو کچھ حدیث میں آیا ہو اُسے اختیار کر کے اس پر بھروسہ کرنا چاہیے اور آداب سفر میں جو دعائیں منقول ہیں اُن سے تسک و صونڈھنا چاہیے اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہفتے کے دن

فلان سمت کا سفر نہ کرنا چاہیے اور اتوار کے دن فلان سمت کو نہ جانا چاہیے اسکی کوئی اصل نہیں
 ہو لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہو کہ اُنھوں نے کہا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا ہر سب دن خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر انہیں سے بعض دن سعد اور بعض
 نحس ہیں اور کوئی مہینہ ایسا نہیں ہے جس میں سات دن منحوس نہ ہوں۔ پھر اُن سات دنوں
 کو یوں گنا ہے تیسرا پانچواں تیرھواں سوٹھواں اکیسواں چوبیسواں پچیسواں۔ اور یہ امر صحت
 کو پہنچا ہوا ہے کہ قرآن شریف میں یوم نحس مستمر سے چہار شنبہ مراد ہو۔ اور مروی
 ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہ کسی لشکر کی طرف جانے والے تھے ایک شخص نے کہا کہ
 آج نہ جانا چاہیے بلکہ فلان دن جانا چاہیے آپ نے فرمایا اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو
 اُسی تلوار سے تیری گردن اُڑا دیتا اتنے سن تک میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے
 ساتھ رہا اور کبھی میں نے آپ سے نہیں سنا کہ فلان دن جانا چاہیے نہ فلان دن سوال فال
 لینا چاہیے یا نہیں جواب فال کی دو قسمیں ہیں ایک نیک فال دوسرے بد فال نیک فال لینا
 سنت ہو اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال بہت لیتے تھے بخاری میں ہے کہ صحابہ نے
 بوجھایا رسول اللہ نیک فال کی کیا صورت ہو آپ نے فرمایا نیک فال وہ ہے تم سے کوئی سنے اور
 اُس سے فال لے جیسے ڈھونڈھنے والا سنے یا واجد یا گمراہ سنے یا راشدا یا بیمار سنے یا
 سالم۔ لیکن فال بد پس منی اور مذموم ہے کیونکہ اللہ سے امید قطع کرنا اور ناامید ہونا اور برا سوچنا امر مذموم
 ہے ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا ہر طہر شرک ہے سوال میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا درست ہے یا نہیں
 جواب درست ہے جیسا کہ درختار میں ہے اور بعض عرفائے بسم اللہ لکھنے کفن میں رکھ دینے کی وصیت
 کی ہے جیسا کہ فتح العزیز میں ہے سوال غنی مصرف نذر ہو یا نہیں جواب مصرف نذر فقیر، غنی
 کو نذر کار و پیہ دنیا جائز نہیں ہے بخاری میں ہے لا یجوز ان یصوف النذر الی غیر محتاج ولا للشریف
 ذی منصب لانه لا یجد له الا خداما لریکن محتاجا فقیرا ولا للذی بالنسب لاجل نسبه والعلیکم فقیرا
 ولا الذی علم لاجل علمہ والعلیکم فقیرا اذ لم یثبت فی الشرح جواز النذر للاغنیاء غنی کو نذر دینا
 جائز ہے اسی طرح شریف ذی منصب کو کیونکہ نذر لینا درست نہیں ہے تاوقتیکہ محتاج اور فقیر نہ ہو

اور اسی طرح صاحب نسب کے لیے اُسکے نسب کی وجہ سے تا وقتیکہ فقیر نہ کیونکہ یہ شرع سے ثابت نہیں ہو کہ اغنیاء کو نذر دینا درست ہے۔ اور ایسا ہی عالمگیری وغیرہ میں ہے سوال زید نے نذر مانی تھی کہ اگر حاکم کے حکم سے مجھے دس روپے بلجائیں گے تو میں دو روپے سود لگا اور زید نے تین روپے یا کئے پس نذر ادا کرنا واجب ہو یا نہیں جواب نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے حنان علقہ بشرط یریدہ کان قدم غائبی یوفان وجد الشرط پس اگر نذر کی تعلیق کی کسی شرط پر مثلاً اگر فلان غائب آجائے تو جب شرط متحقق ہو نذر پوری کرنا چاہیے۔ اور سراجیہ میں ہے اذا قال ان مشی اللہ مرہضی اور غائبی ونحو ذلک ما یرید کونہ فلیہ علی کذا فکان ذلک فعلیہ الوفاء اگر کسی نے کہا کہ فلان مریض اچھا ہو جائے یا فلان غائب پلٹ آئے یا اسی طرح کوئی اور ایسی ہی بات جسے وہ چاہتا ہو تو میرے اوپر خدا کی راہ میں یہ کرنا ہے اب اگر کام اُسکی مرضی کے موافق ہو جائے تو اُسے نذر کا پورا کرنا ضروری ہے سوال غیر خدا کی نذر جائز ہے یا نہیں جواب نہیں۔ بحر الرائق میں ہے النذر للمخلوق لا يجوز کانه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق مخلوق کے لیے نذرنا جائز ہے کیونکہ وہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے درست نہیں ہے سوال صحت اور لزوم وفاء نذر کے لیے کتنی شرطیں ہیں جواب عالمگیری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پنج چیزیں شرط ہیں (۱) اُس نذر کے جنس سے کوئی فرض شرع میں ہو (۲) وہ نذر عبادت مقصودہ ہو نہ یہ کہ دوسری عبادت کا وسیلہ ہو جیسے وضو کا اسکی نذر جائز نہیں ہے (۳) نذر در بغیر بندے کے واجب کیے ہوئے واجب نہ ہو۔ جیسے ظہر کی فرض نماز کہ خود واجب ہو اور اُسکی نذر جائز نہیں ہے (۴) وہ نذر از قسم معاصی ہو (۵) وہ نذر مستحیل الوجود نہ ہو جیسے گذشتہ دن کا روزہ کہ اُسکی نذر جائز نہیں ہے سوال اگر کوئی شخص مصحف یا کتب کے وقف کی نذر کرے تو اُسکا پورا کرنا لازم ہو یا نہیں جواب لازم ہے۔ در مختار میں ہے من نذر نذر راضط لقا او معلقا بشرط وکان من جنسہ واجب ای فرض کما سیصر بہ تبع البحر والدر وہو عبادة مقصودة خیر بہ الوضوء وتکفین المیت ووجد الشرط المعلق بہ لزوم النذر لحدیث من نذر وسعی فعلیہ الوفاء بما لسی کصوم وصدق و صلوة ووقف واعتکاف واعتاق رقبة و حج و لولہ ما شا فاعمالہ مقصودة ومن جنسہا واجب لوجود العلق فی الکفارة والمشی للبحر علی القاد من

اصل مکہ واقعة الاخيرة في الصلوة وهي ليث كالا عتکاف ووقع مسجد المسلمين واجبة
 الاصل من بيت المال والا ففعل المسلمين کسی نے نذر مانی خواہ مطلق ہو یا کسی شرط پر مطلق ہو
 جبکہ ایسا کوئی واجب لینے فرض ہو (جیسا کہ عنقریب اسکی تصریح ہو اور در کی (تباع کہتے ہوئے آئگی)
 اور یہ عبادت مقصودہ ہو اس سے وضو اور تکفین بیت خارج ہو گئی اگر شرط مطلق ہو پائی گئی تو ناز
 پر نذر لازم ہے کیونکہ حدیث میں ہے جس نے نذر کی اور تعیین کر دی تو اسکو لازم ہے کہ نذر معین کو
 پورا کرے مثلاً روزہ۔ صدقہ۔ نماز۔ وقف۔ اعتکاف۔ غلام آزاد کرنا۔ اور پیادہ حج کرنا کیونکہ یہ سب
 عبادات مقصودہ ہیں انکے ایسے احباب موجود ہیں کیونکہ کفارہ میں عتق واجب اور اول مل مکہ میں سے جو قدرت رکھتے
 ہوں انکو حج کیلئے پیادہ جانا واجب ہو اور قعدہ اخیر نماز میں واجب ہو اور جبکہ مسلمانوں کے لیے وقف کر دینا لازم ہے
 بیت المال سے واجب ہو ورنہ خود مسلمانوں پر واجب ہو سوال اگر دس روپے کی روٹی خیرات کرنے کی نذر مانی اور
 دس روپے کا آٹا خیرات کر دیا تو نذر ادا ہو گئی یا نہیں جواب ہو گئی۔ در مختار میں ہے عند ان
 يتصدق بعشر دراهم من الخبز فتصدق بخيرة جازان ساوی العشرة كتصدق بثلثة کسی نے
 دس روپے کی خیرات کرنے کی نذر مانی اور دوسری چیز خیرات کی تو جائز ہو اگر دس روپے کے مساوی ہو پھر
 اس کی قیمت کا خیرات کر دینا جائز ہے سوال جب کسی نے کہا ان شفعی اللہ مرحضی ذبح شاة
 او علی اللہ ذبح شاة او اضیع للمسلمین اگر الد میرے بیار کو اچھا کر دے تو میں بکری ذبح کروں گا
 یا اللہ کے لیے میرے اوپر ایک بکری ذبح کرنا ہو گا یا مسلمانوں کی ضیافت کروں گا تو نذر لازم ہوگی
 یا نہیں جواب منجملہ انعقاد شرائط نذر کے یہ کہ اسکا ایسا کوئی واجب ہو جیسا کہ تو پر لا بصار
 میں ہے اور صاحب در مختار نے کتاب الیمین میں بتبعیت صاحب بحر واجب سے فرض مراد
 لیا ہے اور کہا ہے دکان من جلسہ واجب اما فرض اسکا ایسا کوئی واجب لینے فرض ہو اور
 صاحب غرنے فرضیت کی صراحت کی ہو جیسا کہ کہا ہے المنذر اذا كان له اصل في العروض
 لازم التاذن بالصوم والصلوة اگر منذور کی ذرائع میں کچھ اصلیت ہو تو وہ ناذر پر لازم ہیں
 مثلاً صوم اور صلوة۔ پس بکری ذبح کرنے کی نذر اگرچہ بلفظ اللہ علی ہو منعقد نہ ہوگی اور ناذر پر کچھ
 لازم نہ ہو گا اس لیے کہ اس کے جنس سے کوئی فرض نہیں ہو۔ در مختار میں ہے ولو قال ان بدئت
 من دینی هذا ذبحت شاة او علی شاة اذبحها فبیری لا یلزمه شیء لان الذبح ليس من جنس

فرض بل واجب کلاً ضحیۃ فلا یصح الا اذا زاد والتصدق بلحماً فیلزم صلات الصدقة من
جنسها فرض وحی الزکوۃ جب یہ کہا کہ اگر میں اپنے اس مرض سے اچھا ہو گیا تو ایک بکری فوج
کرون گا یا بچیر ایک بکری فوج کرنا ہے اور وہ اچھا ہو گیا تو اُس پر کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ فوج کا
ایسا کوئی فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے مثل اضحیۃ کے پس یہ نذر نہ صحیح ہوگی تا وقتیکہ اُس میں یہ یادنی
نکرے کہ اور تصدق کروں گا میں اُسکا گوشت جو اس صورت میں اُس پر لازم ہوگا کیونکہ صدقہ
کی ایسی ایک چیز یعنی زکوۃ فرض ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک مندور کی ایسی چیز کا فرض ہونا
ضروری نہیں ہے بلکہ مندور کی ایسی چیز کا واجب ہونا کافی ہے۔ عالمگیری میں ہے الاصل ان
النذر لا یصح الا بشرط واحد هان یكون الواجب من جنسه شرعاً اصل یہ ہے کہ نذر بغیر
چند شرطوں کے درست نہیں ہوتی انہیں سے ایک یہ ہے کہ شرعاً اُسکا ایسا کوئی واجب موجود ہو
اور صاحب درختار نے اسی عموم کو کتاب الاضحیۃ کے آخر میں مصنف رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور اُسکی
یاد رکھنے کی وصیت کی ہے اور شارح وہابیہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ درختار میں یہ نذر عشر
اضحیات لزمہ ثنتان لحجۃ الاثر جہا + خانیۃ + والا حرم وجوب الکلا یجایزہ باللہ من جنسہ یجایزہ
+ شرح وہابیۃ + قلت ومفادہ لزوم النذر بما من جنسه واجب اعتقادی او اصطلاحی
قال المصنف فلیحفظ کسی نے دس اضحیۃ کی نذر کی تو اُس پر دو لازم ہیں کیونکہ اگر دو ہی کے
متعلق ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ سب واجب ہیں کیونکہ وہ خدا کے لیے واجب کیلگی
ہے اور اُسکا ایسا واجب موجود ہے جیسا کہ شرح وہابیہ میں ہے میں کتابوں کہ اُسکا مفاد یہ ہے
کہ نذر لازم ہوتی ہے جب اُسکا ایسا کوئی واجب اعتقادی یا اصطلاحی موجود ہو یہ مصنف نے
کہا ہے اسے یاد رکھنا چاہیے۔ اور جب جنس مندور سے کسی چیز کا واجب ہونا منجملہ شرط الاعتقاد
نذر قرار پایا اور خصوص فرضیت بر طرف ہوا تو نذر بذبح شاة اگر بدولن لفظ علی ہو محمول بر وعدہ ہے
فیاستانہ بر نذر کیونکہ نذر پر کوئی دلیل پائی نہیں جاتی اور اگر بلفظ علی ہو تو صیغہ کی دلالت نذر پر متحقق
ہوگی اور اُسکی جنس سے واجب بھی متحقق ہے پس الاعتقاد نذر کا حکم دیا جائے گا۔ اور اسی لیے
صاحب خانیہ نے لکھا ہے ان برئت من مرضی هذا تحت شاة فبرئ لا یلزمه شق الا ان
یقول قللہ علی ان اذبح شاة اگر میں اپنے مرض سے اچھا ہو گیا تو ایک بکری ذبح کر دوں گا اور وہ

اچھا ہو گیا اس کئے سے اُسپر کچھ لازم نہیں ہوتا البتہ جب یہ کہا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو مجھے خدا کی راہ میں بکری کا فنج کرنا واجب ہے۔ اور عالمگیری میں ہے رجل قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء الا ان يقول ان برئت فله علة ان اذبح شاة جب کسی نے کہا اگر میں اپنے مرض سے اچھا ہو گیا تو ایک بکری ذبح کروں گا اور وہ اچھا ہو گیا تو اس کئے سے اُس پر کچھ لازم نہیں ہوتا البتہ جب یہ کہا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو مجھے خدا کی راہ میں بکری کا فنج کرنا واجب ہے۔ اور قاضی خان میں ہے رجل قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء الا ان يقول ان برئت من كذا فله علة ان اذبح شاة جب کسی نے کہا اگر میں اپنے اس مرض سے اچھا ہو گیا تو ایک بکری ذبح کروں گا اور وہ اچھا ہو گیا تو اس کئے سے اُسپر کچھ لازم نہ آئے گا البتہ جب یہ کہا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو مجھے خدا کی راہ میں بکری کا فنج کرنا ہے۔ اور عمر میں ہے قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة لم يلزمه الا ان يقول فله علة ان اذبحها جب کہا اگر میں اپنے اس مرض سے اچھا ہو گیا تو ایک بکری ذبح کروں گا تو اس کئے سے اُسپر کچھ لازم نہ ہو گا البتہ جب یہ کہا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو مجھے خدا کی راہ میں بکری کا فنج کرنا ہے۔ اور صاحب در شرح غرر نے مشرھا لکھا ہے لان اللزوم لا يكون الا بالذبح والادال عليه الثاني لا الاول کیونکہ لزوم مذہبی سے ہوتا ہے اور اُس پر دلالت کرنے والا ثانی ہی نہ اول۔ اور صاحب در کی یہ تعلیل قیاس پر مبنی ہے اور قما وون کے بعض جزئیات بھی اسی قیاس پر مبنی ہیں۔ اور ظاہر میں لوگ جزئیات اور کلیہ فقہیہ میں مخالفت پیدا کرتے ہیں جیسا کہ بزاز یہ میں ہوا سلم ولدی اصوم ماعشت فهذا اعد جب کہا اگر میرا لڑکا بیچ گیا تو میں تمام عمر روزہ رکھوں گا تو یہ وعدہ ہے۔ اور ذخیرہ میں ہے وفي نوادر هشام عن محمد بن وهب عن قتال ان شفع الله مرضی اوقال ان رد الله تعالى غائبی صمت شہرا و قال حججت حجة ثم عوفی مرضی ورد عليه غائبی فهذا اعدة وان وفاجها فهو افضل وان لم يوف فلا حرج نوادر هشام میں محمد رحمہ اللہ سے اُس شخص کے بارے میں جس نے کہا کہ اگر خدا میرے مریض کو شفا دیدے یا خدا میرے کوئے ہوئے شخص کو لوٹا دے تو میں ایک مہینے کے روزے رکھوں گا یا ایک حج کر دے گا پھر مریض اچھا ہو گیا یا کوئی ہو لوٹ آیا مروی ہے کہ یہ وعدہ تھا اگر ایفا کرے تو افضل ہے اور اگر

ایمان نہ کرے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ لیکن استحسان اس قیاس کے خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں استحسان نذر منعقد ہو جائے گی جیسا کہ بزانہ میں ہے وصال ان عوفیت صحت کذا لم یجب ما لم یقل للہ علیہ وافی الاستحسان یجب لوقال ان فعلت هذا فانا حج ففعل یجب علیہ الحج کسی نے کہا اگر میں بیچ گیا تو اتنے روزے رکھوں گا تو اسپر ایسا کرنا واجب نہیں ہے جب تک یہ نہ کہے کہ خدا کے لیے میرے ادب پر یہ ضروری ہے اور از روئے استحسان واجب ہے اور جب یہ کہے کہ اگر میں ایسا کروں تو حج کروں گا اور پھر وہ کام کیا تو اس پر حج واجب ہے۔ اور ہر حال میں چاہے منذور کی قسم سے کوئی چیز واجب ہو یا فرض۔ ضیافت اور دعوت مسلمان کی نذر منعقد نہوگی کیونکہ اس جنس سے نہ کوئی واجب ہے نہ فرض۔ قاضی خان میں ہے رجل قال ان فعلت کذا فقلت علی ان اضعیف جماعة قوی فحدث لا یلزم شیء کسی نے کہا اگر میں یہ کام کروں تو خدا کے لیے مجھ پر واجب ہے کہ میں اپنے اقربا کے ایک گروہ کی دعوت کروں پھر وہ حانت ہو تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے رجل قال ان فعلت کذا فقلت علی ان اضعیف جماعة قریبتی فحدث لا یلزم شیء کسی نے کہا اگر میں یہ کام کروں تو خدا کے لیے مجھ پر واجب ہے کہ میں اقربا کے ایک گروہ کی دعوت کروں پھر وہ حانت ہو تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ صاحب غرر نے پہلے تو یہ شرط کی ہے کہ جنس منذور کی ایسی کوئی چیز فرض ہو پھر صراحت کی ہے کہ نذر بذریعہ شاة اگر بلفظ للہ علی ہو تو منعقد ہوگی حالانکہ اس کے جنس سے کوئی چیز فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے پس اُنکے کلام میں تناقض پیدا ہو گیا اسی لیے صاحب درمختار نے کہا ہے ففہ متن الدار تناقض در کے متن میں تناقض ہے۔ تو اس کا جواب دیا جاسکتا ہے کہ صاحب غرر کی مراد فرض سے فرض عملی ہے تاکہ واجب کو شامل ہو اور تناقض مرتفع ہو جائے سوال اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کے فحش کچر نیک نذر کرے تو اسے کیونکر پورا کرے جواب لڑکے کے عوض میں ایک بکری ذبح کرے نذر پوری ہو جائے گی۔ فدایہ حضرت اسمعیل علی نبینا وعلیہ السلام اسکی دلیل ہے جیسا کہ مسروق رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے سوال اگر نذر کے وقت مصرف خاص کا ذکر کر دیا مثلاً کہا کہ فقرا کے مکہ معظمہ زاد اللہ بشر فہا کو اتنا دون کا پھر دوسرے ملک کے فقرا کو دیا تو وفایہ نذر ہوگا یا نہیں جواب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے رجل قال مالی صدقة علی فقراء مکة ان فعلت کذا

فحنت و تصدق علی فقراء بلخ و ابلدۃ اخرى جاز و یخرجه عن التدریس ایک شخص نے کہا اگر
 میں ایسا کروں تو میرا مال فقراے مکہ کے لیے تصدق ہے پھر وہ حانث ہوا اور اُس نے بلخ یا کسی دوسرے
 شہر کے فقیرون پر اُس مال کو تصدق کر دیا تو یہ جائز ہو گا اور نذر پوری ہو جائے گی سوال شطرنج
 کھیلنا درست ہے یا نہیں جواب امام شافعی رحمہ اللہ کے شطرنج کے بارے میں دو قول ہیں پہلا
 قول شطرنج کی اباحت پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا قول شطرنج کے مکروہ تنزیہی (نه تحریمی) ہونے
 پر دلالت کرتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ شطرنج کے مباح ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ کفایہ
 میں ہے لیکن خفیہ کے نزدیک شطرنج کھیلنا دو حال سے خالی نہیں ہے یا مع قمار کے ہو گا
 یا بدون قمار اگر مع قمار ہو تو حرام ہے اور کھیلنے والا فاسق مرد و الشہادۃ اور ساقط العدالۃ ہو گا
 اتفاقاً نہ اختلافاً اور اگر بدون قمار ہو تو مختلف فیہ ہے جمہور اسکو مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور بعضوں
 کے نزدیک مباح ہے اور انہوں نے اس کے کھیلنے کی اجازت دی ہے کیونکہ شطرنج جنگ اور
 دشمن کو فریب دینے میں مدد دیتی ہے مگر یہ اجازت بھی تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے (۱) قمار
 نہ ہو (۲) اُس کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ ہو (۳) فحش سے محفوظ ہو۔ اور اذا فأت المشرط فأت
 المشرط کے قاعدے کے موافق اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی شرط بھی فوت ہو تو اباحت
 کا حکم باقی نہ رہے گا اور پہلا قول مختار ہے جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں
 ہے والذی یلعب بالشطرنج ھل تسقط عدالتہ وتقبل شھادۃ فان قام ربہ بسقطت
 عدالتہ ولم یقبل شھادۃ وان لم یقام لم تسقط عدالتہ وتقبل شھادۃ جو شخص شطرنج کھیلتا
 ہے اگر اُس میں بازی بھی بدتا ہے تو اُسکی عدالت جاتی رہتی ہے اور اُسکی گواہی مقبول نہیں ہوتی
 اور اگر بازی نہیں بدتا تو اُسکی عدالت نہیں جاتی اور گواہی مقبول ہوتی ہے۔ اور فتاویٰ
 مجمع البرکات میں ہے واختلفوا فی اللعب بالشطرنج فرخص بعضهم لانه یتصرف فی امر الحرج و یکسب
 المعدود و لکن بثلث شرائط ان لا یقام ولا یؤخر الصلوۃ عن وقتہا وان یحفظ لسانہ عن
 الجفام والفحش اذا فعل شیئاً متہماً فموجہ و الشہادۃ و کبرۃ الشافعی اللعین کراہۃ تنزیہیۃ لا غیر لکن فی
 مطالب المؤمنین و ذکر الکھام الغالی فی خلاصتہ ان مکروہ و عند الشافعی ایضاً مکروہ فلعن ما وقع و کتبنا
 حوالہ الاول لکن فی نصاب الاحتساب و ذکر الشیخ ابو حامد فی الاحیاء فی السماع اللعین بالشطرنج

مباح لکن المواظبة علیہ مکروہ کراہتہ شدیدۃ کذا فی مطالب المؤمنین بشرح کھیلنے
 میں علما کا اختلاف ہے بعضوں نے جائز رکھا ہے چونکہ جنگ میں اس سے مدد ملتی ہے اور دشمن کی
 حیثیت معلوم ہو جاتی ہے لیکن جواز کے لیے تین شرطیں مقرر کی ہیں (۱) جو انہو (۲) اُسکی وجہ
 سے نماز میں تاخیر نہو (۳) محش اور گالی گلوچ نہو اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہو تو وہ شخص
 مردود الشہادۃ ہو جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اسکو مکروہ تنزیہی لکھا ہے جیسا کہ
 مطالب المؤمنین میں ہے اور امام غزالی رحمہ اللہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور امام شافعی
 رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مکروہ ہے پس شاید ہماری کتابوں میں اُنکا پہلا قول منقول ہے جیسا کہ
 نصاب الاحساب میں ہے اور شیخ ابو حامد رحمہ اللہ نے احیاء میں لکھا ہے کہ بشرح کھیلنا مباح ہے
 لیکن کثرت سخت مکروہ ہے جیسا کہ مطالب المؤمنین میں ہے۔ اور شراح وہابیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے
 شعروا لا بأس بالشطرنج وھی رواۃ عن الجرح قاضی المشوق الغزنی بشرح شطرنج کھیلنے میں کچھ حرج
 نہیں ہے۔ قاضی شری وغرب رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ اور درختار کے باب من لا قبل لشہادۃ میں ہے اور
 یقام بالشطرنج او یتربک بہ الصلوۃ حتی یفوت وقتہا او یحلف علیہ کثیرا او یلعن علی طریق
 او یدکوع علیہ مسقا کذا فی الاشباہ او یدلوا وم علیہ ذکرة سفدی یا بشرح میں جو اکیلے یا اُسکی
 بدولت نماز جاتی رہے یا اسپر بکثرت قسم کھائے یا راستہ میں کھیلے یا فسق و فجور کی باتیں کرے جیسا کہ
 اشباہ میں ہے یا ہمیشہ شطرنج کھیل کرے اسکو سفدی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور تنویر الابصار میں ہے
 ذکرہ تحریما للعب بالند وکن الشطرنج نردا وشرط نرد کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور بیہقی رحمہ اللہ
 نے شعب الایمان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ سے روایت کی ہے لا یلعب بالشطرنج
 الا خاٹے بشرح خطا کار ہی کھیلتا ہے سوال تعزیه کو نہ نظر اعتقاد بلکہ نظر تماشہ دیکھنا درست
 ہے یا نہیں جواب تعزیه میں تماشہ ہی کیا ہے امر بدعت کو دیکھنا نہ چاہیے بلکہ زبان یا ہاتھ سے
 اُسکے دفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اور اگر یہ نہ کر سکے تو دل سے اُسکو برا جانے اور یہ ضعف
 ایمان کی دلیل ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے سوال تعزیه سے مراد چاہنا درست ہے یا نہیں
 جواب نہیں۔ کیونکہ نہ وہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ متکو کسی چیز سے بے پردہ کر سکتا ہے
 اور اگر تعزیه سے مراد چاہنے والا ہے تو تعزیه اُس کی مراد پوری کر سکتا ہے تو کافرمند ہے

سوال مصائب کربلا کے خیال سے یا حضرت امام حسین علیہ السلام کے احوال کے خیال سے اگر آنسو بہیں تو کچھ حرج ہو یا نہیں **جواب** حرج نہیں ہو رہتی اور حاکم رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غم میں آنسو بہے تھے اور واقعہ کربلا کے دن حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حضور سرور انبیاء علیہ التہیۃ والتنا کو خواب میں بال پریشان اور غبار آلودہ دیکھا تھا جیسا کہ احمد اور بہقی رحمہما اللہ نے اس مضمون کو روایت کیا ہے اور یہ رونا بے اختیاری ہو جب اسکا مادہ جمع ہو جاتا ہے آنسو بہنے لگتے ہیں **سوال** چوک اور امام کا چہرہ ترہ عظیم کے قابل ہے یا نہیں **جواب** نہیں کیونکہ شرع میں اسکا کہیں پتہ نہیں ہوا اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز کو قابل تعظیم سمجھنا بے عقولوں کا کام ہے **سوال** مسلمان کو آٹھا سننا چاہیے یا نہیں **جواب** نہیں اور انوکھا کام میں اوقات ضائع کرنا حرام ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یہود کی باتیں اور ان کے قصے سنتا ہوں اور مجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں کیا آپ مجھے اسکی اجازت دیتے ہیں کہ ان میں سے بعض لکھ لوں آپ نے اُٹھو اٹھا اور جھڑکا اور اسکو جائز نہ رکھا اسکو بہتی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں لکھا ہے **سوال** ربیع الاول یا کسی اور مہینے میں میلاد شریف کی محفل کرنا درست ہے یا نہیں **جواب** خیر البشر علیہ صلوٰۃ اللہ الاکبر کی ولادت بڑے فرحت اور سرور کا باعث ہے اور یہ فرحت اور سرور وقت اور محل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مومن کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے۔ ابولسب کی لونڈی ثویبہ نے جب حضور نبی کریم علیہ التہیۃ والتسلیم کی ولادت کی خبر ابولسب کو پہونچائی تھی تو اُس نے خوش ہو کر ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا مرنے کے بعد لوگوں نے اُسکو خواب میں دیکھ کر حال پوچھا اُس نے کہا جب سے مراہون عذاب میں گرفتار ہوں مگر دو مشنہ کی شب کو چونکہ میں نے میلاد نبوی کی خوشی کی تھی عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے لیکن جب ابولسب ایسے کافر پر آپ کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہو گئی تو جو کوئی امتی آپ کی ولادت کی خوشی کرے اور اپنی قدرت کے موافق آپ کی محبت میں خیر کرے کھو کر اعلیٰ مرتبہ کو نہ پہونچے گا جیسا کہ ابن جوزی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ نے لکھا ہے پس اگر ولادت یا معجزات یا غزوات وغیرہ کا ذکر بطرز غلط و سب سے بے تداعی مردم

و بغیر صورت محفل کیا جائے تو ہزاروں برکتوں کا باعث ہوگا۔ حضرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی مجالس کو انھیں ذکر و نعت سے مود و انوار آبی بناتے تھے اور لوگوں کو جمع کرنا اور محفل کی صورت مقرر کرنا بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو اور لوگوں کو دن تاریخ مقرر کر کے ذکر میلاد سننے کے لیے بلانا چونکہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ اور زمانہ تابعین اور زمانہ تبع تابعین رضی اللہ عنہم میں نہ تھا اس لیے اُن سے کوئی روایت نہیں ہے۔ اور اس خیال سے کہ یہ طریقہ زمانہ نبوی میں نہ تھا اسکو بدعت کہہ سکتے ہیں کیونکہ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے البدعة فی الشرع احداث مالہ یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا قال علی الفارخی شرح مشکوٰۃ شرع میں کسی ایسی بات کے کانٹنے کو بدعت کہتے ہیں جو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے زمانے میں نہ تھی جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ طریقہ اخیر ہو اور اس میں کسی طرح کا گناہ نہیں ہے اور احادیث میں فرحت اور سرور کے لیے لوگوں کو جمع کرنا ثابت ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے وعظ اور بیان کی منادی کی ہے لہذا اہل شرع نے اسکی اجازت دی ہے اور اسکو بدعت مندوبہ لکھتے ہیں اور اسکے فاعل کو مستحق ثواب جانتے ہیں حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے فرمایا ہے من سن فی الاسلام سنتہ حسنۃ ظله اجرھا واجر من عمل بها جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ نکالا اسکو اسکا اور اُس پر عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا۔ اور یہ لازم نہیں ہے کہ ہر بدعت مذموم ہو بلکہ بعض بدعتیں واجب ہیں جیسے علم نحو کا پڑھنا قرآن اور حدیث کے سمجھنے کے لیے اور بعض بدعتیں حرام ہیں جیسے قدریہ اور مجسمہ کا مذہب اور بعض بدعتیں مندوب ہیں جیسے مدارس اور رباط کا بنانا اور تراویح بجا عت اور بعض بدعتیں مکروہ ہیں جیسے سونے کے بانی سے مسجد میں پھول بوٹے بنانا اور بعض بدعتیں مباح ہیں جیسے ماکل و مشارب میں توسیع پس کلی بدعت ضلالتہ کا کلیہ عام مخصوص البعض قرار دیا جائے گا۔ نووی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ وغیرہ نے اسکی صراحت کی ہے۔ اس تقریر سے تاج الدین فاکہانی رحمہ اللہ کا یہ قول رد ہو گیا لا جائز ان یکون عمل مولد مباحا لان لا ابتداء فی الدین ایسے مباحا باجماع المسلمین یہ جائز نہیں کہ محفل میلاد مباح ہو کیونکہ باجماع مسلمین دین میں نئی بات نکالنا مباح

نہیں ہے۔ اور اکثر مشائخ طریقت رحمہم اللہ نے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو خواب میں دیکھا کہ محفل میلاد سے راضی اور خوش ہیں پس وہ چیز ضرور اچھی ہے جس سے آپ خوش ہوں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ کہتے ہیں ومما جرب من خواصہ انہ امان فی خلک العام ویشری عاجل منیل البختۃ والمرام میلاد شریف کے مجرب خواص میں سے یہ ہے کہ اُس سال بخوبی اور بشارت ہوتی ہے مطلوب اور مقصود کے حاصل ہونے کی اور جو لوگ اسکو بدعت مذمومہ کہتے ہیں خلاف شرع کہتے ہیں۔ اب مہینہ دن تاریخ اور وقت کی تعیین کا حال سننا چاہیے کہ جس زمانے میں بطرز مندوب محفل میلاد کی جائے باعث ثواب ہے اور درمیان بصرہ میں شام اور دوسرے مالک کے لوگ بھی رجب الاول کا چاند دیکھنے خوشی اور محفل میلاد اور کار خیر کرتے ہیں اور قرأت اور سماعت میلاد میں اہتمام کرتے ہیں اور رجب الاول کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی ان مالک میں میلاد کی محفلیں ہوتی ہیں اور یہ اعتقاد نہ کرنا چاہیے کہ رجب الاول ہی میں میلاد شریف کیا جائے گا تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں اور یہ بھی اعتقاد نہ کرنا چاہیے کہ رجب الاول میں زیادہ ثواب ملے گا اور دوسرے مہینوں میں کم ثواب ملے گا کیونکہ یہ بات شرع سے ثابت نہیں ہے البتہ اگر کوئی شخص چھٹی ہونے کی وجہ سے اسی مہینے میں یا اس مہینے کے کسی خاص دن میں یا اس وجہ سے مہینہ اور تاریخ مقرر کر کے کرے کہ لوگوں کو ہر سال بلانے کی ضرورت نہ ہو بلکہ لوگ خود ہی اگر سن لیا کریں یا کسی اور وجہ سے دن تاریخ مقرر کر کے کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے اسی وجہ سے شرع میں وعظ اور درس کا دن مقرر کرنا جائز ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انما الاعمال بالنیات وانما لكل امرء ما نحوی اعمال کا مدار نیت پر ہے ہر شخص کو اسکی نیت کا اجر ملے گا سوال ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا کیا حکم ہے جواب اگر اسوقت کوئی شخص بحالت وجد صادق بے ریا وتضع کھڑا ہو جائے تو معذور ہے اور آداب صحبت میں سے یہ ہے کہ حاضرین بھی اسکی اتباع میں کھڑے ہو جائیں اور بے حال وجد باختیار خود کھڑا ہونا نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت مؤکدہ ہے نہ مستحب بخیر عری شرعی کیونکہ یہ نہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا نہ قرون تلمذ کے زمانے میں۔ اور امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں روی انہ کان الصحابة لا یقومون

لرسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض الاحوال حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
 حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے بعض اوقات کھڑے
 نہیں ہوتے تھے مگر علمائے حرمین زادہما اللہ شرفاً قیام کرتے ہیں۔ امام بزرگزی رحمہ اللہ اپنے
 رسالہ میلادین لکھتے ہیں وقد استحسنت القيام عند مولد الشریف ائمة ذرو
 رواية خطوبی لمن كان تعظیمة صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غاية مراعاة وصروا ائمة اصحاب
 روایت نے ذکر میلاد کے وقت قیام کو مستحسن جانا ہے پس اس کے لیے خوشی ہو جبکہ مقصد آپ کی
 تعظیم ہو سوال حاکم کو نرخ مقرر کرنا درست ہے یا نہیں جواب ہر شخص اپنے مال کا مالک ہے
 جس نرخ پر چاہے نیچے اور حاکم کو بے شدید ضرورت کے نرخ مقرر کرنا ظلم ہے سوال انگریزی
 بنگلہ نمازیوں کی راحت اور آرام کے لیے مسجد میں لٹکانا بدعت ہے یا نہیں جواب بدعت
 ہے اس معنی کر کے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة کے زمانے میں نہ تھا۔ اور اس
 معنی کر کے ہر بدعت مذموم نہیں ہے ورنہ علم صرف و نحو کی تدوین اور کھانے پینے میں اور
 پہننے میں تو سب بھی مذموم ہو جائے گی اور اسکے خلاف امام نووی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے لیکن
 مذموم بدعت وہ ہے جو دین میں پیدا ہو اور اس پر ثواب اور عقاب کا ترتیب متصور ہو امام المؤمنین
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء سے روایت کی ہے
 من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فموسر۔ جس نے دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ
 (بات) مردود ہے۔ پس نمازیوں کی راحت کے لیے مسجد میں بنگلہ لٹکانا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا
 اور اگر تشبہ نصاریٰ کی وجہ سے اس کا عدم جواز کہا جائے تو اس کا حال یہ ہے کہ مطلقاً تشبہ مذموم
 نہیں ہے بلکہ بقصد تشبہ کرنا مذموم ہے۔ طحاوی کے حاشیہ میں ہے قال فی الجہت اعلان التشبه
 باهل الکتاب لا یکرہ فی کل شیء فاننا ناکل ونشرب کما یفعلون انما الحرام التشبه فيما كان
 مذموما او فيما یقصد به التشبه کذا فی الخافیه صاحب بحر نے کہا ہے پھر جانا چاہیے کہ تشبہ
 باہل کتاب ہر امر میں کرویہ نہیں ہے کیونکہ ہم کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں بلکہ
 ہری باتوں میں اور جن امور میں تشبہ مقصود ہو ان میں تشبہ حرام ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے۔
 اور ایسا ہی درختار میں ہے۔ اور شیخ عبدالحی محدث دہلوی رحمہ اللہ انما الاعمال بالنیات کی

شرح میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جسکا خلاصہ ترجمہ یہ ہوا اگر اعمال طبعی شہوانی میں نیت کو کام میں لائے تو اسکا بھی ثواب پائے گا پس دوسرے اعمال میں لازماً ثواب پائے گا مثلاً جمعہ کے دن یا اور دنوں میں بھی بہ نیت اتباع سنت نبوی خوشبو کا استعمال کرنا اور خوشبو کو دوست رکھنا اس لیے کہ خوشبو کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوست رکھا ہے اور سب کی غفلت کرنا اور اپنے اور دوسروں سے ایذا کو دفع کرنا اور ہمسایوں اور ہمنشینوں کو براحت پہنچانا اور غیبت سے بچنا اور دماغ قوی ہونے کے لیے ادویہ کا استعمال کرنا تاکہ علوم اور معارف حاصل کرے اور سوائے جو کام محض جسمانی لذت اور نفسانی خواہش اور خود نمائی کے لیے کر گیا ثواب سے محروم ہوگا بلکہ عتاب اور ملامت کا مستحق ہوگا پس معلوم ہوا کہ ہر کام اور حصول ثواب کا مہارت پر ہے سوال مال مشکوک سے نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہے جواب اگر مال اس وجہ سے مشکوک ہو گیا ہو کہ ایک وجہ اسکی حرمت پر اور دوسری حلت پر دلالت کرتی ہے تو ایسا مال حرام ہے۔ اشتباہ میں ہوا یا اجماع المحلل والحرام غلب المحرام جب حلال اور حرام جمع ہوں تو غلبہ حرام کو ہوتا ہے۔ اور اگر اس وجہ سے مشکوک ہو گیا ہو کہ حلال اور حرام مال اس طرح آپس میں مل گئے ہیں کہ ایک دوسرے کی تمیز باقی نہیں رہی پس اُسے تصدق کر دینا چاہیے موطاوی حاشیہ در مختار میں ہے الذی فی البدایۃ اندان علم المال الحرام بعینہ لا یجوز لہ اخذہ وان لم یعلم بعینہ اخل حکما واما فی الدیانة فانه یتصدق افادہ الحموی اور بزادہ میں یہ ہے کہ اگر اس بات کا یقینی علم ہو کہ مال حرام ہے تو اسکا لے لینا حرام ہے اور اگر یقیناً اسکا علم نہ ہو تو اسے لینے کا حکم ہے مگر دیانۃ تصدق کر دینا چاہیے سوال کعبہ اور روضہ نبوی کے نقشے واجب التحظیم ہیں یا نہیں جواب شریعت محمدیہ میں انکی تعظیم واجب نہیں ہے اگر کوئی شخص انھیں چاک کر ڈالے تو ماخوذ نہ ہوگا اور روضہ مقدسہ جناب سرور کائنات علیہ الوفاء من التحیات کا کوئی حکم نقشے کے لیے ثابت نہیں ہے اسی طرح کعبہ کے نقشے پر کعبے کے احکام جاری نہیں ہوتے نقشہ دیکھتے وقت قبولیت دعا کا وقت نہیں ہے اور نقشہ کا طواف کعبہ کے طواف کے مثل نہیں ہے اور اس نقشے کو قبلہ بنا کر کسی طرف رکھنے اسکی طرف نماز پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ دونوں نقشے آئینہ کے مانند ہیں کہ اُنسے عینیت کعبہ اور عینیت

روضہ نبوی کی معرفت اور شناخت ہوئی ہے سوال حقہ جو شہ من ظاہر ہوا ہے جیسا کہ
 مجالس الابراہیمین ہوا اسکا پتہ حلال ہے یا حرام یا مکروہ جواب ملا سعد رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے
 مجالس الابراہیمین حرام لکھا ہے اور یہ دلیل پیش کی ہے کہ دھواں عذاب کا آلہ ہے اور عذاب کے آلہ
 کا استعمال کرنا درست نہیں ہے اور پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ دونوں مقدمے احتجاج کے قابلیت نہیں
 رکھتے کیونکہ ہشتیوں کے لیے عود بہشت میں جلا یا جائے گا اور قوم حضرت نوح علیہ السلام
 کے عذاب کا آلہ طوفان کا پانی تھا۔ در مختار میں ہے ثم قال شیخنا النجم والنن الذی
 حدث وکان حدیثہ بدمشق فی سنۃ خمس عشر بعد االف ید شادیہ انہ لایسکروا من سہم لہما
 مفتر وھو حرام لحدیث احمد عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قال تلحقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 عن کل مسکر ومفتر ولیس من الکبائر تناولہ المرقۃ والمرتین ومع فی ولی الامر عنہ حرام قطعاً
 علی ان استعمال مثله ربما اضطر علی البدن نحل الا صوار علیہ کبیرۃ کسائر اصغار
 ہمارے شیخ نجم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حقہ جو دمشق میں سالانہ میں نکالا گیا ہے اور جسکے پینے والے
 اسکا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں نشہ نہیں ہوتا اگر یہ مان بھی لیا جائے تو کم از کم اسکے پینے سے
 عقل میں فتور تو ضرور آتا ہے اور وہ حرام ہے کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
 سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ پیدا کرنے پیدا کرنے والی اور
 عقل میں فتور ڈالنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور دو ایک مرتبہ اسکا بی لینا
 کبار سے نہیں ہے اگر والی اسکے پینے سے روکے تو مطلقاً حرام ہے علاوہ برین اس طرح کی
 چیزوں کے استعمال سے بسا اوقات بدن کو نقصان پہنچتا ہے البتہ اصرار کبیرہ ہے مثل اور صنائر
 کے۔ اور جمہوی شارح اشباہ اسکو حلال لکھتے ہیں اور بعض اسکو مکروہ تنزیہی لکھتے ہیں جیسے
 بیجی پیاز۔ در مختار میں ہے وقد کرھہ شیخنا العادی فی ہدایتہ الحاقاً لہ بالثوم والبصل
 بالاولیٰ قد جر شیخ عمادی رحمہ اللہ نے اسے پیاز اور لہسن کا ایسا تاکر مکروہ لکھا ہے۔ اور شاہ
 عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حقہ پینے میں کراہت کی تین وجہیں موجود ہیں (۱) بوجہ حقہ پینے
 والے کے منہ میں رہتی ہے (۲) تشبہ باہل نار (۳) اس کے پینے سے مسلمان ملائیس بننا ہوتا ہے
 اور یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ عذاب الہی کی صورت ہے اور اسی لیے داغنے کی کراہت آئی ہے۔ اور اگرچہ

یہ تینوں وجہیں کراہت تنزیہی کو ثابت کرتی ہیں مگر اجتماع کی وجہ سے منجر بکراہت تحریمی ہیں اتنی کتب اصول میں کہیں نظر سے نہیں گذرے کہ کراہت تنزیہی کی تین وجہیں منجر بکراہت تحریمی ہو جاتی ہیں سوال حصہ یکے بولے دہن کے ساتھ مسجد میں جانا یا قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے جواب مکروہ تحریمی ہے سوال کیا احسن یا کچی پیاز کھا کر مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ سراج منیر میں ہے ولا تاكل اللحی منہا فانه مودی الملائکۃ کیا احسن یا کچی پیاز نہ کھائے کیونکہ اس سے فرشتوں کو ایذا ہوتی ہے سوال تبا کو کھانا یا تبا کو کھانا لینا کیسا ہے جواب درست ہے کیونکہ نباتات میں حرمت کی علت دو چیزیں ہیں سمیت اور سکر اور تبا کو مین و دونوں میں سے کوئی ایک چیز بھی نہیں ہے پس تبا کو کھانا مباح ہے سوال مرشد کا تصور کرنا جیسا کہ صوفیہ میں معمول ہے درست ہے یا نہیں جواب درست ہے اگر اکابر نے پاک نیت سے اس عمل کو کیا ہے سوال جو کسی قتل کسی اور جرم کی وجہ سے حاکم کے حکم سے قید کیا گیا ہو اسے سد رو پیہ صرف کر کے چھڑا دینا قیامت ہے یا نہیں جواب درست بلکہ موجب اجر ہے کیونکہ کسی کی تکلیف اور اندوہ اور ملال کو رفع کر دینا جائز ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے فرمایا ہے من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن خشیہ من مسلم کوبۃ فرجہ اللہ عنہ کوبۃ من کربات یوم القیامۃ ومن ستر مسلما ستر اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو کسی مسلمان کو تکلیف سے نجات دلاتا ہے اللہ اس سے قیامت کے دن تکلیف کو جبر کرے گا اور جو کسی مسلم کی ستر پوشی کرتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔ لیکن اگر مجبوس نے بیجائی اختیار کر لی ہے اور ایذا اور افساد میں مشغور ہو گیا ہے اور علانیہ گناہ کرتا ہے تو اس کا سزا سے اعمال بھگتنا ہی بہتر ہے جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے سوال مسلمان کا اپنی حیدون میں کافر امیرون کو نذر دینا درست ہے یا نہیں جواب اب کافر کی عظمت کرنے سے مسلمان کے قلب سے ایمان کا نور غائب ہو جاتا ہے اس کو دل میں نہ لانا چاہیے اور مجر د بدیہ کفار بقبا سے محبت و وداد کے لیے لا باس بہ ہے۔ حامد یہ میں احیاء العلوم سے منقول ہے من تبغی

منکم کا اذہب اللہ عن قلبہ نور الایمان وعن وجہہ عجاۃ الاسلام تم میں سے جو کافر کی تعظیم کرتا ہو خدا اُسکے قلب سے نور اسلام کو اور چہرہ سے اسلام کی روشنی کو نجات دے گا سوال اگر کافر اپنے مسلمان نوکر کو عید کی نماز پڑھنے سے روکے تو نوکر کو مالک کی اطاعت کرنا چاہیے یا نہیں جواب نہیں بلکہ نوکر کی چھوڑ دے کیونکہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہر سوال موت کی تمنا کرنا جائز ہے یا نہیں جواب حرام ہے حدیث صحیح میں اسکی ممانعت وارد ہوئی ہے اس لیے کہ اگر بدکار ہے تو شاید زندہ رہے تو بہ کرے اور اگر نیک کار ہے تو نیکی میں زیادتی کرے اور بعض روایات میں جو وارد ہوا ہے لایتمن احدکم الموت الا ان یشق بعملہ تم میں کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے مگر جب کہ اُسے اپنے عمل پر وثوق ہو یہ تعلیق بالحال ہے کیونکہ وثوق بالعمل اگرچہ محال عقلی نہیں ہے لیکن محال عادی اور محال شرعی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لم ینج احدکم عملہ قالوا کانت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ولا انا الا ان یعتمد فی اللہ برحمتہ تم میں سے کسی کو اعمال نجات نہ دلائیں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی اعمال نجات نہ دلائیں گے آپ نے فرمایا ان جھکو بھی اعمال نجات نہ دلائیں گے مگر یہ کہ خدا کی رحمت مجھے ڈھانپ لے۔ اور حضرت امام حسن علیہما رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ما یخاف النفاق الا مومن ولا یامتن الا مبنا فافق نفاق کا خون مومن ہی کو ہوتا ہے اور منافق نفاق سے بیخوف رہتا ہے سوال کفار سے دوستی رکھنے کا کیا حکم ہے جواب اگر دین کی وجہ سے ہو تو کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یوطلع منکم فاندہ منہم جس نے کفار سے دوستی کی وہ انہیں دین سے ہے اور اگر دنیا کی وجہ سے ہے تو دو حال سے خالی نہیں ہے یا اختیاری ہوگی یا طبعی اگر اختیاری ہو تو محل مواخذہ ہے اُسکے کم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین یحبون کو مومن ہی سے درستی کرنا چاہیے نہ کافر سے اور اگر طبعی ہو جیسے اپنے کافر لڑکے یا کافرہ زوجہ کی کو محل مواخذہ نہیں ہے سوال لڑکا مان باپ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے یا نہیں جواب کر سکتا ہے اگر والدین مان لین نہما ورنہ سکوت اختیار کرے اور والدین کے لیے استغفار کرے۔ نصاب الاحکامات میں ہے۔ اعلم ان الاموال بالمعروف

والضحی المنکر لا یسقط بحق الابوة والامومة لان فی الامر بالمعروف والنهي عن المنکر المنفعة
للمأوربه والاولاد لایحییان یوصل الولد الیها المنفعة والسنه فی امر الوالدین بالمعروف
ان ینامرهما ثم فان قبل افهما وان کرها سکت عنهما وامتنع بالبدعاء والاستغفار لهما
حقوق الابوة وامومیة سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ساقط نہیں ہوتے کیونکہ انہیں مامور بہ کا
نفع ہو اور مان باپ نفع پہنچائے جانے کے زائد مستحق ہیں والدین کے امر بالمعروف کا مستحق
طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ انھیں نیکی کی ہدایت کرے اگر وہ مان لین تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار
کرے اور اُنکے لیے توبہ اور استغفار کرتا رہے سوال ایک دسترخوان پر ایک طرف مسلمان
ایک طرف مین کھانا کھاتے ہیں اور دوسری طرف کفار دوسرے برتنوں مین کھانا کھاتے
ہیں اس صورت مین کچھ نقصان دین اسلام مین لازم آئے گا یا نہیں جواب نہیں مگر دروم
مکروہ ہے۔ عالمگیری مین ہو ولید کر محمد رحمہ اللہ کل مع المجوس ومع غیر من اهل الشرك
انہ اهل یحل ام لا وحکی عن الحاکم الامام عبد الرحمن الکاتیل انہ ایتلے بہ المسلمہ صوفیہ
او مرتین فلا یاس بہ واما الدوام علیہ فیکرہ کذا فی المحیط مجوس اور دوسرے اہل شرک
کے ساتھ کھانا حلال ہو یا حرام امام محمد رحمہ اللہ نے اسکے متعلق کچھ نہیں لکھا حاکم نے امام عبد الرحمن
کاتب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ اگر ایک آدھ مرتبہ ایسا ہو جائے تو کچھ حرج نہیں ہے
لیکن ہمیشہ ایسا کرنا مکروہ ہے سوال سراج النیر مین افیون کو حلال اور مباح لکھا ہے صحیح کیا ہے
جواب بے عذر افیون کھانا حرام ہے اور اسکے مباح ہونے کی روایت غیر معتبر ہے۔ درختار
مین ہے و محرم اکل البنیہ والحشیشۃ وہی ورق القنب ولا فیون لانہ مفسد للعقل ویسد عن
ذکر اللہ تعالیٰ وعن الصلوٰۃ لکن دون حرمۃ الخمر فان اکل شیئا من ذلک لا حد علیہ وان سکومتہ
بل یعز ربہ دون الحد کذا فی الجوہرۃ بھنگ اور افیون اور پوستے کا چھلکا کھانا مکروہ ہے کیونکہ مفسد
عقل ہے اور نماز اور ذکر خدا سے روکتا ہے مگر اسکی حرمت شراب کی حرمت سے کم ہے پس اگر افیون
کھائے تو حد جاری نہ کی جائے گی گو کہ نشہ بھی ہو بلکہ حد سے کم مرتبہ کوئی تعزیر کی جائے گی۔
اور مجمع البرکات مین ہے ولا یجوز اکل البنیہ والحشیشۃ ولا فیون وذلک کلہ اجماع لانہ یفسد
العقل لکن تحریر ذلک دون تحریر الخمر فان اکل شیئا من ذلک لا حد علیہ وان سکومتہ

كما اذا شرب البول واكل الغائط فانه حرام ولا حد عليه في ذلك بل يعزبما دون الحد
 كذا في الجوهرة بھنگ پوسے کا چھلکا اور افیون سب حرام ہیں کیونکہ منفس عقل ہیں لیکن
 اسکی تحریم شراب کی تحریم سے کم مرتبہ ہے پس اگر کچھ افیون کھالی تو حد نہیں ہے گو کہ نشہ ہو جیسا کہ
 اگر پیشاب پیا یا پاخانہ کھالیا کیونکہ یہ دونوں بھی حرام ہیں لیکن اسپر حد نہوگی بلکہ حد سے
 کم مرتبہ کی تفریک کیا گئی۔ جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ
 کی بحث سواک میں یہ حدیث بیان کی ہے ان فی الافیون سبعین مضرة اقلها نسیان
 الشهادة عند الموت افیون میں ستر نقصان ہیں جن میں سب سے کم یہ ہے کہ موت کے
 وقت کلمہ بھول جاتا ہے سوال بیاری کے عذر سے افیون کھانا جائز ہے یا نہیں جواب اگر شفا کا علم نہ ہو تو اسکا کھانا
 جائز نہیں ہے اور اگر شفا کا علم ہو اور افیون کے سوا کسی دوا سے شفا نہ ہو تو اسکا کھانا بلا کر ہست جائز ہے اور اگر
 کوئی دوسری مباح دوا سے شفا ہو سکتی ہو تو افیون کھانا مکروہ ہے۔ لھذا احتساب میں ہے
 اللہ او یل الخمر و نجرام اخر ان لم یبقین فیہ بالشفاء لا یجوز بل خلاف لان الحجة متیقن لا یشک
 بالشک وان یقن بالشفاء فیہ لدواع سواہ ایضا لا یجوز ایضا لعدم تحقق الضرر وان یقن
 بالشفاء فیہ لدواع سواہ قیل لا یجوز لقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان اللہ تعالیٰ جعل شفاءکم فیما حرم علیکم
 وقیل یجوز قیاسا علی شرب الخمر حالۃ العطش والجواب علی الاثر انہ لم یسبق صرھا فلا یکون الشفاء فی الحرام
 شراب یا کسی دوسری حرام دوا سے علاج درست نہیں ہے اگر شفا کا یقین نہ ہو بلا اختلاف کیونکہ
 حرمت یقینی شک کی بدولت نظر انداز نہیں کی جاسکتی اور اگر شفا کا یقین ہو اور اس کے سوا
 کوئی دوسری دوا موجود ہو تب بھی جائز نہیں ہے کیونکہ ضرورت متیقن نہیں ہے اور اگر اس کے سوا کوئی
 دوسری دوا بھی نہ ہو بعضون کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما
 نے کہا ہے کہ خدا نے حرام میں مسلمانوں کے لیے شفا نہیں رکھی ہے اور بعضون کے نزدیک جائز
 ہے جیسا کہ سخت پیاس کے وقت شراب پینا اسکا جواب یہ ہے کہ اسوقت اثر کے زائل ہو جانے
 کی وجہ سے حرمت جاتی رہتی ہے تو شفا حرام میں نہوگی سوال تاڑی یا سیندھی وغیرہ حلال
 ہے یا حرام جواب حرام ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے نہی
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکرو مصفر ہر مسکر اور مفسر عقل کی حضور سرور انبیاء

علیہ التحیۃ والتناہی فرمائی ہو۔ اور مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہو
 کل مسکو حرام ان علی اللہ محمد المن یشرب المسکرات حضور سرور کائنات علیہ السلام و صلوة
 نے فرمایا ہر مسکر حرام ہو یقیناً خدا پر عہد ہر شراب پینے والوں کے بارے میں۔ اور جس حبسینہ کا
 کثیر مسکر ہو اُس کا قلیل بھی حرام ہو اگرچہ سکر بھی نہ لائے احمد اور ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت
 عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہ قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما سکر
 کثیرہ فقلیلہ حرام جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہو کہ جس چیز کی کثیر مقدار
 سے نشہ ہو اُسکی تھوڑی مقدار بھی حرام ہو۔ اور عینی شائع کنز نے لکھا ہو قال محمد رحمہ والثلاثہ
 کل ما سکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان امام محمد اور ایئمہ ثلثہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہو کہ جس
 چیز کی زائد مقدار سے نشہ ہو اُسکی کم مقدار بھی حرام ہے چاہے جس قسم سے ہو سوال جائفل
 کھانا حرام ہو یا حلال جواب حرام ہو۔ درختار میں ہو وکذا تحرم جودۃ الطیب لکن دون
 حرمة الحشیۃ ایطیج جائفل کھانا حرام ہو مگر اُسکی حرمت اتنی نہیں ہو جتنی پوسٹے کے چھلکے کی
 سوال غنیہ اور نائمہ کا کب حلال ہو یا حرام جواب کمرہ تحریری ہے۔ مجمع البرکات میں ہو
 ویکرہ کسب الخبثۃ والناتحة کذا فی جوامع الفقہ نوہ کرنے اور گانے بجانے کا بیشہ حرام ہے
 جیسا کہ جامع الفقہ میں ہو سوال غیث مال کیا جائے جواب اگر اُسکا مالک معلوم ہو تو اُسے
 لوٹا دیا جائے ورنہ اُس شخص کو خیرات میں دیدیا جائے جسے صدقہ لینا جائز ہو۔ شرب بلالی نے کہا ہے
 ان الخبثۃ واجب التصدیق فلا یأخذ الا من یجوز له اخذ الصدقة مال غیث کا تصدیق
 واجب ہو اور اُسے صرف وہی شخص لے سکتا ہو جو صدقہ لے سکتا ہو۔ اور عالمگیری میں ہو امرأة ناتحة
 او صاحب طیل او مزار کتبیہ الا قال ان کان علی شرط ردہ علی اصحابہ ان عرفہ یرد بقولہ علی
 الشرطان شرطوطافی اولہ بلزاء التیاحتا وباراع الفناء وھذا لانه اذا کان الاخذ علی الشرطان المال
 بمقابلۃ المعصیۃ فکان الاخذ بمعصیۃ والسبیل فی المعاصی رجھا وخلق ھہنا برد الماخوذ
 ان کان من ردہ بان عرف صاحبہ وبالتصدق منہ ان لم یعرفہ لیصل الیہ نفع مالہ
 ان کان لا یصل الیہ مالہ اما اذا لم یکن الاخذ علی شرط لم یکن الاخذ بمعصیۃ
 والدفع حصل عن المالك بوضاء فیکون له ویكون حلالا له نوہ کر نیولی یا گانے

بجائے والی عورت نے جو مال حاصل کیا ہے اگر وہ شرط کی بنا پر وصول کیا گیا تھا تو اُسے اُنکے مالکوں کو واپس کر دینا چاہیے اگر اُنکو پہچانتی ہو اور شرط کی بنا پر وصول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے نوہ کرنے یا لگانے کا اُس سے کچھ معاوضہ مقرر کر لیا گیا ہو اس کا سبب یہ ہے کہ جب مال شرط کی بنا پر لیا جائے تو معصیت کے معاوضہ میں ہوگا پس اُس مال کا لینا بھی معصیت ہوگا اور معاصی سے خلاصی اُس مال کے واپس ہی کر دینے میں ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ جو کچھ لیا ہے وہی واپس کرے اگر اُس مال کے دینے والے کو جانتی ہو اور اگر جانتی ہو تو صاحب مال کی طرف سے خیرات کر دے تاکہ اُس کو اُس مال کا نفع حاصل ہو جائے اور اگر جو کچھ لیا ہے وہ شرط کی بنا پر نہ تھا تو اُس کا لینا معصیت بھی نہ ہوگا کیونکہ مالک نے اپنی رضا مندی سے دیا ہے پس وہ مال اُسکی ملک ہوگا اور اُسکے لیے حلال ہوگا سوال ڈھول بجا کر بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز نہیں ہے سوال ولیمہ کی دعوت کا اور اُس کے قبول کرنے کا اور مطلقاً دعوت کے قبول کرنے کا اور ہندو دن اور شیون کی دعوت قبول کرنے کا کیا حکم ہے اور ہندو اپنی عید کے جو ہدیے دین اُنکو قبول کرنا یا مسلمانوں کا اپنے عیدوں کے دن ہندو کو ہدیہ دینا کیسا ہے جواب دعوت کا قبول کرنا بعضوں کے نزدیک واجب اور عوام فقہاء کے نزدیک سنت ہے۔ عالمگیری میں ہے اختلاف فی اجابۃ الدعوت قال بعضهم واجبة لا یسع ترکھا وقالت العامة ہی سنۃ اجابت دعوت میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک واجب اور عوام فقہاء کے نزدیک سنت ہے۔ لیکن فاسق معلن اور اکل ربوا اور جس کا غالب مال حرام ہو اُسکی دعوت نہ قبول کرنا چاہیے اور اگر وہ کے کہ میرا مال حلال ہے میں نے وراثہ پایا ہے یا میری نافرمانی ہے تو اُس کی دعوت قبول کرنا جائز ہے اور جس کا غالب مال حلال ہو اُسکی دعوت قبول کرنا جائز ہے۔ مگر جب یہ متیقن ہو جائے کہ اُس نے حرام مال سے دعوت کی ہے تو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے لا یجیب دعوة الفاسق المعلن لیعلم انہ غیر راض بفسقه وکذا من غالب ماله من حرام ماله غیر انہ حلال وبالعکس یجیب ماله یتبین عندہ انہ حرام کذا فی القوت شفی فاسق معلن کی دعوت نہ قبول کرو تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ تم اُسکے

فسق سے راضی نہیں ہوا اسی طرح اُسکی دعوت بھی نہ قبول کر و جس کے مال کا اکثر حصہ
 حرام ہے تا وقتیکہ وہ یہ نہ بتا دے کہ یہ دعوت مال حلال سے ہے اور اگر اکثر حصہ حلال ہو
 تو قبول کر لو تا وقتیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ یہ دعوت حرام مال سے کی گئی ہے جیسا کہ قرماشی میں
 ہے۔ اور طعام ولیمہ سنت ہو اور ولیمہ کا وقت دخول کے بعد ہو اور بعض کے نزدیک عقد
 نکاح اس کا وقت ہو ایسا ہی بعض حواشی مشکوٰۃ میں ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے
 کہ ولیمہ کا وقت تین دن تک ہو اور ولیمہ کی دعوت کا قبول کرنا بھی سنت ہو بشرطیکہ
 منکرات شرعیہ سے خالی ہو۔ اور جو دعوت اس دیار میں شادی کے پہلے یا دھن والون
 کی طرف سے رات کے دن نکاح کے بعد مروج ہے وہ مباح ہے اُسے بھی قبول کرنا
 چاہیے بشرطیکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو جیسا کہ اربعین میں ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے
 ولا یجیب الی طعام صنع ریاء وسمعت کذا فی شریعتہ الا سلام اُن کھانوں کی دعوت
 نہ قبول کرو جن میں دکھا دیا یا کاری ہو۔ اور کافر کی ضیافت کرنا اور اُس کی ضیافت
 قبول کرنا جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے وفي التعالیق لا یاس بان یضیف کافر لقرابۃ
 او لحاجۃ کذا فی القرماشی ولا یاس بالذہاب الی ضیافت اہل الذمۃ ہکذا ذکرہ حرج
 تعلیق میں ہے کہ کسی کافر کی ضیافت قرابت یا ضرورت کی وجہ سے کرنے میں کچھ حرج نہیں
 ہے جیسا کہ قرماشی میں ہے اور اہل ذمہ کی ضیافت میں جانا کچھ حرج نہیں رکھتا ہے یہ
 امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ جامع البرکات میں
 بزبان فارسی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے عزیزوں اور ہمسایوں اور دوستوں کو اہل
 میت کے لیے کھانا بکوانا مستحب ہو اور بعض نے کہا ہے کہ پہلے دن کھانا بچا کے اہل میت
 کو بھیجا بھی کر وہ نہیں ہے کیونکہ وہ اُس دن تجیز و تکفین میں مشغول رہتے ہیں اور
 دوسرے دن بھیجا کر وہ ہے اگر رونے والی عورتیں جمع ہوں اور اس میں اختلاف کیا ہے
 کہ غیر اہل مصیبت کو وہ کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں۔ ابو القاسم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو
 شخص تجیزیت میں مشغول ہو اُسے کھانا چاہیے جیسا کہ مطالب المؤمنین میں ہے انتہی۔
 اور اگر اہل مصیبت فقیروں کے لیے کھانا بکائیں تو بہتر ہے جب کہ ورثا الخ ہوں اور

اگر نابالغ ہوں تو ترک میت سے نہ کھانا چاہیے۔ عالمگیری میں ہے: وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اذا كانت الورقة بالغين فان كان في الورقة صغير لم يتخذ واذلک من التركة کذا فی التاتارخانیۃ اگر فقرا کے لیے کھانا پکائیں تو بہتر ہے بشرطیکہ تمام درنا نابالغ ہوں ورنہ اس کھانے کے اخراجات ترکہ سے نہ لیں جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور تین دن تک جو لوگ تعزیت کو آتے ہیں اُنکے لیے کھانا پکانا مباح نہیں ہے اور جو شخص دوسرے آیا ہو اگر اُسکے لیے کھانا پکایا جائے تو اُسے کھانا درست ہے۔ مجمع البرکات میں ہے کہ لا یباح اتخاذ الضیافة ثلثة ايام فی ايام المصیبة ايام مصیبت میں تین دن ضیافت مباح نہیں ہے۔ اور درمختار کے کتاب الوصایا میں ہے: وجعل لمن طال مقامه او صافته لامن لم یطل اُس شخص کے لیے حلال ہے جس کا مکان دور ہو یا مسافرت زائد ہو نہ اُسکے لیے جس کی مسافت زائد ہو۔ اور کفار کی حید کے اُنکے اُس دن کو معظم سمجھ کر ہرے بھیجا کفر ہے ورنہ ہرے بھیجنے سے مسلمان کا فرہنگ گم نہ بھیجنا اچھا ہے اور مسلمانوں کی عید کے دن کفار جو ہرے لائیں اور مسلمان اُنکی خوشنودی کے لیے لیں تو دین میں ضرر ہوگا اور اگر بلا لحاظ خوشنودی کفار لیں تو کوئی حرج نہیں ہے مگر اس سے احتراز کرنا اولیٰ ہے۔ درمختار میں ہے: ولا اعطاء باسم النیر و المرحان لا يجوز ای الھدایا باسم ھذین الیومین حرام وان قصد تعظیہ کما یعظمہ المشرکون لیکفر قال ابو حفص الکبیر لو ان رجلا عبد الله خسین سنة ثم اھلک بشرة یوم النیر و بیضیۃ یرید تعظیہ یومہ فقد کفر و حبط عملہ انتھ و لو اھلک مسلم ولم یرد تعظیہ الیوم بل جرى علی عادۃ الناس لا یکفر و ینبغ ان ینفعل قبلہ او بعد نفیاً للشبهة ولو شری فیما لم یشرہ قبلہ ان اداد تعظیہ کفر وان اداد الاکل والشرب والتنعیم لا یکفر انتھ و فی مجمع البرکات مایاتی المجوس فی نیر و ھم من الاطعمۃ الی اکابر و السادات ومن کان معهم معرفۃ من ذھاب و محجی بحال اخذ ذلک و ھل یقول دین الاخذ فقد قیل من اخذ ذلک علی وجه الموافقة لفرحم یضو ذلک لدینہ وان اخذ لا علی ذلک الوجه لا باس بہ والا حتر از عنا سلم کذا فی مطالب المؤمنین نا قلامن الذ خیرۃ والمحیط نور و ز اور مرجان کے نام سے دینا جائز نہیں ہے یعنی ان دونوں دنوں میں ہرے بھیجنا حرام ہے اور اگر مشرکین کی طرح اُن دنوں کی تعظیم کی قصد سے

ایسا کیا تو کافر ہو گیا ابو نفص کبیر رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ اگر کسی نے پچاس سال تک خدا کی عبادت کی پھر نوروز کے دن کسی مشرک کو ایک انڈا ہدیہ میں بھیجا اور اُس سے اُسکا مقصد اُس دن کی تعظیم تھی تو وہ کافر ہو گیا اور اُسکے اعمال بیکار ہو گئے انتہی اور اگر کسی مسلمان کو ہدیہ بھیجا اور اس سے اُس دن کی تعظیم مقصود نہ تھی بلکہ عادیہ ایسا کیا تو کافر نہ ہوگا لیکن ویسا اُس دن کے قبل اور بعد بھی کرنا چاہیے تاکہ شبہ کا دغیہ ہو جائے اور اگر اُس دن کوئی ایسی چیز خریدی جو اُسکے قبل نہیں خریدی تھی اور اُس سے اُس دن کی تعظیم کا قصد کیا تو کافر ہو گیا اور اگر کھانا پینا آرام اور آسائش مقصود تھی تو کافر نہ ہوگا اور مجمع البرکات میں ہے نوروز کے دن مجوس جو کھانے اکابر کے پاس لے جاتے ہیں اور اسی طرح اُن لوگوں کے پاس جن سے اُن سے جان پہچان ہوتی ہے تو اُسکے لینا جائز ہے اور لے لینے والے کے دین میں نقصان کے متعلق بعضوں نے کہا ہے کہ جس نے ان کھانوں کو میل جول کی وجہ سے اُنکو خوش کرنے کے لیے لیا تو یہ اُس کے دین میں نقصان رسان ہوگا اور اگر اسکا خیال نہیں ہے تو کچھ حرج نہیں البتہ اس سے بچنا اچھا ہو یہ مطالب المؤمنین میں ذخیرہ اور محیط سے نقل کیا ہے سوال سرکار انگریزی سے بشن لینا جائز ہے یا نہیں جواب بظاہر پیش صلہ اور تبرع اور احسان ہے نہ نوکری کا بدلہ کیونکہ نوکری کی تنخواہ نوکری کے زمانے میں شخص پانچکا ہے اور نصارے کا صلہ قبول کرنا جبکہ اُس میں اسلام کی توہین نہ ہو جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے ہذا ہوا الکلام فی صلتہ المسلم المشرک وحننا الی صلتہ المشرک المسلم فقد روی محمد فی السیل لکبیرا خبیرا صغارضة فی بعضہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ہدایا المشرک و فی بعضہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یقبل فلا بد من التوفیق واختلف عبارات المشائخ فی وجہ التوفیق فعبارۃ الفقیر ابو جعفر الہندی انی ان ماروی انہ لم یقبلہا محمول علی انہ لم یقبلہا من شخص غلب علی ظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ وقع عند ذلک الشخص ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما یقاتلہم طعنا لئلا لا یعلاء کلمۃ اللہ وکایموز قبل الہدیۃ من مثل ہذا الشخص فی زمانہا وما روی انہ یقبلہا محمول علی انہ قبلہا ظن شخص غلب علی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ

والہ وسلم انہ وقع عند ذلك الشخص ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اغاها تكم كغراذ
الدين ولا علا عكبات الله العليا لا طلب المال وقبول الهدية من مثل هذا الشخص جاز
في زماننا ايضا ومن المشائخ من وقف من وجها خرو قال لم يقبل من شخص علم
انہ لو قيل يقبل صلابته وعزته في حقه ويلين له بسبب قبول الهدية وقبل من
شخص علم انہ لا يقبل صلابته وعزته في حقه ولا يلين بسبب قبول الهدية كذا في المحيط
یہ کلام تو اُس صلہ کے متعلق تھا جو مسلم مشرک کے ساتھ کرے اب کس متعلق توجہ کرنا چاہیے کہ مشرک
جو مسلم کے ساتھ صلہ کرے تو امام محمد رحمہ اللہ نے سیر کبیر میں اسکے متعلق متعارض اخبار روایت
کیے ہیں بعض میں یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ہدایا کو قبول کیا
ہو اور بعض میں یہ ہے کہ قبول نہیں کیا ہو ان روایات میں تو فقیہ ضروری ہے مگر طریقہ موافقت
میں بھی عبارات مشائخ مختلف ہیں فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو روایت
عدم قبول کی ہے وہ اُن مشرکین کے ہدیے کے متعلق ہے جنکے خیال میں نبی کریم علیہ التحیۃ
والتسلیم (عیاذ باللہ) اس قدر سعی مال کی طمع میں کرتے تھے اور دعوت الے اللہ آپ کا منشا
نہ تھا اور بلا شک ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگوں سے ہدیہ لینا درست نہیں ہے اور
جو قبول کی روایت ہو وہ اُن مشرکین کے ہدایا کے متعلق ہے جنکی بابت حضور سرور انبیاء علیہ
الغیۃ والثناء کو ظن غالب تھا کہ اُنکے نزدیک آپ کا جلال و قتال صرف اعلیٰ کلمۃ اللہ اور
اعزاز دین کی غرض سے ہے نہ کہ طلب مال کے لیے اور ایسے شخص کا ہدیہ قبول کرنا ہمارے زمانے میں
بھی جائز ہے اور بعض نے یوں موافقت دی ہے کہ آپ نے اُن لوگوں کا ہدیہ نہیں قبول
کیا جنکے متعلق یہ خیال تھا کہ ہدیہ قبول کرنے کی صورت میں آپ اُن کے ساتھ نرمی
اکر جائیں گے اور آپ کے غلبے اور سختی میں کمی آجائے گی اور اُن لوگوں کا ہدیہ قبول
اکر لیا جن کے متعلق ایسا خیال نہیں تھا جیسا کہ محیط میں ہے سوال حافظ یا غیر حافظ نے
اگر کمین قرآن شریف پڑھا اور پہلے سے یہ معلوم نہ تھا کہ اُسے کیا ملے گا اور تلاوت
کے بعد کسی شخص نے نظر تبرع و احسان اُسکو کچھ دیا تو اُسے لینا جائز ہے یا نہیں جواب
اس کے لینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے اور یہ صورت ولا تشتر با بایاتی ثمنًا

قلیلا کے تحت مین داخل نہیں ہوتی ہے۔ تفسیر وارک مین ہر ولا تشتروا ولا تشتبدوا
 بأیاتی بتغیروها و تحریفھا ثمتا قلیلا قال المحسن هو الدنيا بحد افیرھا وقیل هو
 الریاسة التي كانت لهم فی قومهم فوا علیہا الفوات لو اتبعوا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم اور نہ خرید و یا نہ مبادلہ کرو میری آیتوں سے اُن کو بدل کے اور تحریف کر کے
 معمولی دام حسن رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ثمن قلیل ساری دنیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے
 کہ ریاست ہے جو کہ قوم مین حاصل ہو اور رسول اللہ کی اتباع سے اُس کے چلے جانے کا
 خوف ہو سوال جواب زنا اور غنا اور دوسرے امور محرّمہ سے حاصل ہو اُس سے
 دعوت کرنا اور ہدیہ دینا درست ہے یا نہیں اور ایسی دعوت یا ہدیہ قبول کرنا چاہیے یا
 نہیں جواب خبث مال کی وجہ سے درست نہیں ہے اور شرعی حیلہ یہ ہے کہ اشیاء قرض
 خرید کر کے دعوت کرے اُس کا قبول کرنا جائز ہے پھر قرض اُسی مال سے ادا کرے
 قال علیہ السلام مھر البخی خبیث رواہ مسلم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا ہے کہ مہر بنی خبیث ہے اسکو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور شراح حدیث نے کہا ہے
 البخی للزانیۃ ومہر ہا ما یعطیہا الزانی یزنی بها حرام بالاجماع نبی اور مہر زانیہ یعنی وہ
 مال جو زانی اُسے دیکر اُس کے ساتھ زنا کرے بالاجماع حرام ہے۔ اور عینی اور صاحب معراج الدرایہ
 نے اپنی ہدایہ کی شرحون کے کتاب الکراہۃ مین تیمیہ سے نقل کر کے لکھا ہے من السخف
 ما یاخذہ المغنیۃ والناثخۃ ومہر البخی وہ جو گلے والی اور نوچہ کرنے والی عورت مین
 لیتی ہیں اور مہر یعنی سب حرام ہیں۔ اور عالمگیری مین ہے وعن محمد بن فی
 کسب المغنیۃ ان قضی بہ دین لم یکن لصاحب الدین ان یاخذ وہ واما فی القضاء
 فهو یجوز علی الاخذ والحیلۃ فی ہذہ المسائل ان یشتری نسیتہ ثم یقذف ثمنہ من
 ای مال شاء وقال ابو یوسف سالت ابا حنیفۃ عن الحیلۃ فی مثل ہذا فاجابنی
 بما ذکرنا کذا فی الخلاصۃ امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر مغنیہ اپنے کسب کے مال
 سے مہر من ادا کرے تو صاحب دین کو اُس مال سے ٹلینا چاہیے مگر قاضی کے یہاں

مہر تحت ہا مہر حرام اور ایسا کسب جو تنگ اور غار کا باعث ہو مستہرم

وہ لینے پر مجبور کیا جائے گا تو اس قسم کے مسائل میں حیلہ یہ ہے کہ قرض کچھ خرید سے بھر
اُسکے دام جس مال سے چاہے ادا کرے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہی حیلہ بتایا ایسا ہی خلاصہ میں ہے
سوال اگر ہندو ہو لی یا دیوالی کے دن معزز مسلمانوں کے سامنے سٹھائی وغیرہ پیش
کریں تو مسلمانوں کو لینا درست ہے یا نہیں جواب درست ہو مگر فرحت اور سرور
میں کفار کی عید کے دن موافقت نہ کرنا چاہیے سوال عورتوں کو بنظر زینت و کشادگی
پیشانی ماتھے کے بال چننا اور مردوں کا ایسا لباس پہننا درست ہے یا نہیں جواب
عورت کے سر کے بال حکم میں ویسے ہیں جیسے مردوں کی داڑھی کے بال جس طرح مرد
کو داڑھی چننا ناجائز ہے اُسی طرح عورت کو سر کے بال چننا ناجائز ہے اور زینت اگرچہ
عورتوں کے لیے جائز ہے لیکن اس کی بنائی چیز کو بگاڑنا زینت نہیں ہے اور عورتوں کو
مردوں کا ایسا لباس پہننا تشبہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔ نصاب الاحساب میں ہے
ذکر فی النوازل فی کتاب النکاح سئل ابو بکر رضی عنہ امراة قطعت شعرها قال علیہا ان تستغفر
اللہ وتتوب لا تعود الی مثله قيل فان فعلت ذلك باذن زوجها قال لا طاعة للمخلوق فی
معصیة الخالق قيل له لہ لا یجوز ذلك لها قال لا غاشبت نفسہا بالرجال وقد قال النبی
صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال
لان الشعر لمرأة بمنزلة اللحية للرجل فلما لا یحل للرجل ان یقطع لحیة فكذا لا یحل للمرأة ان تقطع شعرا
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت نے اپنے سر کے بال کاٹ ڈالے انھوں
نے جواب دیا کہ اُسے توبہ اور استغفار کرنا چاہیے اور پھر ایسی حرکت نہ کرنا چاہیے تو
اُن سے پوچھا گیا کہ اگر اُس نے ایسا شوہر کی اجازت سے کیا ہو تو انھوں نے جواب دیا
خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنا چاہیے پھر اُسے پوچھا گیا کہ آخر اس کے عدم
جواز کی کیا وجہ ہے انھوں نے کہا کہ مردوں کے ساتھ تشابہ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے کہ اُن مردوں پر جو عورتوں کے مشابہ بنتے ہیں اور اُن عورتوں پر
جو مردوں کے مشابہ بنتی ہیں خدا لعنت کرتا ہے اور اس وجہ سے کہ عورت کے لیے

سر کے بال دیسے ہی ہیں جیسے مردوں کے لیے داڑھی تو جس طرح مرد کو داڑھی کا کٹنا درست نہیں اُسی طرح عورت کو سر کے بال کا ٹنا درست نہیں ہے۔ جیسا کہ کبرے اور ظہیر میں ہے سوال داڑھی نکلنے سے پہلے داڑھی نکلنے کی جگہ پر استرا بھروانا کیسا ہے جواب لا باس بہ ہے کیونکہ اس حالت میں وہ مقام دوسرے اعضا کے مثل ہے مگر اسکا ترک اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم سر رہ الراجی عفور بہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تاج و زامن ذنبہ الجلی والحفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

کتاب الاکل والشرب

سوال زید نے ایک پاسن کو کلمہ پڑھا کے مسلمان کیا اور زید نے اپنے کٹوے میں پانی منگا کر سہا کہ تھوڑا پلا یا پھر خود پیا اور لوگوں کو پلا یا۔ جلسہ برخاست ہونے کے بعد صرف یہ بات انہیں معلوم ہوئی کہ آیا مسلمان کرنے کا یہی قاعدہ ہے یا اسی قوم کے مسلمان کرنے کا یہ خاص طریقہ ہے یا اگر اس قاعدے کا برتاؤ نہ ہوتا تو مسلمان ہونے میں شک ہوتا اور بلا ضرورت یہ فعل کرنا داخل جہالت ہے یا نہیں جب وہ کلمہ پڑھ چکی تو زید کو یاد دوسرے مسلمانوں کو اُس کے اسلام میں کیا شک باقی رہا وہ عورت پہلے سر میں رہتی تھی اور حرام کاری اُسکا پیشہ تھا لیکن لوگ اُسکی قومیت کی وجہ سے اُس سے پرہیز کرتے تھے اور اب مسلمان ہو جانے کی وجہ سے لوگ اُس سے پرہیز نہیں کرتے باوجودیکہ وہ وہیں رہتی ہے اور وہی پیشہ کرتی ہے۔ اور زید کا تقوے ایسا تھا کہ وہ دوسرے کے لوٹے سے کبھی وضو نہیں کرتا تھا ایسے شخص سے جب ایسا فعل سرزد ہوا تو تعلق غرض و جاہلیت و نفوت و حماقت ہوا یا نہیں جواب مسلمان کرنے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اُسکا جھوٹا پانی پیے یا دوسرے کو پلانے اور یہ فعل بلا وجہ و بلا ضرورت شرعی نفوت میں داخل ہے درختار وغیرہ میں ہے کہ اجنبیہ عورت کا جھوٹا اجنبی مرد کو اور اجنبی مرد کا جھوٹا اجنبیہ عورت کو اگرچہ پاک ہے لیکن مکروہ ہے اور رد المحتار میں ہے کہ کراہت اُس وقت ہے جب استلذاتو مقصود ہو۔ درختار کی عبارت یہ ہے نعم مکرہ سورہا للرجل کعکسہ للاستلذات

واستعمال دبیق الغیر وهو لا یجوز کذا فی المجتبی عورت کا سچوٹا مرد کے لیے مکروہ ہے
 اسی طرح اسکا عکس بھی کیونکہ اس میں لذت حاصل کرنا اور دوسرے کے حقوق کا استعمال
 کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔ اور رد المحتار کی عبارت یہ ہے قال
 الرضیٰ ویجب تقییدہ بغیر الزوجة والمحامد رطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں غیر
 زوجہ و محارم کی قید لگا دینا چاہیے۔ اور اسی میں ہے والذی یظہر ان العلة الاستلزام
 فقط ویفہم ما حثت الاستلزام لا کراهة لاسیما اذا کان یغافہ بظاہر علت صرف
 لذت حاصل کرنا معلوم ہوتی ہے اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب استلزام مقصود نہ تو یہ امر
 بھی مکروہ نہ ہوگا خصوصاً جبکہ وہ اسے ناگوار جانتا ہو۔ پس رد مختار کے قول کے موافق زید
 کا یہ فعل مکروہ ہوا اور رد المحتار کے قول کے موافق اگر استلزام ہوا تو مکروہ ہوا اور بر تقدیر
 عدم استلزام اگرچہ مکروہ نہیں ہوا لیکن اس سے اجتناب اولیٰ تھا سوال ہندو کی
 جھوٹی یا پکائی ہوئی چیز جو اس نے احتیاط کے ساتھ پکائی ہو مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں
 جیسا کہ فتاویٰ غرائبہ میں ہے ولا یکره للمسلمین ان یغزی الکافرین ویعود
 مرضاھم ویاکل طعامھم فی السواحیۃ لا باس بطعام المجوسی الا الذبیحۃ مسلمانون
 کے لیے یہ مکروہ نہیں ہے کہ کافروں کی تعزیت کریں اور ان کے مریضوں کی عیادت کریں اور
 انکا کھانا کھائیں اور سرارجیہ میں ہے کہ ذبیحے کے سوا مجوسی کے اور کھانوں کے کھانے
 میں کچھ حرج نہیں ہے جواب جائز ہے جیسا کہ خزائنہ الروایات میں ہے فی متفرقات
 دستور القضاء عن الینابیح لا باس بعیادۃ اهل الذمۃ وحضور جنازہم و
 اکل طعامھم والمعاملة معہم وفي المضمرات لا یکره للمسلمین ان یغزیھم ویعود
 مرضاھم ویاکل من طعامھم دستور القضاء کے باب المتفرقات میں ینابیح سے نقل
 کیا ہے کہ اہل ذمہ کے بیمار کی عیادت کرنے اور ان کے جازون پر حاضر ہونے اور انکا
 کھانا کھانے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور مضمرات میں
 ہے کہ مسلمانوں کے لیے انکی تعزیت کرنا اور ان کے مریضوں کی عیادت کرنا اور ان کا
 کھانا کھانا مکروہ نہیں ہے سوال خرگوش اور جھینگا حلال ہے یا نہیں جواب خرگوش

حلال ہے یعنی شرح کنز میں ہے حل الاذن لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر اصحابہ
 ان یاکلواہ ورواہ احمد والنسائی خرگوش حلال ہے کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ
 السلام والصلوٰۃ نے اپنے اصحاب کو خرگوش کے کھانیکا حکم دیا ہے اسکو احمد اور نسائی رحمہ
 روایت کیا ہے۔ اور جھینگا جسکو اوبیان بکسر ہمزہ کہتے ہیں جیسا کہ صحاح وغیرہ سے معلوم
 ہوتا ہے حلال ہے کیونکہ وہ مچھلی کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور مچھلی کے تمام اقسام بالاتفاق
 حلال ہیں اور جن لوگوں نے اسکو حرام لکھا ہے وہ اسے مچھلی کی قسم سے نہیں سمجھتے حالانکہ
 یہ مچھلی ہی ہے۔ حامد یہ میں ہے الذود الذی یقال لہ جھینگہ حرام عند بعض العلماء
 لانہ لا یشبہ السمک فانما یباح عندنا من صید البحر انواع السمک وھذا لایکون
 كذلك وقال بعضہم حلال لادہ لیسعی باسم السمک وہ کیڑا جسے جھینگا کہتے ہیں بعض علما
 کے نزدیک حرام ہے کیونکہ وہ مچھلی کے مشابہ نہیں ہے اور ہمارے نزدیک دریائی جانور
 میں سے صرف مچھلیوں کے اقسام حلال ہیں اور یہ ان میں سے نہیں ہے اور بعض لوگ اسے
 حلال کہتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک یہ مچھلی ہے سوال اور چھڑی اور کچی پیاز کا کھانا حلال ہے یا
 حرام یا مکروہ اور جالی مرد یا عورت دونوں کو پہننا درست ہے یا نہیں جواب اور چھڑی کا کھانا
 مکروہ ہے اور کچی پیاز کھانے کی مانعت حدیث میں موجود ہے کیونکہ منہ سے بو آتی ہے اور بعض
 کے نزدیک عورت کو باریک کپڑا پہننا جالی ہو یا ملس وغیرہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ ستر
 واجب ہے اور بعض کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کے لیے مکروہ ہے جیسا کہ زواہر میں
 ہے آخرچہ مسلم وغیرہ صنفان من اھل النار لہما قوم معہم سیاط کا ذناب البقر یضربون بہما
 الناس نساء کاسیات عاریات مائلات رؤسھن کاسنمۃ البخت المائلۃ لایدخلن
 الجنة ولا یجذن دیمھا وان ریحھا لیلو جد من مسیق کذا وکذا انتھوا بن حبان فی صحیحہ اللفظ
 لہ والحاکم وقال صحیحہ علی شرط مسلم لیکون فی اخر امتی رجال یرکبون علی مروج کاسنام الحال ینزلون
 علی ابواب المساجد نسائھم کاسیات عاریات علی رؤسھن کاسنمۃ البخت العجاۃ والعنوب فانھن ملعونات لئن ذکھذا فی
 الکتاب لوظاھر لما فیہ من الوعید الشدید مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ اہل النار کی دوسری
 ہیں جنکو میں نے نہیں دیکھا ہے ایک قوم ہے جس کے ساتھ گائے کی دم کے ایسے کوڑے

ہیں جن سے لوگوں کو مارتے ہیں اور عورتیں ہیں جو باوجود کپڑے پہننے کے تنگی ہوتی ہیں خود مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور انکو اپنی طرف مائل کرتی ہیں انکے سر سختی اونٹوں کے کوہان کے ایسے ہیں یہ لوگ جنت کی بوتلم نہ پائیں گے اور اُسکی بو اتنی اتنی دور سے پائی جائے گی اتنی اور ابن جان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں (اور انھیں کے الفاظ ہیں) اور حاکم نے کہا ہے کہ میری آخرت میں ایسے لوگ ہونگے جو ایسے زینوں پر سوار ہونگے جو کجاوون کے کوہانوں کی ایسی ہونگی مسجدوں کے دروازوں پر اترینگے انکی عورتیں باوجود کپڑے پہننے کے تنگی ہونگی انکے سروں پر سختی دبلے اونٹوں کے کوہانوں کی ایسی (دو بیان) ہونگی کیونکہ وہ ملعون ہیں آخر اسکا کبار میں ذکر کرنا ظاہر ہے کیونکہ اسکے لیے شدید وعید ہے۔ اور عالمگیری میں ہے واما اذا كان دقيقا لا يصلح لذلك فان ذلك مكرهه بلا جرم لیکن جب ہمیں ہوا سکی رستنی صلاحیت نہ رکھے تو بالاجماع مکروہ ہے۔ واما اعلم نفع خادم او لیا اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد [علی محمد فی الواقع او جڑی کھانا مکروہ ہے] ابو داؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اكل ثومًا او بصلا فليعتزلنا او ليحضر مسجدنا رسول خدا علیہ التحیۃ والتسلیم فرمایا ہے کہ جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہمیں یا ہمارے مسجد کو چھوڑ دے۔ اس سے پیاز کھانے کی گمراہیت بخوبی ثابت ہوتی ہے اور حدیث کی روایتوں سے ثابت ہے کہ عورتوں کو باریک کپڑا پہننا جو ستر میں مغل ہو حرام ہے۔ واما اعلم حرہ الراعی عقوبۃ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابو الحسنات محمد عبدالحی] سوال ان چیزوں کا کھانا جو ہندو اپنے عیدوں کے دن مسلمان زمینداروں کے سامنے پیش کریں جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے واما اعلم بالصواب کتبہ عبد السلام عفی عنہ۔ صبح الجواب محمد شکر اللہ عفی عنہ۔ الجواب صحیح حمایت اللہ دہلوی عفی عنہ۔ زمیندار کو مقرر شدہ سے ناکال لینا جائز نہیں ہے اور اگر رعایا اپنی رضامندی اور خوشی سے کچھ پیش کریں تو مسلمان زمیندار کو اُسکے لینے میں کچھ ہرج نہیں ہے۔ واما اعلم بالصواب حرہ محمد امانت اللہ واقعی جو چیزیں ہندو اپنی خوشی سے اپنی عیدوں کے دن پیش کریں ان کا کھانا جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اُس دن

انکے ہرے نہ قبول کیے جائیں تاکہ شیعہ موافقت سے اجتناب ہو۔ ذخیرہ میں ہر لا یسبغ للمؤمن ان یقبل ہدیۃ کا خد فی یوم عید ہم ولو قبل لا یعطیم ولا یرسل الیہم شدیداً مسلمان کو یہ نہ چاہیے کہ کافروں کی عید کے دن کسی کافر کا ہدیہ قبول کرے اور اگر قبول بھی کرے تو انکو کچھ نہ دے اور نہ انکی طرف کچھ بھیجے سوال ہندو کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا اور بہت دھو کے چھوے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے۔ والدعلیم حمید ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ صبح الجواب والداعلم بالصواب حررہ الراجی عفورہ القوی ابوالحسنات محمد عبد تجا وزا سعد بن ذنبہ اجملی واحتی سوال اگر کوئی کسی مٹی کے برتن وغیرہ میں کھانے کو رکھ کر ٹوکے میں رکھے اور چار کے سر پر رکھے کہیں بھیجے یا یہیں اسی طرح کھانا آئے تو اس میں کسی طرح کی کراہت ہے یا نہیں اور اسی طرح اگر مسلمان گھرے میں پانی بھر کے اپنے ہاتھ سے ہنگی میں رکھ دے اور ہنگی ہندو کا ہار اٹھا لائے اور پھر ہنگی سے مسلمان اُس گھرے کو نکال کے رکھ لے تو اُس پانی کی ہمارت میں کلام ہے یا نہیں جواب نہیں۔ والدعلیم حمید ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ صبح الجواب والداعلم بالصواب حررہ الراجی عفورہ القوی ابوالحسنات محمد عبد تجا وزا سعد بن ذنبہ اجملی واحتی سوال صاحب حیوۃ الحيوان اور صاحب فتاویٰ برہنہ ہر ہر کو حرام اور مکروہ لکھتے ہیں اور صاحب قایۃ الکلام و تمیز الکلام حلال لکھتے ہیں اس میں حنفیہ کے نزدیک قول فیصل کیا ہے جواب حنفیہ کے مذہب میں ہر ہر حلال ہے اور کتب معتبرہ میں حرمت یا کراہت مذکور نہیں ہے خزانۃ المفتیین میں ہر اکل الخطاف والحدھد وکل ذی طوق لا باس بہ خطاف اور ہر ہر اور ہر حلقہ دار جانور کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور بزاز میں ہر اکل الحدھد لا باس بہ ولا باس بالخطاف والقمری وکل مالیس لہ مغلب یختطف بہ ہر ہر کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے اور خطاف اور قمری اور ہر اُس جانور کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے جس کے چنگل نہوں جن سے وہ شکار کرے۔ اور ظہیر یہ میں ہے اکل الخطاف والصلصل والحدھد لا باس بہ لا غالیست من الطیور والقیض ذوات مغلب

لن خطاف بضم الخاء و تشدید الطاء سیاہ رنگ کی ایک چڑیا جو کونارسا میں فرشتوں کے ہین کڑا فی منقح الارب ۱۱ مترجم

خطاف فاختہ اور ہر ہر کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ یہ چیکل والے جانور دن میں سے نہیں ہیں۔ اور قنبر میں واقعات ناطفی سے منقول ہے کہ لباس باکلی الحد حد ہر ہر کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور رحمۃ الامہ فی اختلاف الامیہ میں ہے:

اتفق الامیہ والثلاثہ علی تحریم کل ذی غلب من الطیور کما ینما یاکل الجبیت
 • اما غیر ذلک من الطیور فکلہ مباح بالاتفاق والمشہور انہ لا ینکحوا فی ما ینھی
 عن قتله کالخطاف والحدھد والخفاش والطاؤس الا عند اشافئ
 امیہ ثلثہ رحمہم اللہ نے طائرون میں ہر پنجے والے جانور کی حرمت کا حکم دیا ہے اور اسی طرح
 ہر غلیظ کھانے والا جانور اور اسکے علاوہ دوسرے طویر سب ہمارے نزدیک بالاتفاق
 مباح ہیں اور مشہور یہ ہے کہ جنکے مارنے کی مانعت کی گئی ہے وہ کردہ نہیں ہیں مثلاً
 خطاف ہر ہر چمکا دے (مگر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک) ان عبارتوں سے صاف
 طور پر معلوم ہو گیا کہ خفیفہ کے نزدیک ہر حلال ہے بغیر کراہت کے اور مصنف حیوۃ النحویان
 شافعی ہیں انھوں نے اپنے مذہب کے موافق حرمت لکھی ہے اور قنبر سے برہنہ
 کتب معتبرہ کے مقابل نہیں ہو سکتا سوال ہندوؤں کے ہاتھ کے تر اور خشک کھانے
 میں کچھ فرق ہے یا نہیں جواب کچھ فرق نہیں ہے۔ نصاب الاحساب میں ہر ماہی
 بہ من شرام السمین والحمل واللبین والحجن وسائر المائعات من الھنود علی احتمال
 تلوث وانہم فان نساؤھم لا یتوفین من السرقین فعلم المحتسب ان لم یجد بدلاً
 منہم ان یستوثق علیہم ان یجتنبوا من السرقین والمیتۃ فان شق علیہم یا مہم
 ان یا تووا وانہم مسلم فیہا ویسئلوا بدیعہم برائی من المسلم ولا فلا باحۃ فتویٰ والتمہد
 تقویٰ وکذا الا باس بطعام المجوس کلہ الا الذبیحۃ گھی دودھ سرکہ اور تمام سیال اشیا
 جو ہندوؤں سے خریدی جاتی ہیں باوجودیکہ اُنکے برتنوں کے ناپاک ہونے کا احتمال ہے
 کیونکہ اُنکی عورتیں گوبر سے نہیں بیتی ہیں اُنکے متعلق محسب اگر بیچنے کو نا ممکن سمجھے تو
 ہندوؤں کو حکم دے کہ گوبر اور مردار چیزوں سے احتراز کریں اور اگر اُن پر یہ شاق ہو تو
 اُنکو اس بات کا حکم دے کہ وہ اپنے برتن کسی مسلمان کو دین جو دھودے اور وہ اپنے ہاتھ

کسی مسلمان کے سامنے دو عینین ورنہ فتوے بااحت پر ہو اور فتوے کے رو سے احتراز کرنا چاہیے اسی طرح مجوسیوں کی کسی چیز کے کھانے میں بجز اُنکے ذبیحہ کے کچھ حرج نہیں ہے سوال کھائے یا پھینکے کے پائے اور مرغ کی کھال کھانا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے۔ نہایت البیان فیما یحل و یحرم من الحيوان کے ذکر احکام شاة میں زبان فارسی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے پنجہ اور کھال کا دباغت کے پہلے کھانا حلال ہے اور دباغت کے بعد اُس سے دوسرے فائدے اُٹھانا جائز ہے جیسا کہ مطالبہ الموشین میں ہے سوال پلاؤ یا شیر برنج کی دیگ میں اگر میگنی نکلے تو کیا کیا جائے۔ درجس روٹی میں میگنی نکلے وہی نجس ہو یا سب روٹیاں جواب جس روٹی میں میگنی نکلے اگر سخت ہو تو پھینک دی جائے اور وہ روٹی کھائی جائے اور اگر ریزہ ریزہ ہو کر مخلوط ہو گئی ہو تو وہ روٹی نہ کھائی جائے۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے خبز وجد فی خلالہ سرقین فادۃ فان کان علی صلابۃ یرجی دیوکل الخبز و روٹی کے بیچ میں جب چوہے کی میگنی نکلے اگر وہ سخت ہو تو پھینک دی جائے اور روٹی کھالی جائے۔ باقی ایک روٹی میں نکلنے سے اُس کے ساتھ کی بکی ہوئی روٹیوں کا کھانا منع نہیں ہے اور پلاؤ وغیرہ میں اگر سخت میگنی نکلے اور مخلوط نہ ہوئی ہو تو بعض متاخرین نے فتوے دیا ہے کہ میگنی پھینک دی جائے اور وہ کھایا جائے مگر نہ کھانا مقتضائے احتیاط ہے۔ خزائنہ الروایات میں ہے فی العتابة خنز الفارة نجس ومن المتأخرین من رخص فی الدھن وفي الطعام ان كان قليلا لا یفسدہ صالمد یوجد ریحہ او طعمہ چوہے کی میگنی نجس ہے اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اگر یہ کھانے میں تھوڑی سے ہو تو کھانا خراب نہیں ہوتا جب تک کہ اُسکی بو یا اسکا مزہ کھانے میں نہ آجائے سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کا گوشت کھایا ہے یا نہیں جواب حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کا حجۃ الوداع میں اپنے ازواج کی طرف سے گائے کا ذبح کرنا اور آپ کے ازواج کے پاس اُس گوشت کا آنا صحیح مسلم اور صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے اور حضور کا تناول فرمانا صراحۃ کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرے شیخ عبدالحق

محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مدارج النبوة میں بزبان فارسی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔
 حضور سرور انبیاء علیہ التہیۃ والثناء نے بکری کا گوشت تناول فرمایا ہے اور مخصوص گائے
 کا گوشت تناول فرمانا معلوم نہیں ہوا البتہ حدیث سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے اپنے ازواج
 رضی اللہ عنہم کی طرف سے گائے کی قربانی کی اور ظاہر یہ ہے کہ اُس قربانی کا گوشت خود
 بھی کھایا ہو گا اور صحیح مسلم کے کتاب الزکوۃ کے آخر میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ
 رضی اللہ عنہا سے مروی ہر قتالت اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلحم بقر فقیل ہذا ما
 تصدق بہ علیہ بربوۃ فقال ہو لها صدقۃ ولنا ہدیۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
 نے کہا ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گائے کا گوشت لایا گیا اور کھا گیا
 کہ یہ بریرہ کو صدقے میں ملا ہو آپ نے فرمایا یہ اُنکے لیے صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ ہے
سوال انگریزی وہ عرق جس میں ڈاکٹروں کے بیان سے شراب ملا ہونا معلوم ہوتا
 ہو مگر اتنی کہ اُسکی پائدری کا جز ہو سکے اور نشہ نہ لائے اور اُس دوا کا رنگ اور اُسکی
 بو محتمل جس سے ناواقف شبہہ میں پڑ سکتا ہے اور اُس عرق کا مزہ کڑوا بجٹھا ہے معلوم
 نہیں شراب کا یہی مزہ ہوتا ہے یا کچھ اور پس ایسی دوا کا پینا جائز ہے یا نہیں **جواب**
 جس دوا میں شراب کا ملنا اگرچہ ایک ہی قطرہ ہو یقینی یا ظنی ہو اُسکا پینا حرام ہے
سوال اگر کسی شخص نے کسی حلال جانور کے ساتھ وطی کی اور اُسی حالت میں اُسے انزال
 بھی ہوا اور اس امر کو دو عادل مسلمانوں نے دیکھا تو اُس جانور کا گوشت کھایا جاسکتا ہے
 یا نہیں **جواب** ایسے جانور کا گوشت حرام نہیں ہے قال فی مخ الغفار شرح تنویر الابصار
 لمؤلفہ ولاحد بوطی ہیتمہ لانہ لیس فی معنی الزانی کو نہ جنائیہ فی وجود الداعی الیک ان الطبع السلیم
 ینفر عنہ والعامل علیہ غایۃ السقا و فرط الشبق الا انہ یغیر والذی یروی انہ تذبح الہیمۃ وتحرق ذلک
 لقطع التحدث بلیس بواجب الا ان کان الذابۃ کما لا یوکل لہما تذبح وتحرق کما ذکرنا وان کان ذابۃ
 یوکل لہما تذبح ویوکل عند ابی حنیفہ رحمہ و قال یحرق ہذا ایضا اذا کان الذابۃ البصیمۃ للفاعل ان
 کان الذابۃ کان لصاحبہا ان یدفع الیہ بالقیمۃ فی تبیین الکفریطالب صاحبہا ان یدفعہا
 الیہ بالقیمۃ ثم تذبح ہکذا اذکروا ولا یعرف الا سمعاً فیحصل علیہ انتفر

و فی المجتبى ذبحت و یسکره الانتفاع بها حیاتها و موتها و اطلق الطحاوی
اغذاذ کانت لذیذت و لم توکل و عن ابی یوسف انھا لا تحرق اذا کانت توکل و کان ابو عبد الله
الحرجانی یقول قول اصحابنا تذبح و تحرق علی وجه الاستحباب و اتی
ابن عمر برجل اتی بهمة ف لم یحمله و امر بها ف احرقت بالنار
مصنف منہ النفا ر حمة الله علی ابی اسی کتاب کی شرح تنویر الابصار میں لکھا ہے جو پایہ کو
ساتھ و طی کرنے پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ جنایت میں اور دواعی کے موجود ہونے
میں زنا کے مساوی نہیں ہوا سلیسہ کہ طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے اور اس پر عمل کرنے
والا یا تو انتہائی بیوقوف ہو یا انتہائی مستثنیٰ مگر ایسے شخص کو تعزیر کی جائے گی اور یہ جو مروی
ہے کہ جانور ذبح کر دیا جائے اور جلادیا جائے کیونکہ اُس سے نفع نہیں حاصل کیا جاسکتا
یہ ضروری نہیں ہے فقہا کہتے ہیں اگر جانور حرام ہو تو ذبح کر کے جلادیا جائے جیسا کہ ہم نے
ذکر کیا اور اگر حلال ہو تو ذبح کر کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کھالیا جائے اور حنین
رحمہ اللہ کے نزدیک جلادیا جائے جبکہ و طی کرنے والے کا جانور ہو اور اگر جانور کسی اور
کا ہو تو و طی کرنے والے کو جانور کی قیمت اُس کے مالک کو دیدینا چاہیے اور تبیین الکفر میں
ابو حنیفہ کا مالک قیمت کا مطالبہ کرے اور قیمت وصول کر کے جانور ذبح کر دے ایسا ہی
ذکر کیا گیا ہے اور بجز سماع کے کوئی عقلی دلیل اس پر نہیں ہے لہذا اسی پر محمول کی جائے گی
اور مجتبیٰ میں ہے کہ جانور ذبح کر دیا جائے گا اور اُس سے زندگی میں یا مرنے کے بعد
نفع اٹھانا مکروہ ہے اور طحاوی نے کہا ہے جب جانور و طی کرنے والے کی ملک ہو تو ذبح
کیا جائے گا لیکن کھال یا نہ جانے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب جانور
حلال ہو تو جلادیا نہ جانے گا اور ابو عبد الله رحمہ اللہ کہتے تھے کہ ہمارے اصحاب کا
قول ہے کہ جانور کو ذبح کر کے جلادینا مستحب ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک
شخص لایا گیا جس نے جانور کے ساتھ و طی کی مٹی تو اُنھوں نے اُس پر حد جاری نہیں
کی اور حکم دیا کہ جانور آگ میں جلادیا جائے سوال ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان
سے ملنے کو بہ نیت خالص اُس کے مکان پر جائے اور جس کے مکان پر یہ ملنے کو گیا ہو وہ

میوہ یا طعام جو کچھ موجود ہو اسکے سامنے پیش کرنا اپنے اوپر لازم جائے اور پیش کرے اسی طرح نکاح کے دن جب براتی دو وطن کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور دو وطن کے اقربا نکاح کے پہلے یا نکاح کے بعد کھانا کھلاتے ہیں یہ بدعت ہے یا نہیں جواب یہ فعل بدعت نہیں ہے بلکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تھا جیسا کہ مدارج النبوة اور ہجرت اخبار العروس وغیرہ میں مذکور ہے سوال زید کتا ہے کہ جو کھانے پینے کی چیزیں شوالون یا قبرون پر چڑھائی جاتی ہیں یا تزییون اور علون کے سامنے رکھی جاتی ہیں جیسا کہ ان امور کا ہندوستان میں دستور ہے ان سب کا کھانا حرام ہے پس زید کا قول صحیح ہے یا غلط جواب نلہ اور شیرینی وغیرہ جو عوام شوالون اور تزییون اور قبرون وغیرہ پر چڑھاتے ہیں ان سے نذر غیر اللہ مقصود ہوتی ہے اور فقہانے اس امر کی تصریح کی ہے کہ نذر غیر اللہ حرام ہے اور اُس چیز کا کھانا بھی حرام ہے۔ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے قال الشيخ قاسم فی شرح الدرر وما النذر الذی ینذره اکثر العوام علی ما ہو مشاہد کان یکون لانسان غائب ومرضی اولی حاجۃ ضروریۃ فیاتی قبر بعض الصالحاء فیجعل شرف علی راسہ ویقول یا سیدی فلان ان رد اللہ غائبی او عوفی مرضی فی قضیت حاجتی فلک من الذہب کذا او من الفضة کذا او من الطعام کذا او من المال کذا او من الشمع کذا او من الزيت کذا فہذا النظر باطل بالاجماع بوجہ منہا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق ومنہا ان المنذور لمیت لا یمکن منہا انہ ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقادہ ذلك کفر اللہ لان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مرضی ہذا اور ددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباد السیۃ نفیسۃ والفقراء الذین بباب الامام الشافعی و الامام ابی اللیث او اشتری حصر المساجد اوزیناً لو قودھا او دھام لمن یقوم بشعارھا الی غیر ذلک مما یمکن فیہ نفع للفقراء والمنذر للہ تعالیٰ و ذکر الشیخ انما ہو محل صرف النذر لمستحقہ القاطنین برباطہ او مسجدہ او جامعہ فیجوز بہذا الاعتبار انہ صرف النذر للفقراء وقد وجد المصروف ولا یجوز ان یصرف ذلک لغنی ولا لشریف ذی منصب لانہ لا یجوز الاخذ

ما لم یکن محتاجاً فقیراً ولا لذی نسب لاجل نسبہ ما لم یکن فقیراً ولم یشبث فی الشرع جواز
 الصرف الی الاغنیاء للاجماع علی حرمتہ النذر للخلق ولا یتعقد ولا تشتغل لذتہ بہ وانه
 حرام بل یسخت ولا يجوز لحاد م الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ
 الا ان یكون فقیراً اولہ عیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مضطرون الیہ فی اخذہ و نہ
 علی سبیل الصدقۃ المبتدأۃ واخذہ ایضاً مکروہ ما لم یقصد بہ النادر المتقرب الی
 اللہ و صرفہ الی الفقراء ویقطع النذر عن نذر الشیخ فنادا علمت ہذا فمما یؤخذ من
 اللادھم والشمع والزیت وغیرھا وتنقل الی ضرائح الاولیاء تقرباً الیہم فحرام
 باجماع المسلمین ما لم یقصد و ابصرھا الفقراء الاحیاء قولا واحداً
 شیخ قاسم رحمہ اللہ نے شرح درمیں کہا ہے کہ وہ نذر جو اکثر عوام مانا کرتے ہیں مثلاً کوئی شخص غائب
 ہو جائے یا کوئی بیمار ہو یا کسی کو کوئی حاجت ہو تو کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر آئے اور کسی چادر کو
 اپنے سر پر ڈال کر کہے کہ اے میرے سید اگر خدا میرے غائب کو لوٹا دے یا میرا مریض اچھا
 ہو جائے یا تم میری حاجت کو پورا کر دو تو تمھارے لیے اتنا اور اتنا سونا یا چاندی یا کھانا
 یا مال یا شمع یا تیل ہے، تو یہ نذر مستعد وجوہ سے باطل ہے (۱) یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کے
 لیے نذر ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہو سکتی (۲)
 منذور لہیت ہے جو کسی شے کا مالک نہیں ہو سکتا (۳) اس سے اسل مرکا گمان ہوتا ہے کہ وہ
 امور میں تصرف کرتا ہے نہ خدا اور یہ اعتقاد کرنا کفر ہے لیکن اگر یہ کہے اے اللہ میں نے تیرے
 لیے نذر مانا ہے کہ اگر تو میرے مریض کو اچھا کر دے یا میرے غائب کو لوٹا دے یا میری حاجت
 پوری کر دے تو میں اُن فقر کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ کے دروازے پر رہتے ہیں
 یا جو امام شافعی اور امام ابواللیث رحمہما اللہ کے دروازے پر رہتے ہیں یا میں مسجد دن کے
 لیے چٹائیاں بنواؤں گا یا وہاں کی روشنی کے لیے تیل خریدوں گا یا مسجد کے منتظم کو
 ہر دم دوں گا اور اسی طرح دوسرے وہ امور جن میں فقر کا نفع اور خدا کی نذر ہو اور شیخ نے
 ذکر کیا ہے کہ نذر مستحقین نذر پر صرف کیجاے یا جو اُس بزرگ کی خانقاہ یا مسجد یا جامع میں
 رہتے ہوں میں اس اعتبار سے یہ نذر درست ہے کیونکہ نذر کے مصرف فقرا ہیں اور اب

مصرف پالیا گیا اور یہ ناجائز ہو کہ نذر کسی امیر یا شریف صاحب منصب رکھیں کہ ان کو نذر کا لینا درست نہیں جب تک کہ محتاج فقیر نہ ہو یا صاحب نسب پر صرف نسب کی وجہ سے رتا وقتیکہ وہ فقیر نہ ہو صرف نہ کی جائے اور شرعاً نذر کا اغنیاء پر صرف کرنا ثابت نہیں کیونکہ مخلوق کے لیے نذر کرنے کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور ایسی نذر نہ تو واقع ہوتی ہے اور نہ ذمے سے ساقط ہوتی ہے اور یہ حرام بلکہ سخت گناہ ہے اور شیخ کے خادم کو بھی اس نذر کا لینا درست نہیں ہے اور نہ اُس کا کھانا اور نہ اُس میں کسی طرح تصرف کرنا جب تک کہ وہ فقیر صاحب عیال کسب سے عاجز اور نذر کے لینے پر مجبور نہ ہو پس اسے بطور صدقہ کے لے سکتے ہیں اور بھی نذر کا لینا ناجائز ہے جب تک کہ نذر کرنے والے کی نیت غذا سے تقرب حاصل کرنے اور شیخ سے قطع نظر کر کے فقرا پر صرف کرنے کی نہ ہو پس جب تم کو یہ معلوم ہو گیا تو جو روپیہ اور شمعیں اور تیل وغیرہ اولیاء کے مزاروں پر چڑھایا جاتا ہے بلا اجماع حرام ہے جب تک ان سے زندہ فقرا پر صرف کرنا مقصود نہ ہو سوال مسلمان مبتدع شیعہ سود خوار رشوت خواہ شراب خوار کے یہاں کھانا کھانا اور نوکری کرنا ناجائز ہے یا نہیں باوجودیکہ اُس کے یہاں کھیتی بھی ہوتی ہے اور حلال مال بھی ہے جواب اگر حلال مال غالب ہو تو اُس کے یہاں کھانا کھانا اور نوکری کرنا ناجائز ہے اور اگر حرام مال غالب ہو تو ناجائز نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کھانا یا یہ تنخواہ حلال مال سے ہے۔ اشباہ میں ہے اذ کان غالب مال الھدی حلالاً فلا باس بقبول ھدیۃ واکل مالہ مالہ یتبیین انہ من حرام وان کان غالب مالہ الحرام لا یقبلھا ولا یاکل الا اذا قال انہ حلال ورضا واستقرضہ جب ہدیہ بھیجنے والے کا اکثر مال حلال ہو تو اُس کا ہدیہ قبول کرنے اور اُس کا مال کھانے میں کچھ حرج نہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ مال یا ہدیہ حرام مال سے ہے اور اگر اکثر مال حرام ہو تو ہدیہ نہ قبول کرے اور اُس کا مال نہ کھائے مگر جبکہ وہ یہ کہے کہ یہ مال حلال ہے میں نے وراثہ یا یا ہے یا قرض لیا ہے سوال مردہ حیوان کی کھال کھانا کیسا ہے اور یہ جو متعارف ہے کہ بکری کا سر سے کھال کے بھونتے ہیں اور اُس کا شوربا کھاتے ہیں جائز ہے یا نہیں جواب مردہ جانور کی کھال کھانا اگرچہ مذہب ہو اور درندوں کی کھال اگرچہ مذہب ہو جائز نہیں ہے لیکن مذہب

بکری کی کھال کا کھانا جائز ہے۔ زلیحی میں ہے: جازیع لحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذکاة کجلود المیتة بعد الذباغ حتی یجوز بیعها والاقتناع بها غیلاکل اطهارها بالذکاة ورنه ذن کا گوشت چسربی اور کھال ذبح کرنے کے بعد بیچنا درست ہے جس طرح مردے کی کھال کو دباغت کے بعد حتی کہ اسکی بیچ اور اسکے کھانے کے سوا دوسرے قسم کے منافع حاصل کرنا درست ہے کیونکہ وہ ذبح کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور مخ الغنار میں ہے: وبيع جلد المیتة وینتفع به تطهارة بعد الذباغ بغیر الاکل فانه لا یجوز اکلہ وان کان طاهرا قال فی السراج الوہاج مسألة جلد المیتة بعد الذباغ هل یجوز اکلہ اذا کان من حیوان ماکول اللحم قال بعضهم نعم لانه طاهر کجلد الشاة الذکاة وقال بعضهم لا یجوز اکلہ وهو الصحیح مردے کی کھال بیچی جاسکتی ہے اور اُس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ دباغت کے بعد ظاہر ہے البتہ اُسکو کھانا درست نہیں ہے سراج و ہاج میں ہے: سئلہ مردے کی کھال کا دباغت کے بعد کھانا درست ہے یا نہیں جبکہ مردہ حیوانات اکولات اللحم سے ہو بعضوں کے نزدیک درست ہے کیونکہ وہ ظاہر ہے ذبح کی ہوئی بکری کی کھال کی طرح اور بعضوں کے نزدیک درست نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور ہدایہ میں ہے: ثم ما یمنع التخن والفساد فهو ذباغ وان کان تشمیسا او تتریبا جو چیز بدبو دار اور خراب ہونے سے وہی ذباغ ہے چاہے دھوپ میں رکھ کر ہو یا مٹی ملکر سوال سید احمد کبیر کی گائے اور شیخ سند و کا بکرا وغیرہ حلال ہے یا نہیں **جواب** اگر تقرب الہی اور اسد کے لیے خون بہانا اور سیکو اُسکا ثواب پہنچانا منظور ہو تو حلال ہے اور جب غیر خدا کا تقرب منظور ہو اور محض جان لینا منظور ہو تو ایصال ثواب اور تناول گوشت اور ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے تو اس میں علما کا اختلاف ہے اور منشا اختلاف ما اهل به لغير الله کی تفسیر ہے بعضوں نے حلت کا فتوے دیا ہے تفسیر احمدی میں ہے: ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما هو الرسم فی نمازنا حلال طیب لانه لم یدکر اسم غیر الله علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا لہ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ گائے جس کی نذرا ولیا اسد کے لیے مانی گئی ہو جیسا کہ آجکل ہوا کرتا ہے وہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اسد کا نام نہیں لیا جاتا اگرچہ نذر غیر اسد ہے۔ اور ایک گروہ اسکی

حرمت کا قائل ہے۔ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ و
 قصد بذبحہا التقرب الی غیر اللہ صاد مرتد اور ذبیحۃ ذبیحۃ مرتد علماء نے کہا ہے کہ
 اگر کسی مسلمان نے کوئی ذبیحہ ذبح کیا اور اس کے ذبح سے اس کا مقصد تقرب الی غیر اللہ تھا تو
 وہ شخص مرتد ہو گیا اور اس کے ذبیحہ کا حکم مرتد کے ذبیحہ کا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی
 تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے اور فقہاء نے بھی اس کو حرام لکھا ہے۔ در مختار میں ہے ذبح
 لقدوم الامیر ونحوہ کو احد من العظام یحرم لانه اهل به لغیر اللہ ولو ذکوا اسم اللہ
 لو ذبح للضعیف لا یحرم لانه سنة الخلیل واکرام الضعیف کو ام اللہ تعالیٰ والفارق انہ ان
 قد صہا لیاکل منہا کان الذبح للہ والمنفعة للضعیف اولو لیمتہ اولدیجر وان لم یقصد صہا
 لیاکل منہا بل یدفعہا لغیرہ کان التعظیم غیر اللہ فتحرم وھل یکفر قولان کذا فی البنازیۃ
 اگر کسی امیر یا اسی کے ایسے کسی دوسرے بڑے کی تشریف آوری کیوچے سے ذبیحہ کیا تو حرام ہے
 کیونکہ در حقیقت اس پر خدا کے سوا دوسرے کا نام لیا گیا اگرچہ اس پر خدا کا نام لیا گیا ہو وظاہر الفاظ
 میں اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا تو حرام نہیں ہے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام
 کی سنت ہے اور مہمان کی عظمت خدا کی عظمت ہے ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ ایک
 اس غرض سے ذبح کیا ہے کہ اس سے کھایا جائے تو ذبح خدا کے لیے کیا گیا اور نفع
 مہمان یا ولیمہ یا ذبح کا ہوا اور ایک اس لیے ذبح کیا ہے کہ اس سے کھایا نہ جائے بلکہ دوسرے
 کو بانٹ دیا جائے چونکہ اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہے اس لیے یہ حرام ہے اور اس میں دو قول
 ہیں آیا اس فعل سے کافر ہو گا یا نہیں جیسا کہ بزاز یہ میں ہے۔ اور ایسا ہی اشاہ و نظائر
 اور عالمگیری وغیرہ میں ہے سوال تاڑی یا شراب کا سرکہ حلال ہے یا نہیں جواب
 جب تاڑی یا شراب منقلب الحقیقۃ ہو کے سرکہ ہو گئی تو حلال ہے سوال مچھلی نجس کر کے
 کھانا چاہیے یا بے نجس کیے ہوئے جواب مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے شیخ عبدالحی
 محدث دہلوی رحمہ اللہ اشعة اللمعات میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے
 مچھلی بے نجس کیے ہوئے حلال ہے کیونکہ شکار کرنا اور اسے دریائے مکانا نجس کا حکم رکھتا
 ہے سوال جس مچھلی کو نجس یا کوئی اور کافر شکار کر کے دریائے نکالے وہ حلال ہے یا نہیں

جواب حلال ہے کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری شافعی رحمہ اللہ حیوۃ الحیوان میں امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا میں نے ستر صحابی کو مجوسی کا شکار کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور ابو المکارم رحمہ اللہ شرح نقایہ میں لکھتے ہیں وفی المحيط لاباس باکل سمکتہ اصطادھا المجوسی لا تھا تحل بدون التسمیۃ فالمجوسی وغیرہ فیہ سواء مجبلی جسے مجوسی نے شکار کیا ہو اُس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مجبلی بغیر خدا کا نام لے ہوئی مجبلی حلال ہے پس مجوسی اور دوسرے لوگ سب اس معاملے میں مساوی ہیں سوال گڑول یعنی ڈھینگ حلال ہے یا حرام جواب گڑول کرگس کی قسموں میں سے ہے اور مردار غوار پرندہ ہے حرام ہے سوال ایہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک گھوڑا حلال ہے یا حرام جواب گھوڑا امام شافعی اور امام احمد حنبل رضی اللہ عنہما کے نزدیک حلال ہے کیونکہ بخاری اور مسلم میں ہے غھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم خیبر عن الحوم اللحم الا حلیۃ واذن فی لحوم الخیل حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے جنگ خیبر میں شہری گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑا کے گوشت کی اجازت دی۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ مکروہ تنزیہی کے قائل ہیں۔ اور اصحاب حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کراہت تحریمی کے قائل ہیں اور بعض نے کراہت تنزیہی کے صاحب کافی نے کراہت تنزیہی کو صحیح اور صاحب مطالب المؤمنین کے کراہت تحریمی کو صحیح لکھا ہے تفسیر احمدی میں ہے مفتی کو چاہیے کہ گھوڑے کی صحت کی حالت میں اُسکے گوشت کی اباحت کا فتویٰ نہ دے کیونکہ اس سے آلہ جہاد کی کمی لازم آتی ہے مگر جبکہ گھوڑا قریب بھلاکت ہو تو اُس کے کھانے کا فتوے دے تاکہ مسلمان کا مال ضائع نہ ہو۔ اور کفایۃ المفتی میں ہے بعض نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا جو اُنھوں نے گھوڑے کے حرمت پر پہلے کہا تھا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ جامع الرموز میں ہے سوال پان میں چونا کھانا درست ہے یا نہیں جواب درست ہے۔ نصاب الاحساب میں ہے یمباح اکل النورۃ مع الورق الماکول فی دیار الهند لانہ قلیل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذكور لا یحصل بدونھا پان کے ساتھ چونا

کھانا سباح ہے کیونکہ وہ کم مقدار میں نعمت مند ہوتا ہے اس لیے کہ بان سے جو غرض ہے وہ بغیر
چونے کے حاصل نہیں ہوتی سوال چمکا ڈر حلال ہے یا حرام جواب تخلفت فیہ ہے۔
فتاویٰ قاضی خان مین ہو ولا یوکل الخفاش لانه دوناب جبکا ورنہ کھانا چاہیے کیونکہ
اُس کے دانت ہوتے ہیں۔ اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں وفيہ نظر لان کل ذی ناب
لیس بمضی عنہ اذا کان لا یصطاد بناہ اس میں شک ہے کیونکہ ہر دانت والا
سنہی عنہ نہیں ہر جبکہ دانت سے شکار نہ کرتا ہو سوال گردہ حلال ہے یا مکروہ جواب
مکروہ بھی نہیں ہے مدارج النبوة میں بروایت حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما وارد
ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سوتیس آدمی تھے اور کہا گیا کہ ایک صاع آٹا گو نہا گیا ہے اور
ایک بکری ذبح کی گئی ہے اور اُس کا جگر اور دل اور گردے بھونے گئے ہیں پس خدکی
قسم کہ اُتنے سے کھانے کو ہم سب نے سیر ہو کر کھایا اور جبنا وہ تھا اُتنے کا اُتنا ہی باقی
رہا پھر ہم نے اُسے اپنے اُونٹوں پر لاد لیا اور گردن کے مکروہ ہونے کی جو روایت کی
گئی اُس کے متعلق حافظ عراقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد ضعیف ہیں
سوال فیل مرغ حلال ہے یا حرام جواب حلال ہے کیونکہ دانہ کھاتا ہے نہ شکاری ہے کہ اپنی
پنچے سے شکار کرنے کا عادی ہو اور نرم دار خوار ہو اور مشابہت صورتی حرمت کا باعث نہیں
ہو سکتی خرگوش بھی گدھے کے کان کے مشابہ کان رکھتا ہے مگر حلال ہے سوال پیلو جو
ایک چڑیا ہو حلال ہے یا حرام جواب دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ پیلو کو زبان و گن بین
بیلک کہتے ہیں یہ زرد رنگ کا ہوتا ہے اور اسکے دونوں بازووں پر سیاہی ہوتی ہے اور
دانہ کھاتا ہے پنچے سے شکار نہیں کرتا نہ مردار خوار ہے پس اسکے حلال ہونے میں کچھ شک
نہیں ہے سوال (۱) کسی ہندو بے دین بت پرست نے اپنے کسی تہوار یا تہذیب
شادی یا غمی میں کسی مسلمان دیندار پر ہیز گار یا مسلمان بے نمازی زنا کار شراب خوار بدعتی
کی دعوت کی اور ان مسلمانوں نے اُس کی دعوت قبول کی اور کوئی چیز مثل کھانے کے
کھائی یا کھانے کا سامان یا نقد روپیہ لیا اور اُسے اپنے ہاتھ سے پکایا اور کھایا تو اس طرح
کا ہندوؤں کا کھانا اور دعوت لینا درست ہے یا نہیں (۲) اگر ہندوؤں کا اس طرح کا کھانا درست

ہو تو فیہا ورنہ اُن کھانے والوں کی کیا سزا ہے جواب (۱) ہندو کے تھوار کے دن ہر یہ لینا یا دعوت قبول کرنا مسلمان کو درست نہیں ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے لاینبغی للمومن ان یقبل ہدیۃ الکافر فی یوم عیدہم ولو قبل لایرسل الیہم شیئاً مومن کو کافر کا ہر یہ اُس کی عید کے دن نہ قبول کرنا چاہیے اور اگر قبول کرے دیکھ اُسکو کوئی عید نہ بھیجے۔ اور خزائنہ الروایات میں ہے فی الفصول والتاثر خانیتہ فی المحيط صایاتی المجوس فی یوم نیرووزہم من الاطعمۃ الی الاکابر والسادات من کانت بدینہ و بدینہم معرفۃ و ذہاب و محجی فقد قیل من اخذ ذلک علی وجہ الموافقة یضرب ذلک بدینہ فصول اور تاتار خانیتہ میں محیط سے نقل کر کے لکھا ہے مجوس جو کھانے وغیرہ بڑے لوگوں کے پاس جن کے بیان اُن کی آمد و رفت ہوتی ہے اپنی عید کے دن لاتے ہیں اُسکے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ جو اُسے بطریق موافقت لے گا اُسکا یہ فعل اُسکے دین میں خلل انداز ہوگا باقی شادی اور غمی میں اگر ہندو دعوت کرے تو اُس کا قبول کرنا بعض فقہاء کے نزدیک درست اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے جیسا کہ خزائنہ الروایات میں ہے فی مفید المستفید من الوقعات لایاس بالذہاب الی ضیافۃ اہل الذمۃ حکذاذکر محمد رحمہ لکن المذکور فی النوازل یخالف ہذا فانہ کوا فیہ الاجابۃ مفید المستفید من الوقعات سے نقل کیا ہے کہ اہل ذمہ کی دعوتوں میں جانے میں کچھ حرج نہیں ہے یہ امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے لیکن نوازل میں ہے کہ ان دعوتوں کا قبول کرنا مکروہ ہے۔ اور جواز ضیافت کی حالت میں بھی وہ اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ دعوت کی محفل غنا مزامیرت پرستی شراب خواری اور اطوار کفر و شرک و مجرمات سے خالی ہو اور اگر اُس مجلس میں ایسے امور ہوں تو جانا درست نہیں ہے جیسا کہ درختار میں ہے دعی الی ولیمۃ و ثمہ لعب و غناء قعد و اکل و المنکر فی المنزل و نلوع علی المائدۃ لاینبغی ان یقعد بل ینخرج فان قدر علی المنع فعل و الا صبر و ان علما و اولا بالالعب لایحضرا صلا سوا کان ممن یقتدی بہ و الا اگر کوئی شخص ایسی دعوت میں بلا یا گیا جس میں کھیل کود اور گانا تھا اور وہ شخص گیا اور بیٹھا اور کھانا کھا یا لیکن یہ بُری باتیں دوسرے گناہوں میں

تھیں (تو کچھ حرج نہیں ہے) اور اگر کھیل دسترخوان پر ہو تو وہاں نہ بیٹھنا چاہیے بلکہ چلا آنا چاہیے اور اگر روک سکتا ہو تو روک دے ورنہ صبر کرے اور اگر پہلے سے اُسے یہ معلوم ہو تو وہاں نہ جائے چاہے مقتدا ہو یا نہ ہو۔ (۲) جس نے ہندو کے تھوار کے دن دعوت قبول کی یا تقریب کی ضیافت میں باوجود منکرات شرعیہ موجود ہونے کے گیا اُسکو توبہ اور استغفار لازم ہے۔ والد علم حسره الراجی عفوریہ القوی بالاحسانات محمد عبدالحی تاجوازالمد عن فہمہ البجلی والحنفی **الواحسانات محمد عبدالحی**

باب اللبس والزنیۃ

سوال ڈھیلا پانجامہ پہننا درست ہے یا نہیں جواب کچھ حرج نہیں بشرطیکہ تشبہ فساق اور تکبری عنصروں سے نہ ہو سوال کا بیچ کی جوڑیاں عورتوں کو پہننا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے اور اس کی مانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے سوال سرخ بانات اور کھاروا اور شجر فی اور پیازی رنگ درست ہے یا نہیں جواب درست ہے کیونکہ ہر سرخ رنگ حرام نہیں ہے بلکہ معصفر حرام ہے سوال سید سالار مسعود غازی رحمہ اللہ کے جھنڈے کا کپڑا اپنے صرف میں لانا چاہیے یا تصدق کر دینا چاہیے جواب بظاہر اسکے خود استعمال کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور سائلین و فقر کو دیدینا اہل ہے سوال عورتوں کو چھالگ پہننا جائز ہے یا نہیں اور آئیہ و لا یضربن برجلھن لیعلمن ما یخفین من زینتھن کا شان نزول کیا ہے اور اگر کوئی عورت چھالگ اس طرح پہنے کہ اسکی آواز نہ نکلے تو درست ہے یا نہیں جواب بنظر زینت چاندی سونے کا ہر زیور عورتوں کو پہننا جائز ہے مگر جو مٹی اور حرکت میں بچے اُسکا استعمال بخوف فتنہ جائز نہیں ہے اور آیت مذکورہ کا شان نزول اسی باب میں ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کانت المرأة اذا امشیت ضربت برجلها لیسع صوت خلخالها فھیت عن ذلک عورتیں جب چلتی تھیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی تھیں اور انکی چھالگ کی آواز سنائی دیتی تھی تو وہ اُس سے روک دی گئیں۔ اور تفسیر احمدی میں ہے ثم نقول روی انه کانت المرأة فی العرب تضرب الارض برجلها اذا امشیت لیعلم الناس انها ذات خلخال او تضرب احدی رجليها علی

الآخری ففہما اللہ عن ذلک وقال لا یضرب الخ ای لا یضرب علی الارض بارجلھن او باحد
رجلھما علی الاخری لیتقع خلعھا فیلعلھا ذات خلخال فان ذلک یورث میلًا فی الرجال
بھرمین کتاہون کہ یہ مروی ہے کہ عورتیں عرب کی جب چلتی تھیں یا زمین پر پاؤں مارتیں
یا اپنے دونوں پاؤں کو لڑاتیں تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ انکے پاس چھاکل ہے تو
اسد تعالے نے اُنکو ایسا کرنے سے منع فرمانے کے لیے یہ آیت نازل کی لا یضربن الایۃ
جس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو زمین پر اپنے پاؤں نہ مارنا چاہیے اور نہ دونوں پاؤں
کو لڑانا چاہیے تاکہ چھاکل نہ بچے اور لوگوں کو معلوم ہو کہ انکے پاس بھی چھاکل ہے کیونکہ
اس طرح مردوں کی طبیعت اُنکے جانب مائل ہوگی۔ اور تفسیر کبیر میں ہے قتال ابن عباس
وقتادة كانت المرأة تمر بالناس وتضرب برجلها یسمع قعقة خلخالها ومعلوم ان الرجل
الذی یغلب علیہ شھوة النساء اذا سمع صوت الخلل یصیر ذلک داعیۃ لہ ذاتہ
فی مشاہدۃ تھن حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ عورتیں مردوں
میں گزرتی تھیں اور زور زور پاؤں پٹکتی تھیں تاکہ لوگ اُنکی چھاکل کی آواز سن لیں اور یہ
بات معلوم ہے کہ مرد پر شہوت عورتوں کی غالب آجاتی ہے تو چھاکل کی جھنکار اُسے عورت
کے دیکھنے کی طرف مائل کر دے گی۔ اور سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں لکھا ہے اخر جہ عبد بن
حمید عن مجاهد ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من ذینھن وقال الخلل
نھی ان یضرب برجلھما لیسمع صوت الخلل واخر جہ ابن ابی حاتم عن ابن مسعود لیعلم لیخفین
من ذینھن قال الخلل عورتوں کو زمین پر اپنا پاؤں اس غرض سے نہ مارنا چاہیے کہ مردوں
کو اُنکی پوشیدہ زینت کا علم ہو جائے چھاکل ٹالی عورتوں کو اس امر سے منع کیا گیا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین
پر چھاکل کی آواز سنانے کے لیے مارتیں اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود
رضی اللہ عنہ سے اخراج کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے اُنکی پوشیدہ زینت یعنی چھاکل۔ اور
نصاب الاحتساب میں ہے وما یحتسب علی النساء اتخاذ المجلاجل فی رجلھن لان اتخاذ
المجلاجل فی رجل الصغیر مکروہ ففی المرأة البالغة اشد کراہۃ لان مبنی حاکھن علی
الاستور فیہ اظھارھن مع ما انہ من السباب اللہو عورتوں سے جس امر کا احتساب ہوگا

وہ پاؤں میں گھونگر کا پہننا ہے کیونکہ چھوٹی لڑکی کے پاؤں میں گھونگر وہنا نامکروہ ہے
 پس بالغ عورت کے حق میں تو لامحالہ سخت مکروہ ہوگا کیونکہ انکی حالت کا مقتضی ستر ہے اور
 اس میں اظہار ہی علاوہ برین یہ اسباب لہو میں سے ہے اور ابوداؤد نے بناء رضی اللہ عنہا
 سے روایت کی ہے جو حضرت عبدالرحمن بن جان النزاری رضی اللہ عنہ کی لونڈی ہیں انھا کانت
 عند عائشۃ اذا دخلت علیہا بجا ریتہ وعلیہا جلابیل یصوتن فقال لا تدخل علیہا علی
 الا تقطعن جلابیلہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تدخل الملائکۃ بیننا فیہا
 جس بناء ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں جبکہ انکے پاس ایک
 لونڈی لائی گئی جو گھنکر وہینے ہوئی تھی اور وہ بچ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اسے میرے پاس
 نہ لاؤ جب تک کہ اسکے گھنکر ونہ کاٹے جائیں کیونکہ میں نے نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم کو یہ فرماتے
 ہوئے سنا ہے کہ جس گھر میں جس ہوتا ہو اُس میں ملائکہ نہیں آتے۔ اور تفسیر احمدی میں
 عبارت مسطورہ کے بعد لکھا ہے وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یتجیب
 دعاء قوم یلبسون الخنثاء نساً وھم اور جناب سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے
 فرمایا ہے کہ خدا اُس قوم کی دعا قبول نہیں کرتا جن کی عورتوں کے پاؤں میں چھا گلین
 ہوں سوال سفید جبہ یا پانچامہ یا کرتہ جس پر خالص چاندی کے بوٹے بنے ہوں پہننا
 جائز ہے یا نہیں جواب دو شرط سے اس قسم کا کپڑا پہننا جائز ہے (۱) بوطاع رضا چار
 انگشت سے زائد نہو اگرچہ طولا زائد ہو جیسا کہ ردالمحتار میں اسی ہل المراد قد دارسج
 اصابع طولاً و عرضاً بان لا یزید طول العلم و عرضہ علی ذلک والمراد عرضہا فقط وان
 زاد طولہ المتبادر من کلامہما الشانی چار انگل کی مقدار سے طول اور عرض دونوں مراد
 ہیں کہ بھول بٹا چار انگل سے زائد چڑ اور لمبا نہو یا صرف عرض مراد ہے کہ اس سے زائد لمبا نہو
 ہے اسکے متعلق عام فقہاء کے کلام سے منی ثانی کا مراد ہونا سمجھا جاتا ہے (۲) اس قدر قریب
 بوٹے نہوں جس میں اصل کپڑا چھپ جائے اور متوسط مقام سے بالکل کام معلوم
 ہو جیسا کہ رد مختار میں ہے ظاہر المذہب عدم جمع المتفرق ولو فی عامۃ کما یسطہ فی
 القنیۃ ظاہر مذہب یہ ہے کہ متفرق بھول بوٹے اگرچہ عامہ میں ہوں جمع نہ کیے جائیں گے

جیسا کہ ثقیہ مین ہے۔ اور رواج تحریر مین ہے ای لا اذا کان خط منہ غیراً و خط منہ غیریہ
بحیث یری کلمۃ قتر افلا یجوز وہ مقتضایہ حل الثوب المنقوش بالحریر تطریناً و
نسجاً اذا لم تبلغ کل واحدۃ من نقوشہ اربع اصابع وان زادت بالجمع مالم یر
کلمۃ حریر اقال الطحاوی و حل لکم المتفرق من الذهب والفضۃ كذلك الحریر
یعنی جب کپڑے مین ایک خط ریشم کا ہو اور ایک اسکا نہواس طرح پر کہ کپڑا سارا ریشم ہی معلوم
ہو تو اس کپڑے کا پہننا ناجائز ہے اسکا متفقہ یہ ہے کہ وہ کپڑا جس پر ریشم کے پھول بوٹے
کاڑھے گئے ہوں یا بنے ہوئے ہوں حلال ہو جب تک کہ اسکا ہر پھول چار انگل سے
زائد نہ ہو اگرچہ سب ملا کر چار انگل سے زائد ہو جب تک کہ دیکھنے مین سب ریشم نہ معلوم
ہونے لگے طحاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ متفرق سونے اور چاندی اور ایسے ہی ریشم کا
بھی یہی حکم ہے یعنی جس کپڑے پر کاندانی کا کام اس قدر کثرت سے ہو کہ کپڑے مین
بوٹے ہی بوٹے معلوم ہوتے ہوں اور مین نہ دکھائی دیتی ہو یا کوئی بوٹا چار انگل سے عرضاً
زائد ہو تو وہ ناجائز ہے۔ والد اعلم حررہ الراحمی غفر لہ القوی البواکینات محمد عبدالحی تجاؤزہ
عن ذنبہ الکلی والخفی۔ صحیح الجواب والد علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم سوال
نتحہ کا پہننا جائز ہے یا نہیں جواب نتحہ کو آجکل عرب مین حرام کہتے ہیں جائز ہے کیونکہ
یہ دوسرے زیورون کی طرح عادیات مین سے ہو کہ اسکے استعمال مین کچھ حرج نہیں ہے
البتہ یہ بدعت ہے لیکن بدعت جبکہ دین اور عبادت مین نہ ہو بلکہ عادت مین ہو تو وہ مردود نہیں ہے
مثلاً کھانے پینے کپڑوں سوار یون اور مکانات مین کوئی نئی بات نکالنا اور اسی طرح کی
دوسری باتیں جن سے کرنے والے کا مقصد تقرب الی اللہ نہ ہو بلکہ محض استعمال مراد ہو جیسا
کہ اسکی تصریح حدیقۃ التذیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ مین ہے وقاس الطحاوی ثقب الانف
عنه ثقب الاذن للقرط کما نقل قولہ صاحب ریح المختار تحت شرح قول صاحب الد
وهل یجوز الخزام فی الانف لمارۃ قلت ان کان مما تزين النساء به کما هو فی بعض
البلاد فهو فیہا کثقب القرط ففهم من هذه العبارة جواز ثقب الانف وليس الخزام
لطحطاوی نے ناک کے بیہ کا قیاس کان کے بیہ پر کیا ہے جو بالیون کے لیے چھیدے جاتی ہیں

جیسا کہ اسے صاحب رد المحتار نے شرح در کے اس قول دیکھا نا کہ میں تھ کا پہننا جائز ہے میں نے اس کے متعلق کچھ نہیں دیکھا کی شح میں لکھا ہو میں کتا ہوں کہ اگر عورتین اس سے زینت حاصل کرتی ہوں جیسا کہ بعض مقامات میں ہے تو ان مقامات میں تھ کا پہننا بالیون کی طرح ہے پس اس عبارت سے سمجھا گیا کہ ناک کا بیچہ جھد وانا اور تھ کا پہننا جائز ہے۔ والہ اعلم حررہ الفقیر المعترن بالسہو والتقصیر الراجی رحمۃ ربہ الباری محمد حسن ابجو نفوری تجاوز السد عن ذنبہ المعنوی والصوری ہو المصوب بیشک ناک کے بیچہ کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے علما نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ در مختار میں ہے ولا یاس بشقب اذن البنت استحسانا کذا فی الملتقط قلت وهل یجوز الخزام فی الانف لعارض لوطی کے قانون کے بیچہ میں استحسانا کچھ حج نہیں ہے جیسا کہ ملقط میں ہے میں کتا ہوں کہ تھ کے جواز کے متعلق میں نے کہیں کچھ نہیں دیکھا ہے۔ آور رد المحتار میں طحاوی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے وقد نص الشافعی علی جوازہ شافعیہ اسکے جواز پر استدلال لائے ہیں۔ والہ اعلم حررہ الراجی عفورہ بالقوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز السد عن ذنبہ البلی واخفی سوال جو حدیثین ابو داؤد اور نسائی نے باب الذہب للنساء میں لکھی ہیں ان سے عورتوں کے لیے استعمال ذہب کی حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اگر ثابت ہوتی ہے تو جمہور نے ان کا کیا جواب دیا ہے جواب واضح ہو کہ بکثرت روایتوں سے عورتوں کے لیے حلت ذہب ثابت ہے منجملہ اُن کے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی حدیث ہو جسکو ترمذی اور نسائی اور احمد اور طبرانی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم لباس الذہب والحمر علی ذکور امتی واحل لانا ثھو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے مردوں کو سونے اور ریشم کے کپڑوں کا پہننا حرام ہے اور عورتوں کو حلال ہے۔ ترمذی نے اسکے اسناد کو صحیح کہا ہے اور منجملہ اُن کے حضرت علی کریم اللہ وجہہ کی حدیث ہو کہ احمد اور ابو داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے اُسکو روایت کیا ہے

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ حریراً فجعلہ فی عینہ واخذ ذہباً فجعلہ فی شمالہ
ثم قال ان ہذین حرام علی ذکور امتی حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتثنائے ریشم لیا
اور اُسکو اپنے داہنے ہاتھ میں لیا اور سونے کو اپنے بائیں ہاتھ میں پھر فرمایا کہ یہ دونوں
میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ اور روایت ابن ماجہ میں وہی حل لانا تھا
راور یہ میری امت کے عورتوں کے لیے حلال ہیں ہے۔ اور عبدالحق رحمہ اللہ نے ابن الدینی رحمہ اللہ
سے نقل کیا ہے وہذا حدیث حسن ورجالہ معروفون اور یہ حدیث حسن ہے اور
اسکے رجال معروف ہیں اور منجملہ اُنکے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو سنن
بیہقی میں مروی ہے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الحسیر الذہب حرام
علی ذکور امتی میں نے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ سے سنا ہے کہ فرماتے
تھے ریشم اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے
اسکی اسناد کو حسن کہا ہے۔ اور منجملہ اُنکے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو
مسند بزاز اور مسند ابویعلیٰ اور سنن ابن ماجہ وجمع طبرانی وغیرہ میں مروی ہے۔ اور منجملہ
اُنکے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو جمع طبرانی اور عقیلی اور طبرانی کی کتاب البضعاء
میں مروی ہے۔ اور منجملہ اُنکے حضرت وانلہ بن السقع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو جمع طبرانی
میں مروی ہے۔ اور منجملہ اُنکے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو مسند بزاز
میں مروی ہے۔ اور یہ سب حدیثیں احادیث سابقہ کے مطابق دلالت دیتی ہیں اس
امر پر کہ سونے کی حرمت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے باقی رہیں وہ حدیثیں جو
مانعت پر دلالت کرتی ہیں پس حافظ عبد العظیم منذری رحمہ اللہ نے اُنکے ذکر کے بعد
لکھا ہے ہذا الاحادیث التي ورد فیہا النہی الوعد عن تحلی النساء بالذہب یقتل وجوہا احداھا
انہ منسوخ فانه قد ثبتت اباحۃ تحلی النساء بالذہب الثانی ان ہذا فی حق من لا یدوی ذکوتہ دون
من اداھا ویدل علیہ حدیث عمر بن شعیب وعائشۃ واسماء الثالث انہا فی حق من
تکذبت بہ واطھر تہ ویدل لہا مارواہا للناسی وابوداؤد عن اخت لحدیث ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال یا معشر النساء ما لکن فی الفضة ما تحلین بہا انہ لیس منکم

امراة تتحل ذهاباً وتظهر الاغذبت الرابع من الاحتمالات انه انما منع منه في حديث الاسورة والفتحات لمدادى من غلظه فانه مظنة الفخر والخيلاء وبقية الاحاديث محمولة على هذا حديثين جن من عورتون کے لیے سونے کا زیور پہننے پر وعید اور نہی وارد ہوئی ہے بہت سے احتمال رکھتی ہیں اول یہ کہ یہ منسوخ ہیں کیونکہ عورتوں کے لیے سونے کے زیور کا مباح ہونا ثابت ہے دوسرے یہ کہ یہ حدیثیں اُنکے متعلق ہوں جو انکی زکوٰۃ نہ ادا کریں اس پر عمرو بن شعیب عائشہ اور اسما رضی اللہ عنہم کی حدیثیں دلالت کرتی ہیں تیسرے یہ کہ یہ حدیثیں اُن عورتوں کے متعلق ہیں جو ان سے زینت حاصل کریں اور اُسکا اظہار کریں اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو نسائی اور ابوداؤد نے حدیفہ رضی اللہ عنہ کی بہن سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتو کیا تم میں سے کسی کے پاس چاندی نہیں جسکا زیور بنوائے اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو عورت سونا پہنکر اُسکا اظہار کرتی ہے اُسپر عذاب ہوگا جو تھکے یہ کہ اسکی مانعت کڑون اور کنگنوں والی حدیث سے ثابت ہوتی ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں موٹے موٹے کڑے اور کنگن پہنتی تھیں جس سے فخر اور تکبر کا احتمال ہوتا ہے پس باقی حدیثیں اسی پر محمول کی جائیں گی سوال زرد یا سنہرے رنگ کا کپڑا کس اور زعفران کے سوا میں رنگا ہوا مرد کو پہننا جائز ہے یا نہیں جواب زرد رنگ کسم اور زعفران کے سوا میں رنگا ہوا پہننا جائز ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے زرد کپڑا پہننا ثابت ہے بلکہ بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ سفید کے بعد حضور روحی فداہ کو زرد رنگ محبوب تھا۔ سنن ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں ہے ان ابن عمر کان یصنع لحيتهما نصفاً حتى تمثلي ثياب من الصفرۃ فقیل له لم تصنع بالصفرۃ فقال انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع بها ولم یکن شیء احب الیہ منها وقد کان یصنع بها ثياباً کلها حتی عمامته حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے یہاں تک کہ اُنکے کپڑوں میں زرد رنگ آجاتا ہے پوچھا گیا کہ آپ زردی سے کیوں رنگتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کو اسی سے رنگتے دیکھا

ہے اور آپ کو اس سے زائد کوئی رنگ پسند نہ تھا آپ اپنے کپڑوں کو اسی سے رنگتے
 حتیٰ کہ عامہ کو بھی اور عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس والحریرین منقول ہو مرد کو پہننا
 زعفرانی یا زرد رنگ کا کپڑا کر وہ تحریری ہے اور مراد زرد سے زرد مائل بسرخ ہو اسلیے کہ زرد کا
 پہننا حضرت سے اور بعض صحابہ رض سے منقول ہو کہ اقبال مولانا محمد اسحق الدہلوی رحمہ اللہ اور
 روایت ہو امام محمد رحمہ اللہ سے کہ ایام شادی میں زرد رنگ کی رخصت ہو انتہی اور بھی اسی
 کتاب میں ہو دوسرا قسم کم کے رنگ کا وہ جو مخلوط ہو ساتھ زردی کے پس اگر زردی کم
 ہو اور سرخی کم کی غالب ہو جیسے نارنجی یا زردی بہ نسبت نارنجی کے زیادہ ہو مگر سرخی
 سے کم ہو جیسے سنہرا یا زردی اور سرخی برابر ہوں یہ تینوں درجے حرام ہیں اور اگر زردی
 غالب اور سرخی کم کی مغلوب ہو مانند طلائی اور کیسری وغیرہ کے تو درست ہے انتہی۔
 واللہ اعلم حررہ الراجی العفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوازا عن ذنبہ اکلہ الخفی

ابو الحسنات محمد عبدالحی

تمام شد جلد دوم

حامداً و مضیاً و مسلماً۔ آبا بعد اصف عباد اللہ محمد برکت اللہ رضا لکھنوی فرنگی
 محل ناظرین علوم دینیہ کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ میں نے حاجی محمد سعید
 و حاجی عبد القیوم تاجران کتب کلکتہ کے اصرار سے انہی حضرت مولانا محمد
 عبدالحی قدس سرہ کے قوادے کا اردو میں ترجمہ کیا اور اپنے اس ترجمہ کا نام
 معلم الفقہ رکھا۔ اور ہمیشہ کے لیے اسکے چھاپنے کی اجازت حاجی صاحبان مرقومہ لیس
 کو دی ہے کوئی صاحب بلا اجازت حاجی صاحبان اسکے طبع کا خیال دل میں نہ لائیں خدا
 کا شکر ہو کہ پہلی مرتبہ یہ دوسری جلد بھی مطبع قیومی کا نیورین جناب حاجی محمد قمر الدین
 صاحب بلاک مطبع کے اہتمام سے چھپکر شائع ہو گئی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے
 اس کو قبول فرما کر اس نگار کے لیے ذریعہ نجات اخروی بنائے آمین۔

الف ۲۴

وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ وَعْدٌ مِنَ الْغُفْرِ .

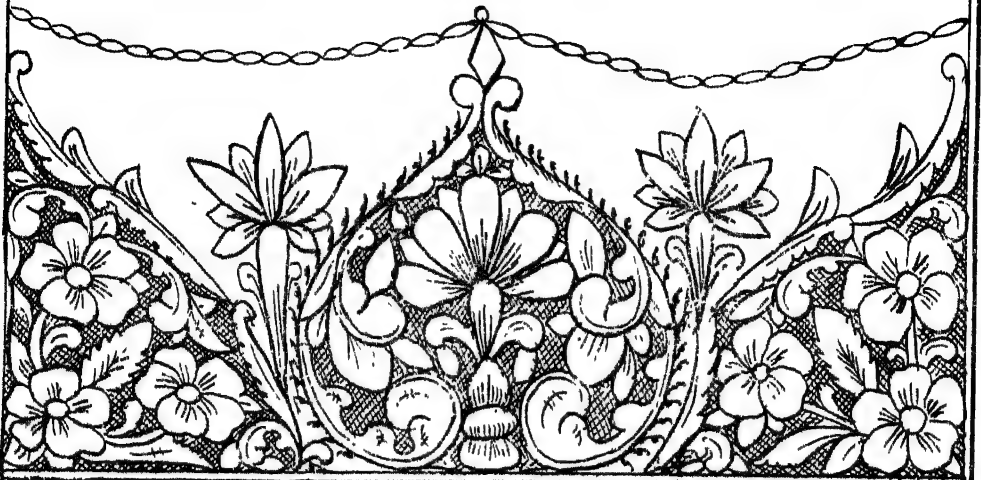
حسب فرمایش برادر مکرم جناب حاجی محمد عبدالقیوم صاحب کتب کلمتہ و بیسیلی اسکوا اربنمبر ۱۶

ترجمہ اردو

مولانا محمد عبدالحی رحمت اللہ علیہ

ایہ تمام کتب بن محمد قمر الدین بن جناح حاجی شیخ محمد یعقوب حاجی حرم مالک مطبع احمدی کا پندر

مطبع میو و سونو سنو سنو



بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب البیہ

سوال نمبر ۱: ایک بی بی سی دو لڑکے کو نہیں سے ایک کو اُس نے ناراضگی کی وجہ سے عاق کر کے اپنی تمام جائیداد دوسرے لڑکے کے نام پر کر دی ایسی ہیبت سے جائز ہے یا نہیں ہوا ملوفق اگر ہیبت بالقبض کی ہے تو جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں ہے و اللہ اعلم نعمتہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الماحد واقعی ایسی ہیبت بشرط قبضہ کا نہ محبوب نافذ ہے درختارین ہے و وہب فی صحۃ کل ائمال للولد جائز و اتم اگر کسی نے اپنی صحت کی حالت میں اپنا تمام مال اپنے لڑکے کو ہیبت کر دیا تو یہ ہیبت جائز ہے لیکن وہ شخص ہیبت کرنے والا گنہگار ہوا۔ و اللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب العظیم۔ الجواب صحیح و اللہ اعلم حررہ الراحمی غفورہ القدوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تاجا و زامد عن ذنبہ الجلی و انضی محمد علی ابو الحسنات

الجواب حررہ محمد رحمت اللہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اصاب المجیب کتبہ اضعفت عبا و اللہ محمد فضل اللہ عنہ اذک فضل اللہ سوال نمبر ۲: بکرہ اور زائد ہندہ اور زید خواہ ہر زائد ہندہ ہے اور ہندہ لاولد ہے اور زید کو اُس نے فردندی میں لیکر پرورش کیا ہے اس وجہ سے ہندہ نے اپنی کل جائیداد زید ہیبت کر دی ہے تو اس ہیبت کرنے سے ہندہ خدا اور رسول کے نزدیک مواخذہ دار ہوگی یا نہیں جواب ہندہ گنہگار ہوگی فقہ اور حدیث کی کتابوں میں اس امر کی مراحات ہے کہ اگر غیر ذہبی ہیبت

بعض اولاد کو ہمہ بین فضیلت دی تو گنہگار ہوگا سراج منیر میں ہے لو اعطی بعض ولده شیئاً دون
 البعض لزیادة رشدہ لا باس بہ ولو کان اسواء عیور فی القضاء ولكن ہوا ثم کما فی الد را المختار
 اگر کوئی شخص اپنی بعض اولاد کو اس کی پارسائی کی وجہ سے کچھ دے اور بقیہ کو نہ دے تو اس میں
 کچھ حرج نہیں ہے اور اگر سب اس امر میں مساوی ہوں تو قضاء یہ ہمہ درست ہوگی لیکن ہمہ کرنا بال
 گنہگار ہوگا جیسا کہ در مختار میں ہے۔ نہ کہ ایسے شخص کو کل مال ہمہ کرنا جو وارث شرعی نہیں ہے کہ اس
 سے ورثہ کا محروم ہونا لازم آتا ہے سوال مرض الموت کی تعریف فقہاء کے نزدیک کیا ہے اگر زید
 نے باوجودیکہ اس کے کئی لڑکے موجود تھے کسی ایک لڑکے کو کل جائیداد ہمہ کر دی اور قبضہ بھی
 کر دیا تو یہ ہمہ جائز ہے یا نہیں اور اگر ہمہ ثلث مال میں جائز ہوگی تو یہ ہمہ وصیت کے حکم میں ہے
 یا نہیں جواب مرض الموت کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں مرض الموت وہ مرض
 ہے جس میں حوائج ضروریہ کے لیے مریض آمد و رفت نہ کر سکے اور بعض کہتے ہیں مرض الموت وہ
 مرض ہے جس میں مریض صاحب فراش ہو جائے اور مختار اور مفتی یہ یہ ہے کہ جس مرض میں موت کا ظن
 غالب ہو وہ مرض الموت ہے صاحب فراش ہو یا نہ ہو۔ فتاویٰ ہذا یہ میں ہے المریض الذی یكون
 تصرفه من الثلث من یكون ذا فرأش لا یتطبیق القیام بحاجته ویجوز له الصلوة قاعدا ویخاف علیہ
 الموت ولو طال المرض وصار بحال لا یخاف علیہ الموت کالفالج اذا صار مرضا او یابس الشق لا یكون له
 حکم المرض الا اذا تغير حاله عن ذلك ومات من ذلك التغير فافعل فی حال التغير من الثلث قال
 الفضلی ان لا یخرج الی حوائج نفسه وعلیه اعتماد فی التجرد وقال لفقیه کونہ صاحب فراش لا یتبر
 بل العبرة للغلبة لو كانت من هذا الموت فهو مرض الموت وان خرج من البیت وبہ اخذ لصدا
 المشہد مریض جس کا تصرف صرف ثلث مال میں ہو سکتا ہے وہ ہے جو صاحب فراش ہو کہ اپنی ضرورت
 کے لیے کھڑا نہ ہو سکتا ہو اور اس کے لیے بیٹھ کے نماز پڑھنا جائز ہو اور اس کی موت کا خوف ہو اور اگر
 کسی شخص کا مرض اس قدر زائد عرصے تک رہے کہ موت کا خوف نہو مثلاً فاج جبکہ مرض کی طرح ہو جائے
 یا کسی کی ٹانگ سوکھ جائے تو ایسے کے لیے مرض کا حکم نہ دیا جائیگا مگر جبکہ اس کی حالت میں تغیر ہو جائے
 اور تغیر کی وجہ سے وہ مر جائے پس جو تصرف وہ حالت تغیر میں کرے گا وہ ثلث میں نافذ ہوگا فضلی
 نے کہا ہے کہ ایسا مریض وہ ہے جو اپنے حوائج کے لیے باہر نہ نکل سکے اسی پر تجرید میں اعتماد کیا گیا ہے

فقیہ نے کہا ہے کہ صاحب فراش ہونے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ غلبہ کا اعتبار ہے اگر اس کی وجہ سے موت ہو تو یہی مرض موت ہے اگرچہ وہ شخص گھر سے نکل سکتا ہو صد رحمہ اللہ اسی سے اخذ کرتے ہیں۔ اور جامع الرموز میں ہے قالوا اذا اضناہ المرض وصار صاحب فراش وعجز عن القيام بمصالحہ وازداد کل یوم فهو مرض الموت فالمسلول الذی طال مرضه ولم یفلح الموت کالصیحة وقال الفیض المریض ان لا یخرج الی خواجر نفسه وعلیه الاعتماد کذا فی الخلاصۃ والختارۃ ان کان الغالب منہ الموت وان لم یکن صاحب فراش کما فی ہبۃ الذخیرۃ فقہا کہتے ہیں اگر کوئی شخص کسی مرض کی وجہ سے دبلا اور صاحب فراش ہو گیا ہو اور اپنی ضرورتوں کے لیے کھڑا نہ ہو سکتا ہو اور اس کا مرض روز بروز بڑھتا جاتا ہو تو یہ مرض موت ہے پس وہ شخص جسے ایک عرصہ سے سل کا مرض ہو کہ اس کے مرنے کا خیال نہ ہو وہ مثل تندرست آدمی کے ہے فضلی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کہ مریض وہ ہے جو اپنی ضرورتوں کے لیے گھر سے باہر نہ نکل سکتا ہو یہی قابل اعتماد ہے جیسا کہ خلا میں ہے اور مختاریہ ہے کہ جس شخص کے متعلق ظن غالب یہ ہو کہ وہ اس مرض میں مر جائے گا اگرچہ وہ صاحب فراش نہ ہو لیکن مریض ہے جیسا کہ ذخیرہ کے باب ہبہ میں ہے۔ اور مرض موت میں ہبہ کرنا وصیت کے حکم میں ہے ثلث سے زائد مال میں نافذ نہیں ہو سکتی شتمنی کی شرح مختصر میں ہے واعتاقہ ای المریض مرض الموت ومحابا تہبۃ وضمانہ وصیۃ ای کالوصیۃ فی انہا تقبہ من الثلث ویضرب بها مہر اصحاب الوصایا مریض کا آزاد کرنا اور ہبہ کرنا اور ضمان سب وصیت کے مثل ہیں کہ ثلث سے نافذ ہوں گے اور اسی میں سے اصحاب وصایا کو ملیگا اور فصول عمادیہ میں ہے اما المریض یعتبر احکامہ فی وصیۃ وصدقۃ وجہت ووعقہ ومحابا تہ فی بیع واداءۃ او کتابۃ او عتی علی مالی من الثلث ولا یجوز کلام من الثلث مریض کے احکام کا اعتبار اس کے عہدیت کرنے اور صدقہ و ہبہ غلام کو نہ کرنے اور بیع و اجارہ غلام کو نہ کرنا بتناؤ یا مال کے عوض ان کو تین تین حسارہ ہر ثلث مال کو اس سے اندر پراگنا تھاؤ جائز نہیں ہو۔ اور مرض الموت میں کسی وارث کو وصیت کرنا اور ہبہ کرنا جو وصیت کے حکم میں ہے مطلقا ناجائز ہے اگرچہ ثلث سے کم کی ہو مگر باہارت بقیہ وراثۃ تنقیح عمادی حامد یہ میں ہے و وہب شیئا وارثہ لا یجوز کلامہا وصیتا اگر اپنے وارث کو کچھ ہبہ کیا تو جائز نہیں کہ یہ ہبہ ہو اور خزانۃ الفقہین میں ہے و ادعی لواحد من الورثۃ فانہ لا یجوز کلامہ

سائر الورثة وهم اصحاء بالغون اگر اپنے وارثوں میں سے کسی کے لیے وصیت کی تو یہ بغیر تمام ورثا کی اجازت کے ہمال صحت و بلوغ جائز نہیں ہے۔ اور جامع الرموز میں ہے ولا تصح الوصیۃ فی کثیر منہای من الثلث ولا یصح شیء لو ارثہ الا باجازۃ ورثۃ الموصی الوصیۃ بالکثر من الثلث للجنبہ او جنبی للوارث فانہا تصح لاسقاطہم حقہم وصیت ثلث سے زائد میں صحیح نہیں ہے اور نہ ورثا کے لیے صحیح ہے مگر جبکہ ورثاے موصی اجنبی کے لیے ثلث سے زائد یا ورثا میں سے کسی ایک کے لیے وصیت کرنے کی اجازت دین کیونکہ اس صورت میں وہ خود ہی اپنے حق کو باطل کرتے ہیں سوال جہیز کا مالک شوہر ہے یا عروس کے والدین جواب جہان یہ عرف ہو کہ لڑکی کو جہیز بطور تملیک دیا جاتا ہے نہ عاریت وہاں جہیز کی مالک لڑکی ہوگی و مختار میں ہے جہیز انبتہ ثم ادعیان مادفعہ لہا عاریۃ وقالت ہو تملیک او قال النزوج ذلک بعد موتہا لیرث مندو قال لا باب او ورثتہ بعد موتہ عاریۃ فالمتحد ان القول للزوج ولہا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثله جہاز الاعادیۃ ایک شخص نے اپنی لڑکی کو جہیز دیا پھر اس بات کا دعوے کیا کہ یہ عاریت تھا اور لڑکی نے یا اس کے مرنے کے بعد اس کے شوہر نے کہا کہ یہ تملیک ہے اور باپ یا باپ کے مرنے کے بعد اس کے ورثا نے کہا کہ یہ عاریت ہے تو صحیح یہ ہے کہ لڑکی یا اس کے شوہر کا قول مقبر ہے جبکہ عرف عام میں باپ جو کچھ دیتا ہو وہ جہیز میں دیتا ہو نہ کہ عاریت۔ اور لڑکی کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں پر شرعی حصے کے موافق وہ جہیز تقسیم ہوگا سوال ہندو دائنہ نے زر قرضہ مندرجہ دستاویز جس میں جائیداد وغیرہ منقولہ مستغرق ہے جو زید وغیرہ چند دیونوں کے ذمے یا قرضی ہے بنام اپنے بیٹے بکر نابالغ مسکن کے اس عبارت مضمون سی بہ بلا عوض کیا کہ میں زر قرضہ مندرجہ دستاویز مذکورہ بہہ کرتی ہوں اور دیئے دیتی ہوں اور اپنا قبضہ اور اپنا مالکانہ استحقاق اس جائیداد پر سے اٹھا لیا اور اپنی طرف سے ایک غیر شخص ہندو کو اسکا سربراہ کار اور ولی مقرر کر کے اسی دستاویز بہہ نامہ میں ولی مذکور کو وصول زر کا اختیار اور اس کے محاصل سے پرورش اور تعلیم نابالغ کا دیا اور ہنوز زر مذکور وصول نہیں ہے اور اسی دستاویز میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر سپر مذکور مر جائے تو ہماری چاروں لڑکیوں میں سے جو اس وقت باقی ہوں ان پر وہ روپیہ بچھڑے ساوی تقسیم ہوگا پس ایسی دستاویز بہہ نامہ بھیجے جائے گی کی وصیت نامہ اگر وصیت نامہ سمجھی جائے گی تو وارث کے مقابلے میں وصیت جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ دستاویز

ہبہ نامہ سمجھی جائے گی تو ایسے ہبہ سے واہبہ کو عود اور رجوع کا اختیار حاصل ہے یا نہیں جواب
پہلے یہ امر بتا دینا ضروری ہے کہ ہبہ شرعی عین کے مالک کر دینے کو کہتے ہیں جیسا کہ تنویر الالباح
میں ہے۔ ہبہ تملیک العین عینا کسی شخص کو کسی چیز کا بلا معاوضہ کے مالک کر دینا ہبہ ہے۔
اور جیسا کہ درر مین ہے الہبۃ ہبۃ تملیک العین بلا عوض ہبہ کسی شخص کو کسی چیز کا بلا معاوضہ
مالک کر دینا ہے۔ جیسا کہ اس کو مولانا محمد عبدالحی نے حاشیہ ہدایہ میں نقل کیا ہے اور عین غیر دین ہر
بناء علیہ تملیک دین قیاساً باطل اور ناجائز ہوگی لیکن اگر واہب دین مہوب کہ کو دین مہوب
کے قبضہ کرنے پر مسلط کر دے اور مہوب نہ اس دین پر قبضہ کرے تو اس نظر سے کہ قبضہ
کے بعد دین مذکور عین ہو گیا اور تملیک عین متحقق ہو جائے گی تملیک مذکور استحساناً صحیح اور جائز
ہوگی اور یہ ایسا تصور کیا جائے گا کہ گویا جب مہوب نے دین مذکور پر قبضہ کر لیا اس وقت واہبہ نے ہبہ
کیا جیسا کہ در مختار میں ہے۔ واما تملیک الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقبضہ صحت ارجعہا
الی ہبۃ العین قرضدار کے علاوہ کسی اور کو اگر قرض کا مالک بنایا اور اسے حکم دیا کہ تم اس پر قبضہ کر لو تو یہ
صحیح ہے کیونکہ یہ ہبہ عین کے جانب راجع ہے۔ اور اسی قول کے تحت میں صاحب رد المحتار نے لکھا ہے
جواب عن سوال مقدس وهو ان لقیۃ بالین مخزجہ لتملیک الدین من غیر من علیہ الدین معانہ
ہبۃ فیخرج عن التعریف فاجاب بانہ کان عیناً ماکلاً فالمراد بالین فی التعریف ما کان عیناً حاکلاً او ماکلاً
یہ قول ایک سوال مقدر کا جواب ہے وہ یہ کہ عین کی قید سے قرضدار کے سوا کسی اور کو قرض کے ہبہ کرنیکی
صورت ٹکلی جاتی ہے حالانکہ وہ ہبہ ہے پس یہ تعریف سے خارج ہوا جاتا ہے تو اس کا جواب دیا کہ یہ عین کی جانب
راجع ہے اور تعریف میں عین سے وہ اشیاء مراد ہیں جو خود عین ہوں یا عین کے جانب راجع ہوں
اور جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب اصل سوال کا جواب لکھا جاتا ہے کہ ہبہ صورت مسئلہ میں باطل اور
ناجائز ہے اور دستاویز مذکور ہبہ نامہ نہیں ہے کیونکہ ہبہ مذکورہ تملیک دین ہے غیر دیون کو اس لیے کہ
ہندہ واہبہ نے ذر قرضہ مندرجہ دستاویز دیون کے ذمے ہے اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کیا ہے اور ایسی ہبہ
کے صحیح اور جائز ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ واہب مہوب کہ کو دین مہوبہ کے قبض کرنے پر صراحتہ
مسلط کرے اور یہ صورت مسئلہ میں مفقود ہے پس ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے چنانچہ در مختار کی ایک
جہارت اوپر گذر چکی اور بھی وہی کتاب میں ہے تملیک الدین من لیس علیہ الدین باطل لافی ثلث

حالات و وصیتہ و اذا سلطہ ای المملک غیر المادیون علی قبضہ ای الدین فیہو چند قرضدار کے سوا کسی اور کو
 قرض کا مالک بنانا باطل ہے مگر تین شرطوں سے (۱) مال اس کے حوالے کر دے (۲) وصیت کر دے (۳)
 مالک قرضدار کے سوا کسی اور کو قرض پر قبضہ کرنے کا حکم دے تو ان صورتوں میں درست ہو۔ اور رد المحتار
 میں ہے (قوله ولا يجوز من غيره) ای لا يجوز تمليك الدين من غير من عليه الدين الا اذا سلط عليه
 واستثنى الاشياء من ذلك ثلث صور الاولی اذا سلط علی قبضہ فيكون وكيلا قابضا للموكل ثم لنفسه ثلث
 المحالات الثلاثة الوصية یعنی قرضدار کے سوا کسی اور کو قرض کا مالک بنانا صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو قرض پر
 مسلط کر دے اور اشباہ میں اس سے تین صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے (۱) اُسے قبضہ کرنے پر مسلط کر دے
 پس وہ موکل کا وکیل ہو کر پہلے اس کو مال پر قبضہ کرے گا پھر اپنی ذات کے لیے (۲) حوالہ (۳) وصیت۔ اور بھی
 در مختار میں ہے۔ ومنه ما لو وهبت من انبأ ما على ابیه فالتمتع بالصحة للتسليط اسی صورت میں یہ بھی ہے
 کہ جب کوئی اپنے لڑکے کو وہ مال ہبہ کرے جو اُس کے شوہر یعنی لڑکے کے باپ کے ذمے واجب الادا ہو پس اس
 میں مقبر مسلط کرنا ہے۔ اور رد المحتار میں ہے قوله للتسليط ای اذا سلط علی القبض كما يشير اليه قوله ومنه
 الخ فتقول الشارح للتسليط ای التسليط صریحا لاحكامها كما فهمه السائحان وغیره جب وہ عورت لڑکے کو
 قبضہ کرنے پر مسلط کر دے جیسا کہ اس کے جانب اُس کا قول ومنه الخ اشارہ کرتا ہے پس شارح کے قول للتسليط
 سے مراد تسليط صریحی ہے نہ حکمی جیسا کہ سائحان وغیرہ نے سمجھا ہے۔ اور بھی در مختار میں ہے فی الخاتمة وهبت
 المهر لابن الصغیر الذی من هذا الزوج ای صحیح انک لا تصح الهبة الا اذا سلط ولد ها علی القبض
 فيعوز ويصين لکافل ولد اذا قبض خانہ میں ہے ایک عورت نے اپنا مرنے چھوٹے لڑکے کو ہبہ کر دیا اور
 یہ لڑکا اُسی شوہر سے تھا تو صحیح یہ ہے کہ یہ مہیج نہیں ہے تا وقتیکہ اپنی لڑکے کو قبضہ پر مسلط نہ کر دے یہی صورت
 میں مہر جائد ہوگا اور مال لڑکے کی ملک ہوگا جبکہ وہ اُسے قبضہ کرے۔ اور رد المحتار میں ہے قال فی البحر عن
 المحیط ولو وهب دینالہ علی رجل وامرأة ان يقبضه قبضہ جازت الهبة استحسانا وان لم ياذن بالقبض لیجوز
 بحر میں محیط نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے اپنا ایک قرض جو کسی پر تھا ہبہ کیا اور مہر ہبہ کو حکم دیا کہ تم اسے قبضہ کر لو
 پس اس نے قبضہ کر لیا تو استحسانا ہبہ جائز ہے اور اگر قبضہ کا حکم نہیں دیا تو یہ جائز نہیں ہے اور محیط میں ہے
 واما هبة ما على الناس فهو هبة الدين من غير من عليه الدين وهبة الدين من غير من عليه الدين
 اذا سلط علی القبض وقبض صحیحة استحسانا چنانچہ کہیے ذمے واجب ہو اُس کا ہبہ دین کا ہبہ ہے قرضدار

کے سوا کسی اور کو اور یہ استحسانا صحیح ہے جبکہ اُسے قبضہ پر مسلط کر دے اور وہ قبضہ کر بھی لے اور فصول عبادیہ میں ہے ذکر فی لصغری فی کتاب الحبۃ حبۃ الدین من علیہ الدین لا ینصح الا اذا وہبہ ولون لہ بالقبض قبضہ جاز و ذکر فی العدۃ وان لم یامر بالقبض لا یجوز والبنت لو دہبت مہرہا من ابیہا ان امرتہ بالقبض جاز صغری کی کتاب ہبہ میں ہے کہ قرض کا قرضدار کو ہبہ کر دینا صحیح نہیں ہے مگر جبکہ اُسے ہبہ کر دے اور قبضہ کرنے کا حکم دے اور وہ قبضہ کر لے اور عدۃ میں ہے کہ اگر قبضہ کا حکم نہ دے تو جائز نہیں ہے اور لڑکی اگر اپنا مہر باپ کو ہبہ کر دے اور قبضہ کا حکم دیدے تو یہ ہبہ جائز ہے۔ اور قتادی قاضی خان میں ہے امرۃ لہا مہر علی زوجہا ودہبت المہر لابیہا الصغیر الذی من هذا الزاوج الصحیحانہ لا ینصح هذه البنت لان حبۃ الدین من غیر من علیہ الدین لا یجوز الا اذا وہبت وسلطت ولدہا علی القبض فیجوز ویصیر ملکاً للولد اذا قبض ایک عورت نے اپنا مہر جو شوہر پر واجب تھا اپنے لڑکے کو جو اسی شوہر سے تھا ہبہ کر دیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ ہبہ درست نہیں ہے کیونکہ قرضدار کے سوا دوسرے کو قرض کا ہبہ کرنا ہے جو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اپنے لڑکے کو ہبہ کرے اور اُسے قبضہ پر مسلط کر دے تو جائز ہے اور بعد قبضہ وہ لڑکے کی ملک ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ ہبہ نے ایک شخص کو مہوبہ کر لینے بکرا بالغ کا ولی اپنی جانب سے مقرر کر کے اُس ولی کو دین مہوبہ کے قبضہ کرنے پر صراحۃ مسلط کر دیا اور حکم دیا ہے اور ولی مذکور کو صراحۃ قبضہ کرنے پر مسلط کرنا اور حکم دینا عین مہوبہ کو دین مہوبہ کو قبضہ کرنا پر مسلط کرنا ہوندا صریحاً صحت ہبہ صورت مسئلہ میں تحقیق ہوئی پس چاہیے کہ ہبہ مذکورہ صحیح اور جائز ہو تو جواب اُسکا اولایہ ہے کہ وہا ہبہ نے جس شخص کو جن امور میں نابالغ مذکور کا ولی مقرر کیا ہے اُن امور میں خود ہی ولایت نہیں رکھتی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا تو اُن امور میں دوسرے کو اپنی جانب سے ولی کیونکر مقرر کر سکتی ہے اور ثانیاً یہ کہ وہا ہبہ نے جس شخص کو ولی مہوبہ کر لینے نابالغ مذکور کا مقرر کیا ہے وہ شخص اُسکا ولی نہیں ہو سکتا دو وجہ سے ایک یہ کہ وہ شخص قوم ہندو سے ہے اور ہندو شخص مسلمان لڑکے کا ولی نہیں ہو سکتا ہو سکتا ہے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے ولا کایۃ لکافر علی مسلم لقولہ تعالیٰ ولین یصل اللہ الیکافرین علی المؤمنین سبیل اللہ لا تقبل شہادۃ کافرین الا ان کان کافرین کافراً ثانیاً کافر مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا کہ کافروں کو مؤمنین پر کوئی راہ نہ دیکھا اس لیے کافر کی شہادت مقبول نہیں ہے اور مسلم اور کافر لڑکے دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اور یہی ہدایہ میں ہے لانه لا شہادۃ لکافر علی مسلم کیونکہ کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے۔ اور مولانا الامداد رحمہ اللہ اسی قول کے حاشیہ میں لکھتے ہیں اذا کایۃ لہ علیہ قاتل اللہ

تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کافرون کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دیگا۔ اور بھی ہدایہ میں ہے و خلاف شهادة الذی علی المسلم لا ولایة له بلاضافة الیہ برخلاف ذمی کے مسلمان کے خلاف شہادت کے کیونکہ مسلمان پر اسکو ولایت نہیں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے ولا ولایة لصغیر ولا مجنون ولا کافر علی مسلمہ ومسلمة کذا فی الحادی صغیر اور مجنون اور کافر مسلمان مرد یا عورت کے ولی نہیں ہو سکتے جیسا کہ حادی میں ہے۔ اور قاضی خان میں ہے کہ ولایة للصبی والمجنون ولا المملوک ولا الکافر علی المسلم بچہ اور مجنون اور مملوک اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔ اور متخلص شرح کنز میں ہے لا ولایة لعبد وصغیر ومجنون وکافر علی مسلمة اما العبد فلا ولا ولایة لعلی نفسه والولایة علی الغیر بناء علی الولایة لنفسه وكذلك المصغیر والمجنون لعدم الولایة علی النفس واما الکافر فلقوله تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً غلام اور بچہ اور مجنون اور کافر کو مسلمان مرد یا عورت پر ولایت نہیں ہے غلام کو تو اس وجہ سے کہ اسے خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے اور دوسرے کا ولی ہونا اپنی ولایت کی فرع ہے اور یہی حال بچہ اور مجنون کا ہے کہ انکو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے اور کافر اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کافرون کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دیگا۔ اور یہی شرح کنز میں مذکور ہے لا شهادة للکافر علی المسلم لقوله تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً قالہ تعالیٰ نفی الولایة لهم عن المسلمین والشهادة من باب الولایة کافر کی شہادت مسلمان کے لیے مقبر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کافرون کو مسلمانوں پر راہ نہ دے گا پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے انکی ولایت کی نفی کی اور شہادت بھی ولایت ہی کے اقسام میں سے ہے۔ اور رد المحتار میں ہے بقوله لعدم الولایة تعلیل المفہوم یعنی ان الکافر لا یلی علی المسلمة ولذا المسلم لقوله تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً مصنف کا قول لعدم الولایة اس کی علت ہے جو اس عبارت سے سمجھا جاتا ہے یعنی کافر مسلمان عورت اور اس کے مسلمان لڑکے کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کافرون کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دیگا اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا یصح ولایة القاضی حیثما یجتمع فی المولی شرایط الشهادة کذا فی الہدایة من الاسلام والجزیة والتکلیف کذا فی الفرائق جس شخص میں شرائط شہادت پائے جائیں اسکا ولی قاضی نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہدایہ میں ہے یعنی اسلام اور جزئیہ مکلف ہونا یہ نہر الفائق میں ہوا ہدایہ میں ہے۔ لہذا حکم القضاء یتضمن من حکم الشهادة لان کل واحد منهما من باب

الولاية فكل من كان من اهل الشهادة يكون اهلا للقضاء وما يشترط لاهلية الشهادة يشترط لاهلية القضاء
 کیونکہ قضا کا حکم شہادت کے حکم سے حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ قضا اور شہادت دونوں اقسام ولایت سے
 ہیں پس جو شہادت کی اہلیت رکھتا ہے وہ قضا کی بھی اہلیت رکھتا ہے اور جو شرطیں اہلیت شہادت
 کی ہیں وہی شرطیں اہلیت قضا کی بھی ہیں اور درختار میں ہے و شرط اہلیتہا بشرط اعلیتہا فان کلاہما
 من باب الولاية اہلیت شہادت کی شرطیں اہلیت قضا کی شرطیں ہیں کیونکہ یہ دونوں اقسام ولایت سے
 ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ولایت جابجے تنفیذ القول علی الغیر شاء ادابی دوسرے پر حکم کا نافذ ہو جانا خواہ
 وہ راضی ہو یا نہ ہو۔ کافر کی مسلمان پر نہیں لیکن صورت مسئلہ میں واہبہ نے جس شخص کو ولی مقرر کیا ہے
 اسکو ولی بجے سربراہ کا مقرر کیا ہے نہ ولی بجے مذکور پس ولی یعنی مذکور میں اسلام کی شرط ہونے سے لازم
 نہیں آتا کہ ولی بجے سربراہ کا میں بھی اسلام شرط ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں واہبہ نے جس شخص
 کو ولی مقرر کیا ہے اُسے تعریف ولی بولایت اجبار کی صادق ہے کیونکہ واہبہ نے جو اختیارات شخص مذکور کو
 نابالغ مذکور کی نسبت دیے ہیں وصول کرنا زر قرضہ مندرجہ دستاویز کا دیون سے اور اُس میں تصرف کرنا
 اور اُس کے محاصل سے پردیش اور قطعیم نابالغ کی کرنا وہ سب اختیارات شخص مذکور کے واہبہ کی اختیار
 دینے سے نابالغ مذکور کے حق میں نافذ ہونے کے خواہ نابالغ مذکور منظور کرے یا نہ کرے اور تنفیذ القول علی
 الغیر شاء ادابی کے یہی معنی ہیں۔ پس تعریف ولی بولایت اجبار کی شخص مذکور پر بے شبہ صادق ہے و اب
 چاہے اُسکا نام سربراہ کا رکھو یا اور کچھ نام بدل دینے سے حکم نہیں بدل جاتا اور جب تعریف ولی مذکور کی شخص
 مذکور پر صادق آئی تو اُس میں اسلام کا پایا جانا بھی شرط ہوا اور جب اسلام اس میں مفقود ہے تو نابالغ مذکور
 کا ولی نہیں ہو سکتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ واہبہ نے شخص مذکور کو ولی فی المال ہی قرار دیا ہے اس لیے کہ زر
 قرضہ مندرجہ دستاویز دیون سے وصول کر کے اُس میں تصرف کرنے اور اُس کے محاصل سے پردیش نابالغ کی
 کرنا بھی اُسکو اختیار دیا ہوا در مال میں چھری شخص ولی ہو سکتے ہیں اُنکے سوا اور کسی کو مال میں ولایت
 نہیں ہو سکتی (۱) باب (۲) اُسکا وصی (۳) دادا (۴) اُسکا وصی (۵) قاضی (۶) اُسکا نائب۔ اور
 شخص مذکور ان چھ میں سے نہیں ہے پس شخص مذکور نابالغ مذکور کا ولی نہیں ہو سکتا اور اسی سے معلوم ہوا کہ
 واہبہ بھی جو نابالغ مذکور کی مان ہے مال میں ولی نہیں ہو سکتی درختار میں ہے ولی فی النکاح لا المال لصحة
 بنفسہ عین بنفسہ محکم میں ولی ہونا مال میں آور درختار میں ہے فان ولی فیہ الاکاب و وصیہ و الولد و غیرہ

والقاضی ونائبہ فقط کیونکہ مال میں ولی باپ ہی یا جسے باپ وصیت کرے اور دادا ہے یا جسے دادا وصیت کرے اور قاضی ہے یا قاضی کا نائب + اور فصول عماد میں ذکر کی باب المصروف من بیوع شرح الطحاوی والموکایہ فی مال الصغیر الی الاب ووصیہ ثمالی وصی وصیہ فان ما الاب ولہ ووصی الی حد قالو لایۃ الی اب الاب ثمالی وصیہ ثمالی وصی وصیہ فان لہ ووصی القاضی ومن ینصبہ القاضی وفیہ ایضاً لیس لغیر الاب والجد ووصیہا ولایۃ التصرف فی مال الصغیر وفیہ ایضاً للاب والجد ووصیہا اجازۃ عبد الصغیر وسائر اسلاکہ واموالہ فاما غیر ہولاء من الصغیر فی حجرہ کلا یمکن اجازۃ مال الصغیر لانہ لیس لغیر ہولاء ولایۃ التصرف فی مال الصغیر وفیہ ایضاً ذکر فی ما ذون شرح الطحاوی ویجوز اذن الاب والجد ووصیہا واذن القاضی ووصیہ للصغیر فی التجارۃ وعبد الصغیر ولا یجوز اذن الام للصغیر واخیرہ وامکان ہولاء لیس لہم ولایۃ التصرف فی مالہ فلا یمکن لہم ولایۃ الاذن شرح طحاوی کے کتاب البیوع کے باب مصراۃ میں ہے کہ بچے کے مال کا ولی باپ ہے پھر جسے وہ وصیت کرے پھر جسے وہ وصیت کرے پس اگر باپ مرے اور اُس نے کسی کو وصیت نہ کی تو دادا ولی ہے پھر جسے وہ وصیت کرے پھر جسے وہ وصیت کرے اور اگر دادا نے بھی کسی کو وصیت نہ کی ہو تو قاضی ولی ہے یا جسے قاضی مقرر کرے اور بھی اسی کتاب میں ہے بچے کے مال میں باپ اور دادا یا جنکو انھوں نے وصیت کی ہو ان کے سوا کسی کو ولایت تصرف نہیں ہے اور بھی اسی کتاب میں ہے باپ اور دادا یا جسے انھوں نے وصیت کی ہو اسے بچے کے غلام اور اُس کے تمام املاک واموال کو اجرت پر دینا درست ہے اور اس کے علاوہ اور ان لوگوں کو جنکی نگرانی میں بچہ ہو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کے سوا اور کسی کو بچے کے مال میں ولایت تصرف نہیں ہے اور بھی اسی کتاب میں ہے شرح طحاوی کے باب ما ذون میں ہے کہ بچے کے باپ دادا اور جنکو انھوں نے وصیت کی اور قاضی اور اُس کے نائب کی اجازت پر دینا درست ہے اور اُس کی بھائی اور اُس کے بھائی کی مان کی اجازت جائز نہیں ہے کیونکہ ان سب کو بچہ کو مال میں ولایت تصرف نہیں ہے پس ولایت اذن بھی نہ ہوگی اور ثنائیہ کہ وہاں یہ کا ولی مذکور کہ تسلیط صریح کر نہیں ہو سکتا کی نسبت تسلیط صریح ہونا ممنوع اور غیر مسلم ہو غایۃ الامر یہ ہے کہ تسلیط مذکور ہو سکتا ہے کی نسبت تسلیط صریح ہوگی اور تسلیط صریح اس باب میں کافی نہیں تسلیط صریح درکار ہو جیسا کہ عبارت مرقومۃ العسکری الخیر سے معلوم ہوا اور تسلیط صریح یہاں مفقود ہے پس شرط صحت وجوب ہے مذکورہ صورت مستعملین مفتوح ہے

پس ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے اگر یہ کہا جائے کہ صورت مسئلہ میں واہبہ کہ موہوب لہ کی مان ہو اگرچہ ولی فی المال نہیں ہو سکتی لیکن جبکہ موہوب لہ نابالغ ہو اور مان کی عیال میں ہو اور باپ یا دادا یا اونکے وصی میں سے کوئی موجود نہ ہو تو مان ایسی صورت میں در باب قبضہ ہبہ کے ولی ہو سکتی ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے والوصی کلاب والام کذلک لوکان الصبی فی عیالہا ان وهبت لہ او وهب لہ ملک فلام القبض وهذا اذا لم یکن للصبی اب ولا جد ولا وصیہا وصی مثل باپ کے ہو اسی طرح مان جبکہ بچہ اُس کی عیال داری میں ہو اگر مان اُسے کچھ ہبہ کرے یا کسی اور نے اُسے کچھ ہبہ کیا ہو تو مان اُس پر قابض ہو سکتی ہے بشرطیکہ بچہ کا باپ یا دادا یا ان کے وصی موجود نہ ہوں۔ اور یہاں بھی صورت واقع ہے کہ موہوب لہ نابالغ اور مان کے عیال میں ہے اور باپ اور دادا اور ان کے وصیوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے پس مان اور باپ قبضہ ہبہ کے ولی ہونگے اور ایسے ولی کا ہبہ نابالغ کو بجز عقد ہبہ کے تام اور کامل ہو جاتا ہے پس ہبہ مذکورہ بھی تام اور کامل ہوگی اور شرط مذکور کی حاجت نہوگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ ولی کا ہبہ نابالغ کو اُس صورت میں تام اور کامل ہوتا ہے جبکہ ختمے موہوب واہب یا امین واہب کے قبضہ میں ہو اور صورت مسئلہ میں یہ شرط مفقود ہے اس لیے کہ دین موہوب نہ واہبہ کے قبضہ میں ہے نہ اُس کے امین کے قبضہ میں بلکہ اُس کے دیون کے ذمے ہے جو اُس کے امین نہیں ہیں پس اس صورت میں مان کی ولایت کافی نہیں ہوتی اور شرط مذکور کی حاجت باقی رہی اور ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز رہی درنہار میں ہے۔۔۔ رتبۃ من لہ الولاية علی الطفل بالعقد لوکان الموهوب معلوما وکان فی یدہ وید مودع لان قبض الوالی یتوب عنہ بچہ کے ولی کا ہبہ محض عقد سے درست ہو جائے گا اگر موہوب معلوم ہو اور خود بچہ کے یا دینے والے کے قبضہ میں ہو کیونکہ ولی کا قبضہ بچہ کے قبضہ کے قائم مقام ہے۔ اور ہر ایہ میں ہے واذا وهب الاب لابنہ الصغیر رتبۃ ملکھا الابن بالعقد لانه فی قبض الاب فیتوب عن بعض الہبۃ ولا فرق بین ما اذا کان فی یدہ او فی ید مودعہ لان یدہ کیدہ بخلاف ما اذا کان مرهونا ومضویا او مبیعا بیعا فاسد لانه فی ید غیرہ او فی ملک غیرہ وکذا اذا وهبت لہ ام مودعہ فی عیالہا والاب میت ولا وصی لہ وکذلک کل من یعولہ جب باپ اپنے چھوٹے بچے کو کچھ ہبہ کرے تو ہبہ محض عقد سے منعقد ہوگی کیونکہ مال موہوب باپ کے قبضہ میں ہے اور قبضہ قائم مقام بعض ہبہ کے ہے اور مال کے خود لڑکے کے قبضہ میں ہونے اور ہبہ کرنے والے کے

قبضہ میں ہونے میں کچھ فرق نہیں ہے کیونکہ ولی کا قبضہ مثل بچے کے قبضے کے ہے برخلاف اس کے مال مرہون یا منصوب یا بیع بہ بیع فاسد ہو کیونکہ ایسی صورتوں میں مال دوسرے کے قبضہ میں ہے اور اسی طرح جب مان بچے کو ہبہ کرے اور بچہ مان کی عیال داری میں ہو اور باپ مر گیا ہو اور اس کا کوئی وصی نہ ہو اور اس طرح ہر وہ شخص جو بچے کی عیال داری کرے الحاحاً جب صورت مسکولہ میں ہبہ مذکورہ ہبہ دین کا غیر مدیون کو ہے اور ایسی ہبہ کے صحیح اور جائز ہونے کے لئے واہب کا موہوب لہ کو دین موہوب کے قبضہ کرنے کا مراۃ حکم دینا شرط ہے اور یہ شرط مانحن فیہ میں مفقود ہے اور ولی مذکور کی ولایت منظور نہیں اور نہ تولیت واہب کی صحیح اور نہ خود واہب کی ولایت قبض ہبہ میں کافی ہے جیسا کہ یہ سب پر وجہ مذکورہ بالا سے معلوم ہوئے تو بے شبہ ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے اور جب ہبہ مذکورہ خود ہی باطل اور ناجائز ہو تو اس کے رجوع اور عود کی حاجت نہیں اور اگر بالفرض ہبہ مذکور صحیح اور جائز بھی ہو تو بھی اس ہبہ پر بیہودہ کہ ہنوز قبضہ دین موہوب پر نہیں ہوا ہے واہب کو رجوع اور عود کا اختیار حاصل ہے اور بدولت حکم حاکم اور رضامندی یکد گیر کے رجوع اور عود کر سکتی ہے اس لیے کہ ایسی ہبہ میں بلکہ غام ہبہ میں جب تک موہوب لہ شے موہوب پر قبضہ نہ کرے شے موہوب نہ اس کی ملک ہوتی ہے اور نہ ہبہ لازم اور مستحکم ہوتی ہے اور جب تک ہبہ لازم اور مستحکم نہ ہو واہب کو اس سے رجوع اور عود کا اختیار بدولت حکم حاکم اور رضامندی یکد گیر کے حاصل رہتا ہو گو ہبہ دین ذی رحم محرم بلکہ ہبہ دین غراماؤن میں واہب کو یہ بھی اختیار حاصل رہتا ہے کہ موہوب لہ کو دین موہوب پر قبضہ کرنے سے منع کر دے قاضی قان میں ہے ویصیر ملکاً للولد اذا قبض قبضہ کر لینے کے بعد مال بچے کی ملک ہو جائے گا۔ اور ایسا ہی مختار میں خانیہ سے منقول ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ اور فصول عمادیہ میں ہر وہ فی بعض کتب الفقہ الموثوق علیہ ہبۃ الدین من غیر من علیہ الدین لایجوز الا اذا سلط علی قبضہ ویصیر کالہ وجہ حین قبضہ ولا یتحکم الا بالقبض فقہ کی بعض قابل وثوق کتابوں میں ہے کہ قرض کو قرضدار کے سوا کسی اور کو ہبہ کر دینا درست نہیں مگر یہ کہ موہوب لہ کو قبضہ کرنے پر مسلط کر دے کہ گویا اس کو قبضہ کے وقت اس کو ہبہ کیا ہے اور یہ ہبہ بدولت قبضہ کے مستحکم نہیں ہوتی۔ اور رد المحتار میں ہر وہ قال بعض الفضلاء ولہذا لا یلزم الا اذا قبض ولہ الرجوع قبلہ فلم یمنع حیث کان بحکم النیابۃ عن القبض وفیہ ایضا قال فلا تشباہ صحمت ویكون ویکیلا قایضا للموکل ثم لنفسه ومقتضاہ عزلہ عن التسلیط قبل القبض

بعض فضلاء نے کہا ہے کہ اسی لیے ہبہ اسوقت تک لازم نہیں ہوتی جب تک کہ موبوب لہ اس پر قبضہ نہ کرے
اور واہب کو قبل قبضہ رجوع کا حق حاصل ہے کیونکہ اُس نے موبوب لہ کو قبضہ کرنے پر اپنا نائب بنایا تھا اور
اسی کتاب میں ہے کہ ایشاہ میں ہے ہبہ صحیح ہوگی اور موبوب لہ مال پر مومل کے لیے پھر اپنے لیے قبضہ کرے گا۔
اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واہب قبضہ کے قبل اُسے موزول کر سکتا ہے۔ اور محیط میں ہے۔ الہبۃ انواع
ہبۃ لا خبی و ہبۃ لذی رحم محرم و ہبۃ لمحرم لیس بذی رحم و فی جمیع ذلک
للواہب حق الرجوع قبل التسلیم لانه بالرجوع قبل التسلیم یمتنع عن تمام القبض ہبہ کی بہت سی قسمیں
بین انہی کو ہبہ کرنا ذور رحم محرم کو ہبہ کرنا ذور رحم غیر محرم کو ہبہ کرنا محرم غیر ذی رحم کو ہبہ کرنا ان سب صورتوں
میں ہبہ کرنے والے کو مال سپرد کرنے سے پہلے ہبہ سے رجوع کرنے کا حق ہے کیونکہ رجوع قبل تسلیم سے قبضہ
پورا نہیں ہونے پایا ہے۔ اور قاضی خان میں ہے والصلۃ اذا تمت بالقسمہ لا یرجع فیہا کانت للقریب
اولا خبی وللواہب ان یرجع فی ہبۃ قبل ان یقبض الموبوب لہ کان الموبوب لہ حاضرا و غائبا
اذن لہ فی قبضہ او لم یاذن یتفرد الواہب فی الرجوع قبل القبض و بعد القبض لا یرجع الا بقضاء
او رضاء جب قبضہ کے بدولت صدقہ تمام ہو جائے تو رجوع کا حق نہیں ہے صدقہ خبی کو دیا گیا ہو یا قریب
کو البتہ موبوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے واہب کو رجوع کا حق ہے موبوب لہ موجود ہو یا نہ ہو قبضہ کرنے کی
اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اکیلا واہب قبل قبضہ رجوع کر سکتا ہے اور بعد قبضہ کے بجز قضائے قاضی اور رضائے
موبوب لہ رجوع کا حق نہیں ہے۔ اور مسائل کا یہ قول کہ واہب نے ہبہ کر کے اپنا قبضہ اور مالکانہ استحقاق
اُس جائداد سے اٹھالیا قبضہ ہبہ کے لیے کچھ مفید نہیں بلکہ یہ قول بے معنی ہے اسوا سطحہ کراد مسائل کی
اُس جائداد سے کیا ہی اگر زر قرضہ مندرجہ دستاویز دلیلیوں پر ہے تو وہ ہنوز واہب کے قبضہ میں نہیں کہ
ہبہ کر کے اُس سے اپنا قبضہ اٹھالیتی اور اگر اُس سے جائداد مستغرق مراد ہے تو وہ موبوب نہیں اور نہ
واہب کی ملک ہے کہ اُس کو ہبہ کر سکتی اور نہ اپنا مالکانہ استحقاق اُس پر رکھتی ہی جسکو اٹھالیتی بس یہ قول بے معنی
اور لغو ہے اگر یہ کہا جائے کہ جس دستاویزین زر قرضہ مندرجہ ہے یعنی جسکو مدیون نے لکھ کر دائرہ کو
دیا ہے وہ دستاویز یا خود دائرہ کے قبضہ میں ہوگی یا دائرہ نے موبوب کر کے یا اُس کے ولی کے قبضہ میں
دی ہے ہوگی اور ان سب صورتوں میں قبضہ ہبہ متحقق ہوتا ہے اس لیے کہ اگر خود دائرہ کے قبضہ میں ہوگی
اس سطحہ دائرہ و اب قبضہ ہبہ مالک کے ولایت رکھتی ہے جیسا کہ اوپر لکھا اور ولی کا قبضہ بجائے

قبضہ موبوب کے ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا پس قبضہ سببہ متحقق ہوا اور اگر موبوب لہ کے قبضہ میں
 دیدی ہے تو اس صورت میں تحقق قبضہ سببہ ظاہر ہے اور اگر دلی کے قبضہ میں دیدی ہے تو اس واسطے کہ
 امین واہبہ کا قبضہ بجائے واہبہ کے قبضے کے ہے اور واہبہ کا قبضہ بجائے موبوب لہ کے قبضے کے
 ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا پس ان سب صورتوں میں قبضہ سببہ متحقق ہوا اور جب قبضہ سببہ متحقق ہو گیا تو
 اب سببہ مذکورہ تام اور کامل ہوگی اور اُس سے رجوع اور عود نا جائز ہوگا اور اگر جائز بھی ہو تو یہ دون
 حکم حاکم یا رضامندی یکد گیر کے نا جائز ہوگا تو اسکا جواب یہ ہے کہ کسی صورت میں صورت مذکورہ سببہ
 سببہ متحقق نہیں ہوتا اس لیے کہ دستاویز مذکور موبوب نہیں ہے کہ اسکا قبضہ قبضہ سببہ ٹھہرے بلکہ
 موبوب زر قرضہ مندرجہ دستاویز ہے جو دنگی مدیونان ہے اور زر قرضہ مذکورہ نہ واہبہ کے قبضہ میں
 ہے نہ موبوب لہ کے قبضہ میں اور نہ اُس شخص کے قبضہ میں جسکو واہبہ نے دلی اسکا مقرر یہ ہے بلکہ اگر نزد
 مذکور پر بھی شخص مذکور کا قبضہ ہو گیا ہوتا تو جب بھی قبضہ سببہ کے لیے کافی نہوتا کیونکہ شخص مذکور موبوب لہ
 کا دلی نہیں جیسا کہ سابقہ معلوم ہوا اور اگر مجر دستاویز مذکور کا قبضہ واہبہ میں ہونا یا موبوب لہ کا اُسپر
 قبضہ کر دینا قبضہ زر مندرجہ دستاویز کے لیے کفایت کرتا تو جسوقت مدیون نے دستاویز مذکور لکھ کر دانہ
 کو دیدی تھی اور اُسپر اُس کا قبضہ کر دیا تھا تو یہی دستاویز مذکور کا دانہ گودیدینا اور اُسپر اسکا قبضہ کر دینا
 اداسے زر قرضہ دانہ مندرجہ دستاویز کے لیے کفایت کر جاتا اور یہی اداسے زر قرضہ دانہ سمجھا جاتا اور
 پھر مطالبہ ادائے زر قرضہ مذکور کا اُن سے ساقط ہو جاتا ہو کماتری اور جب ثابت ہوا کہ کسی صورت میں
 صورت مذکور سے قبضہ سببہ متحقق نہیں ہے تو سببہ مذکورہ نا تام اور نا مکمل رہا پس واہبہ کو رجوع اور
 عود کا اختیار سببہ مذکورہ سے بلا حکم حاکم اور رضامندی یکد گیر کے باقی رہا اگر یہ کہا جائے کہ دستاویز مذکور
 پر موبوب کہ یا اُسکی ولی کا قبضہ کر دینا قبضہ سببہ کے لیے مفید نہیں ہے لیکن حصول شرط صحت و جواز
 سببہ مذکورہ کے لیے تو ضرور مفید ہوگا پس سببہ مذکورہ صحیح اور جائز ہوگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ شرط صحت
 و جواز سببہ مذکورہ تسلیط صریحی ہے نہ ظہری اور دستاویز مذکور پر قبضہ کر دینے سے اگر تسلیط متحقق بھی ہو تو
 تسلیط حکمی متحقق ہوگی نہ تسلیط صریحی اور تسلیط حکمی کافی نہیں اور بالین بہ تسلیط مانع رجوع نہیں جیسا کہ اوپر مفصلاً
 گذرا بلکہ ایسی سببہ سے کہ واہبہ نے اُس میں بے انصافی کی ہو کہ صرف بیٹے کو سببہ لیا اور بیٹیاں
 بھی موجود ہیں اُن کو محروم کیا رجوع کر لینا اولیٰ اور بہتر ہے چنانچہ صحیحین اور دیگر صحاح میں نھان بن

سے روایت ہو کہ ان کے باپ نے اُنکو ایک غلام بہہ کیا تھا اور اپنی اور اولاد کو محروم کیا تھا تب اُن کی
 مان نے اُن کے باپ سے کہا کہ میں راضی نہ ہوں گی جب تک تم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ کرو
 پس اُنکے باپ اُنکو لیکر حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتنا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے
 اپنے اس لڑکے کو ایک غلام بہہ کیا تھا اسکی مان نے مجھے کہا کہ تم اس امر پر حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ
 والتنا کو گواہ کر دو آپ نے پوچھا کیا تم نے اسی طرح اپنے اور اولاد کو بھی بہہ کیا ہے کہا نہیں آپ نے فرمایا
 کیا تجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تیری سب اولاد تیرے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں گی کون نہیں فرمایا
 تو ایسا نہ کرو اور غلام پھیلو اور مجھ کو گواہ نہ کر دیکو کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا ہوں اور فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی
 اولاد میں انصاف کرو پس اُنکے باپ نے اُس بہہ سے رجوع کیا یعنی غلام بھیر لیا مشکوۃ میں نعان
 بن بشیر سے روایت کی ہوان ابوالا اتی بہ الدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی خلعت ابنی
 هذا غلاما فقال اکل ولدك خلعت مثله قال لا قال فارجه وفي رواية انه قال لا یسر ان یكون فاف
 الیك فی البر رسولہ قال بلی قال فلا اذا وفي رواية انه قال عطا فی ابی عطیة فقالت عمر بنت دواحة
 لا ارضی حتی تشہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال فی
 اعطیت ابنی من عمر بنت دواحة عطیة فامر قتی ان اشہدك یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 قال اعطیت سائر ولدك مثل هذا قال لا قال فاتفقوا اللہ واعدوا بین اولادكم قال فرجع
 فودع عطیته وفي رواية انه قال لا اشہد علی جوہ متفق علیہ نعان کو اُنکے باپ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کی خدمت میں لائے اور کہا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بہہ کیا ہے اپنے فرمایا کہ تم نے اپنے ہر بیٹے کو
 ایک ایک غلام دیا ہے اُنھوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا تم اس بہہ سے رجوع کر لو اور ایک روایت
 میں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم اس امر سے خوش نہ ہو گے کہ تمھارے سب بیٹے تمھارے ساتھ برابر بنی کرین
 اُنھوں نے کہا بیشک خوش ہوں گا پھر آپ نے فرمایا پس یہ بہہ ٹھیک نہیں ہے اور ایک روایت میں
 ہے کہ مجھے میرے باپ نے کچھ عطیہ دیا تو عمر بنت رواحہ (بشیر کی مان) نے کہا کہ بیشک میں اسکو پسند
 نہ کروں گی تا وقتیکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة اس کی شہادت نہ دیں پس میرے والد نے
 حضور بنی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے اپنے لڑکے کو جو عمر بنت رواحہ
 سے کچھ عطیہ دیا تو عمر بنت رواحہ نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو شاہد بناؤں آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنے

سب لوگوں کو اس کے مثل عطیہ دیا ہو انھوں نے کہا نہیں اپنے فرمایا خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو پس میرے باپ لوٹ آئے اور اپنے عطیہ کو واپس لے لیا اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے فرمایا میں ظلم کا شاہد بنوں گا۔ اور دستاویز مذکور وصیت نامہ بھی نہیں ہے اس لیے کہ وصیت اس تملیک کو کہتے ہیں جو مضاف بالبعد موت ہو تو میرا البصار میں ہے حتی تملیک مضاف الی ما بعد الموت وصیت وہ تملیک ہے جو مضاف بالبعد موت ہو۔ اور تملیک مذکور دستاویز میں مضاف بالبعد موت نہیں ہے پس دستاویز مذکور وصیت نامہ نہیں ہو اور وصیت وارث کے لیے ناجائز ہے ہر ایہ میں ہے کہ لا تجوز لوارثہ لقولہ علیہ السلام ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا وصیۃ لوارث وصیت ذات وارث کے لیے جائز نہیں کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہو اگر گاہ ہو جاوے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ اصل سوال کا خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہ نہ مذکورہ شرط صحت کی فوت ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور دستاویز مذکورہ یہ نہ نہیں ہے اور بقرض صحت و جواز عدم قبضہ اور عدم لزوم استحکام کی وجہ سے واہبہ کو بلا حکم حاکم و رضامندی یکسر رجوع اور عود کا اختیار حاصل ہے اور وقوع برفضانی کی وجہ سے رجوع ہی اولیٰ ہے اور دستاویز مذکور وصیت نامہ بھی نہیں ہے اور وارث کے لیے وصیت کرنا ناجائز ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد عبداللہ عفا عنہ فی الواقع صورت مسئلہ میں یہ غیر ناقد ہے اور واہبہ کو رجوع کا اختیار ہی بلکہ رجوع بہتر ہے اور سلمان کا دلی کافر نہیں ہو سکتا واللہ اعلم حررہ الراحمی غفور رب القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوازا عن ذنیہ اجلی و انحنی سوال اگر مریض اپنے شدید مرض میں یہ سادہ کرے اور پھر اس کو قاف ہو جائے ایسا کہ زندہ بچنے کا غالب گمان ہو اور وہ سال کے اندر ابتداء کے مرض اول سے بحدوث مرض جدید مر جائے۔ تو وہ مریض بمرض الموت متصور ہوگا یا نہیں۔ جواب واہب مریض بمرض الموت متصور ہوگا اور یہ میں خلل نہوگا وقایہ اور اسکی شرح مصنفہ ضیح الدین ہر دی میں ہے وہبہ مقعد ومفلوج وائل ومسلول يجوز من کل مالہ کعبۃ الصحیح ان طالت المدۃ الی مدۃ کل واحد من هذه الامراض بقدر وہبہ بئسۃ کما فی المہدایۃ وغیرہا فان اذ اطالت المدۃ صار بمنزلۃ طبع من طبائعہ ولم یغضہ موتہ منہ غالباً بان لا یحس از دیادہ شیئاً فشیئاً کا معنی فکان صاحب فی التصرف بمنزلۃ الصحیح والا ای وان لم تطل مدۃ وہبہ وکان بحیث یزاد کلاً فحلاً ویخاف فیہ المہلاک غالباً فمن تلکہ جسے فالج ہو اور جبکہ یا تمہ باؤن شل ہو گئے ہوں اور جسے سہل ہو اسکا سہل کرنا کل مال سودت ہو

جیسے کہ تندرست آدمی کا ہبہ کرنا بشرطیکہ ان امراض کی جو مدت ہے آٹھ ماہی مرض طویل کھینچ گیا ہو اسکی مقدار ایک برس بیان کی جاتی ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہی کیونکہ جب مرض مدت درز تک رہے تو گویا وہ طبع سے ہو گیا کہ اس سے موت کا خوف نہیں رہا اگر مرض میں زیادتی محسوس نہ ہو مثلاً اندھا بین تو ازہے کا اپنے مال میں تصرف ویسا ہی درست ہے۔ تندرست آدمی کا در نہ اگر مدت طویل نہ ہو اور مرض وقتاً فوقتاً بڑھتا رہے اور غالب گمان ہلاکت نہ ہو تو تصرف ثلث مال میں نافذ ہوگا۔ اور برجنڈی کی شرح مختصر دقایہ میں ہے مرض الموت مایکون سبباً للموت وذلك اذا كان يزوداً حلاً لا لالی ان لیكون آخو الموت فاذا استحكم ولا یدوام بعده لم یکن سبباً للموت وصلوا صاحبہ فی التصرف بمنزلة الصحیح مرض موت وہ ہی جو موت کا سبب ہو اور یہ جب ہی ہوگا جب مرض وقتاً فوقتاً بڑھتا رہے حتیٰ کہ آخرین مرحلے سے تو اگر مرض مستحکم ہو کہ پھر زائد نہ ہو تو وہ سبب موت نہ ہوگا اور ایسا مریض تصرف کرنے میں مثل تندرست آدمی ہے ہوگا اور مریض الغفار شرح تنویر الایمان میں سے وہبۃ مقعدہ ومفلوجہ وانشل ومسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ سنۃ ولم یخف موتہ منہ والا لیون ان لم تقبل المدۃ وخیف موتہ منہ فن ثلثہ جسے فالج یا سل ہو یا جکے ہاتھ پاؤں مثل ہوں اسے کل مال کا ہبہ درست ہے اگر مدت مرض ایک برس تک بڑھ جائے اور اس مرض میں مرنے کا خوف نہ رہے اور اگر مدت طویل نہ ہو اور مرض سے موت کا اندیشہ نہ ہو تو تصرف ثلث مال میں نافذ ہوگا۔ اور عینی رمرز المحتاق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں ولا فمن ثلثہ ای ان لم یطاول علیہ ذلک بحیث قد خاف منہ لیكون... یعنی لا نہ حیثین نکات سبباً للموت غالباً اور نہ ثلث مال سے لینے اگر مدت طویل نہ ہو اس طرح کہ مرض کی زیادتی کا اندیشہ نہ ہو تو ایسا شخص مثل مریض کے ہوگا کیونکہ ایسی حالت میں یہ مرض غالباً سبب موت واقع ہوگا۔ اور زیلعی تبیین المغتائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں ای ان لم یطاول یتصرف من الثلث اذا کان صاحب فراش ومات منہ فی ایامہ کاند فی ابتداء حیاف منہ الموت ولہذا ابتداء فیكون مرض الموت لینے اگر مدت طویل نہ ہو تو تصرف کا اعتبار ثلث سے ہوگا جبکہ مریض صاحب فراش ہو اور زمانہ مرض ہی میں اسی مرض کی بدولت مرا ہو کیونکہ ابتداء مریض موت کی وجہ سے علاج کیا جاتا ہے ایسی صورت میں یہ مرض مرض موت ہوگا۔ اور غنمی شرح مختصر دقایہ میں لکھتے ہیں ولا ای وان لم تطل مدتہ وخیف موتہ منہا ومات منہ ثلثہ لانہا فی ابتداء حیاف منہا الموت ولہذا ابتداء فی منها فیکون مرض الموت ورنہ لینے اگر مدت طویل نہ ہو اور اس مرض سے موت کا خوف نہ ہوگی جائے تو تصرف ثلث میں نافذ ہوگا کیونکہ ابتداء سے مرض میں موت کا خوف ہوتا ہے اسی لیے دوا

کیجاتی ہو لہذا ایسا مرض مرض موت ہوگا۔ ان عبارتوں سے یہ بات ثابت ہو کہ صرف سال کے اندر مرجانے سے
ہبہ ساقط نہوگی مگر جبکہ خون ہلاک غالب ہو اور موت مرض سابق سے واقع ہو سوال ایک شخص کے لیے
بادشاہ کی طرف سے معاش مشروطی مقرر ہے اور لا ولد ہونے کی وجہ سے وہ صاحب معاش چاہتا ہے
کہ معاش مذکور اپنے داماد کے نام ہبہ یا رہن کرے یا اسکو بخش دے اور صاحب معاش کے حقیقی اور چچا زاد
بھائی چاہتے ہیں کہ وہ معاش ہم مین سے کیسکے پس معلوم ہونا چاہیے کہ صاحب معاش اس معاش
مشروط کو اپنے داماد کے نام ہبہ یا بیع یا رہن یا بخشش وغیرہ کر سکتا ہے یا نہیں اور اس میں برادران
مذکور انصدا راجع ہیں یا داماد۔ یا اس کے منتقل کرنے کا صاحب معاش کو حق نہیں ہے بلکہ بادشاہ کو اختیار
ہے جواب معاش مشروط کہ جو حقوق مجروح سے ہو بیع یا ہبہ یا رہن وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ بادشاہ
کو اختیار ہے کہ جس مستحق کے نام چاہو جاری کر دے اشباہ و نظائر میں ہے فی صلح البزازیۃ رجل لعطاء فی
الدیوان مات عن ابنین فاصطلحا علی ان یکتب فی الدیوان اسم احدهما و یاخذ العطاء والاخر لا شیئ
له من العطاء ویبذل لمن کان العطاء له مالا معلوما فالصلح باطل ویرد بدل الصلح والعطاء للذین
جعل الامام عطاء لہ لان الاستحقاق للعطاء باثبات الامام لا دخل فیہ لوصاء الغیر وجعلہ غیر ان السلطان
ان منع المستحق فقد ظلم مرتبین فی قضیۃ حرمان المستحق واثبات غیر المستحق مقامہ انتقم و فیہ ایضا
الحقوق الجردۃ لا یصح الاعتیاض عنہا لکن الشفعۃ فلو صلح عندہ بال بطلت ورجع بہ و علی هذا لا یجوز
الاعتیاض عن الوظائف بالآوقاف بزازیہ کے باب صلح میں ہے کہ ایک شخص دفتر سے تنخواہ پاتا تھا وہ مرا
اور اس نے دو وار کے چھوڑے پس دونوں نے اس شرط پر صلح کی کہ دونوں میں سے ایک کا نام دفتر میں
لکھ لیا جائے اور وہ اس عطیہ کو لے لیا کرے اور دوسرے کو کچھ نہ ملے لیکن جو عطیہ پاتا ہے وہ مقرر مقدار خرچ کیا
کرے تو یہ صلح باطل ہے اور اسکے معاوضے میں جو مال دیا گیا ہے وہ واپس کر دیا جائے گا اور عطیہ اسی کو لکھا
جسے امام مقرر کر دے کیونکہ عطیہ کا استحقاق امام کے مقرر کرنے سے ہوتا ہے دوسرے کی رضامندی کو اس میں
کچھ دخل نہیں ہے البتہ سلطان اگر مستحق کو حق نہ دے تو یہ اس کے وظلم میں ایک مستحق کو محروم کر دینا
اور دوسرے غیر مستحق کو اس کا حق دینا اور اسی کتاب میں ہے محض حقوق میں مصالحت درست نہیں
مثلاً کوئی شخص کچھ معاوضہ لیکر حق شفعۃ سے دست بردار ہو جائے تو یہ صلح باطل ہے اور معاوضہ واپس
کر دیا جائیگا اسی بنا پر اوقاف کے وظائف سے دست برداری بھی درست نہیں ہو سوال زید مر

اُس نے دو بیٹے احمد اور محمود چھوڑے اور اپنا ایک مکان چھوڑا پھر متروکہ زید احمد اور محمود میں اُدھا اُدھا تقسیم ہو گیا پھر محمود نے لا ولدی کی وجہ سے اپنا حصہ اپنے چچا زاد بھائی مسعود کو اور احمد نے اپنے نواسوں محمد اور امجد کو اپنا حصہ دیکر اقرار نامہ شرع کے موافق اس مضمون کا کہ یہ مکان نصف مشاع حق و ملک فلان شخص و نصف مشاع حق و ملک فلان فلان اشخاص کا ہے ہم مقرران عاریتہ اس میں رہتے ہیں مالکان مکان جب چاہیں خالی کرالیں ہمیں کچھ عذر نہ ہوگا ^{۱۲۵} ہجری میں لکھ دیا اور یہ اقرار نامہ ہر دو گواہی سے مکمل ہو گیا۔ اور اقرار نامہ میں مقرران نے کہیں پر یہ نہیں لکھا کہ یہ مکان پہلے وراثت ہمارے ملک میں تھا اب فلان فلان لوگوں کی ملک ہو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقرر کم کو اس مکان پر کسی دوسرے طریقہ سے ناکست ہے کہ وہ مقرران عاریتہ اس میں رہتے ہیں بھروہ دونوں تاحیات اُس مکان میں رہے اور وہیں مرے اور انھیں کا قبضہ رہا مگر چونکہ بیعنامہ مکان مذکور موسومہ حامد مورث اعلیٰ تقسیم نہیں ہو سکا تھا پس دورانہ نشی اور آئندہ کے رفع مناقشہ کے لحاظ سے دونوں اقرار کرنے والوں نے یہ اقرار نامہ اپنی ہر اور دستخط سے لکھ دیا اور اصل بیعنامہ مکان موسومہ حامد درختہ حامد کے پاس اور اقرار نامہ مذکور درختہ محمد و امجد وغیرہ کے پاس موجود ہے ہر ایک کے پاس دوسرے کا وثیقہ موجود نہیں ہے دوسرے یہ کہ ابتدائے اقرار نامہ مذکور سے اب تک وراثتے محمد و امجد وغیرہ کا بوجہ اتفاق و یکجہتی باہمی خصوصاً بنظر عدم بدینتی وعدم الیائی وغیرہ طرفین کے کسی طرح کا قبضہ و تصرف مکان مذکور پر نہیں ہوا بدستور علی ترتیب النسل وراثت مسعود کا قبضہ اور تصرف ہے اب وراثتے محمد و امجد اتنی مدت کے بعد بموجب اقرار نامہ موجودہ وراثت مسعود سے نصف مکان کے مدعی ہوئے ہیں تو وراثتے مسعود پر نیت حق تلفی و نادہندی اقرار نامے کو ہبہ بالمشاع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نواسوں کی موجودگی میں حق کیونکر مل سکتا ہے اگر تمہارا کچھ حق ہوتا تو اب تک تمہارے مورث کیوں چپکے بیٹھے رہتے وراثتے محمد وغیرہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہبہ نامہ نہیں ہو بلکہ اقرار نامہ ہو اور اسکی کسی جگہ ہبہ بالمشاع ثابت نہیں ہوا اگرچہ اب تک اتفاق باہمی کیوجہ سے ہمارا قبضہ اور تصرف نہیں ہوا لیکن اس سے ہمارا حق باطل نہیں ہو سکتا اور شرع میں دعویٰ کے لیے کوئی بیعنامہ مقرر نہیں ہو اور ہم بموجب اقرار نامہ موجودہ کے اپنا حصہ طلب کرتے ہیں نہ بموجب حق نواسگی و عصوبت اور یہ اقرار نامہ ایسا تصور کرنا چاہی جیسے تمہارے جد محمد امین نے ہا و جو عصبہ یعنی سگے بھتیجے کے موجود ہونے کو اُدھا حصہ اپنا اپنے سگے بھتیجے کو اُدھا حصہ وراثتہ نواسی کو دیا تھا جو اپنی مومن کی زبان پر بھی تھی اس خیال سے کہ کہیں اسکا شہرہ نہ ہو

اسکی مان کے مہر کا دعویٰ میرے عصبہ پر نہ کرے۔ ویسے ہی احمد نے اپنی زوجہ کے مہر میں محمد اور محمد کو نام
یہ اقرار نامہ لکھ دیا نہ احمد دختر کی موجودگی میں نو اسون کو کیوں لکھتا اسکے علاوہ لوگ متقی برہنگار
تھے خلاف شرع کیوں کرتے اور ترکہ پدیری کا دونوں بھائیوں پر برابر تقسیم ہوا اور پہلے محمد کا مہر نامہ اسکی
بعد احمد کا مہر نامہ اور اپنے اپنے متروکہ کا مسعود اور محمد وغیرہ کو اغصان الانساب سے جو تمھارے جد کی تصنیف
ہے ثابت ہے تو ایسی صورت میں حامد کا کل متروکہ تقدیم و تاخیر اموات کی وجہ سے شرعاً احمد کی طرف
عود کرتا ہے پس یہ اقرار نامہ یا ہبہ نامہ بالمشاع متصور ہوگا اور یہ اقرار نامہ اور یہ کارروائی بعینہ محمد بن
کی کارروائی کے پائی جاتی ہے یا نہیں اور محمد اور احمد کے ورثا مسعود کے ورثا پر دعویٰ کر سکتے ہیں یا نہیں
جواب محمود اور احمد کی تحریر اقرار نامہ متصور ہوگی نہ ہبہ نامہ جیسا کہ فانیہ کی اس عبارت سے واضح
ہے رجل قال جميع ما يعرف لي او ينسب الي فهو لفلان قال ابو بكر الاسكاف هذا اقرار ولو قال جميع مالي
او جميع ما املك فهو لفلان فهو هبة ولو قال ما في بيتي لفلان فهو اقرار انتهى والاصل في ذلك انما ان
اضاف المقربه الي ملكه كان هبة لان قضيه الاضافة تنافي في حمله على الاقرار والذي هو اخبار الانشاء
لذا في تنقيح الفتاوى الحامدية ابي شخص نے کہا کہ تمام وہ چیزیں جو میری مشہور ہیں یا میری جانب
نسب ہیں فلان کے لیے ہیں ابو بكر اسكاف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اقرار ہے اور اگر کہا کہ میرا تمام مال
یا وہ تمام چیزیں جنکا میں مالک ہوں وہ فلان کے لیے ہیں تو یہ ہبہ ہے اور اگر کہا تمام وہ چیزیں جو میرے
گھر میں ہیں فلان کے لیے ہیں تو یہ اقرار ہے اتنی اسکی اصل یہ ہے کہ اگر مقربہ کی اضافت اپنی ملک کو
جانب کی تو ہبہ ہے کیونکہ اضافت اقرار کی منافی ہے جو اخبار ہے نہ کہ انشاء جیسا کہ تنقيح فتاویٰ حامدین
ہے اور ایسا ہی منخ الفقار اور در مختار وغیرہ میں موجود ہے پس صورت مذکورہ میں ہر گاہ مقران نے
مقربہ کی نسبت اپنی ملکیت نہیں ذکر کی بلکہ اسکا دوسروں کے واسطے اقرار کر دیا بنا علیہ شیعہ وغیرہ
اس میں مضرت ہوگا اور محمد اور احمد وغیرہ کا دعویٰ اس اقرار نامہ کی بنا پر در ثلے مسعود پر نافذ ہو سکتا ہو اور
دعویٰ برادر زادگان زوجہ محمد امین متروکہ مقبوضہ ہندہ پر نہیں ہو سکتا۔ سوال مسأۃ فاطمہ زوجہ
شاہ مراد علی مرحوم نے ایک نوشتہ اس مضمون کا لکھا کہ پہلے میں نے ایک ہبہ نامہ بنام مسأۃ بدورن بی بی
زوجہ شاہ قدرت اللہ کو لکھا تھا تو اس میں لفظ نسلا بعد نسل تھا اور یہ ذریعہ نشن ہے جسکی عذر واری ہمارے
دار ثانی شوہر نے کی لہذا میں اس ہبہ نامہ کو فسخ کر کے اس ہبہ نامہ ثانی میں لکھے دیتی ہوں مقرہ جو

مبلغ ایک سو نو روپیہ چودہ آنہ سکہ چہرہ دار کہ جو سالانہ بابت باقی تصفیہ محلہ مقرر کے مقرر ہو تھیں
 حین حیات بنام مسماۃ بدورن بی بی زوجہ قدرت امجد مذکور کے لکھے دیتی ہوں کہ میرے مرنے کے
 بعد مسماۃ مذکورہ اپنی زندگی بھر زرنپشن پر قابض ہو سال بسال جیسا کہ قاعدہ سرکار مقرر کرے وصول
 کر کے اپنے خرچ میں لایا کرے اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کے وارثان کریم الدین پسر و مسماۃ علیم النساء بی بی
 دختر اور اپنی بی بی بخص مساوی ورثا سے شوہر بھی پایا کر میں اور یہ زرنپشن عطائے سلطانی ایک شخص
 شاہ مراد علی کے نام سے ہے اور سہمی کریم الدین پسر اور مسماۃ علیم النساء بی بی دختر ان شاہ مراد علی زوج
 اور زوجہ فاطمہ بی بی متوفی سے ہیں اور وارث متوفی کے بھی ہیں پس ایسی صورت مذکور میں تملیک
 مضاف بعد الموت یعنی وصیت جائز ہوے یا نہیں اور یہ وصیت بالشرط ہے یا نہیں یا یہ کہ وصیت قرار
 نہ پائے گی جواب در مختار میں بحث مصارف بیت المال میں ہے العطاء صلاۃ فلا تملك الا بالقبض
 عطا صلاۃ ہو پس کوئی شخص بلا قبضہ کے اُسکا مالک نہ ہوگا۔ اور بھی اسی کتاب کے کتاب الوصایا میں ہو کہ
 الموصی بہ قابلاً للتلیک بعد موت الموصی بعقد من العقود مالا او نفعا اور موصی بہ کا موت موصی کے
 بعد مالا یا نفعا کسی عقد کے ذریعے سے قابل تملیک ہوتا۔ اور شاہ کے قاعدہ خاصہ میں ہو العطاء الذی
 جعل الامام العطاء لہ لان الاستحقاق للعطاء باثبات الامام لا دخل فیہ لوضاء الغیر وجعلہ امام جو عطیہ
 مقرر کر دے اسکے لیے جو جسکے لیے اُس نے مقرر کیا ہو کیونکہ استحقاق عطیہ امام کے ثابت کرنے سے ہوتا کہ
 اس میں رضائے غیر کو دخل نہیں ہے اور رد المحتار حاشیہ در مختار کے کتاب البیوع میں ہے قال فی البیوع
 المحقوق المفروۃ لا یجوز التلیک ولا یجوز الصلح عنہا بدائع میں ہے حقوق مفردہ محتمل تملیک نہیں ہیں اور
 صلح جائز نہیں ہے ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ وصول ہونے کے پہلے وظیفہ مقررہ مملوک نہیں ہے
 صرف حق صاحب وظیفہ متعلق ہے اور حق کی تملیک باطل ہو پس صورت مذکورہ میں وصیت مذکورہ
 کہ اُس میں تملیک ہوتی ہے باطل ہوگی سوال ایک شخص ہرجے چنے کے بعد گورنمنٹ سے کچھ روپیہ پایا
 کرتا ہے تو وصول کرنے سے پہلے اُس روپیہ کو ہبہ کر سکتا ہے یا نہیں اگر کوئی شخص کسی چٹھی کو ہبہ کرے
 جسکے ذریعے سے وہ روپیہ ایک میعاد پر وصول کیا کرتا ہے کیا اُسکا اثر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ روپیہ جسے وہ اُس
 میعاد پر وصول کرے گا ہبہ ہو جائے اگر کوئی شخص صرف استحقاق کسی شے کا بے بخشے ہوے ہبہ کرے تو یہ
 جائز تصور کیا جائیگا یا نہیں جواب چٹھی کی ہبہ اور بیع اور اسی طرح صرف حق و استحقاق کی ہبہ اور بیع

شرعاً تو ہو استحقاق اور چھٹی کی ہبہ سے یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ مہربان وہ روپیہ وصول کر سکے اور ایسے ہی ماہانہ یا سالانہ یا شش ماہی کی ہبہ و بیع نا و رمت ہو کیونکہ ایسی تجاویز قبضہ اور وصول ہونے کو پہلے ملک میں داخل نہیں ہوتی اور غیر ملوک اور معدوم کی بیع یا ہبہ باطل ہے خزانۃ الروایات میں ہونی تجنیس من لہ وظیفۃ فی بیت المال اذا قمر فی حال حیاتیۃ تقسمۃ باطلۃ لانہ بعد الموت یو دانی بیت المال و فی جوار الفسادی علوی لہ مشاہرۃ من مال الخراج یوصل الیہ کل سنتہ فوہبہا لغبیرہ و کلہ بقضہا لایصح لان العلو لا یمکنہا قبل القبض ولا یمحی جملہا ہبۃ لغبیرہ لانہ لہ یمکنہا و فی القنیۃ قال نجم الا لیمت شری البروات التی یکتبہا الدیوان علی العمال لایصح تجنیس میں ہے جسکو بیت المال سے وظیفہ ملتا ہے اگر وہ اپنی زندگی ہی میں اسکو تقسیم کر دے تو یہ تقسیم باطل ہو کیونکہ موت کے بعد وظیفہ بیت المال میں مکر لیا جاتا ہے اور جوار الفسادی میں ہے کہ علوی جسے مال خراج سے مشاہرہ ملتا ہے ہر سال اسکو پہنچ جاتا ہے اگر وہ مشاہرہ کسی در کو ہبہ کر دے اور اسی کو قبضے پر وکیل بنا دے تو یہ جائز نہیں ہو کیونکہ علوی قبل قبضے کے وظیفہ کا مالک نہیں ہے اور کسی دوسرے کو اسکی ہبہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ خود اسکا مالک نہیں ہے اور قبضہ میں ہے کہ نجم الایمہ نے کہا ہوا ان کا غلات کا خرید نا جن میں دیوان عمال کو تخریب کرتے ہیں صحیح نہیں ہے اور رسالہ احکام الاراضی میں ہے الاصل ان المعدوم لایصح تملیکۃ ولا التصرفات فیہ و فیہ ایضاً لا یعلم لذک ای للقول بالتملیک فی غیر المقبوض من الوظیفۃ اصل من الکتب المشہورۃ المعتبرۃ اصل یہ ہے کہ معدوم کی تملیک اور اس میں تصرف صحیح نہیں ہے اور اسی کتاب میں ہوا اسکی یعنی غیر قبضے کے وظیفہ کے تملیک کی کتب مشہورہ معتبرہ میں کوئی اصل نہیں ہے سوال زید کے دو وارث ہیں ایک بھتیجا مسمی بکر اور ایک زوجہ لاولہ زید نے اپنے کل ملوکات منقولہ وغیرہ منقولہ بعض دین مہر کے اپنی زوجہ کو ہبہ کر دیے ہنوز تخریر اور تکمیل ہبہ نامہ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ زید مر گیا زید کے مرنے کے بعد بکر اور زوجہ زید کے درمیان یہ قرار ہوا کہ اگر زوجہ زید و بکر سے کسی قسم کی نزاع اور پرخاش پیش آئے تو اسوقت کل ملوکات جدی و مورثی زید پر زوجہ زید تاحات قابض رہے و اذلیس فلیس ذلک اس صورت میں یہ قرار ہوا اس ہبہ کو باطل کرے گی یا نہیں جواب نہیں۔ سوال والی ملک کی طرف سے زید کو کچھ یومیہ بقید مع فرزندان ملتا ہے اور زید نے اس کے کل قبضہ کو اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو ہبہ کر دیا تو جائز ہے یا نہیں جواب نہیں کیونکہ یومیہ شے معدوم ہے انا فانا حادث ہوتی رہتی ہوا ہبہ میں قبضہ مہربان ضروری ہے اور جبکہ سلطانی سند میں مع فرزندان لکھا ہے

اُس یومیہ میں اُسکے تمام فرزند حق دار ہیں پس زید نے جو ایک فرزند کے نام بہہ کی تو یہ بہہ دوسروں کے حق کو باطل کرتی ہے لہذا نافذ نہ ہوگی اور زید کے مرنے کے بعد سب فرزند ان برابر برابر اُسکے مستحق ہونگے

سوال سماء ہندہ کو سات عدد باپ کے ترکے سے ملے اُن میں سے اُس نے چار عدد اپنے بھائی عمرو کو اپنی زندگی میں معاوضہ لکھکے دیے اور اپنے سامنے عمرو کو اُس پر متصرف بھی کرا دیا پھر بیمار ہونے کے بعد تین عدد باقی کو خدیجہ اور بکر کے نام جو اُسکی بہن کی بیٹی اور بیٹی ہیں بے قبض و تصرف بہہ کیے اور ہندہ اُسی مرض میں مر گئی تو یہ دونوں بہہ جائز ہوئی یا نہیں جواب پہلی بہہ نافذ ہوگی اور دوسری نافذ نہ ہوگی کیونکہ اس میں موہوب لہا کا قبضہ نہیں کرایا ہا یہ میں ہے ولا بد فی الہبۃ لاثبات الملك من القبض قبضہ کر کے ملک ثابت کر دینا بہہ میں ضروری ہے سوال بہہ بالعوض بیع کا حکم رکھتی ہے یا نہیں جواب ابتداء اور انتہاء بیع کا حکم رکھتی ہے درختار میں ہر لوقال و ہبتک بکن افہو بیع ابتداء و انتہاء اگر یہ کہا کہ فلان چیز میں نے تمہیں اس معاوضے میں بہہ کی تو یہ ابتداء اور انتہاء بیع ہے۔ اور عالمگیری میں ہے لوقال الرجل لاخرو هبت منك هذا العبد بالف درهم وقال لاخرو قبلت منه العبد كذا انی الخلفہ اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے یہ غلام تجھے ایک ہزار درہم کے بدلے میں بہہ کیا ہے دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو بیع صحیح ہوگی یہ خلاصہ میں ہے سوال اپنے حصہ کے کی بہہ بشرط عوض اُس چیز میں جو تقسیم کے بعد قابل منفعت ہو سکتی ہے زمین کی طرح جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے اگر وہ بہہ کرنے کے بعد تقسیم کر کے موہوب لہ کا موہوب پر قبضہ کرا دیا اور خود عوض پر قابض ہو گیا تو موہوب لہ کا موہوب کا مالک ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ عنایہ میں ہے اذا هب مشاعاً فیا تقسمه ثم افرزہ وسلمہ صححت و وقعت مثبت للملك فله هذا ان هبة المشاع فیا یقسمه وقعت جائزۃ فی نفسہا و لکن توقف اثباتہا للملك علی الافراز والتسلیم اگر کسی ایسی چیز کا بہہ مشاع کیا جو تقسیم ہو سکتی ہو پھر اُسے منقسم کر کے تسلیم کیا تو بہہ صحیح ہوگی اور ملک ثابت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ بہہ مشاع اُن اشیاء میں جو تقسیم ہو سکتی ہیں فی نفسہ جائز ہے لیکن اُس سے ملک کا ثابت ہونا تقسیم اور تسلیم پر موقوف ہے۔ سوال اگر زید نے خالد سے کہا کہ میں نے تجھ کو اس مکان کا مالک کر دیا تو بہہ ہوگی یا نہیں جواب بعضوں کے نزدیک مطلقاً بہہ ہوگی اور بعض کے نزدیک اگر قریبہ بہہ پر قائم ہے تو بہہ صحیح ہے و اما غنار میں جو بقی ما لوقال ملکک ان الثوب مثلاً فان قامت قرینۃ علی الہبۃ صححت ولا فلاک ان التلیک اعمونہا الصدقۃ علی البیوع والوصیۃ

والاجارۃ وغیرہا و فی الکاذرونی انھا ہبۃ باقی رہی یہ صورت کہ میں نے تم کو اس کپڑے کا مالک بنا دیا تو اگر ہبہ کا قرینہ موجود ہو تو ہبہ صحیح ہو ورنہ نہیں کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے اس لیے کہ وہ بیع پر بھی صادق آتی ہو اور اسے بطرح وصیت اور اجارہ وغیرہ پر بھی۔ گاذرونی میں ہے کہ یہ ہبہ ہے سوال اگر کوئی کہے کہ یہ مال زید کے لیے ہو تو ہبہ ہوگی یا نہیں جواب ہبہ ہوگی ہاں اگر کہے کہ میرا یہ مال فلان شخص کے لیے ہے تو ہبہ ہوگی فتاویٰ قاضی خان میں ہے قالوا اذا اضاف المال الی نفسه او لا بان قال عبدی هذا الفلان یکون ہبۃ علی کل حال وان لم یضعف الی نفسه بان قال هذا المال لفلان یکون اقرارا فقہانے کہا ہے کہ جب مال کی نسبت پہلے اپنی طرف کرے مثلاً یوں کہے کہ یہ میرا غلام فلان کے لیے ہے تو ہر حالت میں ہبہ ہوگی اور اگر اپنی طرف نسبت نہ کرے مثلاً یہ کہے کہ یہ غلام فلان کا ہے تو اقرار ہوگا سوال اگر زید نے اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو اپنا تمام مال ہبہ کر دیا اور دوسروں کو محروم کیا یا اپنا مال بانٹنے کے وقت کسی ایک اولاد کو زائد دیا تو دونوں صورتوں میں یہ ہبہ نافذ ہوگی یا نہیں جواب ہبہ دونوں صورتوں میں نافذ ہوگی مگر وہ ہبہ پہلی صورت میں گنہگار اور دوسری صورت میں تارک اولی ہوگا مشکوٰۃ میں ہے عن النعمان ابن بشیر ان اباه اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتی غلت انی غلت انی غلت انی غلت غلت اکل ولد و غلت مثله قال لا قال فادجہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنے اس لڑکے کو اپنا غلام ہبہ کیا ہے آپ نے پوچھا کیا تم نے اسی طرح سب لڑکوں کو غلام ہبہ کیا ہے نعمان نے کہا نہیں آپ نے فرمایا تو اس ہبہ کو لوٹا لو۔ اور طہی نے کہا ہے فیہ استیجابا للتسویۃ بین الاولاد لا فی الہبۃ فلا یفضل بعضهم علی بعض سواء کانوا ذکوراً و انثا قال بعض اصحابنا ینبغان یکون للذکور مثل خطا لانتہین۔ والصیح الاول و دہب بعضهم دون بعض فذهب الشافعی ومالک وابی حنیفۃ اند مکروہ ولیس بجوام والہبۃ صحیحۃ فقال احمد والثوری واسحق هو حرام مستحب یہ ہے کہ سب اولاد کو مساوی ہبہ کرے اور کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دے مردہوں یا عورت اور ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک مرد کو دو عورتوں کے برابر ہبہ کرنا چاہیے اور اول صحیح ہے اور اگر بعض کو ہبہ کیا اور بعض کو ہبہ نہ کیا تو امام شافعی اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ہبہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے اور ہبہ صحیح ہے اور احمد اور اور ثوری اور اسحق رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ہبہ حرام ہے اور تہا زیہ میں ہے لا فضل فی ہبۃ الا من التلیث کا ملیراث وعند الشافعی النصف وهو المختار و لو دہب جمع مالہ من انہ جاز قضا وہ وہو انہ نص علیہ محمد

ولو خص بعض اولاده لزيادة رشد ولا باس به وان كانا سوا ولا يفعله افضل لئلا يكون بين ثلث هو جیسا کہ میراث میں اور ایام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نصف یہی مختار ہوا اور اگر اپنا تمام مال ہبہ کر دیا اپنے کسی ایک لڑکے کو تو یہ بھی جائز ہے لیکن ہبہ کرنے والا انگنکار ہوگا اسے امام محمد رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے اور اگر بعض اولاد کو ہبہ ہو گئی ہو و رشد کے مخصوص کر لیا تو جائز ہوا اور اگر سب مساوی ہوں تو ایسا نہ کرنا چاہیے سوال مکان کے ایک کمرے کو ہبہ کرنا جائز ہے فاسد جواب فاسد ہے مگر جبکہ تقسیم کر کے موہوب لہ کے حوالے کر دیا جائے ہر ایہ میں ہے من وھب شقصا مشاعا فایضا فاسدة لما ذکرنا فان قسمہ وسلمہا زکان تمامہ بالقبض وعندہ الاشیاء اگر ایک کمرے کا مکان کا ہو یا اور کسی چیز کا ہبہ مشاع کیا تو ہبہ فاسد ہو جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور اگر مال تقسیم کر کے موہوب لہ کے سپرد بھی کر دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ ہبہ قبضے سے تمام ہو جاتی ہے امام صاحب کے نزدیک اس میں شیعی کی تفسیر نہیں ہے سوال ہبہ بے موہوب لہ کے قبضے کے تمام ہوتی ہے یا نہیں جواب نہیں جیسا کہ متون میں اس کی صراحت موجود ہے سوال اگر واپس تسلیم سے پہلے مر گیا تو ہبہ باطل ہوگی یا نہیں جواب باطل ہوگی عالمگیری میں ہے و اذا مات الواھب قبل التسليم بطلت اگر واپس تسلیم سے پہلے مر گیا تو ہبہ باطل ہوگی سوال اگر زید نے مرض الموت میں ہبہ کی اور قبضہ بھی کر دیا تو کیا حکم ہو جواب وصیت کا حکم رکھتی ہے ثلث مال سے نافذ ہوگی عالمگیری میں ہے و لا يجوز هبة المريض ولا صدقة لا مقبوضة فاذا قبضت جازت من الثلث مريض کی ہبہ یا مريض کا صدقہ بلا قبضے کے درست نہیں ہے اور بعد قبضہ ثلث مال سے جائز ہے سوال ہبہ تبعا علی غیر ایجاب کے صحیح ہوتی ہے یا نہیں جواب بعضوں کے نزدیک صحیح ہوتی ہے جامع الرموز میں ہے وفيما اشارۃ الى انها تعبر بالتعاطل كما في دل النساء من شرح التاويلات فان التعليل اعطاء الملك كما في المقدمة لكنه يوهن ان الايجاب ليس بركن وهو ركن بلا خلاف اس میں اس جانب اشارہ ہو کہ ہبہ تبعا علی درست ہے جیسا کہ شرح تاویلات میں سورۃ نسا کے اوّل میں ہے کیونکہ تہلیک کے معنی عطائے ملک کے ہیں جیسا کہ مقدمہ میں ہے لیکن اس سے وہم ہوتا ہے کہ ایجاب رکن نہیں ہے حالانکہ وہ بلا اختلاف رکن ہے و اللہ اعلم بحرہ الراعی حفور بہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تجاؤز اللہ عن ذنبہ الجلی والنحی

محمد عبدالحی
ابو احسان

کتاب الوصایا

سوال ہندو نے غدر قتلہ عندہ دہتا میں جاؤ اور غیر قتلہ مستغرق ہو گیا کو زیہ وغیرہ کی بیعت

اپنے نابالغ لڑکے کے نام بہہ بلا عوض کیا اور ایک شخص کو اُس کا دلی یا سر بڑا د کا مقرر کر دیا اور ولی کو قرضہ موصول کر کے اسکے حاصل میں نابالغ کی تعلیم اور پرورش کا اختیار دیا اور یہ بھی لکھ دیا کہ اگر یہ لڑکا مر جائے تو جو میری لڑکیاں اور سوت موجود ہوں اُن پر حصہ مساوی تقسیم ہو پس یہ دستاویز بہہ نامہ سمجھی جائے گی یا وصیت نامہ اگر بہہ نامہ سمجھی جائے تو ایسی بہہ سے وہ بہہ کو فسخ کا اختیار ہے یا نہیں اور ہندو قوم کا شخص نابالغ کا ولی ہو ہی نہیں۔ جواب وصیت اُس تملیک کو کہتے ہیں جو مضاف بالبعد الموت ہو جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے۔ تملیک مضاف الی ما بعد الموت وصیت اُس تملیک کو کہتے ہیں جو مضاف بالبعد الموت ہو۔ اور بہہ نامہ میں صاف لفظ بہہ و اعطاء بغیر ضمانت بعد موت کے موجود ہے پس یہ تحریر بہہ نامہ متصور ہوگی لیکن چونکہ یہ تملیک دین غیر دیون کو ہے لہذا ایسے بہہ سے اختیار رجوع اور فسخ بہہ کا ہوگا جب تک کہ وہ بہہ اُس دین پر قابض نہ ہو۔ و رخصتار میں ہو و اما تملیک الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقضہ صحت لوجوعہا الی ہبۃ العین قرضدار کے سو اُسی اور کو قرض کا مالک بنادینا اگر اُسے قبضہ کا حکم بھی دیا ہے تو صحیح ہے کیونکہ یہ بیعین کی جانب رجوع کرتا ہو۔ اور رد المحتار میں ہو و لہذا لا یلزم الا اذ قبض وله الوجوع قبلہ فله منع حیث کان بحکم النیابۃ عن القبطی اسی لیے بہہ قبل قبضہ لازم نہیں ہے اور اسے قبل قبضہ حق رجوع ہی پس وہ قبضہ کرنے سے روک سکتا ہے کیونکہ اُسی نے قبضہ کرنے کا نائب بنایا تھا۔ اور غیر مسلم مسلم نابالغ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ سوال زید نے اپنے بیٹے بکر کو اپنا وصی کیا بقید دوام مگر نسلاً بعد نسل وغیرہ کی کوئی قید وصیت نامہ میں تحریر نہیں کی پھر زید مر گیا پھر بغیر دوسرے کو وصی کیسے ہوے بکر بھی مر گیا اب بکر کی اولاد کتنی ہے کہ ہمارا باپ زید کا دوام وصی تھا اور دوام سے نسلاً بعد نسل کی قید ثابت ہوتی ہے لہذا ہمہ ارث وصیت منتقل ہونا چاہیے اور زید کے دوسرے ورثہ کہتے ہیں کہ بکر کو مرنے کے بعد زید کا کوئی بھی نہیں رہا اور لفظ و اما بکر کی حین حیات ہی پر دلالت کرتا ہے اور وصیت کوئی ارث شرعی نہیں ہے کہ جو وصی لہ کی ورثہ کی طرف اس کی وفات کو منتقل ہو پس یہ وصیت وفات بکر کے بعد منقطع ہو گئی پس جائز اور زید جملہ ورثہ اسے شرعی زید کی طرف منتقل ہونا چاہیے اس میں شرعی حکم کیا ہے جواب لفظ و اما جو وصی کے حق میں وارد ہو پس اسے بحسب استعمال قواعد فقہیہ اُسی کی ذات کے ساتھ وصایت کا دائم ہونا ہی اور صرف اس لفظ سے ثابت نہیں ہوتا کہ وصیت نسلاً بعد نسل ہو جب تک کوئی اور لفظ اس مضمون پر دلالت نہ کرے اور وصایت ایسی چیز نہیں ہے جو درغیر منتقل ہو در مختار کے کتاب الوقت میں ہے لا ولا یۃ لمستحق الا بتولیہ کسی

مستحق کو ولایت کا حق حاصل نہیں جب تک وہ ولی نہ بنایا جائے۔ اور رد المحتار کے کتاب البیع میں ہے
 قال فی البدائع المحقوق المرفوع لا یختل التملیک ولا یجوز الصلح عنہا بل یلغ من ہر خالص حقوق میں جمال
 تملیک نہیں ہے اور ان کے متعلق کسی قسم کی مصاحبت بھی درست نہیں ہے۔ اور رد المحتار کی بحث خیار اشترط
 میں ہے۔ المحقوق المرفوع لا تورث خالص حقوق میں اثبات نہیں جاری ہوتی + اور غنائہ شرح ہدایہ
 کی بحث خیار الشرط میں ہے الا درث فیما یقبل الا انتقال لانه خلافة عن المورث بنقل الاعیان الی الواسث
 ورثہ وہی اشیا ہین جو قابل انتقال ہوں کیونکہ ورثہ مورث کا کسی کو اپنا خلیفہ بنانا ہو اشیا کو اس کی طرف
 منتقل کر کے۔ اور فتاویٰ حامدیہ کے کتاب الوقف میں ان مات القیم بعد موت الواقف ان اوصی القیم
 الی وصی فوصیہ اولی من القاضی وان لم یکن اوصی الی رجل قال ای فیہ الی القاضی اگر واقف کے بعد
 قیم مر جائے اور وہ کسی کو اپنا وصی بنا گیا ہو تو وہ قاضی پر مقدم ہو اور اگر اُس نے کسی کو اپنا وصی نہ بنایا ہو تو قاضی
 کو اختیار ہے۔ اور طحاوی حاشیہ رد مختار کے کتاب الوقف میں ہے ولایۃ النصب الی القاضی اذا مات
 المتولی ولم یوص الی احد قاضی کو منتظم کے مقرر کرنے کا اختیار ہے اگر متولی مر جائے اور اُس نے کسی کو اپنا
 وصی نہ بنایا ہو۔ تنقیح فتاویٰ حامدیہ کے کتاب الوقف میں ہے قال فی الذخیرۃ البرہان مات القیم
 بعد ما مات الواقف فان کان القیم قد اوصی الی غیرہ فوصیہ بمنزلتہ وان کان لم یوص الی احد غیرہ
 فولاۃ نصب القیم الی القاضی ذخیرہ ربانیہ میں ہے کہ اگر واقف کی موت کے بعد منتظم مر جائے اور اُس نے کسی
 اور کو اپنا وصی بنا دیا ہو تو وصی کا وہی مرتبہ ہوگا جو خود منتظم کا تھا اور اگر اُس نے کسی کو وصی نہ بنایا ہو تو منتظم
 کے مقرر کرنے کا قاضی کو اختیار ہے۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف کی ولایت امر مورث نہیں ہے
 ورنہ متولی کے مرنے کے بعد اُس کی اولاد پر متولی ہونے کا حکم دیا جاتا حالانکہ تمام فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر متولی نے
 اپنی حیات میں خود کسی کو وصی نہیں بنایا تو اُس کے مرنے کے بعد قاضی کو اختیار ہوگا کہ جس کو چاہے متولی
 کر دے اور وصی کا حکم وہی ہو جو متولی وقف کا حکم ہے عرف فقہاء میں اُسی کو ناظر اور قیم بھی کہتے ہیں تنقیح
 فتاویٰ حامدیہ کے کتاب الوصایا میں ہے الوصی کا لسا خلا کان الوصیۃ والوقف اخوان المستحق
 علی منہما من الاخر کا صرح ابہر ثم اذا مات المشرط بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولاۃ
 النصب للقاضی انک ولاۃ مستحق الا بتولیۃ قال فی الذخیرۃ عن فتاویٰ رشید الدین لو کان
 الوقف علی رجل من قبل عبوان یكون المتولی یبذل اطلاق القاضی ینفی ہا نہ لا یعود دعوا لان حقہ

اخذ الغلبة لا التصرف في الوقف كذا في تعاليق الانوار على مدار المختار الارث يجري في الاعيان و
اما الحقوق فمنها ما لا يجري الارث فيه كحق الشفعة وحق الشرط وحق القذن لا تورث ولو كالارث
والعواری والودائع لا تورث كذا في الاشباه والنظائر وصی واقف کے مثل ہو کیونکہ وصیت ووقف
ایک دوسرے سے مستفاد ہیں جیسا کہ فقہانے اس کی تصریح کی ہو پھر جب واقف کے بعد وہ شخص مر جائے
جسے واقف نے شرط کیا ہو اور وہ کسی کو اپنا وصی نہ بنا جائے تو قاضی کو مستظم کے مقرر کرنے کا اختیار ہے کیونکہ
کوئی مستحق بغیر ولی بنائے ہوئے خود سے ولی نہیں بن سکتا خیر یہ بین فنادی شیعہ الدین سے منقول ہے کہ
اگر وقف کسی خاص شخص پر ہو تو وہ بلا حکم قاضی متولی ہو سکتا ہے یا نہیں تو فتویٰ اسپر ہے کہ
اُس کا دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ اسے غلبہ کر لینے کا حق ہے نہ کہ وقف میں تصرف کرنے کا جیسا کہ تعالیق الانوار
حاشیہ درختار میں ہے ورنہ اعیان میں ہوتا ہے اور بعض حقوق میں ورنہ جاری نہیں ہوتا جیسے حق شفعة
خیار شرط حد قذف (اگرچہ یہ مثل درٹے کے ہیں) عاریتین اور ودیعتین جیسا کہ اشباہ و نظائر میں ہے۔
اعیان عبارت ہے اموال سے اس سے معلوم ہوا کہ ارث مال ہوتی ہے اور حق وکالت مورث نہیں ہے
اور ظاہر ہو کہ وصایت وکالت ہے من وچر پس یہ بھی مورث نہ ہوگی ورنہ ارث کے قول الوصی بمنزلۃ الوکیل الاوصاف
لا تورث (وصی بمنزلۃ کیل کے ہواوصاف ورنہ نہیں ہوتے) کے تحت میں طحاوی نے لکھا ہے قال
العلامة نوح لان وصف شخص لا يمكن فيه ذلك والارث فيما يمكن فيه الانتقال وهو الاعيان لا فيما
لا يمكن فيه الانتقال وهو الاوصاف علامة نوح رحمه الله نے کہا ہے کیونکہ کسی شخص کے وصف میں منتقال
مکن نہیں ہے اور ورنہ اوچھین چیزوں میں ہوتا ہے جبکہ انتقال ممکن ہو یعنی اعیان میں نہ اُن اشیا میں
جبکہ انتقال نامکن ہو یعنی اوصاف میں اعیان سے مراد ذوات اشیاے قائمہ بنفسہا و اموال ہے فصول الشریعہ
کی تیرھویں فصل میں ہے ماریت فی فوائد شیخ الاسلام نظام الدین رحیل وقف ارضاء و جعل لھا متولیا
و شرط المتولی من اولادہ و اولادہ اھل القاضی ان جعل غیرہ متولیا دھل ایہیں متولیا و فعل ذلك قال لا
میں نے شیخ الاسلام نظام الدین رحمہ اللہ کے فوائد میں دیکھا ہے کہ ایک شخص جس نے ایک زمین وقف کی
اور خود اُس کا متولی بنا اور تولیت کے متعلق اپنی نسل کی شرط لگائی تو ایسی صورت میں قاضی کسی دوسرے
کو متولی بنا سکتا ہے اور قاضی کے بنانے سے وہ شخص متولی بن جائیگا یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں
اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقف یوں کے کہ اس وقف کی متولی میری اولاد پھر اولاد کی اولاد

ہوگی تو اُس کا یہ قول صحیح ہوگا غنائی کی بخت خیار شرط میں ہے الحقوق المجردة لا تورث خالص حقوق مقرر
 نہیں ہوتے اور رد المحتار کے کتاب البیوع میں ہو قال فی البدائع المحقوق المفردة لا تختمل التمليك
 ولا يجوز الصلح عنها بدائع میں ہے کہ خالص حقوق تحمل تملیک نہیں ہیں اور نہ ان کے متعلق کوئی صلح درست
 ہے حق مفرد سے مراد وہ حق ہے جو مجرد وصف حق میں قائم ہو اور قبیل ذوات منتقلہ مثل اموال کے نہ ہو
 جیسے حق خیار الشرط یا حق شفعہ یا حق وکالت و وصایت وغیرہ سوال زید نے اپنی کل جائیداد میں سے
 کچھ حصہ وقف کیا اور باقی بخصص متفاوت اپنے ورثہ پر تقسیم کر دیا اور یہ بھی طرحت کے ساتھ لکھ دیا کہ ہر
 شخص ورثہ مذکورہ میں سے اپنے حصص مصرعہ کا بعد فوت ہمارے مالک ہو اور خالد کو منجمہ ورثہ سے موصی الہم کے
 وقف کا متولی کیا اور یہ بھی لکھ دیا کہ بقیہ جائیداد کا اہتمام بھی خالد ہی رہے گا اور ہر ایک کو محاصل سے بقدر اُس کے
 حصے کے دیتا رہے گا اور وقف کے متعلق یہ لکھ دیا کہ خالد کے بعد ہماری اولاد بھی جو لائق ہو متولی ہوگا مگر وصیت
 کے متعلق کچھ تصریح نہیں کی اور ورثہ سے موصی الہم میں کچھ لوگ نابالغ اور کچھ بالغ ہیں اور سب ورثہ سے
 وصیت نامے کو اساتہ اور ولایۃ منظور کر لیا پس یہ تحریر وصیت نامہ ہے یا نہیں اور جب ورثہ سے نابالغ بالغ
 ہو جائیں تو کیا اُس وقت بھی وہ اپنے حصوں پر قابض ہو سکیں گے اور اُن کا حصہ بھی ہمیشہ خالد ہی کے اہتمام میں
 رہے گا اور بالغ وارث کے حق میں وصیت نامہ کا کیا اثر ہے اپنے ملک موصی بہ کے قبضے سے محروم رکھا جائیگا
 یا نہیں خصوصاً جبکہ خالد کے مرنے کے بعد جبراً اُس کا بیٹا قابض ہو گیا ہے جو اب زید کی یہ تحریر وصیت نامہ
 ہو اور نابالغوں کے بلوغ کے بعد بھی وصی کی وصایت باقی رہے گی جب تک اُس کی خیانت ظاہر نہ ہو جامع الرزق
 میں ہے ویبقى وجوب الامین عن الخيانة یقدر علی لقیام بها جو امانت و انتظام پر قدرت رکھتا ہو
 اور اُس کے متعلق خیانت کا اندیشہ نہ ہو وہ وجوباً مستقیم رہے گا۔ اور رد مختار میں ہے اما عزل الخائن فواجب
 خائن کو معزول کر دینا واجب ہے اور بالغ وارث کے حق میں وصایت کا اثر حفظ مال و رفع دینے والا انتظام
 ہے جامع الرزق میں ہے لا ینجز الوصی فی مالہ ای مال الغائب لکبیر لانه لا یفوض الیہ سوی الحفظ بالغ جو بوجہ
 موصی کے متعلق اُس کے مال کا انتظام نہ ہوگا کیونکہ اُس کے متعلق بجز حفاظت کے اور کوئی کام نہیں ہے اور وصی کو بیٹا
 یا غیر اُس کے کہ وصی بنایا گیا ہو وصایت کا مستحق نہیں ہے اس صورت میں اور ورثہ ناقضہ کر سکتے ہیں سوال
 زید نے بکر کو اپنی جائیداد کا وصی کیا اور جملہ انتظام جائیداد کا موافق تفصیل مندرج وصایت نامہ کے اُس کو سپرد
 کر دیا اور یہ ذکر نہیں کیا کہ موصی کے بعد وصایت وصی کی اولاد پر منتقل ہوگی مگر موصی کے لیے وصیت نامہ میں

جاسی لفظ ابد و دوام و ہمیشگی کی تصریح کی کہ یہ انتظام متعلق بکروا نکایا علی الدوام یا تا ابد رہے گا پس یہ لفظ اس امر کو مفید ہوئے کہ وصی کے انتقال کے بعد یہ وصایت اُسکی اولاد کی طرف منتقل ہوتی رہے گی یا دوام وغیرہ الفاظ وصی ہی کی ذات کے ساتھ تاحیات متعلق ہونگے اور اُس سے صرف دوام وصایت تا بقائے بکرمفہوم ہوگا جواب اس قسم کے الفاظ صرف بقائے وصایت مادام حیات الوصی پر دلالت کرتے ہیں اور وصایت کا انتقال وراثت و اولاد وصی پر نہیں سمجھا جاتا ہے عرفاً و شرعاً عرفاً اسوجہ سے کہ اگر کسی سے زید کہے کہ تو میرا وکیل ہے دائماً و ابداً تو اس صورت میں اہل عرف یقیناً جانتے ہیں کہ یہ وکالت وکیل کی حیات تک رہے گی اور اُسکی اولاد کی طرف منتقل نہوگی ایسے ہی اگر کسی سے کہے کہ تجھ کو میں نے اس شہر کا قاضی یا کو تو ال ہمیشہ کے لیے کر دیا تو اس سے یہ نہیں سمجھتے کہ اُس کے مرنے کے بعد یہ کو تو ال کا عہدہ اُسکی اولاد پر بھی منتقل ہوگا بلکہ صرف اُسکی حیات تک اس عہدے کا تعلق سمجھا جاتا ہے و علی ہذا لفظ عرفاً اسکے بہت نظائر ہیں لیکن عقلاً پس اس وجہ سے کہ جب کسی ذات پر کوئی حکم کرین اور کوئی صفت اسکے لیے ثابت کرین اور اُسکے ساتھ علی الدوام وغیرہ کی قید لگا دین تو بالضروریہ قید ثبوت حکم کی ہوگی اور مفید ثبوت حکم تا بقائے ذات ہوگی اور جب ذات فنا ہو جائے گی تو ثبوت حکم اور ثبوت صفت بھی فنا ہو جائیگا پس دوام کی قید بھی فنا ہو جائے گی ورنہ لازم آتا ہے کہ دوام جسکے ساتھ متعلق ہے وہ تو باقی نہو اور دوام باقی رہے مثلاً اگر یہ کہا گیا کہ زید ہمیشہ نماز پڑھتا ہے یا وہ علی الدوام عابد ہے یا ابداروزہ دار ہے تو ان الفاظ سے بقیۃ عقل زید کی زندگی تک دوام مراد ہوگا ورنہ لازم آئے گا کہ زید موجود نہو اور نہ اُسکی صفت موجود ہو مگر پھر بھی دوام کا مضمون باقی رہے اور شرعاً اسوجہ سے کہ فقہا اس قسم کے الفاظ پر حکم مادام الحیاۃ کا دیتے ہیں اور جو احکام ان الفاظ کے ساتھ مقید ہوں اُنکو فناے ذات کے بعد مورت اور باقی نہیں سمجھتے ہیں جامع الرموز کے کتاب الوصایا میں ہے وصحت الوصیۃ بثمرۃ بستانہ و حیثئذ ان مات الموصی وفیہ ای بستانہ ثمرۃ کان لہ ہذہ فقط لا ما یحدث وان ضم ابد ابان قال لہ ثمرۃ بستانہ ابد افلہ ہذہ الثمرۃ الموجودة وما یحدث من الثمرۃ فی المستقبل لکافی غلۃ بستانہ وارضہ فله ہذہ وما یحدث ما عاش الموصی لہ سواء ضم ابد او لا اپنے باغ کے پہلوں کی وصیت صحیح ہے اور اگر وصیت کرنے والا مر جائے اور اُسکے باغ میں پھل ہوں تو موصی لہ صرف اُن پھل جو موجود ہیں پر قابض ہوگا نہ آپر بھی جو بعد کو پیدا ہوں اور اگر یہ وصیت کرے کہ اُسکے باغ کے پھل ہمیشہ اُمسی کے ہیں تو موجود پھل

بلکہ جو آئندہ پیدا ہوں سب موصی کہ ہو جائیں گے اسی طرح باغ یا زمین کے غلے کے بارے میں پس موجودہ غلہ اور وہ سب جو موصی کی زندگی تک پیدا ہوا اسی کا ہوگا خواہ وصیت کرنے والا ہمیشہ کے غلہ کی وصیت کرے یا نہ کرے۔ اور فصیح الدین ہر وی کی شرح وقایہ میں ہر ان قال اوصیت غلہ بستان ہذا الغلات لیكون للموصی لہ الغلة القائمة وقت موت الموصی وصا یحدث بعده ایضا ما عاش الموصی لہ ضم لفظ الابد اور لایضم اگر کوئی کہے کہ میں نے اپنے اس باغ کے غلہ کو فلان کے لیے وصیت کیا تو وہ سب غلہ جو وصیت کرنے والے کی موت تک ہو اور وہ بھی جو موصی کی موت تک پیدا ہو موصی کا ہوگا خواہ اُس نے ہمیشہ کے غلہ کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو یعنی شرح ہر این ہر ان قال لہ ثمرة بستان ابدا فله هذه الثمرة وثمرته فیما یستقبل ما عاش اگر یہ کہے کہ میرے باغ کے پھل فلان کے لیے ہمیشہ میں پس موجودہ پھل و روہ بھی جو آئندہ اُسکی زندگی تک پیدا ہوں اُسکے ہونگے سوال ولی اور وصی میں کیا فرق ہے جواب بحر الرائق میں جو الولاية فی الفقه تنفیذا لقول علی الغیر شاء او ابی فترتین ولایت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے شخص پر قول نافذ ہو جائے خواہ دوسرا اپنے اوپر اُس قول کو نافذ کرنا چاہے یا نہ چاہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے الولی فی الفقه البالغ العاقل الوارث فخرج الصبی والمعتوه والکافر علی المسلمة فقیہین ولی وہ ہے جو عاقل بالغ ہوا و وارث ہو پس لڑکا اور مخنون اور کافر مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اور ہر این ہر الوصایة خلافت کا نہ مختص بحال انقطاع ولایة المیت فینتقل لولاية الیہ وصی خلیفہ ہے کیونکہ وصایت اُس وقت کے ساتھ خاص ہے جب میت کی ولایت منقطع ہو جائے پس منتقل ہو کر اُس تک پہنچتی ہو اور مجمع البرکات میں ہے الوصی من فوض الیہ الم حفظ والتصرف وصی وہ ہے جسکے سپرد حفاظت اور تصرف ہو سوال زید بنی واریث میں سے کسی کو وصی بنا سکتا ہے یا نہیں جواب بنا سکتا ہے عالمگیری میں ہر رجل وصی لی وارثہ جاز اگر اپنے وارثوں میں سے کسی کو وصی بنایا تو جائز ہے سوال اگر در ثا وصی کی شکایت قاضی کے یہاں کہیں تو قاضی معزول کر سکتا ہے یا نہیں جواب جب تک خیانت کا ثبوت نہ ہو معزول نہیں کر سکتا عالمگیری میں ہے ولذا اشکلت الورثة ا و بعضہم الوصی الی لقاضی فانہ لا ینبغی لہ ان یعزله حتی یمید ولہ منه خیانة فان علم منه خیانة عزله کذا فی الکافی اگر تمام ورثا یا بعض ورثا وصی کی شکایت قاضی سے کریں تو قاضی وصی کو معزول نہیں کر سکتا جب تک کہ اُسکی خیانت ثابت نہ ہو جائے اور خیانت کے ثابت ہوتے کے بعد قاضی اسے معزول کر دے جیسا کہ کافی میں ہے سوال تو چند شخص نے اپنے کل مال کی وصیت زید کو کی ہے

مرگیا پس ادا سے قرض مقدم ہو یا اجر لے وصیت اور وصیت کل مال میں نافذ ہوگی یا ثلث میں جواب اُس کے متروکہ سے پہلے قرضہ ادا کرنا چاہیے پھر جو باقی بچے اُس میں وصیت نافذ ہوگی پس اگر وہ وارث ہی نہیں رکھتا یا رکھتا ہے مگر اُن وارثوں نے بقیہ مال میں نفاد وصیت کی اجازت دیدی ہے تو وصیت کل مال میں نافذ ہوگی اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو وصیت ثلث یا بقی میں نافذ ہوگی اور دو ثلث وراثت پر تقسیم ہونگے درختا زمین ہے یقدم دیونہ التی لہا مطالب من جفۃ العباد ثم تقدم وصیتہ من ثلث ما بقی بعد تجھیزہ و دیونہ و اما قدمت فی الایۃ اہما مالکونہا مظنۃ التقریط وہ دیون جنکا مطالبہ بند کرین سب پر مقدم ہین پھر جو تجھیزہ و دیون سے بچا ہو اُس کے ثلث سے وصیت کا نافذ کرنا مقدم ہو وصیت جو آیت میں مقدم ہو اُسکی وجہ صرف یہ خیال ہے کہ کمین لوگ اس میں تساہل نہ کریں۔ اور جمع البرکات میں ہے ولا تجوز ہما از علی التلث الا ان یجیزہ الورثۃ بعد موتہ و ہم اصحاء بالغون ولو اوصی بجمع مالہ ولیس لہ وارث لہذات الوصیۃ ولا یحتاج الی اجازۃ بیت المال ثلث سے زائد کی وصیت جائز نہیں مگر اُس صورت میں کہ سبکی موت کے بعد وراثت اُسکی اجازت دیدین اور صحیح اور بالغ ہوں اور اگر تمام مال کی وصیت کی اور کوئی وارث نہیں ہو تو وصیت نافذ ہوگی اور بیت المال سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سوال زید وصیت کر کے مر گیا کہ یہ روپے فلان معین مسجد کی تعمیر میں خرچ کیے جائیں عمر و وصی زید نے وہ روپے بک کر سپرد کر دیے اور کہدیا کہ اُسی مسجد کی تعمیر میں لگا دیے جائیں۔ بکرنے دوسرے مسجد کی تعمیر میں وہ روپے صرف کر دے لہذا عمر وہ روپے بکرتے واپس مانگتا ہو اُسکو واپس مانگنا چاہیے یا نہیں جواب نہیں اگرچہ اس کا کوئی جزئیہ میری نظر سے نہیں گذرا لیکن نذر اور وصیت کے باب میں فقہاء کی تحریروں سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے تویر الابصار میں ہے نذر ان یتصدق علی فقراء مکۃ جازا لصفوف لفقراء غیرہا اگر کسی نے نذر مانی کہ فقرے کو کعبہ کو صدقہ دیگا تو مکہ معظمہ کے علاوہ دوسری جگہ کے فقر کو دینا جائز ہو۔ اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے اذا اوصی لفقراء ببلدۃ مغنیۃ فلا فضل ان لا یعطی غیرہ ولو اعطى غیرہ جازا اگر کسی معین شہر کے فقر کے لیے وصیت کی تو فضل یہ ہے کہ دوسری جگہ کے فقر کو دے اور اگر دیدے تو بھی جائز ہے۔ اور عالمگیری وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ زید کی تعمیر میں یہ لازم نہیں ہو کہ اُسی مسجد کی تعمیر میں روپے صرف کیے جائیں پس جبکہ بکرنے وہ روپے مسجد ہی کی تعمیر میں صرف کیے ہین اگرچہ زید کی معین کی ہوئی مسجد کی تعمیر میں صرف نہیں کیے تو عمر وہ روپے بکرتے واپس نہیں لے سکتا۔ سوال اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے متروکہ میں سے اس قدر میرے ہمسایہ والوں کو دیا جائے

تو ہمایون سے کون لوگ مراد ہیں جو اب جنگا مکان موصی کے مکان سے ملا ہوا ہو اور امام ابو یوسف
اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جو لوگ موصی کے محل میں رہتے ہوں اور محلہ کے مسجد میں جمع ہوتے ہوں یہ
شرح مواہب الرحمن میں ہے اوصی بحیرانہ فعلی الوصیۃ لملاصفیہ خاصۃ عند ابی حنیفۃ رحمہما اللہ تعالیٰ
وہذا ہوا القیاس لان الجار عند الاطلاق انما یطلق علی الجار الملازق لانہ من الجوارۃ وہ الملاحظۃ
حقیقۃ وزاد اکل من سکن محلتہ وجمعہم مسجد ہا کلاں الکل یموت حیرانہ عرفا قال صلی اللہ علیہ وسلم
لاصلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد اگر اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کی تو امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک
وہ وصیت اُن پڑوسیوں کے ساتھ خاص ہوگی جو اُس کے مکان کے متصل ہیں اور یہی قیاس بھی ہے کیونکہ
علی الاطلاق پڑوسی وہی ہے جس کا مکان متصل ہو کیونکہ جار مجاورت سے ماخوذ ہے جسکے معنی اتصال کے ہیں
اور صاحبین رحمہما اللہ نے اون لوگوں کو زائد کیا ہے جو اُس کے محلہ میں رہتے ہوں اور محلہ کی مسجد میں جمع
ہوتے ہوں کیونکہ سب کو حیران کہتے ہیں حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا ہے کہ مسجد کے پڑوسی
کی نماز مسجد ہی میں ہوتی ہو اور عالمگیری میں ہے ومن اوصی بحیرانہ فہم الملاحظون بد ارادۃ عند
ابی حنیفۃ وذخر رحمہما اللہ وہذا قیاس وفی الاستحسان وھو قولہما الوصیۃ کل من یکسب محلۃ اکل
وجمعہم مسجد المحلۃ ویستوی فیہ الساکن والمالك والذکر والاُنثی والمسلم والذمی والصغیر والکبیر
ولا یدخل فیہ العبد والاماء والمدبرون واهلک الاولاد والمکاتب یدخل کذا فی الزیادات و
الحیط من غیر ذکر خلافت کذا فی کذا فی جس نے اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کی تو امام ابو حنیفہ اور امام زفر
رحمہما اللہ کے نزدیک اُس سے وہی لوگ مراد ہیں جس کا گھر اُس کے گھر سے متصل ہو یہ قیاس ہے اور استحسان بھی ہے
رحمہما اللہ کہ قول میں ہو کہ وصیت اہل محلہ کے لیے ہوگی جو اُس محلہ کے مسجد میں جمع ہوتے ہوں اس معاملے میں
سکونت رکھنے والا اور مالک مکان مرد اور عورت مسلمان اور ذمی چھوٹا اور بڑا سب مساوی ہیں البتہ غلام
لوہڈیاں مدبر اہمات ولد اس میں داخل نہ ہونگے اور مکاتب داخل ہوں گے یہ زیادات اور محیطین ہے اور
کوئی اختلاف تحریر میں ہو ایسا ہی کافی ہیں ہر سوال زید و بھات صحت ذات و ثبات عقل کو یہ وصیت نامہ لکھا اور
اپنے بیٹے کو وصی مقرر کر کے اپنے سامنے کل ملاک پر قابض کر دیا پھر زید مرگیا اسوقت مسماۃ ہندہ بنت زید
نے وصیت نامہ کو تسلیم کر کے عمر و کا قبضہ بحال رکھا اور عمر و بیس برس کے قریب قابض رہ کر وصیت نامہ کے
میں حق عہد نامہ کرتا رہا اب عمر و مرگیا اُس نے ہندہ ہل موصی کی دختر اور ہندہ کے بیٹوں اور اپنے تین نابالغ

لڑکے اور تین نابالغ لڑکیاں اور ایک بیٹی بالغہ مسماۃ صالحہ اور ایک بالغ لڑکا اسمی بکر کو چھوڑا۔ عمر و کے مرنے کے بعد بکر جو سعید اور صلح ہے اور جملہ ورثا کے مقابلے میں امور وقف کا اچھا اہتمام کر سکتا تھا وصیت نامہ مذکور کے ذریعے سے املاک پر قابض ہوا اور امانت و دیانت کے ساتھ امور مندرجہ وصیت نامہ پر عمل کرتا ہے۔ سوال اول بموجب وصیت نامہ کے بہ نسبت چار آنہ کے اشخاص مذکورین سے کون شخص جی ہوگا سوال دوم اور جو شخص جی ہوگا بہ نسبت چار آنہ کے وہی شخص جی منتظم بہ نسبت بارہ آنہ کے بھی ہوگا سوال تیسرا در حالیکہ وہی شخص وصی ہو تو ورثا سے موصی کو اختیار انتزاع قبضہ کا اُس شخص سے نسبت چار آنہ کے خواہ بارہ آنہ بقیہ کے حاصل ہو جواب چونکہ دفعہ سومین موصی نے تصریح کر دی ہے کہ امر انتظام وقف ہماری اولاد میں رہے گا اس وجہ سے موصی کو نو اسون کو کچھ مداخلت نہیں ہو سکتی کیونکہ لفظ اولاد سے لڑکی کی اولاد بقول مفتی بہ خارج ہو۔ نتیجہ فتاویٰ حامد میں ہے کہ قال لطرطوسی ما حاصلہ فی دخول اولاد البنات فی لفظ الاولاد اختلاف الروایۃ فتی روایۃ الخصاف و ہلال یدخلون و فی ظاہر الروایۃ لا یدخلون و علیہ الفتویٰ و ذکر العلامة البیری انہ اختلفت ہل یدخل ولد البنت فی قولہ علی ولدی و ولد ولدی قال فی المہیط لا یدخلون فی ظاہر الروایۃ و علیہ الفتویٰ لانہم ینسبون الی الاب دون الام و اعتمدہ فی التجنیس ولذا اعتمدہ المتأخر و من متہم الشیخ قاسم الخفہ و قال ہو الذی یفتی بہ طرطوسی نے کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اولاد میں نو اسون کے داخل ہونے میں اختلاف روایت ہے خصاف و ہلال کی روایت میں وہ داخل ہیں اور ظاہر روایت میں داخل نہیں ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے علامہ بیری نے لکھا ہے اس میں اختلاف ہے کہ علی ولدی و ولد ولدی میں نو اسہ داخل ہے یا نہیں محیط میں ہے کہ ظاہر روایت میں داخل نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ کیونکہ نو اسے اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں نہ کہ ماں کی طرف تجنیس میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور اسی طرح متاخرین میں سے شیخ قاسم خفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہی مفتی بہ ہے اور جو ورثا نابالغ ہیں وہ بھی وصایت اور ولایت کی قابلیت نہیں رکھتے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے فی الاستعاذ لو اوصی الی صبی تبطل فی القیاس و فی الاستحسان ہی باطلۃ مادام صغیر استعاذ میں ہے اگر کسی بچے کے لیے وصیت کی تو یہ باعتبار قیاس مطلقاً باطل ہے اور باعتبار استحسان جب تک بچہ صغیر رہے باطل ہے۔ باقی رہے اور ورثہ تو ان میں سے جو سعید اور صلح اور امور وقف کے انجام دینے کے قابل ہو وہ بحسب نص موصی امور وقف میں

بابت چار آنہ کے وصی منتظم ہوگا اور اگر چند وارث مساوت اور رشد میں برابر ہوں تو جو عالم ہوگا اور امور وقف کا اہتمام اچھی طرح کر سکتا ہوگا وہ منتظم قرار دیا جائیگا متقی فتاویٰ حادیہ میں ہے لو احداہما اوسع والاخر اعلمہ بامور الوقت فهو اولی اذا من من خیانتہ ولو استویا رشد او کان احداہما عالما فانه یقدم اگر وہ آدمیوں میں سے ایک زائد متقی ہو اور دوسرا امور وقف کو زائد جانتا ہو تو دوسرا زائد مناسب ہے جبکہ اسکی خیانت کا خوف نہ ہو اور اگر تقویٰ میں دونوں مساوی ہوں اور ایک عالم ہو تو وہ مقدم ہو۔ باقی رہے اور ورثہ امین سے جو سعید صالح ولائق انجام امور وقف کر سکو وہ بحسب نص موصی امور وقف میں بابت چار آنہ کے وصی منتظم ہوگا انکے واقفان میں ہو لو قال الواقف انت وصی فی امر الوقت خاصة قال ابو حنیفہ ھو وصی فی الاشیاء کلھا اگر واقف نے کسی سے کہا کہ تو خاص امر وقف میں میرا وصی ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شخص تمام امور میں وصی ہو جائیگا۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے اذا وصی الی رجل فی نوع کان وصیا فی الانواع کلھا اگر کسی شخص کو خاص امر میں اپنا وصی بنایا تو وہ تمام امور میں وصی ہوگا اور بحر الرائق کے کتاب الوقت میں ہے لوجعلہ وصیا فی امر الوقت فقط کان وصیا فی الاشیاء کلھا عند ابی حنیفہ و محمد رحمہما اللہ اگر کسی شخص کو صرف وقف میں وصی بنایا تو وہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک تمام امور میں وصی ہوگا۔ اور جامع الرموز کے کتاب الوصایا میں ہے اطلاقہ مشعر بانہ لوجل رجلا وصیا فی نوع صار وصیا فی الانواع کلھا کما فی الذخیرۃ وغیرہ مطلق سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُس نے کسی کو خاص نوع میں اپنا وصی کیا تو وہ شخص تمام انواع میں وصی ہوگا جیسا کہ ذخیرہ وغیرہ میں ہے۔ اور متقی شرح مختصر قدوری اور بیخ الفہام شرح تنویر الابصار میں ہے لو خص لہ الوصیۃ فی مال لہ فهو وصی عند ابی حنیفہ فی کلہ اگر کسی شخص نے کسی کو خاص مال میں اپنا وصی بنایا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تمام امور میں وصی ہو۔ اور فتاویٰ سر اجیہ و مجمع البرکات میں ہے الوصی فی نوع یکون وصیا فی الانواع کلھا کسی خاص نوع میں جو وصی ہو وہ تمام امور میں وصی ہے۔ اور عبارت دفعہ ۶ وصیت نامہ کی لا اور نہ بیلام سے حق و دخل سہمی عمر و خواہ اُن کے جو قائم مقام ہوں فتور نہ آئیگا الخ نص صریح اس میں ہے کہ بابت بارہ آنے کے وصایت بعد عمر کے اُنکے قائم مقام کی طرف منتقل ہوگی اور وصی کے ورثا یا حاکم کو اختیار نہیں ہے کہ بدون ثبوت خیانت کے انتراع قبضہ وصی سے مقدار ہم آنہ یا ۱۲ آنہ کو کرین جامع الرموز میں ہے و یقی وجوب الامین عن الخیانتہ یقدر علی اتمام ما من شخص کے متعلق خیانت کا خیال نہ ہو اور وہ مال کا انتظام کر سکتا ہو اسکا مقرر کرنا واجب ہے۔ اور

تشریح مختصر وقایہ مصنفہ ششمی میں ہے وبقی وصی امین یقیناً علی التصرف و لیس للقاضی ان یخرجہ
عن الوصایة وصی امین جو تصرف پر قدرت رکھتا ہو وہ باقی رکھا جائے گا اور قاضی کو اُسے وراثت
سے علیحدہ کرنا چاہیے۔ اور ہدایہ کے باب الوصی میں ہے وکان قادراً علی التصرف امیناً فیہ لیس
للقاضی ان یخرجہ و لکان اذ اشکی الورثة او بعضہم الوصی الی القاضی فاذ لا یبغی لہ ان
یغزلہ حتی تبدل و منہ خیافۃ جو شخص انتظام کر سکتا ہو اور امین ہو اُسے قاضی کو خارج نہ کرنا چاہیے
اسی طرح جب تمام ورثہ یا بعض قاضی سے وصی کی شکایت کریں تو قاضی کو اُسے مغزول نہ کرنا چاہیے
تا وقتیکہ اُس سے خیانت نہ سرزد ہو۔ سوال زید نے اپنی املاک موقوفہ اور وصی ہما کا وصی اور منتظم بنی
پیسر سی بکر کو کر کے املاک مذکورہ پر بکر کو قابض کرا دیا اور یہ شرط کی کہ مسمی بکر کے بعد ہمیشہ اور ہر زمانے میں
ہماری اولاد میں سے جو سعید اور لائق ہو وہ وصی اور منتظم ہو اگرے گا شرعیہ شرط جائز اور ہر زمانے میں
واجب العمل ہے یا نہیں جواب یہ شرط جائز اور ہر زمانے میں واجب العمل ہے عالمگیری میں ہے
فی فتاویٰ محمد بن الفضل سئل عن شرط فی اصل الوقف الولاية لنفسه ولا ولادة قال یجوز
بالاجماع۔ وفيہ ایضاً۔ ان شرط ان یدلہ فلان بعد موتی ثم بعدہ یدلہ فلان ثم بعدہ یدلہ
فلان فہذا الشرط جائز لما فی محیط البخاری محمد بن فضل رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے کہ اُن سے اُس
شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اصل وقف میں اپنی اور اپنی اولاد کی ولایت کی شرط لگا دی تو انھوں
نے کہا کہ یہ باجماع جائز ہے اور بھی اسی کتاب میں ہے اگر واقعہ نے شرط لگائی کہ میرے مرنے کے بعد
فلان ولی ہو اور اُس کے بعد فلان اور اُس کے بعد فلان تو یہ شرط جائز ہے جیسا کہ محیط بخاری میں ہے اور
فتاویٰ قاضی خان میں ہے لو شرط الواقف فی الوقف ان یکون الولاية لہ ولا ولادة فی قولیۃ
القیم وعزلہ والاستبدال بالوقف وما ہو من انواع الولاية واخرجه من یدہ الی ملتوی
جاء ذلك ذکوة فی المسیر اگر واقعہ نے وقف میں شرط لگائی کہ اُسے اور اُسکی اولاد کو قیم کے مقرر
کرنے اور مغزول کرنے اور مبادلہ اور وقف اور دوسرے امور کا جو اقسام ولایت سے ہیں اختیار ہوگا
اور وقف کو اپنی ملک سے متولی کی جانب منتقل کر دیا تو یہ جائز ہے اسے سیرتین ذکر کیا ہے۔ اور شاہ
میں ہے شرط الوقف کنقص المصارع یجب اتباعہ واقف کی شرط حکم شارع کی ایسی ہو اُسکی اتباع واجب
ہے اور مخطاوی حاشیہ و مختار میں لکھتے ہیں شرائط الواقف معتبرة كالنصوص فی اعیان النصوص

شرائط واقف نصوص کی طرح معتبر ہیں لہذا ان کا لحاظ بھی نصوص ہی کی طرح کیا جائیگا و اللہ اعلم حررہ
الراحمی عفو رب القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی شجاع و زادہ عن ذنبہ ابجلی و انحفی **محمد عبدالحی**
ابو الحسنات

کتاب الدعوی

سوال زید نے عمر پر ایک بیجا دعوے کیا عمر کو پیروی مقدمہ کے لیے مجبوراً سودی روپیہ لینا پڑا اور اصل روپیہ مقدمہ کی پیروی میں صرف ہوا اور دس روپیہ سود کا مہاجن کو عرو نے اپنے پاس سے دیا اس زبیر باری کے بعد زید نے عمر سے یوں مصاحت کی کہ نالیش کی وجہ سے عمر جو بقدر زبیر بار ہوا ہی وہ میں دو گنا اس وقت قاضی کو وہ دس روپے جو عمر نے سود کے دیے ہیں عمر کو زید سے دلانا جائز ہے یا نہیں اور بلا سودی نہ ملنے کے وقت ضرورت شدیدہ کے لیے سودی روپیہ لیکر اسکا سود دنیا جائز ہے یا نہیں جواب عدالتی خرچہ جو قوانین حکام کی وجہ سے لازم آتا ہے مدعی علیہ کو مدعی سے لینا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر مدعی اپنی خوشی سے دیدے تو وہ مختار ہے اور سود کی رقم جو عمر کو دینا پڑی ہے قاضی کو زید سے وہ رقم عمر کو دلانا درست نہیں ہے اور نہ عمر کو لینا جائز ہے اور سود دینا کسی حالت میں درست نہیں ہے **سوال** شیخ بشارت اللہ چار بیٹے منور پیر محمد امان علی اور زور اور کو چھوڑ کر مراد اُس نے کچھ ترکہ نہیں چھوڑا پھر چار دن بھائی الگ الگ رہنے لگے منور نے اپنی قوت بازو سے کچھ رقم پیدا کر کے اُس سے کاشتکاری اور ٹھیکہ داری کا سامان کیا اور اپنی سب بھائیوں کو اکٹھا کر کے اپنے ساتھ کھانے پینے میں شریک کیا پیر محمد اور زور اور کچھ دنوں بعد علیحدہ ہو گئے امان علی اب تک منور کے ساتھ ہے اور اُس کی اولاد کے ساتھ کھیتی کرتا ہے کھیتی میں اب تک جو نفع ہوا اُس سے منور نے امان علی کی شادی کی اور اپنے لڑکوں کی تقریروں میں صرف کیا اب ناموافقت کی وجہ سے امان علی الگ ہو گیا اور جائیداد موجودہ کی تقسیم کا دعویٰ کر رہے یہ دعوے جائز ہے یا نہیں جواب اس صورت میں چونکہ اصل مال منور کا پیدا کیا ہوا امان علی اُس میں حصہ دار نہیں ہو سکتا مگر امان علی نے جتنی محنت اور اعانت کھیتی میں کی ہے صرف اُس کی مزدوری پانے کا مستحق ہے **سوال** ہندہ اور زینت وغیرہ نے اشیائے متعددہ (جیسے نقد اور غیر نقد مکانات اور دوزخیر فیل) کا دعوے اپنے بھائی زید پر کیا اور ثبوت میں دو گواہ اس بات پر پیش کیے کہ مورث نے اپنے روپیہ سے دونوں زخیرین خریدی

نہیں مگر دونوں کو اہون کا بیان قیمت میں متفق نہیں ہے ایک ایک قیمت پر خریداری بیان کرتا ہو اور
دوسرا دوسری قیمت پر اہون کو اہون کے علاوہ مدعی ایسے گواہ پیش نہیں کر سکتے جو یہ ثابت کر سکیں کہ
باقی اشیاء بھی مورث کے ملک ہیں۔ اور زید اشیاء مذکورہ کو اپنی ملک ثابت کرتا ہو اور مورث کے اس
اقرار کو سند میں پیش کرتا ہے جو بحالت صحت اُس نے تحریر کیا تھا کہ یہ اشیاء زید کے ہیں میری ملک نہیں
ہیں اور اس اقرار مورث پر زید گواہ بھی پیش کرتا ہو پس عالمگیری کے قول کے موافق حاکم اشیاء مذکورہ
کو ترکہ مورث قرار دیکر مدعیات کو فرائضی حصہ اُن میں سے دلا سکتا ہو یا نہیں عالمگیری کی عبارت یہ ہے
وفي فتاویٰ رشید الدین ادعی میراثا من ابیه واقام بینه واقام المدعی علیہ بینه ان ابائ
اقر حال حیاته انھا ملکی لیسع هذا الدفع فلو اقام المدعی بینه فانک اقررت ان هذه الدار ملک
ابی وحقہ یقبل هذه الدفع ایضا وقد تعارضت الدفان فقبل بینه الارث بلا معارض فتاویٰ
رشید الدین میں ہے ایک شخص نے اپنے باپ کے درختے کا دعویٰ کیا اور اُس پر بینیہ قائم کیا اور مدعی علیہ نے
اس امر پر بینیہ قائم کیا کہ تمھارے باپ نے اپنی زندگی میں اس امر کا اقرار کیا تھا کہ یہ اشیاء میری ملک ہیں تو
یہ بینیہ قبول کیا جائے گا پھر اگر مدعی اس امر پر بینیہ قائم کرے کہ تم نے اس امر کا اقرار کیا تھا کہ یہ گھر میرے باپ
کی ملک اور اُس کا حق ہے تو یہ بینیہ بھی قبول کیا جائیگا اور یہ دونوں بینیہ متعارض ہونگے پس بینیہ ارث
قبول کیا جائے گا کیونکہ اُس کے مابین کوئی شے نہیں ہے جو اب صورت مسئلہ میں حاکم اشیاء مذکورہ
میں سے مدعیات کو حصہ نہیں دلا سکتا کیونکہ عالمگیری کے اس قول سے تو یہ بخوبی واضح ہے کہ مدعی علیہ نے
اپنے گواہوں سے اپنے حق میں جو مورث کا اقرار ثابت کیا ہے اور مدعی نے جو اپنے گواہوں سے مدعی علیہ
کا اقرار نسبت میراث ہونے سے مدعی بہ کے ثابت کیا ہے دونوں متعارض کے وجہ سے ساقط ہوں گے
اور اصل گواہ میراث کے مقبر مانے جائیں گے۔ پس اب یہ بات قابلِ محاط ہے کہ جب مورث اور زید
دونوں کے اقرار ساقط ہو گئے تو ثبوت دیگر میراث کا اور گواہوں سے ہے یا نہیں پس وہ نہیں ہو سکتا
زنجیرون کے سوا اور اشیاء کے میراث ہونے پر گواہوں کا نہونا تو ظاہر ہے اور چونکہ زنجیر کے متعلق بھی دونوں
گواہ ایک قیمت پر خریدی گواہی نہیں دیتے ہیں بلکہ ہر ایک جدا جدا قیمت بیان کرتا ہو پس ایک قیمت
پر نصاب شہادت کامل ہونے کی وجہ سے یہ گواہ بیان بھی قابلِ قبول نہیں ہیں ہر ایک میں سے دو شہد
لوجل انه اشتری عبدًا من فلان بالث و شہد اخر انه اشتری بالث وخمس مائة فالشہادۃ باطلۃ

لان المقصود اثبات السبب وهو العقد ويختلف باختلاف الثمن فاختلف المشهود به ولم يلم
العد على كل واحد ولان المدعى يكذب احد شاهديه وكذا اذا كان المدعى هو البائع ولا
فرق بين ان يدعى المدعى اقل المالمين او اكثرها لما بينا كشيخص کے ایک گواہ نے کہا کہ اس نے
ثلثان شخص سے یہ غلام ایک ہزار کا خریدا اور دوسرے گواہ نے کہا کہ ڈیڑھ ہزار کا خریدا تو شہادت باطل ہے
اس وجہ سے کہ شہادت کا مقصد اثبات سبب لینے عقد ہے اور عقد اختلاف ثمن سے متغیر ہو جاتا ہو پس
مشہود مختلف ہو گیا اور شاہدوں کی تعداد کسی میں بھی پوری نہیں رہی اور اس وجہ سے کہ مدعی کے
دونوں شاہدوں میں سے ایک کاذب ہو گیا اور اسی طرح جب مدعی بائع ہو اور اس میں مدعی کے دعوے
کے کم اور زیادہ مال کے متعلق ہونے سے کچھ اثر نہیں پڑتا۔ پس جبکہ اشیائے مذکورہ میں سے کسی نے میں
مورث کے ترکہ کا ثبوت نہیں ہوا تو ان اشیاء میں سے حصہ فرائضی مدعیات مجرودہ کو دلوانا شرعاً اصطلاحاً
نہیں والہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم حررہ محمد عبدالقادر عفی عنہ۔ بے شبہہ بیجا مالگیری کا قول حصہ فرائضی دلوانے
کے سند میں صورت مسئلہ میں کافی نہیں والہ اعلم حررہ امداد حسین عفی عنہ اصواب من اجاب والہ
اعلم بالصواب حررہ محمد عنایت امده خان صحیح الجواب والہ اعلم بالصواب حررہ محمد اعجاز حسین عفی عنہ
فی الواقع بمقتضائے روایت عالمگیری صورت مسئلہ میں بدون اقامت بنیہ میراث کے میراث کا حصہ
نہیں مل سکتا والہ اعلم حررہ الراحمی عفورہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوا مدعن ذنبہ اعجل وانفی

محمد عبدالقادر
ابو الحسنات

سوال

تو میں نے مدعی کو اور اس قدر مدعی کے مورث کو دیدیے اور اس نے حلف پر حصر کیا ہے مدعی نے
گواہان اقرار مدعی علیہ اوپر وجوب مدعاہ کے بعد زمانہ ایصال کے سنا دیے اور مدعا علیہ مذکور
مدعی سے حلف بالعلم نسبت نہ لینے موالی کے بعض مدعاہ کو بموجب روایت عالمگیری کے جو کتاب القضاء
میں ہے لینا چاہتا ہے پس اس پر حلف واجب ہے یا نہیں۔ جواب جبکہ مدعی نے گواہان
اقرار مدعا علیہ وجوب مدعاہ بعد زمانہ ایصال کے سنا دیے تو دعوے مدعی علیہ کا بابت ایصال کے منفع
ہو گیا پس اب اسکو استحقاق حلف کا باقی نہیں رہا نتیجہ فتاویٰ حادیہ میں ہے کما یصح المدفع کذا لک
یصح دفع المدفع جسطح جواب درست ہے اسی طرح جواب الجواب بھی درست ہے بلور بھی اسی کتاب
میں جہاں ادعی الا یفاء قبل الاقرار لا یقبل اگر اقرار کے قبل ایفاء کا دعوے کیا تو یہ دعوے قبول

سوال شیخ سبجانی اور شیخ بدا اور شیخ عبداللہ تینوں حقیقی بھائی تھے اور شیخ سبجانی اور شیخ بدا کی وفات کے بعد شیخ رمضان اور شیخ یوسف پسران شیخ بد نے زمین کو خاص اپنے بزرگوں کی ملکیت قرار دیکر شیخ عبدالغفور اور شیخ جمن کے ہاتھ بیع کر ڈالا اور شیخ عبداللہ مذکور برادر مورثان کے پوتے احمد اور محمود نالغان نے اُن بیعناموں پر گواہی کر دی اور اسکو بیس برس کا زمانہ گزرا پھر اسہین سے جب کچھ زمین کسی طور پر شیخ سبجانی اور شیخ بدا کے اختیار میں آگئی تو اُس میں شیخ عبداللہ کے وارث کیا یہ دعوے کر سکتے ہیں کہ جو زمین مذکور ہمارے خاندان میں پھر آگئی اُس میں بمقدار حصہ شیخ عبداللہ جو اُنکو بطور عصوبت مٹا کر شیخ سبجانی سے پہونچتا تھا ہلکا ہلکا چاہیے دوسرے شیخ عبداللہ کے وفات کے بعد صرف اوسکے دو پوتے احمد اور محمود نالغان جھکا باپ عبداللہ کے سامنے مر گیا تھا شیخ عبداللہ کے حصہ وارث ہوئے لیکن اُن نالغانوں کا کوئی آبائی ولی اپنے باپ دادا دادی اور چچا وغیرہ باقی نہیں رہا تو اُن نالغانوں کی مان سماء فتحہ بی بی شمر عانا نالغان کی ولیہ قریبہ ہوگی اور اسکو بولایت پسران نالغان کے رضاعت اور حضانت کے زلے میں اُنکی پرورش کے لیے اُنکی جائداد کے انتقال کا حق ہوگا یا نہیں اور شرعاً رضاعت اور حضانت کی مدت کیا ہے تیسرے فتحہ بی بی نے بولایت اپنے پسران نالغان احمد و محمود کے جو زمین بدست روشن و جوہر وغیرہ خیران کے بیچ ڈالی اور اسپر خریداران مذکور نے مکانا بنا لیے اسکو بیس برس کا عرصہ گزر گیا اب تنہی مدت کے بعد جو شیخ باسط علی نے بیعنامہ حق احمد و محمود نالغان مذکور کا زمین مذکور کے بابت لکھو لیا تو وہ دعوے اہتمام تعمیرات اور خالی کر پانے زمین ماتحتی تعمیرات مذکور کے بمقدار حصہ احمد و محمود نالغان مسطور کے کر سکتا ہے یا نہیں **جواب** (۱) اس صورت میں وارثان شیخ عبداللہ کا دعوے ساقط ہو اشباہ و نظائر میں ہے الوابعة والعشرون سکوئہ عند بیع زوجتہ او قریبہ عقاراً اقراراً بانہ لیس لہ علی ما افقہ بہ مشائخ سمرقند والخاصۃ والعشرون و آہ بیع ارضاً او داداً فتصرف فیہ المشتري ر ما نا وھو ساکت یسقط دعواہ جویشین جب کسی چیز کو اسکی زوجہ یا غریز قریب فروخت کرے تو اسکا حق ہناس امر کا اقرار کرنا ہے کہ وہ اسکی ملک نہیں ہے جیسا کہ مشائخ سمرقند نے اسکا فتوے دیا ہے پچیسویں اگر اُس نے دیکھا کہ کوئی شخص ایک زمین یا گھر کو بیچ رہا ہو پھر مشتری اُس میں ایک عرصہ تک متصرف رہا اور اُس نے کچھ تعرض نہ کیا تو اسکا دعویٰ ساقط ہو جائیگا۔ اور حاشیہ اشباہ میں ہے فی البزافۃ جعل الفتویٰ علی عدم سماع الدعویٰ فی

القربیب الزوجۃ بزازیمین ہے کہ فتوے اسپر ہے کہ قریب و زوجہ کی بیع کی صورت میں دعوی نہ سنا جائیگا اور تنقیح فتاوی حامد یہ مین ہے المسألة فی کثیر من المعیارات بالتقوی والکنز والمثلثة والمبرازیة والولون الحیة وعبا رتھا رجل تمعہ ہرمانا فی ایض ورجل اخر راہی الارض والتصرف ولم یدفع واما علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولذہ بہت سے معتبر کتابوں (جیسے تتریکز ملقی ہزارہ اور ولوکیم) میں ایک مسئلہ ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ ایک شخص کسی زمین پر عرصہ تک تصرف رہا اور دوسرے نے زمین کو اور اُسکے تصرف کو دیکھنے کے باوجود دعوی نہیں کیا تو اگر اُسکے مرنے کے بعد اُس کا لڑکا دعوی کرے تو یہ دعوی سماعت کے قابل نہ ہوگا۔ (۲) مان کو مالی ولایت حاصل نہیں اور مان کی بیع و شرا نافذ نہ ہوگی مگر جبکہ کوئی مالی دلی جازت دے یا خود لڑکا بلوغ کے بعد اُسکے تصرف کو جائز کرے۔ جامع القصولین میں ہر الوکایۃ فی مال الصغیر الی الاحباب وصیہ ثرو صی وصیہ ولو بعد فلو مات ابوہ ولم یوص فاولادہ آلاہم ثم وصی وصیہ فان لم یکن فالقاضی ومن یعصب بکرمال کی ولایت باپ کو بھڑا سکوی کو بھڑا سکوی کے وصی کو تو اگر باپ بغیر کسی کو اپنا وصی بنائے ہوئے مر جائے تو داد کو ولایت ہے پھر اسکے وصی کو بھڑا سکے وصی کے وصی کو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو قاضی کو یا جسکو وہ مقرر کرے اُسے حق ولایت ہے اور قضا وے عالمگیری میں ہے الام اذا رھنت مال طفلھا فان لم یجد الا ان تلکون وصیۃ او تلکون ماذونۃ من جهة من یلی الطفل مان اگر اپنے بچے کے مال کو رہن رکھے تو یہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ولی نے اُسکو ایسا کرنے کی اجازت دی ہو یا اُسکو وصی بنایا ہو۔ (۳) جبکہ محمد اور احمد ذیل بلوغ کو بطرینی مان کو تصرف کو جائز رکھا اور خریداروں کے تصرف سے کچھ تعرض نہ کیا تو اب اتنی عمر کو بعد باسط علی کا دعوی نہ سنا جائیگا سوال ایک زمین یا مکان پیشہ پاشت سوزید کو تصرف میں ہے کبھی بکر کے باپ دادا اور خالہ کے باپ و جد امجد مزاحم نہیں ہوئے پھر بکر اور خالہ کا باپ اور خالہ کو بنیر زید کی اطلاع کے ایک دوسرے کو خسور سے بالا بالا تخریری اور تقریری کارروائی اپنے مطلب کے موافق کر لی اور اُس کے ایک مدت کے بعد اب اُسی جلی کارروائی کے ذریعہ سے ان میں ہر شخص اپنی اپنی ملکیت کا دعویا رہوا ہوا اور کہتے ہیں کہ یہ اشیاء ہمارے مورث کی ملک ہیں اور فلان فلان کارروائی ثبوت کے لیے ہمارے پاس موجود ہے زید کہتا ہے کہ وہ کارروائی ہومیری اطلاع اور گواہی کو قابل تسلیم نہیں ہے اور ان اشیاء پر پیشہ پاشت سے میرے آبا و اجداد قابض رہے اور اب میں قابض ہوں اگر یہ میرے مورثوں کی ملک نہ تھی تو وہ اسپر کہہ نہ سکتے قابض رہ سکے اور تمھارے مورثوں میں سے ایک کسی نے کیوں مزاحمت نہ کی دوسرے یہ کہ قبضے کے علاوہ جو صد ہا برس سے ہمارے فلان کارروائی

کے موافق جو تھاری اس کارروائی سے پہلے کی ہے میری ملکیت ان اشیاء پر ثابت ہے اگر یہ اشیاء تمہارے وارثوں کے ملک ہوتے تو نہ وہ اپنی گواہی اسپر لکھتے نہ عدالتی اور پنچاسی کارروائی سے باز رہتے بکر اور خالد کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے مورث بھی بے پڑھے تھے ہم نہیں جانتے کہ اس تحریر میں کیا ہے زید کہتا ہے ہر شخص پڑھا لکھا ہو یا نہوا اپنے مطلب کو خوب جانتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ دیوانے بھی اپنے کام میں ہوشیار ہوتے ہیں اور تم نے اور خالد کے باپ نے پہلے ہم سے اُس کارروائی کو سن لیا تھا اُس کے بعد اسپر اپنی گواہی کی تھی اور اگر ان بھی لیا جائے کہ وہ بے پڑھے اور نا سمجھ بھی تھے تو کمان سے جا کر تیر واپس نہیں آتا اب کیا ہو سکتا ہے پس شرعاً یہ تمام کارروائی اور تمہارا دعوے باطل و نامسموع ہے اور منصف اور عادل لوگوں کے سامنے سند نہوگی پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں زید کا قبضہ صحیح مانا جائیگا یا بکر وغیرہ کا دعوے جواب اس صورت میں بکر اور خالد اور خالد کے باپ کا دعویٰ زید پر قابل سماعت نہیں ہے فتاویٰ حادیہ میں ہے قال فی الفتاویٰ الولوالجی رجل تصرف زماناً فی أرض آخر و رجل آخر ارضی لادرض والتصرف ولم یدع و مات علی فکاک لم تسمع بعد ذلک دعویٰ ولده فترک فی ید المتصرف لان الحال شاهد و رأیت فی فتاویٰ الغزی صاحب التویر سئل عن رجل له بیت فی دار یسکنه مدة یزید علی ثلاث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذاکور تصرف فی البیت هدا و عمارۃ مع اطلاع جاره علی تصرفه فهل اذا ادعی البیت او بعضه تسمع دعواه ام کالاجاب لا تسمع دعواه علی ما علیہ الفتویٰ فتاویٰ ولوالجی میں ہے ایک شخص کسی زمین پر عرصہ تک متصرف رہا اور دوسرا زمین اور تصرف دونوں کے ملاحظہ کے باوجود ساکت رہا اور دعویٰ نہ کیا پس اُس کے مرنے کے بعد اُس کے لڑکے کا دعوے سنا نہ جائے گا اور زمین متصرف ہی کے قبضہ میں رہنے دیجائے گی کیونکہ حالت اسی کی شاہد ہے اور میں نے فتاویٰ غزی میں دیکھا ہے کہ صاحب تنویر سے پوچھا گیا کہ ایک گھر میں ایک شخص تین برس سے زائد عرصہ سے رہتا ہے اور اُس مکان میں تصرفات از قبیل انہدام و تعمیر کرتا رہتا تھا اب اُس کا پڑوسی تمام یا بعض حصہ مکان کا مدعی ہے حالانکہ اُسے اُن تصرفات کی ہمیشہ اطلاع رہی تو اب اُس کا یہ دعویٰ مسموع ہوگا یا نہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ قول مفتی بہ کے موافق یہ دعویٰ سماعت کے قابل نہیں ہے سوال مدعی نے اپنے ثبوت دعوے کے لیے دو گواہ پیش کیے اور دونوں نے اُس کے دعوے کے موافق گواہی دی مگر فسق یا اور اسباب عدم قبول شہاد

کی وجہ سے قاضی نے گواہی کو قبول نہیں کیا پس اس صورت میں مدعی علیہ پر حلف واجب ہوگا یا نہیں
 جواب صورت مسئلہ میں اگر مدعی کا دعویٰ صحیح ہو تو اُسکے گواہوں کے عدم مقبولیت کی وجہ سے
 اُسکے حلف کا حق ساقط نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب لکھنؤ محمد سعد اللہ صاحب الجواب دامہ علیم بالصواب
 حررہ ابو اللاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم اس میں کوئی شک نہیں کہ شرعاً قاضی اسی لیے مقرر کیا جاتا
 ہے کہ حق حقدار کو پہونچائے اور وہ یا بینہ سے ہوتا ہے یا یمین سے اور جب بینہ مجروح ہو کے قابل قبول نہیں
 ہو تو اگر حلف نہ لیا جائیگا تو بلا وجہ شرعی مدعی کا حق باطل ہوگا پس مدعی علیہ سے حلف لینا ضروری ہے
 اگر دل میں اس بات کی کہنگ ہو کہ قدوری نے اپنی تختہ لکھا ہے اذ اصحت الدعوی سائل لقاضی المدعی علیہ
 عنہا فان اعترف قصی بھا فان انکر سأل المدعی البینۃ وان احضرھا قضی بھا وان عجز عن ذلک
 وطلب باین خصمہ استخلف نائب دعویٰ صحیح ہو تو قاضی مدعی علیہ سے دعوے کے بارے میں پوچھے اگر وہ عجز
 کرے تو حکم جاری کر دے اور اگر انکار کرے تو مدعی سے بینہ مانگے اگر وہ بینہ پیش کر دے تو قاضی حکم جاری کرے
 اور اگر وہ بینہ نہ پیش کر سکے اور خصم سے قسم کی درخواست کرے تو اُس سے قسم لے لے۔ اور ایسا ہی جمہور فقہاء
 لکھا ہے پس ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ پر حلف اس وقت واجب ہوتا ہے جب مدعی احضار بینہ
 سے عاجز ہو اور صورت مسئلہ میں احضار بینہ پایا گیا پس کیونکہ مدعی علیہ پر حلف واجب ہوگا تو اُس کا
 دفعیہ یہ ہے کہ احضار بینہ میں عجز سے احضار بینہ ثبوت کا عجز مراد ہے نہ مطلق بینہ سے عجز اس کے علاوہ فقہاء
 سلامت گواہان کو اسباب جرح اور عدم قبولیت لفظ کی شرط جانتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ شرط کے فوت ہونے
 سے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے پس احضار بینہ مجروح غیر مقبولہ مثل عدم احضار کے ہو لہذا حق اختلاف
 باقی رہتا ہو اور حاکم کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر من بینہ ویرمین
 پر جو الف لام ہے وہ عہد کا ہی جیسا کہ فن اصول میں مصرح ہو پس اس حدیث کا مطلب یہ ہے البینۃ
 المثبتۃ للدعوا علی المدعی فان لم یقیم عینۃ کذلک فالیمین الشرعی علی من انکر بینہ جس سے دعوے
 ثابت ہو مدعی کو ذمہ ہوا اگر وہ بینہ نہ قائم کر سکے تو انکار کرنے والی پر شرعی قسم ہو واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبدالحی۔
 سوال اگر کسی فرد میں بارہ برس تک دعویٰ نہ کیا تو پھر اُس کا دعویٰ باطل ہوگا یا نہیں جواب تقادم زمانہ سے دعوے
 باطل نہیں ہوتا ہے بلکہ شاہ یمین ہے کہ اگر تقادم زمانہ کی وجہ سے قاضی بطلان دعویٰ کا حکم دے تو اُس کا
 حکم نافذ نہ ہوگا سوال مدعی کس کو کہتے ہیں اور مدعا علیہ کس کو جواب عالمگیری میں ہے المدعی من لا یمین

علی الخصوصۃ اذا ترکھا والمدعی علیہ من یجب علی الخصوصۃ وھذا احد عام صحیحہ مدعی وہ شخص ہو کہ اگر ترک
 خصوصیت کرے تو اُس پر حیرت کیا جائے اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جو خصوصیت پر جبر کیا جائیگا اور یہ تعریف
 عام اور صحیح ہے سوال عمرو نے دعوے کیا کہ خلیہ زرتخواہ کے میرے سو روپے زید پر باقی ہیں اور زید کہتا ہے
 کہ میں دے چکا ہوں اس صورت میں مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون ہے اور حلف زید پر لازم ہو گیا یا
 نہیں جواب عمر و مدعی ہے اور زید مدعا علیہ اور گواہوں کے موجود نہ ہونے کی حالت میں حلف زید
 پر لازم ہو گا شارح ابوالامام نے لکھا ہے وقال محمد بن ابراہیم المدعی علیہ ہولہ منکروا لاخرہ ہولہ مدعی فی الکافی ان ہذا
 صحیح لکن لسان فی معرفتہ اذا العبرة للمعانی دون الصور والمبانی فان المودع اذا ادعی دالودیعۃ فہو مدعی
 للصورۃ وفی المعنی ہو منکر الضمان ولذا یحلف القاضی نہ لا یلزمہ رد ولا ضمان ولا یحلف اندرہ اذا المین کیونکہ
 النفی ابدال امام محمد رحمہ اللہ نے اصل میں لکھا ہے کہ مدعا علیہ وہ شخص ہے جو انکار کرے اور دوسرے شخص کو مدعی کہتی ہیں کہ میں
 ہوں کہ یہ صحیح ہے لیکن دشواری اُس کے جاننے میں ہے کیونکہ اعتبار معانی کا ہے صورت اور الفاظ کا اعتبار نہیں ہے
 اسلئے کہ کون جب دولیت کے رد کر دینے کا دعوے کرے تو وہ صورتہ رد کا دعوے کر چکا اور معنی ضمان کا منکر
 ہو گا اور اسی لیے قاضی اس سے قسم لیگا کہ اُس کو رد اور ضمان لازم نہیں ہے اور اسکی قسم نہ لیگا کہ اُس نے
 رد کر دیا ہے کیونکہ قسم ہمیشہ نفی پر ہوتی ہے۔ اور اگر زید عمرو سے انکار وصول پر حلف کا طالب ہو اور عمرو
 حلف پر راضی ہو جائے تو ہو سکتا ہے دشمنان میں ہے ادعی المدیون لا یصل فالتکرم المدعی ذلک ولا بنیۃ
 لہ علی مدعا کا مطلب یہ ہے فقال المدعی جعل حق فی الختہ ثم استخلف لہ ذلک کذا فی القنیۃ مدیون نے
 اداسے قرض کے ایصال کا دعویٰ کیا اور مدعی نے انکار کیا اور اپنے مدعا پر کوئی بنیہ نہیں پیش کیا پس اُس سے
 یہیں طلب کی تو اسے اسکا اختیار ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے سوال اگر اقرار کیا کہ یہ مال زید کے لیے ہے پھر
 دعویٰ کیا یہ میرا ہے یہ بوکالت دعوے کیا کہ خالہ کے لیے ہے یہ دعویٰ سموع ہو گا یا نہیں جواب نہیں۔
 عالمگیری میں ہے التناقض کما یمنع صحۃ الدعوی لنفسہ یمنع صحۃ الدعوی لغيرہ فمن
 اقربین لغيرہ فکمالا یملک ان یدعی لنفسہ لا یملک ان یدعی لغيرہ بوصایۃ او کالۃ
 وھذا اذا واحد منہ ما یكون اقرا بالملک لہ تناقض جسطرح اپنے لیے دعوے کے صحیح ہونے کو منع
 کرتا ہے اسبطح غیر نے لیے بھی دعوے کی صحت کو منع کرتا ہے پس جس شخص نے ایک مال کا غیر کے لیے اقرار
 کیا تو جسطرح وہ شخص اسکی قدرت نہیں رکھتا ہے کہ اُس مال کا اپنے لیے دعوے کرے اسی طرح وہ اس کی ہر

قدرت میں رکھنا کہ اُس مال کا اپنے غیر کے لیے دعویٰ کرے خواہ وصایہ ہو یا وکالت اور یہ اُس وقت ہے کہ جب اسے غیر کے لیے ملک کا اقرار کیا ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تبحا و زائد
عن ذنب الجلی والحقفی محمد عبدالحی ابوالحسنات

کتاب القضاء

سوال عالمگیری کے باب ادب القاضی میں ہے واختلف العلماء فی اجرة الشخص لبعضهم قالوا هي في بيت المال وبعضهم قالوا على المتمرّد كذا في الذخيرة هو الصحيح كذا في فتاویٰ قاضی خان علمائے شخص کی جرت میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ بیت المال کے ذمہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اُس کے ذمہ ہے جو عدالت میں حاضر ہونے سے انکار کرے یہ ذخیرہ میں ہے اور یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ رد المحتار یعنی حاشیہ شامی کے کتاب القضاء میں ہے اما مؤنة الموكل وهو الشخص الذي امره القاضي بملامة المدعى عليه لاخراج ذكر القاضي الامام صدر الاسلام انها على المدعى عليه وعلى بعض الفقهاء بعض مشائخنا على انه على المدعى وهو لا يخرج موكل یعنی اُس شخص کی اجرت جو مدعا علیہ پر اُسکو عدالت میں حاضر کرنے کے لیے مسلط کیا جائے قاضی امام صدر الاسلام نے کہا ہے کہ مدعا علیہ کے ذمہ ہے اور بعض فقہا کا بھی یہی خیال ہے اور ہمارے بعض فقہاء کے نزدیک وہ مدعی کے ذمہ ہے اور یہی اصح ہے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے واجرة المحضر على المدعى هو لا يخرج نقل الجرح عن النزائية وفي الثانية على المتمرّد وهو الصحيح مدعا علیہ کو عدالت میں حاضر کرنے والے کی اجرت مدعی کے ذمہ ہے یہی اصح ہے اسکو بجرنے بزاز یہ سے نقل کیا ہے اور خانیہ میں ہے کہ جو عدالت میں حاضر ہونے سے انکار کرے اُس کے ذمہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور بجز کی عبارت یہ ہے وفي النزائية ويستعين باعوان الوالي على الاضمار واجرة الاشخاص في بيت المال وقيل على المتمرّد في المصروف نصف درهم الى درهم وفي خارجه لكل فرسخ ثلاثة دراهم او اربعة بزاز یہ میں ہے کہ والی کے مددگاروں سے مدعا علیہ کے حاضر کرنے میں مدد لے اور اشخاص کی اجرت بیت المال سے دی جائے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ عدالت کی حاضری سے انکار کرنے والے سے شہر میں نصف درہم سے ایک درہم تک درجاء شہر میں ہر فرسخ پر تین یا چار درہم لیے جائیں ان سب عبارتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع میں کسی قدر خرچہ جیسے اجراء شخص و بوجہ اجل کھا گیا ہو اُس وقت بھی تھا اور جس قدر

خرچہ قلیل یا کثیر تھا بصورتِ قمر مدعا علیہ کے مدعا علیہ پر بار ہوتا تھا پس اس زمانے میں میرے نزدیک
 فقیہ کو تفقہ اور ایک طور پر اجتہاد کو نادروری ہے کہ بعض اشخاص روپیہ قرض لیتے ہیں اور قمر داوانہیں
 کرتے اگرچہ جانتے ہیں کہ نالیش ہونے پر خرچہ بھی دینا پڑے گا اور مدت گزرنے کے بعد پھر نالیش نہ ہو سکے گی
 تو ایسی صورت میں خرچہ مدعا علیہ ہی کی وجہ سے پڑتا ہی پس ہمارے نزدیک اُس سے جبراً دلانا چاہیے
 ہاں اگر قمر نہ ہو اور ادا کرنے کو کہتا ہو مگر ناداری کی وجہ سے ادا کر کے تو ایسی حالت میں ہرگز خرچہ لینا
 چاہیے۔ فتاویٰ مختار الاخیار میں بزبانِ فارسی لکھا ہے جسے میں نے مولانا عبدالحی مدظلہ کے کتب خانے
 میں دیکھا ہے اُسکا ترجمہ یہ ہے جب قاضی مدعا علیہ کو اطلاع نامہ حاضر ہونے کے لیے بھیجے اور وہ شہرِ تانہ
 حاضر ہو بیان تک کہ جبراً لانے کے لیے دوسرا پیادہ بھیجا جاوے تو دوسرے پیادہ کی ضروری مدعا علیہ پر ہے
 اور پہلے کا خرچہ مدعی پر اور یہ احسان ہے کہ زجرِ انقضا اسکے جانب مائل ہوے ہیں پس اس زمانے میں
 بھی اگر مدعا علیہ قمر کرے اور اُس کے قمر کی وجہ سے خرچہ پڑے تو دلیلِ استحسانی کا تقاضا ہی ہے کہ یہ خرچہ مدعا علیہ
 کو دینا چاہیے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ پہلے زمانے میں خرچہ کم تھا اور اس زمانے میں زائد ہے مگر اگر نذر دن نے یہ
 اسامیہ وغیرہ جو رکھا ہے درحقیقت قضا کی اجرت ہے۔ اور سابق میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض صورتوں
 میں قضا کی اجرت لینا درست تھی جیسا کہ مختار الاخیار میں بزبانِ فارسی تحریر ہے جسکا ترجمہ یہ ہے امام
 خواہر زادہ نے کتاب القسمۃ کے شروع میں لکھا ہے کہ اگر قاضی کا حق بیت المال سے کفایت نہ کرے تو وہ قسماً
 پر اجرت لے سکتا ہے اور محیط سے نقل کیا ہے کہ قاضی کو قسمت کی اجرت لینا جائز ہے مگر کچھ نہ لینا مستحب ہے
 اور قمر ناشی نے کہا ہے کہ محنت کے بقدر اجرت لے اور برجانی صغیر سے پوچھا گیا کہ چند روپیوں کے تقسیم کرنے والے
 والے کی کیا اجرت ہو تو انھوں نے کہا کہ شراکوئی اجرت مقرر نہیں ہے۔ اور نذرانۃ الالواقات میں ہے کہ مختار
 یہ کہ قاضی کو قسمت میں اجرت لینا حلال ہے اور محیط نے باب الدایا قاضی سے نقل کیا ہے کہ جب قاضی خود دستاویز
 اور جرثومہ کو متوجہ کرے تو اُسکی جو اجرت دوسرے لیتے ہیں یہ بھی لے سکتا ہے اور شیخ الاسلام سعدی سے مقدار
 اجرت کا سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہزار روپے میں پانچ روپے اور دو ہزار میں دس اچھی طرح
 دس ہزار تک ہر ہزار میں پانچ روپے پھر دس ہزار کے بعد ہر ہزار پر ایک روپیہ جو اگر دستاویز ہزار روپیہ
 کم ہو لیکن محنت اتنی ہی رکھتا ہو جتنی ہزار میں ہے تو اُس میں بھی پانچ روپے لے اور اگر اس کی محنت سے دونی
 محنت ہو تو دس روپے لے۔ ان عبارتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر بیت المال

قاضی کی محنت کو کافی نہ تو اسے تقسیم وغیرہ کے مقدمات میں اجرت لینا چاہیے اور قرض ناشی کی رائی ہو کہ بقدر محنت اجرت لینا چاہیے اور بر جانی صغیرہ کی رائے ہے کہ اس میں کوئی مقدار شرعاً مقرر نہیں ہے پس اس زمانے میں تو بیت المال نہیں ہے اور جملہ مقدمات کی اجرت حکام نے اپنی رائے سے لے لی ہے اور اس میں مقدار شرعی بھی نہیں ہے جیسا کہ بر جاتی نے لکھا ہے اور بعضوں نے شیخ الاسلام ابو الحسن کی رائے کے موافق لکھا ہے کہ مال کے اعتبار سے اجرت ہے تو اس زمانے میں حکام نے بھی ویسا ہی رکھا ہے کہ فی سیکڑا اتنا پس کہہ سکتے ہیں کہ حکام کا اجرت لینا بالکل لاف ہے نہیں ہے بلکہ شرعاً بھی بعض بعض صورتوں میں قضا کی اجرت ملتی ہے اگرچہ ان تمام عبارتوں کو دیکھ کر بھی میں اپنی طرف سے کچھ فتوے نہیں دیتا لیکن مستفتی کو چاہیے کہ ان سب عبارتوں میں غور کر کے مفتی کو اس طرف متوجہ کرے اور اس زمانے کے حالات اور قانون سے مفتی کو اچھی طرح آگاہ کرے تو عجب نہیں کہ قمر کی صورت میں مفتی کی یہ رائے ہو جائے کہ مدعا علیہ سے خرچ لینا چاہیے۔ مترجم کہتا ہے اس جواب کے بعد مفتی کا نام اصل کتاب میں بھی نہ تھا لہذا بیان بھی نہیں لکھا گیا۔ انتہی عدالت کا خرچ جو حکام نے مقرر کیا ہو ظاہر ہے کہ وہ قضا کی اجرت نہیں ہے اور فیصلہ کرنے والے حاکم کو وہ رقم فیصلہ کرنے کے عوض میں نہیں ملتی ہو بلکہ وہ سرکار سے تنخواہ پاتے ہیں اسکے علاوہ اس میں بعض خرچے وہ بھی ہیں جو یقیناً مدعی ہی پر لازم ہیں جیسے مدعی کی وکیل وغیرہ کا مختار نہ پس ایسا خرچہ مدعا علیہ سے کیونکر لیا جاسکتا ہے واقف اصول و فقہ پر غرضی نہیں ہے کہ مسبب پر ضمان وغیرہ لازم نہیں آتا قمر اور باوجود استطاعت کے قرض نہ ادا کرنے سے وہ گنہگار ہو گا نہ موجب تاوان قضا جو بعض صورتوں میں مقرر مدعا علیہ پیادے کی اجرت کا وجوب لکھتے ہیں وہ بان مقرر سے وہ مدعا علیہ مراد نہیں ہے جو ادا دین میں تکلف کرے بلکہ وہ مقرر مراد ہے جو عدالت میں حاضر ہو۔ مدعی علیہ پر کسی قدر صرف کا وجوب خود ہی فقہاء کے نزدیک مختلف فیہ ہے اور اگر مدعی علیہ پر سکا وجوب صحیح بھی ہو تو بھی صورت مسئلہ کے لیے نظیر نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراحمی عفوہ بر القوی ابو الحسن محمد عبدالحی تجاؤز الدین ذہبہ الجلی واخفی۔ سوال بیچون میں یہ دستور ہے کہ جو شخص کوئی براء کام کرتا ہے اسے برادری سے خارج کر دیتے ہیں پھر جرمانہ لیکر اسے برادری میں شریک کرتے ہیں اور اس رقم کے شیرینی وغیرہ منگا کر سب بیچ کھاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں جواب تنبیہ کے لیے یہ جرمانہ لینا جائز ہے۔ سوال شرعاً قصا کسے کہتے ہیں جواب خصومت اور منازعت کے فیصلہ کرنے کو قصا کہتے ہیں جیسا کہ

تویر الابصار وغیرہ میں ہے سوال قاضی کو مسجد میں بیٹھ کر جھگڑوں کا فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں جواب
جائز ہے ہر ایہ میں ہے القضاء عبادۃ فیجوز اقامتہا فی المسجد کالمصلوۃ اقامت قضاء مسجد میں جائز ہو
کیونکہ قضا مثل نماز کے عبادت ہے۔ سوال قاضی کون شخص ہو سکتا ہے جواب جو مسلم حر عاقل بالغ
ہو جامع الزموزین ہے اہل اہل للشہادۃ اسی المستحق للشہادۃ بالاسلام والحریۃ والعقل والبلوغ
مستحق للقضاء بذلک اہل قضاء اہل شہادت ہیں یعنی جن میں اسلام حریت عقل بلوغ شرائط شہادت پائے
جائیں وہ مستحق قضاوت ہیں اور امام طحاوی نے کہا ہو کہ عدالت بھی قضا کی شرط ہے اور فاسق قضا کی
صلاحیت نہیں رکھتا جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور عامۃ فقہاء کے نزدیک جہاد اور عدالت و لو
کی شرط ہے جیسا کہ متون اور شرح میں ہے سوال قضا کے عہدے کو قبول کرنا درست ہے یا نہیں۔
جواب قضا کے عہدے کو قبول کرنا عادل بادشاہ کی طرف سے ہو یا ظالم بادشاہ کی طرف سے مسلمان
بادشاہ کی طرف سے ہو یا کافر بادشاہ کی طرف سے درست ہے لیکن اگر بادشاہ ٹھیک فیصلہ کرنے سے منع کرے تو
حرام ہے درمختار میں ہے ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجاوہر ولو کان کافرا ذکرہ
مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیجوز قاضی کا عہدہ عادل اور ظالم بادشاہ سے
اگرچہ کافر ہو لینا جائز ہے یہ مسکین وغیرہ نے کہا ہے البتہ اُس صورت میں کہ سلطان قاضی کو ٹھیک فیصلہ
کرنے سے روکے حرام ہے۔ اور عالمگیری میں ہے ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجاوہر
ولکن انما یجوز تقلد القضاء من السلطان الجائر اذا کان یکنہ من القضاء حتی ولا یحوض فی
قضا یا کہ بشر ولا ینہاہ عن تنفیذ بعض الاحکام کما ینبغی اما اذا کان لا یکنہ من القضاء حتی ولا
یحوض فی قضا یا کہ بشر ولا یمنعہ من تنفیذ بعض الاحکام کما ینبغی لا یقلد منہ قضاوت کا عہدہ
سلطان عادل و ظالم دونوں سے لینا درست ہے مگر ظالم سے اُسی وقت درست ہے جبکہ صحیح فیصلہ کرنا
ممکن ہو اور ظالم بادشاہ کی طرف سے اُس کے فیصلوں میں مداخلت بیجا کا اندیشہ نہ ہو اور وہ احکام کے
نافذ کرنے میں مانع نہ ہو لیکن اگر ٹھیک فیصلہ کرنا ناممکن ہو اور ظالم بادشاہ اُس میں بیجا مداخلت
کرتا ہو اور قاضی اُس کے بدولت اپنے بعض احکام کو قرار واقعی نافذ نہ کر سکتا ہو تو ایسے ظالم بادشاہ سے
قضاوت کا عہدہ لینا درست نہیں ہے سوال اگر خفی قاضی اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے
تو نافذ ہوگا یا نہیں جواب اگر مجتہد فیہ میں جو کتاب وسنت مشہورہ اور اجماع کے خلاف نہ ہو اگر خفی

قاضی عہد یا سہو اپنے مذہب کے خلاف حکم دے تو صاحبین رحمہ اللہ کے نزدیک نافذ نہ ہوگا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نافذ ہوگا اور فتوے صاحبین رحمہم اللہ کے قول پر جو ابوالمکارم نے شرح لکھا یہ میں لکھا ہو القضاء فی مجتہد فیہ علی خلاف مذہبہ کما اذا قضی الخفی عوارض المذہب بناسیاء مذہبہ او غاملاً لا ینفذ عندہا کلا نہ قضی باہو خطاء عندہ فی الہدایۃ والمضمرات علیہ الفتوی واما عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ ینفذ فی وجہ النسیان والعدو فی روایۃ انہ لا ینفذ فی الثانی کسی مجتہد فیہ ام میں جیسے جو ازہجہ بدر اگر حنفی قاضی اپنے مذہب کے خلاف سہو یا قصداً حکم دے تو صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک نافذ نہ ہوگا کیونکہ اسے ایسی بات کا حکم کیا ہے جو اس کے نزدیک غلط ہے ہر ایہ اور مضمرات میں اس پر علیہ الفتوی لکھا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نسیان اور عمد و نون صورتوں میں ایسا حکم نافذ ہو جائیگا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ عمدہ میں نافذ نہ ہوگا۔ سوال جو قاضی مجتہد ہو اسکا اقوال اصحاب حنفیہ کے خلاف حکم دینا نافذ ہوگا یا نہیں جواب نافذ ہوگا سراجیہ میں ہے اذا قضی لقبل ہو جو حرا ویقول یخالف قول اصحابنا رحمہم اللہ تعالیٰ جازا اذا کان القاضی من اهل المراءى والاجتہاد اگر قول موجب کا حکم دیا یا ایسے قول کا حکم دیا جو ہمارے اصحاب کے مذہب کے خلاف ہے تو جائز ہے اگر قاضی خود مجتہد اور اہل الرائے ہو سوال جو لوگ گائون اور بڑے شہروں کے محمولوں میں امام یا خطیب یا نکاح خوان مقرر ہیں اور اپنے باپ دادا کی تنخواہ پاتے ہیں مگر جاہل ہیں کیا وہ اپنے ان مناصب کی بدولت قاضی کا حکم رکھتے ہیں اور کیا وہ تنہیم بچوں کا نکاح اور اقامت جمعہ و عیداد کر سکتے ہیں جواب ایسے لوگ قاضی نہیں ہیں لیکن جو شہر سلطان کے ماتحت ہیں ان میں سلطان کے مقرر کرنے کے بغیر کوئی شخص قاضی نہیں ہوتا جیسا کہ درود وغیرہ میں ہے اور جہان کفار غالب ہیں وہاں مسلمانوں کی رضامندی اور اتفاق سے کوئی شخص قاضی بنایا جاسکتا ہو رد المحتار میں ہے ویصیر القاضی قاضیا متراضی المسلمین فیجب علیہم قبولہ والیا مسلمان منہم مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جائے پس مسلمانوں پر ضروری ہے کہ مسلم شخص کو اپنا والی بنالین پس اس کو ثابت ہو کہ مسلمان تو بنواری ہے کہ اتفاق کر کے کسی کو والی بنالین کہ ان کے معاملات کا فیصلہ کرے اور اشخاص مندرجہ سوال ایسے نہیں ہیں بلکہ وہ محض عادیہ اپنے ابا کا وثیقہ پارہے ہیں تو ان مقامات میں جہان کافروں کا غلبہ ہو انکا اقامت جمعہ کرنا بلا اجازت قاضی یا والی کے خیر اہل بلد کا اتفاق ہو درست نہیں ہو رہا

میں ہے لا تعہد اقامتہا الا لمن اذن له السلطان بواسطۃ اوید و نرہا اما بدون ذلك فلا

اقامت عید و جمعہ وہی کر سکتا ہے جسے سلطان نے بواسطہ یا بلا واسطہ اجازت دی ہو اور اُس کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا اور ایسے مقامات میں جہاں کفار غالب ہیں یعنی اسی سلطان کے حکم میں ہے پس بغیر اُس کی اجازت کے اقامت جمعہ درست نہوگی اور سلطان کی اجازت پہلی مرتبہ شرط ہے تو جب سلطان کسی کو اقامت جمعہ کا حکم دیدے پھر وہ دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے فلا يجوز اقامتها لكل خطيب الا لمن اذن له السلطان او من اذن له فكذا اهرنا والعید کا مجمع لان صلوة العید تقب علی من تجب علیہ الجمعة بشرائطها وی الخطبة کمال در المختار وغیرہ اقامت جمعہ صرف اُسی خطیب کیلئے جائز ہے جسے سلطان نے اجازت دی ہو یا جس کو اجازت پانے والا اجازت دے پس اُسی طرح یہاں بھی ہے اور عید جمعہ کے مثل ہے کیونکہ ناریعید اُس پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے اور خطبہ کے سوا تمام چیزوں میں دونوں کی شرطیں بھی ایک ہیں جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے۔ پس جب مذکورین سوال کو اقامت جمعہ و اعیاد کا حق نہیں ہے تو چھوٹے یتیم بچوں کے بیاہ دینے کا بھی حق نہیں ہے اور والی اور قاضی جنہر اہل بلدہ کا اتفاق ہو انکو بھی چھوٹے یتیم بچوں کی شادی کا حق ہے یا نہیں اس کے متعلق میں نے کہیں صراحت نہیں دیکھی لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ کسی شخص کو والی اور قاضی بنالین اور وہی اُنکے معاملات فیصلہ کرے اور اُسکو اس امر کا بھی اختیار ہوگا واللہ اعلم رد المحتار میں ہے۔ اذا اولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صححت تولیة بلاشبہ جب کافر مسلمان پر کسی کو قاضی بنا دین اور مسلمان اُس پر راضی ہو جائیں تو وہ شخص بلاشبہ والی ہو جائے گا۔ پس ایسا قاضی اقامت جمعہ و اعیاد و تزویج یتامی کر سکتا ہے بشرطیکہ مسلمان اُس سے راضی ہوں اور قاضی کے لیے یہ بھی ضروری ہو کہ اُسکی عصمت صلاحیت فہم عقل علم سنت آثار اور وجہ فقہ پر لوگوں کو وثوق ہو اور وہ درشت اور سخت گیر نہ ہو کیونکہ نائب رسول ہے جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے پس ہر شہر کے لوگوں کو چاہیے کہ کوشش کر کے کسی ایسے شخص پر اتفاق کر لیں اور اُسکو اپنا والی بنالین کہ وہ اقامت جمعہ و اعیاد و تزویج یتامی کرے حضور سرور انبیاء علیہ التہیۃ والتنا نے فرمایا ہے من مات ولم یؤل علی نفسه اما مات موتة جاهلیة جو شخص مرے اور اُس نے اپنا کوئی امام مقرر نہیں کیا وہ جاہلون کی موت مرا۔ اور ہمارے ملک میں اگلے زمانے میں ہر شہر کو اُن اور قصہ میں قاضی ہو کر رہا تھا لیکن آجکل باہمی مناقشات کی بدولت قضائے

معدودے چند مقامات کے سوا اور کہیں نہیں ہیں پس مسلمانوں کے اتفاق کر کے چاہے کہ کسی ایک کو اپنا والی بنالین کہ وہ اقامت جمعہ واعیاد کرے اور قیوموں کی شادی کرے کیونکہ والی سلطان کے مثل ہے اور سلطان ایک ہی ہوا کرتا ہے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اخر منہما جب دو خلیفہ اؤن کی بیعت کیجائے تو دوسرے کو قتل کر ڈالو۔ اس طرح والی کا حکم ہے پس ایک مقام میں دو والی ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم کتبہ احقر العباد شیخ یوسف بن قادر احمد عفی عنہما صحیح ابواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفورہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تبارک و تعالیٰ عن ذنبہ الجلی والختی سوال زید نے بکر کو بلا سودی روپیہ قرض دیا جب بکر نے کسی طرح روپیہ نہ ادا کیا تو مجبوراً زید نے دعوے کر کے مع خرچہ ڈگری حاکم کی اب بکر سے زید کو خرچہ لینا درست ہی یا نہیں جواب بکر سے زید کو خرچہ لینا درست نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفورہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تبارک و تعالیٰ عن ذنبہ الجلی والختی [محمد عبدالحی ابوالحسنات] صحیح ابواب واللہ اعلم حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفرلہ اللہ العلی الرب الحکیم۔ صحیح ابواب حررہ نظام الدین احمد عفی عنہ صحیح ابواب نمقہ خادم اولیاء اللہ الحکیم محمد ابراہیم غفرلہ اسرار رحم [محمد ابراہیم] ابواب صحیح واللہ اعلم حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفی عنہ [محمد عبد الوہاب]

کتاب الشہادۃ

سوال زید اور عمرو میں یہ بحث ہے کہ زید کہتا ہے گواہان نفی متواتر اس صورت میں شرعاً مقبول ہیں کہ کوئی لوگ اس بات پر گواہی دیں کہ فلان شخص فلان سال میں کوفہ میں تھا کیونکہ یہ اُس سال اُس شخص کے بصرہ میں ہونے کی نفی ہے نہ کہ بصری لوگ کہیں کہ فلان شخص فلان سال میں بصرہ میں تھا کیونکہ یہ گواہی علم پر نہیں ہے بلکہ اُسکے موجودگی کے عدم علم پر ہے اور زید اپنے قول کے ثبوت میں قبا دی ہند یہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے اقام امرأۃ رجلین ان فلانا طلق امرأۃ یوم النحر بالکوفۃ واقام فلان البیتۃ انہ کان فی ذلک الیوم حاجا بمنۃ فالبیتۃ منیۃ المدعی ولا یلتفت الی بیتیۃ المدعی علیہ الا ان تانی الطاعۃ وتشہد بذلک فیوخذ بشہادۃ قہم کذا فی الذخیرۃ ایک عورت نے دوم دون کو شہادت میں پیش کیا کہ فلان شخص نے یوم نحر کے دن کوفہ میں اپنی بی بی کو طلاق دی اور اس شخص نے بی بی قائم کیا کہ میں اُس دن حج کرنے کو گیا ہوا تھا اور منی میں تھا تو مدعی کا بیٹہ معتبر ہوگا اور مدعا علیہ کے بیٹہ

کے جانب توجہ نہ کی جائیگی مگر یہ منی کے عالم لوگ اسکی شہادت دین اُسوقت اُنکی شہادت کا اعتبار کیا جائیگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور عمر واس عدم علم کی گواہی کو بھی مقبرہ کہتا ہے اور اپنے قول کی سند میں جمہوی کی اس عبارت کو پیش کرتا ہے قال فی الحیطان توا تر عند الناس وعلمہ کل عدم کونہ فی ذلک المکان والزمان لا تسمع الدعوی علیہ ویقضی بفرغ ذمتہ لا یلزم تکذیب الثابت بالضرورة والضوریات مالا یدخلها شک محیط میں ہے کہ اگر لوگوں کو بتواتر اس امر کا علم ہو کہ یہ شخص اُس زمانے میں اُس جگہ موجود نہ تھا تو اُسپر جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ سموع نہوگا اور وہ شے اُسکے ذمے سے ساقط ہو جائے گی ورنہ اس امر کی تکذیب لازم آئے گی جو بالبداہتہ ثابت ہے حالانکہ جملہ مور بالضرورة ثابت ہوتے ہیں اُن میں شک کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور عمر کہتا ہے کہ یہ گواہی عدم علم پر نہیں ہے بلکہ فلان شخص کے نہ آنے کے علم پر ہے پس زید اور عمرو دونوں میں سے کس کا قول اور کس کا استدلال صحیح ہو جو اس پر دونوں شہادتیں مقبول نہیں ہیں مگر جبکہ امر مشہود بتواتر ہو اور فتاویٰ ہندیہ کی روایت ایک صورت اور جمہوی کی روایت دوسری صورت کو متضمن ہے فتاویٰ ہذا یہ میں ہے شہد انہ متقرر من فلان فی یوم کذا فی بلد کذا فبرهن علی انہ لم یکن فی ذلک المکان بل کان فی مکان اخر لا یقبل لان قوله لم یکن فیہ نفی صورة ومعنی وقوله بل کان فی کذا نفی معنی واصله ما ذکر فی التوارد عن الثانی شہدا علیہ یقول او فعل یلزم علیہ بذلک اجارۃ او کتابۃ او بیع او طلاق او عتاق او قصاص او قتل فی مکان وزمان وصفات فبرهن المشرع علیہ اللہ لم یکن فہم یوم مثلاً لا یقبل لکن قال فی الحیط ان توا تر عند الناس وعلمہ کل عدم کونہ فی ذلک المکان والزمان لا یسمع الدعوی ویقضی بفرغ الذمۃ لانه یلزم تکذیب الثابت بالضرورة والضوریات مالا یدخلہ المشک وکذا اکل بنیۃ اقامت علی ان فلان لم یفعل ولم یقل ولم یقر وادیون نے اس بات کی شہادت دی کہ فلان شخص نے اُس دن اُس شہر میں اتنا قرض لیا اور اُس شخص نے اس امر پر بنیہ قائم کیا کہ میں اُس دن اُس شہر میں نہ تھا بلکہ کسی اور جگہ تھا تو اُسکا بنیہ قبول نہوگا کیونکہ اُسکے اس قول میں کہ اُس شہر میں نہ تھا نفی ہے صورتاً اور معنی اور اُسکے اس قول میں بلکہ کسی اور جگہ تھا نفی ہے معنی اسکی اصل وہ ہے جو نوادر میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہوگا اگر دو گواہوں نے کسی شخص کے متعلق کسی جگہ اور زمانہ میں کسی قول یا فعل کی گواہی دی جس کی وجہ سے اُسکے ذمے اجارہ کتابت بیع طلاق عتاق قصاص یا قتل لازم آئے اور اُس شخص نے

اس امر پر بینہ قائم کیا کہ وہ اُسدن وہاں موجود ہی نہ تھا تو اُسکا بینہ قبول نہ ہوگا لیکن محیط میں ہے کہ اگر لوگوں کو بتواتر اس بات کا علم ہو کہ وہ اُسدن اُس جگہ نہ تھا تو دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور وہ امر اُسکے ذمے واجب نہ ہوگا کیونکہ اس سے اُس امر کی تکذیب لازم آتی ہے جو بالضرورة ثابت ہے حالانکہ ضروریات میں شک کی گنجائش نہیں ہوتی اور اسی طرح جو بینہ اس امر پر قائم کیا جائے کہ فلان شخص نے وہ کام نہیں کیا یا وہ بات نہیں کہی یا اُس امر کا اقرار نہیں کیا۔ اور درمختار میں ہے شہادۃ النفی المتواترہ مقبولۃ نفی متواتر کی شہادت مقبول ہے اور رد المحتار میں ہے بخلاف غیوہ فلا یقبل سواء کان نفیا صوریۃً و معنی و سواء احاط بہ علما بالشہاد او لا اور اسکے علاوہ کوئی اور شہادت مقبول نہیں ہے خواہ صورتہ نفی ہو یا معنی خواہ شاہد کو اُسکا علم ہو یا نہ ہو۔ سوال زید نے سات آدمیوں کی شرکت اور اعانت سے آگہ جارح سے عداً عمر کو قتل کیا ورثائے مقتول نے قاضی کے سامنے پانچ آدمی معاینہ اور اثبات کے شاہد پیش کیے سب شاہدوں نے لفظاً اور معنی ایک ہی گواہی دی اسکے علاوہ موقع قتل پر آگے خود قاضی نے اہل محلہ اور دوسرے لوگوں سے تحقیقات کی غرض یہ بات ثابت ہو گئی کہ زید نے عمر کو آگہ جارح سے اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور وہ سات آدمی اس قتل کرنے میں زید کے مددگار تھے۔ زید قاضی کے سامنے عمر کو قتل کرنے سے انکار کرتا ہے کہ میں اُس دن اُس وقت فلان جگہ تھا میرے نفی تواتر کے گواہ سنے جائیں اور شرکائے زید نے بھی ایسا ہی کہا مگر مدعا علیہم کا یہ قول قاضی نے تسلیم نہیں کیا اور اُنکے نفی کے گواہ نہیں سنے پھر زید قصاص میں مارا گیا اور اسکے ساتھیوں میں قاضی نے کسی کو چھ اور کسی کو سات سال کی قید کی سزا دی مدعا علیہم مجھوس دوسرے محکمہ میں نفی تو اتر کے گواہوں کی سماعت کی درخواست کرتے ہیں پس اس صورت میں نفی تواتر کے گواہوں کی شرعاً سماعت کرنا چاہیے یا نہیں جواب جب قاضی نے شہادت اور معائنہ وغیرہ کے وثوق پر قصاص وغیرہ کا حکم دیدیا اور اُس حکم کی تعمیل بھی ہو گئی اور مدعا علیہم نے تعمیل حکم سے پہلے نفی تواتر کی شہادت کا مرفعہ نہیں کیا تو اب اُن کا قول غیر متبطل اور شہادت غیر مقبول ہوگی نتیجہً قاضی مدعیہ کے کتاب الدعویٰ میں ہے فی الکافی فی کتاب الشہادۃ اذا قضت الشہادۃ نقض قضاء ترد کافی کی کتاب الشہادۃ میں ہے جب شہادت سے قاضی کے نافذ شدہ حکم کے خلاف کوئی امر ثابت ہو تو وہ شہادت رد کر دیا جائیگی سوال زید اور بکر کے ساتھ سے عمر کے قتل کی گواہی دو شخصوں نے دی ہے فقط شہد کا حکم قضائے دی اور چھ گئے اور ان گواہوں نے بھی بیان کیا کہ ہم نے اُنکی مدد کی ہے اور اُنکے زید نے

ایک تلوار عمرو کے سر پہ بادی پھر دوسری تلوار بکرنے عمرو کے ہاتھ پر ماری۔ مگر یہ نہیں بیان کیا کہ عمرو
 انھیں حربوں کے صدموں سے اُسی وقت مر گیا پس اُن گواہوں کی یہ گواہی قاضی کو قبول کرنا
 چاہیے یا نہیں اور کیا قاضی کو یہ ضروری ہے کہ ان دونوں گواہوں کو پھر ہلا کر لفظ اشہد کہلائے
 جو اب گواہوں کو یہ بیان کرنا ضروری نہیں ہے کہ مقتول اسی ضرب سے اُسی وقت ہلاک ہو گیا
 فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذ اشہد شاہدان علی جبل انہ ضرب رجلاً بالسیف فلم یزل صاحب فرش
 حتی مات فلیہ القصاص ولا ینبغ للقاضی ان یسأل الشہود مات من ذلک ام لا فی العمل ^{بخط}
 ولکنہما ان شہدوا بذلک انہ مات من ذلک لم یبطل شہادتہما جب دو گواہوں نے اس بات کی
 شہادت دی کہ فلان نے اُس شخص کو تلوار سے مارا جسکی بدولت وہ صاحب فراش رہا بیان تک کہ
 مر گیا تو اُس پر قصاص واجب ہے اور قاضی کو گواہوں سے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ وہ شخص اس
 ضرب سے مرا یا نہیں اور وہ ضرب خطا تھی یا عمدہ لیکن اگر وہ اس امر کی شہادت دیں کہ وہ شخص
 اُسی ضرب سے مرا تو اُن کی شہادت باطل نہوگی۔ اور متقیق فتاویٰ حامد یہ مین ہزار یہ سے نقل کر کے
 لکھا ہے لاجتہاج لشاہدان یقول نہ مات من جراحۃ گواہ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اس
 شخص کے زخم دینے سے مرا تھا۔ مگر اشہد کا لفظ یا اسکا ترجمہ جو اس معنی کو مفید ہے کہنا قبول شہادت
 کے لیے ضروری ہے درختار مین ہے ورنہ لفظ اشہد لا غیر شہادت کا رکن اشہد کے سوا اور کچھ
 نہیں ہے اور اسی کتاب میں ہے ولزم فی الکل لفظ اشہد بلفظ المضارع بالاجماع ہر شہادت میں
 لفظ اشہد بصیغہ مضارع بالاجماع لازم ہے۔ اور شرنبلالی نے الاستفادۃ من کتاب الشہادۃ میں لکھا کہ
 من الشرائط لفظ الشہادۃ فلا یقبل بغيرها من الالفاظ کل لفظ الاخبار والاعلام وان یکون بصیغۃ
 المضارع شرط شہادت میں سے لفظ شہادت ہو پس شہادت کے الفاظ کے سوا کسی اور لفظ جیسے
 اخبار واعلام سے درست نہیں ہے اور یہ لفظ بصیغہ مضارع ہونا چاہیے پس ان عبارتوں کے لحاظ
 سے قاضی کو لازم ہے کہ لفظ اشہد کے ساتھ شہادت لیکے حکم دے۔ سوال (۱) زید کہتا ہے کہ مین عمرو کے
 قتل کے دن اُس شہر میں نہ تھا جان عمرو قتل ہوا ہو بلکہ فلان شہر میں تھا جو اُس شہر سے دور ہو اسکو
 ہزاروں آدمی گواہ ہیں کہ عمرو کے قتل کے دن جس شہر میں وہ قتل ہوا ہے مین موجود نہ تھا اور دوسرے
 شہر میں تھا پس ان گواہان نفی متواتر کی قاضی سماعت کرے یا ورنہ عمرو کے گواہوں کی سماعت

کرے (۲) زید کہتا ہے کہ مدعیوں کے گواہ فاسق فاجر ہیں اور ہمیشہ ہجرت لیکر گواہی دیا کرتے ہیں اور چور بھی ہیں پس قاضی ان گواہوں کا تزکیہ سرّاً یا علانیہ کرے یا نہ کرے۔ جواب (۱) قاضی کو چاہیے کہ گواہان نفی متواتر کی گواہی کو مانے شر بنیابی ایضاح انخفیات لتعارض البینۃ والاثبات میں لکھتے ہیں اجاب صاحب البحر البینۃ الشاہدۃ بانہ لم یکن فی محل الضرب غیر مقبولۃ لانہا بنیۃ النفی الا اذا توا تر عند الناس وعلم الكل عدم کونه فی ذلك المكان او الزمان لا تسمع الدعوی علیہ و یقضی بقرع الذمۃ صاحب بحر نے جواب دیا ہے کہ وہ بینہ جو اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ شخص محل ضرب میں نہ تھا مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ بنیۃ نفی ہے مگر جبکہ لوگوں کو بتواتر اس امر کا علم ہو اور یہ جانتے ہوں کہ وہ اُس جگہ اُس دن نہ تھا تب اس کے خلاف دعویٰ مسموع نہوگا اور حکم دیا جائیگا کہ وہ اس کے ذمے واجب نہیں ہے۔ اور ایسا ہی نتیجہ فتاویٰ حامدیہ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ (۲) قاضی کو لازم ہے کہ گواہان قصاص کا تزکیہ سرّاً اور علانیہ بطن مدعا علیہ کے کرائے بحر الرائق میں ہے المحصل انہ ان طعن الخصم سأل عنهم فی الكل ولا سأل فی الحدود والقصاص حاصل یہ ہے کہ اگر خصم گواہوں کو مشکوک کہے تو قاضی کو چاہیے کہ اُن سے تمام امور میں سوالات کرے ورنہ صرف حدود و قصاص میں۔ سوال ایک پردہ نشین عورت نے ایک غیر پردہ نشین عورت کی وساطت سے زیور عاریت دینے کا دعویٰ کیا اور گواہوں نے بیان کیا کہ پردہ نشین عورت نے پردے کی آڑ سے فلان عورت کے ذریعے یہ زیور دیا اور مدعا علیہ نے اُسے عاریت لیا اور مدعیہ کا آنا اور پس پردہ کھڑا ہونا مدعا علیہ کے اقرار اور مدعیہ کی آواز سے ہنسنے جانا اور بھی عاریت کی مدت سات چھٹنے سات دن کم و بیش گواہوں نے بیان کی پس شرعاً کیا ایسی گواہی اس بات کو ثابت کر سکتی ہے کہ مدعیہ نے مدعا علیہ کو عاریت زیور دیا جواب شہادت مذکورہ بالکل صحیح نہیں ہے پس شرعاً اس گواہی سے عاریت دینا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ سماع پس پردہ مجوز شہادت نہیں ہے مگر جبکہ شاہد کے علم یقینی سے یہ تعین ہو جائے کہ پس پردہ اس کے سوا اور کوئی گویندہ نہ تھا اور یہ بیان مفقود ہے عالمگیری میں ہے لو سمع من وراء الحجاب کالیسہ ان یشہد لاحتمال ان یكون غیوہ اذا النعۃ تشبہ النعۃ الا اذا کان فی الداخل وحده ودخل وعلم بالشاہد انہ لیس فیہ غیوہ ثم جلس علی مسلك و لیس لہ مسلك غیوہ فسمع اقرار الداخل ولا یبراہ لانہ یحصل بہا العلم وینبغ للقاضی اذا قرآن ان یقبلہ کذا فی التبیین اگر پردے کے پیچھے سے

سنا تو اُسے شہادت نہ دینا چاہیے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ کئے والا کوئی اور ہو یا سہیلے کہ آوازیں باہم شبہ ہوتی ہیں مگر جبکہ گھر کے اندر اکیلا رہتا ہو اور اس وقت وہ گھر کے اندر گیا ہو اور گواہ کو اس کا علم ہو اور وہ راستہ پر بیٹھ گیا ہو اور اُس راستے کے سوا گھر کا کوئی اور راستہ بھی نہ ہو پس اب اگر وہ اندر والے شخص کا کوئی اقرار سنے اور اُسکو دیکھے نہیں تو اُسکی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ اس سے علم حاصل ہو جاتا ہے اور قاضی کو چاہیے کہ جب اُسکو یہ امور معلوم ہو جائیں تو اُسکی شہادت قبول کرے یہ تعین میں ہے۔ اور ایسا ہی درختار اور فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ اور گواہ کا یہ کہنا کہ مدعیہ کا آنا اور پس پردہ کھڑا ہونا مدعا علیہ کے اقرار اور مدعیہ کی آواز سے ہمنے جانا یہ ثبوت عاریت کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ مدعیہ کا آنا اور پس پردہ کھڑا ہونا نہ عین عاریت ہے نہ مستلزم عاریت پس اُسکے اقرار سے عاریت کا ثبوت کیونکر ہو سکتا ہو۔ اور بھی گواہوں کا مدت عاریت سات جینے سات دن کم و بیش عدم صحت شہادت کا موجب ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذا ادعی بالفلسیۃ دوازدہ درم وشہد الشہودان لہذا المدعی علی ہذا المدع علیہ وہ دوازدہ لا یقبل لکان الجہالة وکن لک اذا ادعی وہ دوازدہ درم لا یسمع دعواہ وکن لک اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ہذا الوجه بان قل ابن عیین ملک من است ازوہ دوازدہ سال فانہ لا یسمع دعواہ وکن لک اذا ذکر الشہود المتابعین فی شہادتہم علی ہذا الوجه لا یقبل شہادۃ قہم کذا فی الذخیرۃ جب فارسی میں بارہ درم کا دعوے کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے دس بارہ درم اُس شخص کے ذمے ہیں تو یہ دعویٰ مقبول نہوگا کیونکہ جہالت باقی ہے اور اسی طرح اگر دعوے کیا کہ میرے دس بارہ درم اسکے ذمے ہیں اور اسی طرح جب دعوے میں تاریخ ذکر کی لیکن کہا کہ یہ چیز دس بارہ برس سے میری ملک ہے تو ان سب صورتوں میں اُسکا دعویٰ مقبول نہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ واللہ اعلم حررہ العبد المحجب محمد امداد حسین عفی عنہ۔

صحیح ابوالجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجا و زاد عن نبیہ

اجلی و انحنی محمد عبدالحی ابو الحسنات سوال مثلاً مسأۃ زینب بکیم مدعیہ نے دعویٰ عاریت دینے زیور طلائی معلوم القدر و معلوم القیمۃ کا بنام عمرو دیکر اصل مدعا علیہا و عجبہ تیسری مدعا علیہا کے عدالت دیوانی میں دائر کیا اور مدعیہ کے تین گواہوں میں سے دو گواہوں نے بالاتفاق حاکم کے سامنے اس خاصہ بیان سے گواہی دی کہ تین سو اسات عینہ کا عرصہ ہوا اور تیسری گواہ نے کہا کہ برو مدت سو اسات جینے کم یا زیادہ کے

مسماۃ عجوبہ نے موافق اس کہنے عمر و دیگر مدعا علیہا کے کہ مدعیہ بیگم صاحبہ سے کہو کہ ہمیں دو تین روز کے لیے اپنا طلاق لے کر مستعار ویدین مدعیہ کے گھر کے اندر جا کے اندر سے اُسی قدر زیور طلائی لاکر عمر و مدعا علیہ کے ہاتھ میں دیا اور عمر و مدعا علیہ نے بکر کے ہاتھ میں دیا اور عجوبہ نے اُس وقت اصل مدعا علیہا سے کہا کہ بیگم صاحبہ بھی اندر ڈیوڑھی کے موجود ہیں جو کچھ وہ کہتی ہیں تم سن لو چنانچہ مدعیہ نے باوا زبند مدعا علیہ سے کہا کہ میں نے یہ زیور اپنا ٹکڑا عمر و اور امراؤ کے سبب سے عاریت دیا ہے اور مجھے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ یہ معاملہ مالیت کا ہے اُس وقت اصل مدعا علیہا نے مدعیہ کے کلام کے جواب میں کہا کہ آپ کا دیا ہوا زیور اُسی قدر قیمتی ہے جو آپ نے ہکو عاریت دیا اور بیان کیا ہے اور ہم لوگوں سے کہا کہ تم گواہ رہو کہ ہم نے مدعیہ کا یہ زیور عاریت لیا ہے اور مدعیہ بیگم صاحبہ پر دے میں تھیں مگر عجوبہ مدعا علیہا نے اقرار کیا تھا کہ بیگم صاحبہ مدعیہ یہ کھڑی ہیں اور عمر و دیگر اصل مدعا علیہا نے مدعیہ کا قول سن کر انکو تسلیم کر لیا تھا کہ یہ بیگم صاحبہ مدعیہ ہیں اور دو گواہ نے یہ بھی بیان کیا کہ پھر اصل مدعا علیہا نے ہر دو رخصتہ ڈیڑھ مہینہ کم و بیش کے ہمسے کہا تھا کہ ہم وہی مستعار لیا ہوا زیور مدعیہ کا واپس دینگے۔ اور حاکم عدالت دیوانی نے اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ ثبوت عاریت کا مدعیہ کے حق میں صادر کیا لیکن ہنگام مراغمہ دوسرے مجوز نے اُس فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کو لائق استدراج قرار دیا اور گواہان مدعیہ کو بوجہ پر دے میں بیان کیے جانے مدعیہ کے باوجود شناخت و تمیز و تسلیم و تعریف خود دونوں اصل مدعا علیہا کے مدعیہ کے نسبت کہ یہ بیگم صاحبہ مدعیہ ہیں اور تم لوگ گواہ رہو اور تیر بوجہ سو اسات مہینے کم یا زیادہ کہنے تیسرے گواہ کے جہالت مدت ظاہر کر کے نامقبول تجویز کیا فقط اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا شرعاً اس صورت میں فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کا جو بحق مدعیہ بر بنا ہے گواہی گواہان مذکورین کے صادر ہوا ہے صحیح و قابل نفاذ ہے یا تجویز دوسرے مجوز کی متضمن استدراج فیصلہ عدالت دیوانی و نامقبول قرار دینے گواہان مذکورین کے صحیح و قابل جواز ہے جو اب شرعاً صورت مسئول جنہا میں فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کا بحق مدعیہ گواہی مذکور و منقول کے بنیاد پر بابت ثبوت عاریت اُس قدر زیور طلائی مدعیہ کے جس کا دعویٰ ہے بے شبہ صحیح و قابل نفاذ ہے ہرگز غیر صحیح و لائق استدراج نہیں مان تجویز دوسری مجوز کی متضمن استدراج فیصلہ عدالت دیوانی باختیار و وجہ فرضی و قیاسی مندرجہ تجویز کے کہ صورت مسئول جنہا سے متعلق نہیں ہیں قطعاً غیر صحیح و قابل جواز ہے اس لیے کہ گواہان مدعیہ مجبہ کے حلفی و اتفاقی بیان سے

کہ شناخت و تمیز و تعریف مدعیہ مذکورہ کی خود ہر دو اصل مدعا علیہا نے کی ہے جیسا کہ ذکر کیا جائیگا بمطابق قواعد شرعیہ عاریت دینا مدعیہ کا اپنا زیور طلائی اصل مدعا علیہا کو اور اقرار کرنا ہر دو اصل مدعا علیہا کا عاریت لینے اسی قدر زیور طلائی مدعیہ کے عرصہ سوا سات مہینے سے بخود ہی ثابت اور متحقق ہے جیسا کہ کفایہ اور ہدایہ کے دوسرے شروح میں ہے والثابت بالبینۃ کالثابت مع البینۃ جو چیز بینہ سے ثابت ہو وہ ویسی ہے جیسے وہ چیز جسکے ساتھ بینہ موجود ہو۔ پس اس بیان کو اہل ان سے کہ مدعیہ پر دے میں تھی بحالت شناخت و تمیز و تسلیم و تعریف خود دونوں اصل مدعا علیہا بلکہ ہر سہ مدعا علیہم نسبت مدعیہ کے کہ یہ یکم صاحبہ مدعیہ ہیں اور یکم صاحبہ یہ کھڑی ہیں کچھ خلل و نقصان صحت گواہی و قبولیت گواہی میں پیدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ ہر گاہ شریعت غرامین موافق مذہب مختار و معتد مفتی بہ صاحبین رحمہما اللہ کے صرف اس قدر خبر دینا و آدمی عدل کا نسبت عورت مجبہ و منقبہ کے کہ یہ فلان عورت ہے بوجہ معلوم و تمیز ہو جانے مجبہ و منقبہ کے اسی خبر سے صحت تحمل و قبولیت شہادت کے باب میں کفایت کرتا ہے تو بجا اقرار و تمیز و تسلیم و تعریف خود دونوں مدعا علیہا کے مدعیہ مجبہ کے بہ نسبت اس لفظ سے کہ یہ یکم صاحبہ مدعیہ ہیں بوجہ معلوم و تمیز ہو جانے مدعیہ مذکورہ کے بطریق اولی صحت و قبولیت گواہی کے واسطے کافی ہے اس صورت میں پس پردہ بیان کیا جانا مدعیہ کا کسی طرح صحت و قبولیت گواہی میں خلل نقصان پیدا نہیں کرتا ہوا ان اگر خود ہر دو مدعا علیہا کے اقرار یا کسی دوسرے دو عدل کے اخبار سے تعریف و تمیز مدعیہ کی نہوتی تو البتہ تحمل نزد تھا لہذا ایسی حالت اقرار و تسلیم و تعریف خود ہر دو اصل مدعا علیہا میں کوئی اہل علم و ماہر فقہ صحت شہادت کے بابت تامل نہیں کر سکتا ہے اس مسئلہ کی تحقیق و تشریح میں اکثر فقہاء رحمہم اللہ نے اختلاف امام ابو حنیفہ و صاحبین رحمہم اللہ کے بابت جواز و صحت شہادت کی فرمائی ہے اور اسی قول صاحبین کو بوجہ ایسر علی الناس ہونے کے مختار و معتد مفتی بہ قرار دیا ہوا نا غملہ قدوہ انام شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے جو خلکو صاحب بحر شائع کنز و محقق شامی وغیرہ نے اہل ترجیح بلکہ اہل اجتہاد میں شمار کیا ہے وفي الفتاوی اذا اقرت المرأة من وراء حجاب لایجوز لمن سمع ان یشہد علی قرارھا الا اذا رأى شخصاً فی عبور اہل فی هذه المسألة و وضعها فی الخلاصة وغیرھا کذا الشہادۃ علی امراة سأل ابن محمد بن الحسن اباسلیمان عنھا قال لایجوز حتی یشہد جماعة انھا فلانة اما عند ابی یوسف وعند ابی یحییٰ اذا شہد عنده عدلان انھا فلانة وهل یشیط

رؤیۃ وجہہا اختلف المشایخ فیہ منهم من لم یشتروا الیہ مال الامام خواہر زادہ وفی النوازل قال
یشتروا رؤیۃ شخصہا وفی الجامع الاصغر رؤیۃ وجہہا وانت تعلم انک لا بد من معرفۃ یفید التمییز
عند الاداء علیہا فاذا ثبت ان التعریف یفید التمییز لزم ان لا حاجۃ الی رؤیۃ وجہہا ولا شخصہا
کما اختارہ شیخ الاسلام خواہر زادہ ہذا اذا لم یوجد من یعر فیہا واذا وجد حینئذ یجری الخلاف
المذکور انہ یکفی فی التعریف عدلان اولاد من جماعۃ ویوافقہ ما فی المجتبی علی الشہادۃ علی امرأۃ فمات
فشہدا عندہ ان المقرۃ فلانۃ جازلہ ان یشہد علیہا فقہ فی الخلاصۃ وفی المحيط شہدا علی امرأۃ
سمیہا ونسیہا وكانت حاضرة فقال القاضی اقر فانہا قال لا لا تقبل شہادتهما ولو قال اعتلما
علی المسماۃ بفلانۃ بنت فلانۃ الفلانیۃ ولانہ ساری انہما ہذا ام لا صحت الشہادۃ
وکلف المدعی ان یاتی بأخرین یشہدان انہما فلانۃ بنت فلان بخلاف الاول لانہما
ہناک اقرا بالجماعۃ فطلت الشہادۃ فہذا وغوہ یفید ما قلنا فتاوی من
ہے جب عورت پردے کے پیچھے سے اقرار کرے تو جو شخص اُس سے اُس کو اس اقرار
کی شہادت دینا درست نہیں ہے تاوقتیکہ خود اُس عورت کو نہ دیکھے اور اگر خود اُس سے دیکھ لے تو اُس کے
لیے شہادت جائز ہے اس سلسلہ میں انھوں نے اجمال کیا ہے خلاصہ وغیرہ میں اسے اس طرح لکھا ہے کہ ابویان
سے محمد بن حسن نے ایسی عورت کی شہادت کے بابت پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ ناجائز ہے تاوقتیکہ
ایک جماعت اس بات کی شہادت نہ دے کہ وہ فلان عورت ہے اور امام ابو یوسف اور تمھارے باپ کے
نزدیک جائز ہے جبکہ دو عادل گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ وہ فلان عورت ہے اور اُس عورت
کا چہرہ دیکھنے کے متعلق متنازع کا اختلاف ہے بعض لوگ اسے شرط نہیں ٹھہراتے اور اسی جانب امام
خواہر زادہ رحمہ اللہ کا میلان تھا اور نوازل میں ہے کہ عورت کا دیکھنا شہادت کے لیے شرط ہے اور
جامع اصغر میں ہے کہ اُس کے چہرے کا دیکھنا شرط ہے اور تم جانتے ہو کہ ایسی معرفت کی ضرورت ہے کہ جب
وہ حاصل ہو جائے تو وہ اُس عورت کو دوسروں سے تمیز کر سکے پس جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ تعریف
تمیز کا فائدہ دیتی ہے تو لازم آیا کہ اُس کا چہرہ اور خود اُس کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ شیخ الاسلام
خواہر زادہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے یہ اس وقت ہے جب کوئی ایسا شخص نہ ہو جو اُس سے پہچانتا ہو اور اگر کوئی
ایسا شخص ہو تو اختلاف مذکور اُس میں متحقق ہوگا کہ پہچاننے کے لیے دو گواہ کافی ہیں یا ایک جماعت کی

ضرورت ہے اور جو مجتہبی میں ہے وہ اسکے موافق ہے کہ ایک عورت کے خلاف شہادت پیش ہوئی پس وہ عورت مرگئی اور دو گواہوں نے شہادت دی کہ اقرار کرنے والی عورت فلان ہے تو قاضی کو جائز ہے کہ اس کے خلاف شہادت کو قبول کرے اسکو خلاصہ میں نقل کیا ہوا محیط میں ہے کہ دو گواہوں نے ایک عورت کے خلاف گواہی دی جس کا اُن دونوں نے نام لیا اور وہ دونوں اسکو بھول گئے یعنی اسکا حلیہ یا نہیں رہا اور وہ عورت موجود تھی پس قاضی نے پوچھا کہ تم دونوں اسکو پہچانتے ہو انھوں نے کہا نہیں تو انکی شہادت مقبول نہوگی اور اگر انھوں نے کہا کہ ہم فلا نہ بنت فلانہ کے خلاف شہادت دیتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ وہ یہی ہے یا کوئی اور تو شہادت صحیح ہوگی اور مدعی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو گواہ اور لائے جو بتائیں کہ یہ عورت وہی ہے جسے ان گواہوں نے بتایا برخلاف صورت اول کے کیونکہ وہ ان گواہوں نے جمالت کا اقرار کیا ہے پس شہادت باطل ہوگئی اور یہ یعنی عبارت محیط اور اسکے مثل اور عبارتیں ہمارے قول کے موافق ہیں اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے اختلاف المشایخ فی تحمل الشہادۃ علی المرأة کانت منقبۃ بعض مشائخنا قالوا لا یصح التحمل علیہا بدون رؤیۃ وجہہا وبعض مشائخنا توسعوا فی هذا وقالوا یرحمہ عند التعریف والقبول واحد ینفی والمثنیٰ حوط والی هذا مال الشیخ الامام المعروف بنواحرزادۃ والی القول الاول مال شیخ الاسلام الاوزجندی والشیخ الامام ظہیر الدین وخریج من المعقول یدل علی هذا ما ہذا فانما اجتمع علی انہ یجوز النظر الی وجہہا التحمل لشہادۃ ثم عند ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ اذا خبرہ عدلان انہا فلانۃ فذلک ینفی علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ لا تحمل لہ الشہادۃ علی النسب مالم یسمع من جماعۃ لا یتصوروا طوہم علی الکذب کذا فی الظہیریۃ والفقیہ ابوبکر الاسکاف کان یفتی بقولہما فی ہذہ المسائلۃ وهو اختیار رحمہما الدین النسب وعلیہ الفتوی فان عرفہا باسمہا ونسبہا عدلان ینبغ ان یتہد علی شہادۃ ھما ھو لاء الشہود کما هو طریق الا شہادۃ علی الشہادۃ حتی یتہدوا عند القاضی علی شہادۃ ھما بالاسم والنسب ویستہد بالحق بطریق الاصالۃ فیجوز ذلک بلا خلاف کذا فی المحيط اس عورت کے خلاف جو چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے ہو شہادت کے متعلق مشایخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں یہ درست نہیں جب تک اسکا چہرہ نہ دیکھ لے اور بعض مشائخ نے اس میں توسیع کی ہے اور کہا ہے کہ یہ درست ہے جبکہ کوئی اس عورت کا پہچاننے والا موجود ہو اور ایک شخص کا پہچان لینا کافی ہے اور دو کے پہچاننے میں احتیاط ہی اور

اسی کے جانب امام شیخ خواہزادہ کا میلان ہے اور اول کے جانب شیخ الاسلام اور جندی اور امام ظہیر الدین اور عقل کا ایک گروہ گیا ہے اور اسپر ہمارا مذہب بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ ہم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ گواہی کے لیے عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے پھر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جب دو عادل مرد اس امر کی گواہی دیں کہ یہ فلان عورت ہے تو کافی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق نسب پر گواہی دینا درست نہیں ہے تا وقتیکہ اس کثرت سے لوگ اسکو نہ کہتے ہوں کہ اُن سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا ممکن نہ ہو یہ ظہیر یہ مین ہے اور فقیہ ابو بکر انسکان رحمہ اللہ اس مسئلہ میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور اسی کو نجم الدین نسفی نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے پس اگر اُس کے نام و نسب سے اُسکو دو گواہ پہچان لیں تو چاہیے کہ اُن دونوں گواہوں کی گواہی پر یہ دونوں گواہی دین جیسا کہ شہادت پر گواہی لینے کا طریقہ ہے حتیٰ کہ اگر وہ قاضی کے سامنے اُن دونوں کے اسم و نسب کی گواہی کی شہادت دین اور بطریق اصالت اصل حق کی گواہی دین تو یہ باخلاف جائز ہے جیسا کہ محیط مین ہے۔ اور محقق شامی رحمہ اللہ نے در مختار کے حاشیہ میں لکھا ہے ذکر الفقہ ابو الیث عن نصر بن یحیی قال کنت عند ابی سلیمان فدخل ابن محمد بن الحسن فساله عن الشهادة على المرأة فقروا تجوز اذا المرء یفہا قال کان ابو حنیفہ یقول لا تجوز حتی یشہد عندہ جماعة انہا فلا تہ وکان ابو یوسف وابو یقولان تجوز اذا شہد عندہ عدلان انہا فلا تہ وهو المختار للفتویٰ وعلیہ الاعتقاد لانہ ایسر علی الناس واعلم انہما کما یحتاجان للاسم والنسب للشہود علیہ وقت التحل یحتاجان عند اداء الشہادة الی من یشہدان صاحبة الاسم والنسب ہذہ و ذکر الشیخ خیر الدین انہ یصلح التعریف من لا تقبل شہادۃ لہا سواء کانت الشہادۃ علیہا اولہا یا یحیی فی زیادۃ من البع و غیرہ فقہ ابو الیث رحمہ اللہ نے نصر بن یحیی رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کہ مین ابو سلیمان کے پاس تھا کہ ابن محمد ابن حسن آئے اور اُن سے پوچھا کہ جب شاہدین عورت کو نہ پہچانیں تو اُس عورت کے متعلق اُن کی شہادت کیونکر درست ہوگی انھوں نے جواب دیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے تھے کہ یہ ناجائز ہے تا وقتیکہ ایک عورت اس امر کی شہادت نہ دے کہ یہی فلان عورت ہے اور امام ابو یوسف اور تمھارے باپ کہتے تھے کہ یہ جائز ہے جبکہ دو گواہ اس امر کی شہادت دیں کہ یہی فلان عورت ہے اور فتوے کے لیے یہی قول اختیار کیا گیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے کیونکہ یہ لوگوں کے لیے آسان ہے اور جانتا چاہیے کہ جس طرح دونوں گواہوں کو

مشہور علیہ کی اسم و نسب کی دعویٰ دائر کرنے کے وقت جاننے کی ضرورت ہو اسی طرح شہادت کے وقت اُس شخص کی ضرورت ہے جو یہ بتائے کہ اس نام اور نسب کی عورت یہی ہے اور شیخ خیر الدین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اُن لوگوں کا بچا بتا بھی مقبول ہے جنکی شہادت مقبول نہیں ہے خواہ شہادت عورت کے حق میں ہو یا اُسکے خلاف یہ بڑی اذیت بھر وغیرہ سائیکانی سے منقول ہوا و فیصلہ عادی میں ہے ذکر فی شہادات المحیط فی فتاویٰ قاضی ظہیر الدین رحمہ اللہ اذا اخبر الشاهد عدلان ان هذه المقررة فلانة بنت فلان فذلك يلقى للشهادة على الاسم والنسب عندهما وهو اختيار فقيه ابی بکر الاسکاف ونجم الدین النسفی رحمہما اللہ وعلیہ الفتویٰ الاتری انهما لو شهدا عند القاضی یقفے بشہادتهما والقضاء فوق الشہادۃ فیجوز الشہادۃ باخبارهما بالطریق الاولی فان عرفهما باسمهما ونسبهما عدلان ینبغی لهما اعتنای لعدلین ان یشہدا علی شہادتهما هؤلاء الشہود کا ہو طریق الا شہادۃ علی الشہادۃ حتی یشہدا واعند القاضی علی شہادتهما بالاسم والنسب ویشہدا و باصل الحق بطریق الاصالۃ فیجوز بلا خلاف محیط کے باب شہادات اور فتاویٰ قاضی ظہیر الدین رحمہ اللہ میں ہے کہ جب دو عادل شاہد اس امر کی گواہی دین کہ یہ اقرار کرنے والی فلانہ بنت فلان ہے پس یہ اسم و نسب کی شہادت دینے کے لیے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک کافی ہے اور اسی کو فقہیہ ابو بکر اسکاف و نجم الدین نسفی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب قاضی کے پاس دو آدمی گواہی دین تو قاضی اُنکے شہادت پر حکم کر دے گا اور حکم کا مرتبہ شہادت سے زائد ہے پس اُن دونوں کی گواہی پر شہادت دینا بدرجہ اولیٰ درست ہو گا پس اگر اُسے مع اُسکے نام و نسب کے دو عادل جانتے ہوں تو اُن کو چاہیے کہ اُن گواہوں کی گواہی پر گواہی دین جیسا کہ گواہی کی شہادت کا طریقہ ہے حتیٰ کہ اگر قاضی کے پاس وہ اُن دونوں کے اسم و نسب کے متعلق شہادت کی گواہی دین اور اصل حق کی بطریق اصالت گواہی دین تو یہ گواہی بلا خلاف درست ہوگی۔ اور ایسا ہی عام کتب معتبرہ فقہ میں لکھا ہے اس شرعی تحقیق پر تامل کرنا صحت گواہی گواہان مدعیہ مجتبہ میں جسکی تمیز و تعریف خود ہر دمدعا علیہا کر چکے جو اس روایت در مختار کے ولا یشہدا علی محب بسماعہ منہ الا اذا تبین القائل بان لم یکن فی البیت غیرہ (الرحمہ) شخص کے متعلق کسی بات کو سنکر گواہی دینا جو پردہ میں ہو درست نہیں ہے تا وقتیکہ قائل کو یہ نہ معلوم ہو کہ

گھر میں اُسکے سوا کوئی نہ تھا، و نیز بحوالہ اس روایت فتاویٰ عالمگیری کے ولو سمع من وراء الحجاب
لا یسمع ان یشہد لاحتمال ان لیکون غیرہ اذا النغمۃ یشبہ النغمۃ (اگر کسی نے پردے کے پیچھے سے کچھ سنا
تو اُسکو اسکی گواہی دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ کہنے والا کوئی اور ہو اس لیے
کہ آوازیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں) اگر یہ دونوں روایتیں صورت مسئلہ سے کچھ علاقہ
نہیں رکھتی ہیں بلکہ صورت غیر اخبار دو عدل وغیرہ اقرار و تعریف و مدعا علیہا سے متعلق ہیں اہل علم
کے نزدیک نہایت مستبعد ہے باقی رہا یہ امر کیا مغلہ تینوں گواہوں مدعیہ کے ایک گواہ کے اس بیان سے
کہ بروردت سوا سات مہینے کم یا زیادہ کے جہالت مدت ظاہر ہو کر نامقبول ہونا جملہ گواہوں مدعیہ
کا متصور ہو سکتا ہے یا نہیں تو اسکی تحقیق یہ ہے کہ جب مدعیہ کے دو گواہوں نے بالاتفاق سوا سات
مہینہ کا عرصہ بیان کیا ہے تو تیسرے گواہ کے کم یا زیادہ کہنے سے ہرگز جہالت مدت ظاہر نہیں ہوتی ہے
اور نہ سب گواہوں کی نامقبولی متصور ہو سکتی ہے کیونکہ فقط دو ہی گواہوں کا اتفاقی بیان کہ نصاً
کامل شہادت کا ہے در باب معلومیت مدت سوا سات مہینے اور ثبوت عاریت زیور مدعیہ کی کافی ہے
تیسرے گواہ کے بیان کی کچھ ضرورت ہی نہیں ہے اس کے ساتھ مدعیہ کے تینوں گواہوں میں سے ایک
گواہ نے اقرار اصل مدعا علیہا کا بابت مستعار لینے زیور طلائی مدعیہ کے اور دو گواہ نے اُنکے مکرر اقرار
واپس دینے اُسی زیور طلائی مستعار کے صاف صاف گواہی دی ہے اس حالت میں اقرار علیہا
مشہود بہی اور وہ قطعاً معلوم اور مجملہ اُن حجج شرعیہ کے ہی جن کے ساتھ عدالت میں حکم کیا جاتا ہو اور
خود مقرر کے نفس پر حجت ہوتا ہے اشباہ میں لکھا ہے القاضی لا یقفۃ الا بحجۃ وہی البینۃ والاقرار
والنکول کمافی وقف الخانیۃ قاضی بغیر کسی حجت کے حکم دے اور حجت بینہ اور اقرار اور قسم سے انکار
ہیں جیسا کہ خانیہ کے باب وقف میں ہے۔ اور در مختار میں لکھا ہے اقرار الانسان حجة علی نفسه کسی
کا اقرار خود اُسی کے اوپر حجت ہے۔ اسی واسطے اثبات اقرار کا گواہوں سے مشروع ہے جیسا کہ ہذا زیور اور
تین خانیہ اور سایر کتب فقہ سے مستفاد ہے اور شرعاً اقرار کی گواہی میں جہالت مدت اقرار کیا جہالت عین
مشہود بہ و مقربہ کے بھی مانع صحت شہادت نہیں ہے ہذا یہ میں ہے وان اقر بذلت المدعا علیہ
وقفۃ الی المدعی لان الجمالۃ فی المقربۃ لا تمنع صحتہ الاقرار وان شہد شاکدان انہما کانتا
فی ید المدعی دفعت الیہ لان المشہود بہ ہرنا الاقرار وہو معلوم اگر مدعا علیہ نے اسکا اقرار کیا

تو وہ چیز مدعی کو دیدی جائے گی کیونکہ مقربہ میں جہالت مانع صحت اقرار نہیں ہے اور اگر دو گواہوں نے اس امر پر گواہی دی کہ اُس نے اس امر کا اقرار کیا تھا کہ یہ چیز مدعی کے قبضے میں تھی تو وہ چیز مدعی کو دیدی جائے گی کیونکہ یہاں شہادت اقرار کی ہے جو معلوم ہے۔ اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے قوله وان اقرار الخ یعنی لو قال المدعى عليه بالدار التي في يده هذه الدار كانت في يد المدعى دفعت للمدعى لان حاصل ذلك جهالة في المقربه وهى لا تمنع صحة الاقرار بل يصح ويلزم البيان فانه لو قال لعنلان على شئ صح ويحبر على البيان وكذا الوشهد شاهدان ان المدعى عليه اقربا بها كانت في يد المدعى قبل لان المشهود به الاقرار وهو معلوم وانما الجهالة في المقربه وهو كذا لا تمنع صحة القضاء كما لو ادعى عشرة دراهم فشهد اعلى اقرار المدعى عليه ان له عليه شيئاً اجازت ويومر بالبيان یعنی اگر مدعا علیہ نے اس گھر کے متعلق جو اس کے قبضہ میں تھا کہا کہ یہ گھر مدعی کے قبضے میں تھا تو وہ مدعی کو دیدیا جائے گا کیونکہ اس میں مقربہ مجہول ہی لیکن اُس کی جہالت مانع صحت اقرار نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں اقرار صحیح رہتا ہے اور بیان ضروری ہوتا ہو پس اگر کوئی کہے کہ فلان شخص کا میرے ذمہ کچھ واجب الادا ہے تو یہ اقرار صحیح ہوگا اور مقربان کرنے پر مجبور کیا جائیگا اسی طرح اگر دو گواہ اس کی گواہی دیں کہ مدعا علیہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ یہ مدعی کے قبضہ میں تھا تو اُن کی یہ شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ مشہود بہ اقرار ہے جو معلوم ہے اور مجہول مقربہ ہو جس کی جہالت مانع صحت قضائے نہیں ہے مثلاً کسی نے دس درہم کا دعویٰ کیا اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ مدعا علیہ نے یہ کہا تھا کہ اُس شخص کا میرے ذمہ کچھ واجب الادا ہے تو یہ شہادت مقبول ہوگی اور مدعا علیہ بیان کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور درختار میں ہے اقرار المدعى عليه بذلك او شهد شاهدان انهما اقرارانه كان في يد المدعى دفع للمدعى بمعلومية الاقرار وجهالة المقربه لا تبطل الاقرار مدعا عليه اس کا اقرار کیا یا دو گواہوں نے اس امر کی گواہی دی کہ اُس نے اس امر کا اقرار کیا کہ یہ چیز مدعی کے قبضے میں تھی تو وہ چیز مدعی کو دیدی جائے گی کیونکہ یہ اقرار معلوم ہے اور مقربہ کی جہالت سے اقرار باطل نہیں ہوتا ہے۔ اور جبکہ صورت مسئولہ میں اقرار مدعا علیہا کا بھی مشہود بہ جو اقرار کی شہادت میں جہالت مدت اقرار کی تو کیا عین مقربہ کی جہالت بھی تبصریح بالامانع و مبطل شہادت نہیں تو نامقبول تصور کرنا گواہی اقرار مدعا علیہا کا بقرار داد جہالت مانع شہادت بجواز اس روایت فتاویٰ عالمگیری کے اذا ادعى بالقادسية قدره درهم وشهد الشهود ان لهذا المدعى دوازه درهم لا تقبل لمكان

الجمہالہ وكذلك اذا ادعى وه دوا زده درهم لا تسمع دعواه وكذلك اذا ذكر الماریخ في لدعوى على هذا الوجه بان قال این عین ملک من است ازده دوا زده سال فانه لا تسمع دعواه وكذلك اذا ذكر الماریخ في شهادتهم على هذا الوجه لا تقبل شهادتهم كذا في الذخيرة رجب فارسی میں بارہ درہم دعو کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے دس بارہ درہم اُس شخص کے ذمے ہیں تو یہ دعویٰ مقبول نہ ہوگا کیونکہ جمہالت باقی ہو اور اسی طرح اگر دعویٰ کیا کہ میرے دس بارہ درہم اُسکے ذمے ہیں اور اسی طرح جب دعویٰ میں تاریخ ذکر کی یعنی کہا کہ یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملک ہو تو ان سب صورتوں میں اُسکا دعویٰ مقبول نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے (صاف ترغیر صحیح و بے محل ناقابل لتفات ہے یہ روایت اُس مشہودہ کی جمہالت سے علاقہ رکھتی ہے جو اقرار مدعا علیہ کا نہونا اُس مشہودہ کی جمہالت سے جو مدعا علیہ کا اقرار ہو جو اصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کا بحق مدعیہ بطا بقت قواعد شرعیہ بے شبہہ صحیح و نافذ و قابل اعتبار ہے اور تجویز دوسرے مجوز کی قطعاً غیر صحیح و غیر قابل اعتبار ہے والد اعلم و علمہ اتم نقہ العبد المفقتر الی ربہ النضی ابو محمد الممدوح بسید شاہ علی الرامفوری ثم المراد آبادی حفظہ اللہ من شہر ورا لاعدای سید شاہ علی

رویکاری عدالت دیوانی بمقدمہ اقتدار بگیم صاحبہ مدعیہ وفضل احمد خان و آئن خان و عجمیہ و امراء مدعا علیہم بابت عاریت زیور قیمتی پیر سور و پیم متضمن خلاصہ انظارا رات مدعیہ و گواہان مدعیہ مدعی علیہم نظر سرگند و فساد و علما و غیرہ کے دیکھنے و کچھ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اثبات دعوے مدعیہ کے لیے اُسکے گواہوں کی گواہی ان فقہ کی روایات کے اعتبار سے کافی نہیں ہے جامع الفصولین اور فصول استروشی میں ہے لو اخبرت امرأة انها فلانة بنت فلانة لا یحل للمشاہدان یشہد باسمها و نسبها لان تعریف المرأة الواحدة والرجل الواحد لا یکف ولوعرفها رجلا و قال لا تشہد انھا فلانة بنت فلان حل له الشہادة و قال لان فی لفظ الشہادة من التأكيد ما لیس فی لفظ الخبر و اذا کان بلفظ الخبر انما يجوز عندابی حنیفة اذا خبر جماعة لا یتصور تو اٹوہم علی الکذب و عندھا لو اخبره عدلان انھا بنت فلان بن فلان حل له الشہادة حق تعریفھا ان یشہد علی معرفتھا

عدلان اور پس و امراء تان و لو اخبر شاہدان عدلان ان هذه المقرة فلانة بنت فلان یکنی هذا الشہادة علی الاسم والنسب عندھا و علیہ الفتویٰ اگر کسی عورت نے کہا کہ وہ فلان کی بیٹی فلان ہے تو گواہ کیلئے یہ درست نہیں ہے کہ اس کے نام اور نسب کی شہادت دے کیونکہ ایک

عورت اور ایک مرد کی گواہی کافی نہیں ہے اور اگر دومردوں نے اُسے پہچانا اور کہا کہ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ فلان کی لڑکی فلا نہ ہے تو شاہد کے لیے بالاتفاق شہادت حلال ہے کیونکہ لفظ شہادت میں اتنی تاکید ہے جتنی لفظ خبر میں نہیں ہے اور جب شہادت بلفظ خبر ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اُس وقت جائز ہے جب خبر دینے والی ایسی جماعت ہو جس کا جھوٹ پر مجتمع ہونا باور نہ کیا جاسکتا ہو اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر اُس کو دو عادل آدمی بیان کریں کہ وہ فلان کی لڑکی فلا نہ ہے تو اُس کے لیے شہادت جائز ہے اور حق تعالیٰ یہ ہے کہ اُس کی معرفت پر دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دین اور اگر دو شاہد عادل اس امر پر گواہی دیں کہ یہ اقرار کرنے والی عورت فلان کی لڑکی فلا نہ ہے تو یہ اہم و نسب پر کافی شہادت ہے صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور خزانۃ المفتیین میں ہے۔ قد اختلف المشایخ فی جواز تحمل الشہادۃ علی المرأة اذا كانت متنبۃ بعضهم توسعون فی هذا وقالوا یرحمہ عند التعریف وان لم یروا وجہہا واذا اخبیہ عدلان انھا فلا نہ فذلک یکنی وهو الاصح عورت پر جبکہ وہ نقاب ڈالے ہوئے ہو شہادت کے متعلق مشائخ کا اختلاف ہے بعضوں نے اس میں توسیع کی ہے اور کہا ہے کہ یہ درست ہے جبکہ گواہ عورت کو جانتے ہوں اگرچہ اُنھوں نے اُس کے چہرے کو نہ دیکھا ہو اور جبکہ دو عادل اس امر کی خبر دیں کہ یہ فلان عورت ہے پس یہ کافی ہے اور یہی مذہب صحیح ہے۔ اور تنقیح فتاویٰ حامد یہ میں ہے قال فی العادیۃ لو اخبرت امرأة انها فلانة بنت فلان لایحل للشاھدان یشھدا باسمہا ونسبہا لان تعریف المرأة الواحدة والرجل الواحد لا ینفی ولو عرفھا رجلا ن وقالان ھذا ینھا فلانة بنت فلان حل لھما اداء الشہادة بالاتفاق وفي الفوائد الزینیۃ ولا بد من بیان حلیتھا ولا بد من النظر الی وجہھا فی التعریف۔ عمادیہ میں ہے کہ اگر کسی عورت نے کہا کہ یہ فلان کی لڑکی فلا نہ ہے تو شاہد کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ اُس کے نام اور نسب کی شہادت دے کیونکہ ایک عورت اور ایک مرد کی شہادت کافی نہیں ہے اور اگر دومردوں نے اُسے پہچانا اور کہا کہ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ فلان کی لڑکی فلا نہ ہے تو شاہدین کے لیے بالاتفاق شہادت جائز ہے اور فوائد زینیہ میں ہے کہ عورت کا حلیہ بیان کرنا اور اُس کے چہرے کو دیکھنا پہچاننے کے لیے ضروری ہے اور مجمع البرکات میں ہے لو سمع من ولاء الحجاب لا یسمع ان یشھد لاحتمال ان تكون النعمة تشہ النعمة الا اذا کان

فی الدار وحده وعلم الشاهد انه لیس فیہ غیرۃ ثم جلس علی مسلک و لیس لہ مسلک غیرۃ
 فسمع اقرار الداخل ولا یراکہ لانہ یصل العلم بہ و ینبغی للقاضی اذا فسر لہ ان لا یقبلہ وقالوا اذا
 سمع صوت امرأۃ من وراء الحجاب لا یجوز ان یشہد علیہا الا اذا کان یری شخصاً عند وقت
 الاقرار کذا فی التبیین اگر پردے کے پیچھے سے سنا تو اسے شہادت نہ دینا چاہیے کیونکہ اس امر کا
 احتمال ہے کہ کہنے والا کوئی اور ہو اس لیے کہ آوازیں باہم مشابہ ہوتی ہیں مگر جبکہ گھر کے اندر اکیلا
 رہتا ہو اور اس وقت وہ گھر کے اندر گیا ہو اور گواہ کو اس کا علم ہو اور وہ راستے پر بیٹھ گیا ہو اور اس
 راستہ کے سوا گھر کا کوئی اور راستہ بھی نہ ہو پس اب اگر وہ اندر والے شخص کا کوئی اقرار سنے اور اسکو
 نہ دیکھے تو اسکی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ اس سے علم حاصل ہو جاتا ہو اور قاضی کو چاہیے کہ
 جب اسکو یہ امور معلوم ہو جائیں تو اسکی شہادت قبول کرے یہ نہیں مین ہے + اور قاضی منغیری
 اور قاضی کا فوری مین ہوا ان سمع اقرارہ من وراء الحجاب لا یجوز لہ ان یشہد لعدم جواز
 الشہادۃ بسبب الحجاب فان دخل فی بیت وعلم انه لیس فیہ غیر واحد ثم خرج وقد علی
 الباب و لیس للبیت مسلک آخر فاقول من البیت حل لہ ان یشہد اگر کسی کے اقرار کو پردے کے
 پیچھے سے سنا تو اسکی شہادت پردے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگی اگر گھر مین گیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس مین ایک
 آدمی کے سوا اور کوئی نہیں ہے پھر وہاں سے نکلا اور دروازے پر بیٹھ گیا اور اس راستے کے سوا گھر کا اور
 کوئی راستہ بھی نہ تھا تو اب اگر گھر کے اندر والا کوئی اقرار کرے تو اسکے لیے شہادت درست ہوگی اور قاضی
 قاضی خان مین ہر رجل زوجہ انبۃ من رجل فی بیت وفی بیت اخر قوم یسمعون التزویر ولہ
 یشہد ہم قالوا ان کان من بیت العقد الی بیت السامعین کوۃ ورأوا البنت والزوج جاز لہم
 ان یشہد واوان لم یروا ولا یسمعون سمعوا کلامہم وفیہ ایضاً ذکر الخصاص فی ادب القاضی اذا سمع
 رجل قرار رجل وراء الحجاب لا یحل لہ ان یشہد ولو شہد وفسر لا تقبل القاضی شہادۃ ایک
 شخص نے ایک گھر مین اپنی لڑکی کی شادی کی اور دوسرے گھر مین بہت سے لوگ تھے جو اس نکاح کو
 سن رہے تھے لیکن انکو دیکھا نہیں تو فقہا کہتے ہیں کہ اگر اس گھر اور شادی والے گھر کے درمیان کوئی
 روشن دان تھا جس سے ان لوگوں نے لڑکی اور اسکے شوہر کو دیکھا تو انکے لیے شہادت دینا جائز
 ہو اور اگر نہیں دیکھا تو جائز نہیں ہے اگرچہ انکے کلام کو سنا ہو اور اسی کتاب مین ہے خصاف نے

اوب قاضی میں لکھا ہو کہ جب کوئی آدمی کسی کو اقرار کو پر دے کے پیچھے سے سنے تو اسکو شہادت دنیا درست نہیں ہے اور اگر شہادت دی اور تفسیر کر دی تو قاضی اسکی شہادت کو نہ قبول کرے گا۔ اور ایسا ہی اکثر متون اور شرح اور فتاویٰ میں ہو۔ ان عبارتوں سے ظاہر ہو گیا کہ تنقیہ مخدہ پر یا اس کے لیے شہادت دنیا مقبہ نہیں ہے جب تک کہ گواہ اسکو دیکھ نہ لین یا دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کے یقین کی خبر دیں اور محض پر دے سے آواز سننا یا ایک مرد اور ایک عورت کے خبر دینے پر اعتماد نہ کرنا چاہیے اور شہادت نہ دینا چاہیے اور قاضی کو ایسی شہادت قبول نہ کرنا چاہیے اور مقدمہ مذکور میں مدعیہ کی معرفت گواہوں کو حاصل نہیں ہوئی نہ دیکھنے سے نہ تعریف سے اور گواہوں نے محض آواز سنا اور عجبہ کے قول پر اعتماد کر کے کہ اس نے کہا پر دے کے پیچھے سلیم صاحبہ کھڑی ہیں اعتماد کر لیا ہے پس انکی گواہی کیونکر مقبہ ہو سکتی ہے کیونکہ آواز کا وارز کے مشابہ ہوا کرتی ہے اور یہ جو بلوضون نے خیال کیا ہے کہ یہاں خود امین خان اور فضل احمد خان مدعی علیہا نے عجبہ کے قول کو تمیز اور تسلیم کیا اور مدعیہ کی شناخت انکو حاصل ہو گئی اور ان کے قول پر گواہوں کا اعتماد کرنا کافی ہو گا۔ مخدوش ہے کیونکہ جب مدعیہ پردہ نشین ہو اور مدعا علیہا سے بھی پردہ کرتی ہو تو مدعی علیہا کا یہ قول کہ پردے کے پیچھے یہ سلیم صاحبہ کھڑی ہیں صرف عجبہ کے قول پر مبنی ہو گا اور شہادت کے مقبہ ہونے کے لیے ایسے دو عادل گواہوں کا ہونا ضروری ہے جنکو پردہ نشین عورت کی معرفت ابھی طرح حاصل ہو۔ غرض اس مقدمہ میں قواعد شرعیہ کے موافق مدعیہ کے گواہوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہو و اما علم حرہ الراجی عفو ربہ القوی ابو احسانات محمد عبدالحی تاجدار اللہ عن ذنبہ ابلی واخفی **محمد عبدالحی** **ابو احسانات** سوال مدعی نے بغرض ثبوت دعویٰ کے عدالت میں گواہ پیش کیے اور وہ گواہ عدالت میں مقبول نہ ہوئے کسی وجہ سے منجملہ امین وجہ کے جو باعث عدم مقبولیت کے معین ہیں یا مقبول ہوئے مگر شہادت انکی مفید کامیابی مدعیہ کسی وجہ سے منجملہ ان وجہ کے جو باعث ناکامیابی کے ہوتے ہیں مثلاً اختلاف بیانی یا عدم مطابقت یا وجوہ وغیرہ الغرض جبکہ مدعی نے اپنے گواہ پیش کیے خواہ وہ گواہ لیے گئے یا نہ لیے گئے بہر حال ان گواہوں کے باوصف عدالت میں پیش کرنے کے مدعی اپنے دعوے میں کامیاب نہ ہو سکا تو آیا پھر مدعی استخلاف مدعا سے کر سکتا ہے یا نہیں اگر کر سکتا ہے تو آیا جملہ صورتوں سے مذکورہ میں یا بعض عورتوں میں در صورت ثانی اسکی تفصیل کیا ہو اور در صورت اولی کیا مدعا علیہ کو کبھی حلف سے امن و نجات ممکن ہے اگر ممکن ہو تو وہ

کون صورت ہو اور اگر نہیں کر سکتا ہو تو بھی بیان تفصیلی ضروری ہو کہ کیا جملہ صورت ہائے مذکورہ میں یا بعض صورتوں میں در صورت ثانی اُسکی تصریح کیا ہو جو اب مدعا علیہ کو حلف سے چند صورتوں میں نجات ہو سکتی ہو (۱) مدعی کا دعوے صحیح نہ ہونے کی سراج المنیر میں ہر الاستحلاف یجوز فی المدعاویٰ للصحیحۃ دون فاسد تھا ان انکار المدعی علیہ حلف صحیح دعویٰ میں جاری ہو سکتا ہے نہ فاسد دعویٰ میں اگر مدعی علیہ انکار کرے (۲) مدعی گواہوں کے اُسی شہر میں موجود ہونے کا اقرار کرے مختصراً قایہ میں ہے وان قال المدعی لی بینہ حاضرۃ فی المصر وطلب حلف الخصم لایحلف اگر مدعی نے کہا کہ میرا مینہ شہر میں موجود ہو اور خصم سے حلف چاہا تو اُس سے حلف نہ لیا جائے گا۔ (۳) مدعی حلف نہ چاہے در مختار میں ہے الیہین حق القاضی مع طلب الخصم بین طلب خصم کے ساتھ قاضی کا حق ہو۔ باقی اُس صورت میں کہ مدعی نے گواہ قائم کیے اور وہ عدم مطابقت دعوے یا اور کسی وجہ سے مقبول نہ ہو تو مدعی کے حلف طلب کرنے سے مدعی پر حلف کرنا لازم ہو گا فتاویٰ قاضی خان میں ہے رجل ادعی عبدانی ید ارجل وقال یقنی هذا العبد باللف درهم ونقد تلك الثمن فانكر المدعی علیہ البیع وقبض الثمن فشهد المدعی شاهدان علی اقرار البائع بقبض الثمن وقال لا تصرف العبد ولكن قال لنا عبدی زید وشهد شاهدان اخران ان هذا العبد اسمہ زید قال لا یتیم البیع بهذه الشهادة ویحلف البائع فان حلف رد الثمن لان قبض الثمن ثبت بشهادة الشهود علی اقرار البائع بالقبض وان نكل البائع لزمه البیع بنکولہ ایک شخص نے ایک غلام پر دعویٰ کیا جو دوسرے کے قبضے میں تھا اور کہا کہ تھے یہ غلام میرے ہاتھ ایک ہزار درہم کو بیچا تھا اور میں نے ٹکڑا کی قیمت دیدی تھی اور مدعی علیہ نے بیع اور قبضہ ثمن سے انکار کیا مدعی نے اس بات پر دو گواہ پیش کیے کہ مدعا علیہ نے ثمن کے قبضہ کا اقرار کیا ہے اور ان دونوں نے کہا کہ ہم غلام کو نہیں جانتے لیکن اس نے کہا کہ میرا غلام زید ہے اور دوسرے دو شاہدوں نے اس امر پر گواہی دی کہ اس غلام کا نام زید ہو تو کہا کہ اس گواہی سے بیع تمام نہ ہوگی بلکہ بائع سے حلف کیا جائے گا اگر وہ حلف کرے تو قیمت واپس کرے کیونکہ ثمن پر قبضہ کرنا گواہوں کی گواہی سے بھی ثابت ہوا ہو کہ بائع نے قبضہ ثمن کا اقرار کیا ہو اور اگر بائع اس سے انکار کرے تو اس انکار کی وجہ سے بیع اُسکے ذمے لازم ہو جائیگی۔ اور اشباہ و نظائر کی یہ عبارت اسکی تائید کرتی ہے الحجۃ بنیۃ عادلۃ او اقرار او نکول عن یلین او قسامۃ او علی القیاضہ مد تو یتیم او قبیۃ قطعۃ تحت بنیۃ عادلۃ یا اقرار یا قسم سے انکار یا یلین یا قسم یا والی ہونے کے بعد قاضی

کا علم یا قطعی قرینہ ہو سوال دنیاوی دشمن جبکی شہادت مقبر نہیں ہو اُس سے کون دشمن مراد ہو اور
 اور جو شخص زید کی زوجہ سے نکاح کرنا چاہے۔ اور اس بات کی گواہی دی کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق
 دیدی ہو تو وہ دشمن ہے یا نہیں جواب نہیں۔ طحاوی نے حاشیہ در مختار میں بخلاف الذہبیہ کے
 تحت میں لکھا ہو کشرہادۃ المقذوف علی القاذف والمقطوع علیہ الطريق علی القاطع والمقتول
 ولیہ علی القاتل والمجرور علی الجارح والزوج علی امرأۃ بالزنا اذا کان قد فہما او لا فالعداۃ
 لیس کما ینویہم بعض المتفقہۃ والشہود ان کل من خاصم شخصا وادعی علیہ ان یصدیر عدوہ
 فی شہد بینہما بالعداۃ بل العداۃ انما تثبت بنحو ما ذکرنا جیسے شہادت مقذوف کی تاذن کے
 خلاف اور چسپہ ڈاکہ ڈالا گیا ہو اُسکی شہادت ڈاکو دن کے خلاف اور مقتول کے ولیوں کی شہادت قاتل
 کے خلاف اور مجروح کی شہادت جارج کے خلاف اور زوج کی اپنی زوجہ پر زنا کی شہادت جسوقت زوجہ
 پر اس سے پہلی مرتبہ تہمت لگ چکا ہو پس عداوت نہیں ہو جیسا کہ بعض مصنوعی فقہانے اسکا وہم کیا ہو یا اس
 امر کی گواہی کہ جو شخص کسی سے محاصمہ کرے اگر اُس شخص بہہ دعویٰ کرے جو اسکا دشمن ہو پس گواہی
 لی جائے گی اُن دونوں کو درمیان عداوت کی بلکہ عداوت ثابت ہوگی اُن چیزوں سے جگو ہم نے بیان کیا ہو
 سوال اگر گواہ کے مین جانتا ہوں یا مین خبر دیتا ہوں تو اُسکی گواہی مقبول ہوگی یا نہیں جواب
 اشد کا لفظ یا اُسکے معنی شہادت کا کرکرن ہو اگر گواہ کہے کہ مین جانتا ہوں یا مین خبر دیتا ہوں تو اُس کی
 گواہی مقبول نہوگی کیونکہ یہ اشد کے معنی نہیں ہیں جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اسکی تفصیل مذکور ہو
 سوال اس زمانے میں حصول غلبہ ظن کے لیے گواہوں سے حلف لینا اور اشد کے لفظ یا اُس کے
 معنی پر اکتفا کرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہو اشباہ مین ہے وفی تخلیف الشہادان ساء جاز
 کما فی الصیرفیۃ اگر قاضی مناسب سمجھو تو گواہوں سے حلف لے سکتا ہو جیسا کہ صیرفیہ میں ہو اور اسی
 کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہو وفی التہذیب وفی زمانہ ما تاملنا تعذرت التزکیۃ لغلبۃ الفسق اختار القضاۃ
 استقلال الشہود کما اختارہ ابن ابی لیلیٰ لحصول غلبۃ الظن اور تہذیب مین ہو کہ ہمارے زمانے میں
 چونکہ پاکی بوجہ غلبہ فسق کے دشوار ہو اس لیے حصول غلبہ ظن کے لیے قاضی گواہوں سے حلف لے سکتا
 ہو جیسا کہ ابن ابی لیلیٰ نے اسکو اختیار کیا ہو اور حموی شارح اشباہ نے لکھا ہو وفی التہذیب القلاسی
 وفی زمانہ ما تاملنا تعذرت التزکیۃ لغلبۃ الفسق اختار القضاۃ استقلال الشہود لحصول غلبۃ الظن

انتقہ قال المصنف فی الجہول لا یضعف ما فی الکتاب المعتمدۃ کا خلاصہ من انہ لا یجوز علی شہاد
 لافہ عند ظهور عدالتہ والکلام عند خاتمہا خصوصاً فی زمانہا ان الشاہد مجہول الحال وکذا
 المذکی غالباً والمجہول لا یعرف المجہول اور تہذیب قلائسی میں ہر کہ ہمارے زمانے میں چونکہ باکی غلبہ
 فسق کی وجہ سے دشوار ہے اس لیے حصول غلبہ ظن کے لیے قاضی گواہوں سے حلف لے سکتا ہے جیسا کہ
 ابن ابی لیلے نے اسکو اختیار کیا ہے اور مصنف نے بحرین لکھا ہے یہ قول اُس کو ضعیف نہیں کرتا ہے جہاں
 وغیرہ کتب معتبرہ میں ہر کہ شہاد پر قسم نہیں ہے کیونکہ قسم عدالت کے ظاہر ہونے کے وقت ہے اور کلام عدالت
 کے خفی ہونے میں ہے خصوصاً ہمارے زمانے میں کہ شہاد مجہول الحال ہے اور اسید طرح غالباً مذکی اور مجہول
 مجہول سے نہیں جانا جاتا ہے سوال۔ اگر مدعی علیہ مسلمان اور گواہ کافر ہوں تو ان گواہوں کی گواہی
 مقبّرہ مانی جائیگی یا نہیں جواب نہیں۔ سوال اگر زوج نے اپنے شوہر پر طلاق دینے کا دعویٰ کر کے
 گواہ بھی پیش کیے پھر انھیں گواہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کر لیا تو اُس گواہ کی گواہی باطل
 ہو جائے گی یا نہیں جواب باطل ہو جائے گی۔ درختار میں ہے لو شہد لہا ثلثہ تزوجہا بطلت کذا فی
 الحافیۃ اگر کسی عورت کے لیے گواہی دی پھر اُس سے نکاح کر لیا تو گواہی باطل ہو جائے گی جیسا کہ خانیہ
 میں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے اذا شہد رجل لامرأۃ بحق ثم تزوجہا بطلت شہادۃ کذا فی فتاویٰ
 قاضی خان اگر کسی مرد نے کسی عورت کے حق پر گواہی دی پھر اُسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو اُس کی گواہی
 باطل ہو جائے گی جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے سوال اگر گواہ سماعت پر گواہی دین کہ نہ پیر بچہ
 کا لڑکا ہے تو یہ گواہی مقبّرہ ہوگی یا نہیں جواب مقبّرہ ہوگی خلاصہ میں ہے وفي الاصل الشہادۃ بالسماع
 لا یجوز الا فی اربعۃ مواضع الموت والنسب والنکاح والقضاء اما النسب فصبر قہ اذا سمع من نسبا
 ان فلان بن فلان الفلانی وسعدان یشہد بذلك وان لم یعاین الولاۃ علی فراشہ الا تری اننا
 نشہد ان ابا بکر رضی اللہ عنہما بن ابی قحافة وامرأیتا ابا قحافة واما النکاح اذ راى رجلا یدخل
 دارا امرأة وسمع من الناس یقولون فلانة من زوجة فلان وسعدان یشہد انہما زوجة وان
 لم یعاین عقد النکاح درہل شہادت بالسمع جائز نہیں ہو مگر چار جگہ موت نسب نکاح اور قصاص میں
 لیکن نسب پس اُسکی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص سنے کہ فلان بیٹا فلان کا ہے تو اُسے اختیار ہے کہ اس کی
 گواہی دی اگرچہ اُسکے دمالت کو نہ دیکھے کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ ابوقحافہ کے بیٹے ہیں حالانکہ ہننے ابوقحافہ کو نہیں دیکھا ہے اور لیکن نکاح پس جس وقت کسی مرد کو دیکھے کہ وہ ایک عورت کے گھر میں آتا جاتا ہے اور لوگوں سے سنے کہ فلان عورت فلان شخص کی بی بی ہے تو اس کو اس بات کی گواہی دینے کا اختیار ہے کہ فلان عورت فلان شخص کی بی بی ہے اگرچہ عقد نکاح کو نہ دیکھے۔ **سوال** مدعا علیہ کا یہ قول قابل سماعت ہے یا نہیں کہ مدعی نے گواہوں کو کچھ دیکے گواہی دلائی ہے۔ **جواب** قابل سماعت نہیں ہے اگرچہ مدعا علیہ اس بات کو بنیہ سے بھی ثابت کر دے ہدایہ میں ہے ولو اقام رجل ای مدعی علیہ البینۃ ان المدعی ستاجر الشہود لہ فقبل لاندہ شہادۃ علی جرح حجر اگر کوئی شخص یعنی مدعا علیہ اس امر پر بنیہ قائم کرے کہ مدعی کے گواہ اجرتی ہیں تو اس کا بنیہ قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ شہادت صرف جرح پر ہے سوال زید کا دروازہ ہے جس کا مرد عمر کی زمین پر واقع ہے عمر وہ دروازہ بند کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جدید دروازہ ہے اور زید کا حق مرو اس زمین پر ثابت نہیں ہے زید کہتا ہے کہ میرا یہ دروازہ قدیم ہے اور میرا حق مرو ثابت ہے اور اپنے اپنے دعووں پر دونوں گواہ رکھتے ہیں آیا اس صورت میں زید کے گواہ نفی کے ہیں یا نہیں اور اگر نفی کے گواہ نہیں ہیں تو عمر کے گواہوں پر زید کے گواہوں کو ترجیح حاصل ہے یا نہیں۔ **جواب** صورت مسئلہ میں عمر کے گواہ اولیٰ و قبول کے قابل ہیں کیونکہ گواہ مذکور امر حادث کے مثبت ہیں اور جو گواہ مثبت امر حادث ہوتے ہیں وہ گواہان مثبت امر قدیم پر مقدم ہوا کرتے ہیں فتاویٰ ثنیہ کے باب بینتین متضادین میں سطور ہے لہ کشف فی طریق العامة فرعم غیوہ انہ محدث و زعم صاحبہ انہ قدیمہ و اقاما البینۃ فالبینۃ بینۃ من یدعی انہ محدث گذر گاہ عام پر ایک شخص کا برآمدہ تھا دوسرے شخص نے خیال کیا کہ یہ برآمدہ جدید ہے اور برآمدے والے نے کہا کہ یہ قدیم ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعووں پر بنیہ قائم کیا تو اس کو جدید بتلانے والے کا بنیہ مقبر ہوگا۔ اور فتاویٰ الانقادیہ کی فصل ترجیح بنیہ میں ہے قال الحدیث لیس بین اللذان ہذا السباط الذی اخرجہ محدث وقال الآخر کان کذا لک فی القدیمہ فالقول للمدعی لکونہ متمسکا بالاصل (۷) البینۃ من یدعی انہ محدث (نعم) علی عکسہ قال سخی مدعہ عنہ والصیح ہوا الاول دو پڑوسیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ چھتا جو تم نے بنایا ہے بنیہ ہے اور دوسرے نے کہا کہ یہ قدیم ہے تو مدعی کا قول مقبر ہو کیونکہ وہ اصل سے تمسک کرتا ہے کیونکہ اس کا بنیہ مقبر ہوتا ہے جو جدید ہو چکا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ حکم اسکے برعکس ہو رہی ہے اس کا بنیہ قبول ہو گا جو اسکے قدیم ہونے کا

دعویٰ کرتا ہو شیخ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پہلا حکم صحیح ہو۔ اور متقیق فتاویٰ حامیہ میں ہے۔ فی رسالۃ الحج والبیئات ان الاصل فی ترجیح البینۃ علی ما ذکر فی الاصول انما ہو کوغما مثبتۃ خلاف الظاہ اذا البینۃ انما شرعت لاثبات امر حادث والیہین لابقائہ علی ما کان فعلہ ہذا البینۃ الحدوث تقدم والله اعلم اقول ان بینۃ الحدوث تقدم فی صورۃ السؤال وکذا فی البناء والکف ما ذکر من التعلیل لموافق لما ذکر من التفاصيل فان الحدوث امر عارض والقدم اصل فلهذا کان القول قول مدعیہ ویرکون البینۃ لمدعی الحدوث جار علی القواعد الفقہیۃ والاصولیۃ لاثباتہا خلافاً لاصل بل افرق بین الکف وغیرہ رسالۃ الحج وبنیات میں ہو کہ اسی بینۃ کو ترجیح دی جائے گی جو خلاف ظاہر کو ثابت کرے جیسا کہ اصول میں بیان کیا گیا ہو اور اسکی وجہ یہ ہو کہ بینۃ کسی نئی چیز کے ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہو اور یہیں اس غرض سے ہوتی ہو کہ چہر اپنی حالت پر رہنے دیکھا جائے اس بنا پر حدوث کا بینۃ مقدم ہوگا واصل علم میں آتا ہو کہ بینۃ حدوث صورت سوال میں اور اسی طرح عمارت اور برآمدہ میں معتبر ہو جیسا کہ اسکی علت بیان کی گئی کہ یہی اصل کے موافق ہو کیونکہ حدوث امر عارض ہو اور قدم اصل اسی لیے مدعی حدوث کا قول معتبر ہوگا پس مدعی حدوث کا بینۃ فقہ و اصول کے قواعد کے مطابق ہو کیونکہ وہ خلاف اصل کو ثابت کرتا ہو اور اس امر میں برآمدہ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہو اور فتاویٰ حامیہ اور بحر الرائق میں بھی قاعدۃ اصول مطابق قواعد مذکورۃ بالا کے تحریر ہو ملک الانسان لا یكون فی ید غیرہ الا بعراض والبینۃ یتکون علی مدعی العارض ولا یتکون علی صاحب الاصل کسی شخص کی ملک دوسرے کے قبضے میں نہیں جاسکتی مگر کسی عارض کی وجہ سے اور بینۃ مدعی عارض کے ذمہ ہو نہ کہ صاحب اصل کے ذمے۔ اسکے علاوہ زید کے گواہوں کی شہادت جو مندرج سوال ہو ناقص ہو ثبت دعویٰ حق مرور نہیں ہوگا ہوں نے فقط یہ بیان کیا ہو کہ دروازہ قدیم ہو یہ نہیں بیان کیا کہ فلان زمین میں زید کا حق مرور ہو حالانکہ بغیر ایسی تصریح کے مرور کا حق ثابت نہیں ہوتا ہو حتیٰ کہ اگر گواہ بیان کرے کہ فلان شخص کو دیکھا ہو کہ فلان زمین میں مرور کیا تھا تو بھی حق مرور ثابت نہیں ہوتا فتاویٰ عالمگیری میں ہو۔ لو ادعی علی اخو حق المرور و سبقہ الطريق فی دارہ فالقول قول صاحب الدار ولو اقام المدعی البینۃ انہ کان یمر فی هذه الدار لم یستحق بهذا اثباتاً کذا فی الخلاصۃ اگر کسی شخص نے دوسرے پر حق مرور کا دعویٰ کیا اور کہا کہ راستے کا کچھ حصہ اسکے گھر میں آگیا تو گھر والے

کا قول مقبر ہوگا اور اگر مدعی اس امر پر بیہ قائم کر دے کہ وہ اس گھر میں سے گذرنا تھا تو اس سے وہی بات کا مستحق نہ ہوگا ایسا خلاصہ میں ہے۔ اور بھی سی کتاب میں اس عبارت کے قریب لکھا ہے ولو شهد الشہود ان لا طریقا ہذا الا اذ جازات شہادۃ تھم اگر گواہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ اس گھر میں اُس کا راستہ آگیا ہو تو اُسکی شہادت جائز ہوگی۔ واسداعلم اور فتویٰ گذرانیدہ زیر میں مجیب نے نزدیک کو حاج الید اور عمرو کو بنظر ملکیت رقبہ زمین کے ذمی الید قرار دیکر نزدیک کو گواہوں کی اولویت تجویز کی ہے تجویز مذکور سراسر بے محل مع اولویت گواہوں حاج الید کے ذمی الید سے جو کتب فقہ میں مذکور ہے وہ دعویٰ ملک مطلق عقار وغیرہ میں ہی بیان دعویٰ ملکیت عقار وغیرہ نہیں ہے اور نہ نسبت ملکیت رقبہ زمین کے زید اور عمرو میں اختلاف ہو بلکہ زید کو دعویٰ حق مرور کا زمین عمرو میں ہے اور دروازہ کو جدید اور قدیم ہونے میں اختلاف ہو پس اس صورت میں اگر عمرو کو حاج الید اور زید کو ذمی الید کہا جائے تو بجا ہے نہ کہ بالعکس کیونکہ زید دروازے کے ذریعہ سے عمرو کی زمین میں متصرف ہو گیا پس زید ہی ذمی الید ہوا لہذا اُسکے دست تصرف کا رفع عمرو نے حکام سے چاہا ہے اور اپنے گواہوں سے تصرف عارضی اور حادث زید کا اثبات کرایا ہے فقط واقعی اس صورت میں زید کے گواہ عمرو کے گواہوں پر ترجیح رکھتے ہیں اصحاب بزاز یہ اور خلاصہ اور شرح ملتقی کے نزدیک واسداعلم۔ نیز از یہ میں ہو وان اختلفا قبرہن احدا علی القدم والاخر علی الحدوث فینة القدم اولی اگر دو آدمیوں میں اختلاف ہو ایک اُسکو قدیم بتائے اور دوسرا جدید تو اُسکا بیہ اولیٰ ہے جو قدیم کہتا ہے اور عقود الدرایہ میں ہے فی تنقیح القادوی المحامدۃ اذا تعارضت بینة الحدوث والقدم ففی الخلاصة بینة القدم اولیٰ وذا العلائی فی شرح الملحق ان بینة القدم اولیٰ فی البناء تنقیح قنادی حامد یہ میں ہے جب حدوث و قدم کے بیہ میں تعارض ہو تو خلاصہ میں ہے کہ بینة قدم اولیٰ ہے اور یہ شکوک ہے شرح ملتقی میں ہے کہ عمارت کے معاملہ میں بینة قدم اولیٰ ہے اور برہان نجاری اور برہان صاحب محیط کے نزدیک ترجیح نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ صاحب قیۃ المنیۃ للتعقیم الغنیۃ نے نقل کیا ہے اور یہی حاوی زاہدی میں بھی منقول ہے فی العقود وفتلہ فی الحاوی الزاہدی بالحرف معللا بقولہ فالبینة بینة من یدعی انہ حدث لانہ ثابت ولا یتبع البعض عقود میں ہے اور اسی حاوی زاہدی میں بلفظہ علت بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ بینة مختار شخص کا ہے جو محدث ہونے کا دعویٰ

کرتا ہے کیونکہ اس کا بینہ ولایت بعض کو ثابت کرتا ہے اور قول اخیر کو صاحب عقود نے ترجیح دی ہے اور کہا ہے وہ بظہر ترجیح مافی الغنیۃ والمعادی علی مافی البزازیۃ والمخلاصۃ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جو غنیہ اور حاوی میں ہے اس سے بزازیہ اور خلاصہ کے اقوال پر ترجیح ہے و الحمد للہ حررہ ابو الاحیاء محمد بن غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ فی الواقع صورت مذکورہ میں گواہان عمر و مدعی حدوث ہیں گواہان زید پر ترجیح رکھتے ہیں و الحمد للہ حررہ الراحمی عفور ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوزا مدعن ذنبہ ابلی و الحنفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

کتاب الوراثۃ

سوال زید نے مندرجہ بل وراثت چھوڑے ایک ہمشیر عینیہ یا بعد ازین یقینان ظلمہ زینب کلثوم کہ ان کا باپ زید کے سامنے فوت ہوا تھا اور کلثوم بھی اُس کے سامنے مر چکی تھی مگر کلثوم کی ایک لڑکی موجود ہے۔ اور ایک بھتیجا بکر کہ اس کا باپ بھی زید کے سامنے مر گیا تھا اور زید کی ایک زوجہ خدیجہ جس کو تمام درثائے مذکورہ نے آٹھواں حصہ دیکر راضی کر لیا ہے پس زید کی باقی جائداد دہ بھتیجیوں اور ایک بھتیجی یعنی کلثوم کی لڑکی اور ایک بھتیجا اور ایک ہمشیر عینیہ پر کیونکر تقسیم ہوگی جواب بعد تقدیم ماقدم علی الارث و رفع موانع بقیہ ترکہ زید و حصون پر تقسیم ہو کر ایک حصہ بھتیجے یعنی بکر کو اور ایک ہمشیر عینیہ کو ملیگا باقی سب رثا محبوب میں۔ **سوال** زید مر ایک لڑکا اور دو لڑکیاں اور ایک زوجہ کو وارث چھوڑا اُن دونوں کیوں میں سے ایک نے زید کے مذہب کو کہ خنفی تھا ترک کر کے امامیہ مذہب اختیار کیا پس اس صورت میں وہ لڑکی محبوب الارث ہوگی یا نہیں۔ جواب دختر مذکورہ محبوب الارث نہ ہوگی اور بعد تقدیم ماقدم علی الارث و رفع موانع زید کے ترکہ میں سے ثمن زوجہ کو اور باقی میں دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو ملیگا واللہ اعلم کتبہ بعد الفقیر الی فضل العلی الرب الحکیم ابو الاحیاء محمد بن غفران تجاوزا مدعن ذنبہ ابلی و الحنفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

ابو الحسنات محمد عبدالحی

سوال شیعہ اثنا عشریہ مسلم بن یا کافر یعنی محبوب الارث و التسلک اور محکوم علیہم بالہدیین یا نہیں۔ اور اگر لڑکا کفر مانع عن الارث ثابت نہ ہو تو لیدہ اور تالین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کون نظر ثابت ہے

کہ سنی باپ کا ترکہ شیعہ لڑکے کو ملا ہو جواب اثنا عشریہ کے کفر میں فقہانے اختلاف کیا ہو بعض نے
 سب شیخین کی وجہ سے انکے کفر کا حکم دیا ہے اور یہی اصحاب فتاویٰ اور صاحب بحر الرائق اور صاحب
 در مختار کا قول ہو لیکن مفتی بہ اور اصح قول انکی عدم تکفیر کا ہو اور سب شیخین موجب کفر نہیں ہے
 اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق ہے اور جو کتب فتاویٰ میں کفر کا حکم مرقوم ہو
 وہ دائرہ تحقیق سے خارج ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول عدم
 تکفیر اہل قبلہ کے متعلق بسط کلام کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں فیہ دلالہ علی ان سب شیخین ایسے کفر
 کا صحیحہ ابوالشکولہ سلمیٰ فی تمہیدہ وذلك لعدم ثبوت ہناہ وعدم تحقق معانہ فان سب المسلم فسق
 کافی الحدیث وینفذ یتوای استیخان وغیرہا فلوفرض انہ سب شیخین لا یخرج عن الایمان
 نعم لو استعمل السب او القتل فهو کافر لاجل حالہ فالفسق والعصیان لا یزیل الایمان صغیرا کان او
 کبیرا ولذا البدعة لا تنزیل الایمان کا نکار المعنزلہ سرویۃ اللہ تعالیٰ وخلق افعال العباد لا تنفی
 علی التاویل اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ شیخین کو گالیان دینا کفر نہیں ہے جیسا کہ تمہید ابوشکور سلمیٰ میں اسکی
 تصحیح کی گئی ہو اور یہ اسوجہ سے کہ اسکی اہل ثابت نہیں اور اسکے معنی متحقق نہیں ہیں کیونکہ مسلمان کو گالی
 دینا فسق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے پس شیخین اور غیر شیخین سب برابر ہیں لہذا اگر فرض کیا جائے کہ فہنی
 شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہو تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہو یا ان اگر گالی دینے اور قتل کرنے کو حلال
 سمجھے تو وہ لامحالہ کافر ہو پس فسق و عصیان صغیر ہو یا کبیر ایمان کو زائل نہیں کر سکتا اور اسی طرح بدعت یا ان
 کو زائل نہیں کرتی جب سطح معتزلہ کا انکار رویت و خلق افعال عباد کیونکہ یہ تاویل پر مبنی ہو اور مولانا
 ولی اللہ دکنوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم الثبوت میں تحریر فرماتے ہیں المحققون من الخفیۃ والمتکلمین
 ذهبوا الی عدم تکفیر الروافض بانکارہم خلافتہ ابی بکر وعمر الثابتۃ بالاجماع القطعۃ عندہم حتی قبلوا
 ثنہا و تنہم وما وقع فی الخلاصۃ وغیرہا من الفتاویٰ من صریحہ الکفر لہم بنقل عن ابی حنیفۃ و انما ہون
 تفریعات المشائخ کالفاظ التکفیر المنقولۃ فی الفتاویٰ کیف وقد فصل الامام ابو حنیفۃ و المشائخ
 رحمہما اللہ بعدم تکفیر احد من اہل القبۃ لکونہ علی تاویل فاحفظ ولا تسرع فی تکفیر فی الاسلام
 محققین خفیۃ متکلمین جہم اللہ انکار خلافت حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی وجہ سے جو
 باجماع ثابت ہو و روافض کو کافر نہیں مانتے تھے کہ انکی شہادت کو قبول کرتے ہیں اور جو خلاصہ و رد و سرے

فتاویٰ میں ان کے کفر کی تصریح ہو وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول نہیں ہو بلکہ مشائخ کی تفریعات سے
ہو جس طرح الفاظ کفر جو عموماً فتاویٰ میں منقول ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ خود
اہل قبلہ کے نہ کافر ہونے پر دلیل لائے ہیں کیونکہ ان کے افعال کسی نہ کسی تاویل پر مبنی ہوتے ہیں اسے
یاد رکھو اور فرق اسلام کے کافر بنا دینے میں جلدی نہ کرو۔ اور مولانا ابوالشکور سلمیٰ تمہید میں لکھتے ہیں
کلام الروافض مختلفہ فبعضہ یكون کفرا وبعضہ لا فلو قال ان علیا کان الکھا ترل من السماء کفر و قال بعضهم
بأنہ شریک الخصلی صلی اللہ علیہ وسلم فی النبوة وقال بعضهم النبوة كانت لعلی وصدیقہ ایل خطا ومنہم من قال
ان علیا کان افضل من الرسول فهذا کفر واما الذی یكون بدعتا ولا یكون کفرا فهو قولہم ان علیا
کان افضل من الشیخین ومنہم من قال ان الذی یجب اللعن علی من خالف علیا کعائشہ ومعادیتہ رضی اللہ عنہم و
منہم من قال ان حب اهل بیت اولی واجب و هذا کفر وما یشہہ بدعتا لیس بکفر لانه صادر عن تاویل
روافضیہ اقوال مختلفہ ہیں ان میں سے بعض کافر ہیں اور بعض کافر نہیں ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کو خدا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آسمان سے نازل ہوئے ہیں وہ کافر ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ نبوت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے اور بعض کہتے ہیں کہ نبوت حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کے لیے تھی حضرت جبریل علیہ السلام سے غلطی ہو گئی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی
رضی اللہ عنہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والسناسہ زائد افضل ہیں تو یہ سب امور کفر ہیں اور بدعت غیر
کفر انکا یہ قول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شیخین رضی اللہ عنہما سے زائد افضل تھے اور بعض روافض مخالفین
حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے حضرت معاویہ اور حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما پر لعنت کرنے کو پسند
کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حب اہل بیت اولی و مستحب ہو تو یہ تمام امور اور ان کے مشابہ اور باتیں سب
بدعت ہیں کفر نہیں ہیں کیونکہ تاویل پر مبنی ہیں۔ حامل یہ ہو کہ سب شیخین کی وجہ سے روافض کو کافر کہنا
محققین کے مذہب کے خلاف ہو اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار حاشیہ در مختار اور اپنے رسالہ تنبیہ
الولایۃ و الاحکام میں اس باب کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور صاحب در مختار پر حرج کی ہے اور ہمارے
اصحاب کی ایک جماعت نے بھی ایسی ہی صراحت کی ہے اور یہی ہمارے عقائد کے موافق ہو پس رضی
وارث کے محبوب ہونے کی سنی مورث کی جائداد سے کوئی وجہ نہیں ہے۔ سوال زید نے اپنے چچا کی
جائداد سے حصہ پانے کے لیے خالد پر جو اسکی چچی کا بھائی ہو دعویٰ کیا خالد کہتا ہے کہ یہ جائداد میری نہیں

بلکہ بکے مرنے کے بعد اسکی بی بی ہندہ اپنی ہرک و محسوس میں جو ایک لاکھ روپیہ تھا تنہا تصرفات رکھتی تھی اور ہندہ کا مین وارث ہوں زید کہتا ہے کہ ستر برس کا زمانہ ہوا کہ ہندہ نے اپنے شوہر کی حیات میں اپنا ہر اسکو مہرب کر دیا تھا اور خالد اسکا منکر ہو کر کہتا ہے کہ پندرہ برس کا زمانہ ہوتا ہے کہ بکے مرنے خود اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ہندہ ہر میرے ذمہ واجب الادا ہے پھر زید نے اس بات کے گواہ پیش کیے کہ ستر برس کا زمانہ ہوا کہ ہندہ نے اپنے شوہر کو اپنا مہرب کیا تھا اس طرح کہ بکے مرنے کے بعد ان مذکور کو ہندہ کے پاس لے گیا اور ہندہ سے کہا کہ انکے سامنے تم مہرب کر دو چنانچہ ہندہ نے ان کو اہوں کے سامنے کہا کہ میں نے مہرب کیا اور خالد نے بھی گواہ پیش کیے جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پندرہ برس کا زمانہ ہوا کہ ایک بار ہندہ اپنے شوہر کے سے خفا ہو کر اپنے بھائی خالد کے بیان حلیٰ آئی تھی بکے مرنے خالد کے پاس آ کر اپنی زوجہ کی آزر و گی کی شکایت کی خالد گھر کے اندر گیا جان ہندہ کو اہوں سے پردے میں بیٹھی تھی اور گفتگو کر کے پلٹ آیا اور بکے سے کہا کہ ہندہ تم سے اپنا مہرب لگتی ہے بکے مرنے کہا کہ ہندہ کا ہر ایک لاکھ روپیہ میرے ذمہ واجب الادا ہے میں اسکا ویندار ہوں اس کے ہرک و محسوس میں میں اُسے اپنی جائداد و دنگیا دیتا ہوں اس صورت میں کس کے گواہ معتبر ہانے جائیں گے اور کس کے گواہ ارجح اور اولیٰ ہیں اور بکے اپنے ذمے دین ہر کے واجب ہونے کا یہ اقرار ثبوت مہرب ہر کے زمانے کے بعد اُسی ہر سابق کو لازم کرے گا یا ہر جدید کا مستلزم ہو گا یا ہر جدید اور ہر قدیم دونوں میں سے کسی کا مستلزم ہو گا جواب اس صورت میں زید کے گواہ ارجح بالقبول ہیں تنقیح فتاویٰ حادیہ میں ہے بینۃ الزوج انھا ابراۃ من المہمل ولی من بینۃ المملۃ انہ کان مقربا الی الی الاکان زوج کا بینہ اس امر پر کہ زوجہ نے اُسے ہر سے بری کر دیا ہے عورت کے اس نتیجہ پر مقدم ہے کہ وہ اسوقت تک ہر کا اقرار کرتا ہے اور تنبیہ میں ہے اقامت المرأة البینۃ علی المہمل علی ان من وجہا کان مقربا لک الی یومنا هذا و اقام الزوج البینۃ انھا ابراۃ من هذا المہمل الذی تدعیہ فبینۃ البراءۃ ولی و کذا فی الذین کان بینۃ مدعی لادین بطلت باقرار المدعی علیہ لما دعی البراءۃ ولم تبطل بینۃ مدعی البراءۃ و هذا اکثہود البیع و لا قالۃ فان بینۃ الاقالۃ ولی البطلان بینۃ البیع باقرار مدعی لاقالۃ و ینبغ ان یحفظ هذا الاصل فانہ یخرج بہ کثیر من الوقعات عورت نے اس امر پر بینہ قائم کیا کہ شوہر آج کے دن تک ہر کا اقرار کرتا تھا اور شوہر نے اس امر پر بینہ قائم کیا کہ عورت نے اُسے ہر سے جسکا وہ دعویٰ کر رہی ہے بری کر دیا تھا تو بینہ ہر اہول ہے اور یہی حال

دین کا ہو کیونکہ مدعی دین کا بینہ اقرار مدعا علیہ سے باطل ہو گیا اس لیے کہ اُس نے برات کا دعوے کیا ہے اور مدعی برات کا بینہ باطل نہیں ہوا اور اسکی مثال گواہان بیع و اقالہ کی ہے کہ بینہ اقالہ اعلیٰ ہو اس لیے کہ بینہ بیع اقرار مدعی اقالہ سے باطل ہو گیا اس اصل کو یاد رکھنا چاہیے کیونکہ اس پر بہت سے مسائل متفرع ہیں۔ جب زید کے گواہوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سترہ برس پہلے ہندہ نے بکر کی حیات میں اپنا مہر اسکو بیہ کر کے بری کر دیا تھا اور یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ بکر نے اُس مہر اور ابرا کو قبول نہیں کیا پس صحت ابرا کا حکم دیا جائیگا چاہے ابرا اسقاط تصور کیا جائے یا بیہ و تملیک مانا جائے اور اسکے بعد بکر کے اس اقرار سے کہ ہندہ کا مہر میرے ذمے واجب الادا ہے وہ ابرا رد نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ ابرا سے اسقاط تھا تو بحکم المساقط لا یعود معدوم کا اعادہ نہیں ہوتا۔ اور اگر بیہ تھا تو بھی جہود کے مذہب کے موافق اسقاط کے حکم میں ہو گا ہاں اگر ابرا اور بیہ کے وقت بکر سے اُس ابرا اور بیہ کا رد کر دینا پایا جاتا تو ابرا غیر معتبر ہو جاتا اور ایک عرصے کے بعد بکر کا اقرار رد ابرا کا باعث نہوگا قنیہ میں ہے ثم قالت لزوجها ابرأتک ولم یقل لزوج قبلت اداکان غائباً فقامت ابواءت زوجی میو الا اذا ذکا پھر اُس نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں نے تجھکو بری کر دیا اور شوہر نے یہ نہیں کہا کہ میں نے قبول کیا یا شوہر غائب تھا پس اُس نے کہا کہ میں نے اپنے شوہر کو بری کر دیا تو وہ بری ہو جائیگا مگر جبکہ وہ برات کو رو کر دے اور جامع الفصولین کی بیسویں فصل میں ہوا مدعی الزوج انہما وھبتنی المھر فبرھن فشرھا حدھا انہما وھبتہ والاخر انہما ابواءتہ یقبل للموافقة لان حکم ھبتہ الدین سقوط وکن احکم البراءة زوج نے اس امر کا دعویٰ کیا کہ زوجہ نے مجھے مہر بیہ کر دیا اور اس پر اُس نے بینہ قائم کیا تو ایک گواہ نے کہا کہ عورت نے اسکو مہر بیہ کر دیا اور دوسرے گواہ نے کہا کہ عورت نے اسکو مہر سے بری کر دیا تو اسکا یہ بینہ قبول کر لیا جائیگا کیونکہ دونوں گواہ بیان ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لیے کہ بیہ دین کا حکم سقوط ہوا اور برات کا بھی یہی حکم ہے۔ اور منہ الغفار میں ہے فی الصیوفیر جال الدین اذا وھب الدین مع المدیون فلم یقبل ولم یرد حتی فترقا فجاء بعد ایام ورد الصیحاتہ لا یرتد وھذا الاختلاف بناء علی ان الزوجان فی ھبتہ الدین من المدیون یعطون الاستقاطام بطرف التملیک فمن قال لہ قال یقتضی الجواب علی المجلس و من قال الاستقاطال لا یقتضی من یکجب فترخواہ نے مدین کے مراجعہ میں دین اُسے بیہ کر دیا اور اسوقت قرضہ اس سے بری کر دیا اور نہ دیکھا بیان تک کہ دونوں جدا ہو گئے کچھ دنوں کے بعد قرضہ

آیا اور ہبہ کو رد کر دیا تو صحیح یہ ہو کہ ہبہ رد نہ ہوگا اور یہ اختلاف اس امر پر مبنی ہو کہ قرض کا قرضہ اگر کو ہبہ کر دینا اسقاط ہر تملیک جو تملیک کا قائل ہو وہ کہتا ہو کہ جواب مجلس پر منحصر ہو اور براء اسقاط کا قائل ہو وہ کہتا ہو کہ مجلس پر منحصر نہیں ہو۔ اور درختار میں ہر ہبتہ الدین من علیہ الدین و ابواءہ عندہ یتصر من غیر قبول ذالہ یوجب انفساح عقد صرفہ او سلمہ لکن یرتد بالرحی فی المجلس وغیرہ کما فیہ من معنی الاسقاط وقیل یتقید بالمجلس کذا فی العناۃ لکن فی الصیرفیۃ لو لم یقبل ولم یرد حتی انقضاء ثم بعد ایام رد کا یرتد فی الصحیح لکن فی المجتبیۃ الاصحاحان الہبتہ تملیک والا براء اسقاط قرض کا قرضہ کو ہبہ کر دینا اور اُسے بری کر دینا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر قبول کے تام ہو جاتا ہے جبکہ اُس سے عقد صرف یا سلم کا نسخ نہ لازم آئے لیکن اگر مجلس ہی میں اُسے رد کر دے تو رد ہو گیا کیونکہ اس میں اسقاط کے معنی ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں مجلس کی قید ہو یہ عنایہ میں ہے لیکن صیرفیہ میں ہے اگر نہ قبول کیا اور نہ رد کیا اور دونوں الگ ہو گئے پھر کچھ دنوں کے بعد اُس نے ہبہ کو رد کیا تو صحیح یہ ہو کہ وہ رد نہ ہوگا لیکن مجتبیٰ میں ہے صحیح یہ ہو کہ ہبہ تملیک ہو اور ابراء اسقاط اور علامہ شامی رحمہ اللہ رد المحتار میں لکن فی المجتبیۃ کے تحت میں لکھتے ہیں استدرک علی جملہم کل من الہبتہ والا براء اسقاط من وجہ وتملیک من وجہ وانت خیر بان هذا الاستدرک مخالف للمشہور من صنف رحمہ اللہ کا قول لکن فی المجتبیۃ ان لوگون پر تعریض ہو جو ہبہ اور ابراء میں ہر ایک کو تملیک ایک ہبت سے اور اسقاط دوسری ہبت سے کہتے ہیں مگر یہ تعریض خلاف مشہور ہو۔ اور تنقیح فتاویٰ حامد یہ میں ہے سئل فی ماذا کان لامرأۃ بد متاخیہا زید مبلغ معلوم من الداھم فابوأتہ منہ ومن کل حق ابراء عما شرعیاً مقبولاً من زید ثم اقر زید بالمبلغ المذکور فهل یكون الاقرار المذکور باطلا ولا یعود بعد سقوطه بالا براء الجواب نعم اقر بالذین بعد الابراء منہ لا یلزم شیء ویطل الاقرار والشیء المساقط لا یعود اقول وهذا بخلاف الاقرار بالعين بعد ان ابراء خصمه ابراء عاماً فان الاقرار صحیح فیوم بدفع ما اقر به من العين لا مکان تجدد المملک فیہا مواخذتہ لہ باقرارہ ولتصحیح الکلام علی طریق الاقتضاء والعین قابلۃ لذلك بخلاف الذین لکونہ وصفا قد سقط فلا یعود کذا افاد الشرنبلالی فی رسالتہ تنقیح الاحکام سوال ایک عورت کو اُس کے بہائی زید کے ذمے کچھ معین دراپم تھے اُس عورت نے اُس سے اور تمام حقوق سے شرعی طور پر بری کر دیا

اور زید نے اُسے قبول بھی کر لیا پھر اسکے بعد اگر زید اذن دراہم کا اقرار کرے تو کیا یہ اقرار باطل ہوگا اور وہ دراہم جو بوجہ بری کرتے کے ساقط ہو گئے تھے اب پھر اُسکے ذمہ نہ واجب ہو گئے جواب ہاں اگر اُس نے بری کر دیے جانے کے بعد قرض کا اقرار کیا تو اس سے اُسکے ذمے کچھ لازم نہیں آتا اور اقرار باطل ہو اور جو چیز ساقط ہو گئی وہ پھر نہیں لڑتی مگر کتنا ہون اگر بری کر دیے جانے کے بعد عین کا اقرار کیا تو حکم اسکے خلاف ہی کیونکہ اقرار اور اس کے قول کے صحیح کرنے کے لیے اُسے حکم دیا جائیگا کہ وہ چیز مقررہ کو ویرے اس لیے کہ جدید تلیک ممکن ہو اور عین اسکی صلاحیت کھتی ہی بخلاف دین کے کیونکہ وہ وصف ہو جو ساقط ہونے کے بعد پھر نہیں لوٹ سکتا۔ چونکہ خالد کے گواہوں سے معلوم ہوا کہ بکر اور اُسکی زوجہ میں منازعت واقع ہوئی تھی اور بکر نے بقاے وجوب ہر سابق کا اقرار کیا تھا جس کی مقدار ایک لاکھ روپیہ تھی لہذا یہ اقرار لزوم زیادت پر بھی محمول نہ ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی غفور بہ نقوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجوازلہ عن ذنبہ ابجلی داغنی **محمد عبدالحی** ابو الحسنات **محمد عبدالحی** صبح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عنی عنہ سوال مولوی نادر زمان صاحب کے چار بیٹے تھے عبدالرشید عبدالعزیز عبدالحمید عبدالحمید اور دو لڑکیاں تھیں عبدالرشید بڑا بیٹا اپنے باپ کے سامنے عبدالصمد رشید احمد سراج احمد تین بیٹے اور ایک لڑکی کو چھوڑ کر مر گیا۔ عبدالرشید کے تیجے کے دن مولوی نادر زمان صاحب نے اس مضمون کا ایک کاغذ لکھا کہ میرے بعد عبدالصمد رشید احمد سراج احمد دوسرے وارثوں کی طرح میرے وارث ہونگے اور گائون کے امرا کی اُس کاغذ پر مہرین بھی کرادین اور ہندی بان میں ایسے کاغذ کو سجال نامہ کہتے ہیں پھر مولوی صاحب موصوف نے کوئی ہاماد منقولہ اور غیر منقولہ لکھو ہبہ نہیں کی پھر کچھ دنوں کے بعد مولوی صاحب موصوف نے اپنے تمام جائداد دین ہر کے عوض میں جوارث پر مقدم ہو لینی زوجہ کے ہاتھ بیع کر کے بیعنامہ بھی لکھ دیا اور اس پر بھی گائون کے امرا کی مہرین کرادین اور مولوی صاحب موصوف کے انتقال کے بعد بیعنامہ کے موافق اُنکی زوجہ تمام جائداد پر قابض رہی جب اُنھوں نے انتقال کیا تو عبدالصمد وغیرہ جو عبدالرشید کی اولاد ہیں شراکت میراث کا دعوے کرتے ہیں پس دریافت طلب ہو امر ہے کہ اُس سجال نامہ کے موافق ان لوگوں کا دعویٰ صحیح ہی یا نہیں جواب سجال نامہ شرعاً لائے محض ہر اسکا وجود اور عدم برابر ہے اس سے عبدالرشید کی اولاد کو کچھ نہیں مل سکتا۔ سوال امام بخش کی تین لڑکیاں تھیں منجملہ اُنکے ایک لڑکی مسماۃ نصیرن اپنے باپ کے

مرنے کے بعد مان کے انتقال سے پہلے مرگئی اُس نے ایک لڑکا ثابت علی اور ایک لڑکی مسماۃ قطبین کو چھوڑا اب دریافت طلب یہ امر ہو کہ امام بخش کی جائیداد سے کس کو کیا ملے گا جواب بعد تقدیم علی الارث و رفع موانعہ امام بخش کے ترکہ سے ثمن اُس کی زوجہ کو اور باقی تینوں لڑکیوں کو برابر ملے گا اور نصیرن کے حصے میں سے سدس اُسکی مان کو اور باقی میں دو حصے ثابت علی کو اور ایک قطبین کو ملیگا اور نصیرن کی مان کے حصے میں سے اُسکی دو وزن لڑکیاں برابر برابر حصہ پائیں گے واللہ علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعم غفرلہ لعلہ الرب العظیم۔ الجواب صحیح والہذا علم حررہ الراجی عفورہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی واخفی۔ سوال عمر کو چند بیگہ زمین مد معاش کے لیے بادشاہ نے دی تھی اور عمر مر گیا زید اور خالد دو لڑکوں کو چھوڑا زید چاہتا ہو کہ اراضی مذکورہ اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھے اور خالد کو اُس سے خارج کر دے اس صورت میں اراضی مذکورہ دونوں لڑکوں کو ملے گی یا ایک ہی کو جواب دونوں کو ملے گی واللہ اعلم کتبہ حمایت اللہ و ہلوی صحیح الجواب والہذا علم بالصواب حررہ الراجی عفورہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی واخفی۔ سوال زید نے ذیل کے وارث چھوڑ کر انتقال کیا ایک زوجہ دو دختر ایک بیٹا بھائی ایک مان پس زید کا ترکہ کتنے حصوں پر تقسیم ہوگا جواب بعد تقدیم علی الارث و رفع موانعہ صورت مسئلہ میں کل ترکہ کے ستائیس حصے ہونگے تین زوجہ کو اور آٹھ آٹھ ہر دختر کو اور چار مان کو اور اسی قدر بیٹا بھائی کو ملین گے۔ سوال زید نے وارث ذیل چھوڑ کر انتقال کیا ایک زوجہ دو دختر ایک حقیقی بھائی ایک مان پس زید کا ترکہ کتنے حصوں پر تقسیم ہوگا جواب بعد تقدیم علی الارث و رفع موانعہ کل ترکہ کے چوبیس حصے ہونگے تین زوجہ کو اور آٹھ آٹھ ہر دختر کو اور چار مان کو اور ایک حصہ حقیقی بھائی کو دیا جائیگا۔ سوال زید صاحب سند و جاگیر دو بیٹے بکرا اور خالد و ردو پوتے ولید اور قاسم کہ انکا باپ صاحب نامی زید کے سامنے مر گیا تھا اور ایک بنت بنت اللہ کہ اُسکی مان اور نانا زید کے سامنے مر چکے تھے چھوڑ کر مر گیا پس اُسکی جائیداد کیونکر تقسیم ہوگی جواب رسالۃ احکام الاراضی میں واقعات سے منقول ہو الا انعام المخلد والموعود بمنزلۃ الملك یحوز سبعة و شراؤه علی الصحیحہ والحق الا انعام بمنزلۃ ملک کے ہی برہنہ صحیح اُسکی بیع اور شرا و درست ہو اور اسی کتاب میں ہو الا انعام المخلد یدخل فی ملک فیباع ویوہب ویورث والحق الا انعام ملک میں

داخل ہو اسکی بیع اور ہبہ اور ورثہ درست ہو۔ اور ذخیرہ مین ہو چل لہ وظیفہ فی بیت المال یوصل الیہ کل سنتہ لو کان بحیث لا یأخذ منہ السلطان بعد موتہ ولا یعطیہما لغيرہ صار فیہا دلیل المملک ویصیر ملکاً فیجوز التوریت بین الورثۃ والہبۃ والبیع والوصیۃ بیت المال سے ایک شخص کا وظیفہ مقرر تھا جو اُسے ہر سال ملجایا کرتا تھا تو اگر وہ وظیفہ ایسا ہو کہ اُس سے سلطان اُسکے مرنے کے بعد نہ لے سکے اور نہ کسی اور کو دے سکے تو اُس سے دلیل ملک پالی جائے گی اور وہ وظیفہ اُسکی ملک ہو جائے گا پس ورثہ پر اُسکا تقسیم ہونا اور ہبہ اور بیع اور وصیت سب اُس میں درست ہو۔ اور فداوی کبری میں ہے اواعطی الامام او دونہ المستحق رضا یكون ما کالہ وکلاوہ بہ بفقہ وعلیہ اکثر المشایخ اگر امام یا کسی اور نے کسی مستحق کو زمین دی تو وہ زمین اُسکی اور اُسکے بعد اُسکی اولاد کی ملک ہو جائے گی اسی پر فتوے ہو اور اسی پر اکثر مشائخ نہیں۔ ان جہازتوں سے واضح ہو گیا کہ عطیہ سلطانی جو معطی لہ کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اُسکی دوسری ملک کو مثل ہو پس زید کی موت کے بعد وہ جاگیر دوسرے املاک کی طرح تقسیم ہو جائیگی۔ اور انہی دونوں لڑکوں کو ملے گی اور باقی درنا محبوب ہیں سوال مثلاً زید فوت ہوا اور متوفی نہایت صاحب رشد و ارشاد تھا اور بہت سے لوگ اُسکے مرید اور معتقد تھے اور متوفی کے پاس جاہ و اموال منقولہ اور غیر منقولہ بھی تھی اور اُسکے دو لڑکے تھے مثلاً عمر و اور خالد جن میں سے عمر و بالغ اور خالد نابالغ تھا اور چار لڑکیاں تھیں جن میں سے تین بالغ اور ایک نابالغ تھی یعنی خالد کی ہمیشہ تحقیقی اور دوز و جبہ تھیں زید نے اپنے مرنے سے پانچ چھ دن پہلے تمام قرض خواہوں کو بلا کے جس قدر قرضہ تھا لکھو یا کل قرضہ پانچ سو روپیہ کا نکلا متوفی نے اپنی حیات میں قرضے کی فہرست لکھوانے کے بعد دوسواٹھارہ روپے ادا کیے اور باقی کے نسبت اپنے بڑے بیٹے عمر و سے چند آدمیوں کے سامنے کہا کہ میرے تجزیہ و تفہیم کے بعد پہلے میرا قرض ادا کرنا پھر دوسرے کام کرنا اور اس بارے میں عمر و کو حیدر تاکید کی اور کہا کہ ایک ہزار روپیہ میری قبر پر لگانا اور کہا کہ میں نے ہر ایک وارث کا حصہ ادا کر کے راضی کیا ہے حفاظت مال مثلاً سندہ سے کہا جو ورثہ میں نہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ عمر و کو دیدینا کہ اُسکا حصہ ہے اور پانچ سو روپیہ جو عمر کی بڑی بہن کے زیور کے لیے اور تین سو روپیہ جو کچھ میرے اور دوسرے اخراجات شادی کے لیے رکھا ہے وہ بھی دیدینا عمر و سے کہا کہ تم اپنے پاس سے سو روپیہ دختر ہندہ حفاظت مال کو دیدینا اور تعداد چھائی تالیف کس نے اُسکی پرورش کرنا اور اپنی دونوں اولاد کو وراثتی وراثتی فہرست گزاری میں

سعادت دارین سمجھنا الاراضی اور مکانات مسکونہ کے نسبت اور جو کسی وارث کے پاس زیور کچھ گھڑیاں
یا دوسری چیزیں تھیں ان کے متعلق کچھ نہیں کہا مگر زید نے اپنی زندگی میں حویلی کلان بختہ الگ الگ وارثوں
کو دے رکھی تھی چنانچہ خالد اور اسکی ماں کو جانب شرقی قدرے کم جو سب اطراف سے بڑی تھی دی گئی
تھی اور عمرو اور والدہ عمرو کے پاس دوسرے مکانات اور اوس حویلی کے باقی تینوں جانب تھے اور
عمرو کی دوسری ماں کو اسکی بسر اوقات کے بقدر چھوٹا سا مکان دیا تھا اور باقی جانب عمرو کے پاس
تھے اور کچھ مکان میں وہ محافظ مال رہتی تھی جہاں توشہ خانہ تھا جب محافظ بیت اللہ کو چلی گئی تو وہ
مکان قبضہ عمرو میں آگئے اور زید نے مرنے سے دو تین گھڑیاں پہلے عمرو کو حکم دیا کہ دروازوں میں قفل
لگا دو گویا اس سے یہ مراد تھی کہ جس مکان میں زید ہو وہ اور دوسرے مکان جو فارغ ہیں ان میں عمرو
کا قبضہ متحقق ہو جائے کہ کل کوئی دوسرا شخص ان مکانات کا دعویٰ نہ کرے اور دوسری مراد یہ بھی تھی
کہ جب توشہ خانہ منقل ہو جائے گا تو غبن کا مال باہر نہ جاسکے گا عمر اگر چہ اٹھا اور سب جگہ اُس نے
قفل لگائے مگر جس میں زید باریا تھا اور وہی توشہ خانہ تھا اُس میں اس لیے قفل نہ لگایا کہ لوگ طعن
کرین گے کہ باپ کا تو دم کل رہا تھا اور صاحبزادے کو جائیداد کی فکر تھی ہر جگہ قفل لگاتے پھرتے تھے
عمر و اسی خیال میں تھا کہ زید کا انتقال ہو گیا عمرو زید کی تجیز و تکفین میں مشغول ہو گیا محافظ کو موقع مل گیا
اُس دن تمام مال وہاں سے منقل کر کے ایسی ایسی جگہوں میں رکھ دیا جہاں عمرو کا زور نہ چل سکتا تھا زید کے
انتقال کے چند دن کے بعد ایک دن عمرو نے محافظ سے کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ مال ہوئے آؤ کیونکہ مجھے
ضرورت ہو ہندہ نے کہا کہ میرے پاس تو وہی آٹھ سو روپے ہیں اور کچھ نہیں ہی عمر و تیر ہو گیا اور کس
اچھا وہی لے آؤ کہ مصارف میں صرف کیا جائے پھر ادا کیا جائیگا جب ہندہ لائی تو عمرو نے وصیت کے
موافق ایک سو روپیہ اور پچاس اپنی طرف سے زیادہ کر کے ہندہ کو دیے کہ شاید اس زائد رقم
ملنے کی خوشی میں یہ باقی سو روپیہ بھی دیدے ہندہ نے ڈیڑھ سو روپے پر قبضہ کر کے کہا کہ زید نے دو سو
روپے کو کہا تھا مجبوراً وہی لحاظ کر کے عمر و کی پچاس روپے اور دیگر دو سو پورے کر دیے اور چھ سو روپے اپنی مصارف
میں صرفیے اور اس امر پر خوش گواہ کر لیے غرض محافظ نے سو اچند برتنوں کے جن کی قیمت میں سو روپیہ
یا کچھ کم زیادہ ہوگی اور عمرو کو کچھ نہ دیا اور خود بیت اللہ چلی گئی اور وہیں مری اور عمرو نے اپنے باپ
زید کی وصیت کے موافق اس کا قرضہ اور وہ قرضہ بھی جو زید کے انتقال کے بعد زید پر متحقق ہوا تھا

ادا کیا اسکے بعد بالغ و رشتا سے اور نابالغ و رشتا کی والدہ سے کہا کہ تم سب اپنا اپنا حصہ پا چکے ہو اب
 اُس جائیداد کو بھی تقسیم کر لو جسے زید نے تقسیم نہیں کیا تھا اور حصہ کے موافق قرضہ دو یا قرضہ
 کے ذمہ دار ہو جاؤ تو سب نے کہا کہ نہ ہم حصہ لین گے اور نہ قرضہ دین گے پھر مرد نے کہا
 کہ کل کو اگر میں غریب ہو گیا اور تم مالدار ہو گئے تو اُس وقت یہ نہ ہو سکے گا کہ تم قرضہ ادا کرنے پر
 مستعد ہو کر حصہ کے خواستگار ہو کسی نے عمر کو کچھ جواب نہیں دیا پھر عمرو نے زید کی وصیت
 کے موافق خانقاہ کی تعمیر شروع کرائی چنانچہ اس وقت تک کہ ثلث نام تمام ہو چکے تھے ہزار روپے
 کے قریب صرف ہو چکا ہی چونکہ زید نے اپنے مرنے سے پانچ چھ سال پہلے عمر کو طہقہ علیہ صوفیہ کا حجاز
 کیا تھا اور عمر و فارغ التحصیل بھی تھا پس زید کے خلفا اور مریدین نے زید کے چلم کے بعد عمر کو اسکی جگہ
 پر بٹھایا اور ہر ایک نے بطور قبول خلافت عمرو سے بیعت کی اور دو ہزار پانچ سو روپہ دستار بندی کا
 ہوا جو چلم کے اخراجات میں صرف ہوا اور اتفاق سے عیسیٰ کلان بختہ کا پورا اثرتی حصہ اور کچھ چھوٹی
 اور شمالی حصہ بھی مل گیا عمر و نے چاہا کہ اُسے بنوادے تو خالد کی مان اور خالد کے مانہالی اعزہ مانع
 ہوئے کہ تم ہمارے حصہ کی طرف نہ بنو اؤ کیونکہ ہم اس قدر کثیر روپیہ ادا نہیں کر سکتے آج تم بتا دو اور
 کل جیسے اُس رقم کا مطالبہ کرو جو اس میں صرف ہوا ہی تو ہم کہاں سے ادا کریں گے تم فقط اپنا حصہ
 بنو اؤ تو عمرو نے بلحاظ بے پردگی و ذیر خیال وصیت زید پر جواب دیا کہ بالفعل بجانے وقتا کہ بدو ہو جا
 پھر دیکھا جائیگا بڑی دشواری اور رد و قح کے بعد خالد کی مان نے اپنے حصہ کے تعمیر کر دینے کی عمر کو
 اجازت دی تو عمرو نے کچھ اپنے تعویذ گنڈہ کی آمدنی اور کچھ قرض اور کچھ مریدین سے لیکر اُس کو بنوایا
 جب ایک چھت پٹنا باقی تھی تو بارش کی وجہ سے پھر پوری عمارت گر گئی پھر دوبارہ ویسی ہی آمدنی
 سے وہ عمارت تیار ہوئی اور عمرو نے وصیت زید کے موافق اپنے چھوٹے بھائی خالد کی وصیت شروع کی
 اور اُسکو اچھی طرح پڑھایا لکھایا اس وقت خالد کی عمر تیس سال کی ہو سی طرح عمر و نے اور سب ورثہ کا
 بھی کما حقہ بحال کیا اور ہر ایک کا کفیل رہا اور زید کے وقت سے رہنے والے درویشوں کو جو ڈیڑھ سو
 قریب ہیں اور جدید درویشوں اور مسافروں کو آج تک کھانا کپڑا دیتا رہا اور خالد اور اسکی حقیقی بہن
 کی شادیان بھی کر دیں علاوہ اور اخراجات کے فقط غلہ کا بیج تین من بختہ کلہ و زانہ ہو اور راضیات جو
 زید کے وقت کی ہیں وہ اٹھارہ گاؤں مع ناقص و کامل فرمودہ ہو گیا اسکی آمدنی علاوہ خرچ مردان

کارندگان زراعت و معاملہ سرکار اگر حساب کی جائے اور بہت بڑھکر تخمینہ لگایا جائے تو تین ماہ خرچ غلہ کا بھی نہیں نکال سکتے مگر عمر و نہی کے حساب و وصیت زید آمدنی روزمرہ توینڈ گنڈہ اور دیگر اشخاص مریدین سے ہر ایک وارث کے خرچ کا اور درویشان اور مسافران کا خبر گیران رہا اور آج تک جو کچھ کسی وارث کی مرید یا دیگر اشخاص نے خدمت کی اُس نے اپنے مصارف میں صرف کی اور جو کچھ عمر و کی آمدنی توینڈ گنڈہ یا دیگر اشخاص یا مریدین سے ہوتی تھی اُس نے مصارف مذکورہ بالا اور حوائج خانگی میں صرف کی اور آج تک کسی وارث کو متعلق سوائے پڑھنے اور ذکر اذکار کے زراعت یا تجارت یا دیگر کاروبار دنیویہ بجز پڑھنے اور بیٹھے کے کسی طرح کا کوئی کام نہیں ہے اور عمر و نے اپنی آمدنی مذکورہ سے آراضیات خرید کیے ہیں بعض جگہ غیر مریدین بلکہ غیر ملت اور بعض جگہ مریدین سے اور بعض جگہ اپنے گھر والوں کے زیور فروخت کر کے خرید کی ہیں اور بعض برادری اور غیر مریدین سے رہن کر لئے ہیں اور بعض جگہ مریدوں نے اور بعض جگہ غیر مریدین نے آراضیات سہہ کیے ہیں اور بعض جگہ جو زید کو لوگوں نے سہہ کی الا بسبب عدم قبضہ یا کاغذات سہہ مکمل نہیں ہوئی بعد انتقال زید عمر و نے اون کے کاغذات کو مکمل کیا اور قبضہ کیا اور علی ہذا مثل اسپان و زکاوان و گاؤں و میدان و شتران و خزان و بار چھاسے پشینہ وغیرہ و برتن وغیرہ اشیاء عمر و کو سہہ یا شترے مرید یا غیر سے پیدا ہوئے ہیں اور بہت سی کتابیں عمر و اور زید کی خریدی ہوئی ہیں اور فراخمانہ اور ایک باغ اور ایک حمام ہوا اور ایک طرف حویلی کا ان پختہ و دوبارہ تیار شدہ کو عمر و نے ایک حویلی خرد مکان مشترکہ میں تیار کی ہے اور بہت جگہ مکانات پختہ و خام زمین مشترکہ میں تیار کیے ہیں اور باغ اور دوسری درخت پھل دار اور بے پھل والے زمین مشترکہ میں بہت جگہ لگائے ہیں اور کنوین بنوائے ہیں اور سرکار کی طرف سے جو معافیان زید کے وقت میں تھیں اور زید کے انتقال کے بعد اسوجہ سے ضبط ہو گئی تھیں کہ ان معافیوں میں جین حیات کی قید تھی وہ تمام معافیان اب پھر زید کے نام داگزار ہوئی ہیں بلکہ اُس کے علاوہ بھی بعض جدید معافیان عمر و ہی کے نام ہوئی ہیں الا کل معافیان جو مکان اور متوفی کے سجادہ نشین کے متعلق ہیں عبارات کاغذات معافیات سے مفہوم ہوتے ہیں چنانچہ معافیوں کے کاغذات کی عبارت ہو (تا تعمیر خانقاہ و آبادی مکان و نیک چلنی معافی دار نامرضی سرکار اور بعض تا دوام زمین) اور ایک حویلی خام زید نے مسافروں اور درویشوں کے لیے تیار کی تھی جو آج تک انھیں کے واسطے ہوا اور دیگر اور برتن جو مسافر خانہ میں ہیں وہ اسی جگہ کام دیتے ہیں انکو سال خالد نے

تقسیم ارضیات اور مکانات وغیرہ اشیاء کی عدالت میں عرضی کی ہو اور فریقین کو فیصلہ شرعی منظور ہے
لہذا عدالت ان امور کی علمائے شریعت سے تنقیح طلب کرتی ہو۔ مباح آراضیات اور پارچے اور
مویشیات وغیرہ اشیاء عمر و کوثر عاہبہ یا برہن مریدین یا غیر سے حاصل ہوئے ہیں اور ان میں باقی ورثہ
شریک ہیں یا نہیں ملا حویلی کلان بختہ دوبارہ تعمیر شدہ جسطرح زید نے ہر ایک وارث کو دے رکھی
تھی چنانچہ والدہ خالدہ نے کہا تھا کہ ہمارے حصے کی طرف تعمیر نہ کراد اسی طرح رہے یا دوسری طرح تقسیم
ہونا چاہیے ۳۳ حویلی خرمصل حویلی کلان اور دیگر مکانات تیار کردہ عمر و زمین مشترکہ میں کیونکر تقسیم
کیے جائیں ۳۴ آمدنی خدمت مریدین اولاد پیر کو اور آمدنی تنوید گنڈہ یا دیگر اشخاص جس کی خدمت کر رہے ہیں
ہوتی ہو یا دوسری اولاد بھی اُس میں شریک ہو مد خدمت مریدین اولاد پیر کو اور آمدنی تنوید گنڈہ
اور دیگر اشخاص جو سجادہ نشین کی خدمت کرتے ہیں شرعاً حکماً کیا حکم ہو ۳۵ جو کچھ جائداد مثل زیور اور
پارچہ اور برتن مسی اور مال مویشی جس وارث کے پاس با قبضہ زید کے وقت سے ہو لیکن بہتہ قطعی کی
اطلاع نہیں ہو اسیکی ہو یا وہ بھی تقسیم ہونا چاہیے ۳۶ کتب اور فرش اور حمام اور باغ تقسیم ہونا چاہیے
یا نہیں ۳۷ جو باغ اور بھل دار با بے پھل کے درخت عمر و نے زمین مشترکہ میں لگائے ہیں اور جو کنہ میں
زمین مشترکہ میں بنوائے ہیں وہ کیونکر تقسیم کیے جائیں ۳۸ معافیان جو نہ جانب سرکار فقر کے مصارف کیلئے
ہیں وہ مکان کے متعلق رہیں یا تقسیم کی جائیں ملا جو زمین زید کو بطور بہن غیر مکملہ بسبب عدم قبضہ یا کاغذ
ملی ہو اور تکمیل کاغذات اور قبضہ عمر و نے کیا وہ تقسیم ہوگی یا نہیں ملا حویلی خام جو زید نے درویشوں اور
مسافروں کے لئے بنائی تھی تقسیم ہوگی یا نہیں ۳۹ ادیان خانہ مسافروں کے برتن تقسیم کیے جائیں گے
یا نہیں ۴۰ جو چیز عمر و کی اولاد کو ہبہ ہوئی ہو یا انھوں نے خریدی ہو اُس سے عمر و کو یا دیگر ورثہ زید کو
ان کی حیات میں تعلق ہو یا نہیں ۴۱ حسب اقرار ورثہ وقت پہلے کہ نہ ہم حصہ لیں گے اور نہ قرضہ دیں گے
وہ اُس جائداد سے لادعویٰ ہیں یا نہیں اگر جائداد کے مستحق ہیں تو مبلغ ادا کردہ عمر و بابت قرضہ اُن کو
دینا چاہئے یا نہیں اور عمر و کا قول کہ اگر میں کل غریب ہو گیا اور تم مالدار ہو گئے تو پھر یہ ہوگا کہ تم قرضہ کار و پریرہ
اور حصہ کے خواستگار ہو اُنکے عدم استحقاق میں موثر ہو یا نہیں جواب (۱) ورثہ زید ترکہ زید سے حصہ
پاسکتے ہیں اور ترکہ اُس مال کو کہتے ہیں جو میت اپنے موت کے وقت چھوڑے حواشی فرائض شریف میں
ہو الملوک مالک الملوک من مملوک شرعاً کلاً داضلی لمقبوضۃ والذهب والفضۃ وغیرہ اس مملوک مالک تعلق

بہ حقوق الورثتہ ترکہ اُسے کتے ہیں جسے میت چھوڑے اور جو شرعاً اُسکی ملک ہو مثلاً اراضی مقبوضہ اور سونا اور چاندی وغیرہ جو اُسکی ملک ہوں اور جن سے ورثا کے حقوق کا تعلق ہو۔ اور اشباہ و نظائر میں ہو المیت کایملاک بال موت میت موت کے بعد کسی چیز کی مالک نہیں رہتی پس جو چیزیں خاص عمر و کی ملک میں آئی ہیں اُس میں ورثاے زید کا حق نہیں ہو (۲) حویلی کلان کو چونکہ زید نے اپنی حیات میں تقسیم کر کے ہر ایک کا قبضہ کر دیا تھا اور یہہ مع القبض جو موجب ملک مویہوب ہی ہو گیا تھا پس وہ ترکہ زید میں نہیں رہی اُسکی جدید تقسیم نہوگی بلکہ وہی تقسیم سابق بحال رہے گی (۳) زمین مشترکہ میں بے اجازت شرکاء اگر تعمیر کی جائے تو تعمیر اُسکی ہوگی جس نے تعمیر کرائی ہے اور زمین مشترک رہے گی تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہو سئل فیما اذا بنی نرید قصر ارمالہ فی دار مشترکہ بینہ و بین اخوتہ بدون اذنہم فهل یكون البناء ملکا لہ الجواب نعم سوال زید نے اپنے مشترک گھر میں اپنے مال سے بلا اجازت شرکاء ایک کمرہ بنالیا تو وہ کمرہ اُس کی ملک ہوگا یا نہیں جواب ہاں وہ کمرہ اُس کی ملک ہوگا۔ اور اسی کتاب میں ہے سئل فی دار مشترکہ بین نرید و عمر و وطنہما نرید و رسمہا یلا اذن من شرکیکہ ولا وجه شرعی ویرید الرجوع علی عمر و فهل لیس لہ ذلک الجواب نعم دار مشترکہ للذہب فبنی احدہما بغیر اذن شرکیکہ فانہ لا یرجع علی شرکیکہ بشئ کذا فی العادیۃ و مثله فی جامع الفصولین اقول ان عمرہا قبل الاستیذان وان اقلع من عمارتہا مع فلا ینالک شئنا ما بنی سوال زید اور عمر و کا ایک مشترک گھر تھا زید نے اُسپر استرکاری کرائی اور اُس میں کچھ ترمیم کی بلا اجازت شرکاء اور بلا وجہ شرعی تو اُسے حق رجوع ہو یا نہیں جواب نہیں مشترک گھر میں اگر ایک شخص بلا اجازت شرکاء کچھ بنائے تو اُسکو حق رجوع نہیں رہتا جیسا کہ عادیہ میں ہو اور اسی کے مثل جامع الفصولین میں ہو میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں ہو جب اجازت لینے کے پہلے بنالیا ہو اور اگر اجازت کے باوجود پھر بھی عمارت نہ بنائی تو جیسا کہ بنا ہوا ہو اُسکے خلاف نہ کرے یعنی تعمیر نہ کرے (۴ و ۵) خدمت مریدین اولاد پیر کو اور ایسے ہی خدمت اور اشخاص کی سببہ نشین کو اور آمدنی تعویذ گندہ وغیرہ حکم یہہ واجبت میں ہے پس خدمت کرنے والا جسکو دیگا وہ مویہوب اُسی کی ہوگی دوسرے شخص کا اُس میں کچھ حق نہیں یہہ کا حکم ہی ہو اور ایسی ہی اجرت وغیرہ کا فتاویٰ عالمگیری میں ہو و اما حکمہا فقبول الملک للمویہوب لہ یہہ کا حکم یہہ کہ مویہوب لہ کے لیے ملک

ثابت ہو جاتی ہو (۶) زید نے جو چیز کسی کو ہبہ کر کے اُس کا قبضہ کر دیا وہ اُسی کی ہوگی ترکہ زید سے خارج رہے گی اور اُس کے سوا چیزیں تقسیم میں داخل ہوگی (۷) ان سب چیزوں کی تقسیم ہوگی کیونکہ یہ ترکہ میں داخل ہیں (۸) زمین مشترک کی قسمت باعتبار قیمت کے ہوگی اور اشجار وغیرہ عمر کے ہونگے اگر اُس نے اپنے خالص مال سے لگائے ہیں (۹) جبکہ زید کے مرنے کے بعد وہ معافیا ضبط ہوگئی تھیں اور اب پھر عمر کو دی گئیں اُن میں اور ایسے ہی اُن معافیوں میں جو ابتداءً عمر کو ملی ہیں تقسیم نہ جاری ہوگی کیونکہ عطاے سرکاری کا مالک وہی شخص ہے جسکو عطا ہوئی ہو ردالمحتار حاشیہ در مختار کے بحث مصارف بیت المال میں ہے یا بجوی علی الذراری عطاء مستقل خاص بالذرائع لا عطاء المیت بطریق الارث بین جمیع الورقة میت کی ولاد کے نام جو عطیہ جاری ہو وہ مستقل عطیہ ہو اُخیر کے ساتھ مخصوص ہو میت کا عطیہ نہیں ہو جو کہ ترکہ میں تمام ورثہ کو ملے اور سائر احکام الاراضی میں ہو فی النوازل لعبوة لمن اعطاه الامام بتخصه فقط نوازل میں ہو کہ خود اُسی شخص کا اعتبار ہو جسے امام دے۔ اور اسی کتاب میں ہو رجل له عطاء فی الدیوان مات عن ابنین فاصطلحا علی ان یکتب فی الدیوان باسم احدهما ویاخذ العطاء هو والاخر لا شئ له من العطاء ویبدل من کان له العطاء ما لا معلوما فالصلح باطل ویرد بدل الصلح والعطاء للذی جعل الامام العطاء له لان استحقاق العطاء باثبات الامام لا دخل فیہ لوصاء الغیر وجعلہ کذا فی البرازیة ایک شخص کو دفتر سے کچھ عطیہ ملتا ہو جب وہ مرا تو اُس کے دو بیٹوں نے اس امر پر مصاحت کر لی کہ دفتر میں ایک کا نام لکھ لیا جائے اور وہی عطیہ لے اور دوسرے کو کچھ نہ ملے لیکن وہ ایک مقدار معین صرف کرے تو یہ صلح باطل ہو اور اس کے معاوضہ میں جو مال دیا گیا ہو وہ واپس دلایا جائے گا اور عطیہ اُسی کو ملے گا جسے امام نامزد کر دے کیونکہ عطیہ کا استحقاق امام کی رائے پر ہو اس میں دوسرے کی رضامندی سے کچھ سروکار نہیں یہ برائے میں ہو اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے العطاء لصاحب الاسم عطیہ اُسی کے لیے ہو جس کے نام ہو (۱۰) جو زمین زید کو اُسکی زندگی میں کسی نے ہبہ کی تھی مگر قبضہ نہیں ہوا تھا وہ زید کی ملک میں نہیں آئی کیونکہ ہبہ بغیر قبضہ کے مفید ملک نہیں ہوتی ہو پس وہ ترکہ سے خارج رہے گی (۱۱ و ۱۲) جو چیز ان میں سے زید نے بطور وقف کے قائم رکھی ہو اُس میں تقسیم نہ جاری ہوگی تنویر الابصار میں ہو فاذا قدم لزوم ملک ولا ملک ولا یمن ولا یحجب وقف تمام اور لازم ہو جائے تو وہ شخص اُس کا مالک

نہیں رہتا اور نہ دوسرے کو اسکا مالک بنا سکتا ہو اور نہ بہن کر سکتا ہو اور نہ مانگے دے سکتا ہے
 (۱۳) ایسی چیزوں میں عمر کو اور رسولؐ کے نزدیک کے اور وارثوں کو کچھ تعلق نہیں ہو وہ چیزیں
 انھیں کی بہن جنگی ملک میں بذریعہ کسی سبب کے اسباب ملک میں سے داخل ہوئی بہن (۱۴)
 ورثا کا وہ اقرار انکے حق کا مبطل نہ ہوگا اور انکو حصص کا دعویٰ پہنچ سکتا ہو مگر جب حصہ لینے کے
 تو اپنے حصہ کے موافق انکو زید کا قرضہ بھی ادا کرنا پڑے گا اور عمرو نے جو قرضہ ادا کیا ہو وہ اونپر بقدر
 انکے حصص کے عود کرے گا فصول عمادیہ میں ہے فی واقعات الناطفی الوصی والمورثۃ اذا نقدوا
 فمن کفن المیت من مال نفسه یرجعون بہ فی الترتک ولا یكونون متطوعین وکذا اذا قضی الوصی
 والوارث دین المیت من مالہما واقعات ناطفی میں ہو اگر وصی یا وارث نے میت کے کفن کے دام
 اپنے پاس سے دیدیے تو ترکہ میں سے انکو وہ دام لینا چاہیے انھیں حق تطوع نہیں ہو اسی طرح جب وصی
 یا وارث اپنے مال سے میت کا قرض ادا کرے۔ اور بھی اسی میں ہو الوارث اذا قال توکت حتی لا یبطل
 حقہ لان المملک لا یبطل بالتزک اگر وارث نے یہ کہا کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا تو اسکا حق باطل ہوگا
 کیونکہ چھوڑ دینے سے ملک جاتی نہیں رہتی ہے۔ اور تنقیح فتاویٰ حامدیہ کے کتاب الدعویٰ میں ہے
 الارث جبری لا یسقط بکلا سقاط وقد افتی بہ العلامة خیر المرملی مکاھو عورفی فتاوا لا من الاقرار بقلا
 عن جامع الفصولین فی ارث جبری ہو اسقاط سے ساقط نہیں ہوتی علامہ خیر المرملی نے اسپر فتویٰ دیا ہو جیسا کہ
 یہ انکے فتاویٰ میں جامع فصولین سے منقول ہو سوال عصبہ بنفسہ اور عصبہ بالغیر میں کسکو ترجیح ہے
 امثال ام بنت اخت ابن الاخ زوجہ ام بنت اخت ابن الاخ ترجیح ام بنت اخت ابن الاخ
 جواب ان صورتوں میں عصبہ بالغیر قرب کی وجہ سے مقدم ہو اور عصبہ بنفسہ محبوب ہو فتاویٰ
 عالمگیری میں ہو العصبۃ مع غیرہا اذا کانت اقرب الی المیت من العصبۃ بنفسہا کانت العصبۃ مع غیرہا
 اولیٰ بیانہ اذا هلك الرجل وترك بنتا و اختا لاب و ام وابن اخ لاب ف نصف المیراث للبنت والنصف
 للاخت ولا شئ لابن الاخ لان الاخت صارت عصبۃ مع البنت وهی ادنی الی المیت من ابن الاخ
 وکذا لک مکان ابن الاخ اخا لاب لائشہ للاخ کذا فی المحيط عصبہ مع غیرہ واجب میت کے عصبہ بنفسہ سے
 زید قریب ہو تو عصبہ مع غیرہ اولیٰ ہو مثلاً ایک شخص مرا اور اس نے ایک لڑکی ایک حقیقی بہن اور ایک
 سوتیلے بھائی کا لڑکا چھوڑا تو نصف میراث لڑکی کی ہو اور نصف بہن کی اور بقیہ کا کچھ نہیں ہے کیونکہ

ہمن لڑکی کے ساتھ عصبہ ہو گئی اور یہ میت سے بہ نسبت بھتیجے کے زائد قریب ہو اسی طرح جب بھتیجے کی جگہ پر سوسلا بھائی ہو تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا یہ محیط میں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ اجملی والخصی [ابو الحسنات] اصحاب الحبیب حررہ اعباد اللہ محمد فضل مدغنی عنہ سوال زید مر گیا اور اُس نے ایک نواسا اور ایک نواسی اور ایک بھتیجا اور ایک پوتا اور دو پوتیاں چھوڑیں تو ترکہ کیونکر تقسیم ہوگا جواب بعد تقدیم بالقدم علی الارث ورفع موافقہ ترکہ کے چار حصے ہو گئے دو پوتے کو اور ایک ایک ہر پوتی کو لیگا اور باقی سب محروم ہیں سوال ختنہ جسکے مرد اور عورت ہونے کی دونوں علامتیں موجود تھیں علامت مردی کی وجہ سے اُس نے عورت کے ساتھ نکاح کیا اور علامت انوثیت کی وجہ سے اُس نے مرد کے ساتھ نکاح کیا اُسکے دو لڑکے ہوئے ایک مرد سے دوسرا عورت سے اُسکے مرنے کے بعد ایک لڑکا کتا ہو کہ میت میرا باپ تھا اور دوسرا لڑکا کتا ہے کہ میت میری ماں تھی پس اُس ختنہ کا ترکہ کیونکر تقسیم ہوگا اور شرعاً ایسا واقعہ ممکن ہے یا نہیں جواب ممکن ہو عبد النبی احمد زکری حواشی فرائض شریفیہ میں لکھتے ہیں انی سمعت من یوثق بہ ان النصیر لیس کان لہ فرجان ففرج الرجل و فرج المرأة وکان متلذذا بلذتین و تعشق علی رجل جسیم قوی طویل اللحمۃ کثیر الجماع نکان مشغوفاً و معظوظاً لیل و نهاراً ینیکہ و کانت لہ امرأۃ قد ینیک بہا میں نے قابل و ذوق کو گوشت سنا ہو کہ محقق طوسی کے دو لڑکے ایک مرد کا اور دوسرا عورت کا اور وہ دونوں طرح کی لذتیں اٹھاتا تھا اور ایک مرد پر عاشق تھا جسکے بڑی سی ڈارھی تھی اور جو بہت تن و قوش والا تھا اور بہت جماع کرتا تھا محقق طوسی کو اُس سے بہت محبت تھی اور دن رات اُس سے لطف اٹھاتا تھا اور اُسکی ایک بی بی بھی تھی جس سے وہ جماع کرتا تھا۔ اور سید احمد حموی حواشی اشباہ و نظائر میں لکھتے ہیں من غرائب المسائل المتعلقة بالحنثی المشکل ما ذکرہ فی الفصول المهمۃ فی مناقب کایمۃ و ذاک ان علیاً کرم اللہ وجہہ وقت لہ واقعۃ خارجۃ و قۃ فیہا وھ ان رجلاً تزوج بختی لھا فرج کفرج النساء و فرج کفرج الرجال و اصدقھا جاریۃ کانت لہ و دخل بالحنثی و اصابتھا فحملت و جاءت بولد ثمان الحنثی و طیت الجاریۃ فحملت منہ لولد و اشتهرت و رفع امرھ الی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فسأل عن الحنثی فاجابھا بخیض و تطا و تطا و تحنن من الجانین و قد جلت و اعلنت فصار الناس متحیرین لافہام فی جوابھا و کیف الطریق الی حکم قضائھا و فصل خطاھا فاستدعی علی احد غلامیہ یرقا و مقبر و امرھا ان ینذہبا

تہا پیدا کیا تو چاہا کہ انہرا احسان کرے لہذا انکے پہلو سے اُنکا ایک جوڑا بنایا تاکہ ہر ایک اپنے ساتھی کا دل بہلائے پس حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام سو گئے اللہ تعالیٰ نے اُنکے بائیں جانب کی سب سے چھوٹی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو بہترین صورت پر پیدا کیا اسی لیے مرد کے بائیں جانب ایک پسلی کم ہو گئی اور عورت کے دونوں جانب پوری پسلیاں رہیں اور پوری پسلیاں چوبیس ہیں یہ عورت کے ہوتی ہیں اور مرد کے تیس پسلیاں ہوتی ہیں بارہ واسنے جانب اور گیارہ بائیں جانب۔ یس صورت مسئلہ میں اگر کسی طرح یہ معلوم نہیں ہو کہ یہ خنثی مرد ہو یا عورت تو اُسکا ترکہ و دونوں لڑکوں کو برابر لیکھا سوال دانشمند خان اور فتح اللہ خان اور فصاحت خان اور مسماۃ عظیمین چاروں حقیقی بھائی ہیں تھان سب نے اپنے باپ سے ورثہ جائیداد مشترکہ پائی تھی پہلے دانشمند خان نے اپنے ایک لڑکے نبی داد خان کو چھوڑ کر انتقال کیا پھر فتح اللہ خان نے ایک لڑکی مسماۃ بنو کو چھوڑ کر انتقال کیا پھر فصاحت خان نے اپنے بیٹے احمد اللہ خان کو چھوڑ کر انتقال کیا پھر مسماۃ عظیمین اپنی تین لڑکیاں چھوڑ کر مری اب احمد اللہ خان ولد فصاحت خان نے وفات پائی اس نے اپنی ایک بی بی اور دو لڑکیوں کو جنکا نام شہزادی اور نوازی ہو چھوڑا۔ احمد اللہ خان کی بی بی نے مشترکہ کو کوئی جائیداد دست تصرف دراز کیا ہو پس اس صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ ریاست موروثی میں سے کس کو شہر کا سقدار ملنا چاہیے۔ جواب بد تقدیم یا تقدم علی الارث ورفع موانعہ جائیداد پداری سے دو دو حصے دانشمند خان اور فتح اللہ خان اور فصاحت خان کو اور ایک حصہ عظیمین کو ملے گا اور دانشمند خان کا حصہ اُس کے لڑکے نبی داد خان کو ملے گا۔ اور فتح اللہ خان کو حصہ میں سے آدھا اُسکی لڑکی بنو کو ملے گا اور باقی میں سے دو حصہ فصاحت خان کو اور ایک عظیمین کو ملے گا اور فصاحت خان کا حصہ اُس کے بیٹے احمد اللہ خان کو ملے گا اور عظیمین کے حصہ میں سے دوثلث اُسکی تینوں لڑکیوں پر برابر برابر تقسیم ہوگا اور باقی میں برابر برابر نبی داد خان اور احمد اللہ خان بائیں گے اور احمد اللہ خان کے حصہ میں سے ثمن اُسکی زوجہ کو اور دوثلث شہزادی اور نوازی کو اور باقی نبی داد خان کو ملے گا واللہ اعلم حررہ ابو الایمان محمد نعیم غفرلہ العلی الرب احکم احواب صحیح واللہ اعلم حررہ الراجی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدکے تاج وزائد عن ذنبہ اسکی داغی

کتاب البیۃ والخلافۃ

سوال جب شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا تو شاہ محمد عاشق رحمہ اللہ جو ان کے بھائی اور خلیفہ خلفا کے تھے باتفاق قوم سجادہ نشین ہوئے پھر جب شاہ محمد عاشق رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا تو جمیع خاندان کے اتفاق سے شاہ محمد اسماعیل صاحب سجادہ نشین ہوئے جو شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے خلیفہ اور شاہ کلیم الدین کے نواسے ہیں جو شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے جد اعلیٰ کے پوتے ہیں اور شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کی بیٹی سماءہ خدیجہ بی بی بھی ان کو بیابھی ہیں اور شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ نے اُن کو خرقہ خلافت بھی دیا ہے اور اُس وقت سے اب تک کہ چھ برس سے زیادہ زمانہ گزر گیا کسی نے کسی قسم کا اعتراض بھی نہیں کیا اور تعلیم و ارشاد کا سلسلہ ان سے بہت اچھی طرح اب تک جاری ہے اور تمام عوام و خواص خصوصاً امرا اور روسائے مقتدر اور ان کے چال چلن وضع عادت سے بہت خوش ہیں اب شاہ محمد محسن صاحب جو شاہ غلام چشتی صاحب کے بیٹے ہیں اور یہ شاہ غلام چشتی شاہ غلام اعلم جہا علی شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے پوتے ہیں ان کے مدعی ہیں کہ شاہ محمد اسماعیل صاحب شاہ غلام اعلم کے دختر بی اولاد ہیں اور میں پسری اولاد ہوں اس لیے شاہ محمد اسماعیل صاحب مسند سجادہ نشینی سے ہٹا دیے جائیں اور میں اُن کی جگہ پر بٹھایا جاؤں تو آیا اُن کا یہ دعوے شاہ محمد اسماعیل صاحب کے مقابلہ میں جو امام اور خلیفہ شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے ہیں اور ان سے خرقہ بھی پانچے ہیں صحیح ہے یا نہیں اور شرعاً ان کو سجادہ نشینی میں کسی قسم کی ترجیح حاصل ہے یا نہیں۔ جواب جاتا چاہیے کہ خلافت اور سجادہ نشینی کے مسائل اور باب تصوف کے نزدیک خلافت کبرے کے مسائل سے مستنبط ہیں اور خلافت کبرے کے باب میں علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ امر مورث نہیں ہے بلکہ منوط وجود قابلیت و استیلاء شرائط خلافت پر ہے اور خلافت کا تحقق کئی طریقوں سے ہوتا ہے (۱) خود امام سابق اُس کو خلیفہ کر دے (۲) وہ امام خلافت کو چند لوگوں کے مشورہ پر محمول کرے اور اگر باب مشورہ کسی مستحق کو خلیفہ بناوین (۳) امام سابق کی وفات کے بعد علما اور روسا کسی کو خلیفہ کر دیں۔ اور اگر یہ تینوں صورتیں نہ ہوں اور ایک شخص بشرطیکہ خلافت کی قابلیت رکھتا ہو بطور خود قہراً و استیلاء خلیفہ بن جائے اور لوگ اُس کے مطیع اور متقاد ہو جائیں تو اس صورت میں بھی خلافت منقذہ جلیبی اور کتب کلام میں

یہ بھی مذکور ہے کہ تحقق خلافت کے بعد کسی خلیفہ کا معزول کرنا جائز نہیں ہے مگر جبکہ اُس سے امور خلافت کا انصرام ہو سکے۔ مولانا سعد الدین قنصازی رحمہ اللہ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں وینقذ الامامة بطرق احدها ببيعة اهل الحل والعقد من العلماء والروساء والثانی استخلاف الامام وعہدہ و جعلہ الامر شورى بمنزلة الاستخلاف الا ان المستخلف غير متعين فيتشاورون ويتفقون على احدثهم والثالث القہم والاستیلاء فاذا مات الامام وقصدى للامامة من يستجمع شرائطها من غير بيعة واستخلاف وقہم الناس بشركته انعقاد الخلافة له ولا يجوز خلع الامام بلا سبب ولو خلعه لم ینفذ فان عزل فان كان لعجزه عن القيام بالامر الفزل والا فلا انعقاد امامت مختلف طریقوں سے ہوتا ہے (۱) علم اور رؤسائے اہل حل وعقد کا بیعت کرنا (۲) امام کا خلیفہ بنانا اور عہدے لینا اور مشورہ پر چھوڑ دینا بننے والے خلیفہ بنانے کے ہو لیکن اس صورت میں خلیفہ متعین نہیں ہوتا بلکہ لوگ مشورہ کر کے کسی ایک پر اتفاق کر لیتے ہیں (۳) جبر و استیلاء کہ جب امام مر جائے تو ایک شخص جس میں شرائط امامت پائے جاتے ہوں بلا بیعت و استخلاف کے امام بن بیٹھے اور اپنی شوکت اور اپنے دیہے سے لوگوں کو مجبور کرے تو اس کی خلافت منقذ ہو جاتی ہے اور بلا وجہ امام کو معزول کرنا درست نہیں ہے اور اگر بلا وجہ لوگ اُسے معزول کریں تو وہ معزول نہ ہوگا اور اگر وہ خود اپنے کو معزول کر دے تو اسکی وجہ اگر یہ ہو کہ وہ امامت کے امور کو انجام نہیں دے سکتا تو پھر وہ معزول ہو جائے گا ورنہ وہ معزول نہ ہوگا۔ پس صورت مسئلہ میں جبکہ شاہ محمد اسماعیل صاحب کو جلالی خاندان نے باتفاق خلیفہ کر دیا اور انکو شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ سے خرقہ خلافت بھی ملا ہے اور امور متعلقہ خلافت کے انصرام میں بھی ان سے کسی قسم کا فتور نہیں پایا گیا تو ان کی خلافت مستقر ہوگی اور مدعی کا دعویٰ گو وہ شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے جدِ اعلیٰ کی اولاد پسری میں بھی ہو صحیح نہیں ہے یہ کہ خلافت وراثت نہیں ہے جس سے پسری اولاد کو دختری اولاد پر ترجیح ہو بلکہ اُس کا ثبوت چند طرق پر ہوتا ہے اور ان طرق کا تحقق اس مقام میں ہے اور کوئی امر باعث عزل خلیفہ کا نہیں ہے سوال زد نے نابالغی کے زمانے میں اپنے چند ہم عمر لڑکوں کی ترغیب سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی اور بلوغ کے بعد جب پیر ملا اور اُس کو چند امور خلافت شرع کا مرکب پایا اور اُس سے مزید کو کوئی ہدایت بھی نہیں ہوئی اس لیے زیباں چاہتا تھا کہ دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرے و بیعت

جائز ہے یا نہیں جواب صورت مسئلہ میں بیعت ثانی جائز ہے اور بیعت اولی مانع نہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ قول جمیل میں تحریر فرماتے ہیں ان تکرر البیعة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ماثور وکذا لک عن الصوفیة اما من الشخصیین فان کان ظهور خلل فی من باید فلا بأس وکذا لک بعد موته او غیبتہ المنقطعة واما بلاعد رفاندیشہ الملتاعب ویذہب بالہوکتہ ویصرف قلوب الشیوخ عن تعہد تکرار بیعت حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے منقول ہو اور اسی طرح حضرات صوفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی تکرار بیعت منقول ہو لیکن دو شخصوں سے بیعت کرنا اگر اس وجہ سے ہو کہ پہلے جسکے ہاتھ پر بیعت کی تھی اُس میں کوئی بری بات ہو یا وہ مر گیا یا غائب ہو گیا ہو تو جائز ہو ورنہ بیعت کھیل کود ہو جائے گی اور ناسکی برکت جاتی ہوگی اور شیوخ کے قلوب مرید کے معاہدے کو قابلِ وقت نہ خیال کریں گے۔ سوال ایک اشاعہ شری شخصِ امامت کے بارے میں بحث کرتا ہے کہ بارہ امام کی قید قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے اہل سنت جماعت کا عمل قرآن شریف اور حدیث کے خلاف ہو پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ کہ اہل سنت و جماعت کے مذہب میں بارہ اماموں کی قید ہی یا نہیں اگر ہو تو کیا ہو اور امامت بارہ پر کیون مخصوص ہوئی دوسری اولاد کیون امام نہیں قرار دی گئی اور جو قرآن مجید میں ہو و لفظ اخذ اللہ ميثاق نبی اسرائیل وبعثنا منہم اثنی عشر لقیبا اللہ نے نبی اسرائیل سے عہد لیا اور بتنے اُن میں سے بارہ نقیب بھیجے۔ اور فائدہ میں لکھا ہے یہ بیان فرمایا ہے کہ نبی اسرائیل سے عہد لینا حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی آخر عمر میں یہ اقرار لے رہے ہیں یہ سورہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر عمر میں نازل ہوئی ہے شاید یہ کو سنایا اس واسطے کہ ہکو بھی یہی امید ہے کہ ایک عہد اُس امت سے لینا کہ رسول جو بعد ہو اُن کی مدد کرو اُسکے بدلے میں یہ کہ خلفاء کی اطاعت کرو یہ مذکورہ بالا سرداروں کا بیان فرمایا ہے اسی اشارہ کو حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ خلیفہ ہونگے قوم قریش سے اور فرمایا جو خرابی ہوئی پہلے امت میں تو ہوگی ہمیں سے جیسا کہ وہ خراب ہوئے پیغمبروں کی مخالفت سے یہ امت خراب ہوئی خلیفہ پر خروج کر کے۔ پس یہ بارہ خلیفہ کون ہیں اور اُن کے نام کیا ہیں اور یہ حدیث کبارہ امام قریش ہی سے ہون گے صحیح ہے یا نہیں اگر ہو تو وہ حدیث بھی جواب میں تحریر فرمادیجئے

جواب ہفت سنیغہ کا جو دربارہ دوازده امام کے کتے ہیں اسکا قرآن شریف اور حدیث نبوی میں کہیں نشان نہیں ہے۔ ہاں احادیث سے یہ امر صراحتہ ثابت ہو کہ اس امت میں بارہ خلفا ہون گے کہ انکی خلافت پر اکثر لوگ اتفاق کریں گے اور وہ خلفا قریش سے ہونگے وہ اشاعت دین اور ہدایت میں سرگرم ہونگے اور تخصیص انکے ساتھ اہل بیت نبوی کی نہیں وار د ہے کہ اس سے خواہ مخواہ بارہ امام مراد لیے جائیں بلکہ بعض روایتوں میں یوں وار د ہوا ہے کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے ان میں سے دو میرے اہل بیت سے ہوں گے اور علمائے ان خلفا کی تعیین کی ہو سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں قد وجد من اثنا عشر خلیفۃ الخلفاء الاربعۃ والحسن ومعاویہ وعبداللہ بن الزبیر وعمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ ہکلاء ثانیۃ ومجتہل ان یضم الیہم المہدی من العباسین لانہ فیہم کعمر بن عبدالعزیز فی نبی امیۃ وكذلك الطاهر با اتاکہ من العدل وبقی اثنان احدهما المہدی لانہ من اہل بیت محمد بارہ خلفا میں سے خلفائے اربعہ اور حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم یہ آٹھ خلیفہ تو ہو چکے اجمال ہے نوین خلفائے نبی عباس میں کے ہمدی ہوں کیونکہ بنو عباس میں ہمدی ویسوی ہی تھے جیسے بنو امیہ میں عمر بن عبدالعزیز اور اسی طرح طاہر کیونکہ انھوں نے عدل بہت کیا ہو باقی رہے دو انہیں سے ایک ہمدی ہیں کیونکہ وہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ اس قول کے موافق بارہ خلفا میں سے دس خلفا متعین ہو گئے (۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۴) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ (۵) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (۶) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (۷) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۸) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (۹) حضرت ہمدی رضی اللہ عنہ (۱۰) حضرت طاہر رضی اللہ عنہ۔ اور گیارہویں امام ہمدی آخر الزمان ہونگے اور بعضوں نے انھیں خلفا میں معاویہ بن یزید بن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی شمار کیا ہے پس اس کے موافق گیارہ خلفا ہو گئے بارہویں کا انتظار ہے واللہ اعلم حررہ الراجی حضور بہ القوی ابو محمدات محمد عبدالحی تاج وزادہ عن ذنبہ اعلیٰ وغنی

کتاب الاقرار

سوال زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا اور ہندہ کے باپ عمرو سے اقرار کیا کہ میں ہندہ کو تمھاری بی بیان رہنے دوں گا اور کمین نہ لیجاؤں گا تو اس اقرار کا پورا کرنا زید پر واجب ہے یا نہیں اور بصورت عدول عند اللہ ماخوذ ہو گا یا نہیں۔ جواب اس اقرار کا ایفا قضاء واجب نہیں ہے نہ کو اختیار ہو کہ وہ اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے گھر لیجائے مگر فیما بینہ وبين اللہ ایفا وعده لازم ہے اور خلفتہ باعث لزوم اثم ہے حدیث صحیح میں وارد ہے آية المنافق ثلاث اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف الخ منافق کی تین علامتیں ہیں جب واقعہ بیان کرے جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے الخ اور اشباہ میں ہے الخلف فی الوعد حرام کذا فی صغیة الذخيرة وعدہ خلافی کرنا حرام ہی یہ ذخیرہ کے باب انھیہ میں ہے۔ سوال مسماۃ ہندہ نے عمرو سے اقرار کیا اور لکھ کے بھی دید یا کہ جب میرا حصہ میرے باپ کی جائداد سے الگ ہو جائے گا جو اس وقت دوسرے خسر کا کے حصوں میں مشترک ہے تو میں تم کو سات روپیہ ماہوار تاحیات اس کے عوض میں دون کی اور میرے بعد میری اولاد بھی تم کو اور تمھارے بعد تمھاری اولاد کو یہ ماہوار دیتی رہے گی۔ اس اقرار کے پانچ چھ عینے بعد مسماۃ ہندہ نے اپنی کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ اپنی لڑکی کے نام ہبہ کر دی اور بلا ذکر اس سات روپیہ ماہوار کے ہبہ نامہ کو مرتب کر کے اپنی لڑکی کو ہبہ نامہ دید یا اور منجملہ دوسرے گواہوں کے عمر و نے بلا تعرض اس ماہوار کے اپنی گواہی بھی اُس ہبہ نامہ پر کی پھر وہ ہبہ مذکورہ نے انتقال کیا اور اب تک مسماۃ ہندہ مذکورہ کا حصہ دوسرے کے مشترک حصوں میں سے پورے طور سے علیحدہ نہیں ہوا ہی بلکہ آدھا یا اس سے کچھ کم زیادہ علیحدہ ہوا ہے اور عمرو محبوب لہ سے اُس سات روپیہ ماہوار کا دعویٰ کرتا ہی پس قابل دریافت یہ امر ہو کہ جب ہندہ کا حصہ پورے طور سے دوسروں کے مشترک حصوں میں سے علیحدہ بھی نہیں ہوا ہی اور ہندہ نے ہبہ نامہ میں اُس سات روپیہ ماہوار کا ذکر بھی نہیں کیا اور عمر و نے باوجودیکہ اُس ہبہ نامہ پر گواہی بھی کی مگر اُس ماہوار کے درج ہبہ نامہ نہ ہونے پر کچھ تعرض نہیں کیا تو عمر و کا اب اُس سات روپیہ ماہوار کے بابت دعویٰ کرنا درست ہی یا نہیں اور یہ دعویٰ شرعاً مسموع ہو گا یا نہیں۔ جواب ہندہ کا محض عمرو سے اقرار کر لینا عمر و کے استحقاق کو ثابت نہیں کرتا بلکہ عمر و نے شرح کردہ میں

اسکی تصریح کی ہو کہ استحقاق بدون عقد یا قبض کے نہیں ہوتا اور ایسا ہی فتاویٰ ہذا زیر میں ہے
 پس عمر و کا دعویٰ مسموع نہوگا۔ سوال زید نے عمرو سے اقرار کیا اور لکھ دیا کہ اگر میرا یہ کام تیری
 سعی سے پورا ہو جائیگا تو میں اور میرے ورثا تیرے ساتھ نسلاً بعد نسل رہنا بعد بطن دس رہیں
 ماہوار کا سلوک کرتے رہیں گے یا یون اقرار کیا کہ میں نقد و جنس اس قدر تجھ کو دوں گا اور پھر وہ کام
 بھی پورا ہو گیا۔ اس اقرار اور تحریر کے بعد زید اپنے اقرار سے پھر گیا یا وہ تو نہیں پھر اگر اُس کے مرنے کے
 بعد اُس کے ورثا اُس کے اقرار کو پورا نہیں کرتے یا زید نے عمرو سے کسی چیز کے دینے کا بے کسی کام لیے ہو
 اقرار کیا اور پھر اقرار سے پھر گیا یا وہ تو نہیں پھر اگر اُس کے مرنے کے بعد اُس کے ورثا اُس کے اقرار کو
 پورا نہیں کرتے پس تعلیق اور غیر تعلیق کی حالت میں شرعاً کیا حکم ہو یا در صورت تعلیق بعد رجوع
 یا موت مقرر کے عمر و کا حق زید یا اُس کے بعد ورثا سے زید سے عند القضا بجز و اکراہ دلایا جائیگا یا نہیں
 اور در صورت غیر تعلیق زید کی حین حیات میں او کے نفس خاص پر یا اُسکی موت کے بعد ورثا پر
 ایفاء و وعدہ لازم ہی یا نہیں اور حاکم یا قاضی بجز و لا سکنا ہی یا نہیں۔ جواب دونوں صورتوں
 میں زید کو ایفاء و وعدہ لازم ہوا اور وعدہ خلافی کرنا گناہ کبیرہ ہی حدیث صحیح میں وارد ہو ثلاث
 من کفیہ کان منافقاً لخالصاً و من کان فیہ خصلۃ منها کان فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعہا اذا حدث
 کذب و اذا اتفق خان و اذا عاهد غدرتین باتین ہیں جس میں یہ پائی جائیں وہ منافق ہو چوسہ
 ان میں سے ایک پائی جائے اُس میں نفاق کی ایک علامت پائی جاتی ہوتا وقتیکہ وہ اسے نہ چھوڑے
 (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب امانت رکھے تو خیانت کرے (۳) جب وعدہ کرے
 تو وعدہ خلافی کرے۔ اور اگر زید و فاع و وعدہ تمہیں کرتا ہو تو قاضی جبراً نہیں دلا سکتا کیونکہ مجرور
 وعدہ سے عمر و کا استحقاق نہیں ہوتا ہذا زیر میں ہے المراد من جواز الجعل من جانب واحد فی المناق
 الحل لا الاستحقاق فانہ لا یستحق بالشرط لثبوت عدم العقد والقبض یہ جو کہا جاتا ہے کہ گھوڑوں
 میں ایک طرف سے کچھ بد لینا جائز ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ حلال ہے نہ یہ کہ اس سے استحقاق
 ثابت ہوتا ہے کیونکہ محض شرط سے کسی قسم کا حق متحقق نہیں ہوتا اس لیے کہ عقد و قبضہ متحقق
 نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض شرط کرنے یا وعدہ کرنے سے کسی چیز کا استحقاق
 ثابت نہیں ہوتا ہو اور زید کی وفات کے بعد اگر زید نے ایفاء و وعدہ کی ورثا کو وصیت نہیں کی ہو تو

اُمیر مورت کے وعدے کا ایفا کرنا واجب نہیں ہو۔ سوال اگر زید نے اقرار کیا کہ ہندہ میری معکومہ زوجہ ہے تو یہ اقرار ثبوت زوجیت میں معتبر ہوگا یا نہیں جواب ہوگا ہر ایہ میں ہے و يجوز اقرار الرجل بالوالدین والولد والنزوجة والمولى لانه اقرب ما يلزمه وليس فيه تحميل النسب على الغير کسی شخص کا والدین اور لڑکے اور بی بی اور غلام کے بارے میں اقرار کرنا جائز ہے اس لیے کہ اُس نے اس چیز کا اقرار کیا ہے جو اُسکو لازم ہے اور اُس میں نسب کا اٹھانا غیر کے لیے نہیں ہے واللہ اعلم حررہ المرحی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوزا مد عن ذنبہ ابجلی و انحضی۔

محمد عبدالحی
ابو الحسنات

کتاب الصلح

سوال اگر شفیع نے حق شفیع سے کوئی چیز لیکے صلح کر لی اور اپنے حق کو چھوڑ دیا تو یہ صلح جائز ہے یا نہیں جواب جائز نہیں ہے اور حق شفیع باطل ہو گیا اور جو چیز اس کے عوض میں لی ہو واپس کر دیا یہ میں ہر دو ان صالح من شفیعہ علی عوض بطلت الشفیعہ وردا العوض لان حق الشفیعہ لیس بحق متقرر فی المحل بل مجرد حق التملك فلا یصلح الاعتیاض عنہ اور اگر حق شفیع سے کسی عوض پر صلح کی تو شفیع باطل ہو جائے گا اور عوض واپس کرنا ہوگا اس لیے کہ حق شفیع کوئی حق نہیں ہے جو محل میں مقرر ہو بلکہ صرف حق تملیک ہے پس اُس سے عوض لینا صحیح نہیں ہے۔ اور غنایہ میں ہے حق الشفیعہ حق ان یتملك وذلك لیس بحق فی المحل قبل التملك فاخذ البدل اخذ مال فی مقابلته ما لیس بشئ ثابت فی المحل وذلك رشوة حرام حق شفیع ایسا حق ہے جو مالک کر دیتا ہو اور یہ نہیں ہے حق محل میں قبل تملك کے پس بدل کا لینا مال کا لینا ہو اس کے مقابلہ میں جو محل میں ثابت نہیں ہے اور یہ رشوة حرام ہے سوال اگر شفیع نے دعویٰ حق شفیع سے یا دوسرے حقوق کے دعویٰ سے کسی چیز پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے درختار میں ہے صحیح الصلح عن دعویٰ حق الشرب وحق الشفیعہ وحق وضع الجذوع علی الاصل الاصل انہ متی توجہت الیہین غوا الشخص فی اسی حق کان فافتدی الیہین بدراهم جازحتہ فی دعویٰ لتغذیر کذا فی المجتبے برزہ ہبلح حق ضرب اور حق شفیعہ اور حق وضع الجذوع (وہنیاں رکھنا) کے دعویٰ سے صلح کرنا صحیح ہے اور اصل یہ ہے کہ جب

میں کسی حق میں کسی شخص کی طرف ہو تو درہم سے میں کا قدیہ دینا جائز ہی بیان تک کہ دعویٰ
تقدیم میں بھی جائز ہو یہ مجتبیٰ میں ہو۔ سوال اگر قاذف نے صلح کر کے کوئی چیز مقدف کو دی کہ وہ اپنے
حق سے باز آدیا تو یہ صلح جائز ہی یا نہیں جواب جموی رحمہ اللہ نے ایشاہ میں لکھا ہے رجل قدف
محصنا او محصنة فاراد المذون حد القاذف فصالحه القاذف على دراهم مساة او على شئ
اخر على ان يعفو عنه ففعل لم يجز الصلح حتى لا يجبل مال وهل يسقط الحد ان كان ذلك قبل
المراعاة الى القاضي بطل ذلك وان كان ذلك بعد المراعاة الى القاضي لا يبطل الحد اياك شخص نے
پاک مرد یا پاک عورت پر تہمت لگائی پس مقدف نے قاذف کی حد کا ارادہ کیا پس قاذف نے
اُس سے مقررہ درہم پر یا کسی اور شے پر صلح کی کہ وہ اُس سے حد معاف کرے پس اُس نے
معاف کر دی تو یہ صلح جائز نہیں ہو بیان تک کہ نہ مال واجب ہو اور نہ حد ساقط ہوگی اگر قاضی
کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کے پہلے ہو تو حد باطل ہو جائے گی اور اگر قاضی کے سامنے مقدمہ پیش
ہونے کے بعد ہو تو حد باطل نہ ہوگی۔ سوال پرورش علی خان جو منصب دار اور سرکاری ملازم تھا
ایک لڑکی دو لارہ بیگم اور ایک متبنی سرور علی اور ایک داماد فتح علی یعنی شہرہ دو لارہ بیگم کو چھوڑ کے
مڑ گیا مسماۃ دو لارہ بیگم نے اجراء سے اسامی منصب داری کے محمد جہانگیر علی صغیر سن کے نام کو سٹش
کی جسکو دو لارہ بیگم نے گود لیا تھا اور یہ فتح علی کی دوسری بی بی سے ہو۔ اور سرور علی متبنا ہے
مرحوم سے اس طرح صلح کی کہ پانچ آنہ میں لونگی اور پانچ آنے تم کو دو لگی اور دو آنے جہانگیر علی کو دو لگی
اور چار آنے سے مرحوم کا قرضہ ادا کر دو لگی اور وہ اسامی مذکور بفضل الہی سرکار کی طرف سے جہانگیر علی کے
نامزد بھی ہو گئے پس صلح مذکور شرعاً درست ہو یا نہیں اور صلح کے موافق ہر ایک پائے کا یا کل کا مالک
جہانگیر علی ہی ہو۔ جواب بشرط صدق اظہار مستفتی شرعاً سرور علی اور فتح علی دونوں میں کوئی حرم
کا وارث نہ ہو گا فقط لڑکی اُسکی وارث ہو مگر نوکری عطیہ سرکار سے جس کا نام دفتر میں لکھا جائیگا وہی تنخواہ
پائے گا لڑکی کو بھی اُس میں کچھ مداخلت نہیں ہو اگر متروکہ ہو تا تو فقط لڑکی ہی وارث قرار پاتی اور
متبنی اور داماد دونوں محروم رہتے ہیں اس حالت میں جو صلح کی گئی وہ صحیح نہیں ہو البتہ جہانگیر علی
اگر بلحا حق السعی کچھ اپنی علاقائی مان کو اپنی تنخواہ میں سے دے لو اُسے اختیار ہو اُس پر جبر نہیں کیا جاسکتا
اور قرض محروکہ سے ادا کرنا چاہیے اور نوکری متروکہ نہیں ہے جو اس بار کو اٹھائے شریفیہ میں ہے

الاول پیدا بکفینہ و تھمیزہ من غیر تنذیر و لتقبیر ثم یقضی دیونہ من جمیع ما بقی من مالہ پہلے میت کی تکفین شروع کی جائے اور اس میں نہ کسی قسم کی زیادتی کی جائے نہ کمی پھر جو کچھ بچ رہا اُس سے اُسکا قرض ادا کیا جائے۔ اور وجہ کروری میں رہے اذکان فی الدیوان عطاء مکتوب باسم سجل فنازعہ فیہ اخر و ادعی انہ لدفع الحکم المدعی علیہ علی درہم او دنانیر حالۃ اولی اجل فالصلح باطل و کذا الوصلح علی شئ بعینہ فهو باطل کذا فی المبسوط والعطاء الذی جعل الامام العطاء لہ و فقیرین اگر کسی شخص کے نام کوئی عطیہ لکھا ہو پس اوس میں دوسرے شخص نے جھگڑا کیا کہ یہ میرا ہوا اور مدعا علیہ نے اُس سے کچھ دینا یا درہم دیکر یا وعدہ کر کے مصاحمت کر لی تو یہ صلح باطل ہو اور صلح اگر اُس کوئی چیز دیکر مصاحمت کی تو بھی باطل ہو یہ مبسوط میں ہے اور عطیہ اُسی کا ہو جس کے لیے امام نے مقرر کیا ہو۔ و اما علم حرہ خادم الشرع التمسک بشرع دین محمد مفتی سید فخر الدین احمد۔ ابواب صحیح و اما علم بالصواب حرہ الراجی عفور بہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تجاوزه الله عن ذنبہ الجلی و انخفی سوال اگر شفیع نے مشتری سے یون صلح کی کہ مکان مشفوع نصف یا ثلث یا ربع میں لیلون گا اور باقی میں شفعہ نہ کروں گا تو یہ صلح جائز ہو یا نہیں جواب جائز ہو عالمگیری میں ہے وان صالح علی ان یاخذ نصف المشتوی او ثلثہ اور بعد علی ان یسلم الشفعۃ فی الباقی کان جائزا اور اگر اس بات پر صلح کرے کہ جو چیز خریدی جا رہی ہو اُسکا نصف یا ثلث یا ربع اس عوض میں لیکر کہ باقی میں شفعہ نہ کرے تو جائز ہو و اما علم حرہ الراجی عفور بہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تجاوزه الله عن ذنبہ الجلی و انخفی

محمد عبدالحی
ابو احسان

باب الغصب

سوال غصب کسے کہتے ہیں جواب وہ شرع غریب میں ہو الغصب شرعاً اخذ مال متقوم محقق من ید مالکہ بلا اذنہ لا خفیۃ غصب شرعاً محفوظ اور محترم مال کی بغیر مالک کی اجازت کے اُسکے ہاتھ سے لے لینے کو کہتے ہیں نہ چوری سے لینے کو سوال باپ بیٹے کے مال میں تصرف کر سکتا ہو یا نہیں جواب انتہائی حاجت کے وقت باپ بیٹے کے مال میں تصرف کر سکتا ہو اور بلا حاجت بغیر اجازت کے باپ کو بیٹے کے مال میں تصرف کرنا درست نہیں ہے اور حدیث انت و مالک لا یمیک تم اور تمھارا مال تمھاری باپ کے لیے ہو کے یہی معنی ہیں یعنی ضرورت

کے وقت جیسا کہ ہدایہ کے بعض مواضع سے ظاہر ہوتا ہے سوال عقار میں غصب ہوتا ہے یا نہیں۔
 جواب شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک غصب منقولات میں متحقق ہوتا ہے پس اگر کسی نے عقار کو
 مالک سے لیا اور کسی ساوی آفت کی وجہ سے (جیسے ہیا) وہ ہلاک ہو گیا تو شیخین کے نزدیک لین و دین
 پر ضمان نہیں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عقار میں
 بھی غصب متحقق ہوتا ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے اور ارضی موقوفہ میں مگر غیر ارضی
 موقوفہ میں فتوے شیخین یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول پر ہے جمیع الرموز میں
 ہے اور در مختار میں ہے الغصب اما لیتحقق فیما ینقل فلو اخذ عقارا و هلك في يده با فة سماوية
 كغلبة سيل لم يضمن خلا فالجحد رحمہ اللہ و بقوله قالت الثلثة وبه يفتى في الوقت ذكر العينة
 و ذكر ظهير الدين رحمہ اللہ في فتاواه الفتوى في غصب العقار والد والموقوفة بالضمان
 غصب مال منقولہ میں نہیں متحقق ہوتا ہے پس اگر زمین کو غصب کیا اور کسی آفت ساوی کی وجہ سے زمین ہلاک
 ہو گئی تو ضمان نہ لیا جائیگا اس میں امام محمد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور اسی کے موافق ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ
 کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ عینی کے کتاب الوقف میں ہے اور ظہیر الدین رحمہ اللہ نے اپنی فتاویٰ
 میں لکھا ہے کہ فتویٰ غصب زمین اور موقوفہ گھر میں ضمان کے ساتھ ہے سوال۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ
 کے نزدیک زمین میں غصب نہیں ہے پس اگر زید بکر کی زمین لیکر اپنے قبضہ میں لائے تو اُس پر اُسکا
 رد لازم ہوگا یا نہیں جواب شیخین رحمہما اللہ کا یہ قول کہ زمین میں غصب متحقق نہیں ہوتا حکم ضمان
 کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اگر کسی نے زمین غصب کی اور وہ زمین کسی آفت ساوی کی وجہ سے ہلاک ہو گئی تو نفس
 زمین کا ضمان لازم نہ ہوگا اور ماورای ضمان جیسے وجوب رد میں تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک
 غصب زمین میں بھی متحقق ہوتا ہے در مختار میں ہے وفی اجارة القیض اما لیتحقق الغصب عندها
 فی العقار فی حکم الضمان اما فی وراء ذلك فیتحقق الا ترى انه یتحقق فی المرء فكذا فی استحقاق
 الاجرة اجارة القیض میں ہے کہ زمین میں غصب کا متحقق نہ ہونا حکم ضمان کے ساتھ مخصوص ہے مگر اسکے
 علاوہ میں متحقق ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ رد میں ضمان متحقق ہوتا ہے پس اسی طرح استحقاق اجرت
 میں ضمان متحقق ہوتا ہے سوال جو زمین اجرت پر چلتی ہے یا جو دوکان میں کرایہ پر چلتی ہے اگر کسی شخص
 نے اُس زمین یا اُن دوکان کو غصب کر کے اٹھا کر کرایہ لیا تو کرایہ کا ضمان اس پر لازم آئیگا یا نہیں۔

جواب اجر مثل لازم آئے گا تنویر الابصار میں ہو منافع الغصب استوفاء او عطا یا غیر مضمونہ
الا ان یكون وقفا او مال یتیم او معد الاستغلال غصب کے منافع کے لینے یا معطل کرنے میں ضمان
نہیں ہو مگر جبکہ وہ وقف کا مال ہو یا یتیم کا مال ہو یا اگر فیصلہ کر نیکی لیا گیا ہو یا قنفیہ میں ہے الا صحیح
ان المنافع تضمن فی ثلثہ مواضع فی سبج الوقف و فی اموال الا یتام و فی محیلا للاجر کا لدا کا کین
المعروفۃ للاستغلال فان الاستعد او للاستغلال اقیم مقام العقد الفاسد فیلزم علی الغاصب اجر
المثل للمالك ولا فرق بین الدار والارض والحمام والرحی وغیر ذلك سواء فید استعینا او عطاها
اصح یہ ہو کہ تین حقون میں ضمان لیا جاتا ہو وقف کے نفع میں یتیم کے مال میں اور جو چیز میں کہ اجرت
پر دی جائے جیسے وہ دکانیں کر کے یا حاصل کر نیکی لیا کہی گئی ہیں کیونکہ کر یہ حاصل کرنے کی استعداد عقد فاسد کی
قائم مقام ہو پس غاصب کو اجر مثل مالک کو دینا ہوگا اور کوئی فرق گھر اور زمین اور حمام اور چکی
وغیرہ میں نہیں ہو برابر ہو کہ استعمال کرے یا نہ کرے۔ اور سر راجہ میں ہے اذا سكن دارا معدة
للغلة من غیر استیجار یجب اجر المثل وعلیه الفتویٰ اور جب ایسے گھر میں کر یہ ہو کر یا حاصل کر نیکی لیا گیا
ہو تو اجر مثل دینا واجب ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہو۔ واما علم حرره الراجی عفوره بالقویٰ ابوجنا
محمد عبدالحی تاجوازلہ عن دنہ البجلی و انحنی [ابو الحسنات]

کتاب الشفعة

سوال زید عمرو بکر برادران حقیقی شفع ہیں زید شرع کے موافق طلب موافقت اور اشہاد
کے خیر انطبجالات یا اور بکر سے عمل میں نہیں آئے مگر طلب خصومت کے وقت تینوں کی طرف سے
بسبب کچائے خور و نوش و کار و بار کے بالاجمال مبیعہ کے نسبت دعویٰ رجوع ہوا تو خیر غا
یہ کل دعویٰ قابل سماعت ہو یا نہیں اور عمرو اور بکر کا نام شامل نہونے کی وجہ سے زید کا دعویٰ
باطل ہوگا یا نہیں۔ جواب اس صورت میں زید کا دعویٰ حق شفعہ میں باطل نہوگا واما علم
حرره الراجی عفوره بالقویٰ ابوجنا محمد عبدالحی تاجوازلہ عن دنہ البجلی و انحنی بہ بیشک زید کا دعویٰ
مسموع ہوگا اور کل برادران کا دعویٰ مسموع نہوگا واما علم حرره ابوالاجیا محمد نعیم غفرلہ العلی العظیم
الحکیم ہوا موافق زائد سے زائد یہ ہو کہ حاکم عمرو اور بکر کا دعویٰ خارج کر دے گا اور زید کا دعویٰ

فرمایا ہوں گا و اللہ اعلم کتبہ انور علی عفی عنہ۔ اصحاب من اجاب کتبہ ابو بکیش محمد مہدی عفا عنہ الہادی
 صحیح الجواب نمقہ خادم الاولیاء و اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد۔ صحیح الجواب حررہ محمد رحمت اللہ
 عفی عنہ **لا تقنطوا من رحمۃ اللہ** اصحاب من اجاب کتبہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ
ذلک فضل اللہ سوال زید عمر و بکر نے طلب خصومت میں شامل ہو کر دعوے حاکم کے پاس رجوع
 کیا اور انفصال مقدمہ کے پہلے زید اور عمر و نے اپنے حق کو ساقط کیا اور طلب خصومت سے بری ہو گئے
 اس صورت میں بکر کے حق میں تو کچھ خلل نہوگا۔ جواب اس صورت میں بکر کے حق میں کچھ خلل نہوگا
 حنا یہ میں ہوا اذا اجتمع الشفعاء واسقط بعضهم حقہ فان کان ذلک قبل القضاء فالشفعة للباقیین
 فی الکل جب مدعین شفعہ جمع ہو جائیں اور بعض اپنے حق کو ساقط کر دیں تو اگر یہ قضائے قاضی کے
 پہلے ہو تو باقی کو کل میں حق شفعہ ہوگا و اللہ اعلم حررہ الراجی عنور بہ القوی ابو احسان محمد بدلی
 تجا و اللہ عن ذنبہ اکل و اخصی۔ جواب صحیح ہو اور صاحب درختار کا قول بھی اسکی تائید کرتا ہو فلہ
 قبلہ فلن یبقی اخذ الکل کذوال لزامہ اگر یہ قضائے قاضی کے پہلے ہو تو باقی کو کل میں حق شفعہ ہوگا
 جیسا کہ اسوقت باقی کل میں حق ہوتا ہو جب کوئی مزاحم باقی نہ رہے۔ و اللہ علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم
 غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ جواب صحیح ہو عالمگیری میں ہوا اذا کان للدار شفیعان سلم احدهما لشفعة
 قبل الاخذ وقبل القضاء کان للآخران یاخذ الکل وبعد الاستیفاء وبعد القضاء یبطل حق کل
 واحد منهما عما قضے لصاحبه حتی اذا کان للدار شفیعان وقضے القاضی بالدارینہما تم سلم احدهما
 بالصلیبہ لم یکن للآخران یاخذ الجميع اگر دو شخصوں کو ایک گھر پر حق شفعہ کا دعوے ہو اور ایک اپنے
 حق کو قبل اخذ و قضائے قاضی کے چھوڑ دے تو دوسرے کو کل کے لئے لینے کا حق ہوگا اور
 بعد قضائے قاضی ہر ایک کا حق باطل ہو جائیگا کیونکہ قاضی نے اسکے ساتھ ہی کے لیے بھی حق شفعہ کا
 حکم دیا ہو اور یہاں بعد صلح سب اویسکے پاس رہ گیا مثلاً جب ایک گھر میں دو شخصوں کو حق شفعہ
 تھا اور قاضی نے حکم کیا کہ گھر دونوں کا ہو پھر ایک نے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو دوسرے کو کل لینے
 کا حق نہیں ہو۔ و اللہ اعلم کتبہ انور علی عفی عنہ۔ اجواب صحیح نمقہ خادم الاولیاء و اللہ الصمد علی محمد غفرلہ
 اللہ الاحد۔ اصحاب من اجاب کتبہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ **ذلک فضل اللہ** صحیح الجواب
 و اللہ اعلم بالصواب حررہ محمد رحمت اللہ عفا عنہ اللہ **لا تقنطوا من رحمۃ اللہ** اصحاب من اجاب کتبہ

ابو الجیش محمد مدی عفا عنہ الہادی سوال ایک شخص نے شفعہ میں طلب مواثبت کے بعد طرح پر طلب اشہاد کیا کہ دو شاہد عادل کے موجودگی میں نزدیک یا بیع یا مشتری یا عتقا کے طلب کیا مگر لفظ فاشہد و اعلم ذلک وما یدوی موداعہ ادا نہیں کیا پس یہ طلب معتبر ہی یا نہیں جواب ظاہر اکثر کتب فقہ سے اشہاد کا شرط ہونا معلوم ہوتا ہے مگر خانیہ میں اُسکے خلاف تصریح کی ہو درختار میں ہے اقول ظاہر عبارتہم لزوم الاشہاد فیہ لکن ہا آیت فی الخانیۃ انما سمی الثانی طلب الاشہاد لالان الاشہاد شرط فیہ بل لیمکنہ اثبات الطلب عند جود الخصم انھے تامل میں کہتا ہوں کہ فقہاء کی ظاہر عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ میں طلب اشہاد کرنا لازم ہے لیکن خانیہ میں ہے کہ دوسرے کو جو اشہاد کہتے ہیں اُسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ شہادت شرط ہے بلکہ اُسکا منشا یہ ہے کہ انکا خصم کے وقت آسانی ہو اتنی اسپر غور کرو۔ ظہیر یہ میں ہے والثنانی ان یقول اطلب الشفعۃ فی الدار الی مشتری من فلان دوسرے یہ کہے میں اُس گھر میں شفعہ طلب کرتا ہوں جسے اس نے فلان سے خریدا ہے اور قنیین میں ہے طلب الاشہاد انہ اذا لقی المشتري یقول اطلب الشفعۃ فی لقی اشتوتہا من فلان ویدکر حد و دھا فسلہا اطلب اشہاد یہ ہے کہ جب مشتری سے ملے کہے کہ میں اُس گھر میں شفعہ طلب کرتا ہوں جسے تم نے فلان شخص سے خریدا ہے اور اُسکے حدود ذکر کر دے اور وہ اس شفعہ کو تسلیم کرے سوال (۱) شفعہ میں طلب مواثبت اور اشہاد نیا ہے وکالتہ ہو سکتی ہے یا نہیں (۲) زید اپنے محل زینداری پر نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ باہر رہتا ہے اُس نے اپنی طرف سے ایک شخص کو وکیل مقرر کر کے اُسکو ماذون مطلق کر دیا ہے کہ ہر طرح کی طلب خصوصیت اور مواثبت اور طلب حقوق ہماری طرف سے کیا کرے اور کسی امر میں اگرچہ حق شفعہ بھی ہو ہم سے اذن جدید کا محتاج نہ رہے ایسا وکیل و ماذون مطلق طلب مواثبت و طلب خصوصیت شفعہ اُس موکل کی طرف سے کر سکتا ہے یا نہیں۔ (۳) ایک عتقار میں چند شخص متفق ہو کر ایک درخواست کے ذریعہ سے کل شفعہ کے وعوے کا حاکم کے پاس رجوع کر سکتے ہیں یا نہیں (۴) توکیل کے لیے تحریر وکالت نامہ شرط ہے یا نہیں (۵) عتقا واحد میں اپنی طرف سے اصالتا اور دوسروں کی طرف سے وکالتا طلب مواثبت و اشہاد یا طلب خصوصیت شفعہ کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر من حیث الوکالتہ اُسکی طلب باطل ہوگی تو طلب من حیث الاجامۃ کا کیا حال ہے (۶) عتقار واحد میں طلب مواثبت و اشہاد کئی شخصوں کی طرف سے ایک

وکیل ایک صیغہ میں کر سکتا ہو یا نہیں۔ جواب (۱) ہو سکتی فتاویٰ عالمگیری میں ہے و يجوز التوكيل بطلب الشفعة كذا في البدائع طلب شفعة کے لیے کسی کو وکیل بنانا جائز ہے یہ بدائع میں ہے اور خزائنہ المفتیین میں ہے الشفيع اذا علم بالشراء في طريق مكة قطعه طلب المواثبة وعجز عن الاستهاد بنفسه يوكل وکیلا یطلب له الشفعة صاحب شفعة کو جب بیع کا علم مکہ کے راستہ میں ہو اور اُس نے طلب مواثبت کی اور خود حاضر نہ ہو سکا تو کسی کو اپنا وکیل بنا دے جو اُس کے حق شفعة کا مطالبہ کرے اور یہاں میں ہے کہ کل عقد جازان یعقد الانسان بنفسه جازان یوکل به غیرہ جس عقد کو انسان خود کر سکتا ہو اُس میں اپنی طرف سے دوسرے کو وکیل بھی بنا سکتا ہو (۲) کر سکتا ہو اشیاء میں ہے الوکیل اذا كانت وكالة عامة مطلقة تملك كل شیء الا طلاق الزوجة وعق العبد ووقف البیت وکیل کی وکالت جب عام اور مطلق ہو تو اُسے موکل کے تمام امور کا اختیار ہے اُسکی بی بی کو طلاق دینے اور اُسکے غلام کو آزاد کرنے اور اُسکے گھر کے وقف کرنے کے سوا۔ اور رسالة المسألة الثالثة فی الوكالة العامة میں ہے الوکیل وكالة عامة يملك كل شیء الا الطلاق والعناق والوقف والمهبة على المفتی ہے وکیل جبکی وکالت عام ہو تو تمام امور کا اختیار رکھتا ہے مگر طلاق عناق وقف اور مہر کا اختیار بر قول مفتی نہیں رکھتا ہے (۳) رجوع کر سکتے ہیں (۴) وکالت نامہ شرط نہیں ہے جیسا کہ عامۃ کتب فقہ سے مستفاد ہوتا ہے (۵) وکیل جو خود بھی شفیع ہو اگر موکل کی طرف سے طلب شفعة کرے گا تو اُسکا شفعة باطل ہو جائیگا فتاویٰ عالمگیری میں مبسوط سے منقول ہے و اذا وکل رجلا لشفيع ان ياخذ الدار له بالشفعة فاطهر الشفيع ذلك فليس له ان ياخذها لان طلبه بغيره تسليم منه للشفعة بانما يطلب البیع من الموکل ولو طلب البیع لنفسه كان مسلما للشفعة فاذا طلبها بغيره كان اولی۔ ایک شخص نے اپنا حق شفعة طلب کرنے کے لیے وکیل ایسے شخص کو بنایا جسکو خود بھی حق شفعة تھا اور اُس نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ میں اُسکا وکیل ہوں تو اب اُسے اُسکا حق نہیں رہا کہ خود اس چیز کو لے کیونکہ دوسرے کے شفعة کا طلب کرنا اُسکے شفعة کا تسلیم کر لینا ہے اب اُسے صرف یہی حق ہے کہ اپنے موکل کی جانب سے بیع کا مطالبہ کرے اور اگر اپنے لیے بیع کا مطالبہ کرے گا تو وہ شفعة کو تسلیم کرنا ہوگا پس اگر دوسرے کے لیے مطالبہ کرے تو بہتر ہے۔ (۶) کر سکتا ہے اگر وہ شخص سب کی طرف سے وکیل ہو۔ و الحمد اعلم حرره الراحمی عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاجوار اسد عن ذنبہ کلمی و غفرلہ

اصاب المجیب کتبہ ابو الجیش محمد مدی عفا عنہ المادی۔ صحیح الجواب حرزہ محمد حجت اللہ عفی عنہ
لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ہو الموفق الاجوبہ صحیحہ اور عبارت مندرجہ استفا منقول عنہا کے ساتھ
مطابق ہیں اور تحریر و کالت نامہ اور ایک شخص کا چند شفیعون کی طرف سے وکیل ہونا صحیح ہے
جیسا کہ عالمگیری اور تفسیر احمدی سے بھی معلوم ہوتا ہے و اللہ اعلم کتبہ انور علی عفی عنہ۔ اصابت
کتبہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ **ذلک فضل اللہ** سوال اگر شفیع نے ایک ماہ تک
بلا عذر طلب تلبیک کو ترک کیا تو اسکا شفعہ باطل ہو یا نہیں۔ جواب صورت مرقومہ میں محققین
کے نزدیک شفیع کا شفعہ باطل ہو کیونکہ اگرچہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک حضرت امام اعظم احنوفیہ
کو فی رحمہ اللہ کا اور دوسرا امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ کا لیکن محققین نے بنظر رفع ضرر و اضرار قول
سنائی پر فتویٰ دیا ہے فتاویٰ عالمگیری میں مرقوم ہے۔ وعن محمد وزفر رحمہما اللہ وہو رواۃ عن ابی
یوسف رحمہما اللہ ان اشہد و ترک المحاصمۃ شہرا من غیر عذر تبطل شفعۃ والفتویٰ علی قولہما
کن ان فی محیط السخسی امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ سے منقول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی
یہی روایت ہے کہ اگر باوجود علم کے ایک ماہ تک بلا عذر محاصمت نہ کی تو شفعہ باطل ہو جائیگا اور فتویٰ
اُن دونوں کے قول پر ہی یہ محیط شخسی میں ہے۔ اور زبلی نے لکھا ہے الفتویٰ لیوم علی هذا لتغیر
احوال الناس فی الاضرار بالغیر کما جکل اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ دوسرے کو ضرر پہنچانے کے بارے میں
لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں۔ اور رد المحتار حاشیہ درختار میں ہے قائلہ شیخ الاسلام وقاضی خان
فی فتاواہ و شرحہ علی الجامع و شی علیہ فی الوقایۃ و النقایۃ و الذخیرۃ و المغنی و فی التبرکات لایعین
البرہان انہ اصح ما ینتی بہ قال یعنی انہ اصح من تصحیح الہدایۃ و الکافی و تمام فیہا و عزاء
القرمستانی الی المشاہیر کالمحیط و الاخلاصۃ و المضمرات و غیرہا اسکے شیخ الاسلام قائل ہیں اور
قاضی خان نے اپنے فتاویٰ اور شرح جامع میں بھی یہی لکھا ہے اور وقایہ نقایہ ذخیرہ اور مغنی میں ہی
مذہب اختیار کیا گیا ہے اور شربنلا لیمین برہان سے منقول ہے کہ مفتی بہ اقوال میں سب سے زائد
صحیح ہے یعنی ہدایہ و کافی نے جس مذہب کو صحیح لکھا ہے اُس سے زائد صحیح ہے اور اسکے بعد لکھا ہے
کہ قستانی نے اسے مشاہیر جیسے صاحب محیط و خلاصہ و مضمرات و غیرہ کے جانب منسوب کیا ہے واللہ
اعلم و علما اتم حررہ محمد بشیر السہسوانی۔ فی الواقع اگرچہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک

ظاہر الروایۃ کے موافق شفیعہ باطل نہوگا اور ہدایہ اور کافی میں اسی کو فتویٰ پہ لکھا ہو لیکن محققین حنفیہ کی کثیر جماعت امام محمد رحمہ اللہ کے فتویٰ کی قائل ہو نہایت شریح ہدایہ میں ہون ترک هذا الطلب بغیر عذر اس کا تبطل شفیعہ وان طالت المدۃ وعلى قولها تبطل اذا طالت المدۃ واختلفت الروایات عنہا فی طول المدۃ فقہر وایتعن محمد ثلثۃ ایام و فی اخری بشہر وهو واحدی الروایات عن ابی یوسف رحمہ اللہ قال شیخ الاسلام الفتویٰ لیوم علی هذا وھكذا ذکر ایضا فی الجامع الصغیر لقاضی خان فكان ما اختاره فی کتاب ان الفتویٰ علی قول ابی حنیفۃ تھا قال فی روایات ھذہ الکتاب اگر لکھی گئی ہے کہ یہ مطالبہ نہ کیا تو شفیعہ باطل نہوگا اگرچہ بہت عرصہ بھی گزر جائے اور صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر جب مدت طویل ہو جائے تو شفیعہ باطل ہو جاتا ہو اور طول مدت کے متعلق صاحبین رحمہما اللہ مختلف روایتیں ہیں ایک میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تین دن ہیں اور دوسرے میں ایک مہینہ اور ایک رسالت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ آج کل اسی پر فتویٰ ہو قاضی خان کی جامع صغیر میں بھی یہی لکھا ہو تو کتاب ہدایہ میں جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ لکھا ہو وہ ان کتابوں کی روایتوں کے خلاف ہو اور تنقیح فتاویٰ حادیثین ہو قال فی شہر الجمع و فی الجامع الخانی الفتویٰ الیوم علی قول محمد رحمہ اللہ لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار انتھج وہ ظہران افتاء ثم بخلاف ظاہر الروایۃ لتغیر الزمان ونظامہ کثیرہ وقصد الاضرار فی زماننا کثیر شرح مجمع اور قاضی خان کی جامع میں ہو کہ آج کل امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہو کہ چونکہ ضرر پہنچانے میں اب لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں انتہی اس سے معلوم ہو گیا کہ ظاہر روایت کے خلاف اس وجہ سے فتویٰ دیا گیا ہو کہ زمانہ بدل گیا ہو اس کی مثالیں بکثرت ہیں اور ہمارے زمانے میں ضرر پہنچانا بہت ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراعی حفور بہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تاج و ازاد عن ذیلہ بجلی داغی **محمد عبدالحی ابو احسان** واقعی متاخرین متجربین کے مطابق اس کا شفیعہ باطل ہو اکمال الدرا میں ہو و بتاخرہ شہر امن غیر عذر مرض او حبس یطل عند محمد رحمہما اللہ وهو قول زفر رحمہما اللہ و اعتبارا لکرمی و بہ ای بقول محمد فیئفۃ الیوم لقصد اهل الزمان الی الاضرار لغیرہم شرح نقایہ میں ہے کہ بلا عذر مرض یا قید کے ایک مہینہ تک مطالبہ میں تاخیر کرنے سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک شفیعہ باطل ہو جاتا ہو اور یہی امام زفر رحمہ اللہ کا قول ہو اور کرنی نے اسی کو اختیار کیا ہو اور اسی پر یعنی امام محمد رحمہما اللہ

کے قول پر اچکل فتویٰ ہی کیونکہ اس زمانے کے لوگ دوسروں کو ضرر پہونچانا چاہتے ہیں۔ اور ہر جندی نے مختصر وقایہ کی شرح میں لکھا ہے وہی بقول محمد رحمہ اللہ یفتی کذا فی مبسوط الا مام خواہر زادہ والمحیط والروضۃ والتتمۃ وفتاویٰ قاضی خان والخلاصۃ اسپر بیضیہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوٰہ ہی یہ امام خواہر زادہ رحمہ اللہ کے مبسوط ومحیط اور روضۃ اور تتمۃ اور فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں ہے واسم علیہم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ سوال ہندہ نے منجملہ چند مکانات مشترکہ چند اشخاص کے حصہ ایک شریک کا بذریعہ بیعنامہ کے خرید کیا ہوا ردعوی شفعہ کا برتاؤ شرع شریف منجانب دیگر شرکاء کے دائر ہوا ہے یا بین فریقین بابت تعمیل مراتب مواثبت واستشہاد کے بحث ہے شفعہ کی طرف سے طلب مواثبت واستشہاد یوں ظاہر کی گئی ہے کہ نوبتِ دن کو علم بیع کے وقت اُن اشخاص کے روبرو جو شفعہ کے رشتہ دار ہیں اور جن سے بیع کا علم ہوا شفعہ نے کہا حق ہمارا ہے ہم لین گے پھر شفعہ نے انھیں اشخاص کو روپیہ لینے کے لیے مہاجن کی کوٹھی میں بھیجا چنانچہ وہ روپیہ لائے اور دوپہر کے قریب بائع کے پاس اُس گاؤں میں جہاں وہ رہتا تھا گئے اور مکانات مشفوعہ شہر میں واقع ہیں اور اس شہر اور اُس گاؤں کے بیچ میں دریا حائل ہے اور وہ گاؤں شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے اور بائع جائیداد مشفوعہ کا قابض نہیں تھا اور مشتری شفعہ کو مکان کے متصل شہر میں منجملہ مکانات مشفوعہ کے ایک مکان میں بیع کے قبل سے موجود تھی جب وہ لوگ بائع کے پاس گئے تو بائع سے کہا کہ شفعہ نے کہا ہے کہ حق ہمارا ہے بلکہ وہ بائع نے جواب دیا کہ ہم بیع کر چکے مشتری کے پاس روپیہ لیاؤ پھر وہ لوگ وہاں سے پلٹ کر شام کے قریب مشتری کے شوہر کے پاس آئے اور کہا کہ شفعہ اپنا حق لینے کو مستعد ہے روپیہ اُس نے بھیجا ہے یہ سنکر مشتری کا شوہر زمانے مکان میں گیا اور وہاں سے آکر اُس نے کہا کہ ہم نے مکان رہنے کو لیا ہے بیچے کو نہیں لیا ہے اور شفعہ علم کے وقت ایک بار منجملہ مکانات مشفوعہ کے ایک مکان میں موجود تھا اب شفعہ یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ طلب مواثبت واستشہاد شرع کے موافق ہو گئی ہے اور مشتری یہ اعتراض کرتی ہے کہ طلب مواثبت واستشہاد شرع کے موافق نہیں ہوئی کیونکہ وہ لوگ جن سے شفعہ کو بیع کا علم ہوا تھا بقول شفعہ اس وقت موجود تھے شفعہ نے اُسکو چھوڑ کر طلب استشہاد بقول خود بائع غیر ذی ید سے کیا جو ایک گاؤں میں رہتا ہے جو شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے اور شفعہ نے طلب مواثبت واستشہاد میں مکانات مشفوعہ کے

حدود اربعہ بیان نہیں کیے پس قریب کو چھوڑ کر بعید سے استشہاد کرنا اور گواہوں کے موجود ہونے کی حالت میں اپنے طلب پر گواہ نکرنا اور مکانات مشفوعہ کے حدود اربعہ کا نہ بیان کرنا موافق فتاویٰ عالمگیری و شامی و ہدایہ وغیرہ کے مبطل شفعہ ہی اور کتب مذکورہ کے موافق مشتریہ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ طلب استشہاد میں خود بقول شفیع تاخیر ہوئی لہذا وہ بھی مبطل شفعہ ہی جواب سوال یہ ہے کہ طلب موافقت و استشہاد شرع شریف کے موافق اس صورت میں متحقق ہو یا نہیں اور مشتریہ کے اعتراضات صحیح ہیں۔ جواب عذراول کہ شفیع نے دونوں طلب کے وقت حاضرین کو گواہ نہیں بنایا غیر معتبر ہے کیونکہ طلب موافقت میں گواہ بنانا لازم نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے والا شہاد فیہ لیس بلازم و انما ہون فی التواجد اس میں گواہ بنانا ضروری نہیں ہے بلکہ محض اس غرض سے کہ انکار نہ کیا جاسکے۔ اور نہ یہ حاشیہ ہدایہ میں ہے۔ وذلك لان طلب المواثبة لیس الاثبات الحق و انما شرط هذا الطلب ليعلم انه غير معترض عن الشفعة وغير راض بمواخذ اللخیل والا شہاد لیس بشرط فیہ یہ اس لیے کہ طلب موافقت اثبات حق کے لیے نہیں ہوتی بلکہ یہ اسی وجہ سے فطر کی گئی ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ شفعہ سے انکار نہیں کرتا اور اس نئے آدمی کے پڑوسی بنانے پر راضی نہیں ہے اور اس میں گواہ بنانا شرط نہیں ہے۔ اور عنایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے الا شہاد فی ذلک لیس بشرط گواہ بنانا اس میں شرط نہیں ہے اور درختار کے باب طلب الشفعة میں ہے الا شہاد فیہ لیس بلازم بل لمخافة المجہود اس میں گواہ بنانا لازمی نہیں ہے بلکہ خوف انکار کی وجہ سے گواہ بنالینا چاہیے۔ اور طلب اشتہاد میں جو بعد طلب موافقت کے بائع یا مشتری یا نفس شے مبیع کے پاس ضرور ہے اگرچہ ظاہر ہدایہ اور اکثر دوسری کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہ بنانا ضروری مگر مقبرہ ہے کہ اس طلب میں بھی ضرورین ہی رد المحتار حاشیہ درختار میں ہے اقول ظاہر عبارتہم لزوم الا شہاد فیہ لکن رأیت فی الخانیۃ انما سمعہ الثاني طلب الا شہاد الا لان الا شہاد بشرط بل لیکن اثبات الطلب عند مجہود المضمین کہتا ہوں کہ ظاہر عبارت فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں گواہ بنانا لازم ہے مگر میں نے خانہ میں دیکھا ہے کہ ثانی کو طلب الا شہاد اس وجہ سے بھی نہیں کہتے کہ اس میں گواہ بنانا شرط ہے بلکہ گواہ اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ خصم کے انکار کی وقت اثبات طلب ممکن ہو۔ اور نتائج الافکار حاشیہ ہدایہ میں ہے لیکن ان میں منع ازوم الا شہاد فی طلب لیس بل فی طلب الا شہاد ایضا بناء علی ما ذکرہ قاضی خان فی فتاویٰ

حیث قال وانما یسے الثاني طلب الاشهاد لان الاشهاد بشرط بل لیکن اثبات الطلب عند وجود الخصم
 انتھ فانہ یدل علی ان الاشهاد فی طلب التقریر لیس بلازم بل انما ہوں نفی التجاحد کما فی طلب المواثبات
 و بناء علی ما ذکرہ صاحب الہدایۃ حیث قال واما الاشهاد علی ہذا الطلب فلیس بشرط و انما هو
 لتوثقہ علی تقدیر انکار کما فی طلب الاول ممکن ہو کہ طلب تقریر یعنی طلب اشہاد میں گواہ بنانے کے
 ضروری ہونے سے انکار کیا جائے اُس بنا پر کہ قاضی خان نے لکھا ہو کہ دوسرے کو طلب اشہاد کہنے کی وجہ
 یہ نہیں ہو کہ اشہاد بشرط ہو بلکہ گواہ اس غرض سے بنائے جاتے ہیں کہ انکار خصم کے وقت اثبات طلب
 ممکن ہو انتہی کیونکہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہو کہ طلب تقریر میں گواہ بنانا لازم نہیں ہو بلکہ وہ انکار کے روکنے
 کیلئے جیسا کہ طلب مواثبات میں ہو اور اس بنا پر کہ ہر مین ہر اس طلب پر گواہ بنانا شرط نہیں ہو بلکہ وہ ضبوطی
 سے ہو کہ بر تقدیر انکار آسانی ہو جیسا کہ طلب اول میں ہو۔ اور عذر دوم اس وجہ سے غیر معتبر ہو کہ طلب
 اشہاد میں اسی قدر ضروری ہو کہ یہ طلب بائع کے پاس ہو یا مشتری کے پاس یا شے بیع کے پاس عام
 اس سے کہ بائع یا مشتری ذوالید ہو یا نہو اور ذوالید کو چھوڑ کے غیر ذوالید کے پاس طلب کرنا بطل
 شفعہ نہیں ہو رد المحتار حاشیہ در مختار کے باب ما یبطل الشفعۃ میں ہو تقدم انہ یصح الاشہاد علی المستحق
 وان لم یکن العقار فی یدہ و کذا علی البائع وان لم یکن الدار فی یدہ استحسانا لکما ذکرہ شیخ الاسلام
 یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ مشتری پر گواہ بنانا صحیح ہو اگرچہ مال اُسکے ملک میں نہ ہو اسی طرح بائع پر
 گواہ بنانا صحیح ہو اگرچہ گھر اُسکے قبضے میں نہو استحسانا جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہو۔ اور
 فتاویٰ عالمگیری میں ہے ان کان المبیع فی ید المشتري ذکر الکفر فی النوادر انہ لا یصح الاشہاد
 علی البائع و نص محمد فی الجامع الكبير انہ یصح الاشہاد علیہ بعد تسلیم المبیع استحسانا لا قیاسا کذا
 فی محیط السخسی اگر مبیع مشتری کے قبضے میں ہو کر خی رحمہ اللہ نے نوادر میں ذکر کیا ہو کہ بائع پر گواہ بنانا
 درست نہیں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے جامع کبیر میں لکھا ہو کہ بائع پر گواہ بنانا تسلیم بیع کے بعد درست
 ہو استحسانا لقیاسا یہ محیط سخی میں ہو۔ اور طلب اشہاد میں توقف کا عذر اس لیے غیر معتبر ہو کہ طلب
 اشہاد کو کچھ فی الفور ہونا ضروری نہیں ہو اور نہ اُسکی کوئی خاص مدت مقرر ہو کہ اُس سے تاخیر کرنا بطل
 شفعہ ہو بلکہ ہرگز ممکن ہو جیسا کہ جامع الرموز میں ہے انما ذکر کلمۃ ثم اشارۃ الی ان مدۃ ہذا الطلب لیسبت
 علی فور المجلس بل مقدرة بمدۃ التکلیف من اشہاد کما فی النہایۃ وغیرہ کلمہ کہ اس سے اس جانب اشارہ

ہو کہ مدت طلب کچھ فی القدر نہیں ہو بلکہ جب گواہی پر قدرت ہو جیسا کہ نہایہ وغیرہ میں ہے۔ باقی رہا
یہ عذر کہ شفع نے قریب کو چھوڑ کر بعید کے پاس طلب اشہاد کیا علی الخصوص جبکہ بعید یعنی بائع اُس
شہر میں نہ تھا اور مکان مشفوع بہ اور مشتری شہر میں تھا پس اگرچہ یہ امر مختلف فیہ ہو کہ قریب چھوڑ
کے بعید سے طلب کرنا مبطل شفعہ ہے یا نہیں مگر اکثر کتب معتبرہ فقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر مبطل
شفعہ ہے جو جامع الرموز میں ہے فیہ اشارۃ الی ان لا اشہاد عندا بعد ہولاء مع الاقرب علی ما قال
بعض المتأخر وذهب آخرون الی انہ انما یشہد عند الاقرب لما فی المہیط وغیرہ اس میں اس جانب
اشارہ ہو کہ اُسے بعید کے پاس طلب اشہاد کا حق ہو جبکہ اقرب موجود ہو جیسا کہ بعض متأخر نے کہا ہے
اور دوسرے لوگ اس جانب گئے ہیں کہ طلب اشہاد اقرب کے پاس کرے جیسا کہ محیط وغیرہ میں ہے
اور تعلیق الانوار حاشیہ در مختار میں شربنہ الیہ سے منقول ہے لو قصد الا بعد من ہولاء التلثۃ وترك
الاقرب فان کافوا جمیعاً فی المصر جازاً استحساناً وان بعضهم فیہ والبعض فی مصر آخر او فی الرستاق
فقصداً لا بعد وترك الذی ہو فیہ بطلت شفعۃ قیاساً واستحساناً لما فی التیین اگر ان تینوں میں
سے البعد کے پاس گیا اور اقرب کو چھوڑ دیا تو اگر سب شہر میں ہوں تو استحساناً جائز ہو اور اگر بعض شہر میں
میں اور بعض دوسرے شہر میں یا دیہات میں ہوں اور وہ البعد کے پاس گیا اور اقرب کو چھوڑ دیا جو اس
شہر میں تھا تو اسکا شفعہ قیاساً اور استحساناً ہی باطل ہو گیا یہ تبیین میں ہے۔ اور رد المحتار حاشیہ در مختار
میں خانیہ سے منقول ہے ان کان المتبایعان الشفع والدان فی مصر والدان فی بلد البائع فالایم ذہب الشفع وطلب صح
ولا یعتبر فی الاقرب والا بعد لان المصر مع تباعد الاطراف لکمان واحداً لان غیرا علی الاقرب لم یطہر بطل
وان کان الشفع وحده فی مصر آخر فالایم ذہب صح وان احد المتبایعین فی مصر الشفع فطلب من البعد بطلت اگر
بائع اور مشتری شفع او گھر ایک ہی شہر میں ہوں اور گھر بائع کے قبضہ میں ہو تو جسکے پاس جاکر شفع مطالبہ کرے اسکا مطالبہ صحیح ہوگا
اس میں اقرب اور البعد کا کچھ اعتبار نہیں ہو کیونکہ ایک شہر مثل ایک مکان کے ہو گو کہ اُسکے حصے ایک
دوسرے سے دور ہوں مگر یہ کہ البعد کو اقرب پر اختیار کرے اور مطالبہ نہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا
اور اگر ایک شفع دوسرے شہر میں ہو تو جسکے پاس جائے مطالبہ صحیح ہو جائے گا اور اگر بائع و مشتری میں
سے ایک شفع کے شہر میں ہو پھر بھی وہ بعید سے طلب شفعہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور ایما ہی
فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں ہو مگر یہ حکم اُس صورت میں ہو جبکہ اقرب کو بالکل ترک کر دے اور البعد سے

طلب شفعہ کرے اور صورت مسئول عنہما میں اقرب سے بالکلیہ ترک نہیں یا ایسا جو ہر شفعہ کے شفعہ نے طلب اشہاد بائع و مشتری دونوں سے کیا ہو یا نہ ہو زائد یہ ہو کہ اُس نے بائع سے اس خیال کی وجہ سے کہ وہ قابل بیع ہو گیا اور کسی وجہ سے تقدیم کی اس سے تاخیر طلب اشہاد کی مشتری کو لازم آئی وہ بطل شفعہ نہیں کہہ سکتا کہ قرائن اس پر قائم ہیں کہ یہ تاخیر بضرع اعراض نہ تھی البتہ یہی تاخیر طلب اشہاد کی بضرع اعراض نہ ہو بطل نہیں ہو یعنی نے بنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے اما اذا كان هناك مانع والظاهر انه ترك الاشهاد لادعاء فلا يسقط حجب كوني مانع موجود ہو اور بظاہر ترک طلب بضرع اعراض نہ ہو تو اُس کا حق ساقط نہ ہوگا۔ اور یہ بھی لکھا ہے تم اذا تاخر بعد زمان كما اذا علم في الليل فاخر الى الصبح واقيمت الصلوة ويحان فوت الصلوة فاخروا لا يسقط شفعته پھر اگر کچھ تاخیر کی مثلاً اُسے رات کو معلوم ہوا اور اُس نے صبح تک تاخیر کی یا نماز شروع ہو چکی تھی اور اُسے نماز کے جاتے رہنے کا خوف تھا اس وجہ سے اُس نے تاخیر کی تو شفعہ باطل نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ شفعہ نے جسوقت طلب مواثبت دو گواہوں کے سامنے کی اُس وقت ہر ایک گھر میں انھیں گھر وں میں سے موجود تھا جتنی طلب مقصود تھی پس اسکی یہ طلب دونوں طلبوں کی قائم مقام ہو گئی اور تاخیر اقرب و تقدیم ابعدا بھی لازم نہیں آئی عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں فی مبسوط شیخ الاسلام الشفعہ انما يحتل الى طلب الاشهاد بعد طلب المواثبة اذا لم يمكن الاشهاد عند طلب المواثبة بان سمع المخبر حال غيبة المباع والمشتري والدار اما اذا سمع المشتري عند حفرة هوكاء وطلب المواثبة وثم هذا على ذلك فذلك يكفيه وليقوم مقام الطلبين وايضا قال حتى لو سمع عند حفرة احد من المباع والمشتري او عند الدار ووجد عن طلب المواثبة واشهد على ذلك يكفيه ويقوم ذلك مقام الطلبين كذا في الفتاوى الظهيرية شيخ الاسلام رحمه الله کے مبسوط میں یہو شفعہ کو طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد کی اسوقت ضرورت ہوتی ہے جب طلب مواثبت کے وقت و کسی کو گواہ نہ بنا سکا ہو مثلاً اُسے بائع اور مشتری اور گھر کی عدم موجودگی کے وقت خبر ہو لیکن جب مشتری ان کی موجودگی میں نے اور طلب مواثبت کرے اور اس پر شاہد بنائے تو یہ کافی اور دونوں مطالبوں کا قائم مقام ہو اور بھی لکھا ہے اگر شفعہ بائع و مشتری میں سے کسی کی موجودگی میں یا گھر کے پاس نے اور طلب مواثبت کرے اور اس پر شاہد بھی بنائے تو یہ دونوں مطالبوں کا قائم مقام ہوگا یہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔ حاصل یہ ہو کہ صورت سوال میں بحسب ضوابط شرعیہ طلب مواثبت و استشہاد کا تحقق ہو گیا اور حق شفعہ ثابت ہو گیا اور

مشتربہ کے اعتراضات قابل اعتبار نہیں ہیں۔ سوال طلب خصوصیت میں اگر دیر واقع ہو تو حق شفعہ باطل ہوتا ہے یا نہیں جو قول مفتی بہ اور قابل اخذ ہوا سکو تحریر فرمائیے۔ جواب اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو فی رحمہ اللہ کے نزدیک موافق ظاہر الروایۃ کے شفعہ باطل نہوگا اور ہدایہ اور کافی میں اسی کو مفتی بہ لکھا ہے مگر جماعت کثیرہ محققین حنیفہ رحمہم اللہ نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے یعنی نے بنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے ان ترک هذا الطلب لغير عند الاحتياط شفعت وان طال المدة وعلى قولهما تبطل اذا طال المدة واختلف الرواية عنها في طول المدة ففي رواية عن محمد ثلثة ايام وفي اخرى الشهر وهو احدى الروايات عن ابی یوسف قال شیخ الاسلام الفتوی الیوم علی قول محمدؒ وهكذا اذكر ايضا في الجامع الصغير لقاضي خان فكان ما اختاراه في لکتابان الفتوی علی قول ابی حنیفہؒ مخالفاً لروایات هذه الكتب اگر یہ مطالبہ بلا کسی عذر کے نہ کیا تو شفعہ باطل نہوگا اگرچہ عرصہ بہت گزر جائے اور صاحبین رحمہم اللہ کے قول پر جب مدت طویل ہو تو شفعہ باطل ہو جاتا ہے اور طول مدت کے متعلق صاحبین رحمہم اللہ سے مختلف روایتیں ہیں امام محمد رحمہم اللہ کی ایک روایت میں تین دن ہیں اور دوسری میں ایک مہینہ اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ آجکل فتویٰ اسی پر ہے قاضی خان کی جامع صغیر میں بھی یہی لکھا ہے تو کتاب (ہدایہ) میں جو امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے قول پر فتویٰ لکھا ہے وہ ان کتابوں کی روایت کے خلاف ہے اور تیسرے فتاویٰ حامد یہ ہیں کہ قال فی شرح الجمع وفي الجامع الخافى الفتوى على قول محمدؒ تغيير احوال الناس في قصد الاضرار بهم وبه ظهران اتمامهم بخلاف ظاهر الرواية لتغير الوان ونظائره كثيرة وقصد الاضرار في زماننا كمن شرح مجمع اور قاضی خان کی جامع میں ہے کہ آجکل امام محمد رحمہم اللہ کے قول پر فتویٰ ہے کیونکہ ضرر پہنچانے میں اب لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں انتہی اس سے معلوم ہو گیا کہ ظاہر روایت کے خلاف فتویٰ اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ زمانہ بدل گیا اسکی مثالیں بکثرت ہیں ہمارے زمانہ میں ضرر پہنچانا بہت ہے سوال باوجود قدرت کے اگر شفعہ نے بلع یا مشتری یا بیع کر نزدیک طلب اشہاء نہ کیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگا یا نہیں جواب باطل ہوگا عالمگیری میں کہ شفعہ طلب الاشہاء دمقدربا لکن من الاشہاد فتمنع لکن من الاشہاد عند حضرة واحد من الملک والمشتري والمبيع ولم يطلب الاشہاد بطلت شفعته نفيا للضرر عن المشتري پھر طلب اشہاد موقوف ہوگا اور نہ

قدرت پر پس جب طلب شہادت پر قدرت ہو جائے اور مشتری او بیع میں سے کسی ایک کے حاضر ہونے کے وقت اور طلب اشہاد نہ کرے تو مشتری کو ضرر سے بچانے کے لیے شفہ باطل ہو جاتا ہے۔ سوال اگر شفیع نے مجلس علم بیع میں طلب شفہ نہ کیا اور طلب مواثبات فوت ہو گئی تو شفہ باطل ہو یا میں نہیں جواب باطل ہو گیا جامع الرموز میں ہر فان اخر الشفیع احدھا ای لطلبین طلب مواثبات علی مجلس و طلب الاشہاد عن مدۃ التکلیف عند بطل الشفہ الا بعد رمثل غیبتہ مدۃ السفر پس اگر شفیع نے دونوں طلبوں میں سے ایک کو موخر کر دیا یعنی طلب مواثبات کو مجلس سے اور طلب اشہاد کو قدرت رکھنے کی مدت سے تو شفہ باطل ہو جاتا ہے مگر کسی عذر سے مثلاً سفر کی مدت میں غائب ہونے کی وجہ سے اور عالمگیری میں ہے اما طلب المواثبات فہو انہ اذا علم الشفیع بالبیع ینبغ ان یتطلب الشفہ علی الفور و اذا سکت ولم یطلب بطلت شفہ و ہذا روایۃ الاصل و المشرع و من اصحابنا و روئے ہشام عن محمد رحمہ اللہ ان طلب فی مجلس العلم فہو الشفہ و الا فلا بمنزلۃ خیار الخیرۃ و خیار القبول لیکن طلب مواثبات یہ ہے کہ جب شفیع کو بیع کا علم ہو تو اسے فوراً طلب شفہ کرنا چاہیے اور اگر چپ رہا اور شفہ طلب نہ کیا تو اس کا شفہ باطل ہو جائے گا اور یہ اصل کی روایت ہے اور جو ہمارے اصحاب سے مروی ہے اور جو ہشام نے محمد رحمہ اللہ سے روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ اگر مجلس علم میں مطالبہ کرے تو اس کے لیے شفہ ہے ورنہ نہیں جیسے خیار خیرہ اور خیار قبول۔ سوال زید نے عمرو پر ارضی کا دعویٰ کیا اور عمرو نے انکار کیا پھر زید نے اس ارضی میں سے ٹھوڑی ارضی لیکر باقی سے ابراہیم کیس شفہ کا اسل ارضی میں جو زید نے لی ہو یا اس ارضی میں جو عمرو کے قبضہ میں ہو دعویٰ کر سکتا ہے یا نہیں جواب نہیں کیونکہ بیع اور معاوضہ کی صورت متحقق نہیں ہو زید نے جو ارضی لی ہو اپنے خیال کے موافق اپنا حق لیا ہو اور باقی سے اس نے ابراہیم کے جسطرح وہ عمرو کے قبضہ میں تھی چھوڑ دی تنویر الابصار میں ہے وہی تملیک البقعة جبراً علی المشتري بما قام علیہ شفہ جبراً کسی چیز کے مالک ہونے کو کہتے ہیں اس طرح پر کہ جو قیمت مشتری نے دی ہو وہ شفیع مشتری کو دیدے۔ اور در مختار میں ہے صالح من بعض ما یکملہ ای عین ید عیالہ یصحہ لان ما قبضہ من عین حقہ الا بزيادة شیء آخر کثوب و درہم فی البدل مفسر ذلک عوضاً من حقہ فی البقعة و یلحق بدلاً براء عن دعوی الباقی اگر بعض اس چیز پر جبکا دعویٰ کیا ہے

صلح کر لی تو حق شفعہ ثابت نہوگا کیونکہ چہرہ قاضی ہر عین اسکا حق ہے اگر کسی شے کی زیادتی کے ساتھ جیسے
 کپڑا اور روپیہ پس ہو گئے یہ عرض اُس کے باقی حق سے یا باقی کے دعوی سے ابراہم لاحق ہو جائے گا۔
سوال۔ استغاثہ کی عرضی میں جو پہلے پیش کی ہو اسکا ذکر نہ تھا کہ شفعہ نے طلب اشہاد کیا ہو پس
 اُس کا دعوی قابل سماعت ہو یا نہیں جو اب جو استغاثہ کی عرضی پہلے مجملہ پیش کی اُس میں
 طلب اشہاد کا ذکر ضروری نہیں ہے البتہ قاضی کے سامنے تصحیح دعوے کے وقت طلب اشہاد کا بیان
 کرنا ضروری ہو۔ زلیحی نے لکھا ہو فاذا قال الشفع انما شفيعها وبين سببا صالحا ولم يكن محجوبا
 بغيره سأل القاضى انه متى علم وكيف منع حين علم لانها تبطل بطول الزمان وبالاعراض
 وبما يدل عليه فلا بد من كيفية ذلك فاذا بين ذلك سأل عن طلب التقرير كيف كان وعند
 من اشهد واهل كان الذي اشهد عليه اقرب من غيره ام لا على الوجه الذي بيناه فاذا بين
 ذلك كله ولم يخل بثنائه من شروطه ثم دعواه واقبل على المدعى عليه جب شفع کے کہ میں اُسکا
 شفع ہوں اور صحیح سبب بیان کرے اور کسی غیر کی وجہ سے وہ محبوب نہوتا ہو تو قاضی اُس سے
 پوچھے گا کہ اُسے کیونکر معلوم ہوا اور جب اُسکو معلوم ہوا تو اُس نے کیا کیا کیونکہ شفعہ طول زمانہ
 اور انکار پر دلالت کرنے والی چیز ہے باطل ہو جاتا ہے پھر جب وہ اسے بیان کرے تو
 اُس سے قاضی طلب تقریر کا سوال کرے گا کہ کیونکر تھی اور کس کے سامنے گواہ بنایا اور جس کو سامنے
 گواہ بنایا وہ غیر سے قریب تھا یا نہیں جس طریقے سے ہم نے بیان کیا ہے پھر جب وہ ان تمام باتوں کو
 بیان کر چکے اور کوئی غلطی اُسکی شرط میں نہو تو اُسکا دعوی تمام ہوا اور مدعی علیہ سکوت قبول کر گیا۔
سوال کوچہ غیر نافذہ میں ایک گھر ہو جس میں چند آدمی شریک ہیں اور اُس گھر میں ایک
 کوٹھری ہو جو دو آدمیوں میں مشترک ہو ان میں سے ایک نے اپنا حصہ بیچا پس کس کو شفعہ کا
 حق حاصل ہو جو اب کوٹھری کا شریک مقدم ہو اگر اُس نے اپنے شفعہ کو چھوڑ دیا تو گھر کے شریک
 کو حق شفعہ حاصل ہو عالمگیری میں ہو بیت فی دار فی سکتہ غیر نافذہ والبت لاثنين والدار لهما
 فباع احدا الشريكين نصيبه من البيت فالشفعة او لا للشريك في البيت فان سلم فلشريك
 الدار او لم يشره نافذہ کے ایک گھر میں ایک کوٹھری ہو اور گھر کئی آدمیوں کا ہو اور کوٹھری کے دو
 شریک ہیں ان میں کوٹھری میں ایک شریک نے اپنے حصے کو بیچا تو پہلے کوٹھری کی شریک کو شفعہ حاصل ہو

اگر وہ انکار کرے تو گھر کے شریک کو شفعہ حاصل ہو۔ سوال اگر شفعی نے بیع کی خبر پانے کے بعد مشتری سے بیع کی خریداری کی گفتگو کی یا مشتری سے بیع کو اجارہ پر لیا یا اور کوئی ایسی بات کی جو تسلیم شفعہ پر دلالت کرتی ہو تو شفعہ باطل ہوگا یا نہیں جواب باطل ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے و ما یبطل بحق الشفعۃ بعد ثبوتہ نوعان اختیاری و ضروری و الاختیاری نوعان صحیح و کالاتہ اما الدالۃ فہو ان یوجد من الشفعی ما یدل علی رضاه بالعقد و حکمہ للمشتری مکذا علم بالشراء فترک الطلب علی الفور من غیر علم او قام عن المجلس او تشاغل عن الطلب بعلم غیر علی اختلاف الروایتین و کذا اذا ساءم الشفعی الدار من المشتري او سألہ ان یولیہ ایاک او استأجر الشفعی من المشتري و اخذها من راعی او معاملۃ و ذلک کما بعد العلم ہکذا فی البدایع صرف و قسمین ہیں حق شفعہ کے ثبوت کے بعد حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے اختیاری اور ضروری اختیاری کی دو قسمیں ہیں صریح اور دلالت لیکن دلالت پس شفعی سے وہ چیز پائی جائے جو عقد کی رضامندی پر دلالت کرے جیسے جس وقت اسکو شرا کا علم ہو وہ اسی وقت مطالبہ کو ترک کر دے بغیر علم کے یا مجلس سے کھڑا ہو جائے یا مشتری سے گھر خریدے یا اس سے اس امر کی درخواست کرے کہ وہ اسکو مکان کا والی کر دے یا شفعی مشتری سے بیع کو اجرت پر لے یا کھیتی کرنے کے لیے لے یا اور کسی کام کے لیے لے اور یہ سب علم کے بعد ہوں یہ بدائع میں ہے سوال مشتری اور عقار بیع دہین ہو جہاں شفعی نے بیع کی خبر پائی ہو اور بدائع دوسرے دیہات میں ہو اور شفعی نے نہ عقار پر طلب اشہا و کیا نہ مشتری کے پاس اور باوجود قرب کے ان دونوں کو چھوڑ کر بائع کے پاس جا کر جو دور ہو طلب اشہاد کیا تو شفعہ باطل ہوگا یا نہیں جواب باطل ہوگا عالمگیری میں ہے فان تولی الاقرب من ہذا الثلثۃ و ذهب الی الابعد ان کان اقل فی مصر و احد لا تبطل شفعۃ استحسانا و ان کان الابعد فی مصر آخر او فی قریۃ من قری ہذا المصوبطلت شفعۃ اگر شفعی نے بائع مشتری سے بیع تینوں میں سے اقرب کو ترک کیا اور البعد کے پاس گیا جبکہ سب ایک ہی شہر میں تھے تو استحسانا شفعہ باطل ہوگا اور اگر البعد دوسرے شہر میں یا اس شہر کے کسی گاؤں میں تھا اور شفعی بعد ہی کے پاس گیا تو شفعہ باطل ہو جائیگا۔ سوال شفعی کو اسی قیمت پر بیع لینا چاہیے جو بیعنامہ میں لکھی ہو یا اس قیمت پر جو بائع اور مشتری کے علاوہ دوسرے لوگ بیع کی قیمت لگائیں۔ جواب۔ اس میں نہ تجویز ثالثان کو دخل ہے نہ تحریر بیعنامہ کو بلکہ بائع اور مشتری کے

و میان میں جو قیمت اُسکی قرار پائی ہو اُسی قیمت پر شفعہ کو لینا چاہیے تنویر الابصار میں ہر جی تملیک
 البقعة جبراً علی المشتري باقام علیہ شفعہ جبراً کسی چیز کے مالک ہونے کو کہتے ہیں اس طرح ہر کہ جو قیمت
 مشتری نے دی ہو وہ شفعہ مشتری کو دیدے۔ سوال۔ ایک شفعہ نے دوسرے شفعہ کو اپنی طرف سے
 حق شفعہ حاصل کرنے کے لیے وکیل کیا اور وکیل نے اپنے موکل کی طرف سے شفعہ طلب کیا پس وکیل
 کا حق شفعہ اس صورت میں باطل ہوگا یا نہیں جواب باطل ہوگا عالمگیری میں ہر ان وکیل اجل الشفعہ ان
 یاخذ الدار لہ بالشفعة فاطهر الشفعہ ذلك فليس له ان ياخذها لان طلبه بغيره تسليم منه للشفعة
 فانما يطلب البیع من الموکل ولو طلب البیع لنفسه كان به مسلماً للشفعة فاذا طلبها بغيره كان اولی
 ایک شخص نے اپنا حق شفعہ طلب کرنے کے لیے ایسے شخص کو وکیل بنایا جسکو خود بھی حق شفعہ حاصل تھا
 اور اس نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ میں اُسکا وکیل ہوں تو اب اُسکی حق نہیں رہا کہ خود اُس چیز
 کو لے کیونکہ دوسرے کے لیے شفعہ کا طلب کرنا اُسکے شفعہ کا تسلیم کر لینا جواب اُسے صرف یہی حق ہے
 کہ اپنے موکل کی جانب سے بیع کا مطالبہ کرے اور اگر اپنی بیع کا مطالبہ کرے گا تو وہ شفعہ سے دست بردار ہو جائیگا پس اگر
 دوسرے کے لیے مطالبہ کرے تو بدرجہ اولیٰ اپنی شفعہ سے دست بردار ہوگا سوال۔ اگر بیع اسباب کے عوض میں
 ہوئی ہو تو شفعہ کس چیز کے عوض میں ہے جواب اسباب کی قیمت دینے کے لیے ہے۔ ہر ایہ میں ہے ومن
 اشتری دادا بغرض اخذ لا الشفعہ بقیمة لانه من ذوات القیمة اگر کسی نے اسباب کے عوض میں
 بیع کو بجا تو شفعہ اسباب کی قیمت دے کے لے کیونکہ وہ ذوات قیم میں سے ہے۔ سوال اگر زید نے
 اپنا مکان عمرو کے نام سے بیع بالعوض کیا تو شفعہ شفعہ کا دعوے کر سکتا ہے یا نہیں جواب کر سکتا ہے کیونکہ
 بیع بالعوض بیع کے حکم میں ہے ابتداءً اور انتہاءً بھی ہر ایہ میں ہے واذا ملک العقار بعوض هو مال
 وجبت فیہ الشفعة اور جب عقار کا مال کے عوض میں مالک ہو تو اس میں شفعہ واجب ہے۔
 سوال اگر زید نے اپنی زمین کے حصہ کو بشرط عوض بیع کیا اور طرفین کا قبضہ بھی عمل میں آگیا تو
 شفعہ شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہے یا نہیں جواب کر سکتا ہے کیونکہ بیع بشرط عوض قبضہ طرفین کے بعد
 بیع کا حکم پیدا کر لیتی ہے۔ برجندی نے لکھا ہے فاذا اتقباضا وتما العقد صح وصار فی حکم البیع فیرم
 بالعب وخیار الویة وثبت الشفعة ان کان احد العوضین عقاراً جب ان دونوں قبضہ
 کیا اور عقد تام ہوگا تو صحیح ہے اور وہ بیع کے حکم میں ہے پس عیب اور خیار رویت کی وجہ سے بیع

لو مافی جاسکتی ہو اور شفعہ ثابت ہوگا جب دونوں عوضوں میں سے ایک عقار ہو۔ سوال بہ بشرط
عوض اسقاط حق شفعہ کا جیلہ ہو سکتی ہو یا نہیں جواب نہیں جموی نے ایشاہ میں لکھا ہے اما اذا
كانت المهمة بشرط العوض فحقه اختلاف الروايتين ففي ظاهرهما رواية انهما بمعنى البيع وثبت للشفيع
فيهما حق الشفعة وفي التوارد انهما ليست في معنى البيع وفي بعض المواضع ذكر الخلاف بين ابی یوسف ومحمد
رحمهما الله واذا كان في المسألة اختلاف او خلاف لا تصح حيلة لا بطلان الشفعة كذا في التاتارخانية
مگر جبکہ بہ بشرط عوض ہو پس اُس میں دو روایتوں کا اختلاف ہو پس ظاہر روایت میں وہ بیع کے
معنی میں ہو اور شفیع کے لیے اُس میں حق شفعہ حاصل ہو اور نوادر میں ہو کہ وہ بیع کے معنی میں نہیں ہو
اور بعض مواضع میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے درمیان خلاف واقع ہو اور جب مسئلہ میں
اختلاف یا خلاف ہو تو بطلان شفعہ کے لیے کوئی حیلہ صحیح نہیں ہو یہ تاتارخانیہ میں ہو۔ سوال
جار ملاصق کسے کہتے ہیں جواب جار ملاصق یہ ہو کہ اُس کی ملوکہ زمین حقیقہ یا حکما بیع کے
متصل ہو اور بیع اور جار دونوں کے مروجہ راستہ شارع عام کی جانب ہو عام اس سے کہ ایک کا
دروازہ ایک گلی میں اور دوسرے کا دروازہ دوسری گلی میں ہو مثلاً پشت زمین جار پشت بیع
کے جانب ہو پس اگر گھر میں سے کوئی کوٹھری پہنچی تو جار ملاصق بیت اور ملاصق منہای دار حق شفعہ
میں برابر ہیں اگرچہ ان دونوں میں سے ایک ملاصق حقیقی اور دوسرا ملاصق حکمی
ہو سوال اگر ایک شخص نے اپنا ملوکہ بیچ منزلہ مکان جو کوچہ غیر نافذہ میں واقع ہو ایک قیمت میں
بیچا اور شفیع جار محض ایک منزلہ مکان کا جار ہو پس اُس کو اس منزل میں طلب شفعہ پہنچتا ہو یا
نہیں جواب پہنچتا ہو۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہو سبب لہ خمس منازل فی سکتہ غیر نافذہ
فباع هذه المنازل فطلب الشفيع الشفعة فی منزل واحد فهذا ان طلب الشفعة بحق الشركة فی الطريق
لم یکن لہ ان یاخذ البعض لما فیہ من تفریق الصفقة من غیر ضرورة وان طلب الشفعة بالمجار وجوارہ
فی هذا المنزل لا غیر کان لہ ذلك لانہ جار لهذا الواحد خاصة ایک شخص کے پاس یا بیچ منزلہ مکان
کو کوچہ غیر نافذہ میں ہو اُس نے اُن سبب منزلوں کو بیچا پس شفیع نے ایک منزل کے لیے شفعہ پیش کیا
تو اگر شفعہ اس امر پر پیش کیا ہو کہ وہ منزل راستہ میں ہو جو مشترک ہو تو بعض منازل کا لینا جائز
نہیں ہو کیونکہ اس میں بلا ضرورت تفریق عقد ہو اور اگر اس لیے شفعہ پیش کیا ہو کہ اُس کا پڑوسل ہی

منزل سے ہو اور کسی منزل سے نہیں ہو تو اس ایک کے لیے شفعہ جائز ہے۔ سوال اگر رید ذرا مٹی کے دس قطعے یا چھ گائون ایک قیمت پر بیچے اور پڑوسی ایک قطعہ یا ایک گائون کا شفعہ ہو تو اُس شفعہ کو اسی قطعے یا اسی گائون میں شفعہ کا حق حاصل ہو یا نہیں جواب حاصل ہو قبیہ میں ہو اشتراکی عشرۃ اقربۃ متلازقۃ والشفیع انما یأزق بعضها فلا شفعۃ لہ الا قیما لانزقہ وكذلك القرۃ وکذا لک الاراضی لان السبب یخصہ وان کان فیہ تفریق الصفقة علی المشتري ایک شخص نے دس قطعے جوئے ہوئے ہیں خریدے تو شفعہ کو اُس قطعے پر حق شفعہ حاصل ہو جو اُس سے ملا ہو اور اسی طرح قریہ اور اراضی اس لیے کہ سبب اُس کو خاص کر دیتا ہو اگرچہ مشتری پر عقد کا علیحدہ کرنا ہو۔ سوال زید کے دو مکان ہیں ایک بنارس میں اور دوسرا جوہر میں اس نے دونوں کو ایک عقد کے ساتھ بیچا اور بکرہ دونوں مکانوں کا پڑوسی ہو پس کیا بکرہ ایک مکان کے حق شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہو۔ جواب اگرچہ تو بکرہ حق شفعہ میں دونوں مکانوں کو لے سکتا ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کو لے اور دوسرے کو نہ لے قبیہ میں ہو اذا اشتري دارین احدهما بالشام والاخری بالعراق وشفیعها واحد یا خذها او یتزکھا لان فیہ تفریق الصفقة علی المشتري مع شمول السبب لهما جب دو گھر خریدے جن میں سے ایک شام میں اور دوسرا عراق میں ہو اور ان دونوں گھروں کا شفعہ ایک ہی شخص ہو تو اُس کو اختیار ہو چاہے دونوں کو لے یا دونوں کو چھوڑ دے اس لیے کہ اُس میں حق کی تفریق ہو مشتری باوجود شمول سبب کے اُن دونوں کے لیے سوال ایک زمین پہلے زید اور عمرو میں مشترک تھی پھر اُس کے بیچ میں دونوں نے ایک دیوار بنائی اُس کے بعد یوں تقسیم کی کہ دیوار کی ایک طرف کی زمین زید نے لی اور دوسری طرف کی زمین عمرو نے لی اور دیوار اور جتنی زمین پر دیوار ہو وہ اب تک اسی طرح مشترک ہو اب عمرو نے اپنی مملوکہ زمین بیچ ڈالی تو زید کو شفعہ کمالیگا جواب شفعہ شریک فی بعض المبیع کمالیگا۔ عالمگیری میں ہو تون ارض بین اثین غیر مقسومۃ نیما فی وسطها حالظا ثم اقتسما الباقی فیکون الحاص وما تحت الحائط من الارض مشترکاً بینہما فكان هذا الجار شریکاً فی بعض المبیع ایک زمین دو آدمیوں میں مشترک تھی پھر اُن دونوں نے اُس زمین کے وسط میں ایک دیوار بنائی پھر باقی زمین آپس میں اس طرح بانٹ لی کہ دیوار اور جتنی زمین پر دیوار ہو وہ مشترک ہو پس یہ پڑوسی شریک فی بعض المبیع کمالیگا۔ سوال اگر زید اور عمرو نے مشترک میں

تقسیم کر لی اور حد فاصل خط کھینچ دیا تو ہر ایک دوسرے کے لیے کون شفیع کہلائیکا جواب شفیع جار کہلائیکا عالمگیری مین ہو اما اذا اقتسم الارض وخطا خطا فی وسطها ثم اعطی کل منہا شیئاً حتی بنیاً حائطاً فکل منہما جار لصاحبه فی الارض شریک فی البناء لا غیر جب زمین کو آپس میں تقسیم کر لیا اور اس کے وسط میں خط کھینچ دیا پھر دونوں نے تھوڑی تھوڑی زمین دی اور اس پر دیوار بنوائی پس ہر ایک اپنے ساتھی کا زمین میں جار ہو اور صرف بنا زمین شریک ہو سوال اگر سرکاری زمین پر دو شخصوں نے ملکہ عمارت بنائی پھر ایک نے اپنا حصہ بیچ ڈالا تو دوسرے کو حق شفیع حاصل ہو یا نہیں جواب نہیں عالمگیری مین ہو والشركة فی البناء لا توجب الشفعة بنائین شرکت شفیع کو واجب نہیں کرتی سوال شفیع نے خبر پائی کہ مشتری زید ہو وہ چپ رہا پھر معلوم ہوا کہ مشتری بکر ہو اب وہ شفیع کا دعوے کر سکتا ہو یا نہیں جواب کر سکتا ہو عالمگیری مین ہو اذا قیل لمان المشری فلان فسلم الشفعة ثم علم انه غیره فله الشفعة جب شفیع سے کہا گیا کہ مشتری فلان ہو اور وہ شفیع سے ساکت رہا پھر جانا کہ مشتری دوسرا ہو تو اُسکے لیے حق شفیع ہو سوال اگر ایک درجے کے کئی شفیعوں میں سے ایک اپنے حق سے درگزر کرے تو اُس کا حق کسکو پہنچتا ہو جواب باقی کو کل بیع میں بخصہ مساوی پہنچتا ہو ہر ایہ میں ہو واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بینہم علی عدد رؤسہم ولو اسقط بعضهم حقہ فہی للباقین فی الکمل علی عددہم اور جب بہت سے شفیع ہوں تو سب کو حق شفیع ہو اور اگر ان میں سے بعض اپنا حق ساقط کر دیں تو باقی لوگوں کے لیے حق شفیع ہو والہ اعلم حررہ الزہری عفو ربہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تہا زادہ عن ذنبہ البجلی والنحوی محمد عبدالحی

کتاب الزہن

سوال شے مرہون کا نفقہ راہن پر ہو یا مرہن پر جواب راہن پر ہو ہر ایہ میں ہو ونفقة الہن علی الواہن رہن کا نفقہ راہن پر ہو سوال رہن کا نفع کس کا حق ہو جواب راہن کا حق ہو لیکن اگر مرہن کو راہن غرضی سے استعلاء کی اجازت دی تو کچھ حرج نہیں ہو اور اگر عقد رہن میں اسکو شرط کرے تو سود ہو جائیگا ہر ایہ میں ہو ولیس المرہن ان ینتفع بالرہن لا باستخدام ولا بسکنتی ولا لیس الا ان یاذن لہ المالك مرہن کو رہن سے خدمت لینا یا مکان مرہون میں رہنا یا لباس مرہون

کو پہننا جائز نہیں ہو مگر جب مالک اجازت دیدے۔ اور سراج منیر میں ہو ولو اباح للمقن اکل ثمار
 البستان اولین الشاة فلا باس به ان لم یکن مشروطا به والا صا در قضایہ منفعۃ فیکون ربوا لما
 فی الجواہر اگر مالک نے مرہن کے لیے اس بات کو مباح کر دیا کہ وہ باغ کے پھل کھاے یا بکری کا دودھ پیے
 تو اس میں کچھ حرج نہیں ہو اگر عقد میں یہ شرط نہ ہو ورنہ یہ قرض نفعیت ہو جائے گا جو سوہی جیسا کہ جوہر
 میں ہے۔ سوال اجازت دینے کے بعد راہن انتفاع سے مانعت کر سکتا ہو یا نہیں جواب کر سکتا
 ہو سراج منیر میں ہو ولو اذن الراهن له بانتفاع ثم نیحہ عنہ فله ذلک لانه متبوع والمتبوع ان یمنع
 عن المتبوع اگر راہن نے نفع اٹھانے کی اجازت دی پھر منع کر دیا تو اسے اس کا حق ہو کیونکہ وہ متبوع
 ہو اور متبوع تبرع سے روک سکتا ہو۔ سوال رہن مشاع صحیح ہو یا نہیں جواب نہیں دینا
 میں ہو ولا یصح رهن مشاع مطلقا مقارنا او طاریا رہن مشاع مطلقا صحیح نہیں ہو۔ اجمع البرکات
 میں ہو ولو استحق بعض الرهن مشاعا بطل الرهن فی الباقي اتفاقا لانه شیوع مقارن کذا ذکرہ الاما
 خواہ زادہ فی المبسوط اگر مرہن بعض رہن کا مشاعا استحق ہوا تو باقی میں بالاتفاق رہن باطل ہو جائیگا
 یہ امام خواہر زادہ رحمہ اللہ نے مبسوط میں لکھا ہے۔ سوال خرچ اراضی مرہونہ راہن پر ہو یا مرہن پر
 جواب راہن پر ہو ہر ایہ میں ہو والخارج علی الراهن خاصۃ لانه من مؤن المملک خرچ راہن
 پر ہو کیونکہ یہ نتیجہ ملک ہو۔ سوال رہن کا نفع جبکہ راہن مرہن کو مباح کرے جائز ہے یا نہیں۔
 جواب مکروہ ہو شاہہ میں ہو ویکوہ للمقن لانتفاع بالرهن باذن الراهن مرہن کو مرہن
 کی اجازت سے رہن کا نفع لینا مکروہ ہو۔ اور فقیہ میں ہے عن ابی یوسف المقن سکن الد اس
 المرهونۃ باذن الراهن یکرہ واطلق فی الصرف انه یکرہ والا احتیاطی لا اجتناب عنہ طافیہ
 من شبہۃ الربوا امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہو کہ گھر میں جو رہن رکھا گیا ہو اس شخص کا رہنا
 جس کے پاس رہن رکھا گیا ہو رہن رکھنے والے کی اجازت سے مکروہ ہو اور صرف میں اس کو
 مطلقا مکروہ لکھا ہو احتیاط اسی میں ہو کہ اس سے پرہیز کیا جائے کیونکہ اس میں سود کا شبہہ ہے
 اور حموی نے حاشیہ اشباہ میں لکھا ہو فی الجامع لمجد الایمہ عن عبد اللہ بن محمد بن اسلم انه لا
 یتنفع بشئ منه وان اذن له الراهن لانه اذن فی الربوا لانه یتوقی دینہ فیکون اطنفعہ ربوا
 حمید اللہ رحمہ اللہ کے جامع میں عبد اللہ بن محمد بن اسلم رحمہ اللہ سے منقول ہو کہ جو چیز رہن رکھی گئی

اُس سے نفع نہ اٹھانا چاہیے اگرچہ رہن رکھنے والا اجازت بھی دیدے کیونکہ یہ اجازت سود لینے کی اجازت ہو اس لیے کہ وہ اپنا پورا قرض واپس لیگا پس یہ نفع سود ہوا۔ سوال خالد نے اپنا ایک باغ یا ایک اراضی ولید کے پاس رہن رکھی اور خالد نے اُس باغ کی فصل یا اُس اراضی کا منافع ولید کو اُس روپے کے عوض میں مباح کر دیا ہو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا منافع جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں ہو تو اس ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے جواب ایسا منافع ناجائز ہے طحاوی نے حواشی و مختار میں لکھا ہے۔ فی شرح المتعلق فیہ یحرم الانتفاع بلا اذن وبہ اسی بلا اذن بیکوہ مکافی المضمرات وغیرہا شرح ملتقی میں ہے بلّا اجازت نفع اٹھانا حرام ہو اور باجائزت مکروہ ہے یہ مضمرات وغیرہ میں ہے۔ اور بھی اُسی کتاب میں ہے والغالب من احوال الناس انهم انما یؤیدون عند الدفع الانتفاع ولو لاہ لما اعطاه الدراہم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کامل شرط وهو ما یعین المنع عام طور پر لوگون کا حال یہ ہے کہ جب وہ قرض دیتے ہیں تو اُس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں یا فیکہ کہ اگر نفع نہ تو وہ روپیہ قرض نہ دین اور یہ بمنزلہ شرط کے ہو گیا ہے کیونکہ مشہور چیز مثل شرط کے ہوتی ہے اور یہ امر مانعت کی تائید کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر راہن اجازت نہ دے تو مرہن کو شے مرہون سے نفع لینا حرام اور اگر اجازت دے تو مکروہ تحریمی ہے خصوصاً جبکہ مشروط ہو یا مشروط کے حکم میں ہو جیسا کہ اس زمانے میں دستور ہے کہ بعض تو ایسے معاملہ کے وقت راہن سے اذن کی شرط کر لیتے ہیں اور مرہن میں لکھوا لیتے ہیں اور بعض صاحب احتیاط اگرچہ بظاہر شرط نہیں کرتے ہیں لیکن اُنکا مقصود یہی ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اُنکو یہ معلوم ہو جائے کہ راہن منافع یا فصل وغیرہ کی اجازت نہ دے گا تو کبھی رہن نہ لین یہ صورت حکم مشروط ہو اور ایسی صورت سے حدیث میں بھی مانعت وارد ہو۔ تاریخ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقترض احدکم فلا یأخذ ہدیۃ کذا فی غائۃ اللفغان حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم فرمایا اگر جب تم میں سے کوئی کچھ قرض لے تو قرضدار کا ہدیہ نہ لے یہ غائۃ اللفغان میں ہے۔ اور یہی اُسی میں ہے فی صحیح البخاری عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ قال قدمت المدینۃ فلیقت عبد اللہ بن سلام فقال لی انک بارض الربوا فید فاش فاذا کان لک علی رجل حق فاهدی الیک حل شعیر فلا تأخذہ فانہ دہب و جاء هذا الموضع عن ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین صحیح بخاری

میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں مدینہ میں گیا تو عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انھوں نے کہا کہ تم ایسی جگہ ہو جہاں سود کی کثرت ہے پس اگر کسی کے اوپر تمھارا کچھ حق ہو اور وہ تمھارے پاس ایک بورا جو بھیجے تو تم اسے نہ لو کیونکہ یہ سود ہی اور یہی بات حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عطاء رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ سود ہونے کی قرض جو یہ منفعت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہر اس قرض کو مکروہ سمجھتے تھے جس میں کوئی نفع ہو۔ اور سند حارث ابن اسامہ میں حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة سے مروی ہے کہ کل قرض جریدہ نفعانہو بلوا ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے ریواہی ان احادیث نبویہ علی ما جہا السلام والنجیۃ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوا کہ قرض دینے والا کو اس شخص کا کسی قسم کا یہ لینا جسے قرض نہ ہو یا اس سے کسی قسم کی منفعت حاصل کرنا مکروہ تحریمی ہو گو اس شخص کی رضا و رغبت سے بھی ہو اور یہ جو بعض کتب خفیہ میں مرقوم ہے کہ مرہن کو باذن راہن نفع لینا جائز ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جب ان خالص ہو اور اس میں شرط کا شائبہ نہ ہو نہ عمارت میں نہ دل میں تو جائز ہے اور جب دل میں خیال آگیا جیسا کہ فی زمانہ ہو تو وہ حکم ربو امین داخل ہو جائے گا اسکے علاوہ جہاں ایک جماعت فقہانے اذن راہن کی صورت میں اسکو جائز کہا ہو وہاں فقہائے ایک گروہ نے اسکو ناجائز بھی کہا ہے مططاوی کی عبارت اس پر شاہد ہے اور تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے لیس المرہن ولا للراہن ان یزور الارض ولا یاجرھا ولا ینزل لیس لهما الا انتفاع بالرهن جبکہ پاس رہن رکھا جائے یا جو رہن رکھو میں سے کسی کو زمین پر زراعت کرنے اور ٹھیکہ پر دینے کا حق نہیں ہو کیونکہ ان میں سے کسی کو رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قنیہ میں جامع التفاریق سے منقول ہے عن ابی یوسف المرہن سکن الدار باذن الراہن لیکرہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جبکہ پاس مکان رہن رکھا گیا ہو وہ اگر باجائز راہن اس مکان میں رہے تو مکروہ ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے انما حاصل ان المرہن لا ینتفع بالراہن سواء اذن له الراہن اولم یاذن وفي التہذیب لیکرہ المرہن لا انتفاع بالراہن ولا اذن له الراہن کذا فی المطعون حاصل ہے کہ مرہن کو رہن سے نفع نہ اٹھانا چاہیے چاہے اسے راہن اجازت دے یا نہ دے اور تہذیب میں ہے کہ مرہن کو رہن سے نفع اٹھانا مکروہ ہے اگرچہ راہن اجازت بھی دے

یہ محدثین ہیں۔ اور حاشی اشباہ میں ہے۔ فی الجامع لمجلد لائمۃ عن عبد اللہ بن محمد بن اسماعیل انہ لعل
 لہ ان یتفق بشئ منہ وان اخذ لہ الراہن کا نہ اخذ فی الربو لکنہ یستوفی دینہ فیکون المنفقہ ربو
 محمد الایمہ رحمہ اللہ کے جامع میں جب عبد بن محمد بن اسماعیل سے مروی ہے کہ جو چیز رہن رکھی گئی ہے
 اس سے نفع نہ اٹھانا چاہیے اگر رہن رکھنے والا اجازت بھی دیدی کیونکہ یہ اجازت سود لینے کی اجازت
 ہو اس لیے کہ وہ اپنا پورا قرض واپس لے گا پس یہ نفع سود ہوا۔ اور اشباہ میں ہے یکوہ للمرتحن کانتفاع
 بالراہن باذن الراہن جس کے پاس چیز رہن رکھی گئی ہو اس سے اس چیز سے رہن رکھنے والے سے
 اجازت لیکر بھی فائدہ حاصل کرنا مکروہ ہے۔ سوال زید نے اپنا ایک نوٹ عمر کے پاس اس غرض
 سے رکھ دیا ہے کہ عمر و زید کو اس کا منافع دیا کرے پس یہ منافع جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں
 ہو تو کیوں کیا یہ بھی سود میں داخل ہے جواب یہ منافع صحیح سود اور حرام ہے کیونکہ نوٹ اگرچہ بظاہر
 کاغذ ہے مگر بحسب استعمال وہ روپیہ ہے اسی وجہ سے اگر کسی کا دس روپیہ کا نوٹ کسی کے پاس سے
 ہلاک ہو جاتا ہے تو نوٹ کا مالک اس سے دس روپیہ بھر لیتا ہے نہ اس کاغذ کی قیمت جو شاید ایک
 پیسہ ہو پس نوٹ کا رکھنا بعینہ روپیہ کا رکھنا ہے اور اس کا نفع لینا حرام قطعی ہے۔ سوال ہندہ نے
 زیدنا بالغ سے ایک ہزار پانسو روپیہ قرض لیکر اپنا مکان دو مہینہ کی میعاد پر اس کے پاس گرو رکھا
 دیدنے اسپر کامل قبضہ بھی نہیں پایا کیونکہ ہندہ کا تمام اسباب اسی مکان میں ہے بلکہ خود ہندہ اسی
 مکان میں رہتی ہے اس کے بعد زید نے مکان مذکورہ عمر و پیسہ ہندہ کو سوا گیارہ روپیہ ماہوار پر کرایہ کو دیا کرایہ
 پر لینے کے وقت عمر و کے یہ الفاظ تھے کہ میں نے فلان کے مکان کو زید سے اتنے ماہوار پر کرایہ کو لیا
 اور انعکاک رہن تک یہ مقررہ کرایہ ماہ بآہ ادا کرتا رہو گا اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ
 میں دو مہینہ کو اندر جو میعاد رہن نامہ میں لکھی ہے موضع ثنی کو مکان کے بدلے میں مرتن کے پاس رہن کرادو گا ورنہ
 ایک سال کا کرایہ جو ایک سو پینتیس روپیہ ہوتا ہے اپنے پاس سے مرتن کو دون کا مگر عمر و نے
 اس مکان میں ایک دن بھی سکونت نہیں اختیار کی بلکہ اپنے ہی مکان میں رہا جو اسی محلہ میں ہے اور
 نہ وہ مکان خالی تھا کیونکہ ہندہ مالکہ رہنہ اسی میں رہتی ہے اور عمر و اپنے اقرار کو بھی پورا نہ کر سکا جو اس نے
 کیا تھا کہ میں اس مکان کے بدلے میں موضع ثنی کو دو مہینہ کے اندر زید کے پاس رہن کرادوں گا کیونکہ
 اس پر تصریح کیا رہی ہے میں ہوا اور اس مدت میں بلکہ اس کے بعد بھی مدت تک عمر و نے ایک پیسہ

بھی کرایہ کا زید کو نہیں دیا اور نہ زید نے اُس سے مانگا اب ساڑھے چار برس کے بعد زید ناشی ہوا ہو کہ اس وقت تک مکان عمرو کے پاس کرایہ پر ہو اور اس نے مجھے کچھ نہیں دیا ہو لہذا اتنے زمانے کا کرایہ مجھے دلا یا جائے جو پانسو چھ روپیہ چار آنہ ہوتے ہیں عمرو زید کے جواب میں کہتا ہو کہ زید کے کم عمر ہونے کی وجہ سے عقد رہن صحیح نہیں ہوا اور چونکہ مکان کے عوض میں موضع بنی زید کے پاس رہن کر دیا گیا لہذا مکان رہن نہیں رہا جب مکان کا رہن ہی باطل ہو گیا تو کرایہ اور کرایہ نامہ بھی باطل ہو گیا کیونکہ زید کو مکان کے کرایہ کا استحقاق اُسی وقت رہتا جب مکان اُسکے پاس رہن رہتا زید اُس کے جواب میں کہتا ہو کہ بیشک میں اُس وقت میں نابالغ تھا مگر میرے باپ نے میرے مال سے میرے نفع کے لیے اُس مکان کو رہن لیا تھا اور پھر میرے ہی فائدہ کے لیے میرے باپ نے وہ مکان میری طرف سے عمرو کو کرایہ پر دیا تھا حاکم دیوانی نے اقرار نامہ اور کرایہ نامہ کے بنا پر یہ فیصلہ کیا کہ جب تک مکان رہن کی نہیں چھوٹا تھا اور موضع بنی اُسکے بدلے میں رہن نہیں ہوا تھا اُس وقت تک وہ مکان عمرو کے پاس کرایہ پر تھا اور چونکہ مکان گیارہ مہینے کے بعد رہن سے چھوٹا ہو لہذا گیارہ مہینے کا کرایہ عمرو کے ذمے واجب لادا ہو اور اس سے زائد جو زید نے دعویٰ کیا ہو وہ قابل سماعت نہیں ہو عمرو نے قاضی شرع کے سامنے رافعہ کیا قاضی نے اس بنا پر کہ تمام حقوق و شرعیہ عاقلین بالغین کے درمیان میں ہوا کرتے ہیں اور زید اُس وقت نابالغ تھا اور دستاویزوں کی تحریر سے اُسکے باپ کی کار پر داری بسبب ولایت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ دستاویزوں میں فقط زید کا نام لکھا ہو یہ حکم دیا کہ رہن مذکور باطل ہو اور اسوجے بلجی رہن باطل ہو کہ مرتہن نے شئے مرتہن پر قبضہ نہیں پایا کیونکہ میں خود جانتا ہوں کہ راہنہ اُسی مکان میں رہتی ہو اور زوال قبضہ مرتہن کی وجہ سے رہن باطل ہو جاتا ہو اور جب رہن باطل ہو گیا تو کرایہ اور کرایہ نامہ بھی لغو اور محل ہو گیا کیونکہ یہ بقائے صحت رہن پر متفرع تھا پس زید ایک حصہ پانچواں بھی مستحق نہیں ہو غرض قاضی نے حاکم دیوانی کے فیصلہ کو منسوخ کر کے عمرو کو بالکل بری کر دیا اسکے بعد زید محکمہ صدر رافعہ میں مستفیض ہوا حاکم صدر نے تیسرے مفتی سے فتویٰ دستخط کرایا اسکا خلاصہ یہ ہو کہ مسل کی روئداد اور گواہوں کے اظہار سے ثابت ہوتا ہو کہ رہن صحیح ہوا اور مرتہن کا قبضہ اور دخل اور عمر و کا سوا گیارہ روپیہ ماہوار پر اُس مکان کو بکرایہ لینا بخوبی ثابت ہے اور جو شئے مرتہن کے قبضے میں ہو اُسے مرتہن اگر بے اجازت راہن کرایہ پر دیدے تو مرتہن

کا کرایہ پر دینا صحیح اور نافذ ہے اور مرہن اس کا کرایہ پانے کا مستحق ہے اور حاکم مرافعہ نے جو یہ لکھا ہے
 کہ مرہن کی صغر سنی کی وجہ سے عقد رہن صحیح نہیں ہوا اور عقد و شرعیہ عاتقین بالغین میں منحصر ہیں
 یہ محض غلط لکھا ہے کیونکہ دستاویز میں ولایت پدری کا ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے پس میرے نزدیک
 مدعی اپنے پورے دعوے یعنی پانسو سو اچھ روپے کے پانے کا مستحق ہے اور حاکم صدر نے اسی جواب
 کے موافق مدعی کے نام فیصلہ کر دیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان تین فیصلوں میں سے کون فیصلہ
 صحیح ہے اور رہن مذکور صحیح ہے یا نہیں اور نہ رکرایہ کل یا بعض عمر کے ذمے واجب الادا ہے یا نہیں
 جواب صورت مسئلہ میں ہندہ اور زید کے درمیان میں جو رہن ہوا وہ مرہن کے عدم قبضہ کی وجہ
 سے باطل ہے کیونکہ مرہن کا قبضہ شرائط رہن سے ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے قال محمد فی کتاب الرهن
 لا يجوز الرهن الا مقبوضا فقد اشار الى ان القبض شرط جواز الرهن وقال الشيخ المعرف بن جواهر نداء
 الرهن قبل القبض جائز الا انه غير لازم وانما يصير لازما في حق الراهن بالقبض وكان القبض شرطا
 اللزوما لشرط الجواز لا القبض في الهبة والا فلا صح كذا في المحيط حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الرهن میں
 جو لکھا ہے کہ رہن بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہے تو انھوں نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ قبضہ شرط جواز رہن ہے
 اور شیخ خواہر زادہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رہن قبل قبضہ جائز ہے مگر یہ کہ لازم نہیں ہے راہن کے حق میں
 قبضہ ہی سے لازم ہوتا ہے اور قبضہ شرط لزوم ہے نہ کہ شرط جواز جیسا کہ قبضہ رہن میں اور اول اصح ہو سکتا ہے
 محیط میں ہے۔ اور کرایہ نامہ بھی غیر معتبر ہے زید کے استحقاق کا باعث نہیں ہے کیونکہ وہ جواز معاملہ رہن
 پر مبنی ہے اور جب وہ معاملہ ہی نحو ہو گیا تو جو معاملہ اسپر مبنی تھا وہ بھی نحو ہو گیا لہذا زید کو کرایہ پانے کا
 استحقاق نہیں ہے عالمگیری میں ہے ومنها لا یمن شرائط انعقاد الاجارة تسليم المستاجر في اجارة المنازل
 ونحوها اذا كان العقد مطلقا عن شرط التعجيل حتى لو انقضت المدة من غير تسليم المستاجر لا يستحق شيئا
 من الاجرة شرائط انعقاد اجارة میں سے اجارہ مکانات وغیرہ میں تسلیم مستاجر ہی جبکہ عقد میں شرط تعجیل
 نہ ہو کہ اگر مدت بلا تسلیم مستاجر گزر جائے تو وہ کسی قسم کی اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔ اور اسی کتاب میں ہے فم
 الاجرة تسحق باحد من ثلثة اما بشرط التعجيل او بالتعجيل او باستيفاء المعقود عليه استحقاق اجرت تین امور
 میں سے ایک کی وجہ سے ہوتا ہے بشرط تعجیل تعجیل استيفاء المعقود عليه۔ پس حاکم مرافعہ کا حکم اس باب میں
 صحیح ہے اور حاکم دیوانی اور مفتی ثالث کا حکم قابل التفات نہیں ہے۔ سوال زید نے بنی ایک راہی

دس روپیہ کے عوض مین بکر کے پاس مع قبضہ رہن کر کے محاصل اراضی بکر کو بھل اور معاف کر دیا اور تیرہ شرط کی کہ جب مین دس روپیہ ادا کروں گا تو اپنی اراضی فک رہن کرالون گا پھر دس سال کے بعد زید نے دس روپے دیکر اپنی اراضی فک رہن کرالی اس دس سال کے اندر بکر اُس اراضی کا محاصل لیتا رہا اُس محاصل کا بکر کو لینا جائز تھا یا نہیں اگر جائز نہ تھا اور اب فک رہن کے بعد زید اُس محاصل موصولہ بکر کو جو مثلاً پانچ روپیہ مین ایک روپیہ کے عوض مین بیچے اور بکر سے ایک روپیہ اُس محاصل کی قیمت لینے کو بکر محاصل مذکورہ کے ناجائز حاصل کرنے سے بری ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں ہو سکتا تو محاصل واپس کر دینے سے بکر کو نجات حاصل ہو جائے گی یا نہیں جواب بکر کو اُس محاصل کا واپس کر دینا لازم ہے اور بکر کو اُس محاصل سے نفع حاصل کرنا جائز نہ تھا اور ایک روپیہ کے عوض مین اُس محاصل کو بیچ نہیں سکتا البتہ کل محاصل کے واپس کر دینے سے نجات حاصل ہو جائیگی والہ اعلم حمہ الراجی غفور ربہ القوی بوالحسنات محمد عبدالحی تجا و زادہ عن ذنبہ البلی و الخفی

محمد عبدالحی
ابوالحسنات

کتاب الاجارہ

سوال - دریا کے گھاٹ پر سے کسی مقام معین تک لٹھے ہوئے بنادینے کے لیے گاڑیاں کرایہ پر کی گئیں اور دریا کے اُس پار سے لٹھے کشتیوں پر آئے گاڑی والوں نے کہا کہ ان لٹھوں کو یہیں ہمارے گاڑیوں قریب کشتیوں پر سے اتار دو ہم یہیں سے اپنی گاڑیوں پر لا دلیں گے اُن سے کہا گیا کہ یہ مقام مخدوش ہو اگر یہاں پر لٹھے کھولے جائیں گے تو اُنکے بہ جانے کا خوف ہو جس جگہ انکے بننے کا خوف نہ ہو گا ہم وہاں پر لٹھے کھول دیں گے اور تم اپنے گاڑیوں پر لا لینا گاڑی والوں نے اصرار کیا کہ تم لٹھے یہیں کھول دو کیونکہ یہاں سے گاڑیوں پر لا دینے میں ہمیں آسانی ہے اگر یہاں پر کھولنے کی وجہ سے لٹھے بہ جائیں یا ہٹ ہو جائیں تو ہم دین گے غرض اس گفتگو کے بعد لٹھے وہیں پر کھول کے گاڑی والوں کو گنوا دیے گئے مگر گاڑی والوں نے اُس دن لٹھے اپنی گاڑیوں پر نہیں لا دیے آخر نتیجہ یہ ہوا کہ شب کو اُن مین سے دو لٹھے بہ گئے اور صبح کو بید تلاش کے بعد ایک لٹھا ملا اور دوسرے کا کہیں پتہ نہ چلا اس صورت میں کہ شدہ لٹھے کا تاوان اور اسکی اور ملے ہوئے لٹھے کی تلاش کر نہیں جو کچھ خرچ ہوا ہے یہ گاڑی والوں سے لینا جائز ہے یا نہیں اور جواز کی صورت میں کیا قیمت لی جائے گی جواب صورت مسئلہ میں گاڑی

والون سے تادان لینا امام عظیم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہو کیونکہ گاڑی والے ایچہ مشترک ہیں اور ایچہ مشترک پر مافیہ کے ہلاک ہونے کی صورت میں بغیر اُسکے عمل کے ضمان نہیں اگرچہ اُس پر ضمان کی شرط بھی کی گئی ہو کیونکہ جو مال اُسکے سپرد کیا گیا ہو وہ امانت ہو اور امانت میں ضمان کی شرط کرنا باطل ہو اسی پر فتویٰ ہو اور عامۃ کتب معتبرہ میں ایسا ہی ہو اور اصحاب متون نے اسی کا جزم کیا ہو پس یہی مذہب ٹھہرا بخلاف روایت اشباہ کے جیسا کہ در مختار میں ہو ولا یضمن ما هلك في يده وان شرط عليه الضمان لان شرط الضمان في الامانة باطل كالمودع وبه يفتي كما في عامة المقربات وبه جزم اصحاب المتون فكان هو المذهب خلافا لما في الاشباہ مفر دور کے پاس سے جو چیز ہلاک ہو جائے اُس کا ضمان وہ نہ دیگا اگرچہ اُس سے ضمان کی شرط کر لی گئی ہو کیونکہ شرط ضمان امانت میں اسی طرح باطل ہو جیسے امانت میں ضمان کی شرط کرنا باطل ہو اور اسی پر فتویٰ ہو جیسا کہ عام معتبر کتابوں میں ہو اور اسی کا اصحاب متون نے یقین کیا ہو لہذا دراصل مذہب یہی ہو اور اشباہ میں اس کے خلاف ہو۔ اور عالمگیری میں ہو وحکمہ لا جبر المشترك ان ما هلك في يده من غير صنعه فلا ضمان عليه في قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ وهو قول زفر والحسن رحمہما اللہ وانہ قیاس سواء هلك بامر یکن التهور عندك لسرقة والغصب او بامر لا یکن التهور عندك كالحرق الغالب والغارة الغالبة مفر دور کا حکم یہ ہو کہ جو چیز بلا قصد اُس سے ضائع ہو جائے اُس کا ضمان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر اُس سے نہ لیا جائیگا اور یہی امام زفر اور امام حسن رحمہما اللہ کا قول ہو اور یہی قیاس کے موافق ہو خواہ وہ چیز کسی ایسے امر کی وجہ سے ہلاک ہو گئی ہو جس سے بچنا ممکن ہو مثلاً چوری غضب یا کسی ایسے امر کی وجہ سے جس سے بچنا ممکن نہ ہو مثلاً آتش زدگی یا جنگ لیکن اس زمانے میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ ہو لینے ضمان لینا جائز ہو جیسا کہ عالمگیری میں ہو وبقولہا یفتی الیوم تغیر احوال الناس وبہ یحصل صیغۃ اموالہم کذا فی التبینین اجل صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ ہو کیونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں اور اُنکے مال سی طرح محفوظ رہ سکتے ہیں یہ تبیین میں ہو پس گاڑی والون سے اُس گم شدہ لٹھے کی وہ قیمت جو اُس جگہ پر تھی جہاں سے وہ گم ہوا ہو لینا اور گم شدہ اور یافتہ کی تلاش کا خرچ لینا درست ہو مگر جبراً وصول کرنے میں روایتیں مختلف ہیں اور عدم جبر کو ترجیح ہو جیسا کہ عالمگیری میں ہو بعضہم اقوال الصلح علیما بقولین والشیخ الامام ظہیر الدین المغنی فی رحمہ اللہ یفتی بقول ابی حنیفہ رحمہ اللہ

قال صاحب العدة فقلت لہ یوما من قال منہم لفتی بالصلم هل یجبر الخصم لو امتنع قال كنت اختلف
 بالصلم فی الاہتد اعفر جبت لہذا بعض لوگون نے دونوں قولوں پر عمل کرنے کے لیے صلح پر فتویٰ دیا
 ہو اور امام ظہیر الدین مرغینانی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہو صاحب عدة رحمہ اللہ
 نے کہا ہو کہ میں نے اُن سے ایک دن کہا کہ جو لوگ صلح پر فتویٰ دیتے ہیں اُن سے یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ اگر
 خصم صلح سے انکار کرے تو کیا وہ صلح پر مجبور کیا جائے انھوں نے جواب دیا کہ میں پہلے صلح ہی کے مذہب پر فتویٰ
 دیا کرتا تھا مگر اسی وجہ سے میں نے اُس سے رجوع کیا۔ واسد اعلم بالصواب منقہ شجاعت علی عفی عنہ دینی
 ضمان اجیر مشترک کے باب میں اگرچہ اسپر ضمان شرط کیا ہوا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان نہیں ہو
 اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جبکہ صورت ہلاک کا دفعیہ اُسکی قدرت میں ہو ضمان
 ہو ردالمحتار میں ہے حاصل مافی فتاوی الطوری عن الطیطان ضمان المشترك ما تلف مقید بثلثہ بشرط
 ان یکون فی قدرۃ رفعہ ذلک فلو غرق بموج اور یح او صد متجبل لا یضمن الخ فتاوی طوری میں جو محیط
 سے نقل کیا ہوا اسکا خلاصہ یہ ہو اجیر مشترک سے جو چیز تلف ہو جائے اُسکا ضمان لیسا تین شرطوں پر منحصر ہو
 (۱) وہ وجہ تلف کا دفعیہ کر سکتا ہو تو اگر سیلاب آمدھی یا پہاڑ کے پھٹنے کی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اُس سے
 ضمان نہ لیا جائیگا الخ۔ واسد اعلم حررہ الراجی عفور ربہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تاج و زائد عن نہ
 ابلی و انحفی ابو احسان محمد سوال زمیندار جو زمین کے مالک ہوتے ہیں رعایا اور اسامیون کو جو زمین
 اجارہ پر دیتے ہیں اُسکی کوئی حد مقرر ہو یا طرفین کی رضامندی پر موقوف ہو۔ جواب اسکی کوئی مقررہ
 حد نہیں بلکہ اُسکا مدار رضائے طرفین اور معلومیت پر ہو یعنی الاجارہ اور اُسکی شرح مجمع الانہر میں ہو بھی اسی
 الاجارۃ سے منع منفعۃ معلومۃ بعوض معلوم دین ای مثلی او عین ای قیمتی اجارہ ایک منفعت معلومہ کو
 بیچنا ہو بعوض مال معلوم دین کے یا عین کے دین مثلا اُسی کے مثل کسی اور منفعت کے معاوضہ میں عین مثلا
 قیمت کے معاوضہ میں سوال زمیندار لوگ جو اسامیون کو کھیتی کرنے کے لیے زمین اجرت معلومہ پر دیتے ہیں
 اور سال اجارہ کی تعداد ذکر نہیں کرتے یہ صحیح ہی یا نہیں۔ جواب فاسد ہو در مختار میں ہے کل ما فسد
 البیع ففسد ہا کما لہ ما جبر و اجرة او مدة او عمل جو چیز بیع کو فاسد کر دیتی ہو وہ اجارہ کو بھی فاسد کر دیتی
 ہو مثلاً ما جبر یا اجرت یا مدت یا عمل کی جہالت اور عالمگیری میں ہو القساد قد یکون لجمالة قدر العمل
 بان لا یعین عمل العمل وقد یکون لجمالة قدر المنفعة بان لا یعین المدة وقد یکون بشرط فاسد ہا

لمقتضی المقدر فساد بعض اوقات مقدار عمل کی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً محل عمل کو معین نہیں کیا اور کبھی مقدار منفعت کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً مدت نہیں بیان کی اور کبھی شرط فاسد کی وجہ سے جو مخالف مقتضای عقد ہے فساد ہوتا ہے سوال غنا اور نوہ کی اجرت جو خودیت ہیں درست ہے یا نہیں جواب درست نہیں ہے بلکہ یہ میں ہے ولا يجوز الاستیجار علی الفناء والنور کاغز اور نوہ کی اجرت لینا ناجائز ہے اور عالمگیری میں ہے ولا يجوز الاستیجار علی المعاصی لانہ استیجار علی منفعت غیر مقدور الاستیفاء شرعاً لگنا ہوئی اجرت ناجائز ہے کیونکہ وہ ایسی منفعت پر اجرت دینا ہے جو شرعاً پوری نہیں کی جاسکتی سوال کنوان یا تہ خانہ کھدوانے کے لیے جو اجارہ ہوتا ہے کیا اس میں طول عرض عمق اور دور کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جواب ہاں ضروری ہے عالمگیری میں ہے ولو استاجر لیحفر لبیرا او سردا بالابدان بین الموضع وطول البئر وعمقه ودوره وفي السرداب بین طولہ وعمقه وعمقه کذا فی الغیاثیۃ اگر کسی نے کنوان یا تہ خانہ کھدوانے کیلئے کسی سے اجرت طے کی تو ضروری ہے کہ جگہ کہ بتا دے اور کنوین کا طول عمق اور دور بتا دے اور تہ خانہ کا طول عرض عمق بتا دے یہ غیاثیہ میں ہے سوال اگر کسی نے کنوان کھدوانے کی ضروری اس شرط سے طے کی کہ ایسا کنوان کھود جس کا پانی دو برس تک کم نہ ہو تو یہ شرط کرنا صحیح ہے یا نہیں جواب فاسد ہے کیونکہ خلاف مقتضای عقد اور قدرت بشری سے خارج ہے سوال اگر کنوان کھدوانے میں یہ شرط کی کہ کنوان کھودنے والا کنوین کو نچتہ کر دے اور اینٹ اور چونہ اپنی پاس سے لگائے تو جائز ہے یا نہیں جواب فاسد ہے عالمگیری میں ہے ولو استاجر لیحفر لبیرا او سردا بالابدان بین الموضع وطول البئر وعمقه ودوره وفي السرداب بین طولہ وعمقه وعمقه کذا فی الغیاثیۃ اگر کسی کو نہر یا بھیل کھودنے کے لیے اجرت پر مقرر کیا اور اسے ابتدا اور انتہا اور عرض بتا دیا اور اجرت مقرر کر دی تو جائز ہے اور اگر یہ شرط کی کہ وہ اپنے پاس سے اینٹ اور چونہ لگا کر نچتہ بھی کر دے تو یہ اجارہ فاسد ہوگا سوال اجارہ فاسدہ کا کیا حکم ہے جواب عالمگیری میں ہے فالفاسد یجب فیداجر المثل ولا یزاد علی المسحون فی العقد مالا معلوما وان لم یم یجب جوا المثل بالفاضا بلغ اجارہ فاسدہ میں اجرت مل دینا چاہیے اگر عقد میں کوئی مقدار مقرر کر لی ہے تو اس سے زائد نہ دینا چاہیے اور اگر کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے تو اجرت مل دینا چاہیے جتنا ہے سوال اگر کسی پیشے والے نے بے مزدوری مقرر کیے ہوئے کسی کا کچھ کام کیا تو کتنی اجرت پانے کا مستحق ہوگا جواب اجرت مل کا مستحق ہوگا شاہ

میں ہو لو عمل نہ شیئاً ولم یستاجرہ وكان الصانع معروفاً بملك الصنعة وجب جرم المثل علی قول محمد
 رحمہ اللہ وہ یفتی اگر کوئی چیز بنائی اور اجرت مقرریہ میں کی اور بنانے والا اس صنعت میں مشہور تھا تو
 اجرت مثل واجب ہو امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر اور اسی پر فتویٰ ہے سوال اگر کوئی شخص بازار سے یا گھلیا
 غلہ مزدور یا جانور پر لاد کے اپنے گھر لایا پھر بھونچے کو غلہ بھوننے کے لیے دیا اور اسی غلہ میں سے تھوڑا غلہ اجرت
 مقرر کی تو صحیح ہے یا نہیں جواب اگر اُس مزدور یا جانور کی مزدوری جس پر غلہ لاد کے اپنے گھر لایا ہو اس
 غلہ میں سے مقرر کر دی ہے یا پھر بھونچے کی مزدوری اُس غلہ میں سے جو اُسے بھوننے کو دیدیا ہو مقرر کر دی ہو
 تو یہ اجارہ فاسد ہو اس صورت میں اجرت مثل دینا چاہیے اور اگر اُن کاموں کی مزدوری نقد یا بلا تعین غلہ
 کو مقرر کیا ہو پھر غلہ میں سے کچھ دیدیا تو جائز ہے اشباہ میں ہے استاجرہ تجل طعامہ بقفیز منہ فلا جاز
 فاسدۃ وجب جرم المثل لا یتجاوز بدالمسح کسی مزدور کو اس لیے اجرت پر کیا کہ وہ اُسکا کھانا اٹھالچھا اور اسی
 کھانے میں سے ایک قفیز کھانا اُسکی مزدوری مقرر کی تو اجارہ فاسد ہوگا اور اجرت مثل واجب ہوگا جسے مقررہ
 اجرت سے زائد نہ مانا جائے۔ اور درختار میں ہو و لو دفع غزلاً لا ینسجہ لہ بنصفہ و استاجرہ فلا یصل
 طعامہ ببعضہ و ثور الیطن برة ببعض دقیقہ فسدت فی الكل لانه استاجرہ بجزء من عملہ
 والاصل فی ذلك خیہ علیہ الصلوۃ والسلام عن قفیز الطحان والحیلۃ ان یقرم لہ الاجارۃ ویسمی
 قفیزاً بلا تعین ثم یعصہ قفیزاً منہ فیجوز اگر کسی کو نکلا بن دینے کے لیے معاوضہ نصف دیا یا کسی کا گدھا
 کھانا لیجانے کے لیے کچھ کھانے کے معاوضے میں اجرت پر لیا یا کسی کا بیل آٹا پیسنے کے لیے کچھ آٹے کے
 معاوضہ پر کرایہ کو لیا تو اجارہ فاسد ہو گیا کیونکہ اجرت اُسی کا جزو عمل ہو اصل یہ ہو کہ حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹے کی قفیز میں مانعت فرمائی ہو (اُسی پر ان سب کا قیاس کیا گیا ہے) حیلہ
 یہ ہو کہ اجرت مقرر کرے یا قفیز کو غیر معین رکھے پھر اُسے اُسی میں سے ایک قفیز دیدے تو جائز ہو جائیگا۔
 سوال مقررہ اجرت پر تبدل و سال جارہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اُسکا نفع مستاجر کے لیے حلال ہے
 یا نہیں جواب جائز ہے مسلم سے ہو خواہ کافر سے جیسا کہ عالمگیری میں ہو اور نفع لینا جائز ہو ہا یہ میں
 ہو کہ ان الاجارۃ تعلیمک المنافع بعوض کیونکہ اجارہ کسی چیز کے معاوضہ میں منافع کا مالک کر دینے کو کہتے
 ہیں سوال اگر دیدنے اپنا اعلام اجرت معین اور مدت معینہ پر عمر کو خدمت کے لیے دیا تو جائز ہو
 یا نہیں جواب جائز ہو عالمگیری میں ہو عن محمد رحمہ اللہ اعطیتک هذا العبد سنة یخدرک

بلکہ اجازت و یکنون اجارۃ کذا فی الخلاصۃ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ غلام تمکو
فلان چیز کے معاوضہ میں ایک برس کے لیے دیا یہ تمہاری خدمت کرے گا تو یہ اجارہ ہے اور جائز ہے جیسا
کہ خلاصہ میں ہے سوال دودہ پلانے والی کو دودہ پلانے کے لیے نوکر رکھنا جائز ہے یا نہیں جواب
جائز ہے عالمگیری میں ہے چوزا استیجار الظئر بالجرۃ معلومتہ کذا فی لہدایۃ کسی مقررہ اجرت پر دودہ
پلانے والی عورت کو نوکر رکھنا جائز ہے یہ ہدایہ میں ہے سوال مسلمان عورت کو کافر کی اولاد کو دودہ
پلانے کے لیے نوکر کرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے عالمگیری میں لا باس للمسلمۃ بان توضع ولد
لکافر باجرۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان مسلمان عورت اگر اجرت لیکر کافر کے بچے کو دودہ پلائے تو کچھ حرج نہیں
یہ قاضی خان کے فتاویٰ میں ہے سوال کیا مسلمان کو جائز ہے کہ اپنے بچے کے دودہ پلانے کے لیے کافر عورت
کو نوکر رکھے یا اس عورت کو نوکر رکھے جسکے حرامی دودہ ہے۔ جواب درست ہے عالمگیری میں ہے دیکھا
بان یتاجر المسلم الظئر الکافرة او التي ولدت من الفجور کذا فی المبسوط اگر کوئی مسلمان دودہ پلانے والی
کافر عورت کو یا ایسی عورت کو جسکے زنا سے بچہ ہوا ہے اپنے بچے کو دودہ پلانے کے لیے نوکر رکھے تو کچھ حرج نہیں
ہے یہ مبسوط میں ہے سوال اگر کسی کا تب سے قرآن شریف لکھوایا یا اشعار لکھوائے اور اسکو مقررہ اجرت
دی تو جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے عالمگیری میں ہے لو استاجر رجلا لیکتب لہ مصحفاً او شعراً و
بین الخط جاز و ذکر الشیخ الامام المعروف بنجواہ زائدہ انہ لا یکوہ ذلک کذا فی فتاویٰ قاضی خات
رحمہ اللہ اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو اسلئے اجرت پر رکھا کہ وہ قرآن شریف لکھے یا اشعار لکھے او خط بیان
کروا تو جائز ہے الشیخ امام معروف بنجواہ زائدہ نے لکھا ہے یہ مکروہ نہیں ہے ایسا ہی قاضی خان رحمہ اللہ نے
اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے سوال جو مزدور روزانہ اجرت پر مزدوری کرتا ہے وہ بغیر اجازت مالک نماز ادا
کر سکتا ہے یا نہیں جواب فرائض اور واجبات اور سنت موکدہ ادا کرنے کے لیے اجازت لینا ضروری
نہیں ہے البتہ نوافل ہے اجازت ادا نہیں کر سکتا سراج النیر میں ہے استاجر یوماکان للاجیر ان یعمل
کل الیوم ولا یشغل بشئ سوی الصلوۃ المکتوبۃ ایک شخص نے ایک آدمی کو دن بھر کے لیے مزدوری پر رکھا
تو اسے چاہیے کہ تمام دن کام کرے اور صلوۃ مکتوبہ کے سوا اور کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ اور نصاباً اقتصاداً
میں اجازت محیط سے نقل کر کے لکھا ہے اذا استاجر رجلاً یوما یعمل کذا فعلیہ ان یعمل ذلک العمل الی
تمام المدة ولا یشغل بشئ آخر سوی المکتوبۃ اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو ایک دن کے لیے کسی کام

پیر باجرت مقرر کیا تو اسے تمام دن وہ کام کرنا چاہیے اور مفروضہ کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہونا چاہیے۔ اور تقاضی اہل سمرقند میں ہو وقد قال بعض مشائخنا ان یودی السنۃ ایضا واجمعوا علی انہ لایودی فغلاو علیہ الفتوی ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اسے سنتین بھی پڑھنا چاہیے اور اس پر اجماع ہے کہ نوافل نہ پڑھنا چاہیے اور اسی پر فتویٰ ہے سوال اگر کسی شخص نے کسی مزدور کو کنواں کھودنے اور اینٹ چونے سے اسکو بیختہ کر دینے پر مقرر کیا پھر بیختہ کرنے کے بعد یا پہلے وہ کنواں بیٹھ گیا تو مزدور مزدوری پانے کا مستحق ہو یا نہیں جواب اگر بیختہ کرنے کے بعد کنواں بیٹھا ہو تو مزدور پوری مزدوری یا نیچا مستحق ہے کیونکہ مزدور اپنا کام ختم کر چکا تھا اور اگر بیختہ کرنے سے پہلے کنواں بیٹھا ہو تو سخت کے موافق باجرت پائیگا۔ عالمگیری میں ہے لو کانہ بیداء فشرط علیہ مع حفرة طیبا بالآجر والبص ففعل منہا تم انھارت فله الاجر کما ملادان انھارت قبل ان یطویرھا بالآجر فله الاجر بحسب ذلک کذا فی المبسوط اگر کنواں کھودنے کے ساتھ اس کے اینٹ اور لچ سے بیختہ کرنے کی بھی شرط کی اور کنواں بیختہ کرنے کے بعد بیٹھ گیا تو مزدور کو پوری باجرت ملے گی اور اگر بیختہ کرنے کے پہلے بیٹھ گیا تو کام کے بقدر مزدور کو اجرت ملے گی یہ مبسوط میں ہے سوال درختون کو سیلے اجرت پر لینا کہ اوپر کپڑے سکھائے جائز ہے یا نہیں جواب نہیں جائز ہے عالمگیری میں ہے ومنھا ان تكون المنفعة مقصودة معاذا استیفاءھا بعقد الاجارة ویجری بہا التعامل بین الناس فلا یجوز استیفاء الا بشیء کر لتفیض التوب علیھا او شرائط صحت اجارہ میں سے ایک یہ ہے کہ منفعت مقصود ہو اور بعقد اجارہ وہ پوری کی جاتی ہو اور لوگوں میں اس پر علم رکھ ہو تو درختون کو سیلے اجرت پر لینا کہ اوپر کپڑے سکھائے جائز نہیں ہے۔ سوال کفار کی نوکری کرنا درست ہے یا نہیں جواب کفار کی نوکری تین قسم کی ہوتی ہے (۱) جائزہ بلا کراہت جیسے اصلاح مصالح اور احقاق حق اور دفع ضرر و مفاسد اور دفع وزدان و قطع الطریق اور بنائے قناتیر و مہاشر اور دوسرے عمارات نافعہ پر اس دلیل پر کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بادشاہ وقت سے جو کافر تھا داروغگی خزان مصر کی خواہش کی تھی تاکہ اس کی وجہ سے عدل کریں اور اس دلیل پر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لیے فرعون کی نوکری کی تھی (۲) جائزہ بکراہت جیسے وہ نوکری جس میں یہ بات لازم ہے کہ کفار کے سامنے انکی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں جس میں اسلام کے شاعلی ہتک ہوتی ہو جیسے رشتہ داری وغیرہ (۳) حرام جیسے معاصی اور منیات شرعیہ نوکری کرنا جیسے لشکر

کو اس لیے نوکر رکھیں کہ بوقت ضرورت اہل اسلام کے مقابلہ پر یہ لشکر بھیجا جائے سوال ساہوکار لوگ خطرناک منزل میں جاتے وقت اپنی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو نوکر رکھنے اپنے ساتھ رکھتی ہیں نوکری جائز ہی یا نہیں جواب مباح ہو اور اس صورت میں اگر مسلمان انکے ساتھ مارا جائے تو اُس شخص کے مثل ہوگا جو یونین مرگیا ہو اُسے اس طرح کی موت سے نہ کچھ فائدہ ہو نہ نقصان یعنی نہ وہ شہید ہوگا اور نہ حرام موت مرے گا بلکہ وہ مسلمان مثل دراموات کے ہوگا سوال تعلیم قرآن اور اذان اور امامت کی نوکری کرنا جو طاعات میں داخل ہیں جائز ہی یا نہیں جواب مقتدیین نے طاعات پر اجرت لینے کو ناجائز لکھا ہے اور متاخرین نے اقامت امر دین میں کسل و رستی کے رواج پا جانے کی وجہ سے اس اجرت کے لینے کے جواز کا فتوے دیا ہے اور بعض متاخرین نے یون تطبیق کی ہے کہ نفس تعلیم قرآن اور اذان و اقامت و امامت پر بے تعلیمین مکان و زمان نوکری کرنا جائز نہیں ہے اور کسی کے گھر پر جانا اور صبح سے شام تک وہاں بیٹھنا اور اسکے بچوں کو پڑھانا ایسا امر ہے جس پر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے اور اس طرح مسجد کی تعلیمین اور بیخود اقامت یا اذان کے لیے وہاں حاضر رہنے کی قید بھی ایسا امر ہے جس پر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے سوال اگر کوئی شخص دعوے کرے کہ اجارہ بغین فاحش ہو یا تو کیا حکم دیا جائے گا جو اجارہ بغین فاحش میں اصل یہ ہے کہ اجرت مثل سے صحیح ہوگا مگر جبکہ قاضی کے سامنے اُسکا دعوے پیش ہو تو قاضی کو چاہیے کہ اہل معرفت سے استفسار کرے اگر وہ بھی مدعی کے دعوے کے موافق ظاہر کریں تو قاضی فصیح کر دے فی الدار المختار و لو ادعی رجل نہا بغین فاحش فان اخبر القاضی ذو خیرۃ انھا کذلک فسخھا اتعہ و فی حاشیۃ المططاوی لو ادعی رجل نہا بغین فاحش فالاصل صحھا باجر المثل الا اذا اخبر القاضی لیسے کا حکم بعد صحتمہا بحد دعوہ انھا بغین فاحش نظرا للاصل لذکورہل برہم الی قولہل البصر والامانۃ و رخصتہا میں ہے اگر کسی نے بغین فاحش کا دعویٰ کیا پس اگر قاضی کو کوئی معتد خبر دے کہ واقعہ یہی ہے تو وہ اس اجارہ کو فسخ کر دے گا انتہی اور حاشیہ مططاوی میں ہے اگر کسی نے بغین فاحش کا دعویٰ کیا تو اصل یہ ہے کہ وہ اجارہ اجرت مثل پر صحیح ہوگا مگر جبکہ قاضی کو اس کا علم ہو جائے یعنی محض دعوے بغین فاحش پر قاضی عدم صحت کا حکم نہ دے بلکہ اہل بصر و امانت کے قول کی طرف اُسے رجوع کرنا چاہیے سوال اجرت مثل کیا ہے جواب حاشیہ مططاوی میں ہے والمراد باجر المثل ج شخص مائل نہ فی ذلک العمل و لو اختلف باجر المثل بین الناس فالوسط اجرت مثل سے اُس شخص کی اجرت مراد ہے

جو اُس کام میں اُس شخص کا عامل ہو اور اگر اجر مثل مختلف ہوں تو متوسط دلا یا جائے گا سوال اگرچہ درجہ کی غفلت کی وجہ سے جانور کم ہو جائے یا چرواہا جانور کو بیچنے والے تو اسپر ضمان لازم آئے گا یا نہیں الرضمان لازم آئے گا تو ضمان مثل دینا ہوگا یا ضمان قیمت اور اس حرکت کی وجہ سے چرواہا قابل تغیر ہے یا نہیں جواب راعی پر ضمان لازم ہوگا اور حیوانات چونکہ ذوات القیم میں سے ہیں لہذا چرواہے سے قیمت کا ضمان دلا یا جائے گا اور سیانہ اُس کو سزا دینا جائز ہے مگر امام کی رائے پر رکھنا چاہیے سوال زید نے اپنے موضع قاسم پور کا بیٹہ جسکی سالانہ آمدنی تین سو روپیہ تھی خالد کے نام اوس سے ہزار روپیہ پیشگی لیکے لکھ دیا اور مبلغ دوسو کو خالد کی رعایت سے ہزار روپیہ پیشگی لینے کی وجہ سے اصل آمدنی و نکاسی موضع قاسم پور سے چھوڑ دی اس صورت میں مبلغ دوسو روپیہ کا زید سے لینا جائز ہے یا نہیں جواب اپنے موضع کا زید کو اختیار ہی جتنے پر چاہے ٹھیکہ دے بان اگر یہ شرط کی ہے کہ تمہارے ہزار روپے کے بدلے میں میں نے دوسو روپے چھوڑ دیے تو یہ بیشک سود ہے اور سود کا لینا حرام ہے و اما علم منقہ خادم ولیسار اسد الصمد علی محمد شغلہ اسد الاحد صحیح الاحواب و اما علم بالصواب حررہ الراحمی عفوریہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجا و زرا اسد عن ذنبہ الجلی و انحفی۔ [محمد عبدالحی ابو الحسنات] سوال سورت وغیرہ میں کھجور کے درخت بوتے ہیں اور اجارہ پر دیتے ہیں اور اجارہ دار اوسکے پھل کم بیچتے ہیں اور اوس کا رس جس میں نشہ بالکل نہیں ہوتا بیچتے ہیں اور یہ ان کے علمانے عدم مسکری وجہ سے اُسکی حلت کا فتوے بھی دیا ہو اور اجارہ دار اس رس کو بیچتے ہیں اور اس رس کی حالت یہ ہے کہ جب دو تین پھر رہے تو آفتاب کی حرارت سے اُس میں سکر آجاتا ہے پھر اُس سے سکر اور شراب بھی بناتے ہیں ایسی صورت میں کھجور کے درخت کا بونا اور اس سے کسی طرح کا نفع لینا یا اُسکو اجارہ پر دیکر اُس سے نفع حاصل کرنا یا ان درختوں کی بیج و شراد درست ہے یا نہیں اور جبکہ کھجور یا تار کے پانی میں ذرا بھی سکر نہ ہو تو اُسکا پینا درست ہے یا نہیں۔ جواب حدیث صحیح میں وارد ہے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمد والدارقطنی وغیرہا جس کا کثیر مسکر ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اسکو احمد اور دارقطنی وغیرہ مانے روایت کیلئے لہذا اگر اُسکا کثیر پانی مسکر نہیں ہے تو حلال اور اگر اُسکا کثیر پانی مسکر ہے تو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اور اس صورت میں کھجور کا بونا اور اُسکو اجرت پر دینا اور خریدنا بشرطیکہ اُس سے سوا اُسکے پانے کے بیچنے کے کوئی منفعت نہ ہو درست نہوگا۔ و اما علم حررہ الراحمی عفوریہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجا و زرا اسد عن ذنبہ الجلی و انحفی۔ [محمد عبدالحی ابو الحسنات]

کتاب الرق

سوال (۱) جو کافر اپنے آپ کو یا اپنی اولاد صغار کو مسلمان کے ہاتھ بیچتا ہو تو مسلمان کو اُس کا خریدنا شرعاً درست ہو یا نہیں اور خریدنے کے بعد وہ غلام اور عبد ہو جاتے ہیں یا نہیں (۲) کافر کی اولاد صغیر کو کافر یا مسلمان اگر بیگ لائے یا چھپا کر زبردستی پکڑ لائے اور اُس کو بیچے تو مسلمان کو اُس کا خریدنا اور لونڈی غلام بنانا جائز ہے یا نہیں (۳) جہاد میں جو مرد اور عورت اور بچے پکڑے جاتے ہیں وہ شرعاً لونڈی غلام ہیں یا نہیں جواب (۱) درست نہیں قنیہ میں ہے کافر جاء بولدہ الصغیر الی دار الاسلام وباعہ فیہا لم یجوز ولو رجع الی دار الحرب و ترک ولدہ فیہا فولدہ حر ایک کافر اپنے چھوٹے بچے کو دار السلام میں لایا اور بیچ ڈالا تو یہ بیع جائز نہ ہوگی اور اگر دار الحرب میں واپس چلا گیا اور اپنے لڑکے کو دار السلام ہی میں چھوڑ گیا تو اُس کا لڑکا آزاد ہے۔ اور بزازیہ میں ہے مسلمہ دخل دار الحرب ف جاء المحرری بابتداء بنتہ او ام ولدہ او عمتہ او خالۃ قد قهرها یرید بیعہا من المسلم المستامن لا یجوز بیعہ عند اکثر المشائخ والصیحح ان البائع ان کان یری جواز بیعہ ملکہ مطلقاً وان کان لا یری ان اشتراہ وذهب بہ مکروہاً ملکہ بالقیود ایک مسلمان دار الحرب میں گیا تو حرنی اپنا لڑکا یا لڑکی یا ام ولد یا چھوٹا بچہ یا خالہ کو لایا اور مسلمستان کے ہاتھ بیچ بیچا یا ہا تو اکثر مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہوگی اور صحیح یہ ہے کہ بائع اگر اس بیع کو جائز سمجھتا ہو تو یہ بیع مطلقاً جائز نہ ہوگی اور اگر وہ جائز نہ سمجھتا ہو اور مسلمان اُسے خرید کر مجبور کر کے لے آیا تو اس جبر کی وجہ سے وہ اُس کا مالک ہو جائے گا۔ (۳) اگر دار الحرب سے پکڑ لائے اور دار الاسلام میں بیچے تو اُس کا خریدنا جائز ہے بزازیہ میں ہے عن الثانی فہم دخل دار الحرب با ممان فصرق منہما نساکمرا او خرج بہ اقول لا یسعک ما صنعت وان باعہ یجوز بیعہ لانہ ملکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اُس شخص کے متعلق جو دار الحرب میں امان لیکر گیا اور وہاں سے کسی آزاد آدمی کو چرالایا یا بیگ لایا مردی ہے کہ میں اُس سے کہوں گا تجھے ایسا کرنا چاہیے تھا لیکن اگر وہ اُسکی بیع کرے تو بیع درست ہوگی کیونکہ وہ اُس کا مالک تھا (۳) جہاد میں اگر غنیمت کی تقسیم شرع کے موافق ہو تو وہ لونڈی غلام ہو جائیں گے یہ بات چند حدیثوں سے ثابت ہے طبرانی اور ابن ابی شیبہ اور بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے اور در مختار میں ہے فی معرفۃ وصفاک ملفتی فی السعود ول یمل و طی الاماء المشتاقون من الذنۃ

الان حيث وقع الاشتباه في قسمتهم بالوجه الم شروع فاجاب لا توجد في زماننا قسمة شرعية مع مولا
مفتي ابوالسعود مين ہے کیا آجکل جو لونڈی غازیون سے خریدی جائے اُس سے وطنی کرنا درست ہو کیونکہ
اس میں اشتباه ہو کہ آجکل اُنکی تقسیم بوجہ شروع ہوتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں شرعی
تقسیم نہیں ہوتی سوال دارالحرب کے کفار اگر اپنی اولاد دیا اپنے اقربا کو دارالحرب یا دارالاسلام میں
مسلمان یا کافر کے ہاتھ بچیں اور شتر خرید کے اپنے گھر لے آئے تو اس بیع کا کیا حکم ہے جواب دارالحرب
کے کفار اگر اپنی اولاد دیا اپنے اقربا کو بطیب خاطر دارالحرب میں اُس مسلمان کے ہاتھ جو دارالحرب میں
بامان داخل ہوا ہے بچیں تو اس میں روایتوں کا اختلاف ہے اُس روایت کے موافق جو امام حسن
رحمہ اللہ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو فی رحمہ اللہ سے کی ہے یہ بیع باطل ہے واقعات حسامیہ میں ہے
دخل دارالحرب بامان فاشترى من احدہم ابنا و ابنة بطوع تکلفوا فیہ قال اکثر المشائخ البیع
باطل مطلقا جو شخص دارالحرب میں امان لیکر داخل ہوا اور حریوں میں سے کسی سے اُسکا لڑکا یا لڑکی اُسکی
مرضی سے خریدی تو اس میں اختلاف ہے اکثر مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک بیع مطلقا باطل ہے اور برجنیدی
میں ہے ولو باع الحر ابنا و اباه فی دارالحرب من المسلم بطل سواء یرى البائع جواز البیع والا
و هو رواية المحسن رحمہ اللہ عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ و رواية هشام رحمہ اللہ عن محمد رحمہ اللہ
و هو اختیار الامام ابی بکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ اگر حربی نے اپنے لڑکے یا باپ کو دارالحرب میں مسلمان
کے ہاتھ بیچ ڈالا تو بیع باطل ہے خواہ بائع اُس بیع کو جائز سمجھتا ہو یا جائز نہ سمجھتا ہو یہ روایت حسن رحمہ اللہ کی
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اور ہشام رحمہ اللہ کی امام محمد رحمہ اللہ سے ہے اور اسی کو امام ابو بکر محمد بن فضل رحمہ اللہ
نے اختیار کیا ہے۔ اور کرخی نے کہا ہے کہ اگر حربی کی مذہب میں یہ بیع جائز ہو تو جائز ہوگی اور اگر حربی کے مذہب
میں یہ بیع ناجائز ہے تو ناجائز ہوگی برجنیدی میں ہے وقال ابو الحسن الکرخی ان رأی المحبی جواز هذا البیع
جواز والا فلا امام ابو الحسن کرخی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر حربی اس بیع کو جائز سمجھتا ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں
اور واقعات حسامیہ میں ہے وقال ابو الحسن الکرخی ان كانوا یرون جواز البیع فالبیع جائز وان كانوا
لا یرون فالبیع باطل امام ابو الحسن کرخی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر حربی اس بیع کو جائز سمجھتے ہوں تو بیع جائز
ہے اور اگر حربی اس بیع کو جائز نہ سمجھتے ہوں تو بیع باطل ہے۔ اور امام ابو نصر دہسی رحمہ اللہ سے مروی
ہے کہ حربی کا اپنی اولاد دیا اپنے اقربا کو مسلم کے ہاتھ بیچنا ناجائز اور حربی کے ہاتھ بیچنا جائز ہے برجنیدی میں ہے

عن ابی نصر الدیوسی رحمہ اللہ ان باعہ من مسلمہ لایجوز ان باعہ من حربی ملک المشرق
 ابو نصر دیوسی رحمہ اللہ سے مروی کہ اگر اُس نے مسلمان کے ہاتھ بیچا تو ناجائز اور اگر حربی کے ہاتھ بیچا تو
 جائز ہے۔ اور ابن سماعہ رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حربی کا مطلقاً اپنی اولاد کو بیچنا مسلم
 کے ہاتھ ہو یا حربی کے ہاتھ جائز ہے۔ برجنڈی میں ہے وروی ابن سماعہ رحمہ اللہ عن ابی یوسف
 رحمہ اللہ انہ اذا باع ولده من حربی اخر او من مسلمہ جائز عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ ابن سماعہ
 رحمہ اللہ سے بروایت امام ابو یوسف رحمہ اللہ مروی ہے کہ اگر کسی حربی نے اپنا لڑکا دوسرے حربی کے ہاتھ
 بیچ ڈالا تو یہ بیع درست ہے یا سیطع اگر حربی نے اپنا لڑکا کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
 کے نزدیک جائز ہے اور اگر دارالحرب میں اولاد اور اقربائے حربی کو خرید اور بچہ وہاں سے باہر لے آیا
 تو ثبوت پیدا اور استیلا اور غلبہ اور احراز کے وجہ سے مالک ہو جاتا ہے اور اگر بیع اپنی خوشی سے مشتری کے
 ساتھ دارالحرب سے باہر چلا آئے تو جتنے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ملک بھی ثابت نہیں ہوتی۔ واقعات
 میں لکھا ہے ان اشتراہ وذهب بہ کرها ملک لہ ابتداءً القہر علی الحربی فی دار الحرب فیملکہ اگر کسی
 نے خرید لیا اور پھر اسے مجبور کر کے اپنے ہمراہ لے گیا تو وہ اُسکا مالک ہو جائے گا کیونکہ اس بیع کی ابتدا ہی
 حربی پر جبر سے ہوئی تھی دارالحرب میں۔ اور سراجیہ میں ہے وان اخرجه مکرها ملک بالقہر اگر مجبور
 کر کے لے آئے یا تو بالجبر اسکا مالک ہو گا اور برجنڈی میں ہے وان اشتراہ فی دار الحرب واخرجہا
 ملک کذا فی فتاویٰ قاضی خان اگر دارالحرب میں خرید اور وہاں سے لے آیا تو اُسکا مالک ہو جائے گا
 قاضی خان کے فتاویٰ میں ہے۔ اور واقعات میں ہے فان ذهب بہ وهو طالع لایملک بہ لاندہ لم یوجد
 منہ القہر فی دار الحرب اگر اسکی مرضی سے لے گیا تو مالک نہو گا کیونکہ جبر دارالحرب میں متحقق نہیں ہوا
 اور اگر حربی دارالاسلام میں اپنی اولاد کو لا کر کسی مسلمان کے ہاتھ بیچے تو یہ بیع ثبوت ملک کی باعث
 نہو گی برجنڈی میں ہے وقال بعضہم ان اشتراہ المسلم فی دارالاسلام لایملکہ بعض کہتے ہیں کہ
 اگر اُسے مسلمان دارالاسلام میں خریدے تو اُسکا مالک نہو گا۔ اور واقعات میں ہے الحربی اذا دخل دارنا
 بامان فباع الولد لایجوز حربی اگر دارالاسلام میں امان لیکر آئے اور اپنی اولاد کو بیچے تو یہ بیع درست
 نہو گی۔ اور قنیہ میں ہے کافر جلع بولدہ الصغیر الی دارالاسلام وباعہ فیہا لم یجز ایک کافر اپنے
 چھوٹے لڑکے کو لے کر دارالاسلام میں آیا اور اُس لڑکے کو بیچا تو یہ بیع درست نہو گی۔ اور قول فیصل اس باب میں

یہ ہے جو حضرت مولانا شاہ عبدالغفری دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی بعض تحریرات فارسی میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے دار الحرب کے کفار اگر اپنی اولاد دیا اقرار کو بھیجیں اور مسلمان مول لیکے دار الحرب سے باہر لے آئے یعنی جہان وہ مسلمان رہتا ہو وہاں لے آئے چاہے وہ مقام دارالاسلام ہو یا دارالحرب اس صورت میں اختلاف روایات ہو کہ یہ لونڈی غلام ہوئے یا نہیں صحیح اور اقوی دلیل کے اعتبار سے یہ ہو کہ یہ لونڈی غلام ہو جائیں گے انکی بیع اور بیہ اور رہن جائز ہے اور انکے ساتھ بے نکاح کے وطن کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ روایتوں سے واضح ہوتا ہے اور بعض نے اس میں یہ شرط کی ہے کہ جو دار الحرب کے کفار اپنی اولاد دیا اپنے اقرار کو بھیجے ہیں انہیں اس بھیجے کا حکم اور رواج بھی ہوا اور بعض نے یہ شرط نہیں کی ہے غرض یہ شرط اگر متحقق ہو جائے نہ انکی رقییت میں حکم اور رواج کار وایات اقوی واضح کے لحاظ سے اعتبار نہیں ہے کیونکہ حرئی دار الحرب میں لکڑی اور شکار کا حکم رکھتے ہیں اور لکڑی اور شکار کو جو شخص پاتا ہے اُسکا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح حرئی کافرون کا پانے والا بھی انکا مالک ہو جائے گا مگر استیلا اور غلبہ اور دارالکفر سے دارالاسلام میں لے آنا ضروری ہے انتہی ترجمہ کلامہ العزیز اور حکم اذ اثبت الشئ ثبت بلوازمہ جبکہ یہ لونڈی غلام ہو گئے تو کفار و نون میں انکا آزاد کرنا بھی جائز ہے اور ان میں جو عورتیں ہوں ان سے بلا نکاح وطن کرنا بھی حلال ہے اور وطن کے بعد اگر ان سے اولاد ہو تو بعد اعامولی سے انکا نسب ثابت ہوگا اور وہ ولد حر اور ثابت النسب کہلائے گا اور باپ کے متروکہ سے حصہ پائے گا اور اُسکا حصہ حر کے حصہ سے کم نہیں ہے اور اُسکی مان ام ولد ہوگی اور جب لونڈی دو آدمیوں میں مشترک ہو اور وہ بچہ خنہ اور دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرے کہ یہ لڑکا میرا ہے تو وہ لڑکا دونوں کا لڑکا کہلائے گا اور دونوں کے متروکہ سے پورا پورا حصہ پائے۔ وقایہ اور اسکی شرح میں ہے وان ادعیاکہ معاقبہ متہما ویرث من کل ارث ابن لان المقر یواخذ بالقرارہ ووزان منہ ارث اب لان الاب احدہما لکن غیر معلوم فیوضع میراث الاب علیہما۔ اگر دونوں نے دعوے کیا تو وہ دونوں کا لڑکا سمجھا جائیگا اور دونوں کو ترکے سے ہر ایک ایک لڑکا حصہ پائے گا کیونکہ اقرار کی وجہ سے مقر سے مواخذہ بالارث ہو کر تا ہے اور وہ دونوں اُسکے ترکے سے باپ کا ایک حصہ پائیں گے کیونکہ باپ ایک ہے لیکن غیر معلوم تو باپ کا حصہ ان دونوں پر تقسیم کر دیا جائے گا اور عالمگیری میں ہے ویرث الاب من کل واحد منہما میراث ابن کامل ویرثان منہ میراث اب واحد کذا فی الہدایۃ لڑکا دونوں کے ترکے میں سے لڑکے کا پورا پورا

حصہ لگا اور وہ دونوں اس لڑکے کے ترکے میں سے ایک ہی باپ کا حصہ پائیں گے یہ ہدایہ میں ہے
والہداعلم حررہ الراحمی عفورہ بالقوی ابوالحسنات محمد عبدالحمی تجا وزائد عن ذنبہ الجلی والنجفی

محمد عبدالحی
ابوالحسنات

کتاب التفریر

سوال فقہائے نزدیک سیاست کسکو کہتے ہیں اور سیاست قتل کرنے کی کیا صورت ہے جواب رسالہ
جامع تفریرات میں بحر الرائق سے منقول ہے سیاست فعل یشاء من المحاکم لمصلحة یرواها وان لم یرد
بذلك دلیل جزئی سیاست اُس فعل کو کہتے ہیں جو حاکم وقت سے اُس مصلحت کے موافق ظاہر ہو جسے
حاکم وقت دیکھتا ہے اگرچہ کوئی جزئی دلیل فعل مذکور پر وارد نہ ہو۔ اور اُسی میں ہے کہ سیاست
ایک قسم کی سزا ہے جو عقوبات شدیدہ میں دی جاتی ہے جیسے قتل جس دوام اخراج بلد وغیرہ
اور سیاست قتل کرنا اسپرخص نہیں ہے کہ اُس نے کسی کو مار ڈالا ہے بلکہ عام ہے جس جنایت میں بحسب
مصلحت سلطان اور حاکم وقت چاہے یہ سزا دے سکتا ہے بان بعض جرائم میں فعل کی تکرار شرط ہے جیسے
خون سرقہ اور لواطت۔ جامع الرموز میں ہے السیاسة لا یختص بالزنا بل یجوز فی کل جنایۃ والرأی
فیہ للامام علی مافی الکافی قتل مبتدع یتوہم منه انتشار بدعة وان لم یحکم بکفرہ کما فی التمهید
سیاست زنا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر جنایت میں جائز ہے اور اس میں یعنی سیاست میں معتبر
امام کی رائے ہوگی مثلاً کسی ایسے بدعتی کو قتل کرنا جس سے بدعت کے پھیلنے کا خوف ہو اگرچہ اُس کے
کافر ہونے کا حکم نہ دیا جائے یہ تمہید میں ہے۔ اور صاحب درمختار نے فتقی شرح فتقی میں لکھا ہے السیاسة
لا یختص بالزنا بل یجوز فی کل جنایۃ رأی الامام المصلحة فی النفع والقتل قتل مبتدع یتوہم
انتشار بدعة وان لم یحکم بکفرہ سیاست زنا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر جنایت میں جائز ہے
جس میں امام شہر بدر کرنے یا قتل کو مصلحت جانے مثلاً کسی ایسے بدعتی کو قتل کرنا جس سے بدعت کے پھیلنے
کا خوف ہو اگرچہ اُس کے کافر ہونے کا حکم نہ دیا جائے۔ اور منع انفار شرح تنویر الابصار میں ہے للامام قتل
السارق سیاست لسیعہ فی الارض بالفساد امام چور کو سیاست قتل کر سکتا ہے کیونکہ چور زمین میں فساد
پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور درمختار میں ہے للامام قتل السارق سیاست لسیعہ فی الارض بالفساد

وہذا ان عادات امام چور کو سیاست قتل کر سکتا ہے کیونکہ چور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب اُس نے دوسری مرتبہ چوری کی ہو اور اسی کتاب میں ہے لو اعتاد اللواطۃ قتله الامام سیاست اگر کوئی شخص لواطت کا عادی ہو تو امام اُسے سیاست قتل کر ڈالے۔ اور فتاویٰ سراج المنیر میں بحر الرائق سے منقول ہے يجوز التعزیر بالقتل فی المحادیۃ نافلاً عن التہذیب ان التعزیر لیکون بالقتل والضرب والحبس والا زعاج عن الدار واخذ المال وغیرہا والقتل لیکون سیاست وخصۃ وابعادہ ووجوب قتل کی سزا دینا درست ہے حمادیہ میں تہذیب سے نقل کیا ہے کہ تعزیر قتل کرنے مارنے قید کرنے گھر سے نکال دینے اور مال کے لینے وغیرہ سے ہوتی ہے اور قتل سیاست وخصۃ اباۃ اور وجوباً ہوتا ہے۔ اور شرح منقحی الامیر میں ہے من خنق فی المصرۃ غیریۃ ای صا رعاۃ قتل بہ ای سیاست السعیۃ بالفساد وکل من کان کذلک یدفع شرہ بالقتل جو شخص کشتی میں گلا گھونٹے یعنی یہ فعل اُس کی عادت ہو جائے وہ اس پر سیاست قتل کیا جائے گا کیونکہ اُس نے فساد کی کوشش کی اور جو شخص فساد کی کوشش کرے اُس کے شر سے محفوظ ہونے کے لیے وہ قتل کیا جائے گا اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے الخناق والساحر یقتلان لانہما یمسکان فی الارض بالفساد وان تا بالہ یقبل ذلک منہما وان اخذا ثصقا بالہ یقبل منہما ویقتلان وکذا الزندیق المعروف بالداعی وبہ یفتی کذا فی خزائن المفتیین گلا گھونٹنے والا اور ساحر دونوں قتل کیے جائیں گے کیونکہ یہ دونوں زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر وہ توبہ کریں تو انکی توبہ بھی مقبول نہوگی اور اگر گرفتاری کے بعد یہ دونوں توبہ کریں تو بدرجہ اولیٰ انکی توبہ مقبول نہوگی بلکہ وہ دونوں قتل ہی کیے جائیں گے اسی طرح وہ زندق جو رسول مشہور پر قتل کیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خزانۃ المفتیین میں ہے۔ اور دستور القضاۃ میں ہے من الخلاصۃ فی کتاب الدیات قال رحمہ اللہ والا باحی یقتل ایضاً ولا یقبل تو تسکن اافی الشیخ الامام الزاہد الاستاذ عین الدین السمرقندی من الفتاویٰ ناصر صری الساحر یقتل اذا علم انہ ساحر بان اقول بحدودہ او قام البینۃ علی صحۃ فانیصل رحمہ من الکفر فی الکراہۃ الساحرۃ تقتل یرید بہ اذا کان تفتقد ذلک تصدیق مرتدہ وان کانت المرتدۃ لا تقتل خلاصہ کی کتاب الدیات میں ہے کہ اباحی (یعنی وہ شخص جو مجرمات شرع کو کسی خاص مرتبہ تک پہنچ جانے کے بعد حلال جانے) بھی قتل کیا جائیگا اور اسکی توبہ قبول نہ کی جائے گی ایسا ہی امام ذہبی و شافعی و حنفی و مالکی و سمرقندی رحمہ اللہ

نے فتویٰ دیا ہے فتادی ناصری میں ہے ساحر قتل کر دیا جائے گا جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ساحر ہے اس طرح
کہ وہ خود اپنے سحر کا اقرار کرے یا اُسکے سحر پر بینہ قائم ہو جائے کیونکہ اُسکا خون حلال ہے کفر کے باب
کراہت میں ہے ساحرہ قتل کر دی جائے گی اسکا مطلب یہ ہے کہ جب وہ سحر کا اعتقاد رکھتی ہو تو مرتد
ہو جائے گی اگرچہ مرتد عورت قتل نہیں کی جاتی لیکن پھر بھی وہ قتل کی جائے گی۔ اور صاحب درمختار
منتقى شرح مفتی مین لکھتے ہیں قد نفی عمر رضی اللہ عنہ نصر الحجاج من المدینة الى البصرة وهو غلام
صبیح الوجہا فتق بدم النساء والحسن لا یوجب النصف الا انه فعله سیاسة فانه قال ما ذنبی یا امیر المؤمنین
قال لا ذنب لک وان الذنب لی حیث لا اظهر دار الهجرة عندک كما فی الکشف وغیره حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے نصر حجاج کو مدینہ سے شہر بدر کر کے کوفہ میں بھیجا کیونکہ خوبصورت تھے اُن پر عورتیں بغیر
ہو جایا کرتی تھیں گو حسن کی وجہ سے کوئی شخص شہر بدر نہیں کیا جاتا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ
فعل سیاست پر مبنی تھا جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نصر حجاج نے پوچھا کہ اے امیر المؤمنین
میں نے کیا جرم کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا جرم کچھ نہیں ہے لیکن اگر دارالہجرتہ کو میں تم سے پاک نہ کروں
تو میں گنہگار ہوں گا جیسا کہ کشف وغیرہ میں ہے۔ اور قاضی القضاۃ نے رسالہ تغریبات میں لکھا ہے کہ
جب حاکم کے سامنے قاتل کا قتل کرنا ثابت ہو جائے اور عدم استیصال شرط استیفاء کے وجہ سے قصاص
اُس سے مرتفع ہو تو حاکم جیسی منہ مناسب سمجھے دے سکتا ہے واللہ اعلم حررہ محمد سعد اعفی عنہ۔ واقعی
فقہائے نزدیک سیاست اُس فعل کو کہتے ہیں جسے استصلاح خلق کے لیے حاکم عمل میں لائے ایک بار یا
دو بار گلا گھوٹنے پر اسکا انحصار نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفر لہ العلی الرب العکیم
المجیب مصیب حررہ محمد عالم علی عفی عنہ **محمد عالم علی** صحیح اجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ ظہور الحق
عفی عنہ **ظہور الحق** نعم اجواب ریاض الدین **ریاض الدین** اصواب من اجاب کتبہ محمد حبیب اللہ
محمد حبیب اللہ ذرا اجواب صحیح حررہ عبد الکریم محمد اکبر خان **عبد الکریم محمد اکبر خان** صحیح اجواب کتبہ عبد القادر
ولایتی **عبد القادر ولایتی** ان ذرا اجواب قریب بالحق والصواب حررہ محمد مطلق شہرین مفتی محمد سعد اللہ
اجواب صحیح سیاست قتل کرنا ایک یا دو بار گلا گھوٹنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ عام ہے ہر جنایت کے لیے اور اسکی
تائید و مختار کی اُس قول سے ہوتی ہے جو انھوں نے شبہ قتل میں لکھا ہے والثانی شبہ دھواں بقصد
ضررہ بغیر ما ذکرای ہا لا یفرق الا جزاء ولو یحیی و خشب کبیر من عندہ خلافا للفریۃ وموجہ الاثم

والکفارة ودية مغلظة على العاقلة سمی تفسیر ذلک لا القود لشبهه بالخطأ نظر الی الالة الا ان
یتکرر منه فلا مام قله سیاسته دوسرے شبہ عمدہ یہ ہو کہ کسی شخص کو مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ کسی اور
چیز سے مارنا چاہیے یعنی ایسی چیزوں سے مارنا چاہیے جن سے اجزا متفرق نہوں اگرچہ بڑا پتھر یا ٹبری کڑی
ہو امام جعفر رحمہ اللہ کے نزدیک نہ کہ دوسروں کے نزدیک اس سے آدمی گنہگار ہوتا ہو اور کفارہ اور
دیت مغلظہ (جن کی تعریف عنقریب آئے گی) واجب ہوگی نہ کہ قصاص کیونکہ آدھ (جس سے ضرب
صادر ہوئی ہو) محاذ کر کے وہ خطا کے مشابہ ہے البتہ اگر کسی سے یہ فعل مکرر صادر ہو تو امام او سے سیاستہ
قتل کر دے واللہ اعلم حررہ محمد نور النبی عفی عنہ۔ اصحاب الحبيب صاحب بحر الرائق نے رسالہ رشوت میں
لکھا ہو قد استفيد ان السياسة ما يفعل الحاكم لمصلحة العام من غير ورود الشرع اس سے معلوم ہوا کہ
سیاست وہ فعل ہے جسے حاکم مصلحت عامہ کی وجہ سے بلا حکم شرع کرے۔ اور علامہ ابراہیم خیر الدین رحمہ اللہ
اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں سمیع الاخبار بكونه شريراً بدينه ولسانه سواء كان حاضراً او غائباً لان الامور
الموجبة للتعزير ولو بالقتل المحض حق الله تعالى الذي لم يقصد شخصاً معيناً لا يحتاج الى الدعوى
المحتاجة الى حضور المدعى وهذا من حق الله تعالى وهذا انص علمائنا بان التعزير من لهم الاجر والفضل
حيث كانوا مخلصين لقصد هم بدفع ظلمة المتعدى وللحاكم طلبه وتعزيره ولو بالقتل حيث تقر فيه
ان لا يرجع الا بالقتل کسی شخص کے ہاتھ یا پاؤں کے خراب ہونے کی خبر سنی جائے یعنی یہ سنا جائے کہ وہ اپنے
زبان یا ہاتھ پاؤں سے دوسروں کو تکلیف پہونچا رہا ہے تو خواہ وہ موجود ہو یا نہ ہو کیونکہ وہ امور جن سے
تعزیر واجب ہوتی ہے اگرچہ قتل ہی کیوں نہ ہو خالص خدا کا حق ہیں جو کسی مددگار کا محتاج نہیں ہوں
دعویٰ کی احتیاج نہیں ہے جسکی بدولت حضور مدعی ضروری ہو اور یہ خالص خدا کا حق ہو اور اسکو
پھر سے علمائے ثابت کیا ہے کہ مخبرین کو اجر و ثواب ملیگا جبکہ انکا مقصد صرف یہی ہو کہ ظالم کا ظلم باقی نہ رہے
اور حاکم کو ایسے شخص کو طلب کرنا چاہیے اور تعزیر کرنا چاہیے اگرچہ قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے جبکہ یہ معلوم
ہو جائے کہ وہ بغیر قتل کے اپنے حرکات سے باز نہ آئے گا۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسن
محمد عبدالحی حماد ذی اللہ عن ذنبہ اعلیٰ و اخفی محمد عبدالحی
اصحاب من اجاب رد المحتار میں ہے وبیشیہ
کلام الفتح ایضاً ان السياسة لا يختص بالزمان وهو ما عزاہ المباح الى التهم وفي القهستانی السياسة
لا تختص بالزمان بل يجوز في كل جناية والای حال الامام علی مافی کافی قتل متبذع یقوہم منه

انتشار بدعتہ وان لم یحکم بکفرہ کما فی التمهید وہی مصدر اساس الوالی الرعیۃ امرہم ونہاہم
 کما فی القاموس فالسیاستۃ استصلاح الخلق بارشادہم الی الطريق الخفی فی الدنیا والآخرۃ فیہ
 من الانبیاء علی الخاصۃ والعامۃ فی ظاہرہم وباطنہم ومن السلاطین الملوک علی کل منہم فی
 ظاہرہم ولا غیر ومن العلماء ورفقۃ الانبیاء علی الخاصۃ فی باطنہم ولا غیر کما فی المضمرات وغیرہا
 ہکذا فی جامع الرموز صاحب فتح کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیاست زنا کے ساتھ خاص نہیں
 ہے اور اسی کو شایع رحمہ اللہ نے نہر کے جانب منسوب کیا ہے اور قستانی میں ہے کہ سیاست زنا کے ساتھ
 خاص نہیں ہے بلکہ ہر جنابت پر جائز ہے اور اس معاملہ میں امام کی رائے معتبر ہے جیسا کہ کافی میں ہے مثلاً
 کسی ایسی بدعتی کا قتل جس سے بدعت کے پھیلنے کا اندیشہ ہو اگرچہ اُسکے کا فرہونے کا حکم نہ کیا جائے جیسا کہ تمہیین
 ہے اور سیاست مصدر ہے اساس الوالی الرعیۃ کا یعنی والی نے رعیت کو حکم دیا اور روکا جیسا کہ قاموس
 میں ہے پس سیاست اصلاح خلق ہو اسطرح پر کہ او کو ایسا راستہ دکھایا جائے جس سے وہ دنیا و آخرت
 دونوں میں نجات پا جائیں پس عوام و خواص کی اصلاح باطنی و ظاہری انبیاء کے ذمے ہے اور صرف اصلاح
 ظاہری سلاطین و ملوک کے ذمے ہے اور صرف خواص کی اصلاح باطنی علما کے ذمے ہے جو انبیاء کے وارث ہیں
 جیسا کہ مضمرات وغیرہ میں ہے یہ سب جامع الرموز میں ہے واللہ اعلم بالصواب منقہ خادم ولیہ السلام اکرم
 محمد ابراہیم غفرلہ اسد الرحیم بن مولانا علی محمد رحمہ اللہ الصمد۔

کتاب الحدود

سوال زنا کی تحقیق بغیر قاضی کے ممکن ہے یا نہیں اور زانی بغیر قضاے قاضی کے سزاوار نہ ہے
 یا نہیں اور اس امر میں حکیم جائز ہے یا نہیں جواب زنا کی تحقیق پر اجرائی عدم تبہ ہے اور اجرائی
 حد بغیر قاضی و حاکم کے خفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اجر لے حد کے لیے حکیم درست نہیں ہے
 سوال تین مسلمان جن میں سے ایک کے ہاتھ میں تلوار اور دوسرے کے ہاتھ میں بڑی بڑی لکڑیاں تھیں
 باہم لوط مار کرنے کا مشورہ کر کے شہر کے باہر نکلے اور پہلی رات کو ایک ہندو بزانہ پر جو رامپور کا تہیوالا
 تھا اور گاؤں کی بازار سے آ رہا تھا حملہ کیا اور دارالاسلام رامپور کے ایک جنگل میں اسکو مار ڈالا
 اور ایک مزدور کو بھی جو اس کے ساتھ تھانہ خمی کر کے اُسکی گٹھری جس میں سوئی کے ترسٹھو تھان تھے لوط کے

نے بھاگے پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ لوٹ مار کرنے والے لوگ قطع الطريق ہیں یا نہیں اور حاکم قوت
 انکو قتل اور مال چرانے کی سزا میں بطریق حد قتل کر سکتا ہے یا نہیں جو اب یہ لوگ قطع الطريق
 ہیں اور حاکم وقت انکو قتل اور اخذ مال ذمی کے جرم میں قتل کر سکتا ہے جانتا چاہیے کہ قطع الطريق
 ان لوگوں کو کہتے ہیں جو دارالاسلام کے شہر اور قریوں کے باہر راستہ چلنے والوں کو مار ڈالنے یا لوٹنے
 کا خوف دلائیں اور انکے ساتھ ایسی شوکت اور قوت بھی ہو جس کی وجہ سے راہگیر انکا مقابلہ نہ کر سکیں
 اور ان سے ڈریں اور ان کی دفع کرنے سے عاجز رہیں بلکہ اگر ایک شخص بھی ایسی شوکت اور قوت
 کے ساتھ راہگیروں کو عاجز کرے تو وہ بھی انھیں میں سے سمجھا جائے گا اور رہنری میں بڑی کلڑی اور
 پتھر تلوار کے حکم میں ہیں۔ صاحب ہدایہ نے باب قطع الطريق میں لکھا ہے اذا خرج جماعة متمنعين او
 واحد يقدر على الامتناع فقصده واقطع الطريق الخ جب متمنعین کی ایک جماعت یا ان میں کا ایک
 اکیلا جو امتناع پر قدرت رکھتا ہو ڈاکہ مارنے کے ارادے سے نکلے الخ اور امتناع سے یا مراد ہو کہ قاطع طریق
 اپنی بہادری کی قوت سے دوسروں کو دفع کر سکے صاحب غنایہ نے لکھا ہے اراد بالامتناع ان کون قاطع
 الطريق بحيث يمكن له ان يدافع تعرض الغير عن نفسه بقوة وثبات امتناع سے یہ مراد ہو کہ
 ڈاکو ایسا ہو کہ اگر دوسرا شخص غل یا انداز ہو تو وہ اپنی قوت و شجاعت سے اسکا دفع کر سکے۔ اور بیان
 شرح مواہب الرحمن میں لکھا ہے خروج ذو منعة وقوة ولو واحد اقطع الطريق الخ قوی شخص اگرچہ
 اکیلا ہی ڈاکہ مارنے کی نیت سے نکلے الخ۔ اور بحر الرائق میں ہے اما قطع الطريق حقيقة فبالقتل او
 اخذ المال وان يكون بالاخافة وان يكون من قوم لهم قوة وشوكة او واحد كذا لاك واکا
 حقيقة قتل کرنے کمال کے لینے اور ڈالنے دھمکانے اور ایسی قوم سے ہوتا ہے جسے قوت و شوکت ہو یا
 ایک اکیلا ایسا آدمی ہو اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے اعلم ان قطع الطريق الذين لهم احكام
 مخصوصة شرائط احدها ان يكون لهم شوكة ومنعة بحيث يمكن للمارة المقامة معهم وقطعوا
 عليهم بطريق سواء كان بالسلاح او بالعصا او الكبيرا او الحجرا وغيرها والثانية ان يكون خارج
 المصير بعيدا عنها والثالثة ان يكون ذلك في دار الاسلام واکوون کی وجہ کیلئے مخصوص احکام ہیں
 متعدد شرطیں ہیں دا ڈاکہ ڈالنے والے قوی اور صاحب شوکت ہوں کہ وہ چلنے والے انکا مقابلہ نہ کر سکتے
 ہوں اور وہاں ڈاکہ ڈالیں خواہ اسلحہ سے ہو یا بڑی کلڑی یا پتھر وغیرہ سے ہو (۲) شہر کے اور شہر سے

در ہر ہر (۳) دارالاسلام میں ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اشخاص مذکورین ڈاکو ہیں اور ڈاکو کو قتل اور اخذ مال کی وجہ سے یہ حکم ہے کہ امام اور سلطان وقت انکو قتل کر سکتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ان قتلوا واخذوا المال ان شاء الامام قطع ایدیہم ورجلہم من خلاف ثم قتلہم او صلہم وان شاء قتلہم من غیر قطع وان شاء صلہم جب ڈاکو قتل کریں اور مال لوٹ لیں تو امام اگر چاہے انکا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر قتل کرے یا سولی دے اور اگر چاہے تو بغیر ہاتھ پاؤں کاٹے ہوئے قتل کرے اور اگر چاہے تو سولی دے۔ اور کثرین ہے ان قتل قتل حد وان عفا الولی قاتل حد ا قتل کیا جائیگا اگرچہ ولی معاف کر دے اور تلقی الایمین ہے ولو باشر الفعل بعضهم حد واکلہم اگرچہ اس کام کو انہیں سے بعض لوگوں نے کیا ہو مگر قتل سب کیے جائیں گے۔ اور لا یمن للمارة المقاو متہ معہ طراہ گیر ان کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں بہن راہ گیر فقہائے نزدیک وہی راہ گیر مراد ہیں جن سے ڈاکو تہرض کریں نہ تمام راہ گیر اور فقہائے قطع الطريق کی تفسیر میں کہا ہے الا صافۃ لا دنی ملابسة والمعنی قتل المارة بالطریق واطلق الطريق علی المارة من اطلاق اسم المحل علی الحال کذا فی الحاشیۃ الطحاویۃ والتمامیۃ اضافت ادنی مشابہت کی وجہ سے ہے مطلب یہ ہے کہ قتل ان لوگوں کا جو راستہ سے گزرتے ہوں اور راستہ کا اطلاق گزرنے والوں پر ویسا ہی جیسے محل کا اطلاق حال پر یہ حاشیہ طحاویہ اور شامیہ میں ہے واللہ اعلم منقہ العبد الاثم الاواہ محمد سعد الدیوب محمد ریاض الدین مفتی عدالت دیوانی محمد ریاض الدین ہذا الجواب صحیح والراے صحیح منقہ العبد الاثم محمد عبد الکریم مدرس رامپور محمد عبد الکریم اصاب الحیب محمد احسن الصدیقی مدرس مدرسہ بریلی محمد احسن صحیح الجواب واللہ اعلم بالصواب محمد حبیب الدیوب مدرس رامپور محمد حبیب اللہ صحیح الجواب حررہ محمد ظہور الحق مدرس محمد ظہور الحق ہذا الجواب صحیح حررہ اکبر علی خان ولد محمد یار خان مدرس اکبر علی خان اصاب الحیب حررہ نطف اللہ ولد مفتی سعد اللہ مدرس مدرسہ محمد نطف اللہ ذلک کذلک حررہ محمد بشارت اللہ مدرس مدرسہ محمد بشارت اللہ ہذا الجواب صحیح والراے صحیح کتبہ سید حسن شاہ مدرس مدرسہ سید حسن شاہ الجواب صواب حق صحیح کتبہ محمد ظہور احسن عفی عنہ ظہور احسن صحیح الجواب محمد عالم علی محدث مراد آبادی محمد عالم علی لقا صاب الحیب محمد قطب عالم مدرس مراد آباد محمد قطب عالم عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اذا خرج جماعة من المتنہین او واحد

یقد علی الامتناع فقصدا واطع الطريق الخ الما دبالا امتناع ان یکون بحیث یکمن لهم ان یقتلوا
عن انفسهم بقوتهم وشجاعتهم تعرض الفیجرب راستہ روکنے والوں کی ایک جماعت یا ان میں
سے ایک اکیلا جو راستہ روکنے پر قدرت رکھتا ہو نکلا اور اُس نے ڈاکہ ڈالنے کا قصد کیا الخ امتناع سے مطلب
یہ ہے کہ وہ لوگ ایسے ہوں کہ اگر کوئی دوسرا ان سے تعرض کرے تو وہ اپنی قوت اور شجاعت سے اُس کو
رفع کر سکیں۔ اور کتاب الخراج میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے قال ابو یوسف من اخذ المال
فالا مام بالخیار ان شاء قتله ولم یقطعہ وان شاء قطعہ ثم صلیہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں
کہ جس ڈاکو نے (قتل کے بعد) مال لے لیا ہو اُسکے متعلق امام کو اختیار ہے چاہے اُسے قتل کر ڈالے اور اُس کو
ہاتھ پاؤں نہ کاٹے اور چاہے ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد سولی دیدے۔ واللہ اعلم حررہ الراحمی عفور ربہ الفقہ
ابو الحسنات محمد عبدالحی تاج وزا اللہ عن ذنبہ البجلی والنحفی محمد عبدالحی
ابو الحسنات اعلم ان قطاع الطريق ان
قتلوا نفسا واخذوا مالا خیار لا مام بین ستة احوال ان شاء قطع اید یهم وارجلهم من خلاف
ثم قتلوا وصلبوا وفعلوا الثلثة او قتلهم وصلبهم او قتلهم فقط او صلبهم فقط هکذا فصلہ الزلیعی
اگر ڈاکو کسی کی جان لین اور مال لوٹیں تو امام کو چھ باتوں کا اختیار ہے ان میں سے جو چاہے کرے ایک
طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کا ٹکڑا قتل کر ڈالنا یا سولی دیدینا یا تینوں یا قتل در سولی
یا صرف قتل یا صرف سولی یہ تفصیل زلیعی نے کی ہے اور صورت مسئلہ میں قتل نفس اور اخذ مال
ان رہزنون سے وقوع میں آیا ہے پس حد قصاصاً انکو قتل کرنا چاہیے واللہ اعلم بالصواب سدیفی
الدین رشید بالیقین دہلوی۔ واقعی یہ لوگ ڈاکو ہیں اور ماکم وقت انکو قتل اور اخذ مال کے جرم میں
حداً قتل کر سکتا ہے جامع الزوہرین ہی ومعصوم بالعصمة المؤبدۃ وهو مسلما وذمی حرا وعبد قطع
الطریق علی معصوم امی زاحم المارۃ من مسلما وذمی فی محراء دارنا علی مسافۃ السفر فصاعدا
دون القری والا مصار ولا بینہا وهذا اظاہر الروایۃ وعن ابی یوسف رحمہ اللہ ان من قطع
الطریق من زاحم علی قل مسیر السفر و فی المصر لیلۃ وعلیہ الفتوی دفعا لشر المتغلبۃ المفسدین
کما فی الاختیار وغیرہ وقال بعض متأخرین ان هذا فی منہم واما فی زماننا فتصح قطع الطريق
فی القری والا مصار وعن ابی یوسف رحمہ اللہ من زاحم فی المصر او بین القری فان کان بالسلح
حد وان کان لغیرہ فلا اما اذا کان باللیل حد انتہی محمد عبدالحی
ابو الحسنات قال صاحب الايضاح وعن

ابن یوسف رحمہ اللہ ان قصد وافی المص بالسلحہ یجری علیہم احکام قطع الطريق وان قصدوا بالحد والختب فان كانوا خارج المص فذلك ايضا وان كان بالنها لا یجری علیہم حکم قطع الطريق واستحسن المشایخ هذه الروایة وبہ یفتی کذا فی التبیین وقال فصیح الدین الہروی فی شرح الوقایۃ وجہ وعصا لہم کسیف فی القتل لان قطع الطريق یحصل جہا علی السواء (ڈاکہ یہ ہے کہ) وہ لوگ جو محفوظ بحفاظت دائمی یعنی مسلمان اور ذمی آزاد یا غلام میں راستہ روکین کسی محفوظ مسلمان یا ذمی کا دارالاسلام کے صحرائین مقدار سفر پر یا اس سے زائد نہ کہ گاؤں اور شہر میں اور نہ انکے درمیان یہ ظاہر روایت ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہو کہ مقدار سفر سے کم میں یا رات کو شہر میں مزاحمت بھی ڈاکہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے مفسدین غالبین کے شر کو دفع کرنے کے لیے جیسا کہ اختیار وغیرہ میں ہے بعض متاخرین نے کہا ہو کہ یہ اُنکے زمانے میں تھا لیکن ہمارے زمانے میں گاؤں اور شہروں میں بھی قطع طریق پایا جاتا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو شہر یا قصبہ کو درمیان میں مزاحمت کرے تو اگر یہ مزاحمت اسلحہ سے ہو تو انہر حد جاری کی جائے گی اور اگر کسی اور چیز سے ہو تو نہیں لیکن اگر رات کو ہو تو حد جاری کی جائے گی انتہی مختصر اور صاحب یضاح نے لکھا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو لوگ شہر میں ہتھیار لیکر مزاحمت کا قصد کریں اونپر ڈاکوؤں کے احکام جاری ہونگے اور اگر اُنکے پاس اسلحہ نہ ہو بلکہ لکڑیاں اور پتھر ہوں تو اگر وہ شہر سے باہر مزاحمت کریں تو انکا بھی یہی حکم ہے اور اگر دن کو ہو تو انپر ڈاکوؤں کے احکام جاری نہ ہوں گے مشائخ رحمہم اللہ نے اس روایت کو مستحسن سمجھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ تبیین میں ہے اور شیخ فصیح الدین ہرودی رحمہ اللہ نے شرح وقایہ میں لکھا ہے اور ڈاکوؤں کے لیے قتل کیے جانے میں ڈنڈا اور پتھر بھی مثل تلوار کے ہے یعنی اگر وہ ڈنڈے اور پتھر سے حملہ کریں تو بھی قتل کیے جائیں گے کیونکہ قطع طریق سب میں برابر ہے واللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم

باب القصاص

سوال۔ جو شخص قصاص میں مارا جائے وہ گناہ سراک ہو جاتا ہے یا نہیں جواب پاک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے ولکم فی القصاص حیوة یا اولی الالباب تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہو اے عقلمند دن! وفتح العزیز
میں مرقوم ہے کہ جب قاتل کو قصاص میں قتل کرتے ہیں اور وہ اپنے نفس کو اللہ کے حکم کی اطاعت میں
دارثان بمقتول کے حوالہ کرتا ہے تو قیامت کے دن گناہ سے پاک اُٹھے گا اور دوزخ کے عذاب سے نجات
پائے گا اور حیات ابدی پائیگا بلکہ عالم برزخ اور قبر میں بھی اُسکے ساتھ عفو اور رحمت کا معاملہ کیا جائیگا اور روح
دریچان اُسے نصیب ہوگا پس یہ مارا جانا اُسکے لیے ایسا ہے جیسے کوئی دارالاکلام سے دارالراحتہ میں چلا جائے
واللہ اعلم بالصواب حررہ الراحمی غفور رب القوی ابو احسان محمد عبدالحی تاجدار اللہ عن ذنب الجلی وانشی

محمد عبدالحی
ابو احسان

کتاب الحوالہ

سوال ہندہ اور مریم دُائنان ہیں اور زید ملیون زید نے بکر پر حوالہ کیا اور بھی عمرو زید کے باپ نے برصاے
زید ملیون ہندہ اور مریم دُائنان کی موجودگی میں بکر کے نام رقعہ لکھتے وقت یہ لکھا کہ اسقدر روپیہ ہندہ
اور مریم کو دیدینا اور بقینا روپیہ اس رقعہ میں لکھا ہے جو زید پر ہندہ اور مریم کا ہے حساب کے وقت مجھ کو کیا
جائیگا پس بکر نے بدفعات مریم کا کل روپیہ ادا کر دیا اور ہندہ کا بعض روپیہ بدفعات ادا کیا اور بعض
باقی ہے جسکا ہندہ کو بکر پر بنا برتھ رہا رقعہ دعویٰ ہے اور اقرار بکر نسبت ادا ہے بقیہ دین ہندہ کو اور ہون
کی گواہی سے ثابت ہے اب مطالبہ کے وقت ہندہ نسبت بقیہ دین خود بکر بعد ادا کے کل دین مریم بعض
دین ہندہ نسبت ادا ہے دین ہندہ منکر حوالہ ہے بعد اظہار صورت نزاعی مقتیان شرح مستین کی خدمت میں
یالتاس ہو کما زدی روایات فقہا ووسائل شریعہ حضور جمیل و محال لہ و محال علیہ تنکام حوالہ شرط صحت حوالہ ہے
یا نہیں اور اگر یہ صورت فرض کی جائے کہ جب وقت عمر و نے بحضور ہندہ اور مریم دُائنان زید ملیون بہ مضمون
دینے روپیہ ہندہ رجب رقعہ منجانب زید ملیون بنام بکر تحریر کیا تھا تو بلا رضامندی اور بلا امر زید ملیون لکھا تھا
اور نہ کچھ دین زید مذکور ذمہ بکر تھا اور نہ کوئی شے زید کی بطور ودیعت بکر کے پاس تھی مگر بکر نے موافق مضمون
رقعہ جو زید ملیون کے باپ نے لکھا تھا زید رجب رقعہ بدفعات ہندہ اور مریم کو اس طرح کہ دین مریم کا مریم
کو اور بعض دین ہندہ کا ہندہ کو اور کیا شرعاً عقد حوالہ منعقد ہوگا یا نہیں اور اگر محال بلکہ بھی مجلس حوالہ
میں موجود ہو مگر اسکی طرف سے کوئی شخص فضولی حوالہ کو قبول کرے تو حوالہ منعقد ہوگا یا نہیں جواب

صحت حوالہ کے لیے محیل اور محتمل علیہ کا مجلس حوالہ میں حاضر ہونا شرط نہیں ہے فقط مجلس حوالہ میں محتمل لہ کا
حاضر ہونا شرط ہے مگر جب کوئی شخص محتمل کی طرف سے حوالہ کو قبول کرے گا تو اس وقت بلا حضور محتمل لہ بھی
حوالہ صحیح ہے چنانچہ فتاویٰ حادیہ میں مرقوم ہے و شرط حضور الثانی کا ان یقبل ای الحوالۃ فصولی ای لاجل
الغائب لاجل الباقین دوسرے کا حاضر ہونا ضروری ہے مگر یہ کہ فضولی حوالہ کو قبول کرے غائب کے نہونے
کی وجہ سے نہ کہ باقی لوگوں کا موجود ہونا — اور بھی فتاویٰ عالمگیری میں عدم حضور محتمل علیہ کے
باب میں تصریح کی ہے جسکی عبارت یہ ہے ولا یشترط حضور تلمیذ الحوالۃ حتی لو احالہ علی رجل غائب ثم علم
الغائب فقبل صحت الحوالۃ صحت حوالہ کے لیے اسکا حاضر ہونا شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اس نے کسی غائب شخص حوالہ
کر دیا اور اس غائب کو جب اطلاع ہوئی تو اسے قبول کر لیا حوالہ صحیح ہو جائے گا۔ اور حوالہ بارضا و بلا امر
محیل بھی صحیح ہے درمختار میں ہے شرط لصحة تراضی الكل بلا خلاف الا الاول وهو المحیل فلا یشترط علی المختار
لکن افی الشر بنالایۃ عن المواہب صحت حوالہ کے لیے سبکی رضامندی شرط ہے بلا خلاف سلو اول یعنی محیل کے پڑنے
مختار اسکی رضامندی ضروری نہیں ہے یہ شر بنالایۃ میں مواہب سے نقل کیا ہے۔ اور فتاویٰ حادیہ میں ہر داما
رضاء المحیل وهو المذیون فلیس بشرط ذکرہ فی الزیادات محیل یعنی دیون کی رضامندی شرط نہیں ہے اسے
زیادات میں ذکر کیا ہے۔ اور فتاویٰ احمدی کی روایت بھی اسکی مثبت ہے اور ہی بحالت عدم لزوم دین
محیل بذمہ محتمل علیہ وعدم وجود شے محیل عند المحتمل علیہ بھی حوالہ صحیح ہے جیسا کہ کافی میں اسکی تصریح موجود
ہے کہ حوالہ کی دو قسمیں ہیں مقیدہ اور مطلقہ مقیدہ وہ ہو کہ محتمل علیہ پر محیل کا دین ہو یا اسکے پاس کوئی
عین ہو بطریق غصب یا ودیعت یا اور کسی طرح سے اور مطلقہ اسکے خلاف ہے اور قول بعض فقہاء در باب تعریف
حوالہ مطلقہ مقیدہ اسکو ہو کہ محیل حوالہ کو مقیدہ دین یا عین نہ کرے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کے باب تقسیم حوالہ
میں مرقوم ہے وہی نوعان مطلقہ و مقیدہ فالملقۃ ان یرسل الحوالۃ ولا یقیدہا بشئ ما عند من
ودیعتا وغصب او دین او عیلتہ علی رجل لیس لہ علیہ شئ ما ذکرنا لکن افی التبین حوالہ کی دو قسمیں
ہیں مطلق اور مقید مطلق یہ ہو کہ حوالہ میں وہ شے ذکر نہ کی جائے جو از قسم ودیعت یا غصب یا قرض بذمہ
محتمل علیہ ہو یا مطلق کسی ایسے شخص کے کچھ حوالہ کرنا ہے جسپر محیل کا اقسام مذکورہ میں سے کسی طور پر کچھ واجب
نہو ایسا تبیین میں ہے۔ باعتبار تعریف ثانی حوالہ مطلقہ محیل یا دین یا وہ شے جو محتمل علیہ کے پاس ہو محتمل
علیہ سے مانگ سکتا ہے جیسا کہ وقایہ اور فقہ کی اکثر کتابوں کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے اور جب بادا

بعض مہینہ و غیر بشہادت شہود و رضامندی بلکہ محتمل علیہ و قبول حوالہ ثابت ہے تو اب نکار کر محتمل علیہ نسبت عدم قبول حوالہ غیر مقبول ہے و امداعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب مترجم کہتا ہے اس جواب کے بعد اصل کتاب میں بھی مفتی کا نام تھا اندازہ میں بھی نہیں لکھا گیا۔ انتہی کے واقع صحت حوالہ میں محتمل علیہ کی حاضری شرط نہیں ہے جیسا کہ در غرض غریبین ہے الشرط قبول الحتمال و انائبہ و رضی الباقین لا حضور ہا شرط محتمل یا اسکے نائب کا قبول کرنا ہے اور بقیہ کی رضامندی نہ کہ اُن کا موجود ہونا۔ بلکہ مذہب مختار کے لحاظ سے محمل کی رضامندی بھی شرط نہیں ہے ردالمحتار میں ہے لا یغنی ان اشتراط رضاء اھل العلیل مبنی علی روایت القدوری وہی خلاف المختار رضائے محمل کی شرط لگانا قدوری کی روایت پر مبنی ہے جو خلاف مختار ہے پس صورت مسئول عنہا میں محتمل علیہ پر ادا اسے بقیہ دین بھی واجب ہے و امداعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تاجوازا مدعن ذنبہ البجلی و انحفی محمد عبدالحی ابوالحسنات

کتاب المناقب

سوال شرح محمدی اور شاسترہ نو دین لونڈیان دوری قسم کی قراری ہین ایک وہ جو زرخیز ہون دوسرے وہ جو جہال و قتال کر کے مکر و جہاد میں ہاتھ آئی ہون اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام و علی نبینا وعلیہ السلام و الصلوٰۃ کی دوسری بی بی تھیں ان دونوں صورتوں سے بری ہین کہ ہماری تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو خلاصۃ الانبیاء میں لکھا ہے کہ سنان بن علون ایک بادشاہ تھا مقام مصر میں جب اُس نے شہرہ حسن حضرت بی بی سارہ زوجہ اولی حضرت ابراہیم خلیل علیہا السلام و الصلوٰۃ سنا تو حضرت سارہ علیہا السلام کو اپنے سامنے طلب کیا اور اُس کے جانب ہاتھ بڑھایا امدتالی کی قدرت سے اُس نا پاک کا ہاتھ سوکھ گیا وہ ڈر ا اور حضرت سارہ علیہا السلام سے دعا کا خواستگار ہوا آپ نے دعا فرمائی امدتالی نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اسکے ہاتھ کو اچھا کر دیا تو اُس فو شکہ میں بی بی ہاجرہ کو دیا اور حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا یہ تمھاری اجرت ہے اور بتیان میں جو قدیم تفسیر ہے اور اب نواب مدراس کے کتب خانہ میں موجود ہے یہی لکھا ہے مگر تورات میں لفظ جاریہ لکھا ہے تو اب اگر لفظ جاریہ پر خیال کیا جائے تو لغت میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور قلموں میں

ہر جاریہ کے منہ کشی اور آفتاب اور دختر اور کنیز کے ہین تو اب خیال کرنا چاہیے کہ جب ایک لفظ کو
کئی معنی قرار پائے تو پھر جہاں جو معنی چسپان ہوں وہی بولنا چاہیے اور مقام مذکورہ بالا میں بڑی
ہی کے معنی موزون ہو سکتے ہیں کیونکہ عقل سلیم اسکو قبول نہیں کرتی کہ جب تنے بڑے بادشاہ نے
اپنی آنکھ سے ایسا زبردست معجزہ دیکھا تو اُسکے صلیب میں اُس نے لونڈی دی ہو پس امیدوار ہوں
کہ آپ اہل اسلام کی معتبر کتابوں سے اسکا ثبوت دین کہ اُس بادشاہ نے لونڈی ہی دی تھی جو
درحقیقت وہ کنیز نہ تھیں چنانچہ تفسیر کشاف و معالم و مدارک وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور کسی تفسیر
سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہوتا جو اسکا قائل ہو وہ کاذب ہی و اللہ اعلم
سیف الدین احمد جعفری ریواری سیف الدین احمد ہوا المصوب عبارات مفسرین اور مورخین
سے اشارۃً اور صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کنیز تھیں کیونکہ جمہور مفسرین نے بادشاہ
مصر کے قصہ میں لکھا ہے کہ اُس نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بہہ کیا۔ اور علامہ عجیر الدین جنبل مورخ
انس جلیل فی تاریخ القدس و الخلیل میں لکھتے ہیں لما سارا براهیم علیہ السلام الی مصر ومعہ
سارۃ زوجتہ وھبھا فرعون مصرھا جرفلما قدم الی الشام واقام بین المولۃ وایلیا وکانت سارۃ
لا تعقل وھبتھا جولا براهیم فواقعھا فحملت وولدت اسمعیل علیہ السلام جب حضرت ابراہیم
علیہ السلام مصر کی طرف تشریف لے گئے اور انکے ساتھ انکی بی بی حضرت سارہ علیہا السلام تھیں جنکی
خدمت میں بادشاہ مصر نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو پیش کیا پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
وعلیہ الصلوۃ والسلام شام میں آئے اور رملہ اور ایلیا کے بیچ میں سکونت اختیار کی اور حضرت سارہ علیہا
السلام حاملہ نہوتی تھیں لہذا انھوں نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بہہ کیا
جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہیں اور حاملہ ہوئیں جن سے حضرت اسمعیل علیہ السلام پیدا ہوئے
اس سے صاف طور سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اولاً حضرت ہاجرہ علیہا السلام اُس بادشاہ مصر کی کنیز
تھیں پھر جب حضرت سارہ علیہا السلام کی ملک میں آئیں تو انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
بہہ کیا کیونکہ ہر شخص پر ظاہر ہے کہ بہہ عرف اور شرع میں اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی ملک پر دوسرے
کو دیدی پس ناگزیر حضرت ہاجرہ علیہا السلام اُس بادشاہ مصر کی بڑی ہوتی تھیں تو لفظ بہہ کا اطلاق صحیح نہوتا
اور مورخ حسین دہانگری تاریخ خمیس میں لکھتے ہیں قال ابن المیعۃ ہاجرہ من ارض العرب من قوم

كانت امام القري من ارض مصر كذا في سيرة ابن هشام ويقال ان هاجر كان قبل الرق بنت
 ملك من ملوك القبط فاخذ منها اياها وخلي سبيلها وقال هذه لك وكان لا يولد لابراهيم
 سارة فوهبت سارة هاجر له ابن ابيعه رحمه الله نے کہا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام عرب کے ایک گائیک
 رہنے والی تھیں جو مصر کے گاؤں کے سامنے تھیں سیرت ابن ہشام میں ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ
 علیہا السلام غلامی کے قبل شاہان قبط میں سے کسی ایک کی بیٹی تھیں بادشاہ مصر نے جب حضرت سارہ
 علیہا السلام کو آنا دیکھا تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو انکی خادمہ بنا دیا اور کہا کہ یہ آپ کے لیے ہے اور جب حضرت
 سارہ علیہا السلام کے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو حضرت سارہ علیہا السلام
 نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو انھیں نہہ کر دیا۔ یہ عبارت اس باب میں بہت صریح ہے کہ حضرت
 ہاجرہ علیہا السلام کنیز تھیں بادشاہ مصر کی بیٹی نہ تھیں بلکہ کنیزک ہونے سے پہلے وہ بادشاہان قبط
 میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں اور اسی تاریخ خمیس میں اس سے زیادہ صریح یہ عبارت ہونی
 معالمت التزیل ولد لہا ابراہیم علیہ السلام ثمانیۃ بنین اسمعیل وامہا جرج القبطیۃ ام ولد
 معالمت التزیل میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے اسمعیل علیہ السلام ہاجرہ علیہا السلام
 کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے جو قبطیہ ام ولد تھیں۔ اور یہ بات ہر کس و نا کس جانتا ہے کہ ام ولد اس لونڈی
 کو کہتے ہیں جس سے مولیٰ صحبت کرے اور اس کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہو اسکو اپنی طرف منسوب کرے۔
 اور طلال لدین سیوطی رحمہ اللہ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و اہل ہرہ میں لکھتے ہیں قال ابن عبد الحکیم
 حدثنا عمر بن صالح اخبرنا مروان القصاص قال صا ہل القبط من الانبیاء ثلاثہ ابراہیم
 تسری ہاجرہ و یوسف تزوج بنت صاحب عین شمس و بنینا صلی اللہ علیہ وسلم تسری ماریۃ
 ابن عبد الحکیم نے کہا ہے کہ مجھے عمر بن صالح نے بیان کیا کہ ان سے مروان قصاص نے کہا قبطیوں کے تین بیٹوں کو
 قرابت مصاہر تھی ۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنھوں نے حضرت ہاجرہ (لونڈی) کے ساتھ شب باشی کی
 ۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام جنھوں نے صاحب عین شمس کی بیٹی سو شادی کی (۳) ہمارے نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم جنھوں نے ماریہ (لونڈی) کے ساتھ شب باشی کی۔ پس لفظ تسری صاف دال ہے کہ حضرت
 ہاجرہ علیہا السلام کنیز تھیں اگر کسی کو شک ہو کہ لونڈی بہ نسبت حرہ کے ذلیل اور بیکدر ہوتی ہے
 پس حضرت اسمعیل علیہ السلام جو نبی جلیل القدر اور نبی آخر الزمان کے اجداد میں ہیں جو مکہ لونڈی کے

پیٹ سے پیدا ہوئے انکی ذات میں نقص آگیا تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر اور عزت رقیبت اور حریت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ تقویٰ کے لحاظ سے ہوتی ہے قرآن شریف میں ہے ان اکرمک عند اللہ اتقا کم تم میں جو سب سے زیادہ متقی ہے وہی اللہ کے نزدیک بزرگ ہے اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام اگرچہ کینزک تھیں مگر نسبت حضرت سارہ علیہا السلام کے نہایت متقی اور پرہیزگار تھیں جیسا کہ کتب تفسیر اور کتب حدیث کے دیکھنے والے اس سے اچھی طرح پر واقف ہیں پس حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ذات میں کسی طرح کا نقصان نہیں آیا بلکہ کمال عارض ہوا اسی واسطے فقہاء لکھتے ہیں کہ جو شخص حضرت اسمعیل علیہ السلام کی حقارت کی نظر سے کہے کہ وہ لونڈی کی اولاد سے ہیں تو وہ شخص کافر ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی تذلیل کفر ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام والدہ حضرت اسمعیلؑ نفوذ بابت ذیل تھیں پس اس سے حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ذات میں ہرگز نقصان نہیں آتا غور کرنا چاہیے کہ اصل تمام نبی آدم کی حتیٰ کہ جملہ انبیاء کی منی کا ایک قطرہ ہے جو نجس و رخاب ہے اور اُس سے انسان کی ذات میں نقصان نہیں ہوتا اور جمہور مفسرین کے قول کے موافق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا فر تھے مگر اُس سے حضرت خلیلؑ کی ذات میں نقصان نہیں آیا والد اعلم حررہ الراحمی عفوریہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی تاجدار

عن ذنبہ الجلی و الخفی محمد عبدالحی ابو احسان سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے یا نہیں اور امی ہونا آپ کا معجزہ تھا یا نہ تھا اور جو شخص اسکا قائل ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے تمام علوم سے واقف تھے اور اپنے اس قول پر مصر ہو تو اُسکا یہ قول کتاب و سنت کے خلاف ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے جواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے واللہ تعالیٰ فرماتا ہے الذین یتبعون الرسول لنبی الامی وہ لوگ جو رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں اور معالمتنزل میں ہے ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال بن عباس ہو نبیکم امیالا یتب ولا یقرأ ولا یحسب وهو منسوب الی الام ای هو علی ما ولدته امه وقیل هو منسوب الی امه اصله امتی سقطت التاء فی النسبه لما سقطت فی المکی والمدنی وقیل هو منسوب الی ام القری وہ نبی امی حضور خاتم الانبیاء علیہ التیمۃ والثنا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ تمہارے نبی امی ہیں جنہوں نے نہ کچھ پڑھا نہ لکھا نہ حساب سیکھا اور پیام کی طرف

منسوب ہو یعنی وہ شخص جو اس حال پر ہو جس پر اس کی مان نے اسکو جانا ہو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اعلیٰ مرتبہ کی نسبت بہت خدش ہو گئی جس طرح کی اور مدنی میں خدش ہو گئی ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ام القریٰ کی طرف منسوب ہے۔ اور شریعت محمدیہ میں یہ ثابت نہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام واسطۃ جمیع اشیاء ماضیہ و مستقبلہ جزئیہ و کلیہ تمام علوم سے واقف تھے والد عالم حررہ الراجی عفو ربہ بالقوی ابو الحسن محمد عبدالحی تاجدار الدین ذنبہ اعلیٰ و انحنی محمد عبدالحی ابو الحسنات سوال ایک و غلط کتاب ہو کہ واستغفر لذنبتک و للمومنین و المومنات سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذن شفاعت کبریٰ حاصل ہوا ہے جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ آپ کو دنیا میں اذن شفاعت نہیں ہوا وہ کافر ہے اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ آپ کو دنیا میں اذن شفاعت ہو گیا وہ حدیث پیش کرتا ہے جو مشکوٰۃ شریف کے باب سجدہ شکر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا اللہ تعالیٰ ثلث امت کو بخشے گا اور اسی طرح میں ہر دعا اور سجدہ کے بعد بخشائش امت کے لیے دعا کرتا ہوں آپ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے دنیا میں اذن شفاعت ثابت ہو یا نہیں اور جو شخص کہے کہ دنیا میں اذن نہیں ہے بلکہ یہاں وعدہ صادق ہوا ہے اور قیامت میں اسی وعدے کے مطابق آپ کو شفاعت کبریٰ کا اذن ہو گا وہ شخص صحیح ہو یا مخطی۔ جواب احادیث کثیرہ اور روایات عدیدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قیامت کے دن حضور نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم کے لیے شفاعت کبریٰ کا اذن ہوتا ہے اور دنیا میں شفاعت کبریٰ کا اذن نہیں ہوا بلکہ وعدہ شفاعت کبریٰ تفویض ہونے کا وعدہ ہوا ہے اور یہی مذہب فقہائے محققین اور محدثین اور مفسرین رحمہم اللہ کا ہے ابن حجر مکی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں لکھتے ہیں روای لطلبولی بسند حسن مرفوعاً یدخل من اهل هذه القبلة النار من لا یحضر عدہم الا الله باعصوا الله واجروا علی معصیتہ و خالفوا اطاعتہ فیوذن فی الشفاعۃ فاتنی علی الله ساجداً یقل فی رفع راسہ سئل قط اشفع تشفع طرانی نے مرفوعاً بسند حسن روایت کیا ہے اہل قبلہ میں سے اکثر جن کی گنتی خدا کے سوا کسی کو نہیں معلوم جہنم میں جائیں گے کیونکہ انھوں نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور گناہ کیے ہیں اور اس کی اطاعت کے خلاف کیا ہے پس مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور میں سجدہ کروں گا کہ خدا کی تعریف کروں گا کہ تم میرا بھائی ہو اور مانگوں کہ تم کو دیا جائے گا اور شفاعت کروں گا کہ تم شفاعت قبول کی جائے گی۔

اور اُس بڑی حدیث میں جس میں انبیاء کی طرف اہل محشر کے توسل کو تفصیل سے بیان کیا ہوا احمد اور ابوالعلیٰ و
 بزار اور ابن حبان کی روایت سے مروی ہے فیقول عیسیٰ لیس ذلک عندی ولكن انطلقوا الی سید
 ولد آدم فلیشفکم الی ربکم فینطلقون فیقول اللہ یا محمد ارفع راسک وقل واشفع باقیہ
 فینطلق جبوسیل برفیض ساجد اقد رجعتہ ثم یقول اللہ تعالیٰ یا محمد ارفع راسک وقل لسمع واشفع
 تشفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ مجھے اس کا حق نہیں ہے تم اولاد آدم کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کے پاس جاؤ وہ خدا سے تمہارے سفارش کریں گے پس وہ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم تم اپنا سراؤٹھاؤ اور شفاعت کرو پس حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئینگے لیکن آپ ایک
 ہفتہ سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنا سراؤٹھاؤ اور کہو تمہاری
 سنی جائیگی اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ اور سیوطی رحمہ اللہ نے بدور سفر فی احوال
 الآخرہ میں احمد و بخاری اور مسلم کی روایت سے لکھا ہے فیا تون عیسیٰ فیقول لست بذلک ایتوا
 محمد اغفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فیا تونی فاقوم حتی استاذن ربی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے پاس آئیں گے پس وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں تم لوگ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے پاس جاؤ
 اللہ نے اُنکے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے ہیں پس وہ لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں شفاعت کا قصد
 کروں گا یہاں تک کہ میرا خدا مجھے اجازت دے۔ اور احمد و ابوالعلیٰ کی روایت میں ہے فیا تونی فیقولون یا محمد
 اشفع لنا الی ربک فاقوم لہا حتی یاذن اللہ پس لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم ہماری شفاعت کیجیے پس میں شفاعت کا قصد کروں گا یہاں تک کہ خدا مجھ کو اجازت دے اور مسلم اور حاکم کی روایت
 میں ہے فیا تون محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاقوم فیؤذن لہ۔ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے پاس
 آئیں گے اور آپ شفاعت کرنے کے لیے مستعد ہو گئے پس آپ کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اور طبرانی
 اور ابن مبارک اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی روایت میں ہے فیا تون عیسیٰ فیقول
 ادکم علی العربی الاخیر فیا تونی فیاذن اللہ لی ان اقول لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے
 وہ فرمائیں گے میں تم کو رسول عرب کے پاس جانے کی ہدایت کرتا ہوں تب لوگ میرے پاس آئیں گے اور خدا مجھے
 کہنے کی اجازت دے گا۔ اور ابوالعلیٰ کی روایت میں ہے اسجد سجدۃ بیضی بھاعنی ثم امد حہ مد حہ
 یرضی بھاعنی ثم یؤذن لی بالکلام میں ایک سجدہ کروں گا جسکی بدولت خدا مجھے راضی ہو جائے گا پھر میں

اسکی ایسی مدد کر دینا کہ جسکے بدولت وہ مجھے راضی ہو جائیگا پھر مجھے کلام کی اجازت دے گا۔ اور عبد الوہاب
 شمرانی رحمہ اللہ نے کتاب البواقیت و البجواب فی بیان عقائد الکا بر میں لکھا ہے قال الشیخ محمد الدین
 رحمہ اللہ واما الخیرنا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بانہ اول شافع واول مشفع شفقتہ علینا للتسویح من
 التعب الحاصل بالذہاب الی نبی بعد نبی فی ذلک الیوم العظیم وکل منہم یقول نفسی نفسی فاراداعلم
 بمقامہ النصیو فی مکاننا مستویین حتی تاتی نوبتہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم واما قال فی آخر
 الحدیث ولا فخر ای لا افتخر بکونی سید ولد آدم من الانبیاء فمن دونہم واما قصدت بذلک راکم
 من النعب یوم القیامۃ بحکم الوعد السابق لی من اللہ عزوجل ان اکون اول شافع واول مشفع شیخ محمد الدین
 رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التمجیدہ والثناء نے ہر کوئی خبر دی ہے کہ وہ پہلے وہ شخص ہیں جو شفاعت کریں گے
 اور جنکی شفاعت قبول کی جائے گی ہمارے اوپر شفقت کی غرض سے تاکہ ہم اُس تکلیف سے آرام پائیں جو ہم کو
 یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کے پاس جانے سے اُس بڑے دن میں لاحق ہوئی تھی جبکہ انبیاء میں سے
 ہر ایک نفسی نفسی کہ رہا ہوگا پس اُنھوں نے ہر کوئی اپنا مرتبہ بتانا چاہا تاکہ ہم اپنی جگہ پر صبر کر کے راحت حاصل
 کریں حتیٰ کہ آپ کی باری آجائے اور آخر حدیث میں کہنے فرمایا ہے ولا فخر اسکے معنی یہ ہیں کہ میں اولاد آدم میں
 سے انبیاء اور غیر انبیاء سب کے سردار ہونے پر فخر نہیں کرتا بلکہ اس سے میرا منشا یہ ہے کہ تم کو خدا کا یہ وعدہ کہ میں
 پہلا وہ شخص ہوں جو شفاعت کریں گے اور جسکی شفاعت قبول کی جائے گی بتا کر جو اُس نے پہلے سے مجھے کر لیا
 ہے تم کو قیامت کے دن اُس تکلیف سے بچاؤں جو تمام انبیاء کے پاس جانیسے ہوگی۔ اور محلی السنہ نبوی رحمہ اللہ
 معالم التنزیل میں نقل اللہ الشفاعۃ جمیعاً کی تفسیر میں لکھتے ہیں قال جہاد لا یشفع احد الا باذنہ
 مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ اور نووی شرح صحیح مسلم میں ہے قولہ
 صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فاستاذن علی ربی فیوزن لی قال القاضی عیاض معناه فیوزن لے
 فی الشفاعۃ الموعودہ بها حضرت سرور انبیاء علیہ التمجیدہ والثناء نے فرمایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اجازت لون گا
 اور وہ مجھے اجازت دیدے گا قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں اسکے معنی یہ ہیں کہ مجھے اُس شفاعت کی اجازت
 دے گا جسکا اُس نے وعدہ کیا ہے۔ اور طحاوی نے رد المحتار شرح عقائد حضرت عیاض نے لکھے ہیں والشفاعۃ
 لدفع العذاب ورفع الدرجات حتی لمن اذن لہ الرحمن من الانبیاء والمومنین بعضہم لبعض شفاعۃ
 ورفع عذاب ورفع درجات کے لیے ان لوگوں کے واسطے ثابت ہے جنکو خدا اجازت دے خواہ وہ انبیاء ہوں

یا مومنین جو دوسرے مومنین کی شفاعت کریں۔ اور امام مخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے
 ام اتخذوا من دون الله شفعاء ان في يوم القيمة لا يملك احد شيئا فلا يقدر احد على الشفاعة
 الا باذن الله فيكون الشفع في الحقيقة هو الله الذي ياذن في تلك الشفاعة کیا وہ خدا کے سوا
 اور کوئی شفاعت کرنے والے رکھتے ہیں قیامت کے دن کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہ ہوگا پس بے اجازت
 خداوندی کوئی شفاعت پر بھی قادر نہ ہوگا پس حقیقت خدا ہی شفاعت کرنے والا ہوگا جو اس شفاعت کی اجازت
 دے گا۔ اور ایسا ہی تفسیر اور عقائد کی اکثر کتابوں میں ہے مگر آیت واستغفر لذنبا لخر اس دنیا کے باب
 استغفار میں وارد ہوئی ہے نہ شفاعت آخرت کے باب میں۔ بغوی رحمہ اللہ نے اسی آیت کے تحت میں لکھا
 ہے امر بالا استغفار مع انه مغفور له ليس من امة حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة کو استغفار کا
 حکم دینا باوجودیکہ وہ مجتہد ہے گئے ہیں اس غرض سے ہے کہ وہ اپنی امت کو اسکا طریقہ بتا دیں۔ اور جو حدیث
 سوال میں مذکور ہے وہ دنیا میں اذن شفاعت پر صاف دلالت نہیں کرتی بلکہ دونوں امور کو محتمل ہے اور
 نصوص مذکورہ اذن روز قیامت پر صاف دلالت کرتے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا نہیں جن میں سے دو میں
 کسی ایک بات کا قائل کاذب یا فاسق کہا جائے اور اس باب میں بہت احتیاط کرنا چاہیے سوال حضور
 سرور انبیاء علیہ التہیۃ والتناکے والدین کا ایمان ثابت ہو یا نہیں اور جو شخص تحریر یا تقریر ان دونوں
 کی طرف کفر کی نسبت کرے اسکا کیا حکم ہے۔ جواب اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے بعض ایمان بعد الاحیاء
 کے قائل ہوئے ہیں اور بعض حاویث احیاء کو موضوع کہتے ہیں اور عدم ایمان کے قائل ہیں اور چونکہ وہ ارباب
 فطرت میں سے ہیں اُس لیے انکی نجات کے قائل ہیں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس باب میں
 سات رسالے لکھے ہیں اور بہت مشکوئش سے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین کی نجات ثابت کی ہے اور اعلیٰ قاری
 اور ابراہیم حلبی رحمہما اللہ نے اُنکے بعض رسائل کی رد گھی ہے مگر چونکہ اس باب میں دلائل متعارض ہیں سو
 سے سکوت کرنا زیادہ اچھا ہے اور حضور سرور انبیاء علیہ التہیۃ والتناکی والدین کو کافر یا فی النار کساطری
 ہے ادبی اور حضور نبی کریم علیہ التہیۃ والتسلیم کی اذیت کا سبب ہے حموی شرح اشاہ میں لکھتے ہیں اعلم
 ان المسلف اختلفوا فی ابوی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم هل ماتا علی الکفر ام لا فذهب الی الاول جمیع منهم
 صاحب التیسیر وخطب الی الثاني جماعة وقرئ الجمع الاول قالوا ابتغاتها من النار وسئل القاضي ابو بکر
 ابن العربي احد الائمة المالکیة عن رجل قال ان ابا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النار فاجرب یا نه ملعون

لان الله تعالى قال ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والاخرة ولا اذموا عظم من
 ان يقال عن ابيه انه في النار وقال السهيلي في الروض لا فليس لنا نحن ان نقول ذلك في ابويته
 هوله صلى الله عليه واله وسلم لا تؤذوا الاحياء بسبب الاموات والله يقول ان الذين يؤذون
 الله ورسوله الآية وامرنا ان نمسك اللسان اذا ذكرنا احوالهم رضي الله عنه بشيء يرجع ذلك الى السبب
 فيهم فلان نمسك عن ابويهما حق واحرى فحجة الهرام في هذه المسألة ان هذه المسألة ليست
 من الاعتقاد بآثار فلا حظ للقلب منها واما اللسان فحقه الامساك عما يتبادر منه نقصان سلف في
 حضور نبی کریم علیہ التحيه والتسليم کے والدین کے متعلق اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ حالت کفر میں مرے نہیں
 تو ایک گروہ جس میں صاحب تفسیر بھی ہیں مذہب اول کی طرف اور دوسرا مذہب ثانی کی طرف گیا ہے
 اور پہلے گروہ میں سوائے ایک جماعت نے کہا ہے کہ انکو جہنم سے نجات مل جائیگی اور قاضی ابوبکر بن عزنی سے جو ایک
 النبیین سے ہیں اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو یہ کہتا ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جہنم میں
 جائیں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ ایسا شخص ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو لوگ اللہ اور
 اس کے رسول کو ایدادیتے ہیں خدا اُس پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اس سے زائد کیا اذیت
 ہو سکتی ہے کہ آپ کے والدین کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ جہنم میں جائیں گے سہیلی نے روض الفت میں کہا
 ہو کہ ہرگز حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة کے والدین کے متعلق یہ نہ کہنا چاہیے کیونکہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے زندون کو مردن کی وجہ سے اذیت نہ پہنچاؤ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ
 لوگ جو خدا اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر حکم دیا گیا ہے کہ جب آپ کے اصحاب رضوان اللہ
 علیہم اجمعین کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ ان پر حرف آئے تو ہم زبان کو روکیں تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
 وسلم کے والدین کے متعلق زبان کا روکنا زائد لائق و مناسب ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ مسئلہ اعتقاد یا
 میں سے نہیں ہے پس قلب کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے لیکن زبان کو اول امور سے روکنا چاہیے جن سے
 شان نبوی میں نقصان آئے۔ سوال سنہون کی اکثر تفسیر دن میں جیسے تفسیر کبیر تفسیر واحد فی غیر
 میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب حضور سرور انبیا علیہ التحيه والتسليم والوداع سے پہلے اور موضع غدیر خم میں
 پہنچے تو یہ آیت یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیہ من ربک یا رسول اللہ جو چیز آپ پر اتری ہے آپ
 اسے لوگوں کو پہنچا دیں۔ نازل ہوئی پس باوجودیکہ وہ جگہ اترنے کی صلاحیت میں نہ تھی مگر وہاں

بہت گرم تھی مگر پھر بھی آپ اہتمام مبلغ فراگرد بان اترے اور خطبہ بلغیہ پڑھا کہ اُسکے آخرین یہ حدیث تھی جو خرم غدیر کے نام سے مشہور ہے من کنت مولاً فعلی مولاً جسکا میں مولی ہوں اُسکے علی مولی ہیں اور جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو آیہ الیوم اکملت لکم دینکم راجع بنے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا (نازل ہوئی)۔ اور اس مقام پر مفسرین نے شان نزول آیت اولی کی وجہوں میں سے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے انہا نزولت فی علی یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور روایات میں آیا ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مولائیت کی بشارت دی اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ حضرت امیر علیہ السلام کی شان میں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کہ اُس قصیدے کے کسی شعر میں یہ الفاظ ہیں وجعلہ اماما وھا دیا اُسکو امام اور بادئی کر دیا آپ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیت مذکورہ کے شان نزول کی یہ روایت صحیح ہو یا نہیں اگر صحیح ہے تو آیت اور اُسکی تفسیر انہا نزولت فی علی کا اصلی مطلب کیا ہے بلکہ اس سے مراد امامت ہے یا ولایت اور آیت ثانیہ خرم غدیر میں خطبہ کے بعد نازل ہوئی ہے یا کسی دوسرے وقت اور دوسری جگہ صورت اول میں اکمال دین اور اتمام نعمت سے حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی مولائیت کا اظہار ہے یا کسی دوسری چیز کا۔ اور اگر اُس سے مولائیت مراد ہے اور مولائیت ولایت سے عبارت ہے پس اکمال دین اور اتمام نعمت کا اظہار اصول مقررہ کے موافق کیونکر صحیح ہوگا مع وجہ تحریر فرمائیے اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اپنے قصیدے میں عطاے منصب امامت و ولایت مطلقہ کی طرف اشارہ کیا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی تعریف فرمائی اور انکو جزیرہ فرمایا اور منع بھی نہیں کیا اس سے بدالالت عقلی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضور کی مراد الفاظ حدیث سے یہی تھی جسکو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدے میں ظاہر کیا۔ ان تمام امور کا جواب بجا کہ کتب ارقام فرمائیے اسکا خیال رہے کہ مستفتی سنی المذہب ہے اور کتب مناظرہ کے مطالعہ سے یہ خدشہ اُسکے دل میں پڑ گیا جسکو وہ دفع کرنا چاہتا ہے جواب آیت الیوم اکملت لکم دینکم خرم غدیر میں نازل نہیں ہوئی ہے جن لوگوں نے اس آیت کے دبان نازل ہونے کی روایت کی ہے انکا قول اعتبار کے قابل نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں عرفہ کو دن مقام عرفات پر نازل ہوئی تھی اور اس سے مراد احکام و مناسک شرایع کے اتمام کی وجہ سے اکمال دین ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت

سے اس آیت کو کوئی تعلق نہیں ہے سیوطی رحمہ اللہ نے تفسیر ورنشور میں لکھا ہے اخرج الحمیدی واحمد و
عبد بن حمید والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن جریر وابن المنذر وابن
حبان والبیہقی فی سند قال قالت الیہود لعمراکم تقدرون آیتہ فی کتابکم لو علمنا معشر الیہود
نزلت لا نتخذ نازلک الیوم عیدا قال ای آیتہ قال الیوم املت لکم دینکم قال عمر قال لا علم الیوم
الذی نزلت علی رسول اللہ فیہ والمساءة التي نزلت فیہا نزلت عشیة عرفة فی یوم الجمعة
حمیدی احمد عبد بن حمید بخاری مسلم ترمذی نسائی ابن جریر ابن منذر ابن حبان اور بیہقی نے اپنے سنن میں
یہ روایت کی ہے کہ یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اپنی کتاب میں ایک آیت پڑھتے ہو کہ اگر
وہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اُس دن کو عید بنا لیتے آپ نے پوچھا وہ کون آیت ہے اونھوں نے کہا الیوم
الکلیہ (آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کر دیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا
کی قسم میں اُس دن کو جانتا ہوں اور اُس وقت کو بھی جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی یہ آیت عرفہ کی
رات کو جمعہ کے دن نازل ہوئی ہے۔ اور ایسا ہی جریر نے قتادہ سے اور ابن منذر اور ابن جریر نے شعبی سے
اور اسحق ابن ابی یوسف اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور طحاہی اور عبد بن حمید
اور ترمذی اور ابن جریر اور طبرانی اور بیہقی و ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن جریر اور طبرانی نے معاویہ رضی اللہ
عنہ سے اور بزار اور طبرانی اور ابن مردویہ نے سمرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عرفہ
کے دن نازل ہوئی ہے چنانچہ وہ سب روایتیں ورنشور میں بسط سے لکھی ہیں۔ اور ابن تیمیہ نے منہاج
السنۃ میں حلی کے اس قول کی رد میں کہ یہ آیت خم غدیر میں نازل ہوئی ہے لکھا ہے ہذا من الکذاب
الموضوع باتفاق اہل المعرفة بالموضوعات و هذا یعرفہ اہل العلم بالحديث ولهذا لا یوجد هذا
فی شیء من کتب الحدیث التي یرجع الیہا اہل العلم بالحديث و فیہا ایضا قد ثبتت فی الصحاح والمسانید
والتفاسیر ان هذه الآية نزلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو واقف بعرفة وهذا مستفیض
ومنقول فی کتب المسلمین وهذا الیوم کان قبل غد یوم تسعة ایام فانه کان یوم الجمعة تاسع
ذی الحجة فلیفہ یقال انها نزلت یوم الغدیر و فیہا ایضا هذه الآية لیس فیہا دلالة علی امامة
علی بوجه من الوجوه بل فیہا اخبار اللہ بالکمال الذین و اتمام النعمة علی المؤمنین یہ جمہوت ہے ہر موضوع
کے جاننے والے سب اس پر متفق ہیں کہ یہ موضوع ہے اور اسے حدیث کے جاننے والے جانتے ہیں اس لیے حدیث

کی ان کتابوں میں اسکا تذکرہ نہیں ہے جسکے جانب حدیث کے جاننے والے رجوع کرتے ہیں (اور بھی اسی میں ہے) صحیح مسانید و تفاسیر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ آیت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسوقت نازل ہوئی ہے جب آپ وقوف عرفات میں مشغول تھے اور یہ بکثرت مسلمانوں کی کتابوں میں منقول ہے اور یہ دن واقعہ خرم غدیر سے نو دن قبل تھا کیونکہ یہ نوین و صحیحہ یوم جمعہ کو ہوا پس یہ کیونکر درست ہوگا کہ یہ آیت یوم غدیر کو نازل ہوئی (اور بھی اسی میں ہے) یہ آیت کسی طرح کچھ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت نہیں کرتی ہے بلکہ اس میں خدا نے دین کے کامل کرنے اور مسلمانوں پر نعمت کے نازل کرنے کی خبر دی ہے۔ اور آیہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کا شان نزاع یہ ہے کہ جب حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو کفار نے تکالیف پہنچائے تو تبلیغ دین سے حضور کا دل تنگ ہوا اور خاطر شریف پر طال ہوا پس اللہ تعالیٰ نے اُسکے دفع کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرما کر حکم دیا کہ آپ بخیر و طال احکام الہی پہنچائیں اس لیے کہ اس کی حفاظت کرنے والا ہو اور اس آیت میں تبلیغ احکام الہی کی تعمیم ہو اور اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کو کچھ تعلق نہیں ہوا اور بعض تفاسیر میں یہ کہ یہ آیت امامت اور ولایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہو جیسا کہ ثعلبی وغیرہ نے اسکو روایت کیا ہو وہ محدثین کے نزدیک اعتبار کے قابل نہیں ہیں نہ ہاج السمرین ہوا تفقوا علی ان الحدیث المذکور الذی رواہ الثعلبی فی تفسیرہ ہو من الموضع محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث مذکور جسے ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے موضوعات سے ہو۔ اور من کنت مولاً فعلی مولاً والا قصہ اگرچہ صحیح ہو مگر اُس میں خلافت کا ذکر نہیں ہے مولائے معنی ناصر و محب اور مقتدی وغیرہ کے آئے ہیں عقلمند کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر اس قصہ میں یا آیات مذکورہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے جاباب اشارہ ہوتا تو اس عالم سے حضور سرور انبیاء علیہ التہیۃ والثناء کی روپوشی کے بعد مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کی منازعت کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان جمیع کو پیش فرماتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس قصہ اور ان آیتوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے جانب اشارہ نہ تھا۔ ایسے مباحث میں مستفتی کو چاہیے کہ ان کتابوں کا مطالعہ کرے جو روافض کی رو میں تالیف ہوئی ہیں جیسے ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جو اس بحث میں تمام کتابوں سے عمدہ کتاب ہے اور تحفۃ اثناعشر کو بھی دیکھے تاکہ جو خلجان پیدا ہوئے ہیں سب دفع ہو جائیں بسوال زہد یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الف تیحات کے خلفاء رضی اللہ

عنہم بہت فضائل رکھتے ہیں مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ فضیلت کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لخصا لخصی ودمک دمی تمہارا گوشت میرا گوشت اور تمہارا خون میرا خون ہے۔ ایسی فضیلت ہو جو خلفائے ثلاثہ کے تمام فضائل سے زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے اپنے خیال کے موافق وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگرچہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم دوسرے فضائل رکھتے ہیں مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس فضیلت سے زائد انکی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ لہذا اس فضیلت جزئیہ کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت کلیہ لازم آئی۔ جواب اہل سنت جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہیں تو انکی مراد اس فضیلت سے فضیلت من حیث کثرة الثواب ہے نہ مطلقا پس بعض فضائل کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص ہونے کا اعتقاد رکھنا عقیدہ اہل سنت کے خلاف نہیں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ جزئیہ فضیلت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی قاض نہ ہوگی۔ مولانا جلال الدین دوانی رحمہ اللہ نے جواب جدیدہ شرح تہذیبیین لکھا ہے۔ انما اختلفوا فی الافضلیۃ من حیث الثواب لکما ہوا الشائع فی کتب العقائد اذ لاینکرا احد من اہل السنۃ رجحان علی رضی اللہ عنہ فی کثیر من الفضائل علی غیرہ باعتبار ثواب کے افضلیت میں فرق ہے جیسا کہ عقائد کی کتابوں میں ہے کیونکہ کوئی اہل سنت سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت سے فضائل میں دوسروں سے زائد ہیں۔ اور ایسا ہی شرح عقائد عضد بین لکھا ہے سوال شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ القوی مداح میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے چھبیسویں صفر یوم دوشنبہ کو حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتنا نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں کی لڑائی پر مقرر فرمایا اور اٹھائیسویں کو حضور ربہار ہوئے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے کہ گیا رھوین ربیع الاول کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھا اور بارھویں تاریخ دوشنبہ کے دن آپنے اس عالم سے روپوشی فرمائی انتہی اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے حالانکہ اگر صفر کی دونوں تاریخوں سے حساب کیا جائے تو ربیع الاول کی بارھویں تاریخ دوشنبہ کو نہیں پڑتی ہے چاہے چاند انیس کا ہو اہو یا تیس کا۔ جواب حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والتنا کی وفات بالاتفاق دوشنبہ کے دن ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی تھی اور اس باب میں اختلاف ہے کہ جس دن حضور وحی فداہ کی وفات ہوئی اُس دن کو تاریخ تھی جو لوگوں میں مشہور اور اکثر کتب میں

مذکور ہے یہ ہے کہ دو شنبہ کا دن تھا اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی مگر یہ امر ممکن نہیں ہے کیونکہ
 غرہ ذیحجہ سہ ہجری باتفاق ارباب سیر وغیرہ پنجشنبہ کو تھا کیونکہ حج نبوی جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں
 جمعہ کے دن بالاتفاق ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذیحجہ کی نوین تاریخ جمعہ کے دن تھی اگر آ
 سیر کی تصریح سے قطع نظر کر لیں تو روایات حدیثی بھی ثابت ہے اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں
 ہے اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ربیع الاول سہ ہجری کی بارہویں تاریخ دو شنبہ کے دن ہو اگر ذیحجہ اور محرم
 اور صفر تینوں مہینے تیس تیس دن کے بھی قرار دیے جائیں کیونکہ اس حساب سے غرہ محرم دو شنبہ کے
 دن اور غرہ صفر سہ شنبہ کو اور غرہ ربیع الاول چار شنبہ کو پڑتا ہے پس ربیع الاول کے پہلے دو شنبہ کو
 چھٹی تاریخ اور دوسرے دو شنبہ کو تیرہویں تاریخ ہوگی اور اگر یہ تینوں مہینے اسی تیس تیس دن کے
 قرار دیے جائیں تو اس حساب سے غرہ محرم جمعہ کے دن اور غرہ صفر شنبہ کے دن اور غرہ ربیع الاول
 یکشنبہ کے دن پڑتا ہے پس ربیع الاول کے پہلے دو شنبہ کو دوسری اور دوسرے دو شنبہ کو نوین تاریخ
 ہوگی۔ اور اگر یہ تینوں مہینے مختلف قرار دیے جائیں تو دو حال سے خالی نہیں ہے یا غرہ محرم جمعہ کو دن ہوگا یا شنبہ کے دن
 کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ذیحجہ کا غرہ پنجشنبہ کے دن تھا پس اگر غرہ محرم جمعہ کے دن قرار دیا جائے تو
 دو حال سے خالی نہیں محرم کامل لیا جائے اور صفر ناقص یا محرم ناقص لیا جائے اور صفر کامل اگر محرم
 کامل اور صفر ناقص لیا جائے تو غرہ صفر یکشنبہ کے دن اور غرہ ربیع الاول دو شنبہ کے دن ہوگا اور اگر
 محرم ناقص لیا جائے اور صفر کامل تو غرہ صفر شنبہ کے دن اور غرہ ربیع الاول دو شنبہ کے دن ہوگا
 اور ہر صورت میں ربیع الاول کا پہلا دو شنبہ غرہ ہوگا اور دوسری دو شنبہ کو آٹھویں تاریخ ہوگی
 اور اگر غرہ محرم شنبہ کے دن قرار دیا جائے پس اگر محرم کامل اور صفر ناقص لیا جائے تو غرہ صفر دو شنبہ
 کو اور غرہ ربیع الاول سہ شنبہ کو ہوگا اور اگر محرم ناقص اور صفر کامل لیا جائے تو غرہ صفر یکشنبہ کو اور
 غرہ ربیع الاول سہ شنبہ کو ہوگا اور ہر صورت میں ربیع الاول کے پہلے دو شنبہ کو ساتویں اور دوسری دو شنبہ
 کو چودھویں تاریخ ہوگی اور ان احتمالوں کے سوا کوئی اور احتمال واقع نہیں ہو سکتا جس سے ربیع الاول سہ
 کی بارہویں تاریخ دو شنبہ کے دن پڑے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سال ہے۔ اور
 اس باب میں علمائے محققین مختلف ہیں بعض وہ ہیں جنہوں نے اشکال کا محاذ کر کے سکوت اختیار کیا ہے
 امام ہاشمی رحمہ اللہ مرآۃ ایحان میں لکھتے ہیں قلت فیما قبل انہ توفی الہانی عشر منہ اشکال من اجل انہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا نہت وقفہ بالجمعة فی السنة العاشرة اجماعاً فاذا کان كذلك لا يتصور وقوع يوم الاثنين
ثاني عشر ربيع الاول من السنة التي بعد ها وذلك مطرد في كل سنة يكون الوقفة قبله بالجمعة على كل
تقدیم من تمام الشهور ونقصانها وتمام بعضها ونقصان بعض من كتمانها من يوم كتمانها ما بهيكم حضوره
عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول السنہ کی بارہویں تاریخ وفات فرمائی اس میں دشواری ہے کیونکہ آپ کا وتوف
عرفات بالاجل سنہ میں جمعہ کے دن تھا پس جب ایسا ہے تو دو شنبہ کے دن اسکے بعد واسلہ سنہ میں
کسی طرح ربیع الاول کے بارہویں تاریخ نہیں پڑتی اور یہ ان تمام سالوں میں ہوگا جب اسکے قبل الے
سنہ میں وتوف عرفات جمعہ کے دن ہو چاہے تمام مہینوں کو تیس تیس دن کا مانو یا بعض کو تیس کا اور
بعض کو اسیس کا یا سب کو اسیس کا مانو۔ اور بعض نے مہینوں کو کامل مانکے تاریخ وفات تیرہویں
مانی ہے جیسا کہ ابن رجب دمشقی نے لطائف المعارف میں لکھا ہے اختلافوا فی تعیین ذلك اليوم من الشهر
فقیل کان اوله وقیل کان ثانیه وقیل ثانی عشره وقیل ثالثه عشره وقیل خامس عشره والمشهور بین الناس انه کان
ثانی عشر ربيع الاول وقد رد ذلك السهيلي وغيره بان وقفه حجة الوداع فی السنة العاشرة وكانت الجمعة
وكان اول ذی الحجة الخمیس ومتی كان كذلك لم یصح ان یكون یوم الاثنين ثانی عشر ربيع الاول سواء
حسبت الشهور الثلاثة اعني ذال الحجة ومحرم وصفر كلها كاملة او ناقصة او بعضها كاملة وبعضها ناقصة
وانا اجیب عن هذا الجواب حسن وهو ان ابن اسحق ذكر انه صلی اللہ علیہ وسلم توفی
لا ثلثة عشرة ليلة ربيع الاول وهذا ایمن فان العرب توخر باللیالی دون الايام ولكن لا
توخر الا بلیلة مضی يومها فیکون الیوم تبعا للیلة وكل لیلة لم یضی يومها لم یقتد بها
وحینئذ فیوم الاثنين الذی توفی فیہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کان
ثالث عشر الشهر لكن لما لم یکن یومہ قد مضی لم یؤخر بلیلة اس دن کے تعیین میں اختلاف
ہے بعض کہتے ہیں کہ پہلی تھی اور بعض کے نزدیک دوسری تھی اور بعض بارہویں کہتے ہیں اور
اور بعض تیرہویں کے قائل ہیں اور بعض پندرہویں کہتے ہیں اور لوگوں میں عام طور سے
یہی مشہور ہے کہ اُس دن بارہویں ربیع الاول تھی اور سہیلی وغیرہ نے اس کی یون توہید
کی ہے کہ سنہ میں وتوف حجة الوداع جمعہ کو تھا اور ذی الحجہ کی پہلی پنجشنبہ کو اور جب
ایسا ہو تو دو شنبہ کو بارہویں ربیع الاول نہیں ہو سکتی خواہ تینوں میں سے یعنی ذی الحجہ

محرم اور صفر تیس تیس دن کے مانے جائیں یا اُن تیس اُن تیس کے یا بعض تیس کے اور بعض اُن تیس کے مین اسکا ایک اچھا جواب دیتا ہوں یہ کہ ابن اسحق نے کہا ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول کی بارہویں رات کو انتقال فرمایا اور یہ ممکن ہے کیونکہ عرب رات کے اعتبار سے تاریخیں مقرر کیا کرتے تھے نہ کہ دن کے اعتبار سے لیکن تاریخ اُسی رات کو مقرر ہوتی ہے جس کا دن گذر گیا ہو پس دن رات کو بعد ہوگا اور جس رات کا دن گذر رہا ہو اُس کا اعتبار نہیں ہے اور اس وقت دو شنبہ جس میں حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے انتقال فرمایا ہے اُس دن مہینہ کی تیرھویں تاریخ تھی لیکن چونکہ دن نہیں گذرا تھا لہذا اُس رات کو تاریخ نہیں بدلی۔ اور بعض نے دوسری اور بعض نے غرہ اور بعض نے چودھویں تاریخ کو اختیار کیا ہے۔ ابو عبد اللہ محمد الزرندی المدنی رحمہ اللہ نے کتاب الاعلام بسيرة النبي عليه السلام میں لکھا ہے اتفق العلماء واهل السير على ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توفي يوم الاثنين في ربيع الاول غير ان اكثرهم قالوا في الثاني عشر منه ولا يصح ان يكون يوم الاثنين ثاني عشرا لاجل المسلمين على ان وقفه عرفه كانت في حجة الوداع يوم الجمعة وهو تاسع ذي الحجة وكان اول ذي الحجة يوم الخميس وكان اول الحرم اما الجمعة واما السبت فان كان الجمعة فقد كان صفر اما السبت واما الاحد فان كان السبت فقد كان الربيع اما الاحد والاثنين وكيف ما دارت الحال على هذا الحساب فلا يكون يوم الاثنين الثاني عشرون الربيع بوجه وذكر الطبري عن ابن الكلبي انه توفي في الثاني من الربيع قال السهيلي هذا وان كان خلاف الجمهور فانه لا يجرد ان كانت الثلثة الاشهر التي قبله من تسعة وعشرين ونقل البخاري انه توفي في اول يوم من الربيع وهذا اقرب في القياس ما ذكره الطبري ونقل الاستاذ ابو سعيد عبد الملك الواعظ في كتابه مشرف المصطفیٰ انه توفي يوم الاثنين للنصف من ربيع الاول وهذا اقرب علما اور اہل سیر نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے ربیع الاول کے مہینہ میں دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا لیکن اکثر لوگ کہتے کہ اُس دن مہینہ کی بارہویں تاریخ تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ دو شنبہ کے دن بارہویں تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ حجۃ الوداع میں وقوف عرفات جمعہ کے دن تھا اور اُس دن ذیحجہ کی نوین تاریخ تھی اور پہلی ذیحجہ پنجشنبہ کو تھی اور پہلی محرم یا جمعہ کو ہوئی یا شنبہ کو اگر پہلی محرم جمعہ کے دن تھی تو صفر کی پہلی یا تو شنبہ کو ہوئی یا یکشنبہ کو پس اگر پہلی صفر شنبہ کو ہوئی تو ربیع الاول کی پہلی یا تو یکشنبہ کو ہوئی یا دو شنبہ بہر حال جب طح حساب کیا جائے دو شنبہ کو ربیع الاول کی

بارہویں کسی طرح نہیں پڑتی اور طبری نے ابن کلبی سے نقل کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری سبج الاول کو وفات فرمائی سہیلی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اگرچہ جہود کے خلاف ہے لیکن کچھ بعید نہیں ہے اگر اس کے قبل کے تین مہینے اُن تیس اُن تیس دن کے ہوں اور امام خوارزمی نے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے سبج الاول کی پہلی کو حلت فرمائی اور یہ طبری کی روایت سے زائد قرن قیاس ہے اور استاد ابو سعید عبدالملک واعطار رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں نقل کیا ہے کہ آپ نے دو شنبہ کے دن سبج الاول کو حلت فرمائی اور یہ زائد مناسب ہے۔ اس جگہ ایک اور احتمال بھی ہے کہ سلمہ ہجری میں مدینہ منورہ زاد المدثر فرما میں اختلاف مطالع یاد دوسرے امور کی وجہ سے غرہ ذیحجہ جمعہ کے دن ہوا ہوا اور ذیحجہ محرم صفر تینوں مہینے تیس تیس دن کے ہوئے ہوں تو اس حساب سے سبج الاول کی پہلی پنجشنبہ کو ہوئی اور جب پنجشنبہ کی پہلی ماں لیجئے تو وہ شنبہ کو بارہویں بھی ضرور ماننا پڑے گی مگر اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مدینہ منورہ میں چار مہینے برابر تیس تیس دن کے ہوتے رہے کیونکہ فتح المبارک اور ارشاد الساری وغیرہ شروح صحیح بخاری میں مصرح ہے کہ غرہ ذیقعدہ شنبہ مدینہ منورہ میں چار شنبہ کے دن ہوا تھا اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت اصحاب رضی اللہ عنہم یسویں ذیقعدہ کو دو شنبہ کے دن حج کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور آپ ذیحجہ کا چاند اُن تیس ذیقعدہ کو چار شنبہ کو دن راستہ میں دیکھا تھا پس اگر یہ بیان لیں کہ ذیقعدہ تیس دن کا ہوا اور مدینہ منورہ میں ذیحجہ کا چاند تیس ذیقعدہ کو پنجشنبہ کے دن دیکھا گیا تو غرہ ذیحجہ جمعہ کے دن ہوگا اور اسکے بعد اگر ذیحجہ بھی تیس ہی دن کا ہوا ہو تو غرہ محرم یکشنبہ کا دن قرار پائے گا اور اسکے بعد اگر محرم بھی تیس ہی دن کا ہوا ہو تو غرہ سبج الاول پنجشنبہ کو قرار پاتا ہے اور یہ اگرچہ قلیل الوقوع ہے مگر نامکن نہیں ہے مگر اس صورت میں چار شنبہ کو تیسویں صفر ہوگی نہ اٹھائیسویں صفر غرض کہ ہر مسئلہ کی اٹھائیسویں تاریخ کا چار شنبہ کے دن اور سبج الاول شنبہ کی بارہویں تاریخ کا دو شنبہ کو دن ہونا کیسے صحیح نہیں ہو سکتا۔ سعید محمد گزرونی کی تاریخ میں ہے ابتدا و مضر فی او اخر صفر للیتین بقیتا من صفر یہ اول اربعاء و قیل لیلۃ و قیل فی مفتح الربیع الاول حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء اور صفر میں مدینہ کی اٹھائیسویں رات کو چار شنبہ کے دن ہوئی اور بعض اُتیسویں کو کہتے ہیں اور بعض پہلی سبج الاول کو۔ اور تاریخ میں ہے فی حداثۃ الحکومت سرورہ اسامۃ علی

اہل اہلبی کا نہت یوم الاثنین لایع لیل یلقین من مض فلما کان یوم الاربعاء ویداً مرض رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم وروی انه ابتداء صداع فی اواخر صفر لیلین بقیتا من صفر یوم الاربعاء
 وقیل للیلۃ وقیل بل فی مفتح الربیع الاول فی الوقاء مرض بعشر لیلین منہ و ذکر الخطابی ان ابتداء
 یوم الاثنین وقیل السبت وقیل الاربعاء قالہ الحاکم اسی سال و شنبہ کے دن صفر کی چھبیسویں کو اساتذہ
 کا لشکر اہل بیتی کی طرف بھیجا گیا تھا پس جب چار شنبہ کا دن ہوا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض
 شروع ہو گیا روایت ہو کہ ابتداء میں آپ کو اواخر صفر میں اٹھائیسویں تاریخ کو درد سر لاحق ہوا اور بعض
 کہتے ہیں کہ انیسویں کو اور بعض شروع ربیع الاول کو کہتے ہیں و فامین ہے کہ آپ کا مرض بیسویں صفر
 شروع ہوا تھا خطابی نے لکھا ہے کہ آپ کے مرض کی ابتداء و شنبہ کے دن سے ہوئی اور بعض شنبہ کے دن سے
 اور بعض چار شنبہ کے دن سے آپ کے مرض کی ابتداء بتلاتے ہیں یہ حاکم نے کہا ہے رسول عبقات الانوار
 مؤلفہ حامدین لکھنوی سرسری سائل کی نظر سے گزری اُس میں ایک روایت جسکو در باب خلافت فہل
 حضرت علی رضی اللہ عنہ و بطلان خلافت شیخین رضی اللہ عنہم فصیح سمجھا ہے بزعم خود علماء اہل سنت سے
 نقل کی ہو دیکھی اُس میں حوالے ایسے مصنفوں کی کتابوں کے دیے ہیں جنکے حالات سے سنی بھی نا آشنا ہیں
 اول روایت یہ ہے بدرالدین محمد عبداللہ شہلی خفی کتاب اکام المرجان فی احکام اہل بیت لکھے ہیں وقد
 ورد ما یدل علی ان ابن مسعود و حضرت لیلۃ ابیہن بکۃ غیر لیلۃ الحجول فقال ابو نعیم ناسلیان بن احمد نا
 محمد بن عبد اللہ الحضرمی ناعلی بن الحسین بن ابی بردۃ الجلی نایحیی بن یعلی الاسلمی عن حوب
 بن صبیح نامعبد بن مسلم عن ابی صرۃ الصنعانی عن ابی عبد اللہ المجدی عن عبد اللہ بن مسعود نا
 استبقنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الجن فا نطلقت معہ حتی بلغنا علی مکۃ فخط علی خطا و
 قال لا تبرح ثم اتصاع فی الجبال فزأیت الرجال یجدون علیہ من رؤس الجبال حتی حالوا بینی و
 فاخترت السیف وقلت لا ضرب من حتی استنقذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ذکرت قولہ لا یضرب
 حتی یکتفم الی کل کذلک حتی اضاء النجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا قائم فقال ما زلت علی خلاۃ قلت لو کنت
 ما برحت حتی تأتینی ثم اخبرتہ بما اردت ان اصنع فقال لو خرجت ما التقیۃ انا وانت الی یوم
 ثم شبک اصابعی اصابعی وقال انی وعدت ان تومن بی الجن والانس فاما الان فقد انت منی واما
 الجن فقد رأیت و ما اظن ارجی الا قد اقرب قلت یا رسول اللہ الا لا تستخلف

ابا بکر رضی اللہ عنہ فاعرض عنی فرأیت انہ لم یوافقہ قلت یا رسول اللہ الا تستخلف من رضی اللہ عنہ
فاعرض عنی فرأیت انہ لم یوافقہ قلت یا رسول اللہ الا تستخلف علیا قال قلت والذی لا الہ غیرہ
لو بالعموہ واطعموہ ادخلکم الجنة اور حدیث میں اس بات پر وارد ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ
عنہ مکہ میں لیلۃ الجحہ کو موجود تھے نہ کہ لیلۃ الجحہ کو ابو نعیم نے کہا ہے کہ مجھے سلیمان بن امدہ نے بیان کیا اُنے
محمد بن عبداللہ حضرمی نے اُنے علی بن حسین بن ابی بردہ بخلی نے اُنے یحییٰ بن یعلیٰ سلمیٰ نے اُن سے
حرب بن حبیب نے اُن سے معبد بن مسلم نے اُنے ابو ہریرہ صنعانی نے اُن سے ابو عبداللہ جدلی نے اُن سے
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ مجھے نبی کریم علیہ السلام و التسلیم لیلۃ الجحہ
کو اپنے ساتھ لے چلے پس میں گیا تھے کہ ہم اعلیٰ کہ میں پہونچے پس آپ ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر
نہ نکلتا پھر آپ پہاڑ پر تیزی سے چڑھے پس میں نے لوگوں کو دیکھا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُنکے پاس
آ رہے ہیں تھے اُنے اور میرے درمیان حائل ہو گئے میں نے پیام سے تلوار نکال لی اور کہا میں بارگاہ
یہاں تک کہ نبی کریم علیہ السلام و التسلیم کو چھڑاؤں پھر مجھے آپ کا یہ ارشاد یاد آیا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا یہاں
کہ میں تمہارے پاس آ جاؤں لہذا میں فجر طلوع ہونے تک وہیں رہا اور طلوع فجر کے وقت حضور سرور انبیا
علیہ السلام و التسلیم تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ویسے ہی کھڑے رہے میں نے کہا اگر آپ حیدرہ بھر دیاں تشریف
رکھتے تو بھی میں بیان سے نہ ہٹتا جب تک آپ واپس تشریف نہ لاتے اور میں نے وہی عرض کیا جس کے
کرنے کا میں ارادہ کر چکا تھا آپ نے فرمایا اگر تم باہر نکلتے تو پھر میں اور تم قیامت تک نہ مل سکتے پھر آپ نے
میری انگلیوں میں اپنی انگلیاں ڈالیں اور فرمایا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ میں چرچ اور انسان ایمان لائینگا انسان تو مجھ پر
ایمان ڈاؤں اور جنوں کا حال تم سے دیکھ لیا میں خیال کرتا ہوں کہ میری موت قریب ہے میں نے پوچھا یا رسول
اللہ کیا آپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنائیں گے آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا میں سمجھا کہ یہ بات
آپ کو پسند نہیں ہے پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنائیں گے
آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا میں سمجھا کہ یہ بات بھی آپ کو پسند نہیں ہے پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ
کیا آپ علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنائیں گے آپ نے جواب میں فرمایا ایسا ہی ہوگا اُس خدا کی قسم
ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اگر تم انکی سچت اور اطاعت کرو گے تو میں تم کو جنت میں داخل کروں گا
اس حدیث کو سننے والوں کے تاج المحدثین ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور خطیب نے تفسیر کے ساتھ امام احمد بن حنبل

رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے قد روى الامام احمد رضي الله عن عبد الرزاق
عن ابيه عن مينا عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنهم قال كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم ليلة الجن
فتنفس فقلت ما بالك يا رسول الله قال تعبت الى نفسي يا ابن مسعود قلت استخلف قال ومن قلت
ابوبكر قال فسكت ثم مضى ساعة ثم تنفس قلت ما شانك يا ابي يا رسول الله قال تعبت الى نفسي يا
ابن مسعود قلت استخلف قال من قلت عمر فسكت ثم مضى ساعة ثم تنفس قلت ما شانك قال تعبت
الى نفسي يا ابن مسعود قلت فاستخلف قال من قلت علي قال والذي نفسي بيده لئن افاعوه ليدخلون
الجنة النعيم الامام احمد حنبل رضي الله عنه نے عبد الرزاق سے روایت کی ہے انھوں نے اپنے باپ سے انھوں
نے مینا سے انھوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود
نے فرمایا میں لیلۃ الجن میں حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ کے ساتھ تھا اپنے ایک لمبی سانس لی میں نے
پوچھا مزاج کیسا ہے آپ نے فرمایا اے ابوبکر میں تنگ گیا ہوں میں نے کہا کہ آپ کیسے اپنا خلیفہ
بنادیں پھر فرمایا کہ خلیفہ بنادوں میں نے عرض کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ چپ ہو گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد
آپ نے ایک لمبی سانس لی میں نے پوچھا مزاج کیسا ہے فرمایا اے ابن مسعود اب میں تنگ گیا ہوں میں نے
عرض کیا کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں فرمایا کہ خلیفہ بنادوں میں نے عرض کیا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ
چپ ہو گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے ایک لمبی سانس لی میں نے پوچھا مزاج کیسا ہے فرمایا اے ابن مسعود
اب میں تنگ گیا ہوں میں نے عرض کیا کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں فرمایا کہ خلیفہ بنادوں میں نے
عرض کیا علی رضی اللہ عنہ کو تو آپ نے فرمایا اُس ذات کی قسم ہے جسکے قبضے میں میری جان ہے اگر لوگ
اُنکی اطاعت کریں گے تو جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور صاحب اکام المرجان فقہائے اعیان اور
محدثین عالی شان میں سے ہیں ذہبی نے معجم میں لکھا ہے محمد بن عبد اللہ الفقیہ العالم المحدث
بدرالدین ابوالبقا الشبلی السابق له مستقر الخلفاء محمد بن عبد اللہ فقیہ عالم محدث بدرالدین ابوالبقا
شبلی سابق له و شقی خفی ہیں۔ اور مصطفیٰ بن عبد اللہ قسطنطنیہ حلبی نے کشف الظنون میں لکھا ہے اکام المرجان
للقاضی بدرالدین اکام المرجان قاضی بدرالدین کی تصنیف ہے۔ اور سیوطی نے بھی اپنے رسالہ تنقیح الجلباب
میں اُنسے نقل کیا ہے۔ اور موفقی بن احمد نے جو اغلب خوارزمی کے نام سے مشہور ہیں کتاب مناقب
حضرت علی رضی اللہ عنہ میں یہ روایت لکھی ہے اور بلا عمر نے وسیلۃ النجاة المتعبدی میں اور صاحب الایمان

نے توضیح الدلائل میں یہ روایت نقل کی ہے اور حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب دلائل میں یہ روایت لکھی ہے
 اور عبد القادر بن محمد طبری نے حسن السیرۃ فی حسن السیۃ میں اس روایت کو دلائل النبوة سے نقل
 کیا ہے اور عبد القادر بن محمد طبری کہ معظمہ کے اکابر علمائین سے ہیں انتہی عبارتہ البقات مختصر ایس امور
 مستفسرہ ہیں کہ بدر الدین مصنف اکام المرجان کا شمار متعبہ علمائین سے یا نہیں اور خود کتاب اکام المرجان
 پایہ اعتبار کو پہنچی ہے یا نہیں اور عطف بن عبد اللہ اور ذہبی وغیرہ سے جو تعدیل نقل کی ہے وہ اور
 معدل بھی قابل اعتماد ہیں یا نہیں سیوطی تو معتبر مشہور ہیں جیسے اخطب خوارزمی یا کذاب غیر مقبول
 روایت ابو نعیم اور امام احمد رحمہما اللہ نے نقل بھی کی ہے یا نہیں اگر نقل کی ہے تو اسکی کیا توجیہ ہوگی
 اور دوسری روایت کے ساتھ جس میں لیلیۃ ابجن عدم ہر اسیت مذکور ہے لیکن فقہانہ مذکور ہر کوئی
 توافق ہوگا آیا واقعہ متعدد یہ محمول ہوگا یا دوسری توجیہ کی جائے گی۔ جواب امور مستفسرہ کی حقیقت
 یہ ہو کہ مؤلف اکام المرجان معتبر شخص ہیں حامد حسین لکھنوی نے انکی جو توثیق ذہبی وغیرہ سے نقل کی ہے
 وہ ٹھیک ہے میں نے انکا حال فوائد طبعیہ کے تعلیقات میں لکھا ہے وہ دونوں روایتیں جو حامد حسین نے
 نقل کی ہیں ایک تخریج ابو نعیم دوسرے تخریج امام احمد رحمہما اللہ بحسنہ اکام المرجان
 کے انیسویں باب میں مذکور ہیں مگر روایت امام احمد رحمہما اللہ میں بیاض مولیٰ عبد الرحمن بن عوف بن
 مسعود رضی اللہ عنہم سے راوی ہے اور بیاض کے باب میں حاکم ابن حجر نے لسان المیزان میں اور ذہبی
 نے میزان الاعتدال میں ساقط لکھا ہے اور ابن عراق نے تنزیہ الشریعہ عن الاخبار الموضوعہ کے مقدمے
 میں لکھا ہی میںنا بن بنی میںنا مولیٰ عبد الوہاب بن عوف رضی اللہ عنہما وعن عثمان وابن
 مسعود رضی اللہ عنہما قال ابو حاتم کذاب میںنا بن بنی میںنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کذابین
 یہ عبد الرحمن بن عوف اور حضرت عثمان اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے
 ہیں ابو حاتم نے کہا ہو کہ یہ بڑے جھوٹے ہیں لیکن چونکہ روایت ابو نعیم وغیرہ میں ابو حماد عبدلی کی
 متابعت مروی ہے اس لیے یہ حدیث ساقط نہیں زائد سے زائد یہ ہے کہ ضعیف ہوگی مفتقر کضعف
 کا وجہ سے اور بلحاظ تعدد طرق اس حدیث کو مرزا محمد معتد خان بدخشی نے رسالہ تحفۃ الجمعین فی مناقب خلفاء
 راشدین میں منقولہ احادیث حسان کو مذکور کیا ہے اور اس حدیث میں جو شرکت ابن مسعود کی ہے اس میں
 من مذکور ہے وہ منافق روایت خندانہ لیلیۃ ابجن کے نہیں ہے اس وجہ سے کہ وہ منافق اکام المرجان

میں مفصلاً ذکر کیا ہے کہ لیلۃ الجمن چھ مرتبہ واقع ہوئی بعض لیبائی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ شریک تھے اور بعض میں شریک نہ تھے باقی یہ بات کہ حامد حسین جو اس روایت سے خلافت بلا فصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر استدلال لائے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں تو اصل یہ ہو کہ اس روایت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلا فصل پر استدلال لانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حقیقتہ الامر یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایک کو بابین اختلاف صریح منظور نہ تھا اس بنیال سے کہ اگر صراحت کسی ایک کا اختلاف کیا جائے اور بعض لوگ اسکی اتباع نہ کریں تو اتباع نہ کرنے والے عذاب کے مستحق ہو جائیں گے جیسا کہ سیوطی رحمہ اللہ نے تاریخ اختلاف میں لکھا ہے و سوا ذلک ای عدم اختلافہ قال ابن زانی مسندہ حدیثنا عبد اللہ بن وضاح الکوفی حدیثنا یحییٰ بن الیمان حدیثنا اسرائیل عن ابی لقیظان عن ابی وائل عن حدیثہ قال قالوا یا رسول اللہ الا تستخلف علینا قال ان استخلفت علیکم فتعصون خلیفتی ینزل علیکم العذاب اخرجہ المحاکم فی المستدرک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بالتصیح کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا اسکی وجہ یہ ہے جو ہزارے اپنی مسند میں بیان کی ہے کہ بیان کیا مجھے عبد اللہ بن فضال کوفی نے بیان کیا ان سے یحییٰ بن یان نے ان سے اسرائیل نے ان سے ابو یقظان نے ان سے ابواصل نے ان سے حدیثہ نے کہ لوگوں نے بوجھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنائیں گے تو اپنے فرمایا اگر میں کسی کو اپنا خلیفہ بنا دوں گا اور تم اسکی نافرمانی کرو گے تو خدا تم پر عذاب نازل کرے گا اسکو حکام نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اسوجہ سے جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اختلاف کیواسطے بوجھا تو اپنے اعراض اور سکوت فرمایا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اعراض یا سکوت اسوجہ سے تھا کہ آپ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کو اچھا نہیں جانتے تھے اور جسوقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق بوجھا تو آپ نے نعم و خیرہ نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن چونکہ ابوبکر یہ معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگ مخالفت کریں گے اور انکی خلافت کے زمانے میں کثرت سے قتلے ہونگے اس لیے آپ انکی اطاعت اور اتباع کی ترغیب فرمائی اس تفصیل کے بعد رفاض کا مطلب ثابت نہیں ہوتا غرض یہ روایت صراحتاً اس امر کو نہیں بتاتی کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ بنا دیا یا نہ بنا دیا اور دوسروں کے مقابلہ میں خلافت کا مستحق بنایا یا نہ بنایا

حدیث سے ثابت کرے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہی تھا اور ظاہر ہے کہ آپ کے دل کی بات خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا و اللہ اعلم حررہ الراحمی غفورہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحق تھانوی مدظلہ العالی

ذنبہ الجملہ و الخلفہ

کتاب النوادر

سوال۔ موسے مبارک کی زیارت کے نسبت اور نیز اُس محفل زیارت میں شریک ہونے کی بابت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے اسناد صحیح کے منسوب کیا جاتا ہے کیا حکم ہے حالانکہ اُس مجلس زیارت میں بعض منہیات شرعیہ اور بدعات سنیہ کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے یعنی شب زیارت میں بکثرت رشتہ کی جاتی ہے نوبت اور شنائی بجا کی جاتی ہے آتش بازی چھوڑی جاتی ہے لاگ مع مزامیر ہوتا ہے غرض اُس محفل زیارت میں شادی کے تمام رسوم ادا ہوتے ہیں اور عیش و طرب کا سامان ہیا کیا جاتا ہے اور روزِ زیارت کی صبح کو مالیدہ پر حضور سرور انبیا علیہ التیمۃ والثناء کا فاتحہ دلانا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو شیخ فنگان موسے مبارک تدریجاً کے طریقے سے اکثر نقد و جنس موسیٰ مبارک پر چڑھا ہیں اُسکا لینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کون شخص اُسکو شرفاے سکتا ہے اور کسی قدر اراضی وغیرہ بطور اعانت عرس موسے مبارک سلاطین اہل اسلام کے زمانے سے چلی آتی ہے اُسپر خادمان موسے مبارک کا متصرف ہونا اور اُس میں سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا نفقہ نکالنا شرفا جائز ہے یا نہیں جواب جانتا چاہیے کہ ہر مسلمان کو اُن چیزوں کی عظمت کرنا اور اُن سے برکت حاصل کرنا کمال ایمان کی نشانی اور غایت محبت نبوی کی دلیل ہے جنکو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے کسی قسم کا علاقہ ہو چاہے وہ موسے مبارک ہو یا جبریل یا غلبین خواہ کوئی اور چیز ہو جسکو اپنے سے فرمایا ہو یا اور کسی طرح سے اُسکو آخرت میں تعلق پیدا ہو گیا ہو۔ اس باب میں کسی عاشق جناب نبوی کو کلام اور کسی صاحب ایمان کو انکار کی مجال نہیں ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایسے آثار و مشاہد کی تعظیم و تکریم کرنا اور اُن سے برکت حاصل کرنا اور اصل حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ ہی کی تعظیم و تکریم کرنا ہے جو کہ اس الایمان سے ہے اور اسکا ثبوت اکثر احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کرام علیہم السلام سے ہوتا ہے چنانچہ موسے مبارک کی تعظیم کرنے اور اُس سے برکت حاصل کرنے کی نسبت شیخ بن عبد اللہ بن محمد ہے

روایت ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اگر انسان عین اوشعہ بکشت الیہا
مخضبة فاخرجت من شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وكانت تمسک فی الجبل من قفہ فمخضتہ
لہ فشراب منہ قال فاطلعت فی الجبل فرأیت شعرات حمراء رواہ البخاری حضرت عثمان بن عبد اللہ
بن مہرب کہتے ہیں کہ مجھ کو میرے گھر والوں نے ایک پانی کا پیالہ لیکر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت
میں بھیجا اور لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کو نظر لگتی یا بیمار ہوتا تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس
پانی کا ایک پیالہ بھیج دیا کرتا پس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور سرور انبیاء علیہ التھیۃ والثناء کا موئے مبارک
جسکو وہ چاندی کی ڈبیا میں رکھا کرتی تھیں نکالتیں اور اسے پانی میں ڈال کر بلا دیتیں اور پیار اس
پانی کو پی لیا کرتا میں نے جھانک کر ڈبیا میں دیکھا تو اس میں سرخ رنگ کے چند بال تھے اسکو بخاری
نے روایت کیا ہے۔ اور جبہ مبارک کی قفیم اور اس سے برکت حاصل کرنے کی نسبت حضرت اسماء بنت
ابی بکر مشیرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت ہے انہا اخراجت جبة
طیالستہ کسروانیت لہا البنتہ دیباہ و فرجہا کفوفین بالذیباہ و قالت ہذا جبة رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم كانت عند عائشہ رضی اللہ عنہا قبضت قبضتی وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا فتغنی لہا
المرضی فاستشفی بہا رواہ مسلم حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے طیلسان کا
ایک کسروانی جبہ نکالا جس میں گریبان پر ریشمی سخاوت تھی اور اس کے دونوں چاکوں پر بھی ریشمی سخاوت تھی اور
کہا کہ یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے جو حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے
پاس رکھا تھا جب ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو یہ جبہ میں نے لے لیا اسے حضور
سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ پہنا کرتے تھے اور اب ہم اسکو دھو کر میضون کو پلاتے ہیں تاکہ وہ اس
کی برکت سے شفا یاب بین اسکو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ثابت ہے کہ خود حضور روحی غذا
نے اپنے دست اقدس سے اپنے آثار مبارک کو تبرک اور دن کو عطا فرمایا ہے اور تبرک اس کا استعمال کیا
ہے چنانچہ باب حجۃ الوداع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم اتی منی فاتی الحجر فاتاھا فہ اتی منزله بمنی وغیر لکہ ثم دعا بالحلل والحق شقہ لایمن
فخلعہ ثم دعا بالطلح لایمن فاعطاه ایاہ ثم ناول الشق لایمن فقال لایمن فخلعہ فاعطاه ایاہ
فقال قسم بین الناس رواہ الشیخان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات

علیہ السلام والصلوۃ منیٰ میں تشریف لائے پس جبرو کی جگہ پر اگر رمی کی پھر اپنے اپنی قیامگاہ پر رجعت فرما کر
 قربانی کی پھر حجام کو بلا کر اپنے سر کا داہنا جانب منڈایا اور وہ موس مبارک حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو
 بلا کر دبے پھر سر کا بائیں جانب منڈایا اور وہ موس مبارک حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکر فرمایا کہ
 یہ سب کو بانٹ دو اسکو شیخین نے روایت کیا ہے۔ اور ایسی ہی روایت حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل و تکفین کے قصہ میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے جو انہا کا لیت
 فالقی حقوۃ فقال اشعرنہا ایاہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اپنا تہنہ ہماری طرف پھینک کر فرمایا کہ اس کپڑے کو سب کپڑوں سے پہلے پنا کر کفن دینیے اس طرح یہ کپڑا
 پناؤ کہ بدن سے متصل رہے۔ اور یہ حدیث صحیحہ کے آثار سے برکت حاصل کرنے کی دلیل ہے چنانچہ اس کے
 تحت میں صاحب لمعات نے لکھا ہے و هذا الحديث اصل في البركة بآثار الصالحين ولباسهم
 یہ حدیث صحیحہ کے آثار اور لباس سے برکت حاصل کرنے کے باب میں اصل ہے اور اسی طرح اُن چیزوں کی
 برکت بھی ثابت ہے جنکو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مس فرمایا ہے حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا سے
 روایت ہے قالت دخل علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فشرّب من ماء في قربة معلقة قائما فمقت
 الی فیہا فقطعہا حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الف الف تحیات ہمارے
 یہاں تشریف لائے اور ایک مشکیزہ کو دہنے میں منہ لگا کر جو تک رہا تھا اپنے پانی پیالیں میں نے اُس
 مشکیزے کے دہنے کو تراش رکھا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفا میں لکھا ہے ومن اعظام اعظام
 جمیع اسباب و اکرام مشاہدہ و امکان من مکة والمدینۃ و معابدہ و مالمسہ علیہ الصلوۃ والسلام
 و ایضا قال كانت فی قلنسوة خالد بن الولید شعرات من شعرة صلی اللہ علیہ وسلم فسقطت قلنسوة
 فی بعض حروبہ فشد علیہا شدة انکر علیہ صحابہ لکثرة من قتل فیہا فقال لما فعلہا بسبب قلنسوة
 بل التضمنت من شعرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا اسبب بولکما وقع فی ید علی لشرکین منجملہ تعظیم
 بنو حنی کے آپ کے جلہ اسباب اور تشریف لانے کے مقامات اور آپ کی عبارت کے مقامات کی تعظیم ہے اور آپ کے
 اُن مکانوں کی تعظیم ہے جو کہ یاد میں نہ زاد اور فراموش نہیں ہیں اور اُن چیزوں کی تعظیم ہے جنکو آپ نے
 مس کیا ہے اور بھی قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موٹے مبارک تھے اتفاقاً ایک رطلی میں دو ٹوپی لگی تھیں اُس ٹوپی کو اٹھانی

کے لیے؟ انھوں نے سخت حملہ کیا جس میں بہت سے لوگ کام آئے ان کے ساتھیوں نے اس کو ناپسند کیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنی ٹوپی کے لیے نہیں گھبراتا تھا بلکہ اس لیے پریشان تھا کہ اس میں حضور سرور انبیا علیہ النجیۃ والثناء کے موئے مبارک تھے مجھے خوف ہوا کہ میں وہ کفار کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور میں اسکی برکت سے محروم ہو جاؤں۔ اور بھی قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں وفی حدیث عن عبد الرحمن السلمی عن حماد بن فضال عن الزاهد وکان من الغزاة الرماة ان قال ما سمت القوس بیدی الا علی طهارة منذ بلغنی ان رسول اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ اور عبد الرحمن سلمی سے مروی ہے وہ احمد بن فضالویہ زاہر سے روایت کرتے ہیں اور وہ منجلیہ تیر انداز غازیوں کے تھے انھوں نے کہا جب سے میں نے یہ سنا کہ میری کمان کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے چھوا ہے تب سے میں نے اس کمان کو کبھی بے وضو نہیں چھوا۔ اور بھی قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں ساری ابن عمر رضی اللہ عنہ واضعائدہ علی مقداد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعها علی جہتہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ ممبر پر جس جگہ حضور سرور انبیا علیہ النجیۃ والثناء بیٹھے تھے اس جگہ کو ہاتھ لگا کر اپنے پیشانی پر مس فرماتے تھے۔ پس ان تمام احادیث و روایات سے اہل ایمان کی نظر میں بخوبی ثابت ہے کہ جلد آثار و مشاہیر نبوی سے برکت حاصل کرنا اور انکی عظمت کرنا اللہ کی نعمتوں میں سے عمدہ نعمت ہے اور اس قسم کی برکت اور تعظیم کا ثبوت خود حضور روحی فداہ اور حضرات صحابہ کرام علیہم السلام کے افعال سے پایا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ جس طرح ان احادیث سے آثار نبوی کی برکت اور تعظیم کا ثبوت ہوتا ہے سطح تعظیم اور برکت حاصل کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے پس جس طرح وہ شخص جو منکر برکت آثار نبویہ پر بددین اور گنہگار ہو اسی طرح وہ شخص بھی مبتدع اور مخالف سنت سمجھا جائے گا جو طریق مرویہ حدیث کے خلاف تعظیم کا کوئی خاص طریقہ اپنی طرف سے ایجاد کرے کیونکہ مخالفت سنت میں دونوں برابر ہیں اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس طریقہ مختصر میں کوئی امر خاص صریح منہیات شرعیہ اور محرمات یقینیہ سے شامل نہواں اگر اس طریقہ مختصر میں کوئی امر محرم شرعیہ بھی شامل کیا جائے تو ایسی حالت میں دونوں نقصان ہونگے ایک تو طریق خاص کا احداث ہوگا محرمات شرعیہ کا ارتکاب اور بارے دونوں باتوں کا حکم یہ ہوگا کہ اگر کتب غیر مستعمل فاسق اور محل کا فرہی دوسری اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جو برکت اور تعظیم حضور سرور انبیا علیہ النجیۃ والثناء کی آثار کیلئے ثابت ہو وہ حضور ہی کے آثار

کہ ساتھ مخصوص ہو دوسرے کے آثار کے ساتھ وہ معاملہ کرا جاوے گا پھر آثار کے ساتھ مخصوص ہو حرام ہو پس ضرور ہوا کہ
 جب کسی خاص جہ اور خاص لباس اور خاص بال کے نسبت یہ دعویٰ کیا جاوے کہ یہ حضور رومی زندہ کے آثار ہیں تو
 اول اس بات کا یقین حاصل کیا جاوے کہ فی الواقع یہ آثار آپ کے ہیں یا دوسرے شخص کے ہیں جسکو آپ کی جانب کسی طبع
 سے نسبت کر دی ہو تاکہ اس یقین سے غیر کے آثار کے ساتھ آنحضرت کے آثار کا ایسا برتاؤ لازم نہ آئی اور اس قسم کے یقین کا
 حصول ایسا امور کی نسبت بغیر اس طریقہ کے مستحضر ہو جسکو محدثین رحمہم اللہ نے روایت حدیث میں اختیار کیا ہے
 کیونکہ اثبات آثار نبوی بھی حدیث ہے جو رسول سے مروی ہو اور جو حدیث رسول سے مروی ہو اس میں ہی طریقہ مسلک
 ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب ان آثار کا ثبوت ایسی طریق روایت پر موقوف ہو تو اسکی صحت اور عدم صحت بھی صحت
 اسناد اور عدم صحت اسناد پر موقوف ہوگی اور جب اسکی یہ سند ضعیف بھی ہو تو صرف جاہلون کو بھڑکانا ہو سکتا
 ثابت نہیں کر سکتے پس خلاصہ کلام کا یہ ہوگا کہ بلاشبہ تعظیم آثار نبوی علامات ایمان ہیں جو ہر جسکا ثبوت احادیث صحیحہ
 سے ہوتا ہو لیکن وہ تعظیم و تبرک انھیں طرق میں منحصر ہے جو احادیث سے ثابت ہیں اور یہ تعظیم اس بات کی فرع ہے کہ ان
 آثار و تبرکات کا انتساب حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ کی ذات اقدس کی طرف صحیح ہو اور
 صحت انتساب صحت روایت پر موقوف ہے پس جو آثار صحت روایت ثابت ہیں بلاشبہ انکی تعظیم
 حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے موافق کرنا چاہیے اور ان سے برکت حاصل کرنے میں کوئی شبہ
 نہیں اور جو صحت روایت ثابت نہ ہوں انکے ساتھ بے تحقیق کیے ہوئے وہ معاملہ کرا جاوے گا کہ آثار ثابتہ
 کے ساتھ کرا جاوے گا ایسا ہے جیسے سند کلام کو حدیث کہنا اور اس پر عمل کرنا جسکے نسبت سخت وعید وارد
 ہے قال ابن عباس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا الحدیث منی الا ما علمتم من کذب علی متعدد
 فلیتوبوا مقعدہ من النار واما الترمذی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی
 کریم علیہ التیمۃ والتسلیم نے فرمایا ہے تم میری طرف کسی بات کو منسوب کرنے سے ڈرو واد رہے تحقیق کیے ہوئے
 مجھے کوئی روایت نہ کرو کیونکہ جو مجھے جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں کرے اسکو ترمذی
 نے روایت کیا ہے پس ہر مسلمان پر یہ بات واجب ہے کہ جب تک اسکو اس بات کا علم نہ ہو کہ جس امر کی
 نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روایت کیا ہے وہ نسبت صحیح ہے یا نہیں اسوقت تک اسکی روایت
 کرے اور جب روایت کرا جائے نہیں تو عمل کرنا طریق اولیٰ جائز نہ ہوگا البتہ ایسی صورت میں اس
 احتیاط کا تقاضا ہے کہ جب کوئی شے دعویٰ کے ساتھ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب

کیجائے تو جیسے تحقیق کے پہلے انکا اقرار جائز نہیں انکار پر بھی اصرار کرے بلکہ سکوت اختیار کرے چنانچہ
ایسی صورت میں حدیث سے بھی توقف ثابت ہوتا ہے صاحب مرقاة نے اس حدیث کے تحت میں قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكلذبوهم وقولوا آمنا بالله وما انزل لينا الخ
سواہ البخاری تم ناہل کتاب کی تصدیق کرو تکذیب بلکہ تم کو ہم اس پر اور اس چیز پر جو اس نے ہم پر
اماری ہو ایمان لائے الخ اسکو بخاری نے روایت کیا ہے لکھا ہے لا تصدقوا اهل الكتاب ای فیما لم
یقین لکم صدقہ لاحتمال ان یکون کذباً وهو الظاهر من احوالہم قوله وتكلذبوہم ای فیما جحدوا
من التوراة والانجیل ولم یثبتین لکم کذبہ لاحتمال ان یکون صدقاً وان کان نادر لان الکذب
قد یصدق وفيہ اشارۃ الی توقف فیما استشكل من الامور والعلوم ال کتاب کی اس بات میں تصدیق
نہ کرو جسکی تم کو بخوبی تصدیق نہیں ہوئی ہے اس احتمال کی وجہ سے کہ شاید وہ جھوٹ ہو کیونکہ انکا ظاہر حال
جھوٹ ہی کو چاہتا ہے اور ان باتوں میں انکی تکذیب نہ کرو جنکو وہ تورات اور انجیل سے روایت کرتے
ہیں جب تک انکی تکذیب ظاہر نہ ہو جائے اس احتمال کی وجہ سے کہ شاید وہ سچ ہوں گے سچ ان سے نادر ہے مگر یہ کہنا
ہے کہ کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ بولے اور اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جو امور اعتقاری و عقلی معاملات میں
مشتبہ ہوں ان میں توقف چاہیے۔ غرض کہ اسی طرح ایسے مواقع پر بھی توقف ہی اچھا ہے۔ جب یہ تمام امور ظاہر
ہو چکے تو سائل کو سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ طریقہ مذکورہ سوال کے موافق موے مبارک کی زیارت کراتے ہیں
وہ بدعات و مخترعات کے پابند ہیں کیونکہ روایت مذکورہ بالکے موافق جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے
موسیٰ مبارک کا پانی مریض کے لیے مانگا گیا تو انھوں نے نہ ڈھول تاشہ وغیرہ بجا یا نہ قرآن خوانی کرائی نہ
مجلس مرتب کی نہ وقت مقرر کیا نہ تاریخ معین کی غرض کسی قسم کے تعینات خاصہ سے اسکو مقید نہیں کیا بلکہ
اسکی برکت کو ہر وقت میں قابل استفادہ خیال کیا بخلاف اس صورت کے جسکو سائل نے بیان کیا ہے جو میں
تعیین ماہ و یوم و تاریخ کو ضروری اور اڑھا و ثواب میں موثر خیال کیا ہے جسکی سنت نبویہ میں کوئی اصل
نہیں ہے اور تداعی اور انعقاد محافل خاصہ کو ضروری خیال کیا ہے اور اس میں نوبت و نقارہ اور جملہ مراسم
مہیا کیے جاتے ہیں جو سراسر شیاطین کے افعال ہیں الیحدہ موے مبارک بھی بطور زندقہ نہیں لیا جاتا ہے
اور تبرک کی طرح مانا جاتا ہے حالانکہ اس سے اتقاع حرام قطعی ہے غرض کہ گاتے ہیں حالانکہ ایسے راگ بالاتفاق
حرام ہیں پس برکت حاصل کرنے اور اس سے زائد مستحب ثابت ہوگا ایسی محرمات شرعیہ کے ارتکاب کا باعث ہونا

جن سے اجتناب واجب ہو اور ظاہر ہے کہ جس امر متحب کے ارتکاب سے ترک واجب لازم آئے اُس کا ترک کرنا واجب ہو پس اس صورت میں ہرگز شریعت اس بات کی اجازت نہ دیگی کہ ایسے بدعات کے ساتھ اس امر مستحب کا ارتکاب صحیح ہو اور اس کا نفسل استحباب بھی اُسی صورت میں مسلم ہے جبنا بت ہو جائے کہ واقعی یہ موعے مبارک حضور ہی کا ہو اور اگر یہ امر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے تو ایسے جلسے میں بقصد تبرک حاضر ہونا بھی جائز نہیں اور موعے مبارک پر نذر ماننا اور چڑھاوا جزا مانا حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر خدا کی عبادت حرام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نذر غیر اللہ سے پس حرام ہے چنانچہ صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے والذکر للخلق لا یجوز لانه عبادۃ والعبادۃ لا یكون للخلق مخلوق کے لیے نذر ناجائز ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کے لیے نہیں ہوتی۔ اور جب طرح یہ فعل حرام ہے اُسی طرح اُس قسم کے چڑھاوے کا لینا اور اُس کا کھانا اور پینے صرف میں لانا بھی حرام ہے اور ایسی نذر نہ منعقد ہوتی ہے نہ اُس کا ادا کرنا واجب ہے چنانچہ اسی کتاب میں ہے والاجماع علی حرمة الذکر للخلق ولا ینعت ولا یشغل لذمة بدو وانه حرام بل یحت ولا یجوز لخدام الشیخ اخذہ ولا کله ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجہ۔ اس بات پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر حرام ہے اور یہ نذر منعقد بھی نہیں ہوتی اور نہ ذمہ پر واجب ہوتی ہے اور مجاہد روئے کا اُس کا لینا اور کھانا اور کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو اوقات موعے مبارک کے خدام کے لیے مقرر ہیں اگر وہ اس غرض سے مقرر کیے گئے ہیں کہ جو بدعات و شرکیات سوال میں ذکر کیے گئے ہیں اس وقت سے رائج کیے جائیں اور ان اوقات کی آمدنی انہیں صرف کی جائے تو فی نفسہ یہ وقف ہی باطل ہے اور ان کا وقف کرنے والا گنہگار ہے کیونکہ منجملہ شرائط وقف کے ایک شرط یہ ہے کہ وہ کام جس کے لیے وقف کیا ہے فی نفسہ قربت اور عبادت معلوم فی الدین ہو اور ظاہر ہے کہ امور مذکورہ سوال عبادت نہیں ہیں چنانچہ عالمگیری میں ہے منہا ای من شرائط صحیحہ ان یکون قربۃ فی ذاتہ وعند التصرف الخ منجملہ شرائط صحت کے ایک شرط یہ ہے کہ وہ فی نفسہ قربت ہو اور وقت تصرف کے الخ اور اگر صرف اس نیت سے وہ اوقات وقف کیے گئے ہیں کہ ان کی آمدنی اُن فقرا اور مساکین پر صرف کی جائے جو یہاں حاضر ہوں اور بقدر حاجت اس اوقات کے متولی اس کی آمدنی میں سے اپنے اوپر بھی صرف کریں تو یہ وقف صحیح ہے اور متولی وقف کو بقدر حاجت خریدا لینا اور باقی فقرا پر صرف کرنا حلال ہے

واللہ اعلم کتابہ العبد الذلیل محمد اسماعیل **محمد اسماعیل** اجاؤن اجاب حررہ محمد لطیف اللہ عنہما اللہ عنہما

خبر خط سے واقعی ایسی چیزوں سے جو حضور پر اس آدمی سے اس لیے دینی طور پر ہونا چاہیے

بطریق صحیح منسوب بہین برکت لینا جائز اور محسن ہی مگر ایسی مجلسوں میں جانا جنکو سائل نے ذکر کیا ہے جو بہ
 اشمال اُن کے بدعات مستبعد اور افعال محرمہ پر شریک ہونا جائز نہیں ہے اور نہ ایسے آثار سے جنکا
 انتساب بطریق صحیح ثابت نہیں برکت لینا جائز ہے اور جو اشیاء عوام کا الانعام ہوئے مبارک پر چڑھاتے ہیں
 اٹھالینا جو بوجہ مندر لغیر اللہ ہونے کے حرام ہے واللہ اعلم حررہ الراحمی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد
 تجاوز اللہ عن ذنبہ اعلیٰ و اخفی محمد عبد ابو الحسنات سوال تانبے وغیرہ کا چاندی سونا ہو جانا جو علم کیا کا
 نتیجہ ہے ممکن ہے یا نہیں۔ جواب۔ اس میں علمائے حکمت کا اختلاف ہے بعض شیخ رئیس کی طرح سے
 اسکے امتناع کے قائل ہوئے ہیں مگر ان کے پاس محال ہونے کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے اور بعض امکان
 قائل ہیں اور اس گروہ نے اول امتناع کو بالکل جڑ سے اکھاڑ ڈالا ہے کشف الظنون عن اسامی الکتاب
 والظنون میں ہے حاصل ما ذکرہ اہل لصفدی فی شرح لامیتہ العجمان الناس فیہ علی طریقین فقال کثیر
 منهم بطلانہ منهم الشیخ رئیس بن سیننا بطلہ بمقدمات من کتاب الشفا والشیخ نقی الدین بن
 تیمیہ صنف رسالۃ فی الکیمیاء فی نکارہ وصنف یعقوب الکندی ایضاً رسالۃ فی ابطال لکنہم لم یورخ و
 شیخا یفید الظن لامتناع فضلاء عن الیقین وذهب الآخرون الی امکانہ منهم الامام الرازی فافہ فی
 المباحث المشرقیۃ عقد فصلان فی بیان امکانہ والشیخ نجم الدین بن ابی الدار البغدادی رد علی الشیخ
 ابن تیمیہ وزلیف ما قالہ فی رسالۃ ورد ابو بکر محمد بن زکریا الرازی علی یعقوب الکندی واستدل
 الامام فی المختص علی امکانہ فقال الامکان العقلی ثابت لان الاجسام مشترکۃ الجسمیۃ فوجب ان
 یصح علی کل واحد ما یصح فی الآخر وحکی ابن ماجہ الا ندلسی فی بعض تألیفہ عن الشیخ ابی نصر الفارابی
 انه قال قد بین ارسطو فی کتابہ من المعادن ان صناعة الکیمیاء داخلۃ تحت الامکان لانہما من لیکن
 الذی یصور وجودہ بالفعل صفدی نے جو شرح لامیتہ العجم میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس میں لوگوں کے
 دو گروہ ہیں بہت سے لوگ اسے باطل جانتے ہیں انہیں سے شیخ ابن سینا نے شفا میں اسی باطل کیا ہے
 اور شیخ نقی الدین بن تیمیہ نے کیمیاء میں اسکے انکار پر ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اور یعقوب کندی نے بھی
 اسکے ابطال پر ایک رسالہ لکھا ہے لیکن ان میں سے کسی نے ایسے اولہ نہیں قایم کیے ہیں جس سے اس کے
 امتناع کا ظن ہو چہ جائیکہ یقین اور دوسرا گروہ اسکے امکان کا قائل ہے ان میں سے امام رازی ہیں کہ
 آخرون نے اسکے امکان کے بیان میں مباحث مغربیہ میں ایک فصل لکھی ہے اور شیخ نجم الدین بن ابی الدار

بغدادی نے شیخ ابن تیمیہ کی تردید کی ہے اور انھوں نے اپنے رسالے میں جو دلیلین قائم کی ہیں انکو کفر و
 کربلا ہو اور ابو بکر محمد بن ذکریا رازی نے یعقوب کندی کی تردید کی ہے اور امام نے لمخص میں اس کے
 امکان کو ثابت کرتے ہوئے کہا ہو امکان عقلی ثابت ہو کیونکہ اجسام جسمیت میں مشترک ہیں تو ضروری ہوا
 کہ جو اوصاف بعض کے لیے درست ہوں وہی دوسرے بعض کے لیے بھی درست ہوں اور ابن ماجہ اندلسی
 نے اپنی بعض تالیفوں میں شیخ ابو نصر فارابی سے نقل کیا ہے کہ ارسطو نے بیان معاون میں جو کتاب لکھی ہے
 اس میں ہے کہ فنون کی کیا امکانی ہیں لیکن ایسے ممکن نہیں جنکا وجود دشوار ہے مسترحم کہتا ہے امام نے
 لمخص میں جو دلیل قائم کی ہے وہ مطلق قابل اعتبار نہیں کیونکہ ہر جنس کے انواع باہم فصول کی بدولت
 متماثر ہوتے ہیں اور اگر فصول مشترک ہو جائیں تو انواع کا باہمی تماثر جاتا رہے گا اور لوہا اور سونا اگرچہ
 جسمیت میں مشترک ہیں لیکن نہ باسونا اسوقت تک نہیں ہو سکتا ہے جبکہ وہ تمام صفات میں ایک دوسرے
 کے مشارک نہ ہو جائیں حتیٰ کہ فصول نوع کو باہم تميز نہ دلائیں اور یہ غیر ممکن ہے اتنی اشد اشتراک جس سے بھی
 اسکے امکان کے قائل ہیں ابن حجر مکی ہیتمی تحفۃ المحتاج شرح منہاج میں لکھتے ہیں - اختلاف فی انقلاب
 النسخ عن حقیقتہ کا لٹاس لی الذہاب اہل ہوا ثابت تعقیل نعم لا انقلابا لصانعنا بحقیقتہ ولا لا بطل
 الاعجاز وقیل لا لان قلبا لمخاطب محال والمحق الاول اتفق وفيہ ايضا كثيرا ما يسأل من تعلم علم الکلیما
 وحلم ولم نر لاحد کلاما فی ذلك والذی یظهر انه یبتنی علی هذا الخلاف قطع الاول من علم العلم
 الموصل لذلك القلب علما یقینا جازلہ علمہ وتعلیمہ اذ لا محذور فیہ بوجه وان قلنا بالثانی اذ لم یعلم
 الانسان ذلك باعلم الیقینہ وكان ذلك وسیلۃ الی الغنی فالوجه الخویمۃ فی حقیقت کے بد بھانے
 میں اختلاف ہے مثلاً تانبے کا سونا ہو جانا کہ یہ ثابت ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں ہاں ثابت ہے کیونکہ عمار
 اڑ رہا ہو گیا تھا ورنہ معجزہ باطل ہو جائیگا اور بعض لوگ کہتے ہیں نہیں ثابت ہے کیونکہ حقائق کا بدل جانا
 محال ہے اور حقی اول ہے اور اسی کتاب میں ہے لہذا اوقات علم کیا سیکھنے کے متعلق سوال کیا گیا میں نے
 اس کے متعلق کسی کوئی کلام نہیں دیکھا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس اختلاف پر مبنی ہے پس
 پر بند ہوا دل جو اس انقلاب کے بتلانے والے علم کو یقینی علم مانتا ہو اسکے لیے اسکا سیکھنا اور سکھانا جائز
 ہے کیونکہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور برہنہ ہر ثانی اس شخص کے لیے جو اس علم کو یقینی نہ جانتا ہو اور
 اسے دھوکہ بازی کا ذریعہ سمجھتا ہو حرام ہے - اور رد المحتار حاشیہ در مختار میں اس عبارت کے نقل کرنے

کے بعد لکھا ہے حاصلہ انا اذ قلنا با ثبات قلب الحقائق وهو الحق جازا لعل به وقلمہ لانہ لیس نیش لان
 النحاس ینقلب ذہبا وفضۃ حقیقۃ وان قلنا انہ غیر ثابت لایجوز لانہ غش کما لایجوز من لایعلمہ
 حقیقۃ لما فیہ من اتلاف مال المسلمین او غش المسلمین وانظاہر ان مذہبنا ثبوت انقلاب الحقائق
 بدلیل ما ذکرہ فی انقلاب العین فی القیاسۃ کا انقلاب الخرج لا والدہ مسکاک وغیر ذلک حاصل
 یہ ہے کہ جب قلب حقائق کو ثابت مانیں اور یہی درست ہے تو اسپر عمل کرنا اور اسکا سیکھنا جائز ہو کیونکہ یہ
 کسی قسم کی دھوکہ بازی نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ تا نا جب بدلتا ہے تو حقیقۃً سونا اور چاندی ہو جاتا ہے اور اگر
 ہم اسکو ثابت نہ مانیں تو یہ ناجائز ہو کیونکہ اس میں دھوکہ بازی ہے جیسے جو شخص حقیقۃً کھانا نہ جانتا ہو اس کو
 اسکا سکھانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کے مال ضائع ہونگے یا مسلمان دھوکہ کھائیں گے اور ظاہر
 یہ ہے کہ ہمارا مذہب انقلاب حقائق کے ثابت ہونے کا ہے اس لیے کہ ہم نجاست میں انقلاب عین کو قائل ہیں جیسے
 شراب سرکہ ہو سکتی ہے اور خون مشک ہو سکتا ہے اور اسیطرح اور چیزیں بھی سوال (۱) قیامت کے
 دن صحیح النسب سید کا اپنے نسب سے نفع پانا ثابت ہے یا نہیں اگر ثابت ہے تو اسکا کیا مطلب ہے کیا وہ
 لوگ باوجود بے علم اور بے عمل ہونے کے اور بحالت فسق و فجور بلا توبہ مرجانے کے بھی بوجہ انتساب الی النبی
 ووزخ سے مطلقاً محفوظ رہیں گے یا ہتھوڑا گناہ ووزخ میں جلنے کے بعد اور مومنین کی طرح حضور سرور کائنات
 علیہ السلام والصلوٰۃ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے اور اس صورت میں مومنین امت
 محمدیہ اور سادات میں کیا فرق ہوگا کیونکہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے جو فرمایا ہے شفاعت کے لاکھ لاکھ
 من امتی میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے اس میں تمام مومنین وعدہ
 شفاعت میں داخل ہیں (۲) کسی سید کا بے ایمان اور سوز خاتمہ کے ساتھ مرنا ممکن ہے یا ممکن ہے۔ (۳)
 سید کے سوا اور مسلمان لوگ جو شرفا کے جاتے ہیں اور نسباً اور نسبتاً کسی صالح کی طرف منتسب ہیں جیسے
 شیخ صدیقی اور فاروقی اور عثمانی اور علوی وغیرہ فاطمی وغیرہ یہ لوگ اگر علم اور عمل سے محروم اور فسق و فجور
 میں مبتلا رہیں اور بے توبہ کیے مرجائیں تو فقط ان حضرات کی طرف نسبتاً ہوگی جو سوز ووزخ اور خاتمہ
 اخروی سے محفوظ رہیں گے یا اپنے کردار کی سزا بھگتیں گے اور ان حضرات کے جانب منتسب ہونا انکو
 کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور ان مسلمانوں کے سوا جو بظاہر کسی صالح کی طرف منتسب نہیں ہیں جیسے پٹھان
 اور مغل وغیرہ جو عرفاً ازال کے جاتے ہیں اگر ان کے آبائی سلسلے میں کوئی صالح یا ولی گذرا ہو اور یہ لوگ

بھی اگر بے ایمان ہو جائیں یا فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے بعد بے توبہ کیے ہوئے مرین تو اس صالح یا ولی کی برکت سے دوزخ اور مواخذہ آخری سے نجات پائیں گے یا نہیں ہر سوال کا جواب مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے۔ جواب (۱) اسادات کا بحالت فسق و فجور ہا توبہ مرنے کے دخول نارا اور عذاب سے مطلقاً محفوظ رہنا بوجہ انساب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہے بلکہ آثار اور اخبار سے اس کے خلاف ثابت ہے نور الدین علی محمودی جواہر العقیدین فی فضل الشرفین میں تحت ذکر ائمتہ اہل البیت کر لکھتے ہیں۔ اما لث اجتناب کل قبیح شرعاً فان القبیح من اهل هذا البيت اقبح منه من غیر ہم ولہذا قال العباس لابنہ عبد اللہ کافی تاریخ دمشق یا بنی ان الکذب لیس باحد من هذه الاقبح منه بنی ویک وباهل بیتک یا بنی لا یكون شیئ مما خلق احب الیک من طاعته وکذا اکوہ الیک من معصیۃ فان اللہ ینفعک بذلک فی الدنیا والاخرۃ قلت اجماع ذلک کلمہ ما جاء انہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصی باهل بیتہ بتقوی اللہ ولزوم طاعته کما سبق فی الذکر الرابع وسبق فی اواخر التنبیہ الاول من الذکر السادس قول الحسن بن المثنی وانی اخاف ان یضعف للعاصی من العذاب ضعفین واللہ انی لا وھون یوقی الحسن منا اجرہ موتین تیسرے شرعاً جو بائین بری ہیں اُن سے احتراز کرنا کیونکہ بری بات کا اُن لوگوں سے صادر ہونا بہت بُرا ہے اسی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہا اے میرے بیٹے جھوٹ کسی کے لیے اتنا عیب نہیں جتنا میرے اوپر ہے اور تیری اہل بیت کے لیے ہے اے میرے بیٹے چاہیے کہ تھو خدا کی اطاعت سے زائد کوئی چیز پسند اور اُسکی نافرمانی سے زائد کوئی چیز ناپسند نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ تھو اس سے دنیا اور آخرت دونوں میں نفع پہنچائے گا جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے میں کہتا ہوں کہ یہ سب اسوجہ سے ہو کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثناء نے اپنے اہل بیت کو خدا کے خوف اور اُسکی اطاعت کی وصیت کی جیسا کہ ذکر رابع میں گذرا اور ذکر سادس میں تبیین اول کے اخیر میں حضرت حسن مثنی علیہ السلام کا یہ قول گذرا ہے کہ میں اس امر سے ڈرتا ہوں کہ ہم میں سے کسی کا رکوہ و چند عذاب ہو اور مجھے خدا سے امید ہے کہ ہم میں سے نیکی کرنے والوں کا دونا ثواب ملے۔ اور آیات قرآنیہ یا نساء النبی من یأت منکن بہا حشۃ مبینۃ یتضاعف لہا العذاب ضعفین وکان ذلک علی اللہ یسیراً ومن یقنت للہ ورسولہ وتعلل بالمحافوتھا اجرہا مرتین واعتمدنا لہا زقا کریماً اس بات پر شرعاً ہمیں کہ انساب الی الصلیح تضاعف اجر اعمال صاحبہا و تضاعف عذاب اعمال خبیثہا کا

ہوتا ہے نہ یہ کہ مطلقاً اعمال خبیثہ مضر نہ ہوں اور اصحاب اعمال سیدہ محض بوجہ انتساب الی الصلاح جنتی ہو جائیں
 اسی لیے اللہ تعالیٰ نواز دایح مطہرات حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو ارتکاب فواحش پر عفا
 عذاب کی خبر دی اگر مطلقاً انتساب الی النبی باعث نجات ہوتا تو یہ مضمون نازل نہ ہوتا اور نسب نبوی
 یا نسب صدیقی و علوی یا کسی اور صالح کے نسب کا قیامت کے دن باین معنی نفع دینا کہ اگر وہ اعمال صالحہ
 کرے تو بہ نسبت اپنے انشاں کے زائد درجہ پاسے صحیح ہو یا یہ کہ وہ شخص جسکی طرف انتساب ہو بہ نسبت اور
 شخصوں کے اسکی طرف زائد التفات کرے اور اسکی شفاعت کرے اور باین معنی کہ شخص منتسب باوجود
 اعمال قبیحہ کے صرف بوجہ شرف نسبہ اللہ کے نزدیک مغفور ہو جائے گا اور باوجود اعمال سیدہ محض
 انتساب الی الصالح کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مکرم ہوگا اور مطلقاً نجات پانے کے محروم ہوگا بالکل غلط
 ہو اور نص قرآنی ان اکرمک عند اللہ اتقکم جو تم میں زیادہ متقی ہو وہ اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم
 ہو۔ اسکے غلط ہونے پر شاہد ہو۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت میں
 لکھا ہو فان قيل هذا مبني على عدم اعتبار النسب وليس كذلك فان للنسب اعتبارا عرفا وشروعا
 حتى لا يجوز تزويج الشریف بالثبطي قلنا اذا جاء الامر بالعظيمة لا يبقی الامر للمقبر معتبرا وذلك في
 المحس والشرع والعرف اما المحس فلان الكواكب لا تری عند طلوع الشمس ولنجاء الذباب
 دوی ولا یسمع عند ما یكون رعد قوی واما فی عرف فلان من جاء مع الملك ما یبقی له اعتبار ولا انتقا
 اذا عرفت هذا ففی الشرع كذلك اذا جاء الشرف الدینی الا لکھی لا یبقی لما مرهناک اعتبارا لا نسب
 ولا لنسب الا تری ان الکافر وان کان من اعلی الناس نسبا والمومن وان کان اودنهم نسباً
 لا یقاس احدهما بالآخر ولهذا یصلح للمناصب الدینیة كالقضاء والشهادة کل شریف ووضع
 اذا کان دینا صالحا عالما ولا یصلح لشیء منها فاسق وان کان قرشی النسب فاروقی النسب ولكن
 اذا اجتمع فی اثنين الدین المتین واحدهما نسب تو جرح بالنسب عند الناس لا عند الله لا ف
 الله یقول وان لیس للانسان الاما سے وشرف النسب لیس مکتسبا ولا یحصل بے اگر کہا جائے
 کہ یہ عدم اعتبار نسب پر مبنی ہے حالانکہ واقعہ اسکے خلاف ہے کیونکہ نسب عرفا شرعا مقبر ہو بیان کیا کہ شریفین
 کی لڑکی کا نکاح غلی کے ساتھ درست نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ بڑی بات کے سامنے معمولی بات کا خیال حسا
 وعرفا اور عرفا نہیں کیا جاتا ہے دیکھو کہ شترارے طلوع آفتاب کے بعد نظر نہیں آتے اور گلی کے بیرون کی آواز

بادل کی سخت گرج میں نہیں سنائی دیتی عرفا بادشاہ کے مقربین جب اس کے ہمراہ آتے ہیں تو ان کو کوئی نہیں پوچھتا اور یہی حال شیعہ کا ہے کہ جب کسی کو دینی شرف حاصل ہو گیا تو اب نسب کا پھر اعتبار نہیں دیکھو وافر اگرچہ نسباً برتر ہو لیکن مسلمان کے اگرچہ وہ نسباً کمتر ہو یا برتر نہیں ہو سکتا اسی لیے یہی مناسب تھا تھاقتصار اور شہادت کیلئے شرفاً مسیوقت مغرب ہو مگر جب وہ دیندار مسلح اور عالم ہوں قاسق انہیں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا اگرچہ قریشی یا فاروقی بھی ہو مگر جب دو متدین آدمی ہوں تو ان میں صاحب نسب کو لوگوں کے خیال میں ترجیح ہوگی نہ کہ خدا کے یہاں کیونکہ اُس نے فرمایا ہے انسان کے لیے وہی ہو جو اُس نے کوشش کر کے حاصل کیا ہو اور شرف نسب کسی نہیں ہے اور نہ کوشش سے حاصل ہوتا ہے۔

اور محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح مہارہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں انما ينظر للاصل والخص عند التخلع بالفضائل والتخلع عن الرذائل اصل ونسب کا اُسی وقت خیال کیا جائے گا جب شخص شخص میں خوبیاں پائی جاتی ہوں اور وہ بدیوں سے منور ہو۔ اور سند احمد بن ابوبصرہ سے مروی ہے حدیثی میں شہد فی خطبة النبي صلى الله عليه وسلم مني وهو على بعير يقول يا ايها الناس ان ربكم واحد وان اباكم واحد لا فضل لعربي على عجمي ولا لاسود على الاحمر الا بالقوى خیر کہ عند الله اتقا کم مجھے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثناء کے خطبہ منی میں حاضر تھا کہ آپ اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے اے لوگو تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے عربی کو عجمی پر کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت بجز تقویٰ کے نہیں ہے خدا کے نزدیک تم سب میں سے بہتر وہی ہے جو سب سے زائد متقی ہو۔ اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يطأ بعله لم يسرع له نسب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے جسکو اُس کے انحال نے پیچھے کر دیا اُس کو نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔ اور حضرت ابن جبریر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله لا يسلأكم عن احسابكم ولا عن انسابكم يوم القيمة الا عن اعمالكم اکر مکہ عند الله اتقا کم حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے فرمایا ہے خدا تم سے قیامت کے دن تمہارے حسب و نسب نہ پوچھے گا بلکہ تمہارے کام پوچھو گا تم میں سب سے بزرگ خدا کے نزدیک وہی ہے جو سب سے زائد متقی ہو۔ اور کتاب ادب المفرا میں بخاری نے حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اولیائی يوم القيمة المتقون وان کان نسباً قرباً من نسب

حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا ہو قیامت کو دن متقی ہی میرے اولیاء ہیں اگرچہ بعضوں کے نسب
 بعضوں سے زائد قریب ہیں۔ اور مجھ طبرانی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے
 لما بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اليمن خرج معه يوصيه ثم التفت الى المدينة فقال ان
 هؤلاء اهل بيتي يرون انهم اولي الناس بي وليس كذلك انما اوليائي المتقون من كانوا وحيث كانوا
 جب نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام نے حضرت معاذ کو یمن کی جانب بھیجا تو آپ انکو نصیحت فرماتے ہوئے شہر کے باہر تک چلے
 گئے پھر مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ سب سے زائد
 میرے قریب ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے میرے اقربا متقی ہیں جو بہون اور جہان بہون اور بخاری میں حضرت
 عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول جها راغبیران
 آل نبی فلان لیسوا لی باولیاء انما ولی الله وصالح المؤمنین هذا اللفظ مسلم میں نے حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ فرما رہے تھے زور سے نہ کہ سہستہ سے آل نبی فلان میرے اولیاء نہیں
 ہیں میرا ولی خدا اور نیک مومنین ہیں یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ اور بخاری نے زائد روایت کی ہے لکن لہم
 رحمہم سابلہا ببلالہا یعنی اصلہا بالشفاعة لیکن انکو فی اہل بیت کو مجھے ایک قرابت ہے جس میں
 عنقریب میں شفاعت کا امانہ کر دوں گا۔ اور ابوعین طائی میں فضیل بن مرزوق سے مروی ہے سمعت
 الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب یقول لرجل یثاویہم ویکم احبوا لله فان اطعنا الله فاجونا
 وان عصینا الله فابغضونا فقال الرجل نکر لد وقرابة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم واهل بيته
 فقال ویکم لو کان الله ناصرا بقرابتهم رسول الله صلى الله عليه وسلم یفعل علی بطاعته لنفع بذلك
 من هو اقرب الیہ منا اباه وامه وانی اخاف ان یضاعف للعاصی منا العذاب یضعفین اور دھندہ
 الاخبار والاثار السمہودی فی مواضع متفرقة من الجواهر میں نے حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے
 سنا ہے کہ وہ ایک شخص سے فرما رہے تھے جو ان لوگوں کے تعلق زیادتی کرتا تھا کہ ہر خدا کے لیے دوست رکھو اگر
 ہم اسکی اطاعت کریں تو ہر دوست رکھو اور اگر ہم اسکی نافرمانی کریں تو ہمیں بغض رکھو اس شخص نے کہا
 تم نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام کی قرابت دار اور اہلیت ہو فرمایا تم پر افسوس ہے اگر خدا بغیر کسی عمل کے محض
 قرابت رسول ہی میں نفع رکھتا تو آپ کے مان باب جو آپ کے سب سے زائد قریب تھے بہت
 نفع میں رہتے اور مجھے تو اس کا خوف ہے کہ کہیں ہم میں کے گنہگاروں کو دوا عذاب نہواں اخبار و احادیث

کو سمجھ دینی ہے جو اہر کے متفرق مقامات پر لکھا ہے۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرد انساب الی الرسول باعث مغفرت و کرامت نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کے ساتھ تقویٰ منضم نہ ہو پس جب نسب نبوی کا یہ حال ہوا تو یہ نسبت فاروقی وغیرہ کا بدرجہ اولیٰ ہی حال ہو گا۔ ہاں نسب نبوی اس قدر مفید ہو گا کہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ و النہایت پہلے اپنی اولاد کی شفاعت فرمائیں گے اور بہ نسبت عامہ مؤمنین کے ابتداءً اُنکی طرف توجہ فرمائیں گے جیسا کہ سیوطی رحمہ اللہ نے البدر السافر فی احوال الآخرین طبرانی سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث نقل کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سلمہ و سلمہ اول من اشفع من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش ولا نصار ثم من امن بی و اتبع من اهل الیمن ثم سائر العرب ثم الامم و اول من اشفع له اولوا الفضل حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کی میں پہلے شفاعت کروں گا وہ میرے اہل بیت ہونگے پھر جو اُن سے قریب ہوں پھر جو اُن سے قریب ہوں قریش انصار و پھر میں اُنکی شفاعت کروں گا جو صحابہ ایمان لائے اور جنہوں نے اہل میں سے میری اتباع کی پھر تمام اہل عرب کی پھر تمام اہل عجم کی شفاعت کروں گا اور جنکی میں پہلے شفاعت کروں گا وہ صحابہ فضل میں۔ سادات اور عامہ مؤمنین میں باب شفاعت میں اتنا ہی فرق ہے جو اس حدیث سے ثابت ہوا مگر یہ کہ میں سے معلوم نہیں ہوتا کہ سادات مطلقاً نجات پا جائیں گے اگرچہ وہ فاسق و فاجر بھی ہوں۔ ملا علی قاری مکی رحمہ اللہ تحقیق الاحساب فی تدقیق الانساب میں فلا انساب بینہم و یومئذ کے تحت میں لکھتے ہیں لم یردان الانساب تنقطع بل المراد ان الحدیث المراد ان النسب لا یرفع لان مدار الدین یوم الجزاء علی التقویٰ و فیہ ایضاً تم اعلم ان مجرد النسب بدو لن کسب المحسب و تعلم العلم و الادب غیر معتبر فی امدان ہب فیہ ایضاً فالمدار علی العلم و التقویٰ لا علی مجرد النسب المقتر فی الدنیا و دن العقبہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نسب اُس دن منقطع ہو جائیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص محض نسب کی بدولت مراتب عالیہ نہ پائیگا کیونکہ قیامت کے دن دین کا مدار تقویٰ پر ہے اور اسی کتاب میں ہے جانا چاہیے کہ محض نسب بغیر علم و فضیلت و ادب حاصل کیے ہوئے مذہب میں مقبر نہیں ہے اور اسی کتاب میں ہے پس مدار علم و تقویٰ پر ہے نہ کہ محض نسب پر جو دنیا میں مقبر ہے نہ کہ عقبی میں اور قیامت کے دن بھائے نسب نبوی کبھی مٹے ہیں جو اس حدیث سے مستفاد ہوئی ہیں کل نسب و سبب منقطع یوم القیمۃ الا سببی و نسبی اخرجہم البزار و الطبرانی و البیہقی و ابو نعیم و المحاکمہ وغیرہم ہر نسب و سبب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا نسب و سبب اسکو بزار و الطبرانی و البیہقی و ابو نعیم و المحاکمہ

وغیر ہم نے روایت کیا ہے اور اس حدیث سے بھی مستفاد ہوتا ہے ان کا نسب منقطع یوم القیامۃ
غیر نسبی و سببی و صہریٰ خرجہ احمد و الطبرانی و الحاکم وغیرہم قیامت کے دن تمام نسب منقطع ہو جائیگا
مگر میرا نسب اور سبب اور دامادی اسکو احمد اور طبرانی اور حاکم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ اسکی تفسیر
دوسری حدیث میں مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بال اقوام یزعمون ان قرابتی
لا تنفع ان کل سبب و نسب منقطع یوم القیامۃ لا نسبی و سببی وان رحمی موصولۃ فی الدنیا و الآخرۃ
اخرجہ البزار و غیرہ حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ نے فرمایا ہے اُن لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ
خیال کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہ دیگی ہر نسب و سبب قیامت کے دن منقطع ہو جائیگا مگر میرا سبب و نسب
اور میری قرابت دینا و آخرت میں ملی رہے گی اسکو بزار وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ایسی ہی دوسری روایت
مفسر ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بال رجال یزعمون ان رحمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
و سلم لا ینفع قومہ یوم القیامۃ بلی وان رحمی موصولۃ فی الدنیا و الآخرۃ و انی ایہا الناس فوطکم
علی الحوض اخرجہ احمد و الحاکم و البیہقی وغیرہم حضور نبی کریم علیہ التَّحِیۃ و التَّسْلِیْم نے فرمایا ہے اُن لوگوں
کو کیا ہو گیا ہے جو خیال کرتے ہیں کہ قرابت رسول اُن کی قوم کو نفع نہ دیگی ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ میرا نسب
دنیا و آخرت میں ملا رہے گا اور اُسے لوگوں میں حوض پر تم لوگوں کے آگے ہونگا اسکو احمد اور حاکم اور بیہقی وغیرہم
نے روایت کیا ہے۔ اسحاصل قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً غیر نافع کہنا اور سادات و عامۃ مومنین کو
من کل الوجہ مساوی سمجھنا تقریظ ہے اور اسکو ایسا نافع سمجھنا کہ باوجود ارتکاب فواحش صرف انتساب
الی البنی کو باعث استحقاق نجات جانتا افراط ہے اس تفصیل سے سوال سوم و چارم کا جواب بھی معلوم ہو گیا
اب اسکی تفصیل کی حاجت نہیں رہی اور جانتا چاہیے کہ نسب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جسکے نفع و بقا کی خبر اخبار
میں وارد ہوئی جب انفرادہ باعث نجات و کرامت بدون انضمام تقویٰ عند اللہ نہوا بلکہ شفاعت محمدیہ
کے زائد استحقاق ہونے کا باعث ثابت ہوا تو نسب صدیقی و علوی یا کسی اور ولی و صالح کا نسب بائفرادہ
کیونکر باعث نجات ہو سکتا ہے اور سوال دوم کا جواب یہ ہے کہ کسی سید کا مرثیہ یا جالت سو خاتمہ و زوال ایمان
اسکا امتناع عقلاً و شرعاً ثابت نہیں ہے اور مطلقاً ہر سید کا جہنم کے عذاب سے نجات پا جانا اور ابتدا و آخرت میں
داخل ہو جانا خصوص معتبر سے ثابت نہیں ہے بلکہ عموماً قرآن اور احادیث اسکے خلاف پر دال ہیں باقی وہ
حیثین جو اسعاف الراغبین میں جو ہر القدرین وغیرہ میں مذکور ہیں جکا مخصوص و مفاد یہ ہو کہ اطمینان و

وسادات کے حق میں حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے نجات کی دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ کر لیا کہ اولاد فاطمہ پر جہنم حرام ہو اور اہل بیت پر عذاب نہ ہو گا وہ سب عام مخصوص البعض ہیں اور صلحا اور متقین پر محمول ہیں یا صرف اولاد صلیبی فاطمہ رضی اللہ عنہا پر محمول ہیں ابن عساکر تنزیہ الشریعہ عن الاخبار الموضوعہ میں یہ حدیث رات فاطمہ احصنتہ فرجہا فخرہا اللہ وذریتہا علی الناز فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی آبرو بچائی لہذا اللہ نے اُنکو اور اُنکی ذریت کو آگ پر حرام کر دیا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ہا یہاں علی بن الحدیث نہیں موضوعا جزوا عند ابن الجوزی نہ قال ان ثبت الحدیث فهو محمول علی ذریتہا الذین ہم اولادہا خاصۃ فان الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة وعلی ذلک حملہ محمد بن علی بن موسیٰ لرضا قفال ہو خاص بالحسن والحسین رضی اللہ عنہما واللہ اعلم وروی لثقیلی عن ابی کریم انہ قال ہذا الحسن والحسین ولما اطاع اللہ منہم یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حدیث ابن جوزی رحمہ اللہ کے نزدیک یقیناً موضوع نہیں ہو کر انھوں نے کہا ہو اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو اُنکی ذریت پر جو مخصوص انھیں کی اولاد پر محمول ہوگی کیونکہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام جو انان جنت کے سردار ہیں اور اسکو اسی پر محمد بن علی بن موسیٰ رضا علیہم السلام نے محمول کیا ہے انھوں نے کہا ہے کہ یہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے ساتھ مخصوص ہے واللہ اعلم اور عقیلی نے ابو کریم رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے لیے ہے اور اہل بیت میں سے اُنکے لیے ہے جو خدا کی اطاعت کریں۔ اور اسی قسم کی حدیثیں بخاری کے فضائل میں وارد ہیں اُنکی نظیر صحاح ستہ وغیرہ کی بہت سے حدیثوں میں مروی ہے جن میں خاصا عمل صالح کرنے والے پر وجوب جنت یا حرمت نار یا دخول جنت یا بارت عذاب نار وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حدیث کی کتابوں کے دیکھنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے پس لازم آتا ہے کہ اُن اعمال صالحہ کے اصحاب بھی اگرچہ سیکڑوں کبار کو بہن جہنم میں داخل نہوں یا وہ لوگ سو خاتمہ سے آمن ہو جائیں اور اُس عمل صالح کی برکت سے جہان سے صادر ہوا ہے سمجھ لیں کہ ہکو خوف نہیں ہے ہمارا خاتمہ خواہ مخواہ بخیر ہو جائے گا اور اُس حدیث کے حکم کے موافق ہکو نجات ضرور حاصل ہوگی حاشا وکلا فقہاء و محدثین و علمائے مشہورین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہو جیسا کہ کتب فقہ و کلام و حدیث کے دیکھنے والے اس سے بخوبی واقف ہونگے سوال اکثر علمائے لکھا ہے کہ میت کی روح ایک چلہ کم و زیادہ اپنے گھر میں بعد ایک سال تک قبری

رہ کر تمام علیین وغیرہ کو جاتی ہے اب قابل دریافت یہ ہے کہ ان علما کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں اور علمائے اہل سنت کا اس باب میں محقق مذہب کیا ہے جواب ظاہر حاویث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبض کے بعد روح علیین کو جاتی ہے روایت ہزار یہ میں ہے فاذا خوت روحہ خضعت علی ذلک المسلسل والرحیان وذہب بہ الی علیین جب ایک آدمی کی روح نکلتی ہے تو اُس کے سامنے مشک اور خوشبو پنا رکھی جاتی ہیں اور وہ علیین میں لیجائی جاتی ہے۔ اور یہ امر کہ ایک چلچکھ میں اور ایک سال قبر پر رہنے علیین کو جاتی ہے ثابت نہیں ہے۔ سوال ابلیس میں قرات قرآن شریف پر قادر ہے یا نہیں جواب جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کتاب لفظ الرحمن فی اخبار الانجاء میں لکھتے ہیں سئل ابی الصلاح عن رجل یقول ان الشیطان یقدر ان یتقرا القرآن ویصلی ہو وجودہ فاجاب ظاہر المنقول ینفی قراءتہم القرآن وقوعا ویلزم منه انتفاء الصلوۃ منہم اذ منہا قراءۃ القرآن وقد ورد ان الملائکۃ لیمطوا فضیلۃ قراءۃ القرآن وہی حویۃ لذلك علی استماع من الاض فاذن قراءۃ القرآن کرانۃ اکرمہ اللہ ہا کانس غیر ان المومنین من الجن بلغنا انہم یقرؤن ابن صلاح رحمہ اللہ سے اُس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کہ شیطان اور اُس کا شکر قرآن شریف پڑھنے اور نماز پڑھنے کی قدرت رکھتا ہے تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ظاہر منقول کے منافی ہے کہ وہ یا اُس کا شکر قرآن شریف پڑھے اور اس سے لازم آتا ہے کہ نماز بھی نہ پڑھے کیونکہ قرات قرآن شریف نماز کا جزو ہے وار د ہے کہ فرشتے قرآن شریف پڑھنے کی فضیلت سے محروم ہیں اور اس وجہ سے وہ انسانوں سے اس کے سننے کے مشتاق ہیں پس قرات قرآن شریف ایک ایسی فضیلت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو نیک شی ہے البتہ یہ کہو یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان جن بھی اسے پڑھتے ہیں سوال۔ اگر کوئی شخص کسی رسول کی رسالت کا ایمان رکھتا ہو یعنی تصدیق قلبی و اقرار لسانی و دون ہوں لیکن بائینہم بوجہ کسی معاملہ دنیوی کے فاصل اسی حیثیت سے اُس رسول کا دشمن ہو جائے اور منفعہ پکرا یا نیراسانی کرے باشندت عداوت اور کثرت غصہ کی وجہ سے اُس رسول کو قتل کرے تو وہ شخص مومن رہے گا یا کافر ہو جائے گا۔ جواب رسول کی عداوت اور اُس کی ایذا رسانی اور اہانت و قتل حقیقت سے ہو موجب کفر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ واعدلہم عندا بامہنا جو لوگ خدا اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے اُس کے لیے سخت عذاب مہیا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نبی اسرائیل سرکش اور اُن کی

نذرت میں ارشاد فرماتا ہے ولقیلون الا نبیاء بغیر حق انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ سوال اعطای منصب نبوت کا طریقہ کسی شخص کے ساتھ اسطورہ پر بھی ہوا ہے کہ ایک نبی کسی شخص کو اپنا خرقہ دے اور محض اعطای فرقہ سے وہ شخص نبی ہو جائے یا کوئی نبی کسی شخص سے یہ کہی کہ میں نے تمکو منصب نبوت عطا کیا اور محض اس کہنے سے وہ شخص نبی ہو جائے یا کوئی نبی کسی شخص سے کہے کہ تم میرے بعد میری نبوت کے حامل ہو اور محض اس کہنے سے وہ شخص بعد اُس نبی کے نبی ہو جائے یا ایک شخص خواب میں دیکھو کہ کوئی کہتا ہو کہ آج سے تمکو منصب نبوت عطا کیا گیا اور محض اس خواب سے وہ شخص نبی ہو جاوے یا کسی شخص کو اعطای منصب نبوت کا القاب ہو اور محض اس القاسے وہ شخص نبی ہو جاوے اگر اعطای منصب نبوت میں یہ طریقہ رہے ہوں فیہا ورنہ شرائط اعطای منصب نبوت بالاستیعاب تحریر فرمائیے جواب حصول مرتبہ نبوت کے یہ طریقہ نہیں ہیں اور نہ ان طریقوں سے کسی کو نبوت ملی ہے بدون اسکے کہ اس کی طرف سے کوئی فرشتہ حامل وحی آئے بعد وہ رسالت و نبوت کی خبر ہو پچائے۔ والد اعلم حررہ الراحمی عفورہ بالقوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاؤ اللہ عن ذنبہ الجلی والنجی [ابو الحسنات محمد عبدالحی] صبح جواب والد اعلم بالعلوب حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم رحمہ اللہ العظیم

کتاب التقلید

سوال جو شخص کہ مذہب کا انکار کرے اور مذہب اختیار کر نہ کرے یا جانے اور لوگوں سے یہ بات کہے کہ میں کتب حدیث کی پیروی کرتا ہوں تو کیا حکم ہے وہ بتدریج ہو یا کافر۔ جواب اصحاب مذہب کیا حضرت امام ابو حنیفہ اور کیا حضرت امام شافعی اور کیا حضرت امام مالک اور کیا حضرت امام احمد حنبل وغیرہم ان مجتہدین نے تدریس مذہب اور استخراج مسائل میں شرع کے خلاف نہیں کیا ہے سب کے مآثر مستندین اور ان سب میں جو اختلاف ہوا ہے وہ محض آیات اور احادیث کے فہم معانی کی وجہ سے واقع ہوا ہے نہ اس سبب سے کہ کسی نے ان سے تعصب کو دخل دیا ہے اور نہ اس وجہ سے کہ قیاس کو شرع پر مقدم رکھا ہو یا حاشا وکلا تمام ائمہ ہدایہ اس سے بڑی ہیں جو انہیں سے کسی ایک کی جانب بھی اس کی نسبت کرے وہ کاذب اور مغتری ہے اور جو بعض متعصب لوگ حنفیوں کو اصحاب الراے لکھتے ہیں تو انکا قول مغتر نہیں ہے اور اس جگہ ایک لطیفہ میرے خیال میں آیا ہے اور وہ یہ کہ راسے پر جو الف لام دخل ہو وہ عمدہ ہے اور مراد اُس سے رائے دقیق ہے پس فی الحقیقت خلفاء الراے میں سے اصحاب الراے الدقیق ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ نے مجمع موسس فی المعجم المفہر میں اس امر کا اقرار کیا ہے کہ قواعد جیسے خفیہ مذہب میں منضبط ہیں ویسی ہمارے مذہب میں منضبط نہیں ہیں۔ اس میں مذاہب مدونہ آیات و احادیث و اجماع و قیاس کے مخالف نہیں ہیں کوئی مسئلہ وہ نہیں ہے جسکی اصل اس چار میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ انصاف فی بیان سبب اختلاف میں تحریر فرماتے ہیں لما مہدوا الفقہ لم تکن مسائلہ من المسائل التي تکلّف فیہا من قبلہم والی وقت فی زمانہم الا وجدوا فیہا حدیثا مرفوعا منضبطا او مرسلًا او موقوفًا صحیحًا او ضعیفًا وحسنًا واثرا من آثار الشیخین اوساثر الخلفاء فیسیر اللہ لہم العمل بالسنة علی هذا الوجه جب لوگوں نے فقہ کو مرتب کیا تو کوئی مسئلہ جس میں اگلے اور موجودہ زمانے کے فقہانے کلام کیا ہو ایسا نہیں ملا کہ اس پر حدیث مرفوعہ یا متصلہ یا مرسلہ یا موقوفہ صحیح یا ضعیف یا حسن یا از آثار شیخین و آثار خلفائین سے کوئی نہ ہو پس خذلنے ان کو اس طرح سنت پر عمل کرنے کی توفیق دی جب بات طریقی ہوگی تو ہم کہتے ہیں کہ مذاہب رابعہ کا شمار کرنے والا اور انکو برا جاننے والا اگر اس وجہ سے انکو بد جانتا ہے کہ وہ شرع کے موافق ہیں تو کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے دین کی امانت کی ہے اور اگر اپنے خیال کے موافق مذاہب رابعہ کو خلاف شرع و خلاف نصوص سمجھ کر برا جانتا ہے تو وہ شخص غلطی ہے اب سمجھنا چاہیے کہ اگر ائمہ مجتہدین نے مسائل کی تحقیق و تدوین جیسی ہے نہ کرتے تو تمام عالم گمراہ ہو جاتا اور کوئی شخص شرع کی علم سے واقف نہ ہوتا کیونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جو ظاہر نصوص سے مستنبط نہیں ہوتے پس ان مذاہب کو برا جاننے والا احسان فراموش ہو اب رہا حدیث کی اتباع کا دعویٰ پس اگر دعویٰ صحیح حسن ضعیف نسخ نسخ کی امتیاز رکھتا ہے اور موافق اگلے محدثین کے آثار و احادیث و آیات کے معانی کی تشریح کی قدرت رکھتا ہے اور اسکے علاوہ ان تمام ضروری علوم میں مہارت کہ کتاب جو مکتب حدیث کے سمجھنے کے لیے لازمی ہیں تو وہ شخص قابل مدح ہو اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ایسے شخص کا وجود مثل عقلا کو معدوم ہے البتہ آٹھویں صدی میں بہت لوگ ان صفات کے پائے گئے تھے اور بعد اسکے نویں صدی میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ خاتم الحفاظ ہوئے پھر دسویں صدی میں بھی بعض علماء مثل ملا علی قاری شیخ عبدالحی محمد دہلوی رحمہما اللہ محدثین کے قدم بقدم ہوئے مگر ان کے مرتبہ کو نہیں پہونچے ان کے بعد سے اب تک کوئی ایسا پایا نہیں گیا جو کما حقہ حدیث صحیح کی حدیث ضعیف سے تفریک کر سکے چاہے کہ ہمیں ہر کتاب و کتابیہ و احادیث و احادیث اس نے مانہ میں محدث اس شخص کو کہتے ہیں جو صحیح ستہ کا درس دے اور مطالب کی حجت عام فہم کرے ان اللہ الخ حسب کشف الظنون علیہ السلام علیہ السلام

مشارق الانوار فان تروقت فی مصابیح البغوی خست انھا اتصل الی درجۃ الحمد ثین وما ذلک الا لجلالہم
 بالحدیث بل لو حفظہما احد عن ظہر قلب وضم الیہما من المتون مثلیہما لم یکن محدثا حتی یلجج الجمل
 فی سم الخیاط وانا الذی یعدہ اهل الزمان بالغالی التہایة وینادونہ محدث الحمد ثین وینکاری
 النصوص اشتغل بجامع الاصول لابن الاثیر مع حفظ علوم الحدیث لابن الصلاح و التقریب للنووی
 مع انہ لیس فی شئ من رتبۃ الحمد ثین وانا الحمد ثین من عرف المسانید و العلل اسماء الرجال و العلل
 و النازل و حفظ مع ذلک جملۃ مستلزمۃ من المتون و سمع الکتاب المسند و مسند احمد و سنن البیہقی و مجمع
 الطبری فی جمیع الی هذا القدر الف جزم من اجزاء الحدیث فہذا اقل درجاتہ ہر اس زمانے کی کوتاہ نظر
 علم حدیث میں مشارق الانوار کے دیکھنے پر منحصر ہیں اور اگر کسی کی نظر مصابیح بغوی پر پڑ گئی تو وہ محدث سمجھا جاتا
 ہے اسکی وجہ یہ کہ لوگ علم حدیث سے ناواقف ہیں اصل یہ ہے کہ اگر ان دونوں کو زیر کر لے اور ان کے ساتھ
 انھیں کے ایسے دو متون اور بھی تب بھی وہ محدث نہوگا جب تک کہ اوٹ سولی کے نلکے میں سے نہ گزر جائے اور
 اور جس نے ابن اثیر رحمہ اللہ کی جامع الاصول دیکھی تو اولین صلاح کا علوم حدیث یا نووی کی تقریب یا دی کی ہو وہ تو
 آجکل کے لوگوں کے خیال میں منتہی ہے اسے محدث الحمد ثین اور اپنے زمانے کا بخاری سمجھتے ہیں حالانکہ محدثین
 میں اسکا کوئی مرتبہ نہیں محدث وہ ہے جو مسانید و علل اسماء الرجال سے واقف ہو اور بہت سے متون احادیث
 اسے یاد ہوں اور کتب ستہ مسند احمد بن بیہقی اور مجمع طبری کی سماعت کی ہو اور بعض لوگوں کے خیال میں انکے
 علاوہ اجزائے حدیث میں سے ایک ہزار جز کی اور بھی سماعت کی ہو یہ محدث کا معمولی مرتبہ ہے غور کرنا چاہیے کہ
 جب علامہ سیکی رحمہ اللہ کے زمانہ کا یہ حال تھا جو دسویں صدی کے پہلے تھا تو اب اس زمانے کا حال کیا لکھا
 جائے۔ اور اس زمانے کے محدثین جو اپنے کو مجدد المذہب جانتے ہیں اور مذاہب حقہ کو باطل خیال کرتے ہیں
 گمراہ کرنے والے ہیں کیونکہ مثلاً اگر کسی مسئلہ خفیہ یا شافعیہ کی سند صحیح مستدرین نہیں پاتے تو کہنے لگتے ہیں کہ امام
 ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس باب میں حدیث کو خلاف کیا ہی اور یہ نہیں جانتے کہ فرج حدیث
 کا انحصار صحاح ستہ پر نہیں ہے کتب احادیث بشمار تصنیف ہیں پس کسی مسئلہ کی سند صحیح مستدرین نہ ملے تو لازم
 نہیں آتا کہ حدیث کی کسی کتاب میں نہ ہو سہو ال جس شخص ذریعہ شرعیہ کے نتیجے کا پتہ مذہب بنالیا ہو
 کیا حکم ہوگی وہ جہود ہو یا نہیں جو اب نتیجہ شرعیہ اگر بقصد تلبی ہو تو بالاجماع حرام ہے مثلاً کوئی خفی
 شرط نکالنے کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اختیار کرے اور اگر شخص شرعیہ کا نتیجہ بقصد تلبی نہ ہو تو کوئی

نہیں ہے اور تنبیح کرنیوالا متبع نہ ہوگا مگر ایسے امور سے عوام روکے جائیں گے البتہ سرپرست کار عالم کو لیے مضائقہ نہیں ہے
 جیسا کہ مولانا بھارالعلوم عبدالحی کھنوی فرنگی محلی قدس سرہ نے شرح مسلم الثبوت میں اور حضرت مولانا شاہ
 ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ازالتہ الخفا عن خلافتہ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں۔ فی البصایح قال رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا واشرءوا واذکروا للعوام
 عن عبدیہ قال درکت من صحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من سبعین فما رایت قوما اھون ہبوطاً
 ولا اقل تشدیداً منھم وعن ابراہیم انہ قال ذاب لعلک فی الاسلام امران فخذ ایسھما وقل الشیعی اذا اختلف
 علیک فی الدین فخذ ایسھما فان ایسھما اقربھما الی الحق ان اللہ تعالیٰ یقول یرید اللہ بکلم الیسر لا یرید بکم
 العسر مصابیح میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین آسانی ہوا اور جو ان پر دین میں سختی کریگا
 مغلوب ہوگا پس مضبوطی و میانہ روی کو اختیار کرو اور خوش رہو اور بغوی نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا
 کہ میں ستر سے زائد صحابیوں سے ملا لیکن میں نے سیر کرنا اختیار نہ کیا اور نہ فرم کیا نہ نہیں کیا اور نہ آئے نہ یادہ پیڑ کم شدت نہ کیا
 کسی کو کیا اور ابراہیم سے روایت ہے کہ بعضوں نے کہا جب تک اسلام میں باتیں ہوئیں تو ان میں سے جو آسان یکم اختیار کرو
 اور شعی رحمہ اللہ نے کہا ہے جب دین میں اختلاف ہے تو آسان بات اختیار کرو کیونکہ آسان بات حق سے قریب
 ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تمپر آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا اور اسی کتاب میں سادہ ولی اللہ صاحب نے فارسی
 عبارت میں لکھا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے تلفظ رخص مذاہب اربعہ جبکہ قرآن حدیث اجماع سلف اور قیاس حلی
 کے مخالف نہ ہو حسن ہوا اور فقہائے متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے بلکہ بعضوں نے فسق کی طرف نسبت
 کی ہے انتہی ترجمہ کلامہ۔ اور حضرت مولانا ولی اللہ کھنوی فرنگی محلی قدس سرہ شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں و
 یخرج ای تستنبط منہ ای من جواز اتباع غیر المقلد الاول کا ہو مختار ابن الصمام من ان تقلید
 مذہب معین لیس بواجب شرعاً جواز اتباع ہر مذهب (ای اخذ ما ہوا ہون علیہ من المذہب)
 فلا یمنع منہ مانع شرعی اذ للانسان ان یسئلک سلئک الاخف علیہ اذا کان لہ ای للانسان ان یرای
 الی الاخف سبیل) ثم بین السبیل بقولہ (یان لم یکن عمل فیہ ای فی ذلک المحل المختلف فیہ
 وبآخر ای بقول آخر مخالف لہذا الاخف وعلیہ الصلاۃ والسلام عجیب ما خفف علیہم مما
 نقل عن ابن عبد البر انہ لا یجوز للعامی تتبع الرخص اجماعاً فاجیب عنہ فی التفسیر شرح القدر بن المنع
 ای ینع صحتہ النقل عنہ ولو سلم فلا نسلم صحتہ دعوی الاجماع اذ فی نفسہ تتبع الرخص علی امام احمد و

فلیف تحقیق الاجماع وحمل بہ منہج ولایت التفسیق بما اذا قصد التقلید کی پہلے تقلید کی تھی اُس کے علاوہ کسی اور کی تقلید کے جائز ہونے سے کہ جیسا کہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ شرعاً کسی خاص مذہب کی تقلید واجب نہیں ہے یہ مسئلہ مستنبط ہو تا ہے کہ جس شخص پر جو مذہب آسان ہو وہ اُس سے اختیار کرے اس میں کوئی تفریق ممانعت نہیں ہے کیونکہ انسان کو وہی مسلک اختیار کرنا چاہیے جو اُس پر آسان ہو جبکہ وہ آسان مسلک کو اختیار کرے بغیر اس طرح مضبوط ہو کہ اس آسان مسلک کے خلاف کوئی بات نہ اختیار کرے جو اُس مسلک میں ہونی کریم علیہ التعمید و التسلیم ہی اُسی کو پسند فرماتے تھے جو مسلمانوں پر آسان ہو تا اور جو ابن عبد البر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عامی شخص کو خاص عریہ کی جستجو کر کے اتباع کرنا جائز نہیں ہے اجماعاً تو اس کا جواب تیسرے سیرج تحریر میں یہ دیا ہے کہ ہم اُن سے پیروی نہیں مانتے اور اگر مان بھی لیں تو دعویٰ اجماع کو صحیح نہیں مانتے کیونکہ مسانید کی جستجو کرنے والے کے فسق میں حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے دور و ایتیم میں تو اجماع کہاں رہا اور بعض فقہاء عرفہ فاسق ہونے کی روایت کو اُس صورت پر محمول کیا ہے جو جب مقصود ہو و لعب ہو رسول ایک شخص جاہل ہے امامون میں سے کسی امام کی تقلید کو بھی اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتا اور تمام ائمہ کو اپنے اعتقاد میں اپنا مقدمہ پیش کرتا ہے اور اپنے زلمے میں جس عالم کو وہ دیندار اور متقی پاتا ہے اُس کے قول پر عمل کرتا ہے ایسے شخص کے مذہب کا کیا حکم ہے جو اب لازم تقلید مذہب معین میں علماء متقدمین و متاخرین مختلف ہیں بعض تقلید مذہب معین کے واجب ہونے کے قائل ہیں علامہ محلی شافعی رحمہ اللہ فرج جمع کچھ اس میں لکھتے ہیں یجب علی العامی وغیرہ من لم یبلغ مرتبة الاجتهاد الالتزام مذہب معین من مذاہب المجتہدین یعتقدہ ارجح من غیرہ او مساویا لدوان کان فی نفس الامر مرجوحاً علی المختار عامی اور اس غیر عامی پر مجتہد نہیں کسی مذہب کو اپنے اوپر لازم کر لینا ضروری ہے جسکو وہ دوسروں پر ترجیح دیتا ہو یا مساوی سمجھتا ہو خواہ وہ درحقیقت مرجوح ہو بر مذہب مختارہ اور علامہ کمال الدین بن ہمام رحمہ اللہ تحریر الاصول میں لکھتے ہیں نقل الامام الاجماع علی منع تقلید العوام لایحی ان المعصاة ومن بعدہم الذین وضعوا دوننا و علی هذا ما ذکرہ بعض المتأخرین من منع تقلید غیر الایمۃ الاربعۃ لانضباط ذلہم و تقلید مساثلہم ولہذا رہنما غیر ہم الی اکابر اسیر امام نے اجماع نقل کیا ہے کہ عوام اعیان صحابہ و تابعین کی تقلید نہیں کر سکتے ہیں اس اسی بنا پر بعض متاخرین لکھتے ہیں کہ اگرچہ اربعہ رحمہم اللہ کے علاوہ دوسروں کی تقلید جائز ہے مگر ان کے مذہب مضبوط اور مسائل قدر میں صحت تک ان کے مثل اور مذہب نہیں ہے۔

اور بعض علماء کثرت و کثرت کے لئے ہر مذہب معین کی تقلید ضروری نہیں ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس مذہب سے چاہے عمل کرے بشرطیکہ کسی مذہب کے استحضات اور تعصب سے خالی ہو اور اگر مذاہب ربیعہ میں سے کسی ایک مذہب کے بھی استحضات اور تعصب کو مسلک بنایا تو ایسا شخص واجباً تعزیر ہے و المذاہب شیخ ابن حباب مختصر اصول میں لکھتے ہیں ولا يرجع عن قول المجتهد بعد تقلیدہ اتفاقاً و فی حکم آخر المختار جوازہ لنا القطع بوقوعہ ولم یسکروا للزم مذہباً معیناً المذہب مالک او الشافعی فقال الثمنا کا لاول کسی مجتہد کو مقلد کو تقلید کے بعد اُس کے اُسی قول سے رجوع کرنا بالاتفاق درست نہیں ہے البتہ کسی دوسرے حکم میں مختار ہے کہ جائز ہے کیونکہ ایسا بکثرت واقع ہوا اور فقہائے کچھ تعرض نہیں کیا پس اگر کسی نے خاص مذہب مثل امام مالک حمہ الدہ کے مذہب یا امام شافعی حمہ الدہ کا مذہب اختیار کر لیا تو ان دونوں کا تیسرا مثل اول کو سب ائمہ میں ہیں مستند فاضل حضرت الملتہ والیرین حمہ الدہ اسکی شرح میں لکھتے ہیں اذا عمل العامی بقول مجتہد فی حکم مسئلۃ فلیس له الرجوع عنہ الی غیرہ اتفاقاً فاما فی حکم مسألۃ اخری قبل مجوزان یقلد غیرہ المختار جوازہ للقطع بوقوعہ فی زمان الصحابۃ وغیرہ فان الناس فی کل عصر كانوا یستفتون المفتیین کیف ما اتفق ولا یلتزمون سوال مفت معین و قد شاع هذا وتکونوا للزم مذہباً معیناً وان کان لا یلزم ففیہ ثلثۃ اقوال اولها یلزم وثانیہا لا یلزمہ وثالثہا نہ کا لاول وهو من لم یلتزم فان وقعت واقعة تقلدہ فیہا فلیس له الرجوع عنہ واما فی غیرہا فیتبع فیہا ما شاء جب عامی کسی مسئلہ میں کسی مجتہد کے قول پر عمل کرے تو بالاتفاق وہ شخص کسی دوسرے امام کے مذہب کی جانب رجوع نہیں کر سکتا البتہ دوسرے مسئلہ میں ہر مذہب مختار اسکو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں ایسا ہوا ہے اس لیے لوگ ہر زمانے میں مفتی سے مسائل پوچھتے تھے اور اس کو لازمی نہیں جانتے تھے کہ ایک ہی مفتی سے پوچھیں اور اس پر عمل کریں اور یہ عام طور پر شایع تھا اور بکثرت واقع ہوا ہے اور اگر کوئی شخص کسی خاص مذہب کو لازم کرے تو اُس کے متعلق تین قول ہیں (۱) کسی خاص کی اتباع اُس پر لازم ہے (۲) کسی خاص کی اتباع اُس پر لازم نہیں (۳) ایسی شخص کا وہی حکم ہے جو عامی کا ہے یعنی اگر کسی واقعہ میں اُس نے کسی مجتہد کے قول پر عمل کیا تو دوسرے کو مکلف رجوع نہیں کر سکتا البتہ دوسرے مسائل میں جسکی چاہے پیروی کرے اور مولانا ولی اللہ لکھنوی فرمائی محلی رحمہ اللہ شرح مسلم الثبوت میں تحریر فرماتے ہیں ویجوز تقلید المفضل مع وجودہ افضل فی العلم عند الاکثر وقیل ہم اکثر الخباہلہ واختارہ ابن الحاکب وتبعہم المصنف وحکی عن احمد انہ یحب النظر فی الارحام وهو

المتخار عن الامامینہ هل یقلد المقلد غیر من یقلد بہ اولاً فی غیر ما عمل بہ الا المتخار عنہما علم
بالاستقرار من استقراہم ای المستفتین فی کل عصر من زمن الصحابہ مرۃ واحدة من المجتہدین
ومرۃ واحدة من غیرہم ولو التزم ذہباً میناً فهل یلزم الاستمرار علیہ فقیل نعم حتی شد بعض
المکلفین وقالوا الخفف اذا ترک مذہباً ما مد یغزو الحق انہ تعصب لا دلیل علیہ اصلاً وانما هو تشیع
من عند نفسه فقیل لا قال فی التیسیر شرح التحریر هو الاصح اذ لا وجب الا ما اوجبه الله وبالجملۃ
لا یجب تقلید مذہب معین بل جاز الاستقال لکن لا بد ان لا یکون ذلك علی قصد التلہی توہین کبار
المجتہدین فضیلت رکعہ والے کے ہوتے ہوئے کم فضیلت رکعہ والے کی پیروی کرنا اکثر کے نزدیک جائز
ہو اور کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اکثر جلیلہ ہیں اور اس مذہب کو ابن حابطہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا بلواؤ مصنف رحمہ اللہ
نے بھی انکی پیروی کی ہو اور امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہو کہ ارجح پر نظر کرنا واجب ہو اور اسی مذہب کا امامینے
اختیار کیا ہے اور ایک امام کا مقلد پر مذہب مختار اسکے سوا دوسرے کے بھی تقلید کر سکتا ہو کیونکہ استقراء سے یہ
بات ثابت ہو کہ صحابائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے لیکر اب تک ہر زمانے میں مستفتی کبھی ایک مجتہد
اور کبھی دوسرے سے سوال کرتے تھے اور اگر کوئی شخص خاص مذہب کو اختیار کر لے تو اس پر اسی مذہب کا اقترا
بعض لوگوں کے نزدیک ضروری ہے حاکم بعض اس کے قائل ہیں کہ حقی جب اپنے امام کے مذہب
کو ترک کر دے تو اسے تفسیر کیجائے گی حتیٰ کہ یہ ہو کہ یہ تعصب ہی پر کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ خود اپنی بنائی ہوئی
بات ہو اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے اور تیسرے شرح تحریر میں ہے کہ یہی راجح ہو کیونکہ واجب ہی
ہے جسے خدا واجب کر دے حاصل کسی معین مذہب کی تقلید واجب نہیں ہو بلکہ ایک سے دوسرے کو واجب
منتقل ہو سکتا ہے لیکن یہ ضروری ہو کہ ایسا بقصد لو وجب تو ہیں مجتہدین نہ ہو اور ایسا ہی بجا العلوم مولانا
عبد العلی رحمہ اللہ شرح مسلم الثبوت اور شرح تحریر میں لکھتے ہیں اور عدم وجوب تقلید مذہب معین کو شرعاً حقیق
کرتے ہیں اور اس باب میں تحقیق یہ ہو کہ ایسے مسائل سے عوام رو کے جائیں گے خصوصاً اس زمانے کے
عوام جنکو سوا اسکے کہ کسی مذہب کی تقلید کریں کوئی چارہ نہیں ہو اور اگر یہ لوگ اختیار مذہب وغیرہ
میں مختار کر دیں جائیں تو بڑے بڑے فتنے برپا ہو جائیں جیسے نافرمان لوگ ایسے کہا رخصت حضرت امام ابو حنیفہ
رحمہ اللہ تعالیٰ کو حق میں زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان مذہب سے کچھ کام نہیں ہو
کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پرے ہو کافی ہیں لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ ان مذہب کی تقلید پر

نصوص ہو کیونکہ اگر تعالیٰ فرماتا ہو فاسئلوا اهل الذکر ان یکنتم لا تعلمون اگر تم کو نہ معلوم ہو تو اہل ذکر سے دریافت کرو یا اور یہ لکل ظاہر ہے کہ اس جابل نے جس عالم کو اپنا مقتدا بنایا ہو اگرچہ وہ عالم انقی ہو مگر پھر بھی ایسے سابقین و سلفین سے جو بعد تعالیٰ انھیں اس سے بدرجہا افضل ہو گئے علامہ فخر الدین رطبی رحمہ اللہ نے فرس کفر میں اور شیخ الاسلام ابن کثیر نے بھی جملہ فقیرانہ تصریح کی ہے کہ احکام بتبدل بتبدل الا زمانہ احکام زمانے کے تغیر سے بدلتے ہیں۔ اور اس بات پر وہ روایت شاید ہو جسکو ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہو لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حدثت النساء عنہن من المساجد کما منع النساء بنی اسرائیل اگر رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانے میں وہ باتیں ہوتیں جو اب عورتوں نے نبی اکالی زمین تو آپ ان کو مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ اور اسوجہ سے صاحب ہدایہ اور شمس الایہ بشری رحمہما اللہ تمام فقہائے حنفیہ وشافعیہ نے مواضع متعددہ میں تنقیح مسئلہ کے بعد لکھا ہو لیکن ہذا مالا یفتی بہ الناس لیکن اسپر لوگ قوی نہیں دیتے ناظر کتب فقہ پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہو پس اگرچہ مختار اور اصح محققین کے نزدیک عدم وجوب اختیار مذہب معین ہو مگر فی زمانہ عوام کے فتوے کے لیے یہی مختار ہو کہ مذہب معین کی تقلید واجب یا تحسن کسی جائے جیسا کہ بعض ایسی قائل ہیں اور ہرگز عوام اس سے واقف نہ کیے جائیں کہ محققین کے مذہب معین کا اختیار کرنا واجب نہیں ہو البتہ عالم ماہر متقی مہندس جو تعصب سے خالی ہو اگر اپنے مختار کو اختیار کرے تو یہ اسکے لیے اولیٰ اور احسن ہو عارف ربانی عبد الوہاب شرانی رحمہ اللہ مہر ان میں لکھتے ہیں کان سیدی علی الخواص اذا سألہ الناس عن التقليد بذهب معین الا ان ھل ھو واجب ام لا یقول لیجب علیک التقليد بذهب ما دمت لم تصل الی علین شہود الشریعۃ فھناک لیجب علیک التقليد بذهب لانک تری اتصال جمیع المذاهب لھا سیدی علی خواص رحمہ اللہ جب کوئی کوچھتا کہ اچھل کسی مخصوص مذہب کی تقلید واجب ہے یا معین تو وہ جواب دیتے کہ تمہر اس وقت تک واجب ہے جب تک تم ایسے مرتبہ پر نہ پہنچ جاؤ جس سے شریعت کا معائنہ کرنے لگو اور جب تم ایسے مرتبہ پر پہنچ جاؤ گے تو تمہر کسی خاص مذہب کی تقلید واجب نہ رہے گی کیونکہ تمام مذاہب شریعت تک پہنچنا چاہتے ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ القوی حجتہ اللہ الباقیہ میں تحریر فرماتے ہیں ھذہ المذاهب کالجمۃ المدونۃ المحررة قد اجمعت کلامۃ علی جواز تقلید ھا الی یومنا ھذا و فی ذلک من المصلح ما لا یحصى لاسیما فی ھذہ الا یام التي تضررت الھمجد او اشربت المنقوس الھوی و اعجب کل ذی ذی برأید و

ماذہب بن خرم بن التقلید حرام فظاہر چاروں مذہب حکی تمدن ہو چکی ہے اور جو کتابوں میں لکھے ہیں ان کی تقلید کے لئے ہر امت محمدی نے اس وقت تک جراع کیا ہے اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو ظاہر ہیں خصوصاً آنجل کہ تین کوتاہ ہیں اور نفوس پابند حرص و ہوا ایک اپنی رائے کو پسند کرتا ہے اور جو ابن خرم رحمہ اللہ تقلید کے حرام ہونے کے قائل ہیں وہ غلط ہے یہ مستحکم کہتا ہے ابن خرم کے اس قول کے متعلق حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ القوی حجتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حکم ان لوگوں کیلئے ہے جو اجتہاد پر قدرت رکھتے ہوں اور ایسے لوگوں پر بلاشبہ تقلید حرام ہے واللہ اعلم امتی اور عقد المجید فی احکام التقلید میں ہے۔ اعلیٰ ان الاخذ بهذه المذاهب الاربعة فضیحة عظيمة وفي الاعراض عنها مفسدة عظيمة ومن نین لك بوجوه احد ها ان لا تاجمعت علی ان یعتدل واعلی السلف فی معرفة الشریعة قال یعون اعتدل واعلی الصحابة وتبع التابعین اعتدل واعلی التابعین وهكذا اعتمد العلماء فی كل طبق من قبلهم والقبول یدل علی حسن ذلك واذا تعین الاعتماد علی قایل السلف فلا بد ان تكون قایلهم التی یعتدل علیها مرویة باسناد صحیح او مدونہ فی کتب مشہورہ و لیس مذہب من المذاهب بهذه البصۃ الا هذه المذاهب الاربعة اللهم الا مذہب الامامية والزيدية وهم البید علیہم لا يجوز الاعتداد علی قایلهم وثانیہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الا عظمتھم ولما ائذرت المذاهب الحق الا هذه الاربعة کان اتباعها اتباعا للسواد الا عظمتھم ان مذہب رابع سے انکار کرنے میں ایک طبعی مصلحت اور ان سے اعراض کرنے میں ایک سخت خرابی ہے یہ ہم سکو متعدد طریقوں سے بیان کرتے ہیں (۱) امت کا اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ غریبیت کے جاننے کے متعلق متقدمین پر اعتماد کرنا چاہیے تابعین نے صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین رحمہم اللہ و رضی اللہ عنہم اجماع پر اعتماد کیا ہے اور ہر زمانے کے علمائے اپنے اسلاف پر اعتماد کیا ہے اور کسی مرکز قبول کر لیا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر اچھا ہو پس جب قوال سلف پر اعتماد ثابت ہو گیا تو یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے اقوال میں پر اعتماد کیا گیا ہے یہ روایت صحیح مروی ہوں اور کتب مشہورہ میں جمع ہوں اور ان چاروں مذہب کے سوا کوئی اور مذہب ایسا نہیں ہے البتہ مذہب امامیہ و زیدیہ کے متعلق کہا جاتا ہے لیکن یہ لوگ بدعتی ہیں ان کے اقوال پر اعتماد ہی ناجائز ہے (۲) حضور سرور دنیا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا جو جمع کی اتباع کرو امتی ہیں جب ان چاروں مذہب کے سوا تمام مذہب ختم ہو گئے تو انہیں کی اصل جمع کی اتباع مروی ہے اور انسان فی سبب الاختلاف بین ہر اعلیٰ ان

کا نوا فی المائۃ الاولى والثانیۃ غیر مجتہدین علی تقلید مذہب معین و بعد المائتین ظہر فہم التملک
 و قل من کان لا یتقدم علی مذہب مجتہد بعینہ و کان هذا هو الواجب فی ذلک الزمان فان قبل کیف یكون
 شئ واحد واجباً فی زمان و غیر واجب فی زمان مع ان الشرع واحد قلت الواجب الاصلی ہو تقلید
 من یعرف الاحکام الفرعیۃ عن اولیہا التفصیلیۃ اجمع علی ذلک اهل الحق فاذا کان للواجب طرق متعددہ
 وجب تحصیل طریق من الطرق من غیر تمیین و اذا کان لہ طریق واحد تعین ذلک الطريق بخصوصہ کما
 کان السلف لا یکتبون الحدیث ثم صار فی یومنا ہذا کتابۃ الحدیث واجبۃ لان روائۃ الحدیث لا سبیل لہا
 الا معرفۃ ہذہ الکتاب و کان السلف لا یشتغلون بالنحو والصرف واللغۃ لان لسانہم کانت عربیۃ ثم صار فی
 یومنا ہذا معرفۃہا واجبۃ فاذا کان انسان جاہل فی بلاد الهند وما وراء النہر بلسان ہذا شافعی کمالہ
 ولا حنبلی ولا کتب ہذہ المذاہب وجب علیہ ان یقلد ہذا مذہباً فی خفیۃ و یحرم علیہ ان ینخرج من مذہبہ
 بخلاف ما اذا کان فی الحرمین لانہ یتلیر ہناک معرفۃ جمیع المذاہب پہلی اور دوسری ہندی میں لو کہ
 اجماع کسی خاص مذہب کی تقلید کرنے پر نہ تھا اور دوسریوں کے بعد لوگ مذاہب اختیار کرنے لگے اور ایسے کم رہ گئے
 جو کسی خاص مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں کیونکہ اُس زمانے کے مناسب یہی تھا اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک چیز
 ایک زمانے میں واجب اور دوسرے میں غیر واجب کیونکہ ہو سکتی ہو جبکہ شریعت ایک ہو تو اسکا جواب یہ ہو کہ واجب
 پہلی ایسے شخص کی تقلید ہے جو احکام کو اولہ تفصیلیہ سے تفرع کر سکتا ہو اہل حق نے اس پر اجماع کیا ہے اور واجب
 کے متعدد طریقے ہوں تو کسی ایک طریقہ کو بلا تعین حاصل کرنا ضروری ہو گا اور جب ایک ہی طریقہ ہو تو اسی کا حاصل
 کرنا واجب ہے جیسا کہ سلف حدیث کو نہیں لکھتے تھے لیکن ہمارے زمانے میں حدیث کا لکھنا واجب ہے کیونکہ روایت
 حدیث کا بجز ان کتابوں کے دیکھنے کے اب کوئی طریقہ باقی نہیں اسی طرح اگلے صرف و نحو اور لغت میں وقت میں
 صرف کرتے تھے کیونکہ انکی زبان ہی عربی تھی لیکن آج کل انکا جانتا واجب ہے تو اگر بلاد ہند اور ماوراء النہر میں
 کوئی شخص جاہل ہو اور وہاں کوئی شافعی مالکی اور حنبلی نہ ہو اور نہ مذاہب کی کتابیں ہو تو اس پر
 امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور ان کے مذہب سے مکمل جانا حرام ہے جو
 بر خلاف اُس کے جو حرمین شریفین زاو امہ شرفیہ میں ہو کیونکہ وہاں تمام مذاہب کا حاصل معلوم ہونا آسان ہے خلاصہ
 یہ ہے کہ جو جاہل شخص کسی مذہب کی تقلید کو لازم نہیں سمجھا اور کسی متدین عالم کے قول پر عمل کرتا ہے اگر وہ شخص تعصب
 اور استخفاف میں اطمینان پر ہو مگر جہل میں ہو اور جس عالم کے قول پر عمل کرتا ہو وہ عالم بھی مسائل کی تحقیق میں

ہمارے رکھنا ہوا تو تعصب نہ ہوا و کسی مجتہد پر طعن نہ کرتا ہو تو وہ عدم التزام مذہب معین کا حجاز پر گزرنے پر آمنا نہ اسکا
 عالم نظر آتا ہے نہ ایسا جاہل الا ماشاء اللہ۔ سوال ایک خفیہ الذیہب تقلید خفیہ کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ
 جائزہ کتابی اور نماز میں شرائط ارکان و سنن خفیہوں کے موافق ہونا ہوا اور زمین باجمہر کے واسطے کوئل
 مسنون کا عامل کتابی تو ایسے شخص کی پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں اور زمین باجمہر کے واسطے کوئل
 مسجد سے نکلنا اور ایسا کیسا ہے جو اب جو از تقلید خفیہ کا عقیدہ محققین مذہب کے رافق اور علامہ بحر العلوم
 مولانا عبدالحی اللکھنوی فرنگی محلی خفی رحمہ اللہ القوی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں لا یجب الاستمرار فیہ
 الاتقال و هذا الحق الذی یشیع ان یؤمن و یتقصد بہ بیشہ ایک ہی شخص کا مقلد رہنا واجب نہیں
 ہے بلکہ ایک مذہب کو چھوڑ کے دوسرا مذہب اختیار کر لینا جائز ہے اور یہی درست ہے اسباب ان لانا چاہتے
 اور اسکا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ اور علامہ ابن ہمام خفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں لو التزم مذہباً عیناً کابی حنیفۃ
 والشافعی رحمہما اللہ فقیل یلزم وقیل لا و هو الاصح اگر کسی خاص مذہب کو لازم کر لیا مثلاً امام ابو حنیفہ و امام
 شافعی رحمہما اللہ کا مذہب تو بعضوں کے نزدیک اس مذہب کی تقلید واجب ہے اور بعضوں کے نزدیک نہیں
 اور یہی صحیح ہے اور علامہ شرنبلالی خفی رحمہ اللہ نے عقداً لفرید میں لکھا ہے یس علی الالتزام مذہب معین
 لازم کر لینے سے کوئی خاص مذہب لازم نہیں ہوتا ہے اور یہی علامہ محمد عبد العظیم خفی نقی کہ و شاہ ولی اللہ
 محدث دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و امیر حاج و سید بادشاہ و قاضی ابو عاصم رحمہم اللہ کا مختار ہے
 جنکا شمار کبار مشائخ احناف میں ہے پس جبکہ اسکا عقیدہ متقدمین و متاخرین حنفیہ رحمہم اللہ کے موافق ہوا
 اور خفی مذہب رکھتا ہے اور نماز میں شرائط ارکان اور سنن احناف کی رعایت کرتا ہے تو ایسے شخص کے
 پیچھے نماز پڑھنا بلا خلاف جائز ہے بلکہ اعلیٰ قاری رحمہ اللہ الامتداری فی الاقدار میں لکھتے ہیں ذہب عام متمشخناً
 الی الجوانب اذا کان محتاطاً فی موضع الخلاف والاقل والا المعنی انہ یجوز فی المراسی بلا کراہۃ و فی غیرہا
 ثم الموضع المتعلق بالامان ان یتوضأ من الفصد والجمامة والقی والرعاف و خوفات کایا ہونہ
 عندہ مکروہ عندنا کرع البندین فی الاتقالات و جہل البسلۃ و انخاضھا فہذا و امثالہ لایمکن الخروج
 عن عہد الخلاف فکلہم یتبع مذہبہ ولا یمنع مشربہ ہمارے عام متمشخخ رحمہم اللہ جواز کے جانب گئے
 ہیں جبکہ مختلفہ موقوفین اعتیاد کرے و نہ نہیں مطلب یہ ہے کہ محتاط کے لیے بلا کراہت جائز ہے اور دوسروں
 کے لئے مع الکراہت اور ایسے مواقع جن میں تہمت کا خوف ہو اور احتیاط واجب ہے یہ میں قصد لینے پر چھنے

لگائے کرتے ناک سے خون نکلنے سے مریض ہو کر اُن باتوں میں کہ جو اُن کے نزدیک سنت اور ہمارے نزدیک مکروہ ہیں مثلاً انتقالات کے وقت برقع میں اور لیسلم الدوزور سے یا دھیرے سے کہا بیٹھے یہ اور انکے مثل اور امور خلاف سے منع جانا دینیۃً ایسا طریقہ رکھنا جو دو وزن نہ اسی پر صحیح ہو ناممکن ہو ان امور میں ہر ایک اپنے مذہب کی اتباع کرے وہ اپنے مذہب سے نہ روکا جائیگا۔ اور مولانا خیر الدین رحیمی رحمہ اللہ حاشیۃ اشباہ میں لکھتے ہیں

الذی یبیل الیہ خاطرہ القبول بعدہم لکوا ہذا اذالم یحقق منہ مفسد کذا فی الشافعی میراول سے قبول کرتا ہو کہ جب اس میں کوئی خرابی نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے یہ شافعی میں ہے۔ اور قول سدیدین ہے

یحیو صلوة المسلمین بغيرہم خلف بعض کما کان للعصابة بنی اللہ عنہم والتابعون ومن بعدہم من لا یحیو الا ربعة رحمہم اللہ یصلی بعضہم خلف بعض مع تنازعہم فی ہذا المسائل المذكورة وغیرہا ولم یقل احد من السلف انہ لا یصلی بعضہم خلف بعض ومن انکرو ذلک فهو مبتدع مخالف للکتاب والسنة واجماع سلف الامة وایمتہا وقد کان فی العصابة والتابعین ومن بعدہم من یقرء البسملۃ ومنہم من لا یقرأھا ومنہم من یجہر بها ومنہم من لا یجہر بها بعض مسلمانوں کے پیچھے بعض کی ناز جائے ہو جیسا کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگ یعنی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ وغیرہ ایک دوسرے کے پیچھے ناز پڑھتے تھے باوجود کہ ان مسائل اور دوسرے مسائل میں یہ لوگ مخالف تھے اور آپس میں تنازع تھا اور سلف میں سے کوئی اسکا قائل نہ تھا کہ ایک دوسرے کے پیچھے ناز نہ پڑھیں اور جو اسکا انکار کرے وہ بدعتی گمراہ اور مخالف کتاب و سنت واجماع سلف ائمتہ وایمہ ہے صحابہ و تابعین و متاخرین میں سے بعض بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے اور بعض نہ پڑھتے تھے اور بعض زور سے نہیں پڑھتے تھے۔ پھر کئی سطروں کے بعد کہا

ومع هذا اتکان بعضهم یصلی خلف بعض مثل ما کان ابو حنیفۃ واصحابہ والشافعی وغیرہم یصلون خلف ائمتہ المذنبۃ من الممالکۃ وغیرہم وان کان لا یقرؤن البسملۃ لاسر ولا جہل وھکذا فی حجتہ اللہ البالغۃ اور باوجود کہ لوگ ایک دوسرے کے پیچھے ناز پڑھتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ اور انکے صحابہ اور امام شافعی وغیرہ سب لوگ مالکی اماموں کے پیچھے ناز پڑھتے تھے اگرچہ وہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ زور سے نہ آہستہ الیسا ہی حجتہ اللہ البالغۃ ہے اور قول عدم جواز ائمتہ بعض خلافات اور اگر اسی ہر فرقہ ائمہ میں ہو الصلوۃ خلف کی بدو فاجر من المؤمنین جائزۃ ناز ہر نیک اور بد مسلمان کے پیچھے جائز ہے۔ اور ملا علی قاری رحمہ اور اسکے تحت میں لکھتے ہیں فمن ترک الجمعة والجماعة خلف الامام الفاجر فهو مبتدع عند اکثر العلماء الصیح انہ یصلیہا ولا یصلیہا جس نے

جماعت اور جمعہ کو امام فاجر کی امامت کی وجہ سے چھوڑا وہ بدعتی ہو اکثر علماء کے نزدیک اصح یہ ہے کہ نماز اُس کے پیچھے پڑھے اور اُس کا اعادہ نہ کرے۔ اور پھر فقہی سے نقل کیا ہو مثل ابو حنیفہ رحمہ اللہ عن مذہب اہل السنۃ والجماعۃ فقال کذا او کذا وان فصل خلف کل برو فاجر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب کیا ہے تو انھوں نے مسائل بیان کر کے فرمایا اور یہ کہ ہر ایک نیک اور برکے پیچھے نماز پڑھے۔ اور شرح حقائق میں ہے یجوز الصلوۃ خلف کل برو فاجر لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا الخ ولان علماء الامۃ کالوا یصلون خلف الفسقة و اہل الاہواء والبذع من غیر نکیہ و ہر نیک و برکے کے پیچھے نماز جائز ہے اس لیے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے فرمایا ہے صلوا الخ اور علماء امت بقولہ اور اہل اہوا و بدعت کے پیچھے بغیر کسی ناگواری کے نماز پڑھتے تھے۔ اور اسکے حاشیہ میں ہے خلافا للشیعۃ فاما قد اشتروا الصمت فی الامۃ الصغریٰ کما فی الکبریٰ والخارج ایضا فان الکافر عند ہم فاجر شیعہ کے خلاف ہیں کیونکہ انھوں نے امت مغریٰ میں ویسی ہی عصمت کی شرط لگائی ہے جیسے امت کبرے میں اور خوارج بھی اسکے خلاف ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک کافر فاجر ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ امام اعظم رحمہ اللہ اور قاضی اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ ہر مومن کے پیچھے نماز جائز ہے اور جو شخص جمعہ و جماعت امام کے فاجر ہونے کی وجہ سے ترک کرے وہ مبتدع اور گمراہ ہے اور شیعہ اور خارجی کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ اختلاف شیعہ خارجی کا امام کو بدعتی کی تقدیر پر ہے اور جب امام نیک ہو جیسا کہ سوال سے ظاہر ہوتا ہے تو اس میں کسی اہل قبلہ کا اختلاف نہیں ہے جس شخص اس بات کا قائل ہو کہ شخص مسئول کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں وہ خود گمراہ ہے۔ اور مومن کو مسجد سے روکنا خصوصاً فعل مشروع کے سبب سے بڑا گناہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم فرماتا ہے ومن اظلم من منع مساجداً ان یدل کو فیہ اسمہ وسعی فی خواہا اولئک ما کان لہم ان یتوبوا الا خائفین لہم فی الدنیا خزی ولہم فی الآخرۃ عذاب عظیم اُس سے زائد ظالم کون ہے جو خدا کی مسجدوں میں اس امر کو روک دے کہ اُن میں خدا کا ذکر کیا جائے اور اُن کی دیرانی کی کوشش کرے انکو مسجدوں میں داخل ہونا چاہیے مگر ڈرتے ہوئے اُن کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی الی رحمۃ ربہ الرحیم ابو محمد الدین محمد ابراہیم غفرلہ ولوالدیہ۔ واقعی ایسے شخص کے پیچھے نماز بلا کر ہت جائز ہے اور جو شخص مذکور کی اقدار کو ناجائز کہے وہ محضی ہے اور آمین پکار کے کہنے والے کو صرف اس عمل کی وجہ سے مسجد سے نکلوا دینا بدعت نہیں واللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ والی الرب حکیم فی الواقع جمعہ

اس بات کی تفصیل فقہ اس حدیث کے آخر میں ملے گا

حنفی تقلید شخصی کو واجب نہ جانتا ہو اور اگر کان وغیرہ موافق حنفیہ کے اور اگر تاہو اور آمین یا بھر کہنے کو مستحب سمجھتا ہو اس کے پیچھے ناز یا کراہت جائز ہو اور اس شخص کے عدم جواز امامت کا حکم کرنا ضلالت ہو اور اس علم حرہ الراعی عفورہ القدوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجا وزائد عن ذنبہ اجمالی و انحنی **سوال** زید کو عمر و دعو کا دیکے اپنے گھر کے اندر لگیا اور چند آدمیوں کو بلا کے زید سے اسکی بی بی کو جبراً تین طلاقیں دلو امین بلکہ عمر و کے مددگار اور عمر و لاٹھی لیکر آمادہ ہوئے کہ اگر ذرا طلاق دینے میں انکار کیا تو ہم فوراً تمھو مار ڈالیں گے جب وہ طلاق دے چکا تو عمر و اور اس کے مددگاروں نے اسکی جان چھوڑی چونکہ زید اور اسکی بی بی میں محبت بہت تھی اب جدائی از حد شاق ہو لہذا ضرورت بہ تقلید مذہب شافعی نکاح جائز ہو یا نہیں جواب ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید درست ہے **سوال** (۱) مسلمان ہونے کے لیے حنفی یا شافعی وغیرہ ہونا خدا اور رسول نے شرط کیا ہو یا نہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ عنہم یا اماموں کے وقت میں لوگ حنفی یا شافعی وغیرہ کہلاتے تھے یا نہیں اور اماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے کو کہا ہو یا نہیں اور حضور سرور انبیاء علیہ التعمیۃ والثناء کے بعد کئی سو برس تک مسلمان لوگ ایک امام خاص کی تقلید نہیں کرتے تھے اور وہ مسلمان غیر مقلد اصحاب اور تابعین اچھے سچے مسلمان تھے یا انکے بعد کے مقلدین حنفی شافعی کہلانے والے حدیث اور قرآن کے عامل سے ناراض ہونے والے اچھے ہیں اور نبی کریم علیہ التعمیۃ والتسلیم نصیابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کو اچھا کہا ہو یا نہیں اور اس کے بعد کے زمانے میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہو یا نہیں (۲) اگر بادشاہ کسی ایک امام کا مقلد ہو اور کوئی مسجد بنائے تو مسجد بنانے والے کی ملکیت میں باقی رہتی ہو یا نہیں اور ہر مسجد میں ہر مسلمان ایک وقت میں ایک جماعت سے اپنے مشروع طریقے سے نماز پڑھنے کا مستحق ہو یا نہیں (۳) جو شخص قرآن و حدیث کے موافق نماز پڑھے اور ہر سال میں ایک امام خاص کا مقلد نہ ہو اور سب اماموں پر ابرہہ برحق جان کر جس مسئلہ کو حدیث کے موافق سمجھے اس پر عمل کرے تو وہ مسلمان نہی ہو یا نہیں (۴) نماز میں آمین یا بھر کہنا حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کا فعل اور قول ہو یا نہیں اور یہ اسلام کی بات ہو یا کفر کی اور اخلاف کے کتب اور صحیح حدیث سے ثابت ہو یا نہیں اور فی فعل مسلمانوں کا قدیم ہو یا نہیں (۵) خفیون کی کسی کتاب میں آمین یا بھر کہنے والے یا اس کے ساتھ کے نماز والوں کی ناز کا ٹوٹنا یا اور کسی قسم کا حج اور نقصان ہونا انکے امام نے لکھا ہو یا نہیں (۶) آمین یا بھر سے ناراض ہونا مسلمانوں کا

فعل ہو یا یہودیوں کا حدیث سے کیا ثابت ہو اور کسی امام یا عالم کے قول سے قرآن اور حدیث پر غلط کرنا یا
 اور جو شخص نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم کے حکم کو معیوب سمجھ کر خود عمل نہ کرے اور عمل کرے واسطہ کو بڑا جائز دہ
 ان رو سے قرآن و حدیث کے کون ہو اور امور مذہبی میں قییم نہ در واج کو دخل ہو یا نہیں اور اگر کو
 نور سے آمین کئے والا شخص آہستہ آمین کئے والے خفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہو یا نہیں (۸)
 اگر کسی شخص کو کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے سے یا اور کسی طرح یا دالکی سے روکے تو روکنے والے کو ان کی
 نے بڑا ظالم اور اسکے واسطے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب سخت کا حکم کیا ہو یا نہیں۔ (۹) کسی
 حاکم کا یہ حکم کہ مسلمان لوگ مسجد میں نماز کے اندر آمین بالجہر نہ کہیں امور مذہبی میں دست اندازی جو یا نہیں
 اور آمین بالجہر کئے والوں کا اس اتنا سعی حکم سے دینی نقصان ہو یا نہیں اور مسجد میں ہر مسلمان کے لیے
 اسکے اور پر نماز پڑھنے کی عام اجازت ہے یا نہیں جواب (۱) مسلمان ہونے میں خفی وغیرہ ہونا شرط نہیں
 کیا گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب اکرام کے وقت میں مسلمان لوگ خفی شافعی وغیرہ کو نام
 سے موم نہ تھے اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہو اس طبیبین ب خلاف قرآن حدیث نمو
 زمانہ صحابہ اور زمانہ تابعین کے مسلمان ان لوگوں سے اچھے تھے جو عامل متدین قرآن و حدیث سے ناراض
 ہیں اور حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوۃ نے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین
 کے زمانے کو اچھا کہا ہو اور پچھلے زمانے میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہو (۲) مسجد بنانے والی کی ملکیت
 میں مسجد نہیں رہتی اور اس میں سب مسلمان بطور شرع نماز ادا کر سکتے ہیں اور ایک وقت اور ایک جماعت
 سے بھی پڑھ سکتے ہیں البتہ ایک مسجد میں ایک وقت میں دو جماعتوں سے نہیں پڑھ سکتے (۳) مذہب
 رسول شخص مسلمان سنی ہو بشرطیکہ قرآن اور حدیث پڑھنے کی قابلیت رکھتا ہو اور اسکو تخریب دین منظور نہ ہو
 (۴) آمین بالجہر کہنا حضرت سرور انبیاء علیہ التیمۃ والتسلیم کا فعل ہو اور یہ اسلام کی بات ہو اور حدیث صحیح
 سے ثابت ہو اور خفی بھی اس مضمون کو کہتے ہیں مگر اختلاف ہو اور بہت سے قدیم مسلمانوں کا فعل
 ہو (۵) آمین بالجہر کئے سے کئے والے یا اسکے ساتھیوں کی نماز کا ٹوٹنا یا نقصان وغیرہ ہونا خفیوں کی
 کسی مقبر کتاب میں نہیں ہو (۶) باوجود علم اس امر کے کہ آمین بالجہر کہنا فعل نبوی ہو اس سے ناراض
 ہونا مسلمان کا کام نہیں ہو اور حدیث کا حال وہ بیان ہو چکا اور امام یا عالم کا جو قول یقیناً قرآن اور
 حدیث کے خلاف ہو اس پر عمل کرنا اور قرآن و حدیث کو چھوڑنا مسلمان کا فعل نہیں ہو اور جو شخص حضور

سرور نبیا علیہ السلام کے حکم کو باوجود اس جاننے کے کہ یہ حکم نبوی ہے معیوب سمجھے وہ مسلمان نہیں ہے اور عالمون کو بڑا جانتا درست نہیں (۷) امور و احکام مذہبی میں رسم و رواج کو دخل نہیں ہے اور زور سے آمین کہنے والا اگر اسکو اتنا شرعی تصور ہو فساد نہ منظور ہو تو حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے (۸) جو شخص کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے یا یاد آگئی سے بغیر وجہ شرعی کے روکے اسکو اللہ نے ظالم کہا اور اسکو سخت عذاب کا موعود کیا ہے۔ (۹) آمین بالجہر کو منع کرنا امور مذہبی میں دست اندازی ہے اور آمین بالجہر کہنے والوں کا دینی نقصان ہے اور مسجد میں ہر مسلمان کو شرعی طریقے پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے سوال (۱۰) آپ مقلد ہیں یا غیر مقلد اور تفسیر کو جائز سمجھتے ہیں یا نہیں (۱۱) اگر کوئی شخص بظاہر اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور اسکے تمام افعال و حرکات مسلمانوں کے طریقہ کے خلاف اور تفرقہ انداز جماعت محمدیہ ہوتے ہوں اور وہ شخص عام مسلمانوں کو گمراہ کرنے والا پایا جاتا ہو اس کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے اسکو اپنی جماعت سے باہر کر دینا چاہیے یا نہیں (۱۲) عام مسلمانوں کو اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے یا نہیں کہ مسجد میں فتنہ و فساد نہ ہو اور کسی لیے مفید کہ جسکا مقصد عام نازیوں کو متحیر اور منہض کرنا ہو عام نازیوں کے طریقے کے خلاف کوئی مفعول کرنے سے روکنا چاہیے یا نہیں (۱۳) مجتہدین نے مسائل کو قرآن و حدیث سے نکالا ہے یا اپنے دل سے (۱۴) آمین بالجہر کننا حنفیہ کے طریقہ کے خلاف ہے یا نہیں (۱۵) اگر آمین بالجہر نہ کہے اور آہستہ کہے تو گنہگار ہوگا یا نہیں اور آمین بالجہر کہنے کا ثواب زیادہ ہے یا فتنہ و فساد سے بچنے میں زیادہ ثواب ہے (۱۶) مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ زاد اللہ شرفہا اسلامی ملک ہیں یا نہیں اور دہان تقلید جاری ہے یا نہیں جواب (۱) ہم مقلد ہیں اور تفسیر کو ناجائز نہیں سمجھتے (۲) جسکا فعل تمام مسلمانوں کے خلاف ہو اسکو جماعت سے باہر کرنا درست ہے اور جو شخص گمراہ کرنے والا معلوم ہو تا ہو اسکو بطور شرعی تفہیم کی جاوے کہ وہ دوسروں کو گمراہ کرنے سے باز رہے اور جماعت میں تفرقہ ڈالنا نہیں جائز ہے (۳) عام مسلمانوں کو ضروری ہے کہ فتنہ و فساد سے مسجد کو محفوظ رکھیں اور جس شخص کا فعل شرع نے موافق ہوا اگرچہ عام نازیوں کے طریقہ کے مخالف ہو اس سے آزر دہ نہوں اور اپنے طرف سے فساد کی ابتداء نہ کریں اور جو مفسد بدیتی سے فساد پر آمادہ ہوا اس کے فساد کو عالم وقت کے ذریعہ سے دفع کریں (۴) مجتہدین نے مسائل قرآن و حدیث سے نکالی ہیں صرف اپنی رائے سے حکم نہیں دیا ہے (۵) حنفیہ نازمین چکے سے آمین کہنے کو سنت اور آمین بالجہر کو بھی جائز کہتے ہیں (۶) آہستہ آمین کہنے سے گنہگار نہ ہوگا اور فتنہ و فساد خور تیری سے بچنے کا ثواب میں

بالجہد نہ زیادہ ہو کیونکہ آئین بالجہد یا آہستہ کننے کا سنت ہونا صحابہ اور مجتہدین میں مختلف فیہ ہو اور فقہ
 و فساد کی حرمت اتفاقی ہے نہ مکملہ عظمہ اور مدنیہ منزہ زاد اللہ شرفہا اسلام کے ملک میں اور وہاں
 تقلید جاری ہے سوال ایک شخص کا عمل و برے تاؤ ہر امر میں خفی مذہب کے موافق ہے اور تحقیق مسائل میں
 وہ اگر اس طرح لکھے کہ زائد سلف میں صحابہ اور تابعین اصحیح تابعین رضی اللہ عنہم آئین کا مسائل جزئیہ میں
 اختلاف ہوتا گیا ہو اور باوجود اسکے ایک دوسرے کے پیچھے ناز پڑھتے تھے کسی کو اس میں انکار نہ تھا اور
 کوئی شخص اس کا التزام کر لے کہ ایک ہی شخص کے قول دخل کو مانے اگرچہ اسکے خلاف ہی کیوں نہ ہو
 تو یہ بات ابتک ثابت نہیں ہوئی اور کسی اہل علم کا یہ قول نہیں ہے تو ایسا شخص اس لکھے خفیت
 سے خارج ہوگا یا نہیں جواب خفیت سے خارج نہ ہوگا کیونکہ کمان حق کا نام خفیت نہیں ہو اکثر خفیت
 نے اپنی کتب میں ہی لکھا ہو مفتی مکملہ یعنی مفتی عظیم جن کا انتقال شہ ۱۰۷۰ ہجری میں ہوا ہے القول السید
 فی مسائل تقلید میں لکھتے ہیں قد کان الصواب یقتدی بعضہم ببعض ولکن التابعون وفہم المجتہدون
 ولم یقل عن احد من السلف انہ کان لا یری الاقتداء بمن یخالف قوله فی بعض المسائل ولو فی خصوص
 المعارۃ بل کان یقتدی بعضہم ببعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے اور ای طرح
 تابعین رحمہم اللہ ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے حالانکہ ان میں بہت سے مجتہد تھے اور سلف میں سب سے
 منقول نہیں ہو کر وہ مخالفت کی اقتدا کو ناجائز سمجھتا ہو اگرچہ مخالفت خاص طہارت ہی میں کیوں نہ ہو
 بلکہ ایک دوسرے کی اقتدا کرتا تھا اور پھر اسی کتاب میں ہو کہ اعلیٰ ان لا ناخذ بما ظہر لنا صواب خلاف
 اذا نعم اللہ علینا بحصول ضرب من النظر یکن الوقوف بہ علی الصواب ہذا ونحن مع خلائک جسد اللہ
 لا تخرج عن درجۃ التقليد لا مامنا الا عظم ابی حنیفۃ المقدم ہو کہ یہ نہ چاہیے کہ اُس سے اقتدا کریں جس کے
 خلاف کی درستی ہو کو معلوم ہو جائے کیونکہ خدا نے ہو کو غور کرنے کی ایک نعمت فرمائی ہو جس کی بدولت ہم متوا
 کا پتہ چلا سکتے ہیں لیکن باوجود اسکے ہم امام اعظم ابو حنیفہ کو فی رحمۃ اللہ کی تقلید سے باہر نہ ہونے کے سوال
 زید اس امر کا قائل ہو کہ جتنے فرقے متمسک باقرآن ہیں ان میں سے کوئی فرقہ نسبت کسی مختلف فیہ
 غیر قطعی کے اگر یہ دعویٰ کرے کہ ہمارے مذہب کا حق ہو یا یقینی ہو اور علم باری تعالیٰ میں ہمارا ہی مذہب
 حق ہو تو ہمارا دعویٰ غیر صحیح بلکہ یقینی ہو نا تو کجا اگر اپنے مذہب کے ظنی ہونے کا دعویٰ کرے تو بھی صحیح نہیں
 ہے اور عنہ اللہ کسی فرقہ کا دربارہ امور مختلف فیہا کے حق ہونا اس کا علم ہو کہ کیونکر ہو سکتا ہو واللہ اعلم دربارہ

امور غیر قطعیہ کون فرقہ حق پر ہو کیونکہ حق تو ایک امر دائر ہو پس اس قول میں زید صادق ہو یا کاذب اور
 امور قطعیہ کون کون ہیں۔ جواب زید صادق ہو لیکن غلطی امور مختلف فیہا غیر قطعیہ منی غلطیت دلائل پر ہوگا
 دلائل غلطی میں تو مدلول بھی غلطی ہوگا اور اگر دلائل غلطیہ نہیں ہیں تو مدلول بھی غلطی نہ ہوگا اور امور قطعیہ وہ ہیں کہ
 جو دائرہ قطعیہ سے ثابت ہوں جیسے آیات قرآنیہ غیر ما ولہ تاویل صحیح اور احادیث متواترہ للقطا والمغنی و
 اجماع امت محمد علی صاحبہما افضل الصلوٰۃ والتیمۃ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات
 محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ اجملی والنحی **محمد عبدالحی** **ابو الحسنات** ہصاب المحبب منقہ محمدان الحق غفی عنہ
 فی الواقع زید صادق ہے اور مجیب نے جو تفصیل کی ہو وہ بہت صحیح ہے واللہ اعلم حررہ الراجی الی رحمۃ
 ربہ الفلانی محمد لجان الحق عفا اللہ عنہ سوال حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ
 عنہ شخص تھے یا حبلی اور حبلی ہوئے سے پہلے آپ کون مذہب رکھتے تھے اور ایک مذہب کو ترک کر کے دوسرا
 مذہب اختیار کرنے سے کیا یہ لازم آتا ہے کہ پہلے مذہب کو بھلانے جواب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ
 حضرت غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کان یفتی علی
 مذہب الشافعی واحدا رحمہما اللہ حضرت غوث اعظم لام شافعی اور امام احمد کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے
 اور بعد کو آپ نے مذہب حبلی اختیار فرمایا ہے اور ایسے شخص کو ایک مذہب ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار
 کرنا جائز ہے اور ایک مذہب اختیار کرنے سے دوسرے مذہب کا بڑا جاننا لازم نہیں آتا واللہ اعلم حررہ
 الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ اجملی والنحی **محمد عبدالحی** **ابو الحسنات** ص ۱۰۰ جواب
 واللہ اعلم بالصواب حررہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ غفی عنہ **ذک فضل اللہ** سوال اگر کوئی مجتہد
 کسی مذہب میں خلافت کرے اور کہے سپر اجماع نہیں ہوا کیونکہ اجماع ایک زمانے کے جمیع مجتہدین کی اتفاق
 کرنے کو کہتے ہیں اور میں بھی ایک مجتہد ہوں اس زمانے کا یہ مسئلہ میری رائے کے خلاف ہو پس مسئلہ کہ
 جسپر اکثر مجتہدین موافق ہیں اس مجتہد کے حق میں اجماعی ہو یا نہیں جواب اس مجتہد کے حق میں
 جو اپنے اجتہاد کی وجہ سے مخالفت کرتا ہے وہ مسئلہ اجماعیہ ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی
ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ اجملی والنحی **محمد عبدالحی** **ابو الحسنات**

کتاب الذکر

سوال افکار و اشغال کا جو طریقہ ہے کہ ہمیں مفروضہ طے ہوئے خدا کا ذکر کرتے ہیں اس میں انعام و سبقتی کا

بھی خیال رکھتے ہیں اور اللہ کے ہجرہ اور نام اورہ کو بڑھا کر پڑھتے ہیں اور چلاتے ہیں ہوا ہی و طوق سے ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً جب حی کہتے ہیں اور بعض وقت وجہ میں اگر ناچنے کو دے گئے ہیں اور تالیان بجاتے اور زمین پر گرتے اور ایسے اشعار پڑھتے ہیں جن کو نفس ہیجان میں آئے یہ امور حرام ہیں یا نہیں کیا ترک مباح ہی یا سنت اور ایسے لوگوں کی مخالفت جائز ہی یا نہیں اور کتاب و سنت میں اس کی اصل ہی یا نہیں اور مثل نوح طریقت کو گالیان دینا جائز ہی یا نہیں اور حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر محی الدین جیلانی اور قطبِ قدس شیخ ابوالحسن شاذلی قدس اللہ سرہا میں کون افضل ہے جواب امور مندرجہ ذیل میں ان لوگوں کی مخالفت کرنا چاہیے (۱) جہر مفرط کیونکہ یہ ممنوع ہے بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد اور مسلم بن شیبہ وغیرہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزاة فجللنا لا نعبط وادی لا نعبد شرفا لا رفعا اصواتنا بالتکبیر قد نامنا وقال یھا الناس ربعا علی انفسکم فانکم لا تدعون صما ولا فائبا انما تدعون سمیعا بصیر ان الذی تدعونہ اقرب لیکم من عرق راحلۃ احدکم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم حضور سرور انبیا علیہ التیمۃ والثناء کے ساتھ ایک جنگ میں تھے جس ٹیلے پر چڑھتے اور جس ادی سے اترتے زور سے تکبیر کہتے تو حضور نبی کریم علیہ التیمۃ والتسلیم ہمارے قریب ہو گئے اور فرمایا اے لوگو اپنے نفسوں پر رحم کرو تم کسی بہرے اور غیر موجود کو نہیں پکارتے ہو بلکہ تم سمیع و بصیر کو پکارتے ہو جسے تم پکار رہے ہو وہ تم میں کوہر ایک سے اُس سے زائد قریب ہو جتنی اُس کے اذان کی گردن اُس سے قریب ہو۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ یجنون خدا کا انا ذکر کر دو کہ لوگ تم کو مجنون سمجھ لگیں صرف جواز ہر پر ولالت کرتا ہے لیکن ہر جہر مفرط سے بحث ہو جو اس سے ثابت نہیں ہوتا مقرر ہے کہتا ہے۔ اس سے جہر بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ محض جواز ذکر پر دال ہو کیونکہ پوشیدہ ذکر کرنے سے بھی لوگ مجنون سمجھ سکتے ہیں اس طرح کہ وہ ذکر میں استقدر مشغول ہو جائے کہ ہوش فتنہ شخص معلوم ہونے لگے اور خدا کو ساتھ ہی فلق ہو جائیگے بدولت دوسروں کی باتیں سننے اور جواب دینے سے اقرار کرے مرنے ذکر کے متعلق ایک رسالہ سیمیح العبادة اس جلد کو آخر میں لگا دیا ہوا تھا اس کی آیات قرآنیہ معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ستر استجب بحوالہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعوا لیکم تضرعوا وخفیۃ اندکما یحب المحتدین تم اپنی پروردگار کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو وہ حد تک تیار کرے اور ان کو پسند نہیں کرتا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے ادعوا لیکم تضرعوا وخفیۃ ویدون لکم من القول

بالذکر والاحوال ولا تکن من الغافلین صبح شام اپنے پروردگار کا ذکر اپنے دل میں کرو عاجزی کرتے ہو
اور ڈرتے ہو اور غیبت جہر کی آواز کے کم آواز میں اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ امام رازی رحمہ اللہ
اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں اذکر خفیة وسرا ومعنی قوله ودون الجهر دون الجهر المفراط والمراد منه
ان یقع الذکر بحیث یکون بین الخافۃ والجهر یعنی پوشیدہ اور سرا اس کا ذکر کرو اور دون الجهر سے مراد یہ
ہے کہ جہر مفراط سے کم ہو مطلب یہ ہے کہ ذکر کو جہر اور سر کے درمیان ہونا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا یجھد
بصلاتک ولا تخافت بها واتبع بین خلک سبیلا اور اپنی نماز میں نہ بہت چلاؤ اور نہ بالکل ہستہ پڑھو
بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ایک راہ نکالو۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں سعد بن مالک رضی اللہ
عنه سے مرفوعاً نقل کیا ہے خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یلک بہترین ذکر وہ ہے جو بپوشیدہ ہو اور بہترین
رزق وہ ہے جو کافی ہو۔ اور نہایت شرح ہدایہ میں ہے المستحب عندنا فی اذکار الخفیة الا فی ما تعلق
باعتادہ مقصود کا اذان والتلبیۃ ہمارے نزدیک اذکار میں خفا مستحب ہے مگر وہ ذکر کہ جن سے جہر کا
خاص تعلق ہو جیسے اذان اور لیلیٰ کہنا۔ اور اکثر خفیہ اسی کے قائل ہیں کہ ذکر جہری بدعت ہے اصل ذکر
خفی ہے اصل جہر اگرچہ جائز ہے لیکن جہر مفراط منہی عنہ ہے اور ذکر سری ذکر جہری غیر مفراط سے افضل ہے
اور جہر مفراط میں بہت سی خرابیاں ہیں وسلم سونیو النبی نید غراب ہوتی ہو (۱) غار پڑھنے والوں کا
دل اُس کی طرف متوجہ ہوگا اور اسکے بدولت نماز میں اُس سے سو ہوگا۔ (۲) خشوع و خضوع باقی
تر ہے گا اسکے علاوہ اور بہت سے مفاسد ہیں جنکی صاحب ہدایہ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ اگر اس سے
زائد تفصیل کا شوق ہو تو رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر کو دیکھو (۲) ذکر کے وقت تالیان بجا نا کیونکر ہے
ترمانہ جاہلیت کی عادتوں میں سے ہے اسلام نے اسکی مخالفت کی ہے ابن قیم رحمہ اللہ اعانتہ اللقان نے
مصائد الشیطان میں لکھتے ہیں قال بن عباس کانت قریش یطوفون بالبيت عراة ویصفرون و
یصفقون وقال مجاہد کانوا یباضون النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الکمر وسلم فی الطواف یتصفقون
قال یصفقون والصغارون فیہم خبیث من ہولاء فلہم قسط من اللوم بحسب شہوہ قلنا لا لشرع
اللہ المتصفیق للرجال عند الحاجة فی الصلوة بل امروا بالعدول الی التسمیۃ فکیف اذا فعلوہ لا حاجة
للصفقون اگر صرف سے ہو کہ مجروحی تو اسکے معنی مانگ کرنے کے ہیں اور اگر تصفیر سے ہو تو اسکے معنی زرد رنگ کرنے کے ہیں
اور یہاں دونوں معنی درست ہو سکتے ہیں مگر معنی اولیٰ اولیٰ ہیں ۱۲ مترجم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قریش ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے اور چٹخنے اور تالیان بجاتے تھے اور مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہر کہ وہ طواف میں حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء کے سامنے آتے اور تالیان بجاتے ہیں وہ لوگ جو تالیان بجاتے اور چلاتے ہیں انھیں لوگوں کے مشابہ اور قابل طاعت ہیں کیونکہ وہ کافروں کے مشابہ ہیں ہم کہتے ہیں کہ مردوں کے لیے نماز میں ضرورت کے وقت تالی بجانا مشروع نہیں ہے بلکہ انکو حکم ہے کہ وہ تسبیح میں مشغول ہو جائیں تو پھر بلا ضرورت اس کا کرنا کیونکر درست ہوگا۔ اور اکثر مشائخین فقہ اکبر وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے کہ ذکر میں تالیان بجانا حرام ہے کیونکہ یہ لہو و لعب میں سے ہے اس لیے کہ اکثر عورتیں اور بچے تالیان بجاتے ہیں اور ذکر لہو کا عمل نہیں ہے پس ان دونوں کا اجتماع کیونکہ ہوگا (۳) ذکر کے وقت ناچنا کیونکہ یہ بھی حرام ہے (۴) غنا اور دو زمین آنا اور زمین پر گر پڑنا یا اگر باضطرار ہو تو خارج از بحث ہے اور اگر بالقصد ہو تو ممنوع ہے خطیب بغدادی اور طبرانی رحمہما اللہ سے منقول ہے عن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی غن الفناء والاستماع الی لسانہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے گائے اور گائے نسنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ابن دنیار اور ابن مردویہ نے ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رفع واحد صوتہ بقناء الا بعث اللہ الیہ شیطانین یحسبانہ علی منکبہ ویضربان بلعقابہما علی صدغہ حتی تمسک وریدی ابن ابی الدنیا عن یزید بن الولید قال ایاکم والقناء فانہ یقعول لہیاء ویزید فی الشہوۃ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی گائے یا بے خدا کسی طرف دو شیطان بھیجتا ہے جو اس کے دونوں شانوں پر بیٹھیں ہیں اور انکی یریاں اُنکے سینے پر اسے تین بیان تک کہ وہ گانا ختم کر دے۔ اور کتاب الاروع علی اخوان النہای والبیع میں ہے تمسک البطلون من المبتدعۃ المتشیخین بما حققت الحارثیان فی بیت عائشۃ مع لہما صحت انہما لم یلقوا منفتحین بل مروی البخاری عن عائشۃ قالت دخل ابو بکر وعندی جاریتان تغنیان بما تقاولت بہ الا قصار یوم بعد ولست بمفتحتین فقال من امیر الشیطان فی بیت رسول اللہ وذلک یوم عید فقال رسول اللہ وعبایا ایا بلوان کل قوم عید اولئک صرح بذلك شارح المستدھت قال استدل حاجۃ من اصحاف صحیفہ محمدیث الباب علی باحۃ القناء وکفی فی ذلک تصدیق عائشۃ بقولہا ولست بمفتحتین فثبت عنہا من

طریق المخصی ما اثبت لهما باللفظ لان الغناء يطلق على رفع الصوت ولا یسمی فاعله مغنیا فاذا اقر هذا
بطل احتجاجهم جھوٹے بدعتی مشائخ اس سے استدلال لاتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے
گھر میں دو لونڈیاں تھیں حالانکہ اس امر کی تصریح ہے کہ وہ مغنیہ نہ تھیں جیسا کہ بخاری نے حضرت عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس
دو لونڈیاں تھیں جو اشعار گارہی تھیں جو انصار نے یوم بباث کو کہے تھے یہ دونوں مغنیہ تھیں لیکن حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرامیر شیطان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اسے ابو بکر ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے (اور آج جاری عید ہی
شارح سنت اسکی تصریح یوں کرتے ہیں کہ صوفیہ رحمہم اللہ کی ایک جماعت اس حدیث سے اباحت غنا پر
دلیل لاتی ہے لیکن انکی تردید کے لیے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرامینا ہی کافی ہے کہ وہ مغنیہ
نہ تھیں پس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بطریق معنی اُنکے لیے اُس چیز کی نفی کی ہے جسکو بطریق لفظ
ثابت کیا ہے کیونکہ غنا کا اطلاق آواز کے بلند کرنے پر بھی ہوتا ہے حالانکہ ہر آواز بلند کرنے والا مغنی نہیں ہے
پس صوفیہ رحمہم اللہ کا استدلال باطل ہے۔ اب اگر صوفیہ اسکے اثبات کے لیے یہ کہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے وحید فرمایا اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے قص جیسا کہ شلیح نے اپنی کتابوں میں اسکا تذکرہ
کیا ہے تو میں کہوں گا کہ یہ قصہ موضوع ہے اسکی کچھ اصل نہیں محدثین نے اسکی تصریح کی ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ
الباری تذکرہ موضوعات میں لکھتے ہیں قال بن تیمیہ ما اشتہر ان اباحہ ورتہ الشد لسفت حیۃ الہوی
کہا میں یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانه تو اجد حتی وقعت البروق عن کتفہ فقام بها اصحاب
الصفتہ کذب باتفاق اہل العلم قال السیوطی اخرجہ الدالی عن انس وقال تفرد بہ ابو بکر عمار بن یحیی وقال
رواہ ابو طاهر المقدسی من حدیث صاحب العوارف لہ علیہ السلام اشتد بحضورہ البیتان فتواجد وتواجد
اصحابہ وقد سقط رداء من منكبہ فلما فرغوا اوی کل حدالی مکانہ فقال علیہ الصلوۃ والسلام لیس بکرم
من لم یتہر عند الساع ثم قسم الرداء علی من حضوا والعامۃ قطعہ ہذا حدیث موضوع واضعہ عمار بن یحیی
فان باقی الاسناد ثقہ ہکذا قال الذہبی وغیرہ وھذا الحدیث مما یقطع بکذب بن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں
یہ جو مشہور ہے کہ ابو مخدورہ نے یہ غزل لسفت آکا (محبت کے سانپ نے میرے جگر کو ٹس لیا) حضور سرور انبیا
علیہ التحیۃ والثناء کے سامنے گا ئی پس آپ و جبرین آئے اور شانہ پر سے آپ کی چادر گر پڑی جسے اصحاب صفہ نے

باہم تقسیم کر لیا یہ باتفاق اہل علم جھوٹ ہو سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں اسے دینی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے
 روایت کیا اور کہا ہے کہ اسکو اکیلے عمار بن اسحق نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ابوطالب ہر مقدس نے
 صاحب عوارف سے روایت کیا ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة کے سامنے دو شعر پڑھے گئے
 پس آپ اور آپ کے اصحاب وجد میں آئے اور آپ کی چادر آپ کے ثلثے پر سے گر پڑی پھر جب گانا ختم ہوا سب لوگ اپنی
 اپنی جگہوں پر واپس آئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یرم نہیں جسے گانے پر وجد آئے اور وہ چادر ہانٹ دیتی
 یا عامہ گر پڑا جسکو کٹے کٹے کر کے ہانٹ دیے گئے یہ حدیث موضوع ہے اسکا واقعہ عمار بن اسحق ہے اور باقی روایت
 میں یہ زہبی وغیرہ نے کہا ہے اور اس کا کذب قطعی ہے۔ اور حافظ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ شفاء الخشیت عن ربی
 بوضع الحدیث میں لکھتے ہیں عمار بن اسحق کا وضع ہذا الخرافۃ التي فیہا سفدت حیۃ الہدی تھ عمار بن اسحق ہی نے
 ان خرافات کو وضع کیا ہے جنہیں سفدت حیۃ الہدی ہو۔ اور درۃ المنیہ رد المحتار اور نزہۃ کریمین کے اسیر جلیل نقہ
 علمائے خفیہ شافعیہ بھی اسکا قائل ہیں کہ قص و غنا جو آجکل کے صوفیہ میں رائج ہو حرام ہو اور اس پر زجر واجب ہو۔
 نصاب الاحساب میں یہ لایحوز الرقص والسماع ذکرہ فی الذخیرۃ اند کبیرۃ ومن اباحہ من المشائخ فذلک للذین
 صار تہ حرکاتہ حرکات الادھاش وانہ لیس لہ ایضاً فی الشرع رخصۃ و ذکر فی العوارض انہ یدلیق بمنصب المشائخ
 الذین یقتدی بہم لکنہ یشب الہو و قیل ہل یجوز السماع لہم فالجواب ان کان السماع قرآن و موعظۃ یجوز و
 ان کان سماع غناء لایجوز قص و سماع جائز نہیں ہے ذخیرہ میں اسے گناہ کبیرہ لکھا ہے اور مشائخ ان امور
 کو اٹھیں لوگوں کے لیے مباح کہتے ہیں جنکے حرکات ارادی نہیں بلکہ عیشہ والے کی طرح ان کے اعضا بلا قصد
 جنبش کرتے ہوں اگر شرعاً انکے لیے بھی اجازت نہیں ہے اور عوارض میں ہے کہ ان مشائخ کو جنگی یا فدا کی جاتی
 ہے ایسا کرنا چاہیے کیونکہ یہ لوگ مشابہ ہیں اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایسے مشائخ کے لیے سماع جائز ہے یا نہیں تو
 جواب یہ ہوگا کہ سماع سے اگر سماع قرآن و وعظ مقصود ہے تو یہ جائز ہے اور اگر سماع غنا مقصود ہے تو نا جائز ہے
 اور اگر اس سے زائد تفصیل دیکھنا ہو تو اغاثۃ اللہ فان مصنف ابن قیم رحمہ اللہ کا مطالعہ مفید ہے اس میں ان
 اباطیل کی بھی طرح تردید کر کے بدعات کا قطع و قبح کیا گیا ہے اور مشائخ طریقت کو گالیان دینا بھی حرام ہے
 کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من علامات الساعة ان یلعن اخر هذا الامۃ اولھا
 کما اخر حاتم مذی علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ اس اُمت کو کچھ لوگ اپنے اگلوں پر نیت کریں تو تریزی نے
 قیامت کیا ہے اور بھی حضور سرور دنیا علیہ التیمۃ والثناء نے فرمایا ہے اذکر و اھاس موتاکم و کفوا عن

مسا و اتہام خجہ اصحاب السنن مروون کی نیکیاں بیان کر دیا اور ان کی بدلیوں کو چھوڑ دیا اسے صحابہ نے
 نے روایت کیا ہے۔ اور ابن حجر رحمہ اللہ نے زواج میں اور امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں
 اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ کسی مرد کے کی تحقیر اور اس کو گالیان دینا درست نہیں ہو اگرچہ وہ اپنی زندگی
 میں فاسق ہی کہیں ہو اور حضرت شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ ابوالحسن شافعی رحمہما اللہ
 دونوں کے فضائل بہت ہیں مگر باغی وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے کہ حضرت شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی
 رحمہ اللہ کے کلمات حد فوات کو پہنچ گئے ہیں و اللہ اعلم حررہ الراحمی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد علی
 سبحانہ و ذیہ العلی و العلی **محمد علی** عبارات مذکورہ صحیح ہیں و اللہ اعلم نعمہ خادم اولیاء اللہ
 الایم محمد ابراہیم غفرلہ اللہ الرحیم جامع الرموز میں ہے و کثرہ و حرم القاء فہو من انواع اللہب و کبدۃ فی جامع
 الا دیان حتی یمنع المشرکون عن ذلک کذا فی الاختیار وغیرہ فی المضمرات من اباح القاء لیکون فاسقا
 و فی السیر الکبیر للرخسلی نہ صلوا علیہ و علی آلہ وسلم کان یکرہ رفع الصوت عند قراءة القرآن
 والوعظ وما فعل الذین یدعون الوجد والمحبة مکروہ لا اصل لہ فی الدین و یمنع الصوفیہ ما یعتقدونہ
 من رفع الصوت فان ذلک مکروہ فی الدین عند قراءة القرآن والوعظ فاطنک عند سماع القاء و
 فی الجواهر ان السماع والرقل لذلک یفعلہ المتصوفہ فی زماننا حرام لا یجوز الخلو و القصد الیہ و هو القاء
 سواء و مشائخ من قبلہم فعلوا غیرہ و فعلوا فی الخوارق سماع القاء من الکبائر والذنوب وما اباحہ
 الا لقرقل من الفقہاء و من اباحہ لم یأمر باعلانیہ فی المجالس والبقاع الشریفۃ وقال علیہ اللہ علیہ و علی آلہ
 وسلم کان ابلیس دل من تغیر و ما نقل عنہ انہ سمع الشجر لا یدل علی اباحۃ القاء و کان النضر آبادی کثیر الوعظ
 بالسماع فوثب فی ذلک فقال هو خیر من ان تقعد و تقاب الناس فقال یومرہ و غیرہ من اخوتہ ہیہات
 یا ابا القاسم زلت السماع شر من کذا و قال السی شرط التواجد فی رغبۃ ان یبلغ الی حد لوضوح وجہہ با سبب
 لا یشر بہ مجموع و کاروی عنہ علیہ اللہ علیہ و علی آلہ وسلم من حدیث التواجد فقد تکلم اصحاب الحدیث
 فی صحیحہ و فی الجہ صدق انہ غیر صحیحہ و فی الحقائق ان محرم القاء و الاستماع الیہ معصیۃ فہما اقسام لہو لعب
 سے ہو کر وہ حرام اور گناہ کہیہ ہے جامع الادیان میں ہے کہ اس سے مشرکین بھی روکے جائیں گے اختیار
 وغیرہ میں ہے اور مضمرات میں ہے کہ جو غنا کو مباح سمجھے وہ فاسق ہے اور سرخی سیر کہیر میں لکھتے ہیں
 کہ حضور نبی کریم علیہ التیمہ و التسلیم قرأت قرآن اور وعظ میں آواز کے بلند کرنے کو مکروہ فرماتے تھے اور جو

ماریان وجد و محبت کرتے ہیں وہ مکروہ ہے اس کی کوئی مصل نہیں اور صوفیہ چھینے چلانے سے روکے جائیں کیونکہ جب یہ قرأت قرآن اور وعظ میں مکروہ ہو تو غنا کیا چیز ہے اور جو اہرین ہے کہ سلیع و قص جو اس زمانے کے صوفیوں کے حرکات ہیں حرام ہیں ان میں بیٹھنا اور وہاں جانا حرام ہے سماع اور غناد و نون مساوی ہیں اگلے مشائخ یہ نہیں کرتے تھے اور عوارف میں ہے گانا سنا کبائر ذنوب سے ہے اسے بہت کم فقہانے مباح لکھا ہو اور جو مباح لکھے بھی ہیں وہ مجالس و مقامات متبرکہ پر بالاعلان ایسا کرنے کو جائز نہیں سمجھتے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے فرمایا ہے پہلا گانے والا ابلیس تھا اور یہ جو منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار سنے اس سے گانے کا جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا نضر آبادی گانے کے بہت شائق تھے جب اس معاملہ میں انکی گرفت کی گئی تو کہنے لگے یہ بیٹھکر لوگوں کی غیبت کرنے سے اچھا ہے تو ان کے بھائیوں نے کہا کہ انسوس لے ابو القاسم سماع کی برائیاں ان اشیاء سے بدرجائزائد ہیں حضرت سہری سقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں وجد میں آنا اسی شخص کے لیے جائز ہے جسکی گردن بھی اگر اس وقت اڑا دی جائے تو اسے اس کی تکلیف محسوس نہ ہو اور حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے جو وجد میں آنے کی روایت ہے اس میں اصحاب حدیث نے کلام کیا ہے اور میرے خیال میں وہ صحیح نہیں ہے اور حقائق میں ہے غنا اور اس کی طرف کان لگانا گناہ ہے۔ اور مشکوٰۃ المصابیح میں ہے عن عبد اللہ بن مسعود مرفوعاً سباب المسلم فسوق متفق علیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہو کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور بحوالہ الرائق میں ہے ان العدالت تفسق بلسب مسلمان لم یکن من السلف کما فی النہایۃ وغیرہا کسی مسلمان کو گالی دینے سے عدالت تفسق ہو جاتی ہے اگرچہ وہ مسلمان اکلون میں سے نہ ہو جیسا کہ نہایہ وغیرہ میں ہے۔ اور تشریح النہایۃ فی فضل مشائخ الصوفیۃ اصحاب المقالات العالمیہ میں ہے سرودی فی کتاب مناقب الشیخ عبد القادر من طرف کثیرۃ بروایات شہیرۃ عن جماعۃ من المشائخ الاکابر والعلماء الافاضل انہ قال فی مجلسہ وهو علی الکبریٰ فیکلم الناس قدیمی ہذا علی رقبۃ کل ولی للہ وکان فی مجلسہ حیثئذ عامۃ مشائخ العراق وروی انہم کانوا نحو خمسين وزوی نیفا وخمسين ولم یبق احد من الاولیاء فی ذلك الوقت من جمیع افاق الارض الا خضر ونبۃ الارجل صبرہا فانہ لم یفعل فسلب حالہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مناقب کی کتاب میں ہر طرف پر نقد و تحقیر پر علماء اور مشائخ مسرور کہے کہ انہوں نے اپنی مجلس میں جبکہ وہ تخت پر

میٹھے لوگوں سے بائین کر رہے تھے کہا کہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے اس وقت اُن کی مجلس میں عراق کے عامہ مشائخ جنگی تعداد پچاس یا اس سے بھی کچھ زائد بتائی جاتی ہے موجود تھے اور اُس وقت کے تمام اولیائے اُنکے سامنے اپنی گردنیں جو کاوین مگر اصغیان کو ایک ولی نے گردن نہیں بھکائی جن کی ولایت بھی اس جرم میں سلب ہو گئی و اللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب العلی العظیم

کتاب الصید

سوال اگر کوئی شخص ہندوق تیر نیزہ اور شمشیر وغیرہ بہ نیت شکار بسم اللہ لکے جانور پر لگائے اور وہ جانور اُسکی ضرب سے اس قدر جلد مر جائے کہ زخم نہ کیا جاسکے تو اُس جانور کا کھانا درست ہی یا نہیں جواب تیر اور نیزہ وغیرہ کو اگر بہ نیت شکار لگائے اور جانور اُس سے زخمی ہوتے ہی مر جائے تو جائز ہے فی الصلۃ اذ اسمی الرجل عند الذی اکل ما اصابا ذاجرح السهم فلات کاذبہ بالرمی لکون السهم کذلک فیشرط التسمیۃ عندہ ولا بد من الجرح لیمتقق معنی الذکاۃ فی ملتقى الامجران وقع السهم بفتح تامل او غالب و لیمتقق عن طلب ثم وجدہ میتاحل ان لولیکن بہ جراحۃ غیر جراحۃ السهم ہایہ میں ہے ایک شخص نے بسم اللہ لکھ کر تیر پھینکا تو جس جانور کے تیر لگے وہ اُسے کھا سکتا ہے جبکہ اُس تیر نے جانور کو زخمی کر دیا ہو اور وہ جانور اُسکی زخم سے مر جائے کیونکہ اُس شخص نے گویا بسم اللہ لکھ کر تیر اندازی سے اُس جانور کو فرج کیا کیونکہ تیر بھی الہ فرج ہے اور فرج کے وقت بسم اللہ کننا شرط ہو اور زخمی کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ فرج کو مقنی تحقق ہو جائیں اور مقنی الایجر میں ہے اگر تیر جانور پر پڑ گیا پھر اُس نے جست کی یا غائب ہو گیا اور شکاری اس کی جستجو میں نہ پھر اُس جانور کی لاش پائی تو اُسکے اُس تیر کے سوا اگر اور کوئی زخم نہیں تو وہ حلال ہے۔ اور قواعد فقہیہ کے رو سے ہندوق سے جو شکار کیا گیا ہو وہ بغیر فرج کے حلال نہیں ہر تسمین میں ہے الاصل ان الموت اذا حصل بالجرح یقین حل وان بالنقل لا یحل اهل یہ کہ موت اگر زخم سے ہو یقیناً تو جانور حلال ہے اور اگر نقل سے ہو تو حلال نہیں ہے اور رد المحتار میں ہے لا یخفی ان الجرح بالرمی ماصلاً ما ہو بالاحراق والنقل بواسطۃ اندفاعہ الخیف اذ لیس لہ حد فلا یحل وبہ افاقہ ابن نجیم کچھ شک نہیں کہ گولی کا زخم جگر اور سختی سے کھنکھنے کے سببے توڑ کر موتا ہی کیونکہ گولی میں کاٹ نہیں ہے لہذا ایسا جانور حلال نہ ہوگا اور علامہ ابن نجیم نے بھی اس پر فتویٰ دیا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عنہ ربہ القوی ابو احسان محمد عبدالحی عفی عنہ

کتاب الاضحیہ

سوال چھ مہینہ کی بکری اگر توانا اور فریب ہو تو اس کی قربانی درست ہی یا نہیں جیسا کہ ذنب اور بھڑا درست ہو اور اس مسئلہ میں ایک شخص بیان کرتا ہے کہ جس لڑکے کی طرف سے حقیقہ نہوا ہوا اگر وہ لڑکا مر جائے تو اس کے مان باپ شفاعت کے مستحق نہونگے یعنی وہ لڑکا اپنے مان باپ کی شفاعت نہ کرے گا اور اپنے قول کی سند میں الغلام مرقن بقیقہ الخ پیش کرتا ہے لہذا یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے جواب چھ مہینہ کی بکری کی قربانی درست نہیں اور چھ مہینے کا ذنب اگر فریب اور توانا ہو تو قربانی میں درست ہے خفیہ بلکہ جو علماء کا یہی مذہب ہے اور یہی احادیث سے بھی ثابت ہے ہدایہ اور بنایہ اور شرح ہدایہ میں ہے (و یجوز من ذلک کلام اللہ فی فصاعدا الا الضان فان الجذع منه یجوز والتقیید بالذنب لان الجذع من الابل والبق والظلم لا یجوز بل لا یجوز منها الا اللہی وجہ کے سوا تمام جانوروں کو جو قربانی کے لیے ہون نئی ہونا چاہیے البتہ ذنب میں چھ ماہ کا بھی جائز ہے ذنب کی قید اس لیے ہے کہ دوسرے جانوروں مثلاً اونٹ کا بکری میں چھ ماہ کا جانور جائز نہیں بلکہ نئی کے سوا کوئی درست نہیں ہے۔ اور شرح الفقار شرح تنویر الابصار میں ہے (وجہ الجذع من الضان وھم اللہ فی فصاعدا من الثلاثة) ای من الشاة اعم من ان یکون ضا نا او معزا ومن البقر والابل والجذع من الشاة لھا ستة اشھر والضان ما یکون له الذنب ونبہ من جذع بھی درست ہے نئی اور اس سے ناکہ تینوں میں درست ہے یعنی شاة میں چاہے وہ بکری ہو یا بھڑا اور گائے میں اور اونٹ میں جذع اس بکری کہتے ہیں جو چھ مہینہ کی ہو اور ضان وہ ہے جسے چلتی ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بکری اور بھڑا اور ایسی ہی گائے اور اونٹ چھ مہینے کا درست نہیں ہے فقط ذنب چھ مہینے کا درست ہے اور ایسا ہی کتب فقہ میں ہے۔ اور شرح مسند امام عظیم رحمہ اللہ میں ہے فی صحیح مسلم عن جابر لا تذبحوا الا ستة الا ان یصل علیکم قد جاز عتہ من الضان ونبہ قل الخ جو راجع الجذع من الضان کا من غیرہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نزوح کرو مگر ایک برس کے جانور کو البتہ اگر کم زور رحمت ہو تو چھ مہینہ کا ذنب خرچ کر دہو اور کے نزدیک صحت چھ مہینے کا ذنب ہی جائز ہے اور دوسرا کوئی جانور چھ مہینے کا جائز نہیں ہے اور حدیث الغلام مرقن بقیقہ کے منے میں کے نزدیک یہی ہے کہ وہ لڑکا جس کا حقیقہ نہوا ہو والدین کی شفاعت کرنے سے محروم ہے لہذا اس میں

لایذبح الا ذنبہ وھو الذنب الذی یشترک فی الذبح

محمد بن عبد الرحمن السخاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب رتبہ الکباہ فی فقہ الاولاد میں لکھتے ہیں ذکر البیہقی
 عن سلیمان بن شرجیل حدثنا یحیی بن حمزہ قال قلت لطاء الخراسانی ما معنی مرتحن بعقبتہ فقَالَ
 فحرم شفاعتہ والدہ وکذا قال الامام احمد رحمہما اللہ انہ مرتحن عن الشفاعۃ لوالدہ واستحسنہ الخطابی
 حیث قال تکلم الناس فی هذا واجود ما قيل فیہ ما ذهب الیہ احمد ان هذا فی الشفاعۃ یرید انہ اذا
 لم یبق عند فوات طفل لا یشفع والدیہ بقی رحمہ اللہ نے سلیمان بن شرجیل سے روایت کیا انہوں نے کہا ہم
 یحیی بن حمزہ نے بیان کیا کہ میں نے عطاء خراسانی سے پوچھا کہ مرتحن بعقبتہ نے کیا معنی ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر
 اپنے والد کی شفاعت سے محروم رہے گا ایسا ہی امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ وہ بچہ اپنے والد کی شفاعت
 سے محروم رہے گا خطابی رحمہ اللہ نے اس کو اچھا جانا ہو کہ نہ کہ وہ لکھتے ہیں اس میں لوگوں نے خلافت
 کیلئے سب سے بہتر امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہو کہ یہ شفاعت کے متعلق ہو مطلب یہ ہے کہ جس لڑکے کا
 عقبتہ نہ ہو اور وہ بچپن میں مر جائے تو اپنے والدین کی شفاعت نہ کر سکیگا والد عالم حمیدہ الراجی غفر لہ
 القوی ابو الحسنات محمد علی بن محمد زائد عن ذنبہ کبلی وخی **محمد عبدالحی** **ابو الحسنات** واقعی چہرہ مہینہ کی بکری کی قربانی
 اگر چہ فریب بھی ہو درست نہیں ہے ہر جامع الرموز میں ہے وانما قال من الضان لانہ لا یجوز من المعز وغیرہ
 بلا خلاف کمافی المبسوط وغیرہ من الضان اس وجہ سے کہا کہ بکری وغیرہ میں بلا کسی کے اختلاف کو نہیں جانتے
 کہ مبسوط وغیرہ میں ہے۔ اور حدیث شریف کا خلاصہ نزدیک جناب امام ہمام شیخ اکمل مولانا احمد بن حنبل کی یہی ہے
 کہ وہ لڑکا والدین کی شفاعت نہ کر گیا مفلح الجنان مصباح الجنان میں ہے وعن سمرۃ رضی اللہ عنہ
 ان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افلام مرتحن بعقبتہ قیل معناه انہ عجوز سلامتہ علی کاف
 بعقبتہ وانہ کالتی المرہون لا یتیم الاستماع بہ دون ان یقال بالعقبتہ قیل معناه ان شفاعتہ لا یویدہ معلق
 بعقبتہ لا یشفع لہما الطفل لا یبق عنہ وفی کاشف حقائق السنن المحدثۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح وقال صاحب
 النہایۃ معنی قول مرتحن بعقبتہ ان التبیۃ لا تمہل لاید منها الشبہ فی لزومہا وعدم انفکاکہما بالوہن فی ید
 المرتحن قد تکلم الناس فیہ واجود ما قالہ احمد بن حنبل معناه انہ اذا مات طفل لا یرقی عنہ لمر شفع فی والدیہ
 ویرقی عنہ انہ یمن شفاعتہما قول ولا یریب ان الامام احمد بن حنبل ما ذهب الیہ هذا
 القول لا یریدہ التلقی من العصابی والتابعین علی انہ امام من الائمۃ الکبار یحیی بن تہلقی کلامہ بالقبول
 ویحیی بن النعمان حضرت عمر بن حنبل فی حدیث عنہ سے روایت ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما

فرمایا ہے کہ غلام تمہیں بعقیتہ بعض لوگ اسکے یہ معنی کہتے ہیں کہ اس کا آفات سے بچنا عقیقہ پر موقوف ہے نہ یہ کہ وہ بچنے میں ہونے کے مثل ہے کہ بدون عقیقہ کے اس سے انتفاع درست نہیں ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ شفاعت والدین عقیقہ پر منحصر ہے پس اگر لڑکے کا عقیقہ نہ کیا جائے تو وہ قیامت کے دن اپنے والدین کی شفاعت نہ کر سکے گا اور کاشف حقائق السنن الحمد للہ شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے اور صاحب نہایہ نے کہا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہو تمہیں بعقیتہ کے معنی یہ ہیں کہ عقیقہ اس کے لیے لازم و ضروری ہے پس حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے لزوم و ضرورت عقیقہ کو رہن سے تشبیہی اس کے معنوں میں اختلاف ہو سب سے بہتر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ جب بچہ غیر عقیقہ کے مر جائے تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہ کر سکے گا اور قیامت سے مروی ہے کہ ایسا لڑکا والدین کی شفاعت کرنے سے محروم رہے گا میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس قول کو بغیر حضرت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم جن میں سے سے ہوئے ہرگز اختیار نہ کیا ہوگا اسکے علاوہ وہ خود بھی کبار ائمہ میں سے ہیں ان کا کلام قبول کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے سوال سقر بانی کی کمال کا حکم نقل ہلا اور اعطایے سادات میں زکوٰۃ کا ایسا ہی یا نہیں جواب ظاہر ہے کہ قربانی کی کمال کا تصدیق کرنا از قبیل تطوعات ہے اور صدقہ تطوع محکوم علیہ نبی ہاشم وغیرہ پر صرف کرنے کی حرمت کو نہیں ہے ایسے احکام زکوٰۃ کے ساتھ خاص ہیں ملاحظہ فرمائیے احکام میں لکھے ہیں کہ الی نبی ہاشم وان جازت التطوعات والاوقاف لہم ولا فی وان حاز غیرہا زکوٰۃ نبی ہاشم کو نہ دی جائے گو ان کے لیے تطوعات و اوقاف جائز ہیں اور دینی کو بھی نہ دی جائے گو اس کے لیے اور چیزیں جائز ہیں۔ اور جابر نفیسہ شرح در المنیۃ میں ہے جازت التطوعات والاوقاف الیہم ای الی نبی ہاشم و موالیہم لانقاء العلة المذکورة فی الزکوۃ وھی کونہا فی وسانہ الناس تطوعات و اوقاف کا نبی ہاشم اور ان کے غلاموں کو دینا جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ کے جائز ہونے کی علت ایسے لوگوں کا میل ہونا بیان منتفی ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے قالوا لایجوز صرف کفارة الیمین والظہا وجزاء الصيد وغلة الوقت الی نبی ہاشم ولما انفاذہ مختال فی النہایہ بیہود صرف الیہم کاجماع صحیح فی الکافہ ذمہ الوقع الیہم فقہار حرم لکے ہیں کہ کفالت میں ظہر جزای صید اور غلات کا نبی ہاشم کو دینا جائز نہیں ہے البتہ نقل اسکا و نبی ہاشم کو بلا اجماع جائز ہے و کفالت میں دینا کافہ میں

کسی چیز کی بیع اس کی عدم موجودگی میں کرنے لگو گے اور گائے کی دم کو بکڑ لو گے اور زراعت پر خوش
 ہو جاؤ گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو خدا تم پر اپنا حکم نافذ کر دے گا جسے واپس نہ لے گا جب تک کہ تم اپنے
 دین کے جانب واپس نہ آ جاؤ۔ اور حیوۃ احمیدان میں ہونی لہایۃ الغریب فی الحدیث کا دخلۃ السکۃ
 دار قوم کا ذلوا والسکۃ ہے التي یحیث بها الذریع ای ان المسلمین اذا اقبلوا علی الزراعة سفلوا
 عن الغز فیاخذهم السلطان بالمطالبات والمجبايات وقرب من هذا الحدیث قوله صلے اللہ
 علیہ وسلم العز فی الواسی الخیل والذل فی اذنا البقر غایۃ الغریب میں ہے حدیث شریف میں ہے
 کہ کھیتی کا سامان چن قوم میں آیا وہ ذلیل ہو گئی یعنی جب مسلمان زراعت بیشہ ہو جائینگے ذلیل ہو جائینگے
 کیونکہ بادشاہ ان سے چنبرہ اور کس وصول کرے گا اور اسی حدیث کے قریب حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم کا ارشاد ہے عزت گھوڑوں کی پشتانیوں میں ہے اور ذلت گایوں کی دمون میں۔ اس
 حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زراعت میں ہی مشغول ہونا اور اس کے لیے گائے کا استعمال انسان کی اہمیت
 کا باعث ہو ۲۰ء گائے کے تمثال کی پرستش نبی اسرائیل کے زمانے میں بعض کفار کرتے تھے اور
 یہی امر نبی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا باعث ہوا جس کے وجہ سے وہ دہال میں پھنسے اللہ تعالیٰ
 قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے وجاوزنا یبنی اسرائیل الجوفاتوا علی قوم یسکفون علی اصنام لہم قالوا
 یا ہواجل لنا لہما کما لہم آلہۃ قال لکم قوم تمہلون جب ہم نے نبی اسرائیل کو عصاے موسیٰ کے بت
 دریا پار اُتار دیا تو انکا گدرا ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کا پوجا کرتے تھے تو انھوں نے کہا اے موسیٰ
 ہمارے لیے بھی انھیں کے ایسے معبود بنادو موسیٰ نے کہا کہ تم لوگ جاہل ہو اور یہی قرآن شریف میں ہے
 ان الذین اتخذوا العجل سینا لہم غضب من ربہم وذلت فی الحیوۃ الدنیا وکلک غزویٰ لمفتقرین -
 جن لوگوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنایا ان پر انہیں خدا کا غضب نازل ہو گا اور ذلیل زندگی میں ان کے لیے بے عزتی ہے
 اور اسباب ہی افر کرنے واکو ہم بدلاتی ہیں تفسیر رشیدی میں ہے اخرج ابن جریر وابن المنذر عن ابن جریر
 فی قولہ تعالیٰ فاتوا علی قوم یسکفون علی اصنام لہم قال تاشیل بقوم غاس فلما کان علی السامی شبہ لہما نہ
 من تلک البقر لک کان اول شان العجل ابن جریر وابن المنذر نے ابن جریر سے اس حدیث کے قول
 فاتوا علی قوم یسکفون کے تحت نقل کیا ہے کہ وہ منام گائے کی تانبے کی صورتیں تھیں تو جب سامی نے
 اس کو بنایا تو ان کو وہ گائے کے مشابہ معلوم ہوا گوسالہ کی مثل شان تھی ۲۱ء قرآن کریم کا

جواز نہ ہو مادہ اور اس کے ذبح کرنے کا جواز صرف قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور اس پر اجماع ہر
 المذہب نے بیان احسانات کے ضمن میں فرماتا ہے ومن اکل نام حلال و فرشا کلو امارا زکما لله و
 لا تتبعوا خطوت الشیطان انه لکم عدو مبین ثمانیہ تا رواجر من الضان اثنین ومن المضر اثنین
 قل الذاکون حرم ام الاثنین اما اشملت علیہ ارحام الاثنین نبثونی لعلہ ان کنتم صادقیں
 ومن الابل الاثنین ومن البقر اثنین اللہ تعالیٰ نے جانور پیدا کیے جن سے بار برداری اور فرش کا
 فائدہ حاصل ہوتا ہو وہ کھاؤ جو خدانے تم کو دیا ہے اور شیطان کے قدم پر نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن
 ہوا اللہ نے آٹھ جوڑے بنائے دو بھیرن سے دو بکریوں سے تم پوچھو کیا نہ حرام ہیں یا دونوں مادہ یا
 جو دونوں مادوں کے بیٹ میں ہو مجھے ٹھیک بات بتا دو اگر تم سچے ہو اور دو اونٹوں سے اور دو بقر
 سے اور حیوۃ النحیوان میں ہے بجل کھاؤ و شرب البانھا بالاجل عکس کا کھانا اور اسکا دودھ پینا بالاجل
 حلال ہے۔ اور صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح من نسائہ بقرۃ یوم الفجر
 حضور سرور انبیا علیہ النجیۃ واللہ انے بقر عید کے دن اپنی بیسیوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔ اور جامع
 ترمذی اور سنن نسائی وغیرہ میں مروی ہے عن ابن عباس قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرۃ سبعة حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے
 کہ ہم ایک سفر میں حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کے ساتھ تھے کہ بقر عید کا دن آگیا پس ہم ایک
 گائے میں سات آدمی شریک ہو گئے۔ (۴) حدیث سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ اور ازواج مطہرات رضی اللہ
 عنہم نے گائے کا گوشت تناول فرمایا ہوا و حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا
 تھا۔ صحیح مسلم میں مروی ہے عن عائشۃ قال یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلجم بقر تصدق بہ علی بویۃ
 فقال ہولہا صدقہ ولنا حدیۃ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ حضور
 نبی کریم علیہ النجیۃ والتسلیم کے پاس گائے کا گوشت لایا گیا جو حضرت بریرہؓ کو صدقہ میں دیا گیا تھا تو آپ نے
 فرمایا کہ یہ ان کے لیے صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ (۵) عرب کے لوگ فقط عادی نہ ہونے کی وجہ سے
 عید اضحی کے دن گائے کی قربانی نہیں کرتے ہیں یہ کوئی شرعی بات نہیں اور بھی بہت سے شہروں
 میں گائے کی قربانی کا رواج نہیں ہی جیسے بعض بلاد و کن بسل کا عدم ذبح باوجودیکہ قرآن اور حدیث
 اور اجماع فقہاء سے اسکا جواز ثابت ہے کہ اہل بیت یا عدم ملت فوج بقر کی دلیل نہیں ہو سکتی (۶) گائے کی قربانی

نہ کرنا باعث فتور نہیں ہے البتہ شخص گائے کو معظّم سمجھنے کی وجہ سے یا اُس کے حلال نہ ہونے کا قائل ہو کر گائے کی قربانی نہ کرے گا اُس کے اسلام میں فتور ہوگا (۸) یہ ترک عظمت اور عدم جواز پر مبنی نہیں ہے بلکہ مشائخ کے تجربہ پر مبنی ہے سوال کا وکشی کے فتوے کے جواب میں ایک عالم نے جسکا نام عبدالعلیم ہے لکھا ہے کہ بقصد امارت فتنہ کا وکشی نہ چاہیے بلکہ ایسے مقام پر جہاں فتنہ کا ظن غالب ہو یا وجود سلامت اعتقاد کے احتراز اولیٰ ہے اس سے کیا مراد ہے آیا یہ مراد ہے کہ اہل اسلام کی طرف سے فتنہ کی ابتدا نہ ہو لینے جہاں ہندو کی عملداری ہو اور گائے ذبح نہوتی ہو وہاں بقصد فتنہ انگیزی مسلمان کا وکشی نہ کریں یا یہ مراد ہے کہ بلاد ہندوستان وغیرہ میں جہاں ہمیشہ سے اہل اسلام گائے ذبح کرتے چلے آئے اور اس بیج کرنے میں کبھی انکا مقصد فتنہ انگیزی نہیں ہوا بلکہ شریعت کے حکم کا جاری رکھنا ان کا مقصد رہا اب ان بلاد میں اگر مسلمان گائے ذبح کریں اور تعصب مذہبی کے لحاظ سے اگر ہندو انکو منع کریں تو بھی مسلمان اُس سے باز رہیں۔ جواب گائے ذبح کرنا اگرچہ فعل بیاح زری واجب نہیں مگر ایسا مباح نہیں کہ کسی زمانہ خاص یا بلدہ خاص میں اُسکا رواج ہو اور دوسرے زمانہ اور دوسرے بلدے میں نہ ہو بلکہ یہ ایک پُرانا طریقہ ہے زمانہ نبوی و زمانہ صحابہ و زمانہ تابعین و جملہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم میں سے تمام بلاد و اصاریں اور تمام اہل اسلام کا اسکی اباحت پر اجماع اور اتفاق ہے اور قدیمی شرعی امر سے اگر ہندو روکیں اور بنظر تعصب مذہبی روکیں تو مسلمان کو اس سے باز رہنا درست نہیں بلکہ حب ہندو ایک شرعی قدیم کے ابطال میں کوشش کریں تو اہل اسلام کو اُس کے ابقا اور اجراء میں سعی کرنا ضروری ہے اور اگر ہندو کے کہنے سے اس فعل کو ترک کر دیں گے تو گنہگار ہوں گے اور اُس جملہ کا مقصد جو سوال میں پوچھا گیا ہے یہ ہے کہ فتنہ و فساد پیدا کر کے غرض ہوگا وکشی ذکرنا چاہیے مثلاً جہاں ہندو کی عملداری ہو اور گائے ذبح نہوتی ہو وہاں بقصد ابتداء مردم آزاری گائے ذبح کرنا یا بقرہ عید کے دن کسی ہندو کے مکان کے قریب جا کر اس خیال سے گائے ذبح کرنا فتنہ و فساد برپا ہونے چاہیے بلکہ ایسی صورت میں ترک اولیٰ ہو اور بلاد ہندوستان وغیرہ میں جہاں ہمیشہ سے گائے ذبح ہوتی ہے اور اس سے اہل اسلام کا مقصد فتنہ انگیزی نہیں ہے بلکہ ابقائے شریعت قدیمہ ہے اگر ہندو روکیں تو ترک اولیٰ نہیں ہے بلکہ اس کے ابقا میں سعی کرنا واجب اور لازم ہے و اللہ اعلم حررہ الامام عفو رب القویٰ ابو الحسنات محمد عبدالحی تھانوی رحمہ اللہ

و انھنے محمد عبدالحی تھانوی رحمہ اللہ

ہندو مانع ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو ان بلاد میں گاوٹ کشی کی رسم باقی رکھنے میں کوشش کرنا لازم ہے اور فقرہ مسئلہ عنہا سے مراد یہ ہے کہ جہاں خاص ہندوؤں کی عملداری ہو اور وہاں ہرگز گاوٹ کشی نہ ہوتی ہو وہاں باعلان گاوٹ کشی کرنا بنظر قیام فتنہ اولی نہیں ہے نہ یہ بات کہ مطلقاً اولویت گاوٹ کشی کی ہر جگہ سے جاتی رہے بلکہ جن بلاد میں ہندو کو پہلے گاوٹ کشی میں تشدد نہ تھا اور اب تشدد کیا جاتا ہے وہاں گاوٹ کشی کا ترک اولی نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفا اللہ عنہ [محمد عبد الوہاب] فی الواقع فقرہ مسئلہ عنہا سے مقصود یہ ہے کہ فتنہ و فساد اٹھانے کے ارادے سے خاص ہندو کی عملداری میں یا جہاں کہیں زمانہ قدیم سے گائے نہ ذبح ہوتی ہو بھصلح وقت رعایتاً باعلان گاوٹ کشی نہ چاہیے اس لیے کہ فساد کا رفع کرنا بہتر ہے یا مثلاً بقرعید کے دن کسی ہندو کے پڑوس میں فساد برپا کرنے کے ارادے سے علانیہ گائے ذبح نہ کرنا چاہیے ان جن بلاد و امصار و قصبات و قرمات و دیہات و مواضع ہندوستان میں گاوٹ کشی کا رواج قدیم بلا قصد فتنہ و فساد چلا آتا ہے اور اب بیاس تعصب مذہبی ہندو واقع اور مزاحم ہوں تو ایسی موقع میں بیاس حمیت اسلامی مسلمانوں کو بقائے رسم گاوٹ کشی میں کوشش میں منع لازم ہے ہرگز ہرگز ترک نہ کریں اور فقرہ مسئلہ عنہا سے یہ مراد نہیں ہے کہ تقلید و اتباع ہندو میں قطعاً گاوٹ کشی جو آثار قدیم ہے اور جس کی اباحت پر اجماع اور اتفاق جمیع اہل اسلام کا ازسلف تا خلف رہا ہے اور رہے کافر حمت و مانعت ہندو سے ترک ہو جائے معاذ اللہ من ذلک و جبکہ فی زمانہ ہندو کو اہل اسلام سے عداوت اور تعصب اسقدر بڑھ چکا ہے کہ اسلامیہ سے روکتے ہیں پس اس صورت میں مسلمانوں کو بیاس حمیت اسلامی ہندو کے روکنے سے گائے کی قربانی سے رکنا اور اس کے گوشت کھانے سے احتراز نہ کرنا چاہیے اور ان کی مانعت کو تسلیم کرنا چاہیے بہر حال گاوٹ کشی جو اسلامی شعا ہے ترک نہ کریں اچانا اگر کسی نزاع میں احتمال فساد فیما بین ہو تو بذریعہ احکام وقت اسکا رفع کرنا واجب ہے اور ہندو کے فساد کرنے کے ڈر سے مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے رکنا نہ چاہیے واللہ اعلم و حکما علم حررہ عبدہ الاسی القسی الشیم خادم العلماء و الفقراء ابو بکر محمد عبد الحلیم عفا اللہ عنہ الیکم سوال (۱) اگر کوئی مسلمان عید الاضحی میں گائے کی قربانی کرنا چاہے یا دوسرے ایام میں اس کا گوشت کھانے کے لیے ذبح کرنا چاہے اور ہندو تعصب مذہبی یا اپنے تفسیر کے سے یا تو بین اسلام کے خیالی سے اس قربانی یا ذبح کو رد و کتنا چاہیں تو اس حالت میں اس مسلمان کو

شرع گائے کی قربانی یا اسکی فوج سے باز آنا چاہیے یا کیا کرنا چاہیے (۲) اگر اس روک ٹوک میں ہندوؤں کی طرف سے فساد ہونے کا احتمال ہو مگر اس فساد کا دفعیہ بذریعہ حکام ملک ممکن ہو تو صرف بلحاظ فتنہ مذکور قربانی یا فوج سے باز آنا چاہیے یا کیا کرنا چاہیے (۳) یہ امر ظاہر ہو کہ ان ملکوں میں اونٹ بہت کم دستیاب ہوتے ہیں اگر دستیاب بھی ہوتے ہیں تو بہت قیمت دینے سے دستیاب ہوتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جکل سات بھیڑی یا خسی کی قیمت بلحاظ تعداد ایک گائے کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے تو اس حالت میں اگر کوئی مسلمان بلحاظ کفایت سات قربانی کے ایک گائے قربانی کرنا چاہے اور ہندو بنظر تعصب یہی کہیں کہ تم گائے کی قربانی نہ کرو بلکہ جس طرح ممکن ہو اونٹ یا خسی یا بھیڑی کی قربانی کرو تو ہندو کی اس مزاحمت کو مان لینا مسلمانوں پر واجب ہے یا نہیں جواب چونکہ گائے کے فوج کرنے کا جواز قرآن شریف اور حدیث نبوی سے ثابت ہے خود حضور نبی کریم علیہ السلام و آلہ وسلم اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زمانہ رسول خدا علیہ الغیۃ والثناء میں اور آپ کے بعد بھی گائے کو فوج کیا ہے اور اسکے گوشت کے حلال ہونے پر اور فوج کے جائز ہونے پر خواہ عید اضحیٰ کے دن ہو یا کسی اور دن تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کوئی مسلمان اسکے جواز اور حلت میں شبہ نہیں کرتا لہذا جب کوئی مسلمان عید الاضحیٰ کے دن خواہ کسی اور دن گائے کو فوج کرے اور ہندو بنظر تعصب یہی سے روکین تو اس کو فوج سے باز آنا درست نہیں ہے اور ہندو کی ممانعت کو جو ان کے اعتقاد باطل پر مبنی ہو مان لینا جائز نہیں ہماری شریعت میں گائے کی یہ نسبت اور جانوروں کے کچھ بھی عظمت نہیں ہے بلکہ گائے جانور فوج میں مثل اور جانوروں کے ہے جو شخص اس کی عظمت کا خیال کرے اس کے اسلام میں فتور ہے پس ہندو کی ممانعت کو تسلیم کرنا ان کے اعتقادات باطل کی تقویت اور ترویج کا سبب ہوگا اور یہ کسی طرح شرعاً جائز نہیں ہے اور اونٹ کا فوج کرنا اگرچہ گائے کے فوج کرنے سے اولیٰ ہے مگر کوئی شخص اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا خصوصاً صاحب ہندو بغیر تعصب نہ یہی مایل اسلام کو گلے کے فوج کرنے سے روکین اور کہیں کہ خواہ مخواہ اونٹ یا بکری فوج کرو ایسے وقت میں مسلمان پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ہندو کے قول کو مان لے بلکہ مسلمانوں کو ضروری ہے کہ ہندو کے اس قول کو تسلیم نہ کریں اور گائے کو فوج کرنے کو جو اہل اسلام کا طریقہ قدیمہ ہے ترک نہ کریں اور اس مناعت میں اگر ہندو کی طرف سے فساد کا احتمال ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ حکم وقت کے فوج سے اسے دفع کریں اور سخت فساد ہندو گائے کے فوج کرنے

رکنا نہ چاہیے و اللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد اکھی تجاؤ زادہ عن ذنبہ بجلہ
 و انحضری **محمد عبد المجتہد** واقعی فی زیارتنا ہندو کو اہل اسلام سے تعصب بہت ہوئے اندامسلمانوں کو قربانی
 اور فوج کا ڈاؤر اسکا گوشت کھانے سے ہندو کے روکنے کی وجہ سے پاس حمیت اسلامی رکنا نہ چاہیے
 اور ان کی ممانعت کو تسلیم نہ کرنا چاہیے اور اگر اس منازعت میں فیما بین فساد کا احتمال ہو تو حکام وقت
 کے ذریعہ سے اس کو دفع کرنا واجب ہے و اللہ اعلم و حکمہ حکم حررہ عبد الہادی القسی الاثم خادم العلماء
 و الفقراء ابو احیاء محمد عبد الحکیم عفا عنہ اللہ الکریم۔ فی تحقیق گائے کی قربانی ملت اسلامیہ میں غبار اسلام
 واقع ہوئی ہے ہندو کی ممانعت کی وجہ سے اسکا موقوف کرنا موجب معصیت ہے بلکہ مسلمانوں کو اس کے
 قائم رکھنے میں سعی اور کوشش کرنا لازم ہے و اللہ اعلم حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفا عنہ
محمد عبد الوہاب واقعی مسئلہ اولیٰ میں مسلمانوں کو گائے کی قربانی اور اس کے فوج سے بشرط امکان باز نہ
 چاہیے اور مسئلہ ثانیہ میں محض فقہ مذکور کے لحاظ سے گائے کی قربانی اور اس کی فوج سے باز نہ آنا چاہیے اور
 مسئلہ ثالثہ میں ہندو کی اس فرامحت کو ان لینا بشرط امکان مسلمانوں پر واجب نہیں ہے و اللہ اعلم
 حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفر لہ الخ البکیم سوال زید نے شیخ سدو کے نام سے ایک بکرا پالا پھر کچھ
 دنوں کے بعد بسم اللہ کبر لکھ کر اسے فوج کیا تو وہ حلال ہے یا حرام یا ایک بکر اللہ کے نام سے پالا و فوج
 کرتے وقت شیخ سدو کے چری بھیری تو وہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام جواب یہ دونوں صورتیں مائل
 لغیر اللہ میں داخل ہیں جس صورت میں تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو وہ ذبیحہ حرام ہے اگر یہ فوج کے
 وقت بسم اللہ بھی کہی جائے۔ درختار میں ہے ذبیحہ لفظ و م الامید و نحو کو احد من العظام عجم و لدو ذکر
 اسم اللہ علیہ امیر یا کسی اور بڑے آدمی کے آنے پر جو چیز فوج کی جائے وہ حرام ہے اگرچہ اس پر خدا کا نام
 بھی لیا گیا ہو سوال جنوع ضان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں اور جذع رضان سے کیا ملو ہے اور
 ضان چکیتی والے کے ساتھ خاص ہے یا عام جواب کتب حدیث میں مثل موطا و سنن ابو داؤد و اورانج
 کے اس امر کی تصریح ہے کہ جذع ضان کا ذبیحہ درست ہے اور ضان کے علاوہ دوسری چیزوں میں شنی
 اور اس سے زائد سن والے ہی کا ذبیحہ درست ہے اور جذع وہ ہو جو چھ مہینہ کا ہو اور ضان سے مراد وہ
 ہے جس کے چکیتی ہو نہ الفقا شرح تنویر الابصار میں ہے صحیح الخ زاع من الضان الخ لسانہ شاة لہا سنانہ اشھر
 و الضان ما یكون له الیة قلت ہذا امذہب الفقہاء و ما عند اہل اللغة فالجذع من الشاة ما قتلہ

سنة كذا في الذهابة والفقهاء انما جوزه في ستة اشهر اذا كانت بحيث لو خلطت بالثنايا تشبه على
 الناطقين من بعيد وانما جاز الجذع من الضان لقوله عليه الصلوة والسلام لان الذبح جواز لا مستند الا ان يعبر
 عليك فتنذ جواز عدم الضان روى البخاري وسلم واحمد وجماعة جنع ضان كاذبيج درست هي اور جذع
 چھ مہینے کی بکری کو کہتے ہیں اور ضان وہ ہے جس کے چکیتی ہو میں کہتا ہوں کہ یہ فقہاء کا مذہب ہے اور اہل سنت
 کے نزدیک جنع وہ ہے جو ایک برس کا ہو یہ نہایت میں ہے اور فقہانے چھ مہینے کے دینے کو اس وقت جائز
 رکھا ہے جب وہ اتنا ہو کہ اگر ٹنیوں میں چھوڑ دیا جائے تو دور سے دیکھے والوں کو ٹھہین کا ایسا
 معلوم ہو اور جنع ضان سوچہ سے جائز ہے کہ نبی کریم علیہ التیمتہ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ ایک برس سے کم کے
 جانور کو ذبح کر دالبتہ اگر ٹھہین اس میں رحمت ہو تو چھ ماہہ ذنبہ کو ذبح کر دالے بخاری مسلم اور احمد وغیرہ نے
 روایت کیا ہے شرعہ الاسلام اور اُس کی شرح مفاتیح البیان میں ہے ومن سنن الاسلام النصیحة بالانعام
 بالجنع من الضان وهو ما قمر له ستة اشهر وقيل سبعة اشهر وباللغة فصاعدا من الشاة اعم من
 ان يكون ضانا او معرا ومن الابل والبقر مطلقا وهو ای لثنی ابن خمس من الابل وحولین من البقر
 وحول من الشاة والمغر والجذع قید ناہ بالضان وهو ما لالیة لان الجذع من المغر لا یجوز بذل النصیحة
 اسلام کی سنتوں میں سے جو یا لون کا ذبح کرنا ہو ذنبہ کو جنع ہونا چاہیے اور جنع وہ ہے جو پورے چھ یا سات
 مہینہ کا ہو اور ثنی یا سن سے لگائی کی شاة یا لیس سے کہ وہ بکری ہو یا بھیڑ اور مطلقا اونٹ اور گائے کو ہونا چاہیے اور ثنی
 پورے پانچ برس کے اونٹ اور دو برس کی گائے اور لکب برس کی بکری اور بھیڑ کو کہتے ہیں اور جنع میں ضان کی
 قید اس لیے لگائی ہے کہ شش ماہہ بھیڑ نا جائز ہے اور ضان وہ ہے جس کے چکیتی ہو کیونکہ جنع ضان کی قربانی کرنا
 جائز ہے سوال مان باپ دادا دای بھو بھی بن خالہ نانی نا وغیرہ کہ حقیقہ کا گوشت کھانا درست ہے نہیں
 جواب ان سب کو کھانا درست ہے بقول مقبر حسیا کہ نہایت البیان میں ہے سوال ہدیہ بکری کی قربانی
 جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے بلکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے
 قربانی کی ہے جیسا کہ صحاح کی کتابوں میں ہے سوال لڑکے کے عقیقے میں دو بکرے کا حکم ہو اگر
 ایک بکرہ کو فی قربانی کرے باوجود استطاعت و بکرے کے درست ہے یا نہیں جواب عدم قدرت کے
 وقت ایک بکرے پر بھی اتقادرست ہے نہایت البیان فی مائیل و یحرم من البیوان میں بزبان فارسی لکھا
 ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر اعباد میں ہے کہ جب اولاد ہو تو عقیقہ کرنا چاہیے لڑکی کے لیے ایک بکری اور

لڑکے کے لیے دوا اگر لڑکے کے لیے ایک بکری کرے تو رخصت ہے یہ کیا ہے سعادت میں ہے
سوال گوئے کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام جواب گوئے کا ذبیحہ بلا کر اہت حلال ہے جو جمع الاثر شرح
ملقی الامیرین ہے و جیل ذبیحہ مسلمہ و کتابی دمی و حربی و لو امراتہ و حبیبہ او محنونا لیعتلان او کان الذابح
اخرس لان الاخرس عاجز عن الذکر فیکون معذوراً و تقوم الملة مقام التسمیة کا اناسی بل ولی ذبیحہ
مسلم کتابی دمی یا حربی کا درست ہے عورت ہو یا بیچہ یا مجنون بشرطیکہ وہ ذبیحہ نہ کرے ہتھیار نہ لے کر نہ ذوالاثر ہو
ہو نہ گوشت کا ذبح نہ کرے نہ کھائے نہ پئے نہ منہ پر ہوگا اور اسکا اسلام بسم اللہ کے قائم مقام ہو جائے گا جس طرح کہ بھونچا
بلکہ یہ اس سے زیادہ مستحق ہے اور ایسا ہی درختا میں ہے و اللہ اعلم حررہ الراجی عفورہ بالقولی و احسان
محمد عبدالحی تاج و از اللہ عن ذنبہ اجلی و انھی [محمد عبدالحی تاج] عجیب مصیب نقہ خادم او لیا و اللہ العظیم
محمد ابراہیم غفرلہ اللہ الرحیم بن مولانا علی محمد رحم [محمد ابراہیم] سوال کتاب کبری کے موافق معلوم ہوتا ہے
کہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے چنانچہ اسی قاعدے کے موافق علماء کبار نے یہود و نصاری کے
ذبیحے کو درست فرمایا ہے پس اہل تشیع کا فرقہ بھی داخل اہل کتاب ہو یا نہیں اور ان کا ذبیحہ درست ہے
یا نہیں جواب صورت مسئلہ میں جو روافض ایسے ہیں کہ انکے عقائد منجہ بارتداد و کفر ہیں مثلاً غلاۃ
و فرقہ اسماعیلیہ وغیرہ انکے ائمہ کا ذبیحہ حرام ہے اس لیے کہ مرتد کا ذبیحہ حرام ہے کتب فتاوی اس امر سے
مشحون ہیں اور ایسے روافض کا ارتداد عامۃ فتاوی میں مذکور ہے چنانچہ ہر جندی نے شرح نقایہ میں
لکھا ہے فلو کلاہا خارجون عن ملة الاسلام و احکامہم احکام المرتدین یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں اور
ان کے احکام وہی ہیں جو مرتدون کے احکام ہیں بلکہ حضرت مولانا شاہ عبدالغفر رحمہ اللہ کی تحفۃ المناظرین
سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روافض حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان ذی النورین
رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہوں یا ان کے دخول جنت و قابلیت ولیاقت خلافت کا باعتبار اوصاف دین
مثل علم وعدالت و تقوی و ورع انکار کرتے ہوں وہ کافر ہیں چنانچہ اس کتاب میں نربان فارسی تحریر ہے
جس کا ترجمہ یہ ہے اہل سنت و جماعت کا اسرار علم ہے کہ حضرت امیر کی تکفیر کرنے والے یا ان کے ہستی
ہونے کا انکار کرنے والے یا انکی لیاقت خلافت کا انکار کرنے والے اوصاف دین کے اعتبار سے
مثل علم وعدالت و تقوی و ورع کافر ہیں اور ہم کہتے ہیں ایسا ہی حکم ہے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ
عنہم کے تکفیر کرنے والوں کا بھی انتہی اور جو روافض ایسے عقائد نہ رکھتے ہوں جیسے تفسیلہ انکا ذبیحہ

دست ہو واد علم لکھہ العبد لفسیس محمد المدعو باریس النجاشی عفا الله عنه **محمد ادریس** صحیح جواب
 واد علم بالصلوب حرره الراحمی غفورہ القوی ابو احسانات محمد عبدالحی تبادوز الدعن ذمہ البجلی واسخفہ
ابو احسانات صحیح جواب واد علم بالصلوب حرره محمد امان الحق عفی عنہ سوال اہل تشیع کیا
 باشندگان کھنوا اور کیا باشندگان جو ارکھنوا جو فی زمانہ موجود ہیں انکے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں اور
 ان کے گھروں کا بکھا ہوا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ زید نے غفلت اور غایت کی حالت میں
 زنا کیا جب ہوش میں آیا تو اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اس نے توبہ کی اس حالت میں توبہ کریشکی
 وجہ سے زید زنا کے جرم سے بری ہوا یا نہیں جواب جو شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں مثلاً جو حضرت
 علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہتے ہیں یا حوام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگاتے ہیں کافر ہیں انکا
 ذبیحہ ناجائز ہے اور جو شیعہ ایسے نہیں اگرچہ حضرات یمنین فیہی مدعنا کو گالی دیتے ہوں کافر نہیں ہیں بلکہ
 فاسق ہیں انکا ذبیحہ درست ہے اور زنا کا جرم توبہ نصیح سے معاف ہو جاتا ہے سوال زید نے ایک
 بکری کو دوسری بکری پر اٹایا اور کیا بکری روڈوں کو ایک بسم اللہ سے فصیح کیا پس یہ فصیح ہوا یا نہیں
 اور اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے سوال زید نے قربانی کرنے کے لیے
 ایک بکرہ مانگوایا اور ارادہ یہ تھا کہ صبح کو ذبیحہ کی کیا رہوین تاریخ ہوگی قربانی کر دینگا مگر بکرہ زید کو ملازم
 نے بے اطلاع زید اس بکرے کو بے نیت قربانی فصیح کر ڈالا تو زید سے قربانی ادا ہوئی یا نہیں جواب
 نہیں اور بکرہ پر اس کی قیمت واجب ہوگی سوال حیطہ تسمیہ ذابغ ضروری ہے اگر عدا ترک ہو جائے
 تو ذبیحہ مردار ہے اسی طرح تسمیہ یحین ذابغ بھی ضروری ہے یا نہیں اور یحین ذابغ کسی سکتے ہیں کیا ہیں
 ذابغ وہ شخص ہے جو فصیح کے وقت ذبیحہ کے ہاتھ پاؤں پکڑے یا وہ شخص ہے جو فصیح کرنے والے کے ساتھ
 چہرے وغیرہ پر اپنا بھی ہاتھ رکھ کر فصیح کرنے میں ذابغ کی مدد کرے جواب معین ذابغ کو بسم اللہ کتنا بھی ضروری
 ہے معین ذابغ وہ ہے جو آلہ فصیح پر ہاتھ رکھے فی کتاب الاضحية من العالمگیریہ دجل رادان یضی فوضع
 صاحب الشاة یدہ علی السکین مع ید القصاب حتی تعاونا علی الذبح قال الشیخ الامام یحییٰ علی کل واحد منہما
 التسمیۃ حتی لو ترک احدہما لا یجوز کذا فی الطہیریۃ انتھ فی کتاب الصید من العالمگیریۃ مسلمہ
 عجوز عن مذبحہ بنفسہ فاعانہ علیہ ہجوسی لا یصل کلاہ لاجتماع الحرم والحلل فحرم انتھ وقال
 البرجندی فی شروائہ الذابغ لا یشرط تسمیۃ الذابغ لشرط تسمیۃ من اعان الذابغ حیث وضع یدہ

علی المذبح كما وضع الذابح حتى لو ترك احدهما التسمية لا يحل انقص وقال قاضي خان فتاواه
 رجل اذا اذ ان يضحي فوضع صاحب الشاة يد لا مع يد القصاب على المذبح واعانه على الذبح حتى صار
 ذابح القصاب قال الشيخ الامام رحمه الله يجب على كل واحد منهما التسمية حتى لو ترك احدهما التسمية لا يحل الذبيحة
 عالمگیری کے کتاب الاضحية میں ہے ایک شخص نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو صاحب شاة نے اپنا ہاتھ چھری پر
 قصاب کے ہاتھ کے ساتھ رکھا تاکہ دونوں ملکر ذبح کریں تو دونوں پر واجب ہے کہ بسم اللہ اکر کبر کہیں حتیٰ کہ اگر
 ایک نے بھی ترک کر دیا تو ذبیحہ نادرست ہو گا یہ ظہیر یہ میں ہے انتہی اور عالمگیری کے کتاب الصيد میں ہے
 ایک مسلمان خود ذبح کرنے سے عاجز ہے اور اسوجہ سے اُس نے ایک مجوسی سے مدد لی تو اُس ذبیحہ کا
 کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ حرمت اور حلت دونوں کی علتیں جمع ہیں اور ایسی صورت میں شیء حرام ہو جاتی ہے
 انتہی اور برجنوری نے شرح نقایہ میں لکھا ہے جس طرح پر ذبح کرنے والے کا بسم اللہ اکر کبر کننا ضروری ہے
 اُسی طرح اُسکے مددگار کو بھی ضروری ہے مثلاً ایک شخص نے جب طرح کہ ذبح کرنے والا چھری پر ہاتھ رکھے ہے
 اُسکی مدد کے لیے اُسپر ہاتھ رکھا تو اگر دونوں میں سے کسی ایک نے بھی بسم اللہ اکر کبر کننا ترک کیا تو وہ
 ذبیحہ حلال نہیں ہوا انتہی اور قاضی خان رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے ایک شخص نے ذبح
 کرنے کا قصد کیا تو صاحب شاة نے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ سمیت ذبح کرنے کے آلہ پر رکھا اور
 اُس نے ذبح کرنے میں مدد دی حتیٰ کہ صاحب شاة قصاب سمیت ذبح کر نوالا ہوا تو شیخ امام رحمہ اللہ
 کہتے ہیں کہ ہر ایک پر بسم اللہ اکر کبر کننا فرض ہے حتیٰ کہ اگر کسی ایک نے بھی اسے ترک کیا تو ذبیحہ حلال
 نہیں ہے سوال بکری بھڑا گائے یا اونٹ جو گھر کا بلا ہوا ہو اُسکی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں
 جواب جائز ہے بلکہ اگر فربہ اور قیمتی ہو تو اولیٰ ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
 افضل الضحايا اغلاھا واسمنھا ثم الاحمد المحاکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے فرمایا
 ہے سب سے افضل وہ ذبیحہ ہے جو سب سے زائد قیمتی اور فربہ ہو سوال سرد ہونیسے پہلے مذبح کا سر کاٹنا
 یا مذبح کی کھال کھینچنا کیسا ہے جواب مکروہ ہے فالدر المختار وکذا کل تعذیب بلا فائدة مثل
 قطع النراس والسنخ قبل ان یبذرا ای یسکن من الاضطراب ان تعفی وفي السراجیة ویکو لا نفع
 الشاة وهوان یکسر عنقها قبل ان يموت وقیل هوان ینالغ فی الذبیحة یتلغ الفاع هو عرق فی لصلح
 الی اصل العنق ورفختار میں ہے بیفائدہ ہر سختی مکروہ ہے مثلاً ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر کاٹ لینا کھال کھینچنا

انتہی اور سراجیہ میں ہر شخص شاة کردہ آویسے مرنے سے پہلے بکری کی گردن توڑنا اور بعض کہتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ ذبح کرنے میں استدر سالغہ کیا جائے کہ چھرا نفع تک پہنچ جائے نفع اپشت کی ایک ہڈی سے جو گردن تک آئی ہے سوال اگر بکری کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت وہ معلوم الحیوۃ تھی مگر ذبح کے بعد گردن سے خون نہیں بہا یا خون بہا مگر بکری نے نہ حرکت کی نہ تڑپی تو مذبح حلال ہے یا حرام جواب حلال ہے سراجیہ میں ہر شاة ذبحت و علم حیاتہا وقت الذبح و لم یخرج منها دم حلت حیوان ذبح و خرج منه دم مسفوح و لم یتحرك فانه یحل وان لم یخرج منه دم مسفوح و لم یتحرك ایضا فان علم حیاتہ حل ایک بکری ذبح کی گئی وقت ذبح اسکی حیات کا علم تھا لیکن ذبح کے بعد خون نہیں نکلا تو وہ حلال ہے ایک جانور ذبح کیا گیا اور اس سے دم مسفوح نکلا لیکن جانور نے حرکت نہیں کی تو وہ حلال ہے اور اگر دم مسفوح بھی نہ نکلا اور اس جانور نے حرکت بھی نہ کی تو اگر اسکی حیات کا علم تھا تو وہ حلال ہے والد علم حرہ الراجی عفوریہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی بنجاد سعد بن ذنبہ اکیلی و الخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

کتاب الجہاد

سوال جب اہل اسلام کفار کی سلطنت میں امن سے رہتے ہوں اور کفار اہل اسلام کو امور دینی ادا کرنے سے مانع نہ ہوتے ہوں اور اہل اسلام کو جہاد کرنے اور کفار سے مقابلہ کرنے کی قدرت بھی نہ ہو جیسا کہ نے زمانہ ہندوستان میں ہے تو جہاد کرنا واجب ہے یا نہیں جواب جہاد اعلیٰ کلمۃ اللہ اور اعزاز اسلام اور قواعد و رسوم کفر کے مٹانے کے لیے مقرر ہوا ہے نہ حقارت دین اور ذلت اسلام و دشمن کے لیے اسی لیے فقہان نے وجوب جہاد میں کئی شرطیں کی ہیں (۱) اتنے مسلمان ہوں جنسے شان و شوکت ظاہر ہو (۲) مسلمانوں کے پاس جہاد کے لیے خرچ بھی میا ہو (۳) کوئی جگہ امن و حفاظت کی بھی مسلمانوں کے لیے ہو تاکہ کفار کے شر سے نجات بھی پاسکیں لیکن جب مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو کہ کفار ہی غالب ہونگے تو ایسی صورت میں جہاد فرض نہیں ہے فی جامع الرموز الجہاد فرض عین بشرط القدرة علی القتال والسلام والاد والراحة وغیرہ انتھے وفي العالمگیریۃ والثانی ان یروج الشوكة والقوة لاهل الاسلام وان کان لا یروج الشوكة للمسلمین فی القتال فانه لا یحل له القتال لما فیہ من القاء نفسه فی التهلكة انتھے وفي الدلائل المختار شرط لوجوب القدرة علی السلاح لا من الطريق

انھن فی رد المحتار قولہ شرط لوجوبہ الخ ای وعلى القتال وملك الزاد والراحلة كما
 فی قاضی خان وغیرہ کذا فی القہستان فی استقنی وفي فتح القدير من توابح الجهاد
 الرباط وهو الاقامة في مكان بتوقع هجوم العدو وفيه يقصد دفعه واختلف المشائخ
 فی الذی یتحقق بہ الرباط فانه لا یتحقق فی کل مكان ففي النوازل ان یتكون
 فی مواضع لا یتكون وراء الاسلام لان ما دونه لو كان رباطا فكل المسلمون فی بلادهم
 مرابطون وقال بعضهم اذا غار العدو وعلى عدو وهو مرة یتكون ذلك الموضع مرابطا
 الى اربعین سنة واذا غار مرتین یتكون رباطا الى مائة وعشرين سنة واذا غار ثلث مرات
 یتكون رباطا الى يوم القيامة قال فی فتاوی الكبری والمختار هو الاول جامع الزمزمین
 ہر جہاد فرض عین ہر جبکہ قتال السحر وصد اور سوار یوں وغیرہ پر قدرت ہو اور عالمگیری میں ہر دوسرے
 کہ اہل اسلام کی شوکت و قوت مقصود ہو اور اگر قتال سے شوکت مسلمین مقصود نہ ہو تو قتال حلال نہیں
 ہر کیونکہ اس میں اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا ہر اور درختار میں ہر وجوب جہاد کے لیے اسلحہ پر قادر
 ہونا شرط ہر نہ کہ راستہ کا با امن ہونا اور درختار میں ہر اور قتال و صد اور سوار ی پر قادر ہونا یہ قاضی خان
 نے قہستان فی سے نقل کر کے لکھا ہر اور فتح القدير میں ہر رباط یعنی کسی مقام میں اس غرض سے ٹھہر جانا کہ
 دشمن اُس میں ہجوم کر کے حملہ کریں اور وہیں اُنکے دغیبہ کی تدبیر کجائے تو اربع جہاد میں سے ہے
 اور مشائخ نے اُن امور میں جسے رباط کا تحقق ہوتا ہر اختلاف کیا ہر کیونکہ ہر جبکہ اُس کا تحقق نہیں ہوتا
 نوازل میں ہر کہ اسکا تحقق اُن مواقع میں ہوتا ہر جبکہ بعد صد اسلام نہ ہو ورنہ تمام مسلمان اپنے اپنے
 شہروں میں مرابط ہونگے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب دشمن ایک مرتبہ حملہ کرے تو وہ مقام چالیس
 برس تک رباط رہتا ہر اور جب دو مرتبہ حملہ کرے تو ایک سو بیس برس تک اور جب سہ بارہ حملہ کرے
 تو ہمیشہ کے لیے وہ مقام رباط رہتا ہر فتاوی کبرے میں ہر کہ مختار اول ہر۔ واسد اعلم بالصواب
 نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد۔ واقعی جب مسلمانوں کو قتال اور زاد اور راحلہ وغیرہ
 پر قدرت نہ ہو تو اُن پر جہاد فرض نہیں ہے واسد اعلم حررہ الراجی غفرلہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی
 شجاع و اسد عن ذنبہ الجلی و انھن۔

کتاب احداث العمارات

سوال کوچہ غیر نافذہ میں فقط محمد اور حامد کا مرد ہو زید جو شخص ثالث ہو گلی میں جدید دروازہ لگا کر
 مرد میں شریک ہونا چاہتا ہو محمد اور حامد مانع ہوتے ہیں پس شرعاً باوجود محمد اور حامد کی مانعت
 کے زید کو اس گلی میں نیا دروازہ لگانا جائز ہو یا نہیں جواب نہیں واللہ اعلم کتبہ ابو الجیش محمد
 ممدی عفا عنہ المادی صحیح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد رحمت اللہ عنہ لا تقطعوا عن حجتہ
 واقعی باوجود محمد اور حامد کی مانعت کے زید اس گلی میں دروازہ نہیں لگا سکتا صاحب درختار
 نے لکھا ہو زائفة مستطيلة تشعب عنها سكة مثلها بمنع اهل الاولى عن فتح باب المرور في
 القصوى الغير النافذة على الصعيح اذ لاحق لهم في المرور اياك لمنى گلی جس میں سے ویسی ہی
 ایک غیر نافذہ گلی نکلی تو پہلے لوگ کوچہ غیر نافذہ میں گزرنے کے لیے دروازہ بنائے سے روکے جائینگے
 برہنہ صحیح کیونکہ ان لوگوں کو اس گلی میں حق مرور نہیں ہو و اللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم
 غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ اصحاب من اجاب نمقہ خادم اولیاء اللہ علی محمد غفرلہ اللہ الاصل۔ حقیقت
 کوچہ غیر نافذہ میں بغیر گلی والوں کی اجازت کے تصرف جائز نہیں ہو یہاں تک کہ اگر اس گلی کے
 شرکا میں سے کوئی نیا دروازہ لگانا چاہے تو بے دوسروں کی اجازت کے نہیں لگا سکتا۔ بزاز
 میں ہو سکتے غیر نافذہ بین عشرة لکل منهم دار غیران لاحد هو دار فی سكة اخرى لا طریق
 لها فی هذه السكة غیران حاططها فی هذه السكة قال ابو القاسم لیسل ذلك وبه اذنی
 ابو جعفر وبہ ناخذ انتہی ملخصاً ایک کوچہ غیر نافذہ دس آدمیوں میں مشترک تھا جن میں سے
 سب کا گھر اس طرف تھا مگر ایک کا گھر دوسری گلی میں تھا جس کا اس گلی میں کوئی دروازہ تھا البتہ
 دیوار اس گلی میں تھی تو ابو القاسم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو اس گلی میں دروازہ بنانے کا حق نہیں ہو
 اور ابو جعفر رحمہ اللہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہو اور ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں۔ پس جو شخص شرکت نہیں رکھتا
 اس کا تصرف جائز نہ ہو گا پس باوجود گلی والوں کی مانعت کے زید کو دروازہ نہ لگانا چاہیے منع الفقہار
 میں ہو فی غیر النافذ لا یتصرف فیہ احد مطلقاً اضرہم او لا الا باذنیہم لان الطرق التي
 ليست بمنفعة مملوكة لاهلها والنقص في الملك المشترك من الوجه الذي لم يوضع له لا يملك الا

باذن الکی بے اجازت کو چہ غیر نافذہ میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا شرکاء کو ضرر پہونچے یا نہ پہونچے
کیونکہ وہ راستہ جو نافذ نہیں ہے اُس گلی کے رہنے والوں کی ملک ہے اور ملک مشترک میں اُس قسم کا
تصرف جسکے لیے اُس گلی کی وضع نہیں ہے نادرست ہے مگر سب کی اجازت سے۔ واصلہ علم حصرہ
الراجی غفورہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز المدین ذنبہ الجلی واخفی ابو الحسنات محمد عبدالحی

سوال مثلاً زید کے مکان میں دروازے پر کھڑکیاں لگی ہیں اور مکان زید سے مکان خالد بالکل
علحدہ ہے بلکہ درمیان میں شارع عام فاصل ہے اور ایک تیلی کا مکان بھی درمیان میں واقع ہے جو نہ کہ
مکان خالد کی ایک دیوار بقدر ایک گز کے طول میں اور نصف گز کی بلندی عرض میں کم ہے اسوجہ سے
کسی قدر اُس کا مکان کھڑکیوں سے معلوم ہوتا ہے زید اس قدر پردہ ہوانے پر بھی راضی ہے لیکن خالد ان
کھڑکیوں سے مزاحمت کرتا ہے پس شرعاً خالد کو تعرض کا حق ہے یا نہیں **جواب** اس مسئلہ میں اختلاف
ہے بعض متاخرین نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ملک میں تصرف کرے اور پڑوسی کو اُس سے
ضرر ہو تو پڑوسی منع کر سکتا ہے فی الدار المختار وعلیہ الفتوی واختارہ فی العادیۃ وافتی بہ
قادی الہدایۃ حتی يمنع الجار من فتح کوة حتی وقع نظره منها الی نساء جاردہ علی سوائۃ
ومثلہ فی نصاب الاحتساب لوفتح کوة حتی وقع نظره منها الی نساء جاردہ علی سوائۃ
کتاب القسمۃ لا یمنع والفتوی علیہ انہ یمنع انتہی و فی فتاوی قاضی خان ومثلہ
فی خزائنہ المفتیین لو اراد الجاران یمنعہ من الصعود حتی یتخذ سترۃ قالوا
ان کان فی صعودہ یقع بصرہ فی دار جاردہ کان لہ ان یمنعہ من الصعود حتی
یتخذ سترۃ وان کان لا یقع بصرہ علیہما اذا کالوا علی السطح لا یمنعہ من الصعود
در مختار میں ہے اور اس پر فتویٰ ہے اور عادیہ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور قاری ہدایہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے
حتی کہ پڑوسی روشن دان تک بنانے سے روکا جائے گا اور یہ استحساناً مشائخ کا جواب ہے اور لیبائی
نصاب الاحتساب میں ہے اگر کسی نے (اپنی دیوار میں) روشن دان بنایا حتی کہ اُسکی نظر پڑوسی کی عورتوں
پر پڑے تو بروایت کتاب القسمۃ یہ ممنوع نہیں ہے اور فتویٰ اسکے ممنوع ہونے پر ہے اور فتاوی قاضیخان
اور خزائنہ المفتیین میں ہے اگر کسی شخص نے اپنے پڑوسی کو چھت پر چڑھنے سے بغیر پردہ ڈالے
ہوے روکنا چاہا تو فقہا کہتے ہیں کہ اگر اس طرح چھت پر چڑھنے سے اُسکی نظر عورتوں پر پڑے تو

تو وہ روک سکتا ہے لیکن اگر چھت پر چڑھنے سے نظر نہ پڑے تو وہ روک نہیں سکتا۔ اور اکثر نے ظاہر روایت کے موافق اس پر فتویٰ دیا ہے کہ ہمسایہ کو اس سے مانعت نہیں پہنچتی اگرچہ اس سے متضرر بھی ہو۔
 فی فتاویٰ قاضی خان کل ما ذکرنا من جنس هذه المسائل قول مشائخ بلخ وانہ
 یخالف قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ من تصرف فی ملکہ لا یمنع منه وان تصرف جارہ
 و فی الدار المختار جواب ظاہر الروایۃ عدم المنع مطلقاً وبہ افتی طائفة کالامام
 ظہیر الدین وابن الشحنة ووالدہ ورجحہ فی الفتح و فی قسمة المجتبى وبہ یفتی و
 اعتمدہ المصنف ثمہ فقال قد اختلف الفقہاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ
 انتہی و فی حاشیئہ لوفتح صاحب البناء فی علوبنائہ کوة لا یلی صاحب الساحة منه
 بل لہ ان ینبغی ما یستخرجہ الی ان قال والامام ظہیر الدین کان یفتی بقول الامام
 والحاصل ان الذی علیہ غالب المشائخ من المتأخرین هو الاستحسان فی جنس
 هذه المسائل وافتی طائفة بجواب القیاس المروی واختار فی العمدیۃ المنع
 اذا کان الضاربینا وظاہر الروایۃ خلافہ و ذکر العلامة ابن الشحنة ان فی حفظ
 ان المنقول عن ایمتنا الخمسة ابی حنیفہ وابی یوسف وعمر بن زفر والحسن انه لا یمنع
 فمن التصرف فی ملکہ وان اضر عمارہ وهو الذی امیل الیہ واعتمدہ وافتی
 بہ تبعاً لوالدی شیخ الاسلام انتہی ورجحہ فی فتح القدر ایضاً ظاہر الروایۃ
 فتاویٰ قاضی خان میں ہے ان مسائل میں ہننے جو کچھ لکھا وہ مشائخ بلخ کا قول تھا جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے
 اس قول کے خلاف ہے کہ اپنی ملک میں تصرف کرنے والا روکا نہیں جاسکتا اگرچہ ہمسایہ سے اس کے پڑوسی
 کو ضرر پہنچے اور در مختار میں ہے ظاہر الروایۃ میں مطلقاً عدم منع ہے اور ایک جماعت نے امام ظہیر الدین اور
 ابن شحنة اور ان کے والد کے مثل اس پر فتویٰ دیا ہے فتح میں اسی مذہب کو ترجیح دی ہے اور بخاری کی روایت میں ہے
 کہ اسی پر فتویٰ ہے مصنف رحمہ اللہ سے اسی پر اعتماد کر کے کہا ہے کہ فقہا اس امر میں مختلف ہیں اور ظاہر
 روایت پر اعتماد کرنا چاہیے انتہی اور اسکے حاشیہ میں ہے اگر کسی عمارت کے مالک نے اوپر کے درجے
 میں روشن دان بنایا تو نیچے والے کو روکنے کا حق نہیں ہے بلکہ اسکو ایسی چیز بنانا چاہیے جو پردہ
 داری کر سکے اور امام ظہیر الدین رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے حاصل

یہ ہو کہ اس قسم کے مسائل میں اکثر متاخرین رحمہم اللہ احسان پر عمل کرتے ہیں اور ایک گروہ نے قیاس پر فتویٰ دیا ہے اور عمادیہ میں منع کو اختیار کیا ہے جبکہ ضرر میں ہو اور ظاہر الروایۃ اسکے خلاف ہے اور علامہ ابن شحنے نے لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ خمسہ امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف امام محمد اور امام زفر اور امام حسن رحمہم اللہ اسکے قائل ہیں کہ کوئی شخص اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روکا نہ جائے گا اگرچہ وہ ایڑی پر ہوں اور ضرر پہونچائے میرا میلان بھی اسکی طرف ہے اور میں اسپر اعتما ذکر تا ہوں اور اسپر فتویٰ دیتا ہوں اپنے والد شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی اتباع میں انتہی اور صاحب فتح القدیر نے بھی ظاہر روایت کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم وعلیہ السلام کتبہ محمد انور علی عفی عنہ۔ فقہا کا اس باب میں اختلاف ہے کہ آیا صاحب نے کو اپنے گھر میں ہر قسم کا تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں ظاہر الروایۃ میں ہے کہ صاحب خانہ ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے اگرچہ اُس سے دوسروں کو ضرر بھی ہو اسکو متاخرین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور اکثر مشائخ کے نزدیک جس تصرف سے ضرر ہوں متصور ہو وہ نہیں کر سکتا اگر کرے تو ہمسایہ یا غیر ہمسایہ جس کو اُس سے ضرر پہونچا ہو منع کر سکتا ہے منع انفار میں ہے فی المجتبى لو وقع فی نصیب احدہما و فی الآخر ساحة فاراد صاحب الساحة ان یشی فیہا ویلدا الریح والشمس علی الاخر فلیس لہ المنع فی ظاہر الروایۃ وجہ یفتی وقال نصیر الصفا لہ المنع و علی هذا لو اراد حماما او تنورا و فی فتاویٰ قادی الہدایۃ الفتویٰ علی انہ ممنوع من التصرف علی وجہ یتضربہ الجار وان کان فی ملکہ واجاب قادی الہدایۃ بان الجار ینبغ ان یفتح کوة یشرف منها علی جاردہ فقد اختلف التصحیح و یشی ان یعول علی ظاہر الروایۃ مجتہبی میں ہے کہ اگر عمارت ایک کے حصہ میں پڑی و دوسرے کے حصہ میں پھر صحن والے نے اُس میں کچھ بنا کر ہوا اور روشنی کو روکنا جائز ہو ظاہر روایت وہ روک نہیں سکتا اور اسی پر فتوے ہے نصیر صفا رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اُسے حق منع ہے اسی طرح اگر حمام یا تنور بنانے کا قصد کیا اور فتاوے قادی الہدایۃ میں ہے کہ فتویٰ اس امر پر ہے کہ وہ ایسے تصرف کرنے سے روکا جائے گا جس سے پڑوسی کو نقصان پہونچے اگرچہ یہ تصرف اپنی ہی ملک میں کیوں نہ ہو قاری ہدایہ نے جواب دیا ہے کہ پڑوسی ایسے روشن دان کے بنانے سے روکا جائے گا جس سے وہ آگ جھانک کرے اس میں اختلاف ہے اور ظاہر الروایۃ پر اعتما کرنا چاہیے۔ اور صاحب خزائن الفقہ نے لکھا ہے اذا اراد الرجل ان یشی

فی دادر او دکانہ تنورا و حما ما او صدقاق القصارین لم یجوز قال الصدق الشہید کان
والدی یفتی بانہ اذا کان الضرر بینا قال وبہ یفتی هذا جواب المشائخ وجواب ظاہر لایۃ (الفتح)
جب کوئی اپنے گھر یا دوکان میں تنور یا حمام یا دھو بیو کی بٹی بنا یا چھپا اور پڑوسی کو ضرر پہنچے تو یہ جائز
نہیں ہو گا نا صدر شہید کہتے ہیں کہ میرے والد اس پر فتویٰ دیتے تھے کہ اگر ضرر میں ہو تو ناجائز
ہو اور اسی پر فتویٰ ہو اور یہ جواب مشائخ ہو اور جواب ظاہر روایت یہ ہو کہ وہ دکانہ جائے گا۔ اور
علامہ خیر الدین رملی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں مسئلۃ فخر الکوة فیہا قیاس استحسان
والاستحسان المنع وعلیہ الفتویٰ کما نقلہ فی التاتارخانیۃ وشرح القدوری المسمی
بالمضمرات عن التہذیب وقال فی التاتارخانیۃ قبیل مسئلۃ الکوة الحاصل من جنس
هذا المسائل ان القیاس ان کل من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع وان کان یودی
الی الضرر بالغیر لکن ترک القیاس فی موضع یتعدی ضرر تصرفہ الی غیرہ ضرر ابنا وقل
بالمنع مطلقا وبہ اخذ کثیر من مشائخنا وعلیہ الفتویٰ ومثلہ فی الفصول العادیۃ عن الکتب
روشن دان کے مسئلہ میں قیاس و استحسان معارض ہیں استحسان یہ ہو کہ منع کیا جائے گا اور اسی پر
فتویٰ ہو جیسا کہ تاتارخانیۃ اور مضمرات شرح قدوری میں تہذیب سے منقول ہو اور تاتارخانیۃ میں اس
مسئلہ کے قبل کہا ہو کہ اس قسم کے مسائل میں مقتضائے قیاس یہ ہو کہ اپنی خالص ملک میں
تصرف کرنے والا روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر پہنچے لیکن قیاس اُن بواضع
میں متروک ہو جہاں اس تصرف سے دوسروں کا ضرر ہیں ہو اور بعض لوگ اسے مطلقا ممنوع لکھتے
ہیں اور اکثر مشائخ رحمہم اللہ اسی سے اخذ کرتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہو ایسا ہی فصول عادیۃ میں ہو اور
منہج شام ملا حامد رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں فتاویٰ علی ان الکوة حیث کانت للنظر والموضع
موضع النساء تسد بلا فاصل بین الطریق الفاصل وغیرہ کما فی المضمرات وغیرہ فتاویٰ اس پر متفق
ہیں کہ روشن دان جبکہ دیکھنے کے لیے ہو اور اُس سے عورتوں کا سامنا ہو تو وہ بند کر دیا جائے گا خواہ
بیچ میں کوئی راستہ فاصل ہو یا نہ ہو جیسا کہ مضمرات وغیرہ میں ہو۔ اور منہج المفتی عن سوال المستفتی میں
ہو کہ فرق بین القدیور والمعاد حیث کان الضرر بینا قدیم وجدید میں جبکہ ضرر میں ہو کوئی
فرق نہیں ہو۔ اور علامہ ابن عابدین متبع فتاویٰ حامد میں لکھتے ہیں فی حاشیۃ البحر من القضاء

للشیخ خیر الدین رحمہ اللہ بین القدیور والحدیث حدث حیث كانت العلة الضرر البین
بحر کے حاشیہ میں شیخ خیر الدین رحمہ اللہ کی کتاب القضا سے نقل کیا ہے کہ قدیم اور جدید میں اس وقت
کچھ فرق نہ ہوگا جبکہ ضرر بین ہو پس صورت مسئلہ میں چونکہ زید کی کھڑکیوں سے خالد کی عورتوں
پر نظر پڑتی ہے لہذا خالد حسب اختیار مشائخ رحمہم استدیع کر سکتا ہے اور زید کو چاہیے کہ پردے کی
دیوار بنادے۔ سوال زید کی ملک اور مقبوضہ ایک اراضی ہے اور اس اراضی میں زید کے مکان
مسکونہ کا مور ہے اب اس اراضی کے دروازے میں زید نے اپنے بعض مصالح کے لحاظ سے
جو کھٹ بازو لگوا کے پٹ بھی لگوائے ہیں واضح رہے کہ اس دروازے میں جو کھٹ بازو
اور پٹ کبھی نہ تھے ایک غیر شخص جبکہ اس اراضی میں قدیم سے مور نہ تھا بلکہ تھوڑے زمانے سے
ہوا ہے وہ جو کھٹ بازو اور پٹ لگانے پر اعتراض کرتا ہے باوجودیکہ جو کھٹ بازو اور پٹ لگانے کے
بعد بھی زید اس شخص غیر کے مور کو جو اس اراضی میں ہو روکتا نہیں اور اس شخص غیر کا مور کے
سوا اس اراضی میں اور کوئی حق بھی نہیں ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کو جو ملک اور قابض ہے
جو کھٹ بازو اور پٹ شرعاً لگانے کا حق ہے یا نہیں اور اس غیر شخص کو منع کرنے کا حق حاصل ہے
یا نہیں اور اگر یہ غیر شخص اس اراضی میں زید کی ملکیت کا انکار کرے تو حاکم کو اس اراضی میں زید کی
ملکیت کی تحقیقات کرنا چاہیے یا نہیں جواب اس صورت میں زید جو مالک اور قابض ہے
جو کھٹ بازو اور پٹ لگا سکتا ہے بشرطیکہ اس غیر شخص کا ضرر بین نہ ہو اور جب زید اس غیر شخص
کو مور سے مانع نہیں ہے تو اس دروازے سے اس شخص کا شرعاً کچھ حرج ثابت نہیں ہے اور
اس کا منع کرنا صحیح نہیں ہے اور ضرر بین سے یہ مراد ہے کہ ہمسایہ کے حوائج اصلہ بند ہو جائیں
مثلاً کسی کے مکان سے ہمسائے کے مکان میں روشنی آتی تھی اب اس شخص نے اپنا مکان
اسطرح بنایا ہے کہ ہمسائے کے مکان میں روشنی کا آنا بند ہو گیا اگر ایسا نہ ہو تو ضرر بین ثابت نہ ہوگا
اور جب مالک اور قابض ہمسائے کو مور سے مانع نہیں ہے اور جو کھٹ بازو اور پٹ لگانے
سے مور سے مدد بھی نہیں ہوتا تو شرعاً ہمسائے کو مانعیت کا حق حاصل نہیں ہے۔ درمختار میں ہے
ولا یمنع الشخص من تصرفه فی ملکہ الا اذا کان الضرر بجارہ یا فیمنع من ذلك وعلیہ
الفتویٰ کوئی شخص اپنی ملک میں تصرف کرنے سے نہ روکا جائے گا جب تک پڑوسی کو ضرر بین

نہ پہنچے اور جب ضرر میں پہنچے تو وہ تصرف سے روکا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور والمختار
 میں ہے والمحال ان القياس في جنس هذه المسائل ان يفعل المالك ما بدا له
 مطلقا لانه متصرف في خالص ملكه لكن ترك القياس في موضع يتعدى ضرره لملك
 غيره ضرا فاحشا وهو المراد بالبين وهو ما يكون سببا للهدم ويخرج عن الانتفاع
 بالكلية وهو ما يمنع الحوائج الاصلية كسد السوء بالكلية واختاروا الفتوى عليه
 فاما التوسع له منع كل ضرر فيسه باب انتفاع الانسان بملكه كما ذكرنا قسريا
 حاصل یہ کہ اس قسم کے مسائل میں مقتضائے قیاس تو یہ ہے کہ مالک جو چاہے کرے کیونکہ اس کا
 تصرف اس کی خالص ملک میں ہے لیکن جبکہ پڑوسی کو ضرر میں پہنچتا ہو تو وہ روکا جائے گا ضرر میں وہ ہے
 جو سبب اہتمام ہو یا جسکی وجہ سے پڑوسی اپنی چیز سے انتفاع نہ حاصل کر سکے یا جو انجاصیہ کو پورا
 نہ کر سکے مثلاً روشنی بالکل روک دی جائے اسی پر فتویٰ ہے اور مطلقا ضرر کی صورت میں تصرف سے
 روک دینے میں انتفاع کا سد باب ہے جیسا کہ پہلے قریب ہی ذکر کیا ہے۔ اور حاکم کو یہ تحقیق کرنا چاہیے کہ
 جو کھٹ بازو زید نے اپنی اراضی ملکیت پر لگائے ہیں یا نہیں اگر عدم ملکیت پر اس نے یہ بنا کی
 ہو تو جائز نہیں والد اعلم حرره محمد حسین سلیم پوری حنفی عنہ۔ الجواب ہوا الصواب حرره محمد عنایت اللہ
 ولد حبیب اللہ خان۔ ذلک کذلک کتبہ فدا احمد۔ الجواب صحیح منقہ محمد عبد القادر خان بن حمید علی خان
 عفا اللہ عنہما۔ الجواب صحیح حرره گوہر علی۔ اصواب من اجاب منقہ حامد حسین۔ الجواب ہوا الجواب کتبہ
 محمد ریاست علی خان عفا اللہ عنہ۔ قد صح الجواب والیہ المآب حرره ابوالقاسم محمد منزل۔ فی الواقع جب
 ہمسائے کا ضرر میں نہ تو کسی کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے مانعت نہ کی جائے گی اور یہی
 مفتی بہ اور مختار ہے۔ در مختار کی دوسری روایت بھی اسکی مؤید ہے وجواب ظاہر الروایۃ عدم
 المنع مطلقا وبہ افتی طائفتہ کالامام ظہیر الدین وابن شحنے ووالدہ ودرجہ فی الفقہ فی قسمہ الحق
 وبہ یفتی اور جواب ظاہر الروایۃ مطلقا عدم منع ہے اور اسی پر ایک جماعت کا فتویٰ ہے جن میں سوامام
 ظہیر الدین اور ابن شحنے اور انکے والد رحمہم اللہ ہیں اور فتح میں اسی کو ترجیح دی ہے اور مفتی کو قیسمہ میں
 ہے اسی پر فتویٰ ہے والد اعلم حرره محمد عبد اللہ عفی عنہ۔ ہذا الجواب صحیح محمد اکبر علی خان خلف رحمہم اللہ خان
 الجواب ہوا الجواب حرره محمد عبد اللہ۔ ذلک کذلک کتبہ محمد ظہیر علی۔ الاجوبۃ المذكورۃ صحیحہ۔ بتقدیر صحت

ما قالہ استفتی کتبہ الحافظ محمد شعیب صانہ السد عن العیب۔ ہوا المصوب جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زمین زید کی ملک ہو تو زید اس میں چوٹ وغیرہ لگانے سے منع کیا جائے گا مگر یہ ہمسایہ کو اس سے ضرر پہونچے۔ تنقیح فتاویٰ حامیہ میں ہر فی حواشی الاشباہ لبیر کا زائدہ مانعہ لہ التصرف فی ملکہ وان تصرفا رجاء فی ظاہر الروایۃ والذی استقر علیہ رأی المتأخرین ان الانسان یتصرف فی ملکہ وان اضر بغيره ما لم یکن ضررا یبینا والفتویٰ علیہ میری زادہ رحمہ اللہ نے جو حواشی اشباہ میں لکھا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے اگرچہ اس سے اُسکے پڑوسی کو ضرر پہونچے ظاہر روایت کے اعتبار سے اور متاخرین رحمہم اللہ کے نزدیک انسان اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے اگرچہ اس طرح دوسروں کو ضرر پہونچے جب تک کہ ضرر برہین نہ ہو اور ایسی ہر فتویٰ ہے۔ اوسمخ الغفار میں ہر فی فتاویٰ قارے الہدایۃ الفتویٰ علی انہ ممنوع من التصرف علی وجہ یتضرر بہ البارواکان فی ملکہ فتاویٰ قاری ہدایہ میں ہر فتویٰ اس پر ہے کہ وہ اس طرح کے تصرف سے روکا جائے گا جس سے پڑوسی کو ضرر پہونچے اگرچہ یہ تصرف اپنی ہی ملک میں کیوں نہ ہو۔ اور تاتار خانہ میں ہے الاصل فی جنس هذه المسائل ان القیاس ان کان من صرف خالص ملکہ لا یمنع وان کان یودی الی الضرر بالغیر لکن تراکب القیاس فی موضع یتادی ضرر تصرف الی غیرہ ابینا اس قسم کے مسائل میں اصل یہ ہے کہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ اپنی خالص ملک میں تصرف کرنے والا روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر بھی پہونچ جائے لیکن قیاس اس جگہ متروک ہے جہاں اُسکے تصرف سے دوسرے کو ضرر برہین پہونچے والہ اعظم بالصواب والیہ المرجع واللباب حررہ الراعی عفور بہ الفتویٰ ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز السد عن ذنبہ الجلی والغفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

کتاب المتفرقات

استفتا تقریرات فریقین میں محاکمہ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم فضیلت مکان حرمین شریفین کے باب میں بہتے مولوی عبدالحی صاحب کو نصفت قرار دیا ہے راقم محمد عبد العزیز ج میں نے مولوی عبدالحی صاحب کی منصفی فضیلت مکان حرمین شریفین میں قبول کی۔ باقم محمد حسین س۔ آپ ساکنان حرمین شریفین کی فضیلت کلی کے مدعی ہیں تبائیے کہ ہر صفت میں ان کو افضل جانتے ہیں یا کسی صفت حاصل میں محمد بن

آپ نے فضیلت کلی سے کیا مراد لیا ہو اور صفت خاص کس کو کہتے ہیں اور اس مسئلہ میں کس دلیل سے آپ متسک کرتے ہیں محمد حسین۔ حج میں صفت کلی کی شرح کر چکا ہوں کہ علم فہم تقویٰ فضل سکونت کو میں صفت کلی سمجھتا ہوں اور صفت خاص سے میری مراد ان صفات میں ایک صفت ہو اور متسک کرنا آپ کا کام ہے جس دلیل سے آپ متسک کریں گے میں اُسکا جواب دوں گا کیونکہ میں مدعی ہوں اور مدعی کا کام متسک کا جواب دینا ہے نہ کہ متسک کرنا حج جب تک آپ اولہ شرعیہ میں سے کوئی دلیل منظور نہ کریں گے اُسوقت تک جواب متعذر ہو کیونکہ خصم جس دلیل کو تسلیم نہیں کرتا اُسکا بیان بغاوت ہو اسیلے آپ کو لازم ہو کہ اپنا متسک بیان کریں تاکہ جواب دیا جائے اور کل جو آپ نے آیت قرآنی مذمت عرب و اہل مدینہ میں بیان کی تھی اُس کو آپ آج بھی سند جانتے ہیں یا نہیں حج میرے سامنے دلیل پیش کرنے کی اُسوقت ضرورت ہو گی جب میں آپ کے دعوے فضیلت کا منکر ہوں گا اور چونکہ ابھی محل نزاع مقرر نہیں ہوا اور سراپا تسلیم پایا نہیں گیا لہذا ابھی دلیل پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہو سکتا، کہ میں آپ کے دعوے فضیلت کو مان لوں جب میں آپ کے دعوے سے انکار کروں گا تو دلیل طلب کروں گا اُس وقت آپ کو اس دریافت کرنے کا حق حاصل ہوگا کہ تم کیسی دلیل کے طالب ہو اور میں نے کل جو آیت بیان کی تھی وہ اُن منافقین کی مذمت کی دلیل تھی جو زمانہ نبوی میں تھے اسی لیے میں نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ کلی اور مدنی کئی قسم کے ہیں ایک وہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے کافر تھے دوسرے وہ جو آپ کے زمانے میں کافر تھے اور میں نے کہا تھا کہ زمانہ نبوی میں بھی منافق موجود تھے اسی دلیل میں میں نے وہ آیت پیش کی تھی اور اب تک میں اپنے اُس قول پر قائم ہوں اور اُن منافقین کی مذمت میں اُس آیت کو دلیل میں پیش کرتا ہوں۔ محمد حسین۔ حج آپ نے کل جو آیت ہمارے مقابلے میں پیش کی تھی اگر اُس سے آپ کی وہی مراد تھی جواب آپ کہہ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ خطا سے فاحش اور عظیم غلطی میں گرفتار ہوئے کیونکہ ہم نے مقابل میں جو حدیثیں بیان کیں تھیں اُن کا یہ مضمون نہ تھا کہ تقریر اور نصرت اسلام کے قبل فضیلت کا ثبوت ہو اگر آپ اُس سے یہی مطلب سمجھے تھے تو یہ بات علما و اہل فراست کی بہت بعید ہو اور اگر آپ کی مراد بعد تقریر اسلام کے ہوتی تو اس سے احادیث نبوی کی تکذیب لازم آتی ہو اللہ ہم سب کو ایسے افعال سے بچائے جو عکس آپ

کئی دن سے فضیلت ساکنین حرمین شریفین کا انکار کر رہے تھے اس لیے آپ سے دریافت متسک کی ضرورت ہوئی آپ نے بذریعہ تحریر مجھ سے دریافت کیا تھا کہ تم کس زمانے کے لوگو کی فضیلت کے مدعی ہو اس لیے میں نے مفصل جواب دیا تھا اور تقسیم بیان کی تھی میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ احادیث کے مضمون سے جو فضیلت ثابت ہو وہ مسلم نہیں۔ اور تقرر کی حد آپ کو بیان کرنا چاہیے کہ کب سے وہ تقرر پایا گیا جب آپ حد بیان کر دیں گے اس وقت میرا اقرار خواہ انکار آپ کو معلوم ہو جائے گا پہلے ہی سے آپ کیون فرماتے ہیں کہ تم تقرر اسلام کے بعد مدنیہ منورہ میں منافقوں کا وجود تسلیم کرتے ہو جو احادیث کے خلاف ہیں جس کا پہلے منکر تھا اب بھی منکر ہوں اور کیا پہلے مقرر تھا اب بھی مقرر ہوں۔ آپ فضیلت کا تعین کر دیں کہ کس فضیلت کے مدعی ہیں ہو سکتا ہو کہ میں بھی اسکا منکر نہ نکلوں جب میں اسکا منکر نکلوں تو آپ لائق تسک دلیل مجھ سے طلب کریں ج نہایت تعجب خیز امر ہو کہ جب آپ کے سامنے فضائل کی حدیثیں بیان کی گئیں جو صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی تھیں کہ نفاق اور کفر کا زمانہ مراد نہیں ہو تو اس کے جواب میں ایسی آیت کا پیش کرنا کھلی ہوئی غلطی تھی اور یہ ظاہر ہو کہ فضیلت سکان حرمین کا دعویٰ تقرر اسلام و استیلاء کے بعد ہو نہ زمانہ کفر و نفاق میں اور اب جو آپ اپنے کل والے ادعا سے وجہ پیدا کر کے انکار کرتے ہیں تو ہم بھی اس انکار کو توبہ قرار دیے لیتے ہیں الا نکاس من الخطاء توبہ کیونکہ خطا سے انکار کرنا بھی توبہ ہو اور سکان حرمین شریفین کے فضائل بالفعل بھی جو احادیث سے ثابت نہیں کیے کئی قسم کے ہیں لیکن اس منظرے میں مدعا اور مقصود یہ ہو کہ جب علمائے دیار و امصار کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو علمائے حرمین کا قول قابل استناد ہو چنانچہ مجموعہ احادیث متعلم استفتا جو پیش کیا جاتا ہو خود اس پر شاہد عادل ہونچ آپ نے دعویٰ عام کیا تھا اور دلیل خاص و فضیلت زمانہ تقرر اسلام کی لائے تھے لہذا میں نے آپ کے عام دعوے کے مقابلے میں تقسیم کی اور عام کے انہیں افراد کو توڑا اور میں نے جو آیت پیش کی تھی وہ آپ کے عام دعوے کو مقابلے میں تھی نہ خاص احادیث کے مقابلے میں پس آپ کا یہ سمجھنا کہ ہماری احادیث کے سامنے آیت پڑھی آپ کی سمجھ کی غلطی ہو اور وہ اس وجہ سے ہوئی کہ آپ نے دعوے میں ابہام اور تقسیم سے کام لیا تھا خیر جب آپ نے اس دعوے ہی سے رجوع کیا تو اب یہ ذکر ہی بیکار ہو لیکن آپ نے جو یہ

دعویٰ کیا ہے کہ منصفی کے لیے علمایٰ حرین افضل ہیں اس میں اولایہ معلوم ہونا چاہیے کہ کس زمانہ کے لوگ اس فضیلت خاص کے مستحق ہیں یعنی زمانہ نبوی کے یا قرون ثلاثہ کے یا اس زمانے کے یا ہر زمانے کے لوگ جب آپ اسکا تعین کر دیں گے تو دیکھا جائے گا کہ آپ کا فتویٰ مثبت دعویٰ ہے یا نیا۔
 حج ہمارا پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس وقت دفع اختلاف کے لیے علمائے حرین کو منصف قرار دینا چاہیو۔
 شرائط مشمولہ مسئلہ (جو انعقاد شرائط سے پہلے عدالت میں داخل کیے گئے تھے) کی تیسری شرط اسپر شاہ عادل ہے جو بحسنہ و سبیل ہے شرط سوم گفتگو کے بعد اگر تکرار باقی رہے تو یا آپ علمایٰ حرین کو منصف قرار دیں یا عموماً تمام مسکنات میں کی مذمت کا فتویٰ دین حج بیشک آپ نے اپنی شرط میں علمائے حرین کو منصف قرار دینے کا ذکر کیا تھا مگر دعوے کے وقت آپ عموماً ساکنان مکہ کی فضیلت کے مدعی ہوئے یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ شرط اور شر ہے اور مشروط دعویٰ اور شر ہے یہ لازمی بات نہیں ہے کہ شرط میں فضیلت علمائے حرین کی تصریح ہونے سے مشروط میں بھی وہی تصریح کبھی جائے خصوصاً جبکہ الفاظ دعوے میں تقیم ہو۔ اس سے ہر کم و مہر پر ثابت ہو گیا کہ آپ اپنے عام دعوے سے رجوع کرتے ہیں میں اسکا انصاف ناظرین پر چھوڑتا ہوں لیکن آپ نے میری بات کا اب بھی جواب نہیں دیا کہ احادیث فتوے سے جن لوگوں کی فضیلت ثابت ہو آپ کن لوگوں کو اسکا محل قرار دیتے ہیں ہر زمانہ کے یا قرون ثلاثہ کے یا آجکل کے لوگوں کو اور مجھے درخواست کی کہ تم منصفی علمائے حرین منظور کرو ورنہ انکی مذمت میں فتویٰ لکھو جب آپ تعین کریں گے تو میں اگر اس تعین کو قابل تسلیم سمجھوں گا تو ان لوگوں کو ورنہ عذر کروں گا میں سائل ہوں ابھی آپ اپنے محل دعوے کا انکار یا اثبات مجھے کیوں چاہتے ہیں آئندہ جواب بھرت واحد دیجیے کہ آپ کن لوگوں کی منصفی کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں جانشین کی عبارت کو منصف تحقیق کر لیا اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے لا طائل کلام ہے جس امر کے آپ مدعی تھے اسکی دلیل اب تک پیش نہ کر سکے۔
 حج میں عرض کرتا ہوں کہ ہر شخص کے کلام لا طائل کی تحقیق ضرور ناظرین کے سپرد ہونا چاہیے آپ مدعی بنا کر مجھے دلیل طلب کرتے ہیں میری سمجھ میں اب تک نہیں آیا کہ میری اس تحریر میں وہ کون لفظ ہے جس نے آپکو میرا مدعی ہونا بتا دیا براہ مہربانی اسپر نشان دیجیے۔ میں تو اب تک سائل ہوں اسلئے آپکو پیش کرنا چاہیے چنانچہ آپ نے ایک فتویٰ بھی مجھے دکھایا تھا جس کو اب آپ چھپاتی ہیں

پہلے آپ تعین دعویٰ کریں اور اسی پر فتوے کی ایک حدیث بطور شاہد پیش کریں پھر مجھے دریافت فرمائیے کہ تو اسے مانتا ہے یا سپر منہ یا معارضہ پیش کرتا ہے؟ حجت بیشک کلام لاطائل کی تحقیق ناظرین کے سپرد کرنا صریحی انصاف ہے اب مجھے ضرورت پڑی کہ آپ کے کلام کے لاطائل ہونے کے وجوہ بھی بیان کروں تاکہ ناظرین آگاہ بھی ہو جائیں وجہ اول آپ کا یہ قول (لیکن جب آپ نے دعویٰ کیا تھا تو آپ عام ساکنان مکہ معظمہ کی فضیلت کے مدعی تھے) محض بے سند ہے بلکہ اول ملاقات کے وقت جو سردار صاحب کے سامنے ہوئی تھی اور شرائط جانبین الگ الگ سردار صاحب کے حوالہ کیے گئے تھے اور ہماری تیسری شرط بخلاف شرائط سے کہ یہ تھی (شرط سوم گفتگو کے بعد اگر تکرار باقی رہے تو تفصیل کے واسطے علمائے حرمین منصف مقرر کیے جائیں) اسکو آپ نے نامعلوم کیا بلکہ مسکن حرمین کی شان میں بے تندی کے کلمات مثل فاسق وغیرہ کے کہے اور میں نے ثبوت فضیلت ساکنان حرمین میں کئی حدیثیں پیش کیں اور کہا کہ ان احادیث کے لحاظ سے ہم علمائے حرمین کو منصف قرار دیتے ہیں اُسکے جواب میں چند واقعے بیان کر دینے کے سوا آپ کوئی حدیث پیش نہ کر سکے دوسرے دن بخاندان اور سردار صاحب کے سامنے مجمع عام میں وہی شرط شروع ہوئی اُس روز بھی آپ مذمت مسکن حرمین کے مدعی ہوئے میں نے کھڑے ہو کر اسی مجمع میں فضائل کی حدیثیں بیان کیں آپ نے اُسکے جواب میں آیات اہل البیت علیہم السلام اشدا کفرا و نفاقا لکم اور ومن اهل المدينة مردوا علی النفاق وغیرہ پڑھے اور استدلال مذمت مسکن حرمین میں چند واقعے بتائے میں نے تھانہ دار اور سردار صاحب کے سامنے متواتر آپ سے التجا کہا کہ ان آیات کو اگر آپ مثبت مذمت اہل حرمین جانتے ہیں تو تحریر فرمادیں گے مگر آپ نے کسی طرح مانا نہ وجہ دوم اور آج کا قول (شرط اور شرط ہے اور شرط اور شرط ہے) بیشک صحیح ہے لیکن شرط مذکور مسائل مختلفہ میں بحث کے لیے کی گئی تھی جب جانبین نے اُس شرط کو بحث قرار دیا تو تعینہ وہی شرط دعویٰ ہو گئی پس اس وجوہ کا غیر شرط ہونا محالات سے ہے لان سلب الشیء من نفسه محال وجہ سوم اور آج کا قول (کہ دعویٰ کے الفاظ میں تعین ہوئی) اقرار ہے محض ہے اگر آپ کے نزدیک اقرار نہیں ہے تو اُن الفاظ پر نشان دیجیے۔ وجہ چارم آپ کا قول (کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو آہ) تعجب خیز ہے کیونکہ ہماری عبارت سراسر تعین مدعا پر دلالت کرتی ہے۔ ہاں اگر تعین مدعا کسی جسم کا نام ہو تو اُسے حاصف کہوں

توجہ نہج آپ کی روزِ مذمتِ سکانِ حرمین کا ورد کر رہے تھے مگر جب دلیل طلب کی گئی تو اُسے اجنبی بات کہنے لگے آپ کلمتے ہیں کہ تجھے دلیل پیش کرنا لازم ہے بیشک بجا اور بالکل درست ہے مین تو دور و ز سے برابر دلیل پیش کر رہا ہوں آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو میں کیا کروں ہاں یہ تو فرمائیے کہ آپ جو زبانی مذمت اہل حرمین کے مدعی ہیں اور دلیل پیش نہیں کرتے کیا یہ بعید از مناظرہ نہیں ہے کیونکہ مناظرے میں یہ شرط نہیں ہے کہ زبانی دعوے پر دلیل بیان نہ کرنا چاہیے اور کئی جگہ آپ نے اپنے کو سائل سے تبصیر فرمایا ہے حالانکہ علمِ مناظرے میں سائل اُسے کہتے ہیں جو دلیل قائم ہونے کے بعد مدعی کا مقابلہ کرے اقامتِ دلیل کے بعد دعوے کا تسلیم کرنا سائل کی شان نہیں ہے ورنہ یہ مین ہے السائل من نصب نفسه لنقض الحکم معلوم ہو کہ آپ کا سائل ہونا کس علم سے مستنبط ہے مہربانی فرما کر اب مذمت کی دلیل پیش فرمائیے اور فضیلت کی دلیل بھی جو آپ کے سامنے کئی بار پیش ہو چکی ہے نقل کر کے دو لونِ دلیلین منصف کے پاس فیصلہ کے لیے بھیجی جائیں ہر مسلمان کو لازم ہے کہ صدق کو نہ چھوڑے جس جگہ کلامِ لاطائل کا انصاف آپ نے ناظرین کے سپرد کر دیا تو اب اُسکے وجوہ لکھنا بھی لاطائل امر تھا اُنکا جواب ضروری نہ تھا مگر محض اس خیال سے جواب لکھا جاتا ہے کہ ناظرین ایک طرف بات شکر دھو کا نہ کھائیں۔ جواب وجہ اول باوجود اسکے کہ آپ نے فضائلِ مدینہ پڑھے ہیں اور شرطِ ثالث میں منصفی علما کو چاہتے تھے مگر آپ کا دعویٰ یہ تھا کہ کہہ مظلومہ جگہ ہے جہاں کوئی خبیث نہ ہو نہیں پاتا وہاں سب اچھے ہی لوگ ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں مین نے تقسیم کی اور کہا کہ مین پر کئی زمانے آئے ہیں جیسے نبوت یا ہجرت سے پہلے کا زمانہ جس میں کفر ظاہر تھا پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ کہ اسوقت بھی منافق موجود تھے جس میں آیت مذکور پڑھی تھی پھر وہ زمانہ جو آپ کے بعد ہوا اُس میں بھی بعض اطراف کے لوگ مرتد ہو گئے جنکو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لڑا اور بعض نے اجماعِ صحابہ جیسے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو شہید کیا پھر خلفائے بعد کا زمانہ ہوا جس میں یزیدِ بلید کے لشکر سے مدینہ منورہ میں بچا کر کینین سرزد ہوئیں جیسے زنا قتل وغیرہ اور کہ مین محمد الماک نے چڑھائی کی ان دلائل سے مین نے آپ کے اُس عام دعوے کو توڑا کہ وہاں سب اچھے ہی لوگ ہوتے ہیں میرا صریح کلام یہ ہے کہ وہ ہمارے دین و ایمان کا رکن ہے مگر وہاں ہمیشہ بھی لوگ یکساں نہیں رہے اب فرمائیے آپ کی درخواستِ منصفی سے یہ کہاں لازم آتا یا سمجھا جاتا ہے

کہ آپ نے فضائل ساکنانِ حرمین بیان کرتے وقت علما اور فضلاء کی قید لگا دی تھی اور میں نے جو آیتیں اس وقت منافقوں کی مذمت میں بیان کی تھیں محض اس وجہ سے نہیں لکھیں کہ جب مشروط اور مجبہ ہی کا تقریباً بھی نہیں ہوا تو ان آیتوں کا ابھی لکھنا قبل از وقت ہے۔ اب جب وقت آپ اپنے دعوے کا ثبوت لکھ چکین گے اور مجھے آپ کے خلاف دعویٰ ہو گا تو پھر وہی آیتیں لکھوں گا۔ جواب وجہ دوم یہ شرط اگرچہ بعد کو ایک دعویٰ ہو گئی ہے مگر پہلے دعوے کے منافی تھی۔ جواب وجہ سوم آپ کا افترا کہنا خود ہی افترا ہے کیونکہ زبانی گفتگو میں نشان کیونکر دیا جاسکتا ہے۔ جواب چہ چہ آپ کی تمام تحریر میں کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کس زمانے کے ساکنانِ حرمین تھے فضیلت کی قائل ہیں اگر آپ کی تحریر میں کہیں ہو تو براہِ مہربانی اُس مقام کی ایک سطر تحریر فرمائیے۔ جواب وجہ پنجم میں عموماً ساکنانِ حرمین شریفین کی مذمت کا دعویٰ نہیں ہوا تاہم حاضرینِ مجلس جانے ہیں کہ میں اسکا قائل ہوں کہ وہاں اچھے بُرے دونوں ہیں اُس مقام کے اچھے ہونے سے البتہ یہ لازم نہیں سمجھتا کہ وہاں کے سب رہنے والے بھی اچھے ہوں اور میرا یہ کہنا بھی بطور دعوے کے نہ تھا بلکہ آپ کے دعوے پر نقض وارد کرنے کے لحاظ تھا وہ زبانی گفتگو تھی اور جب یہ تحریری گفتگو شروع ہوئی تو میں کسی امر کا دعویٰ نہیں ہوا آپ سے تعین دعویٰ اور اسکی دلیل کا سوال کرتا ہوں اور اس پر آمادہ ہوں کہ جب آپ دعویٰ متعین کر کے اس پر دلیل پیش کریں گے تو اگر وہ دلیل قابلِ تسلیم ہوگی مان لوں گا ورنہ رد کروں گا اس اعتبار سے میں سائل مصطلح ہو سکتا ہوں فرمائیے جب آپ کے دعوے کے رد کرنے پر آمادہ ہو گیا تو سائل ہوا یا نہیں اسکے علاوہ آپ نے جو سائل کی تعریف تحریر فرمائی ہو بیشک صحیح ہو مگر یہ تعریف سائل مصطلح فن مناظرہ کی ہو اور اصطلاح لغت میں ہر بات پر جو چھنے والے کو سائل کہتے ہیں جیسا کہ میرا سوال اول اسی اطلاق سے سوال ہو سکتا ہے یہ جواب نے کہا ہے کہ دلیل قائم ہونے کے بعد دعوے کو تسلیم کر لینا سائل کی شان سے نہیں ہو معلوم نہیں میری کس بات کا جواب ہو بلکہ یہ آپ ہی کے اعتراض کا جواب ہو اگر آپ کے کلام کے ضمیمہ کو دیکھتا ہوں تو اُس میں بھی مجھے کئی وجہ سے کلام ہو مگر میں یہاں پر اس نوعی بحث کو چھوڑنا فضول سمجھتا ہوں کیلئے جب آپ نے سائل من نصب اہ میں نصب کو سین سے بڑھ کر نسبت کر کے اسکا ترجمہ کیا تھا میں نے رد کر کے زبانی آپ کو اس غلطی پر متنبہ کر دیا تھا اور آپ ہی کے قلم سے سین کو صا و خواہ یا

اگر مجھے لفظی بحث منظور ہوتی تو اُس وقت چپ رہتا اور آپ کی تحریر کے جواب میں تفصیل اور تطویل کرتا۔ یہ آپ کے وجوہات کے جوابات تھے اب مطلب کی بات کا جواب دیتا ہوں آپ نے پھر دلیل پیش نہ کی اور مجھ سائل ہی سے دلیل مانگی آپ فرماتے ہیں کہ ہم دو تین دن سے دلیل پیش کر رہے ہیں یہ آپ کی بڑی دلاوری ہو کہ برخلاف واقعہ بیان کر رہے ہیں اسکی کیا مثال دوں شرم آتی ہو میں دلیل مانگتا ہوں آپ اپنے فتوے اپنے ہاتھ میں رکھ کر دور سے دکھاتے ہیں گو تمام لوگ یہاں تک کہ سردار صاحب بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ فتوے دین اور اپنے دعوے کا ثبوت پیش کریں مگر آپ فتویٰ میرے ہاتھ میں نہیں دیتے پھر یہ فرمانا آپ کا کیونکر صحیح ہوا کہ ہم دو تین دن سے دلیل پیش کر رہے ہیں اور مجھے مذمت کی دلیل کے طالب ہیں میں اس تحریری گفتگو میں مذمت کا مدعی نہیں جو پہلے زبانی کہا تھا وہ دوسری بات تھی جسکی تشریح میں جواب وچہ اول میں اچھی طرح کر چکا ہوں براے خدا اب ہٹ چھوڑیے اور دلیل پیش کیجیے۔ اگر اب بھی آپ نے لا طائل باتیں کیں اور دلیل نہ پیش کی تو میں انہیں لائق جواب نہ خیال کروں گا اسکا انصاف ناظرین ہی کریں گے اور اگر اس مسئلہ میں سوائے قیل و قال کے ایک کچھ نہیں آتا تو کسی اور مسئلہ میں بحث کیجیے جیسے رفع یدین یا ہجر وغیرہ اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو میری طرف سے سلام ہو حج کو جواب دینے کی حاجت نہیں مگر بنظر فائدہ عام مختصراً جواب لکھا جاتا ہوئے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ ساکنان حر میں قبل اسلام بھی بہتر تھے اگر آپ کے نزدیک میں نے یہ دعویٰ کیا ہو تو تحریری سند پیش کیجیے یا جملہ حرمین نے شرط ثالث پر گواہ پیش کیے ہیں آپ بھی گواہ پیش کریں آپ نے جو واقعات قتل حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور زید بلید کے پیش کیے انکا احادیث نبویہ کے مقابلہ میں جیسے ان الدین لیسرا ذالے الحجاز نکاتا ذالحمۃ لى ہجر ہا وغیرہ کے جو صحاح اور مشکوٰۃ میں موجود ہیں پیش کرنا شان محمدیہ سے بعید ہو آپ تو فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قرآن حدیث اجماع کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے پھر واقعات کے بیان کرنے سے کیا فائدہ اس کے علاوہ ان واقعات گھوڑا اسکے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ ساکنان حر میں شریفین مظلوم تھے یعنی عبدالملک وغیرہ نے حر میں پیر چڑھائی کر کے ساکنان حر میں کو بہت ستایا ان شدائد سے بھی عند اللہ انکی فضیلت ہی ثابت ہوئی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہواشد السلاک انبیاء شملہ لا شملہ فلا مثل اور یہ ظاہر ہو کہ ہم انکی معصومیت کے

مدعی نہیں ہوئے جس سے ہمپر کوئی اعتراض وارد ہو سکے اور آپ نے ساکنانِ حرمین کی مذمت میں جو حدیث حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے زنا کرنے کی بیان فرمائی تھی جو حقیقت صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن تھا جسکے جواب میں میں نے کہا تھا کہ میں انکی معصومیت کا مدعی نہیں ہوں اب آپ فرماتے ہیں کہ وہاں بعض اچھے بھی ہیں اگر ان سے علما مراد ہیں تو ان کی منصفی سے انحراف کیوں ہو اگر علما مراد نہیں ہیں تو قرآن یا حدیث سے سند پیش کیجیے۔ اگر آپ نے اپنی عبارت میں دعوے سے عام فضیلت مراد لی ہے تو اسکا ہماری شرط ثالث سے مشروط ہونا محالات سے ہے لہذا وہ شرطیۃ الشئ النفس والخواصہ اور اگر پھر بھی کچھ مشبہ باقی رہے تو ان اللہ علی کل شیء قدیر کو اچھی طرح سمجھیے آپ جو فرماتے ہیں کہ دعوے سے میں دعویٰ تقریر عام آجکا مراد لیا ہوا جو دیکھتا ہے افتراء لیکن مجھے کامل سند ملگئی کہ اب آپ دعویٰ تقریر کے سند ہونے کے مقرر ہوئے اب آپ کو لازم ہوا کہ اپنے دعوے مذمت تقریری کی دلیل پیش کیجیے آپ نے ہمسے تعین دعوے کا نشان مانگا ہے ہم بتاتے ہیں کہ ہماری تحریر میں لکھا ہے کہ ہمارا اول دعویٰ یہ ہے کہ جھگڑا فیصل کرنے کے لیے علمائے حرمین کو منصف قرار دینا چاہیے لفظ سائل لفظ مدعی کے مقابل میں اطلاق کرنا مدعی کی لغویت کو ملحوظ کرنا ہوا اور یہ کہنا کہ شاید میں مان ہوں آپکے سائل ہونے کو باعتبار مایول الیہ کے باطل کرتا ہوں اور نہ ہر محارب کو قاتل کہنا اگرچہ وہ مقتول نہ ہو درست ہوتا دھوکا تری اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے سین کو صادم بنا دیا کیا آپ حلفا کہہ دیجئے کہ جب آپ نے میری تحریر سے نقل کی تھی تو اُس میں سین تھا واہ جناب اُس میں تو بہت صاف صادم ہی تھا اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں فتویٰ نہیں دیتے یہ مناظرے کی کس کتاب میں ہے کہ جو شخص زبانی اپنے دلائل بیان کر چکا ہو اسے یہ بھی ضروری ہے کہ تحریر بھی ختم کر دے جب آپ نے بمقابلہ احادیث فضیلت کے جو میں نے مجمع عام میں پڑھی تھیں معارض بنکر اپنے خیال کے موافق ثابت کئے دلائل پیش کیے پس تحریر دلائل واسطے ملاحظہ منصف کے ضرور درکار ہوا اور ہم کئی دن سے کہہ رہے ہیں کہ آپ مذمت کا فتویٰ دلائل کر کے پیش کریں تاکہ دونوں شامل مسل ہو کر منصف کے پاس روانہ کیے جائیں۔ اگر آپ فتویٰ مذکور ندین گئے تو ہم اپنا فتویٰ شامل مسل کر کے منصف کے پاس بھیج دیں والسلام۔ مدعی فضیلت ساکنانِ حرمین شریفین مولوی عبدالعزیز صاحب۔ سائل مقابل۔ مولوی محمد حسین صاحب لاہوری۔ جھگڑے کا خلاصہ یہ ہے کہ مدعی نے فضیلت ساکنانِ حرمین کا دعویٰ

کیا سائل نے جواباً کہا کہ وہاں کے لوگ منافق اور کافر بھی تھے چنانچہ آیت قرآنی ومن اهل المدينة
 مرادوا على النفاق اور آیت الاعراب اشد كفرا و نفاقاً میرے قول پر شاہد جو مباہتہ کے دن سائل نے
 پوچھا کہ آپ کلی فضیلت کے مدعی ہیں یا کسی وصف خاص میں مدعی نے پوچھا کہ فضیلت کلی اور وصف
 سے آئیگی کیا مراد ہے اور آپ اس مسئلہ میں کس دلیل سے تمسک کریں گے سائل نے صراحت کی کہ
 فضیلت کلی اس فضیلت کو کہتے ہیں جو ہر وصف میں ہو جیسے علم فہم تقویٰ فضل سکونت وغیرہ اور وصف
 خاص سے مراد ان اوصاف میں سے کوئی ایک صفت ہو پھر کہا کہ میرا تمسک کرنا آپ کو ابھی کہاں معلوم
 ہوا کیونکہ میں تو سائل ہوں آپ مدعی ہیں جس دلیل سے آپ تمسک کریں گے میں اُسکا جواب دوں گا
 مدعی نے کہا جب تک اہل شرعیہ میں سے آپ کسی دلیل کو منظور نہ کر لیں گے میں جواب نہ دوں گا اس
 لیے آپ کو چاہیے کہ اپنا تمسک بیان کریں تاکہ اُسکا جواب دیا جائے اور آپ نے مذمت عرب اور مذمت
 اہل مدینہ میں کل جو آیت پڑھی تھی اُسکو اب بھی آپ سند مانتے ہیں یا اُس سے رجوع فرماتے ہیں
 سائل نے کہا میرے سامنے دلیل پیش کرنے کی اُسوقت ضرورت ہوگی جب میں آپکے دعوے
 فضیلت سے انکار کروں گا اور چونکہ ابھی تک محل نزاع مقرر نہیں ہوا ہے اور میرا انکار یا تسلیم نامہ نہیں
 گیا ہے اس لیے ابھی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں ہو سکتی کہ میں آپکے دعوے کو مان لوں
 جب میں آپکے دعوے کا منکر ہو جاؤں اُسوقت آپ دریافت کریں کہ تم کو کسی دلیل مانگتے
 ہو اور کل میں نے جو آیت دلیل میں پیش کی تھی وہ ان لوگوں کی مذمت میں تھی جو حضور سرور
 کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے زمانے میں منافق تھے اسی لیے میں نے تقسیم بھی کر دی تھی کہ مکہ
 اور مدینہ کے لوگ کئی قسم کے ہیں ایک وہ جو حضور خاتم الانبیاء علیہ التہیۃ والثناء کے پہلے کافر تھے دوسرے
 وہ جو آپ کے زمانے میں کافر تھے اور میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں
 بھی مدینہ منورہ میں منافق موجود تھے جس پر وہ آیت پیش کی تھی مدعی نے کہا کہ آپ نے مناظرہ
 میں ہمارے سامنے جو آیت بیان کی تھی اگر اُس سے آپ کی وہی مراد تھی جو ہر وقت آپ کہہ رہے
 ہیں تو آپ سے خطا ہوئی کیونکہ ہم نے فضائل میں جو حدیثیں بیان کی تھیں اُنکا مضمون یہ تھا کہ نصرت
 اسلام کے قبل فضیلت کا ثبوت ہو پس یہ اہل علم سے بعید ہے اور اگر اُس سے آپ کی مراد بعد تقرر
 اسلام کے بھی ہو تو اس سے احادیث کی تکذیب لازم آتی ہے اور چونکہ دو تین دن سے آپ برابر

فضیلت کا انکار کر رہے ہیں اس لیے آپ سے شک دریافت کیا جاتا ہے سائل نے کہا چونکہ آپ نے دعویٰ حسین نہیں کیا تھا کہ کس زمانے کے لوگوں کی فضیلت کے آپ مدعی ہیں اس لیے میں نے تقسیم اور تفصیل کی تھی اور میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ حدیث سے جو بات ثابت ہو وہ مسلم نہیں اور تقرر اسلام کی حد بیان کرنا آپ پر لازم ہو کہ وہ زمانہ کس وقت سے پایا گیا جب آپ حد بیان کریں گے اس وقت میرا اقرار یا انکار آپ کو معلوم ہو جائے گا پہلے سے آپ کیون کہتے ہیں کہ تم تقرر اسلام کے بعد مدینہ میں منافقوں کا وجود تجویز کرتے ہو میں مطلق فضیلت کا منکر نہیں آپ وصف معین بیان کریں کہ کس فضیلت کے مدعی ہیں ممکن ہو کہ میں اسکا منکر نہوں اگرچہ مجھ کو اسکا منکر یا دین تو آپ قابل شک دلیل مجھے طلب کریں مدعی نے کہا کیا عجیب العجاب ہے کہ آپ کے سامنے فضائل کی حد نہیں بیان ہوئیں اور انکا مضمون صرف اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ اس سے انکار و نفاق کا زمانہ مراد نہیں ہو پھر بھی آپ نے احادیث کے مقابلے میں وہ آیت جو تقرر اسلام کے قبل والوں کی مذمت میں تھی پیش کی یہ آپ کی صریح غلطی اور یہ ظاہر ہو کہ میں نے جو فضیلت ساکنانِ حرمین کا دعویٰ کیا ہو اس سے وہ کل ساکنانِ حرمین مراد ہیں جو استیلا اور تقرر اسلام کے بعد ہیں وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو اس زمانہ سے قبل تھے خیر اب چونکہ آپ اپنے ادعاے مذکور سے انکار کرتے ہیں لہذا ہم آپ کے اس انکار کو بجائے تو بے مانے لیتے ہیں اور بالفعل بھی ساکنانِ حرمین کے جو فضائل احادیث سے ثابت ہیں وہ کئی قسم کے ہیں لیکن مقصود فقط اس قدر ہو کہ جب جارے دیار و انصار کے علمائے اختلاف واقع ہو تو اس وقت افضل اور بہتر یہ ہو کہ فیصلہ کرنے کے لیے علمائے حرمین شریفین منصف قرار دیے جائیں چنانچہ احادیث متعلقہ استنفا کا جو مجموعہ پیش کیا جاتا ہو اس امر پر دل ہر سائل نے کہا چونکہ آپ نے عام دعویٰ کیا تھا اور دلیل تقرر اسلام کے بعد والے زمانے کی فضیلت خاصہ کی پیش کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ اس وقت چونکہ آپ کا دعویٰ عام تھا اس لیے میں نے بھی عام سند پیش کی تھی اب چونکہ آپ عام دعوے کو چھوڑتے ہیں اس لیے میں آپ کے اس چھوڑنے کو بجائے تو یہ قرار دیے لیتا ہوں اور اب جو آپ نے دعویٰ کیا ہو کہ ہم اس وصف خاص میں مدعی ہیں کہ مقدمات دین میں علمائے حرمین منصفی کے لیے افضل ہیں اور اس دعوے پر آپ نے احادیث منصفہ فتویٰ پیش کی ہیں تو یہ بات بھی شیعہ طلب ہو کہ اس فضیلت کے محل کس زمانہ کے لوگ ہیں قبروں

نثار کے یا آجکل کے آپ پہلے اسکو متعین کر دیں تو آپ کا فتویٰ دیکھا جائے گا مدعی نے کہا میرا ابتدا سے یہ دعویٰ ہے کہ اس زمانہ میں اختلاف کے وقت علمائے حرمین شریفین کو منصف مقرر کرنا افضل ہے اس پر ہماری تیسری شرط منجملہ شرائط مشمولہ اصل جو قبل انعقاد شرائط سرکار میں داخل کی گئی تھیں شاید عدل ہو کیونکہ اس شرط کے نہ ماننے کی وجہ سے یہ بحث شروع ہوئی تھی وہ شرط یہ تھی (دشروط سوم) بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہے تو واسطے انفصال کے علمائے مکہ اور مدینہ کو منصف قرار دیا جائے اب آپ کو چاہیے کہ کیا انکی منصفی کو منظور کیجیے یا سکان حرمین علما ائمہ مومنین سبکی مذمت کا فتوے لکھیے سائل نے کہا بیشک آپ نے شرط میں منصفی کا ذکر کیا تھا مگر جب آپ نے عام دعویٰ کیا تو عام سکان حرمین کی فضیلت کے مدعی ہوئے اور یہ بہت ظاہر بات ہے کہ شرط اور شرط ہے اور مشروط جس دعوے کے لیے شرط مقرر کی گئی تھی اور شرط ہے یہ ضروری نہیں کہ شرط میں فضیلت علمائے تصریح ہونے سے مشروط میں بھی وہی تصریح سمجھ لی جائے اس سے سبکو معلوم ہو گا کہ آپ اس عام دعوے سے رجوع کرتے ہیں خیر میں اس بات کو ناظرین کے انصاف کے حوالہ کر کے مطلب کی بات کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو اس فضیلت کا جو احادیث فتوے سے ثابت ہو محل قرار دیتے ہیں ہر زمانہ کے لوگوں کو یا قرون ثلاثہ کے یا آجکل کے لوگوں کو جب آپ اسکو متعین کر دیں گے تو میں غمہ کروں گا اگر واقعی وہ لوگ احادیث فتویٰ کے مصداق ہونگے تو مان لوں گا ورنہ عذر کروں گا آپ ابھی مجھ سائل سے اپنے عمل دعوے کی تسلیم یا رد کیوں چاہتے ہیں مدعی نے کہا جانہیں کی عبارتوں کو منصف خود سمجھ لیا اور یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے لا طائل کلام ہے جس امر کے آپ مدعی تھے اسکی دلیل پیش کیجیے ورنہ آپ کو اختیار ہے سائل نے کہا میں ابھی کہ چکا ہوں ہر شخص کے کلام کا لا طائل ہونا ناظرین کے حوالہ کرنا چاہیے اور آپ جو مجھے مدعی بناتے ہیں اور طالب دلیل ہیں مجھے بہت تعجب ہے میری تحریر میں کون لفظ ہے جس سے کسی امر میں میرا مدعی ہونا ثابت ہوتا ہے میں تو اب تک سائل ہوں البتہ آپ مدعی ہیں لہذا آپ کو دلیل پیش کرنا چاہیے آپ نے جو فتویٰ مجھے پہلے دکھایا تھا اب اسے کیوں چھپاتے ہیں پہلے آپ دعوے کو متعین کر کے اس پر احادیث فتویٰ میں سے کوئی حدیث شائد ٹھہرائیے پھر مجھے دریافت کیجیے کہ تو اسے مانتا ہے یا نہیں اسکے بعد مدعی نے سائل کے کلام کے لا طائل ہونے کے وجہ بیان کرنا شروع

کہ بجز وجہ اولاً سائل کا قول لیکن جب آپ نے دعویٰ کیا تھا تو عام تھا، محض بے سند ہو کیونکہ جب پہلی ملاقات سردار صاحب کے سامنے ہوئی تھی اور الگ الگ جانبین کے شرائط سردار صاحب کے عالم کیے گئے تھے اور ہماری دوسری شرط منجملہ شرائط سے کہ یہ تھی شرط سوم بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہے تو اس کے انفصال کے لئے علماء مکہ اور مدینہ منصف مقرر کیے جائیں اس شرط کو آپ نے منظور نہیں کیا بلکہ مکان حرمین کو فاسق وغیرہ الفاظ سے یاد فرمایا میں نے جواب میں فضیلت کی کئی حدیثیں پیش کیں آپ نے اُس کے جواب میں بجز چند واقعات بیان کرنے کے کوئی حدیث پیش نہیں کی دوسرے روز عام مجمع میں سردار صاحب کے سامنے پھر اسی شرط پر بحث شروع ہوئی اُس دن بھی آپ انکی مذمت کے مدعی رہے میں نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر فضیلت کی حدیثیں بیان کیں آپ نے اُس کے جواب میں آیۃ الاعراب اشدد کفر و لفاقا اور آیۃ من اہل اللدینۃ مرادوا علی النفاق کی تلاوت کی اور چند توہین آمیز واقعات بیان کیے (۲) آپ کا یہ قول در شرط اور شو ہے اور مشروط اور شے، حق ہو لیکن شرط مذکور مسائل مختلفہ میں بحث کے لیے کی گئی تھی جب جانبین نے اُسکو سمجھ کر رد کیا تو بعینہ وہی دعویٰ کی شرط ہو گئی (۳) آپ کا دعویٰ کہ الفاظ میں تعمیم تھی محض افتراء ہے اور اگر آپ کے نزدیک افتراء نہیں ہے تو مسل کے اُن الفاظ پر نشان دیکر بتائیے۔ (۴) آپ کا یہ فرمانا کہ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا تعجب خیر ہو کہ میری جو عبارت تعین مدعا پر صراحۃ دلالت کرتی ہے آپ اسی کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا (۵) آپ کئی روز سو ساکنان حرمین کی مذمت کا تو دعویٰ کر رہے ہیں مگر جب آپ سے دلیل مانگی جاتی ہے تو اُسکو جنبی بات کہہ دیتے ہیں اور اب کئی جگہ آپ اپنے کو سائل سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ علم مناظرہ میں سائل اُسے کہتے ہیں جو دلیل قائم ہونے کے بعد مدعی کا مقابلہ کرے دلیل قائم ہونے کے بعد اُسے مان لینا سائل کا کام نہیں ہے اب آپ کو مذمت کی دلیل پیش کرنا ضروری ہے سائل نے کہا وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ گو شرط ثالث میں علم کی منصفی چاہی تھی مگر دعویٰ آپ کا یہی تھا کہ مکہ بعظمہ ایسی جگہ ہے جو جان کوئی شخصیت رہے نہیں باتا وہاں کے سبھی لوگ اچھے ہونے ہیں جسکے مقابلہ میں میں نے تقسیم کی تھی اور کہا تھا کہ مکہ اور مدینہ پر کئی زمانے گزرے ایک قبل نبوت کا زمانہ کہ اُس میں کفر ظاہر تھا پھر خود حضور سرور انبیاء علیہ التیۃ والتنا کا زمانہ کہ اسوقت میں قبض منافق موجود تھے

جس پر من نے آیت ومن اهل المدينة مردوا علی النفاق پڑھی تھی پھر جو زمانہ حضرت کے بعد ہوا
اسمین بھی بعض اطراف کے لوگ مرتد ہو گئے تھے پھر خلفاء کے بعد کا زمانہ جس میں یزید بلید کے لشکر نے
بیجا حرکتیں کیں اور مکہ پر عبد الملک نے چڑھائی کی ان دلائل سے میں نے آپ کے دعوے کو توڑا تھا۔
اور وجہ دوم کا یہ جواب ہو کہ گو بعد کو شرط ایک دعوی ہو گئی تھی مگر دعوے اول کے منافی نہیں تھی اور وجہ
کا یہ جواب ہو کہ آپ کا افترا کہنا محض افترا ہی کیونکہ جس میں عام دعوی تھا وہ نابنی گفتگو تھی مسل کب تھی
جس پر نشان دیا جائے مسل تو بعد کو ہوئی ہو جس میں ساکنان حریم کی فضیلت کی منصفی کے باب
میں مدعی ہوئے اور وجہ چارم کا جواب یہ ہو کہ آپ کی تمام تحریر میں کسی لفظ سے اسکا پتہ نہیں چلتا
کہ آپ ہر زمانہ کے ساکنان حریم کے منصفی کو بہتر جانتے ہیں یا قرون ثلثہ یا آج کل کو لوگوں کو
منصفی میں بہتر جانتے ہیں اور وجہ پنجم کا جواب یہ ہو کہ میں عام ساکنان حریم کی مذمت کا
منکر نہیں ہوا تمام حاضرین اسکو جانتے ہیں بیشک میں نے یہ ضرور کہا کہ وہاں اچھے برے سب
ہوتے ہیں تو یہ اب بھی کہتا ہوں کہ اُس جگہ کے اچھے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں کے سب اچھے
والے بھی اچھے ہوں اور میرا یہ کہنا بھی دعوے کے طرز پر تھا بلکہ بطور نقض کے تھا اور جب سو تحریری
گفتگو شروع ہوئی میں کسی امر کا مدعی نہیں ہوا آپ سے یقین دعوی اور دلیل کا سوال کرتا ہوں۔ لغت
میں ہر بلو چھنے والے کو سائل کہتے ہیں لہذا لمجاظ لغت مجھ پر سائل کا اطلاق ہو سکتا ہے اور یہ جو آپ
فرماتے ہیں کہ میں دین روز سے دلیل پیش کرتا ہوں بڑی دلاوری کی بات ہو کہ خلاف واقع
اظہار کرتے ہیں جب میں دلیل مانگتا ہوں تو آپ اپنے فتوے کو اپنے ہاتھ میں لکھ کے دور سے دکھا
دیتے ہیں جب میں کہتا ہوں کہ فتوی مجھے دیکھیے تاکہ میں اُسے مان لوں یا رد کروں تو آپ فتوی
نہیں دیتے۔ پھر مدعی نے کہا کہ میں نے تحریر یا تقریر یہ دعوی نہیں کیا کہ تقریر اسلام سے پہلے
بھی ساکنان حریم بہتر تھے اور قتل حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ یا لشکر یزید کے
لشکر کے کات کا بیان کرنا شان محمدیہ سے بعید ہے جب آپ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قرآن حدیث
اجماع صحابہ کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے تو وہاں بات بیان کرنے سے کیا حاصل اس کے علاوہ ان
واقعات سے اہل حریم کی مظلومیت کے سوال اور کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ ہم
انکی عصمت کے مدعی نہیں ہوئے اگر ہم انکی عصمت کے مدعی ہوتے تو ہم کوئی اعتراض لازم

آسکتا اور اب جو آپ یہ فرماتے ہیں کہ وہاں کے بعض لوگ اچھے ہیں تو انکی منصفی سے کیوں انحراف کیا اور ابتدا سے ہمارا دعویٰ یہی ہو کہ اسوقت جب اختلاف کے وقت تکرار باقی رہا کے تو فیصلہ کرنے کے لیے علمائے حرمین کو منصف مقرر کرنا چاہیے اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاتھ میں فتوے نہیں دیتے تو یہ بھی بتا دیجیے کہ مناظرہ کی کس کتاب میں ہے کہ جو شخص اپنے دلائل زبانی بیان کرے اُسے یہ بھی ضرور ہو کہ اُن دلائل کو لکھنے بھی خصم کو حوالہ کرے **تقریر فیصلہ** چونکہ متخاصمین اس سربا تقصیر کے انصاف اور محاکمہ پر راضی ہوئے ہیں اس لیے یقین ہو میں جو امر انصافا بلحاظ احد الجانبین تحریر کروں گا اُسکو دونوں پسند فرمائیں گے اور نظر غائر اور فکر وافر کے بعد میری تحریر کو محض انصاف اور اظہار حق تصور فرمائیں گے بناءً علیہ امتثال اللام من انصاف کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور امر کمون کو ظاہر کرتا ہوں مخفی نہ ہے کہ متخاصمین کی تقریرات زائدہ سے جو داب مناظرہ سے برآ حل دور ہیں قطع نظر کر کے تقریرات طرفین کے معائنہ سے جو امور واضح ہوئے اُنکو درج صحیفہ ہذا کرتا ہوں (۱) پہلے مدعی کو لازم تھا کہ دعوے کی تیج کماحقہ کرتا اور دعویٰ فضیلت سکان حرمین کا علی سبیل تعین عموماً یا خصوصاً کرتا اور سکان کی تفسیر علماء کے ساتھ اور فضیلت کا تعین کہ غرض باب انصاف میں ہے اور زمانہ فضیلت کا تعین کرتا تاکہ سائل کو تطویل بحث کا موقع نہ ملتا اور بوجہ صرف ہو جانے زمانہ تقریر کے امور غیر مقصود میں امر مقصود فوت نہوتا (۲) گو مدعی نے زبانی عام دعویٰ کیا مگر قرآن حالیہ و مقالہ تقریرات سابقہ و شرائط سابقہ کے لحاظ سے یہ امر بدیہی ہے کہ غرض اُسکی اثبات فضیلت علمائے حرمین تھی اسلام مسلم دلیل قاطعہ اس امر پر کہ وہ کفار اور منافقین اہل حرمین کو افضل نہیں کہہ سکتا اور عاقل کی عقل اس امر کی مقتضی ہے کہ یہ دعویٰ مجنون ذنابق یا ملحد کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتا پس گو مدعی کا دعویٰ عام ہو جو جملہ ساکنان حرمین کو شامل ہو مگر قرآن واضح عقلیہ اس امر پر دال ہیں کہ وہ تقریر اسلام کے بعد ساکنان حرمین کے ساتھ خاص ہے بلکہ ساکنین مسلمین کے ساتھ بلکہ علمائے مسلمین حرمین کے ساتھ خاص ہے علی الخصوص ما بین متخاصمین کے اس تقریر کے قبل مذاکرہ مشروط ہو چکا تھا اور شرط ثالث میں یہ مضمون مندرج تھا کہ گفتگو کے بعد اگر تکرار باقی رہا تو انفصال کے لیے علمائے مکہ و مدینہ منصف مقرر کیے جائیں۔ گو وہ شرط عمل بحث واقع ہو گئی اور مباحثہ کے وقت مدعی نے مطلقاً دعویٰ کیا لیکن قرنیہ سابقہ سے ظاہر ہے کہ اس دعوے سے اُسکی

غرض اُسی شرط کا اجرا تھا لہذا اس کا دعویٰ خاص ہوا اگر اُس نے دعویٰ کے وقت داب مناظرہ کے خلاف اجمال کیا پس ایسی حالت میں سائل کو لازم نہ تھا کہ نقض دعویٰ عامہ کی غرض سے الاعراب اشداً کفراً و نفاقاً اور من اهل المدائنة مردداً علی النفاق کی تلاوت کرتا یا فتنہ کئے قصص بیان کرتا کیونکہ سائل کو مدعی سے تعین دعویٰ و تعریفات مفردات دعویٰ وغیرہ اُس وقت کرنا چاہیے جب اُس کا علم نہ ہو اور اگر باوجود علم کے طلب کر لیا تو یہ مکابرہ یا مجادلہ ہوگا جیسا کہ ابجاث باقیہ وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے اور ما نحن فیہ میں اس امر کا علم کہ دعویٰ علمائے حریم کے ساتھ خاص ہے بدلات حال و نقل ہر کس و ناکس کو حاصل ہو پس مقابلہ سائل کا ایسی صورت میں مناظرہ سے خارج ہے (۳) ہرگز سائل کو بمقتضائے مناظرہ لائق نہ تھا کہ آیات مذمت کفار و منافقین حریم کی تلاوت کرتا مگر اسکے بعد کہ اُس سے یہ امر خلاف مناظرہ ہوا مدعی کو مکان حریم کی مذمت کی دلیل سائل سے طلب کرنا اور سائل کو مدعی ٹھہرانا بھی خلاف داب مناظرہ ہے کیونکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ اس تلاوت سے سائل کی غرض محض نقض عموم و اطلاق دعویٰ مدعی تھے نہ ادعاے مذمت مکان حریم شریفین یا منقصت علمائے حریم (۴) یہ کہ سائل نے جو بمقابلہ اطلاق دعویٰ کے وقائع یزید اور عبد الملک ابن مروان کے بیان کیے وہ خارج از بحث ہیں کیونکہ اُن واقعات میں اہل حریم کی کوئی شرارت اور خباثت نہ تھی بلکہ اُن پر مفسدین غالب آگئے تھے (۵) تعین دعویٰ جو مدعی نے چند تقریروں کے بعد کیا یعنی یہ کہ دعویٰ فضیلت علمائے حریم کا باب انصاف میں ہے اگرچہ یہ امر اسکی شہادت ثالث سے معلوم ہوتا تھا مگر بحث کے وقت پہلے سے اسکی توضیح ضروری تھی تاکہ سائل کو سوال کا موقع باقی نہ رہتا اور دعویٰ کے وقت اس غرض سے اسکا اجمال کہ جب خصم اس دعویٰ کا انکار کرے گا تو حضار مجلس سے کہہ دیا جائے گا کہ دیکھیے یہ حریم کے لوگوں کی فضیلت کے منکر ہیں اور احادیث کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں جو خصوص صریحہ سے ثابت ہو داب مناظرہ کے خلاف ہے (۶) باوجودیکہ سائل نے بار بار دریافت کیا کہ مدعی نے صاف بیان نہیں کیا کہ دعویٰ فضیلت علمائے حریم کا من حیث الانصاف آجکل کے علما کے باب میں ہے یا قرون ثلثہ کے علما کے باب میں ہے یا ہر زمانے کے علما کے باب میں ہے یہ امر خلاف داب مناظرہ ہے۔ جب امور ضروری کا سائل سوال کرے تو مدعی کو صواباً پنا لازم ہے اور لیت و لعل کرنا مجادلہ اور مکابرہ سے خالی نہیں ہے مدعی فی ہکا

حوالہ اپنی تقریرات سابقہ پر کیا حالانکہ مدعی کی کسی تقریر سے اسکا حال معلوم نہیں ہوتا ہو البتہ شرط ثالث کے عنوان سے اتنا معلوم ہوتا ہو کہ وہ اس زمانے کے علما کی افضلیت انصافیہ کا قائل ہو مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ امر اسی زمانے کے ساتھ خاص ہو یا ہر زمانہ میں ابتداء سے تقرار اسلام سے پایا گیا یا قرون ثلاثہ میں ہو کے یہ وصف معدوم ہو گیا پھر اس زمانے میں معدوم کا اعادہ ہوا جب تک مدعی صاف صاف دعوے کا تعین نہ کرے دعویٰ کیونکر مقرر ہوگا اور سائل دلیل میں کیونکر نظر کر سکیگا (۷) اس امر میں بحث کرنا کہ سائل سائل نہیں خارج از مناظرہ ہو اگر اصطلاحاً سائل نہ ہو تو لغتاً اسکے سائل ہونے میں کچھ شبہ نہیں (۸) سائل کا یہ کہنا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی ہوتے ہیں صحیح ہے لیکن منصفی میں افضل ہوتا اسکا ثبوت مدعی کے ذمہ ہو سائل کے اس کہنے سے یہ لازم نہیں کہ افضلیت میں حیث الانصاف کا بھی قائل ہو (۹) فضیلت عرب بحیثیت عرب ہونے کے اور فضیلت اہل حریم شریفین کی عموماً اور علمائے حریم کی خصوصاً بحسب تضاعف ثواب عبادات و کثرت قبولیت حنات و مغفرت سینات و بحسب فضیلت موطن و مسکن متفق علیہ ہو اور اس کا ثبوت بہت سی احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ سے ہوتا ہو کسی مسلم کی شان سے نہیں ہو کہ ان فضائل کا انکار کرے اور کثرت ثواب طاعات و مغفرت خطیئات و قبولیت عبادات و فیضان رحم الہی و قرب جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و افضلیت مسکن و موطن میں کسی کو اہل حریم پر فضیلت دے باقی امر انصاف اور تحقیق مسائل خلافیہ اور تنقید و تدقیق دلائل متخالفہ جو مدت طبع و فرط ذکاوت و وسعت فکر و حسن فکر و وسعت علم و کمال فن و ترک تعصب مذہبی و قطع تعلق ہوائے قلبی پر موقوف ہو لہذا جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ علمائے حریم ہر زمانے کے یا کسی زمانہ خاص کے ان سب منافع کے ساتھ متصف رہے ثبوت افضلیت بحسب الانصاف مشکل ہو اور ماہران کتب تواریخ حریم شریفین مثل العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین و تاریخ المدینہ وغیرہ و ناظران تراجم علمائے متقدمین و متاخرین پر غفی زہے گا کہ اجتماع ان تمام صفات کا ہمیشہ تمام علمائے حریم شریفین میں نہیں پایا گیا بلکہ بعد قرون صحابہ رضی اللہ عنہم کے جس قدر شیعہ علم و قوت فہم بلا و شام و مصر وغیرہ میں پایا گیا حریم شریفین میں اس قدر نہیں پایا گیا (۱۰) مدعی نے جو احادیث اثبات دعوئے کے واسطے ذکر کی ہیں ان سے

تہوت دعوے میں تامل ہو، حدیث اول صلوٰۃ فی مسجدی ہذا اخیر من الف صلوٰۃ فی ماسواہ
 الا المسجد الحرام میری اس مسجد میں جو نماز پڑھی جائے وہ اُن ایک ہزار نمازون سے اچھی ہے جو
 مسجد حرام کے سوا اور دوسری مسجدوں میں پڑھی جائیں۔ مثبت فضیلت مسجد نبوی و مسجد حرام ہے
 اس سے ساکنانِ حرمین شریفین کی فضیلت بحسب تضاعفِ ثوابِ عبادات و بحسب شرافتِ سکونت
 ثابت ہو اور اس میں کسی مسلمان کو نزاع نہیں اور اس فضیلت سے فضیلت میں حیث الانصاف
 لازم نہیں آتی بلکہ من حیث العلم بھی ضروری نہیں ہو اور حدیث دوم ان الله حبس عن مكة الفیل
 خدا نے ہاتھی کو مکہ پر حملہ کرنے سے باز رکھا سے شرافت ذاتیہ مکہ معظمہ کی ثابت ہو نہ فضیلت علمیہ
 وہاں کے رہنے والوں کی اور حدیث سوم (والله انك لخیر من الله الے الله خلق قسم تو خدا کے
 نزدیک اُسکی زمینوں میں سب سے بہتر ہو) سے بھی زمین مکہ کی ذاتی فضیلت اور فضیلت ساکنانِ
 حرم بحسب شرافتِ مسکن ثابت ہو نہ فضیلت علمیہ اور چوتھی حدیث (ان الدین لیا رزالی الحجج
 دین حجاز میں منحصر ہو جائیگا) بحسب تصریح و شرح حدیث اُس زمانے سے خبر ہے جس میں تمام اقدام
 میں کفار کا استیلاء ہو جائے گا اور قوتِ دین تمام بلاد سے منتفی ہو جائے گی اُسوقت دین حجاز
 کی طرف مائل ہوگا اور وہاں سے زائل نہ ہوگا اور بعض محدثین کہتے ہیں اس سے اس جانب اشارہ
 ہو کہ دینِ حرمین قوی رہے گا اور جس طرح سے مہانت امور دینیہ و استحداث بدعات شرعیہ اور بلاد
 میں ہوگا اُسقدر حرمین میں ہوگا ہر تقدیر پر اس سے فضیلت علما من حیث الانصاف نہ ثابت ہوگی کیونکہ بقا
 دین اور قلتِ مہانت دین شری دیگر ہر اور انصاف شری دیگر اور پانچویں حدیث (لا یرید اهل المدینۃ
 بسوء الا اذا به الله فی النار جو کوئی اہل مدینہ کو ایذا پہونچانا چاہے خدا اُسے آگ میں گھسلائے گا) اُسپر
 وعید ہو جو اہل مدینہ کو ایذا پہونچانے جیسے عسکرِ یزید اور عبد الملک بن مروان سے یہ امور سرزد ہو
 فضیلت علما سے اس حدیث کو کچھ بحث نہیں اور محیرِ دہلِ حرمین کو من حیث العلم و الانصاف اہل
 نہ سمجھنا کسی طرح داخل ایذا نہیں ہو ہاں جو شخص اہل مدینہ سے عداوت رکھے اور اُنکو ایذا پہونچائے اور اہل حرمین
 کی تحقیر کیا کرے اور اُنکی مذمت بیان کرنے میں مستعد رہے وہ البتہ اس وعید میں داخل ہو اور
 حدیث ششم (لا یدعھا احد رغبۃ عنھا کوئی مدینہ کو اس لیے نہ چھوڑے کہ اُسے ناپسند کرے) میں مدینہ
 سے نکل جانے کا اور مدینہ میں رہنے پر شفاعت ہونے کا ذکر ہے بحث سے کچھ علاقہ نہیں اور۔

حدیث ہفتم (ان ابراہیم الخ) میں ذکر برکت مکہ و مدینہ کا قول اور ناپ وغیرہ میں ہر فضیلت علیہ سے اسے کوئی تعلق نہیں اور حدیث ہشتم (من استطاع ان يموت بالمدينة فليفل جو مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ وہیں مرے) سے مدینہ میں رہ کر مرنے کی فضیلت ثابت ہو اور یہ فضیلت علیہ پر موقوف نہیں اور حدیث نهم انما المدينة كالکبد سے شرافت مدینہ کی اس طرح پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں فقر اسلام کے بعد کوئی منافق اور خبیث الباطن رہ نہیں سکتا اور یہ نہیں ثابت ہو کہ وہاں کا ہر عالم علمائے بلاد دیگر سے من حیث العلم افضل ہوتا ہو۔ اور بعض شرح حدیث نے اس حدیث کو بھی زمانہ منظور علامات قیامت کبریٰ پر محمول کیا ہے کہ اُس وقت مدینہ میں مسلم کامل کے سوا کوئی نہ رہ سکے گا پس عموماً فضیلت نہ ثابت ہوئی اور حدیث دهم لان الله سمي المدينة طابة خدا نے مدینہ کا نام طابہ رکھا کو مقصود دین کچھ دخل نہیں ہے مدینہ کا طابہ نام ہونا اور چیز ہے اور وہاں کے سکان کا افضل ہونا اور چیز ہے۔ اور حدیث یازدہم (اختر قرية من قرى الاسلام خرابا المدينة تمام بلاد اسلام میں سب کے بعد مدینہ تباہ ہوگا) مقصود سے بیگانہ ہے کیونکہ اس میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ خرابی عالم اور قرب قیامت کے وقت مدینہ تمام بلاد اسلام کے بعد خراب ہوگا اُس کو فضیلت سکان مدینہ سے کیا علاقہ اور حدیث تبغض العرب فتبغضه جو عرب سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے اور حدیث من غشوا العرب لم يدخل شفاعتی جس نے عرب کو دھوکا دیا وہ میری شفاعت میں داخل نہوگا۔ اور حدیث لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب عربین دو دین جمع نہونگے اور حدیث اجواء العرب لثلاث تین چیزوں کی وجہ سے عرب کو دوست رکھو۔ سے ایجاب حب عرب و حرمت ایزاد ہارت ملک عرب نجاسات شرک سے ثابت ہے اصل مقصود سے ان احادیث کو کچھ ربط نہیں ہے اور مدعی کے فتوے میں جو احادیث میں اور شام کے فضائل میں مذکور ہیں وہ بھی مطلب سے بیگانہ ہیں کہ ان فضیلت علمائے حرمین شریفین من حیث الانصاف اور کہ ان فضیلت میں و شام الحاصل مرعی نے جو حدیثیں پیش کی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی مثبت دعویٰ نہیں ہے البتہ فضیلت ذاتیہ بلاد حجاز و قوت دین و بقائے اسلام مدینہ در زمان آخر اور فضیلت اہل حرمین بحکم تضاعف ثواب و الزام محبت اہل حرمین و وعید موزی ایشایان ثابت ہے اور اس میں کسی عالم کو انکار نہیں ہو سکتا۔ (۱۱) ناظرین کتب فقہ حدیث پر ظاہر ہے کہ زمانہ وصحابہ رضی اللہ عنہم سے

اب تک مجتہدین و فقہاء محدثین مسائل فرعیہ و دلائل حدیثیہ میں مختلف رہا کیے اور اصحاب مذاہب کے درمیان مباحثے بھی ہوتے رہے مگر کمین یہ ثابت نہیں ہو کہ مختلفین نے رفع خلاف کے واسطے اہل حرمین کو منصف مقرر کیا ہو اور انکی تحقیق کو لازم التسلیم سمجھ لیا ہو (۱۲) کتب اصول میں مصحح ہر کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اجماع اہل مدینہ حجت ہو اور عمل صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین انکے نزدیک سند مستند ہو مگر انکے سوا اور ایسے مثل امام ابو حنیفہ وغیرہ رحمہم اللہ کی اس میں مخالفت کہتے ہیں اور مجتہدین اہل مدینہ کو باقی مجتہدوں کے برابر سمجھتے ہیں پس اگر فضیلت اہل حرمین میں حیث الانصاف و التحقیق احادیث سے ثابت ہوتی تو اس مسئلہ میں مخالفت نہوتی الغرض اس امر کا دعویٰ کہ علمائے حرمین تمام علمائے بلاد سے من حیث العلم والانصاف افضل ہیں قرون ثلاثہ میں یا ہر زمانے میں ایک درجہ نبوت کو نہیں پہونچا البتہ وہ ان کے علما کی بلکہ کل سکان کی فضیلت من حیث الثواب والشرافہ وغیر ذلک کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہاں اس قدر ثابت ہو کہ اگر وہ گروہ علما کے فرض کیے جائیں جو وسعت علم تحقیق انصاف و ترقی میں مساوی ہوں اور ایک گروہ ان میں سے علمائے حرمین کا ہو تو وہ حرمین والا گروہ دوسرے گروہ سے افضل ہو لیکن یہ امر خارج از مقصد ہو حمزہ الراحمی عفریہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوزہ اللہ عن ذنبہ الجبلہ و الخفی

سوال اگر کوئی ہندی شخص ناخواندہ قوم افغان اس پردے میں نبوت کا دعویٰ کرے کہ میں پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وکیل ہوں اور تردید کتب نصاریٰ کے لیے حضور کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ ایک مطبع محمدی قائم کروں اور تردید کتب نصاریٰ تصنیف کر کے اس مطبع میں چھپواؤں تاکہ نصاریٰ کا دین باطل اور رد ہو جائے تو اسکے اس قول کو باور کرنا اور اس پر اعتقاد لانا یا مطبع کرنے کے لیے اسکی مالی امداد کرنا روا ہو یا نہیں جواب اگر وہ شخص اپنی وکالت پر اس امر کو سند گردانتا ہو کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو تحقیق و تفتیش کے بعد اس کے خواب کی تصدیق ہو سکتی ہو ورنہ اسکا قول پایہ اعتبار سے ساقط ہو سوال عبد الرسول یا عبد الحسین وغیرہ نام رکھنا درست ہو یا نہیں جواب ایسا نام رکھنا جس میں عبد کی اضافت غیر خدا کی طرف ہو درست نہیں ہو گویا اسے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہواں احتمال کی وجہ سے کہ عبد سے خادم اور مطبع مراد ہو مگر پھر بھی ایسا نام رکھنا بوسے شرک سے خالی نہیں ہے قرآن

اور حدیث اس قسم کے نام رکھنے کی مانعت پر دال ہیں اور علمائے امت محمدیہ نے بھی جا بجا اسکی تصریح کی ہے تفسیر جلالین میں ہے هو الذی خلقکم من نفس واحدة آدم وجعل خلق منها زوجا حواء لیسکن لیہما فلما تغشاهما حملت حملا خفیفا هو النطفة فمرت بہ ذہبت وجاءت لحقته فلما اثلقت بکبر الولد فی بطنہا واشفقان یكون ہیمة دعوا اللہ سر بہما لئن انتینا صالحا سویا لنکون من الشاکرین فلما اتاہما صالحا جعل لہ شرکاء فیما اتاہما بتسمیة عبد الحارث ولا ینبغی ان یكون عبدہ الا اللہ ولیس باشرک فی العبودیۃ لعصمة آدم وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما ولدت حواء طاف بہا ابلیس وکان لا یعیش لہا ولد فقال لہا سمیہ عبد الحارث فاندہ یعیش فسمتہ فحاش فکان ہذا من وحی الشیطان وامرہا رواہ المحاکم وقال صحیحہ والترمذی وقال حسن غریب خداوہ ہے جس نے تم سب کو ایک ہی ذات یعنی آدم سے پیدا کیا اور اس ہی کے بڑے یعنی حوا کو نکالا تاکہ وہ اُس کے ساتھ رہے جب وہ حاکم ہوئیں اور لڑکے کے بڑے ہونے سے اُنکو گرنی محسوس ہوئی تو دونوں ڈرے کہ کہیں یہ جانور ہو تو خدا سے اُنھوں نے دعا کی کہ اگر تو بچو اچھا نیک لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے لیکن جب خدا نے اُنکو نیک لڑکا دیا تو اُنھوں نے شرک کیا اس طرح کہ اُسکا نام عبد الحارث رکھا حالانکہ کوئی خدا کے سوا اور کسی کا بندہ نہیں ہو سکتا حضرت آدم علیہ السلام نے اُسکے سوا عبودیت میں کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا کیونکہ وہ معصوم تھے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مر دی ہے کہ جب حضرت حوا علیہا السلام کے بچے ہو تو اُنکے پاس شیطان آیا حضرت حوا کو کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا تھا شیطان نے اُسے کہا اگر تم اس لڑکے کا نام عبد الحارث رکھو تو یہ لڑکا زندہ رہے گا حضرت حوا علیہا السلام نے ایسا ہی کیا تو یہ شیطان کا حکم اور اُسکی وحی تھی اسے حاکم نے روایت کر کے کہا ہے کہ صحیح ہے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن غریب کہا ہے۔ اور جل کے حواشی جلالین میں ہے ولیس الجعل المذکور باشرک اللہ بل هو شرک فی التسمیۃ وهذا لا یقتضی الکفر یہ نام رکھنا خدا کے ساتھ شرک زنا نہیں ہے بلکہ اس نام میں شرک ہے جو تفسیر کفر نہیں ہے۔ اور شرعہ الاسلام میں ہے ولا یسمیہ حکیم ولا حکما ولا اباعیسی ولا عبد فلان لڑکوں کا نام حکیم حکم ابو عیسیٰ اور خدا کے سوا کسی اور کی طرف عبد کی

اضافت کر کے نہ رکھے۔ اور ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہر اماما الشہر من التسمیہ
 لعبد النبی فظاہر کفر الا ان اراد بالعبد المملوک عبد النبی نام رکھنا بظاہر کفر ہے مگر جب عبد سے
 مملوک مراد ہو۔ اور ملا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ میں ہر کلا یجوز نحو عبد الحادث ولا عبد النبی
 ولا غیرہ بالاشاع بین الناس عبد الحارث عبد النبی وغیرہ جو نام لوگون میں شائع ہیں نہ رکھنا چاہیے۔
 اور ابن حجر مکی کی شرح منہاج میں ہر ویحرم ملک الاملاک لادولہ لیس بغیر اللہ وکذا عبد النبی
 وعبد الکعبۃ اولاد اراو علی اولہم الشریک اور ملک الاملاک نام رکھنا درست نہیں ہر
 کیونکہ یہ خدا کا خاص وصف ہر اسی طرح عبد النبی عبد الکعبۃ عبد الدار عبد السلی یا عبد الحسن نام رکھنا کیونکہ
 اس میں ایہام شرک ہے۔ واسد اعلم سوال کچھ لوگ مذہب انکار کرتے ہیں اور تقلید کے منکر ہیں اور اپنے اپنے مذاہب میں
 اور دیگر مقامات پر بھی لاندہ بی کا اظہار کرتے ہیں مگر ہلوگون کی مسجد وغیرہ میں خوف کی وجہ سے نہ رفع یدین کرتے
 ہیں اور نہ آمین باجہر کرتے ہیں مگر سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں ایسے لوگوں کو ہم اپنے مساجد میں آنے دین یا رکوعین
 اکثر یہ لوگ امام بھی بن جاتے ہیں تو ہلوگوں کو ان کی اقتدار نہایت ہر یا نہیں جواب جو لوگ کسی امام عہدہ صنادید
 کے مقلد نہیں ہیں اور وہ مرتبہ اجتہاد بھی نہیں رکھتے اور اپنے ابو ابو غیر شرعی کی اتباع کر کے اپنے کو عامل
 بالحدیث کہتے ہیں اور مقلدین کے ڈر سے یا کسی اور خوف کے سبب سے مساجد میں سنت میں رفع
 یدین وغیرہ نہیں کرتے ہیں انکو مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے سے روکنا نہ چاہیے کیونکہ اس فعل
 یا ایسے اعتقاد سے وہ کافر نہیں ہوئے بلکہ تائب ورجوع ہے اور جب وہ اپنے اس فعل کو چھپاتے
 ہیں تو مساجد میں انکے آنے کی وجہ سے مساجد میں انکے اس امر قبیح کی اشاعت بھی نہ ہوگی اور
 سینہ پر ہاتھ باندھنا ایسا قبیح امر نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ مساجد میں آنے سے روکے جائیں
 مگر ایسے اشخاص کے تیجھے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نازک و مکر وہ ہے۔ درمختار میں ہو وکذا
 تکرہ خلف امر دوسفینہ و مخالف کشاف لیکن فی وتوالجہ ان تیقن الاما عات لم یکرہ او عدہام یصح
 وان شئت کرہ اسطرح لے داڑھی مونچھ والے اور بیوقوف اور مخالف خلا شافعی کے تیجھے نازک و مکر وہ ہے
 لیکن بحر کے باب وتر میں ہے کہ اگر اسکا یقین ہو کہ امور ضروریہ کی رعایت کریگا تو مکر وہ نہیں ہے اور اگر
 اسکے خلاف کا یقین ہو تو صحیح نہیں ہے اور اگر شک ہو تو مکر وہ ہے واما سبب انہ اعلم مرہ محمد ارشاد حسین
 عفی عنہ محمد ارشاد حسین ابواب صواب حروم و محاربات اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خان غایت اللہ جواب

صحیح ہو بیشک جب تک یہ لوگ کوئی مفسدہ لاندہی کا اور اضلال مصلین و تفریق جماعت وغیرہ
 مساجد میں نہ کریں تو اس وقت تک مساجد میں انکے آنے کی مانعت بھی نہ کی جائے و اسد اعلم حررہ
 محمد عبدالقادر خان بن محمد حیدر علی خان غفر عنہ **محمد عبدالقادر خان** ہو المصوب فی الواقع امیر
 لوگوں کو مسجد سے مانعت کرنا درست نہیں ہے اور انکے پیچھے اقتدار درست ہے بعض خفیہ کے
 نزدیک مطلقاً اور بعض کے نزدیک باین شرط کہ امام مقتدی کے مذہب کی مراعات کرے اور کسی مفسد
 و مبطل صلوٰۃ کا استعمال نہ کرے و اسد اعلم حررہ الراجی غفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تاج از اسد
 عن ذنبہ اکیلی و انحفی **ابو الحسنات محمد عبدالحی** سوال سزا زید قدرے زمین کا زمیندار ہو اور حاکم
 وقت کو اسکا خراج دیتا ہو اور زید کو اس قدر اختیار ہو چاہے اُس زمین پر خود کاشت کرے یا
 دوسرے کو کاشت کرنے کے لیے دے یا اُس میں درخت لگائے یا کسی مصروف میں لائے یا بیع و
 رہن کرے مگر جب کسی کو وہ زمین کاشت کرنے کو دے اور بارہ برس تک اُس کا اُس زمین پر قبضہ
 رہا تو زمیندار کسی طرح اُسکو بیدخل نہیں کر سکتا اور اگر وہ بارہ برس سے کم قابض رہا ہو تو اُسکو بھی
 از خود بیدخل نہیں کر سکتا مگر جب اُس پر بیدخلی کا اطلاع نامہ جاری کرے اور تحقیقات کے بعد
 عدالت کو یہ معلوم ہو جائے کہ جسے کاشت کے لیے زمیندار نے زمین دی ہو اُس کا قبضہ بارہ
 برس سے کم رہا ہو تو حاکم کی طرف سے زمیندار کو دخل دلایا جائے گا اور حاکم وقت اُس کا انتظام
 بدل نہیں سکتا ایسی حالت میں شرعاً وہ زمیندار اُس زمین کا مالک ہو یا نہیں سزا اگر زمیندار
 ایسی زمین کو جس پر اُسے اختیارات مذکورہ حاصل ہوں خود کاشت کرے تو غلہ کی پیداوار پر زکوٰۃ
 واجب ہو یا نہیں اور اگر واجب ہو تو کس قدر دسوان یا بیسوان یا چالیسوان حصہ سزا غلہ پر
 زکوٰۃ واجب ہونے کا کون وقت ہو جس وقت فصل کاٹی جائے یا جب تمام سال کے خرچ
 سے فاضل بچے سزا جو اسامی زمیندار کی طرف سے کاشت کرتے ہیں اور زمیندار کو اُس کا
 محصول دیتے ہیں اُس میں دو صورتیں ہیں اولایہ کہ اُس کا قبضہ بارہ سال سے زیادہ ہو
 اور زمیندار اُسکو بیدخل نہیں کر سکتا ثانیہ کہ اُس کا قبضہ بارہ سال سے کم ہو اور زمیندار
 اُسکو بذریعہ اجراء سے اطلاع نامہ بیدخلی بیدخل کر سکتا ہو تو اُس زمین کی پیداوار غلہ پر اسامی
 کے ذمے زکوٰۃ ہو یا نہیں اور اگر ہو تو کس قدر مالک ایسی زمین کا اسامی ہو یا زمیندار یا حاکم

وقت اور ملک کی کیا تعریف ہو اور بموجب آیہ کریمہ ان الارض لله یورثها من یشاء من عباده
 (زمین خدا کی ہو جسکو اپنے بندوں میں سے چاہے) ملک بنادے (زمین کا ملک خدا کے سوا کوئی
 نہیں) البتہ اُسکے وارث حاکم وقت ہیں زمیندار وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ زمیندار حاکم وقت کی
 اجازت سے اُس پر قبضہ ہو جو اب زمین مذکور کا ملک زمیندار ہو نہ اسامی کا شتکار کیونکہ
 زمین میں بیج بہہ رہن وغیرہ جو مالکانہ تصرف ہیں وہ زمیندار کر سکتا ہو نہ کاشتکار اور نہ کوئی دوسرا
 شخص۔ رد المحتار میں ہو قد قالوا ان وضع الید والتصرف من اقوی ما یستدل به علی المالك ولا
 قصم الشهادة بان ملکة فقہا اسکے قائل ہیں کہ تصرف اور قبضہ ملک کی قوی ترین دلیلین ہیں
 اس لیے صرف تصرف و قبضہ کی بنا پر ملک کی شہادت صحیح ہے۔ اور حاکم وقت اگر سلطنت اور غلبہ
 کے اعتبار سے اُسکا ملک کہا جائے تو ممکن ہو کہ جب حاکم نے وہ زمین زمیندار کے قبضہ میں دیدی
 اور مالکانہ تصرفات کا مجاز کر دیا تو وہ زمین حاکم کی ملک نہ ٹھہرے گی بلکہ زمیندار کی ملک ہوگی۔
 رد المحتار میں فتاویٰ امین جمرکی سے منقول ہے من فی یدہ شیء فهو ملک لایصل لاحد الا باذنی
 علیہ ولا یکلف اثباتہ ببینتہ جو چیز جسکے قبضہ میں ہو اسی کی ملک ہوگی کو مقابلہ کا حق نہیں
 اور وہ ملک کے ثابت کرنے کے لیے بینہ لانے پر مجبور نہ کیا جائے گا اور جو شخص اپنی زمین میں
 زراعت کرے اُس پر مصارف زکوٰۃ میں دسواں حصہ غلہ کا صرف کرنا واجب ہے اگر بوساتی یا
 نہروں وغیرہ کے پانی سے زراعت کرے اور اگر کنوین سے پانی نکلو اسکے اور خرچ کر کے نہایت
 کی ہو تو زکوٰۃ میں غلہ کا بیسواں حصہ صرف کرنا واجب ہو کہ جبکہ اُسکا خرچ حاکم وقت کو دینا پڑتا
 ہو تو ادا سے عشر وغیرہ ساقط ہو جیسا کہ رد المحتار وغیرہ میں ہو لایجمع العشر مع الخراج عشر خرچ
 جمع نہیں ہو سکتے اور کاشتکار اُس زمین کا مستاجر ہوتا ہو اس میں احکامات ہو کہ اجارہ کی صورت
 میں عشر مستاجر پر واجب ہوتا ہو یا زمین کے مالک پر بعضوں نے مستاجر پر واجب ہونے کا
 فتویٰ دیا ہو اور بعضوں نے ملک زمین پر واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہو اور اکثر متاخرین کا یہی مختار
 ہے رد مختار میں ہو والعشر علی المجرور قالوا علی المستاجر فی المملوۃ والقدس وقولہا من اخذنا شیء
 عشر فی غیر ذلک وفسرہ صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک اجرت پر لینے والے کے ذمہ ہے اور حامی ہونے کا
 من ہو کہ صاحبین رحمہم اللہ کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور رد المحتار میں ہو فلیکن المملو

بقول الامام جماعة من المتأخرين كالخيارى الرضى في فتاواه وكذا التلميذ الشارح الشيخ اسماعيل وكذا حامداً فندى العمادى وقال في فتاواه قلت عبادة الجاوى القديسى لا تعارض عبادة غيره فان قاضى خان من اهل الترجيم ومن حادثة تقديم الاظهر والا شهر وقد قدم قول الامام فكان هو المعتمد وافق به غير واحد من كتاهون كرام حنفية رحمهم الله كقول پر متاخرين کے ایک گروہ نے فتویٰ دیا جو جن میں سے خیر ملی اور شراح شیخ کی شاگرد شیخ اسماعیل اور حامداً فندی عمادی رحمہم اللہ ہیں یہ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں میں کتابوں کہ حاوی قدسی کی عبارت دوسروں کی عبارتوں کے معارض نہیں ہو کیونکہ قاضی خان اصحاب ترجیح میں سے ہیں اور انکی یہ عادت ہو کہ انہر واشہر کو مقدم رکھتے ہیں اور انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے قول کو مقدم کیا ہے پس وہی مستند مفتی ہوگا اسی پر بہتوں نے فتویٰ دیا ہے اور اصل بقول مختار کاشتکار پر عشر واجب نہیں اور اداسے خراج کی وجہ سے زمیندار پر بھی واجب نہیں ہے و اللہ اعلم سوال جس عورت نے کئی نکاح کیے ہوں اور مرنے کے بعد وہ عورت اور اسکے شیخ ہر جنتی ہوں تو وہ عورت کسکو ملے گی جواب بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ اپنے ان کئی شوہر و نہیں سے جو دنیا میں تھے کسی ایک کو جس سے دنیا میں اسکو زائد موافقت تھی اختیار کر لے۔ معجم طبرانی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے قالت یا رسول اللہ رضى الله عليه وسلم المرأة تزوج الزوجين والثلاثة الا ربعة شقوق فتدخل الجنة ويدخلون معها من يكون زوجها منه وقال انها تخير في تختار احسنهم خلقا فتقول يا رب ان هذا كان احسنهم خلقا في دار الدنيا فزوج لي يا ام سلمة ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والاخرة میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عورت نے دنیا میں دو یا تین یا چار شوہروں سے شادی کی اُسکے بعد وہ مر گئی اور وہ بھی جنت میں گئی اور اُسکے شوہر بھی تو وہ جنت میں کس کے ساتھ ہوگی تو آپ نے فرمایا وہ مختار ہو اچھے کو پسند کرے گی اور کہے گی اے خدا یہ دنیا میں خوش خلق تھا مجھے اسکے ساتھ رکھ اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا خوش خلق کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں اچھائی ہے۔ اور معجم طبرانی اور مستدرک اور معجم کرام خلاق خواتین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وان امر حبیبة قالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم المرأة تكون لها الزوجان في الدنيا تموت ويموتان منها فيجتمعون في الجنة لا يهما
تكون فقال لاحسنهم خلقا كان عندها في الدنيا حضرت ام جبيبہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم جس عورت کے دنیا میں دو شوہر تھے جب وہ عورت مر گئی اور وہ اور اُس کے
دونوں شوہر بھی جنت میں گئے تو وہ عورت وہاں کس کے ساتھ رہے گی آپ نے فرمایا اُس شوہر
کے ساتھ رہے گی جو دنیا میں اُس کے نزدیک خوش خلق تھا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ عورت آخر شوہر کو دی جائے گی۔ طبقات ابن سعد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان المرأة لا خواصر واجهلة في الآخرة
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ التیۃ والتسلیم سے سنا ہے کہ عورت آخرت میں
اپنے آخر شوہر کو ملے گی۔ بظاہر یہ صورت اُس وقت ہوگی جب اُس کے سب شوہر حسن خلق میں مساوی
ہوں و اللہ اعلم سوال ایک شخص نے اپنی زوجہ اور لڑکے کو ظلم کے سوا کبھی شفقت کی آنکھ سے
نہیں دیکھا اور نہ پرورش کیا اس لیے وہ زوجہ اور لڑکا اُس سے دور ہو گیا اور اب کبھی طرح
بمرویش پاکر ہوشیار ہوا چونکہ شوہر اور باپ واجب الطاعہ ہیں اور یہ دونوں اُسکی بے مہری
کی وجہ سے اُسکی اطاعت کرنے سے محروم رہے پس اس میں گناہگار کون ہے جواب
جب تا فرمانی کی ابتدا پس اور زوجہ کی جانب سے نہ تو وہ ماخوذ بھی نہ ہو گئے و اللہ اعلم سوال زید
نے ہندہ کے ساتھ سوایا قصداً فعل شنیع کیا پھر نادم ہو کر عذاب الہی سے خوف زدہ ہوا اب
توبہ و استغفار کرنا چاہتا ہے کیونکر کرے واضح رہے کہ وہ عورت شوہر دار تھی مگر چار برس سے اُسکا
شوہر مفقود انجبر ہے جواب زید اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز نفل خشوع و خضوع سے
پڑھے پھر نہایت آہ و ناری سے اُسکو بہا کے عاجزی ظاہر کر کے جیسے کوئی مجرم غلام اپنے آقا سے
تقصیر معاف کرتا ہے دعائے مغفرت کرے اور دل میں اُس گناہ سے ندامت رکھے اور یہ قصد کرے
کہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرے و اللہ تعالیٰ اُسکے گناہ کو معاف کر دے گا اور اُس عورت کے حق میں
بھی دعائے مغفرت کرے اور اگر ابتدا میں وہ عورت راضی نہ تھی تو اُس سے بھی عفو قصور کرا لے
تاکہ چشمین دامگیر نہ ہو و اللہ اعلم سوال عقل مولد شریف میں جو مستنبط بعض صوفیہ صافیہ و بعض
محدثین ہیں اور اُس میں علما مختلف ہیں اکثر عوام اور خواص بھی اُسکو کرتے ہیں اور ذکر و ولادت

کے وقت کھڑے ہوتے ہیں اور اس کھڑے ہونے کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سمجھتے ہیں اور آپ کے افراد تعظیم میں داخل کرتے ہیں آیا اس قیام کا کوئی ثبوت اور استنباط اصول شرعی معتبرہ سے ہو یا نہیں بر تقدیر اول جو اکثر علما کہتے ہیں ہذا القیام بدعتہ لا اصل طحا یہ قیام بدعت ہو اور اسکی کوئی اصل نہیں ہے چنانچہ سیرت شامیہ اور سیرت حلبیہ وغیرہ میں مندرج ہو اور کسی نے اسکی تردید نہیں کی ہے یہ کیسا ہو اور بر تقدیر آخر مباح ہو یا بدعت حسنہ یا بدعت سیئہ اور بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ذکر ولادت کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک تشریف لاتی ہو یہ صحیح ہو یا نہیں اور جو لوگ متبع سنت ہیں اور حضور کی تعظیم کو دوسرے فرائض کی طرح فرض عین جانتے ہیں وہ بنظر اس کے کہ حضور نے اپنی حیات صوریہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے قیام سے منع فرمایا اور صحابہ نے کبھی نہیں کیا جسکی تصریح احادیث میں موجود ہو اور قول مسطور ہذا القیام بدعتہ لا اصل طحا کے موافق جو لوگ قیام نہیں کرتے ہیں انکو اکثر لوگ تارک تعظیم نبوی کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور انپر طعن و تشنیع کرتے ہیں وہ لوگ مصیب ہیں یا مخطی جواب بیان ولادت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو قیام کیا جاتا ہو اسکی شرعا کوئی معتبرہ اصل نہیں ہو اسکو قیام نبوی سمجھنا اس لیے فاسد ہو کہ تین حال سے خالی نہیں یا تو یہ قیام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم پاک کی تعظیم کے لیے ہو یا واسطے تعظیم ہیئت ولادت و تصور وقائع ولادت کے ہو یا واسطے تعظیم ذات محمدی کے ہو جسد اور وحایا روحا فقط شق اول باطل ہو اس لیے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء کے نام پاک کی تعظیم قیام یا انخا وغیرہ کے لیے کمین دار نہیں بلکہ بدعت ہو تعظیم کا نام یہی ہو کہ نام لینے یا نام سننے کے وقت درود بھیجا جائے ثانیاً اسوجہ سے کہ اگر نام لینے کی تعظیم قیام کے ساتھ ہو تو لازم ہو کہ پورا میلاد شریف کھڑے ہو کر بیان کیا جائے اور غیر بیان مولد میں بھی جب آپ کا نام لیا جائے تو بھی قیام کیا جائے اور اسکا کوئی قائل نہیں ہو احد شق دوم بھی باطل ہو اسوجہ سے کہ مجرد تصور ہیئت کی تعظیم اس طرح سے وارد نہیں ہو باقی رہی شق ثالث وہ اس امر پر موقوف ہو کہ بیان ذکر ولادت کی محفل میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جسد اور وحایا فقط روحا تشریف لاتے ہیں اور یہ امر بھی شرع سے ثابت نہیں ہو اور اگر بغرض محال آپ کا تشریف لانا ثابت بھی ہو جائے تو یہ ثابت ہونا ناممکن ہو کہ حضور فقط

ذکر ولادت ہی کے وقت تشریف لائے ہیں ابتداء سے بیان سے تشریف نہیں لائے بلکہ جب آپ کا تشریف لانا ثابت ہوگا تو ابتداء سے بیان سے تشریف لانا ثابت ہوگا لہذا ابتداء سے انتہا تک قیام کرنا لازم ہوگا اسکے علاوہ کتابِ حادیث میں یہ امر ثابت ہے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء اپنی حیات میں حضرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کو منع فرماتے تھے اور آپ کے لیے صحابہ قیام نہیں کرتے تھے پس جو امر آپ اپنے لیے بحالت حیات پسند نہ فرماتے تھے بلکہ صحابہ کو اُس سے روکتے تھے وہ آپ کے اس عالم سے روپوشی کے بعد کسی محفل میں آپ کے تشریف لانے کے وقت کیونکر جائز ہوگا اور اگر بغرض محال ذکر ولادت کے وقت قیام مشروع بھی ہو تو زائد سے زائد مستحب ہوگا نہ فرض یا واجب۔ اور علمائے اسکی تصریح کی ہے کہ جس مندوب پر فرض اور واجبات کی طرح اصرار کیا جائے اور اُسکے تارک پر ملامت کی جائے وہ مکروہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں لکھا ہے پس اس فعل پر اصرار اور اُسکے تارک پر ملامت کرنا اور اُسکو ذیل کرنے کی فکر میں رہنا کراہت کے درجہ تک پہنچاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ قیام افراد تعظیم نبوی سے جو ہر مسلمان پر فرض ہے نہیں ہے اور نہ شرعاً اسکی کوئی مستحبہ اصل پائی جاتی ہے بلکہ بدعت ہے اور تارکین قیام پر ملامت کرنے والے گناہ کے مرتکب ہیں واسطاً علم سوال بدعتوں سے زید اپنی اور اپنے متعلقین کی اسطرح بسر اوقات کیا کرتا ہے کہ دیہات کے اکثر آدمیوں سے بیشکرمول لیکے شکر بناتا ہے اور اُسکو بیچتا ہے اور زید کے دو بیٹے ہیں بڑا عمرو اور چھٹا مالک جو محبت جدی کی وجہ سے زید سے بیگانہ کبھی اپنے بڑے بیٹے اور کبھی چھوٹے کی موت سے گھروا جاتا ہے مگر غریب اور محتاجات میں اپنا ہی روپیہ صرف کرتا ہے البتہ کتبہ مبارک کا کام اپنے بیٹوں سے لیتا ہے اور ابتداء سے سال تمام تک کا جمع خرچ بچکر آمدنی کا روپیہ اپنے بیٹوں کی معرفت حاصل کرتا ہے اس صورت میں حیافت طلب یہ امر ہو کہ آیا تمام مال کا زید ملک ہے یا اُسکے بیٹے جنکے نام سے بیچا ہے لکھو یا اگر تارک زید ملک ہے تو اُسکے بیٹے حق الخدمت پانیکے کے مستحق ہیں یا نہیں جواب اس صورت میں تمام مال کا ملک زید ہے اور اُسکے بیٹے اگر مثل پانے کے مستحق ہیں اور نقدی کا حکم ان پر عائد ہے سوال فرخ اور میل کی تحدید متبر کیا ہے جواب اس باب میں حقیقت کے کئی اقوال ہیں جس سے میل کی مقدار میں اختلاف معلوم ہوتا ہے اور فرخ نقد تین میل کے اتفاقاً ہوتا ہے

ایک یہ کہ میل تین ہزار گز کا ہو پس فرسخ نو ہزار گز کا ہو گا مگر اس قول کے منہ یہ ہیں کہ گز موافق قدمائے
اہل حساب کے بتائیں انگشت کا ہو دوسرا قول وہ ہو جو عینی اور مسکین اور ابن نجیم نے شرح کنز میں
نقل کیا ہے کہ میل چار ہزار خطوہ ہے اور ہر خطوہ بقدر ڈیڑھ گز کے ہے اور گز جو بمیل انگشت کا ہوتا ہے
پس فرسخ بارہ ہزار خطوہ اور اٹھارہ ہزار گز کا اور میل چھ ہزار گز کا ہو گا اس قول کو خیر الدین رملی
وغیرہ نے غیر معتبر لکھا ہے پندرہواں قول وہ ہے جو ذخیرہ میں ابو شجاع رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میل تین ہزار
پانچ سو گز بحساب جو بیس انگشت کے ہے جو تھا قول وہ ہے جسکو زیلعی نے شرح کنز اور حدادی رحمہ اللہ نے
جو ہرہ شرح مختصر قدوسی وغیرہ میں ذکر کیا ہے کہ میل چار ہزار گز کا اور فرسخ بارہ ہزار گز بحساب جو بیس
انگشت کے ہوتا ہے اور خفیفہ کے نزدیک یہی قول مشہور ہے اور اسی کو خیر الدین رملی نے معتبر لکھا ہے
سوال کتب رجال میں جو راوی منجملہ الفاظ ثقہ ثبت صدوق کے ایک یا دو یا تین لفظ کے
ساتھ وصف کیا جائے اس وصف سے اُس راوی میں راوی کے وہ شرائط اور بعدہ جو اصول فقہ
میں بیان کیے گئے ہیں یعنی عقل اسلام ضبط اور عدالت تا وقتیکہ کچھ جرح مثل صدوق سنی الحفظ
صدوق بھم اور مانند اسکے اُس میں نہ کی گئی ہو ثابت ہو جائیں گے یا نہیں اور یہ تردد رہے گا
یا نہیں کہ یہ راوی مسلم تھا یا نہیں عاقل تھا یا نہیں ضابط تھا یا نہیں عادل تھا یا نہیں جواب
یہ الفاظ عمدہ ترین مراتب تعدیل سے ہیں ان الفاظ کے تردد کے بعد کسی راوی کے اسلام یا عقل یا
ضبط یا عدالت میں شبہہ کرنا کسی عاقل کا کام نہیں ہے خود راوی رحمہ اللہ صریح المغنیہ شرح الفیۃ الحدیث میں
لکھتے ہیں قل الذہبی ان قولہم ثبت وحجة وامام وثقة ومتقن من عبارات التعدیل
التي لا نزاع فیہا وہی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ محدثین کے الفاظ ثقہ ثبت حجة امام اور متقن الفاظ
تعدیل ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور مقدمہ ابن صلاح اور مختصر ابن جماعة وغیرہ میں ہے
املا لفاظ التعدیل فعل مراتب الاول قال ابن ابی حاتم اذا قل للواحد انه ثقة تھا و
متقن فهو من یحقر بعد یشہ قلے وکذا اذا قيل ثبت او حجة وکذا اذا قيل في العدل
انه حافظ او ضابط الفاظ تعدیل کئی مراتب کے ہیں اول ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے
مگر کسی کے متقن کہا جائے کہ وہ ثقہ متقن ہو تو اسکی حدیث قابل حجت ہے نہ کہ مستحب ہے
ثبت اور حجة کہا جائے کہ اسکی حدیث مستحب ہے نہ کہ حجة ہے یا ضابط کہا جائے کہ اسکی حدیث مستحب ہے نہ کہ ضابط ہے

کیا جائے تو بھی اُسکی حدیث قابل حجت ہے سوال صحیح مسلم کے باب صفۃ احوال فی الصلوٰۃ وکیفیتہ
 وضع الیدین عن الفخذین میں اس اسناد میں حدیث عبد بن حمید قال نایب بن محمد قال
 ناہد بن سلمۃ عن ایوب بن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قعد
 فی الشہدۃ لحدیثہ سے عبد بن حمید نے بیان کیا اُن سے یونس بن محمد نے اُن سے حماد بن سلمہ نے اُن سے
 ایوب نے اُن سے نافع نے اُن سے ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 جب تشہد میں بیٹھتے (تم) ابن عمر سے روایت کرنے والے نافع مولیٰ ابن عمر میں جکی نسبت قریب
 میں لکھا ہے ثقۃ ثبت فقیہ مشہور من الثالثۃ یا اور کوئی نافع ابن اور اسی اسناد میں حماد
 ابن سلمہ رضی اللہ عنہ جو ایوب سے راوی ہیں اُنکی نسبت قریب میں لکھا ہے تغیر حفظہ باخراہ پس یہ
 روایت حماد سے قبل تغیر حفظہ کے مسلم میں اخذ کی گئی ہے جیسا کہ نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھا
 ہے واعلم ان ما کان من ہذا القبیل محتاجا بہ فی الصحیحین فعلم انہ لہذا قبل الاختلاط
 اس قسم کی جن حدیثوں کا صحیحین میں بیان ہے وہ قبل اختلاط روایت کی گئی ہیں یا بعد تغیر حفظہ کے
 جو اب یہ روایت قبل اختلاط کی ہے نہ بعد اختلاط کی جیسا کہ نووی کی عبارت مذکورہ سوال سے
 واضح ہو اور فتح المغیث میں ہے ما یقع فی الصحیحین او احدهما من التخریج لمن وصف
 بالاختلاط فانہ من علی الجملۃ ان خلک ما ثبت عند الفرج انہ من قد وہ حدیثہ صحیح یا
 دونوں میں سے کسی ایک میں جو مشہور اُن لوگوں سے مروی ہیں جنکے یہ کتب میں رجال میں ہیں
 اختلاط ثابت کیا گیا ہے ہم بلا جملہ جانتے ہیں کہ وہ حدیثیں مادی کے نزدیک اختلاط قبل کی
 ہیں سوال یہ کہنا کہ قریب میں رجال کی جو جمع و تصدیق مذکورہ صفت اُسی پر ہیں اعتبار نہیں
 کر سکتا ہاں اگر اور کوئی بھی صاحب قریب کے ہوا اُسکی قول کے صدیق کہے تو معتبر اور قبل
 اخذ مانوں گا جمالت پر یا نہیں جواب یہ کہنا حاکم اور ضحاک پر اور اسوجہ کے ماقابلین
 حجر عسقلانی رحمہ اللہ مصنف قریب کی جمالت قدر ما یتکتب لہم من وجہات سے اس امر کو متنبی ہے
 کہ جمع و تصدیق میں اُن کا قول معتبر ہی انا جائے تا نیا اس وجہ سے کہ قریب میں جو جمع اور تصدیق
 مذکورہ صفت صاحب قریب کا قول ہے بلکہ اللہ حدیث کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ کہ جملہ اہل
 حدیث نے جواب رجال میں کمال پرستگار رکھتے تھے مولیٰ سے کہ رجال کی یہ حدیثیں

تالیف کی اُس میں متقدمین محدثین کے اقوال سے جرح و تعدیل نقل کی پھر حافظ ابن حجر نے اُسکی تلخیص کر کے زیادت کثیرہ کے ساتھ تہذیب التہذیب تصنیف کی پھر تقریب میں اُسکی تلخیص کی پس معلوم ہوا کہ تقریب میں جو جرح و تعدیل مذکور ہے وہ وہی ہے جو تہذیب التہذیب اور تہذیب میں بنظر اقوال محدثین مذکور ہے اسی لیے تقریب میں کوئی حرج اور تعدیل ایسی نہیں ہے جسکی تصدیق باقوال محدثین سابقین نہ ہو جیسا کہ ماہرین پر ظاہر ہے سوال مولوی عبدالعزیز خلیف شاہ محمد عیسیٰ مرحوم برادر زادہ حقیقی شاہ محمد یعقوب و شاہ محمد فصاحت نے بصرف کچھ کچھ علوم دینیہ سے فراغت حاصل کی پھر کچھ دنوں جا بجا ملازمت کر کے جو کچھ حاصل ہوتا رہا دنوں مکان پر بھیجا کیے اور ایک مین صرف ہوتا رہا یعنی زمینداری کی خرید و بیانی بی بی اور زوجہ شاہ محمد یعقوب و شاہ محمد فصاحت کے نام سے ہو اکی آپس میں کسی طرح کی مغایرت نہیں رہی مولوی صاحب موصوف نے بحالت کجائی وفات پائی اب پانچ چھ مہینے سے محمد یعقوب و محمد فصاحت عیمان و مظاہر الحق برادر بھائی مولوی صاحب مرحوم میں علیحدگی ہو گئی اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مال متروکہ میں جو کتنا میں وغیرہ مولوی صاحب کی ہیں اُس میں محمد یعقوب و محمد فصاحت کا بھی حق ہے یا نہیں اگر ہو تو کس قدر ہے جواب صورت مسئلہ میں وہ مال مولوی عبدالعزیز و محمد یعقوب و محمد فصاحت کے درمیان میں مشترک سمجھا جائے گا اور تین حصہ ہو کر تقسیم ہوگا ایک حصہ محمد یعقوب کو اور ایک حصہ فصاحت کو اور ایک حصہ عبدالعزیز کو ملے گا۔ تنقیح فتاویٰ حامد یہ میں ہے ما حاصلہ الاخوة الخمسة لبيعهم و کسبهم یكون بينهم اخماسا جو کچھ پانچ بھائی اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کریں وہ پانچ حصوں میں منقسم ہوگا اور ہر ایک ایک حصہ پائے گا سوال لیل الطالب علی راجع الطالب مؤلفہ سید ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی حسینی قنوجی مطبوعہ مطبع شاہجہانی ص ۸۳۳ و ۸۳۴ کا ترجمہ یہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ التیمم والتسلیم نے فرمایا ہے لا تشدوا حبالا الا الى ثلثة مساجد مسجدی هذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصی سفرہ کیا جائے گا مگر تین مسجدوں کی طرف (۱) یہ میری مسجد (۲) مسجد حرام (۳) مسجد اقصیٰ۔ اسکو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے گو الفاظ خبر کے ہیں لیکن یہاں مقتضی خبر نہیں ہے جیسا کہ مسلم کی اس حدیث سے ظاہر ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ لا تشدوا الحبال الا الى ثلثة مساجد مسجدی هذا المسجد الحرام والمسجد
 الاقصی سفر نہ کرو مگر تین مسجدوں کی طرف یہ میری مسجد اور مسجد حرام اور مسجد اقصی۔ یہ حدیث بصیغہ منی
 مروی ہو اور امام آئحت بن راہویہ رحمہ اللہ نے اپنی سند میں بصیغہ حصر روایت کی ہو انما تشد
 الحبال الى ثلثة مساجد مسجد ابواہیم ومسجد محمد ومسجد بیت المقدس سفر تین ہی مسجدوں کی
 طرف کیا جائے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسجد یعنی مسجد حرام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
 مسجد یعنی مسجد مدینہ منورہ اور مسجد بیت المقدس اس حدیث کو بصیغہ منی روایت کرنے والوں میں سے
 حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں مگر یہ فرق اکثر اہل علم سے پوشیدہ رہا اور باہمی اختلاف کا
 سبب ہوا جیسا کہ صارم میں ہو ومن قال من العلماء انه يستحب زیارة قبوة فمراعاة بذلك
 السفار الى مسجدہ وفي مسجدہ یصلی علیہ جو علماء زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو
 مستحب جانتے ہیں اُنکا مطلب یہ ہو کہ مسجد نبوی کا سفر مستحب ہو اور مسجد میں حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ
 والثناء پر سلام بھیجا جاتا ہو اور صلوة۔ یہ بین دلیل ہو کہ مناسک میں اہل علم کی مراد زیارت قبر نبوی سے مسجد نبوی
 کی طرف سفر کا مستحب ہونا ہو کیونکہ حضور کی قبر مسجد میں ہو اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سفر سے بلا قصد مسجد نبوی
 محض زیارت قبر شریف مراد ہو کیونکہ اس باب میں اہل معرفت سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہو
 اور اگر باب صحیح و سنن نے بھی اس سے کچھ اخراج نہیں کیا اور نہ ایئمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک نے
 بھی اس باب میں کسی حدیث سے احتجاج کیا ہو پس کیونکہ کہا جاسکتا ہو کہ سفر سے اُنکی مراد نفس زیارت
 ہو انتہت الترجمة ابدر یافت طلب امر یہ ہو کہ زیارت قبر نبوی کے لیے بھی سفر کو نادرست ہو یا صوف
 زیارت مسجد نبوی ہی کے لیے سفر کرنا چاہیے جواب بلاشبہ سفر بقصد مسجد نبوی بلا اختلاف مستحب
 ہو البتہ بقصد زیارت قبر نبوی میں اختلاف ہو صحیح یہ ہو کہ جائز ہو ممنوع نہیں ہو کیونکہ یہ دو حدیثیں
 مطلق ہیں من ناس قبری وجبت له شفاعتی جس نے میری قبر کی زیارت کی اُسکے لیے میری
 شفاعت ضروری ہوگی اور من جاء فی ذاتہ لا تحملہ الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون له شفیعاً
 وشہیداً یوم القیامۃ وسندہ حسن مجبّر ضروری ہو کہ جو شخص صرف میری زیارت کے لیے مجھ تک آئے
 میں قیامت کے دن اُسکا شفیع اور شہید ہوں اسکی سند حسن ہو۔ اور یہ کہ دنیا کی زیارت کے متعلق
 جس قدر احادیث مروی ہیں سب ضعیف یا موضوع ہیں باطل ہو اسی طرح یہ کہنا کہ زیارت قبر نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر جانب مسجد نبوی مراد ہوا اصل ہی میں نے اسکو پوری طرح اپنے رسالہ
 السعی المشکور فی رد المذہب الماثور میں بیان کیا ہے و اللہ اعلم سوال کا مومن میں سے کسی کام کے
 لیے استخارہ کیونکر کرنا چاہیے جواب صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
 کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارة فی الامور کلھا کما یعلمنا السورة
 من القرآن یقول اذا هم احدکم بامر فلیدکم رکعتین من غیر الغریضة ثم لیقل اللهم
 انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسألك من فضلك العظیم فانک تقدر
 ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللهم ان کنت تعلم ان هذه الامر الذی انا عازم علیہ
 خیر لى فی دینی ودنیائی ومعاشی عاقبة امری وعاجله فاجله فقد رد لى ولیسہ ثوابک
 لى فیه وان کنت تعلم ان هذا الامر شر لى فی دینی ودنیائی وعاقبة امری و
 معاشی عاجله فاصرفه عنی واقدرد لى الخیر حیث کان ثوابی بہ یارب العالمین
 حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکو قرآن شریف کی سورتوں کی طرح تمام امور میں استخارہ کرنا سکھاؤ فرمائی کہ
 جب تم میں سے کوئی کسی بات کا ارادہ کرے تو پہلے دو رکعتیں فرض کے علاوہ پڑھے پھر دعا مانگے
 جس کا ترجمہ یہ ہے اے اللہ میں تیرے علم سے نیکی اور تیری قدرت سے قدرت چاہتا ہوں اور تیرے
 بڑے فضل سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا تو جانتا ہے اور
 میں نہیں جانتا اور تو غیبیوں کا جاننے والا ہے اے اللہ اگر تو اس امر کو جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں میرے
 لیے دین دنیا معاش انجام موجودہ اور آئندہ میں بہتر جانتا ہو تو مجھے اُس پر قدرت دے اور اُسے میرے
 لیے آسان کر دے اور پھر مجھے اُس میں برکت دے اور اگر تو اُسے میرے لیے دین دنیا انجام معاش
 موجودہ اور آئندہ میں بُرا جانتا ہو تو اُسکو مجھ سے پھیر لے اور مجھے اچھائی پر قدرت دے جہاں کہیں
 ہو پھر مجھے اُس سے خوش رکھ اے عالموں کے پروردگار سوال حضرت جبریل علیہ السلام قرآن
 شریف کو اللہ تعالیٰ سے سنکر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچاتے تھے بالوح محفوظ
 سے دیکھ کر اگر اللہ تعالیٰ سے سنکر پہنچاتے تھے تو سمع حادث نے احاطہ کلام قدیم کیونکر کیا اور اگر لوح
 محفوظ سے دیکھ کر پہنچاتے تھے تو امر پہنچانے کا کیونکر سنا اور اس صورت میں مکتوب لوح محفوظ پہنچایا
 نہ کلام باری تعالیٰ اور کلام اللہ کا بعینہ پہنچانا ممکن نہیں اس لیے کہ ایک کلام کا دوسرے میں ایسا طول

صالح بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب

کہ وہ دوسرا اسکو پہنچا دے محال ہے پس اس قرآن شریف کی حقیقت کیا ہے اور انہ لقول رسول
کریم کے کیا معنی ہیں جواب وحی نازل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو حضرت جبریل
علیہ السلام سنتے تھے پھر پہنچاتے تھے اور کلام الہی کا سننا محال نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ
سینا و علیہ السلام اور ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں کلام الہی سنا اور ملائکہ
مقربین اللہ تعالیٰ کی آواز سنتے ہیں سنن البوداؤد اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں
حضرت عبدالعزیز بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تکلم
اللہ بالوحی سمع اهل السماء الدنيا سلسلة کجرا سلسلة علی الصفا فیصعقون ولا یزالون
کذلک حتی یاتہو جبرئیل فاذا اتاہو جبرئیل فزع عن قلوبہم قالوا یا جبرئیل ماذا قال
ربنا فیقول الحق فینادون الحق الحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب خدا وحی سے
کلام فرماتا ہے تو آسمان دنیا کے فرشتے چٹان پر زنجیر کے کھینچنے کی ایسی آواز سنتے ہیں اور چلاتے
رہتے ہیں یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام انکے پاس آتے ہیں اُسوقت انکے قلوب پر نور طاری ہوتا
ہو اور پوچھتے ہیں ای جبریل ہمارے پروردگار نے کیا کہا جبریل کہتے ہیں الحق اُس وقت یہ سب
الحق الحق پکارنے لگتے ہیں اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال لما نزل جبرئیل بالوحی علی رسول اللہ فزع اهل السموات لا نعطاء ولم یسمعوا
صوت الوحی کا شہد ما یکون من صوت الحديد علی الصفا فکلام رب اهل السماء
فزع عن قلوبہم یقولون یا جبرئیل بما امرت فیقول کلام اللہ بلسان العزیز
حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے فرمایا جب جبریل رسول اللہ پر وحی لیکر اترتے ہیں تو آسمان والے
دہشت میں آجاتے ہیں اور وحی کی آواز انکو چٹان پر لوہے کی تیز آواز کی ایسی سنائی دیتی ہے پس
جبریل جس آسمان پر سے گزرتے ہیں وہاں کے فرشتوں کے قلوب پر دہشت طاری ہو جاتی ہے
اور وہ پوچھتے ہیں ای جبریل تمکو کس بات کا حکم دیا گیا جبریل جواب دیتے ہیں خدا کے کلام کا جو عربی
زبان میں ہے۔ الحاصل یہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کو جس قدر نازل کرنا منظور ہوتا تھا اتنا جبریل کو
سناتا تھا اور وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے تھے اسی لحاظ سے انہ لقول رسول
کریم دار ہوا ہے سوال کوئی مسلمان ہمیشہ وحی اس والا بر ملا کہتا ہو کہ قرآن میرے لوٹری

میں ہر اور حدیث میرے لوڑے میں ہر اور مسجد میں خالی ٹکڑے مارنے کے لیے جاتے ہیں مسجد میں کیا میرا
لوڑا ہر اور جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ایک وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھا میں
اس چشم سر سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں جو شخص اس سر کی آنکھ سے اللہ کو نہ دیکھے وہ مومن
نہیں اور اُسکی نماز بھی درست نہیں اسکے علاوہ خدائی کا بھی دعویٰ کرتا ہو یعنی کتا ہو کہ میں اللہ
ہوں میں اللہ ہوں میں اللہ ہوں تو ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں دوسرے مسلمانوں کو اُسکے
ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے جو اب یہ الفاظ صریح کفر ہیں ان سے مسلم مرتد ہو جاتا ہے مسلمانوں
کو ایسے شخص کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا جو اہل اسلام کے ساتھ کیا جاتا ہے نہ چاہیے فی الفتاویٰ البنزازیہ
اذا وصف الله عالا ليليق به او سخر باسم من اسمائه او بامر من او امره او انكرو عدا او
وعيد الكفر ولو قال من خدائكم يكفر وفيه ايضا انكراية من القرآن او سخر بآية منه
كفر- وفيه ايضا- من عاب النبي صلى الله عليه وسلم في شئ يكفر انتحى فتاوى بنزاريہ
میں ہر خدا کے لیے کوئی برا وصف بیان کرے یا اُسکے کسی نام یا کسی حکم کے ساتھ مسخر اپن کرے
اُسکے کسی وعدہ یا وعید کا انکار کرے تو کافر ہو اور کہے کہ میں خدا ہوں تو بھی کافر ہو جائیگا۔ اور اُسی
کتاب میں ہر جو قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے یا اُسکے ساتھ مسخر اپن کرے تو کافر ہو اور اُسی کتاب میں
ہر جو حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کو کسی بات میں کوئی عیب لگائے وہ کافر ہے انتہی وقال ابن حجر
المکی فی الاعلام بقواطع الاسلام من دهم ان الاله سبحانه يحل فی شئ من احاد الناس
فهو کافر- وفيه ايضا- لو قال المصحف آله الفساد واللہ او قال القرآن حکایات
جبرئیل کفر- وفيه ايضا- ویکفر من کذب بشئ مما صرح به القرآن من حکم او خبر او جملة
التوراة ولا انجیل وکتب اللہ المنزلة او کفر بها او لعنها او سبها او استخف بها انتحى
اور ابن حجر کی رحمہ اللہ نے اعلام بقواطع الاسلام میں لکھا ہے جو خیال کرے کہ خدا کسی آدمی میں حلول کر جاتا
ہو وہ کافر ہو۔ اور اُسی کتاب میں ہر جو قرآن شریف کو آلہ ہویا آلہ فساد یا حکایات جبرئیل کہے وہ
کافر ہو۔ اور اُسی کتاب میں ہر جو قرآن کے کسی صریح حکم یا خبر یا پوری تورات و انجیل اور کتب منزهہ کہے
یا انکا انکار کرے یا انپر لعنت بھیجے یا انکو گالیان دے یا انکی ذلت کرے وہ کافر ہے انتہی۔ اور
فتاویٰ النوازل میں ہر من استخف بالمصحف او التوراة او الانجیل او الزبور کفر وقال ابن

یرى الله عيانا في الدنيا او يكلمه شفاهها او ان الله يحل في الصلح الحسن او قال ان الله
او هو انتا جو قرآن شریف تو رات انجیل یا زبور کی تذلیل کرے وہ کافر ہی یا کہے کہ وہ خدا کو ان تکھو
سے دیکھتا یا اُس ہی باتیں کرتا ہی یا کہے کہ خدا اچھی صورتوں میں حلول کرتا ہی یا کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا
میں ہوں وہ بھی کافر ہی۔ اور فصول عمادیہ میں ہوا اذا انکذایة القرآن او سخر بآیة
منہ کفر رجل یقرء القرآن فقال آخرین چہ بانگ و طوفان ست کفر رجل قبل بیا یک دم
بدۃ تا بعارت مسجد صرف کتم یا مسجد حاضر شو فقال مرا با مسجد چہ کار بعد زانتہ جو شخص قرآن کی کسی ت
کا انکار کرے یا کسی آیت کے ساتھ مسخر اپن کرے وہ کافر ہے اگر قرآن پڑھنے والے سے کسی نے کہا
کہ یہ کیا شور اور طوفان ہو تو یہ کافر ہو گیا یا کسی نے کہا ایک دم دے کہ مسجد کی تعمیر میں صرف کیا جا
یا کہا کہ مسجد جل اور اسنے کما مجھے مسجد سے کیا کام تو اسے تعزیر کجائے گی انتہی۔ اور بھی کتب فقہ و کلام وغیرہ
میں ایسا ہی ہر سوال عیسائی پادریوں نے سہارنپور میں آکر نو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو تو اپنے
مدرسوں میں داخل کر کے بکنا اور بیدین کرنا اور مرتد بنا تا شروع ہی کیا تھا اب ایک اور فریب
اور جال کی راہ نکالی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کے چہرہ آٹھ آٹھ دس دس بیس بیس کی عمر کی لڑکیوں
اور عورتوں کو اپنے مذہب کی کتابین پڑھانا شروع کیا ہی اور لڑکیاں اور عورتیں مطلق اپنے مذہب سے
واقف نہیں انھیں ہر آوار کو پیسے اور تصویریں اور شیرینی دیکر غریبوں اور بھجنوں میں مسح کو خدا اور
خدا کا بیٹا گواتے ہیں اور غریب مسلمانوں کی عورتیں اور لڑکیاں تنخواہ کے لالچ میں کفر والحاد کے
جلمے اور الفاظ بولنے میں ذرا بھی خوف نہیں کرتیں اسی کمر اور فریب سے پادریوں نے سال گذشتہ
پنجاب میں سات سو لڑکیاں عیسائی کی ہیں سہارنپور میں یہ جاگنڈا اور ایمان ربا بلا اسی سال آئی
ہو نو مدرسے خاص سہارنپور میں اس لیے جاری ہیں کہ مسلمانوں کی عورتیں روپیہ کے لالچ میں آکر
خود انتظام کر لیں گی اور لڑکیوں کو جمع کر کے بیدین اور بے ایمان کرنے کا ڈھنگ ہو سکھا دیں گی
مسلمانوں ہی کی عورتیں اُس میں معلمہ مقرر کی گئی ہیں ان مدرسوں میں پڑھنا اور پڑھانا اور پڑھائی
کے واسطے مکان دینا اور پڑھنے اور پڑھانے والیاں اور جو اس فعل بد سے راضی ہوں اور جو
عورتیں شوہروں کی مانعت کو اس حکم خاص میں نہ مانتی ہوں اور جو اپنے مکان اور اپنے اہل
و عیال کو اس کام سے باز نہ رکھتا ہو اور اپنی لڑکیوں کو ان مدرسوں میں جانے سے منع نہ کرتا ہو

عند الشرع کیا حکم رکھتے ہیں جواب عدا کلمہ کفر ہونا اگرچہ اُس پر اعتقاد نہ ہو کفر ہو۔ رد المحتار
 میں ہے کہ قال فی البحر والحاصل ان من تکلم بکلمۃ الکفر ہا زلا ولا عبدا کفر عند الكل ولا اعتبار
 باعتقاده كما صرح به فی الخانیة ومن تکلم بخطیاء او مکرها لا یکفر عند الكل ومن تکلم
 عامدا کفر عند الكل ومن تکلم بها اختیارا جاهلا بانها کفر فغیر اختلاف بحرین ہے
 حاصل یہ کہ جو ہنسی مذاق یا کھیل کود کی غرض سے کلمات کفر کہے وہ بالاتفاق کافر ہو اسکے اعتقاد
 کا اعتبار نہ کیا جائے گا جیسا کہ خانیہ میں اسکی تصریح ہے اور جو غلطی اور مجبوری سے کلمات کفر کہے وہ
 بالاتفاق کافر نہیں ہے اور جو بقصد الفاظ کفر کہے وہ سب کے نزدیک کافر ہے اور جو کلمات کفر کے معانی
 نبیان کر بقصد کہے اُسکے متعلق اختلاف ہے۔ اور فتح میں ہے ومن هنل بلفظ کفر اذ تدو
 ان لم یعتقد به الاستغفات فهو کفر المعتاد جو ہنسی مذاق میں الفاظ کفر کہے وہ کافر ہے
 اگرچہ اُسکا مقصد اہانت نہ ہو جیسا کہ عادۃ کلمات کفر کا ادراک کرنے والا کافر ہو۔ اور صاحب المختار
 نے معتاد کا مطلب لکھتے ہوئے لکھا ہے ای تکلم باختیارہ غیر قاصد معناه وھذا لاینافی
 ما مر من ان الایمان هو التصدیق فقط والاقل لان التصدیق وان کان موجودا
 حقیقۃ لکنہ زائل حکما لان الشارع جعل بعض المعاصی امارۃ عدم وجودہ کا ہزل
 المذکور وکما لو سجد لصنم او وضع مصحفا فی قاذورۃ فانہ یکفر وان کان مصدقا
 ذلک فی حکم التکذیب کما افادہ فی شرح العقائد یعنی الفاظ کفر کے
 لیکن اُنکے معنی مراد نہ لیے یہ اسکے منافی نہیں ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے یا اقرار کا کیونکہ
 تصدیق اگرچہ حقیقۃ موجود ہو لیکن حکما زائل ہو کیونکہ شارع نے بعض گناہوں کو تصدیق نہ ہونے کی
 علامت مان لیا ہے جیسے مذکورہ بالا مذاق یا بت کو سجدہ کرنا یا قرآن شریف کو کوڑے میں ڈال دینا
 کہ ایسا شخص کافر ہے اگرچہ تصدیق قلبی موجود ہو کیونکہ اُسکے یہ افعال تکذیب کے حکم میں ہیں
 جیسا کہ شرح عقائد میں ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے رجل کفر بلسانہ طائعا وقلبہ
 مطمئن علی الایمان یکون کافرا ولا یکون عند اللہ مومنا جس نے کسی کی اطاعت میں اپنی زبان
 سے الفاظ کفر کہے اور اُسکا قلب ایمان پر قائم رہا وہ کافر ہے خدا کے نزدیک مومن نہیں۔
 پس ان عداوتوں سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص راگ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن الدغاگئے

یا کوئی کفر کا کلمہ یا دیون کے کہلانے سے جو صاحب مدارس کے لڑکے لڑکیاں کستی ہیں کہ وہ مرتد اور کافر ہو جائے گا اور اس امر پر رضا دینا بھی کفر ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری کی شرح فقہ اکبر میں ہے الرضا بالکفر کفر و رضا مندی کفر ہے۔ اور ان سخت کلمات کی پروا نہ کرنا اور سہل جانا بھی کفر ہے۔ ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے الاستهانة بالمعصية بان يعدها هينة و يدتکھا من غير مبالاة بها و یجریھا صحیحی المباحات فی ارتکابھا کفر گناہ کو معمولی جانا یعنی معمولی سمجھ کر بار بار بے پروائی کے ساتھ اُس کا مرتکب ہونا اور علما اُس کو بمنزلہ مباح کر دینا کفر ہے۔ الحاصل اس مدرسے کے لڑکے اور لڑکیاں جو ایسے کلمات بولتے ہیں سب مرتد ہیں اور جو لوگ ان کو بخوشی ایسے کام کے واسطے جان بوجھ کر وہاں بھیجتے ہیں وہ بھی مرتد اور کافر ہیں اور ان مدارس کی پڑھانے والیاں اور ان مدارس کے معین یعنی مکان دینے والے بھی اگر اس فعل سے راضی ہیں تو کافر اور مرتد ہیں اور جو اس امر کو برا جان کر محض طمع دنیا کی وجہ سے یہ کام کرتے ہیں وہ فاسق اور فاجر ہیں تمام اہل اسلام کو چاہیے کہ ان لوگوں کو عموماً اور اپنے بچوں کو خصوصاً روکین اور منع کریں کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے فرمایا ہے من دأى منكوا فليغیره بیده فان لم يستطع فليسانه فان لم يستطع فليقلبه ليس من اهل ذلک حبة خردل من ايمان جو شخص کوئی بری بات دیکھے اُسے ہاتھ سے مٹا دے اگر یہ کر سکے تو زبان سے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو قلب سے اس کے بعد ایک رائی کے دانہ کے برابر بخوبی بیان نہیں ہو۔ الحاصل جو شخص کسی قسم سے منع کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور پھر بھی منع نہ کرے تو اگر اس فعل کو مستحسن یا سہل جانتا ہو کافر مرتد ہوگا اور جو برا جان کر منع نہیں کرتا وہ ماہن فاسق ہوگا والداعلم کتبہ الراعی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ جواب صحیح حررہ محمد منظر مدرس مدرسہ سہارنپور۔ محمد منظر لطیف الہی الجواب حق والحق متبع حررہ غایت الہی عفی عنہ سہارنپوری بالجواب صحیح حررہ ابوالحسن عفی عنہ ابوالحسن جواب صحیح حررہ عزیز حسن عفا اللہ عنہ۔ کتبہ مشتاق احمد عفی عنہ۔ الجواب صحیح کتبہ حبیب الرحمن عفی عنہ۔ الجواب صحیح حررہ محمد حسن مدرس مدرسہ دیوبند عفا اللہ عنہ الجواب حق کتبہ عبدالرحمن عفا اللہ عنہ۔ جواب صحیح حررہ محمد امیر یار خان عفا اللہ عنہ محمد امیر یار خان اصاب اعجیب کتبہ ذوالفقار علی عفی عنہ۔ الجواب صحیح و منکرہ نقیض کتبہ احمد عفی عنہ۔ الجواب صحیح حق حررہ

محمد محمود عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند محمد محمود الجواب صحیح کتبہ عزیز الرحمن دیوبندی مدرس
مدرسہ عربیہ میرٹھ عفی عنہ۔ ابواب صحیح واللہ اعلم وعلما اتم حررہ محمد ابراہیم عفی عنہ۔ الجواب صحیح کتبہ
عبدالمومن دیوبندی عفی عنہ۔ ابواب صحیح حررہ محمد منفعت علی عفی عنہ دیوبندی محمد منفعت علی جواب
صحیح حررہ محمد محمود حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ دیوبند۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اجرے
کلمۃ الکفر کفر ہے اور اس آیت سے بھی یہ مضمون بصرحت ثابت ہے من کفر بالله من بعد ایمانہ الا
من اکوہ وقلیہ مطمئن بالایمان ولكن من شر ما لکفر صلا رافعیہ غضب من اللہ ولہم
عذاب عظیم جس نے ایمان کے بعد خدا سے کفر کیا مگر وہ جو مجبور کیا گیا اور اس کا قلب ایمان پر قائم رہا
لیکن وہ جس کا سینہ کفر کے لیے کھول دیا گیا ہو ان پر خدا کا غضب اور بڑا عذاب ہے۔ کیونکہ اس آیت میں کفر
خات کرادہ کا استثناء کیا گیا ہے اور اسکے علاوہ اجرے کلمۃ الکفر علی سبیل الاختیار کفر میں داخل تھا ہی اور ظاہر
ہے کہ اشتیاض مذکورہ کا راگ وغیرہ میں کفر کے کلمات کا زبان سے نکلنا اسکا انہیں ہے بلکہ
اختیاراً ہی لہذا یہ کفر ہو گا اور کفر کی اعانت یا اسکی تعلیم اسی قبیل سے ہے واللہ اعلم بالصواب والراستم
مدرس مدرسہ عربیہ سہارنپور صرح ابواب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تعادوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا
علی الاشرار المؤمنان والتموا اللہان اللہ شدید العقاب نیکی اور تقوی کیلئے مدد کرو گناہ اور زیادتی کے
لیے مدد نہ کرو اور خدا سے ڈرو کہ وہ سخت بدلہ لینے والا ہے حرر ابو الحسن محمد عبدالمجسود سوال ایک شخص کا نام ابو القاسم
ہے کیا اسکو اس حدیث کے بموجب جو کتاب الاستیذان دارحی شریف میں ان اسناد سے واقع ہے
(اخبرنا سعید بن عامر عن هشام عن محمد بن سید بن عمار عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی) جسے سعید بن عامر نے بیان کیا اُنہی ہشام نے
اُنہی محمد بن میر بن اُنہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم
نے فرمایا کہ میرے نام سے دوسروں کا نام رکھو لیکن میری کنیت نہ رکھو) اپنا نام بدلنا چاہیے جواب
اس مسئلہ میں علمائے امت کا بڑا اختلاف ہے ہر ایک کے پاس اپنے اثبات دعویٰ کے لیے حدیث نبویؐ
ہو چنانچہ طحاوی نے معانی الآثار میں مذاہب مختلفہ کو مع سند بیان کیا ہے پہلا مذہب یہ ہے کہ ابو القاسم
کنیت رکھنا جائز ہے چاہے کنیت رکھنے والے کا نام محمد ہو یا کچھ اور اسکی سند وہ حدیث ہے
جسکو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میرے ہمنام بنو
 لیکن میرے ہم کنیت نہ بنو۔ اور دوسری روایت میں ہے تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی فانی انا ابوالقاسم میرے
 ہمنام بنو لیکن میرے ہم کنیت نہ بنو کیونکہ اکیلا میں ہی ابوالقاسم ہوں۔ اور بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 عنہ سے مروی ہے تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی ابوالقاسم اللہ یعطی وانا اقسو میرے نام سے دوسروں
 کا نام رکھو لیکن ابوالقاسم کسی کی کنیت نہ رکھو کیونکہ خدا دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ اور بھی حضرت
 جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ولدا لرجل من الانصار غلام فسماه محمد اخقال النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم احسنت الانصار تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی انما انا قاسم اقسو بینکم انصار میں سے
 کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا آنحون نے اُس کا نام محمد رکھا تو حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے
 فرمایا کہ انصار نے اچھا کیا میرا ایسا نام رکھو لیکن میری ایسی کنیت نہ رکھو میں ہی قاسم ہوں تم لوگوں
 میں تقسیم کرتا ہوں۔ اور بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی
 فانما جعلت قاسما اقسو بینکم میرا ایسا نام رکھو لیکن میری ایسی کنیت نہ رکھو میں ہی قاسم بنایا گیا
 ہوں کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔ اور یہی محمد بن سیرین اور نخعی وغیرہما کا مذہب ہے۔ دوسرا
 مذہب یہ ہے کہ تنہا نام رکھنا یا تنہا کنیت رکھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ جمع منع ہے حضرت براء بن عازب
 رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجمع بین اسمی وکنیتہ
 حضور سرور انبیاء علیہ التیمۃ والثناء نے اپنے اسم وکنیت دونوں کے جمع کرنے سے ممانعت کی ہے۔ اور حضرت
 جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے من تسمی بلسمی فلا یکنی بکنیتی من اکتی بکنیتی فلا یتسم باسمی
 جس کا میرا ایسا نام ہو وہ میری ایسی کنیت نہ رکھے اور جس نے میری ایسی کنیت رکھی وہ میرا ایسا نام نہ رکھے
 تیسرا مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات
 میں سے ایک خاص صفت ہے جو آپ ہی کے ساتھ مختص ہے۔ جسپر حدیث سابق اشارہ کرتی ہے اور
 بھی ابوالقاسم کنیت رکھنا اس بات پر دال ہے کہ یہ شخص قاسم کا باپ ہے اور حدیث حضرت جابر
 رضی اللہ عنہ کی اسکی سند پر ولدا لرجل من الانصار غلام فسماه محمد اخقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و
 لا تسمی جینا فانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذا کو ذلک لہ فقال سم ابنک عبد الرحمن ہم میں
 سے کسی کے یہاں لڑکا ہوا جس کا نام اُس نے قاسم رکھا میں نے کہا کہ تم تمہاری کنیت ابوالقاسم

کیونکہ یہ یحییٰ وہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوة کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا تم اپنے لڑکے کا نام عبد الرحمن رکھو۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا یا محمد اور ابوالقاسم دونوں کو جمع کرنا ہر کس وناکس کے لیے ممنوع ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ولدك بعدی ابن قسمة بسمی وكنه بكنيتی وهی لك خاصة دون الناس حضور سرور انبیاء علیہ التیمہ والثناء نے فرمایا اے علی اگر میرے بعد تمہارے کوئی لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام اور کنیت دونوں میرے نام اور کنیت رکھنا یہ مخصوص تمہارے لیے ہے اور کسی کو ایسا نہ چاہیے۔ پانچواں مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا یا محمد نام رکھنا اور ابوالقاسم کنیت رکھنا دونوں جائز ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی سند سے جس میں خصوصیت کا لفظ مذکور نہیں ہے اسی مذہب کو طحاوی نے مختار کہا ہے اور طبری نے حواشی مشکوٰۃ میں لکھا ہے اختلافوا فیہ وجوه احدثها لا یجل التكنی بابی القاسم سواء كان اسمه محمداً او غیره وذلك انه لما كان رسول الله صلی الله علیه وسلم یکنی ابا القاسم لانه یقسم بین الناس من قبل الله ما یوحی الیه ولم یکن احد یشاركه فی هذا المعنی منه ان یکنی به غیره وهو مذهب الشافعی واهل الظاهر وثانیها ان هذا الحکموکان فی بدو الامر ثم نسخ فیما ح التكنی البعید بابی القاسم لكل احد سواء كان اسمه محمداً او غیره ویدل علیہ نھیہ فی حدیث انس عقب ما سمع رجلاً یقول یا ابا القاسم فقال تفت الیه رسول الله فقال انی لم اعنک وما روى عن علی انه قال یا رسول الله ان ولدی بعدک ولد الحدیث وهذا مذهب مالک قال عیاض وبه قال جمهور السلف وفقهاء الامصار وثالثها انه لیس بمنسوخ وان كان النهی للتنزیہ والتدبیر لا للتحریم وهو مذهب جمهور رابعها ان النهی للجمع ولا بأس بالکنیة وحدها وهو مذهب جماعة من السلف وخامسها انه نفی عن التكنی بابی القاسم مطلقاً وادام القید هو النهی عن التسمیة بالقاسم وقد غیر مروان لما بلغه هذا الحدیث اسم ابنه فسماه عبد الملك وكان اسمه القاسم وسادسها ان التسمیة بمحمدة ممنوعة مطلقاً وجاء فی حدیث مرفوعاً تسمون اولادکم محمداً ثم تلعنونهم وانتهی لخصاً اس میں کئی طریقین نے اختلاف ہے

(۱) ابوالقاسم کنیت رکھنا ناجائز ہے چاہے نام محمد ہو یا کچھ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم اس وجہ سے تھی کہ اللہ تعالیٰ جو آپ کو وحی کرتا تھا وہ آپ لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے چونکہ اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہوا لہذا دوسروں کو ابوالقاسم کنیت رکھنا بھی ممنوع ہے جو حضرت امام شافعی اور اہل ظاہر رحمہم اللہ کا مذہب ہے (۲) پہلے یہ حکم تھا بعد کو منسوخ ہو گیا اب ہر ایک کو ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے محمد نام ہو یا کچھ اور اس کا ثبوت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مانع سے (جسے انھوں نے بیان کیا بعد اسکے کہ ایک شخص کو یا ابوالقاسم پکارتے مناجس پر حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة اذھرتفت ہوئے تب اُس نے کہا کہ میں نے آپ کو مراد نہیں لیا تھا) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُس حدیث سے ہوتا ہے کہ انھوں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ کے بعد میرے کوئی لڑکا ہو گا تو اس کا نام محمد رکھو یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جمہور سلف اور فقہاء کا بھی یہی خیال تھا (۳) یہ منسوخ نہیں ہے اور نہ تنزیہ اور ندب کے لیے ہے نہ کہ تحریم کے لیے یہ جمہور کا مذہب ہے (۴) دونوں کے جمع کر نیکی مانع ہے نہ کنیت رکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے یہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے (۵) مانع تو مطلقاً ابوالقاسم کنیت رکھنے سے لگتی ہے لیکن مقصد قاسم نام رکھنے سے مانع ہے مروان کو جب یہ حدیث معلوم ہوئی تو انھوں نے اپنے لڑکے کا نام قاسم کے بجائے عبد الملک کر دیا (۶) محمد نام رکھنا مطلقاً ممنوع ہے اسکے متعلق ایک مرفوع حدیث آئی ہے تم اپنی اولاد کا نام محمد رکھتے ہو پھر اُس پر لعنت کرتے ہو۔ اور درختار میں ہے من کان اسمہ محمد لا باس بان یکنی ابوالقاسم لان حدیث سموا با اسمہ ولا تکنوا بکنیتی قد نسخ لان علیا کنی ابنہ محمد بن الحنفیۃ ابوالقاسم نفی جس کا نام محمد ہوا اسکے لیے کچھ حرج نہیں ہے اگر وہ اپنی کنیت ابوالقاسم رکھے کیونکہ یہ حدیث میرا لیا نام رکھو اور میری ایسی کنیت نہ رکھو منسوخ ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے لڑکے محمد بن حنفیہ کی کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔ واللہ اعلم حررہ الراعی غفر لہ القوی ابوالحسنات محمد عبد الراعی ثناء اللہ عن ذنبہ البکلی والحنفی ابوالحسنات محمد عبد المرحم **ضمیمہ از مستحرم** بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یا ایہا المذمل قہ اللیل الا قلیلا نصفنا وانقص منه قلیلا او نزد علیہ ورتل القرآن تو قلیلا انا سنلقی علیک قولا قلیلا ان ناشئ اللیل ھے اشد وطأ و اقوم قلیلا ان لك فی النھار سباحا طویلا واذكر اسم ربك وتبیل الیہ تبیلا رب المشرق والمغرب الا ھو فلتخذ

وکیلا و اصحاب علیہ مایقولون و اھمھم ہجرا حیدرا و ذری و الذکذبین اولی النعمۃ و مھلھم قلیلا
جاننا چاہی کہ محض نیکیوں کا لباس پہن لینے اور اس لباس کے لوازمات نہ ادا کرنے سے خدا کو نزدیک
کوئی نیک نہیں ہوتا دیکھو اگر کوئی شخص مطلب میں بیٹھے اور طبیب ہونے کی وجہ سے مرض کی نفی
نہ دیکھ سکے اُسکے لیے نسخہ نہ تجویز کر سکے یا کوئی شخص علما اور صوفیہ کا لباس تو پہن لے کر مسائل سے
ناواقف ہو یا لوگوں کو مہر تو کرتا ہو مگر اُسے اپنے پیر سے مرید کرنے کی اجازت نہ تو نتیجہ میں ان سب کو
شرمندگی ہی اٹھانا پڑے گی جیسے ایک طبیب کے لڑکے نے اپنے باپ کو کسی وقت نسخہ میں
سنا سے مکی لکھتے ہوئے دیکھا تھا باپ کے مرنے کے بعد اُسکی جگہ پر مطلب کرنے بیٹھا طبابت تو
جانتا نہ تھا سنی سنائی دو ایمین جو یاد آجاتیں لکھ دیتا اور ہر نسخہ میں سنا سے مکی ضرور لکھتا آخر کچھ
دھون میں بدنام ہو گیا اور لوگ سمجھ گئے کہ اسے کچھ نہیں آتا اسی طرح علی حذین ایرانی کا واقعہ ہر
جو مدت دراز تک ہند میں رہا اُسکی عادت تھی کہ ایک پلنگڑی پر لیٹا رہتا اہل علم کے سوا کسی
کی تعظیم نہ کرتا جو آتا فرش پر بیٹھا کیا ایک جاہل شخص علما کا لباس پہنے ہوئے اُسکے پاس پہنچا
وہ عالم سمجھ کر لیٹ سے اُٹھ بیٹھا اور نہایت ادب سے پوچھا اسم جناب چیست اسنے کہا ایسف
(یوسف) اُسے علوم ہو گیا کہ یہ شخص جاہل ہے وہ لیٹ گیا اور پاؤں پھیلا کر کہا اگر تو ایسف
ہستی من چرا پاے خود را دراز نہ کنم یہ جاہل خفیف ہو گیا اور تمام حاضرین محفل سمجھ گئے کہ یہ جاہل ہے
عالم نہیں ہے پس علما اور صوفیہ کا لباس پہننے والوں کو جان لینا چاہیے کہ محض یہ لباس اُنکو
عالم اور صوفی نہ بنائیگا جب تک وہ اُنکے طریقوں کو اختیار نہ کریں حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب نماز تہجد اور تلاوت قرآن شریف کے لیے شب کو اُٹھتے تو ایک بڑا
کبیل اُڑھ لیتے چونکہ عادۃ حضور کا اس کبیل کو اُڑھنا ذمہ داری عبادت کی پہچان تھی اسلئے
اللہ تعالیٰ نے یا ایھا المرسل قمل اللیل الی محلکم قلیلا نازل فرما کر آپ کو آگاہ کر دیا کہ اگر تم نے اس کبیلے
کو پہنا جو تو اُسکے شرائط کو ادا کرو (۱) شب بیداری اور تہجد میں قرآن شریف پڑھنا جو نفس کے ساتھ
بڑا ہما دی (۲) دن کو بھی ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہنا (۳) ذکر الہی پر مداومت اور اپنی
زبان کو ہر وقت اُسکے نام سے زندہ رکھنا (۴) غلات کو ترک کر کے تجرید حاصل کرنا (۵)
ہر امر میں اللہ پر بھروسہ کرنا اور اپنے آپ کو کسی چیز میں دخیل نہ جانا ہے (۶) غلم اور تکالیف

برداشت کر کے اپنے صبر کرنا ہو (۱) اہل دنیا کی صحبت سے احتراز کرنا اور ان کی خیر خواہی میں قصور نہ کرنا ہو۔
پس ایسا مسلمان تو ٹکو چاہیے کہ اگر صوفیہ کا لباس پہنو تو اس کی شرم کروالیا نہ ہو کہ اس لباس کی
وجہ سے لوگ تکو صوفی جانیں مگر تم صوفی نہ ہو۔ حدیث میں ہوا اللہ لا ینظر المصو کہ دکن
نینظر الی قلوبکم اس تمہید کے بعد اب ہم آیات مذکورۃ الصدر کا ترجمہ لکھتے ہیں جو شخص اس پر کار بند
ہو گا پکا صوفی ہو جا کے گا۔ عوام کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ہم ایسے لوگ صوفی نہیں ہو سکتے کیونکہ عالم
صوفی متقی ہونا کسی قوم یا خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے
اس دولت کے حاصل کرنے کے ذرائع ہر مومن کو اسکا مستحق بنا دیا ہو اب غور سے دیکھو وہ
ذرائع پھر ترجمہ سے ظاہر ہو جائیں گے یا ایھا المذل قد اللیل الا قلیلا اور یا صنت کا کپڑا اوپر
پیسے ہوئے شخص اس کپڑے کا حق ادا کر اور رات کا سونا جو سب راتوں سے زائد پسندیدہ ہو ترک
کر کے عبادت الہی میں مشغول رہ اور کھڑے ہو کر ہر رات کو نماز پڑھا کر مگر تھوڑی راتوں میں یہ حکم
معاف ہو جیسے بیماری یا سفر کی راتیں یا وہ راتیں جن کے دن میں تینے سخت مشقت بہت کی ہو مثلاً
جہاد یا کفار سے مقابلہ کیا ہو یا وہ دن صلح کرانے یا مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے چھڑانے وغیرہ میں
صرف ہوا ہو تو ان راتوں میں اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنا ضروری نہیں بلکہ نفل ہے چاہے پڑھو چاہے
نہ پڑھو اسی طرح ایسے عذروں کی وجہ سے کھڑے ہو کر پڑھنا بھی حرام ہے بلکہ بیٹھ کر پڑھنے
میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں اکثر تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا
کرتے تھے اور تقدیر میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ لا قلیلا کا لفظ قیام کے ظرف محذوف ہو مستثنی
ہو لیل سے نہو اور ترکیبی عبارت یوں ہو قد فی صلوة اللیل فی جمیع عمرک الا زمانا قلیلا و ہونہا ان
کبر السن وضعف البدن فلا یاس بالقعود حیث نہ تہجد کی نماز عمر بھر کھڑے ہو کر پڑھا کر مگر تھوڑے
دنوں میں تہجد کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری نہیں ہو اور وہ تھوڑے دن بڑھاپے اور ضعف بدن
کے ہیں۔ لیکن چاہیے کہ یہ رات کی نماز میں کھڑا ہونا ذرا سہرا ہے تاہم نہو کہ جذب الی اللہ میں اور حضور
اور مناجات کے ملکہ کی تحصیل میں جیسی چاہیے ویسی تاثیر نہ کرے کیونکہ تھوڑے عمل سے روح
اور دل کو کیفیت حاصل نہیں ہوتی اور ان اعمال کی تاثیر انہیں بخوبی نہیں پائی جاتی بلکہ نماز میں
کھڑے رہا کر وہی رات کے اندازے سے اگر اعتدال کے دن ہوں جن میں رات اور دن

برابر ہوتے ہیں جیسے خزان کے چند دن اور بہار کے چند دن ایسے کہ آدھی رات دن اور رات کے پورے دورے کی چوتھائی ہو اعتدال کے دنوں میں اور تاثیر و خواص میں چوتھائی پیر یوری چیز کا حکم کرتے ہیں ایسے اتنا مجاہدہ اور کوشش کرنے کا اثر تمام دن رات باقی رہے گا اور حضوری و مناجات کی کیفیت بھی حاصل ہوگی مثلاً اگر کسی شخص کو دن رات میں دو پہر اپنے محبوب سے صحبت کا موقع ملتا ہو تو اسکا سرور آٹھ پہر تک باقی رہتا ہو اور ہر وقت اسی کیفیت میں مست رہتا ہو اور اگر دن رات میں ایک ساعت یا ایک لمحہ ملاقات ہوتی ہے تو وہ جدائی کی آگ کو بجھا نہیں سکتی بلکہ اور تیز کر دیتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ اگر کسی کو شدت سے پیاس لگی ہو اور ایک قطرہ پانی پیے تو پیاس بجھتی نہیں بلکہ اور زیادہ ہو جاتی ہو ایسی طرح جو شخص بہت بھوکا ہو اگر دو ایک لقمہ کھالے تو بھوک اور زیادہ ہو جاتی ہو۔ یا آدھی رات سے تھوڑا کم کر کے تھائی رات کو پہونچے اگر جاڑوں کا زمانہ ہو کیونکہ جاڑوں کی راتیں بہت بڑی ہوتی ہیں اسکی تھائی دن رات کی چوتھائی کے برابر ہوگی یا آدھی رات پر تھوڑا زیادہ کر دو کہ دو تھائی رات کو پہونچے اگر گرمیوں کا زمانہ ہو کیونکہ گرمیوں کی راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اسکی دو تھائی دن رات کی چوتھائی کے برابر ہوگی اور قرآن شریف کے الفاظ کو صاف پڑھو وہ زمانہ قریب ہو کہ ہم تم پر بوجھ ڈالیں گے یعنی پے در پے قرآن کو نازل کریں گے جانتا چاہیے کہ جب نماز تہجد میں قرآن کے بار تیل پڑھنے کی وجہ بیان ہو چکی تو اب نماز تہجد کی وجہ بیان ہوتی ہے بیشک وہ عبادت اور تلاوت جو رات کو پیدا ہوتی ہو نفس کے روندنے اور اسکی تاریکی کے دور کرنے میں بہت سخت ہو اور بات کہنے میں بہت مضبوطی ہے حاصل یہ ہو کہ بھلی رات کو قرآن شریف کی تلاوت کرنا تندر اور فہم معانی کے لیے دوسرے اوقات سے بعید مفید ہو کیونکہ بھلی رات کو ذہن صاف ہوتا ہو اور غذا کے بخارات بھی کم ہو جاتے ہیں اور غل شور ہونے کی وجہ سے حواس کو انتشار نہیں ہوتا اسی وجہ سے فہم معانی میں غفلت نہیں ہوتی اور رات کی تاریکی کی وجہ سے آنکھ بھی اپنے کام سے بیکار ہو جاتی ہو اور ہر چیز کے دیکھنے کی وجہ سے دل کو تشویش نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہو کہ اس وقت خاص کو اکثر علمائے کتب بینی اور شرعائے شعر کہنے کے لیے خاص کر رکھا ہو اور قمریہ سے بھی معلوم ہوتا ہو کہ اس وقت مطالب اور مضامین عالہ کا مل میں اچھی طرح الفاظ ہوتا ہو اسی وجہ سے اکثر بھلی رات کے خواب بھی صحیح ہو اگر تے ہیں حدیث شریف

میں ہے اصدق الروایا الاسما بہت سچا خواب سحر کا ہے۔ بیشک دن کو تھیں بہت کام کرنا ہیں اور طرح طرح کی عبادتوں میں مشغول رہنا ہر جسکی وجہ سے تم مصاجت مکالمات اور سرگوشی کی محفل کو گرم نہیں رکھ سکتے یعنی اگرچہ تم دن کو طرح طرح کی عبادتوں میں مشغول رہتے ہو لیکن بیچھلی رات کو بھی عبادت سے غافل نہ رکھو کیونکہ اس وقت کا مجاہدہ مجاہدون کے دور کرنے اور تیرب حاصل کرنے میں بڑا اثر رکھتا ہے کوئی عبادت اور شغل اسکو نہیں پہنچتا بلکہ تمام عبادات اور مشاغل کو یہ مجاہدہ اور دلق دے دیتا ہے پس ایسے وقت کو مفت ضائع نہ کرو اور اپنے پروردگار کا نام تو بہر وقت ہر شغل ہر عبادت میں خواہ اول خواہ آخر خواہ اس عبادت کے درمیان میں اور یا دخواہ زبان سے ہو خواہ دل سے خواہ ریح سے دن کو ہو یا رات کو ذکر لسانی جہر سے ہو یا خفا سے اور پروردگار کا نام خواہ اسم ذات ہو خواہ اسم اشارہ یا اسماء حسنی میں سے کوئی نام ہو جو سالک کے نفس اور حال اور وقت سے مناسبت رکھتا ہو۔ اور اسم پروردگار کا خواہ تنہا خواہ تملیل کے ضمن میں یعنی نشی اور اثبات میں خواہ تسبیح اور تحمید اور تکبیر اور لا حول یا دوسرے سنون ذکر وں کے ضمن میں ہو اور ذکر کی کیفیت بھی خواہ یک ضربی ہو خواہ دو ضربی خواہ اس سے بھی زیادہ ہو جس دم کے طور پر ہو خواہ بے جس دم ہو برزخ سے ہو خواہ بدون برزخ سے کہنی ہو خواہ ہفت رکنی شرائط عشرہ کے ساتھ ہو یا بے اسکے اور شرائط عشرہ یہ ہیں (۱) شد (۲) مد (۳) تحت (۴) فوق (۵) محاربہ (۶) مراقبہ (۷) محاسبہ (۸) مواعظ (۹) تغلیم (۱۰) حرمت۔ ان کے علاوہ اور خصوصیات بھی ہیں جنکو حضرات صوفیہ رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور ان خصوصیات میں سے کسی ایک یا دو کا معین کرنا شیخ اور مرشد کی رائے پر موقوف ہے جو چیز جس طالب کے حال کے موافق اور اہل جانے وہ اسے تعلیم کرے۔ پھر ایک خصوصیت سے دوسری خصوصیت کی طرف انتقال کیے چنانچہ دوسری آیت میں ہے **فاسئلواہل الذکر ان یتعلموا تعلون جو تم نہ جانتے ہو اس کو ذکر کرنے والوں سے پوچھو** یہ سچا طریقہ یہ ہے کہ یاد الہی کی اتنی مہارت پیدا کر لے کہ کوئی عمل اور کوئی شغل اس کو یاد الہی سے غافل نہ کر سکے اور لا تہیجہم تہجد ولا یجھن ذکر اللہ (ان لوگوں کو سوداگری اور بیج و شراعت کی یاد سے نہیں روکتی) کا مصداق بن جائے۔ اللہ جو عمل تم کو اللہ کی یاد سے روکے اسے **عشرۃ** حضرت ابوالحسن نوری فرماتا ہے رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ آپ اپنے مکان سے صبح کو نکلتے

اور صحرا میں جا کر عبادت کیا کرتے گھر سے دہان تک جانے میں ایک قرآن شریف کی تلاوت فرماتی
 اسی طرح واپسی میں ایک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے دعا کی اور پروردگار نے
 حضرت خضر علیہ السلام سے ملنا چاہتا ہوں خدا نے آپ کی دعا قبول فرمائی ایک دن جب صبح کو آپ
 مکان سے عبادت خانہ جانے کے لیے نکلے تو دروازے پر ایک بزرگ کو دیکھا انھوں نے کہا السلام علیکم
 حضرت ابو الحسن نوری خرقانی رحمہ اللہ نے جواب سلام دیکر مصافحہ کے بعد دریافت کیا آپ کون ہیں
 اور کیوں آئے ہیں انھوں نے کہا میں نے کما حقہ مجھے ملنے کی دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا
 ہے حضرت نوری قدس سرہ سمجھ گئے کہ یہ خضر ہیں نہایت ادب سے پیش آئے اور عبادت خانہ تک
 آئے باتیں کرتے ہوئے گئے وہاں پہونچ کر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا تمہیں مجھ سے جو کما ہو کہوا انھوں نے
 جواب دیا کہ مجھے صرف اتنا ہی عرض کرنا ہو کہ آپ تشریف لیجائیں اور اب پھر کبھی مجھے نہ ملیں گے
 آپ کی تشریف آوری سے آج میری عبادت کم ہو گئی روزانہ میں یہاں تک آئے ہوئے ایک قرآن
 شریف پڑھا کرتا تھا آج آپ سے باتیں کرنے میں وقت صرف ہو گیا اور میں اس ثواب عبادت
 سے محروم رہا لہذا اس عمل کو میں اختیار کرنا نہیں چاہتا جو عبادت الہی سے غافل کر دے۔ اگر تم کو
 حضرت نوری کا مفصل حال دیکھنا ہو تو انوار الاقیاء دیکھو میں نے شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ کے
 تذکرۃ الاولیاء کا جو فارسی زبان میں تھا اردو میں ترجمہ کر کے انوار الاقیاء اسکا نام رکھا ہے۔ ہو سکتا
 ہو کہ تم یہ شبہہ کرو کہ علائق دنیا کا قطع کرنا ناممکن ہے کیونکہ دنیا دار الحیوۃ ہے اور جب تک دنیا دار
 علائق سے تعلق باقی ہے ماسوی اللہ سے کلی غفلت نہیں ہو سکتی اور جب ماسوی اللہ سے کلی
 غفلت نہو گی تو اللہ کی طرف کامل توجہ کا ہونا بھی محال ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا یوں جواب دیتا ہے
 افعال الہی پر غور کرنے سے تم کو معلوم ہو سکتا ہے کہ علائق دنیاوی کے ساتھ تعلق رکھنا پھر اُن سے
 انقطاع ہر رات اور دن میں خود ہی موجود ہے کیونکہ اللہ مشرق کا بھی پروردگار ہے اور مغرب
 کا بھی اس نے مشرق کو دنیاوی علائق کے یاد دلانے کے لیے اور مغرب کو اُن سے انقطاع کرنے
 لیے بنایا ہے دیکھو جب صبح ہوتی ہے اور مشرق سے آفتاب نکلتا ہے تو دوکانداروں کو اپنے دوکانوں کا
 جو بازاروں میں ہیں علاقہ یاد آتا ہے کارگیروں کو اپنے پیشوں کے اوزار اور نوکروں کو آقا کے دربار
 کا علاقہ یاد آتا ہے کسان کو بیل بیل کھیت کا اور مالی کو اپنے لگائے ہوئے درختوں کا اور ماں باپ کو اپنی

اولاد کا اور لوٹھی کو اپنے آقا کا اور زوجہ کو زوج کا اور زوجہ کا علاقہ یاد آتا ہو اور ہر علاقے کے احکام ظاہر ہونے لگتے ہیں مسافروں کو راہ چلنے کے پیشہ درون کو اپنے پیشے تاجروں کو بیع و شری کی فکر ہونے لگی یہاں تک کہ شام آئی آفتاب ڈوبا یہ جتنے علاقے تھے آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگے اکسان کھیتوں سے دوکاندار بازاروں سے مسافر راہوں سے توکر توکر یوں سے اپنے اپنے گھروں اور مقاموں پر آنے لگے دیکھو جب یہ سب کے سب اپنی جگہوں پر آگئے تو باہر کے علاقے منقطع ہو گئے اب گھر اور گھر والوں کا تعلق باقی رہا جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو گھر کی اکثر چیزوں سے علاقہ قطع ہو گیا جب بچھونے پر لیٹے تو بچھونے سے علاقہ قطع ہو گیا البتہ بیسیوں نے علاقہ باقی رہا جب سو گئے تو بیسیوں سے بھی علاقہ قطع ہو گیا صرف یہی نہیں بلکہ ظاہر بدن سے روح کا علاقہ بھی جاتا رہا اپنے اعضا کی حرکت اور جنبش بھی روح کے اختیار میں رہی پھر دوسری حزن کو کون پوچھتا ہو پس ای محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اس وقت مالک الملک کی شان رہو بیت کا تماشہ دیکھو کہ وہ باوجودیکہ سب کو زندہ بھی رکھتا ہو مگر ہر روز انکے لیے ایک ایسا وقت بھی مقرر کرتا ہو جس میں دنیاوی تمام علاقے قطع ہو جاتے ہیں اور ان کو اس کا موقع دیا جاتا ہو کہ وہ اُس وقت اگر چاہیں تو عبادت میں مشغول ہو کر اللہ ہی سے علاقہ رکھ سکیں۔ تم ہر وقت اپنے آپ کو ایسا ہی بے اختیار سمجھو اور کسی چیز سے علاقہ نہ رکھو کہ ذکر اور عبادت میں تمہارا کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی اللہ کہ ان علاقے کا قطع کرتا اور پھر انھیں کو ثابت رکھتا اس کی رہو بیت کی شانوں میں سے ایک شان ہو پس اپنے پروردگار کو کار ساز سمجھو اور اپنے ضروری کاموں کو اسکے حوالہ کر کے اطمینان سے بیٹھو اور قطع علاقے کی وجہ سے مشوش نہ ہو۔ تو درگم شوہال انیسٹ بس۔

گم شدن گم گن کمال این ست بس ہدراہ خدا کی سلوک کی شرطوں اور فرقہ پوشی کو لازم کے بیان کے بعد حکم ہوتا ہو کہ باوجود ایسی ریاضت اور مجاہدی اور تہلیل کے ہنرے تم کو ناقصوں کی تکمیل درگراہوں کی ہدایت اور طالبوں کی رہنمائی اور خلق کو خدا کی طرف بلانے کے لیے بھیجا ہو پس محکوم عمل اور بیاری کرنا چاہی اور خلق کی زیادتیوں و ظلموں کو برداشت کرنا چاہیے اور جو تمہارے نائب اور وارث اور اس منصب کے ذمے دار ہوں ان کو بھی تمہاری تبعیت میں تحمل اور بردباری کرنا لازم ہے اور جو منکوبین اور تمہارے معاندین کہا کرتے ہیں اُس پر صبر کرو خواہ وہ کافر ہوں یا مشرک

یا منافق ہوں کیونکر یہ سب اس راہ سے بالطبع نفرت رکھتے ہیں اور اس راہ پر چلنے والوں کو لوگوں کی نظروں میں حقیر اور ذلیل بنا نا چاہتے ہیں اور اپنے ظن فاسد سے لوگوں کے سامنے وعظا کہنی بیٹھے بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ عالم ہوں یا صوفی عامل ہوں یا کامل سب ظاہر میں ایسی باتیں کرتے ہیں اصل میں انکی نیتیں خراب ہیں ریا اور مکاری انکا شیوہ ہے دنیا کی لالچ انکے دلوں میں بھری ہے کو نظر ہر یہ تارک دنیا معلوم ہوتے ہیں علی الخصوص اُس گروہ اہل حق کی زیادہ مخالفت کرتے ہیں جس نے ان سے قطع تعلقی کر لیا ہے اور انکی پروا نہیں کرتا آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انھیں کے اقربا دوست مرید شاگرد جو حق کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں ان سے نفرت کرتے لگتے ہیں پس تم انکی محبت کو چھوڑنے کے طریقے سے چھٹو د تاکہ اس میں تین چیزیں نہ ہوں اول یہ کہ میل جول بہت ترک کر دو اور باطن میں انکے حالات سے خبردار رہو کہ کیا کرتے ہیں اور محکم کیونکر یاد کر لے ہیں (۲) انکی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے نہ کرو گفتگو اور مقابلے میں کج خلقی اور بزر بانی نکرو (۳) باوجود مفارقت کے انکو نصیحت کرو اور اُن سے دشمنی نہ کرو بلکہ جصلح ممکن ہو انکو روایت کرو۔ اور اسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہے کہ تمھارے دل میں یہ خیال گزرے کہ منکرین کی زبانی ایذا سانی برصبر کرنے کا اور اُن سے قطع علائق کا مجھے حکم ہوا ہے وہ تو میں نے جان و دل سے قبول کیا مگر یہ منکر ایسے بد ذات اور شرید ہیں کہ دوسروں کو بھی اس راہ پر آنے نہیں دیتے بلکہ اگر کوئی آنے کا ارادہ کرتا ہو تو اسکو زبانی سمجھاتے اور اپنی مجلسوں میں بٹھا کر اپنا حال دکھاتے ہیں اور تن بیڑی وغیرہ کی رغبت دلا کر اس راہ سے بھڑھوتے ہیں پس اگر میں انکی ہلاکت کی دعا کروں اور اُن سے بدلہ نہ لوں تو یہ طریقہ کبھی رائج نہ ہوگا تو اسکا دفعہ یہ ہے کہ اس میں تم دخل نہ دو بلکہ اسے ہمارے ہی حوالہ کر دو لینے مجھے اور اس راہ کے منکروں کو تم جھوٹو اور لان کو اس جہان کی آرام میں تھوڑی صلت دو جہان دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو مجاہدہ ریاضت رنج اور مشقت میں مشغول ہیں اور اپنے ناز پروردہ جسم کو خدا کی راہ میں شمار ہے میں وہاں بعض ایسوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو عالم آخرت میں رنج اٹھائیں مگر دنیا میں ہادی راہ سے بھرا ہی رہنا اچھا ہے اگر دنیا میں سچی مشغی ہو جائیں تو اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ اس جہان میں سب کو راحت ملے ادا لان دونوں کے اجتماع سے یہ بھی لازم آئے گا کہ دونوں

جہان متغیر اور تباہ ہو جائیں کیونکہ دونوں جگہ رنج بے راحت اور راحت بے رنج ہو اور ہر جہان کا احد المتقابلین سے خالی ہونا اس جہان کے نقصان کا سبب ہے اور ہم جامع المتقابلات اور کامل علی الاطلاق ہیں پس انہیں جلد تباہ کرنے کی درخواست نہ کرو بلکہ انہیں مہلت دو تاکہ یہاں رہ کر وہاں رنج کھینچنے کی استعداد پیدا کر لیں کیونکہ ہم استعداد اور لیاقت سے پہلے کسی شخص کو کام میں مشغول نہیں کرتے اور اگر ہم ایسا کریں تو حکمت میں نقصان پایا جائے اب جاننا چاہیے کہ سلوک الی اللہ اُسکی حضوری اور نزدیکی طلب کرنے کو کہتے ہیں مگر چونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور لوازمات جسمیت سے پاک ہے لہذا اُسکی حضوری بغیر ان تین طریقوں کی یا بندی کے حاصل کر لینا ناممکن ہے اور تصور ہے جسکو عرف شرع میں تفکر اور اہل سلوک کی اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں (۲) ذکر ہے (۳) تلاوت قرآن شریف ہے اور بعض نے ذکر کو تصور میں داخل کر کے تصور اور تلاوت دو ہی طرح لیتے بیان کیے ہیں کیونکہ تصور ذکر اور یاد قلبی کا نام ہے ذکر لسانی ہو یا قلبی دونوں کو شامل ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنواقل حتی احببتہ کنت سمعہ الذی یسمعہ وبصرہ الذی یبصرہ ویدہ الذی یتطیش بہا اور جلد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہمیشہ میرا بندہ نفل عبادتوں کے ذریعہ سے میرا قرب چاہا کرتا ہے یا تک کہ میں اُسکو چاہنے لگتا ہوں اور میں اُسکے لیے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے یعنی کثرت عبادت کی وجہ سے بندے کو یہ مرتبہ عطا ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اُسکے اعضا کا محافظ ہوجاتا ہے اور اُسکے ہاتھ پاؤں آنکھ کان سب مرضی الہی کے تابع ہو کر اُسکی مرضی کے خلاف کام کرنے سے باز رہتے ہیں اور بھی فرمایا ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذرعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت صنہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ہدایۃ جو مجھ سے ایک بالشت نزدیکی چاہتا ہے میں اُس سے ایک ہاتھ نزدیک ہوجاتا ہوں اور جو مجھ سے ہاتھ بھر نزدیکی چاہتا ہے میں اُس سے باع (دونوں ہاتھوں کی لمبائی) بھر نزدیک ہوجاتا ہوں اور جو میری طرف چلتا ہوا آتا ہے میں اُسکی طرف گھٹنوں سے دوڑتا ہوا آتا ہوں چاہتے ہو کہ خدا گھٹنوں اور ہاتھ پاؤں وغیرہ سے نزرے ہو اس لیے خود ہی تجھ کو لگے

کہ یہ مثال فقط سمجھانے کے لیے ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کے اعضا میں البتہ اس حدیث
 سے یہ اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے یاد کرنے والے کی طرف خود نزول فرماتا ہے
 اور اُس سے نزدیک ہوتا ہے اور اُس کی مدد کو پر کرتا ہے اور اُس کے لطائف باطنی پر غالب ہوتا ہے۔ مطلق
 ذکر کی فضیلت میں بھی بکثرت آیات وارد ہیں جیسے فاذا کذرونی اذکر کم تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد
 کروں۔ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ نے ایک بار مجمع میں فرمایا مجھے معلوم ہے کہ میرا رب درگاہ کس
 وقت مجھے یاد کرتا ہے لوگ اسکا مطلب نہ سمجھے استفسار کرنے پر اپنے فرمایا جب میں اُسکو یاد
 کرتا ہوں وہ مجھکو یاد کرتا ہے اور اذکر اللہ ذکرا کنیواللہ کا بہت ذکر کرو اور یذکرون اللہ قیاما
 وقعودا وعلیٰ جنوبہم اللہ کا کھڑے بیٹھے اور کر وٹ پر ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ
 عنہما نے فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ رات دن خشکی تری سفر تو انگری مغربی بیماری صحت باطن
 ظاہر ہر وقت اور ہر حالت میں بندہ اللہ کا ذکر کرتا رہے۔ اسی طرح مطلق ذکر کی فضیلت میں بہت سی
 حدیثیں بھی ہیں بیان بخوف طوالت دو لکھی جاتی ہیں جسکو زائد دیکھنا ہوں وہ احیاء العلوم کیسی
 سعادت وغیرہ دیکھئے۔ ذاکر اللہ فی الخافلین کا المقاتل فی الفادین اللہ کا ذکر کرنے والا
 غافلون میں ایسا ہے جیسا بھاگنے والوں میں لڑنے والا۔ ذاکر اللہ فی الخافلین کا لمحے بین
 الاموات اللہ کا ذکر کرنے والا غافلون میں ایسا ہے جیسے زندہ مردوں میں۔ اب جاننا چاہیے
 کہ لایشفعلہ شان عن شان ایک طرف کی توجہ دوسری طرف متوجہ ہونے کو مانع نہیں اللہ کی
 ذات کا خاصہ ہے پس تلاوت قرآن شریف اسوجہ سے اللہ کی قرب اور نزدیکی کا سبب ہے کہ قرآن کے
 الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی علم الہی میں کلام نفسی کا خلعت ہنگر اُسکے صفاتِ تہ
 میں سے ایک صفت کی صورت میں مدت تک رہے ہیں لہذا وہ الفاظ صفاتِ الہیہ میں سے
 کسی ایک صفت کو تلاوت کرنے والے کے مدد کے قریب کر دیتے ہیں اور اس آمیزش کی وجہ سے
 وہ صفت ایک طرح سے پڑھنے والے کی صفت ہو جاتی ہے قرآن شریف کی کوئی آیت ذکر الہی ہے
 خالی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن سے ذکر کرنے کا بھی ثواب ملتا ہے الحمد للہ کہ رسالہ
 اقوام المسالک للصفی دال الکت تام ہوا اب مخ العبادۃ جو دعا اور اُسکے تعلقات کے بیان میں ہے وہ یہ تبارک
 کتاب اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اسکو قبول فرما کر مسلمانوں کے لئے نفع رسان بن کر سر پہ زمین خدایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ فرماتا کہ دعا قبول دیکھو! دعوتی استجب لکم ان الذین
یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم اخرین اور مجھے تمہارے رب نے کہا دعا کرو میں
تمہاری دعا قبول کروں گا بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ غنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل
ہوں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ قیامت حق اور صدق ہو یا مرنظر ہو کہ انسان قیامت کے دن ضرر خدا کی
طاعت ہی سے نفع اٹھا سکتا ہو پس سب سے زائد ضروری طاعت میں مشغول ہونا ہوا اور چونکہ طاعات
میں سب سے بہتر دعا اور عاجزی ہو لہذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسکا حکم دیتے ہوئے استجب
لکم ارشاد فرمایا۔ دعا سے کیا مراد ہو اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض لوگ اسکو دعا کے معنوں
میں لیتے ہیں اور بعض عبادت کے معنوں میں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسکے آگے خود اللہ
تعالیٰ نے ان الذین استکبرون عن عبادتی فرمایا ہو لہذا اگر دعا سے عبادت مراد نہ ہو تو یہ عبارت معنی
ہو جائے گی اسکے علاوہ قرآن شریف میں دعا بمعنی عبادت اکثر مستعمل ہے مثلاً ان بدعون من
دونہ الا ان اثابہم پہلی دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دعا بندگی و ذلت اور فقری کے اعتراف کا نام
ہو پس جس نے دعا کو ترک کیا گویا وہ تکبر و انظار و عبدیت سے باز رہنے والا ہو۔ اور دوسری دلیل کا یہ
جواب دیتے ہیں کہ ظاہر معنی سے عدول کرنے کے لیے ایک قوی دلیل کا ہونا لازمی اور ضروری ہے اور
ان لوگوں نے ظاہر ہی معنی سے عدول کیا ہو انہوں نے کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ جہلائے اعتراض کہ قرآن میں
تعالیٰ استجب لکم کیوں کہا جبکہ وہ بکثرت دعاؤں کو قبول نہیں کرتا ہم اسکا وہی جواب دیتے ہیں جو پہلی
نے دیا ہو کہ دعا کے لیے شروط ہیں جو ان شروط کے مطابق دعا کرتا ہے اسکی دعا قبول کی جاتی ہے اور
جو دعا کرتے وقت ان شروط کا لحاظ نہیں کرتا اسکی دعا درجہ قبولیت تک نہیں پہنچتی ان شروط
میں سے پہلی شرط یہ ہو کہ ایسے امر کے لیے دعا کی جائے جو عین مصلحت اور حکمت خداوندی ہو
یہ بھی یاد رکھو کہ جسکو اپنے مال عزت اقارب احباب اور جہد و جد پر ذرا بھی اعتماد ہوتا ہو اسکی دعا حقیقت
زبانی دعا ہوتی ہو کیونکہ اسکے قلب کو مطلب کے حاصل کرنے میں خدا کے سوا دوسروں پر اعتماد ہوتا
ہو پس ایسا شخص اگر تمام عمر بھی دعا کرتا رہے تو حق یہ ہو کہ اسے خدا سے کیا رہی دعا نہیں کی جب خدا سے
دعا ہی نہیں کی تو قبولیت کی امید فضول ہے البتہ جو شخص ایسے وقت دعا کرے جبکہ قلب کو خدا کے سوا
کوئی اور کھڑا نہ ہو تو اس دعا کا قبول ہونا بھی یقینی ہے اس تفصیل سے معلوم ہو کہ اس آیت میں

ایک بڑی بشارت ہو کیونکہ خدا کے سوا اور سب سے موت ہی کے وقت تعلق منقطع ہوتا ہے کیونکہ انسان کو اسی وقت معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے فضل کے سوا کوئی چیز نفع نہیں پہنچا سکتی پس معلوم ہوا کہ اُس وقت کی دعا ضرور قبول ہوگی ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے امید رکھنا چاہیے کہ اُس وقت خلوص قلب اور عاجزی سے دعا کرنے کی وہ ہمیں توفیق عطا کرے گا۔ معتزلہ کے نزدیک خدا صرف بچے مسلمانوں ہی کی دعا قبول کرتا ہے فساق و کفار کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں کیونکہ دعا کا مقبول ہونا صفتِ صالحہ پر دیکھو تم کسی بزرگ یا ولی کی شان میں کہتے ہو کہ وہ مستجاب الدعوات ہو اور یہ امر متیقن ہو کہ کافر یا فاسق مستحقِ رحمت نہیں پس اُنکی دعا کیونکر مستجاب ہو سکتی ہو البتہ بعض وقت خدا دلچسپی کرتا ہے جیسا کہ فاسق نے دعا کی ہو مگر یہ معنی دعا کے مستجاب ہونے کے نہیں ہیں اسکا جواب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اجیب دعویٰ الداع اذا دعان فلیستجبیولی ولیو ضوابی مفسرین کا قول ہے کہ بندے کے جانب سے استجابت یہ ہو کہ وہ خدا کی عبادت کرے اس سے معلوم ہوا کہ خدا کا دعا کو قبول کرنا ہماری عبادت یا ایمان کا نتیجہ نہیں ہو ورنہ اللہ تعالیٰ پہلے ہمیں حکم استجاب دیتا اُسکے بعد اپنے وعدہ اجابت پر فارغ داخل کر کے اُسکو ذکر کرتا۔ لہذا یہ معلوم ہوا کہ اجابت دعائیں فساقی مومنین کا فرض سب مساوی ہیں رہا اجابت دعا کا وصف طرح ہوتا تو یہ عندِ ربیک ہو کیونکہ اجابت تو بندے پر خدا کی ایک رحمت ہے نہ کہ خود بندے کی کوئی خوبی اور اُسکی خدمت کے مستحق مومن فاسق اور کافر سب ہی ہیں کیونکہ سب اُسی کبندے ہیں بعض جہلادعا کو بیکار کہتے ہیں اور اُس پر دلائل قائم کرتے ہیں (۱) جس بات کی دعا کی گئی ہے وہ یا تو خدا کے علم میں ہونے والی ہوگی یا نہ ہوگی صورتِ اولیٰ میں وہ یقیناً حاصل ہو جائے گی اور صورتِ ثانیہ میں اُسکا ہونا ناممکن ہو لہذا دعا کرنا بیکار ہے (۲) تمام واقعات عالم کی انتہا ایک نورِ قدیم واجب لذاتہ پر ہونا ضروری ہو ورنہ تسلسل یا دور لازم آجائیگا یا عالم بغیر نور کے پایا جائیگا اور یہ سب امور محال ہیں پس یہ نورِ قدیم ہمیں امر کو چاہے گا اُسکا وجود ازل میں متعین ہو جائیگا اور جسے نہ چاہے گا اُسکا وجود اُسی وقت سے متعین ہو جائے گا لہذا دعا بے سود ہوگی اسی دلیل کے الفاظ بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ تقدیر میں جو امر مقرر ہو چکا اُس میں دعا سے کچھ زیادتی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی (۳) خدا کو تمام امور کا علم ہے خاکہ وہ دل کی باتیں بھی جانتا ہے اسوجہ سے دعا کی ضرورت نہیں رہتی (۴) جس بات کی

دعا کرنا ہو اگر وہ مقتضائے مصلحت ہو تو خدا اُسے ضرور کریگا اور اگر خلاف مصلحت ہو تو ہرگز نہ کریگا دعا سے کوئی فائدہ نہیں (۵) احادیث سے ثابت ہے کہ صدیقین میں سب سے بلند مرتبہ وہ ہونگے جو قضاے الہی پر راضی ہوں اور دعا اسکے منافی ہو کیونکہ اس میں اپنے مطلوب کو خدا کی مطلوب پر ترجیح دیکر اُس کا خواہشمند ہونا اور اپنے حصہ کا طلب کرنا اور مانگنا ہو (۶) دعا امر و نہی کے مشابہ ہے جو بندے کی شان کے خلاف ہو (۷) اسد اپنے رسول کی زبان سے فرماتا ہے من شغلہ ذکر عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین جسے میرا ذکر مجھے دعا کرنے سے باز رکھے گا میں اُسکو افضل ترین اُن چیزوں کا دوں گا جو مانگنے والوں کے لیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترک دعا بہتر ہے ہم پہلے جمہور کا مذہب بیان کرتے ہیں پھر ان دلائل کا جواب دین گے جمہور کے نزدیک عاہدین شانِ عہدیت ہے اس پر وہ مندرجہ ذیل اولہ پیش کرتے ہیں (۱) جہان کہیں قرآن شریف میں حضور کی صرف سوال کی نسبت کی گئی ہو اُسکے جواب میں فقط قل استعمال کیا گیا ہو برخلاف دعا کے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال یعنی استفسار کے لیے بندے کو واسطہ یعنی رسول کی ضرورت ہے برخلاف دعا کے (۲) دعا جب خلوص قلب سے ہو تو دعا ہی نہیں جیسا کہ اوپر لکھ چکے ہیں (۳) دعا کے لیے ضروری ہے کہ بندہ اپنے حاجت اور مطلوب سے بھی قطع نظر کر لے اور ایسی حالت میں یہ امر بدیہی ہو کہ اُسے خدا کا قرب حاصل ہوگا اور وہ دعا کی بدولت حاصل ہوگا (۴) اللہ تعالیٰ نے ادعونی استجب لکم اور فلو لا اذا جاء ہم باسمنا لقضوا لکن قست قلوبہم و ذین لهم الشیطان ما کانوا یعلمونی۔ اور ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ اور قل ما یعبا بکم ربی لولا دعاؤکم فرمایا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا ینفعن لیقول احدکم اللہم اغفر لی من شئت و لکن یجزم فیقول اللہم اغفر لی اور الدعاء من العبادۃ اور الدعاء عبادۃ فرمایا ہوا انکے علاوہ بھی بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں جنکو میں نے جلیسِ ناصحین میں تفصیل سے لکھا ہے غرض دعا کا انکار دراصل قرآن اور حدیث کا انکار ہے وہاں منکرین دعا کے اعتراضات کے جواب سنئے۔ (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰)

نہیں مگر خدا کی مصلحت یہ ہو کہ بندہ ہم درجہ کے شکنجہ میں کسار ہے اور عبدیت کی یہی شان ہے اور اسی بنا پر بندہ مکلف ہے باوجودیکہ خدا کو تمام امور کا علم ہے اور تمام باتیں اُسی کے قضا و قدر پر موقوف ہیں دھو علی کل شئی قدیر اُسی کی شان ہے۔ حضرات صحابہ نے ایک بار حضور نبی کریم علیہ التَّحیۃ والتَّسْلیم سے پوچھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا پہلے ہی سے مقرر کر چکا ہو یا یہ کام یوں ہی ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا خدا نے پہلے ہی سے مقرر کر دیا ہے صحابہ نے کہا پھر ہمارے فعل کو اس میں کیا دخل ہے آپ نے فرمایا کام کیے جاؤ ہر شخص وہی کر گیا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہو دیکھو کس طرح آپ نے فرمایا کہ خدا سب کچھ مقرر کر چکا ہے اور پھر کام کرنے کا بھی حکم فرمایا اب جان لو کہ دعا کا بھی یہی حال ہے کہ جو ملنے والا ہو وہ پہلے سے مقرر ہو نہ دعا کرنے سے بڑھے گا اور نہ دعا نہ کرنے سے گھٹے گا مگر پھر بھی دعا کرنے کا حکم ہے (۳) دعا کا مقصد صرف اظہار عبدیت اور ذلت ہوتا ہے نہ کہ خدا کو کسی بات سے مطلع کرنا (۴) جب دعا سے مقصود اظہار ذلت اور رجوع الی اللہ ہو تو معلوم ہوا کہ دعا منافی رضا بقضا نہیں ہے بلکہ دونوں کا اجتماع صرف ایک سے زائد بلند مرتبہ کا مستحق کرتا ہے (۵) دعا کو امر و نہی سے مننے کوئی مشابہت نہیں بلکہ صرف لفظاً عامین صنیعہ امر و نہی استعمال کیا جاتا ہے صنیعہ امر سے مقصد استدعا ہے یا دوسرے الفاظ میں صنیعہ امر اگر بڑے کو مخاطب کر کے استعمال کیا جائے تو وہ التماس ہے دعا اسی کی ایک قسم ہے (۶) بلاشبہ عقلاً اگر ذکر خدا میں مشغول رہنا دعا سے افضل ہو کیونکہ دعا میں اپنا حصہ طلب کیا جاتا ہے اور معرفت الہی میں مصروف رہنا اس سے افضل ہے البتہ جسے شغل نہ میسر ہو اُس کے لیے دعا ہی میں مشغول رہنا اچھا ہو کیونکہ دعا میں عزت خداوندی اور ذلت بندگی اچھی طرح سے معلوم ہوتی ہے۔ اس تمیدی بیان کے بعد اب ہم دعا کے چند آداب بیان کرتے ہیں جن کا لحاظ دعا کرنے والے کو ضروری ہے (۱) با وضو ہونا (۲) دعا مانگنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنا (۳) حمد و ثنا کرنا (۴) اول یا خور و د شریف پڑھنا (۵) گریہ و زاری کے ساتھ آہستہ دعا کرنا (۶) گڑ گڑا کر دعا کرنا (۷) جیسی حاجت ہو ویسے ہی نام سے التجا کرنا مثلاً اگر زبانی رزق کو لیے دعا کرنا ہو تو یا رزاق کہہ کر دعا کرے نہ یا قہار یا حیا رکہ کر (۸) مبارک اوقات میں دعا کرنا جیسے جمعہ عرفہ وغیرہ (۹) احوال مبارک کا خیال کرنا جیسے نزول باران وغیرہ (۱۰) مجالس ذکر میں دعا کرنا (۱۱) دونوں ہاتھ اٹھانا (۱۲) قبولیت کا امید دلہنا (۱۳) انکساری ظاہر کرنا (۱۴) اگر دعا

توبہ کرنا (۱۵) حقوق عباد اور ادا کرنا (۱۶) خیرات کرنا (۱۷) اپنے گناہوں کو نہ یاد کرنا کیونکہ اس سے ناامیدی ہوتی ہے (۱۸) قبولیت دعائیں تاخیر سے آرزو نہ ہونا دعا مانگنے والوں کی مولانا یون تعریف کرتے ہیں **۵** دل ز حرص دعا خالی شدہ مد ذوق و عجز بندگی حالی شدہ مد اگر اجابت کر دشان فہو ملر دہ دور نہ بادیدار نقد آید کشادہ ہج نہود از دعا مطلوب شان مد جز سخن کر دن بان شیرین زبان مد اللہ تعالیٰ نے ادعویٰ استجب لکم اور اجیب دعوة اللع اذا دعان اور امن یحبب المضطر اذا دعا فرمایا ہے حالانکہ لمسا اوقات باوجودیکہ نہایت خشوع و خضوع سے دعا کی جاتی ہے مگر قبول نہیں ہوتی اس مشکل کے حل کرنے کے لیے اس آیت میں تخصیص کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء یہ آیت مقید ہے اور مطلق کا حل مقید پر ہوا کرتا ہے لہذا اوپر کی آیتیں اس آیت پر محمول ہوں گیں اب آیت کی مختلف تاویلین کی جاتی ہیں (۱) اجابت دعا سے مقصد یہ ہے کہ دعا کرنے والے کو کچھ نہ کچھ نفع ہوتا ہے یعنی اسکی دعا اگر تقدیر کے موافق ہو تو اسکا مقصد حاصل ہوتا ہے ورنہ اس کے دل کا انتشار دور ہوتا ہے اور سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ مصیبت کے برداشت کرنے کے لیے مستعد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھ لیتا ہے کہ جب دعا بھی مقبول نہیں ہوتی تو اب اس بلا سے رہائی ممکن ہی نہیں (۲) اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے یہ وعدہ نہیں کیا ہے کہ ہم جو وقت تم دعا کرو گے اُسی وقت دنیا ہی میں قبول کر لیں گے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دعا یا تو دنیا ہی میں قبول ہوتی ہے یا آخرت میں قبول ہوتی ہے یا دعا کرنے والے کی کچھ برائیاں دعا کے معاوضہ میں اُس کے نامہ اعمال سے کاٹ دی جاتی ہیں اور فرمایا ہے بندوں کی جو دعائیں دنیا میں قبول نہیں ہوتیں اُن کے عوض میں قیامت کے دن اُنکو ایسے درج دیے جائیں گے جنہیں پاکر وہ کہیں گے کیا اچھا ہوتا کہ ہماری کوئی نعمت دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی (۳) یہ بات ضروری ہے کہ خدا سے دعا کرنے والا اُسکو اور اُس کے صفات کو جانتا ہو ورنہ وہ دعا کس سے کر گیا اور ایسا شخص یہ ضرور جانتا ہوگا کہ خدا قضا و قدر علم و حکمت کے خلاف نہ کرے گا پس اُسکی دعا کا منشا یہ ہوگا کہ اے پروردگار اگر یہ بات تیری قضا و قدر کے مطابق ہو تو کر دے اور ایسی دعا کا قبول ہونا ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ باج چیزیں میری جانب سے ہیں اور باج چیزیں تمہاری جانب سے (۴) خواہت میری جانب

سے ہو اور عبودیت تمھاری جانب سے (۲) جنت میری جانب سے ہو اور عبادت تمھاری جانب سے (۳) نعمت میری جانب سے ہو اور شکر تمھاری جانب سے (۴) قضا میری جانب سے ہو اور رضا تمھاری جانب سے (۵) قبول کرنا میری جانب سے ہے اور دعا کرنا تمھاری جانب سے۔ یہ کچھ یاد رکھو کہ مانگنے کی حالتیں اور حیثیتیں جدا گانہ اور مانگنے والوں کے مراتب اور درجات مختلف ہوا کرتے ہیں بعض دنیوی اغراض کا سوال کرتے ہیں بعض دینی اغراض کے سائل ہوتے ہیں اور سب سے اعلیٰ وہ لوگ ہیں جو دینی دنیاوی دونوں اغراض سے قطع تعلق کر کے محض اُسکی رحمت اورصال طلب کرتے ہیں لیکن ان سب پر مانگنے کا اطلاق ایک جہت سے ہوتا ہے اور انہیں کا ہر مانگنے والا کو وہ دنیوی اغراض ہی کا مانگنے والا کیوں نہ ہو جان و بدن سے اُسکی طرف متوجہ ہوتا ہے دوسروں کا خیال ترک کرتا ہے اور گر گر پڑتا ہوا نہایت عاجزی سے اپنی عبودیت اور عجز ہونے کا اظہار کر کے اُسکی قادیت اور مختاریت کا اقرار کرتا ہے ہر طرف سے مایوس ہو جاتا کی بدولت اُسکے دل کو خدائے ایک خاص امید ہوتی ہے اُسکی زبان اپنی گویائی اور اظہار عاجزی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتی اُسکے ہاتھ سب طرف ناامید ہو کر اُس قادر و مختار کے سامنے مختلف طریقوں سے اُٹھتے ہیں وہ کبھی بقیار ہو کر آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ عاجزانہ الفاظ کہتا ہے کبھی اضطراب میں زمین پر ٹوٹنے لگتا ہے اُسکی آنکھیں اُسکے حصول مقصد کے لیے آنسوؤں کی فوج کو باہر کر کوشش کرنے کی اجازت دیتی ہیں سوال کرنے والے سے بار بار ایسے افعال بھی صادر ہوتے ہیں جن سے وہ خود آگاہ نہیں ہوتا کبھی بے اختیار ہو کر کہتا ہے کہ کریم اپنی کرمی کی شان بکھلا دو وہ دے مجھے کہ کبھی حاجت سوال نہ ہو کہ باعنی نذر نہ کر مرے جرم و گناہ بچد پر ہاں ہی تجھ کو غفور رحیم کہتے ہیں کہ میں مرد و کمین دیکھ کر مجھے مخلص دیا اُسکے بندے ہیں جب کو کریم کہتے ہیں ہ مولانا روم نے مثنوی میں ایک حکایت بیان کی ہے جس میں ان حالات کی سچی تصویر کھینچی ہے کہ ایک شخص نصوص نامے عورتوں کے لباس میں عورتوں کے نہلانے کا پیشہ کیا کرتا تھا ایک دن کسی فہراری کو نہلا رہا تھا کہ اُسکے کان کا موتی کھو گیا اُسکے لیے ہر ایک کی جامہ تلاشی ہونے لگی نصوص ڈرا کہ آج میرا بچید چھپ نہ سکے گا اور خدا جانے اس جرم میں کس بری طرح مارا جاؤں وہ بقیار ہو کر خدا سے یوں کہنے لگا کہ

کاشکی مادرِ نژادے مر مرا

یا مرا خبرے بخور دے در چرا

نوبت جستن اگر در من رسد	وہ کہ جان من چہ ختیا کشد	این چنین اندوہ کا فرامیاد
دامن رست گرفتہ داد داد	یہ تو اس طرح خدا سے دعا کر رہا تھا کہ تلاشی لینے والوں کو کما	کشت بیوش آن زمان پریدج
جملہ راجستیم پیش اسی نضوح	چونکہ ہوش رفت از تن آن زمان	ہمچو دیواری شکستہ در فتاد
ہوش و عقلش رفت و شد همچون جاد	موج رحمت آن زمان در جوش شد	سر و با حق بہ پیوست از نہان
جان بچی پیوست چون بیوش شد	آن نضوح رفتہ باز آمد بخویش	با نگاہ مذنا گمان کہ رفت بیم
شد پدید آن گم شدہ در یتیم		دید چشمش تابش صدر و زہ پیش

اس حکایت سے معلوم ہو گیا کہ خدا نامعلوم طریقے سے دعا کو قبول کرتا ہے اور اعدا پر بھروسہ کرنے والا اگرچہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو کبھی کبھی مصیبت کے وقت اسباب ظاہری سے یا پس ہو کر اس طرح اسکو بکارتا ہے جو اسکی دعا کو باب قبولیت پر پہنچا دینے کا کامل ذریعہ ہو جاتا ہے اور برابر ایسا ہوتا ہے کہ جب نجات کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور دعا کرنے والوں سے دعا کرتا ہے تو مسبب اسباب اپنی قدرت کا اسے ایسے اسباب ہم پہنچا دیتا ہے کہ دعا کرنے والے کا مقصد حاصل ہو جائے۔ میں نے بعض ارباب سلوک سے سنا ہے کہ نادر شاہ جب ہندوستان میں آیا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے آستانہ کی زیارت کو حاضر ہوا تو اس نے دیکھا کہ دروازے پر ایک زحاما بیٹھا ہوا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مدت سے آنکھیں بانگنے بیٹھا ہے اس نے نادر سی حکم دیا اور کہا او بڑھے میں زیارت سے فارغ ہو کر آتا ہوں اگر اتنی دیر میں تیری آنکھیں نہ ہو گئیں تو جان سے مار ڈالوں گا اب کیا تھا بڑے میان لگے خدا سے گڑ گڑا کر دعا کرنے کوئی حرکت دیوانگی کی باقی نہ رہی جو اس سے صادر نہ ہوئی ہو کبھی خدا کی شان پر قربان ہونے پر مستعد کبھی رسول اور بندگان دین کا واسطہ زبان زد کبھی مقامات مقدسہ کا توسل کبھی اسکی ذات پر پورا توکل۔ اب کیونکر ہو سکتا تھا کہ وہ ذات جس نے بے طلب ہلو بھی کچھ دیا نیست سے ہست کیا جب ہم بے زبان تھے ہمیں نہ تمیز تھی نہ شعور ایسا وقت تھا کہ تمام حکماء دنیا اگر اس تدبیر کرنے میں متفق ہو کر بھی کوشش کرتے کہ ہم دودھ پینا سیکھ جائیں تو نا ممکن تھا اس نے ہکو خود سکھا دیا مان باپ کو ہمارے ایسی محبت دیدی کہ ہماری راحت سے انکو راحت ملتی ہماری تکلیف پر ان کو تکلیف ہوتی اور یہ تمام انعام اس نے محض اپنی رحمت سے کیے تھے نہ ہم نے اسکی درخواست کی تھی نہ درخواست کر نے کی

قدرت تھی۔ اسوقت کہ ہم اپنی بندگی اور عاجزی کا اظہار کر کے اور اُس کے مقرب بندوں کو وسیلہ کر کے اُس سے دعا کر رہیں قبول نہ کرے دیا بے حمت جوش زن ہوا اور اندھا قبل اُس کے کہ نادر شاہ واپس آئے مینا ہو گیا اس دانتے سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی کہ خدا اسیوقت دعا قبول کرتا ہے جب اپنی عاجزی اور اُسکی ربوبیت کا پورا اظہار ہو۔ دعا کے عبادت ہونے کے متعلق ملا صدرا الدین حسینی ستر آبادی نے شرح صحیفہ کاملہ میں لکھا ہے دعا اُسی وقت قبول ہوتی ہے جب عقل زبان اور ہمت سے ذات نقص اضطراب اور عجز کا بندہ اقرار کرے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنی تہذیب کو آسمان کی طرف کر کے فرمایا اس کا نام تضرع ہے اور انگلیوں کو داغنے یا مین حرکت دیکر فرمایا یہ تبدیل ہے اور انگلیوں کو ایک بار اٹھا کے پھر بند کر کے فرمایا یہ اہتمال ہے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے سامنے ہاتھوں کو پھیلا کے فرمایا جب تک آفسونہ مبین اہتمال نہ ہوگا اور عبادت میں بجز ایسے حالات کے اخلاص نہیں ہوتا پس دعا گویا اشرف عبادت ہے کیونکہ گویے سوال کے بھی اُسکی رحمت اُس کے کرم کا نور ہو سکتا ہے مگر اجابت دعا کی کرامت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اُس کے جو دکا ظہور اور اُسکی رحمت سے اتصال ہو جس سے اُس کے فضل پر بندے کو اطمینان اور قبولیت دعا پر پورا بھروسہ ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کو زیادتی حاصل کرنے اور اسباب رحمت کو مع کرامت کے جمع کرنے میں طاعت اور عبادت سے بڑی برتری ہے۔ آخر دعا عبادت کا مغز ہے اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ مغز حیوان کے اعضا کا حاصل غذا اور مضبوط کرنے والا ہوتا ہے اور اعضا کی بقا اُسکی وجہ سے ہوتی ہے اسی لیے دعا کو اُس کے ساتھ تشبیہ دی گئی کیونکہ دعا بھی یہی عمل کرتی ہے اور جو حضور قلب عاقلین پایا جاتا ہے وہ نہ نماز میں پایا جاتا ہے نہ حج میں نہ روزہ میں نہ اور کسی عبادت میں کیونکہ دوسری عبادتوں میں اس وقت ایسا ہوتا ہے کہ عبادت کرنے والے پر ایک قسم کی غفلت طاری ہوتی ہے اور دعا میں جب خلگی جانب ہاتھ اٹھاتا ہے تو خدا سے توسل پیدا کرنے کی اُس کے دل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے حضور قلب اور توسل الی اللہ میں زیادتی ہوتی ہے اور یہی عبادت کا مغز ہے داعی عابد سے افضل ہے ایسے کہ دعا میں تذلل کا اظہار اور ذل عبودیت اور عجز ربوبیت مع حضور قلب موجود ہوتی ہے لہذا داعی عابد سے افضل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیاء میں فرمایا ہے اَعْمَدُ كَالْوَالِيَسَا دَعْوَنَ فِي الْخُذِرَاتِ وَيَدْعُوْنَ نَادِعًا مَّرْهَبًا يَشْكُ نَسِيكُونَ كَيْطَرَفَ جَلَدًا

گرتے اور رغبت اور خوف کے ساتھ ہمو پکار کے ہیں۔ اس سے تین باریک باتیں پیدا ہوتی ہیں۔
 (۱) شوق خوف خواہش اور ڈر دونوں حالت میں انبیاء علیہ السلام کرتے تھے (۲) اُنکے نیک کام
 اُنکی قبولیت دعا کا سبب ہوا کرتے تھے (۳) قبولیت دعا کے شکر میں اُنکو اور زائد عبادت کا شوق
 پیدا ہوتا تھا۔ اور غور کرو کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تعریف کرتا ہوا ارشاد فرماتا ہے یدعوننا
 ہم سے دعا کرتے ہیں۔ پس دعا کرنا دراصل اُسکے حکم کی اتباع کرنا اور دعا کرنا استغنا اور بی پردائی کا نام ہے

من ہی دائم کہ می خواہدش	تا بود غوغا بگردنفرشش	میکم چندان فغان در حضرتش
نا فرودا یدز بالا جرشش	چیت دعوی کرد امت اسلوا	گرنے خواہد گردایان را غلو
آہ و گریہ بردش چندان کنم	تا بخود آن غنچه را خندان کنم	ای انخی دست از دعا کردن مدار

آقام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے دعا کا دل جب تک خدا کے

سوا اور چیزوں کی طرف متوجہ ہو دعا نہیں ہو سکتا اور جب ماسوی اللہ سے الگ ہو کر اُسکی معرفت
 میں ڈوب جاتا ہو تو ناممکن ہے کہ اُس وقت اُس کے دل میں کوئی ذاتی غرض اور ارادہ باقی رہ جائے
 پس جب تمام واسطے درمیان کے اُٹھ جاتے ہیں تو خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور جب تک بندہ
 اپنے نفسانی خواہش کی طرف متوجہ رہتا ہے خدا سے قرب حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ یہی خواہش فی
 اُسکو خدا سے دور رکھتی ہے بلاشبہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کو جو مغز عبادت کہا گیا ہے وہ اسی
 خیال سے کما خلاص الی اللہ پورے طور پر ہوا اور خلاص اُسی وقت پورا ہوتا ہے جب کوئی ذاتی
 غرض باقی نہ رہے مگر یہ درجہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کا ہے چنانکہ اصلی منشا خدا کا تقرب
 اور توسل حاصل کرنا ہوا کرتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ خود اُس کی ذات میں فنا ہو جائیں اُسکے جلال
 اور جمال کے مشاہدے میں متغرق اور ہر حال میں قصداً اُنکی پر راضی اور ہمہ طیف و مصیبت پر
 خوش رہیں۔ اسکا خلاصہ یہ ہوا کہ دعا چاہے کسی کی ہو کسی نہ کسی غرض ہی کے لیے ہوتی ہے
 اب وہ غرض دنیاوی ہو یا دینی جائز ہو یا ناجائز دیکھو جو جب گھر سے چوری کرنے نکلتا ہے تو خدا
 ہی سے دعا کرتا ہے کہ آج بہت سامان لٹ جائے۔ شاید تم نے بھی سنا ہو کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام
 مصر کے بادشاہ ہوئے اور لیختا بہاہ حال گلیوین پھرتی اور وزانہ اپنے بتوں کے سامنے دعا کرتی کہ
 میں یوسف لٹاؤں اور وہ میری آواز سن لیں مگر کبھی اُسکی مراد پوری نہ ہوئی تو ایک دن اُسنے

تخصیص میں اگر تبوں کو توڑ ڈالا اسکے بعد خدا سے دعا کی مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ز شغل بت شکستن چون پیر و بر رگاہ خدای پاک نالید بلطف خود جفای من بیا مرز ستاندی گوهر بینائی از من بود دل فارغ از داغ تا سف گرفت غنان گنان باز سر راه بفرق بندہ مسکین و محتاج	آب چشم و غنل و ضو ما تحت اگر ز در بت آورد دم حنایا خطا کردم خطای من بیا مرز چو آن گرد خطا از من فشانیدی بچشم لاله از باغ یوسف کہ پاک گشت آنکہ شر را ساخت نہاد از غر و جاہ خسروی تاج	نصرع کرد و در بر خاک نالید بآن بر خود جفا کردم خدایا ز بس راہ خطایمائی از من بر من دہ باز انجہ از من ستانیدی چو برگشت از رہ آن بصر شاہ بذل عجز کردش سرنگستہ یہ سکر حضرت یوسف علیہ السلام
--	---	--

نے اس کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ دیکھو اضطراب اور گرگڑانے کی وجہ سے اللہ نے اس کی فریاد سن لی اور اسی قصہ میں یہ لطیفہ بھی غور کرنے کا ہے کہ جب زلیخا نے ماسویٰ اللہ سے قطع نظر کر کے اللہ سے دعا کی تو اللہ کو مجیب الدعوات یا شراب نیچنے والا صبح کو جب دوکان کھولتا ہے خدا ہی سے دعا کرتا ہے کہ آج زائد مال بکے اور بہت نفع ہو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ بارہا فرعون کی دعا قبول ہو گئی اور حضرت موسیٰ نے دعا کی وہ قبول نہیں ہوئی یہ بھی ایک شان مالکیت ہے جب حضرت موسیٰ نے سبب چھا تو ارشاد ہوا وہ ہمارا دشمن ہے میں اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھڑی گھڑی مانگے جائے ہم اس کی دعا قبول کرنے میں اس لیے جلدی کرتے ہیں کہ پھر وہ ہم سے نہ مانگے اور تم ہمارے دوست ہو تمہارا مانگنا اچھا معلوم ہوتا ہے اس لیے تمہاری دعا جلدی نہیں قبول کرتے ملاحظہ فرمائیہ شیاری اسفار اور زمین صاحب تفسیر کبیر کے شبے کو یوں دفع کرتے ہیں کہ دعا اور طلب ہی تجملہ امور مقدرہ کے ہیں اور مطالب مقدمہ حاصل ہونیکے لیے جسطرح اور امور اور علل شرائط ہیں اسی طرح دعا بھی ہے اللہ تعالیٰ جس چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے تمام اسباب مہیا کر دیتا ہے جسطرح اور اشیا حصول مطالب کے اسباب ہوتے ہیں ویسی ہی عاجزی اور دعا کرنا بھی حصول کے اسباب ہیں بلکہ دعا اور عاجزی کو حصول مطالب سے ایسی نسبت ہے جیسی جو عقل اور ذہن میں فکر و تامل کو نتائج علمی سے تعلق ہوتا ہے اس معلوم ہوا کہ دعا بحر حکم الہی کی ایک نہر ہے اور یہ نہر قضا کے آبی کا منبج ہے۔ اور ملاحظہ فرمائیہ اصول کافی کی شرح میں لکھتے ہیں دعا منافق قضا نہیں ہے میں نے علامہ ابن عربی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

سے رفاقت کی ہو کہ آپ نے فرمایا اسی میسر دعا کیے جاویں نہ کہ وہ جو ہونے والا تھا ہو چکا اور جو آئندہ ہونے والا ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض درجے ایسے رکھے ہیں جہاں تک بے انگے کوئی شخص نہ پہونچے گا یعنی جو بندہ نہ انگے کا وہ نہ پائے گا اسی میسر کوئی دروازہ ایسا نہیں ہے جو ٹھنڈا جائے اور وہ نہ کھلے اس سے معلوم ہوا کہ اسباب حصول مقاصد میں سے ایک سبب دعا بھی ہے پس کسی چیز کا اپنے سبب پر موقوف ہونا اسکا مزاحم نہیں کہ وہ قضاے الہی میں لکھا جا چکا ہو کیونکہ جس طرح قضاے الہی اسکے لئے پر جاری ہو چکی ہے اسی طرح اس پر بھی جاری ہو چکی ہو کہ اس کے حصول کا سبب ہو گا بغرض دنیا عالم اسباب ہو ہر عمل کسب اور محنت سے اسباب کا میا کرنا لازم ہے ہرگز اسکا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسباب پر بھروسہ کر لیں بلکہ مقصد یہ ہو کہ اسباب کا میا کرنا اور پھر اسباب کے جانب خیال رکھنا اور اسکی قوت کو پیش نظر رکھنے ہر سبب پر مقدم سمجھنا ضروری ہے جو ہر چیز میں اپنا کام کرتی ہے پھر ہر کو چاہیے کہ اپنی کامیابی کے لیے خدا سے دعا کریں کیونکہ اسباب سے نتائج پیدا کرنا اسی کے اختیار میں ہے اور دعا کرتے وقت یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ہم ارادہ اور مشیت الہی کے بدلنے کیلئے دعا کرتے ہیں بلکہ اس خیال سے دعا کرنا چاہیے کہ جو امر ہمارے حق میں مفید ہو اللہ تعالیٰ اُسکو ظاہر کر دے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ دعا کے متعلق اتنی تفصیل جو سمجھنے کی ہو اُس سے تمکو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ دعا کرنے والا کبھی اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے خالی نہیں پھرتا بلکہ دعا ہر حال میں قبول ہی ہوتی ہے پہلے تم اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ دعا قبول ہوتا فقط اسی کا نام ہو کہ جس کام کے لیے ہمنے دعا کی وہ ہماری مرضی کے موافق ہو جائے اور اگر وہ کام ہماری مرضی کے موافق نہ ہو تو گو یا اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا قبول ہی نہیں کی اب یہ غلط خیال بالکل تمہارے دل سے مٹ گیا اور اچھی طرح تم سمجھ گئے کہ دعا ایسی چیز ہے کہ جب کوئی شخص دعا شرائط کے ساتھ خدا سے دعا کرتا ہو تو وہ قبول ضرور ہو جاتی ہے البتہ اُسکے طور کی کمی صفتوں میں کبھی تو دنیا میں اُس کا طور اس طرح ہوتا ہو کہ ہمیں اسکا علم ہو جاتا ہے مثلاً ہمنے دولت مانگی اور وہ ہم کو مل گئی اور کبھی دنیا میں اُس کا طور اس طرح ہوتا ہے کہ ہمیں اُسی وقت اسکا علم نہیں ہوتا ہو مثلاً ہم نے دعا کی اسی اللہ ہمارا فلان عزیز جو فلان شہر میں بیٹا رہا اچھا ہو جائے اور وہ اچھا ہو گیا لیکن بعد کی وجہ سے ہمیں اُس کی صحت کا علم نہیں ہوا کبھی

اس طرح ظور ہوتا ہے کہ زندگی بھر بکرا اسکا علم نہیں ہوتا جیسے انور دعا کی ایسا ہمارے گناہ بخش دے اور اس نے بخشہ لیکن اسوقت ہمیں علم ہوا اور نہ زندگی بھر اسکا علم ہو سکے گا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم نے اس سے دعا کی اور شرائط بھی ادا کیے مگر اس کے نزدیک اس دعا کی قبولیت ہمارے لیے ضرر رسان ہو تو وہ دعا قبول نہیں کرتا اور یہ عدم محبت اور عدم شفقت کی دلیل نہیں بلکہ عین محبت اور عین شفقت ہے کیونکہ ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ ان باپ سے بچے گزر کر اگڑ گزر کر اگر جب کوئی نقصان پہنچانے والی چیز کھانے کو مانگتے ہیں تو اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ چیز نہ دینے کے علاوہ ان باپ انکو جھڑکتے ہیں ڈانٹتے ہیں۔ ہمارا خدا ہمارا پیدا کرنے والا ہو عدم سے وجود میں لایا اپنی صنایعوں کا تماشہ دکھائے والا ہے نہ کہ ہمارا باپ سے زیادہ شفیق ہے اسوجہ سے جب وہ ہماری دعا کو ہمارے ضرر کا باعث سمجھتا ہے تو دنیا میں ہمیں قبول کرنا اور چونکہ قبولیت کا وعدہ کر چکا ہے لہذا اسکا عوض ہو کہ قیامت کے دن دیگا۔ تو اب ہم تسے کہتے ہیں کہ واقفیت اور شہ ہے اور اس پر عمل کرنا اور شہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ باوجود واقفیت کے بھی دعا کرنے سے غافل رہتے ہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم عمل کر کے ظاہر کر دو کہ تمہیں دعا اور اس کے آداب سے آگاہی ہو گئی۔ دیکھو اگر کوئی طلب نبض کے تشریحات سے آگاہ ہو مگر کبھی نبض نہ دیکھے تو اسکی آگاہی کس کام آئے گی۔ تم تجربہ کر کے دیکھو کہ گو اسوقت تمہارے ذہن میں یہ خیال آسکتا ہے کہ دعا مع شرائط ہے ادا ہوگی مگر دعا کی عادت ڈالو اور ادا کے شرائط میں کوشش کرتے رہو رفتہ رفتہ تم مع شرائط دعا کر سکو گے پس للانسان الاما سے وان سعیدسون یہی سعی کرنا تھا ہا کام ہو وہ کرتے رہو خدا اسکا نتیجہ ضرور دیگا دیکھو وہا انبیاء اولیا عوام مسلمان کفار سب کی ہی بار بار یہی ہوا ہے کہ کفار اور عوام مسلمین کا نو ذکر ہی نہیں انبیاء اور اولیاء کی دعا بھی قبول نہیں ہوئی یعنی جو مقصد کا تھا حاصل نہیں ہوا اگر انھوں نے آئندہ خیال نہیں کیا کہ اب دعا کریں پھر تم کیوں اب شیطانی وساوس کو اپنے دل میں جگہ دیکر کہتے ہو کہ جب ہماری سنی ہی نہیں جاتی تو ہم دعا کیوں کریں تم تو خدا اور رسول پر ایمان لائے ہو اس کے احکام پر چلو۔ اور وعدہ اللہ للذین امنوا و عملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظیما (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے میں ان سے اللہ نے مغفرت اور عظیم الشان اجر کا وعدہ کیا ہے) کے مصداق بن جاؤ۔ ہم تم کو ایک مثال دیکر بھر سمجھاتے ہیں امامید کہ تمہیں کہ تم ابھی طرح سمجھ جاؤ گے سو وہ دعا حقیقت سوال ہے اور تم دنیا میں مشغول کئے ہو نہیں ہو کہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں بلکہ ضرورتیں تکو بھی سوال کرنے پر مجبور کرتی ہیں ایک

شخص جو دوسرے سے دعا یا درخواست کرتا ہو اسکی حیثیت یہی ہو جو اس دعا کی ہوتی ہو جو انسان خدا سے کرتا ہو جسمانی زندگی کے ساتھ دعا کو وہی تعلق ہو جو روحانی زندگی سے ہوتا ہو۔ جسمانی تعلقات اور ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے کی بدولت ہمکو اسکا علم حاصل کرنا پڑتا ہو کہ دعا کا کیا کام ہو اور اسکا کیا اثر ہو پھر اسی کا تجربہ ہمکو روحانی حاجتوں میں ہوتا ہو پہلے ہم جسمانی عالم میں اپنی قوتوں کا استعمال کرتے ہیں انکے طرز عمل سے واقف ہوتے ہیں انکے نتائج دیکھتے ہیں انکے قوانین معلوم کرتے ہیں اور جب اعلیٰ روحانی دائرے میں منتقل ہوتا ہو تو ہمکو معلوم ہو جاتا ہو کہ انکے قوانین بدلتے نہیں انکے نتائج طریقے بدلتے ہیں ہاں اتنی تبدیلی ہو جاتی ہو کہ ہمارے جسمانی اغراض کی جگہ روحانی مقاصد قائم ہو جاتے ہیں جو خلق ہمکو خدا سے ہم اسکو روحانی کتے ہیں اور اس تعلق میں ہماری قوتوں کا جو استعمال ہوتا ہو وہ روحانی عمل ہو اسوقت ہمارا وہ تجربہ جو پہلے جسمانی تھا روحانی ہو جاتا ہو ہم پہلے محبت غشی تسکین رحم نکی انسانوں میں پاتے تھے اب خدا میں پاتے ہیں ہم جو خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ ہمارا روحانی عمل ہو اسکے اصول اور قواعد وہی ہیں جو پہلے ہم نے جسمانی تعلقات میں سیکھے اور ان پر عمل بھی کیا تھا۔ دیکھو ہم اپنے والدین استاد پیر اور دوسرے معلم لوگوں کی عظمت کرتے ہیں اور اس عظمت کو مختلف مو سے ظاہر کرتے ہیں کبھی زبان سے الفاظ میں اور کبھی اعھنا سے حرکات کی صورت میں ہم انسان کی خوبیوں اور نیکیوں کی تعریف کرتے ہیں ان سے مدد چاہتے ہیں ان کے ذریعے سے دوسروں تک حصول مقاصد کے لیے پہنچتے ہیں ان سے فریاد کرتے ہیں رحم اور معافی کی درخواست کر کے اپنا اغراض اور مقاصد بیان کرتے ہیں انکے سامنے عرضیاں پیش کرتے ہیں غرض کہ جو کچھ اضطراب ورجا عجز و ذلت خواہش و طلب ہم جسمانی عالم میں سیکھتے ہیں پھر یہی باتیں روحانی عالم میں دہاتی ہو جاتی ہیں ہم خدا کی تعظیم کرنے لگتے ہیں اسکو سب سے بڑا خیال کرتے ہیں اس سے مدد چاہتے ہیں اسکی رحمت کے طالب ہوتے ہیں اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے ہیں زمین پر سر رکھ کر اس کے روبرو گڑ گڑاتے ہیں اپنی عاجزی و اسکی بڑائی کر کے اسکی خوشامد کرتے ہیں اسکا احسان کا شکر بجالاتے ہیں اس سے مراد وہی مانگتے ہیں مصیبت کے وقت اسکو پکارتے ہیں فقط اتنا فرق ہو کہ پہلے یہ باتیں جسمانی تھیں اب روحانی ہو گئیں دعا کا نام ہو مگر ان شریف میں مدد ملنی خواہشوں کے مانگنے اور اس کے اپنے کا تو کثرت ذکر ہو اسکو علا

یہاں پر انبیاء کی دعاؤں کا تذکرہ کرتے ہیں جنہیں یہ روحانی حاجتوں کا سوال ہے کہ جہاں کا یہ اعترض بھی نہ ہو جائے
 کہ اغراض دنیاوی کے لیے دعا کرنا نہ چاہیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قال نوح رب لا تدع علی الارض من الکافرین
 دیا مارا حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی تو شکر کن میں سے زمین پر ایک کو بھی نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ انکی دعا کی اجازت میں
 خود فرمایا ہر دوزخ اذ نادى من قبل فاستجبنا له ونجینا له وعلیہم السلام ثم نادى من بعد فاستجبنا له ونجینا له وعلیہم السلام
 قوہ سے فاعترضاہم اجمعین اور نوح کو یاد کر جب کہ اس نے اس سے پہلے پکارا تو ہم نے اسکی دعا قبول کی پھر اسے اور اسکے اہل کو
 بڑی سختی سے بچا یا اور ہم نے اسے اس قوم پر مردی حسہ ہماری آیت کو جو جھٹلایا بیشک وہ بڑے لوگ تھے پس ہم نے
 سب کو مرق کر دیا یہ سن چکے تھے اور عدم قبولیت کیوں ذکر کیا و نادى نوح رب فاقبل منی و من اہلی من علی الخوف
 انت اعلم بالکمالات انہ لم یسئلوا انہ لیس من اہلک انت عمل غیر الخوف انک لیس لک بہ علم انی اعطاک
 ان تکون من الباہلین۔ اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہ اے رب بیشک میرا بیٹا بھی میرے اہل سے ہے اور میرا
 وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین جواب ملا کہ اے نوح بیشک وہ وہ تیرے اہل سے نہیں ہے
 اس لیے کہ اس کے کام بڑے ہیں تو مجھے وہ نہ لگ چکا تھے علم نہیں میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تو اہل
 شخص نہ ہو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا پر انبیاء کی ہر دعا کا قبول کر لینا لازم نہیں ہے پس یہ کہنا کہ
 کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی بالکل نابراہین و کجیوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال رب انی اظن انک لیس
 کے جواب میں ان ترافہ ارشاد ہوا تو اپنی غلطی پر متنبہ ہو کے سبحانک ثبت لیک وانا اول المومنین کہنے
 گئے حضرت یوب علیہ السلام کے واقعات میں ہر دایوب اذ نادى رب انی حسنت الصروات ارحم الراحمین فاستجبنا
 فکشفنا ما بہ من ضررہ یاد کر یوب کو جب اس نے اللہ سے دعا کی اور اللہ نے دکھ پہنچا ہر اور یوب حم کر دیا
 نہ کہ مہربان ہو پس ہم نے اسکی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی۔ اور فرمایا ہر وذا النون اذ ذهب مغاضبا
 فظن انہ لقدر علیہ فنادى فی الظلمات ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجبنا له ونجینا
 له وعلیہم السلام لکن انہ لم یسئلوا انہ لیس من اہلک انت عمل غیر الخوف انک لیس لک بہ علم انی اعطاک
 ان تکون من الباہلین۔ اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہ اے رب بیشک میرا بیٹا بھی میرے اہل سے ہے اور میرا
 وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین جواب ملا کہ اے نوح بیشک وہ وہ تیرے اہل سے نہیں ہے
 اس لیے کہ اس کے کام بڑے ہیں تو مجھے وہ نہ لگ چکا تھے علم نہیں میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تو اہل
 شخص نہ ہو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا پر انبیاء کی ہر دعا کا قبول کر لینا لازم نہیں ہے پس یہ کہنا کہ
 کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی بالکل نابراہین و کجیوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال رب انی اظن انک لیس
 کے جواب میں ان ترافہ ارشاد ہوا تو اپنی غلطی پر متنبہ ہو کے سبحانک ثبت لیک وانا اول المومنین کہنے
 گئے حضرت یوب علیہ السلام کے واقعات میں ہر دایوب اذ نادى رب انی حسنت الصروات ارحم الراحمین فاستجبنا
 فکشفنا ما بہ من ضررہ یاد کر یوب کو جب اس نے اللہ سے دعا کی اور اللہ نے دکھ پہنچا ہر اور یوب حم کر دیا
 نہ کہ مہربان ہو پس ہم نے اسکی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی۔ اور فرمایا ہر وذا النون اذ ذهب مغاضبا
 فظن انہ لقدر علیہ فنادى فی الظلمات ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجبنا له ونجینا
 له وعلیہم السلام لکن انہ لم یسئلوا انہ لیس من اہلک انت عمل غیر الخوف انک لیس لک بہ علم انی اعطاک
 ان تکون من الباہلین۔ اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہ اے رب بیشک میرا بیٹا بھی میرے اہل سے ہے اور میرا
 وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین جواب ملا کہ اے نوح بیشک وہ وہ تیرے اہل سے نہیں ہے
 اس لیے کہ اس کے کام بڑے ہیں تو مجھے وہ نہ لگ چکا تھے علم نہیں میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تو اہل
 شخص نہ ہو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا پر انبیاء کی ہر دعا کا قبول کر لینا لازم نہیں ہے پس یہ کہنا کہ
 کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی بالکل نابراہین و کجیوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال رب انی اظن انک لیس

میں تیرے واسطے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ بخند یہ ان آیات و احادیث سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ انبیاء و
صلیٰ سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کرنا اور ان کے ذریعہ سے خود دعا کرنا کسی طرح ناجائز نہیں ہو سکتا نص صریح کے مقابلے
میں قیاس کو کیا برابر سب سے پہلے نص کے مقابلہ میں شیطان نے اپنے قیاس کو ترجیح دی تھی جسکی وجہ سے مرد
بارگاہ ہوا نفوذ باعد منها۔ خدا تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ شریعت کے احکام کی پابندی کریں اللہ کے
رسول کی محبت اور طاعت اپنے اوپر لازم کر لیں کہ جو ذریعہ نجات ہو یہ سالر مغالبتہ تمام ہو اب تک یہ مساجد لایع
السا جہ شریع ہو تا ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم ومن اظلم من منع مساجد اللہ ان یدکر فیہا اسمہ و یسبح فیہا
اولئک اصحابک ان یذحلوا الی الخائفین لہم فی الدنیا اخرتی لہم الاخرۃ عذاب عظیم اُس شخص کو زندہ ظالم
کون ہو جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں فکر خدا سے روکے اور اسکی بربادی کی کوشش کرے ایسے لوگوں کے لیے
مناسب نہیں ہے کہ ان مساجد میں داخل ہوں بجز اسکے کہ خوف کہاتے ہوئے داخل ہوں ایسے لوگوں کے لیے
دنیا میں سوائی ہے اور آخرت میں عظیم ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہم مساجد میں خدا کی عبادت کریں نہ حشر کہ
مخالفتیں عبادت کرتے ہیں مساجد میں کسی کو ذکر سے روکنا بڑا ظلم ہے اور ظلم کی اجارت کسی مذہب
میں نہیں ہو در اظلم کہ بہت سی قسمیں ہیں ایک ہاتھ دوسرے زبانی ظلم اور سب سے بڑا ظلم وہ ہو کہ کسی کا گھر
غصب کرے عرف میں کہتے ہیں وہ آتما بڑا ظالم ہو کہ اُس نے فلاں شخص کے مکان پر قبضہ کر لیا اور اسکو گھر
سے نکال دیا اور گھر پر قبضہ کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہو کہ گھر کی تمام چیزیں بھی غصب کرے ۲۲ غصب کے
مراتب مختلف ہو کرتے ہیں مثلاً کسی کا گھر کوئی اعصاب کرے اور اقرار کرے فلاں کا گھر ہے یا اپنی ملک دانہ اور
مالک کا نام لے جائیگا بھی روادار نہ دوسرے غصب کے بعد غاصب کے تصرفات بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں ملک ہو یا کسی کا
عوض کا دعویٰ کرنا اور سب کا ظلم یہ ہو کہ کسی خرابی پر آمادہ ہو اور عیادت تم بھی جانتے ہو کہ اقسام ظلم میں سب سے بڑا
ظلم وہ ہو جو خالق اور نعم کی نسبت ہو یہیں جنہوں نے اپنے مالک حقیقی کے مکانوں کو صرف غصب ہی نہیں کیا
بلکہ وہ ان اس بات کو بھی روا رکھا کہ لوگ وہاں اُس مالک حقیقی کا نام لیں اُسے ناؤ ظلم کون ہو گا۔ پھر ظلم
ہو کہ خود انکے مذاہب میں بھی یہ بات تھی کہ خدا کی مسجدوں میں بخوت داخل نہ ہو بلکہ ڈرتے ہوئے داخل ہو کہ میں
ایسا نہ کہ اس مکان کی تعظیم اور بزرگداشت کا جو حق ہو وہ تم سے فرگذاشت ہو جا کے اوصاف خدا کے سامنے
شکر نہ ہو و کچھ شاہی عام اور خاص درباروں کے جائزہ لے بھی ابدشاہ کی تعظیم اور بزرگداشت کا خیل رکھتا
ہو کہ جسے ان کی تعظیم اور بزرگداشت ہو نیکی علاوہ ہم اپنے مقاصد میں بھی کامیاب نہ ہونگے۔

مریض یہ سمجھتا ہو کہ اگر ہم طبیب کی مرضی کے خلاف گھڑی گھڑی اُس سے کھانے کو پوچھیں گے تو وہ جھڑک دے گا۔
 افسوس ہو کہ ہم خدا سے اتنا بھی نہیں ڈرتے جتنا مریض طبیب سے ڈرتا ہو۔ اب معلوم ہوا کہ ایسی توہین کرنے
 والے و دحل سے خالی نہیں یا مشرک ہو گئے یا مدعی توحید اگر مشرک ہیں تو مشرک کے ساتھ اس بے ادبی
 کے بھی مرتکب ہوئے اور اگر توحید و اتباع ملت کے مدعی ہیں تو بھی امکان فعل انکے قول کے خلاف ہو گا کہ مجھ
 کی تعظیم چاہتی ہو کہ اُسکی عبادت کی بھی تعظیم کی جائے اور اُسکی عبادت کی تعظیم چاہتی ہو کہ جو جگہ عبادت کرنے کی ہو
 اُسکی بھی تعظیم کی جائے جب انھوں نے مساجد کو ذکر خدا کی خالی کیا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ عبادت الہی
 کے منکر ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ عبادت الہی کا منکر اُسکی عبودیت کا منکر بنا جاوے لہذا منافق ہو نہ چکا بیٹکا
 قیامت تک اُنکی پیشانی پر رہے گا اور یہ لوگ اہل اسلام سے خارج ہو گئے لہذا اس صریحی ظلم کے بدلے
 میں انکے لیے دنیا میں جو دارالجزا نہیں ہو سوائی ہر مختلف طریقوں سے جیسے قتل قید جلا وطنی اور اہل ایمان کا
 انکے ہاتھوں سے شہر وں اور ملکوں کا چھیننا وغیرہ اور عقیقہ میں جو دارالجزا ہو بڑا عذاب ہو پہلے یہ سمجھ لو کہ میں الہی
 نہ تو تم دھوکا کھا جاؤ اور سمجھنے لگو کہ جس طرح دنیا میں ہماری اور تمہاری حالت ہو کہ اگر جبراً اور ظلماً کوئی زبردست
 ہمارا مکان چھین کر ہمیں بے گھر کر دینا چاہے تو کر سکتا ہو اگر خدا کو ان ظالموں کے ظلم و ستم سے کچھ نقصان
 نہیں پہونچ سکتا نہ یہ ہو سکتا ہو کہ اگر تمام عالم کی مسجدیں (خدا ایسا وقت دیکھنے کے لیے ہو کر زندہ رکھے) اٹھا کر
 جائیں تو اُسکے رہنے کی کہیں جگہ نہ پھر اُسکا ذکر کسی طرح نہ ہو سکے کیونکہ خدا کے لیے کوئی مکان نہیں ہو
 جسکے اندام کے بعد وہ بے گھر ہو سکے اور یہ بھی نہیں ہو کہ ایک ہی گھر اُسکی عبادت کے لیے سطح خاص ہو کہ
 اگر وہیں عبادت کی جائے تو قبول ہو اور دوسری جگہ کی عبادت قبول نہ ہو بلکہ سب مکان اُسکے لیے برابر ہیں
 اور جہاں عبادت کے طریقے سے عبادت کی جائے مقبول ہو پس منافقین کی ان حرکات نااطام سے خدا تو خدا
 مسلمانوں کا بھی کچھ ضرر نہیں ہو کیونکہ دنیا کی تمام زمین اُنکے لیے مسجد ہو جہاں یہ اللہ کو پکاریں گے وہیں اللہ
 وہملاشقر وللمغرب فایمنا تو لا فاقم وجہ اللہ واضح ہو کہ اس آیت کے شان نزول میں مفسرین کے دو قول
 ہیں ۱) اس آیت میں اُن رومی نصرانیوں کی تفسیر ہو جنھوں نے بیت المقدس کو خراب کیا اور یہودیوں کو
 مسیحین نماز پر مہر لے دیا ۲) اُن مشرکین کی حالت کا بیان ہو جنھوں نے سال حدیبیہ میں خود حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو خانہ کعبہ کے عمرے سے روکا۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے دونوں قولوں
 کو نقل کرنے کے بعد قول اول کو اختیار کیا ہو کیونکہ مشرکین کے لیے حرم کعبہ کی کوشش نہیں کی البتہ رومی

نصرانیوں نے بیت المقدس کے خراب کرنے میں کوشش کی اور بن کثیر نے قریش کی کوشش خادہ کر کے
 اجازت دینے میں بیان کر کے لکھا کہ میرے نزدیک قول دوم ظاہری کیونکہ نصرانیوں نے اگر یہود کو بیت المقدس میں
 نماز پڑھنے سے روکا تو ایسے وقت روکا تھا جب یہود سے نصرانی اچھے تھے کیونکہ یہود حضرت اوداؤ حضرت
 عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے ملعون ہو چکے تھے جسکی وجہ سے انکا ذکر اسوقت مقبولیت کے قابل نہ تھا۔
 اب جانا چاہیے کہ گویہ آیت کفارہ کی حق میں ہو مگر اسکا حکم تمام ایسے لوگوں کو بھی شامل ہو جو مساجد کو خراب کریں
 خواہ اسکی ظاہری عمارت گرائیں یا باطنی عمارت (ذکر الہی) کے اندام کی کوشش کریں۔ اور دراصل مساجد کی اصلی
 آبادی اسکی صورت ظاہری درست کرنے یا نقش و نگار یا کثیر التخلو و رفیع صرف کر کے عالیشان عمارت بنوادینے سے
 نہیں ہوتی بلکہ اسکی اصلی زینت اور آبادی اسی سے ہے کہ وہاں مسلمان نماز پڑھیں اور اسکا ذکر کریں۔ ایک صاحب طعن
 بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ سیاحی کرتے ہوئے ایک گائون میں شام کے وقت پہنچے جو کہ یہ مسافر اور پھٹے
 حالوں تھے کہیں قیام کی جگہ نہ ملی مجبوراً ایک ٹوٹی ہوئی مسجد میں رات بسر کر نیکے لیے رک گئے مشکلی نماز کے بعد
 یہ اپنے وظائف میں مشغول ہوئے تو انھوں نے سنا کہ مسجد خدا سے کہہ رہی ہو یا اللہ اس گائون کے رہنے والوں کو
 اسطرح تباہ کر دے جسطرح انھوں نے مجھے تباہ کر رکھا ہے صبح کو ان بزرگ نے اُس گائون کے لوگوں کو جمع کر کے
 دین کی تعلیم فرمائی اور مسجد کی بددعا کا داقد بیان کر کے مسجد کی دستی پر بھی سب کو رغبت دلائی اسکے بعد وہ
 بزرگ آگے بڑھ گئے گائون کے لوگوں نے مارے ڈر کے بہت جلد اُس مسجد کی عمدہ عمارت بنوا کے فرش وغیرہ
 سے آراستہ کر دیا اور وہاں اُتر نیوالے مسافرن کا کھانا اپنے ذمے لازم کر لیا ایک مؤذن کو بھی مقرر کیا پھر ایک عرصے
 کے بعد انھیں بزرگ کا اُس مسجد میں گذر ہوا ظاہری تعمیر و ترمیم ہوئے مگر شب کو پھر انھوں نے سنا کہ مسجد اسطرح
 گائون والوں کے لیے بددعا کر رہی ہو یہ بزرگ سمجھ گئے کہ شاید یہاں کے لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں صبح کو لوگوں کو
 جمع کر کے مسجد میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی رغبت دلائی اور لوگ اُنکی ہدایت سے جماعت کے ساتھ نماز
 پڑھنے لگے ایک عرصہ کے بعد وہ بزرگ پھر اُس مسجد میں آگے شکوہ کیا کہ مسجد کہہ رہی ہو یا اللہ اس گائون کو اسطرح
 آباد کر رکھ جسطرح یہ جھکوا آباد رکھتے ہیں۔ انا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہوں کہ مسجد کو مشرکین آباد نہیں کر سکتے اور اصل تو
 یہ ہے کہ یہ ان کا کام بھی نہیں ہو سکتا تعالیٰ فرماتا ہو ما کان للمشركين من ليعمر اماما جلالہ شاہدین علی القصر
 بالکفر مساجد کی آبادی مشرکین نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ذات پر کفر کی شہادت دیتے ہیں۔ بلکہ مساجد
 کو ہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا اللہ اعلم

من آمن بالله واليوم الآخر و أقام الصلوة و اتى الزکوة و لم یغش الا الله فعسى اولئك ان يكون من المهدتین
مساجد کی تعمیر فرمائی لوگ کہہ سکتے ہیں جو اس قدر قیامت کے دن پر ایمان لائے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور خدا کے
سوا کسی پر نہیں رستے ہیں ایسے ہی لوگ راہ بانیا لے ہیں دیکھو مسیحی ایسا بزرگ گھر چڑھ چکی اضافت اللہ نے اپنی جانب کی
ہر مساجد عہدہ کی جگہ کو اور مساجد اللہ کی عبادت کے مقام کو کہتے ہیں چند چیزوں کی نسبت اللہ نے اپنی جانب
فرمائی ہے جیسے کلام اللہ محمد رسول اللہ بیت اللہ ناقۃ اللہ عبد اللہ عرش اللہ وغیرہ یہ صریح مساجد کی عظمت کی
وجہ سے آئی بھی اپنی جانب نسبت کی ہے۔ دیکھو جب نصرانیوں نے بیت المقدس کے مقام حخرہ کی اہانت کی جسے یہو
نے قبل بنایا تھا تو اُسکی وجہ سے انہیں شرعی اور تقدیری ذلت یہ طاری ہوئی کہ اب تک جب بیت المقدس میں داخل ہوتے
ہیں تو ڈرتے ہی ہوئے داخل ہوتے ہیں ایسے صریح جب مشرکین نے حضور کو عرسے روکا تو ذلیل ہوئے چنانچہ
انھوں نے دس برس کیلئے صلح کی مگر اللہ نے اُس صلح کو اپنے سچے رسول کیلئے فتح فرمایا آیت انا فتحناک فتحاً مبیناً
تازل ہوئی اسی رات کو ہر قتل نے جو دم کا بادشاہ تھا دیکھا کہ ختنہ کر نیوالی امت کی بادشاہت ہو گئی اسکے تھوڑے
دنوں بعد مشرکین نے بد عہدی کی اور حضور نے مکہ فرج کر لیا اور زمانہ حج میں نذر لادی کلاس بیت الحقیق سے کوئی شرک
قرب نہ ہو۔ یہ امر بھی جان لینے کے قابل ہے کہ ماکان لہم ان یدخلوھا الا خائفین سے یہ بات بھی صریح ظاہر ہے کہ مساجد
میں مشرکوں کو داخل ہونا جائز ہے امام ابو حنیفہ اور بخاری رحمہما اللہ کا یہ مذہب ہے اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
حلیہ وسلم نے خلد بن اثال کو جو مشرک تھا مسجد میں باندھا تھا پھر تن میں کے بعد کھول دیا اسکو اور وہ مسلمان بھی ہو گیا بخاری
اور فتح مکہ میں بھی اپنے داخل ہونے سے پہلے حکم بھیج دیا تھا کہ جو کوئی ابوسفیان کے یہاں یا خانہ کعبہ میں بنا لے یا چڑھ کر
کا درازہ بند کر لے یا ہتھیار ڈال دے وہ بخیرت ہو اور نام مالک جملہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ہے کیونکہ مشرک نجس ہے اور نام
شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام میں کفار کو جانا منع ہے اور دیگر مساجد میں اگر کوئی حاجت ہو تو مسلمان کی اجازت سے
جاسکتا ہے۔ اور معروف الدفایا خدی اللہ کی طرف سے مسلمانوں کیلئے بشارت ہے کہ غفر قیام اصناف مشرکین پرست
میں اور کفار میں وہ نصاریٰ کے سبب نیا میں ذلیل ہونگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو پورا کر دکھایا اور مشرکین
مسجد حرام سے ممنوع ہوسا اور حدیث نبوی کے موافق امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی عہد خلافت میں تمام ہونے
و نصاریٰ کو جو دیرہ عرب نکال دیا یہ خانہ کعبہ کی ہنگامی اور غیبت کا ادنیٰ ثبوت ہے کہ اُسکے گرد بھی کفر کی نجاست باقی نہیں
اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ نصاریٰ کی کثرت دلت خروج امام مہدی کے وقت ہوگی یہ کفرہ داخل بن داؤد مہدی
بغیر کا قول ہے۔ یہی خیر نے کہا ہے کہ دنیاوی خواری میں ہر قسم کی خواری داخل ہے۔ بہر صورت بیت المقدس

مسجد حرام کسی ایک کی بے ادبی ہوئی اگر اللہ تعالیٰ نے مساجد اور مراکز ظاہر کو دیا کہ جسے مسجد قبلہ کی تعظیم چھوڑ دی
 اُس نے بدرجہ اولیٰ تمام مساجد کی عظمت ترک کی جیسے مثلاً آدم دیکھتے ہو کہ اگر کوئی شخص اپنے اُستاد والدین یا مرشد کو
 ایذا پہنچاتا ہو تو کہا جاتا ہے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کو ایذا پہنچاتا ہو بیان پر یہ امر بھی قابل غور
 ہو کہ جو مسلمان اپنے عقائد فاسدہ کی وجہ سے ایسے الفاظ داکرتے ہیں جسے خدا بھی اللہ تعالیٰ یا حضور سرور انبیا
 علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت میں فرق آتا ہو یا وہ انہما رسانی خدا و رسول کے باعث ہوتے ہیں اور والدین یوسف
 علیہ السلام و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ کی وعید سے نہیں ڈرتے یا اہل اسلام خصوصاً علما و صلحا کی
 نسبت محض اپنی بد طبیعت کی وجہ سے کلمات ناشائستہ داکرتے ہیں اور والدین یوسف و المومنات
 و المومنات لپیڑا لکسبوا فقد احتملوا بهتانا و انما مبینا کی پروا نہیں کرتے اُنکا شمار بھی مذکور الصبر
 بڑے ظالموں میں ہوگا اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حقوق العباد اور ایذای خدا و رسول اور مسلمانوں پر بہتان باندھنے
 سے محفوظ رکھے۔ کار یا کان را قیاس از خود گیر گرچہ ماند دلو شستن شیر و شیر تواریخ
 دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں واقع ہوئی اور اس وقت سے بارہ قیام
 انبیا و صلحا کا معبود و ربوبیت کا ماحول ہوتا رہا تاریخ ارزنی اور کتاب العظیمہ ابو الشیخ اور تاریخ ابن عساکر وغیرہ میں ہے
 کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے تو انھوں نے باگاہ الوہیت میں عرض کی اے پروردگار میں بیان
 لاکر کہ کی تسبیح و تلیل و تکبیر نہیں سنتا جیسا آسمان پر سنتا تھا اور نہ میرے لیے طواف کرنے کی کوئی جگہ ہے
 جیسے میں نے آسمان پر بیت المعمور کو ملائکہ کا طواف گاہ پایا تھا حکم ہو کہ فلاں مقام پر جا کے ایک گھر بناؤ
 اور اُسکا طواف کرو اسی کی طرف نماز پڑھو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام
 کو کعبہ کی جگہ بتادی پھر جبریلؑ نے وہاں اپنا پرمار زمین کی تہ سے ایک بنیاد نکلی اسی بنیاد پر فرشتوں نے بڑے
 بڑے بھاری پتھر جنکو تیس بھاد آدمی بھی نہ اٹھا سکتے کوہ لبنان اور طور ثقیلا اور طور سینا امد جودی اور حرا
 سے لا کر رکھے یہاں تک کہ زمین کے برابر تک بنیاد اُٹھ گئی پھر اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اُتار کر بیت المعمور
 کو قائم کر دیا اور حکم ہوا کہ حضرت آدم اور انکی اولاد اسی کا طواف کریں اور اسی کی طرف نماز پڑھیں اور یہ طواف
 حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک باقی رہا اور زمانہ طوفان میں بیت المعمور آسمان پر اُٹھا لیا گیا اسکے
 بعد اسی جگہ پر ایک بلند ٹیلہ عتارہ ہاگر کسی کوئی عمارت نہ تھی اور لوگ اُس جگہ کو معظم اور محل قبولت مانتے تھے
 پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی جگہ پر کعبہ بنانے کا حکم ہوا انکے ساتھ سکینہ بصورت ابرسا یہ لکھن

تھا اور اسے سایہ سے کعبہ کی متعین ہوئی اور حضرت جبریل علیہ السلام نے سایہ کے دور پر خط کھینچا اسی خط پر حضرت
 ابراہیم علیہ السلام نے زمین کو دنا شروع کی جب بنای حضرت آدم ظاہر ہوئی تو اسی بنیاد پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ
 کی بنیاد قائم کی اور گز اور گز اور حجر اسود سے رکن شامی تک پینتیس گز اور رکن شامی سے رکن غربی تک بائیس
 گز اور رکن غربی سے رکن یانی تک اکتیس گز اور رکن یانی سے حجر اسود تک بیس گز کا دور قائم کیا اس سے معلوم
 ہوتا ہے کہ اس وقت کعبہ مستطیل تھا کیونکہ اس کا طول عرض سے زیادہ شرقی و غربی طول میں بھی مختلف تھا مگر غیر محسوس
 اس طرح شمالی اور جنوبی عرض بھی غیر محسوس مختلف تھا اور اس وقت کعبہ کا دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا اور کھڑا
 تھا اور تیج خمیری نے اُس دروازے میں کنواریں ڈھیل اور ضل بھی لگایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کے اندر
 داہنے جانب ایک خزانہ بنایا تھا جس میں تند و دھابار رکھے جائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس منظم مکان کے معمار
 تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام مزدور تھے جو کہ ابوقیس اور حرا وغیرہ سے پھر لاتے اور گاربانے تھے جب آدم مکان
 بن گیا تو اسکی ضرورت بڑی کسی کبند چیز پر پکڑے ہو کر نائین انھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ کہیں سے
 بڑا پتھر لاد جیسے پکڑے ہو کر میں بنا سکوں وہ جبل ابوقیس پر پتھر تلاش کرنے گئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن سے
 کہا اُو میں تمھیں وہ دو پتھر بتا دوں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ جنت سے گئے تھے وہ بڑے غفلت والے
 پتھر ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن پتھروں کو طوفان کے فڈ سے اس پہاڑ میں چھپا کر دفن کر دیا تھا
 اُن میں ایک پتھر تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے لیجاؤ اور دوسرے کو دیکبہ کے داہنے جانب لے کوئے
 میں رکھنا تاکہ اس گھر کا طواف کرنے والے پہلے اس پتھر کو جو میں پھر طواف کریں حضرت اسماعیل علیہ السلام
 ایک ایک کر کے وہ دونوں پتھر لے آئے اور حضرت جبریل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ آکر حضرت ابراہیم
 علیہ السلام سے کہا کہ آپ اس کالے پتھر کو کعبہ کے کوئے میں رکھیں جیسا اس پتھر پر پکڑے ہو کر حضرت ابراہیم نے
 عمارت بنا نام شروع کی تو جہد و تعب عمارت اونچی کرتے جاتے استیلا وہ پتھر بھی اونچا ہوا جانا یہاں تک کہ عمارت تمام
 ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باؤں کی انگلیوں کے اُسپر نشان لگے جب وہ دوسرا پتھر کعبہ میں رکھا گیا
 تو اُس سے ایک نوظا ہر سو کے اطراف کعبہ میں پھیل گیا جہاں تک وہ نہ پھیلا تھا اُسکے بعد چاروں طرف حرم کی
 حد قائم ہوئی حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگوں! اللہ تعالیٰ
 یا قوتان من یا قوت اللہ تعالیٰ لودھا والہ یطہر لہ رھا الاصابین المشرق والمغرب رکن اور مقام

جنت کے دو یا توت جن کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا نور سلب کر لیا ہو ورنہ مشرق سے مغرب تک جو کچھ تھا سب روشن ہو جاتا۔ اور بھی حدیث میں ہے کہ حجر اسود پہلے سفید اور نورانی تھا گنگا ران بنی آدم کے چھوٹے سے سیاہ ہو گیا اور قنادہ سے مروی ہے کہ اسلام کے پہلے مقام ابراہیم کے چھوٹے کی علوت تھی اس امت میں رائج ہوئی جن لوگوں نے اسلام سے پہلے اس پتھر کو دیکھا تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نقش قدیم اس پتھر پر ظاہر تھا اب چھوٹے کی وجہ سے وہ نشان اُس قدر ظاہر نہیں ہے اور ابن شیبہ نے حضرت جبرائیل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک گروہ کو مقام ابراہیم کو چھوٹے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں اس نے اس کے متصل نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اس کو چھوٹے کا اور سبقی نے اپنی سنن میں لکھا ہے کہ یہ پتھر زمانہ نبوی اور زمانہ حضرت صدیق مین کعبہ کے متصل تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فاصلہ پر رکھا گیا اُس کا قصہ یوں ہے کہ ایک رات تنی سخت بارش ہوئی کہ بانی کے بہاد میں یہ پتھر پر گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود تشریف لاکر ایک جگہ اس پتھر کے لیے تجویز فرمائی اور اس پتھر کے گرد اگر دپتھر نصب کر کے اس پتھر کو بیچ میں رکھ دیا اس وقت تک اسی مقام پر یہ ایسا ہی کثراں تاریخ نے لکھا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے بھی یہ جگہ منظم تھی بلکہ زمین اور جو کچھ اُس میں ہوا ان کی خلقت سے پہلے بھی یہ مقام منظم تھا جیسا کہ فاکسی نے تاریخ کے اوّل میں لکھا ہے حدیثی عبد اللہ بن ابی سلمہ قال حدثنا الواقدي قال حدثنا ابن جريج عن بشير بن عامر الثقفي عن سعيد بن المسيب قال قال علي بن ابي طالب خلق الله البيت قبل الارض السموات باربعين سنة فكان غشاء على الماء فمحمي عبد الله بن سلمه نے بیان کیا کہ اُن سے واقفی نے کہا کہ مجھے ابن جریج نے بشیر بن عامر ثقفی سے انھوں نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے خاتمہ کعبہ کو زمین و آسمان کے چالیس سال قبل پیدا کیا پس وہ بانی کو ڈھلے ہوئے تھا۔ اور بھی فاکسی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ کعبہ خلقت قبل الارض بلطف عاقل و کیف خلقت قبل الارض ہی من الارض فقال انه كان عليها مكان اسبحان بالليل والنهار الف سنة فلما اراد الله ان يخلق الارض دحها من تحت الكعبة وجعل الكعبة وسط الارض كعبه زمين يه دو هزار برس قبل پیدا کیا گیا دارائے اوجھا گیا کہ کعبہ تو خود جزو زمین ہے زمین سے پہلے کس حال میں تھا فرمانے لگے کہ دو فرشتے اُس سے متعلق تھے جو دن رات دو ہزار برس تک تسبیح کرتے رہے جب خدا نے زمین پیدا کرنا چاہی اُسے کعبہ کے نیچے بچھا دیا اور کعبہ کو زمین کے بیچ میں رکھا۔ اور اس کے بعد اہل تاریخ کے نزدیک علقہ اور جہم نے بنایا پھر قس نے از سر نو کعبہ بنایا اور غری کا مینیون کو زخمی

کی لکڑی سے چھت باکی اور پہلی اونچائی پر نوکڑا اور اونچا کیا پھر جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یکس برس کے تھے تو قریش نے اسکو بنایا اور اسوقت اسکی تعمیر کا سبب یہ تھا کہ ایک عورت پوشش کعبہ میں خوشبو سے رہی تھی کہ ایک چنگاری اڑی اور اسکی چھت کی اکثر لکڑیاں جلادیں اور اسکے پھلے سیل نے دیواروں کو شق کر دیا تھا لہذا سرداران قریش نے جمع ہو کر ولید بن مسیرہ کو میر عمارت مقرر کیا اور عمارت کعبہ کو گر کے بالکل نئے سرے سے بنایا اور آپس میں یہ طے ہو چکا تھا کہ اس میں حرام روپیہ نہ لگایا جائیگا چونکہ اسوقت اکثر مالدار سود خوار تھے حلال مال زائد نہ دستیاب ہونے کی وجہ سے انکی تعمیر میں بہت تغیر و تبدل واقع ہوا اور اس عمارت کعبہ سے چند گز زمین چھوڑ دی گئی (۳) دروازہ زمین سے بہت اونچا لگایا (۴) کعبہ کے اندر لکڑی کی دو صفیں قائم کیں۔ صف میں تین ستون تھے (۵) باہر سے اسکی اونچائی دوئی کر دی یعنی اٹھارہ گز اونچا کیا (۵) کعبہ کے اندر رکن شامی کے پاس زینہ بنایا جس سے کعبہ کی چھت پر جاسکیں اور یہ بھی پھلے نہ تھا۔ پھر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اسکو از سر نو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا پر بنوایا اس حدیث کے موافق جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ای عائشہ اگر تیری قوم جدید الاسلام نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر پھر سے بنواتا اور اس میں ایک دروازہ شرق کی جانب اور دوسرا غرب کے جانب لگواتا اور حطیم کی طرف سے اس میں چند گز اور ملائیونکہ قریش نے بنوائے وقت اتنی زمین چھوڑ دی تھی کہ کاش میرے بعد تیری قوم میں اسکی کیل کا خیال آجائے آجھکو میں وہ جگہ دکھا دوں جسے قریش نے تمام چھوڑا ہے پھر اپنے چھ گز کے قریب حطیم کی جگہ دکھائی عمارت تیار ہونے کے بعد اندر باہر مشک و دھنیر سے لکھ کر انکی غرض بنا سے ابراہیمی پر یہ عمارت شامیوں نے جب سترہ ہجری میں تیار ہوئی پھر حجاج بن یوسف نے بنائے قریش پر اسکی تعمیر کی اپنی رائے رکن شامی کی طرف سے کعبہ کو ساڑھے چھ گز سمبار کر کے وہاں دیوار قائم کی غرض حطیم کو کعبہ سے مکالمہ یا اور شرقی دروازے کو اونچا کر سی دار بنایا اور غربی دروازہ بند کر دیا اور تین سمت کی عمارت کو اسی طرح رہنے دیا یہ تعمیر سترہ ہجری میں ہوئی۔ اسوقت سے سلطان مروان احمد خان کے زمانے تک کوئی نئی تعمیر نہیں ہوئی بلکہ لوگ سلاطین اسکی بقدر ضرورت مرمت کرتے رہے پھر سلطان مروان نے حجرات اور اسکی جگہ کے علاوہ تمام عمارت پھر سے بنائی اور یہ تعمیر سترہ ہجری میں ہوئی اور اب تک وہی عمارت باقی ہے۔ عمارت بھی ضلع میں لڑی ہے یہی حجاج کی بنائی عمارت تھی اسکی بزرگی کے صد ہا واقعات کتب میں مسطور ہیں جن میں بعض نے جلیس انصاری میں اور بعض نے مرآۃ العظمیٰ میں لکھے ہیں۔ مگر معظم میں بعض نے نزدیک

اٹھارہ اور بعض کے نزدیک اس سے بدرجہا زیادہ مقام میں جہان عاقبول ہوتی ہے۔ غرض مسلمانوں کو جانا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کر دیا کہ مشرکین نجس ہیں اور مساجد اللہ کا بنانا اُن کا کام نہیں ہے بلکہ یہ کام اُن لوگوں کا ہے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں دیتے اور یہی لوگ ہدایت پائے ہوئے ہیں۔ کہ جو اوصاف مشرکین کے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیے ظاہر اور باطناً پھر میں پسند نہ ہونے دین۔ کیا تم خود نہیں سمجھ سکتے کہ نجاست بری ہے اور خدا کے گھر میں بری چیز نہ جانا چاہیے نہیں ضرور سمجھتے ہو چہرہ اب ہم کیونکر یقین کریں کہ تم اُسکے گھر میں از کتاب منیات کو رو کر کھو گے۔ مساجد کی تعمیر کرنیوالوں کے اوصاف اپنے میں یہ اگر دیکھ کر صرف وہی شخص تعمیر کرنے والا نہیں ہے جو اپنا مال صرف کرے اسلئے کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ قریش نے حرم کو اسلئے کم کر دیا تھا کہ طلال روپیہ کے سوا انھوں نے حرام روپیہ نہ لگانے کا عہد کر لیا تھا اور اُسے پورا کر دکھایا تم وہ گردہ ہو جسکے اوصاف سرفہرین شریف میں موجود ہیں اسکا لحاظ کرو کہ اپنا طلال ہی مال اُسکی تعمیر میں صرف کرو میں نے اپنے کاربر سے سنا ہے کہ فرنگی محل کی خام مسجد کو حضرت مولانا انوار الحق قدس سرہ کے کئی صالح مرید نے پختہ بنوایا تھا اور اس میں ایک خاص حلال کمائی کا روپیہ وہ صرف کیا کرتے تھے جب وہ روپیہ ختم ہو جاتا تو تعمیر کجاتی ہے اور پھر جب اُس کمائی کا روپیہ ملتا تو تعمیر شروع ہوتی اسلئے وجہ سے استرکاری کی بھی نوبت نہیں آئی تھی حضرت مولانا قدس سرہ کے لکھی دھڑے مرید نے عرض کیا اگر حکم ہو تو میں استرکاری کرادوں آپ نے فرمایا اگر بانی مسجد اجازت دے تو کیا حج ہے ایک دن نماز کے وقت یہ اور بانی مسجد اور دوسرے بھی بہت سے نمازی حاضر تھے انھوں نے بانی مسجد سے استرکاری کرادینے کی اجازت مانگی انھوں نے کہا خدا کا گھر ہے جو چاہے بنوائے مگر میں نے جیسار روپیہ آئیں لگایا ہے ویسا اسوقت میرے پاس نہیں ہے اسلئے میں استرکاری نہیں کر سکتا مگر تمکو منع بھی نہیں کرتا غرض انھوں نے استرکاری کرادی اسکے بعد ایک دن مسجد میں حضرت مولانا قدس سرہ سے انھوں نے کہا حضور استرکاری ہوگئی بانی اول نے کہا خدا آپ کو اسکی جلد سے مگر میں نے جس آدمی کو اس پر خرچ کیا تھا وہ پاک تھی انھوں نے جملہ جواب دیاجی ان ایک کپ ہی تو بٹے نقاد و متقی ہیں گویا آپکے سوا کسی کا مال طلال اور پاک ہی نہیں۔ بانی اول نے ہاتھ اٹھا کر کہا ایسا ہی اللہ تعالیٰ اور جھوٹ کو ظاہر کر دے حضرت مولانا قدس سرہ نے فوراً لوگوں کو مسجد سے باہر نکل آئیں حکم دیا جب لوگ نکل آئے تو ایک دم سے سب استرکاری گر پڑی فقط بانی اول کی بنائی ہوئی دیوار میں باقی رہ گئیں حج پر خدا پاک ہے اور وہ

پاک ہی کو قبول کرتا ہی۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا افضل اور احسان یہ کہ وہ امر کے علاوہ غمراہ کو بھی اگرچہ آپس کے پاس مسجد
 بنانے کے لیے، وپہرہ نہ بھی ہو ان کی نیت کی وجہ سے تعمیر مسجد کا ثواب دیتا ہی اور غریب مسلمانوں کو تم مسجد کی مجلس تعمیر بناؤ
 اور کیا زمینیں و زائد بلکہ ہر روز باقی بار خشوع خضوع سے مسجد میں ڈرتے ہوئے حاضر ہو اور جماعت کے
 ساتھ نماز ادا کروا دے اور اعضائے وضو تمہارا ساتھ دینے پر مستعد ہیں فقط تمہارے اشارے کے طالب ہیں تم ہمارے
 بنو انکو مزدوری کا حکم دہا اور خدا سے قیامت کے دن ان تمام کاموں کی مزدوری لو۔ اب ہم حیدر الیسی باتیں
 انکو بتاتے ہیں جبکہ مسجد میں لحاظ کرتا تمہارے لیے جہت ضروری ہوا ہے زیادہ اگر دیکھتا ہوں تو کتب مطلوبہ
 دیکھو۔ (۱) مسجد میں بلا ضرورت غیر شرعی دنیاوی باتیں نہ کرو (۲) جب امام خطبہ شروع کر چکے تو سنتوں کی نیت نہ باندھو
 بلکہ خطبہ سنو (۳) انتظار جماعت میں نہ کھڑے رہو بلکہ بیٹھ جاؤ (۴) سوال کرنا برابر ہو اور خاص کر مسجد کے اندر نہ رہی
 دیکھا ہی کہ بعض سال محض سوال کرنے کی غرض سے مساجد میں آتے ہیں اور ادھر امام نے سلام پھیرا انکو
 نے بلند آواز سے مانگنا شروع کیا جس سے نماز کو دغا اور وظیفہ پڑھنا بھی شکل ہو جاتا ہی (۵) خطبہ شروع ہونے کے
 بعد کسی کو سلام نہ کرو اگر ناواقفیت سے کوئی تنکو سلام کرے تو جواب سلام دیدو مگر آہستہ نہ بلند آواز سے کیونکہ
 جواب دینا فرض اور سلام کرنا سنت ہی (۶) بلا ضرورت کتابت یا سلائی یا اور کوئی پیشہ مسجد میں ناجائز ہی
 (۷) تجارتی اشتہار ساجد کے اندر نہ بانٹو (۸) متکلف کو خرید و فروخت کی گفتگو کرنا بشرطیکہ بیع مسجد میں
 نہ جائز نہ غیر متکلف کو یہ بھی ناجائز ہی (۹) علوم دنیاوی کی تعلیم مساجد میں ناجائز اور علوم دینی کی تعلیم
 جائز ہی (۱۰) آواز بلند کر کے باتیں نہ کرو (۱۱) مسجد کے باہر کھوئی ہوئی چیز کو مسجد میں باواز بلند نہ دریافت
 کرو (۱۲) مسجد میں آتے ہی بیٹھنے سے پہلے سنتین پڑھ لو حضرت صحابہ کے کثرت واقعات مذکور ہیں کہ جب
 مسجد میں تشریف لاتے تو چہرہ زرد ہو جاتا سب دریافت کرنے پر فرمایا کہ مجھے یہ خون ہوتا ہی کہ کہیں خدا کے
 گھر میں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے حضور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی جبکہ مساجد میں ایمان مسجد و مکی محبت
 ایمان کی علامت ہی صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کسی وقت مسجد کو نہیں چھوڑتے اپنے فرمایا
 اے ایمان کامل ہو گیا شب ملج میں اللہ تعالیٰ نے آپسے ارشاد فرمایا اے بشر المشائین فظہر لیل الی المساجد
 بالجنۃ آپ ان لوگوں کو جنت کی بشارت دیدیں جرات کی اندھیری میں مسجد وغیرہ جاتے ہیں اور ایک روایت
 میں بالجنۃ کے مقام پر بنو الائمہ یوم القیامت وارد ہی یعنی قیامت میں انکو نور نام ملنے کی بشارت دیدیجیے۔ حضرت
 سعید بن مسیب فرماتے ہیں میں برس سے میرا حال یہ کہ زندوں کی زندان سے پہلے میں مسجد میں آ جاتا ہوں گے

اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالوالیٰ فرنگی علی قدس سرہ العزیز کا واقعہ یاد کیا کہ آپ پنجو فتنہ نماز مسجد میں پڑھا کرتے تھے آخر عمر میں جبکہ آپ کی بصارت کم ہو گئی تھی تو بھی مولانا محمد عبدالغفار قدس سرہ جو آپ کے مرید تھے آپ کو ہاتھ پکڑ کر مسجد لیجاتے تھے ایک مرتبہ شکوہ بانی بہت تیزی سے برس رہا تھا اور مولانا عبدالغفار قدس سرہ آپ کی خدمت میں موجود نہ تھے دیر تک آپ نے اُنکا انتظار کیا جب وہ نہ تشریف لائے تو آپ نے گھر میں نماز پڑھ لی حضرت مولانا عبدالغفار قدس سرہ فرماتے تھے کہ جب میں فجر کی نماز کے لیے آپ کو مسجد لیجانے کو حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ آپ زار و قطار رو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں اے عبدالوالیٰ کیا ہوا اگر تو اکیلا بانی برستے میں مسجد میں جاتا زائد سے زائد یہ ہوتا کہ تیرا ہاتھ پاؤں یا کوئی اور عضو ٹوٹ جاتا اگر پڑھا مر جاتا اگر یہ اُس سے اچھا تھا کہ تو نے خدا کے گھر کی حاضری کا ثواب کھو یا اور نہ نماز پڑھی اور حضرت ملا عبدالرحمن و ملا عبدالعزیز قدس سرہ کا واقعہ یہ کہ یہ دونوں حضرات پنجگانہ نماز پڑھنے پیر جلیون کی مسجد میں جایا کرتے تھے یہ اُس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب فرنگی محل سے اس مسجد کے علاوہ کوئی اور مسجد قریب نہ تھی اور لکھنؤ بالکل یریلن مقام تھا الیکٹریک ٹر کی نماز کو جا رہے تھے راستہ میں ڈوبھڑیے سامنے آئے اُنکو منع کرنے میں یہ زخمی بھی ہوئے اور اتنی دیر بھی ہوئی کہ جماعت کی ایک ہی رکعت اُنکو ملی نماز کے بعد مکان واپس آ کر اس خیال میں دونوں رویا کیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ کون گناہ ہوا ہو جسکی وجہ سے آج پوری جماعت کے ثواب سے محروم رہے اور راستہ میں بدوش ہو جائیگی وجہ سے اب شرعاً ہم پر بھی لازم نہیں کہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال کر جماعت میں شریک ہونے جائیں اور دل یہ گوارہ نہیں کرتا کہ گھر میں نماز پڑھ لیا کریں جب یہ واقعہ ان حضرات کی والدہ کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے اپنا تمام زین و بیچکے فرنگی محل سے ملی ہوئی زمین خریدی اور کچی مسجد بن کر فرنگی محل میں داخل کر دی اسی حضرت جماعت یہاں نماز پڑھنے لگے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کو جماعت کا اتنا خیال تھا تم بھی اُسکی اتباع کرو۔ اور حضور سرور انبیاء علیہ السلام نے فرمایا ہے من مشی الی المسجد فی اللیل کتب اللہ تعالیٰ بکلی خطوة عشرة آلاف من حسنة و محبته مثلهما سیئۃ و دفع له مثلهما حدیثہ جو کوئی شب کو مسجد جاتا ہو اسکا ہر قدم کے بدلے ستر اُنکیاں لکھتا ہوا اور اتنی ہی برائیاں دوسرے کرتا ہو اور اسی قدر مایوس بن کر رہتا ہو۔ اور فرمایا ہے من خرج من بیت الی المسجد کتب اللہ بکلی خطوة عبادۃ سنتہ فاذا دخل المسجد کان حقاً علی اللہ ان یدخلہ الجنة فان صلی فخرج من ذنوبہ کیوم ولد قدامہ فاذا دخل فی بیتہ بنفی عنہ الفقر و السقم جو شخص گھر سے مسجد کی طرف چلتا ہو اسکا ہر قدم کے عوض میں ایک برس کی عبادت کا ثواب لکھتا ہو اور جب مسجد میں داخل ہوتا ہو تو اللہ

حق ہو کہ مے جنت میں داخل کرے اور وہ نماز پڑھ چکنے کے بعد طرح گناہ سے پاک ہوتا ہی جیسے آج ہی پیدا ہوا
 ہو پھر جب گھر واپس آتا ہو تو اُس گھر سے فقر اور تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ اور فرمایا ہے من استيقظ من نومہ و
 اصبح و قلبہ معنی بالمسجد فکانما احیی اللہ القدوس شخص صبح کو سو کے اُٹھے اور اس کا دل مسجد میں لگا ہو وہ
 اُسکے مثل ہے جو شب قدر میں جاگا ہو واقعی خدا کے سچے بندے وہی ہیں جو اُسکے مساجد کی عزت کرتے ہیں
 جی حضرت مولانا مفتی محمد یوسف قدس سرہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ ہرنماز کے اول وقت مسجد میں تشریف لے
 آتے تھے بریموں کے زمانے میں ادھر زوال ہوا اور آپ مسجد میں تشریف آئے ایک بار حافظ جعفر علی مرحوم مولانا
 نے کہا مولوی صاحب آپ تو اندھیر کرتے ہیں بارہ بجے اور آپ مسجد میں داخل ہو کر تو زور دیر سولیا کیجیے اپنے
 کہا نماز کا وقت آگیا یہ معلوم نہیں کہ موت کس وقت آئے اس لیے میں مسجد میں آگیا اب اگر موت بھی آئیگی تو خدا
 کے گھر میں آئیگی عی مولانا غلام مرتضیٰ مرحوم نے نماز جماعت کی پابندی کی وجہ سے بارہ بجوٹ کھائی مگر اُسکی پڑا
 نہ کی۔ اور اپنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا یا علی لازم المسجد فان من لم یسجد یجمع خالیا و میرے
 بھائی مسجد کو لازم کر لو کیونکہ مسجد کو لازم کرنا الاضالی نہیں پھرتا۔ اور فرمایا میں داخل مسجد مع المؤمنین خبیہ من
 ذرۃ المنافقین مسجد میں آنیوالا منافقین کے گروہ سے ٹکلیا تا ہو۔ اور فرمایا ہوا اذا خرج المؤمن من المسجد فلیقول
 ھو من السماء یا ولی اللہ استأففت العلی فقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک مؤمن جب نماز پڑھ کے مسجد سے
 باہر آتا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ نکلتا ہو ای اللہ کے فلی نے سر سے گل کر اللہ نے تیرے پہلے گناہ معاف
 کر دیے۔ اور فرمایا ہر سب سے پہلے نیوالا اور سب سے بعد جانیا الاختی ہے۔ اس وقت مجھے ایک قصہ یاد آگیا جو
 اس محل پر بیان کر دینا مفید ہو ایک بادشاہ کی ایک لڑکی تھی اُسکی شادی وہ ایسے شخص سے کرنا چاہتا تھا جو بڑا
 متقی و پرہیزگار ہوئے کسی بزرگ سے سنا تھا جو شخص چالیس دن برابر سب سے پہلے مسجد میں آئے اور سب کے بعد جائے
 وہ فلی کامل ہو اُس نے اپنے دربار میں ایک صاحب سے کہا کہ تم کل سے جامع مسجد میں بیٹھو تو دیکھتے رہنا کہ کون
 پہلے آتا ہو اور سب کے بعد جاتا ہو میں اُسکے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دو گا ایک غریب آدمی بھی کہیں کھڑا سن رہا
 تھا اُس نے دل میں خیال کیا کہ یہ تو بڑی آسان کمیا ہو چالیس دن کی محنت میں بی بی بھی متی ہے اور
 بادشاہت بھی بی بیج کر اس وقت سے بار چالیس دن تک جامع مسجد میں سب سے پہلے گیا اور سب کے بعد آیا
 نے چالیس دن کے بعد اُسے دربار میں بلا کر نہایت عظیم کر نیکے بعد کہا کہ میں آپ کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی
 کرنا چاہتا ہوں اس نے نا متصور کیا اور کہا میں نے نہ میں غلامی سے نہ میں گار جی میں ہمیشہ محتاج رہا ہوں

باتیں سن کر مجھے خیال ہوا کہ چالیس دن کی محنت میں سب جھگڑوں سے فراغت لہجائیگی اس لیے دکھاوے
 کیلئے چالیس دن میں سب سے پہلے مسجد میں گیا اور بکے بعد آیا مگر یہ خدا کی دین ہے کہ اب مجھے سوا خدا کے
 نہ دولت کی پرواہ نہ آپ کی دامادی کی میرے ذہن میں عزت ہی چاہتا ہوں کہ میں خدا کا ہو رہوں جو جھوٹی
 عبادت کے عوض میں سلطنت دے رہا ہے وہی عبادت کے عوض میں کیا کچھ نہ لے گا اب میں اس کی رضا کے سوا
 کچھ نہیں چاہتا ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء من یشاء تو بنگی جو گدایان بشر طعزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ
 پروردی داندہ اور اپنے فرمایا ہے جب مومن اذان سنتا ہے تو شیطان خیال کرتا ہے شاید نہ اٹھے جب اٹھتا ہے تو
 خیال کرتا ہے شاید گھر میں نماز پڑھ لے جب گھر سے باہر آتا ہے تو خیال کرتا ہے شاید کسی دکان میں لگ جائے
 جب مسجد میں آتا ہے تو کہتا ہے افسوس ای مومن تو نے میری بیٹھ توڑ دی اور مجھے ناامید کر دیا۔ اور فرمایا ہے
 تمام جگہوں سے بہتر مسجد اور بدتر بازار ہے اور فرمایا ہے لا صلوة لجا المسجد الا فی المسجد مسجد کے پڑوسی کی نماز
 نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔ اور فرمایا ہے المسجد بیت لک التقی مسجد ہر متقی کا گھر ہے خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 شدت مرض الموت کی حالت میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر
 مسجد میں تشریف لائے تھے۔ اور جب وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہو کر مسجد سے مکان میں لائے گئے تو سب
 پہلے اپنے لوگوں سے کہا جاؤ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھاؤ حاضرین نے کہا ہم آپ کو یہاں پہنچا کر تحفیف
 فرات مسجد میں نماز پڑھ چکے ہیں یہ سن کر کہ اپنے آنکھوں دعا دی۔ قیامت میں اہل ایمان سے سوال ہوگا تم مومن
 تھے پھر تعمیر مسجد کہیں نہیں کرتے تھے یعنی کیوں جماعت سے نماز نہیں پڑھتے تھے حضور نبی کریم علیہ السلام
 سے دریافت کیا گیا کہ بندہ کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا من واجب علی العبادۃ فی بیت اللہ جو اس کے گھر میں اس کی
 ہمیشہ عبادت کرے۔ اور فرمایا ہے الصلوۃ الجملہ تفضل صلوة الفذ للبع و عشرین جمعة جماعت والی نماز نماز
 شائستہ درجے والی ہے۔ اور فرمایا ہے من صلح الیوم الصلوات فی جماعۃ لا تقوہ فیھا بکلیت الاھا
 تسبیح اللہ بواحدین براءۃ من النفاق و براءۃ من النار جو شخص چالیس دن جماعت سے نماز پڑھتا ہے اس طرح کہ
 اس کی تکیہ سبلی فوت نہیں ہوتی تو اللہ اس کو دو ہاتھوں سے دھک دیتا ہے (۲) دونوں سے
 اور فرمایا ہے جب تک مسلمان مسجد میں نماز پڑھتا رہتا ہے فوشۃ اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں اسی لیے ہن ای
 اللہ سیر رحمت اور ہر گز اللہ سے غافل نہ ہو۔ اور فرمایا ہے کہ اس حدیث نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ
 زمین میں جسے گھر میں اور انھیں باہر کھنے والے پیری زلیمت کر لے وہ اسے میں اس بندے کیلئے

تو تھالی ہو جانے گھر سے پاک صاف ہو کر مسجد میں میری زیارت کو آتا ہوں اور مجھ پر حق ہو کہ اپنے گھر میں آئیوں
 کا کرم کروں اور حضرت سعید بن مسیب کا قول ہو کہ مسجد میں بیٹھنے والا اپنے رب کا ہم نشین ہوتا ہوں لہذا اسکو
 چاہیے کہ مسجد میں خیر کے سوا کچھ نہ کرے حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں مسجد میں چراغ جلائیوں اور کیلیے جب تک
 وہ جلتا رہے فرشتے اور حاملان عرش مغفرت طلب کرتے ہیں اور حضرت علی اکرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہوں کہ انسان کے
 مرنے کے بعد زمین سے اُسکی ناز پڑھنے کی جگہ و آسمان میں سے اُسکے عمل کے پڑھنے کی جگہ آپس روتی ہو اور اُسکی
 صداقت میں یہ آیت پڑھی نذابت علیہم السماء والأرض وما کا نوا منظرین اور منقول ہو کہ قیامت کے
 دن اذان سن کر وضو کیلئے مستعد ہو جائیوں اور قبروں سے اُٹھ کر نکلیں گے کہ اُنکے چہرے ستاروں کی طرح چمکنے لگیں
 اور وقت سے پہلے وضو کرنا والوں کے چہرے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور مسجد میں اذان سے پہلے آجانیوں والوں کے
 چہرے آفتاب کی طرح چمکتے ہوں گے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہو کہ حضور سرور انبیاء علیہ السلام نے فرمایا
 کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پا کر فرمایا میرا دل چاہتا ہو کہ تلاش کر کے اُنکے گھر چلا دوں اور حضرت عثمان رضی اللہ
 عنہ نے مرفوعاً روایت کی ہو کہ جو شخص عشا کی نماز جماعت سے بڑھتا ہو وہ آدھی رات جاگنے کا ثواب پاتا ہو اور جسے
 فجر کی نماز بھی جماعت سے پڑھی وہ تمام رات جاگنے کا ثواب پاتا ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں
 جسے اذان سنی اور مسجد میں آیا اسے بہتری کا ارادہ نہیں کیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے راگنا
 بگھلا کر آدمی کے کان میں بھر دینا اس سے اچھا ہو کہ وہ اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے۔ مجھے اس وقت دو مسلمانوں کا
 واقعہ یاد آگیا جو اپنے اپنے کھیتوں میں بانی دے رہے تھے جب مسجد میں اذان ہوئی تو ایک نے یہ خیال کیا کہ اگر میں
 مسجد میں جا کر نماز پڑھتا ہوں تو کھیت اتنی دیر میں خراب ہو جائیگا دوسرے نے خیال کیا چاہے کھیت درست ہے
 یا خراب ہو میں نماز مسجد میں پڑھوں گا اور کھیت کو چھوڑ کے مسجد چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے نیچے جو ہوں سے بل
 بنوا دیا کہ جتنا بانی مسجد میں نہاں ہو اسے اپنے کھیت میں دیا وہ سب مسجد میں جانیں والے کے کھیت میں آگیا اور
 حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا ہو کہ جماعت نماز پڑھنے والے کا سینہ عبادت سے بڑھ جاتا ہو
 اور اپنے فرمایا ہو جسے کابھی کی وجہ سے نماز جماعت ترک کی وہ بارہ بلاؤں میں مبتلا ہوتا ہو (۱) رزق سے برکت اٹھ جاتی
 ہو (۲) غم و غمناخ تو اس سے دور ہو جاتا ہو (۳) مسلمانوں سے اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں (۴) بیاس کی حالت
 میں اُسکی روح قبض کی جائیگی یعنی اُسکو مرتے وقت اتنی بیاس ہوئی ہو کہ گوشت پانی زائد پانی ملا دیا جائے اُسکی
 بیاس نہیں بھرنی (۵) موت کے وقت زوال ایمان کا خوف ہو (۶) نزع کی تکلیف سخت ہوئی (۷) سوال قبر سخت ہوتا ہے

(۹) قبر میں تاریکی زائد ہوتی ہے (۱۰) قبر اتنی تنگ ہوگی کہ سپلیان اسپین لمبائیں گی (۱۱) حساب قیامت میں سختی ہوگی (۱۲) اسد اس سے بیزار ہوگا (۱۳) دوزخ میں جائیگا۔ یہ کنز الاخبار میں ہے اسیلے کہا جاتا ہے کہ اذان سننے والے کو ترک جماعت کی نصیحت نہیں ہے۔ اور فرمایا ہے جسے نماز اور جماعت دونوں کو ترک کیا وہ توراۃ انجیل زبور اور قرآن شریف میں ملعون ہے تاکہ جماعت جب زمین پر چلتا ہو تو زمین اُس پر لعنت کرتی ہے اسد فرشتے اور سب جاندار چیزیں اُس سے بغض رکھتی ہیں اُس پر دہائی کی مچھلیاں زمین آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں اور فرمایا ہے جسے نیچا نہ نماز جماعت کیساتھ پڑھی اسکو پانچ چیزیں ملتی ہیں (۱) وہ دنیا میں کسی کا محتاج نہ ہوگا (۲) عذاب قبر سے محفوظ رہیگا (۳) قیامت میں نامہ اعمال اُسکے اپنے ہاتھ میں ہوگا (۴) بل صراط پر چلی کی طرح گزریگا (۵) بے حساب جنت میں جائیگا۔ اور فرمایا ہے جو نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور وہ چالیس برس تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے اور فرمایا ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ سجدہ و نکوش سفید اونٹ کے اٹھائے گا کہ اُنکے پاؤں غبر کے گدے اور زمین زعفران کی اور سر مشک کے اور کان زمر و سبز کے ہونگے انکو موزوں کھینچیں گے اور امام انگلیں گے اور میدان حشر میں تیز چلی کی طرح چلیں گے فرشتے پوچھیں گے کہ یہ وہ گدا یہ مقرب فرشتے ہیں یا انبیاء ہوں گی نہ یہ مقرب فرشتے ہیں نہ انبیاء بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو امت محمدی میں جماعت سے نماز پڑھتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا جو آدمی تمام رات نماز پڑھتا ہو اور ہمیشہ روزہ رکھتا ہو مگر مجبور جماعت میں شریک نہ ہوتا ہو اگر وہ اسی حال میں مر جائے تو آپ اُسکے حق میں کیا حکم دیں گے فرمایا وہ دوزخ میں جائیگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور نبی کریم علیہ التحیۃ و السلام کی خدمت میں حاضر ہو دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ابی کرم رضی اللہ عنہ تھے اور آپ سے پوچھا مجھے مسجد میں پہنچانے والا کوئی شخص نہیں ہے کیا آپ مجھے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت دیتے ہیں آپ نے اجازت دیدی جب خدمت ہو کر چلے تو پھر بلا کر اپنے اُنسے پوچھا کیا اذان تک سنانی دیتی ہے اُنھوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا پھر مسجد ہی میں آیا کہ وہ غرض ساجد کی عزت اور حرمت کو نہا ہر مسلمان کو لازم ہے اور بقدر وسعت ہر مالدار اور غریب کو اُنکی باطنی اور ظاہری تعمیر میں کوشاں رہنا چاہیے اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اُنکی توفیق دے کہ اُسکے گھر کی عظمت کریں اور شریعت محمدی کی پیروی کریں تاکہ دین اور دنیا دونوں میں فائدہ اُٹھائیں آمین حررہ العبد الاداء الراجی نعمۃ اللہ و رضنا محمد ربک اللہ المکنوئی المفرغی علی سترہ ذنوبہ الحلی و الخفی بحجۃ النبی الامین آلہ الطاہرین واصحابہ المطہرین۔